بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
"استقامت" ڈائجسٹ کی تاریخی پیشکش
ماہنامہ
استقامت
ڈائجسٹ
کانپور کا
تحفظ عقائد نمبر
مصنف و مرتب: ظہیر الدین قادری
ادارہ استقامت ۸۸/۲۴ ریل بازار کانپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ماہنامہ
استقامت
ڈائجسٹ
کانپور کا
تحفظ عقائد نمبر
مصنف و مرتب
ظہیر الدین قادری
ایڈیٹر استقامت
شائع کردہ
ادارہ استقامت ۴۸۸/۲۴ ریل بازار کانپور

مرتد سلمان رشدی کی دل آزار و ناپاک کتاب

شیطانی آیات

کا جواب

مرتب و مصنف

محمد ظہیر الدین قادری
ایڈیٹر استقامت کانپور
فون ۲۵۲۳۱۸

ماہِ مقدس ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
مطابق جولائی ۱۹۹۶ء

تزئین و کتابت نصرت علیخاں
مطبوعہ: امپیریل پریس لال کنواں دہلی
زرق الماسی قادری رامپوری

شرفِ انتساب

تحفظ عقائد نمبر بشمول "شیطانی آیات بجواب ایمانی آیات" کی مثالی کوشش وکاوش کو اپنے مرشد گرامی۔ گل گلزار برکاتیت مخدومی و اُستاذی تاج العلماء سراج العرفاء حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید شاہ اولادرسول **محمد میاں** قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ بیکس پناہ میں بصد عقیدت و نیاز پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کی نگاہ ولایت نے مجھے خاک سے پاک بنایا۔ اور جن کی روحانیت و کرامت نے قدم قدم پر میری بھرپور دستگیری فرمائی۔

اس مردِ حق آگاہ کی نگاہ التفات کی بدولت آج بھی بیشمار قلوب حُبِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نور سے جگمگا رہے ہیں۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے مری سرکاروں کے (اعلیحضرت)

خاکپائے برکاتی۔ محمد ظہیرالدین قادری

مینارۂ نور
عارف باللہ، ولی کامل، احسن العلماء حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں
قادری برکاتی سجادہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی
بارگاہِ نوری میں
خراجِ عقیدت و نذرانۂ محبت
جن کے فیضِ روحانی نے اطرافِ عالم میں لاکھوں سینے قادری و نوری قندیلوں میں
تبدیل ہو گئے۔ جو اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنی دعوتی و فکری جد و جہد کے
اعتبار سے ایک عہد آفریں تاریخ کے مالک تھے اسلام و سنیت کے مینارۂ نور تھے
خانوادۂ برکاتیہ کے ایک یادگار اور منفرد روشن چراغ تھے
۱۴ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۹۶ء یوم دوشنبہ مبارکہ
رات ۹ بجکر ۴۰ منٹ پر وصال پُر ملال کی خبر سن کر دنیا بھر کے مسلمان
بلک پڑے اور بیک زبان پکار اُٹھے
اے نقیبِ اعلیٰحضرت مظہرِ حیدر حسن
اے بہارِ باغِ زہرا میرے برکاتی چمن
محمد ظہیر الدین قادری

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ...... بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ

(پارہ ۱ رکوع ۱)

منافقین اسلام

قرآن کی روشنی میں

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی۔ اور اُن کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو۔ اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور انہیں شعور نہیں ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی۔ اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے بدلا ان کے جھوٹ کا۔

(کنزالایمان)
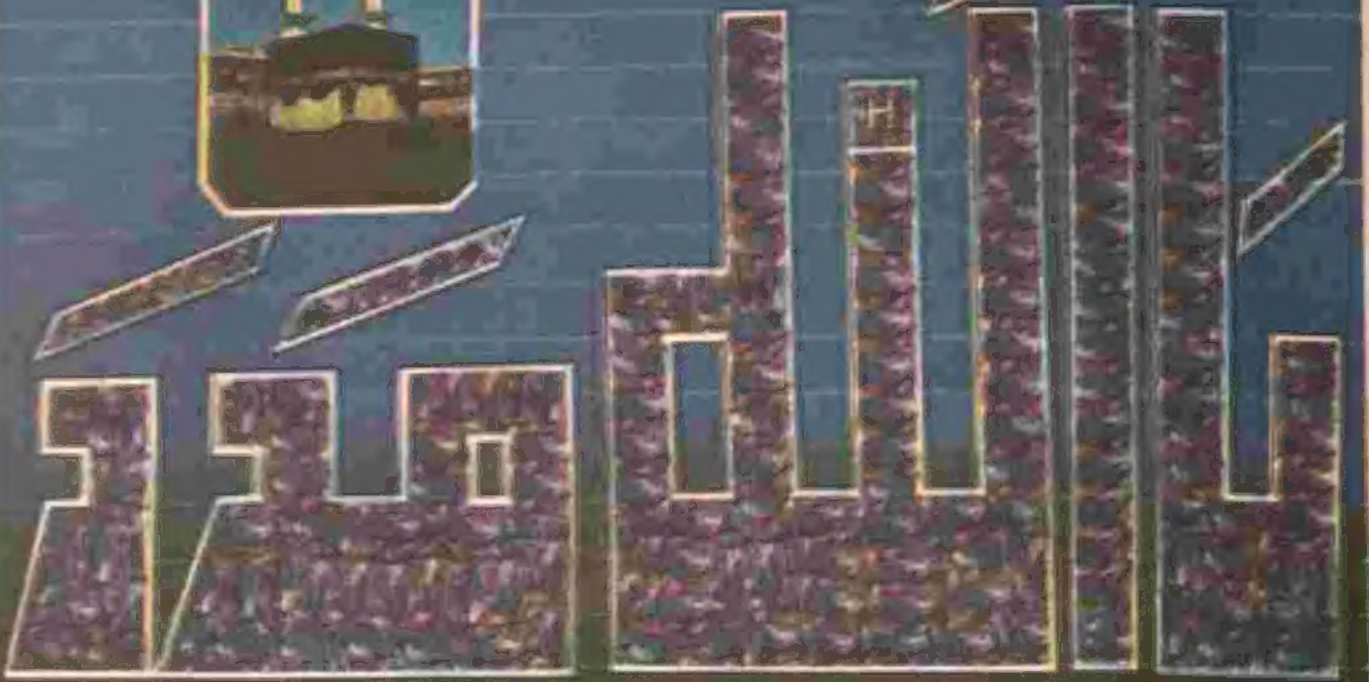
وضاحت :- لوگ تین قسم کے ہیں۔ مومن، کافر، منافق۔ مومن وہ جس کے
دل و زبان میں ایمان ہو۔ کافر وہ جس کے دل و زبان پر کفر ہو۔ منافق وہ جس کے
دل میں کفر ہو، مگر تقیہ کرکے زبان پر اسلام ظاہر کرے۔ سب میں بدتر منافق ہے۔
پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ دل میں حضرت آدم کا دشمن تھا۔ اور زبان سے دوست
بنا۔ قرآن فرماتا ہے وہ ایمان والے نہیں۔ یا تو اس لئے یہ مومن نہیں کہ دل
سے نہیں کہہ رہے ہیں یا اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور قیامت کا نام تو لیا
مگر رسول کا نام نہ لیا۔ جو رسول کو چھوڑ کر باقی ساری چیزوں کو مان لے
وہ کافر ہی ہے۔ جیسے ابلیس کہ سارے ایمانیات کا معتقد تھا مگر کافر
ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ رسالت کا منکر ہے۔ معلوم ہوا
کہ تقیہ بدترین عیب ہے جس دین کی بنا تقیہ پر ہو
وہ باطل ہے اور تقیہ باز سخت دردناک
عذاب کا مستحق ہے۔
(خلاصہ تفسیر نور العرفان)

دُعائے رحمت سے محروم

حدیث شریف: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے لئے دعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا قالوا يا رسول الله وفي نجدنا قال اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا قالوا يا رسول الله وفي نجدنا فاظنه قال في الثالثة هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان. (بخاری)

ترجمہ: خداوندا! ہمارے لئے ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما (دعا کرتے وقت نجد کے کچھ لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے) انہوں نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں یا رسول اللہ۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا خداوندا ہمارے لئے شام اور یمن میں برکت نازل فرما۔ پھر دوبارہ نجد کے لوگوں نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں یا رسول اللہ! راوی کا بیان ہے کہ تیسری مرتبہ میں حضور نے فرمایا کہ وہ زلزلوں اور فتنوں کی جگہ ہے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔

(بخاری)

شیطان کی سینگ

عام طور پر "قرن الشیطان" کا ترجمہ "شیطان کی سینگ" کیا جاتا ہے۔ مصباح اللغات میں اس کا ایک ترجمہ "شیطان کی رائے کا پابند" بھی کیا گیا ہے (ص ۶۶۳) بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجد خیر و برکت کی جگہ نہیں بلکہ فتنہ و شر کی جگہ ہے۔ کیونکہ رحمۃ للعلمین کی دعائے خیر سے محروم ہو جانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہمیشہ کے لئے اس خطے پر شقاوت و بدبختی کی مُہر لگ گئی۔ اب وہاں سے کسی خیر کی توقع رکھنا تقدیر الٰہی سے جنگ کرنا ہے ـــــ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہاں کی خاک سے کوئی ایسا شخص ضرور اُٹھے گا جو شیطان کی رائے کا پابند ہوگا یا جس طرح سینگ کی پھیل جانے والی پہلی کرن کو قرن الشمس کہتے ہیں اسی طرح شیطان کا فتنہ بھی وہاں سے سارے جہاں میں پھیل جائے گا۔

اشارۂ محسوس: نجد و حجاز کا اٹلس (جغرافیائی نقشہ) سامنے رکھئے تو آپ کو واضح طور پر نظر آئیگا کہ نجد کا علاقہ مدینہ منورہ کے بالکل مشرقی سمت پر واقع ہے۔ مدینے سے سرکار مدینہ نے جن الفاظ میں اس سمت کی طرف اشارہ کئے ہیں وہ ایک وفادار مومن کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نگاہِ رسالت پناہ میں نجد کا فتنہ امت کے لئے کس درجہ ہولناک اور ایمان شکن تھا۔ (بخاری)

●●●●●●●●

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا ..... فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ٥ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۲)
نفاق
کفر
سے
القرآن
ترجمہ : جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں
کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ
جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق
ضرور جھوٹے ہیں اور انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرا لیا۔ تو اللہ کی
راہ سے روکا۔ بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں یہ اس
لئے کہ وہ زبان سے ایمان لائے۔ پھر دل سے کافر ہوئے تو اُنکے دلوں
پر مہر کر دی گئی۔ تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (کنز الایمان)
۱۳

وضاحت: معلوم ہوا کہ نفاق سے حضور کی بارگاہ میں آنا گناہ ہے کہ رب
تعالیٰ نے منافقوں کی یہ حاضری ان کے عیوب میں شمار فرمائی۔ جیسے کفار کا حضور
کے چہرۂ انور کو دیکھنا گناہ ہے۔ ایمان کے ساتھ اس بارگاہ میں حاضری
انہیں دیکھنا بہترین عبادت ہے۔ جو مومن کو صحابی بنا دیتی ہے۔ عمل ایک ہے
مگر نیت کے اختلاف سے احکام مختلف ہیں۔ اسی لئے قرآن نے فرمایا منافق
جھوٹے ہیں۔ یعنی وہ خود اپنے کو اس قول میں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ گواہی وہ ہے
جو دل سے دی جائے۔ یہ لوگ صرف زبان سے کہہ رہے ہیں
معلوم ہوا کہ بارگاہِ نبوی ایسی نازک ہے کہ کبھی انسان بات
سچی کہتا ہے مگر جھوٹا ہوتا ہے وہاں صرف زبان نہیں دیکھی جاتی
دل کی گہرائیوں پر نظر ہے زیادہ قسمیں کھا کر اپنے مومن ہونے کا
ثبوت دینا منافقوں کا کام ہے تبھی قرآن نے فرمایا کہ وہ دل
سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے یہی منافقوں کا کلمہ ہے۔
(تفسیر نور العرفان)
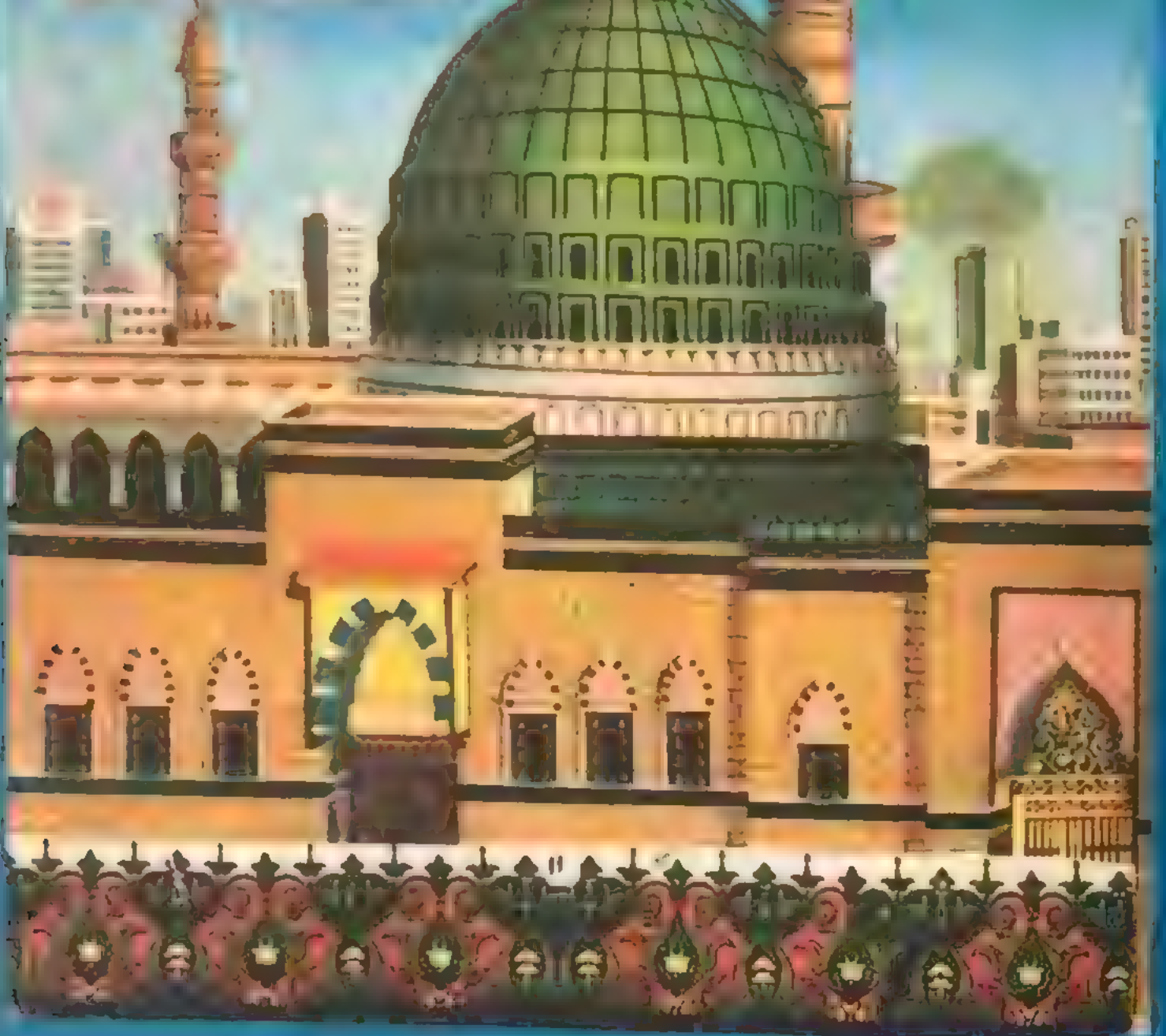
مُنافِق کی پہچان

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

قال بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه
وسلم ويقسم قسما اتاه ذوالخُوَيْصَرة وهو
رجل من بنى تميم فقال يا رسول الله
اعدل فقال ويلك فمن يعدل اذا لم
اعدل قد خبت وخسرت ان لم
اكن اعدل فقال عمر ائذن لى
اضرب عنقه فقال دعه فان
له اصحابا يحقرُ احدكم
صلوٰته مع صلوٰتهم و
صيامه مع صيامهم يقرؤن
القرآن لا يجاوز تراقيهم يمر
قون من الدين كما يمرق
السهم من الرمية۔

(مشکوٰۃ ص ۵۲۵)

قرآن حلق سے نہیں اُترے گا

ترجمہ:

وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور انور کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلۂ بنی تمیم کا رہنے والا تھا، آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ہے انصاف سے کام لو۔ حضور نے فرمایا: افسوس تیری جسارت پر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرنے والا ہے اگر میں انصاف نہ کرتا تو خائب و خاسر ہو چکا ہوتا۔ حضرت عمر سے جب نہیں رہا گیا تو انہوں نے عرض کیا حضور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

حضور نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ اکیلا نہیں ہے، اس کے بہت سے ساتھی ہیں جن کی نمازوں اور جن کے روزوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھوگے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ ان ساری ظاہری خوبیوں کے باوجود وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

فبای الاء ربکما تکذبن
یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ..... مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ
پ ۱۰ رکوع ۱۵
ترجمہ :۔ اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقین پر۔ اور ان پر سختی کرو۔ اور انکا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا۔ اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔ اور اسلام میں آکر کافر ہوگئے اور وہ چاہا تھا جو انہیں نہ ملا۔ اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ تو اگر وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے اور اگر منہ پھیریں تو اللہ انہیں سخت عذاب کرے گا۔ دنیا اور آخرت میں۔ اور زمین میں کوئی نہ ان کا حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔
(کنزالایمان)
منافقین پر
سخت ترین
جہاد کا حکم
القرآن

وضاحت :- شانِ نزول: غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے برُے انجام کا ذکر فرمایا تو ایک شخص جلاس نے کہا کہ اگر حضور سچے ہیں تو ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہوئے۔ عامر ابن قیس نے یہ خبر حضور کے گوش گذار کر دی۔ حضور نے جلاس سے پوچھا وہ قسم کھا گیا کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ عامر نے مجھ پر تہمت باندھی ہے۔ پھر عامر نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے سچ کہا ہے۔ اور عامر نے دعا کی کہ مولا! سچے کی تصدیق فرما دے اُس وقت یہ آیت کریمہ اتری۔ روایت میں ہے کہ جلاس نے توبہ کرلی۔ اور مخلص مومن بن گیا۔ (خزائن العرفان)

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں کفار کا ذکر ہے پہلے کفار سے مراد حربی کفار ہیں۔ اور کفار سے جہاد تلوار سے ہے۔ منافقین سے جہاد زبانی سختی اور قوی دلائل سے ہے۔ معلوم ہوا کہ کھلے کافر اور منافق دوزخی ہونے میں برابر ہیں۔ اگرچہ دنیا میں ان کے احکام مختلف ہیں۔ مذکورہ آیت میں ہے یعنی ظاہری طور پر مسلمان ہونے کے بعد ظاہری کافر بھی ہوگئے۔ کیونکہ منافقین در حقیقت پہلے ہی سے کافر تھے۔ جلاس نے عامر کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر نہ کر سکا۔

(خلاصہ تفسیر نور العرفان)

پہچان سر منڈانا ہے

حدیث شریف :۔ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سیکون فی امتی اختلاف و فرقۃ قوم یحسنون القیل و یسیئون الفعل یقرؤن القراٰن لا یجاوز تراقیھم یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیۃ لا یرجعون حتی یرتد السھم علی فوقہ ھم شر الخلق والخلیقۃ طوبیٰ لمن قتلھم و قتلوہ یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منا فی شیئ من قاتلھم کان اولیٰ باللہ منھم قالوا یا رسول اللہ ما سیماھم قال التحلیق۔

(مشکوٰۃ ص ۳۰۸)

بدترین مخلوق

ترجمہ :۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں اختلاف و تفریق کا واقع ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ پس اس سلسلے میں ایک گروہ نکلے گا جس کی باتیں بظاہر دل فریب و خوش نما ہوں گی لیکن کردار گمراہ کن اور خراب ہوگا۔ وہ قرآن پڑھیں گے۔ لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر دین کی طرف واپس لوٹنا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ یہاں تک تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے۔ وہ اپنی طبیعت و سرشت کے لحاظ سے بدترین مخلوق ہوں گے وہ لوگوں کو قرآن اور دین کی طرف بلائیں گے حالانکہ دین سے ان کا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا جو ان سے قتال کرے گا وہ خدا کا مقرب ترین بندہ ہوگا۔ صحابہ نے فرمایا ان کی خاص پہچان کیا ہوگی یا رسول اللہ۔ فرمایا سر منڈانا۔

مرتد کی سزا
قتل
ہے
ارشادِ قرآنی
فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ . . . . وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۵پ رکوع ۸
ترجمہ: تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے
اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب. کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ
دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا. اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز اس کے لئے راہ نہ پائے
گا. وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے. تو تم سب
ایک ہو جاؤ تو ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں
پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست نہ ٹھہراؤ نہ مددگار. (کنزالایمان)
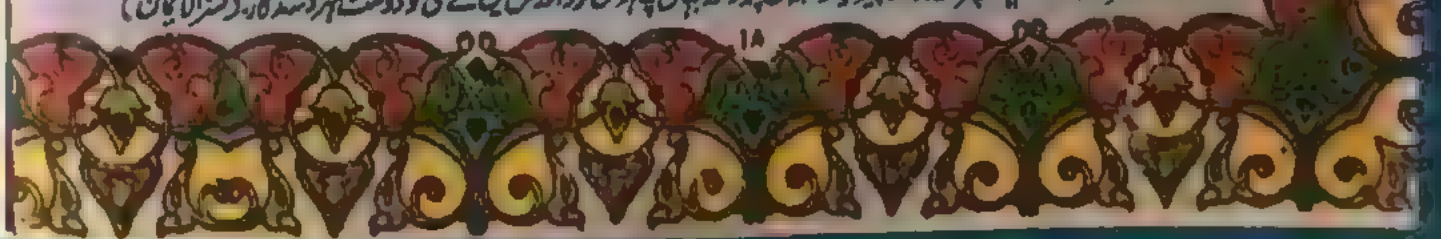
وضاحت:- جو منافق مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے بلکہ ان کے خلاف کفار سے ساز باز کی اور ان کی یہ حرکت مسلمانوں پر کھل گئی تو وہ شریعت کے مرتد، ملت کے باغی، ملک کے غدار، بہرحال قتل کے سزاوار ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابل کفار سے ساز باز کرنے والا قتل کا مستحق ہے اگرچہ کلمہ ہی پڑھتا ہو۔ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری جو جنگ بدر میں حضور کے ساتھ روانہ ہوئے راستہ میں مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر مکہ چلے گئے اور مشرکین سے مل گئے۔ ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ آیا یہ لوگ منافق ہیں یا مجاہر کافر ہیں۔ انہیں قتل کیا جائے یا نہیں؟ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (روح) اب نے حکم دیا کہ یہ ایمان نہ لائیں تو انہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے (خلاصہ تفسیر نور العرفان)

منافق
حدیث کی روشنی میں
اقبل رجل غائر العینین ناتئ الجبهة کث
اللحیة مشرف الوجنتین محلوق الراس
فقال یا محمد اتق الله فقال فمن
یطع الله اذا عصیته فیأمنني الله
علی اهل الارض ولا تامنوني
فسأل قتله فمنعه فلما ولی
قال ان من ضئضئ هذا قوما
یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرهم
یمرقون من الاسلام مروق السهم من
الرمیة فیقتلون اهل الاسلام ویدعون
اهل الاوثان لئن ادرکتهم لاقتلنهم
قتل عاد۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۵)
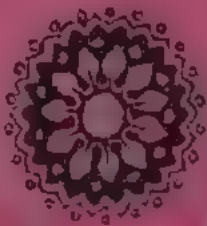
اس کی نسل سے

ایک جماعت پیدا ہوگی

ترجمہ:۔ ایک ایسا شخص آیا جس کی گہری آنکھیں کھڑا تھا
کھچڑی داڑھی، ڈھلکی ہوئی گالیں اور مونڈھا ہوا سر کہنے لگا اے
محمدؐ! اللہ سے ڈرو۔ حضور نے فرمایا میں ہی نافرمان ہو
جاؤں گا تو اللہ کی فرماں برداری کون کرے گا۔ اللہ
نے تو مجھے زمین والوں پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے
امین نہیں سمجھتے۔ اسی درمیان میں ایک صحابی نے اس کے
قتل کی اجازت چاہی۔ حضور نے انہیں روک دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو
فرمایا کہ اس کی نسل سے ایک جماعت پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے
لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے
نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو
قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر
میں انہیں پاتا تو قوم عاد کی طرح ان کے ساتھ
قتال کرتا۔

یا اللہ

لا الٰہ الا اللہ

کافِر ہو گئے اِیمان لانے کے بعد

القرآن

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ ..... بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ٥ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۴)

ترجمہ:۔ منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت ایسی اترے جو ان کے دلوں کی چھپی جتادے۔ تم فرماؤ ہنسے جاؤ۔ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے۔ اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ (کنزالایمان)

سے مسلمان منبع
جہان جاتے ہے۔ بس
سے تُنبّئھم میں ضمیر
کے زبانی کی تیسرے یہ
کہ حضور ہر دو جہان میں۔
منافقوں کو حتی کہ دیکھ کے
ہو ا نہیں فرمانے قرآن
ان بد نصیبوں کے راز
فاش فرماتا ہے۔ شان
نزول یہ ہے کہ غزوۂ تبوک
میں جاتے ہوئے تین
منافقوں میں سے دو تو یہ
ہیں بولے کہ حضور کا خیال
ہے کہ ہم روم پر غالب آ
جائیں گے۔ یہ بالکل غلط
ہے۔ تیسرا خاموش تھا کر
ان کی باتوں پر ہنستا تھا
حضور نے ان تینوں کو بلا کر
پوچھا تو وہ بولے کہ ہم تو
راستہ کاٹنے کے لئے دل
لگی کرنے جا رہے تھے اس
پر یہ آیت اُتری معلوم ہوا
کہ کفر کی باتیں سُن کر ہنسنا یا
خاموش رہنا بھی کفر ہے۔
کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے۔
اس لئے رب نے فرمایا کہ تم
کافر ہو گئے ایمان لانے کے
بعد۔

خلاصہ
(تفسیر نور العرفان)

وَضاحَت :۔ خیال رہے کہ عَلَيْهِمْ۔ تُنَبِّئُهُمْ کی ضمیریں
مسلمانوں کی طرف اور قُلُوبِهِمْ کی ضمیر منافقوں کی طرف لوٹتی ہے۔
اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ قرآن کا حضور پر اترنا گویا
اُمّت پر اترنا ہے۔ کیونکہ قرآن سے امّت کی ہدایت مقصود ہے۔ دوسرے
یہ کہ حضور تو منافقوں کو پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ مگر منافقوں کی آیات اُترنے
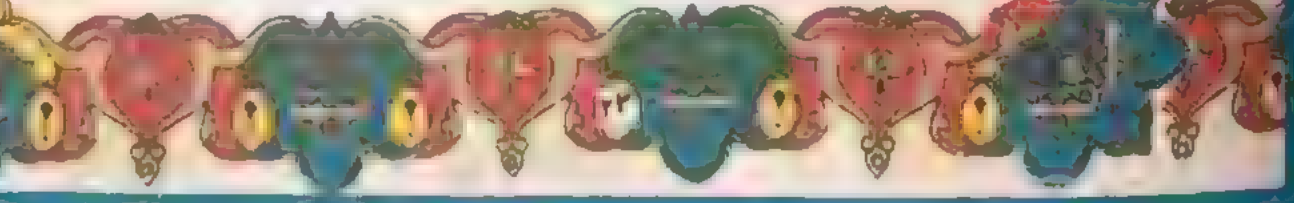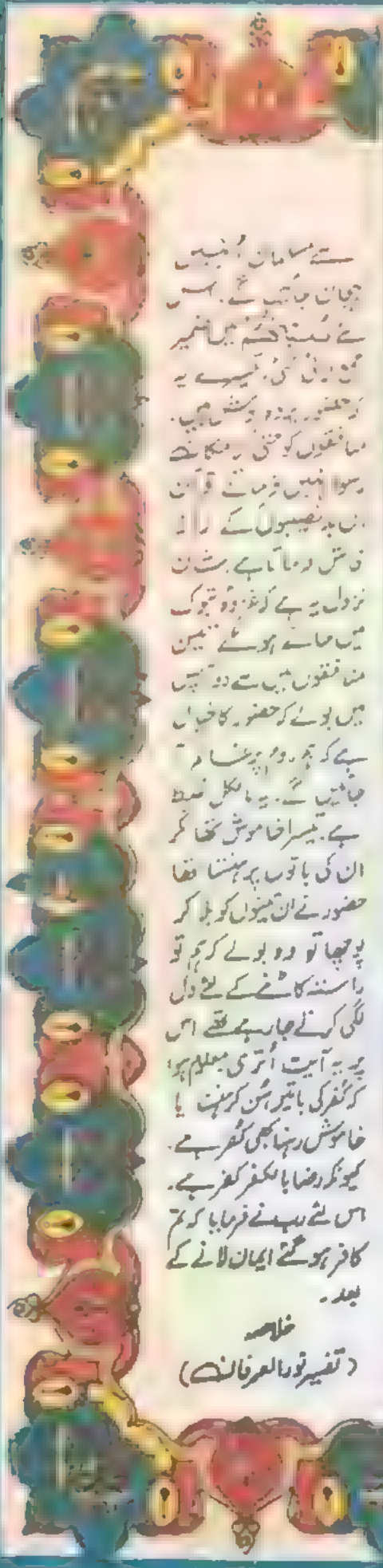
نام نہاد نمازی کا قتل

محدث کبیر امام ابو یعلیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخریج فرمائی اور صاحب ابریز نے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا:۔

عن انس قال كان فينا شاب ذو عبادة وزهد واجتهاد فسميناه لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فلم يعرفه ووصفناه بصفة فلم يعرفه فبينما نحن كذالك اذا قبل فقلنا يا رسول الله هو هذا فقال انى لارى على وجهه سفعة من الشيطن فجاء فسلم فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اجعلت فى نفسك ان ليس فى القوم خير منك فقال اللهم نعم ثم ولى فدخل المسجد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال ابوبكر انا فدخل فاذا هو قائم يصلى فقال ابوبكر كيف اقتل رجلا وهو يصلى وقد نها النبى صلى الله عليه وسلم عن قتل المصلين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال عمر انا يا رسول الله فدخل المسجد فاذا هو ساجد فقال مثل ما قال ابوبكر واراد لا رجعن فقد رجع من هو خير منى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مه يا عمر فذكر له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال على انا فقال انت تقتله ان وجدته فدخل المسجد فوجده قد خرج فقال اما والله لو قتله لكان اولهم وآخرهم ولما اختلفا فى امتى اثنان۔

(ابریز شریف ص ۲۷۷)

حدیث پاک کی روشنی میں

ترجمہ:

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ مدینے میں ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا ہم نے ایک دن حضور سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور اسے نہیں جان سکے پھر اس کے حالات و اوصاف بیان کئے جب بھی حضور اسے نہیں پہچان سکے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ اچانک سامنے آگیا جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضور کو خبر دی کہ یہ وہی نوجوان ہے۔ حضور نے اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا میں اس کے چہرے پر شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں۔ اتنے میں وہ حضور کے قریب آیا اور سلام کیا۔ حضور نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ تجھ سے بہتر یہاں کوئی نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں! اس کے بعد جیسے ہی وہ مسجد کے اندر داخل ہوا حضور نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے حضرت ابوبکر نے جواب دیا میں۔ اس ارادے سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھ کر واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں جبکہ حضور نے نمازی کے قتل سے منع کیا ہے پھر حضور نے آواز دی کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا میں۔ جب وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر حضرت ابوبکر کی طرح واپس لوٹ آئے پھر حضور نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا میں۔ حضور نے فرمایا تم اسے ضرور قتل کر دو گے بشرطیکہ وہ تمہیں مل جائے لیکن جب حضرت علی مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا۔ حضور نے فرمایا اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں میں سے پہلا اور آخری شخص ثابت ہوتا میری امت کے دو افراد بھی کبھی آپس میں نہیں لڑتے۔

باغیٔ اسلام
کو
قتل کا حکم
القرآن
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ ...... عَذَابًا اَلِیْمًا
(پارہ ۲۶ رکوع ۱۰)
ترجمہ:۔ وہ چاہتے ہیں اللہ کا کلام بدل دیں۔ تم فرماؤ ہرگز
تم ہمارے ساتھ نہ آؤ۔ اللہ نے پہلے سے یوہیں فرمادیا ہے تو اب
کہیں گے بلکہ تم ہم سے جلتے ہو۔ بلکہ وہ بات نہ سمجھتے تھے مگر تھوڑی
ان پیچھے رہ گئے گنواروں سے فرماؤ عنقریب تم ایک سخت
لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو۔ یا وہ
مسلمان ہو جائیں۔ پھر اگر تم فرمان مانو گے اللہ تمہیں اچھا ثواب
دے گا۔ اور اگر پھر جاؤ گے جیسا کہ پہلے پھر گئے تو تمہیں درد ناک
عذاب دے گا۔
(کنزالایمان)

وضاحت: یہاں کلام اللہ سے مراد رب تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ خیبر میں صرف حدیبیہ
والے جائیں گے وہاں کی غنیمت صرف انہیں کا حصہ ہے۔ صحابہ کرام کے کام رب کی طرف
سے تھے۔ ان پر اعتراض رب پر اعتراض ہے۔ صحابہ بالخصوص بیعت الرضوان والوں کو حاسد
یا خائن کہنا منافقوں کا کام ہے۔ یمامہ والے قبیلہ بنی حنیفہ کے لوگ ہیں۔ جو مسیلمہ کذاب پر
ایمان لا کر مرتد ہوئے۔ خلافت صدیقی میں ان سے سخت تر جنگ ہوئی جس میں بہت سے صحابہ
شہید ہوئے۔ مسیلمہ جہنم رسید ہوا۔ اتنے حفاظ صحابہ شہید ہوئے کہ قرآن کریم کی حفاظت خطرے
میں پڑ گئی۔ تب قرآن کریم جمع کیا گیا تاکہ کتابی شکل میں بھی آجاوے۔ قرآن نے فرمایا ان (مرتدین)
سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ وہ لوگ مرتدین ہوں گے۔ مرتد سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ ان
کے لئے قتل ہے یا اسلام۔ معلوم ہوا کہ حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی کو نبی ماننا کفر مانا گیا ہے کہ یمامہ
والے مسیلمہ کو نبی ماننے کی بنا پر مرتد مانے گئے۔ نیز معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے (تفسیر نور العرفان)

آخری دستہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا

حدیث شریف :- حضرت شریک ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے اس میں انہوں نے گستاخ شخص کے متعلق سرکار رسالت مآب کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

ثم قال یخرج فی آخر الزمان قوم کان ھذا منھم یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیہ سیماھم التحلیق لا یزالون یخرجون حتیٰ یخرج آخرھم مع المسیح الدجال فاذا لقیتموھم ھم شر الخلق والخلیقۃ۔

(مشکوٰۃ ص ۳۰۹)

ترجمہ :- پھر حضور نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک گروہ نکلے گا گویا یہ شخص اسی گروہ کا ایک فرد ہے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے ان کی خاص پہچان "سر منڈانا" ہے وہ ہمیشہ گروہ در گروہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری دستہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان سے ملوگے تو انہیں اپنی طبیعت و سرشت کے لحاظ سے بدترین پاؤ گے۔

قاتل کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے

حدیث شریف :- اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حدیث کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ قسم خدا کی آسمان سے زمین پر گر پڑنا میرے لئے آسان ہے لیکن حضور کی طرف سے کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے بعد اصل حدیث کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سیخرج قوم فی آخر الزمان حداث الاسنان سفہاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ لا یجاوز ایمانہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیہ فاینما لقیتموہم فاقتلوہم فان فی قتلہم اجراً لمن قتلہم یوم القیٰمۃ۔

(بخاری ج ۲ صـ ۲۲۴)

ترجمہ :- میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اخیر زمانے میں نو عمر اور کم سمجھ لوگوں کی ایک جماعت نکلے گی باتیں وہ بظاہر اچھی کہیں گے لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پس تم انہیں جہاں پانا قتل کر دینا کہ قیامت کے دن ان کے قاتل کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے۔

مقام ابراہیم
حجر اسود
توہینِ رسول
کا مرتکب
کافر ہے
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط
وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (پارہ ۱ البقرہ رکوع ۱۲)
ترجمہ :- اے ایمان والو۔ راعنا نہ کہو۔ اور یوں عرض کرو کہ
حضور ہم پر نظر رکھیں۔ اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ اور کافروں کے لئے دردناک
عذاب ہے۔ (کنز الایمان)

The first Mosque of Islam, the Mosque of Quba, is now a simple whitewashed building. It dates from the reign of the Turkish Caliph Mahmud II – 1199–1255 Hijrah (1784–1839). It was originally a structure of wattle and clay built by the Prophet himself and his fellow exiles from Mecca.

وضاحت

بعض دفعہ صحابہ حضور کے وعظ میں عرض کرتے رَاعِنَا یا رَسُولَ اللہ. ہماری رعایت فرماتے ہوئے یہ کلام واضح فرمادیں۔ یہود کی زبان میں یہ لفظ گالی تھا۔ اُنہوں نے بُری نیت سے یہی لفظ کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد نے یہود سے کہا کہ اگر تم آئندہ یہ لفظ بولے تو تمہاری گردن ماردوں گا۔ کیوں کہ آپ یہود کی زبان سے واقف تھے۔ یہود بولے کہ مسلمان بھی تو یہ لفظ بولتے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں تمام مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کردیا گیا۔ معلوم ہوا کہ حضور کی شان میں ہلکا لفظ بولنا کفر ہے اگرچہ توہین کی نیت نہ بھی ہو۔ اسی لئے فرمایا گیا وَلِلْکٰفِرِیْنَ (تفسیر نورالعرفان)

اداریہ

الحمد للہ رب العالمین

ہم جو کہتے ہیں وہی کر کے دکھا دیتے ہیں

ظہیر الدین قادری

لیجئے "تحفظ عقائد نمبر" پیش خدمت ہے:-

قارئین کرام: وہ عظیم، تاریخ ساز، عہد آفریں اور معلومات و معارف کا انمول و بے مثال خزینہ جس کے لئے آپ کو طویل، سخت، صبر آزما اور بے پناہ انتظار کی کلفتوں، زحمتوں اور پریشانیوں سے دو چار ہونا پڑا۔ اب وہ خزینہ بصورت "تحفظ عقائد نمبر" اپنی تمام تر تابانیوں، رعنائیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر آپ کی نظروں کے سامنے جلوہ گر و ضیاء بار ہے۔ یہ خوبصورت تحفہ، یہ انمول سوغات، یہ گرانقدر دولت، یہ بیش بہا خزینہ پا کر کیا اب بھی آپ کا غصہ فرو نہیں ہوا۔ کیا اب بھی آپ مدیر "استقامت" پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ کیا اب بھی آپ کے ہونٹوں پر تبسم کی قوس قزح بکھر نہیں سکی۔ کیا اب بھی آپ کو دیر آید درست آید کی کہاوت کی صداقت کو تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش ہے ——؟

تحفظ عقائد نمبر کی ترتیب و تکمیل کے جانگداز مراحل پر ایک نظر

صحافت کا میدان خاص کر دینی و مذہبی صحافت کا میدان کتنا سنگلاخ، کیسا سخت اور کس قدر ناہموار ہے۔ اس سے کم و بیش ہر صحافی، ہر قلمکار اور اس میدان سے تعلق رکھنے والا ہر دیدہ ور شخص بحسن و خوبی واقف ہے۔ میں نے اپنی چالیس سالہ صحافتی زندگی میں کیا کیا نشیب و فراز دیکھے۔ کیسے کیسے نامور قلمکار دل اور بلند حوصلہ صحافیوں کو سینہ

ساتھی ہے کوئی اور نہ کچھ زادِ سفر ہے
اللہ پہ بھروسہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نظر ہے

ٹھونک کر اس پُر خار و ناہموار و سنگلاخ سرزمین پر قدم رکھتے لڑکھڑاتے اور منہ کے بل گرتے دیکھا۔ کتنے کتنے رسائل و جرائد، اخبارات و مجلات کو اپنی بے پناہ آب و تاب اور چمک دمک کے ساتھ آسمانِ صحافت کے افق پر طلوع ہوتے جگمگاتے اور پھر کچھ ہی عرصہ میں غروب ہو کر فنا کے غار میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوتے دیکھا۔ اگر ان سب کی تاریخ مرتب کرنے پر آجاؤں تو شاید ایک ضخیم دفتر تیار ہو جائے۔ اس میدان میں آپ کو حوصلہ شکنی تو ملے گی مگر ہمت افزائی نہیں۔ نکتہ چیں اور عیب جو تو ملیں گے مگر ہم قدم و ہم سخن نہیں۔

اس مقام پر ایک واقعہ نقل کر دینا بے جا نہ ہوگا۔ چند سال پیشتر کی بات ہے۔ میں حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کی قدم بوسی اور حصولِ دعا کے لئے مارہرہ مطہرہ حاضر ہوا تو وہیں پر ایک ممتاز و نامور مفتی صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ مفتی صاحب سے جب میں نے "تحفظ عقائد نمبر" نکالنے کی بات کی اور ان سے قلمی تعاون اور مشورۂ نیک کا طلب گار ہوا تو انھوں نے بڑے ہی روکھے اور حوصلہ شکن انداز میں فرمایا کہ:

"ظہیر الدین قادری! مانا کہ آپ میدانِ صحافت کے ایک ماہر کھلاڑی ہیں اور اب تک آپ اولیاء نمبر، حج نمبر، شام کربلا نمبر، مفتی اعظم ہند نمبر، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی نمبر جیسے ممتاز اور جاندار و شاندار نمبر نکال چکے ہیں۔ لیکن تحفظ عقائد نمبر کا نکالنا آپ کے بس کی بات نہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ آپ یہ نمبر شایانِ شان طور پر نکالنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔"

مجھے مفتی صاحب کے اس طرزِ عمل اور اندازِ تکلم سے کافی صدمہ پہنچا۔ لیکن

ان کی اس حوصلہ شکن اور مایوس کن گفتگو کے باوجود میں نے ہمت نہ ہاری۔ میرے ذہن میں استقامت ڈائجسٹ کے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ہی کے انداز پر "تحفظ عقائد نمبر" مرتب کر کے منظر عام پر لانے کا جو ایک خاکہ وجود میں آچکا تھا۔ میں اس خاکہ کے اندر شب و روز رنگ بھرنے کے کام میں تن من دھن سے جٹ گیا۔ مجھے اس راہ کی اڑچنوں، رکاوٹوں، ناہمواریوں اور دشواریوں کا پورا پورا احساس تھا، لیکن اس جانگداز و جانگسل و ہمت شکن احساس کے باوجود میرا اس حقیقت پر یقین کامل تھا کہ ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

اب اس مقام پر "تحفظ عقائد نمبر" کی ترتیب و تالیف و تکمیل کے جانگداز مراحل کی المناک داستان سنا کر آپ کے وقت کو ضائع کرنا ہرگز مناسب نہیں سمجھتا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ؎

اس طرح طے کی ہیں ہم نے منزلیں
گر پڑے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے

اٹیچی کی چوری کا المناک واقعہ

"تحفظ عقائد نمبر" کس طرح اور کیوں کر آپ کے ہاتھوں تک پہنچا اور اس راستے میں مجھے کن کن دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کو بیان کرنا حقیقتاً آپ کا وقت ہی ضائع کرنا ہے، لیکن ایک المناک سانحہ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جس وجہ سے میرے اس عظیم کاز کو سخت دھچکا لگا۔ منزل تک پہنچنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ ہر طرف اندھیرا سا چھاتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ درحقیقت

یہی وہ واقعہ تھا جو عقائد نمبر کی جلد از جلد تکمیل کے راستے کا سب سے بڑا روڑا ثابت ہوا۔ جس کے باعث کتاب ہذا کے زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی اور ہمارے مخلصین و معاونین اور احباب کو انتظار کے جاں گسل لمحات سے دو چار ہونا پڑا۔ بعض حضرات تو میری نیت ہی پر شبہ کر بیٹھے، گالیوں بھرے خطوط آنے لگے۔ جبکہ خدا گواہ ہے کہ میں روز اوّل ہی سے پورے اخلاص وللٰہیت اور تندہی کے ساتھ نمبر کی تیاری اور اس کی طباعت کے لیے اسباب و وسائل کی فراہمی میں اپنے آرام کو تج کر ہمہ تن مصروف رہا۔ نگر نگر، شہر شہر کی خاک چھانی۔ معیاری پُر مغز اور معلومات افزا مضامین کے لیے بہترین اور صف اوّل کے علماء اور اہل قلم حضرات سے رابطہ قائم کیا۔ کتابت و تزئین کے لیے ملک کے ممتاز و منفرد کاتبوں اور آرٹسٹوں کی خدمات حاصل کیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے جس کی تفصیل میں جانا بے سود ہے۔ یہاں تو وہ المناک واقعہ بیان کرنا مقصود ہے جس کی کسک میں آج بھی محسوس کرتا ہوں اور شاید ہمیشہ محسوس کروں گا۔

یہ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کا واقعہ ہے۔ میں ملک کے اہل دل و دردمند حضرات سے نمبر کی اشاعت کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کی مہم پر نکلا ہوا تھا۔ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا ہوا میں اس دن باندرہ کے ریلوے اسٹیشن پر ٹرین کی آمد کا منتظر تھا کہ پلک جھپکتے ہی کسی روسیاہ نے میری اٹیچی چرالی ـــ وہ اٹیچی جس میں "تحفظ عقائد نمبر" کے کتابت شدہ تقریباً تین سو صفحات، اپنتیس ہزار روپے نقد، دس ہزار روپے کا ایک چیک، استقامت کا سرکاری لائسنس و دیگر ضروری کاغذات موجود تھے۔ اٹیچی کی چوری کا علم ہوتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے پیر کے نیچے سے زمین کھسک گئی ہو۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا ہو۔ یہ ایک ایسا سانحہ تھا کہ اگر کوئی نووارد کم ہمت صحافی ہوتا تو شاید وہ قدم آگے

بڑھانے کی جسارت نہ کرتا۔ اس کے حوصلے اس کا ساتھ چھوڑ جاتے، مگر میں تو "تحفظ عقائد نمبر" کو تکمیل سے ہمکنار کرنے کے لیے دیوانگی کی حد تک خود کو تیار کر چکا تھا۔ میں نے اپنی بچی کھچی قوتوں کو مجتمع کیا۔ اپنے پیشوایانِ طریقت سے روحانی مدد و حمایت کا خواستگار ہوا اور یہ شعر پڑھتا ہوا ضائع شدہ اوراق کی دوبارہ کتابت اور ان کی تزئین و آرائش کرانے میں جٹ گیا کہ ؎

کم ہمتی سے زیست کا ساماں نہیں ہوتا
آہوں سے علاجِ غمِ دوراں نہیں ہوتا

کیا یہ فضلِ ایزدی اور تائیدِ غیبی نہیں کہ ملک کے اعلیٰ اور ممتاز ترین آرٹسٹوں اور کاتبوں کے ذریعہ جب وہی چوری شدہ صفحات دوبارہ تیار کرائے گئے تو پہلے سے بھی زیادہ دیدہ زیب اور خوب صورت تیار ہوئے۔ چوری کا یہ سانحہ یقیناً میرے لیے بڑا ہی صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا، مگر اللہ عزّ و جل نے وہ طاقت اور قوت عطا فرمائی کہ میں ہمت نہ ہارا۔ قدم بہ قدم آگے ہی بڑھتا رہا۔ نتیجۃً منزل قریب سے قریب تر ہوتی گئی ؎

نہ آنے پائے بل پیشانی سعی و عزیمت پر
جہادِ زندگی میں استقامت کی ضرورت ہے

ایمانی آیات درجواب شیطانی آیات

یہ غالباً پانچ چھ سال قبل کی بات ہے میں احبابِ اہلسنّت کی مخلصانہ دعوت پر لندن پہنچا ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ہندی نژاد برطانوی مصنف سلمان رشدی کی دل آزار و مردود کتاب "شیطانی آیات" منظرِ عام پر آکر دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے قلوب کو گھائل کر چکی تھی۔ ہر طرف غم و غصہ

کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ عالمی سطح پر سلمان رشدی کے خلاف احتجاجات اور مظاہرے ہورہے تھے۔ خود انگلینڈ کے طول و ارض میں بھی مسلمان جلسے وجلوس اور قراردادوں کے ذریعے حکومت برطانیہ سے اس مردود کتاب پر پابندی عائد کرنے اور اہانت رسول کے جرم میں ملعون رشدی کو قرار واقعی سزا دینے کا زبردست مطالبہ کررہے تھے۔ بسیں پھونکی جارہی تھیں، راستے جام کیے جارہے تھے۔ ہر چہار جانب ایک ہنگامہ محشر بپا تھا۔ شاید ہی چشم عالم نے کبھی عالم اسلام کے اس نہج کے اضطراب کو دیکھا ہو۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کی یہ بے چینی، یہ کرب، یہ اضطراب اس بات کا واضح غماز تھا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے مگر اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ فلک وقار میں کسی طرح کی توہین واہانت کو برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے جب مسلمانان عالم کے اس کرب و اضطراب کو دیکھا تو میں نے عام روش سے ہٹ کر اس پہلو پر غور کیا کہ کیوں نہ لوہے کو لوہے سے کاٹا جائے۔ تحریر کا جواب تحریر سے دیا جائے، اور ایسا دندان شکن مسکت اور مدلل ومکمل جواب دیا جائے کہ یورپ کا سنجیدہ اور انصاف پسند طبقہ بھی سلمان رشدی کی شیطنت وخباثت کو پہچان لے اور محض اسلام دشمنی کے جذبے کے تحت اس شیطان اور خبیث صفت مصنف کی بے جا حمایت وطرفداری سے باز آجائے۔ اور جان لے کہ اسلام جیسے پاکیزہ مذہب اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محسن انسانیت اور رحمت عالم پر جارحانہ، رکیک اور انسانیت سوز حملہ کرنے والا شخص صحیح الدماغ، سلیم الطبع اور سنجیدہ فکر وشعور کا مالک ہرگز نہیں ہوسکتا، یہ کام تو وہی کرسکتا ہے جو نطفۂ نا تحقیق ہو، دیوانہ و پاگل ہو، شیطان رجیم کا شاگرد ہو۔

چناں چہ جب میں انگلینڈ و دیگر ممالک کے دورے سے واپس ہوا تو اس عزم مصمم کے ساتھ واپس ہوا کہ مجھے اس کتاب کا جواب ضرور بالضرور دینا

ہے۔ چنانچہ کئی ماہ کی لگاتار محنت، پیہم جد و جہد اور مسلسل کد و کاوش کے بعد "شیطانی آیات" کا جواب "ایمانی آیات" کے نام سے لکھنے میں اللہ عزوجل نے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ کئی سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب کیسی ہے؟ کس قدر باصرہ افروز اور باطل سوز ہے؟ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ خود پڑھئے اور فیصلہ کیجئے۔ میں تو بس اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ خون جگر سے لکھی گئی یہ کتاب اگر محسن انسانیت پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور باریاب و قبول ہو گئی تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنی مغفرت و نجات کا پروانہ مل گیا۔

ایمانی آیات انگلش میں — سٹینک ورسیز کا جواب "دی فائنل ورسیز"

انگریزی زبان چونکہ ایک بین الاقوامی زبان ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں یہ زبان رائج ہے اور ملعون رشدی کی ناپاک کتاب "سٹینک ورسیز" بھی انگریزی ہی میں ہے۔ لہٰذا ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ "ایمانی آیات" کو بھی انگریزی میں شائع کیا جائے۔ پھر جب میں نے ملت کے بعض باشعور و دانشور حضرات کے درمیان اپنے اس خیال کو پیش کیا تو انھوں نے بھی میرے اس نظریہ کی بھرپور تائید فرمائی۔ بلکہ بعض مخلصین نے تو یہاں تک کہا کہ "شیطانی آیات" چونکہ انگریزی میں ہے لہٰذا اس کا جواب بھی انگریزی میں آنا چاہیے۔ تبھی درحقیقت احقاق حق اور ابطال باطل کا اصل مقصد حاصل ہو سکے گا۔ لیکن مسئلہ تھا ترجمے کا — میں نے اس سلسلے میں جب غور کیا تو میری نگاہ تاجدار مارہرہ مطہرہ احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن میاں قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کے چہیتے بھانجے ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم (مارہروی) جامعہ ملیہ دہلی پر جا کر ٹھہر گئی — چنانچہ میں

اپنی اوّلین فرصت میں آپ سے ملاقات کے لیے جون ۹۵ء میں دہلی پہنچا۔ موصوف بڑے ہی پُرتپاک انداز میں ملے اور آنے کا مقصد معلوم کیا۔ مَیں نے جب آپ کے سامنے اپنے آنے کا مقصد رکھا تو آپ نے بڑی ہی مسرت اور خوشی کا اظہار کیا اور بے حد حوصلہ افزائی فرمائی اور خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے میری والہانہ وابستگی اور گہری ارادت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میری عرضداشت کو قبول فرما لیا۔۔۔۔ اس دورۂ دہلی میں مجھ پر اچانک بیہوشی کا دورہ پڑا اور بغرضِ علاج بیس روز تک دہلی میں قیام پذیر رہا۔ اس عرصہ میں شہزادۂ ذی وقار مخدوم گرامی ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم صاحب قبلہ نے جس خلوص و محبت کا ثبوت دیا اور عیادت و تیمارداری فرمائی میں اس کے لیے تاحیات ان کا ممنونِ کرم رہوں گا۔ اور اس عظیم احسان کا بدلہ کبھی چکا نہ پاؤں گا۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ میری مخلصانہ درخواست کو قبول کرنے کے بعد پروفیسر اسلم صاحب قبلہ اپنی بے پناہ مصروفیات اور گوناگوں تدریسی مشاغل کے ہجوم میں گھرے ہونے کے باوجود اپنے رفیقِ کار عالی جناب ڈاکٹر سہیل احمد صاحب فاروقی کے تعاون سے ایمانی آیات کو انگریزی قالب عطا کرنے میں پوری تندہی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ تادمِ تحریر انگریزی ترجمے کے ایک سو ساٹھ صفحات کمپیوٹر سے پرنٹ ہوکر دستیاب ہو چکے ہیں۔ ایمانی آیات کے اس انگریزی ترجمہ کا نام محترم ڈاکٹر سید جمال الدین نے (دی فائنل ورسیز) "THE FINALVERSES" تجویز کیا ہے۔ اس نام کو اہلِ علم و دانش حضرات نے بے حد پسند کیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ کتاب بھی زیورِ طبع سے مزین ہوکر منظرِ عام پر آجائے گی۔ اور امید ہے کہ پوری دنیا میں انگریزی داں طبقہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لے گا اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا۔

استقامت ڈائجسٹ کی ایک مختصر تاریخ

بیسویں صدی عیسوی کے وسط کا وہ دور کتنا نازک اور مایوس کن تھا جب کہ

تقسیم ہند کے بعد رونما ہونے والا سناٹا ہر چہار جانب اپنے پنجے مضبوطی سے ساتھ گاڑے ہوئے تھا۔ مسلمانانِ ہند میں ایک عجیب سی بے کلی، بے اطمینانی اور بے چینی پائی جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ یتیم و بے سہارا ہو گئے ہوں اور انھیں کسی سہارے، کسی رہنمائی اور کسی مرہم کی شدید حاجت ہو۔ ایک پژمردہ قوم کے اندر ایک نیا حوصلہ، ایک نئی اُمنگ اور ایک نئی حرارت پیدا کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ کوئی اخبار شائع کیا جائے۔ چنانچہ میں نے تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتیِ اعظم ہند و سید العلماء حضور سید آلِ مصطفےٰ صاحب مارہروی و خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی رضی اللہ عنہم سے اس سلسلے میں رائے کا طلب گار ہوا تو قوم و ملت کے ان مخلص اور عظیم معماروں نے میرے عزم و ارادے کو مہمیز لگائی، دعاؤں سے نوازا اور ہر قسم کی رہنمائی و تعاون کا وعدہ فرمایا۔

چنانچہ انھیں صاحب الرائے اور دیدہ ور اشخاص کی رہنمائی میں میں نے ۱۹۶۱ء میں استقامت کو ہفت روزہ کی شکل میں نکالنا شروع کیا۔ اس ہفت روزہ نے کچھ ہی عرصہ میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی۔ تقریباً چار سال تک استقامت ہفت روزہ کی شکل میں نکلتا رہا۔ پھر ۱۹۶۵ء ہی میں لوگوں کے بے حد اصرار پر اس کو بڑے سائز پر روزنامہ کی شکل میں نکالنا شروع کیا۔ روزنامہ کی شکل میں استقامت مسلسل تین سال تک نکلتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ بعض ناگفتہ بہ وجوہ کی بنا پر استقامت کو بند رکھنا پڑا۔ بالآخر ۱۹۷۶ء میں نئی تیاری اور نئے ارادے کے ساتھ استقامت کا ڈائجسٹ کی شکل میں احیا کیا۔ اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ تب سے استقامت شائع ہو رہا ہے اور مسلمانانِ برصغیر کی مثبت انداز میں مذہبی و ملی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس بیس سال کی مدت میں استقامت ڈائجسٹ کے کئی خصوصی شمارے بھی نکلے اور ہر شمارے کو بے حد پسند کیا گیا۔ استقامت ڈائجسٹ کے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی نمبر

کی تو عالمی سطح پر پذیرائی ہوئی۔ پاکستان کی بزم قاسمی برکاتی نے اپنے خرچ پر پاکستان میں خوب صورت انداز میں اس کا ایڈیشن شائع کیا۔ پاکستان کے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے میری اس خدمت کو بے پناہ سراہا اور خوش ہو کر مجھ کو سونے کے پانی سے لکھا ہوا تقریباً پانچ کلو وزن کا انتہائی دیدہ زیب اور جاذب نظر کلام پاک تحفۃً پیش کیا۔ اس اعزاز کے لیے ہمدرد قوم الحاج حنیف طیب صاحب قابل شکر و لائق مبارکباد ہیں۔ سیدنا عربی نمبر کے بعد استقامت "شہادت بابری مسجد نمبر" شائع ہوا، جو حقیقتاً جہاد نمبر ہے۔ اور اب استقامت ڈائجسٹ قوم کو تحفظ عقائد نمبر پیش کر کے اردو صحافت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنے جا رہا ہے۔ یہ نمبر سیکڑوں قلمکار علماء، ومشائخ، محققین، مفکرین اور دانشورانِ قوم کے فکر انگیز، گرانقدر اور روح پرور مضامین و مقالات کا ایک حسین و پُر بہار گلدستہ ہے۔ عقائد، مراسم اور مستحبات سے متعلق اس نمبر کا ہر مضمون لائق دید و لائق مطالعہ ہے اور ہر قلمکار مستحق مبارکباد ہے۔ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقینِ کامل ہے کہ تحفظ عقائد نمبر پورے عالم اسلام میں فکر و نظر کی دنیا میں ایک خوش گوار اور صالح انقلاب کا نقیب بنے گا اور اربابِ علم و دانش اور اصحابِ علم و خرد سے زبردست خراجِ تحسین وصول کرے گا۔

اب میں اپنے اس تاثر اور پیغام کے ساتھ اداریہ کو ختم کرتا ہوں کہ جو لوگ کارزارِ حیات میں سعیِ پیہم، جہدِ مسلسل اور یقینِ محکم کی تصویر بن جایا کرتے ہیں ربِ بے نیاز ان کی کاوشوں اور کوششوں کو ہرگز ضائع و رائیگاں نہیں فرماتا، وہ یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ منزلِ مقصود اُن کے قدم چومتی ہے۔ درحقیقت اسی سعیِ پیہم، جہدِ مسلسل اور یقینِ محکم میں زندگی کی کامیابی اور نجات کا راز مضمر و مخفی ہے۔ بقول علامہ نسیم شاہجہان پوری ؎

قول و کردار کو یک رنگ بنا دیتے ہیں
ہم جو کہتے ہیں وہی کر کے دکھا دیتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سجدۂ نیاز مندی شکرانِ نعمت

جب ایک انسان کسی اعلیٰ، بلند ترین اور پاک و پاکیزہ مقصد کو اپنی منزل قرار دیتا ہے، اور جب انتھک جد و جہد، مسلسل سعی و کوشش اور لگاتار آبلہ پائی کے بعد وہ شخص اپنی منزلِ مقصود کو پا لیتا ہے تو پھر اس کی مسرت و سرخوشی کا عالم مت پوچھیے۔ اس کی روح جھوم اُٹھتی ہے۔ اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا نشۂ شادمانی سے سرشار ہو اُٹھتا ہے۔ اسے یوں لگتا ہے جیسے پورا ماحول نغمہ ریز ہو گیا ہو۔ اس کی زندگی اسے راس آگئی ہو۔ وہ اس عظیم نعمت کے حصول کو سراسر تائیدِ ایزدی اور رحمتِ خداوندی تصور کرتا ہے اور سراپا سپاس بن کر ربِ ذوالجلال کی بارگاہ میں سجدہ گزار ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ کسی نعمت کے حصول پر سجدۂ شکر بجا لانا ایک وفا شعار اور اطاعت گزار بندے کا اوّلین فریضہ ہوتا ہے ـــــ میرا حال بھی شخصِ مذکور سے کچھ مختلف نہیں ـــــ میں نے بھی عرصہ ہوا ایک خواب دیکھا تھا ایک حسین خوب صورت اور ولولہ انگیز خواب۔ ایک اعلیٰ اور پاکیزہ مقصد کو اپنی منزل قرار دیا تھا، ایسی منزل جو زندگی کا ماحصل تھی ـــــ آج وہی خواب "تحفظ عقائد نمبر" کی صورت میں شرمندۂ تعبیر ہو چکا ہے۔ میں اُسی منزلِ مقصود سے ہمکنار ہو چکا ہوں ـــــ میرا رُواں رُواں مسرت اور سرخوشی سے سرشار ہے ـــــ "تحفظ عقائد نمبر" ایک ایسا گوہر گراں مایہ ہے جس سے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں فرزندانِ توحید صبحِ قیامت تک مستفیض و مستفید ہوتے رہیں گے، جو علوم و معارف، اسرار و رموز اور اسلامی عقائد و احکام کا ایسا بحرِ ذخار ہے جس سے عوام و خواص، علماء و صلحاء اور محققین و دانشور سبھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنی اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ اور اپنے اپنے ایمان و ایقان کو نکھارتے و سنوارتے رہیں گے ـــــ جو اُن گنت اچھوتے موضوعات پر لکھے گئے مضامین کا ایک ایسا خوشنما

وہ دل رُبا گلدستہ ہے جس کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے اہل ایمان کے مشامِ جاں تا دیر مہکتے و مہکتے رہیں گے۔ قوم کو ایسا مفید اور گرانقدر تحفہ پیش کرنے پر میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔ میں اپنے خواب کو کبھی شرمندۂ تعبیر ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا، میری منزلِ مقصود مجھ سے بہت دُور ہوتی اگر پروردگارِ عالم، خالقِ دوجہاں، معبودِ برحق، احکم الحاکمین کی تائید و حمایت اور نصرت و رحمت ہر ہر قدم پر معین و مددگار نہ ہوتی۔ اس کی رحمتوں نے بڑھ بڑھ کر ڈگمگاتے قدموں کو سنبھالا نہ ہوتا۔ اس عظیم نعمت کے حصول اس حسین و جمیل خواب کی تکمیل اور منزلِ مقصود سے ہمکنار ہونے پر میرے بدن کا بال بال اور ایک ایک سانس ربِ ذوالجلال کی بارگاہ میں شکر گزار ہے۔ ارحم الراحمین! تیرا لاکھ لاکھ شکر و احسان کہ تو نے مجھ ناتوان و ضعیف کو یہ بارِ عظیم اٹھانے اور اس تاریخ ساز نمبر کو منظرِ عام پر لانے کی توفیقِ رفیق بخشی۔ مولا! میں تیرے اس احسان کا شکر قیامت تک ادا نہیں کر سکتا۔ ربِ قدیر! میرے اس عجز و قصور کو معاف فرما اور میری اس خدمتِ دینی کو اپنے اور اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ دُربار میں قبول و مقبول فرما۔ آمین۔

بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

یہ بڑی ہی احسان فراموشی ہوگی اگر میں اس مقام پر اپنے ان رفقاءِ کار کا بصمیمِ قلب شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے ہر ہر قدم پر میرا ساتھ دیا، میری رہنمائی فرمائی، میرے شانہ بہ شانہ چلتے رہے، میرے دست و بازو بنے رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر یہ مخلص رفقا اور معاونین میری معاونت نہ فرماتے، میرا ہاتھ نہ بٹاتے، مجھ کو اپنے صائب مشوروں سے نہ نوازتے بلکہ یوں کہہ لیں کہ اس صبر آزما شاہراہ پر میرے ہمسفر نہ بنتے تو "تحفظ عقائد نمبر" میں یہ دیدہ زیبی کہاں سے آتی۔ اس کے اندازِ فکر و فن کی مسحور کُن خوشبو کہاں سے سماتی ــــ اس کا ہر صفحہ قاری کو دعوتِ نظارہ کیونکر دیتا۔ گلہائے رنگا رنگ سے مزین اس گلدستے کی تزئین و آرائش اور نوک پلک کی درستگی میں نیز اس کو دلکش و دلآویز اور پُرکشش و پُربہار بنانے میں میرے انھیں رفقاء کا ہاتھ رہا ہے ــــ میرے یہ سارے ہمسفر لائقِ صد ستائش، لائقِ صد مبارک باد، لائقِ صد شکر ہیں۔ میں خود میں یہ استطاعت نہیں پاتا کہ اُن کی بے پناہ کاوشوں، کوششوں اور محنتوں کا معقول و مناسب اور حسبِ حیثیت اجر و صلہ دے سکوں ــــ انہوں نے میرے قدم سے قدم ملا کر علم و قوم اور مذہب و ملت کی جو عظیم اور پُرخلوص خدمت انجام دی ہے میں سیم و زر کی صورت میں اس کا جو بھی صلہ دوں گا وہ کم ہوگا۔ اب آپ حیرت و استعجاب میں مبتلا ہوں گے کہ آخر میرے یہ رفقاء ہیں کون؟ تو سنئے! یہ ہیں:

محمد احمد صاحب بھیروی مبارکپور۔

۱۔ رئیس التحریر شیخ الادب حضرت علامہ مولانا عبد المبین نعمانی صاحب، چریا کوٹ۔

۲۔ مفکر ملت حضرت علامہ مولانا حضور احمد صاحب منظری ایم اے شاہجہاں پور

۳۔ شہنشاہ نطق و قلم حضرت علامہ مولانا عبد النعیم صاحب عزیزی بریلی شریف

۴۔ ماہر رضویات حضرت علامہ و مولانا ... یہ بڑے

یہ علماء درحقیقت سواد اعظم اہلسنت وجماعت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ یہ بڑے ہی متحرک اور فعال ہیں۔ عادۃً بڑے ہی شریف النفس، منکسر المزاج، سلیم الطبع اور سنجیدہ و متین ہیں۔ ہمہ وقت درس و تدریس، وعظ و تقریر اور تصنیف و تحقیق کے ذریعہ قوم مسلم کی صلاح و فلاح کا فریضہ انجام دیتے رہنا ہی ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ انہوں نے جس ہمدردی و محبت ایثار و اخلاص اور ذوق و شوق کے ساتھ "تحفظ عقائد نمبر" میں شامل مضامین کی فراہمی، دیکھ بھال، چھان پھٹک اور تصحیح میں حصہ لیا ہے میں اس کے لئے ان سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان سب کے درجات و مراتب میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے ـــ جہاں تک کتابت و تزئین کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں جناب نصرت علی خاں زرق الماسی صاحب قادری رام پوری کا نام قابل ذکر ہے آپ نے جس محنت اور دل چسپی کے ساتھ "نمبر" کی تزئین و کتابت کا کام انجام دیا ہے اس کے لئے موصوف بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں ـــ طباعت کے لئے فراہمی سرمایہ اور تعمیر سازی میں جن مخلص رفقاء نے ہماری تعمیری تحریک میں دامے۔ درمے۔ قدمے سخنے معاونت فرمائی ہم ان تمام محبین، مخلصین و معاونین کے بصمیم قلب شکر گذار دعا گو ہیں مولیٰ عزوجل سبھی حضرات کو جزائے خیر سے نوازے ـــ طباعت کے معاملے میں جناب بھائی انیس خیری صاحب (مالک امپیریل پریس دہلی) نے جس دل چسپی اور تعلق خاطر کا مظاہرہ کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے اور اپنے حبیب سارے جہاں کے طبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت سے سرفراز فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

حضرت علامہ

حافظ ظہیر الدین قادری مدیر اعلیٰ استقامت ڈائجسٹ

حقائق کے آئینہ خانے میں

ادیب عصر علامہ سید قمر شاہجہانپوری نائب قاضی شہر کانپور

غالباً ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ ایک شام حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے جب میں بانسمنڈی کانپور پہنچا (جہاں اکثر حضرت کا کانپور آنے پر قیام رہتا تھا) تو حضرت کے پاس ایک خوش پوش و خوش جمال فہم و فراست کی آئینہ دار شخصیت کو حضرت سے گفتگو میں مصروف پایا۔ میں بھی سلام و معانقہ کے بعد ایک سمت مؤدب بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مولانا حافظ ظہیر الدین قادری برکاتی ہیں۔

یہ میری پہلی ملاقات اور تعارف تھا۔ جب میں علامہ ظہیر الدین قادری کے ساتھ موصوف کی شخصیت کے منظر نامہ میں موصوف کا وہ تابناک مستقبل وہ عزت و شہرت وہ علم و عمل کی ضیا باریوں کے نقوش زریں بھی پڑھنے لگا جو آج حقیقتوں کی جامہ زیبائی اور صداقتوں کی جلوہ سامانیوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہیں۔

مجھے عالم انبساط میں یہ فخر و سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ میں قارئین کے سامنے عالم اسلام کی ایک عظیم باکمال شخصیت کا تعارف پیش کر رہا ہوں۔

علامہ ظہیر الدین قادری کی ولادت اتر پردیش کے ایک مردم خیز شہر فتح پور میں ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی حضرت قبلہ تاج الدین مرحوم صاحب علم و فضل اور اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی کے سچے عقیدت مند اور مسلک حقہ کے پیرو تھے۔ ذہن و فکر عشق رسالت پناہی و اتباع مصطفوی کے چراغ سے روشن تھے بدو شعور سے متصل علامہ ظہیر الدین قادری نے پریڈ جونیر ہائی اسکول میں تعلیم

حاصل کی مولانائے محترم ۱۹۵۱ء میں اپنے برادر معظم جناب وہاج الدین صاحب کی سرپرستی میں فتحپور سے کانپور آئے اور تعلیمی مراحل طے کرنے رہے۔ کانپور سے مرزا محمد عثمان بیگ برکاتی کی رہنمائی میں موصوف مارہرہ شریف حاضر ہوئے — اور دارالعلوم قاسم البرکات میں دینی تعلیم کے حصول میں مصروف ہو گئے۔

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی حافظ قاری سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قبلہ صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بطور خاص علامہ ظہیرالدین قادری کو اپنی سرپرستی میں لے کر بذات خود تعلیم سے سرفراز فرمایا۔ قرآن پاک حفظ کیا اور علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی۔ علامہ ظہیرالدین قادری کے استاذ اور مرشد کامل نے اپنے پیارے اور چہیتے مرید وشاگرد کو ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ فرمایا دوران تعلیم حضرت نے وصال فرمایا کئی سال مارہرہ شریف جیسی عظیم دینی وروحانی خانقاہ کی حاضری کی سعادت اور تاج العلماء جیسی عبقری شخصیت کی زیارت وخدمت واکتساب فیض سے مالا مال ہو کر علامہ قادری کانپور آگئے۔ اور وقتی طور سے مسجد قلیان ریل بازار کی امامت وخطابت کو سنبھال لیا۔ چونکہ قدرت کو اس نوجوان سعید سے تو عالمی طور پر اسلام وسنیت کی گراں بہا خدمات مقصود ومطلوب تھیں۔ اس لئے علامہ نے کانپور کی سرزمین سے ہفت روزہ استقامت اخبار کا اجرا فرمایا۔ علامہ موصوف مارہرہ شریف میں حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے خطوط ومضامین اور لکھنے پڑھنے سے متعلق سارے امور انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم وقلم کے میدان میں بھی علامہ کو ایسا مشاق بنا دیا تھا کہ موصوف کو اخبار جاری کرنے اور گرانقدر معیاری مضامین پیش کرنے میں ذرا بھی تکلف وتامل نہ ہوا۔ مولانا ظہیرالدین قادری کی بھرپور صلاحیتوں نے ہفت روزہ استقامت کو جلد ہی روزنامہ کی شکل دے دی۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں استقامت روزنامہ ہو گیا۔ اور مسلسل کئی سال تک بشکل روزنامہ استقامت شائع ہوتا رہا۔ اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد یہ اخبار ماہنامہ ڈائجسٹ کی صورت میں شائع ہونے لگا۔

بحمدہ تعالیٰ اس علمی دینی ادبی ڈائجسٹ کے ذریعہ اسلام و سنیت کی وہ مہتم بالشان خدمات انجام دیں جو مولانا ظہیرالدین قادری کو ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھیں گی ——

استقامت نے وہ عظیم الشان عالم اسلام کے مشہور و مقبول نمبر کربلا نمبر حج نمبر، بابری مسجد نمبر، خواجہ غریب نواز نمبر، اولیاء نمبر، مفتیٔ اعظم ہند نمبر اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے شاہکار نمبر شائع کیے۔ جن کی پذیرائی ہند و پاک ہی کے نہیں بلکہ عالم اسلام کے دانشوروں عمائدین ملت اور سربراہان مملکت نے فرمائی پاکستان کے صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے ملاقات کا شرف بخشا اور محمد عربی نمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے پناہ پذیرائی کی۔ زرنگار قرآن پاک حکومت پاکستان کی طرف سے مولانا قادری صاحب کو تحفۃً پیش کیا گیا۔ دنیا بھر کے انگریزی، اردو اخبارات نے حالات زندگی اور خصوصی نمبر شائع کر کے مولانا قادری صاحب کی مذہبی علمی ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔

استقامت ڈائجسٹ کی عالمی مقبولیت و شہرت کی بنیاد پر مولانائے محترم نے ساؤتھ افریقہ کا دورہ کیا۔ واپسی پر وہاں کے عاشقان اسلام کی فہمائش و فرمائش پر مولانا موصوف نے استقامت انگلش ڈائجسٹ نکالا۔ جس نے انگریزی داں طبقے میں اپنی مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ انگلش میں ۴ سال تک متعدد شمارے نکال کر مولانا قادری نے انگریزی زبان کے ذریعہ بھی سنیت کی بھرپور خدمت کی اور فروغ سنیت کا حق ادا کیا عروس البلاد بمبئی میں مفتیٔ اعظم کانفرنس اور عالمی کانفرنس اور انڈو پاک نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد بھی مولانائے محترم کا ایک زریں کارنامہ ہے۔ ۸۶ء میں مولانا قادری نے عمرہ کا شرف حاصل کیا۔ دین و سنیت کے جذبۂ صادقہ اور فروغ سنیت کی خاطر سنگاپور، ملیشیا، انگلینڈ، نیز ہی افریقہ، ہالینڈ، دوبئی، ابوظہبی کا تبلیغی دورہ بھی مولانا کی خدمات جلیلہ کا آئینہ دار ہے — مولانائے محترم نے پورے بھارت کا دورہ کر کے اپنی شاندار خطابت اور فروغ استقامت کے ذریعہ ایک قائد کے فرض کو انجام دیا۔ مولانا کی قوت ارادی، حوصلہ مندی اور نامساعد

دل شکن حالات میں بھی سراپا استقامت ہونے کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ استقامت کے ساتھ ساتھ پروردگار عالم نے ان کو بھی مستقیم بنا دیا۔ مکتبۂ استقامت کے ذریعہ بھی تفسیر نور العرفان، قرآن عظیم مترجم، مشکوٰۃ شریف کی چار جلدوں کی آفسیٹ طباعت کے ساتھ ساتھ بہت سی دینی علمی کتب کی اشاعت وطباعت کا بھی قابل فخر کارنامہ انجام دیا۔
اور آج آپ کے سامنے مولانا قادری کا زریں کارنامہ تحفظ عقائد نمبر کی شکل میں ایک ہزار حسین وخوبصورت صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔ ساتھ ہی فرقہائے باطلہ بالخصوص مرتد سلمان رشدی کی ناپاک کتاب کا مدلل اور دندان شکن جواب بھی موجود ہے جسکی اشاعت کی توفیق بطور خاص رب قدیر نے اپنے پیارے رسول وآل رسول واصحاب رسول کے صدقہ مولانائے محترم کو عطا فرمائی ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ وقومی خدمت ہے جو مولانائے محترم کو ہمیشہ زندہ وتابندہ رکھےگی۔ آج مولانا کی عمر شریف ۵۸ سال ہے مگر چہرے پر تھکن کے مطلق آثار نہیں ہیں۔ اس لئے کہنا پڑتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

رب قدیر مولانائے محترم کی عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور آپ کے ذریعہ اسلام وسنیت کی بیش از بیش خدمات لیتا رہے۔ نیز دارین کی سربلندیاں اور نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

خادم اسلام وسنیت

سید قمر شاہجہاں پوری
نائب قاضی شہر
کانپور

حق بات میں کسی کی رعایت کا کیا لحاظ

تبرکات مقدسہ: تاج العلماء حضرت مولانا سید شاہ
اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ (مارہرہ شریف)

اعدائے دیں کی جھوٹی عبادت کا کیا لحاظ
بدمذہبوں کی گندی طہارت کا کیا لحاظ

گستاخ جو ہیں حضرتِ حق کی جناب میں
پھر ہم کو اُن کی جھوٹی وجاہت کا کیا لحاظ

جن کو ادب نہیں ہے حبیبِ کریم کا
پھر ہم کو اُن کی کھوٹی شرافت کا کیا لحاظ

شیطان ہیں وہ جن کو نبی کا ادب نہیں
پھر ہم کو ان کی علمی لیاقت کا کیا لحاظ

توڑا جنہوں نے رشتہ خدا اور رسول سے
پھر ہم کو ان کے رشتۂ و نسبت کا کیا لحاظ

رکھیں جو اولیاء سے عداوت وہ ہیں رجیم
پھر ہم کو اُن کی جھوٹی ولایت کا کیا لحاظ

سردارِ دو جہان کی توہین جو کریں
ایسوں کے اِدعائے سیادت کا کیا لحاظ

جن کے دلوں میں بغض، خدا و نبی سے ہے
پھر اُنکے ہم سے بغض و عداوت کا کیا لحاظ

جو کہتے ہیں حرام نہ کرنے سے ہو گناہ
ایسوں کے اِدعائے فقاہت کا کیا لحاظ

اپنا تو دین یہ ہے بکیں کچھ بھی صلح کُل
ملحد کے بیہودوں کی شکایت کا کیا لحاظ

ایمان کی یہی ہے، یہی کہنا تو فقیر
حق بات میں کسی کی رعایت کا کیا لحاظ

جہنمی فرقہ

از نتیجۂ فکر :- نسیمؔ شاہجہانپوری

جنہیں بھی عشقِ شہ دیں سے والہانہ ہے — اُنہیں کے زیرِ اثر گردشِ زمانہ ہے

خدا کو مان لو تم بے دلیل اے لوگو! — یہ حکمِ سرورِ دیں کتنا مخلصانہ ہے

رسولِ پاک کے شیدائیانِ حاضر ہیں — کچھ ایسے بھی ہیں، رَوِش جن کی باغیانہ ہے

زباں پہ اُن کی ہے "بعد از خدا بزرگ توئی" — عقیدتاً جنہیں نسبت برادرانہ ہے

یہ بیچ دیں نہ حضور آپ کی امانتِ دیں — کہ آج ذہنیت اپنوں کی تاجرانہ ہے

عمل میں ان کے بظاہر ہے پختگی جتنی — عقیدہ اتنا ہی ناپختہ غائبانہ ہے

نہ دِل میں خوفِ خدا ہے نہ احترامِ رسول — یہ لوگ وہ ہیں عمل جن کا ناقدانہ ہے

نہ ان کو الفتِ پیرانِ پیر سے مطلب — نہ عشقِ خواجۂ اجمیر والہانہ ہے

حرام کہتے ہیں میلاد و فاتحہ کو یہ لوگ — نظر میں ان کی یہ اک فعل مشرکانہ ہے

یہی وہ فرقہ ہے شامل ہے جو بہتّر میں
نسیمؔ اس کا جہنّم ہی میں ٹھکانہ ہے

قطعہ

تصویرِ سنّتِ نبوی سر سے پاؤں تک
دِل میں مگر ہے بُغضِ رسالت مآب سے
اقرارِ روشنی کا تو کرتے ہیں برملا
مُنکر ہیں کورِ چشم مگر آفتاب سے

رشدی پر تین حرف

سید آل رسول نظمی مارہروی

جو محمد ہیں مذمّم اُن کو کیا کر پائے گا
آپ اپنی موت رُشدی ایک دن مر جائے گا
جن کو بخشا رحمۃٌ للعالمیں رب نے لقب
انشاء اللہ اُن کا ہر گستاخ مُنہ کی کھائے گا

رشدی تجھ پر ہو گیا ہے مغربی جِن کا اثر
یا کہ تیرے دل کے اندر کر لیا شیطاں نے گھر
باعثِ تخلیقِ عالم جن کی ذاتِ پاک ہے
ان کی عظمت کو ترے ناول سے کیا پہنچے ضرر
ہاں مگر تیرے گلے میں طوقِ لعنت پڑ گیا
بُولہب ثانی تو کہلائے گا رُشدی عمر بھر
تیری ہاں میں ہاں مِلانے والے سارے بدنصیب
روپ میں انسان کے شیطان ہیں سب سر بسر
اے مسلماں تو نہ یوں ہو مشتعل اور مضمحل
نطفۂ ابلیس ہے رشدی تو پھیلائے گا شر
علم ایسا علم نافع ہو نہیں سکتا کبھی
جس کے حامل کو نہ ہو کچھ امتیازِ خیر و شر
وہ محمد مصطفٰے جن کے سبھی مدّاح ہیں
جن کے دستِ پاک میں ہے انتظامِ بحر و بر
جلوۂ نورِ ازل ہیں رب کے وہ محبوب ہیں
ان کی کیا توہین کر پائے گا رشدی بے خبر
ہے نجس رشدی تو اُسکے سر کی قیمت کیوں لگے
کیوں نہ ہم ذکرِ محمد پر لٹائیں سیم و زر

لب پہ ہو صلِّ علیٰ کا وِرد نظمیؔ دم بہ دم
اور پڑھو لاحول تم سلمان رشدی نام پر

۷۸۶ — ۹۲

مکتوب حضرت علامہ سید شاہ آل رسول حسنین برکاتی نظمی (مارہرہ شریف)

★

برادرِ محترم حافظ ظہیر الدین صاحب قادری برکاتی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تحفظ عقائد نمبر کا اعلان پڑھتے ہی اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اے اللہ تیرا ایک بندہ اور تیرے حبیب کا ایک عاشق جس مقدس مشن کو لے کر اُٹھا ہے، اپنے فضل و کرم سے تو اُسے قدم قدم کامیابی سے ہم کنار فرما، دستِ غیب سے اس کی مدد فرما اور اس کی کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ حج کے دوران اور حاضری مدینہ منورہ میں بھی یہی دعا میرا وظیفہ تھی۔ مجھے اس وقت بھی یقین تھا اور آج بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ عظیم خدمتِ دین آپ ہی سے لے گا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ دشوار ترین راہوں سے گذر کر آپ اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ اب یہ ہم سُنیوں کی اور دنیا بھر کے عاشقانِ رسول کی ذمہ داری ہے کہ انتہائے منزل پر آپ کا خیر مقدم کریں اور جس مشن کی تکمیل میں آپ نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے اُس میں ہم بھی حصہ دار بنیں اور تحفظ عقائد نمبر کے خواب کو پورا کر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتنی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس نمبر کو سیکڑوں کی تعداد میں خریدیں۔ اپنی بچیوں کو کلامِ پاک کے ساتھ ساتھ تحفظ عقائد نمبر کی ایک کاپی بھی دیں۔

میری دُعائیں اور نیک خواہشات۔

والسلام
آپ کا اپنا

سید آل رسول حسنین برکاتی
سجادہ نشین خانقاہِ برکاتیہ
مارہرہ شریف

تحفظ عقائد نمبر
ملعون
رشدی کی
ناپاک کتاب کا جواب انگریزی میں
بدنام زمانہ مُرتد سلمان رشدی کی دل آزار کتاب "شیطانک ورسیز"
The Satanic Verses
کا جواب انٹرنیشنل زبان انگلش میں دی فائنل ورسیز"
THE FINAL VERSES
کے نام سے بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
کے قابل اور مایۂ ناز پروفیسر صاحبان کے نوک قلم سے نکلا ہوا انگلش
ترجمہ پوری دنیا میں داد تحسین حاصل کریگا۔ مرتد سلمان رشدی کی ناپاک کتاب کا جواب
لکھ کر ادارہ استقامت نے
دنیا بھر کے مسلمانوں کا
قرض اتار دیا ہے
(فللہ الحمد)
ادارہ
استقامت ڈائجسٹ کانپور
۵۳

دعا نامہ

شہزادگانِ مارہرہ مطہرہ

ہندوستانی مسلمان، دنیا کی مسلم آبادی میں اپنی کمیت وکیفیت کے اعتبار سے ایک امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ ان کی ملی شناخت ان کے عقیدے کی مضبوطی کے سبب قائم ہے۔ عقیدے کی یہی مضبوطی افراد وجماعت کو وہ قوت عطا کرتی ہے کہ زمانے کے سرد وگرم پیچ پڑ جاتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی کا بہت بڑا حصّہ اپنے مذہب قدیم یعنی مسلکِ اہلسنّت پر قائم ہے۔ زیر نظر "تحفظ عقائد نمبر" ضخیم ووقیع کتاب اسی عقیدے اور اس کی جزئیات پر دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے اصل مسودات کا میں نے چیدہ چیدہ مطالعہ کیا اور پایا کہ محترم حافظ ظہیر الدین صاحب قادری برکاتی مدظلہ العالی نے اس کتاب کو دستاویز کی منزل تک پہنچانے میں، حروف کو نقش کے مرحلے تک لے جانے میں کوئی کمی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ حافظ صاحب موصوف کیلئے یہ پہلا بڑا صحافتی کام نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی متعدد بار وہ دادِ صحافت دے چکے ہیں لیکن ان کے تمام کارناموں میں زیر نظر کتاب "تحفظ عقائد نمبر" سب سے زیادہ کارآمد سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ وقیع وعدیم النظیر ہے۔

برادرِ محترم امین ملت حضور ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے ہدایت فرمائی ہے کہ اس پیغام میں اُن کی دعائیں اور نیک خواہشات بھی شامل کر دوں۔ خاندانِ برکات کا بچہ بچہ دعاگو ہے کہ اس کتاب سے ملت کے عقائد صحیحہ کی مضبوطی میں مزید اضافہ ہو اور اللہ تبارک تعالیٰ اپنے محبوب پاک جانِ رحمت حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں شانِ صحافت جناب ظہیر الدین صاحب قادری برکاتی کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے آمین بجاہ حبیب الامین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

دعاگو۔ خاکسار سید محمد اشرف قادری برکاتی

خلف حضرت احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان مارہرہ شریف

پیغام

آبروئے صحافت حضرت علامہ ظہیر الدین صاحب
قادری مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ——— مزاج اقدس!

یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ استقامت ڈائجسٹ کا بے مثال وعدیم النظیر "تحفظ عقائد نمبر" جلد ہی زیور طباعت سے مزین ہو کر منظر عام پر آرہا ہے اور جس کی رسم اجراء کانفرنسوں کی سرزمین کلکتہ پر منعقدہ "عالمی تحفظ عقائد کانفرنس" میں شایانِ شان طریقے پر ادا کی جائے گی۔

محترم :— آپ نے اپنی پچاس سالہ طویل زندگی میں استقامت ڈائجسٹ کے ذریعہ دین وسنیت اور ملتِ بیضاء کی جو زبردست خدمت انجام دی ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ کی صحت مند ادارت میں اشاعت پذیر ہونے والے استقامت کے نصف درجن سے زائد نمبر ایک انسائیکلوپیڈیا اور مستند ماخذ کی حیثیت کے حامل ہیں۔ جو رہتی دنیا تک متلاشیانِ حق اور اربابِ تحقیق کے لئے مشعلِ راہ کا کام انجام دیں گے۔ اور اب باطل فرقوں کے افکار فاسدہ اور نظریات کاسدہ کے رد وابطال اور فرقۂ ناجیہ کے عقائد ومراسم کے اثبات واحقاق کے لئے "تحفظ عقائد نمبر" کی اشاعت آپ کا ایک اور انقلاب آفریں ومستحق صد مبارک باد اقدام ہے۔

یہ جان کر اور بھی مسرت ہوئی کہ آپ نے مردود زمانہ سلمان رشدی کی دلآزار اور حد درجہ مکروہ کتاب "شیطانی آیات" کے جواب میں نہایت ہی سنجیدہ، مثبت اور مدلل طور پر تالیف فرمائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب فکر ونظر کی دنیا میں ایک خوشگوار انقلاب بپا کرے گی اور یورپ کے سر سے "شیطانی آیات" کے ذریعہ پھیلائی گئی خباثتوں، بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا بادل چھٹ جائے گا — میں آپ کو بصمیم قلب اس عظیم کاز کی تکمیل پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ خالقِ ارض وسما بطفیل نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اور آپ کے جملہ رفقاء کو اس عظیم دینی وملی فریضہ کی بحسن وخوبی انجام دہی پر اجر جمیل وجزائے خیر سے سرفراز وشادکام فرمائے آمین۔
نیک خواہشات کے ساتھ۔

حضور احمد منظری قادری غفرلہٗ — ۲۲ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

ادائیگی عمرہ وسجدۂ شکر

شہزادۂ احسن العلماء مخدوم گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر سید
محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین آستانۂ عالیہ
قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے تحفظ عقائد نمبر دیکھنے کے بعد
اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔
ظہیرالدین! تحفظ عقائد نمبر بشمول ایمانی آیات لکھ کر
آپ نے ملت اسلامیہ کو عظیم سرمایہ دیا ہے میرے پاس اس
عظیم تعمیری ومثالی کتاب کی تحسین کے لئے الفاظ نہیں۔ میں
نے منت مان لی ہے کہ عقائد نمبر کے منظر عام پر آجانے کے
بعد اپنے رب ورسول جل وعلاو علیہ الصلاۃ والتسلیمات کا حقیقی
طور پر سجدۂ شکر ادا کرنے کے لئے ہم اور آپ ادائیگی عمرہ
کے لئے مکہ معظمہ ومدینہ طیبہ حاضری دیں گے۔ قبلہ سید امین میاں
کی اس نوازش وحوصلہ افزائی پر بصمیم قلب شکر گزار ہوں اور دعا
کرتا ہوں کہ رب قدیر حضرت موصوف کے مراتب ودرجات میں مزید
بلندی عطا فرمائے نیز صحت وتندرستی کیساتھ حضرت کا سایۂ
عاطفت ہم غلامان برکاتیت کے سروں پر تادیر قائم رکھے

آمین۔ ظہیرالدین قادری
برکاتی

مرتد وملعون

سلمان رشدی

کی ناپاک کتاب

شیطانی آیات

کے جواب میں لکھی گئی کتاب

ایمانی آیات

محمد ظہیر الدین قادری (ایڈیٹر استقامت)

کانپور (انڈیا)

دورِ حاضر کا یزید اور مذہبِ اسلام کا بدترین دشمن

مرتد سلمان رشدی

کی شیطنت کا پس منظر

ظہیر الدین قادری ایڈیٹر استقامت کانپور

سلمان رشدی کا نام اس وقت ایک گستاخِ رسول، دشمنِ اسلام اور مرتدِ اعظم کی حیثیت سے نہایت ہی مشہور و معروف ہے اور اس کی بدنامِ زمانہ تصنیف The Satanic verses (شیطانی آیات) دلآزاریٔ مسلم میں اپنی مثال آپ ہے۔ آخر سلمان رشدی کو کیا سوجھی کہ اس نے ایسی زہر آلود، بیہودہ اور مردود کتاب لکھ ڈالی کہ جس نے شیدائیانِ اسلام فداکارانِ رسول اور فرزندانِ توحید کے قلوب کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ پورے عالمِ اسلام میں ایک آگ لگ گئی۔ ہر چہار طرف سے اس پر لعنت و ملامت کی جانے لگی۔ اس کی مردود کتاب پر بندش لگانے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ سلمان رشدی پر اس کے کفر و ارتداد کے باعث موت کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ لیکن برطانوی حکومت اور مغرب نے عالمِ اسلام کی تڑپ، روحانی کرب اور صدائے احتجاج کا کچھ بھی اثر قبول نہیں کیا۔ بلکہ سلمان رشدی کو اعزازات سے نوازا گیا۔ اس کی جان کے تحفظ کے لئے تجوری کے منہ کھول دیئے گئے اس کی مردود بدنامِ زمانہ کتاب کے سستے ایڈیشن شائع کئے گئے۔ برطانوی وزیر اعظم جان میجر سے لے کر امریکہ کے صدر بل کلنٹن تک جملہ مغربی ممالک کے سربراہوں نے اسے ملاقات کا شرف بخشا اور اس کی اسلام دشمن حرکت کو سندِ جواز عطا کیا نیز آئندہ کے لئے اس کی ذہنی و فکری قوتِ خبیثہ کو مزید محرک و فعال بنانے کی راہیں استوار کیں۔ گذشتہ چند سالوں میں مرتد و بددین سلمان رشدی کے تعلق سے پیش آنے والے واقعات اب فرزندانِ توحید اور شمعِ رسالت کے پروانوں کو یہ سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ ایک زمانۂ دراز اور مدتِ مدید سے ایک

لندن میں اسلامی درسگاہوں کے خفیہ اڈے جہاں سے اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی تربیت کا کام شب و روز جاری ہے

نواب چھتاری کا سنسنی خیز انکشاف

تسلسل کے ساتھ یہ جراءت مسلمہ کے دل و دماغ کے تاروں کو جھنجوڑنے اور ان کے دینی و مذہبی جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے واقعات باطل، گمراہ کن اور اسلام دشمن افکار و خیالات اور عقائد و نظریات کی صورت میں رونما ہو رہے ہیں ان کا حقیقی پس منظر کیا ہے۔ آخر وہ کون سی قوتیں ہیں جن کی ترغیب و تحریص پر ایسے اشخاص جو اسلامی شکل و صورت میں ہوتے ہیں بعض علماء سے نظر آتے ہیں۔ قوم مسلم میں افتراق و انشقاق کا کام انجام دے جاتے ہیں۔ کہ عقل محو حیرت رہ جاتی ہے۔ جن کی کتابیں بظاہر بڑی مدلل اور عمدہ نظر آتی ہیں لیکن کہیں کہیں ایسی باتیں لکھ دی گئیں کہ وہ مسلمانوں میں قتال و جدال اور نفاق و شقاق کا باعث بن گئیں۔ مسلمان آپس ہی میں کٹنے مرنے لگے۔ ان کے ہاتھوں سے "اللہ کی رسی" چھوٹنے لگی۔ اس لئے اس سے قبل کہ "شیطانی آیات" کے ذریعہ اسلام و پیغمبر اسلام نیز قرآن حکیم وغیرہ سے متعلق پیدا کئے گئے شکوک اور شیطانی وساوس کے ازالہ کی طرف توجہ کی جائے بہتر یہ ہوگا کہ ناقابل تردید شہادتوں کی بنیاد پر یہ معلوم کر لیا جائے کہ ایسے اشخاص کی ذہنی تربیت کہاں کی جاتی ہے اور اس کے اغراض و مقاصد کیا ہوتے ہیں۔

نواب چھتاری کے حوالے سے ایک خوفناک منصوبے کا انکشاف

"عالم اسلام میں عیسائیت کی خفیہ سرنگ" کے عنوان سے ہدیٰ ڈائجسٹ اپریل ۱۹۹۲ء میں محمد آصف دہلوی کا ایک مضمون اشاعت پذیر ہوا ہے جس میں نواب چھتاری کے حوالے سے ایک ایسے خوفناک منصوبے کا انکشاف کیا گیا ہے جس کو پڑھ کر آنکھیں حیرت و استعجاب سے کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ یہ مضمون اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آج اہل مغرب کس قدر پُراسرار انداز میں "اسلامی وحدت" کو ختم کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ پورا واقعہ دہلوی صاحب ہی کی زبان قلم سے سماعت کیجئے۔ موصوف لکھتے ہیں:-

دوران سفر ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ نے سلمان رشدی کی لکھی ہوئی کتاب "شیطانی آیات" پڑھی ہے؟ اس میں کیا لکھا ہے جو اس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا پڑھی تو میں نے بھی نہیں مگر سنا ہے کہ اس کتاب میں حضور کی بہت توہین (خاکم بدہن) کی گئی ہے اسی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے اس قدر احتجاج کیا جا رہا ہے۔ دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ مجھے ایک پرانا قصہ یاد آ گیا وہ قصہ یوں ہے ـــ

میرے ایک دوست جو علی گڈھ میں نواب چھتاری کے یہاں کسی اونچی ملازمت پر تعینات تھے اور نواب صاحب ان سے کافی بے تکلف تھے انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ نواب صاحب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کے بڑے ہی خواہ تھے وہ مسلم لیگ اور کانگریس پارٹی سے بالکل لاتعلق تھے اور سیاست میں انگریزوں کے ہر طرح مددگار تھے۔ اسی لئے انگریزی حکومت نے ان کو یو پی کا

گورنر بنا دیا تھا۔ ایک بار برطانوی حکومت نے سب ہندوستانی صوبوں کے گورنروں کو مشورے کے لئے انگلستان بلایا تو نواب صاحب بھی بحیثیت گورنر انگلستان گئے۔ یہاں علی گڈھ کا جو بھی کلکٹر نیا آتا تھا ان سے برابر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی آگرہ کا کمشنر بھی۔ ان سب افسروں کے نواب صاحب سے عمدہ تعلقات تھے جب نواب صاحب لندن پہنچے تو جو کلکٹر اور کمشنر ان کے پرانے ملاقاتی تھے اور ریٹائر ہو کر انگلستان چلے گئے تھے۔ جب انہیں نواب صاحب کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ملنے آئے۔ ان میں سے ایک کلکٹر جو نواب صاحب سے بہت مانوس تھا اس نے کہا نواب صاحب! آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو آیئے میں آپ کو یہاں کے عجائب خانے دکھادوں جن میں ہزاروں برس پرانی ایسی ایسی چیزیں ہیں جو آپ نے کبھی دیکھی نہ سنی ہوں گی۔ نواب صاحب نے کہا عجائب خانے تو میں نے سب دیکھ لئے حکومت نے دکھادیے اور یہاں جو بھی آتا ہے یہ دیکھ کر ہی جاتا ہے۔ البتہ اگر تم کچھ دکھانا چاہتے ہو تو ایسی چیز دکھاؤ جو یہاں سے اور کوئی نہ دیکھ کر گیا ہو۔ انگریز کلکٹر نے کہا نواب صاحب! ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے جسے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو! اچھا میں سوچ کر پھر بتاؤں گا۔ دو روز بعد وہ آیا اور اس نے کہا کہ نواب صاحب میں نے سوچ لیا اور معلومات بھی حاصل کرلی ہیں۔ اب آپ کو ایسی چیز دکھاؤں گا جو اور کوئی یہاں سے دیکھ کر نہیں گیا۔ اس پر نواب صاحب خوش ہوگئے کہ بس ٹھیک ہے کلکٹر نے نواب سے پاسپورٹ مانگا اور کہا کہ وہ جگہ دیکھنے کے لئے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے اس لئے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہوگی۔ دو ایک روز کے بعد وہ نواب صاحب کا اور اپنا تحریری اجازت نامہ لے کر آیا اور کہا کہ کل صبح آپ میرے ساتھ میری موٹر میں چلیں گے۔ سرکاری موٹر نہیں لے جائیں گے۔ نواب صاحب اس پر راضی گئے۔

اگلے روز نواب صاحب اس کے ساتھ روانہ ہوئے، شہر سے نکل کر ایک طرف جنگل شروع ہو گیا۔ اس میں ایک چھوٹی سی سڑک تھی جس پر جوں جوں چلتے گئے جنگل گھنا ہوتا گیا۔ راستے میں کوئی پیدل چلتا نظر آیا نہ کسی قسم کی سواری پر نظر پڑی کسی طرح آمد و رفت کا سلسلہ نہیں تھا۔ چلتے چلتے کوئی آدھ گھنٹہ گزرا تو نواب صاحب نے دریافت کیا کیا دکھانے کے لیے جارہے ہو؟ کوئی جنگلی جانور ہے یا تالاب جس میں خاص قسم کے جانور ہیں۔ اس طرف آبادی ہے نہ آمد و رفت۔ ابھی کتنا اور چلنا ہے؟ اس نے کہا بس تھوڑی دور اور چلنا ہے۔ جنگلی جانور یا تالاب وغیرہ نہیں دکھانا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑا دروازہ آیا جو ایک بڑی عمارت کے مین گیٹ کی صورت میں تھا اس میں آگے اور پیچھے دروازے تھے۔ دونوں طرف فوجی پہرہ تھا۔ کلکٹر نے موٹر سے اتر کر پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامہ دکھایا اس نے دونوں رکھ لئے۔ اور اندر آنے کی اجازت دے دی مگر یہ کہا کہ آپ اپنی موٹر یہیں چھوڑ دیجئے اور اندر جو موٹریں کھڑی ہیں ان میں سے کوئی لے لیجئے۔ نواب صاحب نے یہ دیکھا یہ دروازہ کسی عمارت کا نہیں تھا اور اس کے دونوں طرف دیواروں کے بجائے بہت گھنی جھاڑیاں اور کانٹے دار درخت تھے جن میں سے کسی کا گزرنا ممکن نہ تھا موٹر چلتی رہی مگر گھنے جنگل اور جنگلی درختوں کی دیوار کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ نواب صاحب نے گھبرا کر پوچھا! کب وہاں پہنچیں گے؟ اس نے کہا بس پہنچ گئے دیکھئے وہ جو عمارت نظر آرہی ہے

وہاں جانا ہے۔ پھر اس نے خاص طور سے یہ کہا۔ "اس عمارت میں جب داخل ہوں گے تو ہر چیز دیکھئے مگر آپ کسی قسم کا کوئی سوال کسی سے نہیں کریں گے۔ بالکل خاموش رہنا ہے آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لیجئے گا ویسے تو میں خود ہی بتاتا جاؤں گا۔ نواب صاحب نے کہا" اچھا ٹھیک ہے۔ عمارت سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے موٹر چھوڑ دی اور پیدل عمارت کی طرف بڑھے۔ یہ ایک بڑی سی عمارت تھی شروع میں دالان تھا۔ اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے جب دالان میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان داڑھی موچھوں والا عربی کپڑے پہنے اور سر پر رومال ڈالے ایک کمرے سے نکلا۔ ایک دوسرے کمرے سے دو ایک نوجوان اور نکلے ان لوگوں نے پہلے کمرے سے نکلنے والے لڑکے سے کہا" السلام علیکم! دوسرے نے جواب دیا" وعلیکم السلام! کیا حال ہے! نواب صاحب حیران رہ گئے۔ جب لڑکے ان کے قریب سے گزرے تو نواب صاحب نے کچھ دریافت کرنا چاہا۔ مگر کلکٹر نے فوراً اشارے سے منع کر دیا۔ پھر کلکٹر نے انہیں ایک کمرے کے دروازے پر جا کر کھڑا کیا۔ دیکھا کہ اندر فرش بچھا ہے اور اس پر عربی لباس میں متعدد طلبہ بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ان کے استاد بالکل اسی طرح بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں جیسے اسلامی مدرسوں میں استاد پڑھاتے ہیں۔ طلبہ عربی میں اور کبھی انگریزی میں سوال کرتے تھے۔ کلکٹر نے نواب صاحب کو سب کمرے دکھائے اور ہر کمرے میں جو تعلیم ہو رہی تھی وہ بھی بتائی۔ نواب صاحب نے دیکھا کہیں کلام مجید پڑھایا جا رہا ہے کہیں قرأت سکھائی جا رہی ہے۔ کہیں معنی اور تفسیر کا درس ہو رہا ہے۔ کہیں احادیث پڑھائی جا رہی ہیں۔ کسی جگہ بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے اور کہیں مسلم شریف کہیں مسئلے مسائل سکھائے جا رہے ہیں اور کہیں اصطلاحات کی وضاحت اور کہیں مناظرہ ہو رہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر نواب صاحب بہت حیران ہوئے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ کسی طالب علم سے کمرے سے نکلتے وقت کوئی سوال کریں گے مگر کلکٹر ان کو اشارے سے روک دیتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر جب واپس ہوئے تو نواب صاحب نے کہا کہ اتنا بڑا دینی مدرسہ ہے جس میں اسلام کے ہر پہلو کی اس قدر عمدہ تعلیم اور باریک سے باریک باتیں سکھائی جا رہی ہیں۔ آخر یہ ان مسلمان طلبہ کو اس طرح علیحدہ کیوں بند کر رکھا ہے اور کیوں چھپا رکھا ہے؟ کلکٹر نے کہا کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں سب عیسائی ہیں نواب صاحب کو مزید حیرت ہوئی اور انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو کلکٹر نے کہا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہیں مسلمان ممالک میں خصوصاً شرق اوسط بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں یہ لوگ کسی بڑے شہر کی کسی بڑی مسجد میں جا کر نماز میں شریک ہوتے ہیں اور نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ انگریز ہیں' انہوں نے مصر میں ازہر یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور مکمل عالم ہیں۔ انگلستان میں اسلامی ادارے نہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں اور نہ مسجدیں ہیں۔ اس لئے جلاوطنی اختیار کی ہے وہ سر دست تنخواہ نہیں چاہتے بلکہ صرف کھانا اور سر چھپانے کا ٹھکانا اور پہننے کے کپڑے درکار ہیں وہ مسجد میں مؤذن یا پیش امام یا بچوں کو کلام مجید کے معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کو تیار ہیں۔ اگر کوئی بڑا تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں ان میں سے کسی کو مسجد یا مدرسے میں رکھ لیا جاتا ہے تو مقامی لوگ بطور امتحان ان سے مسئلہ مسائل بھی معلوم کرتے ہیں اور وہ کافی و شافی جواب دیتے ہیں، کچھ عرصے بعد

جب کوئی اختلافی مسئلہ آتا ہے تو لوگ ان کے معتقدین ہو جاتے ہیں اور وہ اس اختلافی مسئلے پر ان کی دو پارٹیاں بنا کر خوب اختلاف پیدا کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اچھی طرح آپس میں لڑاتے ہیں۔ سو اس ادارے کا پہلا اصلی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑاؤ۔ چنانچہ مشرق اوسط میں گرجاؤں کے پادریوں کے ایک سالانہ جلسے میں ZAVYAR نامی پادری نے بحیثیت صدر اپنی تقریر میں کہا کہ مسلمانوں سے ہم مناظرے میں نہیں جیت سکتے، اس لئے ہم نے اسے چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہیں آپس میں لڑاؤ، اس میں ہم کامیاب ہیں، لہٰذا ہمیں اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اس مدرسے کا مقصد یہ ہے کہ حضور کا درجہ جس طرح بھی ہو سکے گھٹاؤ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو ان کی عزت اور محبت ہے وہ کم ہو جائے اور اس کے بغیر مسلمانوں پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ محض مسلمانوں کے اختلاف سے اسلام ختم نہیں ہو سکتا۔ کلکٹر کی ان باتوں پر نواب صاحب حیرت کے سمندر میں غوطہ کھا رہے تھے۔"

نواب چھتاری کے اس انکشاف سے شیطانی آیات کی تصنیف کے اصل عوامل و محرکات اور سلمان رشدی کی شیطنت و خباثت کا صحیح پس منظر کھل کر منظر عام پر آجاتا ہے۔

سلمان رشدی کے ارتداد کے اسباب

ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک یعنی ابو لہب ولید بن مغیرہ، بشر منافق اور عبداللہ بن ابی سے لے کر سلمان رشدی تک بہت سے دشمنان اسلام اور گستاخان رسول پیدا ہوئے اور ان ظلمت پسندوں اور دریدہ دہنوں نے نت نئے انداز میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں اور صداقتوں پر حملے کئے امت مسلمہ کے صبر و تحمل اور ان کی غیرت ایمانی و حمیت دینی کا امتحان لیا۔ جس کے نتیجے میں کتنے ہی فرزندان توحید نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس طرح کے گستاخوں اور بد نصیبوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور خود بھی ہنسی خوشی ناموس مصطفےٰ پر کٹ مر کر عروس شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔ گستاخی رسول اور منصب رسالت و توحید پر حملے کی جہاں ایک طویل تاریخ ہے وہیں ایسے ظالموں، دریدہ دہنوں اور

اسلام دشمنی میں اب تک جس قدر کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان سب میں عصر حاضر کی بدنام ترین کتاب شیطانی آیات نے جس نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے

بدبختوں کو جہنم رسید کرنے والے وفا آشنا، ایثار پیشہ اور سراپا تسلیم و رضا عشاق رسول کی بھی کمی نہیں — برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں پر ایک قیامت اس وقت گزری تھی جب برطانوی دور حکومت میں ایک ظالم نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کے خرمن ہوش و خرد پر بجلی گرا دی تھی اور ایک دیوانۂ رسول نے اس ظالم کو بھری عدالت میں گولی مار کر دنیا پر یہ واضح کر دیا تھا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنے پیارے آقا نبی رحمت جناب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طویل معاندانہ اور مخالفانہ تاریخ کا مطالعہ اس بات کا غماز ہے کہ اب تک جتنی بھی اسلام دشمنی میں کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان سب میں عصر حاضر کی بدنام ترین اور مردود ترین کتاب "شیطانی آیات" نے سارے ریکارڈ توڑ دئے ہیں۔ ہندی نژاد برطانوی مصنف سلمان رشدی نے جس طرح اس کتاب میں اپنی خباثت اور دریدہ دہنی کا ثبوت دیا ہے اور قرآن مقدس اور رسول اعظم اور امت مسلمہ کے مایۂ ناز سپوتوں، امہات المومنین نیز ملائکہ مقربین کے حضور میں جس طرح کے نازیبا کلمات اور گندے خیالات کا استعمال و اظہار کیا ہے۔ شاید تاریخ میں کبھی بھی کسی بڑے سے بڑے دشمن اسلام نے بھی ایسی جرأت و جسارت نہیں کی ہے۔ اگر یہ شخص بظاہر کلمہ گو نہ ہوتا تو شاید "شیطانی آیات" پر اتنا قہر برپا نہ کیا ہوتا لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ رکیک و ذلیل حرکت اس شخص کی ہے جو اسلامی نام رکھتا ہے اور بظاہر کلمہ گو ہے لیکن حیرت کی کوئی بات نہیں ایسے منافقین تو ہر دور میں ہوئے ہیں جنہوں نے کلمہ و نماز کی آڑ میں امت مسلمہ میں نفاق و شقاق کا بیج بونے کا کام کیا ہے۔ عظمت رسول پر حملہ آور ہوکر وفاداران رسول کے جذبۂ ایمانی کو آزمایا ہے۔ اس لئے اگر انگریزوں اور اسلام دشمنوں کی آغوش میں پل بڑھ کر جوان ہونے والا یہ نام نہاد مسلمان "شیطانی آیات" جیسی مردود و ملعون کتاب لکھتا ہے تو کیا مقام تعجب ہے البتہ حیرت و استعجاب کی جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اب تک ایسا بدترین گستاخ رسول زندہ ہے؟ خیر! یہاں موضوع بحث یہ نہیں کہ یہ زندہ کیوں ہے۔ جب وقت اجل آئے گا یہ ظالم خود ہی تمام تر مضبوط تقوں کے حفاظتی حصار کے باوجود کسی عاشق رسول کی گولیوں کا نشانہ بن کر جہنم رسید ہو جائے گا۔ یہاں موضوع بحث یہ امر ہے کہ آخر سلمان رشدی کیوں واجب القتل ہے؟ اس کے قتل کا فتویٰ کس بنیاد پر دیا گیا ہے؟ اگر وہ مرتد ہے اور اسی ارتداد کے باعث وہ قابل گردن زدنی قرار دیا گیا ہے تو اس ارتداد کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس نے کتاب کے مختلف کرداروں کا سہارا لے کر قرآن پر، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، ملائکہ مقربین پر، وحی و اولیاء پر، امہات المومنین رضی اللہ عنہم پر نیز دیگر عقائد و احکام اسلام پر جو جارحانہ حملے کئے ہیں۔ وہ کیا ہیں اور علمی و تحقیقی طور پر ان کے شافی و کافی جوابات کیا ہیں؟ تو ہم سب سے پہلے بحث کا آغاز اس امر سے کرتے ہیں کہ اگر سلمان رشدی مرتد ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ایک مرتد کی اسلام نے کیا سزا متعین کی ہے؟

ملعون رشدی نے اپنی کتاب "شیطانی آیات" میں جو غلیظ زبان استعمال کی ہے اور ملائکہ مقربین انبیائے کرام اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی بارگاہ میں جس طرح کی بے ہودہ گوئیاں کی ہیں ہم ان کو بعینہ نقل کرنے کی جسارت اپنے اندر نہیں پاتے ہیں اور چونکہ اس کتاب پر قانونا پابندی عائد کی ہے اس لئے بھی اس کتاب کا کوئی جملہ یا اقتباس نقل کرنا جرم ہے۔ اس لئے کتاب کے مرکزی خیالات کو سامنے رکھ کر سلمان رشدی کے ارتداد اور کفر پر بحث کرتے ہیں۔

پہلا سبب: یہ کتاب جس نے پوری دنیا میں شیطان کی طرح شہرت پائی ہے در اصل ایک ناول کی صورت میں رقم کی گئی ہے

جس کے دو مرکزی کردار ہیں۔ اس شیطان صفت مصنف نے ایک کردار کا نام "جبرئیل فرشتہ" اور دوسرے کردار کا نام "صلاح الدین چمچہ" رکھا ہے۔ اس طرح انہی نے شروع ہی سے سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور معرکہ صلیب و ہلال کے ہیرو عظیم مردِ مجاہد حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی کا مذاق اڑایا ہے۔ یہیں پر بس نہیں ہیں بلکہ اس مردود مصنف نے یہ بھی دکھایا ہے کہ جبرئیل فرشتہ کی والدہ محبت میں اس کو فرشتہ اور شیطان دونوں ناموں سے (نعوذ باللہ) پکارتی ہے۔ اس ملعون سلمان رشدی نے دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ لائی گئی وحی یا آیات قرآنیہ اور شیطانی بکواس میں (نعوذ باللہ) کوئی فرق نہیں۔

دوسرا سبب:۔ کتاب کے یہ دونوں کردار خواب پر خواب دیکھتے ہیں اور ان خوابوں ہی کی آڑ میں درحقیقت اس بدنام زمانہ ملعون مردود مصنف، مرتد اعظم سلمان رشدی نے مذہب مہذب اسلام سید العرب والعجم رحمت عالم نور مجسم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، ملائکہ خصوصاً حضرت جبرئیل علیہ السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی شان میں دریدہ دہنی زیادہ گوئی کی ہے اور انتہائی بھونڈے انداز میں گالیاں بکی ہیں۔

تیسرا سبب:۔ قرون وسطیٰ کے عیسائی مصنفین و مستشرقین خصوصاً عیسائیوں کے مذہبی رہنما یعنی راہب اور پادری جب کبھی آقائے نامدار سید اخیار و ابرار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیتے تو آپ کے نام پاک کی اہانت کی نیت سے آپ کا صحیح نام نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کو "مہونڈ" کہہ کر اپنی ازلی بدبختی اور بدباطنی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔ مرتد و ملعون رشدی نے اپنی اس کتاب میں ایک خواب کا نام "مہونڈ" رکھا ہے۔ جس میں رسول مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مکی زندگی کو نہایت ہی غلط اور مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اس بدبخت اور خبیث مصنف نے کھل کر اپنی اسلام دشمنی، رسول دشمنی اور اہل مغرب کی چمچہ گیری کا ثبوت دے کر اپنے اوپر نارِ جہیم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واجب کر لیا ہے۔

چوتھا سبب:۔ مردود رشدی نے ایک اور خواب کا نام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام مبارک پر "عائشہ" رکھا ہے جس میں اس بدنصیب اور کوربخت مصنف نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کو غلط طریقے پر پیش کر کے دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے نیز ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن کی پاکیزہ اور مقدس حیات پر رکیک حملے کئے گئے ہیں اور ان محترم و مکرم ہستیوں کے لئے گالیوں بھرے جملے استعمال کئے گئے ہیں۔

پانچواں سبب:۔ اس بدنام زمانہ مصنف نے ایک اور خواب کا نام "جہالت کیطرف واپسی" رکھا ہے۔ اس میں اس نے فتح مکہ اور رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کر کے بعد کی حیاتِ مقدسہ کو انتہائی گندے اور بے ہودہ ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ جس کے کسی حصے کو نقل کرنا نہ ہمیں ایمان اجازت دیتا ہے اور نہ ہی قانون۔

الغرض پوری کتاب ایسے ہی سب و شتم اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخیوں اور دریدہ دہنیوں سے پر ہے اور اس بات پر جملہ فقہائے کرام، اور علمائے ربانیین کا اتفاق ہے کہ

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یا فرشتوں کی شانِ اقدس و اطہر میں سب و شتم کرنے والا مسلمان خارج از اسلام یعنی مرتد ہو جاتا ہے جس کی سزا موت ہے (اس سلسلے میں ایک علمی بحث آگے آرہی ہے) اس طرح کتاب کے مذکورہ مشمولات و مندرجات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ سلمان رشدی یقیناً خارج از اسلام مرتد و بددین اور واجب القتل ہے۔

شاتمِ رسول کی سزا

اقوال فقہاء کی روشنی میں

بارگاہِ الوہیت میں نبیٔ رحمت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ایسا ارفع و اعلیٰ ہے کہ جہاں تک طائرِ عقل کی رسائی ناممکن ہے۔ جن کی تعظیم و توقیر ہر مومن پر فرض عین ہے۔ جن کی بارگاہِ عظمت میں رفع صوت بھی تمام اعمال کے ضیاع کا موجب ہے۔ جن کی بارگاہ میں کسی ایسے لفظ کے استعمال پر جو سوء معنیٰ کا بھی احتمال رکھتا ہو عذاب الیم کا مژدہ ہے جن کی شانِ اقدس میں نازیبا کلمات استعمال کرنے والے گستاخوں کو خود رب کائنات نے عبرت ناک سزائیں دی ہیں۔ اور قرآن پاک میں ان کے لئے سخت وعیدوں کا ذکر فرمایا ہے۔

آفتابِ رسالت کی جلوہ گری کے بعد مدینہ منورہ کی سرزمین پر ایسے بدنصیب اور کور بخت گستاخانِ رسول کے لاشے تڑپتے نظر آتے ہیں جنہوں نے یا تو آپ کے حق و صداقت پر مبنی فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا یا جنہوں نے اپنے ہجو یہ اشعار کے ذریعہ مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کے ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ ایسے شر پسندوں اور فتنہ پردازوں میں بشر منافق کا واقعہ مشہور زمانہ ہے جس کو حضرت فاروق اعظم نے محض اس بنا پر کہ اس نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے اعراض کیا تھا، اور آپ سے فیصلہ چاہا تھا۔ تہ تیغ کر دیا تھا اور آیت قرآنی نے آپ کے اس اقدام کے صحیح اور برحق ہونے کی شہادت دی تھی۔ ایسے ہی ایک بوڑھا یہودی ابو عفک کا واقعہ کتب سیر میں ملتا ہے جو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اشعار کہتا تھا جن میں سخت گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اور لوگوں کو آپ کے اور اسلام کے خلاف اکساتا تھا۔ ایک بار اس نے چند ایسے اشعار کہے جس میں اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر کا آدمی بنایا اور قرآن مجید کے بعض احکام کا تمسخر اڑایا۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری طرف سے اس (شخص) کے لئے کون آدمی ہے؟" یہ سن کر حضرت سالم بن عمیر اٹھے اور اس کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ شوال ۲ھ کا ہے۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۲۸۵)

اسی طرح ایک شاعرہ تھی جس کا نام عصماء بنت مروان تھا۔ جس کا تعلق مدینہ منورہ کے قبیلہ اوس سے تھا۔ اس حرماں نصیب شاعرہ نے ایک مرتبہ اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کی بارگاہ میں ہجو یہ شعار کہے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"بنو مالک، بنو نبیت، بنو عوف اور بنو خزرج کی اصل و بنیاد اور ان کے مورث اعلیٰ کی قسم! تم نے ایک باہر سے آئے ہوئے اجنبی شخص کی اطاعت کرلی جو تم میں سے نہیں۔ وہ نہ قبیلۂ مراد سے ہے نہ قبیلۂ مذحج سے۔ تم لوگ اپنے اپنے بڑے سردارنے

سرداروں کے قتل ہونے کے باوجود اس شخص کو اپنے آپ سے اسی طرح امید دلا رہے ہو جس طرح پکے ہوئے شوربے سے امید لگائی جاتی ہے۔ کیا کوئی ناک والا ہے جو اس غافل جماعت کے خلاف اٹھے اور امید کرنے والے کی امید یں قطع کر دے"؟

ان اشعار میں اجنبی شخص سے مراد رسول قدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو لیا گیا ہے اور غافل (نالائق) جماعت سے مراد مسلمان ہیں۔ جب رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشعار کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: "کیا کوئی میرے لئے مروان کی بیٹی کو گرفت میں لینے والا ہے؟" ایک جاں نثار صحابی حضرت عمیر بن عوف نے آپ کی پکار پر لبیک کہا اور آنے والی شب میں عصماء کے گھر جا کر اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ ابن سعد کے مطابق عصماء بنت مروان کا قتل رمضان ۲ھ میں ہوا۔" (ابن سعد الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷)

اسی طرح یہودیوں کا مشہور شاعر اور مدینہ کا مالدار ترین شخص مردود کعب بن اشرف بھی رسول دشمنی اور دل آزاری مسلم میں پیش پیش رہتا تھا۔ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے مسلمان عورتوں کے متعلق بے ہودہ اور عاشقانہ اشعار کہے اور انہیں ناقابل تلافی ذہنی و روحانی ایذا پہنچائی۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: "مَنْ لِيْ بِابْنِ الْاَشْرَفْ: یعنی میری خاطر کعب بن اشرف کی خبر لینے کے لئے کون تیار ہے۔ اس پر بنی عبد الاشہل قبیلہ کے جانباز صحابی رسول حضرت محمد بن مسلم نے کہا "یا رسول اللہ! میں آپ کی خاطر اس کے لئے تیار ہوں۔ میں اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَافْعَلْ اِنْ قَدَرْتَ عَلٰى ذَالِكَ یعنی اگر تمہیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو کر ڈالو" یہ ایک سخت کام تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی مدد کے لئے اپنے قبیلے اوس سے چار آدمیوں کو لیا جن کے نام یہ ہیں۔ ابو نائلہ، سلکان بن سلامہ، حارث بن اوس، عباد بن بشر، اور ابو عبس بن جبیر۔ یہ لوگ گئے اور بڑی حکمت عملی سے کعب بن اشرف کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کعب بن اشرف کا قتل ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو ہوا۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳ ص ۵۰)

یہ شعراء جو صحابۂ کرام کے ہاتھوں فی النار ہوئے ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے اپنے اشعار میں بعض ایسے کلمات استعمال کئے تھے جو شانِ نبوت کے سراسر خلاف تھے، فحش گالیاں نہیں تھیں۔ پھر بھی ان کے لئے بارگاہِ نبوت سے قتل کا فرمان جاری ہوا اور موت کی نیند سلا دیئے گئے اور سلمان رشدی تو وہ بد دین اور شیطانِ اعظم ہے جس نے انبیاء کرام ملائکۂ مقربین، صحابۂ کبار اور امہات المومنین کے لئے فحش اور گندی گالیاں لکھی ہیں۔ ایسے مردود شخص کے لئے اگر سزائے موت کا فرمان جاری ہوتا ہے تو اس پر پرستارانِ صلیب اور علمبرداران

سلمان رشدی واجب القتل ہے

ہمیں یقین ہے کہ وقت آنے پر یہ مرتد خود ہی تمام تر مغربی طاقتوں کے حصار کے باوجود کسی عاشقِ رسول کی گولیوں کا نشانہ بن کر جہنم رسید ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

عقیدۂ تثلیث کی طرف سے اعتراضات ہوں تو کیا تعجب ہے لیکن اگر اسلام کے نام نہاد ٹھیکیدار اس پر اعتراض کریں اور اس کو اظہار رائے کی آزادی پر حملہ قرار دیں تو یہ البتہ سخت تعجب کی بات ہے جب کہ سلمان رشدی جیسے شیطانوں اور گستاخوں کی سزائے موت سے متعلق کتب فقہ میں فقہاء کرام کے واضح اقوال موجود ہیں جن کو پڑھ لینے کے بعد کسی بھی شخص کے ذہن و دماغ میں ایسے مردود شخص کے لئے سزائے موت کے تعلق سے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ لہٰذا آیئے دیکھیں کہ بارگاہِ

اسلام سے بغاوت اور شانِ رسالت کی تنقیص کرنے والوں پر اساطینِ اسلام و فقہائے کرام کے زریں ارشادات

رسول میں گالیاں بکنے والوں، شانِ رسالت کی تنقیص کرنے والوں کے بارے میں اساطینِ اسلام و فقہاء کرام کیا فرماتے ہیں۔

حضرت مولینا عبدالحکیم شرف قادری ایک باوقار اور جید اہلِ علم و صاحب قلم ہیں۔ آپ نے اس سلسلے میں ایک بہترین مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔ قارئین کی معلومات کے لئے آپ ہی کا مضمون جو تنقیص شانِ رسالت سے متعلق ہے، حاضرِ خدمت ہے۔

شرح وقایہ پر علامہ چلپی کے حواشی میں ہے:

قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی اَنَّ الْاِسْتِخْفَافَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِاَیِّ نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ کَانَ کُفْرٌ اَسَوَاءٌ فَعَلَہٗ فَاعِلُ ذَالِکَ اسْتِحْلَالًا اَمْ فَعَلَہٗ مُعْتَقِدًا لِحُرْمَتِہٖ

وَلَیْسَ بَیْنَ الْعُلَمَاءِ خِلَافٌ فِیْ ذَالِکَ الَّذِیْنَ نَقَلُوا الْاِجْمَاعَ فِیْہِ۔ اَکْثَرُ مِنْ اَنْ یُحْصٰی۔

بےشک تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم یا کسی اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیف شان کفر ہے عام ازیں کہ تخفیف کرنے والا اسے حلال جانتا ہو یا حرام، اس مسئلہ میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس مسئلہ پر اجماع نقل کرنے والے حد شمار سے باہر ہیں۔"

قَالَ الْقَاضِیْ فِی الشِّفَاءِ اِنَّ جَمِیْعَ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْعَابَہٗ اَوِ الْحَقَ بِہٖ نَقْصًا فِیْ نَفْسِہَا اَوْ نَسَبِہٖ اَوْ دِیْنِہٖ اَوْ خَصْلَۃٍ مِّنْ خِصَالِہٖ اَوْ عَرَّضَ بِہٖ اَوْ شَبَّہَہٗ بِشَیْءٍ عَلٰی طَرِیْقِ السَّبِّ وَالْاِزْرَاءِ عَلَیْہِ اَوِ التَّصْغِیْرِ لِشَانِہٖ اَوِ الْغَضِّ مِنْہُ اَوِ الْعَیْبِ لَہٗ فَہُوَ سَابٌّ لَہٗ وَحُکْمُہٗ حُکْمُ السَّابِّ یُقْتَلُ کَمَا نُبَیِّنُہٗ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ وَلَا نَسْتَثْنِیْ فَصْلًا مِّنْ فُصُوْلِ ہٰذَا السَّبَابِ عَلٰی ہٰذَا الْقَصْدِ وَلَا نَمْتَرِیْ فِیْہِ تَصْرِیْحًا کَانَ اَوْ تَلْوِیْحًا۔

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالے عنہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا عیب لگائے، آپ کی ذات شریف یا آپ کے نسب یا آپ کے دین یا آپ کی کسی خصلت کی طرف نقص کی نسبت کرے یا آپ کی طرف تعریض کرے (اشارۃً عیب جوئی کرے) یا آپ کو کسی شے سے گالی یا توہین یا شان کی کمی کرنے

یا آپ سے چشم پوشی کرنے یا عیب لگانے کے طور پر تشبیہ دے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا ہے، اس کا حکم وہی ہے جو آپ کو گالی دینے والے کا حکم ہے یعنی اسے قتل کر دیا جائے گا جیسے کہ ہم بیان کریں گے۔ اس مقصد (قتل کرنے) سے ہم کسی قسم کا استثناء نہیں کرتے اور نہ ہی ہم اس میں شک کرتے ہیں خواہ صراحۃً ہو یا اشارۃً۔

وَكَذٰلِكَ مَنْ لَعَنَهُ اَوْ دَعَا عَلَيْهِ اَوْ تَمَنّٰى مَضَرَّةً لَهُ اَوْ نَسَبَ اِلَيْهِ مَالَا يَلِيْقُ بِمَنْصِبِهِ عَلٰى طَرِيْقِ الذَّمِّ اَوْ عَبَثَ فِيْ جِهَتِهِ الْعَزِيْزَةِ بِسُخْفٍ مِنَ الْكَلَامِ وَهُجْرٍ وَمُنْكَرٍ مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرٍ اَوْ عَيَّرَهُ بِشَيْءٍ مِمَّا جَرٰى لَهُ مِنَ الْبَلَاءِ وَالْمِحْنَةِ عَلَيْهِ اَوْ غَمَصَهُ بِبَعْضِ الْعَوَارِضِ الْبَشَرِيَّةِ الْجَائِزَةِ عَلَيْهِ الْمَعْهُوْدَةِ لَهُ۔

"اسی طرح وہ شخص کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لعنت کی نسبت کرے یا آپ کے لئے بددعا کرے یا آپ کے نقصان کی آرزو کرے یا آپ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ بطورِ مذمت یا آپ کی جانب عزیز سے کھیلتے ہوئے ہلکے کلام یا ہجو یا جھوٹے کلام سے آپ کو عیب لگائے اس آزمائش اور مشقت کی بنا پر جو آپ پر گذری یا آپ کو عیب لگائے بعض ان عوارضِ بشریہ سے جو آپ کے لئے جائز اور معہود تھے۔"

وَهٰذَا كُلُّهُ اِجْمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَاَئِمَّةِ الْفَتْوٰى مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ لَدُنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اِلٰى هَلُمَّ جَرًّا۔

"یہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے اس وقت تک کے تمام علماء اور ائمۂ فتویٰ کا اجماعی فیصلہ ہے۔"

یہی شفاء شریف میں ہے:

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَحْنُوْنٍ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى اَنَّ شَاتِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُتَنَقِّصَ لَهُ كَافِرٌ وَالْوَعِيْدُ جَارٍ عَلَيْهِ بِعَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَهُ وَحُكْمُهُ عِنْدَ الْاُمَّةِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ۔

"حضرت محمد بن سحنون نے فرمایا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص شان کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے اور امت یعنی تمام ائمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

شفاء شریف اور حواشی چلپی میں ہے:

قَالَ ابْنُ عَتَّابٍ اَلْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ مُوْجِبَانِ اَنَّ مَنْ قَصَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَذًى اَوْ نَقْصٍ مُعَرِّضًا اَوْ مُصَرِّحًا وَاِنْ قَلَّ فَقَتْلُهُ وَاجِبٌ۔

"حضرت ابن عتاب فرماتے ہیں کہ تحقیق قرآن و حدیث اس امر کو واجب کرتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دینے یا آپ کی تنقیص شان کا ارادہ کرے تعریضاً کرے یا تصریحاً اگرچہ قلیل ہو اس کا قتل واجب ہے۔"

حواشی چلپی میں ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْمُتَقَرِّرَ مِنْ تَتَبُّعِ الْمُعْتَبَرَاتِ اَنَّ الْمُخْتَارَ اَنَّ مَنْ

صَدَرَ مِنْہُ مَا یَدُلُّ عَلٰی تَخْفِیْفِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِعَمَدٍ وَّ قَصْدٍ مِنْ عَامَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ یَجِبُ قَتْلُہٗ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ بِمَعْنَی الْخَلَاصِ عَنِ الْقَتْلِ وَاِنْ اَتٰی بِکَلِمَۃِ الشَّھَادَۃِ وَالرُّجُوْعِ وَالتَّوْبَۃِ لٰکِنْ لَوْ مَاتَ بَعْدَ التَّوْبَۃِ اَوْ قُتِلَ ھٰذَا مَاتَ مَیْتَۃَ الْاِسْلَامِ فِیْ غُسْلِہٖ وَصَلٰوتِہٖ وَدَفْنِہٖ۔

• معتبر کتابوں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب مختار یہ ہے کہ عامۃ المسلمین میں سے جس شخص سے قصداً اور ارادۃً ایسا کلام صادر ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخفیف شان پر دلالت کرتا ہو اس کا قتل واجب ہے اور اس کی توبہ بایں معنیٰ مقبول نہیں ہے کہ وہ قتل سے بچ جائے اگرچہ وہ شہادت کے دو کلمے پڑھے اور اس جرم عظیم سے توبہ کرے لیکن اگر وہ توبہ کے بعد مرجائے یا اس جرم کی سزا میں قتل کردیا جائے تو اس کی موت اہل اسلام کی طرح ہوگی غسل، نماز جنازہ اور دفن میں یعنی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں اس کا حکم تمام مسلمانوں کی طرح ہوگا اگر معاذ اللہ توبہ سے پہلے مرگیا تو کافر مرا اور اسکے ساتھ اہل اسلام والا معاملہ نہیں کیا جائے گا:

> جس کسی نے حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے نعلِ مقدس یعنی جوتی کو جو تڑیا کہا وہ شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک کافر ہے ـــــ اور واجب القتل ہے۔ (حدیث)

بلا ارادہ تنقیص کے مرتکب کا حکم

جاننا چاہیے کہ اس قائل نے قصداً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخفیف شان کی ہے اور اپنا ایمان برباد کیا ہے جیسا کہ مقام ثالث میں بیان ہوا ہے۔ جو شخص اس بڑے جرم کا قصداً مرتکب نہ ہوا ہو بلکہ کسی اور سبب سے یہ عظیم جرم اس سے سرزد ہوگیا ہو اس کے حال کا بیان اگرچہ ہماری گفتگو سے متعلق نہیں ہے تاہم تکمیل بیان کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حال بھی ذکر کردیا جائے لہٰذا سنئے:

شفاء شریف اور حواشی حلبی میں ہے۔

وَالْوَجْہُ الثَّانِیْ لَاحِقٌ بِہٖ فِی الْبَیَانِ وَالْجَلَاءِ وَھُوَ اَنْ یَّکُوْنَ الْقَائِلُ بِمَا قَالَ فِیْ جِھَتِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ غَیْرَ قَاصِدٍ لِلسَّبِّ وَالْاِزْرَاءِ وَلَا مُعْتَقِدًا لَّہٗ۔

• دوسری وجہ بیان اور ظہور میں پہلی وجہ سے ملحق ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ کلام کہنے والے کا ارادہ گالی توہین کا نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کلام کے مضمون کا عقیدہ رکھتا ہے۔

وَلٰکِنْ تَکَلَّمَ فِیْ جِھَتِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِکَلِمَۃِ الْکُفْرِ مِنْ لَعْنِہٖ وَسَبِّہٖ اَوْ تَکْذِیْبِہٖ اَوْ اِضَافَۃِ مَا لَا یَجُوْزُ عَلَیْہِ اَوْ نَفْیِ مَا یَجِبُ لَہٗ مِمَّا ھُوَ فِیْ حَقِّہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نَقِیْصَۃٌ مِثْلُ اَنْ یَّنْسُبَ اِلَیْہِ اِتْیَانَ کَبِیْرَۃٍ اَوْ

مُدَاهَنَةٍ فِيْ تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ أَوْ فِيْ حُكْمٍ بَيْنَ النَّاسِ أَوْ يَغُضُّ مِنْ مَرْتَبَتِهٖ أَوْ شَرَفِ نَسَبِهٖ أَوْ وُفُوْرِ عِلْمِهٖ أَوْ زُهْدِهٖ أَوْ يُكَذِّبُ بِمَا اشْتَهَرَ بِهٖ مِنْ أُمُوْرٍ أَخْبَرَ بِهَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَتَوَاتَرَ الْخَبَرُ بِهَا عَنْهُ عَنْ قَصْدٍ لِرَدِّ خَبَرِهٖ أَوْ يَأْتِيْ بِسَفَهٍ مِنَ الْقَوْلِ أَوْ بِقَبِيْحٍ مِنَ الْكَلَامِ وَلَوْ بِإِشَارَةٍ وَنَوْعٍ مِنَ السَّبِّ فِيْ جِهَتِهٖ وَإِنْ ظَهَرَ بِدَلِيْلِ حَالِهٖ أَنَّهٗ لَمْ يَتَعَمَّدْ ذَمَّهٗ وَلَمْ يَقْصُدْ سَبَّهٗ إِمَّا الْجَهَالَةُ حَمَلَتْهُ عَلٰى مَا قَالَهٗ أَوْ بِضَجَرٍ أَوْ سُكْرٍ أَوْ قِلَّةِ مُرَاقَبَةٍ وَضَبْطٍ لِلِسَانِهٖ وَعَجْرَفَةٍ وَتَهَوُّرٍ فِيْ كَلَامِهٖ.

لیکن اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کلمۂ کفر کہا یعنی لعنت یا تکذیب یا گالی یا نارواچیز کی نسبت یا ایسی چیز کی نسبت یا ایسی چیز کی نفی کی کہ آپ کے لئے ضروری ہے وغیر ذالک کہ آپ کے حق میں نقص ہیں مثلاً آپ کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کی یا تبلیغ احکام یا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں مداہنت (لحاظ) کی نسبت کی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام شرف نسب زادائی علم یا زہد میں کمی کی یا آپ کی خبر کی تردید کے ارادے سے ان امور کی تکذیب کی جو آپ سے مشہور اور متواتر ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کم عقلی یا برے کلام یا کسی قسم کی گالی کی نسبت کرے اگرچہ اس کے حال سے ظاہر ہو کہ اس نے آپ کی مذمت یا آپ کو گالی دینے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ یا تو جہالت نے اسے اس کلام پر برانگیختہ کیا ہے یا بے چینی یا نشے نے اسے ابھارا ہے یا زبان کے ضبط اور اس کی حفاظت کی کمی اور اس کلام میں جلدی اور بے باکی کی بنا پر کہہ کیا گیا ہے:

فَحُكْمُ هٰذَا الْوَجْهِ حُكْمُ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ الْقَتْلُ دُوْنَ تَلَعْثُمٍ إِذْ لَا يُعْذَرُ أَحَدٌ فِي الْكُفْرِ بِالْجَهَالَةِ وَلَا بِدَعْوٰى زَلَلِ اللِّسَانِ وَلَا شَيْءٍ مِمَّا ذَكَرْنَاهُ إِذَا كَانَ عَقْلُهٗ فِيْ فِطْرَتِهٖ سَلِيْمًا إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ.

"پس وجہ ثانی کا حکم وہی ہے جو وجہ اول کا حکم ہے کہ اسے بغیر کسی تاخیر کے قتل کر دیں کیونکہ جب پیدائشی طور پر کسی کی عقل درست ہو تو کسی شخص کے لئے کفر کے معاملے میں جہالت یا زبان کی لغزش یا اشیاء مذکورہ (بے چینی یا نشہ وغیرہ) کو عذر قرار نہیں دیا جائے گا۔ سوائے اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔"

اگر کوئی سچا کلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر دلالت کرتا ہو تو اس کا قائل کافر ہو جائے گا چنانچہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص عوارضِ بشریہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخفیف شان کرے کافر ہو جائے گا حالانکہ وہ عوارضِ بشریہ آپ کے جائز اور معلوم ہیں۔ اسی لئے علماء نے اس شخص کے قتل کا فتویٰ دیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خسر سے تعبیر کرکے آپ کی تخفیفِ شان کا ارادہ کرے جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اس مسئلہ کی جزئیات حد حساب سے خارج ہیں جو کچھ ہم نے بیان کیا وہی کافی ہے۔

اعتراض کتب عقائد میں مذکور ہے کہ اہلِ سنت کے محققین کے نزدیک اہلِ قبلہ کی تکفیر ممنوع ہے پس اہلِ قبلہ میں سے جو شخص تنقیصِ شان کی قباحت کا مرتکب ہوا ہو اس کے کفر کا حکم کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔

جواب: کتب عقائد میں مذکور ہے کہ :

وَلَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ۔

"ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔"

قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اہلِ قبلہ کے ساتھ مخصوص ہے جو ضروریات دین وہ امور جو دین میں بدیہی اور یقینی طور پر معلوم ہوں، کا انکار نہ کرتے ہوں اور ان سے کفر کی کوئی علامت اور کفر کا کوئی سبب صادر نہ ہو اور جو شخص ضروریات دین میں کسی کا انکار کرے یا اس سے کفر کی کوئی علامت ظاہر ہو یا کفر کا کوئی سبب ظاہر ہوا سے بلا تامل کافر قرار دیا جائے گا اور وہ بلا شبہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے کیونکہ ایسے شخص کی تکفیر میں شک کرنے کا مطلب ضروریاتِ دین میں شک کرنا ہے اور جو شخص ضروریاتِ دین میں شک کرے وہ بلا شک و شبہ کافر ہے۔

حضرت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ الْمُرَادَ بِاَهْلِ الْقِبْلَةِ الَّذِيْنَ اتَّفَقُوْا عَلٰى مَا هُوَ مِنْ ضُرُوْرِيَاتِ الدِّيْنِ كَحُدُوْثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ الْاَجْسَادِ وَعِلْمِ اللّٰهِ بِالْكُلِّيَاتِ وَالْجُزْئِيَاتِ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْمَسَائِلِ الْمُهِمَّاتِ فَمَنْ وَاظَبَ طُوْلَ عُمْرِهٖ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْعِبَادَاتِ مَعَ الْقَوْلِ بِقِدَمِ الْعَالَمِ اَوْ نَفْيِ الْحَشْرِ اَوْ نَفْيِ عِلْمِهٖ سُبْحَانَهٗ بِالْجُزْئِيَاتِ لَا يَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ وَاَنَّ الْمُرَادَ بِعَدَمِ تَكْفِيْرِ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّهٗ لَا يُكَفَّرُ مَا لَمْ يُوْجَدْ شَيْءٌ مِنْ اَمَارَاتِ الْكُفْرِ وَعَلَامَاتِهٖ وَلَمْ يَصْدُرْ مِنْهُ شَيْءٌ مِنْ مُوْجِبَاتِهٖ۔

"اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین پر متفق ہوں مثلاً عالم کا حادث (عدم کے بعد موجود) ہونا، قیامت کے دن اجسام کا (مع ارواح) کے اٹھایا جانا۔ اللہ تعالیٰ کا تمام کلیات اور جزئیات کو جاننا اور اس جیسے دیگر اہم مسائل، پس جو شخص طویل عمر طاعت و عبادت پر عمل پیرا رہا اس کے ساتھ ساتھ عالم کے قدیم (بے ابتدا) ہونے کا قائل رہا یا حشر جسمانی یا اللہ تعالیٰ کے جزئیات کو جاننے کا منکر تھا وہ اہلِ قبلہ سے نہیں ہوگا۔ اہلِ سنت کے نزدیک اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک کفر کی کوئی علامت نہ پائی جائے اور اس سے کفر کا کوئی سبب صادر نہ ہو۔"

> ملعون سلمان رشدی نے اپنی ناپاک کتاب میں ملائکہ مقربین، انبیائے کرام اور اُمہات المومنین کی مقدس شانوں میں گستاخیاں کی ہیں اُسے مسلمانانِ عالم کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

شرح مواقف میں ہے۔

وَلَا يُكَفَّرُ اَهْلُ الْقِبْلَةِ اِلَّا بِمَا فِيْهِ نَفْيٌ لِلصَّانِعِ الْقَادِرِ الْعَلِيْمِ اَوْ شِرْكٌ اَوْ اِنْكَارٌ لِلنُّبُوَّاتِ اَوْ اِنْكَارُ مَا عُلِمَ مَجِيْئُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهٖ

والشمس تجري لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم

ضَرُورَةً أَوْ مَا أُجْمِعَ عَلَيْهِ كَاسْتِحْلَالِ الْمُحَرَّمَاتِ الَّتِي أُجْمِعَ عَلَىٰ حُرْمَتِهَا فَإِنْ كَانَ ذَالِكَ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ مِمَّا عُلِمَ ضَرُورَةً مِنَ الدِّيْنِ فَذَلِكَ ظَاهِرٌ وَدَاخِلٌ فِيمَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ وَإِنْ كَانَ إِجْمَاعًا ظَنِّيًّا فَلَا كُفْرَ بِمُخَالَفَتِهِ وَإِنْ كَانَ قَطْعِيًّا فَفِيهِ خِلَافٌ انْتَهَىٰ۔

" اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی مگر ایسے کی جس میں قدرت والے علم والے خالق کی نفی یا شرک یا نبوت سے متعلق امور کے انکار یا ایسی اشیاء کے انکار سے جن کے بارے میں بداہتہً ثابت ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں یا جن پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے مثلاً محرمات کو حلال جاننا جن کے حرام ہونے پر اجماع ہے اگر وہ متفق علیہ ضروریاتِ دین سے ہے تو اس کے انکار کا کفر ہونا ظاہر ہے اور ماقبل میں داخل ہے ورنہ اگر اجماع ظنی ہے تو اس کا انکار کفر نہیں ہے اور اگر اجماع قطعی ہے تو اس کے انکار کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔"

جب ثابت ہو گیا کہ امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نبیٔ اکرم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تخفیفِ شان کفر ہے اور یقیناً یہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے پس جو شخص اس مسئلہ میں شک کرے وہ کافر ہے تو تخفیفِ شان کے مرتکب کا کیا حال ہوگا؟

قرآن
جبرائیل وحی

عقیدۂ وحی اور قرآن مجید

بددین اور ملعون سلمان رشدی نے اپنی کتاب "شیطانی آیات" میں عقیدۂ وحی اور قرآنِ مجید پر شدید حملہ کیا ہے۔ اس نے نہ صرف وحی کا مذاق اڑایا ہے بلکہ نعوذ باللہ اس نے یہ بھی دکھانے کی ناپاک اور ناکام کوشش کی ہے کہ شیطانی وساوس اور وحیٔ قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ اس طرح اس ظالم نے قرآن حکیم کی مقدس ترین آیات کو نعوذ باللہ "شیطانی آیات" کا نام دیا ہے۔ اس سلسلے میں شیطان رشدی نے حاملِ وحی سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بھی شانِ اقدس میں گستاخی و دشنام طرازی کی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام و دوسرے فرشتوں کے بارے میں اسلامی عقائد آئندہ ایک الگ باب میں مذکور ہوں گے۔ اس باب میں ہم عقیدۂ وحی اور عظمت قرآن حکیم پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کریں گے۔ ملعون اعظم شیطان رشدی کی اصل عبارت کتاب کے ممنوع ہونے اور ناقابل تحریر ہونے کے باعث نقل کرنے سے، ہم مجبور رہیں۔

(الف) اسلام میں وحی کا تصوّر

ایک نبی غیر نبی سے ممتاز کیوں ہوتا ہے؟

فلسفۂ اسلام پر گہری نگاہ رکھنے والے اربابِ علم و دانش اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ایک نبی اور غیر نبی میں بنیادی فرق وحی کا ہے جب کہ ظاہری صورت اور اعضاء و جوارح میں ایک نبی عام انسان جیسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد

نمایاں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

(کہف آیت ۱۱۰)

• تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

(کنزالایمان)

لیکن روحانی اعتبار سے نبی کا رتبہ و مقام بڑا ہی ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے احکامات و پیغامات بذریعہ وحی حاصل کرتا ہے اور مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ اس کا ہر کام اور ہر قول وحی خداوندی کی روشنی میں صادر ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

• وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم، ۳، ۴)

• اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ (کنزالایمان)

ان دونوں آیاتِ کریمہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ایک نبی کو وحی کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ وحی خداوندی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے اور روحانی اعتبار سے سب سے برتر اور اونچا تجربہ ہے۔

وحی اور الہام میں کیا فرق ہے

اس مقام پر قبل اس کے کہ وحی کی تشریح کی جائے اس کی قسموں سے بحث کی جائے ضرورت ہے کہ الہام سے متعلق چند ضروری باتیں ذہن نشین کر لی جائیں تاکہ وحی اور الہام کا فرق واضح ہو سکے لغت میں الہام کے معنی ہیں "دل میں ڈالی ہوئی بات"۔ (المنجد اردو صفحہ ۹۲۶) قرآن حکیم میں اس لفظ کا استعمال اس معنی میں سورۂ الشمس کی درج ذیل آیت میں ہوا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (الشمس۔ ۸)

• پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دل میں ڈالی"۔ (کنزالایمان)

وحی اور الہام میں بنیادی فرق کیا ہے اس سلسلے میں پروفیسر احمد سعید اکبرآبادی اپنی کتاب "وحی الٰہی" میں رقم طراز ہیں کہ "وحی الٰہی اور الہام دونوں میں یہ بات تو مشترک ہے کہ ان دونوں کے ذریعہ کسی چیز کا علم بغیر حواس خمسہ کے غیبی طور پر ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ الہام ایک ایسا وجدان ہے جو کہ نفس کو حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے شئے مطلوب کا علم حاصل ہو جاتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ علم کا مبدأ کیا ہے، گویا یہ وجدان بھوک پیاس، غم اور خوشی کے وجدان کی طرح ہے —— بخلاف وحی کے کہ اس میں علم کا مبداء پورے طور پر معلوم ہوتا ہے۔ نیز وحی اور الہام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کے ساتھ ہی مخصوص ہے یعنی وحی صرف انبیاء پر ہی نازل ہوتی ہے جبکہ الہام نبی و غیر نبی دونوں کو ہوتا ہے۔ دراصل نبی کا الہام وحی کی ہی ایک قسم ہے (جیسا کہ آیات قرآنیہ (سورۂ نجم ۳-۴ میں اوپر مذکور ہے) اس لئے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا جبکہ غیر نبی کا الہام صحیح اور غلط، حق اور باطل دونوں ہو سکتا ہے کیونکہ غیر نبی کو علم کا حقیقی مبدأ معلوم

> "وحی" وہ رازِ الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ صرف انبیائے کرام کو ہی بھیجتا ہے۔ وحی کی حقّانیت کی دلیل خود قرآن عظیم ہے۔

نہیں ہوتا کہ رحمٰن ہے یا شیطان۔ اسی وجہ سے الہام (یعنی غیر نبی کا الہام) ہمیشہ ہی وحی کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات (یعنی الہام) اس دور کے نبی پر نازل شدہ وحی کے خلاف آئے تو وہ ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ (وحی الٰہی، ندوۃ المصنفین، دہلی، طبع سوم ۱۹۷۰ء ص ۲۶)۔

حجۃ الاسلام امام غزالی اور وحی

امام غزالی کے مطابق "علم الوحی" علم المکاشفہ یا علم الوجدان میں سب سے اونچے درجہ کا علم ہے جو صرف انبیاء کے لئے خاص ہے۔ اس میں پیغام رساں فرشتہ نبی کے سامنے ایک ظاہری شکل اختیار کر لیتا ہے۔ علم الوحی کے علاوہ اور جتنے بھی وجدانی علوم ہیں وہ الہام (یا مکاشفہ یا صوفیانہ تجربہ) کے تحت آتے ہیں ان سے بھی کم درجہ کا وجدانی علم وہ علم ہے جو انسان کو خواب کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔"

(احیاء العلوم، ج ۳، ص ۱۶)

وحی اور الہام کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے ایک اور جگہ امام غزالی تحریر فرماتے ہیں۔ "باقی وحی اور الہام تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ مشغول ہونے کے باوجود مبادیٔ قدسیہ سے متصل ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ قوت متخیلہ اس قدر قوی ہوتی ہے کہ حسِ مشترک کو حیاتِ ظاہری نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اس کو غیب کی باتوں کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہے اور پھر قوت متخیلہ اس کے مشابہ ایک جزوی صورت پیدا کر لیتی ہے یہ صورت حس مشترک میں اتر کر کے مشاہد اور محسوس ہو جاتی ہے اور بعضوں کو یہ پیش آتا ہے کہ وہ مسلسل کلام سنتے ہیں یا کوئی اچھی صورت دیکھتے ہیں جو ان سے مسلسل الفاظ کے ذریعہ باتیں کرتی ہیں یہ باتیں خود انہی کے متعلق ہوتی ہیں یا ان کے تعلقات کے متعلق۔

(مقاصد المراصد بحوالہ وحی الٰہی ص ۲۷، ۲۸)

عظیم فلسفی بو علی سینا اور وحی

وحی اور الہام پر بحث کرتے ہوئے مشہور فلسفی بو علی سینا نے وحی کی تعریف اس طرح کی ہے۔

فَنَحْنُ نَرَى الْاَشْيَاءَ بِوَاسَطَةِ الْحِسِّ وَالنَّبِيُّ يَرَى الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْقُوَى الْبَاطِنَةِ وَنَحْنُ نَرَى ثُمَّ نَعْلَمُ وَالنَّبِيُّ يَعْلَمُ ثُمَّ يَرٰى.

ہم حس کے واسطے سے اشیاء کو دیکھتے ہیں اور نبی اشیاء کو قوائے

باطنہ کے ذریعہ دیکھتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں پھر جانتے ہیں جب کہ نبی جانتا ہے پھر دیکھتا ہے۔"

(وحی الہی ص ۲۸ بحوالہ ابو البقاء)

شیخ بو علی سینا نے اپنی متعدد کتابوں میں وحی، الہام اور معجزات وخارق عادت پر بحث کی ہے۔ اپنی تصنیف "رسالۃ الفعل والانفعال" میں تحریر کرتے ہیں "وحی وکرامات تاثیر النفسانی فی النفسانی میں داخل ہیں، کیونکہ وحی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی امر عقلی کا القائے خفی ان نفوس بشریہ میں ہے جو اس القاء کو قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ اگر یہ القاء جاگنے کی حالت میں ہو تو اسے وحی کہتے ہیں اور اگر نیند کی حالت میں ہو تو اس کا نام نفث فی الروع ہے۔" (کتاب مذکور، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ص ۳)

وحی کے لغوی معنیٰ

وحی کے معانی لغت میں حسب ذیل ہیں۔

الوحی الاشارۃ والکتابۃ
والرسالۃ والکلام الخفی
وکل ما القیتہ الی غیرہ۔

(ابن منظور، لسان العرب)

وحی کے معنی ہیں اشارہ کرنا، لکھنا پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم کسی دوسرے کے خیال میں ڈالو۔

القاموس المحیط میں ہے۔

(الوحیُ) الاشارۃُ
والکتابۃُ والمکتوبُ
والرسالۃُ والالھامُ
والکلامُ الخفیُّ وکلُّ ما
القیتہٗ الیٰ غیرہٖ
والصوتُ یکونُ فی الناس.
وغیرھم.

• لفظ وحی کا مطلب ہے، اشارہ کرنا، لکھنا، لکھی ہوئی چیز، پیغام دینا الہام کرنا (یعنی کوئی بات دل میں ڈالنا) مخفی بات اور ہر وہ بات جو تم کسی دوسرے کے خیال میں ڈالو، اور وہ (مخفی) آواز جو انسان اور دوسری (ذی حیات) مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔"

(علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی القاموس المحیط، ج ۴، ص ۱۰۲)

عربی زبان وادب اور نحو ولغت کے ماہر علماء نے مندرجہ بالا معانی کی تائید میں عہد جاہلیت کے فصیح وبلیغ شعراء کے اشعار کثرت سے پیش کئے ہیں جو کہ لغت کی کتابوں میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔۔۔ بہرحال ان تمام معانی میں ایک امر سب میں مشترک ہے یعنی "کسی سے مخفی طور پر یا خاموشی سے بات کرنا۔"

لفظ "وحی" (وحی یحیی وحیا، اوحی ایحاءً) قرآن مجید میں بھی متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے مثلاً۔

(۱) دل میں کسی بات کا ڈالنا۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی
اَنْ اَرْضِعِیْہِ۔ (القصص، ۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا۔ (کنز الایمان)

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ
اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ (المائدہ، ۱۱۱)

"اور جب میں نے حواریوں کے

دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔" (کنزالایمان)

"حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور مخصوصین ہیں۔" (خزائن العرفان) ص۲۱۱

وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ لَتُنَبِّئَنَّھُمْ بِاَمْرِھِمْ ھٰذَا وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (یوسف ۱۵)

اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور انہیں ان کا یہ کام جتادے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔" (کنزالایمان)

(۲) فطری حکم جس کو وحی تکوینی بھی کہتے ہیں۔

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا۔ (النحل ۶۸)

"اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا (حکم دیا) کہ پہاڑوں میں گھر بنا۔" (کنزالایمان)

وَ اَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا۔ (حٰمٓ ۱۲)

"اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے۔" (کنزالایمان)

(۳) غیر ذی روح اشیاء کو حکم اور تحریر کردہ فطری حکم، جس کو وحی تکوینی بھی کہتے ہیں صرف ذی روح مخلوقات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ بے جان و بے روح اشیاء کے لئے بھی وحی کا لفظ قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا ۝ (الزلزال ۶)

"اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بتائے گی اس لئے کہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا۔" (کنزالایمان)

(۴) خاموشی سے یا اشارہ سے بات کرنا۔

فَاَوْحٰی اِلَیْھِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَۃً وَّ عَشِیًّا ۝ (مریم ۱۱)

"تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہو۔" (کنزالایمان)

قرآن مجید میں لفظ "وحی" کا استعمال مندرجہ بالا معانی میں خالصتہً لغوی مفہوم میں ہوا ہے اس کے علاوہ عام طور پر لفظ "وحی" اصطلاحاً قرآن مجید میں خاص "وحی الٰہی" کے معنی میں یا اس پیغام کے معنی میں کثرت سے آیا ہے جو اللہ تعالیٰ حضرت انبیائے کرام کو ہی بھیجتا ہے:۔ چند آیات کریمہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں جن میں لفظ "وحی" خاص یہی مفہوم رکھتا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ ھٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ ۝ (فاطر)

" اور وہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی وہی حق ہے اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہوئی بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے۔" (کنزالایمان)

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ (الاعراف ۱۱۷)

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال۔" (کنزالایمان)

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْہِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا " (یونس ۸۷)

" اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لئے مکانات بناؤ۔" (کنزالایمان)

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ (طٰہٰ ۷۷)

" اور بے شک ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل۔" (کنزالایمان)

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ ؕ (الشعراء ۶۳)

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ (النساء ۱۶۳)

بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔" (کنزالایمان)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ (یوسف ۳)

" ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں اس لئے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں اس کی خبر نہ تھی۔" (کنزالایمان)

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (النحل ۱۲۳)

" پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھا۔" (کنزالایمان)

(الشعراء ۶۳)

تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار۔" (کنزالایمان)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الانبیاء ۲۵)

" اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی کو پوجو۔" (کنزالایمان)

مذکورہ بالا جملہ آیاتِ کریمہ میں لفظ وحی،

بمعنی "وحی الٰہی" (یعنی اللہ کا وہ خاص پیغام اور حکم جو صرف پیغمبرانِ عظام کے پاس ملائکہ کے ذریعہ آتا ہے) استعمال ہوا ہے نیز ان سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ ایک نبی اور غیر نبی میں بنیادی فرق و امتیاز وحی کا ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ عزوجل کی طرف سے وحی کی شکل میں مختلف احکامات لے کر نازل ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت جبرئیل کو فرشتۂ وحی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بعض اوقات ایسے پیغامات بھی لے کر آتے تھے جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں، اسی بناء پر وحی کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ ایک وحی متلو اور وحی غیر متلو۔

وحی متلو قرآن مجید ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جبکہ وحی غیر متلو احادیث طیبہ ہیں جو ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ اس کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۳،۴)

"اور وہ (نبی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں، مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے" (کنز الایمان)

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضور کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن و متصور ہی نہیں کیونکہ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں جو فرماتے ہیں وحی الٰہی ہوتی ہے اور اس میں حضور کے خلق عظیم اور آپ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کر دے۔ (کبیر) اور اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال میں فنا کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا۔ تجلی ربانی کا یہ استیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔ (روح البیان)

(خزائن العرفان ص۔۔)

استاذ عالمگیر شیخ احمد دہلوی عرف ملّا جیون رحمۃ اللہ علیہما اصول فقہ کی اپنی مشہور زمانہ کتاب نور الانوار میں وحی کی دو بڑی قسمیں لکھی ہیں ایک وحی ظاہر اور دوسری وحی باطن۔ وحی ظاہر کی انہوں نے تین قسمیں لکھی ہیں۔

۱۔ **وحی قرآن**: وحی کی یہ قسم خاص جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے انہی الفاظ میں اس طرح نازل ہوئی تھی کہ نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پوری طرح علم تھا کہ یہ حضرت جبرئیل ہیں اور قرآن کی فلاں آیات یا سورت لے کر نازل ہوئے ہیں۔

۲۔ **اشارۃ الملک**: وحی کی یہ قسم بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہی نازل ہوئی تھی لیکن الفاظ وہ نہیں رہتے تھے (بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں اس کو ادا کرتے تھے) جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے "روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی"۔

۳۔ **الہام یا وحی قلبی**: یعنی وحی کی وہ قسم جس کا القاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر کیا جاتا تھا۔

جہاں تک وحی باطن کا تعلق ہے حضرت

ملا جیون علیہ الرحمۃ کے مطابق یہ وہ وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیاس کے نتیجہ میں حاصل ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا سطور پر وحی ظاہر کے تحت لکھی گئی تیسری قسم "الہام یا وحی قلبی" اس الہام سے مختلف ہے جو غیر نبی کو یا صوفیاء وغیرہ کو ہوتا ہے۔ انبیاء کا الہام یقینی ہوتا ہے اس لئے اس کو وحی کی ہی ایک قسم کہا جاتا ہے جبکہ غیر نبی کے قیاس کا یقینی ہونا ضروری نہیں اس وجہ سے غیر نبی کا قیاس یا الہام اس دور کی نازل شدہ وحی کے تابع ہوتا ہے یعنی اگر وہ اس دور کے نبی پر نازل شدہ وحی کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر وحی کے خلاف ہے تو باطل ہے۔ عیسائیوں نے اس جگہ بڑا دھوکہ کھایا ہے جس کے باعث وہ نبی اور غیر نبی کے الہام میں فرق نہیں کرتے اسی وجہ سے اکثر عیسائی مبلغین اور مصنفین نے "وحی" کے لئے غلط طریقے سے لفظ الہام (Intivation) کا استعمال کیا ہے (Rev. T.P. Hughes, Notes on Mohammadaism, Delhi Reprint 1975 - P.P. 471 & 8) اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام متعدد بار ایسے احکامات بھی لے کر نازل ہوئے جو کہ اللہ کے حکم سے قرآن کریم میں شامل نہیں کئے گئے ہیں۔ اس لئے علمائے اسلام نے (ملا جیون علیہ الرحمہ کی تقسیم سے قطع نظر) وحی کو مندرجہ ذیل دو قسموں میں تقسیم کیا ہے (وحی الٰہی، ص ۱۴۵، ۱۵۱)

۱۔ وحئ متلو، اور ۲۔ وحئ غیر متلو۔ وحی متلو وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن کریم اور غیر متلو وہ وحی ہے جس کی عام طور پر تلاوت نہیں کی جاتی اور جو احادیث طیبہ کی شکل میں محفوظ ہیں۔ اس سلسلے میں دلیل کے طور پر سورہ النجم کی آیت ۳ و ۴ اوپر نقل کی جاچکی ہے۔ اسی طرح رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ بھی در اصل وحی ہی کی ایک قسم ہے یعنی وحی غیر متلو۔

جہاں تک کہ وحی کی دونوں قسموں یعنی وحی متلو اور وحی غیر متلو میں فرق کا سوال ہے، وحی متلو یعنی قرآن مجید کا ہر ہر لفظ بغیر کسی کمی و تقصیر کے ہم تک اسی طرح پہنچا ہے جس طرح کہ

> انبیائے کرام کے خواب حقیقی ہوتے ہیں۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "انبیائے کرام کی صرف آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتے۔"

نازل ہوا تھا۔ اس سلسلے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور وحی غیر متلو کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ ہیں جو مختلف راویوں کے ذریعہ احادیث کی شکل میں ہم تک پہنچے ہیں۔

نزول وحی کے مختلف طریقوں کا بیان

اللہ عزوجل اپنے رسولوں اور پیغمبروں تک کن کن طریقوں سے اپنے احکام پہنچاتا ہے مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اس کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الشوریٰ ۵۱)

اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردۂ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے۔ بے شک وہ بلندی و حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں منجانب اللہ پیغمبروں تک پیغام رسانی کے جو مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے پہلا طریقہ وحی کا بتایا گیا ہے۔ اور وحی کا نزول جن مختلف طریقوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے ان کا تفصیلی بیان آگے مذکور ہوگا اس جگہ وحی متلو اور وحی غیر متلو کا ایک اور اہم فرق بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کی طرف سے کسی نبی کے دل میں القاء کیا گیا حکم، چاہے اس کا تعلق اوامر سے ہو یا نواہی سے یا وہ کسی گذشتہ حقیقت یا واقعہ کو سمجھاتا ہو، عام طور پر وحی غیر متلو ہوتا ہے جس کو وحی خفی بھی کہا جاتا ہے وحی کی یہ قسم تمام انبیائے کرام میں مشترک ہے۔ اور وہ وحی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں کی کسی زبان میں اپنے الفاظ کے ساتھ کوئی وحی بھیجتا ہے تو اس کو وحی متلو کہتے ہیں؛ وحی متلو کو وحی جلی بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کی وحی صرف عظیم المرتبت انبیائے کرام کو ہی بھیجی جاتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید وحی کی اس دوسری قسم کے ذریعہ ہی نازل کیا گیا ہے۔ اس میں اس دوسری قسم یعنی وحی متلو یا وحی جلی کے علاوہ وحی کی کوئی اور قسم شامل نہیں ہے اس قرآن کو حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی خود اللہ عزوجل نے نازل فرمایا اور خود ہی اس نے اس مقدس آسمانی کتاب کی ہر قسم کی تحریف و ترمیم سے حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔ جیسا اس کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

"بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔" (کنز الایمان)

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیمۃ)

بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنز الایمان)

اول الذکر آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں "کہ تحریف و تبدیل و زیادتی و کمی سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں تمام جن و انس اور ساری خلق کے مقدور میں نہیں ہے کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی کرے یا تغییر و تبدیل کر سکے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے یہ خصوصیت صرف قرآن شریف ہی کی ہے دوسری کسی کتاب کو یہ بات

میسر نہیں۔ یہ حفاظت کئی طرح پر ہے ایک یہ کہ قرآن کریم کو معجزہ بنایا کہ بشر کا کلام اس میں مل ہی نہ سکے، ایک یہ کہ اس کو معارضے اور مقابلے سے محفوظ کیا کہ کوئی اس کی مثل کلام بنانے پر قادر نہ ہو، ایک یہ کہ ساری خلق کو اس کے نیست و نابود اور معدوم کرنے سے عاجز کر دیا کہ کفار باوجود کمال عداوت کے اس کتاب مقدس کو معدوم کرنے سے عاجز ہیں۔
(خزائن العرفان ص ۳۷۹)

اس طرح ملعون و مردود سلمان رشدی کا قرآن حکیم پر عائد کردہ الزام بے بنیاد، لغو اور یکسر جھوٹ ثابت ہوتا ہے کہ اس میں شیطانی وسوسہ کسی بھی درجہ میں شامل ہو گیا ہو، کیونکہ سارا کا سارا وحیٔ متلو ہے جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے ساتھ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی اعلیٰ ترین قسم کے ذریعہ اس پوری وضاحت کے ساتھ کہ یہ اللہ کا کلام نازل کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن کریم ان احکامات سے الگ ایک جداگانہ شکل میں نازل کیا گیا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر وحیٔ غیر متلو کے ذریعہ القاء کئے گئے تھے، اور جن کو عام طور سے احادیث کہا جاتا ہے جب کہ قرآن مجید مع الفاظ و معانی اللہ کا کلام ہے۔ (اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ یوسف ۲) حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو لے کر نازل ہوئے ہیں (نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے (فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ البقرۃ ۹۷) حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہی بے انتہا امین اور دیانتدار ہیں (اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ التکویر ۱۹-۲۱) اس قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی اور شخص نے بنایا نہیں ہے۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یونس ۳۷) شیاطین نے اس کا القاء نہیں کیا ہے (وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ الشعراء ۲۱) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ۔ التکویر ۲۵-۲۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسول امین و کریم تھے۔ قرآن کریم آپ پر جیسا نازل ہوتا تھا ویسا ہی آپ لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ آپ کے لئے اس میں نسیان اور مغالطہ کا کوئی احتمال نہ تھا۔ (اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ الحاقۃ ۴۰) قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ یونس ۱۵) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى۔ الاعلیٰ ۶،۷)

دوسرا طریقہ جس سے اللہ تعالیٰ کسی برگزیدہ بندے و رسول سے رابطہ قائم فرماتا ہے یہ ہے کہ وہ حجاب کے پیچھے سے اس سے کلام کرے۔ یہ حجاب کوئی مادی حجاب یا پردہ نہیں ہوتا بلکہ روحانی حجاب ہے یا نورانی پردے ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے • اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار نورانی حجاب ہیں، اور ستر ہزار ظلماتی حجاب ہیں۔ تعداد ستر ہزار مختلف روایتوں میں مختلف ہے اس طرح یہ کوئی مقررہ تعداد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بہت بڑی مقدار یا تعداد ہے۔

تیسرا طریقہ جس سے اللہ تعالیٰ کسی محبوب و مقرب بندے سے کلام فرماتا ہے یہ ہے کہ وہ کسی فرشتہ کو (حضرت جبرئیل) بھیجے جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا۔

احادیث کریمہ کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول جن طریقوں پر ہوا وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رویائے صادقہ:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خواب میں رات کو دیکھا وہ دن میں یا کچھ دنوں کے بعد بعینہٖ ویسے ہی ہو گیا۔ احادیث کریمہ کے مطابق رویائے صادقہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں (الرویا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزءاً من النبوۃ:۔ صحیح بخاری عن ابی سعید الخدری) یہ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح نبی کی خبر سچی اور صحیح ہوتی اور اس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اسی طرح رویائے صادقہ بھی سچے ہوتے ہیں ۔۔۔ اسی سیاق وسباق میں حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی رویائے صادقہ کی شکل میں آتی تھی۔ آپ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھتے تھے وہ نمود صبح کی طرح صحیح نکلتا تھا۔ (صحیح بخاری باب بدء الوحی)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صادقہ کو مبشرات فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "نبوت میں سے (اب) کچھ باقی نہیں رہ جائے گا (یعنی اب کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے کسی شخص میں نبوت کی کوئی صفت نہیں پائی جائے گی) سوائے مبشرات کے" کسی نے دریافت کیا مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا "سچے خواب" (صحیح بخاری)

یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے خواب درحقیقت ہمارے خوابوں سے مختلف ہوتے ہیں کیونکہ ان کی حالتِ نوم (نیند) ہماری حالتِ نوم سے مختلف ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ان کی (یعنی انبیاء کی) آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتے (تَنَامُ اَعْیُنُھُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُھُمْ "صحیح بخاری) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا تَنَامُ قَلْبِیْ) ۔۔۔ علاوہ ازیں عربی زبان میں "رویاء" سچے خواب کو کہتے ہیں جب کہ ایک دوسرا لفظ "حُلُم" (جمع احلام) ہے جو خواب پریشاں، شیطانی وساوس یا جھوٹے خواب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ان دونوں الفاظ کا استعمال مندرجہ بالا معنی میں کیا گیا ہے

...یٰاَیُّھَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۝ (یوسف۔۴۳،۴۴)

"اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو، بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔" (کنزالایمان)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں فرمایا ہے:۔ اَلرُّءْیَا مِنَ اللّٰہِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّیْطَانِ ۔۔۔ یعنی رویاء اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور حُلُم شیطان کی طرف سے۔ (صحیح بخاری کتاب الرویاء)

علامہ حافظ ابن حجر اور دیگر علماءِ کرام رویائے صادقہ سے آغازِ وحی کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم بیداری میں وحی نازل ہونے والی تھی اس لئے بطور تمہید شروع میں وحی خواب نازل کی گئی تاکہ آپ آہستہ آہستہ اس قسم کی چیزوں کے عادی بن جائیں۔

۲۔ نفث فی الروع یا القاءٌ فی القلب

نزولِ وحی کی دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ بغیر نظر آئے آپ کے قلب پر کسی بات کا القاء کر دیتا تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ عَلٰی اَنْ تَطْلُبُوْا بِمَعْصِیَةِ اللّٰهِ فَاِنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ لَا یُنَالُ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ

(زاد المعاد۔ جلد اوّل)

"بے شک روح القدس (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس کا رزق مکمل نہیں ہو جائے گا۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں خوش روشی سے کام لو اور خبردار رہو کہ کہیں رزق کا متاخر ہو جانا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ اللہ کی معصیت کی راہ سے اس رزق کو طلب کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت و بندگی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔"

آستانہ مبارک حضرت اسماعیل سامانی علیہ الرحمۃ بخارا

۳۔ صَلْصَلَةُ الْجَرَسْ

نزولِ وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ وحی بڑے گھنٹے (جرس) کی آواز کی طرح آتی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ فَیُفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْهُ مَا قَالَ۔

(صحیح بخاری۔ کیف کان بدءالوحی)

"کبھی کبھی میرے اوپر وحی بڑے گھنٹے کی آواز (صلصلۃ الجرس) کی طرح آتی ہے اور یہ میرے لئے بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ جب یہ (حالت) منقطع

ہو جاتی ہے تو فرشتہ جو کچھ کہتا ہے وہ سب مجھ کو یاد ہو جاتا ہے۔

اس طرح وحی کے نازل ہونے کے وقت آپ کی جو کیفیت ہوتی تھی۔ اس کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں۔

وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔

(صحیح بخاری، کیف کان بدء الوحی)

میں نے شدید جاڑے کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر (اس طرح) وحی اترتے ہوئے دیکھا اور جب یہ حالت دور ہو گئی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ کے قطرے گرتے ہوئے دیکھے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح وحی آئی کہ میں اس وقت آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا میرے اوپر وحی کا اتنا شدید بار ہوا کہ مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ اب میری ران ٹوٹ جائے گی۔"

(جامع ترمذی، صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ پر وحی کا اتنا بوجھ ہوتا کہ اگر آپ کسی سواری پر ہوتے تھے تو سواری بوجھ کے مارے بیٹھ بیٹھ جاتی تھی۔" (مسند احمد)

حضرت یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا ہے اور سانس بھی تیز ہو گئی ہے جیسے کوئی تھکا ہوا ہو۔" (صحیح بخاری، کتاب الحج)

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس طرح نزولِ وحی کے وقت رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں کچھ تغیر ہوتا تھا جس کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے تھے پھر جیسے ہی سلسلۂ وحی بند ہوتا وہ تغیرات بھی ختم ہو جاتے۔

بعض متعصب عیسائی مورخین اور مستشرقین نے وحی کے اس غیر معمولی طریقہ کے بارے میں یہ بیہودہ تبصرہ اور رکیک ریمارک کیا ہے کہ "نعوذ باللہ یہ حالت آپ پر تب طاری ہوتی تھی جب مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔" ایسے بدعقل اور کج فہم لوگوں سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا ایک مرگی کے دورہ میں مبتلا و تپیدہ مریض صداقت و حقانیت پر مبنی اتنی اعلیٰ و پاکیزہ مذہبی تعلیمات پیش کر سکتا ہے جو کہ قرآن مجید میں موجود ہیں، جو اس حالت میں آپ پر نازل ہوتا تھا۔ یا کوئی بھی ایسا مربوط اور فصیح کلام پیش کر سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید یا احادیث طیبہ ہیں۔ کیا وہ، آپ جیسی عزیمت و استقامت اور عزم و ارادہ کا مظاہرہ کر سکتا ہے جس کی وجہ سے بالآخر تمام باشندگانِ عرب آپ کی دعوت قبول کرنے پر نہ صرف یہ کہ آمادہ ہو گئے بلکہ آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے بھی تسلیم کرنے پر رضامند ہو گئے ـــ کیا مرگی کا مریض، ایسی لاثانی و بے نظیر و یکتا طاقت و قوت کا حامل ہو سکتا ہے کہ جس کی جھلک اس کی زندگی کے ہر شعبہ میں دکھائی دیتی ہو۔ کیا ایسا شخص اتنے عظیم اخلاق و کردار کا مالک ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے اس کے بدترین دشمن بھی بہترین دوست بن گئے ہوں، کیا ایسے شخص کے اندر ایسی مقناطیسی کشش اور پُر اثر

روحانیت پیدا ہوسکتی ہے جس کی تاثیر سے فقط تیئیس ۲۳ سال کی قلیل مدت تبلیغ و ہدایت میں پورا جزیرۃ العرب بت پرستی، توہم پرستی اور منکرات وجرائم سے پاک ہوگیا ہو۔ کیا ایسا شخص کردار کی ایسی اعلیٰ اقدار کا مالک ہوسکتا ہے، جس کے اثر سے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلی رضی اللہ عنہم اور دوسری ہزاروں اعلیٰ شخصیتیں بن گئی ہوں جن کے سامنے اس وقت کی متمدن دنیا کی دو عظیم سلطنتیں سرنگوں ہوگئی ہوں — خود بدین وملعون سلمان رشدی کے شیطانی کلام میں کیا یہ تاثیر ہوسکتی ہے کہ وہ انسانوں میں اتنی اعلیٰ اقدار وصفات پیدا کرسکے اور اس طرح کی سماجی و اخلاقی انقلاب برپا کرسکے۔؟ ہرگز نہیں! کبھی نہیں!

اس نوع وحی کا تحمل کیوں دشوار تھا

بقیہ طریقہائے وحی کی بہ نسبت اس نوع وحی کا تحمل رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار کیوں تھا، اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث صاحب اپنی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر کرتے ہیں۔

وَأَمَّا الصَّلْصَلَةُ فَحَقِيقَتُهَا
أَنَّ الحواسَّ إِذَا صَادَمَهَا
تَأْثِيرٌ قَوِيٌّ تَشَوَّشَتْ
فَتَشْوِيشُ قُوَّةِ الْبَصَرِ أَنْ
يَرَى الْوَانًا الْحُمْرَةَ وَالصُّفْرَةَ
وَالْخُضْرَةَ وَنَحْوَ ذَالِكَ وَتَشْوِيشُ
قُوَّةِ السَّمْعِ أَنْ تَسْمَعَ أَصْوَاتًا
مُبْهَمَةً كَالطَّنِينِ وَالصَّلْصَلَةِ
وَالْهَمْهَمَةِ فَإِذَا تَمَّ
الْاَثَرُ حَصَلَ الْعِلْمُ.

(حجۃ اللہ البالغہ، من ابواب شتی، ج ۲، ص ۵۶۸)

• رہا صلصلہ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ حواس سے جب کوئی قوی تاثیر متصادم ہوتی ہے تو وہ متشوش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قوت بصر کی تشویش یہ ہے کہ مختلف رنگ مثلاً سرخ زرد اور سبز نظر آئیں وغیرذالک۔ اور قوت سمع کی تشویش یہ ہے کہ مبہم آوازیں سنائی دیں۔ مثلاً طنین، صلصلہ اور ہمہمہ پھر جب اثر ختم ہوجاتا ہے تو علم حاصل ہوجاتا ہے۔

ایک دوسری جگہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

وَرُبَّمَا يَحْصُلُ عِنْدَ
تَوَجُّهِهٖ إِلَى الْغَيْبِ وَانْقِهَارِ
الْحَوَاسِّ صَوْتُ صَلْصَلَةِ
الْجَرَسِ كَمَا قَدْ يَكُوْنُ
عِنْدَ عُرُوْضِ الْغَشْيِ مِنْ
رُؤْيَةِ الْوَانٍ حُمْرٍ وَسُوْدٍ.

(حجۃ اللہ البالغہ، باب الایمان بصفات اللہ تعالیٰ، ج ۱، ص ۱۲۶)

• اور بسا اوقات نبی کے غیب کی طرف متوجہ ہونے اور حواس کے مغلوب ہونے کی صورت میں گھنٹے کے بجنے کی آواز آتی ہے جیسا کہ غشی کے عالم میں سرخ اور سیاہ رنگ نظر آتے ہیں۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی رقم طراز ہیں۔

"حضرت شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ یہ وہ خاص وقت ہوتا تھا جبکہ سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم مادیت سے وراء الوراء ہو کر ملاء اعلیٰ سے بہت زیادہ قریب ہو جاتے تھے اور اس وقت اگرچہ آپ کے حواس ظاہری میں تشویش پیدا ہو جاتی تھی لیکن ساتھ ہی آپ کی تمام روحانی قوتیں، باطنی احساس و شعور اور ملکوتی صفات وخصائص مکمل طور پر عالم لاہوت کے جلوہ زار میں پہنچ جاتے تھے اور وہاں آپ وہ سنتے تھے جسے دوسرے نہیں سن سکتے تھے اور ان حقائق سے علی وجہ الیقین آشنا ہوتے تھے جس کو مادی حواس محسوس کر سکتے ہیں اور نہ جسمانی آلات ادراک و شعور انہیں دریافت کر سکتے ہیں اور چوں کہ اس وقت آپ کی جہت بشری اور جہت ملکوتی میں تصادم ہوتا اس لئے اس کا اثر آپ کے اعضاء و اعصاب پر بھی پڑتا تھا اور اس اثر کے باعث آپ کو گھنٹے کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ جبینِ اقدس عرق آلود ہو جاتی تھی اور اس تاثیر میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ آپ کے پاس جو صاحب بیٹھے ہوتے تھے انہیں بھی اس حالت کا بین طور پر احساس ہوتا تھا جب یہ کش مکش ختم ہو جاتی تو آپ کی یہ حالت یعنی اعصاب کا تاثر بھی زائل ہو جاتا تھا اور تمام وحی من وعن آپ کو یاد ہو جاتی تھی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں :—

فیفصم عنی وقد وعیت عنہ (یعنی وحی جب مجھ سے منقطع ہو جاتی تھی تو مجھ کو اس وقت سب کچھ یاد ہو جاتا تھا) میں اس امر کا ہی اظہار فرمایا گیا کہ لوگوں کو صلصلۃ الجرس کے لفظ سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ محض آواز سنتے تھے اور وحی کا مضمون نہیں سمجھتے تھے، یا وحی کا مضمون اس وقت سمجھ لیتے تھے لیکن وہ آپ کو محفوظ نہیں رہتا تھا۔ غور کیجیئے بصیغۂ ماضی وَعَيْتُ فرمانا اس مضمون کو زیادہ موکد اور موثق طریقہ پر بیان کرنے کے لئے ہی ہے۔" (وحی الٰہی ص ۳۷، ۳۸)

یہ آواز کس کی ہوتی تھی ؟

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصرا اس کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ یہ آواز کس کی ہوتی تھی! اس سلسلے میں سب سے نمایاں مسلک حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہ آواز خود اللہ کی ہوتی تھی جو تمام فضا میں گونج جاتی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور اس کو نہیں سن سکتا" اس جگہ برجملۂ معترضہ کے طور پر یہ سوال کرنا نہایت اہم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور اس کو نہیں سن سکتا تھا تو بد دین وملعون سلمان رشدی کے شیطان نے اس کو کس طرح سن لیا اور پھر شیطانی الفاظ میں اس کو کس طرح بیان کیا، ایسا سوچنا بھی محض لغو ہے۔ کیونکہ شیاطین ملاء اعلیٰ یا اہلِ سمٰوٰت (عالم بالا) کی باتیں نہیں سن سکتے بلکہ ان کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے :۔

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۚ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ (الصّٰفّٰت: ۷-۹)

"اور نگاہ رکھنے کو ہر شیطان سرکش سے، عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر طرف سے مار پھینک ہوتی ہے انہیں بھگانے کو اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب"

(کنز الایمان)

حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان۔

نے اس آواز کی تشریح کے سلسلے میں جو نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُنتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت نقل کی ہے۔

إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ أَهْلُ السَّمٰوَاتِ شَيْئًا فَإِذَا قُلُوبُهُمْ وَ سَكَنَ الصَّوْتُ عَرَفُوا أَنَّهُ الْحَقُّ وَ نَادَوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ۔

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، وحی الٰہی، ص ۴۱)

• اللہ تعالیٰ جب کلام بالوحی کرتا ہے تو اہل سمٰوات کچھ سنتے ہیں پھر جب ان کے قلوب سے خوف و ہراس کم ہو جاتا ہے تو وہ پہچانتے ہیں کہ یہی حق تھا اور وہ آپس میں ندا کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ کہتے ہیں کہ حق کہا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقۂ جہمیہ کی تردید میں کتاب التوحید میں اور بھی احادیث پیش کی ہیں اور ان سے خدا کے لئے صوت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اس بناء پر صَلْصَلَةُ الْجَرَسِ والی حدیث میں جس آواز کا ذکر ہے وہ امام بخاری کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہی آواز ہے۔ لیکن علماء کے ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ صَلْصَلَةُ الْجَرَسِ کے نتیجہ میں نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آواز سنائی دیتی تھی وہ آواز فرشتۂ وحی کے پروں کی یا فرشتہ کی زبانی وحی کی ہوتی تھی۔ حافظ ابن حجر کے مطابق یہ آواز فرشتۂ وحی کے پروں کی ہوتی تھی۔ جب کہ شیخ محی الدین المعروف شیخ اکبر اس آواز کو اللہ کی ہی آواز مانتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اللہ کی آواز کے لئے کوئی جہت اور سمت متعین نہیں کی جا سکتی اور چونکہ گھنٹہ کی آواز (صلصلة الجرس) کی آواز کا حال بھی یہی ہے کہ وہ ہر طرف سے سُنی جاتی ہے اس بناء پر ہی صوت بالوحی کو گھنٹہ کی آواز سے تشبیہ دی گئی۔"

(وحی الٰہی، ص ۴۱۔۴۲)

۴۔ تمثّل نزولِ وحی کی چوتھی صورت یہ تھی کہ فرشتۂ وحی (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کسی انسان کی شکل وصورت میں نازل ہوتے تھے اور آپ سے خطاب فرماتے تھے یہاں تک کہ وہ بات آپ کو پوری طرح یاد ہو جاتی تھی جو وہ آپ سے فرماتے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر ایک صحابی حضرت دحیۃ الکلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے، کیوں کہ صحابۂ کرام میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ خوب صورتی اور حسن وجمال کے لحاظ سے ممتاز تھے

"امام بخاری فرماتے ہیں کہ (وحی) کی یہ آواز خود اللہ کی ہوتی تھی جو تمام فضا میں گونج جاتی تھی"۔ جب حضور اقدس کے علاوہ کوئی اور اُس کو نہیں سُن سکتا تھا تو بددین وملعون سلمان رشدی کے شیطان نے اس کو کس طرح سُن لیا۔ اور پھر شیطانی الفاظ میں اسکو کسطرح بیان کیا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور باتیں کرنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام سلمہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا "یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کیا یہ تو دحیہ ہیں! حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "بخدا میں ان کو دحیہ ہی سمجھتی رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا جس میں آپ نے جبرئیل کے آنے کی خبر دی تب میں سمجھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دحیہ کلبی کی شکل میں آئے تھے۔ (صحیح بخاری) اس طرح کی احادیث طیبہ جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کسی انسان کی شکل میں آنے کا تذکرہ ہے حضرت عمر اور حضرت عائشہ نے بھی روایت کی ہیں۔

۵۔ فرشتہ کا اپنی اصلی شکل میں آنا

نزول وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ فرشتۂ وحی یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں تشریف لاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ واقعہ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ کسی اور مقام پر جس نے افق کو چھپا دیا۔

علمائے کرام کے ایک طبقہ کے مطابق قرآن مجید میں سورۂ نجم کی مندرجہ ذیل آیات الٰہی دو واقعات سے متعلق ہیں۔ معراج کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا تھا اس کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ (النجم ۵-۱۲)

"انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو"

(کنز الایمان)

دوسری بار جب کہ سرکار ابد قرار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو معراج میں دیکھا تھا اس کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ (النجم ۱۳-۱۷)

اور انہوں نے تو وہ جلوہ
دوبار دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس
اس کے پاس جنت الماویٰ ہے جب
سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا
آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی"
(کنز الایمان)

مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ والرضوان رقم طراز ہیں کہ "عام مفسرین نے فاستویٰ کا فاعل بھی حضرت جبرئیل کو قرار دیا ہے اور یہ معنی لئے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین اپنی اصلی صورت پر قائم ہوئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی اصلی صورت میں ملاحظہ فرمانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو حضرت جبرئیل جانب مشرق میں حضور کے سامنے نمودار ہوئے اور ان کے وجود سے مشرق سے مغرب تک بھر گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل کو دیکھنا تو صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ حدیث میں نہیں ہے کہ اس آیت میں حضرت جبرئیل کو دیکھنا مراد ہے بلکہ ظاہر تفسیر میں یہ ہے کہ مراد فاستویٰ سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکان عالی اور منزلت رفیعہ میں استویٰ فرمانا ہے (تفسیر کبیر) تفسیر روح البیان میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر استویٰ فرمایا اور حضرت جبرئیل سدرہ منتہیٰ پر رک گئے آگے نہ بڑھ سکے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھوں تو تجلیات جلال مجھے جلا ڈالیں اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور استوائے عرش سے بھی گزر گئے۔"
(خزائن العرفان ص ۷۶۱)

بہرکیف! حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ نیز مندرجہ بالا آیات کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو من وعن بیان کر دیا تھا جس میں کذب کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔

۶۔ **چھٹا طریقۂ وحی:۔** نزول وحی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ یا آواز کی وساطت کے بغیر براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر وحی نازل فرماتا، جیسا کہ شب معراج میں معراج کے موقع پر پانچ نمازوں کو فرض کیا گیا۔

۷۔ **ساتواں طریقۂ وحی:۔** نزول وحی کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی وساطت کے بغیر براہ راست کلام کرے جیسا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ طریقۂ وحی بھی معراج میں ثابت ہے

مردود سلمان رشدی نے

حضرت ابراہیم و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی عظمت و عصمت کو نشانہ بنایا

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

علوم اسلامیہ کا ایک ادنیٰ اسکالر بھی اس امر سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کی شان عند اللہ بڑی ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔ جن پر ایمان لانا اور جن کا ادب و احترام کرنا تکمیل ایمان اور حسن خاتمہ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ نیز جن کی بارگاہ میں ادنیٰ سی گستاخی و بے ادبی بھی دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کو کافی ہے اور ہلاکت و ضلالت کا باعث ہے۔ لیکن مرتد اعظم و ملعونِ اکبر سلمان رشدی نے ان ذوات مقدسہ کو بھی نہیں بخشا۔ چنانچہ اس ملعون نے اپنی بدنامِ زمانہ کتاب "شیطانی آیات" میں انبیائے سابقین میں سے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شانِ اقدس میں جو بے ہودہ گوئی، دریدہ دہنی اور سب و شتم کیا ہے وہ اس کے ارتداد اور مستحق جہنم ہونے کی کافی دلیل ہے۔ کتاب پر پابندی کے باعث ہم اس کا کوئی بھی اقتباس اور پیراگراف نقل کرنے سے قاصر ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے الفاظ ایسے گندے اور تکلیف دہ ہیں کہ جن کا نقل نہ کرنا ہی انسب ہے۔ چونکہ اس بددین اور ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بعض روایات کی آڑ میں جو زہرافشانی کی ہے اس کا مقصد ایک ایسے جلیل القدر پیغمبر کی حیات طیبہ کو اہل مغرب کی نظروں میں داغدار بنانے کی ایک ناکام کوشش ہے جو اللہ کے آخری نبی محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں بلکہ جملہ انبیائے بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں۔ جن کا رتبہ انسانی عقل سے ماسوا ہے۔ جن کا ذکر جمیل صحائفِ آسمانی میں ہے جن کی اولوالعزمی اور پیغمبرانہ عزیمت و استقامت ضرب المثل

ہے جو سراپا علم و حکمت تھے مجسمہ عصمت و عفت تھے، پیکر تسلیم و رضا تھے، جامع خواص نبوت تھے۔ جن کو قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے خلیل، حنیف، مسلم اور صادق جیسے عظیم القابات جلیلہ سے یاد فرمایا۔ ایسے برگزیدہ پیغمبر کی بارگاہ میں سلمان رشدی کی گستاخی و دریدہ دہنی اس کی ازلی بدبختی اور باطنی خباثت کی آئینہ دار ہے۔ آیئے آسمانی صحائف کی روشنی میں اور ناقابل تردید تاریخی شواہد کے آئینے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فلک بوس عظمت کا بھی مشاہدہ کریں تاکہ سلمان رشدی کی خباثت و ذلالت کا پردہ چاک ہو سکے اور اہل مغرب صحیح تصویر ملاحظہ کر سکیں۔

پر شکر کرنے والا' اللہ نے اسے چن لیا۔ اور اسے سیدھی راہ دکھائی اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی' اور بے شک وہ آخرت میں شایانِ قرب ہے۔ پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو۔ جو ہر باطل سے الگ تھا۔ اور مشرک نہ تھا۔ (کنزالایمان)

(۲) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (آل عمران آیت ۳۳-۳۴)

توریت، زبور، انجیل میں بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی فلک بوس عظمت موجود ہے
سلمان رشدی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو گالیاں دیکر عذاب خداوندی کو للکار رہا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
(النحل آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳)

بے شک ابراہیم ایک امام تھا اللہ کا فرماں بردار اور سب سے جدا' اور مشرک نہ تھا۔ اسکے احسانوں

۔ بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اولاد اور عمران کی آل کو سارے جہان سے' یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے' اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (کنزالایمان)

(۳) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝
(ص آیت ۴۵، ۴۶، ۴۷)

۝ اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو' بے شک ہم نے انہیں ایک

کری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے، اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔"

(کنزالایمان)

(۴) وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۱، انعام آیت ۸۳تا۹۰)

اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی، ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں، بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کئے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمٰن اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو اور یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔ اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔ اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو، اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا یہ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم و نبوت عطا کی، تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لئے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں۔"

(کنزالایمان)

(۵) وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(البقرہ، ۱۳۰)

" اور ابراہیم کے دین سے کون

منھ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا۔ اور بے شک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے۔" (کنز الایمان)

شانِ نزول

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اپنے دو بھتیجوں مہاجر و سلمہ کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں فرمایا ہے کہ میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی پیدا کروں گا جن کا نام احمد ہوگا جو ان پر ایمان لائے گا راہ یاب ہوگا اور جو ایمان نہ لائے گا ملعون ہے۔ یہ سن کر سلمہ ایمان لے آئے اور مہاجر نے اسلام سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ظاہر کر دیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اس رسول معظم کے مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تو جو ان کے دین سے پھرے وہ حضرت ابراہیم کے دین سے پھرا۔ اس میں یہود و نصاریٰ و مشرکین عرب پر تعریض ہے جو اپنے آپ کو افتخاراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے جب ان کے دین سے پھر گئے تو شرافت کہاں رہی۔"
(خزائن العرفان ص ۳۰)

یوں تو یہ ساری آیات طیبات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظمت نبوت اور رفعت درجات کو اجاگر کرتی ہیں لیکن پہلی اور آخری آیت خاص کر قابلِ نوٹ ہیں۔ پہلی آیت تو اس لئے کہ اس میں واضح طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اور آخری آیت اس لئے کہ اس میں دین ابراہیمی سے اعراض اور روگردانی کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔ وہ نبی محترم اور رسول مکرم جن کے دین کی پیروی کا حکم سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیا جائے اور جن کے دین سے منھ پھیرنے والے کو احمق بتایا گیا ہو۔ بھلا ان کی عنداللہ قدر و منزلت اور عظمت و رفعت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اور پھر ایسے جلیل القدر اور اولوالعزم نبی کی بارگاہ میں سلمان رشدی کی یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی کیا اس کے بددین اور ملعون ہونے کی روشن دلیل نہیں؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور اپنے شیر خوار فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں لا کر چھوڑنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس ذات پر ملعون سلمان رشدی کا ایک ناپاک حملہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور شیر خوار فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو عرب کے بے آب و گیاہ میدان میں لا کر بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ اس بات کا پس منظر اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا اپنی مرضی سے اور محض حضرت سارہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر کیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور جلیل القدر نبی پر الزام ہے اور بہتان باندھنے سے کم نہیں ـــ لازم ہے کہ اس بہتان اور تہمت کا تاریخی اور آسمانی مقدس کتابوں کے حوالے سے ایسا مدلل جواب دیا جائے کہ سلمان رشدی کی ذریت سے پھر کسی کو ایسی رکیک حرکت کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو ـــ لہٰذا مندرجہ ذیل سطور کا مطالعہ بتائے گا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ عمل ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہوا تھا بلکہ مشیتِ ایزدی اور حکم خداوندی کے تحت ہوا تھا۔ اس ظالم اور ملعون نے اپنی ناپاک کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاکیزہ سلسلۂ نسب پر بھی حملہ کیا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب تحریر کرتے ہیں جو بہت ہی مشہور و معروف ہے اور اس سے تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی بخوبی واقف ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلۂ نسب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے۔ ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروح بن ارغو بن عابر بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن نوح ــــ

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت نوح علیہ السلام تک مکمل سلسلۂ نسب ہے۔ البتہ بعض مورخین کے خیال میں آپ کے والد کا نام "آزر" تھا جو ایک بت تراش و بت فروش تھا۔ اور جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بایں الفاظ موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ (الانعام آیت ۷۵)

• اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ تم بتوں کو معبود بناتے ہو۔

چونکہ اس آیت میں آذر کو حضرت ابراہیم کا باپ بتایا گیا ہے، اس لئے یہ دھوکہ ہوا کہ آزر ہی حضرت ابراہیم کا باپ تھا۔ حالانکہ اَبْ کا لفظ چچا کے لئے بھی عربی زبان میں مستعمل ہے۔ اور آیت میں آزر سے مراد آپ کا چچا ہی مراد ہے۔ چنانچہ علمائے محققین نے اس کی تصریح کی ہے چنانچہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ آپ کے والدین مسلمان

> ملعون سلمان رشدی نے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیائے کرام پر گھناؤنے الزامات لگائے ہیں. النفوسِ قدسیہ کی شان میں کی گئیں گستاخیاں خود اسی کی طرف لوٹتی ہیں. معصوم انبیائے کرام کی توہین کا مرتکب مرتد رشدی سزائے موت کا مستحق ٹھہرتا ہے.

تھے۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا۔ اَبْ کا لفظ چچا پر بھی عموماً بولا جاتا ہے والد کا لفظ حقیقی باپ کے لئے مخصوص ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ ــــ وَالِدَيَّ سے یہاں حقیقی ماں باپ مراد ہیں، چچا مقصود نہیں۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ جب انسان فوت ہو جائے تو زندوں پر اس کا یہ حق ہے کہ اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے لیکن کافروں کے لئے دعائے مغفرت سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر یہ حکم ہے تو پھر حضرت خلیل نے آزر کے لئے دعائے مغفرت کیوں کی؟ کیا انہوں نے آزر سے اس کا وعدہ کیا تھا کہ اس کے لئے استغفار کریں گے؟ اسوقت آپ کا یہی خیال تھا کہ شاید اسے توفیق ہو جائے لیکن اسے توفیق نہ ہوئی اور وہ کفر پر مر گیا۔ آپ اس سے بری الذمہ ہو گئے۔ لِاَبِيْهِ سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا، آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و

اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین زمانے میں مبعوث فرمایا گیا اس لئے ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد میں کوئی کافر گزرا ہو (تفسیر مظہری)

اور عالم اسلام کی ممتاز علمی شخصیت صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رقم طراز ہیں۔

"قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے امام علامہ جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے بالخصوص عرب میں، قرآن کریم میں ہے۔

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰـهَ
اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ

"ہم تیرے اور تیرے باپ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کرتے ہیں جو ایک معبود ہے"

اس میں حضرت اسمٰعیل کو حضرت یعقوب کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے باوجودیکہ آپ عم ہیں۔ حدیث شریف میں بھی حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اب فرمایا چنانچہ ارشاد کیا رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِيْ اور یہاں ابی سے حضرت عباس مراد ہیں۔ (خزائن العرفان ص۱۹۵، مفردات کعب وکبیرہ وغیرہ)

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا جو موحد اور مسلمان تھے اور جو نمرود کے دربان تھے جنہیں بت گری اور بت فروشی کا موقع ہی دستیاب نہ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت اور قرآنی صداقت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور بڑے لڑکے حضرت اسمٰعیل کو سرزمین مکہ میں چھوڑ دیا تھا۔ (المسعودی التاریخ، مصر ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۳۶) چنانچہ آپ جب موجودہ چاہ زمزم کے پاس اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو چھوڑ کر واپس ہوئے تو ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر آپ نے جو دعا مانگی تھی وہ قرآن حکیم میں بایں الفاظ موجود ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ
زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ
رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ
اَفْـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ (ابراہیم آیت ۳۷)

"اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی۔ تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے میرے رب! اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو کچھ لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو، شاید وہ احسان مانیں" (کنز الایمان)

زیر نظر آیت کے تحت حضرت سید شاہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ یعنی اس وادی میں جہاں اب مکہ مکرمہ ہے اور ذریت سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ آپ سرزمین شام میں حضرت ہاجرہ کے بطن پاک سے پیدا ہوئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی بیوی حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس وجہ سے انہیں رشک پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو میرے پاس سے جدا کر دیجئے حکمت الٰہی نے یہ ایک سبب پیدا کیا تھا چنانچہ وحی آئی کہ آپ حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل کو اس سرزمین میں لے جائیں (جہاں اب مکہ مکرمہ ہے) آپ ان دونوں کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے شام سے سرزمین حرم میں لائے اور کعبہ مقدسہ کے نزدیک اتارا یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ، نہ پانی، ایک توشہ دان میں کھجوریں اور ایک برتن پانی انہیں دے کر آپ واپس ہوئے اور مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھا، حضرت ہاجرہ والدۂ اسمٰعیل نے عرض کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں اس وادی میں بے انیس و رفیق چھوڑ کر جاتے ہیں۔ لیکن آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور ان کی طرف التفات نہ فرمایا، حضرت ہاجرہ نے چند مرتبہ یہی عرض کیا اور جواب نہ پایا تو کہا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا، ہاں اس وقت انہیں اطمینان ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے اور انہوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی جو آیت میں مذکور ہے۔" (خزائن العرفان ص ۳۷۶)

بعض مستشرقین اور مغربی مورخین اس تاریخی اور مسلمہ حقیقت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن تمام مسلم مورخین اور بعض دیگر انصاف پسند مورخین کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ہاجرہ نے اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ ہجرت کی اور سرزمین مکہ میں سکونت پذیر ہوئیں جب حضرت ہاجرہ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دی ہوئی کھجوریں اور برتن کا پانی ختم ہو گیا تو آپ کو بیٹے کی اور اپنی زندگی کی فکر ہوئی۔ پانی کی تلاش میں آپ نے صفا و مروہ پہاڑیوں کا سات دفعہ چکر لگایا، اور ساتویں چکر کے بعد جب آپ اپنے فرزند ارجمند کو دیکھنے کے لئے ان کے قریب پہنچیں تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل کے ایڑیاں رگڑنے سے معجزے کے طور پر اس ریگستان میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا ہے۔ یہ قدرتی چشمہ آپ کو نئی زندگی کا مژدہ دے گیا، آپ خدا کا شکر بجا لائیں اور زم زم کہہ کر چشمہ کے ارد گرد مینڈیں باندھنے لگیں تاکہ پانی ضائع نہ ہو۔ اس طرح اس اعجازی کنویں کا نام "بیر زمزم" پڑا۔ اور آج تک اسی نام سے موسوم و مشہور ہے — یہ پورا واقعہ خود بائبل میں بڑی صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ بائبل کی چند آیات ذیل میں رقم کی جاتی ہیں ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو لے کر چلے اور اللہ کے حکم کے تحت ان کو ایک کوہستانی سرزمین میں چھوڑ دیا۔

"اور خدا نے ابراہیم سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث برا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان، کیوں کہ اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا۔ اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے تب ابراہیم نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا۔ بلکہ اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی۔"

(بائبل، مطبوعہ پاکستانی بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۲۰)

اس اقتباس میں حضرت ہاجرہ کو لونڈی بتایا گیا ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ کی طرف سے اس وقت تحفہ میں دی گئی تھیں جب آپ نے مصر کا سفر کیا تھا۔"

(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۴۸)

بعض مسلم مؤرخین کی تحقیق میں وہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھیں۔

(محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ا ص ۱۹)

اس وقت یہ رواج تھا کہ پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی پہلی بیوی کی لونڈی بنا کر رکھی جاتی تھی، چنانچہ حضرت ہاجرہ حضرت سارہ کی لونڈی کہی گئیں اس طرح کی باتیں مختلف طریقوں سے بائبل میں مذکور ہیں۔

(ملاحظہ ہو، بائبل پیدائش باب ۱۶، آیت ۲)

اور چاہ زمزم کے بارے میں بائبل کی مندرجہ ذیل آیات میں اشارہ ملتا ہے۔

"اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی۔ اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیوں کہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔"

(پیدائش، باب ۲۱، آیت ۱۵ تا ۲۰)

بائبل کے مذکورہ بالا اقتباس میں یہ پیش گوئی ہے کہ اللہ رب العزت حضرت اسمٰعیل سے ایک قوم پیدا کرے گا، بالکل یہی پیش گوئی قرآن حکیم میں بھی ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(البقرہ ۱۲۸، ۱۲۹)

اے رب ہمارے! اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت، تیری فرماں بردار، اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت

اطلبوا العلم ولو كان بالصين — الحديث

کے ساتھ رجوع فرما بیشک تو ہی
بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان،
اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک
رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری
آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری
کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں
خوب ستھرا کردے بے شک تو ہی ہے
غالب حکمت والا"
(کنز الایمان)

چنانچہ بنو اسمٰعیل کی شکل میں یہ پیش گوئی پوری ہوئی جن سے کہ آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدان گیتی میں جلوہ گر ہوئے۔

بعض غیر اسلامی روایتوں میں بیر سبع جس کا ذکر اوپر کے اقتباس (پیدائش، باب ۲۱، آیت ۱۲ تا ۱۴) میں آچکا ہے فلسطین میں ہے، لیکن یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ اس اقتباس سے ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت ہاجرہ نے بیر سبع کو اپنا مسکن بنایا تھا بلکہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ہاجرہ بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی رہیں۔ بیر سبع عرب کے شمال میں ہے اس لئے یہ بات عیاں ہے کہ انہوں نے وہاں سے عرب کی طرف ہجرت کی۔ بائبل کے چند دوسرے اقتباسات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ نے عرب ہی کو اپنا مسکن بنایا۔ چنانچہ نئے عہد نامے میں انجیل کا ایک اقتباس مثال کے طور پر ذیل میں درج ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ عرب کی باشندہ ہوگئی تھیں

"ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ عورتیں گویا دو عہد ہیں ایک کوہ سینا پر کا جس سے غلام ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہاجرہ ہے اور ہاجرہ عرب کا کوہِ سینا ہے اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے"۔

خداوند قدوس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا پھر ایسے جلیل القدر نبی کی بارگاہ میں سلمان رشدی کی دریدہ دہنی کیا اس کے بد دین و ملعون ہونے کی روشن دلیل نہیں۔

(انجیل، گلتیوں باب ۴، آیت ۲۴، ۲۵)

اس اقتباس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ عرب کے کوہ سینا کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنا مسکن بنایا تھا۔ نیز اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ "خدا کا عظیم گھر" جو بائبل کی زبان میں یروشلم کا جواب ہے اس کا محل وقوع کیا تھا۔ جیسے کہ بائبل کی مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہے کہ "(گویا کہ) وہ عرب کا کوہِ سینا ہے"۔ اس طرح در اصل "خدا کا عظیم گھر" کا وقوع عرب میں ثابت ہوتا ہے ——

بائبل کی ایک اور روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، فاران پہاڑ کے پاس رہے تھے۔ وہ روایت یہ ہے۔

"اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا"
(بائبل، پیدائش، باب ۲۱، آیت ۲۱، اردو ترجمہ مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور پاکستان)

اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فاران یا

فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ علاوہ ازیں بائبل کی ایک اور روایت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا مسکن مصر کے بالکل مخالف سمت آشور کی جانب بتایا گیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے۔

"اور اسمٰعیل کی کل عمر ۱۳۷ برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستے پر ہے جس سے اشور کو جاتے ہیں آباد تھی، یہ لوگ اپنے اپنے سب بھائیوں کے سامنے ——— بسے ہوئے تھے"

(بائبل پیدائش باب ۲۵ آیات ۱۸،۱۷ ترجمہ از حوالہ مذکورہ)

قدیم مشرق وسطیٰ کے نقشے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر ہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی قبل مسیح میں جو علاقہ "ارم آشور" اور مصر کے درمیان واقع ہے وہ شمالی عرب ہی ہے قرآن مجید بھی ہمیں یہی بتاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام مکہ میں اللہ کے گھر (یعنی کعبہ یا مسجد حرام) کے قریب آباد ہوئے۔

الغرض یہ سارے تاریخی حقائق اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اور اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بحکم خداوندی "وادی غیر ذی زرع" یعنی مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ وادی میں لے جا کر آباد کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ایک برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان سے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی ایسا اقدام کرتے کیوں کہ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع و پابند ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ عمل ہر قسم کے اعتراض سے پاک ہے، جو لوگ انبیائے کرام پر الزام تراشی کرتے ہیں وہ خود مورد الزام اور مجرم ہیں۔ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے دیئے گئے اس حکم کے پس پردہ بہت سی حقیقتیں پوشیدہ تھیں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذریت یا نسل سے اللہ تبارک و تعالیٰ ایک بڑی قوم (قوم عرب) اور ان ہی کی بدولت ایک بڑی امت (امت مسلمہ) عالم وجود میں لایا۔ اور اسی قوم اور امت کے اندر اللہ عز و جل کے آخری نبی و رسول آنحضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یہ دعا کہ "اے پروردگار! ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر"۔ (بقرہ آیت ۱۲۸) قبول ہوئی۔

اس طرح ملعون و مردود سلمان رشدی کی طرف سے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر عائد کئے گئے الزامات سراسر غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ نیز ان نفوس قدسیہ کی شان میں کی گئیں گستاخیاں اور بکی گئیں گالیاں اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔ اور معصوم انبیائے کرام پر کئے گئے اس سب و شتم کی وجہ سے از روئے شریعت بجا طور پر وہ سزائے موت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

مرتد سلمان رشدی کا قرآنِ عظیم پر حملہ

قرآن پاک اپنی حفاظت کا خود ضامن ہے

قرآن مجید ایک عظیم معجزہ ہے

اسلام میں وحی کے تصور، اس کے معانی اور اس کی قسموں پر تفصیلی بحث سے فارغ ہو کر اب ہم ان اسباب و وجوہ پر قدرے شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالیں گے جن کی بنیاد پر ایک صاحبِ نظر شخص کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ قرآن مجید کو منزل من اللہ اور وحیٔ الٰہی تسلیم نہ کرے۔ قرآن مجید کے وحیٔ الٰہی ہونے کے سب سے ٹھوس پختہ اور ناقابلِ تردید دلیل اس کا وہ معجزانہ کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا کسی انسان کی طاقت سے ماورا ہے۔

نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تو اللہ عزوجل نے ان کی نبوت و رسالت کے ثبوت میں بطور دلیل انبیائے سابقین کی طرح بہت سے معجزات و کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن قرآن مجید کی صورت میں آپ کو ایک ایسا عظیم معجزہ عطا فرمایا کہ جس کو دیکھ کر عرب کے مایۂ ناز سخن ور اور زبان داں، فصیح و بلیغ شاعر اور ادیب مبہوت و ششدر رہ گئے۔ فصحائے عرب سر جوڑ کر بیٹھے لیکن ایک آیت بھی قرآن کی آیت جیسی بنانے سے قاصر و عاجز رہے ـــ انسانی کلام کی نظیر تو پیش کی جاسکتی ہے۔ مگر کلام الٰہی کی نظیر پیش کرنا بھلا کس انسان کے بس کی بات ہے؟ الغرض! قرآن مجید حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم و جلیل معجزہ ہے جو قیامت تک آنے والے ہر دور کے انسانوں کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے ـــ ایک بار کفارِ مکہ نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ طلب کیا جس پر مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(العنکبوت)

اور بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے، تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتار دی، جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔"

(کنز الایمان)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ "معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم معجزہ ہے انبیائے متقدمین کے معجزات سے اتم و اکمل اور تمام نشانیوں سے طالب حق کو بے نیاز کرنے والا کیوں کہ جب تک زمانہ ہے قرآن کریم باقی و ثابت رہے گا اور دوسرے معجزات کی طرح ختم نہ ہوگا۔"

(خزائن العرفان ص ۵۸۳)

خود رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو دوسرے انبیائے کرام کو عطا کئے گئے معجزات کے مقابلے میں ایک عظیم اور خاص معجزہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ اِلَّا اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ اَوْ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْ اَنِّيْ اَكْثَرُهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات میں سے (ایک خاص) معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر بعض لوگ اس پر ایمان لائے اور بعض ایمان نہیں لائے۔ مجھے وہ وحی (یعنی قرآن بطور معجزہ) دی گئی جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے، میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے ان سب کی (پیروی کرنے والوں سے) سے زیادہ ہوں گے۔"

اس حدیث پاک کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دیگر انبیائے کرام کو جو معجزات دیئے گئے تھے وہ ان کی حیات تک ہی محفوظ تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بیماروں کو صحت یاب اور مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصاء دیا گیا تھا جو اژدہا بن جاتا تھا۔ وغیرہ ــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو عظیم معجزہ قرآن حکیم کی صورت میں بذریعہ وحی نازل کیا گیا وہ تا قیامت باقی رہے گا اور اس کو پڑھ کر قیامت تک لوگ متاثر ہوتے

رہیں گے اور دولتِ ایمان سے سرفراز ہوتے رہیں گے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی تعداد انبیائے سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہو گی۔ درحقیقت قرآن ایک ایسی مقدس آسمانی کتاب ہے جس کو پڑھ کر ایک انصاف پسند غیر مسلم بھی یہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کو کسی مخلوق نے نہیں لکھا ہے، نہ کسی انسان و جن نے اور نہ ہی کسی فرشتہ وغیرہ نے بلکہ یہ اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے۔

جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا اور اس کی تاثیر سے لوگوں کے قلوب اسلام کی حقانیت وصداقت کے نور سے جگمگانے لگے تو کفار مکہ نے لوگوں کو قرآن کریم سننے سے روکنا شروع کیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ افترا کرنے لگے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ خود آپ کا گڑھا ہوا ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں کفار مکہ کو بار بار چیلنج کیا کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو قرآن کی نظیر لاؤ۔ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی باطل طاقتیں قرآن کی نظیر لانے سے قاصر ہیں۔ یہ قرآنی چیلنج اور اس کے جواب سے کفار مکہ کا عاجز وقاصر رہنا قرآن حکیم کے عظیم معجزہ ہونے کی ایسی روشن دلیل ہے کہ جس کی تکذیب وتردید ایک امر محال ہے۔ آئیے دیکھیں کہ کس کس انداز میں اللہ عزوجل نے کفار مکہ کو اور عالم انسانی کو چیلنج کرتے ہوئے قرآن حکیم کے اعجاز اور اس کی عظمت کو اجاگر فرمایا ہے۔

(۱) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل ۸۸)

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

(کنزالایمان)

> قرآن پاک بلا شک وشبہ کلام الٰہی ہے۔ فصاحت وبلاغت کا بے نظیر شاہکار ہے۔ پیغمبر اسلام کا لافانی معجزہ ہے۔ جس کے غیر معمولی طرز بیان پند وموعظت سے تا قیام قیامت بے شمار اذہان وقلوب متاثر ہوتے رہیں گے۔

شانِ نزول: مشرکین نے کہا تھا کہ ہم چاہیں تو اس قرآن کی مثل بنالیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تکذیب کی کہ خالق کے کلام کے مثل مخلوق کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ سب باہم مل کر کوشش کریں جب بھی ممکن نہیں کہ اس کلام کے مثل لا سکیں چنانچہ ایسا ہی ہوا تمام کفار عاجز ہوئے اور انہیں رسوائی اٹھانا پڑی اور وہ ایک سطر بھی قرآن کریم کے مقابل بنا کر پیش نہ کرسکے

(خزائن العرفان ص ۴۲۲)

سورۂ ہود میں چیلنج کیا گیا کہ پورے قرآن کی جگہ صرف دس سورتیں ہی قرآن جیسی بنا لائیں چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

(۲) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(ہود: ۱۳)

"کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے جی سے بنا لیا، تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جو مل سکیں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

(کنزالایمان)

چند مقامات پر یہ چیلنج صرف ایک سورت تک ہی محدود کر دیا گیا ہے ۔۔۔ وہ مقامات حسبِ ذیل ہیں۔

(۳) وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

(البقرہ: ۲۳، ۲۴)

"اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (ان خاص) بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ، اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔" (کنزالایمان)

(۴) وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(یونس: ۳۷، ۳۸)

"اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے، ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے، پروردگار عالم کی طرف سے ہے، کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی کوئی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ، اگر تم سچے ہو۔" (کنزالایمان)

جب کفار کو کوئی ایک سورت بھی حسن و خوبی

اور فصاحت و بلاغت میں قرآن جیسی بنانے سے عاجز رہے لیکن پھر بھی وہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی تکذیب کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے تو ان کے اس جہل اور عجز پر آخری مہر ثبت کرنے کے لئے یہ چیلنج کیا گیا کہ اگر وہ اپنے اس قول میں سچے ہیں کہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ کلام انسانی ہے تو تم بھی تو انسان ہو فصیح و بلیغ ہونے کے دعوے دار ہو تو قرآن جیسی "ایک بات" ہی بنا لاؤ ــــ چنانچہ یہ قرآنی چیلنج آج بھی قرآن حکیم کے اندر موجود ہے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے اور بے نظیر ہونے کی روشن دلیل رکھتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

(۵) أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝ (الطور۔ ۳۳، ۳۴)

"یا کہتے ہیں انہوں نے یہ قرآن بنا لیا بلکہ وہ ایمان نہیں رکھتے تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں ــــ"

اس طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر کفار مکہ کو چیلنج کر کے ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ حجت قائم فرما دی کہ قرآن حکیم سے متعلق ان کا یہ قول کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کلام انسانی ہے محض غلط بے بنیاد اور جہل و حماقت پر مبنی ہے اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو وہ اس کی نظیر لانے سے عاجز و قاصر نہ رہتے ان کا عجز و قصور اس بات کی دلیل ہے کہ بلا شک و شبہ قرآن حکیم منزل من اللہ ہے۔ کلام الٰہی ہے۔ فصاحت و بلاغت کا بے نظیر شاہکار ہے ــــ اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عظیم و لافانی معجزہ ہے ــــ جس کے حسن نظم، غیر معمولی طرز بیان اور پند و موعظت سے معمور واقعات سے تا قیام قیامت لاکھوں اذہان و قلوب متاثر ہوتے رہیں گے۔ اور اس طرح اسلام کی صداقت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا پرچم بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا

قرآن معجزہ کیوں ہے؟

قرآن کریم معجزہ کیوں ہے؟ اس سلسلے میں مختلف علماء نے مختلف دلائل دیئے ہیں ــــ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ کے مطابق قرآن کے معجزہ ہونے کی خاص وجوہات یہ ہیں ــــ اس کی فصاحت و بلاغت، اس کا غیر معمولی طرز بیان، اور واقعات کی صداقت و سچائی۔ (تفسیر کبیر، ج ۴ ص ۸۴۳، ۸۴۸) حضرت قاضی عیاض قدس سرہٗ کے مطابق قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی بے شمار وجوہات ہیں۔ ان تمام وجوہات کا خلاصہ چار وجوہات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

• اس کی غیر معمولی ترتیب اور ربط: الفاظ کی غیر معمولی ترکیب اور انشاء پردازی، اس کی فصاحت و بلاغت، اس کا ایک اچھوتا اور جداگانہ طرز بیان، جو اس وقت عربوں میں رائج طرز بیان سے بالکل مختلف تھا (شرح الشفا، ترکی ۱۳۱۲ھ ج ۲ ص ۵۱۰ تا ۵۹۴) اور محمد رشید رضا نے اپنی مشہور کتاب "الوحی المحمدی" میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کے سلسلے میں بہت سی وجوہات بیان کی ہیں۔ ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

• لوگوں کے قلوب پر اس کی غیر معمولی تاثیر اس کا غیر معمولی اسلوب، اس کی غیر معمولی فصاحت و بلاغت اور وہ انقلاب جو اس کتاب کے

ذریعہ ایک امی لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخواندہ اور غیر مہذب عربوں کے اندر لائے۔
(الوحی المحمدی ص ۱۴۲ تا ۱۴۵)

کچھ علماء کا یہ قول ہے کہ قرآن اس وجہ سے معجزہ ہے کہ اس نے جن جن امور کے بارے میں پیش گوئیاں کی تھیں وہ سب کی سب سچی ثابت ہوئیں، علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ قرآن اس وجہ سے معجزہ ہے کہ اس نے لوگوں کے چھپے ہوئے اور پوشیدہ خیالات کا انکشاف کیا جیسا کہ کوئی بھی بشر نہیں کر سکتا۔ علماء کے ایک اور طبقہ کا یہ خیال ہے کہ اس کا معجزہ یہ ہے کہ ایک امی لقب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ایسا فصیح و بلیغ کلام نازل ہوا جس کو لوگ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ بعض دیگر علماء بشمول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مطابق قرآن کی تعلیمات اور اس کے پُر از تاثیر و روشن مکالمات ایک معجزہ ہیں (الفوز الکبیر)"

الغرض، قرآن حکیم کے معجزہ ہونے اور وحی الٰہی ہونے کے حق میں لاتعداد اور بے شمار دلائل و براہین ہیں۔ ہر عالم نے اپنے اعتبار سے ان دلائل اور وجوہات پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کی تفصیل علوم قرآنی سے متعلق کسی بھی مستند کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ آئیے اب ان دلائل کا مطالعہ کریں جو خود قرآن حکیم نے اپنے معجزہ اور کلام الٰہی ہونے کے سلسلے میں بیان کئے ہیں۔

قرآنی دلائل

(۱) فصاحت و بلاغت

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ (النحل: ۱۰۳)

"اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے جس کی طرف ڈھالتے ہیں اسکی زبان عجمی ہے اور یہ روشن عربی زبان"
(کنز الایمان)

اس آیت کریمہ کے تحت حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ خزائن العرفان حاشیہ بر کنز الایمان پر یوں رقم طراز ہیں" قرآن کریم کی حلاوت اور اس کے علوم کی نورانیت جب قلوب کی تسخیر کرنے لگی اور کفار نے دیکھا کہ دنیا اس کی گرویدہ ہوتی چلی جاتی ہے اور کوئی تدبیر اسلام کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہوتی تو انہوں نے طرح طرح کے افتراء اٹھانے شروع کئے کبھی اس کو سحر بتایا، کبھی پہلوں کے قصے اور کہانیاں کبھی یہ کہا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خود بنا لیا ہے اور ہر طرح کوشش کی کہ کسی طرح لوگ اس کتاب مقدس کی طرف سے بدگمان ہوں، انہیں مکاریوں میں سے ایک مکر یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایک عجمی غلام کی نسبت یہ کہا کہ وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے۔ اس کے رد میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی باطل باتیں دنیا میں کون قبول کر سکتا ہے جس غلام کی طرف کفار نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے ایسا کلام بنانا اس کے تو کیا امکان میں ہوتا تمہارے فصحاء و بلغاء جن کی زبان دانی پر اہل عرب کو فخر و ناز ہے وہ سب کے سب حیران ہیں اور چند جملے قرآن کی مثل بنانا انہیں محال اور ان کی قدرت سے باہر ہے تو ایک عجمی کی طرف ایسی نسبت کس قدر

باطل اور بے شرمی کا فعل ہے۔ خدا کی شان جس کلام کی طرف کفار یہ نسبت کرتے تھے اس کو بھی اس کلام کے اعجاز نے تسخیر کیا اور وہ بھی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلقہ بگوش طاعت ہوا اور صدق و اخلاص کے ساتھ اسلام لایا۔"

(خزائن العرفان، ص ۴۰۴)

۲. اس کے اندر تفاوت و اختلاف کا نہ ہونا

قرآن مجید کے معجزہ اور وحی الٰہی ہونے کی دوسری روشن دلیل یہ ہے کہ اس کے اندر کوئی تفاوت و اختلاف نہیں ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

(النساء: ۸۲)

"تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں، اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

(کنز الایمان)

اس آیت کے تحت حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں: "اور زمانۂ آئندہ کے متعلق غیبی خبریں مطابق نہ ہوتیں اور جب ایسا نہ ہوا اور قرآن پاک کی غیبی خبروں سے آئندہ پیش آنے والے واقعات مطابقت کرتے چلے گئے تو ثابت ہوا کہ یقیناً وہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے نیز اس کے مضامین میں بھی باہم اختلاف نہیں، اسی طرح فصاحت و بلاغت میں بھی، کیونکہ مخلوق کا کلام فصیح بھی ہو تو سب یکساں نہیں ہوتا کچھ بلیغ ہوتا ہے تو کچھ رکیک ہوتا ہے جیسا کہ شعراء اور زبان دانوں کے کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بہت ملیح اور کوئی نہایت پھیکا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے کلام کی شان ہے کہ اس کا تمام کلام فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ مرتبت پر ہے۔"

(خزائن العرفان، ص ۱۳۲)

(۳) تاثیر

قرآن حکیم کے منزل من اللہ اور عظیم معجزہ ہونے کی ایک اہم دلیل قلوب انسانی پر مرتب ہونے والی اس کی تاثیر ہے۔ چنانچہ کتنے ہی گم کردگان راہ قرآن پاک سنکر ہدایت یافتہ بن گئے۔ اور کفار و مشرکین نے بھی قرآن کی تلاوت کو محض اسی وجہ سے سحر (جادو) بتایا کہ اس کا پڑھنے والوں اور سننے والوں کے قلوب پر اثر ہوتا تھا۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ (الاحقاف)

"اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری روشن آیتیں تو کافر اپنے پاس آئے ہوئے حق کو کہتے ہیں یہ کھلا جادو ہے۔" (کنز الایمان)

کفار کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب قرآن حکیم کی تلاوت کی جاتی تو خوب شور مچاتے تاکہ اسے دوسرے لوگ نہ سن سکیں یہ فعل محض اس خوف

> قرآن پاک تغیر و تبدل اور کمی و زیادتی سے محفوظ ہے۔ شیطان اسمیں تصرف کی قدرت نہیں رکھتا۔ (کنز الایمان)

سے بتاکر کہیں لوگ اس سے متاثر ہو کر اسلام نہ قبول کرلیں جیسا کہ بہت سے لوگ کر چکے تھے قرآن حکیم میں ان کی یہ حرکت یوں مذکور ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ
وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُونَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ: ۲۶)

اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ غل کرو شاید یوں ہی تم غالب آؤ۔" (کنزالایمان)

۴۔ ہدایت اور تعلیمات

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی ایک اہم دلیل اس کی ہدایت، پند و موعظت اور تعلیمات بھی ہیں۔ اس مضمون پر مشتمل ان گنت آیات کریمہ سے چند پیش خدمت ہیں۔

الٓمّٓ ۚ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ
لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى
لِلْمُتَّقِينَ ۝ (البقرۃ: ۲،۱)

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔" (کنزالایمان)

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ
يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ
يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ
لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝
(بنی اسرائیل: ۹)

"بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔ اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو اچھے کام کریں کہ ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔" (کنزالایمان)

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ
نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي
بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ
سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (المائدۃ: ۱۵، ۱۶)

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔" (کنزالایمان)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ
لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ
عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ
خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ
حَمِيدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا
مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو
مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝
وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا
لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ
آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ
قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى
وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا
يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ

وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ ۴۱،۴۴)

"بے شک جو ذکر (قرآن حکیم) سے منکر ہوئے جب وہ ان کے پاس آیا۔ ان کی خرابی کا کچھ حال نہ پوچھ اور بے شک وہ عزت والی کتاب ہے، باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے سب خوبیوں سراہے کا تم سے نہ فرمایا جائے گا مگر وہی جو تم سے اگلے رسولوں کو فرمایا گیا، کہ بے شک تمہارا رب بخشش والا اور دردناک عذاب والا ہے، اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن کرتے تو ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا کتاب عجمی اور نبی عربی، تم فرماؤ وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے، اور وہ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہے اور وہ ان پر اندھاپن ہے، گویا وہ دو جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔"

(کنز الایمان)

(۵) قرآن جیسا کوئی کلام کہنا ناممکن ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل: ۸۸)

"تم فرماؤ، اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔"

(۶) قرآن مجید ایک نبی اُمّی پر اتارا گیا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ

ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(العنکبوت: ۴۸۔۵۱)

"اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے، بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم، اور بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے، تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے، بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔" (کنزالایمان)

۷۔ اللہ عزوجل خود قرآن کریم کی حفاظت فرمانے والا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝

(الحجر: ۹)

"بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔" (کنزالایمان)

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ۝ (القیمۃ: ۱۷)

"بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا (آپ کا) ہمارے ذمہ ہے۔" (کنزالایمان)

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ: ۴۲)

"باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔" (کنزالایمان)

زیر نظر آیت کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "یعنی کسی طرح اور کسی جہت سے بھی باطل اس تک راہ نہیں پا سکتا، وہ تغیر و تبدیل و کمی و زیادتی سے محفوظ ہے۔ شیطان اس میں تصرف کی قدرت نہیں رکھتا۔"

(خزائن العرفان ص ۷۹۶)

قرآن کریم کے معجزہ اور وحی الٰہی ہونے سے متعلق یہاں تک جو بھی قرآنی دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے قرآن کریم کا معجزہ اور کلام الٰہی ہونا از روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ تو محض چند دلائل قرآنی ہیں اگر قرآن مجید کا بنظر غائر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو اس سلسلہ میں دلائل و براہین کا ایک ذخیرہ جمع ہو سکتا ہے قرآن کا چیلنج، قرآن کا حسن بیان، اس کے آیات کی ہم آہنگی اور حسن ترتیب، اس کی قوت استدلال حقائق کی توضیح، اس کی منطق لیکن ساتھ ہی ساتھ زبان کی سادگی، سلاست اور گہرائی، اس کی حکمت و موعظت، یہ سب اور صاف دمحاسن ایسے ہیں جو ان خصوصیات سے بالا و ممتاز ہیں جن سے اس سلسلے میں عرب اور غیر عرب زبان داں دسخنور واقف رہے ہیں ـــ واقعہ مظہر ہے کہ جب مسلمان قرآن مقدس کی تلاوت کرتے تھے تو مشرکین مکہ اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کر لیتے

تھے۔ تاکہ ان کو سن نہ سکیں۔ کچھ کفار شور مچاتے اور سیٹیاں بجاتے تاکہ دوسرے لوگ قرآن کو سنیں اور اس کا اثر قبول نہ کریں۔ ایسا وہ اس لئے کرتے تھے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ بہت سے کفار نے محض قرآنِ مقدس کی آیات کو اتفاقیہ سن لیا اور اس قدر متاثر ہوئے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ دراصل عربی زبان سے ناواقف شخص قرآن کے معجزہ اور اس کی عظمت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کیونکہ وہ اس کے حسن بیان اور تاثیر نیز اس کی فصاحت و بلاغت سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کفارِ مکہ اہلِ زبان ہونے کے باعث عربی زبان کی تاثیر، قوتِ استدلال اور اس کے حسن بیان سے حد درجہ خائف و مرعوب تھے۔ قرآن کی سورت جیسی ایک سورت بنالانے سے قاصر و عاجز رہے۔ اپنی اس عاجزی و لاچاری کے بعد انہوں نے لوگوں کو قرآن سننے سے باز رکھنے کے لئے مندرجہ بالا تدابیر کے علاوہ من گھڑت قصے کہانیاں ایجاد کیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر و مجنون کہا۔ لیکن ان کی کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا جزیرۂ عرب شمع نبوت کا پروانہ اور عظمتِ قرآن کا دیوانہ بن گیا۔

قرآن بعض غیر مسلم دانشوروں اور مفکروں کی نظر میں

باسورتھ اسمتھ تحریر کرتا ہے: "(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوئی کے مطابق یہ آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے ..... آپ کا ایک مسلم معجزہ ..... اور ایک معجزہ درحقیقت یہ ہے ....."؟

> قرآن پاک میں بے پناہ کشش اور جاذبیت ہے کفار مکہ اہلِ زبان ہونے کے باعث عربی زبان کی تاثیر، قوتِ استدلال اور اس کے حسن بیان سے حد درجہ خائف و مرعوب تھے وہ قرآن کی سورت جیسی ایک سورت بنالانے سے قاصر رہے۔ یہی وجہ تھی کہ پورا عرب شمع نبوت کا پروانہ اور عظمتِ قرآن کا دیوانہ بن گیا۔

("Muhammad" P. 290)

ہرشفیلڈ (Hirschfeld) لکھتا ہے "جہاں تک معقولیت، فصاحت اور انشاء کا تعلق ہے قرآن (ایک ایسی کتاب ہے جو) سہل الوصول ہے (یعنی اس تک آسانی سے رسائی ہو سکتی ہے) ..... اور عالم اسلام میں مختلف سائنسی علوم کی زبردست ترقی اس کی مرہونِ منت ہے۔"

(.. New Researches; P.P. 8,9)

اسٹین گاس (Steingass) لکھتا ہے: "ہم یہ بات بخوبی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن تمام لکھی ہوئی کتابوں میں ایک بہت عظیم، بے حد برتر اور پاک ہے، جس میں اللہ کی وحدانیت کی اعلیٰ ترین صداقت کو بیان کیا گیا ہے، جو ایسے لوگوں کے نازک و اعلیٰ جذبات کو مس کرتا ہے جن کو شعر و شاعری کی فطری دولت سے نوازا گیا تھا

جس کے اندر اللہ کی اطاعت کے ابدی نتائج یا اس کی بغاوت و نافرمانی کی ابدی سزا کے بارے میں پرکشش الفاظ میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ اپنی سادہ اور تقریباً طبعی زبان میں قرآن روز مرّہ کی زندگی کے تقاضوں کے مطابق اس طرح اپنے آپ کو پیش کرتا ہے جس سے اللہ کے رسول کی نہ صرف توصلہ افزائی ہو بلکہ آپ کی تشفی بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کو پچھلے انبیاء کے واقعات کے ذریعہ نصیحت بھی جن کے لئے اس کو نازل کیا گیا تھا تاکہ روز مرّہ کی اس زندگی کا نجی اور عام طرز عمل ان اساسی اصولوں کے مطابق بنایا جاسکے جو اس قانون (یعنی قرآن) کے ہیں۔"

(Hughe's Dictionary of Islam PP. 257, 258).

سیل (Sale) لکھتا ہے:۔ "قرآن کا طرز عام طور پر پُر از حسن اور سلیس ہے۔ بہت سی جگہوں پر بالخصوص جہاں پر کہ (اللہ کی) عظیم الشان (ہستی کا اور اس کے جاہ و جلال (کا بیان ہے یہ کتاب) بہت ہی زیادہ کامیابی کے ساتھ اپنے مطلب کو ادا کرتی ہے اور سامعین کے ذہن و دماغ کو موہ لیتی ہے اسی آپ کے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) بہت سے مخالفین نے یہ خیال کیا کہ یہ جادو و سحر کا اثر ہے:"

(Sale, Preliminary Discourse; P. 48)

جی، مارگولیتھ (G. Margoleath) لکھتا ہے:۔ "دنیا کی عظیم مذہبی کتابوں میں قرآن کا ایک اہم (اور منفرد) مقام ہے۔۔۔۔"

("Introduction to Rodwell's Translation of the Koran", P. viii)

الغرض! وہ مقدس کتاب، جس کی حفاظت فرمانے والا خود خداوند قدوس ہے۔ وہ صحیفۂ ربانی، جس کی ایک آیت کا جواب بھی لانے سے دنیا کے سارے فصحاء و بلغاء عاجز ہیں۔ وہ کلام خداوندی، جس کی تاثیر نے ان گنت انسانوں کے قلوب میں اپنی صداقت و حقانیت کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ وہ کتاب مبین جس نے عالم انسانیت کو ایک ابدی و آفاقی نظام حیات سے روشناس کرایا ہے۔ وہ قرآن کریم جس کی ایک ایک سطر میں، جس کے ایک ایک حرف میں، بلکہ جس کے ایک ایک نقطے میں اسرار و رموز کے بے شمار چشمے موجزن ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسی عظیم اور مقدس کتاب میں شیطان کے لئے اپنے کلمات خبیثہ داخل کرنے کا راستہ مل سکتا۔ ایک مومن ایسی گمراہ کن، بے بنیاد اور خبیث بات کے امکان کا خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا۔ ایسا سوچنا اور لکھنا، شیطان رشدی ہی کے بدبودار ذہن اور غلیظ قلم کا کام ہے۔"

امہات المومنین کے فضائل و درجات

ملعون سلمان رشدی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ازواج مطہرات (پاک بیویاں) کو بھی اپنے ناپاک قلم سے محفوظ نہیں رکھا ہے جن کو خالق ارض وسمانے "امہات المومنین" کا لقب عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ
مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ
اُمَّهٰتُهُمْ ط (الاحزاب آیت ۶)

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔" (کنز الایمان)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکباز و تقدس مآب بیویوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے "امہات المومنین" کا لقب عطا کیا جانا یہ ایک ایسا اعزاز ہے کہ جس کی عظمت کی بلندی تک عقل انسانی کی رسائی ناممکن ہے۔ "ازواج مطہرات" کا مومنوں کی ماں ہونا "چند احکام میں ہے نہ کہ کل میں ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ان کا ادب و احترام ماں کی حرمت بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے لیکن ان کو بے حجاب دیکھنا ان کے ساتھ تنہا سفر کرنا ناجائز ہے۔"
(شان حبیب الرحمٰن صفحہ ۱۴۳)

یہ پاک بیویاں شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم اقدس میں اپنے اپنے "حجروں" کے اندر پردے کے پورے اہتمام اور مکمل عزت وافتخار کے ساتھ رہتی تھیں اور یہ "حجرے" بارگاہِ خداوندی میں ایسے محبوب اور معزز تھے کہ قرآن کریم کی ایک پوری صورت ہی "الحجرات" کے نام سے موسوم کردی گئی۔

یہ حجرات ایسے لائق تعظیم تھے کہ کسی کو بھی اس کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ تھی خواہ وہ کوئی اجنبی ہوتا یا زلفِ اسلام کا اسیر، بلکہ ان مقدس "حجرات" کے پاس کسی کو بلند آواز سے گفتگو کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ
مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ
لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا

حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(الحجرات ۴،۵)

بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

تمام مومنین کو اللہ عزوجل کا یہ حکم تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا پورا پورا ادب ملحوظ رکھیں ان کی آواز سے زیادہ اونچی آواز نہ نکالیں بلکہ ان کی آواز رسول خدا صلی اللہ

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔"

(کنزالایمان)

یہ حکم اس دور کے مسلمانوں کو دیا گیا تھا جس کو

> ملعون رشدی نے سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بے بنیاد الزامات و تہمت لگا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور لعنت ابدی کو دعوت دی ہے۔

علیہ وسلم کی آواز سے پست رہے۔ چنانچہ خداوند قدوس فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝

(الحجرات ۲-۳)

"خیر القرون" فرمایا گیا ہے اور جس دور کے مسلمانوں میں خدا اور رسول کے احکام کی تابعداری کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا جو سرچشمۂ خیر و برکت، سراپا اخلاص وللہیت مجسم صدق و صفا اور پیکر تقویٰ و طہارت تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس حکم پر بھی کما حقہ عمل کیا اور انہوں نے کبھی بھی نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ پست ہی رکھا۔ اور چونکہ اس آیت کریمہ سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ جب آپ کی بارگاہ کا ادب و احترام اس درجہ لازم ہے کہ رفع صوت سے بھی منع کیا گیا ہے تو یقیناً آپ کی ازواج مطہرات کا بھی اتنا ہی ادب و احترام کیا جانا چاہیئے اور ہرگز ہرگز ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی و بے ادبی نہیں ہونی

چاہیے۔ چنانچہ مقدس صحابہ نے آپ کی ازواج مطہرات کا اپنی سگی ماؤں سے بھی زیادہ ادب کیا۔ ان کے لئے کلمات خیر ہی کا استعمال کیا۔ اگر اتفاقیہ کسی پروپیگنڈہ کے باعث کسی صحابی کے دل میں سوءِ ظن پیدا ہوا تو حق واضح ہو جانے کے بعد فوراً ہی وہ تائب ہو گئے۔ ایسی شکل میں وہ ملعون و مردود سلمان رشدی کی اس بے بنیاد بات کا جھوٹ اور کذب کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ پاک "حجرات" کے اندر اجنبی لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ اس بات کے ذریعہ ملعون و بد دین سلمان رشدی نے مقدس ازواج مطہرات اور مکرم و معظم صحابہ کے کردار پہ کیسا ناپاک قابل نفرین اور گھناؤنا حملہ کیا ہے۔ ایک صحیح الدماغ آدمی خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ صحابہ جن کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں "سگی ماؤں" سے بھی زیادہ معزز و مکرم تھیں کیا ان کے حاشیۂ ذہن میں کبھی وہ گندے خیالات آسکتے تھے جن کا ذکر ملعون شیطان رشدی نے ازواج مطہرات کے سلسلے میں کیا ہے۔؟

یہ ازواج مطہرات وہ ہیں کہ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ وہ اپنے اپنے حجروں کے اندر تشریف رکھیں۔ دورِ جاہلیت کی سی بے پردگی اور زیب و زینت سے پرہیز کریں نماز روزہ کی پابندی کرتی رہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب ۳۳)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔ (کنز الایمان)

اس آیت تطہیر کے تحت صدر الافاضل حضرت علامہ سید شاہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہل بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم سب داخل ہیں آیات و احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی حضرت امام ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ ان آیات میں اہل بیت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے پابند رہیں۔ گناہوں کو ناپاکی سے اور پرہیزگاری کو پاکی سے استعارہ فرمایا گیا ہے کیونکہ گناہوں کا مرتکب ان سے ایسا ہی ملوث ہوتا ہے جیسا جسم نجاستوں سے اس طرز کلام سے مقصود یہ ہے کہ اربابِ عقول کو گناہوں سے نفرت دلائی جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ترغیب دی جائے۔
(خزائن العرفان ص ۶۱۱)

اس خداوندی نصیحت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض و اثر یہ ہوا کہ ازواج مطہرات نے خود کو تقویٰ و پرہیزگاری کے سانچے میں ڈھال

لیا تھا۔ وہ اپنے حجرات کے اندر رہ کر خدائے عزو جل کے حکم کے مطابق صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتیں یادِ الٰہی میں مصروف رہتیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتیں۔ ازواجِ مطہرات کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کس قدر عزیز تھی اس کا پتہ اس واقعہ سے بھی چلتا ہے کہ ایک مرتبہ فطرتِ انسانی کے تحت ازواجِ مطہرات نے آپ سے دنیوی سامان طلب کئے اور نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی۔ یہاں تو کمالِ زہد تھا سامانِ دنیا اور اس کا جمع کرنا گوارا ہی نہ تھا اس لئے یہ خاطرِ اقدس پر گراں ہوا۔ اور اللہ عزوجل نے آیتِ تخییر نازل فرمائی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الاحزاب ۲۸،۲۹)

اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیبیوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ (کنز الایمان)

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اسوقت حضور کی نو بیویاں تھیں پانچ قریشیہ حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت حفصہؓ بنت فاروق، حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان، حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور چار غیر قریشیہ حضرت زینبؓ بنت جحش اسدیہ، حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ، حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب، حضرت جویریہؓ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا اور فرمایا کہ جلدی نہ کرا اپنے والدین سے مشورہ کرکے جو مفید ہو اس پر عمل کرو انہوں نے عرض کیا "حضور کے معاملہ میں مشورہ کیا؟ میں اللہ کو اور اس کے رسول کو اور آخرت کو چاہتی ہوں" اور باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔ وہ ازواج مطہرات جنہوں نے متاعِ دنیا کو متاعِ آخرت کے بدلے میں ٹھکرا دیا ہو خود کو اللہ و رسول کی مرضی کا تابع بنا لیا ہو۔ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں صرف کرنے کا عہد کر رکھا ہو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نعوذ باللہ کسی صریح حیا کے خلاف کام کی مرتکب ہوں۔ ان سے کسی ایسے کام کا صدور ہو جو انگشت نمائی کا باعث ہو نیز ان کی پاک دامنی پر حرف آئے اور انہیں بارگاہِ رب العزت میں نادم و شرمندہ ہونا پڑے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی "بیویاں" تقویٰ و پرہیزگاری میں عام مسلمان عورتوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ ان کی عزت۔ ان کا وقار ان کی پاکبازی و عفت تابی دوسری عورتوں کے مقابلہ میں کہیں آگے تھی۔ ان کی اس بے مثلی اور تفوق کا گواہ خود قرآن کریم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ

كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ
قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ (الاحزاب ۳۲)

"اے نبی کی بی بیو تم اور عورتوں کی
طرح نہیں ہو اگر اللہ سے ڈرو تو بات
میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی
کچھ لالچ کرے۔ ہاں اچھی بات کہو"
(کنزالایمان)

وہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے ایک پاکیزہ معاشرے کی بنیاد ڈالی، بنی نوعِ آدم کو زندگی کے آداب سکھائے۔ حلال و حرام کا شعور عطا کیا۔ انسانی قلوب کو خدائے قہار و جبار کے خوف سے معمور کیا۔ لوگوں کے ذہنوں میں خدا کے رسول کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کا تصور بٹھایا۔ وہی پیغمبرِ اسلام اپنے گھر کے اندر اسلام کے پاکیزہ اصولوں کو نافذ نہ کر کے ملعون سلمان رشدی کے بقول "اجنبی مردوں" کو اجازت دے بیٹھتے بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں اسلام کے پاکیزہ اصول پوری طرح نافذ تھے۔ چنانچہ کسی بھی مرد کو بشمول اصحابِ کرام آپ کے حرم پاک میں بغیر اجازت کے داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ
يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ
نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ
فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا
وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ
كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا

تمام مسلمانوں کی مائیں امہات المومنین

کی عفت مآبی، حسنِ اخلاق و اعمال، اطاعت شعاری و پرہیزگاری پر دال ہیں۔ ایسی مقدس ہستیوں پر بدکرداری کی تہمت لگا کر رشدی نے بجا طور پر خود کو اسّی کوڑوں کی سزا کا مستحق بنا لیا ہے۔

سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ
مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ
لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب ۵۳)

"اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو، ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کی ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی" (کنزالایمان)

مسلمانوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے اس بات کی سخت تاکید تھی کہ وہ ہرگز کوئی ایسا کام نہ کریں جو خاطر اقدس پر گراں ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیوں سے آپ کے وصال کے بعد نکاح کرنے کو حرام فرما دیا گیا تھا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (الاحزاب ۵۳)

"اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بی بیوں سے نکاح کرو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بی بیوں کو اس بات کا حکم تھا کہ ان سے صریح حیا اور وقار کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (الاحزاب ۳۰)

اس آیت کریمہ کے تحت صدر الافاضل حضرت سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صریح حیا کے خلاف جرأت کرنے کا مطلب شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ کج خلقی سے پیش آنا ہے کیونکہ بدکاری سے تو اللہ انبیاء کی بی بیوں کو پاک رکھتا ہے اور دونا عذاب اس لئے ہوگا کہ جس شخص کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس سے اگر قصور واقع ہو تو وہ قصور بھی دوسروں کے قصور سے زیادہ سخت قرار دیا جاتا ہے۔"

(خزائن العرفان صہ ۶۱۱)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور یہی ازواج مطہرات اگر اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری و تابعداری کرتی ہیں تو دوگنے اجر و ثواب کی مستحق قرار پاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۱)

"اور جو تم میں فرماں بردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اوروں سے دونا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔" (کنزالایمان)

اسلام کی نگاہ میں کسی کی عزت و ناموس سے کھیلنا سخت ترین گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پاک دامن عورت پہ تہمت لگاتا ہے اور پھر اپنی تہمت کو چار گواہوں کے ذریعہ

صحیح ثابت کرنے سے قاصر رہتا ہے تو ایسا شخص دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا مستحق ٹھہرے گا اور حدود الٰہیہ توڑنے کی وجہ سے سخت سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔ اسلام نے پاک باز اور عفت مآب عورتوں پر بدکاری و بے حیائی کا گھناؤنا الزام لگانے کی سزا اسی کوڑے رکھی ہے جب عام پاک دامن عورت پر تہمت لگانے کی اتنی سخت سزا ہے تو پاک دامن عورتوں کی سردار حضرات امہات المومنین پر تہمت لگانے کی سزا کتنی سخت ہوگی۔ ملعون سلمان رشدی نے اپنے قول مردود اور بے بنیاد الزام تراشیوں کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور لعنت ابدی کو دعوت دی ہے بلکہ مندرجہ بالا حد کا بھی خود کو مستحق ٹھہرا لیا ہے۔

پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کا کیا عذاب ہے؟ مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے اندازہ لگائیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

(النور ۲۳، ۲۴)

"بے شک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان، پارسا، ایمان والیوں کو، ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ کرتے تھے۔" (کنز الایمان)

قانون الٰہی توڑنے اور حدود الٰہیہ توڑنے کے سلسلے میں اسّی کوڑوں کی سزا کا بھی ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور)

"اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں۔" (کنز الایمان)

مندرجہ بالا تمام آیات طیبہ امہات المومنین کی عظمت کردار، بلندیٔ درجات، پاک دامنی و عفت مآبی، حسن اخلاق و اعمال، اطاعت شعاری و پرہیزگاری پر دال ہیں۔ ایسی مقدس و مبارک ہستیوں پر بدکرداری کی تہمت لگا کر مردود و ملعون سلمان رشدی نے خود کو بجا طور پر اسی کوڑے کی سزا کا بھی مستحق ٹھہرا لیا ہے۔

بد دین سلمان رشدی کی

صحابہ کرام کی شان میں گستاخی و تبرّا بازی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

"شیطانی آیات" کے شیطان صفت مصنف سلمان رشدی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن جاں نثار اور پاکباز رفقاء کی مقدس بارگاہ میں سخت گستاخیاں اور دریدہ دھنیاں کی ہیں، جن کے لہو کی گرمی آج بھی رگِ اسلام میں موجود ہے۔ اس بد ذات اور بد دین نے یوں تو تمام صحابہ کرام کی شان میں بیہودہ کلمات بکے ہیں اور ناقابلِ تحریر غلیظ اور گندی گالیاں استعمال کی ہیں لیکن بارگاہِ نبوت سے "سیف اللہ" کا عظیم لقب پانے والے عظیم فرزند اسلام حضرت خالد بن ولید اور سید الانقیاء جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت سلمان فارسی اور مسجد نبوی کے اولین مؤذن، دربارِ رسول کے مقرب و لائق صد تعظیم و تکریم صحابی حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم کے لئے اس ہندی نژاد برطانوی مصنف سلمان رشدی نے جو گندے اور فحش الفاظ اپنے خبیث قلم سے نکالے ہیں وہ خوش عقیدہ مسلمانوں کے لئے حد درجہ تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہیں۔ آئیے دیکھئے کہ وہ نفوسِ قدسیہ، جن کے بارے میں بد دین سلمان رشدی روحِ مومن کو گھائل کرنے والے الفاظ استعمال کر رہا ہے، حقیقت میں ان کا مرتبہ کیا ہے۔ قرآن و احادیث میں ان کے کیا فضائل و مراتب مذکور ہیں۔ اور ان کی بارگاہ میں گالیاں بکنے والوں کا عند الشرع کیا حکم ہے۔

صحابی کی تعریف

تاجدارِ عرب و عجم، سید الانس والجان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب آفتابِ ہدایت بن کر اس خاکدانِ گیتی میں جلوہ گر ہوئے تو چالیس سال کی عمر پاک میں آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ اعلانِ نبوت سے لے کر آپ کی حیات ظاہری کے آخری لمحے تک جو بھی شخص دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گیا اور بحالت ایمان اس نے آپ کا دیدار کر لیا اور پھر ایمان کی حالت میں

اس نے اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا اسلام کی نگاہ میں وہ صحابی ہے"۔ تمام انسانوں میں انبیائے کرام کے بعد یہی وہ صحابۂ کرام ہیں جو سب سے زیادہ تعظیم و توقیر کے لائق ہیں۔ دراصل یہ وہ مقدس و مبارک ہستیاں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور تن من دھن سے اسلام کے آفاقی و ابدی پیغام کو دنیا کے ایک ایک گوشے میں پہنچانے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان مبارک ہستیوں نے ناموسِ رسالت کے تحفظ، پرچم اسلام کی سربلندی اور قرآن واحادیث کی تعلیمات کو تمام کرنے کی خاطر ایسی بے مثال قربانیاں دی ہیں کہ آج کے دور میں جن کا ایک آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے زیبا کی زیارت وہ عظیم سعادت ہے کہ دو جہان کی نعمتیں بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتیں۔ اور صحابۂ کرام تو وہ ہیں کہ جو آپ کی زیارت اور آپ کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے۔ پھر بھلا کوئی غیر صحابی خواہ کیسے ہی عظیم و جلیل منصبِ دینی و روحانی پر فائز ہو ایک صحابی کے مرتبے تک کیوں کر پہنچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس روئے زمین پر جب تک صحابۂ کرام کی جماعت کا ایک فرد بھی بقیدِ حیات رہا وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ تعظیم و تکریم کا مستحق سمجھا جاتا رہا۔۔۔ پوری امت مسلمہ ان حضرات کی زبردست دینی و ملی خدمات کی وجہ سے مرہونِ منت اور احسان مند ہے۔ اخلاص و تقویٰ، عدل وصدق اور حسنِ اخلاق میں تمام صحابہ اپنی مثال آپ ہیں اور ایک ہی درجہ میں ہیں۔ جیسا کہ اصولِ حدیث میں ہے اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ یعنی سب کے سب صحابہ عادل ہیں۔ البتہ علم و فضل، ایثار و قربانی اور ہجرت و نصرت کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔

صحابۂ کرام کا ذکر قرآن مجید میں

وہ نفوسِ قدسیہ جن کا ذکر مقامِ مدح میں قرآن مجید کے اندر موجود ہو۔ جن کے حسنِ عمل، حسنِ اخلاق اور حسنِ ایمان کی تعریف خود اللہ عزوجل نے فرمائی ہو، جن کے اوصافِ حمیدہ کا گواہ خود صحیفۂ ربانی ہو۔ جن کو مغفرت اور انعاماتِ اُخروی کا مژدہ اسی دنیا میں سنا دیا گیا ہو۔ بھلا ان کا گروہِ انسانی میں اور کون مدِ مقابل ہو سکتا ہے نیز ان کی رفعت و عظمت کا کیوں کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس مقام پر ایک صاحبِ عقل و خرد انسان ایسے شخص کے بارے میں خود فیصلہ کر سکتا ہے جو ان مقدس صحابہ کا گستاخ ہو۔ کیا ایسے شخص کی بددینی اور کور بختی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش بچتی ہے۔ ہرگز نہیں! اب آئیے دیکھیں کہ قرآن پاک کے سیپاروں میں کہاں کہاں اور کس کس عمدہ پیرائے میں ان نفوسِ قدسیہ کا ذکرِ جمیل موجود ہے۔

آیت ۱: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤ گے۔ میرے صحابہ کو گالی دینے والوں پر اللہ کی لعنت (احادیث)

رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح ۲۹)

• محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا۔ رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی — کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔ (کنزالایمان از فاضل بریلوی)

اللہ تبارک وتعالیٰ صحابۂ کرام سے راضی ہے اس مضمون کی آیت مبارکہ حسب ذیل ہے۔

آیت ۲ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (الفتح ۱۸-۱۹)

• بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے، تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا اور بہت سی غنیمتیں جن کو لیں اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

خداوند قدوس صحابۂ کرام کے ایفائے عہد کی تعریف فرما رہا ہے۔

آیت ۳ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب ۲۳)

• مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے۔

(کنزالایمان)

مہاجرین و انصار کو جنت کا مژدہ سنایا جا رہا ہے۔

آیت ۴ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْ

هُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (التوبہ ۱۰۰)

"اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" (کنزالایمان)

صحابۂ کرام کے دلوں کو اللہ عزوجل نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔

آیت ۵ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ (الحجرات ۳)

"بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔"

(کنزالایمان)

عظمتِ صحابہ احادیثِ طیبہ کی روشنی میں

کتبِ احادیث میں صحابۂ کرام کے جو فضائل و مناقب مذکور ہیں وہ بے حد و بے شمار ہیں۔ چند ارشاداتِ رسول قلم بند کئے جاتے ہیں جنہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور بارگاہِ خدا اور رسول میں اصحابِ رسول کی عظمت و رفعت کا پتہ چلتا ہے۔

حدیث ۱: "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے وہ

صحابہ کرام کی شان میں گستاخی و تبرا بازی حرام و لائقِ تعزیر ہے۔ اُسے قتل کیا جائے گا۔ اُس کی توبہ قابلِ قبول نہیں۔ صحابہ کرام کو گالیاں دینے کے بعد قانونِ اسلام کی رُو سے مرتد سلمان رشدی واجب القتل ہے۔

(ثواب کے اعتبار سے) صحابہ کے ایک مُد یا آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔" (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب الصحابہ)

حدیث ۲: "حضرت عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے حق میں اللہ سے ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ

سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے جس شخص نے ان کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔ اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔" (ایضاً)

حدیث ۳ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَآنِیْ ۔ "یعنی جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا یا جس نے مجھ کو دیکھنے والوں کو دیکھا۔"

حدیث ۴ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا۔" (ایضاً)

حدیث ۵ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میرے صحابہ کو گالی دینے والوں کو دیکھو تو کہو کہ تمہارے اس فعل بد پر اللہ کی لعنت ہو۔" (ایضاً)

حدیث ۶ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ "یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔" (ایضاً)

صحابۂ کرام کی فضیلت میں عبد اللہ بن مسعود کا قول مبارک

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فہمار صحابہ میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ ایک مقام پر صحابۂ کرام کی عظمت و فضیلت اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

اُولٰئِکَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَاَعْمَقَهَا عِلْمًا وَاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲)

"یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اصحاب اس امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں۔ ساری امت میں سب سے زیادہ ان کے دل نیکوکار، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا ان کے اعمال تکلف سے خالی، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چن لیا ہے۔ اس لئے تم لوگ ان کی فضیلت کو پہچانو۔"

صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی و تبرا بازی کا شرعی حکم

"شرح مسلم میں ہے کہ صحابہ کو برا کہنا حرام اور اکبر فواحش سے ہے اور ہمارا مذہب اور علمائے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان کو برا کہنے والا لائق تعزیر ہے اور کہا بعض مالکیہ نے کہ وہ قتل کیا جائے۔ اور حضرت قاضی عیاض نے کہا کہ صحابہ میں سے کسی کا برا کہنا کبائر سے ہے۔ اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ آدمی کو شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر

رضی اللہ عنہما) کو برا کہنے کے سبب قتل کیا جائے اور کتاب الاشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں ہے کہ جو کافر توبہ کرے پس اس کی توبہ دنیا اور آخرت میں مقبول ہے لیکن وہ شخص جو کافر ہوا نبی کو برا کہنے کے سبب سے یا شیخین کو برا کہنے کے سبب سے یا ان میں سے کسی ایک کو برا کہنے کے سبب سے یا سحر کے سبب سے یا زندقہ کے سبب سے تو اگرچہ وہ عورت ہو اس کی توبہ قبول نہیں، جبکہ پہلی توبہ کے بعد پکڑے جائیں۔ اور صاحب اشباہ زین بن نجیم نے کہا کہ شیخین کو برا کہنا اور ان پر لعنت کرنا کفر ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان پر فضیلت دے تو وہ مبتدع ہے۔"

الغرض! مذکورہ بالا قرآن پاک کی مقدس آیات، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول مبارک نیز فقہائے کرام کے ارشادات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ صحابہ کرام، خواہ وہ خلفاء راشدین ہوں یا عشرہ مبشرہ مہاجرین ہوں یا انصار سب کے سب عامۃ المسلمین کے لئے لائق صد تعظیم و تکریم ہیں۔ ان کے درمیان رونما ہونے والے بعض ناخوشگوار واقعات و اختلافات کا سہارا لے کر انہیں مطعون ٹھہرانا ہرگز ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔ وہ مجتہد تھے۔ مسائل میں اختلاف کرتے تھے۔ جس سے کسی کا نقص لازم نہیں آتا۔ کسی کی عدالت مجروح نہیں ہوتی۔ ان کی شان میں سوائے کلمۂ حسن اور کچھ نہ کہے۔ ان سے اگر کچھ خلافِ خیر منقول ہو تو چشم پوشی کرے کہ سلامتی اسی میں ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل اور ان کے بلند درجات و مراتب ایک مسلمان سے صرف اور صرف ادب و تعظیم کے متقاضی ہیں اگر کوئی ان کا ادب نہیں کرتا ہے۔ ان کی شان میں بے ہودہ گوئی کرتا ہے۔ سب و شتم سے کام لیتا ہے تو یقیناً فقہائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہا ہے اور اگر شیخین کو گالی دینے کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ سے دولتِ ایمان ہی گئی۔

منصب نبوت اور انبیاء کرام علیہم السلام

ملعون اکبر و مرتد اعظم سلمان رشدی نے اپنی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" میں اسلام کے عقیدۂ نبوت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ پر بھی بے حد رکیک اور قلوب کو گھائل کرنے والے حملے کئے ہیں. اس بد دین اور بدبخت شخص نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی ایک خاص صفت "عصمت" پر وار کرنے میں اپنا پورا زور قلم صرف کر ڈالا ہے. اللہ عز و جل کے ان مقدس اور لائق صد تعظیم و توقیر بندوں کے حق میں بدبخت شیطان رشدی نے جو گستاخیاں کی ہیں اور ان کو مغلظات گالیاں دی ہیں انہیں نقل کرنا ممکن نہیں ہے ــــ الغرض! شیطانی آیات کے شیطان صفت مصنف نے اپنی اس رکیک و ذلیل حرکت سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو جس بری طرح مجروح کیا ہے اور پوری دنیا کے پڑھے لکھے طبقہ کو اسلام سے بدظن اور گمراہ کرنے کی جس طرح ناپاک کوشش کی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اسلام کے عقیدۂ نبوت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت و عصمت کو قرآن و احادیث اور حقائق کی روشنی میں اس قدر واضح کر دیا جائے کہ شیطان رشدی کا بت بندار پارہ پارہ ہو کر فضائے بسیط میں اس طرح بکھر جائے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے.

منصب نبوت کی حقیقت

اسلامی عقیدے کے مطابق نبوت اللہ عز و جل کا عطا کردہ ایک عظیم منصب ہے. اللہ عز و جل جس منتخب بندے کو چاہتا ہے یہ منصب تفویض فرماتا ہے اس میں کسب کا کوئی دخل

نہیں، جس بلند رتبہ انسان کو منصب نبوت عطا کیا جاتا ہے اس کو نبی یا پیغمبر کہتے ہیں۔ ایک نبی کے لئے ضروری ہے کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہو۔ دراصل "وحی" ہی ایک نبی اور غیر نبی میں خط امتیاز کھینچنے والی ہے۔ چنانچہ آیت ذیل میں اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ

(الکہف ۱۰۹)

"تم فرماؤ! ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے!" (کنزالایمان)

نبوت کی ایک اہم اور بنیادی شرط معجزہ ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ نبوت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، نبوت کے لئے معجزہ شرط ہے اور یہی نبوت کی فصل و تمیز ہے۔"

چونکہ نبی پر "وحی" کا آنا آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اس لئے کچھ علماء نے معجزہ کو شرط نبوت مانا ہے جب کہ کچھ دیگر علماء نے اعمال صالحہ اور ایمان ویقین کو شرط نبوت مانا ہے۔ امام فخرالدین رازی تحریر فرماتے ہیں:

ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور یہ مذہب قدیم کا طریقہ ہے اور دنیا کے تمام مذاہب اس کے قائل ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ صحیح عقائد اور اعمال چیز کیا ہیں اس امر کے متحقق ہو جانے کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے اور یہ بھی نظر آئے کہ اس کی بات لوگوں کو باطل سے حق کی طرف لانے میں نہایت قوی اثر رکھتی ہے تو ہم کو یقین ہو جائے گا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس پر بہت کم شبہے وارد ہوتے ہیں۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں نبوت کی حقیقت اور اس کے خواص پر پورے ایک باب میں بحث کی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ تحریر کرتے ہیں۔

"جب حکمت الٰہی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی معظم کو یعنی نبی کو، لوگوں کی طرف بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور بندوں پر اللہ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں، ملاء اعلیٰ کو اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرماں برداروں سے خوش ہو کر ان کے شریک رہیں اور جو اس کی مخالفت کرے اور عداوت سے پیش آئے اس پر لعنت کریں اور اس سے علیحدگی اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے۔ ان پر اس کی اطاعت واجب کرتا ہے ایسا شخص نبی ہوتا ہے ـــــ"

(حجۃ اللہ البالغہ ج ا، ص ۲۰۸)

منقذ من الضلال میں امام غزالی لکھتے ہیں:

"نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ جو عقل سے بالاتر ہے اور جس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے

وہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں جن سے عقل بالکل محروم ہے، جس طرح سامعہ، رنگ اور ادراک سے بالکل معذور ہے۔"

مشہور عالم حضرت علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:
"نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور ان کو فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے، نہ کسی علت کی وجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کی وجہ سے۔ اللہ ان کو علم سکھاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے، اور یہ اسی طرح کی بات ہے جس طرح ہم لوگ خواب میں کچھ دیکھتے ہیں اور وہ صحیح نکل آتا ہے۔"
(الملل والنحل، ص ۱۷)

اور صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی قادری اعظمی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:
"نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو، اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصے تک نہیں پہنچ سکتی۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔"
(بہار شریعت حصہ اول، ص ۱۳)

ان تمام خیالات و عبارات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبوت ایک عطیۂ خداوندی ہے۔ ایک نبی اور غیر نبی میں یہ فرق ہے کہ نبی پر براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے "وحی" نازل ہوتی ہے۔ اور اس کے تمام اعمال و اقوال اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت ہوتے ہیں۔

اسلامی نظریۂ نبوت اور یہودی نظریۂ نبوت میں فرق

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے مختصراً اسلامی نظریۂ نبوت کو تحریر کیا ہے، اس کے ساتھ جب ہم بائبل (عہد نامۂ عتیق) میں یہودی نظریۂ نبوت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں یہودیوں کے (خود ساختہ) خواص نبوت پر از حد تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے "نبوت" کے اس پاکیزہ معظم اور محترم منصب کو بگاڑ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اس عظیم منصب کی تقدس مآبی کو اپنے غلط و بے بنیاد افکار و خیالات سے داغدار کیا ہے۔ انبیاء کرام سے متعلق بائبل کے کچھ خاص خاص اقتباسات طوعاً و کرہاً مندرجہ ذیل سطور میں درج کیے جاتے ہیں۔

خدا بادشاہ ابی ملک سے خواب میں کہتا ہے:۔
"اب تو اس مرد کی بیوی کو واپس کر دے کیونکہ وہ (ابرہام) نبی ہے اور وہ تیرے لئے دعا کرے گا۔" (پیدائش، باب ۲۰، ۷)

• پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا میں نے تجھے فرعون کے لئے خدا ٹھہرایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا۔"

(خروج باب ۷: ۱)

• تب موسیٰ نے...... قوم کے بزرگوں میں سے ستر شخص اکٹھا کر کے ان کو خیمہ کے اردگرد کھڑا کر دیا تب خداوند ابر میں ہو کر اترا اور اس نے موسیٰ سے باتیں کیں اور اس روح میں سے جو اس میں تھی کچھ لے کر اسے ان ستر بزرگوں میں ڈالا۔ چنانچہ..... وہ یعنی (ستر بزرگ) نبوت کرنے لگے..... ان میں سے دو شخص لشکر گاہ ہی میں رہ گئے۔ ایک کا نام الداد اور دوسرے کا میداد تھا..... یہ خیمہ کے پاس نہیں گئے' اور لشکر گاہ ہی میں نبوت کرنے لگے سو موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے چنے ہوئے جوانوں میں سے تھا موسیٰ سے کہا اے میرے مالک موسیٰ تو ان کو روک دے موسیٰ نے اسے کہا کیا تجھے میری خاطر رشک آتا ہے؟ کاش خداوند کے سب لوگ نبی ہوتے اور خداوندا اپنی روح ان سب میں ڈالتا۔"

(گنتی باب ۱۱: ۲۴-۲۹)

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا...."

(استثناء باب ۱۸: ۱۷-۱۸)

"اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے رُو برو باتیں کیں نہیں اٹھا۔"

(استثناء۔ باب ۳۴: ۱۰)

"اور سب بنی اسرائیل نے دان سے بیر سبع تک جان لیا کہ سموئیل خدا کا نبی مقرر ہوا۔"

(۱۔ سموئیل باب ۳: ۲۰)

"..... کیونکہ جس کو اب نبی کہتے ہیں اس کو پہلے غیب بین کہتے تھے۔"

(۱۔ سموئیل باب ۹: ۹)

"ایک غیر ملکی چڑھائی کے موقع پر نبی سموئیل نے قیش کے لڑکے ساؤل کو بادشاہ بنایا اور اس کو کہیں جانے کے لئے کہا اس موقع پر انہوں نے کہا: "اور بعد اس کے تو خدا کے پہاڑ کو پہنچے گا۔ جہاں فلستیوں کی چوکی ہے اور جب تو وہاں شہر میں داخل ہوگا تو نبیوں کی ایک جماعت جو اونچے مقام سے اترتی ہوگی تجھے ملے گی اور ان کے آگے ستار اور دف اور بانسلی اور بربط ہوں گے اور وہ نبوت کرتے ہوں گے۔ تب خداوند کی روح تجھ پر زور سے نازل ہوگی اور تو ان کے ساتھ نبوت کرنے لگے گا اور بدل کر اور ہی آدمی ہو جائے گا۔"

(۱۔ سموئیل۔ باب ۱۰: ۵-۶)

• اور خداوند کی طرف سے ایک بری روح

مرتدِ اعظم رشدی نے اپنی ناپاک کتاب "شیطانی آیات" میں عصمتِ انبیاء پر رکیک حملے کر کے دنیا کے پڑھے لکھے طبقے کو اسلام سے بدظن اور گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن "ایمانی آیات" نے منھ توڑ اور دندان شکن جواب پیش کر کے اس کی خباثت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

ساؤل پر جب وہ اپنے گھر میں اپنا بھالا اپنے ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا بڑھ گئی اور داؤد ہاتھ سے بجا رہا تھا۔ اور ساؤل نے چاہا کہ داؤد کو دیوار کے ساتھ بھالے سے چھید دے پر وہ ساؤل کے آگے سے ہٹ گیا اور بھالا دیوار میں جا گھسا اور داؤد بھاگا اور اس رات بچ گیا۔ اور ساؤل نے داؤد کے گھر پر قاصد بھیجے کہ اس کی تاک میں رہیں اور صبح کو اس کو مار ڈالیں اور داؤد بھاگ کر بچ نکلا اور رامہ میں سموئیل کے پاس آکر جو کچھ ساؤل نے اس سے کیا تھا سب اس کو بتایا۔ تب وہ اور سموئیل دونوں نیوت میں جا کر رہنے لگے۔ اور ساؤل کو خبر ملی کہ داؤد رامہ کے بیچ نیوت میں ہے۔ اور ساؤل نے داؤد کو پکڑنے کے لئے قاصد بھیجے اور انہوں نے جو دیکھا کہ نبیوں کا گروہ نبوت کر رہا ہے اور سموئیل ان کا پیشوا بنا کھڑا ہے تو خدا کی روح ساؤل کے قاصدوں پر نازل ہوئی اور وہ بھی نبوت کرنے لگے۔ اور جب ساؤل تک یہ خبر پہنچی تو اس نے اور قاصد بھیجے اور وہ بھی نبوت کرنے لگے اور ساؤل نے پھر تیسری بار اور قاصد بھیجے اور وہ بھی نبوت کرنے لگے۔ تب وہ آپ رامہ کو چلا اور اس بڑے کنوئیں پر جو سیکو میں ہے پہنچ کر پوچھنے لگا کہ سموئیل اور داؤد کہاں ہیں؟ اور کسی نے کہا کہ دیکھو وہ رامہ کے بیچ نیوت میں ہیں۔ تب وہ ادھر رامہ کے نیوت کی طرف چلا اور خدا کی روح اس پر بھی نازل ہوئی اور وہ چلتے چلتے نبوت کرتا ہوا رامہ کے نیوت میں پہنچا۔ اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتار ڈالے اور وہ بھی سموئیل کے آگے نبوت کرنے لگا اور اس سارے دن اور ساری رات ننگا پڑا رہا۔ اسی لئے یہ کہاوت چلی کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟"

(عاموس۔ باب ۷، ۱۴)

نبی عاموس نے کہا "تب عاموس نے امصیاہ کو جواب دیا کہ میں نہ نبی ہوں نہ نبی کا بیٹا ..."

(عاموس۔ باب ۷: ۱۴)

"سلاطین میں بیان ہے کہ ایک بوڑھے نبی نے خدا کی نافرمانی کی اور ایک شیر نے اسے پھاڑ دیا۔"

(۱۔سلاطین۔ باب ۱۳: ۱۱۔ ۲۴) "تب خداوند نے مجھے فرمایا کہ انبیاء میرا نام لے کر جھوٹی نبوت کہتے ہیں۔ میں نے نہ ان کو بھیجا اور نہ حکم دیا اور نہ ان سے کلام کیا وہ جھوٹی رویا اور جھوٹا علم غیب اور بطالت اور اپنے دلوں کی مکاری نبوت کی صورت میں تم پر ظاہر کرتے ہیں۔"

(یرمیاہ۔ باب ۱۴: ۱۴)

مندرجہ بالا سطور میں نمونے کے طور پر صرف چند اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔ بائبل میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جن کو پڑھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ ایک قاتل، ایک شرم و حیا سے عاری ننگا انسان اللہ کا نافرمان، ایک جھوٹا اور یہاں تک کہ ایک ایسا شخص بھی اللہ کا نبی ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نہ نبی ہوں نہ نبی کا بیٹا۔"

اس کے بالمقابل قرآن کے مطابق نبی ایک بہت ہی متقی، پرہیزگار اور اللہ کا فرماں بردار انسان ہوتا ہے جو معصوم ہوتا ہے اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور اللہ کے پیغامات و احکامات یا تو فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست اس کو بھیجے جاتے ہیں۔ یہ پیغامات کبھی کبھی ایک جدید شریعت کی شکل میں نازل ہوتے ہیں (جن کو وصول کرنے والا شرف نبوت کے ساتھ ساتھ منصب رسالت سے بھی سرفراز ہوتا ہے) کبھی کبھی کسی رسول کے ذریعہ پرانی

نازل شدہ شریعت یا کتاب منسوخ کردی جاتی ہے اور اس کی جگہ اس کو ایک جدید شریعت یا کتاب عطا کی جاتی ہے جو حضرات صرف منصب نبوت سے ہی سرفراز ہوتے ہیں (اور رسالت سے نہیں) وہ حضرات پچھلی نازل شدہ شریعت یا کتاب کی ہی پیروی کرتے ہیں اور اسی کی تبلیغ کرتے ہیں حالانکہ رسول کا مرتبہ نبی سے بڑا ہوتا ہے لیکن نفس نبوت کی وجہ سے وہ سب باعث احترام و اکرام ہوتے ہیں اور معزز و معظم ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے خصائص

عالم انسانیت میں اسلامی نقطۂ نظر سے ایک نبی سب سے زیادہ محترم، مشرف اور معظم شخصیت کا حامل ہوتا ہے، وہ روئے زمین پر اللہ عز و جل کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کا ہر قول و عمل اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تابع ہوتا ہے۔ وہ اخلاق رذیلہ سے پاک اور اخلاق فاضلہ سے مزین ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی چند اہم خصوصیات کو دائرۂ تحریر میں لاتے ہیں جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں انبیائے کرام علیہم السلام کے مراتب و درجات کیا ہیں اور ان کی بارگاہ میں دریدہ دہنی و گستاخی کرنے والا اللہ عز و جل کے کس قدر قہر و غضب کا مستوجب و سزاوار ہے۔

۱۔ عصمت

انبیاء کرام علیہم السلام کی سب سے اہم خصوصیت ان کی عصمت ہے۔ عصمت کا مطلب ہے "گناہوں سے حفاظت" (یا گناہوں سے بچنے کا ملکہ) اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہر نبی معصوم ہوتا ہے یعنی اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام پر اللہ عز و جل کی محافظت میں ہونے کے باعث شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ وہ شیطانی مکر و فریب سے ہر طرح محفوظ و مامون ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۶۵)

"بے شک جو میرے بندے ہیں (نیک مخلص انبیاء اور اصحاب فضل و صلاح) ان پر تیرا (شیطان کا) کچھ قابو نہیں، اور تیرا رب کافی ہے بنانے کو۔" (کنز الایمان)

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝

(النحل: ۹۹-۱۰۰)

"بے شک اس کا (شیطان کا) کوئی قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا قابو تو انہیں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اسے شریک ٹھہراتے ہیں" (کنز الایمان)

جو متقی اور پرہیز گار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ خود ان کی شیطان سے حفاظت فرماتا ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝

(النحل: ۱۲۷-۱۲۸)

"اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان کا غم نہ کھاؤ اور ان کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو۔ بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔" (کنزالایمان)

شیاطین کا بس تو بدکرداروں اور نافرمانوں پر اترتا ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝ (الشعراء: ۲۲۱ تا ۲۲۳)

"کیا میں تمہیں بتادوں کہ کس پر اترتے ہیں شیطان۔ اترتے ہیں ہر بڑے بہتان والے گنہگار پر۔ شیطان اپنی سنی ہوئی ان پر ڈالتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام ہر قسم کے گناہ سے محفوظ و مامون رہتے ہیں اس لئے وہ انسانوں کے لیے رہنما ہوتے ہیں جو ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ وہ بہت ہی متقی اور پرہیز گار ہوتے ہیں۔ اور برائی وگناہ سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ قرآن کریم انبیاء کرام کی بے مثال امامت و قیادت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۝

(الانبیاء: ۷۳)

"اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز برپا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری بندگی کرتے تھے۔

ان کی پاکبازی، تقویٰ اور محبوبیت ومقبولیت کی وجہ سے اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر سلام بھیجا جاتا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝

(الصّٰفّٰت: ۱۸۱)

"اور سلام ہے پیغمبروں پر۔

(کنزالایمان)

زیر آیت تفسیر خزائن العرفان میں ہے "انسانی مراتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خود کامل ہو اور دوسروں کی تکمیل کرے یہ شان انبیاء کی ہے علیہم الصلاۃ والسلام تو ہر ایک پر ان حضرات کا اتباع اور ان کی اقتداء لازم ہے"۔ (خزائن العرفان ص ۶۵۵)

عقیدہ ۱۵: "نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں، اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی و بد دینی ہے عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو لیا جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے ان سے گناہ ہوتا نہیں مگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔"

(بہار شریعت حصہ اول ص ۱۳، ۱۴)

۲۔ حکمت

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری جو اہم نعمت عطا کی جاتی ہے وہ حکمت ہے۔ دوسرے تمام انسانوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے ان مقدس بندوں کے اندر علم و حکمت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام عام مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ عمومی طور پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ؕ (آل عمران: ۸۱)

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔" (کنز الایمان)

کچھ انبیائے کرام کا نام لے کر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔ مثلاً آل ابراہیم کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

رشدی مردود نے انبیاء کرام پر عیب لگائے ہیں اُسے نہیں معلوم کہ انبیائے کرام بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ خود انکی شیطان سے حفاظت فرماتا ہے (القرآن)

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ۝ (النساء: ۵۴)

"تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔" (کنز الایمان)

اور نبی آخر الزمان، سرور انس و جان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ارشاد خداوندی ہے ملاحظہ ہو۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ
اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج
(آل عمران ۱۶۴)

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔"
(کنز الایمان)

ایسے ہی حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں سورۂ ص آیت ۲۰ میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سورۂ الزخرف آیت ۶۳ میں و دیگر آیات مبارکہ میں ارشاد ربانی ہے کہ اللہ عز و جل نے نہیں حکمت عطا فرمائی۔ الغرض انبیاء کرام علیہم السلام کے اندر حکمت و دانائی کا وصف اس درجہ کمال کو پہنچا ہوتا ہے کہ جہاں تک عام انسان کا طائرِ وہم و خیال بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔

۲۔ علم اور قوتِ فیصلہ

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اہم ترین کمال علم اور صحیح قوتِ فیصلہ مرحمت کیا جاتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ علم "وحی" کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے اسی طرح ان کو عطا کی گئی صحیح قوتِ فیصلہ بھی وہبی ہوتی ہے۔ یہ علم مخصوص اور صحیح تر قوتِ فیصلہ ان کو خاص طور پر اس وجہ سے عطا کی جاتی ہے تا کہ ان سے مختلف معاملات کو طے کرنے اور فرائض نبوت کو ادا کرنے میں کوئی غلطی و کوتاہی سرزد نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مختلف سورتوں میں ارشاداتِ خداوندی موجود ہیں۔ ذیل میں ایک آیتِ کریمہ تحریر کی جاتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ
اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ج (الانعام ۹۰)

"یہ (انبیاء کرام) ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم (قوتِ فیصلہ) اور نبوت عطا کی۔" (کنز الایمان)

دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح قوتِ فیصلہ بدرجۂ اتم عطا ہوئی تھی۔ جس کو قرآن مجید میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ
(النساء ۱۰۵)

"اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔"
(کنز الایمان)

یہی وجہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو بے چون و چرا قبول کریں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلۂ مبارکہ کے بعد پھر ان کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا
مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ
لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ
وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (الاحزاب ۳۶)

" اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔" (کنزالایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ صدق دل سے تسلیم کر لینے والے ہی آخرت میں فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥

(النور: ۵۱)۔

" مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہونچے۔ (کنزالایمان)

۴۔ نبوت وہبی ہے

نبوت کے سلسلے میں اسلام کا ایک بنیادی واساسی عقیدہ یہ ہے کہ "نبوت" وہبی ہے کسبی نہیں۔ یعنی "نبوت" اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عطیہ ہے اور کوئی شخص اس کو اپنے کسب، تجربہ اور علم وغیرہ کی بنیاد پر حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں خود قرآن پاک ناطق ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (الانعام: ۱۲۵)

" اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔" (کنزالایمان)

اس آیت کے تحت حضرت صدرالافاضل سید شاہ محمد نعیم الدین محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

" یعنی اللہ جانتا ہے کہ نبوت کی اہلیت اور اس کا استحقاق کس کو ہے کس کو نہیں، عمر و مال سے کوئی مستحق نبوت نہیں ہو سکتا اور یہ نبوت کے طلب گار تو حسد، مکر، بدعہدی وغیرہ قبائح افعال اور رذائل خصائل میں مبتلا ہیں یہ کہاں اور نبوت کا منصب عالی کہاں۔" (خزائن العرفان ص ۲۰۸)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥ (الجمعہ: ۴)

" یہ (پیغمبری) اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔" (کنزالایمان)

۵۔ بشریت

حضرات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں اسلام کا یہ بھی ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشر (انسان) تھے۔ البتہ وہ ایسے بشر ہوتے ہیں، جن سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔ جو اعلیٰ ترین اخلاق پر فائز ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار و مطیع ہوتے ہیں۔ اور خود جن کی اطاعت و بندگی، تعظیم و توقیر اور الفت و محبت عام انسانوں پر فرض عین ہوتی ہے۔ اور ان کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس نوع کی متعدد آیات کریمہ موجود ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں ؎

۱۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

(ابراہیم: ۱۱)

• ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

(کنزالایمان)

۲۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(بنی اسرائیل: ۹۳)

• تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔ (کنزالایمان)

۳۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(الکہف: ۱۱۰)

• تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے۔

• کہ مجھ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں، اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن و صورت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا اور حقیقت روح و باطن کے اعتبار سے تو تمام انبیاء اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں جیسا کہ شفاء قاضی عیاض میں ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام و ظواہر تو حد بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح و بواطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبۂ انوار حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو۔ بہرحال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لئے حکم فرمایا گیا۔ یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (خازن)"

(خزائن العرفان ص ۴۴۱)

الحاصل! انبیاء کرام علیہم السلام کے دو رخ ہوئے ایک طرف تو وہ دائرۂ بشریت کے اندر انسانوں کی طرح چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور شادی بیاہ وغیرہ کرتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور وصال فرماجاتے ہیں لیکن دوسری طرف یہ حضرات اپنی روحانیت، بے گناہی، پاک دامنی معصومیت اور دیگر خواص نبوت و رسالت میں عام انسانوں سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں یہ مذہب اسلام کا امتیاز ہے کہ اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہ تو یہودیوں کی طرح ایک

معمولی انسان سمجھا اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح ان میں الوہیت کی صفات ثابت کیں بلکہ یہ بتایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کو وصول کر کے اس کے پیغام کو عام انسانوں تک پہنچاتے ہیں اس طرح تعلق مع اللہ میں وہ تمام دیگر انسانوں سے بلند تر اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی شان میں گستاخی عام انسانوں کے حق میں کی گئی گستاخی جیسی نہیں ہوتی بلکہ یہ گستاخی اہانت یا سب و شتم ایسی ہے گویا کہ اس کی شان میں کی گئی ہو جس کے وہ رسول اور پیغامبر ہیں۔

شیطان رشدی مستحق قتل ہے

امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول یعنی بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی سزا قتل ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے شاتم رسول کی سزائے قتل پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

واجتمعت الامۃ علی
قتل منتقصہ من المسلمین
وسابہ۔

(الشفاء جلد ۲، ص ۱۱)

"مسلمانوں میں سے رسول اللہ کی شان اقدس میں گستاخی کرنیوالے اور تنقیص کرنے والے کے قتل پر امت کا اجماع ہو چکا ہے"

اب رہا یہ امر کہ مرتد عن الاسلام کو قتل کرنے کی ذمہ داری کس پر ہے؟ تو اس سلسلے میں شاتم رسول سلمان رشدی کے قضیے میں ایک علمی بحث یہ اٹھتی ہے کہ مرتد عن الاسلام کو قتل کرنے کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہ ذمہ داری امام اور اولوالامر کی ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح فرما دی ہے کہ ایک عام آدمی بھی مرتد کو قتل کر دے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وہ پہلے ہی مہدور الدم ہو چکا تھا۔

وان قتلہ احد بغیر اذن
الامام لاشئ علیہ لزوال
عصمتہ بالردۃ۔

(بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۳۴)

"اگر امام کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اسے قتل کر دے تو اس پر کچھ ضمان نہیں کیونکہ ردت کی وجہ سے اس کی عصمت زائل ہو چکی تھی"

فان قتلہ غیرہ بغیر
اذنہ عذر۔

(المہذب جلد ۲، ص ۲۳۲)

"اگر کسی غیر امام نے اس کی اجازت کے بغیر اسے قتل کر دیا تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔"

غرضیکہ اسلام نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اتنی عظمت و توقیر کی ہے کہ ان کی شان اقدس میں توہین و اہانت اور سب و شتم کے مرتکب سزائے قتل دی ہے۔ مرتد سلمان رشدی اسلام کے اسی اصول کے تحت قتل کی سزا کا مستحق ہے

ملعون سلمان رشدی کا حملہ

ملائکہ مقربین کی ذواتِ مقدسہ پر

ملائکہ علیہم السلام

مرتدِ اعظم و ملعونِ اکبر سلمان رشدی نے اپنے بدنام زمانہ اور دلآزار کتاب "شیطانی آیات" میں نہ صرف انبیاء و مرسلین اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ علیہم السلام کی شان میں گستاخی و اہانت اور گالم گلوچ کیا ہے بلکہ اس کے زہر آلود اور مردود قلم کی زد سے ملائکہ بھی محفوظ نہیں رہے ہیں۔ یوں تو سلمان رشدی نے تمام ہی فرشتوں کے حق میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن اس نے حاملِ وحی، سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی شان میں جو بے ہودہ گوئی اور سب و شتم کیا ہے کوئی بھی مہذب انسان اسے نقل کرنا بھی پسند نہ کرے گا۔ چونکہ گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا جا سکتا اس لئے سلمان رشدی کی گالیوں کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر فرشتوں سے متعلق اسلامی عقائد کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح طور پر بیان کر دیا جائے نیز حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے فضائل و مراتب بھی بیان کر دئے جائیں تاکہ ملائکہ اور حضرت جبرئیل امین علیہم السلام سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ملائکہ کے وجود سے انکار کرنے والوں یا ان کی اہانت کرنے والوں کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔

فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے

توحید، رسالت، صحائف آسمانی، یوم آخرت، تقدیر، مرنے کے بعد اُٹھنے وغیرہ امور پر ایمان لانا جس طرح اسلام کے بنیادی عقائد میں داخل ہے۔ وہیں ملائکہ کے وجود پر ایمان لانا بھی اسلامی نقطۂ نظر سے لازم و ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا

وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ

(البقرہ، ۱۷۷)

"کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر" (کنزالایمان)

فرشتوں پر ایمان لانے سے متعلق ایک اور آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ

کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا، تیری معافی ہو اے رب ہمارے! اور تیری ہی طرف پھرنا ہے" (کنزالایمان)

فرشتوں کا انکار کفر ہے

مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں داخل ہے اب ذیل میں وہ آیت کریمہ نقل کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کے وجود سے انکار کرنا یا کسی بھی فرشتہ پر ایمان نہ لانا یا ان سے

بدعقل ملعون سلمان رشدی نے فرشتوں کی شان میں بد ترین قسم کی گالیاں دی ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کے بموجب رشدی واجب القتل ہے

اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

(البقرہ ۲۸۵)

"رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا، اور ایمان والے، سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو، یہ

مقدس فرشتوں میں سے کسی کا نام لے کر انکار کرنا یا ان کی شان میں گستاخی کے کلمات استعمال کرنا جن کے اسماء گرامی قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ گمراہی اور کفر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا

(النساء، ۱۳۶)

"اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو، تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا" (کنزالایمان)

شرح العقیدۃ الطحاویہ میں ہے۔
فَاِنَّ الْاِیْمَانَ بِالْمَلَائِکَۃِ اَحَدُ الْاُصُوْلِ الْخَمْسَۃِ الَّتِیْ ھِیَ اَرْکَانُ الْاِیْمَانِ۔
(شرح العقیدۃ الطحاویہ مجاویہ من علماء بیروت ۱۳۹۱ھ ص ۲۲۶)
"فرشتوں پر ایمان لانا ان پانچ اصولوں میں سے ایک ہے جو ارکان ایمان ہیں"
کائنات کے جملہ امور کی تدبیر بحکم خداوندی یہی فرشتے انجام دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں شرح العقیدۃ الطحاویہ کی ہی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔
"جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کے مؤکل ہیں، اس جہاں میں جتنی بھی حرکات وسکنات ہوتی ہیں وہ فرشتوں ہی سے شروع ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا۔ (النزعات ۷۹)
فَالْمُقَسِّمَاتِ اَمْرًا۔ (الذاریات ۵۱)
(شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۲۳۵-۲۳۶)

فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟

فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اور انہیں کیا کیا خدمات سپرد ہیں۔؟ اس سلسلہ میں علماء کرام نے کتب عقائد میں بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔

فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ حکمائے یونان ان کو جواہر مجردہ مانتے ہیں لیکن ارباب مذاہب کے نزدیک وہ اجسام لطیفہ ہیں کہ جن کا جسم نہ عنصری ہے اور نہ حسی۔ بلکہ ایک اور خاص قسم کا لطیف جسم ہے جو بمنزلہ ارواح کے ہے اور جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے، اصل یہ ہے کہ عقل سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں جو حوادث و واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان کے علل واسباب جس طرح مادی ہوتے ہیں اسی طرح غیر مادی بھی ہوتے ہیں اور ان دونوں قسم کے اسباب وعلل کے توافق سے ہی حوادث کا ظہور ہوتا ہے۔ بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایک واقعہ کے ظہور میں . . . . آنے کے لئے جتنے مادی اسباب درکار ہوتے ہیں وہ سب ہی بکمال قوت موجود اور فراہم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود مسبب کا ظہور نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے کہ کارکنان قضا وقدر کو یہ منظور نہیں، بس یہی وہ کارکنان قضا وقدر یا حوادث و واقعات کے غیر مادی اسباب وعلل ہیں جن کو مذہب کی زبان میں فرشتہ کہتے ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت کیا ہے؟ عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ جس طرح ہم خدا کے وجود، اس کی ذات و صفات کا یقین رکھتے ہیں، روح کا وجود ہم کو معلوم ہے، اس کا وجود ہونا مسلم ہے، مریخ اور بعض سیاروں میں آبادیوں کا ہونا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان کی منطقی تعریف کیا ہوگی؟ عقل اب تک ان کے بتانے سے عاجز اور درماندہ رہا ہے۔ بس اسی طرح وہ فرشتوں کی حقیقت و ماہیت کا تعین اور ان کی ذاتیات کا تشخص نہیں کرسکتی اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ سرے سے ان کا وجود ہی نہیں ہے"
(کتاب دینیات مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۹۰ء ص ۱۳۰،۱۳۱)
الغرض! ایک مسلمان کو فرشتوں سے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اس کی تفصیل مستند و معتبر کتب عقائد کی روشنی میں صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی صاحب اعظمی قادری قدس سرہٗ

یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"فرشتے اجسام نوری ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں کبھی وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں ــــ وہ وہی کرتے ہیں جو حکم الٰہی ہے۔ خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے نہ قصداً نہ سہواً نہ خطاءً۔ وہ اللہ کے معصوم بندے ہیں۔ ہر قسم کے صغائر و کبائر سے پاک ہیں ــــ ان کو مختلف خدمتیں سپرد ہیں، بعض کے ذمہ حضرات انبیائے کرام کی خدمت میں وحی لانا، کسی کے متعلق پانی برسانا کسی کے متعلق ہوا چلانا، کسی کے متعلق روزی پہنچانا کسی کے ذمہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی صورت بنانا کسی کے متعلق بدنِ انسان کے اندر تصرف کرنا، کسی کے متعلق انسان کی دشمنوں سے حفاظت کرنا، کسی کے متعلق ذاکرین کا مجمع تلاش کر کے اس میں حاضر ہونا، کسی کے متعلق انسان کے نامۂ اعمال لکھنا، بہتوں کا دربارِ رسالت میں حاضر ہونا کسی کے متعلق سرکار میں مسلمانوں کی صلاۃ وسلام پہنچانا، بعضوں کے متعلق مردوں سے سوال کرنا، کسی کے ذمہ قبضِ روح کرنا، کسی کے متعلق صور پھونکنا اور ان کے علاوہ اور بہت سے کام ہیں جو ملائکہ انجام دیتے ہیں ــــ فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت ــــ ان کو قدیم جاننا یا خالق جاننا کفر ہے ــــ ان کی تعداد وہی جانے جس نے ان کو پیدا کیا اور اس کے بتائے سے اس کا رسول ــــ چار فرشتے بہت مشہور ہیں ــــ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں ــــ کسی فرشتے کے ساتھ ادنیٰ گستاخی کفر ہے ــــ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا مبغوض کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آ گیا یہ قریب بکلمۂ کفر ہے ــــ فرشتوں کے وجود کا انکار یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں، یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔"

(بہارِ شریعت، حصہ اول، ص ۲۴)

فرشتے احکامِ الٰہیہ کے تابع و فرماں بردار ہوتے ہیں اس کا ثبوت قرآن سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

> فرشتے اللہ کے معصوم بندے ہیں بعض کے ذمہ انبیائے کرام پر وحی لانا۔ کسی کے متعلق پانی برسانا۔ روزی پہنچانا ماں کے پیٹ میں بچے کی صورت بنانا۔ بدن انسان کے اندر تصرف کرنا نامۂ اعمال لکھنا۔ حضور کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام پہنچانا۔ روح قبض کرنا صور پھونکنا۔ وہ وہی کرتے ہیں جو حکم الٰہی ہے (بہارِ شریعت)

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (سجدہ)

(النحل ۴۹، ۵۰)

• اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے اور فرشتے اور وہ غرور نہیں کرتے۔ اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہو۔

(کنزالایمان)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ٥

(التحریم، ٦)

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت کرّے فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)۔

ان دونوں آیات میں فرشتوں کی جن صفات کا تذکرہ ہے ان سے یہ کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی ایک مخلوق ہیں جو حد درجہ مطیع فرماں بردار، قوی اور زور آور ہیں۔ جو مجرموں اور نافرمانوں پر رحم کرنا جانتے ہی نہیں اور کوئی ان سے مزاحمت پر قادر نہیں۔ وہ کسی بھی حال میں اللہ کے احکام سے روگردانی اور سرکشی نہیں کرتے۔ ان آیات میں یہود و نصاریٰ کے اس باطل عقیدے کا رد بھی ہے کہ بعض فرشتے نافرمان و سرکش بھی ہوئے ہیں، جن کا سرغنہ ابلیس ہوا ہے۔

حامل وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام

حامل وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام سید الملائکہ اور مقرب بارگاہ خداوندی ہیں۔ فرشتوں میں آپ کو جو جلیل القدر مرتبہ حاصل ہے وہ کسی اور کو کہاں نصیب، آپ کو اللہ عزوجل کی وحی کو انبیائے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إنما بعثت معلما

کرام و رسولان عظام تک پہنچنے کی عظیم ذمہ داری سپرد تھی۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی آپ اسی فرض منصبی کی بجا آوری کے لئے وحی خداوندی لاتے رہے۔ جس کے باعث یہودی آپ کے دشمن ہو گئے اور یہودیوں ہی کی پیروی میں مردود مسلمان رشدی بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہو گیا۔ اور ان کی شان میں بھی اپنی بدباطنی کے تحت بے ہودہ گوئی و دریدہ دہنی سے باز نہ آیا۔ اور اسے ذرا بھی اس کا خیال نہ آیا کہ وہ کس سے عداوت کرنے جا رہا ہے۔ اس سے، جس سے عداوت اور کدورت رکھنے والوں کی خود احکم الحاکمین نے مذمت کی ہے۔ اور جس کے دشمن کو خود اللہ عزوجل نے اپنا دشمن قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ

اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(البقرہ، ۹۷)

• تم فرما دو، جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہوا تو اس (جبرئیل) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اُتارا، اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت وبشارت مسلمانوں کو۔ (کنزالایمان)

شانِ نزول:۔ یہودیوں کے عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، آپ کے پاس آسمان سے کون فرشتہ آتا ہے فرمایا جبرئیل، ابن صوریا نے کہا، وہ ہمارا دشمن ہے عذاب شدت اور خسف (ذلت) اتارتا ہے۔ کئی مرتبہ ہم سے عداوت کر چکا ہے اگر آپ کے پاس میکائیل آتے تو ہم آپ پر ایمان لے آتے۔ (اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی)۔"

(خزائن العرفان ص ۲۳)

جبرئیل اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک اہم خدمت انبیائے کرام تک وحیٔ الٰہی کے پہنچانے کی ہے ـــــ یہود بھی وجودِ ملائکہ کے قائل تھے بلکہ خود حضرت جبرئیل کو ایک فرشتۂ اعظم مانتے تھے اور ان کا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جما لیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں ان کا کام وحی لانا نہیں عذاب لانا ہے اور وحی لانا تو ایک دوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے، ان مفروضہ مقدمات ومسلمات کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر معترض ہوتے تھے کہ یہ نئے مدعیٔ نبوت اپنے وحی کے سلسلے

> فرشتوں کا مذاق اُڑانا، اور اُن سے معمولی سی بھی کدورت وعداوت رکھنے والوں کی رب تعالیٰ نے زبردست مذمت کی ہے اور جبرئیل کے دشمن کو خود اللہ عزوجل نے اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ حضرت جبرئیل کا ذکر آج تک توریت میں موجود ہے۔

میں حضرت جبرئیل کا نام کیوں لائے ہیں۔ یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جا رہا ہے موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے جو لوگوں کو مارتا تھا۔ (۲۔ سموئیل، ۲۴، ۱۶، ۱۷) اور علمائے یہود نے اس سے مراد فرشتہ جبرئیل ہی سے رکھی تھی۔ آج بھی یہود حضرت جبرئیل کو حضرت میکائیل کا ہمسر وہم پلہ نہیں ان سے کم تر ہی سمجھتے ہیں (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ ص ۱۴۱)۔"

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے متصل دوسری آیت کریمہ حسب ذیل ہے۔

مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ

لِلْکٰفِرِیْنَ ۝ (البقرہ ۹۸)

• جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا، تو اللہ دشمن ہے کافروں کا ۝ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء و ملائکہ و رسل کی عداوت کفر ہے اور غضب الٰہی کا سبب ہے اور محبوبانِ حق سے دشمنی خدا سے دشمنی کرنا ہے۔ اور ان کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی ہے۔ فرشتہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعتِ رب بتائی گئی ہے۔

• دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو، اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آوے، اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان، اسے مت چڑھا، کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا کہ میرا نام اس میں ہے پر اگر تو سچ مچ اس کا کہنا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہوں گا۔"

(خروج ۲۳: ۲۰-۲۱)

خلاصۂ کلام یہ کہ یہودیوں کا طرزِ عمل خود توریت کی تعلیمات کے منافی ہے۔ توریت تو فرشتے کی اطاعت کا حکم دے اور یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عداوت رکھیں۔ جب کہ یہ ایک امر مسلم ہے کہ فرشتے مع حضرت جبرئیل کے وحی کرتے ہیں جن کا انہیں اللہ عزوجل کی طرف سے حکم ہوتا ہے لہٰذا کسی فرشتے سے عداوت یہ درحقیقت اللہ عزوجل سے عداوت ہے لیکن یہود اپنی بدعقلی سے ایسی بدیہی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بدعقل و کج فہم یہودیوں کی پیروی میں ملعون سلمان رشدی نے فرشتوں کی شان میں جو گالی گلوج کی ہے اس کی وجہ یہی ہے یہ ملعون مرتد و بد دین ہو چکا ہے۔ اور لائق گردن زدنی ہے۔"

سلمان رشدی کون ہے؟

اسکی ناپاک کتاب پر عالم اسلام کا ردِ عمل

(مولینا شہاب الدین
— ایڈیٹر سنی دنیا بریلی —

ہر دور میں اسلام، دیگر اقوام عالم کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا ہے خصوصاً مغربی ممالک ان کا تو ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ مسلمان کے ذریعہ اسلام کے خلاف آواز اٹھانے کی حوصلہ افزائی کی جائے، اور اس کی بھرپور سرپرستی فراہم کی جائے۔ چونکہ اسلام ایک علاقہ یا ایک ملک کا مذہب نہ رہا۔ وہ آفاقی مذہب ہو کر پوری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور اپنی آفاقیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے، جبکہ عیسائیت اپنی حقیقت کو بدل چکی اسکی تصویر مسخ ہو گئی ہے اور اس کا آغاز تو عرب کی سرزمین سے ہوا، مگر اب اس کی کوئی سرحد نہیں ہے۔ تمام سرحدوں کو پار کرتا ہوا پوری دنیا میں اپنی حقانیت کے ڈنکے بجوا چکا ہے اور اس دور میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو غیر محرف شدہ ہے اور باقی تمام مذاہب اپنی اصل حالت پر قائم نہ رہ سکے۔

اسی اسلام دشمنی کا ایک بڑا ثبوت ملعون سلمان رشدی ہے۔ اس نے مالِ دنیا کے بدلے اپنا سب کچھ غیر مسلموں کے ہاتھوں فروخت کر کے اپنا نام بھی شیاطین کی فہرست میں داخل کرا لیا ہے۔ اسی نے اپنی چہیتی کتاب "شیطانی آیات" ـــ (SHATANIC -VERSES) کے ص ۵۴۰ میں سے ۸۰ صفحات میں محسنِ انسانیت سیدنا حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جدالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، صحابہ کرام خصوصاً سلمان فارسی، حضرت بلال رضی اللہ عنہما، اور اسلام کے بارے میں دریدہ دہنی کی ہے۔ کتاب کیا ہے؟ گندگی اور غلاظت کی پوٹ ہے۔ جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات عشق ومحبت میں آگ لگا دی ہے۔

شیطان رشدی اور ولید بن مغیرہ

"سورۂ نون" کے شان نزول کے سلسلہ میں تفاسیر و سیر شاہد صراحت ملتی ہے کہ ولید بن مغیرہ نے جب سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی، اور ایک خلاف واقعہ جنونی صفت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، تو رب کائنات نے اپنی کتاب حکمت و صداقت قرآن عظیم میں اس کا شدید رد فرمایا۔ اور خود اس گستاخ کے اندر جو دس صفتیں تھیں ان کا انکشاف فرمادیا تاکہ قوم جان لے کہ اس گستاخ و دریدہ دہن کے اندر کون کون سی واقعی برائیاں ہیں؟ ان دس برائیوں میں آخری برائی قرآن نے یہ ارشاد فرمائی۔ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ نطفۂ ناتحقیق یعنی ولدالزنا ہے۔ (۲)

اس لئے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ کھلم کھلا گستاخی رسول کا ارتکاب کرنے والے اکثر اس صفت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج کل عالمی شہرت یافتہ دریدہ دہن و گستاخ رسول ملعون سلمان رشدی کے بھی حسب و نسب کا جب پتہ چلایا گیا تو وہ بھی نطفۂ ناتحقیق ہی نکلا جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے عیاں ہے۔

رشدی اور اسکی ماں زہرہ بٹ کون ہے؟

ملعون سلمان رشدی کا تعلق علی گڑھ اور لکھنؤ سے رہا ہے۔ اس کی ماں کا نام زہرہ بٹ ہے۔ ایک شریف انسان شاغل صاحب سے اس کی شادی ہوئی تھی، شاغل صاحب کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ معاشیات سے رہا ہے۔ اور وہ آج بھی علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ سلمان رشدی کی ماں زہرہ بٹ کے والد عبداللہ بٹ اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ کے پرنسپل بھی رہے ریٹائرڈ ہونے پر اپنا شفاخانہ بارہ دری علی گڑھ میں کھولا تھا۔ ڈاکٹر عبداللہ بٹ کا تعلق قادیانی فرقہ سے تھا، علی گڑھ چھوڑنے کے بعد پاکستان مقیم ہو گئے، اور ان کی وہیں موت ہو گئی۔ زہرہ بٹ اب بھی زندہ ہے اور اپنا نام بدل کر کراچی میں سکونت اختیار کئے ہوئے ہے۔

زہرہ بٹ کے سگے بھائی محمود بٹ اب بھی لکھنؤ میں ہیں، یوپی کے چیف سیکریٹری رہے ان کی ایک کوٹھی بٹ ہاؤس کے نام سے اب بھی میرس روڈ لکھنؤ پر ہے۔ حالانکہ محمود بٹ نے اس کو ایک لالہ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ زہرہ بٹ کے شوہر شاغل صاحب اعظم گڑھ کے انصاری گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کے حقیقی بھتیجے کی شادی ادریس صاحب یونیورسٹی انجینئر کی لڑکی سے ہوئی۔ ان کی کوٹھی چھتری کے نام سے میرس روڈ پر ہے۔

شاغل صاحب کی اہلیہ زہرہ بٹ جب کشمیر گھومنے گئی تھی تو وہاں ایک کشمیری سے اس کا معاشقہ ہو گیا۔ اور علی گڑھ واپس آنے پر شاغل صاحب کو چھوڑ کر کشمیری عاشق کے ساتھ رنگ رلیاں منانے لگی۔ لہٰذا یہ شیطان رشدی اسی کی ناتحقیق اولاد میں سے ہے کشمیری عاشق کے ساتھ زہرہ بٹ بمبئی چلی گئی، اور وہاں سے انگلینڈ جا کر بود و باش اختیار کر لی۔

شاغل صاحب اب بھی علی گڑھ میں باعزت زندگی گزار رہے ہیں، زہرہ کے چلے جانے کے بعد انہوں نے دوسری شادی نہیں کی، جب کہ امریکہ میں کتنے ہی سال رہے۔ اور دہلی پلاننگ کمیشن کے سکریٹری کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہو گئے، سلمان رشدی پہلے ہی سے گمراہ تھا۔

رشدی بمبئی میں پیدا ہوا

ملحد سلمان رشدی ہندوستان کے شہر بمبئی میں ایک مرتد ہندی نژاد انیس رشدی کے یہاں زہرہ بٹ سے ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا۔ بمبئی ہی میں رہ کر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ یہ انیس رشدی وہی ہے جس سے زہرہ بٹ کا معاشقہ ہو گیا تھا۔

عیسائی اسکولوں میں پڑھا

ملعون رشدی نے ابتدائی تعلیم عیسائی مشنریوں کے اسکولوں میں سے ایک اسکول میں حاصل کی، اور اوائل عمر سے ہی اسلام سے نفرت بنی اسلام سے بغض، اور قرآن مجید کے بارے میں شک و شبہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ یہ فطری بات تھی کہ گمراہی والا چھپا ہوا کینہ اس کے دل پر غالب آجائے، اور بچپن ہی سے اسے زنگ آلود بنا دے۔ کیونکہ جو کچھ اسلام کے بارے میں اپنے باپ سے سنا کرتا تھا وہ اسے اسلام سے دور کرنے والا تھا، اور پھر جو کچھ مدرسہ سے حاصل کر رہا تھا وہ اس دوری میں ممد و معاون بن رہا تھا۔ چنانچہ اس طریقہ سے گھر اور مدرسہ اس کی شخصیت کا فرہ کی تعلیم میں ایک دوسرے کے معاون ثابت ہوئے

عیسائی مبلغ کی طرف سے امداد

جب عیسائی اسکول میں رشدی پڑھ رہا تھا اس وقت عیسائی مبلغ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو خوراک و پوشاک کی تمام ضروریات اس امید پر پیش کر رہے تھے کہ وہ اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ اور نفرت بھری سرگرمیوں میں کوشاں ہوں گے۔

چنانچہ یہ نمک خواری بھی اسلام کے خلاف اس کی نفرت کی زیادتی کا باعث بنی، گویا سلمان رشدی کفر کی گود میں پلا بڑھا، اور اس نے اسلام کے ساتھ اپنا بغض اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا کفر اپنے باپ سے ورثہ میں پایا۔

ہندوستان سے راہ فرار

ہندوستان اور پاکستان کے حالات کشیدہ ہوئے، اور دونوں ملکوں میں جنگ ہوئی

> اہانتِ رسول کے مرتکب کو قرآن پاک نے "حرامی" سے تعبیر کیا ہے چنانچہ رشدی کی مکمل سوانح عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ کے مترادف ہے۔

ہندوستان کو فقر و غربت کی مشکلات کا سامنا تھا، اور اقتصادی تنگی اس میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ تو بہت سارے ہندو تلاش رزق اور آسودہ زندگی کی طلب میں ملک سے باہر نکل کھڑے ہوئے، سلمان رشدی کا خاندان بھی انہیں ہندوستان کو چھوڑنے والے خاندان میں شامل تھا۔ جو ہندوستان میں فقر و غربت کی جہنم سے راہ فرار اختیار کر رہے تھے۔ پس اس خاندان نے اس امید پر لندن کی طرف کوچ کیا کہ شاید جس آسودہ اور خوش حال زندگی کی انہیں تلاش ہے وہاں مل لے۔

لندن میں مزید تعلیم حاصل کی

انہیں رشدی، زہرہ بٹ جب لندن پہنچے تو سلمان رشدی کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی۔ اس کے باپ نے اسے لندن کے ایک سیکنڈری اسکول راجبی نامی میں داخل کروادیا۔ وہاں سے اس نے ثانوی تعلیم کی تکمیل کی سند حاصل کی۔ پھر کیمبرج یونیورسٹی میں کنگز کالج (KING'S COLLEGE) کے شعبہ تاریخ میں (پی ایچ ڈی) حاصل کرنے کے لئے داخل ہوا۔

تلاش معاش اور پاکستان ٹیلی ویژن میں ملازمت

سلمان رشدی جیسے ہی کالج سے فارغ ہوا، اپنی تعلیمی قابلیت کے مناسب نوکری کی تلاش شروع کردی، اس تلاش نے رشدی کو عاجز بنادیا تھا۔ اور وہ اپنے مناسب حال کوئی نوکری نہ کرسکا۔ اب اس امید پہ پاکستان جانے کی سوجھی کہ شاید وہاں کام کا کوئی ایسا موقع اس کے لئے میسر ہوجائے جس سے خاطر خواہ آمدنی حاصل ہو، پھر کچھ عرصہ بعد اس نے پاکستان کے ٹیلی ویژن محکمہ میں ملازمت اختیار کرلی، اور حکومت پاکستان نے کام کرنے کا موقع دے دیا۔

پاکستانی محکمۂ ٹیلی ویژن سے اسلام مخالف مہم کا آغاز

مشیت الٰہی دیکھئے کہ اس گمراہ نوجوان کو رسوا کرنے اور اس کے سینے میں چھپی ہوئی باتوں، دل کے رازوں کو افشاء کرنے کا وقت آگیا۔ اسلام کے بارے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ رشدی کی ایسی باتیں ہوئیں جس سے اس کے منہ سے گندگی اور گمراہی کی بدبو نکل رہی تھی۔ چوں کہ پاکستان ایک اسلامی ملک کہا جاتا ہے، اس لئے وہاں کا کوئی بھی رہنے والا یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اسلام پر نکتہ چینی کی جائے، یا اس کی کسی قسم کی توہین ہو۔ سلمان رشدی اسلام کے بارے میں جو کچھ کہتا تھا اس کے بارے میں پاکستانی ٹیلی ویژن کے ملازمین نے آپس میں سرگوشیاں شروع کردیں، اور آخرکار ان کی یہ سرگوشیاں ذمہ داران محکمہ کے کانوں تک پہنچ گئیں انہوں نے رشدی کو معزول کرنے کا فیصلہ کردیا۔ کیوں کہ جس ملک کے سارے کے سارے باشندے مسلمان ہوں وہاں ٹیلی ویژن جیسے عظیم ذریعۂ ابلاغ ادارے میں کسی ملحد کا کام کرنا صحیح نہیں ہے۔ اب رشدی ناکام و نامراد اور تباہ حال لندن واپس لوٹ گیا۔ اور اسلام کے خلاف اس کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔

تصنیف و تالیف کا آغاز

سلمان رشدی کے دل میں اسلام کے ساتھ کینہ رکھنے، اور اس سے نفرت کرنے کی وجہ سے اسے نوکری سے ہٹایا گیا تھا۔ اب وہ کوئی کام تلاش کرنے میں لگ گیا۔ یہاں تک کہ نشریات کی ایجنسیوں میں سے ایک ایجنسی میں اس نے نوکری کرلی۔ اس ایجنسی سے مستقل آمدنی طے ہو جانے کے بعد وہ تصنیف و تالیف کے کام میں لگ گیا۔ چوں کہ اسلام کے خلاف اسکو پائیدار کام ہی پسند آیا۔

پہلی کتاب

تصنیف کے کام میں مشغولیت ہی سے اس بات کی فکر تھی کہ میرا شہرہ آنا فانا دیگر ممالک

میں پیسے ہو۔ جب کہ اس وقت تک ایک گمنام نوجوان تھا، نہ تو اس کا ناشرین کے ساتھ کوئی رابطہ تھا، اور نہ ہی اخباری مراکز کے ساتھ اور نہ ہی مصنفین کے ساتھ۔

۱۹۷۵ء میں جب اس نے پہلی کتاب "جریموس" نامی شائع کی تو اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی، اور ابتداء ہی میں وہ حرف غلط کی طرح مٹ گئی۔ سلمان رشدی نے اپنی امید دل کی سخت ناکامی محسوس کی، اور اسے یقین ہو گیا کہ تالیف و تصنیف کا راستہ اس کے لئے اپنانا مناسب نہیں۔ کیوں کہ یہ دشوار گزار اور رکاوٹوں سے پُر راستہ ہے۔

انگریز لڑکی سے شادی اور دوسری کتاب کی اشاعت

یہ بات یاد رہے کہ اس کی ماں زہرہ بٹ نے رشدی کی شادی ایک یہودی لڑکی سے کر دی تھی۔ کتابوں کی اشاعت واقعی دشوار گزار مرحلہ ہے، رشدی کو کوئی ایسا ذریعہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ اہم ناشرین سے رابطہ قائم کر سکے ایک عرصہ تک وہ اس میدان میں کود پڑنے سے خوف زدہ رہا۔ لیکن پانچ سال بعد پھر اس کام کی طرف واپس آ گیا۔ اور اس عرصہ میں اس نے "کلاریسا لارڈ" نامی ایک انگریز لڑکی (جو بہت سارے ناشرین کو پہچانتی تھی) سے شادی کر لی۔ اس لڑکی اور بعض اہم ناشرین کے مابین بڑی پختہ دوستی ہو گئی، اس لڑکی نے رشدی کی کتاب "اطفال منتصف اللیل" شائع کرائی۔ اس کتاب میں اس نے مختلف لڑکوں کی حالت بیان کی ہے، یا ان لوگوں کی جو زندگی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں۔

اور ان کے دل اثبات و استقامت ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ اور ایسے جہان میں آتے ہیں جو کہ تناقضات سے بھرا ہوا ہے۔ اس نے اپنے بارے میں بھی کہا ہے کہ "وہ اس کتاب کی شخصیات میں سے ایک کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس کے باطن میں سوراخ ہے"۔ تاہم اس کتاب نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ کیونکہ اس نے ہندوستان میں مردوں کو نامرد بنانے کی پالیسی پر سخت تنقید کی تھی۔ اس کی اس کتاب پر برطانیہ نے "بوکر" کا انعام دیا۔

تیسری کتاب "العار"

سلمان رشدی بوکر انعام حاصل کرنے کے بعد ادبی دنیا میں معروف ہوا، تو تیسری کتاب "العار" کے نام سے تصنیف کی۔ اس انتظار میں کہ اس پر بھی بوکر انعام حاصل کرے گا مگر ثالثی بورڈ نے اس کو رد کر دیا۔ تاہم ۱۹۸۲ء میں فرانس میں اس کتاب پر سب سے پہلے اچھی اجنبی کتاب کے حوالے سے انعام دے دیا گیا۔ رشدی کو یورپی زبان میں یورپی ناشرین کے لئے اپنی بیوی کی ہی ذات میں ایک ترجمان مل گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی کتابیں بغیر پریشانی کے شائع ہو جاتی تھیں اب جب کہ اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے وہ کام تو پورا کر دیا جس کے لئے اس سے شادی کی تھی تو اسے طلاق دے دی۔

تیسری شادی

ملعون رشدی نے تیسری شادی ایک امریکی کاتبہ سے کی۔ چونکہ کاتبہ کا تعلق دیگر ذرائع ابلاغ سے تھا کہ جس طرح دوسری بیوی نے اہم کردار ادا کیا اسی طرح یہ امریکی ناشرین کے معاملے میں بھی

کردار ادا کرے۔ بیوی کا نام ماریان ویگینز تھا۔

ہر کتاب میں گمراہی

سلمان رشدی نے اپنی مذکورہ کتابوں میں سے ہر کتاب کے اندر کفر وگمراہی کی کچھ نہ کچھ باتیں ضرور شامل کیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ ان روایات کو خوش آمدید کہہ رہے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کی کوئی فنی قیمت ہے بلکہ اس لئے کہ یہ اسلام کے خلاف کینہ وبغض کی ترجمانی کر رہی تھی۔ جو ان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا۔ اور یہ طباعت کے ادارے ہر روایت کے لئے ایک ایسا زہریلا مقدمہ پیش کر رہے تھے جس میں یہ غلط دعوی کیا جاتا تھا کہ ان باتوں کا لکھنے والا مسلمان ہے، جو اسلام کے ساتھ مطمئن نہ ہونے کے باعث اپنے دین سے پھر چکا ہے۔

اس طرح سلمان رشدی نے برطانوی ادارۂ طباعت کے نزدیک عزت ومرتبہ حاصل کر لیا، اور ان عیسائی مبلغین کی طرف سے حوصلہ افزائی پائی جو اسلام پر سخت حملے کرنے سے نہیں رکتے۔ عیسائی مبلغین سے حوصلہ افزائی اور شاباش حاصل لینے کے باوجود بھی وہ اس شہرت تک نہ پہنچ سکا جس کا وہ دل سے خواہش مند تھا۔ وہ انتشار شہرت کے لئے لوٹ پوٹ رہا تھا، وہ بھی اس کے حصہ میں نہ آسکی۔ لیکن چوتھی کتاب "شیطانی آیات" کے بل بوتے پر اسے شہرت اور اشاعت کے وسیع ترین آفاق میسر آگئے۔

چوتھی کتاب "شیطانی آیات"

یہ کتاب چند ماہ اس حال میں رہی کہ کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی، ۱۹۸۸ء میں وہ اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوا۔ شیطانی آیات کو "فائیکنج برس" نامی ادارۂ طباعت نے شائع کیا اس پر کچھ عرصہ جمود طاری رہا۔ دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی فائیکنج برس کے لئے مصیبت بن گئی۔ رشدی بھی پریشان رہا۔

ادارہ پینگوئن کی قسمت

رشدی کی چوتھی کتاب "شیطانی آیات" کو ادارہ فائیکنج برس نے ادارہ پینگوئن کے ہاتھوں سے فروخت کر دیا، پھر کچھ دنوں کے بعد اس کی مانگ بڑھ گئی، بعدہٗ ادارہ پینگوئن نے شائع کر کے عالمی منڈی حاصل کر لی، اور تمام حکومتوں میں لائبریریوں کے مالکان جو اسلام دشمنی میں ممتاز ہیں اس کا بہت شوق رکھتے ہیں ان کو ایک ایک نسخہ روانہ کر دیا گیا۔

بورڈ کا غیظ وغضب شہرت کا سبب

برطانیہ میں امور اسلامیہ کے فعال بورڈ نے "شیطانی آیات" کا ایک نسخہ حاصل کر لیا، اس کو پڑھ کر اراکین وممبران غیظ وغضب میں جل اٹھے کہ اس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضور

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام، ازواج مطہرات پر تہمت لگائی، اور سب کا فحش انداز اور غیر شائستہ زبان میں ذکر کیا ہے۔

برطانیہ میں اسلام دشمن کے خلاف مقدمہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بورڈ کے پاس صرف یہ چارہ رہ گیا کہ اس کتاب کے سلسلے میں عالم اسلام کو مطلع کر دے اور یہ مطالبہ رکھے کہ دیگر ممالک میں اس کتاب پر پابندی عائد کی جائے۔ چنانچہ لندن میں اجتماعات منعقد ہوئے اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کرکے قرار دادیں منظور کیں۔ بورڈ کی اس اطلاع پر تمام ممالک میں ہنگامہ مچ گیا۔ (۵)

برطانیہ کے غیور مسلمانوں کا شاندار احتجاج

"شیطانی آیات" ستمبر ۱۹۸۸ء میں طبع ہوئی، برطانیہ کے غیور باحوصلہ مسلمانوں نے برطانیہ کے مختلف شہروں مثلاً بریڈ فورڈ، بوسٹن بوٹھن، برمنگھم، لنکا شائر، اور بائی ویکب وغیرہ میں مظاہرے کئے۔ اور اس کتاب کو نذر آتش کیا۔

۲۷ مئی ۱۹۸۹ء کو لندن کے پارلیمنٹ سکوئر میں برطانیہ کے باشندوں نے نظارہ دیکھا، برطانیہ کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے تقریباً ایک لاکھ مسلمان یہاں ناموس مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر رشدی مردود کے ناپاک حملوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے اجتماع کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ وسیع و عریض سکوئر میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ برطانوی پولیس کو منتظمین سے درخواست کرنی پڑی کہ وہ وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ پہلے مارچ شروع کردیں۔

اگلے دن برطانوی پولیس نے اس مظاہرہ کو نمایاں طور پر اپنے کالموں میں جگہ دی، بلکہ بعض نے تو کئی پہلوؤں سے اس کو بے نظیر قرار دیا۔ (۶)

ہالینڈ کی دارالحکومت میں مظاہرہ

ہالینڈ کی دارالحکومت ڈین ہیگ میں ۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو علماء کی قیادت میں چھ ہزار افراد نے مظاہرہ کیا۔ اس رات اسلامک اکیڈمی ڈین ہیگ میں علماء اہلسنت نے ایک اعلانیہ جاری کیا جس میں حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ بلاشبہ یہ کتاب اسلام کے خلاف ہی ایک خفیہ سازش نہیں ہے بلکہ تمام ادیان ہی کی توہین ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ رکھے، اور ملک میں اس کی اشاعت اور فروخت پر پابندی لگائی جائے۔ (۷)

ہندوستانی مسلمانوں نے جانیں قربان کیں

مسلمان بنام مسلمان کہیں بھی ہو اسلام پر حملہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ "شیطانی آیات" پر ہندوستانی مسلمانوں نے پُر زور احتجاج کیا اور حکومتِ ہند سے مطالبہ کیا کہ اس پر پابندی عائد کی جائے۔ اسی بناء پر حکومتِ ہند نے اس کتاب پر فوری طور پر پابندی لگا دی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے جذبات کے اظہار اور عالم اسلام کے ساتھ ہم آہنگی کے لئے مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھا۔

۲۴ فروری ۱۹۸۹ء کو بمبئی میں ایک جلوس نکالا گیا، جس پر پولیس نے فائرنگ کر دی (یہاں کی پولیس مسلمانوں پر فائرنگ میں ماہر ہے) اور دیکھتے ہی دیکھتے پندرہ سے زیادہ مسلمان،

خون میں نہا گئے۔ اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر قربان ہو گئے۔ (۸)

کشمیر کی اسمبلی میں شیطانی آیات کے مسئلہ میں ہنگامہ ہوا، سری نگر کے مسلمانوں نے زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔ پولیس کی بربریت سے ایک مسلمان شہید ہوا، سیکڑوں زخمی ہو گئے۔ (۹)

پاکستان کے غیور مسلمانوں کا مظاہرہ

پاکستان کے مختلف حصوں سے احتجاجی مظاہرے ہوئے، ۱۲ر فروری ۱۹۸۹ء کو امریکن سینٹر اسلام آباد کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کا پروگرام ہوا جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے شرکت کی۔ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کے زیر اہتمام مظاہرہ ہوا۔ پروگرام کے مطابق سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت و محبت پیش کرتا ہوا پُر امن جلوس جونہی امریکن سینٹر کے قریب پہنچا، وفاقی پولیس نے آنسو گیس کے شیل پھینکنا شروع کر دیئے، اور گولیوں کی بوچھار کر دی۔ شرکاء جلوس نے بھی پتھراؤ کیا، اور ساڑھے تین گھنٹے تک یہ علاقہ میدانِ جنگ کا منظر پیش کرتا رہا۔ تقریباً ۵ عاشق رسول شہید ہوئے ایک بارہ سالہ طالب علم نوید عالم شہید ہوا۔ (۱۰)

شیطانی آیات کی اشاعت کا پس منظر

گستاخ رسول دریدہ دہن سلمان رشدی کی کتاب کی اشاعت جہاں مصنف کی باطنی خباثت، انتہا درجے کی شرارت بلکہ رذالت کی علامت ہے۔ وہاں اس کے پیچھے مشترک سازش اور اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کو ختم کرنے کی گھناؤنی کوشش بھی اپنا پتہ دیتی ہے جس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا تمام مسلمانانِ عالم کا اہم فریضہ ہے۔ اگر اس سلسلے میں غفلت برتی گئی تو یقیناً اسلام دشمن طاقتوں کے حوصلے بلند ہوں گے

حواشی :-

(۱) محمد شہاب الدین رضوی، مولانا: دنیا اسلام کی تلاش میں مطبوعہ حراء فاؤنڈیشن بریلی ۱۹۹۴ء۔

(۲) القرآن الحکیم، پ ۲۹ سورۂ نون،

(۳) الطاف حسین فریدی: ماہنامہ جرائم نئی دہلی جون ۱۹۸۹ء۔

(۴) اندرا گاندھی کی چلائی ہوئی تحریک نسبندی کی طرف اشارہ ہے۔ نسبندی کی حرمت کا فتویٰ مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی قدس سرہٗ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں جاری فرمایا۔ اور اس تحریک کا بے تابانہ تعاقب کیا، جو اپنی مثال آپ ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مفتیٔ اعظم اور ان کے خلفاء ج ۱، ص ۹۱ (از محمد شہاب الدین رضوی) مطبوعہ بمبئی ۱۹۹۰ء۔

(۵) آیات سماویہ فی الرد علی کتاب آیات شیطانیہ از ڈاکٹر شمس الدین الفاسی (لندن) مطبوعہ ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۰ء

(۶) مولانا کوثر نیازی، روزنامہ جنگ لاہور، ۳۰ر جولائی ۱۹۸۹ء۔

(۷) مولانا بدر القادری، ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف، ص ۲۷، مئی ۱۹۸۹ء۔

(۸) الف: مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری تقدیم شیطان رشدی کی خرافات کا جائزہ ص ۱۴، مطبوعہ لاہور۔

ب: گل محمد فیضی، ماہنامہ ضیاء حرم بھیرہ

مرتد اعظم سلمان رشدی

اس صدی کا سب سے بڑا گستاخِ رسول

حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی —
جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن (انگلینڈ)

آجکل پورے برطانیہ میں اس صدی کے سب سے بڑے گستاخ رسول سلمان رشدی کی رسوائے زمانہ کتاب۔ "سٹینک ورسز" کے خلاف احتجاج کا طوفان امڈا ہوا ہے۔ برطانیہ کے چھوٹے بڑے تمام شہروں میں مسلم عوام بڑے بڑے جلوسوں کے ذریعہ اپنے جذبات اور غم وغصہ کا اظہار کر رہے ہیں، عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار مسلمانوں کی نیندیں حرام ہیں، ان بڑے بڑے اجتماعات میں مسلم رہنما، دانشور اور علماء حکومت برطانیہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ شیطانک ورسز پر پابندی عائد کرے اور مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے مشہور اشاعتی ادارے پنگوین سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ اس کتاب کی اشاعت اور فروخت بند کر دے اور وہ تمام کتب فروش ادارے جو اس کتاب کو فروخت کر رہے ہیں وہ اس کتاب کو اپنے بک اسٹالوں سے اٹھالیں لیکن ان تمام جلسوں، جلوسوں اور پاس ہونے والی تجاویز کا نہ برطانوی حکومت پر کوئی اثر ہو رہا ہے اور نہ ہی پنگوین کے اشاعتی ادارے پر۔ اس کے برعکس کتاب کی اشاعت میں اضافہ ہو گیا ہے اور اب وہ لوگ بھی اس کتاب کی تلاش میں ہیں جو اس کے نام سے بھی نا آشنا تھے اس طرح سے لاشعوری طور پر مسلمانوں کا احتجاج اس کتاب کی اشاعت کا سبب بن رہا ہے۔

لیکن مسلمان بھی مجبور ہیں۔ انہوں نے تاریخ کے کسی دور میں بھی اپنے عظیم پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نہ گستاخی برداشت کی ہے اور نہ برداشت کر سکیں گے۔ اس دور میں چونکہ احتجاج مجبوروں کا ہتھیار ہے اسلئے یہاں کے بے بس مسلمان احتجاج ہی کی زبان استعمال کر رہے ہیں۔

برطانیہ کے بڑے بڑے اخبارات جن کی اشاعت لاکھوں ہے، انہوں نے اس کتاب پر اور اس سے متعلق مسلمانوں کے احتجاج پر اداریے لکھے ہیں۔ سنڈے ٹائمز، گارڈین اور دوسرے نیشنل سطح کے اخبارات نے مسلمانوں کو جیو اور جینے دو کے اصول پر عمل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ انہیں صبر وتحمل کی تلقین کی ہے۔ بعض اخبارات نے اس تحریک کو ملا ازم کا نام دے کر اسے محض ایک مذہبی گروہ کا مسئلہ قرار دینے کی کوشش کی ہے چند ایک نے کھلے بندوں اس دل آزار تحریک کو ادب کا شاہکار اور فکشنل لٹریچر میں ایک معقول اضافہ

قرار دیا ہے

ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ مسلم دشمن عناصر بالخصوص یہودیوں کے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے انہیں یقین ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر کی شان میں گستاخی برداشت نہ کر سکیں گے اور وہ احتجاج کے لیئے سڑکوں پر نکل آئیں گے اس طرح سے اس کتاب کی اشاعت میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔

برطانوی ریڈیو اور ٹی وی نے اپنی بین الاقوامی خبروں میں مسلمانوں کے احتجاج کے تذکرے کیے اور سلمان رشدی کے انٹرویو کے ساتھ ساتھ ایسے مسلمانوں سے بھی انٹرویو لیے جو نہ کما حقہٗ دین سے آشنا ہیں اور نہ ہی اس کتاب کے مندرجات اور اس کی قباحتوں کا حقیقی شعور رکھتے ہیں، اس طرح سے برطانیہ کے تمام نشریاتی ذرائع اس کتاب کی اشاعت کا سامان فراہم کر رہے ہیں،

حکومت برطانیہ نے سلمان رشدی کو برطانوی شہری قرار دے کر اسے بھرپور تحفظ فراہم کیا ہے اس طرح وہ اپنے چہیتے برطانوی شہری کی خواہشات کی تکمیل کے لئے کم و بیش دو ملین مسلم شہریوں کی دل آزاری کر رہی ہے مسلمانوں کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران ایک برطانوی لیڈر نے مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس کتاب کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتے اسلئے کہ ہمارے قانون میں ایک برطانوی شہری کے لئے تحفظات تو ضرور فراہم کیے گئے ہیں مگر پیغمبر اسلام کی آبرو اور ان کے وقار کے تحفظ کے لیے کوئی دفعہ موجود نہیں ہے اس طرح کی قانونی چارہ جوئی کا نتیجہ خود مسلمانوں کے حق میں مفید نہ ہوگا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کم و بیش دو ملین مسلمان برطانوی شہری ہیں یا نہیں؟ اگر یہاں بسنے والے مسلمان بھی برطانوی شہری ہیں تو پھر یہاں کے ایک شہری کو حق کیسے دیا جا سکتا ہے کہ وہ ۲۰ لاکھ مسلمانوں کی عزت و آبرو سے کھیلے، برطانوی ارباب اقتدار کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مسلمان اپنے پیغمبر کے ناموس پر اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہے وہ اپنے نبی کی ذات پر حملہ براہ راست پوری ملت اسلامیہ پر حملہ تصور کرتا ہے۔

ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل مغرب کے اندر مذہبی غیرت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے ورنہ وہ خود اپنے خلاف The Last Temptation of Christ کی نمائش کو کیسے گوارا کر لیتے جس میں سیدنا مسیح علیہ السلام کی جنسی زندگی کے مناظر فلمائے گئے ہیں اگر برطانیہ کا عیسائی معاشرہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی آبرو کا تحفظ نہیں کر سکتا تو پیغمبر اسلام کے سلسلے میں اس کی بے حسی قابل فہم ہے۔

مگر ہم برطانیہ کے ارباب حل و عقد کو مشورہ دیں گے کہ اب برطانوی معاشرہ کثیر الثقافتی اور کثیر المذہبی معاشرہ بن چکا ہے اب اس معاشرہ پر ان کی اجارہ داری ختم ہو چکی ہے مسلمان یہاں کی دوسری بڑی قوم ہیں اسلیئے مسلمانوں کے مسائل کو اپنی مخصوص مغربی فکر کی عینک سے دیکھنا بند کر دیں اور مسلمانوں کے محسوسات کو سمجھنے کے لئے مسلم روایات و اقدار کا مطالعہ کریں اگر انہوں نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر اپنی فکر مسلط کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتائج انتہائی خطرناک ہونگے۔

برطانوی حکومت اور برطانیہ کے نشریاتی ذرائع مسلمانوں کے جذبات کو تھپکیاں دیکر سلانا چاہتے ہیں مگر ہم ان سے اپیل کریں گے کہ وہ مسلمانوں کے جذبات کی شدت کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ احتجاج کا یہ طوفان رک جائے گا۔ اور مسلمان خاموش ہو جائیں گے اور برطانوی تاریخ کے میوزیم میں ایک ملحد کی عالم آشوب تالیف، اسلام دشمنی کی جیتی جاگتی تصویر بن کر محفوظ ہو جائے گی۔ بلاشبہ احتجاج اور ہنگاموں کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے مگر صرف وہ احتجاج جن کے پس منظر میں کوئی وقتی جذبہ یا کوئی ہنگامی ضرورت کارفرما ہو۔ پیغمبر اسلام کا احترام مسلم معاشرے میں نہ کوئی وقتی

جذبہ ہے اور نہ ہنگامی ضرورت بلکہ یہ مدار ایمان ہے اس لیئے برطانوی مسلمان اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں گے جب تک اس کتاب کو ضبط نہ کر لیا جائے۔ خدشہ یہ ہے کہ حکومت نے اگر اس سلسلے میں لیت و لعل سے کام لیا تو یہ احتجاج مزید شدت اختیار کرے گا اور نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

بریڈ فورڈ کے احتجاجی جلوس کے نتیجے میں صرف اتنا ہوا کہ برطانیہ کے سب سے مشہور کتب فروش ڈبلیو ایچ سمتھ نے اپنے اسٹالوں سے اٹھا لینے کا اعلان کیا مگر ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ یہ کتاب آرڈر کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے ہم نے یہ اقدام محض پولیس کے مشورے پر کیا ہے جب بھی پولیس ہمیں تحفظ فراہم کرے گی ہم اس کتاب کو دوبارہ بازار میں لائیں گے ہمیں یقین ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی اشاعت میں نمایاں اضافہ ہوگا۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ ڈبلیو ایچ اسمتھ نے یہ اقدام مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے نہیں اٹھایا ہے بلکہ اس خوف سے کیا ہے کہ اس کتاب کی بر سر بازار فروخت کہیں مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل نہ کر دے اور ساتھ ہی ساتھ برطانوی پولیس سے اپیل بھی کی گئی ہے کہ وہ اس کو تحفظ فراہم کرے۔

اب مسلمانان برطانیہ اس بات کا جائزہ لینے میں حق بجانب ہیں کہ برطانوی پولیس محض ایک کتاب سے حاصل ہونے والی منفعت کو تحفظ دینے کے لئے دو ملین مسلمانوں کے جذبات کا خون کرتی ہے یا نہیں

بعض مراسلہ نگاروں نے برطانوی اخبارات کے ذریعہ مسلمانوں سے سوال کیا ہے کہ قرآن عظیم میں عیسائیت اور دوسرے مذاہب کے خلاف مواد موجود ہے تو کیا مسلمان اس بات کی اجازت دیں گے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے قرآن عظیم کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جو مسلمان سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف کر رہے ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ مراسلہ نگار پڑھے لکھے ہونے کے باوجود قرآن عظیم سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن عظیم نے بعض مذاہب کے ان باطل نظریات کی تردید کی ہے جو خود ان مذاہب کے اولوالعزم پیغمبروں کی تعلیمات کے خلاف ہیں ورنہ قرآن عظیم نے تو مذاہب سابقہ کی تائید کی ہے ان کتابوں پر ایمان لانا جزو ایمان قرار دیا ہے اور ان کی عزت و حرمت کو لازمی قرار دیا ہے۔

آپ اگر قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو اس میں جناب ابراہیم، جناب موسیٰ علیہما السلام اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل و مناقب پر مستقل ابواب ملیں گے بلکہ ہم یہ دعویٰ کریں تو غلط نہ ہوگا کہ قرآن عظیم نے ان اولوالعزم پیغمبروں کی عظمت اور تاریخیت کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے ورنہ کتب سابقہ کی موجودہ ژولیدہ بیانی اور درمیانی کڑیوں کی گمشدگی سے تو یہ بھی ممکن نہ تھا کہ حضرت مسیح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی شخصیتوں کے وجود کو بھی ثابت کیا جا سکتا۔

پھر نظریات کی تردید دوسری شے ہے اور کسی پیغمبر کی کردار کشی اس سے مختلف شے ہے۔ آج بھی اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ہزاروں باتیں کی جاتی ہیں اور ہم اس کا جواب انتہائی صبر و تحمل سے دیتے ہیں، مگر چونکہ اس کتاب میں پیغمبر اسلام کی کردار کشی کی گئی ہے اس لئے یہ کتاب ناقابل برداشت ہے۔

مسلم حکومتوں کا افسوسناک کردار

اس رسوائے زمانہ کتاب کے سلسلے میں مسلم حکومتوں کا کردار انتہائی افسوسناک ہے تاہنوز بعض سفرا ممالک کی ایک میٹنگ اور قرارداد مذمت، چند ایک ممالک میں پینگوئن کی کتابوں پر پابندی کی دھمکی کے علاوہ اور کوئی ٹھوس اقدام نہیں کیا گیا جس سے مسلمانان برطانیہ سخت کبیدہ خاطر ہیں۔

مسلم ممالک اپنے معمولی اختلافات کی بنا پر مغربی ممالک سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کر لینے کی دھمکی دیتے ہیں مگر پیغمبر اسلام کے خلاف لکھی جانے والی کتاب کے خلاف حکومتی سطح پر برطانیہ سے کوئی موثر احتجاج نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی رائے عامہ مسلمانوں کے احتجاج کو شدت مذہب پرستی اور ملائیت کا نام دے رہی ہے۔ اگر سعودی عرب اور بعض مسلم ممالک برطانیہ سے کئے گئے چند تجارتی اور تعمیری معاہدے منسوخ کر دیں تو حکومت برطانیہ مسلمانوں کے مطالبات کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ خلافت عثمانیہ کے آخری تاجدار سلطان عبد الحمید نے ایک یورپین ملک کو محض ایسے جنگ کی دھمکی دی تھی کہ اس نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر فلم بنانے کا ارادہ کیا تھا مجبوراً اسے اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔

مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ برطانوی مسلمانوں کے احتجاجات کی تائید میں اپنے سیاسی اثرات و رسوخ بھرپور استعمال کریں اور سفارتی دباؤ ڈال کر برطانیہ کو مجبور کریں کہ وہ اس کتاب پر پابندی عائد کرے اگر برطانوی قانون میں اس طرح کی کتابوں پر پابندی کی کوئی شق موجود نہیں ہے تو برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان ایک بل کے ذریعہ مذاہب اور بانیان مذاہب کے احترام کی دفعہ منظور کرائیں اور اس کتاب کو غیر قانونی قرار دیں۔

ووٹ کا موثر ہتھیار

مسلمانان برطانیہ اپنے اپنے علاقوں میں ایم پی اور کونسلر حضرات سے ملاقات کریں اور انہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ پارلیمنٹ میں اس کتاب کے خلاف پیش کئے جانے والے بل کی حمایت کریں ورنہ واشگاف لفظوں میں انہیں آگاہ کر دیں کہ وہ آئندہ الیکشن میں مسلمانوں کے ووٹوں سے محروم ہو جائیں گے۔

ایسا لگتا ہے کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر دنیا بھر کی غیر مسلم اور ملحد قوتوں نے یہ منصوبہ کر لیا ہے کہ وہ اس سیل رواں کو روکنے کے لئے اسلام کے خلاف ہر ممکن ذریعے کو استعمال کریں گی چنانچہ اگر کوئی مسلم ملک ایٹمی توانائی حاصل کرنا چاہے تو دنیا بھر کے میڈیا چیخ اٹھتے ہیں کہ اسلامی بم بنایا جا رہا ہے جبکہ اسرائیل کے ایٹم بم کو یہودی بم اور کرسچین ممالک کی ایٹمی توانائیوں کو کرسچین بم کا نام نہیں دیا جاتا۔

مسلم ممالک میں احیاء اسلام کی تحریکوں کو بنیاد پرستی اور ملائیت کا نام دے کر لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کیا جا رہا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ماضی میں بھی مستشرقین یورپ کی طرف سے انتہائی ناروا حملے کئے گئے ہیں مگر چونکہ وہ مستشرق تھے اور ان کی اسلام دشمنی بہت نمایاں تھی اس لئے ان کی تحریروں پر لوگوں نے توجہ نہیں دی مگر اب ادب، آرٹ، فن اور ثقافت کے نام پر اسلام کو رسوا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اسلام کے خلاف جو باتیں مستشرقین اور عیسائی مشنریاں اور یہودی صدیوں سے کہتے آئے ہیں ان کی تردید ہر دور میں کی جاتی رہی ہے اب انہیں باتوں کو ناول کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو سکے اور انعام دے کر اس تحریر کا اعتبار قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے چنانچہ سلمان رشدی کو اس کے پہلے ناول پر انعام دے کر عالمی شہرت دی گئی اور اب پیغمبر اسلام کے خلاف لکھی جانے والی کتاب کو انعام کے لئے منتخب کر کے ان اداروں نے اپنی اسلام دشمنی کو بہت زیادہ نمایاں کر دیا ہے۔

حال ہی میں ادب کے سب سے بڑے انعام نوبل پرائز کے لئے مصر کے ایک ایسے ہی ادیب محفوظ کو منتخب کیا گیا ہے جس کے خلاف علماء اسلام اور مسلم عوام بیس سال سے تحریک چلا رہے ہیں۔ اور اس کی تحریروں کی اسلام دشمنی کو نمایاں کر رہے ہیں جبکہ

ادب اور علم سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی یہ جانتا ہے کہ مصر میں اس سے بڑے بڑے ادبا موجود ہیں جو اس انعام کا حقیقی استحقاق رکھتے ہیں مگر چونکہ وہ اسلام دشمنی میں نمایاں نہیں ہیں اس لئے انعام تقسیم کرنے والوں کی نگاہ میں وہ معتبر نہیں ہیں۔

گذشتہ دنوں سلمان رشدی نے اپنے ایک انٹرویو میں محفوظ کی بہت تعریف کی ہے اور اس کو بھی اپنی ہی طرح مسلمانوں کی شدت پسندی کا شکار بتایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان اسلام دشمن نوتوں کا نہ صرف یہ کہ آپس میں رابطہ ہے بلکہ یہ ایمان فروش ایمان کی قیمت پر قلم کا سودا کرنے والے ایک دوسرے کا دفاع بھی کرتے ہیں۔

کی تھی۔ اور اس کے استدلال کی منطیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ اس کے عیارانہ انداز فکر کے تاروپود بکھیر دیئے تھے مگر اب سو سال بعد اسی الزام کو ایک بار پوسٹر کے ذریعہ عام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے راستے سے اس الزام کو ذہنوں میں راسخ کر دیا جائے اور بعد میں جب وحی پاک کی کیفیت کو مرگی سے تعبیر کیا جائے تو کسی کو مجال انکار نہ رہے۔ اس زمانے میں ورلڈ اسلامک مشن اور برطانیہ کی دوسری تنظیموں نے احتجاج کیا تو ان کو یہ جواب دیا کہ ہمیں تو نہیں معلوم تھا۔

بشپس اور ربائی سے امداد کی اپیل

سلمان رشدی نے مسلمانوں کے احتجاج سے

برطانیہ کے دو ملین مسلمانوں کی اکثریت اپنے بچوں کو غلط معاشرے میں پروان چڑھا رہی ہے خطرہ ہے کر دینے سے آزاد اور مغربی معاشرے میں پروان چڑھنے والے بچوں میں کوئی دوسرا رشدی نہ پیدا ہو جائے۔

آج سے چند سال قبل لیورپول کی ایک میڈیکل ٹیم (تنظیم) کی جانب سے ایک پوسٹر شائع کیا گیا تھا جس میں حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ مرگی کا مریض قرار دیا گیا تھا اس پوسٹر کا عنوان تھا۔

WHAT IS EPILEPSY

اس پوسٹر میں دنیا کے چند مرگی کے مریضوں میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی دیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ان پوسٹروں کو اپنی سرجری والی آویزاں کریں گے اس طرح روزانہ ہزاروں انسان یہ بات ذہن نشین کرتے رہیں گے کہ پیغمبر اسلام معاذ اللہ مرگی کے مریض تھے۔ حالانکہ یہ بات ایک صدی قبل یوپی انڈیا کے برطانوی گورنر ڈاکٹر سر ولیم میور نے اپنی کتاب The Life of Mohammad (۱۸۶۱ء) میں کہی تھی اور اس نے نبی کی کیفیت کو مرگی سے تعبیر کیا تھا اس وقت پوری دنیا کے علماء نے اس کی تردید

پریشان ہو کر اپنے آقایان کلیسا اور یہودیوں کے مذہبی لیڈر ربائی سے اپیل کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو فرو کرنے کے سلسلے میں موثر کردار ادا کریں اور اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ان کی مدد کریں چنانچہ سنڈے ٹائمز میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں اس نے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ بشپس اور ربائی اس صورت حال کو ختم کرا دیں گے۔

سلمان رشدی کا یہ یقین کہ اس صورت حال سے بشپس اور ربائی نمٹ لیں گے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ؎

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

سلمان رشدی کون ہے؟

سلمان رشدی بمبئی کے ایک مغرب زدہ گھرانے

جب پیدا ہوا اس کے باپ انیس رشدی نے اس کو ۱۴ سال کی عمر میں برطانیہ کے ایک اسکول میں داخل کرادیا انیس رشدی خود ایک دولتمند شرابی تھا جس نے اپنی آدھی عمر حصول دولت اور آدھی عمر عیاشیوں کی نذر کردی۔

سلمان رشدی جب انگلینڈ آیا تو ایک نوعمر لڑکا تھا جس نے اپنے باپ کو ہمیشہ شراب میں دھت دیکھا تھا عیاشیوں اور شراب نوشیوں کے ماحول میں پروان چڑھنے والے لڑکے کا دین اور مشرقی اقدار سے تعلق واقف تھا انگلینڈ آکر اس نے اسلام کو اپنے طور پر پڑھنا شروع کیا تو اس کے سامنے مستشرقین یورپ کا مہیا کردہ مواد تھا چونکہ اسے کسی عالم دین کی رہنمائی حاصل نہیں تھی اس لئے وہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے بدگمان ہوتا گیا۔

وہ انگلینڈ اس خیال سے آیا کہ یہاں اس کی پذیرائی ہوگی مگر یہاں اس کو شدید مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے گورے چٹے رنگ کے باوجود وہ یہاں کالا ہی رہا اس کے ساتھی اس کو حقیر نظروں سے دیکھتے تھے کھانے کی میز پر اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا نتیجۃً وہ شدید احساس کمتری کا شکار ہوگیا جس کے ردعمل میں اس نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ کسی بھی انگریز سے بڑھ کر خود کو انگریز ثابت کرے چنانچہ اس نے ان تمام عادات و اطوار کو اختیار کیا جو مغربی معاشرہ کا طرۂ امتیاز ہیں وہ شراب نوشی، حرام خوری اور عیاشیوں میں بھی نمایاں رہا لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ متعدد مغربی عورتوں نے اس سے رابطہ قائم کیا اور پھر اسے داغ جدائی دے گئیں۔

یہاں سے مایوسیوں کا شکار ہوکر وہ پاکستان چلا گیا کہ شاید وہاں پناہ مل جائے اور وہاں وہ اپنے ملحدانہ افکار و نظریات کی آزادانہ اشاعت کرسکے مگر وہاں کے باغیرت مسلمانوں سے خوفزدہ ہوکر پھر برطانیہ واپس آگیا اور دوبارہ قسمت آزمائی شروع کی۔ اس نے ایک کتاب ہندوستان کے متعلق لکھی اور نہرو خاندان پر بیہودہ الزامات عائد کئے جس کی بنا پر اسے اندرا گاندھی سے معافی مانگنی پڑی کا پھر اس نے پاکستان کے خلاف اپنے ناپاک عزائم کو تحریری شکل دینے کی کوشش کی مگر اسے وہاں بھی کوئی پذیرائی نہ مل سکی وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ نوبل پرائز کا مستحق ہے مگر وہاں تک پہنچنے کیلئے اسے چند ابتدائی انعامات حاصل کرنے ضروری تھے چنانچہ اس نے ایک ایسا عنوان منتخب کیا جو ایک طرف یورپ کی ملحد اور سوشلسٹ دنیا کے لئے قابل قبول ہو اور دوسری طرف اسلام دشمن عناصر اس کو انعام کا مستحق قرار دیں اور حصول انعام کے سلسلے میں اس کی بھرپور تائید کریں نیز شاید وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس کی کامیابیوں کی راہ میں اس کا اسلامی نام سد راہ ہے چنانچہ اس کتاب کے ذریعہ اس نے اقوام مغرب کو یہ باور کرانا چاہا کہ ؎

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو

اگر اس نے کسی مسلم معاشرے میں زندگی گزاری ہوتی تو اسے یقین ہوتا کہ اس طرح کے اقدام کا کتنا شدید ردعمل ہوگا۔ وہ بچپن ہی سے مغربی ماحول میں پلنے کی وجہ سے حالات کی سنگینی کا صحیح اندازہ نہ کرسکا۔ سنا ہے اس ایمان فروش نے پینگوئن سیریز سے ۸ لاکھ پونڈ بطور رائلٹی وصول کئے ہیں اور ممکن ہے دس بیس ہزار دوسرے اداروں سے بھی حاصل ہوجائیں۔ کاش! یہ ضمیر فروش دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کے جذبات کا اتنا سستا سودا نہ کرتا ؎

تو مے فروختی و چہ ارزاں فروختی

مگر اب اسے یقین ہوگیا ہوگا کہ وہ اس ۸ لاکھ پونڈ سے عیاشیوں کی سیج نہ سجا سکے گا اس کا ثبوت یہ ہے کہ بنگلور میں وہ ایک انٹرویو کے لئے آیا تھا جب بنگلور کے مسلمانوں کو اطلاع ملی تو اس قدر شدید ہجوم ہوا کہ پولس اس کو کسی خفیہ راستے سے کسی خفیہ مقام پر لے گئی۔

وائٹ بریڈ لٹریری ایوارڈ

شیطانک ورسز کو وائٹ بریڈ لٹریری ایوارڈ کے لئے بھی منتخب کیا گیا ہے جس کا حتمی فیصلہ مشہور ناول نگار سٹر کیٹ رینڈی، سر کیلمنٹ فرائڈ اور برطانیہ کے وزیر داخلہ ڈگلس ہرڈ کریں گے۔

اگر وائٹ بریڈ اور اس کے مقرر کئے ہوئے ججوں نے اس کتاب کو ۲۰ ہزار پونڈ کا انعام دیا تو ان کا یہ عمل مسلمانوں کے زخم پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہوگا۔ برطانیہ کے مسلمانوں نے وائٹ بریڈ لٹریری ایوارڈ کے منتظم کاروں کو شدید احتجاجی خطوط لکھے ہیں لیکن تا ہنوز انہوں نے مسلم امت کے جذبات کی پرواہ نہیں کی ہے اور وہ اپنے فیصلے پر قائم ہیں۔

سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس انعام کا فیصلہ وزیر داخلہ کے ذریعے ہوگا۔ اگر وزیر داخلہ نے اس کتاب کے حق میں فیصلہ دیا تو مسلمانانِ برطانیہ شدید مایوسیوں کا شکار ہوں گے۔ اور وہ ایک بار پھر خود کو اس ملک میں اجنبی محسوس کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔[1]

مسلمانانِ برطانیہ کے لئے لمحۂ فکریہ!

سلمان رشدی اس لئے گمراہ ہوا کہ اس کے باپ نے اپنی مغرب زدگی کی تسکین کے لئے اپنے نوعمر بچے کو برطانوی معاشرے میں از خود پروان چڑھنے کے لئے بھیج دیا اور اس کی دینی و فکری رہنمائی کا کوئی معقول بندوبست نہ کر سکا جس کے نتیجے میں ایک رشدی دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کے لئے شیطان لعین سے بھی زیادہ ملعون ثابت ہوا ہے اس نے پیغمبر اسلام کی حرمت پر حملہ کر کے ہر مسلمان کو بیزار کر دیا ہے۔ اپنے بچے کی دینی تربیت کے سلسلے میں ایک باپ کی مجرمانہ غفلت نے کتنا خطرناک رخ اختیار کر لیا ہے۔ اس کا اندازہ سلمان رشدی کے ناول سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن برطانیہ کے دو ملین مسلمانوں کی اکثریت اپنے بچوں کو بیستی آزادانہ معاشرے میں پروان چڑھا رہی ہے اور ان کی دینی و فکری رہنمائی کے معقول انتظامات نہیں کئے گئے ہیں برطانیہ میں پروان چڑھنے والی مسلم نسل کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ یہ بات آزاد ہو کر مغربی معاشرے میں مکمل طور پر ضم نہ ہو جائے خدا نخواستہ اگر ایسا ہوا تو خوف ہے کہ برطانیہ کی آغوش میں پروان چڑھنے والے بچوں میں کوئی دوسرا رشدی نہ پیدا ہو جائے جو مسلمانوں کے سکون کو غارت کرے۔

جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کے خلاف ہو ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کا احترام ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے اس لئے کہ وہ اسلام اور قرآن کے پیغمبر ہیں لیکن یہاں اگر مسلمانوں کے دینی جذبات کا احترام نہ کیا گیا تو یہ دنیا بھر کے لئے ایک انتہائی غلط مثال ہوگی جس کے نتیجے میں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ترقی اور مشرقی اداروں کے لئے دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں اس طرح سے تو کسی کی بھی عزت کسی مقام پر محفوظ نہ رہ سکے گی۔

سلمان رشدی کے ایک ہم نوا نے اپنے ایک انٹرویو میں یہاں تک کہا کہ بریڈ فورڈ کی دس فیصد مسلم آبادی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بریڈ فورڈ کی ۹۰ فیصد غیر مسلم عوام سے مطالبہ کرے کہ وہ رشدی کی کتاب نہ پڑھیں۔

ایسا لگتا ہے کہ یہاں کی نام نہاد جمہوریت ایمان اور عقیدے کو بھی ووٹوں کے ترازو میں تولنے کی عادی ہو گئی ہے۔ ہم اس معترض سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ کیا بریڈ فورڈ کے ۹۰ فیصد غیر مسلم عوام کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۰ فیصد مسلم عوام کا قتل عام کریں یا قانون کی صورت میں خاموش تماشائی بنا کر رہ سکتا ہے؟ اگر

---

[1] یہ اطلاع ملی کہ سلمان رشدی وائٹ بریڈ لٹریری ایوارڈ سے محروم کر دیا گیا ہے۔

ایسا نہیں ہے تو پیغمبر اسلام کے وقار پر حملہ یہاں کے ۲ ملین مسلمانوں کے قتل کے مترادف ہے۔ ہماری جانیں اور ہمارا سب کچھ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آبرو پر قربان ہے۔

حکومت برطانیہ کیا کرسکتی ہے؟

برطانوی حکومت کے ذمہ دار افراد یہ عذر پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ برطانوی قانون میں چرچ آف انگلینڈ کے علاوہ اور کسی کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی گئی ہے اسلئے ہم کوئی قانونی اقدام نہیں کرسکتے ہمارا جواب یہ ہے کہ برطانیہ ہر روز نئی نئی ضرورتوں کے مطابق اپنے قوانین میں تبدیلیاں کر رہا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں یہاں کی معاشی، ثقافتی اور تعلیمی ضروریات کو سامنے رکھ کر متعدد قوانین تبدیل کئے گئے ہیں، برطانیہ نے چرچ آف انگلینڈ کو اس وقت تحفظ فراہم کیا گیا تھا جب یہاں مذہبی اعتبار سے صرف چرچ آف انگلینڈ کی حکومت تھی مگر اب یہاں اسلام دوسری بڑی طاقت ہے اسلئے برسر اقتدار جماعت ایک بل کے ذریعے چرچ کو دیئے گئے حقوق میں اسلام کو بھی شامل کرسکتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرسکتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کھلے بندوں اپنی نسلی عصبیتوں کے ساتھ ساتھ مذہبی عصبیتوں کا بھی اعتراف کر رہی ہے اور اس طرح وہ اس برطانوی جمہوریت کا گلا گھونٹ رہی ہے جس نے دنیا کے دوسرے ممالک کو جمہوریت اور احترام حقوق انسانی کا راستہ دکھایا ہے۔

امین جمائل کا قبولِ اسلام

عربی اخبارات کی اطلاع کے مطابق لبنان کے سابق مسیحی صدر امین جمائل نے اسلام قبول کرلیا ہے اور وہ ایک مسلم خاتون سے شادی کر رہے ہیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ سے اس خبر کی تصدیق نہیں ہوئی، امین جمائل وہی ہیں جن کے دور اقتدار میں صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں میں ۸ ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تھا۔ اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اگر واقعتہً وہ اسلام قبول کرچکے ہیں تو ہم مسلم معاشرے میں ان کا استقبال کریں گے اور ہم یہ باور کریں گے کہ اسلام ایک بار پھر اپنی تاریخ کو دہرا رہا ہے جس طرح بغداد میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے چنگیزیوں نے بعد میں اسلام قبول کرکے اسلام کا تحفظ کیا تھا اسی طرح امین جمائل اقتدار سے محروم ہونے کے بعد بھی مظلوم فلسطینیوں کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

شیطانی آیات کا شیطان مصنف

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی ۱۰۴ جسولی (بریلی شریف)

وہابیت ودیوبندیت اور ان کی ذریات — سودودیت وتبلیغیت وغیرہ کے ارتداد، کمیونزم اور مغربی تعلیم وتہذیب کی انتہا پسند جدیدیت کے الحاد اور سوشلزم، سیکولرزم وقومی یکجہتی کے دھارے میں بہنے والے نیشنلسٹوں کی دین بیزاری نے ملت کی اجتماعیت اور عقائد اسلامی کو جو صدمے اور نقصانات پہنچائے ہیں ان سے تاریخ کے صفحات کے صفحات کالے پڑے ہوئے ہیں۔ اشتراکیت کا تو خیر زور ٹوٹ چکا ہے لیکن دوسرے واد اور ازم پورے زور کے ساتھ گھس بیٹھ کرنے اور اپنے ہتھکنڈے آزمانے میں مصروف ہیں۔ اور خوبی یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں سے ان سب کا سلسلہ مل جاتا ہے اور ان کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ سرچشمہ ہے "سعودیہ بدتر از یہودیہ"!

ہندی نجدیوں اور کھدر دھاریوں نیز وہائٹ ہاؤس اور بکھنگم پیلیس کو اپنا قبلہ سمجھنے والے الٹرا ماڈرن مسلمانوں کی سرپرستی امریکہ اور برطانیہ کے حوالے سے یہی سعودیہ کررہی ہے۔ آج پورے عالم اسلام میں جدیدیت اور دین بیزاری کی لعنت اسی وہابیت کی نحوست ہے۔

اسلام کے بیرونی حملہ آوروں کی جرأتیں اب یہاں تک بڑھ گئی ہیں کہ اسلام کی امیج کو مٹانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رفیع میں مغلظات اور سب وشتم کو تیز تر کرنے کے لئے نام نہاد مسلمانوں کو ہی آلۂ کار بنایا جارہا ہے۔ ٹی وی، ریڈیو اور اخباروں میں تحفظ اسلام میں آگے آنے والوں اور سچے مسلمانوں کو اسلامی دہشت گرد اور بنیاد پرست کہہ کر مسلمانوں ہی کے ذریعہ ان کا مذاق بنوایا جارہا ہے۔ اسلامی دہشت گردی اور بنیاد پرست جیسی اصطلاحات عام ہوتی جارہی ہیں۔ مسلم ممالک کی بے حسی کا حال دنیا کے مسلمان دیکھ ہی چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں اگر ایک صدام ہمت کرکے دشمنان اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو کر آتا بھی ہے تو مسلم ممالک ہی اس کی مخالفت میں اتر آتے ہیں۔

مسلمان کے اندر جب تک غیرت ایمانی تھی اور وہ نام رسول پر جینے مرنے ہی کو زندگی اور ایمان سمجھتے

تھے گستاخوں کی زبانیں بند تھیں اور اگر باہر آبھی جاتی تھیں تو زبان اور زباں دراز ہمیشہ کے لئے اپنا وجود کھو بیٹھتے تھے۔

بیسویں صدی کے اوائل سے اسلام اور پیغمبر اسلام دشمنی کی یہ مہم تیز ہو چلی ہے۔ ایسی ہی اسلام دشمن مہم اور سازش کا نتیجہ ۱۹۸۸ء میں اس وقت سامنے آیا جب سلمان رشدی نامی ایک شیطان کی شیطانی آیات۔ سامنے آئی۔ اس خبیث کتاب میں اخبث رشدی نے آقا حضور محسن اعظم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی ازواج مطہرات، صحابہ کرام خصوصاً سیدنا بلال حبشی اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی بارگاہوں میں۔ دریدہ دہنی کی انتہا کر دی ہے۔ ۵۴۷ صفحات کی اس کتاب ملعون میں ۸۰ صفحات میں انہیں شخصیات کے بارے میں زہر آرائی کی گئی ہے۔

یہ کتاب ستمبر ۱۹۸۸ء میں پنگوئن گروپ اور وائکنگ پنگوئن نے شائع کی۔ مسلمانان برطانیہ نے بریڈ فورڈ، بوسٹن، لوٹن، برمنگھم، لنکا شائر اور ہائی ویکمب وغیرہ میں زبردست مظاہرے کئے اور کتاب کو نذر آتش کیا۔ ۴؍ مارچ کو ہالینڈ کے دار الحکومت ڈین ہاگ اور امسٹرڈم شہر میں مظاہرے کئے گئے۔[۱]

ہندوستان میں ۲۴؍ فروری کو بمبئی میں مظاہرہ ہوا جس میں پولیس فائرنگ سے پندرہ سے زیادہ مسلمان خون میں نہا گئے تھے۔ سری نگر کشمیر میں پولیس تشدد سے ایک مسلمان شہید اور سیکڑوں زخمی ہوئے۔[۲]

پاکستان میں سب سے پہلے کوثر نیازی نے روزنامہ جنگ میں کالم لکھا۔ ۱۲؍ فروری کو امریکن سنٹر اسلام آباد کے سامنے احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ ۱۲ سالہ نوید عالم متعلم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی نے امریکی پرچم پھاڑ دیا۔ پولیس کی گولی سے یہ طالب علم شہید ہو گیا۔ اس کے علاوہ پانچ نوجوان اور بھی شہید ہوئے اور ایک سو سے زائد افراد زخمی ہوئے۔

۱۳؍ فروری کو انجمن مدارس عربیہ لاہور نے احتجاجی جلوس نکالا اور ۲۳؍ فروری کو گوجرانوالہ اور سیالکوٹ میں مکمل ہڑتال ہوئی۔[۳]

ہندوستان، پاکستان، مصر، ایران، کویت ملائشیا، لنکا، سعودیہ اور جنوبی افریقہ کے علاوہ کئی اور ملکوں نے بھی اس کتاب پر پابندی عائد کر دی۔ ملیاپور کے پوپ جان پال نے اس کتاب کو ویٹیکن سٹی کی گورنمنٹ لائبریری میں نہ رکھنے کی ہدایت کی۔[۴]

ایک خبر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پنگوئن ادارے کے ساتھ امیر کویت کے ساٹھ فیصد شیئرز ہیں۔[۵]

حکومتی سطح پر صرف ایران نے رشدی کے قتل کا فتویٰ دیا۔ خمینی نے رشدی اور اس کتاب کے ناشرین سمیت قتل کا فتویٰ دیکر ایرانی قاتل کو ۳۰ لاکھ ڈالر اور غیر ملکی کو دس لاکھ ڈالر انعام دینے کا اعلان بھی کیا۔[۶]

مصری عالم ڈاکٹر شمس الدین فاسی نے آیات شیطانیہ کے رد میں "آیات سماویہ فی الرد علی کتاب آیات شیطانیہ" تحریر کی جس کا ترجمہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے صدر شعبۂ عربی پروفیسر ڈاکٹر محمد مبارز ملک نے "شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ" کے نام سے کیا اور ۱۹۹۰ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

برطانوی اسکالر ضیاء الدین سردار نے بھی رشدی کی کتاب کے جواب میں کتاب لکھی ہے۔[۷]

چونکہ ہماری غیرت اسلامی سر زیر چکی ہے لہٰذا صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا اس غیرت و حمیت کا جوہر ایک دم مردہ ہو گیا ہے یا ابھی زندگی کی کوئی رمق باقی ہے۔ اسلام کے دشمن وقتاً فوقتاً اس طرح کی کوئی نہ کوئی حرکت کرتے رہتے ہیں۔ آج سے تقریباً ۲½ سال قبل کراؤن پبلشرز نیویارک نے مشرق وسطیٰ

اور افریقہ میں بادشاہت کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس کے صفحہ ۶۶ پر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی تین فرضی تصویریں شائع کیں ۔

اس سلسلے میں جاپان میں بھی مسلمانوں نے احتجاجات کئے تھے ٹوکیو (جاپان) کے ایک اطالوی یہودی پالمی نے جاپانی زبان میں ترجمہ کر کے چھاپا۔

ہندوستان میں بھی ۱۹۴۷ء کے بعد بنگلور، جے پور، اجمیر، دہلی وغیرہ سے ہندی رسالوں انگریزی اخباروں وغیرہ میں اس طرح کی خباثتیں شائع ہو چکی ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ مسلم ممالک میں پرائیویٹ طور سے تو عوام ضرور دینی جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن حکومتیں چپ رہتی ہیں۔

آج تک سلمان رشدی مردود کے قتل کی کوشش یا اس کی ملعون کتاب کے ناشرین پر حملے کرنے میں اگر کسی غیرتمند مسلمان کا نام آیا ہے تو صرف لاہور کے ایک پاکستانی شہری عدنان رشید کا جو جاپان میں رہ چکے ہیں۔ اور کاروباری سلسلے میں وہاں ان کا آنا جانا رہتا ہے۔ انہیں جاپان میں وہاں پاکستان ایسوسی ایشن جاپان کا تعاون حاصل رہا اور ایرانی سفارتخانہ نے بھی تعاون کیا ورنہ کسی بھی مسلم ملک کے سفارت خانہ نے کوئی تعاون نہیں کیا۔

سلمان رشدی ایک متوقع مقتول ہے لیکن وہ کب جہنم رسید ہوگا اللہ ہی جانے لیکن عالم اسلام کے جو کروڑوں مسلمانوں کی غیرت وحمیت کا وہ قتل کر چکا ہے مسلم حکومتوں اور وہاں کے سربراہان کو اس کی کتنی فکر ہے؟ شاید بالکل نہیں!

آج یہودیوں اور امریکیوں کی پناہ میں رشدی شیطان چوروں کی سی زندگی گزار رہا ہے لیکن ہمارے "شاہ" نہیں یہودیوں امریکیوں کی گود میں بیٹھ کر اسلامی غیرت و عقائد کو قتل کرنے میں مصروف ہیں۔

اسلام دشمن ممالک نے خفیہ طور پر اسلام کو مٹانے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے اور اس کام کیلئے نام نہاد مسلمانوں کو بھی آلۂ کار بنایا جا رہا ہے۔ سلمان رشدی۔ تسلیمہ نسرین اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ کٹرپنتھی، اسلامی دہشت گردی اور بنیاد پرست جیسی اصطلاحات عام ہوتی جا رہی ہیں وقت کا تقاضا ہے کہ مسلم قائدین کفن بردوش میدان عمل میں آئیں اور جذبۂ جہاد سے سرشار پر خلوص قیادت فرمائیں۔

سلمان رشدی ایک مرتد انیس رشدی کے ہاں ۱۹۴۷ء میں بمبئی میں پیدا ہوا۔ گھر میں وہ اپنے خبیث باپ سے اسلام دشمنی کی باتیں سن سن کر اور عیسائی مشنری اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے اخبث سے بھی بڑا خبیث۔ شیطان بنتا چلا گیا۔ وہ تو نسل ارتداد سے جنما، کفر وارتداد کی گود میں پروان چڑھا، اس کا نانا عبد اللہ، قادیانی تھا اور اس کی ماں زہرہ بٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ معاشیات کے ایک پروفیسر شائل اعظمی کو چھوڑ کر انیس کے ساتھ فرار ہوگئی اور زہرہ کی عیاشی کے نتیجے میں سلمان شیطان جنما۔

۱۹۶۵ء کی ہند پاک جنگ کے بعد اس کا خاندان لندن چلا گیا وہاں کنگز (KINGS) کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سلمان شیطان پاکستان

اکرٹیلی ویژن محکمہ میں ملازم ہوگیا لیکن اپنے ملحدانہ خیال کے سبب معزول کر دیا گیا. لندن واپس جا کر اس نے تصنیفی کام شروع کیا.

۱۹۷۵ء میں ایک کتاب بنام "جریموس" (Grimus) شائع کی جو کوڑے دان کی نذر ہوگئی اس نے کلاریس لارڈ نامی ایک انگریز لڑکی سے شادی کی اور بعد میں اسے چھوڑ کر امریکی لڑکی ماریان ویگنز سے شادی کر لی. یہ کم عمری سے ہی جنسی جنون میں مبتلا ہوگیا تھا. اس کی دوسری کتاب مخنث لڑکوں کی حالت پر مشتمل ہے اس طرح اس نے اور بھی کتابچے شائع کیے.

آیات شیطانیہ "Satanic Verses" کو پہلے فانکیخ برس نے چھاپی بعدہٗ ادارہ پنگوئن کو اس نے فروخت کر دیا اور اس ادارے نے اس ناپاک اور خبیث کتاب کے لیے عالمی منڈی حاصل کر لی۔[۸] دیکھیے اسلام دشمن طاقتیں کب تک اس طرح کی خباثتیں کرتی رہیں گی اور ہم برف کی مانند جمود کا شکار رہیں گے.

ماخذ و مراجع

۱؎ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ (مقدمہ علامہ عبد الحکیم شرف قادری) ص۱۲ و ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف مئی ۸۹ء

۲؎ ماہنامہ ضیائے حرم و روزنامہ جنگ پاکستان

۳؎ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ

روزنامہ مرکز، اسلام آباد، نوائے وقت لاہور

۴؎ ایضاً ۵؎ پندرہ روزہ ارشاد کراچی

۶؎ خمینی کے حالات زندگی از موسیٰ خاں جلال زئی، نوائے وقت لاہور

۷؎ ہفت روزہ ملتان روڈ لاہور

۸؎ شیطان رشدی اور اس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ۔

انگریزی اقتدار کے زیر سایہ بھی کئی بدباطن لوگ گستاخی رسول کا ارتکاب کرتے تھے اور مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرتے رہے ہیں۔ بعض اپنی بدباطنی کا اظہار کھلے بندوں نہ کرتے تھے مگر کسی نہ کسی طریقے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر حرف گیری کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ۱۳۳۵ھ کو جونپور (بھارت) میں ہوا۔ اسکولوں کے طلباء کو انگریزی کا ایک پرچہ حل کرنے کا حکم دیا گیا جس میں ایسی عبارت ترتیب دی گئی تھی جس کا انگریزی سے عربی ترجمہ کرانا مقصود تھا اور اس انگریزی عبارت میں توہین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اقرار تھا۔ مسلمانان جونپور (بھارت) نے ممتحنین کی اس بری حرکت کا سخت نوٹس لیا اور وہاں کے مولانا عبد الاول صاحب نے ۲۰ رمضان ۱۳۳۵ھ کو اعلیحضرت عظیم المرتبت فقیہ اعظم فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا اور گستاخان رسول کی اس چال پر فتویٰ طلب کیا۔ جس میں اہانت رسول موجود تھی۔

مولانا عبد الاول نے بتایا کہ ایک مسلمان ممتحن کی نگرانی میں دو مسلمان استادوں نے انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے ایک پرچہ مرتب کیا جس میں سب سے بڑے سوال کے نصف نمبر رکھے گئے تھے اس سوال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں گستاخی اور توہین کے الفاظ نقل کئے گئے۔ (نقل کفر کفر نہ باشد) مولانا عبد الاول مرحوم نے اس امتحانی پرچے کی عبارت کے درج ذیل الفاظ بھی نقل کئے۔

"ابن عبداللہ نے اس قبیلہ میں تربیت پائی تھی جو عرب کی اصلی زبان بولنے کے لحاظ سے شریف ترین تھا اور اس کی فصاحت کی سنجیدگی باموقع سکوت پر عمل کرنے سے تصحیح اور ترقی ہوتی

رہی باوجود اس فصاحت کے محمد ایک ناخواندہ وحشی تھا۔ بچپن میں اسے نوشت و خواند کی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ عام جہالت نے اسے شرم و ملامت سے مبرا کردیا تھا مگر اس کی زندگی ایک ہستی کے تنگ دائرہ میں محدود تھی اور وہ اس آئینہ سے (جس کے ذریعہ سے ہمارے دلوں پر عقل مندوں اور نامور بہادروں کے خیالات کا عکس پڑتا تھا) محروم رہا۔ تاہم اس کی نظروں کے سامنے ان کتابوں کے اوراق کھلے ہوئے تھے جس میں قدرت اور انسان کا مشاہدہ کرتا کچھ تمدنی اور فلسفی توہمات جو اسے عرب کے مسافر پر محمول کئے جاتے ہیں پیدا ہوگئے تھے۔

امتحانی پرچے کی یہ عبارت لکھنے کے بعد مسلمانان جونپور اور مولانا عبدالاول نے دریافت کیا کہ آیا پرچہ مرتب کرنے والے، اس پر نظر ثانی کرنے والے، اس کا دیدہ دانستہ ترجمہ کرنے یا اسے نقل کرنے والے اور ان ناشائستہ الفاظ کی تکرار کرنے والے نام کے مسلمان اسلام میں کس سزا کے مستحق ہیں؟ اور ان کا اسلامی معاشرہ میں کیا مقام ہے؟

جونپور کے مقامی علماء کرام نے اس مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار کیا اور شاتم رسول کی اس گستاخانہ حرکت پر قتل کا فتویٰ دیا مگر مسلمانان جونپور مطمئن نہ ہوئے چنانچہ یہ استفتاء اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ آپ گستاخان رسول کی شرعی سزا کو دلائل کی روشنی میں واضح کریں کہ شرع شریف کا ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جس کا آپ نے ان الفاظ میں جواب عنایت فرمایا؟

اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ فقیہ اعظم مولانا الشاہ احمد رضا خاں کا فتویٰ

فتاویٰ رضویہ جلد ششم صفحہ ۳۷ مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی

الجواب

ربّ انی اعوذبک من ھمزات الشیٰطین، واعوذبک ربّ ان یحضرون ○ والذین یوذون رسول اللہ لھم عذابٌ الیمٌ ○ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابًا مھینا ○ الا لعنۃ اللہ علی الظٰلمین ○

ان نام کے مسلمان کہلانے والوں میں جس شخص نے وہ ملعون پرچہ مرتب کیا، وہ کافر مرتد ہے۔ جس جس نے نظر ثانی کر کے برقرار رکھا وہ کافر مرتد، جس جس کی نگرانی میں تیار ہوا وہ کافر مرتد، طلبہ میں جو کلمہ گو تھے اور انہوں نے اس ملعون عبارت کا ترجمہ کیا، اپنے نبی کی توہین پر راضی ہوئے یا اسے ہلکا جانا، یا اسے اپنے نمبر

گھٹنے یا پاس نہ ہونے سے آسان سمجھا وہ سب
بھی کافر مرتد، بالغ ہوں، خواہ نابالغ۔
ان چاروں فریق میں سے ہر شخص سے
مسلمانوں کو سلام کلام حرام، میل جول حرام، نشست
وبرخاست حرام، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جانا
حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت
حرام، اسے غسل دینا حرام، اس کا جنازہ اٹھانا حرام
اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام
اسے ثواب پہنچانا حرام، بلکہ خود کفر و قاطعِ اسلام
جب ان میں کوئی مرجائے اس کے اعزہ و اقرباء
متعین اگر حکم شرع مانیں تو اس کی لاش دفع عفونت
کے لئے مردار کتے کی طرح بھنگی چماروں سے ٹھیلے
میں اٹھوا کر کسی تنگ گڑھے میں ڈلوا کر اوپر سے
آگ پتھر جو چاہیں پھینک پھینک کر پاٹ بھر دیں
کہ اس کی بدبو سے ایذا نہ ہو۔ یہ احکام ان سب کے
لئے عام ہیں۔

اور جو ان میں نکاح کئے ہوئے ہیں ان سب
کی جورو میں (بیویاں) ان کے نکاحوں سے نکل گئیں
اب اگر قربت ہوگی حرام حرام حرام! اور زنائے خالص
ہوگی اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الزنا ہوگی۔
عورتوں کو شرعاً اختیار ہے کہ عدت گزر جانے پر
جس سے چاہیں نکاح کرلیں، ان میں جسے ہدایت ہو
اور توبہ کرلے اور اپنے کفر کا اقرار کرتا ہوا پھر
مسلمان ہوا، اس وقت یہ احکام جو اس کی موت
سے متعلق تھے منتہی ہوں گے اور وہ ممانعت جو
اس سے میل جول کی تھی جب بھی باقی رہے گی یہاں
تک کہ اس کے حال سے صدق ندامت و خلوص
توبہ و صحت اسلام، ظاہر و روشن ہوں مگر عورتیں
اس سے بھی نکاح میں واپس نہیں آسکتیں، انہیں
اب بھی اختیار ہوگا کہ چاہیں تو دوسرے سے نکاح
کرلیں، یا کسی سے نہ کریں۔ ان پر کوئی جبر نہیں پہنچتا

باغیٔ اسلام (مرتد) کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے اُسکی ناپاک لاش کو مُردار کُتے کی طرح بھنگی چماروں سے ٹھیلے میں اٹھوا کر تنگ گڈھے میں پھینک دیں اور اُس پر آگ پتھر پھینک پھینک کر پاٹ دیں۔ کہ یہی حکم شرعی ہے

ہاں! ان کی مرضی ہو تو بعد اسلام ان سے
بھی نکاح کرسکیں گی۔

شفاء شریف صفحہ ۳۲۱

"اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنقص لہ کافر والوعید جارٍ علیہ بعذاب اللہ تعالیٰ ومن شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر"

"یعنی اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہو گیا۔"

نسیم الریاض جلد چہارم صفحہ ۳۸۱ میں امام ابن حجر مکی سے ہے۔

ماصرح بہ من کفر الساب والشاک فی کفرہ ھو ما علیہ ائمتنا

وغیرھم۔

"یعنی جو ارشاد فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر اور جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، یہی مذہب ہمارے ائمہ وغیرہم کا ہے۔

وجیز امام کردری جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ پر ہے۔

لو ارتد والعیاذ باللہ تعالٰی تحرم امرأتہ ویجدد النکاح بعد اسلامہ والمولد بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد التکلم بکلمۃ الکفر ولد زنا ثم ان اتی بکلمۃ الشہادۃ علی العادۃ لا یجدیہ ما لم یرجع عما قالہ لان باتیانہما علی العادۃ لا یرتفع الکفر اذا سب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او واحدا من الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فلا توبۃ لہ واذا شتمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سکران یعفی واجمع العلماء ان شاتمہ کافر ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر ملتقطا کاکثر الاوانی للاختصار۔

یعنی جو شخص معاذ اللہ مرتد ہو جائے اس کی عورت حرام ہو جاتی ہے، پھر اسلام لائے تو اس سے جدید نکاح کیا جائے، اس سے پہلے کلمۂ کفر کے بعد کی صحبت سے جو بچہ ہوگا، حرامی ہوگا۔ اور یہ شخص عادت کے طور پر کلمۂ شہادت پڑھتا رہے کچھ فائدہ نہ دے گا جب اپنے اس کفر سے توبہ نہ کرے کہ عادت کے طور پہ مرتد کے کلمہ پڑھنے سے اس کا کفر نہیں جاتا، اور جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے، دنیا میں بعد توبہ بھی اسے سزا دی جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر نشہ کی بے ہوشی میں کلمۂ گستاخی بکا، جب بھی معافی نہ دیں گے، اور تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور ایسا کافر ہے کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

فتح القدیر امام محقق علی لاطلاق جلد چہارم صفحہ ۴۰۷ میں ہے۔

کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقلبہ کان مرتدا فالساب بطریق اولٰی وان سب سکران لا یعفی عنہ۔

یعنی جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کینہ ہے وہ مرتد ہے، تو گستاخی کرنے والا بدرجۂ اولٰی کافر ہے، اور اگر نشہ بلا اکراہ پیا اور اس حالت میں کلمۂ گستاخی بکا، جب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔

بحر الرائق جلد پنجم صفحہ ۱۳۵ میں بعینہ کلمہ مذکور ذکر کر کے فرمایا صفحہ ۱۳۶ پر فرمایا۔

سب واحدا من الانبیاء کذلک فلا یفید الانکار مع البینۃ لانا نجعل انکار الردۃ توبۃ ان کانت مقبولۃ۔

یعنی کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے، یہی حکم ہے کہ اسے معافی نہ دیں گے اور بعد ثبوت اس کا انکار فائدہ نہ دے گا کہ مرتد کا ارتداد سے مکرنا تو دفع سزا کے لئے ہے، توبہ تو وہاں قرار پاتا ہے جہاں توبہ سنی جائے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، خواہ کسی نبی کی شان میں گستاخی اور کفروں کی طرح نہیں، اس سے یہاں اصلا معافی نہ

دیں گے۔

درر الحکام علامہ مولیٰ خسرو جلد اول صفحہ ۲۹۹ میں ہے۔

اذا سبّہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم او واحداً من الانبیاء صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، مسلمٌ فلا توبتہ لہ اصلاً واجمع العلماء ان شاتمہٗ کافرٌ ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔

یعنی اگر کوئی شخص مسلمان کہلاکر حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے، اسے ہرگز معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امّت مرحومہ کا اجماع ہے اس پر کہ وہ کافر ہے، اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

غنیہ ذوالاحکام صفحہ ۳۰۱ میں ہے۔

محل قبول التوبۃ المرتد ما لم تکن ردّت بسبّ النبی او ببغضہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فان کان بہ لا تقبل توبتہ سواءً جاء تائباً من نفسہ او شہد علیہ بذالک بخلاف غیرہ من المکفرات۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی اور کفروں کی طرح نہیں، ہر طرح کے مرتد کو بعد توبہ معافی دینے کا حکم ہے، مگر اس مرتد کے لئے اس کی اجازت نہیں۔

الاشباہ والنظائر قلمی، باب الردۃ۔

لا تصح ردۃ السکران الا الردۃ بسب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانہ لا یعفیٰ عنہ وکذا فی البزازیۃ وحکم الردۃ بینونۃ امرأتہ مطلقاً (ای سواءٌ رجعَ اولم یرجع اھ غمز العیون) واذا مات علیٰ ردتہ لم یدفن فی مقابر المسلمین ولا اھل ملّۃ وانما یلقی فی حفرۃ کالکلب والمرتد اقبح کفراً من الکافر الاصلی واذا شہدوا علیٰ مسلم بالردۃ وھو منکرٌ لا یتعرض لہ لا لتکذیب الشہود العدول بل لان انکارہٗ توبۃ ورجوعٌ فتثبت الاحکام التی للمرتد ما تاب من حبط الاعمال وبینونۃ الزوجۃ وقولہٗ لا یتعرض لہ انماھو فی مرتد تقبل توبتہٗ فی الدنیا لا الردۃ بسبّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اھ الاولیٰ تنکیر النبی کما عبر بہ فیما سبق اھ، غمز العیون۔

یعنی نشہ کی بے ہوشی میں اگر کسی سے کفر کی کوئی بات نکل جائے اسے بوجہ بے ہوشی کافر نہ کہیں گے نہ سزائے کفر دیں گے مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی وہ کفر ہے کہ نشہ کی بے ہوشی سے بھی صادر ہوا تو اسے معافی نہ دیں گے، اور معاذاللہ ارتداد کا حکم یہ ہے کہ اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اگر یہ بعد کو پھر اسلام لائے جب بھی عورت نکاح میں واپس نہ جائے گی اور جب وہ اسی ارتداد پر مرجائے، والعیاذ باللہ تعالیٰ! تو اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں، نہ کسی ملت والے مثلاً یہودی یا نصرانی کے گورستان میں دفن کیا جائے، وہ تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں پھینک دیا جائے، مرتد

کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے. اور اگر کسی مسلمان پر گواہانِ عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فعل کے سبب مرتد ہو گیا اور وہ اس سے انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لئے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا، بلکہ اس لئے کہ اس کا مکرنا اس کفر سے توبہ و رجوع سمجھیں گے، ولہٰذا گواہانِ عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ شخص مرتد ہو گیا تھا اور اب توبہ کرلی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کریں گے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہو گئے اور جورو (بیوی) نکاح سے باہر، باقی سزا نہ دی جائے گی، مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کہ یہ وہ کفر ہے جس کی سزا سے دنیا میں بعد توبہ بھی معافی نہ تھی اور نہ کسی نبی کی شان میں گستاخی علیہم الصلاۃ والسلام.

فتاویٰ خیریہ، علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار جلد اول صفحہ ۹۵ پر فرماتے ہیں.

" من سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانہ مرتدٌ وحکمہ حکم المرتدین ویفعل بہ ما یفعل بالمرتدین ولا توبۃ لہ اصلاً و اجمع العلماء انہ کافرٌ ومن شک فی کفرہٖ کفر، اھ ملتقطا.

جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کریم میں گستاخی کرے وہ مرتد ہے، اس کا حکم وہی ہے جو مرتدوں کا ہے، اس سے وہی برتاؤ کیا جائے گا جو مرتدوں سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اسے دنیا میں معافی نہ دیں گے، اور باجماع تمام علمائے امت وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے.

مجمع الانہر، شرح ملتقی الابحر جلد اول صفحہ ۶۱۸ پر ہے.

اذا سبہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او واحداً من الانبیاء مسلمٌ ولو سکراناً فلا توبۃ لہٗ تنجیہ کالزندیق ومن شک فی عذابہٖ وکفرہٖ فقد کفر.

یعنی مسلمان کہلا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یا کسی کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ نشہ کی حالت میں تو اس کی توبہ پر بھی دنیا میں اسے معافی نہ دیں گے. جیسے دہریئے، بے دین کی توبہ نہ سنی جائے گی، اور جو شخص اس گستاخی کرنے والے کے کفر میں شک لائے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا.

> گستاخ رسول توبہ کے بعد بھی سزا کا مستحق ہے. تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر ہے کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے

ذخیرۃ العقبیٰ، علامہ اخی یوسف صفحہ ۲۴۰ پر ہے.

قد اجمعت الامۃ علی ان الاستخفاف بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبای نبی کان علیہم الصلاۃ والسلام کفر سواءٌ فعلہٗ علی ذالک (الی آخرہ)

درمختار میں ہے۔

الکافر بسبّ نبی من الانبیاء لا تقبل توبتہ مطلقاً، ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔

یعنی کسی نبی کی توہین کرنا ایسا کفر ہے جس پر کسی طرح معافی نہ دیں گے، اور جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے، خود کافر ہے۔

کتاب الخراج سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفحہ ۱۱۲ پر ہے۔

قال ابو یوسف وایما رجل مسلم

کتب معتمدہ میں ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں اس کے یہی معنی ہیں، اور اس کی بحث یہاں بے کار ہے۔ کہاں سلطان اسلام اور کہاں سزائے موت کے احکام، صدہا خبیث، اخبث ملعون، انجس ہیں کہ کلمہ گو بلکہ اعلیٰ درجے مسلمان، مفتی، واعظ، مدرس، شیخ بن کر اللہ و رسول کی جناب میں منہ بھر بھر کر ملعونات بکتے، لکھتے اور چھاپتے ہیں اور ان سے کوئی تو کہنے والا نہیں، اور اگر کہے تو نہ صرف اللہ کے بلکہ بڑے بڑے مہذب بننے والے مسلمانوں کے نزدیک، یہ بے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان کافر ہے۔ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اگرچہ وہ نشہ کی حالت میں ہو۔ اس حکم میں دہریئے، بے دین بھی شامل ہیں ــــــ

سبّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ تعالیٰ وبانت زوجتہ۔

یعنی جو شخص کلمہ گو ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو برا کہے، یا تکذیب کرے، یا کوئی عیب لگائے، یا شان گھٹائے وہ بلاشبہ کافر ہے اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی۔

اشخاص مذکورین کے کفر و ارتداد میں اصلا شک نہیں، دوبارہ اسلام و رفع دیگر احکام، ان کی توبہ اگر سچے دل سے ہو ضرور مقبول ہے۔ ہاں! اس میں اختلاف ہے کہ سلطان اسلام انہیں بعد توبہ و اسلام صرف تعزیر دے یا اب بھی سزائے موت دے۔

وہ جو بزازیہ اور اس کے بعد کی بہت

تہذیبی و تشدد ہو۔

فعلہ معتقدا الحرمۃ، ولیس بین العلماء خلاف فی ذلک ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔

یعنی بے شک تمام امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خواہ کسی نبی کی تنقیص شان کرنے والا کافر ہے، خواہ اسے حلال جان کر اس کا مرتکب ہوا، یا حرام جان کر، بہر حال علماء کے نزدیک کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر۔

ایضاً صفحہ ۲۴۲ پر ہے۔

لا یغسل ولا یصلی علیہ ولا یکفن اما اذا تاب وتبرا عن الارتداد ودخل فی دین الاسلام ثم مات غسل وکفن

وصلی نیہ، ودفن فی مقابر المسلمین

یعنی وہ گستاخی کرنے والا جب مرجائے تو انہیں نہ غسل دیں، نہ کفن دیں، نہ اس پر نماز پڑھیں ہاں: اگر توبہ کرے اور اپنے اس کفر سے براءت کرے اور دین اسلام میں داخل ہو، اس کے بعد مرجائے تو غسل، کفن، نماز، اور مقابر مسلمین میں دفن سب کچھ ہوگا۔"

تنویر الابصار، شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی

کل مسلم ارتد فتوبتہ مقبو لۃ الا الکافر بسب النبی الخ.

"ہر مرتد کی توبہ قبول ہے، مگر کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا ایسا کافر ہے کہ دنیا میں سزا سے بچانے کے لئے اس کی توبہ بھی قبول نہیں۔"

فانظر الی اثار مقت اللہ الغیور کیف انقلبت القلوب وانعکست الامور ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ہ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ہ واللہ تعالیٰ اعلم ہ

توہینِ رسول کی سزا قتل

شرعی عدالت کا فیصلہ

غزالیٔ زماں علامہ احمد سعید صاحب کاظمی، ملتان (پاکستان)

محترم محمد اسمٰعیل قریشی، سینیر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ پاکستان، لاہور نے بنام اسلامی جمہوریہ پاکستان تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر ۲۹۵ الف اور دفعہ ۲۹۸ الف کے خلاف شرعی عدالت میں ایک درخواست دائر کی ہے جہاں تک اہانتِ رسالت اور توہین و تنقیصِ نبوت سے اس درخواست کا تعلق ہے، میں اس سے پوری طرح متفق ہوں اور دلائلِ شرعیہ (کتاب و سنت، اجماعِ امت اور تصریحاتِ علماءِ دین) کے مطابق میں اس کی مکمل تائید اور حمایت کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں میرا تفصیلی بیان درج ذیل ہے۔

کتاب و سنت، اجماعِ امت اور تصریحاتِ ائمۂ دین کے مطابق توہینِ رسول کی سزا صرف قتل ہے۔ رسول کی صریح مخالفت توہینِ رسول ہے قرآن مجید نے اس جرم کی سزا قتل بیان کی ہے اسی بنا پر کافروں سے قتال کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید کہتا ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ یہ (یعنی کافروں کو قتل کرنے کا حکم) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے صریح مخالفت کر کے ان کی توہین کا ارتکاب کیا۔ توہینِ رسول کے کفر ہونے پر بکثرت آیاتِ قرآنیہ شاہد ہیں۔ مثلاً

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۝

ترجمہ:۔ اور اگر آپ اُن سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے ہم تو صرف ہنسی مذاق کرتے تھے۔ آپ (اُن سے) کہیں کیا تم اللہ اور اُس کی آیتوں اور اُس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو۔ کوئی عذر نہ کرو۔ بے شک ایمان کے بعد تم نے کفر کیا۔

مسلمان کہلانے کے بعد کفر کرنے والا مرتد ہوتا ہے اور از روئے قرآن مرتد کی سزا صرف قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ[4]

ترجمہ:۔ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجئے، عنقریب تم سخت جنگ کرنے والوں کی طرف بلائے جاؤ گے تم ان سے قتال کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ آیت مرتدین اہل یمامہ کے حق میں بطور اخبار بالغیب نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء نے اس مقام پر فارس و روم وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل روایت نے اس آیت کو مرتدین بنی حنیفہ (اہل یمامہ) کے حق میں متعین کر دیا۔

عن رافع بن خدیج انا کنا نقرا هذه الاية فيما مضى ولا نعلم من هم حتى دعا ابوبكر رضى الله عنه الى قتال بنى حنيفة فعلمنا انهم اريدوا بها[5]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں ہم اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (مرتدین) بنی حنیفہ (اہل یمامہ) کے قتال کی طرف مسلمانوں کو بلایا۔ اس وقت ہم سمجھے کہ اس آیت کریمہ میں یہ مرتدین ہی مراد ہیں۔

ثابت ہوا کہ اگر مرتد اسلام نہ لائے تو از روئے قرآن اس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں۔

قتل مرتد کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں اختصار کے پیش نظر صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

اتی علی بزنادقة فاحرقهم (وفی روایة ابی داؤد[6] ان علیا احرق ناسا ارتدوا عن الاسلام) فبلغ ذلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقهم لنهی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لا تعذبوا بعذاب الله ولقتلتهم لقول رسول الله صلی الله علیه وسلم من بدل دینه فاقتلوه

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس (مرتد ہو جانے والے) زندیق لوگ لائے گئے تو آپ نے انہیں جلا دیا۔ اس کی خبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر (آپ کی جگہ) میں ہوتا، تو انہیں نہ جلاتا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں انہیں قتل کرا دیتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو (مسلمان) اپنے دین سے پھر جائے اسے قتل کر دو۔

قتل مرتد کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی جس شدت کے ساتھ مرتدین کو قتل کیا، محتاج بیان نہیں۔ صحابہ کرام کے لئے مرتد کو زندہ دیکھنا ناقابل برداشت تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے دو مختلف حصوں پر حاکم تھے ایک

غلافِ کعبہ سے لپٹے ہوئے توہینِ رسول کے مرتکب مُرتد کو مسجد حرام میں قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔

دفعہ حضرت معاذ بن جبل حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ملاقات کے لیے آئے۔ ایک بندھے ہوئے شخص کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا، یہ کون ہے؟
ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا:
کان یہودیا فاسلم ثم تہوّد قال اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ و رسولہ ثلاث مرّات فامر بہ فقتل۔[۸]
ترجمہ:۔ یہ یہودی تھا، مسلمان ہونے کے بعد پھر یہودی (ہو کر مرتد) ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت معاذ بن جبل کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ انہوں نے تین بار فرمایا: جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے میں نہیں بیٹھوں گا۔ (قتل مُرتد) اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حکم سے اُسے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔

گستاخِ رسول کا قتل

غلافِ کعبہ سے لپٹے ہوئے توہینِ رسول کے مرتکب مرتد کو مسجد حرام میں قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے کسی نے حضور سے عرض کی حضور! (آپ کی شان میں توہین کرنے والا) ابن خنظل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اقتلوہ" اُسے قتل کر دو۔[۹]

یہ عبداللہ بن خنظل مرتد تھا۔ ارتداد کے بعد اُس نے کچھ ناحق قتل کئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہہ کر حضور کی شان میں توہین وتنقیص کیا کرتا تھا۔ اس نے دو گانے والی لونڈیاں اس لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلافِ کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجدِ حرام میں مقامِ ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کی گردن ماری گئی۔[۱۰]

یہ صحیح ہے کہ اُس دن ایک ساعت کے لئے حرم مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حلال قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن بالخصوص مسجد حرام میں مقامِ ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کا قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخِ رسول باقی مرتدین سے بدرجہا بدتر و بدحال ہے۔

اجماعِ اُمّت

۱۔ قال محمّد بن سحنون اجمع العلماء ان شاتم النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم المتنقّص لہٗ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ لہٗ وحکمہٗ عند الامّۃ القتل ومن شکّ فی کفرہ وعذابہ کفر۔[۱۱]

ترجمہ:۔ محمد بن سحنون نے فرمایا، علماء اُمّت کا اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید جاری ہے اور اُمّت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے کافر ہے۔

۲۔ وقال ابو سلیمان الخطابی لا اعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ اذا کان مسلما[12]

ترجمہ:۔ امام ابو سلیمان الخطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب مسلمان کہلانے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سبّ کا مرتکب ہو تو میرے علم میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جس نے اُس کے قتل میں اختلاف کیا ہو۔

۳۔ واجمعت الامّۃ علیٰ قتل متنقصہ من المسلمین وسابہ[13]

ترجمہ:۔ اور اُمّت کا اجماع ہے کہ مسلمان کہلا کر حضور کی شان میں سبّ اور تنقیص کرنے والا قتل کیا جائے گا۔

۴۔ قال ابوبکر بن المنذر اجمع عوام اھل العلم علیٰ ان من سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل قال ذٰلک مالک بن انس واللیث واحمد واسحاق وھو مذھب الشافعی قال القاضی ابو الفضل وھو مقتضی قول ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ولا تقبل توبتہ عند ھؤلاء وبمثلہ قال ابو حنیفۃ واصحابہ والثوری واھل الکوفۃ والاوزاعی فی المسلمین لکنھم قالوا ھی ردۃ[14]

ترجمہ:۔ امام ابوبکر بن منذر نے فرمایا، عامۂ علماء اسلام کا اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ کرے قتل کیا جائے گا۔ ان ہی میں سے مالک بن انس، لیث، احمد، اسحاق (رحمہم اللہ) ہیں اور یہی شافعی کا مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا یہی مقتضیٰ ہے، اکھیر فرماتے ہیں، اور ان ائمہ کے نزدیک اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ، اُن کے شاگردوں، امام ثوری، کوفہ کے دوسرے علماء اور امام اوزاعی کا قول بھی اسی طرح ہے۔ اُن کے نزدیک یہ ردّت ہے۔

۵۔ انّ جمیع من سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ او الحق بہ نقصًا فی نفسہ او نسبہ او دینہ او خصلۃ من خصالہ او عرض بہ او شبّھہ بشیٔ علیٰ طریق السّب لہ او الازراء علیہ او التصغیر بشانہ او الغضّ منہ والعیب لہ فھو سابٌّ لہ والحکم فیہ حکم السّابّ یقتل کما نبیّنہ، ولا نستثنی فصلاً من فصول ھٰذا الباب علیٰ ھٰذا المقصد ولا نمتری فیہ تصریحا کان او تلویحًا۔ وھٰذا کلّہ اجماعٌ من العلماء وائمۃ الفتویٰ من لدن الصّحابۃ رضوان اللہ علیھم الیٰ ھلم جرا[15]

ترجمہ: بے شک ہر وہ شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی یا حضور کی طرف کسی عیب کو منسوب کیا یا حضور کی

ذاتِ مقدسہ، آپ کے نسب، دین یا آپ کی کسی خصلت سے کسی نقص کی نسبت کی یا آپ پر طعنہ زنی کی یا جس نے بطریق سب اہانت یا تحقیر شانِ مبارک یا ذاتِ مقدسہ کی طرف کسی عیب کو منسوب کرنے کے لئے حضور کو کسی چیز سے تشبیہ دی، وہ حضور کو صراحۃً گالی دینے والا ہے، اُسے قتل کر دیا جائے۔ ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثناء نہیں کرتے۔ نہ ہم اس میں کوئی شک کرتے ہیں۔ خواہ صراحۃً توہین ہو یا اشارۃً کنایۃً۔ اور یہ سب علماء امت اور اہل فتویٰ کا اجماع ہے۔ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۶۔ والحاصل انہ لاشك ولا شبهة فی کفر شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی استجاحة قتلہ وهو المنقول عن الائمة الاربعة[16]

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے کفر اور اس کے مستحقِ قتل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ چاروں ائمہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل) سے یہی منقول ہے۔

۷۔ کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقلبہ کان مرتداً فالساب بطریق اولیٰ ثم یقتل حداً عندنا[17]

ترجمہ:۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل میں بغض رکھے وہ مرتد ہے۔ آپ کو گالی دینے والا تو بطریق اولیٰ مستحق گردن زدنی ہے۔ پھر (مخفی نہ رہے کہ) یہ قتل ہمارے نزدیک بطور حد ہوگا۔

۸۔ ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ وبانت منہ زوجتہ[18]

ترجمہ: جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرے یا تکذیب کرے یا عیب لگائے یا آپ کی تنقیص شان کا کسی اور طرح سے مرتکب ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس سے اس کی زوجہ اس کے نکاح سے نکل گئی۔

۹۔ اذا عاب الرجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء کان کافر او کذا قال بعض العلماء لو قال لشعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شعیر فقد کفر وعن ابی حفص الکبیر من عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشعرة من شعراتہ الکریمة فقد کفر وذکر فی الاصل ان شتم النبی کفر[19]

ترجمہ:۔ کسی شے میں حضور پر عیب لگانے والا کافر ہے اور اسی طرح بعض علماء نے فرمایا، اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کو "شعر" کے بجائے (بصیغۂ تصغیر) "شعیر" کہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور امام ابو حفص الکبیر (حنفی) سے منقول ہے کہ اگر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ایک بال مبارک کی طرف بھی عیب منسوب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام محمد نے "مبسوط" میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے۔

۱۰۔ ولا خلاف بین المسلمین ان من قصد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذلك فهو ممن ینتحل

الاسلام انہ مرتد یستحق القتل ؎

ترجمہ:۔ کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت و ایذا رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہے وہ مرتد مستحق قتل ہے۔

یہاں تک ہمارے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کتاب وسنت اجماع امت اور اقوال علمائے دین کے مطابق گستاخ رسول کی سزا یہی ہے کہ وہ حداً قتل کیا جائے اس کے بعد حسب ذیل امور کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

۱۔ بارگاہ نبوت کی توہین و تنقیص کو موجب حدجرم قرار دینے کے لئے یہ شرط صحیح نہیں کہ گستاخی کرنے والے نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے کی غرض سے گستاخی کی ہو۔ یہ شرط ہر گستاخ نبوت کے تحفظ کے مترادف ہوگی اور توہین رسالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ ہر گستاخ نبوت اپنے جرم کی سزا سے بچنے کے لئے یہ کہہ کر چھوٹ جائے گا کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنا میری غرض نہ تھی۔ علاوہ ازیں شرط کتاب اللہ کے بھی منافی ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ہم لکھ چکے ہیں کہ توہین کرنے والے منافقوں کا یہ عذر کہ "ہم تو آپس میں صرف دل لگی کرتے تھے۔ ہماری غرض توہین نہ تھی"۔ نہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات مشتعل کرنا ہمارا مقصد تھا، اللہ تعالیٰ نے مسترد کردیا اور واضح طور پر فرمایا، لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ بہانے نہ بناؤ، ایمان کے بعد تم نے کفر کیا۔

۲۔ صریح توہین میں نیت کا اعتبار نہیں۔

> توہین رسالت پر حکم کفر کا مدار ظاہر الفاظ پر ہے اس لئے ضروری ہے کہ توہین صریح میں کسی گستاخ نبوت کی نیت اور قصد کا اعتبار نہ کیا جائے۔
> (نسیم الریاض شرح الشفاء ص۴۲۶)

"راعنا" کہنے کی ممانعت کے بعد اگر کوئی صحابی نیت توہین کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "راعنا" کہتا تو وہ وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ کی قرآنی وعید کا مستحق قرار پاتا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نیت توہین کے بغیر بھی حضور کی شان میں توہین کا کلمہ کہنا کفر ہے۔

امام شہاب الدین خفاجی حنفی ارقام فرماتے ہیں:۔

المدار فی الحکم بالکفر علی الظواھر ولا نظر للمقصود والنیات ولا نظر لقرائن حالہ ؎۲۱

توہین رسالت پر حکم کفر کا مدار ظاہر الفاظ پر ہے۔ توہین کرنے والے کے قصد ونیت اور اس کے قرائن حال کو نہیں دیکھا جائے گا۔ ورنہ توہین رسالت کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ہر گستاخ یہ کہہ کر بری ہو جائے گا کہ میری نیت اور ارادہ توہین کا نہ تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ توہین صریح میں کسی گستاخ نبوت کی نیت اور قصد کا اعتبار نہ کیا جائے۔

۲۔ یہاں اس شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور اسلام کی صرف ایک وجہ کا احتمال ہو تو فقہاء کا قول ہے کہ کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اس کا ازالہ یہ ہے کہ فقہاء کا یہ قول اس تقدیر پر ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہِ کفر کا صرف احتمال ہو، کفرِ صریح نہ ہو لیکن جو کلام مفہوم توہین میں صریح ہو اس میں کسی وجوہ کو ملحوظ رکھ کر تاویل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ لفظِ صریح میں تاویل نہیں ہو سکتی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

قال حبیب ابن الربیع لان ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل [۲۲]

ترجمہ: حبیب بن ربیع نے فرمایا کہ لفظِ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔

کسی کلام کا توہینِ صریح ہونا عرف اور محاورے پر مبنی ہے۔ معذرت کے ساتھ بطور مثال عرض کرتا ہوں کہ اگر کسی کو ولد الحرام کہا جائے اور کہنے والا لفظ "حرام" کی تاویل کرے اور کہے کہ میں نے "المسجد الحرام" اور "بیت اللہ الحرام" کی طرح معظم و محترم کے معنیٰ میں یہ لفظ بولا ہے، تو اس کی یہ تاویل کسی ذی فہم کے نزدیک قابلِ قبول نہ ہوگی، کیونکہ عرف اور محاورے میں "ولد الحرام" کا لفظ گالی اور توہین ہی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ کلام جس سے عرف و محاورے میں توہین کے معانی مفہوم ہوتے ہیں توہین ہی قرار پائے گا، خواہ اس میں ہزار تاویلیں ہی کیوں نہ کی جائیں۔ عرف اور محاورے کے خلاف تاویل معتبر نہ ہوگی۔

۴۔ یہاں اس شبے کو دور کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر توہینِ رسول کی سزا حدًا قتل کرنا ہے تو کئی منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح توہین کی۔ بعض اوقات صحابہ کرام نے عرض کی کہ حضور! ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس گستاخ منافق کو قتل کر دیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔

ابن تیمیہ نے اس کے متعدد جوابات لکھے ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے [۲۳]

ا۔ اس وقت اُن لوگوں پر حد قائم کرنا فسادِ عظیم کا موجب تھا۔ اُن کے کلماتِ توہین پر صبر کر لینا اس فساد کی نسبت آسان تھا۔

ب۔ منافقین اعلانیہ توہینِ رسالت نہ کرتے تھے، بلکہ آپس میں چھپ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں توہین آمیز باتیں کیا کرتے تھے۔

ج۔ منافقین کے ارتکابِ توہین کے موقع پر صحابہ کرام کا حضور سے اُن کے قتل کی اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ گستاخِ رسول کی سزا قتل ہے۔

گستاخانِ شانِ رسالت ابو رافع یہودی اور کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دیا تھا۔ اس حکم کی بناء پر صحابہ کرام کو علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرنے والا قتل کا مستحق ہے۔

د۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جائز تھا کہ وہ اپنے گستاخ اور مؤذی کو اپنی حیات میں معاف فرما دیں، لیکن اُمت کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کے گستاخ کو معاف کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجا لائے کہ آپ معافی کو اختیار فرمائیں، اور جاہلوں سے منہ

پھیریں اور نیکی کا حکم دیں"۔
(سورۂ اعراف آیت ۱۹۹)

میں عرض کروں گا کہ گستاخ رسول پر قتل کی حد جاری کرنا ایسی حد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا حق ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین حضور کی امت کے لئے بھی سخت ترین اذیت کا موجب ہے اور اس طرح اس حد کو پوری امت کا حق بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بلاواسطہ نہیں بلکہ بواسطہ ذات اقدس کے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اپنا یہ حق کسی کو خود معاف فرما دیں، جیسا کہ دیگر بعض احکام شرع کے متعلق دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن احکام میں حضور کو اختیار عطا فرمایا۔ مثلاً حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بردہ کو بکری کے ایک بچے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

ولن تجزی عن احد بعدک[۲۴]

کہ یہ (قربانی) تمہارے علاوہ کسی دوسرے پر ہرگز جائز نہیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب حضور نے حرم مکہ کی گھاس کاٹنے کو حرام قرار دیا تو حضرت عباس نے عرض کی "اِلّا الاذخر" یعنی "اذخر" گھاس کو حرمت کے اس حکم سے مستثنیٰ فرما دیں۔ حضور نے فرمایا: "الا الاذخر" یعنی اذخر کو حرمت کے حکم سے ہم نے مستثنیٰ فرما دیا[۲۵]

اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی تحریر فرماتے ہیں:

"و در مذہب بعضے آن است کہ احکام مفوض بُود بوے صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد بر ہر کہ خواہد حلال و حرام گرداند و بعضے گویند با اجتہاد گفت و اول اصح و اظہر است[۲۶]"

"یعنی بعض کا مذہب یہ ہے کہ احکام شرعیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دئے گئے تھے جس کے لئے جو کچھ چاہیں حلال اور حرام فرما دیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اجتہاد کے طور پر فرمایا تھا۔ اور پہلا مذہب اصح اور اظہر ہے"۔

ان احادیث کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی حکمت و مصلحت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان منافقین پر قتل کی حد جاری نہ فرمائیں، لیکن حضور کے بعد کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

آخر میں عرض کروں گا کہ توہین رسالت کی حد اسی پر جاری ہو سکے گی، جس کا یہ جرم قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جائے۔ اس کے بغیر کسی کو اس جرم کا مرتکب قرار دے کر قتل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ تواتر بھی دلیل قطعی ہے۔ اگر کوئی شخص توہین کے کلمات صریحہ بول کر یا لکھ کر اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ کلمات میں نے بولے یا میں نے لکھے ہیں تو یقیناً وہ واجب القتل ہے خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے اور کہتا پھرے کہ میری نیت توہین کی نہ تھی۔ یا ان کلمات سے میری غرض یہ نہ تھی کہ میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاؤں۔ بہرحال وہ مستحق قتل ہے۔

علیٰ ہذا وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین صریح کی تاویل کر کے اُس کے مرتکب کو کفر سے بچانا چاہیں بالکل اسی طرح قتل کے مستحق ہیں جیسا کہ خود توہین کرنے والا مستوجب

مذہب شاتم رسول کے حق میں محمد بن سحنون کا قول ہم شفاء قاضی عیاض اور الصارم المسلول سے نقل کر چکے ہیں کہ وَمَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ كَفَرَ ؎۲۷

۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء

حوالہ جات

؎۱ سورۂ انفال آیت ۱۳ - البحر المحیط صـ۴۷۱ ج ۴
؎۲ مدارک صـ۱۱۱ ج ۲، خازن صـ۱۱۱ ج ۲ -
؎۳ سورۂ توبہ آیت ۶۵، ۶۶ -
؎۴ سورۂ الفتح آیت ۱۶ -
؎۵ البحر المحیط صـ۹۴ ج ۸، روح المعانی صـ۱۰۲ پ ۲۶ -
؎۶ ابی داؤد صـ۵۹۸ ج ۲ -
؎۷ صحیح بخاری صـ۲۲۳ ج ۱، صـ۱۰۲۳ ج ۲، صـ۱۰۹۶ ج ۲ ابو داؤد صـ۵۹۸ ج ۲، ترمذی صـ۱۷۶ ج ۱، نسائی صـ۱۵۱ ج ۲، ابن ماجہ صـ۱۸۵ ج ۱، مسند احمد صـ۲۳۱ ج ۵ عن معاذ
؎۸ تفسیر مظہری صـ۱۳۵ ج ۲، روح المعانی صـ۱۶۰ پ ۶ -
؎۹ بخاری صـ۱۰۲۳ ج ۲ - ابو داؤد صـ۵۹۸ ج ۲ نسائی صـ۱۵۰ ج ۲ -
؎۱۰ بخاری صـ۲۴۹ ج ۱، صـ۶۱۴ ج ۲ -
؎۱۱ فتح الباری صـ۱۳ ج ۸، عمدۃ القاری صـ۳۴۷ ج ۸، ارشاد الساری صـ۳۹۲ ج ۶ -
؎۱۲ الشفاء صـ۲۱۶ ج ۲ صـ۲۱۵، فتح القدیر شرح ہدایہ صـ۴۰۷ ج ۴، الصارم المسلول صـ۳ -
؎۱۳ الشفاء صـ۲۱۱ ج ۲ -
؎۱۴ الشفاء صـ۲۱۵ ج ۲ -
؎۱۵ الشفاء صـ۲۱۴ ج ۲ الصارم المسلول صـ۲۲۵ طبع بیروت۔
؎۱۶ فتاویٰ شامی حنفی صـ۳۲۱ ج ۳، ونحوہ الصارم المسلول للحنبلی صـ۴ -
؎۱۷ فتح القدیر (امام ابن ہمام حنفی صـ۴۰۷ ج ۴ -
؎۱۸ کتاب الخراج امام ابو یوسف صـ۱۸۲، فتاویٰ شامی صـ۳۱۹ ج ۳ -
؎۱۹ فتاویٰ قاضی خان صـ۸۸۳ ج ۴ (طبع نولکشور)
؎۲۰ احکام القرآن للجصاص صـ۱۰۶ ج ۳ -
؎۲۱ نسیم الریاض شرح الشفاء صـ۴۲۶ ج ۴ -
؎۲۲ الشفاء صـ۲۱۷ ج ۲ -
؎۲۳ الصارم المسلول صـ۲۳۲ تا ۲۳۳ -
؎۲۴ بخاری صـ۹۳۲ ج ۲ -
؎۲۵ بخاری صـ۱۳۱ ج ۱، مسلم صـ۴۲۸ ج ۱ -
؎۲۶ اشعۃ اللمعات صـ۴۰۸ ج ۲ - مسک الختام صـ۵۱۲ ج ۲ -
؎۲۷ الشفاء : قاضی عیاض صـ۲۱۵، ۲۱۶ ج ۲، الصارم المسلول صـ۴ -

پیغمبر اعظم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی عظمت قرآن میں

ملعون سلمان رشدی کے لئے

لمحۂ فکریہ

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو
پ۱۵ اسرائیل ۶۵

بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ پ۱۳ یوسف (۵۳)

تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے پ۲۷ النجم (۲)

اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔
پ۸ انعام (۱۲۴)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے توب بدلہ لیتے۔ پ۲۹ الحاقہ (۴۴)

اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔ پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۴
ہمیں نہیں پہونچتا کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ پ۱۲ یوسف (۳۸)

اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگو میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ پ۱۲ ہود (۸۸)

بے شک رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔ پ۲۱ احزاب (۲۱)

اتصاف رسالت

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ پ۲۲ احزاب (۴۵)

بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔ پ۱ بقرۃ (۱۱۹)

جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور وہ تمہیں تعلیم فرماتا ہے جن کا تمہیں علم نہ تھا۔ پ۱ بقرہ (۱۵۱)

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا مانیں مشرک۔ پ۱۰ توبہ (۳۳)

اسی طرح ہم نے تم کو اس امت میں بھیجا جس سے پہلے امتیں ہو گذریں کہ تم انہیں پڑھ کر سناؤ جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔ پ۱۳ رعد (۳۰)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ پ۱۷ انبیاء (۱۰۷)

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ پ۲۲ سبا (۲۸)

بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔ پ۲۲ یس (۴)

فضیلت رسول

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ پ۳ بقرہ (۲۵۳)

یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو۔ پ۷ انعام (۹۰)

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ پ۱۸ فرقان (۱)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ پ۲۲ احزاب (۴۰)

ادب رسول

اور میرے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بے شک میں تمہارے گناہ اتار دونگا۔ پ۶ مائدہ (۱۲)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب تمہیں رسول اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔ پ۹ انفال (۲۴)

تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔ پ۹ اعراف (۱۵۷)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لیکر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہونچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔ پ۱۸ نور (۶۳)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔ پ۲۲ احزاب (۳۶)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کو پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم

ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہونچتا ہے کہ رسول کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔ پ۲۲ احزاب (۵۳)

تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح شام اللہ کی پاکی بولو۔ پ۲۶ فتح (۹)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جانتا اور سنتا ہے۔ پ۲۶ حجرات (۱)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو پ۲۶ حجرات (۲)

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ پ۲۶ حجرات (۳)

رسول نور ہیں

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ پ۶ مائدہ (۱۵)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر پ۱۰ توبہ (۳۲)

اور اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ پ۲۲ احزاب (۴۶)

اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے پ۱۸ نور (۳۵)

اختیارات رسول

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں پ۵ النساء (۶۵)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانیں اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا پ۲۲ احزاب (۳۶)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے پ۲۸ حشر (۷)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔ پ۹ اعراف (۱۵۷)

شفاعت رسول

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو

جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اللہ سنتا جانتا ہے۔ پ۱۱ توبہ (۱۰۳)

وہ کون ہے جو ان کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے پ۳ بقرہ (۲۵۵)

جس دن جبرئیل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرا باندھے کوئی بول نہ سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی پ۳۰ انبیاء (۳۸)

اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لئے وہ اذن فرمائے یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرمادی جاتی ہے ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا پ۲۲ السباء (۲۳)

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دیدیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی پ۱۶ طٰہٰ (۱۰۹)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں پ۵ النساء (۶۴)

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں پ۹ انفال (۳۳)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان پ۱۱ توبہ (۱۲۸)

اور بے شک قریب ہے تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ پ۳۰ والضحیٰ (۵)

رسول سے نسبت

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے کیا تمہیں سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان رحم والا ہے۔ پ۲ بقرۃ (۱۴۳)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ پ۴ آل عمران (۱۱۰)

اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔ پ۱۴ حجر (۷۲)

اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو

قسم اس شہر کی کہ اے محبوب تم اس میں تشریف فرما ہو پ۳۰ بلد (۲)

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے پ۳۰ ضحیٰ (۱-۲)

رسول کا علم غیب

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دیدے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے پ۴ آل عمران (۱۷۹)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ پ۵ النساء (۱۱۳)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے پ۷ انعام (۳۸)
اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ پ۱۱ یونس (۳۷)
اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔ پ۱۴ النحل (۸۹)
رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا پ۲۷ رحمٰن (۱-۲)
غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے پ۲۹ جن (۲۶)
اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ پ۳۰ تکوین (۲۴)

آخری نبی

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے پ۶ مائدہ (۳)
تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہونچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا پ۷ انعام (۱۹)
وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا مانیں مشرک پ۱۰ توبہ (۳۳)
محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے پ۲۲ احزاب (۴۰)

حاضر اور ناظر رسول

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا کہ تم پر حاضر ناظر ہیں پ۲۹ مزمل (۱۵)
بڑی برکت والا ہے وہ جس نے قرآن اتارا اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ پ۱۸ فرقان (۱)
بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا پ۱ بقرہ (۱۱۹)

رسول کو بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے

بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتے مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی پ۱۴ حجرات (۳۳)
تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا۔ پ۱۸ مومنون (۲۴)
اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔ پ۱۸ مومنون (۳۴)
بولے تم تو نہیں مگر جیسے آدمی اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرے جھوٹے ہو۔ پ۲۲ یٰسین (۱۵)
یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوتے اور پھر گئے پ۲۸ تغابن (۶)

گستاخی رسول کفر ہے

اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے پ۱ بقرۃ (۱۰۴)
اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے

بوسہ تبرکات کا ثبوت

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیائے کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے وَعَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِيْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ حضرت زارع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔ مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ پس انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔

ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو پ۲۶ حجرات (۲)

بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر کہ اگر تم میں سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم تھے پ۱۰ توبہ (۶۶)

اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے درد ناک عذاب ہے پ۱۰ توبہ (۶۱)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پ۲۲ احزاب (۵۷)

فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندہ گیا پ۲۳ (۷۷)

میلاد سنت الٰہی ہے

بے شک تمہارے پاس اللہ طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب پ۶ مائدہ (۱۵)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ پ۴ آل عمران (۱۶۴)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں پھر انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں پ۲۸ جمعہ (۲)

اور یاد کرو جب عیسٰی ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ پ۲۸ صف (۶)

اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کے طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا پ۶ النساء (۱۷۵)

(ماخوذ)

رشدی اور اس کے ہمنوا یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے لمحہ فکریہ

سرکار ﷺ کا نورانی تذکرہ آسمانی صحائف میں

مولانا سید محمد قائم صاحب قتیل داناپوری

فخر اہل سنت حضرت مولانا محمد قائم صاحب قتیل داناپوری علوم شرق و غرب کے بہترین فاضل ہیں توریت انجیل زبور اور دیگر صحائف آسمانی پر آپ کی نظر نہایت گہری اور مطالعہ بہت وسیع ہے۔ آپ نے اپنے اس ممتاز مضمون میں سرکار خاتم خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوت، شان سیادت، عقیدۂ خاتمیت، حیات النبی، معراج، ہجرت، مقام ولادت، سال ظہور، قرآن، علم غیب، فتح مکہ وغیرہ یہ سارے اہم مسائل نہایت صراحت سے کتب آسمانی سے ثابت کئے ہیں۔ یہ علمی مقالہ نہایت گہری توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے ——— (مدیر)

وہ آسمانی رابطہ جس کے ذریعہ ہم یقینی طور پر خدائے کائنات کی مرضی اور اس کے احکام و ہدایات معلوم کرتے ہیں اسے شریعت کی اصطلاح میں رسالت و نبوت کہا جاتا ہے ۔ اور ان مقربین کو جو اس منصب پر فائز ہوتے ہیں ہم نبی و رسول کہتے ہیں اور ان کے بیانات و احکام کو جو ان کے واسطے سے ملتا ہے ، کتاب و شریعت کہتے ہیں ۔ ایسے مقربین کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بتلائی جاتی ہے ۔ آسمانی کتابیں اور صحیفے اب بھی پچاس ساٹھ کے قریب موجود ہیں ۔ جن میں چار کتابیں قرآن عظیم

انجیل شریف ، زبور پاک و توریت مقدس کتاب کہلاتی ہیں ۔ باقی صحیفے ان مقربین میں سب سے پہلے بھی اور سب سے پیچھے بھی تاجدار مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ہاں البتہ ظہور میں

اپنے دین ، اپنی شریعت وغیرہ سے بھی اطلاع دیتے اور منادی کرتے آئے ۔ چنانچہ سب سے پچھلے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو ہمارے نبی کریم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے وہ سارے انبیاء کی نمائندگی فرماتے ہوئے بصیغۂ جمع یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

انجیل شریف

ہم لوگوں کا علم ناقص ہے اور ہم لوگوں کی نبوت ناتمام لیکن جب کامل آجائے گا تو ناقص جاتا رہے گا : کرنتھین ۱۳ ، ۱ - ۹

انجیل کی اس مقدس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام تک نہ کتاب مکمل ہوئی تھی نہ شریعت ، نہ دین مکمل تھا نہ نبوت ، مگر خبر دی جا رہی ہے کہ میرے (مسیح) بعد ایک نبی آئیگا جو کامل ہوگا اور جب وہ آجائے گا تو کتاب دین ، شریعت نبوت

عالمی نبی کی بشارت

توریت و انجیل اور دیگر صحائف میں بشارت دی گئی کہ مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئیگا جو عالمی نبی ہوگا اس پر ایمان لانا فرض ہوگا . اور جو اس پر ایمان نہ لائے گا وہ جہنم واصل ہوگا .

سب سے پہلے حضرت آدم اور سب سے پیچھے محمد عربی ہیں ۔ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ۔

آسمانی بشارتیں

ان آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تلاوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سارے انبیاء تا سیدنا مسیح علیہ السلام لوکل پرو فٹس (مقامی انبیاء) تھے ۔ جن کا رتبۂ نبوت و رسالت محدود و امت محدود ، شریعت محدود و تبلیغ محدود ، زمانہ محدود مگر صرف ایک نبی یعنی سب سے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنٹرل و یونیورسل نبی و رسول ہیں یعنی حضور کی نبوت و رسالت پوری کائنات کو محیط ہے (للعٰلمین نذیرا) اس لئے سارے انبیائے ماقبل اپنی اپنی امت کو آپ کی تشریف آوری ، آپ کے مدارج ، مناقب ، محامد ، کمالات ، مقامات وغیرہ سے مطلع کرتے رہے اور خود اپنی حیثیت ، اپنے مقام ،

رسالت پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے گی اور سارے ادیان سابقہ منسوخ اور ساری آسمانی کتابیں مرفوع ہو جائیں گی چنانچہ جب وہ کامل و اکمل تشریف لایا تو آسمانی ندا یوں آئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الخ :

آسمانی کتابیں دو عہد پر منقسم ہیں ۔ (۱) کتب عہد عتیق (۲) کتب عہد جدید ، چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دونوں عہد کی کتابوں میں بکثرت موجود اجمال و تفصیل دونوں کے ساتھ ، اور بعض موقع پر اشتباہ کے طور پر بھی حضور کی بشارت دی گئی ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

توریت مقدس

اے بنی اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا

لاؤں گا، خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا، ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں وہ سب بہادر ہیں۔“

یرمیاہ: ۵-۱۵ تا ۱۶

اس آیت میں عربوں کی طرف کھلا اشارہ ہے جن کی شجاعت و بہادری، جن کی قدامت ظاہر ہے، جن کی قوت و طاقت کا لوہا دنیا نے مان لیا ہے، جن کی زبان سے یورپ و امریکہ آج بھی ناواقف ہیں، اب چند اور بشارتیں کتب عہد عتیق سے ملاحظہ ہوں۔

آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرماتا ہے۔

توریت مقدس (۱) ”میں ان کے (بنی اسرائیل) کے لئے ان ہی کے بھائیوں (بنو اسمٰعیل) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرے نام سے کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔“ استثناء ۱۸-۱۸ تا ۱۹

انجیل شریف (۲) اسی آیت کو انجیل شریف نے بھی بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے دہرایا ہے وہ یہ ضدا۔

”چنانچہ موسیٰ نے حق فرمایا کہ تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کیں سبھوں نے اس کی خبریں دیں۔“ اعمال ۳-۲۲ تا ۲۴

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے گا جو نبی کامل و بے مثال ہوگا مگر وہ بنی اسرائیل سے نہ ہوگا بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس پر ایمان لانا فرض ہوگا۔ جو اس پر ایمان نہ لائے گا وہ جہنم داخل ہوگا وہ نبی خود سے نہ بولے گا بلکہ وحی الٰہی اس کی زبان پر ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر بولے گا (ما ینطق عن الھویٰ الخ) اور حضرت موسیٰ سے لے کر آج تک جتنے نبی آئے ان سب نے اس نبی کی بشارت دی، چنانچہ چند بشارتیں اور ملاحظہ ہوں۔

توریت (۱) ”خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔“ استثناء ۳۳-۲

اس آیت شریف سے صاف ظاہر ہے کہ آفتاب رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جبل فاران سے طلوع فرما کر پوری کائنات کو اپنے جلووں سے منور کر دے گا۔

یسعیاہ (۲) ”اس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے پہلے گھوڑوں، دوسرے گدھوں، تیسرے اونٹوں پر۔“ یسعیاہ: ۲۱-۷

اس آیت شریف سے بھی ظاہر ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب سے ظاہر ہوں گے اور اونٹ سواری میں ہوگا اس لئے کہ اونٹ عرب کی ملک ہے اور اونٹوں کو عرب سے ایک خاص نسبت ہے۔

ذکریا (۳) ”دیکھ خداوند کا دن آتا ہے جب تیرا مال لوٹ کر تیرے اندر بانٹا جائے گا۔“ ذکریا: ۱۴-۱

حضرت سیدنا ذکریا و یحییٰ ابن ذکریا و حضرت مسیح علیہم السلام یہ تینوں ایک ہی گھر کے اور ایک ہی وقت میں تھے۔ اس لئے آیت بالا صریحاً حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ آپ ان حضرات کے بعد تشریف لائے اور میدان جہاد سجائے گیا۔

حزقی ایل (۴) ”میں اسے (بیت المقدس) الٹ دوں گا، الٹ دوں گا، الٹ دوں گا، پر یوں بھی نہ رہے گا اور وہ آئے گا جس کا یہ حق ہے اور یہ میں اسے دے دوں گا۔“ حزقی ایل: ۲۱-۲۷

حبقوق (۵) ”خدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے (سلاہ) اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہو گئی۔“ حبقوق: ۳-۳

حجی (۶) ”رب الافواج فرماتا ہے کہ میں ساری قوموں کو ہلا دوں گا، اور ساری قوموں کا محبوب آجائے گا اور میں اس گھر کو جلال سے معمور کر دوں گا۔“ حجی: ۲-۷

(۷) **ملاکی** دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم منتظر ہو آئے گا۔ ملاکی ۳: ۱

اس آیت شریف میں عہد کے رسول سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کی اطاعت کا سارے انبیاء عہد و اقرار کر چکے اور حلف وفاداری اٹھا چکے ہیں۔ (و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ)

(۸) **صفنیاہ** تم خداوند کے حضور خاموش رہو کیونکہ خداوند کا دن نزدیک ہے۔ صفنیاہ ۱: ۷

سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت

اسی طرح اگر بشارتوں کی طرف اشارہ کرتا چلا جاؤں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اب رہیں کتب عہد جدید کی بشارتیں، اس کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ انشاء اللہ انھیں موقع موقع پیش کروں گا۔ سردست اس جگہ کتب عہد جدید سے چند بشارتیں پیش کرتا ہوں خود حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام نے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمایا ہے۔

(۱) یسوع نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

متی ۱۵-۲۴

(۲) ان بارہ حواریوں کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی ملک میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس اور چلتے چلتے منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی۔ متی ۱۰: ۵ تا ۷

(۳) اس وقت یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی۔ متی ۴-۱۷

(۴) پھر یوحنا کے پکڑوائے جانے کے بعد یسوع نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہوگیا اور خدا کی بادشاہت نزدیک آگئی۔ توبہ کرو اور خوشخبری کو مانو۔

مرقس ۱-۱۵

خود حضرت مسیح کے پیر و مرشد حضرت یحییٰ علیہما السلام کا اعلان ملاحظہ ہو۔

(۵) ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت بہت نزدیک آگئی ہے۔ متی ۳-۱

خود حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(۶) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ جہان کا سردار (شاہزادۂ عالم) آتا ہے۔ یوحنا ۱۴-۳۰

مکہ معظمہ کی نشاندہی

یہ تمام آیتیں جو مذکور ہوئیں اسمیں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بار بار خبر دی گئی ہے کہ لوکل پروفٹ شپ ختم ہوتی ہے اور عالمگیر نبوت آرہی ہے۔ یعنی اب وہ نبی آتا ہے جو عالمین پر فرماں روائی فرمائے گا اور ان کی سلطنت حکومت، نبوت و رسالت سے عالمین کا کوئی ذرہ نہ کوئی قطرہ باہر ہوگا اور اس کے ظہور کا مقام فاران ہے یعنی مکہ معظمہ پس وہ نبی آخر الزماں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دار السلطنت مکہ معظمہ ہوگا اسکے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت اسمٰعیل اسی مکہ معظمہ کے ریگستانوں میں اپنی اہلیہ کے ساتھ رہتے تھے جن کے بیٹے قیدار اور پرپوتے بہت سے تھے اور یہ اجداد حضور ہیں جیسا کہ خود توریت شریف میں ارشاد ہے۔

"خدا اس لڑکے (اسمٰعیل) کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اسکے لئے بیوی لی۔"

پیدائش ۲۱-۲۰ و ۲۱

واضح ہو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ مصر کی رہنے والی اور بادشاہ مصر فرعون کی بیٹی تھیں ان تمام آیتوں سے مقام کا پتہ صاف مل گیا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور فاران یعنی مکہ معظمہ سے ہوگا۔

آسمانی کتابوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفے غزل الغزلات میں حضور کا نام نامی محمد ہے۔ عبرانی زبان میں یم اظہار تعظیم کا مرتبہ کے لئے لگاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کو عبرانی زبان میں

آتو ہیم، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محمدیم کہتے ہیں۔
عصبیت کا برا ہو۔ پادری صاحبان نے محمدیم کا ترجمہ کہیں عشق انگیز، کہیں تشنی بخش لکھا ہے۔ ان کے تعصب نے اسم معرفہ کا بھی ترجمہ کر دیا۔ عبارت غزل الغزلات ملاحظہ ہو۔

غزل الغزلات

میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ اس کا سر خالص سونا ہے خوبی میں رشک سرو ہے اس کا منہ ازبس شیریں ہے، ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے یروشلم کی بیٹیو۔" غزل الغزلات ۵: ۱۰ تا ۱۶
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف انجیل میں احمد ہے مگر اس کا بھی ترجمہ ہو گیا۔

جائے ولادت کا تعین

جائے ولادت کا تعین بھی آسمانی کتابوں میں موجود ہے چونکہ حضرت آدم تا مسیح علیہم السلام کوئی نبی مکہ معظمہ میں پیدا ہی نہ ہوا اس لئے مکہ معظمہ کو آسمانی کتابوں نے بانجھ کہہ کے مخاطب کیا ہے مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا یہیں لاکر چھوڑی گئی تھیں اور آپ ہی کی نسل میں حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ہی پیدا ہوئے اس لئے آسمانی کتابیں مکہ معظمہ کو مبارک بادیاں پیش کر رہی ہیں۔

یسعیاہ

اے بانجھ تو جسے اولاد نہ ہوئی نغمہ سرائی کر تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا، اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے، اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے، ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا، دریغ نہ کر اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر۔ اس لئے کہ تو داہنے اور بائیں بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہو گی الخ۔

یسعیاہ ۵۴۔ ۳ تا ۱

اس مبارک باد کو تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے ساتھ ملا کر پڑھئے تو معنی اور بھی زیادہ واضح ہو جائیں گے ناظرین یقینی آگاہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت دعا فرمائی تھی جو قرآن عظیم میں بھی مذکور ہے اور توریت میں بھی، اس دعا کی قبولیت کی بشارت توریت میں یوں دی گئی ہے۔

توریت

میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ شہزادے پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا الخ" پیدائش: ۱۷۔ ۲۰
آیات بالا کی مبارکباد میں بیکس چھوڑی ہوئی سے حضرت ہاجرہ مراد ہیں اور شوہر والی سے حضرت سارہ، خیمہ گاہ وسیع کر، مسکنوں کے پردے پھیلا، ڈوریاں لمبی، میخیں مضبوط کر، داہنے اور بائیں بڑھے گی۔ ان تمام باتوں کا مفہوم یہی ہے کہ لوکل یعنی علاقائی نبوت ختم ہو گی اور آسمانی بادشاہت کا فرماں روا آ رہا ہے جو پوری کائنات پر حکمراں ہو گا وللعالمین نذیرا۔ اب دوسری مبارکباد ملاحظہ ہو۔

یسعیاہ

بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں الخ"

یسعیاہ: ۴۲۔ ۱۱

علم غیب

آسمانی کتابوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب بھی ثابت ہے حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:
انجیل شریف: جب وہ سچائی کی روح آئیگا تو وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" یوحنا ۱۶ / ۱۳
قرآن عظیم بھی فرماتا ہے۔
وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔ اور وہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے:

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے جو اپنے والد ماجد کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں رہتے تھے، توریت نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ قیدار اور قیدار کے پوتے نبت کی اولاد میں حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کریں گی اور ایمان لائیں گی۔ آیت ملاحظہ ہو۔

توریت | قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی — بنابوت (نبت) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے " یسعیاہ: ۶۰ — ۷

ان تمام آیتوں سے جو اوپر بیان ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں بڑی جاہ و جلال کے ساتھ رونق افروز ہوں گے۔ حضور کے سال ولادت کی خبر صحیفہ حضرت دانیال علیہ السلام میں موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک بار حضرت دانیال علیہ السلام عالم واقعہ میں بطور مکاشفہ بیت المقدس کی تباہی و بربادی، قتل و قتال دیکھ رہے تھے جو بادشاہ طیطوس اور اس کے باپ کے ہاتھ سے سنہ۷۰ء میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ حضرت دانیال علیہ السلام کو اس مقدس شہر کے حال پر نہایت قلق و صدمہ ہوا۔ مختصراً صحیفۂ دانیال میں اسطرح ہے۔

دانیال | اس میں (دانیال) دعا میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ وہی شخص جبرئیل نے مجھے چھوا اور کہا .... تیرے لوگوں اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر کئے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، رویا اور نبوت پر مہر ہو ....

دانیال: ۹ ۔ ۲۱ تا ۲۴

ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ دانیال علیہ السلام اپنے شہر کی تباہی و ہلاکت مکاشفہ میں دیکھ کر رو دیئے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی معرفت انھیں خبر دی کہ آج سے ستر ہفتے کے بعد فاتح بیت المقدس پیدا ہوگا جو یہاں کی بداعمالیوں اور خرابیوں کو دور کرے گا۔ راست بازی قائم کرے گا اور اسی پر وحی الٰہی اور نبوت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ واضح ہو کہ توریت و انجیل کے ہفتے سات سال کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ستر ہفتے کے معنی ۴۹۰ سال ہوئے اور سنہ۷۰ء کا واقعہ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۷۰ + ۴۹۰ یعنی سنہ۵۶۰ء ہوئے اور یہی حضور کی ولادت شریف کا سال ہے، اور حضور ہی پر وحی الٰہی کا سلسلہ بھی تمام ہو گیا اور نبوت بھی ختم ہو گئی۔

حضور کی سیادت کا اعتراف

چونکہ سارے انبیاء علیہم السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں دی تھیں اور چونکہ خود مسیح علیہ السلام کے بعد کفر و شرک عام ہو گیا تھا حتی کہ بیت المقدس میں تین بُت اور بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے۔ چاند سورج، پانی پتھر، آگ، درخت، جانور وغیرہ پوجے جانے لگے۔ اس لئے لوگ بہت بے چینی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے اور اس وقت کے انبیاء بڑے شد و مد سے حضور کی خبریں دینے لگے چنانچہ حضرت یحییٰ فرماتے ہیں۔

انجیل شریف | "میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے، میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اسکی جوتیوں کا تسمہ کھولوں" مرقس: ۱ ۔ ۷

انجیل شریف | "جب لوگ منتظر تھے اور سب اپنے دل میں یوحنا (یحییٰ) کی بات سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں تو یوحنا نے ان سے جواب میں کہا .... جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں" لوقا: ۳ ۔ ۱۵ و ۱۶

خود حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مرید و مسترشد حضرت مسیح علیہ السلام جنھوں نے یحییٰ علیہ السلام سے بپتسمہ لیا تھا یوں اس نبی کی خبر دیتے رہیں۔

انجیل شریف: "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار (شہزادۂ عالم) آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں"

یوحنا: ۱۴ ۔ ۳۰

مجھ میں اس کا کچھ نہیں، ایک انگریزی محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ جس کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے۔ "میں اس کے پاسنگ کے قابل نہیں" آسمانی کتابوں نے بھی حضور کو سید الانبیاء لکھا ہے آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف " اور جب سردار گلہ بان ظاہر ہوگا تو تم کو جلال کا ایک سہرا ملے گا جو مرجھائے گا نہیں۔"

۱۔ پطرس ۵۔ ۴

توریت اور انجیل میں بھیڑی سے مراد امت ہے اور گلہ بان سے انبیاء سردار گلہ بان یعنی سید الانبیاء۔

نور کا ذکر قرآن عظیم و احادیث نبوی میں حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم "نور" مذکور ہیں۔ اگلی آسمانی کتابوں میں بھی حضور نور ہی نور ہیں آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف :۔ " ایک آدمی یوحنا (حضرت یحییٰ) نام آموجود ہوا۔ جو خداوند کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ یہ گواہی کے لیے آیا تھا۔ کہ نور کی گواہی دے تاکہ اس کے وسیلے سے ایمان لادیں۔ وہ (یحییٰ) خود تو نور نہ تھا مگر نور کی گواہی دینے کو آیا تھا۔ حقیقی نور جو ہر آدمی کو روشن کرتا ہے دنیا میں آنے کو تھا۔"

یوحنا: ۱۔ ۶ تا ۹

یوحنا یعنی حضرت یحییٰ نبی ہیں مگر انجیل کہتی ہے کہ وہ خود نور نہیں ہیں بلکہ آنے والے نور کی جو حقیقی نور ہے گواہی دینے کو آئے تھے (انا من نور اللہ)

زبور مقدس :۔ " اپنے نور اور اپنی سچائی کو بھیج وہی میری رہبری کریں۔" زبور ۔ ۴۳ ۔ ۳

زبور مقدس :۔ " کیونکہ زندگی کا سرچشمہ تیرے پاس ہے تیرے نور کی بدولت ہم روشنی دیکھیں گے۔"

زبور : ۳۶ ۔ ۹

توریت شریف ۔ " وہ کوہ فاراں سے جلوہ گر ہوا۔"

استثنا : ۳۳ ۔ ۲

انگریزی انجیل میں "شائینڈ" ہے یعنی چمکا اور یہ صرف نور ہی کے لئے کہہ سکتے ہیں۔

آسمانی کتابوں میں بھی حضور سارے عالم کے لیے نبی مذکور ہیں آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف :۔ " اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔"

یوحنا : ۱۴ ۔ ۳۰

انجیل شریف :۔ " جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا امت میں سے نیست نابود کر دیا جائے گا۔" اعمال : ۳ ۔ ۲۳ و ۲۲

توریت مقدس :۔ " میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔"

استثنا : ۱۸ ۔ ۱۸

زبور شریف :۔ " وہ آرہا ہے۔ وہ زمین کی عدالت کرنے کو آرہا ہے۔ وہ صداقت سے جہاں کی اور اپنی سچائی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔" زبور : ۹۶ ۔ ۱۳

زبور شریف :۔ " اس کی بجلیوں نے جہاں کو روشن کر دیا۔ زمین نے دیکھا اور کانپ گئی۔" زبور : ۹۷ ۔ ۴

علم غیب کا ذکر آسمانی کتابوں سے حضور کا علم غیب بھی ظاہر ہے حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

انجیل شریف :۔ " جب وہ سچائی کی روح آئے گا۔ تو وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" یوحنا : ۱۶ ۔ ۱۳

قرآن عظیم بھی فرماتا ہے "وما ہو علی الغیب" مثل قرآن عظیم کے انجیل مقدس کا بھی یہی ارشاد ہے کہ میرے حضور عرشی ہیں فرشی نہیں (قد جاءکم من اللہ نور الخ)

انجیل شریف :۔ " یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ اس میں زندگی تھی ۔ اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا" یوحنا : ۲ ۔ ۴

حیات النبی کا ذکر آسمانی کتابوں میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے شاندار الفاظ میں مذکور ہے آیت ملاحظہ ہو :۔

انجیل مقدس: "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ دوسرا مددگار (نبی) بھیجے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" یوحنا: ۱۴۔ ۱۵ و ۱۶

آسمانی کتابوں میں معراج شریف کا بھی ذکر موجود ہے

انجیل شریف: "وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کرے گا۔ اور اس کا بچہ یکایک خدا اور اس کے تخت کے سامنے پہونچا دیا گیا۔ مکاشفہ: ۱۲۔ ۵ (سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ)

ہیں۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ کوئی صادق اس ہجرت میں حضور کا رفیق ہوگا۔ شب ہجرت دشمنوں کا محاصرہ کرنا دشمنوں کی پسپائی و ناکامی اور حضور کا دشمنوں سے نکل جانا بھی مذکور ہے۔

زبور مقدس: "اس سے عداوت رکھنے والے اس کے سامنے سے بھاگ جائیں جیسے دھواں اڑ جاتا ہے ویسے ہی تو انکو اڑا دے۔ جیسے موم آگ کے سامنے پگھل جاتا ہے۔" زبور: ۱۔ ۱ و ۲

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ پہونچنا حضور کا استقبال، عورتیں، لڑکیاں، ان کا دف بجا کر گانا

حیات النبی

قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ابدی کا ثبوت ہے۔ آسمانی کتابوں میں بھی حیات النبی کا ذکر شاندار الفاظ میں موجود ہے۔

انجیل شریف: اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میرا وہ نبی ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا (یوحنا ۱۴۔۱۵۔۱۶)

ہجرت کا ذکر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر بھی آسمانی کتابوں میں درج ہے۔ آئیں ملاحظہ ہو۔

زبور مقدس: "صادق خوشی منائیں۔ وہ خدا کے نزدیک شادماں ہوں۔ دیکھ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں" صحرا کے سوار کیلئے شاہراہ تیار کرو۔ بسن کا پہاڑ خدا کا پہاڑ بسن کا پہاڑ اونچا پہاڑ ہے۔ اے اونچے پہاڑو تم اس پہاڑ کو کیوں تکتے ہو۔ جسے خدا نے اپنی سکونت کیلئے پسند کیا ہے۔ بلکہ خداوند اسمیں ابد تک رہے گا۔

زبور: ۶۸۔ ۳ تا ۱۶

بسن مدینہ طیبہ کا ایک پہاڑ ہے جسے باشان بھی کہتے ہیں۔ خوش آمدید کہنا سب مذکور ہے، ملاحظہ ہو۔

زبور مقدس: "اے خدا لوگوں نے تیری آمد دیکھی، مقدس میں میرے خدا میرے بادشاہ کی آمد۔ گانے والے آگے آگے اور بجانے والے پیچھے پیچھے چلے، دف بجانے والی جوان لڑکیاں بیچ میں۔" زبور: ۶۸۔ ۲۴ و ۲۵

عورتیں اور لڑکیاں جو نغمہ گا رہی تھیں ملاحظہ ہو

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ حضور کو ہجرت کے بعد فاتح ہونے کی حیثیت سے دوبارہ مکہ معظمہ میں لاؤں گا ابد

وہ لوگ جو جنگ کے خوف سے مکہ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے ہونگے انہیں پھر لاکر مکہ میں بسایا جائے گا۔ آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔

زبور مقدس :۔ "خداوند نے فرمایا کہ میں ان کو بسن (جبل مدینہ) پر لاؤں گا۔ لوگوں کو سمندر کی تہہ سے نکال لاؤں گا۔" زبور : ۶۸ - ۲۲

چنانچہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ ۸ھ میں فاتحانہ داخل مکہ ہوئے جس کا تین آسمانی کتابوں میں اشارہ ہے وھو ہذا۔

(۱) غزل الغزلات :۔ "میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے" غزل الغزلات : ۵ - ۱۰ و ۱۱

(۲) توریت :۔ "وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اسکے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت ہے" استثنا : ۳۳ - ۲

(۳) نامۂ یہوداہ :۔ "ان کے بارے میں حنوک نے بھی جو آدم سے ساتویں پشت میں تھا یہ پیش گوئی کی تھی کہ دیکھو خداوند اپنے دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔" یہوداہ کا پہلا خط : ۱ - ۱۴

ان تینوں کتابوں میں دس ہزار قدسیوں کی خبر دی گئی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ فتح مکہ میں حضور کے ساتھ گئے ہوئے دس ہزار صحابۂ کرام تھے۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ پورے دس ہزار۔

آسمانی کتابوں میں یہ بھی خبر ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے پھر بیت المقدس میں بھی نہ بت پرستی ہوگی نہ بتوں کا نام و نشان باقی رہے گا۔

انجیل مقدس: "یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کروگی نہ بیت المقدس میں" یوحنا : ۴ - ۲۱

انجیل مقدس : "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے بتانے کے موافق مجھے معلوم ہے کہ میرے خیمے گرائے جانے کا وقت جلد آنے والا ہے" پطرس کا دوسرا خط ۱ - ۱۴

اعلان طہارت مریم جب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف متوجہ ہونے لگے اور ایمان لانے لگے تو یہودیوں نے عیسائیوں پر سختی کرنی شروع کی اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بطور طعنہ اتہام باندھنے لگے چنانچہ ان لوگوں نے یہ بات حضرت مسیح کی خدمت اقدس میں پیش کی حضرت مسیح نے جواباً فرمایا۔

انجیل شریف :۔ "جب وہ سچائی کی روح آئے گا۔ ... تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اور مجھے پاک صاف باعظمت کردے گا۔" یوحنا : ۱۶ - ۱۴

اس پر یہودیوں نے بھی سختی شروع کی کہ ایسا شخص تو نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس وقت حضرت مسیح نے فرمایا۔

انجیل شریف :۔ "جب وہ مددگار آئے گا۔ جس کو میں تمہارے پاس باپ کیطرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کی روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" یوحنا ۱۵ - ۲۶

آسمانی کتابوں میں فتح مکہ کا صاف تذکرہ ہے۔ زبور میں فتح مکہ کے لئے دس ہزار قدوسیوں کی خبر دی گئی ہے چنانچہ فتح مکہ میں حضور کے ساتھ گئے ہوئے دس ہزار صحابہ کرام تھے۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔
پورے دس ہزار۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضور انور تاجدار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صفات وہ ہے جس سے حضرت مریم علیہا السلام کے بہتان و الزام کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور حضور ہی کی گواہی پر رسالت عیسیٰ موقوف و منحصر ہوگی۔ اور حقیقۃً ایسا ہی ہوا بھی کہ قرآن عظیم نے اس پوزیشن کو صاف کر دیا اور مسکت جواب دیا۔

قرآن کریم

آسمانی کتابوں میں ہمارے قرآن عظیم کا ذکر بڑی شان سے آیا ہے۔

(۱) توریت مقدس:۔ "وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر اس کیلئے آتشی شریعت تھی۔" استثنا، ۲۔۳۳

(۲) زبور پاک:۔ "خداوند کی شریعت کامل ہے خداوند کے قوانین راحت ہیں..... خداوند کا حکم بے عیب ہے الخ" زبور: ۱۹۔۷۔۹

(۳) انجیل شریف:۔ "اور جو تخت پر بیٹھا تھا میں نے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اسے سات مہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔" مکاشفہ: ۵۔۱

(۴) توریت مقدس:۔ میں ان بنی اسرائیل کیلئے انہیں کے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔" استثنا: ۱۸۔۱۸

(۵) زبور شریف:۔ "خداوند کا کلام پاک ہے اس چاندی کے مانند جو بھٹی پر تپائی گئی۔ اور سات بار صاف کی گئی ہو تو ہی اے خداوند ان کی حفاظت کرے گا۔ تو ہی انکو اس پشت سے ہمیشہ تک بچائے رکھے گا۔ الخ" زبور: ۱۲۔۶۔۷

(۶) زبور شریف:۔ "خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اسکی مدح سرائی کرو۔" زبور: ۱۴۹۔۱

(۷) یسعیاہ:۔ "اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور اس کے باشندو خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ زمین پر سر تا سر اسکی ستایش کرو الخ" یسعیاہ: ۴۲۔۱۰

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی خاتم الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آتشیں ہوگی۔ آپ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی زبان میں ہوگی۔ اس میں ایک لفظ بھی حضور پر نور کا نہ ہوگا۔ جو آیت ہوگی چاندی کیطرح خالص تپائی ہوئی ہوگی۔ اس پر سات مہریں یعنی سات آیتوں والی سورہ فاتحہ ہوگی ہمیشہ مقدسوں کے مجمع یعنی نماز کی ہر رکعت میں قرآن عظیم کی تلاوت اسی میں شروع کی جائے گی۔ وہ کتاب مکمل اس کا دین کامل اسکے

نبی کی نبوت عالمین پر محیط ہے وہ اک نیا گیت ہے اور حمد سے شروع ہے یعنی وحی الٰہی کے لئے ایک نئی زبان ہوگی (عربی)

نسخ شرائع سابقہ اس کے علاوہ اگلی کل کتابیں نامکمل، کل نبوتیں ناتمام جو ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم و نزول قرآن کے بعد منسوخ و مرفوع ہیں جیسا کہ خود انجیل کا ارشاد ہے۔

انجیل شریف "ہم لوگوں کا علم ناقص ہے اور ہم لوگوں کی نبوت ناتمام لیکن جب کامل آئے گا تو ناقص جاتا رہے گا۔" (کرنتھین : ۱۳ ـ ۹ و ۱۰)

انجیل مقدس کی اس خبر سے صاف ظاہر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک نبوتیں ناتمام و شریعتیں ناقص نامکمل تھیں۔ پس جب نبی برحق محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اعلان ہوا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم" تو دین شریعت قانون، کتاب نبوت، رسالت مکمل ہو کر تمام کو پہنچ گئیں اور اس وقت سارے ادیان منسوخ اور ساری کتابیں مرفوع ہو گئیں اور اب میرے رسول کی ڈیوڑھی کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اسی لئے آج ساری دنیا اپنے اپنے مذہب کی کمی میرے قرآن عظیم سے قوانین لیکر پورا کر رہی ہے خلاً (۱) مسئلہ طلاق (۲) کثرت ازدواج (۳) مسئلہ انتقام (۴) ترک دختری (۵) عقد بیوگان وغیرہ وغیرہ میرے قرآن شریف سے لیکر اپنے مذہب میں داخل کر رہی ہے اسلئے کہ انکی کتابوں میں ان قوانین کا الٹا ہے اور ان قوانین سے انکی مذہبی کتابوں کا سخت تصادم اختلاف ہے مگر چونکہ دنیا بغیر قرآن کے اب جی نہیں سکتی میرا قرآن عظیم ہی دنیا کی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے ❁

ملعون رشدی کے تابوت میں آخری کیل

غیر مسلمین کے وید و پران میں پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے آمد کی بشارت

اٹھارہ پرانوں میں سے ایک پران ہے جس میں وید ویاس جی نے اس گفتگو کو جو کاک بھشنڈ جی نے گڑر جی سے بہ زبان سنسکرت کی تھی۔ نقل کیا ہے اور تلسی داس جی نے ہندی میں اس کا ترجمہ کیا ہے اس کے بارھویں اسکند چھٹے کانڈ میں ہے کہ

گڑرجی سنو ۱۔ یہاں ناکچھ بات کچھ راکھوں
وید۔ پران سنت مت بھاکھوں

تشریح۔ اس موقع پر میں کسی کی طرف داری قطعی کچھ نہ کروں گا وید پران اور بزرگوں کا جو مذہب ہے وہی بیان کروں گا۔

۲۔ برس سہس دس سندرم ہوئی ؛ تہہ کے بعد نہ پاوے کوئی
تشریح۔ دس ہزار برس تک ولایت عام میں رہے گی اس کے بعد کوئی نہ پائے گا (مگر وہ جس کے لیے پیشین گوئیاں کی جارہی ہیں)

۳۔ دیش عرب بھرک تا سوہائی ؛ سوتھل بھوم گت سنو گھمرائی
تشریح۔ ملک عرب جس کی تا بھرک ستارہ (غالباً زہرہ ستارہ) یعنی سکر کی تا ہے پچھم میں خوشی کی اور اچھی زمین ہے اس میں وہ پیدا ہوں گے۔

۴۔ سمت بکرم کے وده ۶ انگا ؛ مہان کوک نس چتر پتنگا
تشریح۔ "وده انگا" سمندر جو سات ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ ساتویں صدی بکرمی میں چار سوبت کی روشنی یعنی سورج کی جوگنی روشنی لیے ہوئے (وہ پیدا ہوں گے) اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی طرف ہے۔ (نیز چاریار کی طرف بھی اشارہ کہا جاسکتا ہے۔

۵۔ سمبھو ستت تاکر ہوئی ؛ سندرم رام ادیس تہہ سوئی
تشریح۔ جس کی قدرت سے عجائب وغرائب کا ظہور ہوگا اور وہی اللہ کے ولی قائم ہوجائیں گے اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اور سب کے لیے ہوں گے یعنی خاتم النبیین رحمۃ للعٰلمین ہوں گے۔

۶۔ راج نیت بھو۔ پریت دکھاوے ؛ آپن مت سب کا سمجھاوے
تشریح۔ سیاست یعنی حکومت کی انتظامی صلاحیت اور محبت وخوف یعنی ترغیب وترہیب سے اپنا مذہب سب کو سمجھائیں گے۔

۷۔ اسر جتر سندرم ست چاری ؛ تن کر بنس ہوئی بھو بھاری
تشریح۔ چار سیوک یعنی ان کے چار یار عاقل ولی کامل ہوں گے جن کی بدولت ان کے پیروؤں یعنی مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔

۸۔ تم اگر سوئی یہ ابارا ؛ اپنی ابا انت محمد ا
تشریح۔ جیسے کمہار آوے میں ایک جگہ آگ لگائے سب

کہیں پہنچ جائے یا سمندر ایک جگہ سے بڑھ کر تمام پھیل جاوے ویسے ہی ان کا دین بڑی تیزی سے ہر طرف پھیل جائے گا۔

۹۔ تب لک جو سمندر م جیسے کوئی ÷ بنا محمد پار نہ ہوئی (آتما)

تشریح۔ جب تک ان کا دین جاری ہے گا یعنی ہمیشہ کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کے ولی قائم کر دیئے جائیں گے یعنی ہمیشہ کے لیے ہوں گے کوئی بیڑا ان کے بغیر پار نہ ہو گا کوئی ان کے بغیر مقبولِ خدا نہ ہو گا کامیاب نہ ہو گا۔

۱۰۔ تب سے مانس جنت بھکاری ÷ سمرت نام ہو یہیں برت دھاری

تشریح۔ آدمی۔ جانور۔ فقیر۔ دنیا دار سب ان کا نام رٹتے رٹتے مقبولِ خدا ہو جائیں گے۔

۱۱۔ بن اچار بچار وہ منیا ÷ بھجے نام مرنے کلیا

تشریح۔ بھید بھاؤ چھوت چھات چھوڑ کر جو ان کا نام رٹے گا اس کے سب دکھ درد دور ہو جائیں گے۔

۱۲۔ سمرتھ کو نہیں دوش گنت میں ÷ رب پاوک سرسر کی نائیں

تشریح۔ ان کا نام رٹنے والے میں کوئی نجاست اور کوئی عیب نہیں رہے گا جیسے آفتاب۔ آگ دریا پر کوئی نجاست اثر نہیں کرتی۔

۱۳۔ سو ساچ مکت نر پاویں ÷ ہر وارس کر وید بکھانیں

تشریح۔ وید بار بار یہی سمجھا رہا ہے کہ فنا فی البقا کا مرتبہ وہیں سے لوگ پائیں گے۔

۱۴۔ تب ہوئی منک نشٹ اوتار ÷ مہدی کہیں سکل سنسارا

تشریح۔ پندرہ سو برس کے بعد ایک بزرگ ظاہر ہوں گے جنہیں سب دنیا والے مہدی کہیں گے۔

۱۵۔ ہر سندر م نہ ان نہیں ہوئی ÷ تلسی کہیں ست گوئی

تشریح۔ تلسی داس جی نصیحت کر رہے ہیں کہ اب ان کے بعد کوئی اور نہ آئیں گے یعنی وہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ہوں گے۔

۱۶۔ دیپک سم اس جوت اور جارت اودھک

نہیں گر سان بھوت تو گت سوکت ہیں پڑے دیپک

تشریح۔ وہ نور چنگاری کی طرح نہ ہو گا کہ خود جلے اور کسی کو روشن نہ کرے وہ نور چراغ کی طرح ہو گا جو خود روشن ہو گا اور سب کو روشن کرے گا۔

۱۷۔ ایک ہس اور پانچ ست ید شگل ہریک

نام دھارن کریں نشچے من کر ٹیک

تشریح۔ ایک ہزار پانچ سو برس تک لوگ دلی یقین اور خوشی کے ساتھ اس کے نام کا وظیفہ کریں گے۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ ملک عرب میں ساتویں صدی بکرمی میں پیدا ہوں گے۔ ۲۔ سیاست۔ محبت۔ خوف اور چار یار کی بدولت ان کا دین آگ اور پانی کی طرح سب کہیں پھیل جائے گا۔ ۳۔ ان کے بغیر کسی کا بیڑا پار نہ ہو گا۔ کوئی کامیاب نہ ہو گا۔ کوئی مقبولِ خدا نہ ہو گا۔ ۴۔ ان کا نام رٹنے والے لوگ تمام عیبوں سے پاک اور دکھ درد سے محفوظ ہوں گے۔ ۵۔ وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ ۶۔ وہ رحمۃ للعلمین ہوں گے۔ ۷۔ پندرہ سو برس تک ان کا مذہب دھوم دھام سے چلتا رہے گا امام مہدی تشریف لے آئیں گے یعنی بہ زبانِ اسلام قیامت آجائے گی؟

اگر خدائے پاک نے عقل و فہم عطا فرمائی ہے تو بات صاف صاف سمجھ میں آجائے گی کہ ان بشارتوں کے مصداق صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کوئی نہیں۔

بھوشن اتر پران

وید ویاس جی کے اٹھارہ پرانوں میں سے ایک پران ہے جس میں لکھا ہے کہ کل جگ میں "نرب آتما" پیدا ہوں گے جن کے سر پر بادل سایہ کرے گا۔ ان کے جسم کا سایہ نہ ہو گا۔ ان کے جسم پر مکھی نہ بیٹھے گی۔ وہ زمین کو لپیٹ جائیں گے۔ ملک دنیا کے لیے کچھ نہ تلاش کریں گے۔ تمام عمر کم کھائیں گے۔ وہ اللہ کے دوست ہوں گے۔

تشریح۔ "کل جگ" یعنی آخیر زمانہ "قرب قیامت" "نرب" بہت زیادہ "آتما" تعریف کیے گئے یعنی "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین کو لپیٹ جائیں گے یعنی کم سے کم وقت میں کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے اشارہ اس طرف ہے کہ سفر معراج فرمائیں گے۔

"دوست" جس کو بہ ہر صورت بہ ہر قیمت خوش اور راضی رکھا جائے یعنی "حبیب"۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) نام ہوگا۔ ۲۔ اخیر زمانے میں تشریف لائیں گے۔ ۳۔ خاتم النبیین ہوں گے۔ ۴۔ بادل سر پر سایہ کرے گا۔ ۵۔ جسم پاک کا سایہ نہ ہوگا۔ ۶۔ جسم پاک پر مکھی نہ بیٹھے گی۔ ۷۔ مشرف بہ شرف معراج ہوں گے۔ ۸۔ اپنے لیے دُنیا کے سلسلے میں کچھ نہ کریں گے۔ ۹۔ کم خوراک ہوں گے۔ ۱۰۔ اللہ کے حبیب ہوں گے۔ سبحان اللہ پڑھتے جائیے سمجھتے جائیے پہچانتے جائیے کہ یہی نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نوٹ:۔ بہ حساب ابجد "اُحْمَا" اور "محمد" دونوں کے اعداد بانوے (۹۲) ہیں یہ بھی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ دونوں اسم ایک ہی ہستی اور ایک ہی ذات گرامی کے ہیں۔ "اُحْمَا" بہ زبانِ سنسکرت اور "محمد" بہ زبانِ عربی۔

کلکی پران

ہنود کے عقائد کے مطابق اس دنیا میں دنیا اور دنیا والوں کی مدد اور ہدایت کے لیے چوبیس[۲۴] اوتاروں کا تشریف لانا یقینی اور قطعی ہے جو نعوذ باللہ خداوندی یا حامل بعض اوصاف خداوندی ہوں گے جن کا ذکر شری مد بھاگوت میں موجود ہے ان میں سے تئیس[۲۳] اوتار تو اس کتاب کلکی پران کے زمانہ تصنیف تک تشریف لا چکے اب صرف ایک چوبیسویں آخری اوتار کا انتظار ہے جن کا ذکر کئی کتابوں میں ہے اور ان کا نام "کلکی اوتار" یعنی سیاہی دُور کرنے والا اوتار بتایا گیا ہے۔ انھیں اوتار کے تذکرے میں لیک، کو چار وید اور اٹھارہ پران بنانے والے اکیسویں اوتار وید ویاس جی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام کلکی پران رکھا اس کتاب کے صفحہ (۹) پر ہے کہ کلکی پران کے پتا کا نام "وشنو یس" اور ماتا کا نام "سوم وتی" ہوگا۔

تشریح۔ نبی آخر الزماں کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا اس لیے کہ "وشنو" اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بمعنی حاضر و ناظر ہے یعنی اللہ اور "یس" بمعنی عبد یعنی عبداللہ اور "سوم وتی" بمعنی امن و امان والی یعنی آمنہ۔

اور صفحہ (۱۴) پر ہے کہ کلکی اوتار کے تین بھائی ہوں گے۔ ۱۔ کوی ۲۔ سمنت۔ ۳۔ پراگ۔

تشریح۔ کوی بمعنی بہت بڑی عقل والے یعنی "عقیل" اور "سمنت" بمعنی بہت بڑے علم والے یعنی جعفر اور پراگ بمعنی بہت بڑے مرتبے والے یعنی علی۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بھائی بنام عقیل و جعفر طیار و علی مرتضیٰ ہوں گے۔

اور صفحہ ۱۵ پر ہے کہ پرس رام کلکی اوتار کو گپھا میں لے جاکر تعلیم دیں گے۔

تشریح۔ "پرس" بمعنی رُوح اور "رام" اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بمعنی اللہ یعنی رُوح الحق رُوح القدس حضرت جبریل علیہ السلام "گپھا" بمعنی غار یعنی غار حرا میں جبریل علیہ السلام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سنائیں گے۔

اور صفحہ (۱۸) پر ہے کہ شیو کلکی اوتار کو ایک گھوڑا دیں گے جو عجیب و غریب ہوگا بمعنی "براق" یعنی حضور براق پر سفر معراج فرمائیں گے۔

نوٹ:۔ شری مدبھاگوت میں اوتاروں کی تصویریں دی گئی ہیں اور ہر اوتار کی تصویر کے سامنے اس کی خاص چیز کی تصویر دی گئی ہے یعنی اسپیشل مارک۔ شری رام چندر جی کی تصویر کے سامنے تیر کمان کی تصویر اور شری کرشن جی کی تصویر کے سامنے سدرشن چکر اور کنس کے سر کی تصویر اور کلکی اوتار کی تصویر کے سامنے دو پَروں والے گھوڑے کی تصویر دی گئی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض پنڈت دو پَروں والے گھوڑے کی ایک چھوٹی سی تصویر اندر کی جیب میں سینے کے برابر رکھتے ہیں۔

اور صفحہ (۲۶) پر ہے کہ کلکی اوتار اپنے پہلے آنے والے بزرگوں کی تعریف کریں گے۔

تشریح۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے تشریف لانے والے پیغمبروں کی تصدیق فرمائیں گے۔

اور صفحہ (۳۶) پر ہے کہ سنگل دیپ کے راجہ کی بیٹی کلکی اوتار کو بیاہ کا پیغام دے گی۔

تشریح۔ مال دار باعزت و شہرت عورت خدیجۃ الکبریٰ اپنی طرف سے شادی کا پیغام دیں گی۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ ۲۔ ان کے تین بھائی بنام عقیل و جعفر طیار و علی ہوں گے۔ ۳۔ جبریل علیہ السلام غار حرا میں وحی الٰہی سنائیں گے ۴۔ براق پر سفر معراج فرمائیں گے۔ ۵۔ خدیجۃ الکبریٰ شادی کا پیغام اپنی طرف سے دیں گی۔ ۶۔ سیاہی دُور کرنے والے نور مجسم ہوں گے ۷۔ خاتم النبیین ہوں گے آپ کے بعد کوئی نبی تشریف نہیں لائیں گے۔ کھلی آنکھوں نے دیکھ لیا اور بے تعصب ایمان دار دلوں اور دماغوں نے مان لیا کہ مذکورہ بالا تمام پیش گوئیوں اور بشارتوں کے حامل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسرا کوئی نہیں ایک ایک پہچان دیکھتے جاؤ اور پہچانتے جاؤ کہ یہی ہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔

مہادیوجی

جب اس زمین کو چھوڑ کر مہادیوجی کیلاش پہاڑ پر تشریف لے جانے لگے، تو اس سے پہلے اس وقت کے شریر لوگوں کو نصیحت

فرمائی تھی کہ غلط راستے کو چھوڑ کر سیدھا اور سچا راستہ اختیار کریں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو "وداپرہا" کے اخیر زمانے میں قادر مطلق ایک شخص پیدا کرے گا جو زمین پر تمہارا نام ونشان نہ چھوڑے گا۔ یہ نصیحت فرما کر مہا دیو جی مع اپنی اہلیہ پاربتی جی کے کیلاش پہاڑ پر تشریف لے گئے ایک زمانے کے بعد پاربتی جی نے ان باتوں کی تفصیل دریافت کی تب آپ نے بیان شروع کیا۔

اے پاربتی جی آدم کے چھ ہزار برس بعد "مندرتے" میں جو دریا کے درمیان ہے وہ بڑا قادر ایک عجیب طرح کی مخلوق پیدا کرے گا وہ آدم کی اولاد میں ہوگا وہ جس زمین پر پیدا ہوں گے وہ شیو کے لائق ہوگی وہ ختنہ کیے ہوئے پیدا ہوں گے بال منہ اور سر پر ہوں گے۔ جو پوجا ان کی قوم کرتی ہوگی وہ نہ کریں گے سوائے پرم آتما کے کسی طرف رجوع نہ ہوں گے ان کی قوم ان سے جدا ہو جائے گی ان کا سنہ لکھا جائے گا۔

تشریح۔ "مندرتے" یعنی ملک عرب "شیو کے لائق" یعنی اللہ کی پسندیدہ زمین شہر مکہ مکرمہ۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ آدم علیہ السلام کے چھ ہزار برس بعد پیدا ہوں گے۔ ۲۔ بے مثال ہوں گے "اَلْبَشَرُ لَا کَالْبَشَرِ" انسان ہوں گے انسان کے جیسے نہ ہوں گے۔ ۳۔ ملک عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ ۴۔ ختنہ کیے ہوئے ہوں گے۔ ۵۔ منہ پر داڑھی اور سر پر بال ہوں گے۔ ۶۔ بت پرستی نہ کریں گے خدا کے سوا کسی طرف رُخ نہ کریں گے۔ ۷۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائیں گے۔ ۸۔ ان کا سنہ ہجری لکھا جائے گا۔ ایک ایک بشارت پڑھتے جائیے، سمجھتے جائیے، پہچانتے جائیے کہ یہی ہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان بشارتوں کا مصداق نہ کوئی پہلے نہ کوئی آئے گا۔ نہ کوئی آسکتا ہے۔

نوٹ:۔ مہا دیو جی کی اور پاربتی جی کی اس گفتگو کو وشسٹ مُن جی نے جو مہا دیو جی کے خاص عقیدت مند اور اپنے طبقے کے مانے ہوئے صاحب کرامت اور اسی پہاڑ پر مشغول عبادت تھے سُنا اور سُن کر سونگ وسنگ کو جو اپنے طبقے میں مانے ہوئے عالم و فاضل تھے سنایا تھا جس کا ریکارڈ "نیر کیبار مٹھ" کتب میں موجود ہے۔

بُدھ جی

میں ہی پہلا بدھ یعنی روشن ضمیر نہیں ہوں جو اس دنیا میں آیا ہوں مجھ سے پہلے بہت سے روشن ضمیر یعنی بدھ گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی جب ضرورت ہوگی تو آئے گا۔ مگر ابھی اس کا زمانہ بہت دور ہے وہ مقدس ہوگا اور اعلیٰ درجہ کا روشن ضمیر ہوگا۔ اس کو اعمال میں حکمت دی گئی ہوگی۔ وہ مبارک ہوگا۔ وہ تم پر انھیں ابدی صداقتوں کا اظہار و انکشاف کرے گا جو میں نے تم کو سکھائی ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی عام دعوت دے گا۔ اس کا مذہب ابتداء میں شاندار ہوگا تم اس کو ماننا اور اس کی پیروی کرنا۔ ان کے بھائی نے دریافت کیا کہ ہم اس کو کس طرح پہچان سکیں گے؟ فرمایا کہ ان کا لقب "میتیا" ہوگا اور ماں کا نام "شانتی" ہوگا۔

تشریح۔ "میتیا" بمعنی رحمت اور "شانتی" بمعنی امن یعنی آمنہ۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ ابھی ان کے آنے میں بہت دن ہیں۔ ۲۔ وہ مقدس ہوں گے۔ ۳۔ اعلیٰ درجے کے روشن ضمیر ہوں گے۔ ۴۔ ان کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوگی۔ ۵۔ وہ مبارک ہوں گے۔ ۶۔ میری ہی تعلیم کو دُہرائیں گے یاد دلائیں گے۔ ۷۔ ان کی دعوت کسی خاص قوم یا ملک یا جماعت کے لیے نہیں ہوگی بلکہ دعوت عام ہوگی۔ ۸۔ ان کا مذہب شاندار ہوگا۔ ۹۔ رحمۃ للعٰلمین کے لقب سے زمانے بھر میں مشہور ہوں گے۔ ۱۰۔ ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ کتنی واضح اور نمایاں شناخت بیان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

نوٹ:۔ مہاتما بدھ کے سلسلے میں مسٹر ینڈل پالس کی لکھی ہوئی کتاب کے باب "میتیا" سے یہ قوال لیے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مہا دیو جی اور بدھ جی نے ان پاکیزہ اقوال کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے۔

(۳) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی۔ چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں۔ اس لئے ان کا چومنا اُن کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال ہیں؟

جواب۔ تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں۔ کافی ہے۔ اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں۔ ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا۔ زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر۔ نکاح، نسب، یادگاروں اور اوقات کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لاکر مثل زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لئے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کہ اُن سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاریں اُن کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی۔ قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا۔ اس کے لئے محض شہرت معتبر باقی رہی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا۔

سوامی وویکانند

SWAMI VIVEKANANDS WORKER, VOL IV THE GREATEST HERO OF THE WORLD P.P. 129/130

میں فرماتے ہیں کہ اگر اسلام میں اچھائی نہ ہوتی تو وہ ایک دن قائم نہ رہتا۔ اس مذہب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم مساوات اور انسانی اخوت کے علمبردار رہے۔
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی۔ (۵)

بابا گرو نانک

پہلا نام خدا کا دوجا نام رسول
تیجا کلمہ پڑھ نانکا درگہ پویں قبول
ڈھٹا نور محمدی ڈھٹا نبی رسول
نانک قدرت دیکھ کر خودی گئی سب بھول

تلسی داس جی

کاشی کروٹ بعد ہیں بنرٹ ہیں سب ہیں کام
بیکنٹھ باس نا ہیو بنا محمد نام

ضدی، ہٹ دھرم، متعصب، تنگ نظر، جاہل، جفا پیشہ سفاک اور شقی القلب، ازلی ملعونوں اور مردودوں کا ذکر نہیں۔ ورنہ کون ہے جس نے آقائے دوعالم، فخرِ بنی آدم، سید المرسلین، خاتم النبیین، حامیٔ بیکساں، رحمتِ دوجہاں، حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت کا خراج اور محبت کا نذرانہ پیش نہ کیا ہو۔ یا جو ایسا کرنا خود اپنے لئے باعث فخر و ناز اور وجہ عزت و افتخار نہ تصور کرتا ہو ؂

ازل سے لے کے اب تک ہر فضا میں
درخشاں تھے، درخشاں ہیں محمد
نشانِ عظمت و شانِ 〃 〃 الٰہی،
کمالِ نوعِ انساں ہیں محمد

وہ ذات قدسی صفات جو تمام عالم و عالمیان کیلئے رحمت بن کر مبعوث ہوئی ہے، جسے رب العالمین نے اپنی مخلوق کیلئے ہادی، رہبر اور نجات دہندہ بنا کر بھیجا ہو۔ جس کے دم قدم ہی سے حیات و کائنات کی تمام رعنائیاں و برنائیاں ہیں۔ ابر و باد، ماہ و خورشید اور ارض و سما کی تمام فیاضیاں، اور فیض بخشیاں جس جانِ رحمت کے اشارۂ ابرو کی محتاج ہیں اس کی شان و عزت کا اعتراف و اقرار نہ کرنا اور توصیف و ستائش سے روگردانی کرنا محض اپنے ہی جہل، کور چشمی، کوتاہ بینی، سنگدلی اور سب سے بڑھ کر تیرہ بختی کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

حلقہ بگوش اسلام ہو کر اپنی گردن میں سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا مبارک پٹہ ڈال لینے والے تو ان کی حرمت و ناموس پر اپنا تن من، دھن نچھاور کر دینے ہی کو دولت کونین اور نعمت دارین سمجھتے ہیں۔ اور اپنی فکر و دل کے ہر گوشہ کو اسی کی عقیدت و محبت سے سرشار رکھنا عین ایمان سمجھتے ہیں۔

مگر ایک بڑی تعداد غیر مسلموں کی بھی ہے جنہوں نے برضا و رغبت اور بطیب خاطر سرکار عربی کی شان میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ ان میں شاعر بھی ہیں، ادیب بھی، صحافی بھی، مدیر بھی اہل قلم بھی ہیں، اور سیاستداں بھی۔ پچھلے چودہ سو برسوں میں غیر مسلم عقیدت مندوں نے آقائے کونین کی شان و عظمت کو جو گلہائے خراج

سلسلے کے لئے
اگلے صفحات ملاحظہ فرمائیں

عقیدت پیش کیا ہے، اس کو اکٹھا کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

یہ عقیدتمندیاں کسی ایک زبان میں نہیں ادا کی گئیں بلکہ؛ عربی، فارسی، اردو، ہندی، عبرانی، سانیکی، انگریزی، فرنچ، جرمن، روسی، چینی، جاپانی، انڈونیشی، ملائی، تامل، تیلگو، کنڑ، اڑیہ، بنگلہ، سنسکرت اور دنیا کی تقریباً تمام زندہ اور مردہ زبانوں کا دامن محبت کے ان سرسبز و شاداب پھولوں سے معمور ہے یہ گہر ہائے نایاب نثر و نظم ہر شکل میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان سب کو سمیٹنا اور ایک جگہ جمع کرنا نہایت بڑا کام ہے۔ کیوں نہ ہو جس مقدس ہستی کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاس) اور جس سے کہلوایا گیا ہے کہ "اے گروہ انسانی میں تم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں" (قُل یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُولُ اللہِ اِلَیکُم جَمِیعًا) اس کی شان میں اگر جناب ستیہ پال آنند فراقی یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں تو اظہار حقیقت ہی کرتے ہیں ؎

از خاک عرب تا بہ عجم جلتے ہیں
ہاں صاحب الطاف و کرم جانتے ہیں
ہم زیر نشیں بھی ہیں تیرے مدح سرا
رہبر جسے تجھ، اہل حرم جانتے ہیں

سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے غیر مسلم مصنفین اور اہل قلم کی عقیدتمندیوں کے موتیوں میں چند اہم اور آبدار پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہوں:۔

بھگت کبیر ایک شعر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معراج جسمانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

نبھ کا در کھلا نہیں نبی گئے اس پار
جیسے چچھ (چچھو) مان نکل جائے اوہ پار

نبھ (آسمان) کا دروازہ نہیں کھلا مگر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پار چلے گئے۔ بالکل اس طرح جیسے چچھ (نگاہ) چچھ (شیشہ) کے پار ہو جاتی ہے۔

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، منشی سکھ دیو پرشاد بسمل، منشی مہیش پرشاد سوگ، ٹھاکر داس سنگھ اثیم، پروفیسر تلوک چند محروم، جناب جگن ناتھ آزاد، پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی، پنڈت بال مکند عرش ملسیانی، پنڈت آنند موہن گلزار زتشی، منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی، منشی نوبت رائے نظر لکھنوی، منشی پیارے لال رونق میرٹھی، لالہ ہری چند اختر، پنڈت آنند زائن ملا وغیرہ سیکڑوں غیر مسلم شعراء کے نعتیہ اشعار پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ صرف یورپ اور ہندوستان کے چند دانشوروں کے خیالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ <u>فرانسیسی ادیب</u> مشہور فرانسیسی ادیب الفونیٹ ڈی لامارٹائن اپنی کتاب ہسٹری لا ترکی میں لکھتے ہیں: عالم الہیات، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار، بانئ مذہب، آئین ساز، سپہ سالار، واضع اصول، اور دینی حکومت کے بانی، یہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے سامنے پوری انسانیت کی عظمت ہیچ ہے۔

۲۔ <u>فرانسیسی جنرل</u> سرکار دو عالم کو حیرت انگیز معلم قرار دیتے ہوئے نپولین بونا پارٹ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے یہ سب کچھ صرف پندرہ سال ہی میں ہو گیا جب کہ پندرہ سو سال میں بھی حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہما السلام اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ حضرت محمد صاحب عظیم الشان تھے۔

۳۔ <u>مشہور عیسائی ادیب</u> بسوار تھ اسمتھ اپنی کتاب "محمڈ اینڈ محمڈن ازم" میں لکھتے ہیں کہ دنیا کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بہ یک وقت ایک قوم، ایک حکومت، ایک مذہب کے بانی تھے۔

۴۔ <u>جارج برنارڈ شا</u> لکھتے ہیں کہ میں نے ان باتوں کا بہ غور مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہستی عظیم تھے۔ اور انسانیت کے نجات دہندہ۔

۵۔ <u>سر طامس کارلائل</u>: اپنی کتاب "ہیرو اینڈ ہیرو شپ" میں لکھتے ہیں کہ اس زمین (عرب) کی ریت بارود ثابت ہوئی۔ جس نے دلی سے غرناطہ تک کے آسمانوں کو لپیٹ میں لے لیا۔

۶۔ ڈاکٹر لین پول اگر محمد صاحب سچے نبی نہ تھے تو دنیا میں کوئی برحق آیا ہی نہیں۔

۷۔ میجر آرتھر گلن مورنڈ وہ صرف ممتاز رہنما ہی نہ تھے بلکہ تخلیق دنیا سے اس وقت تک جتنے بھی صادق سے صادق اور مخلص سے مخلص پیغمبر آئے ان سب میں ممتاز رتبے کے مالک تھے۔

۸۔ مسٹر ایڈورڈ مونٹے آپ نے سوسائٹی کے تزکیے، اور اعمال کی تطہیر کے لئے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپ کو انسانیت کا محسن اول قرار دیتا ہے۔

۹۔ کرنل سائکس کوئی شخص آپ کے خلوص نیت و سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۱۰۔ کونٹ ٹالسٹائی آپ نے انسانی خونریزی سے منع فرمایا اس کے لئے حقیقی تمدن و ترقی کی راہوں کو کھول دیا۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو اس شخص سے انجام پا سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی مخفی طاقت ہو۔ اور ایسا شخص عام اکرام و احترام کا مستحق ہے۔

۱۱۔ مسز اینی بسنٹ ایک ممتاز دانشور ڈاکٹر مسز اینی بسنٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:
"بعثت سے قبل بھی آپ اندھیرے میں روشنی کے مینار کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہمیں آپ کی زندگی اس قدر شریفانہ اور اس قدر پاکیزہ نظر آتی ہے کہ ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ کیوں آپ کو گرد و پیش کے لوگوں تک اپنے خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ وہ کونسا نام تھا جس سے مکہ کے تمام مرد عورتیں، اور بچے آپ کو پکارا کرتے تھے۔ "وہ نام امین اور صادق تھا"

۱۲۔ ڈاکٹر برنگھم انھوں نے اس امر میں رہنمائی کی جو انسانی زندگی میں سب سے اہم ہے۔ یعنی خدا اور بندے کے تعلقات۔

۱۳۔ مسٹر سار مستشرق اس کا طفیل ہے کہ یورپ کو عربوں کے توسط سے یونانیوں کے علوم اور فلسفے نصیب ہوئے

۱۴۔ سر ولیم میور متعصب مورخ "لائف آف محمد" میں لکھتا ہے کہ اپنی تصنیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی متفق ہیں۔

۱۵۔ ڈاکٹر ڈی رائٹ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات اور قوم کے لئے نہیں بلکہ دنیائے ارض کے لئے رحمت تھے۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو اس حسن طریقے سے انجام دیا ہو۔

۱۶۔ گاندھی جی جب کہ مغرب تعر جہالت میں پڑا ہوا تھا، تو مشرق کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا۔ اور تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی .... میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی و سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام اور دوست احباب کے ساتھ یکساں محبت، آپ کی جرأت اور بے خوفی اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف۔

۱۷۔ سوامی وویکانند اپنی کتاب "دی گریٹ ٹیچر آف دی ورلڈ" میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر مساوات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے۔ تم پوچھتے ہو، کیا ان کا مذہب اچھا ہے؟ اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو پھر وہ زندہ کیسے رہتے۔ صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیات دوام ملتی ہے۔ برے انسان کی زندگی کبھی طویل نہیں ہوتی۔ نیک انسان لافانی اس لئے ہے کہ اس میں تقدس اور صداقت کا جوہر پوشیدہ ہوتا ہے اسلام میں اگر اچھائی نہ ہوتی تو وہ ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ اس مذہب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مساوات اور انسانی اخوت کے علمبردار ہیں۔

۱۸۔ لا مارٹین جس وقت کہ بھارت ورش میں مذہبی کمزوری اپنا پاؤں جما رہی تھی اس وقت عرب کے ریگستان میں ایک مہان پرش عجیب و غریب وحدانیت کی تعلیم دے رہا تھا۔

۱۹۔ مانگ تو ننگ (بدھی پیشوا لیڈر اعظم) حضرت محمد صاحب کا ظہور ہی نوع انسان پر ایک رحمت تھا۔ ہم بدھی لوگ حضرت محمد سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کا احترام کرتے ہیں۔

۲۰۔ نوبل پرائز حاصل کرنے والے سب سے پہلے ہندوستانی اور بنگلہ زبان کے عظیم شاعر **ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور** رقمطراز ہیں:۔

"اسلام دنیا کے مذاہب میں سب سے بڑا مذہب ہے نبی اعظم کا پیغام ساری دنیا کے لئے سراسر رحمت ہے۔ دنیا کو اسی پیغام سے امن و سکون مل سکتا ہے"

۲۱۔ مسز سروجنی نائیڈو انگریزی زبان کی مشہور شاعرہ لکھتی ہیں:۔

"میرے مذہب کی بنیاد الہامی کتاب پر نہیں ہے تاہم میں خود کو اس قابل پاتی ہوں کہ اس عالمگیر اخوت کا اعتراف کروں جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک و پاکیزہ تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

۲۲۔ ماسٹر تارا سنگھ پریسیڈنٹ سکھ لیگ۔ جب کوئی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد صاحب نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تو مجھے اس کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے۔

بھگت رام سنگھ پلیڈر کیٹ شری رامچندر جی، مہاراج بھگوان شری کرشن جی، گرو نانک جی حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ سب روحانی بادشاہ تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ان میں ایک روحانی شاہنشاہ تھے جن کا مقدس نام محمد تھا

۲۴۔ لالہ امیر چند کھنہ جرنلسٹ ماہر انکم ٹیکس چونا منڈی دہلی۔

شری کرشن نے گیتا میں ایشور کی طرف سے ایک مشہور وعدے کا ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ فیضی نے فارسی میں کیا ہے۔

چوں بنیاد دیں سست گردد بسے
نمائیم خود را بہ شکل کسے

(یعنی جب دین کی دیوار و بنیاد بہت کمزور ہونے لگتی ہے تو ہم اپنے کو کسی کے روپ میں ظاہر کر دیتے ہیں)۔ اس وعدے کا ایفاء محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود سے کیا گیا ہے۔

۲۵۔ رائے بہادر پنڈت ستھل لال (صدر آریہ سماج امیر) "مگر خدائے تعالیٰ نے حضرت محمد صاحب کو فرمایا کہ ثابت کر دو، کہ خدائے تعالیٰ واقعی ہے۔

۲۶۔ پنڈت بہاری لال شاستری حضرت محمد صاحب نے مذہبی جنگ کے اخلاق اور ایشوری وشواس سے اور سوشل ریفارم پولیٹیکل کام کو تلوار سے کیا۔ ہم نے جہاں تک آپ کے جیون پر غور کیا آپ کو مہاپرش، ودیش بھگت، سنسار کا سدھارک پایا۔ وہ بڑے مہان سنت ایشور وشواس اور سنگھٹن۔

۲۷۔ کملا دیوی بی اے بمبئی عرب کے مہاپرش وہ ہیں جن کی شکشا سے مورتی پوجا مٹ گئی۔ اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا۔

۲۸۔ جان ولیم ڈریپر اپنی کتاب "تاریخ ذہنی ارتقائے یورپ" میں لکھتے ہیں:۔

حضرت محمد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے نسلِ انسانی پر جتنا اثر آپ نے ڈالا اتنا کسی اور نے نہیں ڈالا۔ آپ کے اندر وہ اوصاف موجود تھے جن سے سلطنتوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے پیروؤں کی معاشی حالت اور ذہنی کیفیت کو تزکیۂ نفس صبر و استقامت روزہ اور نماز کے ذریعہ سنوارا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا۔ آپ نے کردار کی عظمت پر زور دیا۔ اور رواج کیا کہ شرافت کا معیار کردار ہے۔ آپ کئی اقالیم کے پیشوا اور داعی رسول خدا ہیں۔

ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں انسانی زندگی کی تمام حیثیتیں جمع تھیں۔ ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک تاجر، ایک مدبر، ایک حاکم، ایک منصف ایک سپہ سالار غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں آپ بے مثال ہوئے، ہر معیار، ہر مقیاس کی رو سے عظیم ترین ہیں۔ اکرم ہیں اعلم ہیں۔

۲۹۔ جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" کے اختتامی الفاظ یہ ہیں: "اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام مقننوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانح حیات ان سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"

۳۰۔ ایم ایم پکتھال ممتاز مترجم و مفسر قرآن حضور سرکار رسالت کی حیات طیبہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"دوسرے پیغمبروں کے خلاف جن کی اصل تصویر عقیدت مندی کے دھندلکے کے باعث ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روشن اور تاریخی کردار ہیں جن کے طرز عمل اور طریق زندگی کی پوری تفصیلات خود ان کے ہمعصروں نے ہمارے لیے جمع کر دی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم اعظم تھے۔ آپ کی تعلیمات چند چیزوں کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ آپ کا دائرہ انتہائی وسیع اور جامع تھا۔ خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ یا حقوق العباد سے۔ وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی سے، قانون سے متعلق ہو یا اخلاق سے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق ہدایات موجود نہ ہوں۔

۳۰۔ سر ولیم مگنٹ یہ انگریز مفکر اپنی کتاب "دی فیچر آف اسلام" میں لکھتا ہے:۔

اسلام کے پاس اولاد آدم کو دینے کے لئے اتنا کچھ ہے، کہ وہ بالآخر ساری دنیا کو اپنا بنا لے گا۔

۳۱۔ پروفیسر جرمینس ہنگری کے یہ پروفیسر۔ گلوری آف اسلام میں رقمطراز ہیں:۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں بے پناہ توانائی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کو پھر سے زندہ کر سکتی ہیں۔

پیغمبر انسانیت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے عبادات و معاملات کے علاوہ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے یہاں تک قضائے حاجت اور طہارت کے طریقے، آداب، تمیز، بات و کلام کے آداب سکھائے۔

اسلام نے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کرنے کا حکم دیا۔ غیر مسلموں سے اچھے سلوک سے پیش آنے کی عملی مثالیں پیش کیں۔

۳۲۔ فادر ڈیرک مکیٹا یہ مستشرق اپنے ایک مضمون "پیغمبر اسلام" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

بانیٔ اسلام کا غیر مسلموں کے ساتھ سلوک بھی مثالی تھا۔ آپ کے ایک صحابی ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جب غیر مسلم تھے۔ تو مدینہ میں آپ کے یہاں رہے۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے۔ آپ کا سارا گھرانہ بھوکا رہا۔ مگر آپ نے کچھ نہ فرمایا۔

ایک اور صحابی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک کافر آپ کے یہاں مہمان تھا۔ وہ ایک رات میں سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ وہ آزمانا چاہتا تھا صبح جب اس نے دیکھا کہ آنحضور اسی شفقت سے پیش آرہے ہیں تو وہ مسلمان ہو گیا۔

غرضیکہ آپ کی زندگی میں ہمیں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں۔ آپ بحیثیت سپاہی، سپہ سالار، شوہر، دوست، منصف، حاکم۔

غرضیکہ ہر حیثیت میں ایک عظیم مثالی انسان تھے۔ جن کی تعلیمات ساری دنیا کے لئے ہیں۔

۳۳۔ ڈاکٹر گستاف اس ممتاز دانشور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں روشن مثال تھے۔ آپ کا کردار پاک اور بے داغ تھا۔ لباس اور غذا میں انکی سادگی تھی۔ مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ اپنے ساتھیوں سے کوئی خاص تعظیم قبول نہیں کرتے تھے۔ اور اپنے غلام سے جنہیں انہوں نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ کوئی ایسی خدمت نہیں لیتے تھے جو خود انجام دے سکتے تھے۔

آپ اس قدر رحم دل تھے کہ آپ نے لوگوں سے انتقام نہیں لیا جنھوں نے آپ پر اس وقت پتھروں کی بارش کی تھی جب

آپ انہیں سیدھا راستہ دکھا رہے تھے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ پر گندگی پھینکی جاتی تھی۔ آپ کا کئی سال تک بائیکاٹ کیا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کئی بار آپ کی جان لینے کی کوشش کی۔

۳۴۔ جارج ریواری۔

اس مستشرق نے پیغمبر انقلاب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا

محمد ایک عظیم المرتبت پیغمبر ہی نہیں تھے جنھوں نے اس دنیا کی روحانی تسکین کا سامان کیا۔ بلکہ وہ ایک ایسے ہمہ گیر معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی اور معلم تھے۔ جن کی نظیر تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی۔

۳۵۔ ریو سٹیفنس

نے کہا۔ محمد کا دین نوع انسانی کے لئے برکت کا موجب، تاریکی سے روشنی اور شر سے خیر کی طرف رجعت کا باعث بنا۔

۳۶۔ ایم اے جی لیونارڈ

اپنی کتاب "اسلام اور روحانی اقتدار" میں آپ کی عظمت وصداقت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

حضرت محمد غایت درجہ کے مخلص، صادق اور عظیم ترین انسان ہیں۔ آپ ایک عظیم قوم کے بانی، ایک عظیم سلطنت کے فاتح ومعمار اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم مذہب کے راہنماء اعظم ہیں۔

آپ اپنی امت پر رؤف ورحیم، اپنے آپ پر مہربان اور اپنے پروردگار کے سچے پرستار تھے۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کو تاریکی کی پستیوں سے نکال کر نور اور صداقت کی انتہائی اونچی چوٹیوں پر متمکن کیا۔

۳۷۔ آر باسورتھ سمتھ

اپنی کتاب "محمد اینڈ محمڈن ازم" میں لکھتے ہیں:۔

"آپ صحرا میں گلہ بان تھے۔ شام میں تاجر تھے۔ مدینہ میں مہاجر تھے۔ غار حرا میں معتکف تھے۔ بت پرستوں کے پورے جہان کے مقابلے میں واحد داعی توحید تھے۔ آپ فاتح اقلیم تھے۔ دنیا کی تاریخ میں صرف آپ ہی اس شان کے انسان نظر آتے ہیں، کہ آپ بیک وقت ایک امت، ایک سلطنت اور ایک مذہب کے بانی ہیں۔ آپ کی زندگی میں کئی انقلاب آئے۔ آپ کی عادت آپ کے رہن سہن کے طریق میں یکسانیت ہی نظر آئی۔ حالات بدل گئے مگر آپ نہ بدلے۔

۳۸۔ پروفیسر مارگولیتھ

اپنی کتاب "محمد اینڈ رائز آف اسلام" میں لکھتے ہیں:۔

حضرت محمد کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جسے ختم کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ آپ کی تعلیم، تدریس، دعوت وتبلیغ سے وہ نتائج برآمد ہوئے جس کا عشر عشیر بھی کسی مفکر، کسی مدبر، کسی مصلح کسی مذہبی پیشوا کے حصہ میں نہیں آیا۔

۳۹۔ ہملٹن گب

نے کتاب "محمڈن ازم" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پر اثر شخصیت اور اخلاقی برتری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:۔

ہمارے نزدیک یہ بات محتاج بیان نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ نے اپنے ارادے اور جذبات جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے تابع کر دیئے تھے۔ اس کی تمام تر وجہ آپ کی شخصیت کا اثر تھا۔ اگر یہ اثر نہ ہوتا تو وہ رسول اللہ کے دعاوی کو کبھی اہمیت نہ دیتے۔

آپ کی دینی تعلیمات سے بڑھ کر آپ کی اخلاقی عظمت تھی جس نے اہل مدینہ کو انصار بنا دیا۔

۴۰۔ منٹگمری واٹ

نے کتاب "پرافٹ اینڈ سٹیٹ مین" میں حضور کی کامیابی پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح حیات اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پر جتنا غور کریں، اتنا ہی آپ کی کامیابیوں کی وسعت پر حیرانی ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حالات اتنے سازگار تھے اور انھوں نے آپ کو وہ مواقع بہم پہنچائے جو بہت کم مشاہیر کو حاصل ہوئے ہیں۔ تاہم یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے ہم پلہ تھے۔ یہ آپ کی حکمت، سیاست اور انتظامی صلاحیتوں کے طفیل ہے کہ انسانیت کی تاریخ کو ایک اہم باب ملا۔

۴۱۔ ای دنشا

اس عیسائی مورخ نے "مسلمانوں کے نبی" کے عنوان سے اپنے مقالہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پرشکوہ شخصیت کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۲۔ ولیم میکنیل نے "دی رائز آف دی ویسٹ" کے نام سے دنیا کی تاریخ مکمل کی ہے۔ جو علمی حلقوں میں خاصی مقبول ہوئی۔ موصوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم انقلابی تحریک کو بعر پور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"آپ سے پہلے یا بعد کسی بھی نبی کو اتنی جلد اور اتنی عظیم کامیابیاں حاصل نہیں ہوئیں۔ نہ ہی کسی ایک انسان کے کارناموں سے دنیا کی تاریخ کا رخ اتنی تیز رفتاری سے اور اتنے انقلابی پیمانے پر بدلا۔ اپنے الہامی کلام، اپنی مثالی ذاتی زندگی اور انتظامی ڈھانچے کے قیام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ممتاز نئے طرز زندگی کی بنیاد ڈالی جس نے دو صدیوں کے مختصر عرصہ میں نسل انسانی کی کثیر تعداد کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ آج بھی بنی نوع انسانی کا ساتواں حصہ ان کا اطاعت گزار اور نام لیوا ہے۔"

۴۳۔ سر فلپ گبز "مگلوری آف محمد" میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ حضور نے انسانیت کی ترقی کے لئے عظیم کارنامہ انجام دیا۔ لکھتے ہیں:۔

اسلام جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین کہلاتا ہے۔ اس نے انسانی تہذیب اور اخلاقیات کی ترقی اور فروغ کے لئے ان تمام مذاہب سے کہیں زیادہ کام کیا ہے جو انسان کی تخلیق سے لے کر اب تک اس کی روح کو گرمانے کا باعث ہوئے ہیں۔

۴۴۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب سے بڑے اور تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب شخص ہیں۔

۴۵۔ ہرش فیلڈ اس مستشرق نے اپنی کتاب "نئی تحقیق" میں لکھتا ہے:۔

دنیا کی کسی قوم نے اتنی جلدی تہذیب حاصل نہیں کی، جیسے کہ عربوں نے واقعی اسلام کی بدولت حاصل کی۔ یہ اس تہذیب کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جدوجہد کارفرما تھی جس نے ان گنت انسانوں کو عارف کامل بنا دیا اور ایک شاندار کلچر کی بنیاد رکھی۔

۴۶۔ ڈاکٹر اسٹیفن لکھتے ہیں پیغمبر اسلام اس ملک میں پیدا ہوئے جہاں سیاسی، تنظیم، معقول عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے کوئی شناسا نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی ذہانت سے بیک وقت سیاسی حالت، مذہبی عقائد اور ضابطۂ اخلاق کی اصلاح کر دی۔ انہوں نے مختلف قبائل کی جگہ انہیں ایک قوم بنا دیا، مختلف دیوتاؤں اور آقاؤں کی جگہ ایک خدا پرست اور ایمان کی تعلیم دی۔ اور بڑی بڑی معیوب اور قبیح رسومات کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔ جوں جوں اسلام اپنے قدم عرب کی سرزمین سے باہر رکھتا گیا، کئی وحشی قومیں اس کی آغوش میں آتی چلی گئیں۔

اسلام نوع انسانی کے لئے برکات کا موجب اور تاریکی سے نور اور شیطان سے خدا کی طرف رجعت کا باعث ہے۔

۴۷۔ ہیٹی ممتاز مستشرق ہٹی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

تاریخ میں یہ پہلی کوشش تھی کہ لوگوں کو خون کے بجائے دین کے نام پر ایک مرکز پر جمع کیا گیا، اور ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا حاکم اعلیٰ رب العالمین ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی فرائض کے علاوہ ایسے فرائض بھی انجام دیئے۔ جیسے سلطنت کا دستور اور ان کی امت میں سب لوگ قبائلی رشتوں اور علاقائیت سے یکسر منقطع ہو کر حقیقی معنوں میں بھائی بھائی بن گئے۔

۴۸۔ جیری اینڈی اس ممتاز مسیحی مورخ نے سرکار رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عظیم صحابہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

بے شک اس بات نے دنیا کو حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ کبھی بھی مسلمان جن کا دارالسلطنت اس انداز کا تھا کہ جب بارش ہوتی تھی تو ان کی چھت ٹپک پڑتی اور مٹی کا فرش گارا ہو جاتا، ساری کائنات پر بھاری ہو جانے والی قوم کے چند سپاہی جن کی تلواروں کی دھار تیز نہیں ہوتی تھی۔ جو سواریوں سے بھی تہی دست ہوتے تھے اس کی سمجھ میں جب کہ جب روما اور ایران کے استبداد کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ تو وہ ان کو کیسے پا بہ جولاں

تک پہنچا دیتے ہیں۔

۴۹۔ پروفیسر سیڈیو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرکشش شخصیت، آپ کے خلق عظیم اور بے مثل عادل ہونے کا اعتراف ان لفظوں میں کیا۔

انصاف کے معاملے میں قریب و بعید اپنے اور پرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک برابر تھے وہ کسی کو ضعیفی یا ناداری کی وجہ سے حقیر نہ جانتے تھے۔ اور کسی توانا کو یا بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ سب سے محبت فرماتے اور دشمن و دوست سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

۵۰۔ جوزف شاخت نے "انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنس" میں آپ کی کامیابیوں پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی رسالت کی صداقت پر پختہ یقین تھا۔ وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ آپ کی شخصیت کا جو پہلو نہایت شدت سے ابھرا۔ وہ آپ کا دینی جذبہ تھا۔ جب اس کا امتزاج آپ کی غیر معمولی سیاسی صلاحیتوں سے ہوا تو آپ کی رسالت دنیا میں ہی کامیابیوں سے ہمکنار ہو گئی۔ مکہ میں آپ کا صبر و استقلال اور مدینہ میں آپ کے مدبرانہ اعمال اور منصوبے یہ سب آپ کی اس نظریاتی جدوجہد کے مظاہر تھے جس کے لئے آپ ساری عمر انتھک کوشش کرتے رہے۔ آپ کی غیر معمولی شخصیت نے جس کے اثر و نفوذ نے آپ کی کامیابی کی راہیں ہموار کیں۔ اسلام پر اپنے انمٹ اثرات چھوڑے ہیں:

۵۱۔ فرانز بوہل نے "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" میں اپنے ہمعصروں کی بعض مبالغہ آرائیوں کو تنقید کا ہدف بناتے ہوئے لکھا۔

"آج کل کے بعض مصنفین میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ کی سوانح حیات کے ناپسندیدہ واقعات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور آپ کی حقیقی دینی عظمت کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر آپ پر واقعی جنس اتنی غالب ہوتی۔ اور آپ دنیوی معاملات میں واقعی اتنے مشغول ہوتے اور کامیابی کے حصول میں تو اصولوں سے بارے میں اتنے غیر محتاط ہوتے تو اسلام کی جس قوت کا ظہور آپ کی ذات سے ہوا۔ اور جو آپ کی وفات کے بعد بھی پھلتا پھولتا رہا۔ اس کی کامیابی بغیر کسی سبب کے تسلیم کرنا پڑیگی۔

۵۲۔ رابرٹ ایل گلک مغربی مصنفین کے اس نظریہ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا کی پرزور تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

"مغربی مصنفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اور وہ عرب کی تصویر بناتے ہوئے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دکھاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ ان کے فہم کا قصور ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں مجرم مسلمان نہیں۔ بلکہ عیسائی ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی دوسرے غیر مسلموں سے ساتھ جنگیں مذہبی تھیں۔ اور دوسرے مذاہب کو دبانے کے لئے تھیں۔ غلط اور خارج از بحث ہے۔ کیونکہ یہ بات مادی اور سیاسی دلائل سے ثابت نہیں کی جاسکتی۔

۵۳۔ ٹور آندرے سویڈن کے اس مستشرق نے کتاب "محمد" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی کامیابیوں کو تحقیق کا موضوع بناتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"نبوت محمدی کے ابتدائی سالوں میں جب قبول اسلام بہت دلیروں کے نزدیک راستے کا پتھر تھا۔ اور مشرکین عرب کے نزدیک محض حماقت تھی۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا ان میں بے حد اہم اور باصلاحیت افراد بھی تھے۔ یہ لوگ اخلاقی احساس ذمہ داری اور صحت مند شعور حقیقت کے مالک تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ باب جس میں آپ کے ان اہم ترین رفیقوں کا ذکر ہے اہمیت میں کسی طرح کم نہیں۔ جو بات آپ کے اعمال و اقوال سے محض جزوی طور پر ظاہر ہوتی ہے آپ کی ذات کی قوت اثر وہ اعتماد جو آپ نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا، وہ جذبہ جو آپ نے بیدار کیا اور وہ راست بازی جو آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ یہ سب اس باب میں زندہ الفاظ میں کندہ موجود ہے۔

۵۴۔ برنارڈ لوئیس حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیاسی اور تاریخی کامیابیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بڑی کامیابیوں سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ مغربی عرب کے ایسوں کے لئے آپ ایک نیا دین لے کر آئے تھے۔ جو اپنا عقیدہ، توحید اور اخلاقی تعلیمات کی بناء پر زمانہ جاہلیت کے ان مذاہب سے کہیں بلند تھا جن کی جگہ یہ دین آیا تھا۔ آپ نے اس دین کو وہ آسمانی کتاب عطا کی جو صدیوں میں لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کے اخلاق و افکار کے لئے راہبر بنی۔ لیکن آپ کی کامیابی صرف یہی نہیں تھی، بلکہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں ایک ملت اور ایک ریاست قائم کر دی تھی۔ جو ہر لحاظ سے منظم بھی تھی اور طاقتور بھی۔"

۵۵۔ رے اسٹن پائک نے اپنے ایک مقالہ بعنوان "محمد پیغمبر دین اسلام" میں اعتراف کیا ہے۔ "غالباً دنیا میں سب سے زیادہ جو ہستی بے بنیاد اتہامات کا نشانہ بنی وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔"

۵۶۔ جارج سیل نے رحمت دوعالم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

"محمد کامل ترین فطری صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ شکل و صورت میں انتہائی حسین و جمیل فہم و فراست میں دوررس، عقل و دانش والے اور اعلیٰ اور پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے۔ غرباء پرور، ہر ایک سے متواضع، دشمنوں کے مقابلے میں صاحب استقلال و شجاعت اور خدا کی حمد و ثنا میں مشغول رہنے والے تھے۔"

۵۷۔ بابا گرونانک نے آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے کہا۔

الف اکلا اک ہے دوجا پاک رسول
کلمہ پڑھو سے نا نکلا جو درگہ پویں قبول

۵۸۔ پنڈت سائیں گوبند رام نے اپنے ایک مضمون "ایک نبی ایک انسان" میں حضور سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر اظہار خیال کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:-

"مختصر یہ کہ پیغمبر اسلام ایک بہت بڑے انسان اور ایک بہت بڑے مذہب کے بانی ہیں جن کی زندگی کا ہر پہلو ہر انسان کے لئے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو روشنی کا مینار ہے۔"

۵۹۔ سردار گوردت سنگھ دارا ایک سکھ دانشور نے "رسول عربی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت و محبت جھلکتی ہے۔ ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سنتے ہیں جس بشر نے تجھے نظر سے دیکھا اس کا دل تیری نذر ہو رہا۔ جس آنکھ نے تجھے ایک دفعہ نگاہ شوق سے دیکھا وہ پھر مشتاق نگاہ غیر نہ رہی۔ کہتے ہیں تیری چھب بڑی موہنی تھی اور تیرا روپ انوپ تھا۔ تیری آنکھ جادو تھی۔ اور تیرا کلام کلام قرآن تھا۔ اے دلدار عرب سنتے ہیں تیری پریت کی جوت جس من میں جگی پھر وہ بجھائے نہ بجھی۔ اے تاجدار عرب کہتے ہیں:-

غلام نرگس مست تو تاجداراں اند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیاراں اند

اسے فردوسِ خوبی کرتا ایک نظارہ مرہی۔ جلادیکھو تیرے در پر کھڑا دست سوال دراز کئے ہے۔ دے نام عشق کچھ زکوٰۃ حسن اسے بھی۔ مانا کہ تیرا مداح خواں خود کبریا ہے۔ مانا کہ تو حبیب خدا ہے۔ مگر ؎

یہ تو میں کیوں کر کہوں تیرے فیدا دل میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز بردار وں میں ہوں

۶۰۔ سردار دیوان سنگھ مفتون اپنے ایک مضمون میں "غریبی اور کلہ اگی" میں رقمطراز ہیں: "میں سکھ خاندان میں پیدا ہوا۔ اور نسل کے اعتبار سے مجھے سکھ ہی سمجھا جانا چاہئے مگر ذاتی خیالات کے اعتبار سے میں حضرت مسیح اور پیغمبر اسلام کا اتنا ہی معتقد اور بھگت ہوں جتنا کوئی عیسائی یا مسلمان ہو سکتا ہے۔

۶۱۔ ایم این رائے اس مشہور اشتراکی رہنما نے اپنی تصنیف "اسلام کے تاریخی کارنامے" میں اعتراف کیا ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے انقلاب آفریں رہنما گذرے ہیں۔

۶۲۔ سادھوٹی ایل وسوانی کہتے ہیں اور ہندوکیوں ہی اعتراف نہ کرے جبکہ ہندوؤں کی مشہور کتاب کلکی پران کے بارہویں باب میں درج ہے:
"جگت گرو، وشنو بھگت اور سومتی سے پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش ۱۲ بیساکھ پیر کے دن، سورج نکلنے سے دو گھڑی بعد ہوگی۔ اس کا پتا اس کے پیدا ہونے سے پہلے پرلوک سدھار جائے گا۔ اس کی ماتا بھی بعد میں فوت ہو جائے گی۔ جگت گرو کی شادی دسیپ (سنسکرت میں کہ کو کہتے ہیں) کی شہزادی سے شادی ہوگی۔ شادی کے موقع پر اس کا ایک چچا اور تین بھائی موجود ہوں گے۔ ایک غار میں پرس رام (جبریل علیہ السلام) اسے تعلیم دے گا۔ اور جس وقت وہ بستی میں آکر تبلیغ کریں گے تو لوگ تکلیف دیں گے۔ شمالی پہاڑوں میں ہجرت کریں گے۔ وہاں سے پھر تلوار سے کر اٹھیں گے۔ ملک فتح ہوگا۔ جگت گرو (حضور سرکار دوعالم) کا ایک گھوڑا ہوگا۔ جو برق سے زیادہ تیز چلے گا آپ ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے۔

۱۰ر جنوری ۱۹۳۵ء کا دن ہے شدید سردی میں ڈاکٹر محمد اقبال کے ہاں علمی محفل جمی ہوئی ہے۔ شریکِ محفل ہیں جناب محمد اسلم جیراجپوری، جناب غلام احمد پرویز قاضی محمد اشرف جناب سید نذیر نیازی صاحب اور دیگر احباب۔ مختلف علمی، دینی اور عصری مسائل زیرِ بحث ہیں ڈاکٹر صاحب اپنے زرّیں خیالات و افکار سے حاضرین کو مستفیض فرمارہے ہیں۔ باتوں باتوں میں "نبی اور شعورِ نبوت" کا نازک موضوع چھڑ جاتا ہے۔ حضرت اقبال اپنے اس پسندیدہ اور محبوب موضوع پر اپنے ارشاداتِ عالیہ کو تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔

حاضرینِ محفل میں سے سید نذیر نیازی صاحب اور غلام احمد پرویز صاحب اُسی دن رات کو اس علمی محفل کی مفصل روداد اپنی اپنی ڈائریوں میں قلم بند کر لیتے ہیں۔ نیازی صاحب کی اس دن کی ڈائری ان کی مایہ ناز تالیف "اقبال کے حضور" کے ۳۳ صفحات (صفحہ ۳۶ تا ۶۸) پر پھیلی ہوئی ہے۔ "نبی اور شعورِ نبوت" کے موضوع پر اس کا ایک اقتباس نیازی صاحب کی ڈائری سے درج ذیل ہے۔

"شعورِ نبوت کو تو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں زمانے کی ساری وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آجاتی ہیں۔ ماضی، حال، اور مستقبل کا امتیاز قائم نہیں رہتا۔ لہٰذا ہمارے لئے جو بات آنے والی ہوتی ہے۔ شعورِ نبوت کو پہلے ہی سے اس کا علم ہوتا ہے اس طرح جیسے کہ اس کا ظہور ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر حقیقت اور ہر صداقت کو اپنے سامنے عیاں دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے وحیِ الٰہی میں اُن کے یقین کی۔ لہٰذا جس علم کا سرچشمہ وحیِ الٰہی ہو اس میں یقینی ہی یقین ہوگا۔ اس کے برعکس عقل اور فکر کی دنیا کہ ہم اس میں قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہیں اس میں اثبات ہوگا۔ اس کے برعکس عقل اور فکر کی دنیا کہ ہم اس میں قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہیں اس میں اثبات کے ساتھ نفی اور یقین کے ساتھ ظن کا پہلو قائم رہتا ہے۔ فلسفہ نام ہے انسان کی دماغی کاوشوں کا لیکن یہ کاوشیں آخر انسانی ہیں۔ ان میں یقین کا رنگ پیدا نہیں ہو سکتا بالخصوص وہ یقین جسے ہم علم الیقین حق الیقین اور عین الیقین سے تعبیر کرتے ہیں۔ لگر میں یقین کا رنگ پیدا ہوتا تو وحیِ الٰہی کی بدولت کہ اس کی رہنمائی میں آگے بڑھے"

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی ڈائری میں اس

موضوع پر حضرت اقبال نے جو خیالات درج کئے ہیں وہ سید نذیر نیازی صاحب کی پیش کردہ روایت سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"رسول کی تعریف (DEFINATION) کے متعلق فرمایا کہ ایک رسول میں اللہ کی طرف سے یہ شعور پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ امتداد زمانہ (LENGTH OF TIME) کو سمیٹ کر ایک حال کے اندر مرتکز کرے لہٰذا جو باتیں دوسروں کے نزدیک دو ہزار برس بعد میں آنے والی ہوتی ہیں وہ رسول کے نقطۂ نظر سے مستقبل کی نہیں بلکہ حال کی ہوتی ہیں اس لئے وہ اپنی وحی میں اس قدر محکم یقین رکھتا ہے کہ اس کی سچائیاں اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ وہ ان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اس لئے اس کے دل میں شک و ریب کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا" (ماہنامہ طلوع اسلام لاہور اپریل سنہ [illegible] صفحہ [illegible])

دیکھا آپ نے نیازی صاحب اور پرویز صاحب کی روایتیں ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں۔ نبی کی ذات کو یوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی بصیرت و قوت عطا ہوتی ہے کہ امتداد زمانہ اس کے سامنے سمٹ کر "حال" کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ نبی کے ہاں ماضی اور مستقبل نہیں بلکہ صرف "حال" ہے۔ ماضی اور مستقبل اسی "حال" میں شامل ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں جو بات آج سے ہزاروں سال پہلے ہو چکی یا ہزاروں سال بعد ہونے والی ہے۔ نبی کے سامنے وہ اس طرح موجود ہے کہ گویا ابھی ظہور میں آ رہی ہے۔ یعنی وہاں صرف شہادت کی اصطلاح ہی استعمال ہو سکتی ہے "غیب" کا گذر نہیں۔

(۲)

آگے جانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم عالم غیب اور عالم شہادت کے بارے میں کچھ جان لیں اس موضوع پر ہم نیاز فتحپوری صاحب کی ایک تحریر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو بہت اہم ہے۔ جس میں عالم غیب اور عالم شہادت پر بحث کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

علم غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (القرآن سورۂ جن)

(۱) "لفظ غیب یا غائب لغوی معنی میں ہر اس امر کو کہتے ہیں جو مستور ہو آنکھوں سے نظر نہ آئے اور جس کا ہم زمان و مکان متعین نہ کر سکیں چنانچہ جب کوئی آواز کسی ایسے مقام سے آتی ہے جس کا پتہ نہیں چلتا یا نظر نہیں آتا تو عربی زبان میں اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

"سمعت الصوت من وراء الغیب"

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال لغوی معنی سے ہٹ کر تو نہیں ہوا۔ قرآن میں متعدد جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سب سے پہلے تو سورۂ بقرہ کی بالکل ابتدا میں "یومنون بالغیب" نظر آتا ہے بعض مفسرین نے اس آیت میں غیب کے جو یہ معنی لکھے ہیں کہ "آنکھ بند کر کے ایمان لاتے ہیں" اس سے مجھے اختلاف ہے اس کا جو مفہوم عبداللہ بن عباس نے ظاہر کیا ہے وہی درست معلوم ہوتا ہے انھوں نے

کہا ہے "الغیب ھو اللّٰہ" یعنی غیب سے مراد خدا کی ذات ہے چونکہ خدا کی ذات مستور ہے اور نظر نہیں آتی اس لئے اس کو لفظ غیب یا غائب سے تعبیر کرنا بالکل لغوی معنی کے لحاظ سے ہے جس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

سورۂ آل عمران میں جناب مریم کو اُن کی تطہیر و پاکیزگی کا یقین دلاتے ہوئے اطاعت و عبادت کی ہدایت کی گئی تو اُس کے ساتھ ارشاد ہوا۔ "ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک" یعنی غیب کی خبریں ہیں جو ہم تجھے بتاتے ہیں یہاں غیب کے معنی خواہ خدا کے لیجئے یا محض عالم مستور کے (جو عالم شہادت کی ضد ہے) کوئی فرق نہیں آتا اور وہی لغوی معنی بدستور قائم رہتے ہیں"

(ب) دو مقام پر صاف صاف علم غیب کے متعلق اظہار حقیقت کیا گیا ہے سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے "وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" یعنی خدا کے پاس غیب کے خزانے یا کنجیاں ہیں جن کو سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسری جگہ سورۂ جن میں مرقوم ہے عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول" یعنی وہ عالم الغیب (خدا) اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اُس پر جسے وہ رسالت کے لئے چن لے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ انعام اور سورۂ جن کی آیتیں متعارض ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورۂ انعام میں جو حقیقت ظاہر کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے یعنی یہ کہ رموز غیب کا جاننے والا صرف خدا ہے اور سورۂ جن میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان رموز کو وہ اپنے رسولوں پر ظاہر کر دیتا ہے اس طرح سورۂ جن سے گویا یہ امر روشن ہو گیا ہے کہ خدا رسولوں کو علم غیب عطا کرتا ہے"

(ج) "عالم غیب اور عالم شہادت دو عالم مانے جاتے ہیں عالم شہادت تو وہ جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے یا جس کا ہم کو علم ہو چکا ہے اور عالم غیب وہ جو ہماری نگاہ اور ہمارے حواس و ادراک سے پوشیدہ ہے اور یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ عالم شہادت بہ نسبت عالم غیب کے نہایت مختصر ہے انسانی معلومات کا نقص اور اس کی تنگی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ جو کچھ انسان کو معلوم ہے اور جن کا وہ اپنے آپ کو محقق سمجھتا ہے وہ بھی آج اچھی طرح معلوم نہیں ہے چہ جائیکہ تمام کائنات اور رموز کائنات و آفرینش سے آگاہ ہو جانا الغرض انسان کے سامنے جو کچھ ہے وہ عالم غیب کا نہایت ہی حقیر و مختصر سا حصہ ہے جس کا علم اسے حاصل ہو گیا ہے اور جس کو ہم عالم شہادت کہتے ہیں وہ بھی کسی وقت عالم غیب ہی میں شامل تھا۔

علوم حاضرہ کی تمام تحقیقات فنون جدیدہ کی تمام معلومات کسی وقت عالم غیب ہی میں داخل تھیں۔ جو بعد کو عالم شہادت میں داخل ہوئیں علم الکیمیا کے تمام نظریے۔ علم طبقات الارض کے تمام انکشافات۔ طبیعات کے جملہ مسائل الغرض اس وقت کی تمام معلومات سب عالم غیب سے متعلق تھے جو اب عالم شہادت میں آ گئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ اور کون سے غیب کے خزانے ہیں جو آئندہ انسان کو عطا ہونے والے ہیں اس لئے یہ کہنا کہ غیب کا علم رسول کو نہیں تھا اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ کلی علم کسی انسان کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا لیکن جزئی علم انسان کو حاصل ہے چہ

جائیکہ انبیاء و رسول بہر نوع زیادہ مکمل انسان تھے!" (ماہنامہ نگار لکھنؤ ۔ تنقیح اسلام نمبر صفحات ۱۲۹ ، ۱۳۰)

(۳)

چونکہ نبی و رسول کے لئے امتداد زمانہ سمٹ کر حال بن جاتا ہے اس لئے اُس کا ایمان، ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالمشاہدہ ہوتا ہے۔ امتیوں کے اعمال و افعال ہر وقت اس کے مشاہدے میں ہوتے ہیں وہ اُن کے اعمال و افعال کا صرف شاہد ہی نہیں بلکہ محتسب بھی ہوتا ہے۔

کسی ایک کو اس مسئلہ میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شائبہ مجاز و توہم تاویل حیات حقیقیہ کے ساتھ دائم و باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبان حقیقت کو اور متوسلان بارگاہ نبوت کو فیض پہنچانے والے اور اُن کی تربیت فرمانے والے ہیں!"

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیہ "و یکون الرسول علیکم شہیدا" کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں۔
"و یکون الرسول علیکم شہیدا۔ یعنی

وما هو على الغيب بضنين

صابر

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں (القرآن)

حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط بنام خانخاناں تحریر فرماتے ہیں
"و با چندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علماء امت ست یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم و تاویل دائم و باقیست و بر اعمال اُمت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفیض و مربی است۔" (اخبار الاخیار حاشیہ صفحہ ۲)

ترجمہ۔ علماء میں اس قدر اختلافات و کثرت مذاہب ہے باایں ہمہ

باشد رسول شما بر شما گواہ زیراکہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجاب کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس او می شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔"
(تفسیر عزیزی پارہ اول صفحہ ۵۱۸)

معنف تفسیر روح البیان علامہ حقی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ

ومعنی شھادۃ الرسول علیھم اطلاعہ
علی رتبۃ کل متدین بدینہ والحقیقۃ
التی ھو علیھا من دینہ وحجابہ
الذی ھو بہ محجوب عن کمال دینہ
فھو یعرف ذنوبھم وحقیقۃ
ایمانھم واعمالھم وحسناتھم
وسیئاتھم واخلاصھم ونفاقھم
وغیر ذالک بنور ھم "

ترجمہ۔ "ان پر رسول گواہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلع ہیں اپنے دین کے ہر متدین کے رتبہ پر اور اس حجاب پر کہ جس کے سبب سے وہ کمالِ دین سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گناہوں کو اور اُن کے ایمان کی حقیقت کو اور اُن کے اعمال کو اور اُن کی نیکیوں اور برائیوں کو اور اُن کے اخلاص و نفاق وغیرہ کو نورِ نبوت سے پہچانتے ہیں۔"

ہمارے بزرگوں نے نبوت کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ صرف اصطلاحاً ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی رو سے صحیح ہیں۔ چند آیات واحادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک

(آل عمران)

۱۔ وما ھو علی الغیب بضنین (تکویر)

یاد رہے کہ علم غیب کلی یا ذاتی صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ رسولوں کو وہ اپنے فضل وکرم سے اپنے غیبی(؟) کے خزانوں سے نوازتا ہے۔ پھر رسول خاص خاص موقعوں پر اپنے متبعین کو بھی اس علم سے مستفیض فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ آپ منبر سے اُتر آئے اور نماز پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ پھر اُتر آگئے اور نماز پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوگئے ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ آپ نے ہم کو جو کچھ واقع ہوچکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کی خبر دی۔ ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے وہ زیادہ عالم ہے (صحیح مسلم)

(۴)

اقبال کا ایمان وعقیدہ تھا کہ "رسول بر اعمال وافعال ماحاضر وناظر است" وہ اس عقیدہ کے یہاں تک پابند تھے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو "چشم او بینندۂ مافی الصدور اور رازدانِ جزو وکل" تک سمجھتے اور مانتے تھے اُن کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم افعالِ اُمت کے صرف شاہد ہی نہیں بلکہ "شاہد صادق ترین" ہیں۔

اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ مافی الصدور
ہمچناں آں رازدانِ جزو وکل
گردِ پایش سرمۂ چشم رسل

شاہدِ حالش نبی انس و جاں
شاہدے صادق ترینِ شاہداں

چونکہ اقبال کے ایمان کے مطابق اُن کا کوئی فعل بلکہ حال تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے وہ ذاتِ باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذرہائے من پذیر
ور اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

ان کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اب بھی اُن کی صحبت بابرکت سے اسی طرح فیض اُٹھایا جاسکتا ہے جس طرح کہ اُن کی زندگی میں۔ وہ اپنے ایک عزیز دوست خان نیاز الدین خاں صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارک ہو اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے قرآن شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں۔ خلوص ومحبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے میرا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور

اس زمانے کے لوگ بھی اُن کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانہ میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔ (مکاتیب اقبال)

(۵)

حضور ۔۔۔۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور "پاکان امت" کے استغاثے بہت مشہور و مقبول ہیں ان استغاثوں کو حل مشکلات کے لئے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی امتی کسی مالی، جسمانی یا روحانی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ ان استغاثوں کو صدقِ دل سے اپنے آقا و مولیٰ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کے فضل و کرم سے اُس کی تکالیف و مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ پاک و ہند میں مولانا جامی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ڈاکٹر اقبال کے استغاثے بہت مقبول اور زبان زد خاص و عام ہیں یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ استغاثہ اسی کے حضور پیش کیا جاتا ہے جس کو شاہد ہونے کے ساتھ ساتھ رؤف و رحیم اور حی و ابدی بھی سمجھا جائے۔

اقبال جب بھی کسی ذہنی و جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوتے فوراً بارگاہ رسالت میں اپنی تکلیف کو پیش کرتے ۱۹۱۲ء میں ایک شخص (عرشی امرتسری) نے اپنی تحریر سے اس عاشقِ رسول کے قلب و جگر کو مجروح کیا تو انھوں نے درد و سوز سے بھرپور استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور رطب اللسان رحمت و رافت ہوئے۔ چنانچہ خان نیاز الدین خاں صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے نبی کریم کو مخاطب کر کے ایک فارسی قصیدہ لکھنا شروع کیا ہے خدا کرے کہ یہ جلد ختم ہو جائے۔ عرشی امرتسری نے چند شعر لکھ کر میرے زخم کو چھیڑ دیا۔ اُن کا معمولی جواب تو میں نے زمیندار میں شائع کرا دیا تھا جو آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ ابھی چند اشعار ہی لکھے گئے ہیں۔ مگر اُن کے لکھتے وقت قلب کی جو حالت ہوئی اس سے پہلے اور کبھی نہ ہوئی تھی

دو شعر لکھتا ہوں۔

بہر نذرِ آستانت از عجم آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من
تیغِ لا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الاّئے من"

۱۹۳۶ء میں اقبال شدید جسمانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ بارگاہ رسالت میں ۵۰ اشعار پر مشتمل استغاثہ پیش کرتے ہیں۔ چند اشعار

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ
وا رہاں ایں قوم را از ترس و مرگ
ذکرِ تو سرمایۂ ذوق و سرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور
شہسوارا! یک نفس درکش عناں
حرفِ من آساں نیاید بر زباں
آرزو آید کہ ناید تا بلب
می نگردد شوق محکومِ ادب
گردِ تو گردد حریمِ کائنات
از تو خواہم یک نگاہِ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی
لالۂ من در گلوئے من شکست
شعلہ از سینہ ام بیروں نرفت
در نفس سوزِ جگر باقی نماند
لطفِ قرآنِ سحر باقی نماند
نالۂ کو نہ تجدد در ضمیر
تا کجا در سینہ ام ماند اسیر
یک فضائے بیکراں می بایدش
وسعتِ نہ آسماں می بایدش
آہ زاں دردے کہ در جان و تن است
گوشۂ چشمِ تو داروئے من است
چوں بصیری از توی خواہم کشود
تا بمن باز آید آں روزے کہ بود
مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است
در خطا بخشی چو مہرِ مادر است

(ماخوذ)

حماقت ومعاصی کے ہیں شرک، کفر، کبائر، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو دناءت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے چوری، کم تولنا، وغیرہ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں۔ عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد۔ انبیائے کرام شرک، کفر، بدعقیدگی، گمراہی اور رذیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالیٰ معصوم ہیں۔ کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔

دلائل اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی۔ کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔

عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا انی عبد اللہ۔ اتانی الکتب واجعلنی نبیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔ نیز فرمایا واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیا وبرا بوالدتی یعنی مجھے تا حین حیات نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اور اپنی والدہ سے سلوک کرنے والا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں۔ اور حکمت عملی تہذیب اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید پرستی کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ۔ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا ھذا ربی نے کافر وکیا رب یہ میرا ہو سکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا: لا احب الآفلین کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بچپن شریف کی اس سادی گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں العالم متغیر وکل متغیر حادث ہذا العالم حادث پھر یوں کہتے ہیں العالم حادث ولا شیئ من الحادث بمعبود فالعالم لیس بمعبود پھر اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا وتلک حجتنا اتینا ہا ابراہیم علی قومہ

حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی۔ (مدارج دوم)

معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو، نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے ہوئے پیدا

ہوئے ہیں

بچپن شریف میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی تو انھیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ فرمایا مَالِخُلِقْنَا لِهٰذَا۔ ہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے۔ رب نے اس کی تائید یوں فرمائی کہ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ خود فرماتے ہیں صلے اللہ علیہ وسلم کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ ہم اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السّلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

تفسیرات احمدیہ میں لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْکُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَهٗ بِالْاِجْمَاعِ انبیائے کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا۔ رہے گناہ۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیائے کرام ارادتاً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطاً سرزد ہو سکتی ہے۔ مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انھیں متوجہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ و صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں۔ جو دناءت اور کمینے پن پر دلالت کریں۔ اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تبلیغ سے تعلق نہیں۔ رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی یا چھپانے سے انبیاء معصوم ہیں۔ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو۔ نہ خطاءً۔ یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے۔ کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں۔ مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا یعنی اظہار نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔

چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے لَاخِلَافَ لِاَحَدٍ فِیْ اَنَّ نَبِیَّنَا عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَرْتَکِبْ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً طَرْفَةَ عَیْنٍ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَهٗ کَمَا ذَکَرَهٗ اَبُوْحَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ الْاَکْبَرِ

تفسیر روح البیان آیت مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَاالْکِتٰبُ کی تفسیر میں ہے یَدُلُّ عَلَیْهِ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ قِیْلَ لَهٗ هَلْ عَبَدْتَ وَثَنًا قَطُّ قَالَ لَا۔ قِیْلَ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَازِلْتُ اَعْرِفُ اَنَّ الَّذِیْ هُمْ عَلَیْهِ کُفْرٌ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں۔ کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں۔ ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہی کرے گا جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات

۱۔ رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔

۲۔ شیطان نے خود بھی کہا تھا کہ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں۔ اور وہ انھیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے۔ پھر ان سے گناہ کیوں کر سرزد ہوں۔

تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانے کے بیدین ان حضرات کو مجرم مانیں یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں۔

۳۔ یوسف علیہ السّلام نے فرمایا تھا مَاکَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ہم گروہ انبیاء کے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔

۴۔ حضرت شعیب علیہ السّلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مَااُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَااَنْهٰکُمْ میں اس کا ارادہ بھی نہیں رکھتا کہ جس

چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔ معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے۔ یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے۔

۵۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا اُبَرِّیٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں۔ سوا ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے۔ اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

۶۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام سارے جہان سے افضل ہیں۔ اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

۷۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا۔

معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام کے اقوال کو نقل فرمایا قَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العلمین کا رسول ہوں۔

لٰکِنِّیْ سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی۔ نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث ۱۔ مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

۲۔ اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا۔ معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے بھی محفوظ ہیں۔

۳۔ مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا۔ کہ اس میں شیطانی اثر ہے۔ بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

انبیاء کرام بے عیب اور معصوم ہیں۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی (مدارج و مواہب)

۴۔ انبیائے کرام کو جماہی نہیں آتی۔ کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

۵۔ مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے آب زمزم سے دھویا گیا۔

۶۔ مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گذرتے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی کرم نظر ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علمائے امت ہمیشہ سے امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا۔ سوا فرقہ معتزلہ حشویہ کے۔ کوئی اس کا منکر نہ ہوا۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ الآیہ کی تفسیر میں

ہے فَاِنَّ اَھْلَ الْوُصُوْلِ اِجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الرُّسُلَ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ قَبْلَ الْوَحْیِ مَعْصُوْمِیْنَ مِنَ الْکَبَائِرِ وَمِنَ الصَّغَائِرِ الْمُوْجِبَۃِ لِنَفْرَۃِ النَّاسِ عَنْہُمْ قَبْلَ الْبَعْثَۃِ وَبَعْدَھَا فَضْلًا عَنِ الْکُفْرِ یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے۔ اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے۔ اور بھی چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے اِنَّہُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْکُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ بِالْاِجْمَاعِ وَکَذَا عَنْ تَعَمُّدِ الْکَبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْہُوْرِ۔ انبیائے کرام کفر سے وحی سے پہلے اور بعد بالاتفاق معصوم ہیں۔ ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ ودانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

غرض کہ امّت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل: عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر وفسق سے ہمیشہ معصوم ہیں چند وجوہ سے۔

۱۔ کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے۔ اور ہم پہلے ثابت کرچکے کہ انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اغوا سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیوں کر سرزد ہو۔

۲۔ فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے۔ اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

۳۔ فاسق کی مخالفت ضروری ہے۔ اور نبی کی اطاعت فرض کہ ہر حال ان کی فرماں برداری کی جائے۔ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی۔ اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

۴۔ فاسق کی بات بلاتحقیق نہ ماننا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ اور نبی کی ہر بات بلاتحقیق ماننی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ۔ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلاتحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجماع نقیضین ہے۔

۵۔ گنہگار سے شیطان راضی ہے۔ اسی لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے۔ اور نیک کار سے رحمان خوش۔ اسی لئے وہ حزب اللہ میں سے ہے۔ اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے۔ اور یہ ناممکن ہے۔

۶۔ فاسق سے متقی افضل۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آئے گا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو۔ اور یہ باطل ہے۔ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا

۷۔ بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَۃٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدْمِ الْاِسْلَامِ جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی۔ اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔ اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ اگر نبی ایک آن کے لئے بے دین ہوں، تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

۸۔ گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلے سے ہے۔ رب فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّہُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَہُمْ جَآءُوْکَ الآیۃ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہوکر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامن عصمت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا۔؟ اور کس کے ذریعہ آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلۂ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ خود جرموں سے پاک ہو۔ اگر وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بلامرجح کا سوال پیدا ہوگا۔

۹۔ قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے۔ موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ دودھ خراب نہ ہوجائے۔ کارخانۂ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے۔ تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر وفسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک وصاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

۱۰۔ فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔

حضرت ابو خزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ایمان لاتے ہیں تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں۔ کہ واقعی آپ نے اونٹ خرید لیا ہے جس کے انعام میں ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی۔

عصمت انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے۔ وہ احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے۔ اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور و آحاد ہیں۔ وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ صحیح ہی ہوں۔

تفسیر کبیر سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف عصمت انبیاء ہوں وہ مقبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے۔ یا کہا جائے گا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔

تفسیر احمدیہ شریف آیت لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَإِذَا تَقَرَّرَ هٰذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الْأَنْبِيَاءِ مِمَّا يُشْعِرُ بِكِذْبٍ أَوْ مَعْصِيَةٍ فَمَا كَانَ مَنْقُولًا بِطَرِيْقِ الْآحَادِ فَمَرْدُوْدٌ وَمَا كَانَ مَنْقُولًا بِطَرِيْقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُوْفٌ عَنْ ظَاهِرِهٖ إِنْ أَمْكَنَ وَإِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلٰى تَرْكِ الْأَوْلٰى أَوْ كَوْنِهٖ قَبْلَ الْبَعْثَةِ بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں متشابہات کی مثل ہیں جن میں خاموشی لازم۔

دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کا لیے موصوف ہونا قطعی اور اجماعی ہے مگر بعض آیتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں۔ رب فرماتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں۔ رب انہیں فرماتا ہے مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے فرمایا فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے۔ فرماتا ہے یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری، مکر، اور دھوکے سے پاک منزہ ہے۔ اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا واجب ہے، ان میں تاویل کی جائے۔ بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں۔ جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے۔ ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے۔

رشدی کا ختمِ نبوّت سے انکار

ثبوتِ آخری نبی

قرآن کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی شجاعت علی قادری

ما کان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئٍ علیماً۔

• نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعزاز عطا فرمایا گیا جو کسی نبی اور رسول کو نہیں ملا تھا۔ اور یہ اعزاز "ختم نبوت" ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کمال کو اس وصف ختم نبوت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہر وصف اپنے کمال پر نظر آئے گا اور اگر معاذ اللہ اسی وصف کو الگ کر دیا جائے تو آپ کے اوصاف کی کمالی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔

دو قرأتیں قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے اور چونکہ ایک ہی لفظ کئی طرح پڑھا جا سکتا ہے اس لئے قرآنی الفاظ کے پڑھنے کا صحیح معیار یہ ہے کہ زبان رسالت سے اس لفظ کو کس انداز سے ادا ہوتا ہوا سنا گیا ہے۔ اسی فن کا نام علم قرارت ہے جو صحابۂ کرام سے ہم تک پہنچا ہے۔ زیر بحث لفظ کو دو طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا ہے۔

۱۔ خاتَم، یعنی تاء کے فتح سے۔
۲۔ خاتِم، یعنی تاء کے کسرہ سے۔

خاتم تا کے فتح کے ساتھ صرف دو قاریوں کی روایت ہے اور ان کے علاوہ تمام قاریوں نے خاتِم بکسر تا ر پڑھا ہے اور اسی کو مختار کہا ہے۔ (ابن جریر ص ۱ ج ۲۲)

اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر ایک لفظ کو ایک سے زائد طریقوں سے پڑھنے کی اجازت اسی وقت دی جاتی تھی جبکہ معنی ایک ہوں چنانچہ اس لفظ کا بھی یہی معاملہ ہے خواہ آپ اس کو خاتَم پڑھیں یا خاتِم پڑھیں معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی "آخری نبی"۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:۔

والمآل على كل توجيه هو المعنى الآخر ولذالك فسر صاحب المدارك قراءة عاصم بالآخر وصاحب البيضاوى كل القراتين بالآخر۔

"اور نتیجہ ہر صورت آخر کے معنی کی صورت میں نکلتا ہے اسی لئے صاحب مدارک نے عاصم کی قرأت (جو فتح سے ہے) کے معنی آخر کئے اور بیضاوی نے دونوں قرأتوں کے معنی آخر کے لئے۔

شریعت اسلامیہ کے اصول میں اصل اول قرآن ہے ہم نے اس مضمون میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو قرآنی تصریحات سے پیش کیا ہے۔ خاتم النبیین کی آیت کو بنیاد بنا کر دوسری آیت کو بطور تائید پیش کیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک آیت مستقلاً دلیل ہے آیت کی لغوی تحقیق سودہ سے نکال دی گئی ہے کیونکہ مضمون بہت طویل ہو گیا تھا اگرچہ تمام عربی لغات میں ختم کے وہی معنی ہیں جو شروع سے امت مسلمہ کا عقیدہ رہے ہیں۔

مگر دنیا کا کوئی معقول انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ لغتیں کسی متکلم کی مراد بھی متعین کیا کرتی ہیں پس کلام الہٰی کی مراد کتب لغت سے متعین نہیں کی جائے گی ہاں صرف اتنا بتانے کے لئے لغوی تحقیق پیش کرنے میں حرج نہیں کہ مراد الہٰی مخالف لغت عرب نہیں ہے۔

مراد الہٰی کے متعین کرنے کے دو ذرائع ہیں۔

۱:۔ خود قرآن

۲:۔ وہ کہ جس کے قلب پاک پر قرآن نازل ہوا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے معلم القرآن ہونے کی سند عطا فرمائی۔

اب ہم پہلے ذریعے سے مراد الہٰی کا تعین پیش کرتے ہیں۔

آیت کی تفسیر بالقرآن

قرآن کریم کی متعدد آیات بڑی صراحت سے اس آیت کے معنی کو بیان کرتی ہیں۔ چند آیات یہ ہیں۔

آیت نمبر ۱

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔

(مائدہ پ ۶)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے مکمل فرمانے کا اعلان فرمایا ہے۔ پہلی چیز دین ہے۔ دوسری چیز نعمت ہے جس کی تفسیر خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نبوت یا وحی سے کی گئی ہے پس اب اسلام کے بعد کوئی نیا دین الہٰی قیامت تک نہ ہوگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنا کلام الہٰی پر اعتبار نہ کرنے کے مترادف ہے جو صراحۃً کفر ہے۔

قادیانیوں کا ایک سفسطہ اور اسکا جواب

ایک مناظرے میں قادیانی مناظر نے مجھ سے کہا۔ "بتائیے نبوت نعمت ہے یا زحمت؟ میں نے کہا نعمت کہنے لگا بنی اسرائیل پر اللہ کی رحمت مسلسل برستی رہی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور اسی طرح پے در پے نبی آتے رہے اور آپ اپنے آپ کو ختم نبوت کے عقیدہ کی وجہ سے خدا کی نعمت سے محروم کر رہے ہیں۔

میں نے جواب دیا بنی اسرائیل پر اللہ نے اپنی نعمت کو مکمل نہیں فرمایا تھا، بااقساط نازل ہوتی رہی مگر اللہ نے ہم

پر اپنی نعمت کو مکمل قرار دیا اور اپنی نعمت کاملہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دی اب اگر اس کے بعد بھی ہم اپنی طرف سے نبی بنانے لگے تو یہ قہر خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے تو گویا ہم نعمت خداوندی سے محرومی کے شکار نہیں بلکہ نعمت کاملہ سے مستفید ہونے کے باعث مسرور و شادماں ہیں۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا

آیت نمبر ۲

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ.

"اور یاد کیجئے اس واقعہ کو جبکہ اللہ نے (تمام) نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر آئے تمہارے پاس ایک رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے"۔

تقریر مدعا یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب ہر نبی کو ہے کیونکہ اگر بعض کو ہو اور بعض کو نہ ہو تو ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی پھر اس عقل دلیل سے قطع نظر قواعد نحو کے مطابق بھی یہی معنی ہیں کیونکہ جمع جب محلّیٰ باللام ہو جائے تو مفید عموم ہو جاتی ہے۔ پھر تمام مفسرین سے بھی یہی منقول ہے لہٰذا ثابت دلائل سے اس کے مخاطب تمام نبی ہیں۔ اب آئیے لفظ "ثم" پر عربی زبان میں لفظ "ثم" تراخی فی الزمان مع المہلۃ کے لئے آتا ہے پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ رسول جس کی تائید و نصرت کا عہد تمام انبیاء سے لیا جا رہا ہے۔ وہ تمام کے بعد آئے گا اور جتنے سچے نبی ہوں گے وہ اس سے پہلے ہو چکے ہوں گے اب اگر اس کے بعد کوئی نبی بننے کا دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا ہوگا۔ کیوں کہ سچے نبی کے لئے اس آیت کے نص سے ضروری ہے کہ اس کی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی شکل ہے کیوں کہ انکی نبوت دنیا جانتی ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہے اور ان کا حضور کے بعد آنا یہ آیت کے منافی نہیں، بلکہ درحقیقت یہ اس آیت کی تصدیق ہے کہ ایک نبی جو اپنی نبوت کا اعلان دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کر چکا ہے قرب قیامت میں وعدہ الٰہی کی تصدیق کے لئے نازل ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اور ان کی تائید و نصرت کریگا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح شب معراج میں تمام رسُل کرام و انبیاء عظام علیہم السلام اس دنیا میں اپنے اجسام حقیقیہ کے ساتھ تشریف لائے اور حضور پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور عہد الٰہی کا ایفا کیا ان کم و بیش ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں فرق نہ آیا تو صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کیوں فرق آنے لگا ہے؟ کیونکہ یہ سب کے سب نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان سے قبل اپنی نبوتوں کا اعلان کر چکے تھے پس لفظ "ثُمَّ" نے بتا دیا کہ تمام نبیوں کے بعد صرف ایک ہی نبی ہوگا۔ اور ایک سے زائد نہ ہوگا اور یہی ختم نبوت ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہاں یہ شبہ وارد کیا جائے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کے بعد رسول تو فقط ایک ہی ہوگا مگر مرزا صاحب رسول نہیں بلکہ نبی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو رسول اور نبی میں فرق نہیں اگر ہے تو محض اعتباری ورنہ درحقیقت دونوں "موحیٰ من اللہ" ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ مرزا صاحب نے صرف نبوت کا نہیں بلکہ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جو ان کی کتابوں میں جا بجا موجود ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء)

۲:۔ حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول، مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ۔ (براہین احمدیہ ص۴۹۹ اربعین ص۴/۷، ۱۳ و نزول مسیح ص۹۹ و حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ و ص۱۵۰ وانجام آتھم ص۶۲ و حقیقۃ النبی مرزا محمود ص۲۵۹ و ص۲۱۴)

آیت نمبر۳ قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔

• فرما دیجئے، لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

آیت نمبر۴ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔

• مبارک ہے وہ جس نے قرآن کو اپنے بندے پر نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان کے لئے خدا کا ڈر سنانے والا ہو۔"

آیت نمبر۵ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ (نساء پ۵)

• اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

آیت نمبر۶ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ۔ (انعام پ۷)

"اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں اس سے تم کو ڈراؤں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے۔"

آیت نمبر۷ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء پ۱۷)

• اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

آیت نمبر۸ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔

• اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لئے بشارت دیتا اور ڈرسناتا ہوا۔

یہ آیات اور اس قسم کی تمام آیات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عام ہونا اور قیامت تک نافذ رہنا معلوم ہوتا ہے بڑی صراحت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر دلالت کرتی ہیں کیوں کہ آپ کی رسالت کا عام ہونا اور اس کا قیامت تک جاری رہنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے اب اگر آپ کے بعد بھی نبی بنائے جاتے رہے تو آپ کی یہ خصوصیت جو نصوص قرآنیہ سے ظاہر ہے معاذ اللہ باطل ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر۹ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ۔ (واقعہ پ۲۷)

• اہل جنت گذشتہ لوگوں کی بڑی جماعت ہیں اور آخری لوگوں میں سے تھوڑے ہیں۔

آیت نمبر۱۰ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ۔ (واقعہ پ۲۷)

• دائیں بازو والے (جنتی) پہلوں میں سے بہت ہیں اور آخری امت میں سے بھی بہت ہیں۔

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ امم سابقہ میں سے بہت لوگ جنت میں جائیں گے اور آخری امت میں سے کم جائیں گے تو یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم پر شاق گزری چنانچہ ان کی تسلی کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی جس میں آخری امت کے اہل جنت کو امم سابقہ کے جنتیوں کے برابر قرار دیا گیا (ابن کثیر بروایت مرفوعہ عن عبداللہ بن مسعود ص۲۹۰ ج۲)

خلاصہ یہ کہ یہ امت آخری امت ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے رسول آخری رسول ہیں، مرزائی اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور اس طرح اس آخری امت کے بعد ایک امت اور تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کی رو سے اس نئی امت کا کوئی جواز نہیں۔

آیت نمبر۱۱ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ (فتح پ۲۶)

• اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا تو وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو اعراض کریگا تو اسے وہ دردناک عذاب دیگا۔"

یہ آیت اور اسی مضمون کی سینکڑوں آیات قرآن عزیز میں موجود ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی کامیابیاں اور جنت کا حصول صرف دو شرطوں سے مشروط ہے ایک اللہ کی اطاعت اور دوسرے اس کے رسول کی اطاعت

اب سوال یہ ہے۔

امت مرزائیہ کو چیلنج

کہ اگر مرزا غلام احمد اور اسی جیسے دوسرے جھوٹے نبی کا ماننا لازم ہوتا تو اللہ فرماتا کہ جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی اطاعت کریگا وہ مستحق جنت ٹھہریگا مگر یہاں کوئی ایسی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ اب ہم تمام امت مرزائیہ سے دریافت کرتے ہیں کہ بتاؤ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرے وہ نجات یافتہ ہے یا نہیں؟ اگر کہو نہیں تو خدا کو جھٹلا رہے ہو پس ایسے لوگ جو خدا ہی کو جھٹلا دیں ان سے ہمارا کیا واسطہ؟ اور اگر کہو کہ وہ نجات یافتہ ہیں تو پھر تم ان نجات یافتہ مسلمانوں کو کیوں بہکاتے ہو؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ایک مرزائی مناظر اس کا یہ جواب تیار کرکے لائے تھے کہ مفتی صاحب اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو لازم آئیگا کہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کافی ہے اور آدم سے لے کر عیسیٰ تک کسی نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں!

میں نے جواب دیا کہ جناب سمجھ نہ سکے کہ درحقیقت آدم سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں پر ایمان لانا یہ بھی اطاعت رسول کے ضمن میں آگیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سب پر ایمان لائے تھے۔ اور ہمیں ان پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی پارے میں ہے۔

آیت نمبر ۱۲

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ.

"(متقی وہ ہے) جو ایمان لائے اس پر (کتابوں پر) جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلوں پر نازل کیا گیا۔

اگر ذرا بھی انصاف کا جذبہ ہو تو یہی آیت تمام جھوٹی نبوتوں کی جڑ کاٹ دیتی ہے کیوں کہ اس آیت میں متقی اور پرہیزگار ان لوگوں کو بتایا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب پر اور آپ سے پہلے نازل شدہ کتابوں پر ایمان لے آئیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ جو آپ کے بعد نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لائیں۔ اگر بعد میں بھی کسی چیز پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو "ومن بعدك" کا لفظ بھی فرمایا جاتا۔ مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ وحی الٰہی منقطع ہو چکی ہے۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن میں موجود ہیں اور وہ تمام آیات جن میں نزول کتب یا بعثت انبیاء کا ذکر موجود ہے اور وہ بھی اسی حقیقت کو آشکار کرتی ہیں، مثلاً یہ آیات۔

آیت نمبر ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ. (نساء)

"اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی، اور اس کتاب پر جو پہلے نازل ہوئی"۔

اس آیت میں بھی نہ تو مرزا صاحب کا ذکر ہے اور نہ ان کی وحی کا۔

آیت نمبر ۱۴

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ. (الآیہ بقرہ)

اس میں بھی ایمان کامل کے لئے صرف اتنا کافی بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے لوگوں پر نازل شدہ کلام الٰہی پر ایمان رکھا جائے اور ان

میں تفریق روا نہ رکھی جائے کہ بعض پر ایمان ہو اور بعض پر نہیں اگر کسی کو بعد میں نبوت ملنی تھی اور اس پر کلام الٰہی نازل ہونا تھا تو اس کا ذکر بھی یہاں ضرور ہوتا۔

آیت نمبر ۱۵ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (بقرہ)

"اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے نازل کی۔ درحالیکہ وہ تصدیق کرتی ہے ان کتب کی جو تمہارے پاس ہیں" یہ اس میں بھی کتب سابقہ کا ذکر ہے بعد میں کسی چیز کے نزول کا اتہ پتہ نہیں ہے اور نہ اس پر ایمان کا حکم ہے۔

آیت نمبر ۱۶ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (آل عمران)

"فرما دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور سب نبیوں کو دیا گیا ان کے رب کی جانب سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اس آیت میں اجمال اور تفصیل دونوں ہی طریقوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ کون سے نبیوں پر اور کون سی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے چنانچہ یہ دو نوں لفظ قابل توجہ ہیں۔

(۱) "مَآ اُوْتِيَ" جو کچھ بھی دئے گئے۔ یعنی خواہ کتب ہوں، صحائف مگر شرط یہ ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کو دئے جا چکے ہوں کیونکہ ماضی کے صیغہ کا یہی مفہوم ہے۔

(۲) "اَلنَّبِيُّوْنَ" یہاں الف لام استغراق کا ہے اور چونکہ یہ اوتی کا نائب فاعل ہے اس لئے معنی یہ ہوتے کہ ان تمام چیزوں پر ایمان لازم ہے جو تمام نبیوں کو دی جا چکی ہیں یعنی جو کچھ دیا جانا تھا وہ دیا جا چکا ہے اور جس کو دیا جانا تھا وہ بھی اس دنیا میں آچکا ہے اور اب کسی کے لئے کوئی موقع نہیں اگر اس قسم کا کوئی امکان ہوتا تو آیت میں اس قسم کا جملہ ضروری تھا کہ۔

"وَمَا سَيُوْتٰى مِنْ بَعْدِهِمْ"

"یعنی اور اس پر بھی جو بعد والوں کو دیا جائیگا"

آیت نمبر ۱۷ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (شوریٰ)

"اسی طرح وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے ہو گزرے اللہ غالب حکمت والا۔

اگر آپ کے بعد کوئی نبی بنایا جاتا اور اس کی طرف وحی کی جاتی تو اس آیت میں اس کا بھی ذکر ہوتا۔ یعنی من قبلك کے ساتھ ومن بعدك کا لفظ بھی ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔

یہ چند آیات وہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو بیان کرتی ہیں اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جنہیں جگہ کی قلت کے باعث چھوڑا جاتا ہے۔ اب ان چند آیات کا ذکر کیا جاتا ہے جنکو منکرین ختم نبوت مسلمانوں کے دلوں میں شک وشبہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء)

"اور جو لوگ بھی اطاعت کریں گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ روز قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ سب اچھے رفیق ہیں۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر انسان نبی بن سکتا ہے، استدلال اس طرح ہے کہ ہم نمازوں میں دعا کرتے ہیں "صراط الذین انعمت علیہم" اے

اللہ ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا۔ پھر قرآن کی اس آیت میں اللہ نے خود ہی بتا دیا کہ انعام یافتہ لوگ چار قسم کے ہیں۔

اب یہ تو ممکن نہیں کہ اللہ کسی بھی بندے کی دعا کو قبول نہ کرے لہٰذا کسی کی دعا اس طرح قبول ہوتی ہے کہ اسے صالح بنا دیا جاتا ہے کسی کی اس طرح کہ اسے شہید بنا دیا جاتا ہے اور کسی کی اس طرح کہ اسے صدیق بنا دیا جاتا ہے اور کسی کی اس طرح کہ اسے (معاذ اللہ) نبی بنا دیا جاتا ہے اور مذکورہ آیت میں "فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ" کا یہی مفہوم ہے۔

اس شبہ کے دو جواب ہیں۔

(۱) یہ تقریر درحقیقت قرآن میں ایسی تحریف ہے جس سے یہودی بھی شرما جائیں گے۔ اس آیت میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے نبی بن جائیں گے اس میں تو لفظ "مَعَ" ہے جس کا ترجمہ "ساتھ" ہے۔ پھر اسکی مزید تاکید آیت کے آخری جملے سے کہ "وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا" اور یہ سب اچھے رفیق ہیں۔ تو آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو چاروں منعم علیہم یا ان میں سے بعض کی رفاقت ومعیت حاصل ہو جائے گی اور یقیناً یہ بڑا اعزاز ہے۔

ایک قادیانی مناظر نے مجھ سے کہا کہ مفتی صاحب اگر آپ کی تقریر درست تسلیم کر لی جائے تو معنی یہ نکلیں گے کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا اسی طرح صدیق اور شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتا ہے بس صرف رفاقت کا اور معیت کا مستحق ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔

میں نے کہا: "درحقیقت اس آیت میں صرف رفاقت ومعیت ہی کا ذکر ہے۔ صدیق شہید اور صالح بننے کا ذکر نہیں اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص اطاعت خدا اور رسول کی بدولت صدیق شہید اور صالح بن سکتا ہے یا نہیں تو اس کے لئے قرآن میں بہت آیات موجود ہیں جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں اب آپ کے ذمہ یہ ہے کہ آپ قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں جس میں کہا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص دعا کرنے یا خدا اور رسول کی اطاعت کرنے سے نبوت ورسالت حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) اگر کسی کی راہ پر چلنے سے راہ چلنے والا لازمی طور پر وہی بن جاتا ہے جس کی راہ پر وہ چل رہا ہے۔ تب تو بڑی خرابیاں آئیں گی۔

۱:۔ آپ لوگ مرزا غلام احمد کی راہ پر اتنے عرصہ سے چل رہے ہیں تو آپ مرزا جی کیوں نہیں بنے؟ خود ان کے بیٹے اور خلیفے بھی مرزا جی نہ بنے۔

۲:۔ اور مرزا جی بننے کی ضرورت ہی کیا تھی آخر آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستے پر چل رہے ہیں (صراط اللہ العزیز الحمید) تو خدا ہی کیوں نہیں بن بیٹھتے ہیں۔

۳:۔ کیا کوئی عقلمند آپ کی اس منطق کو مان لیگا کہ انسان وزیر، سفیر یا بادشاہ کی راہ پر چل کر وزیر، سفیر یا بادشاہ بن جائے گا۔

آیت نمبر ۲ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (جمعہ)

"وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول انہیں میں سے مبعوث کیا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا۔ ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اگرچہ وہ اس سے پہلے بلاشبہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے اور انہیں میں سے دوسروں کے لئے جو ابھی تک ان سے ملے نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ "واٰخرین لما یلحقوا بھم" الخ

کے معنی یہ ہیں کہ "اور دوسرے نبی بھی آئیں گے جو ابھی ان سے نہیں ملے"۔

یہ ایک ایسی لغوبات ہے جسے عربی سے واقف پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتا ہے تاہم چند اشارات پیش کرتا ہوں۔

۱:۔ اگر آخرین سے بجائے لوگوں کے معنی نبی لے جائیں تب بھی حضور کے بعد نبی بنانے کا کوئی اشارہ نہ ہوگا کیونکہ لفظ "بَعَثَ" ماضی ہے اور بقول مرزائیوں کے اس کا عطف "رسولاً" پر ہوگا اس طرح یہ بَعَثَ کا مفعول ہوگا۔

۲:۔ منھم کی ضمیر اُمیین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اہل عرب تو بقول مرزائیوں کے اگر آخرین سے مراد نبی ہوں تب ان نبیوں کو اہل عرب سے ہونا پڑیگا۔ اور اس طرح مرزا صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑیگا کیونکہ وہ منھم نہیں ہیں۔

۳:۔ "آخرین" جمع ہے تو کیا چودہ سو سال میں صرف ایک ہی آیا۔

غرضکہ یہ تاویل خرافات کا پلندہ ہے اور تحریف معنوی کا شاہکار ہے۔

آیئے اب اس کے معنی اسی زبان سے سنیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی پشت در پشت ایسے مرد اور ایسی عورتیں ہوں گی جو جنت میں بے حساب داخل ہوں گی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی ماندہ افراد (قیامت تک) ابن کثیر ص ۳۲۹/۹۔

گویا اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عموم کا بیان ہے جس کا دائرہ آپ کے زمانۂ اقدس کے لوگوں اور بعد کے لوگوں تک وسیع ہے۔

آیت نمبر ۳ اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۔ (پ ۱۷ ع ۱۷ حج)

اور اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغام پہنچانے والوں کو اور لوگوں سے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس میں یصطفی فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں پر دلالت کرتا ہے پس ثابت ہوا کہ آئندہ بھی فعل اصطفا رجاری رہے گا، یعنی اللہ چنتا رہیگا اس کے دو جواب ہیں۔

۱:۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالے مشرکین یہود اور نصاریٰ کے اس اعتراض کا جواب دے رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر نبی بن سکتے ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ انسانوں اور فرشتوں میں سے بعض کو اس شرف و کرامت کے لئے چن لیتا ہے اگر تم خدا کے اختیار و اقتدار کو تسلیم کرتے ہو تو اس کے اس فیصلے کو بھی تسلیم کرو، اب رہی یہ بات کہ مستقبل کے معنی یہاں کیوں نہیں لئے جاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ختم نبوت کے سلسلے میں جتنی آیات صریحہ نازل ہوئی ہیں وہ ایسا کرنے سے مانع ہیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو معاذاللہ قرآن میں تضاد ہوگا جو محال ہے۔

۲:۔ دوسرا جواب الزامی ہے اور وہ یہ کہ ہم تمام دنیا کے مرزائیوں سے دریافت کرتے ہیں، تم بھی مانتے ہو کہ تشریعی سلسلہ نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اور آپ کے بعد کسی تشریعی نبی کا آنا ممکن نہیں ہے مگر آیت مذکورہ میں اگر تمہارے جانے والے معنی لئے تو تشریعی نبوت اور تم نے نبوت کی جتنی قسمیں بنائی ہیں سب کا جاری رہنا ثابت ہو جائے گا جو تمہارے مدعا کے بھی خلاف ہے اب بولو کہ جواب کیا ہے؟ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے ظاہر ہے کہ تم جواب میں خاتم النبیین والی آیت کو پیش کروگے بلکہ پیش کرتے چلے آتے ہو اور اس آیت سے تشریعی نبوت کے ختم ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہوگے کہ اس آیت کی بنا پر یصطفی میں استقبال کے معنی تشریعی نبوت کے حق میں نہیں لئے جائیں گے۔ بس بعینہٖ ہمارا یہی جواب ہے کیونکہ جو نبوت خدا کی طرف سے دی جاتی تھی وہ تو تشریعی ہی تھی، ظلی بروزی، حقیقی مجازی وغیرہ کا ذکر قرآن

و حدیث میں کہیں نہیں ہے۔ اگر ہے تو دکھاؤ آج تک دنیائے قادیانیت و مرزائیت اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکی ہے اور انشاء اللہ العزیز کبھی نہ دے سکیگی۔ ولو کان بعضہم لبعض ظہیرًا۔

لے مرزا صاحب نے فرمایا کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا! (تجلیات الٰہیہ طبع اول ص۲۵ ج۱) اگرچہ خود مرزا صاحب نے تشریعی نبوت کا دعویٰ داغ دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگیا۔۔۔۔۔۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی (اربعین) حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کا کلام تضاد بیانیوں اور تاویل در تاویل کا مجموعہ ہے۔

آیت نمبر ۴

أَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام)

اور اللہ ہی جانتا ہے اس جگہ کو جہاں وہ رسالت رکھتا ہے۔

اس آیت سے بھی مرزائی وہی استدلال کرتے ہیں جو گزرا کہ "یَجْعَلُ" فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں کے لئے آتا ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو میں عرض کرچکا ہوں۔

آیت نمبر ۵

يَا بَنِيْٓ آدَمَ اِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ آيَاتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (اعراف)

اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتوں کی تلاوت کریں تو جو پرہیزگاری اختیار کرے گا اور اصلاح کریگا تو اس پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مرزائی اس آیت پر بڑی اچھل کود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم آدم کی اولاد ہو تو اس میں تمہیں مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ تم میں رسول آتے رہیں گے ہاں اگر تم اپنے آپ کو زمرۂ آدمیت سے خارج مان لو تو یہ خطاب بھی تمہاری طرف سے پھر جائے گا۔"

جو لوگ علوم قرآنی سے باخبر ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن میں جب خصوصی طور پر امت محمدیہ کو خطاب ہوتا ہے تو اس کے دو طریقے ہیں۔

۱: يَا أَيُّهَا النَّاسُ

۲: اور يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا!

اگر صرف یہودی مخاطب ہوں ان کے لئے "یا بنی اسرائیل" ہے اور اگر تمام انسانیت جو آدم سے لیکر قیامت تک ہے مخاطب ہو تو اس کے لئے "یا بنی آدم!" کا خطاب ہے اور آیت مذکورہ میں بھی یہی انداز تخاطب ہے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بولنے لگے تو سب سے پہلے کلام جو آپ نے فرمایا وہ یہ تھا:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قُدُّوْسًا قُدُّوْسًا نَامَتِ الْعُيُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ــــ"

ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ قدوس ہے، وہ قدوس ہے، آنکھیں سوگئیں اور رحمٰن کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند ــ" (رحمۃ اللعالمین ص۲۵٦)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ یہ آیت حرف بہ حرف صحیح ہو چکی ہے اور اس کا مصداق دنیا میں آچکا ہے کیونکہ آدم، نوح، موسیٰ، یعقوب، یوسف اور عیسیٰ علیہم وعلی جمیع الانبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ کی امتیں اس آیت کا مخاطب ہیں اور اگر ختم نبوت والی آیات نہ ہوتیں تو اس کا دائرہ کار آگے تک بڑھ جاتا۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ فعل مضارع بیشک استقبال کے لئے آتا ہے مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ استقبال مؤبد کے لئے آتا ہے اور یہ کہ اس کے آگے کوئی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے علاوہ اس تحقیقی جواب کے۔ مرزائی صاحبان پھر اپنے سابق سوال کا اعادہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر آیت جریان نبوت پر دال ہے تو مطلق نبوت جاری ہو جائیگی۔ پھر تشریعی نبوت کو کیسے بند کریں گے؟ جس طرح آپ تشریعی نبوت کو بند کریں گے اسی طرح ہم آپ کی بنائی ہوئی نبوت کو بھی بند کرکے دکھادیں گے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

قادیانی کہتے ہیں کہ ہر امت اس خوش عقیدگی میں مبتلا رہی ہے کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر باوجود ان کی خوش اعتقادی کے نبی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ اس خوش فہمی کی تردید فرمائی ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے یوسف علیہ السلام کی قوم کے بارے میں۔

آیت نمبر ۶: حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۔ (مومن ۳۴)

یہاں تک کہ جب وہ وفات پاگئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا:

مگر ان کے بعد رسول اور نبی آتے رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ کا عقیدہ جھوٹا

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسا ہی بے بنیاد تھا جیسا کہ قوم یوسف کا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم یوسف کی تردید کی اسی طرح امت محمدیہ کی تردید فرما دیتا مگر ایسا نہ ہوا معاملہ برعکس ہوا اور وہ اس طرح کہ وہاں قوم یوسف۔ یوسف کو آخری نبی کہا اور یہاں خود اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کہا۔ تو اے مرزائی صاحبان کیا آپ خدا کے بارے میں بھی یہی کہیں گے کہ خدا خوش عقیدگی میں مبتلا ہے؟ معاذ اللہ۔ خدارا بندوں کے کلام اور خدا کے کلام میں فرق کیجئے۔ میں نے جب ایک مرزائی مناظر صاحب کو اس طرح سمجھایا تو بوکھلا گئے پھر سوچ کر کہنے لگے کہ خود اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ آپ کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ رکھتی ہے جیسے پہلی امت کے لوگ اپنے نبیوں کے بارے میں رکھتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَاَنَّھُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا۔ (الجن پ۲۹)

"اور بیشک ان لوگوں نے بھی تمہاری طرح گمان کیا کہ اللہ ہرگز کسی کو نہ بھیجے گا۔"

مرزائی کہتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں سے فرمایا کہ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ عقیدہ اس طرح ہے جس طرح پہلی امتوں نے رکھا تھا۔ مگر ہم نے ان کے عقیدے کے برعکس رسول بھیجے۔

جواب میں مجھے اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت کی یہ تقریر قادیانیوں کی طرف سے قرآن میں تحریف معنوی کرنے کی کھلی جسارت ہے۔ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو قادیانی کہتے ہیں۔ یہ آیت سورہ جن کی ساتویں آیت ہے۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو وہ ایمان افروز گفتگو سنا دیجئے جو جنات نے قرآن سننے کے بعد اپنی قوم سے کی تا کہ قوم کی ہدایت کا موجب بنے چنانچہ یہ آیت جنات کی گفتگو کا ایک حصہ ہے جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ "پہلے لوگوں کو تمہاری طرح یہ خیال تھا کہ ان کے رسول کے بعد کوئی رسول نہ آئے گا اب تم بھی یہ خیال کرتے ہو اور اسی خیال کی بنیاد پر تم نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت حق ہے چونکہ اس کے دلائل و شواہد ہم نے دیکھ لئے۔ پھر تفصیل سے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

پس یہ آیت تو صرف ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کرتی ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کو آخری نبی کہتے رہے تھے اور لن یبعث اللہ احدًا کا مقصد صاف واضح ہے کہ غیر خاتم کو خاتم ماننا اسی طرح کفر جس طرح خاتم کو غیر خاتم ماننا کفر ہے اور بعض تفاسیر میں لن یبعث اللہ احدًا۔ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ زندگی نہیں ملے گی۔ یہ خیال غلط ہے یہ تفسیر بھی قرآن کے عین مطابق ہے۔

یہ چند آیات کی تشریح ہے ان کے علاوہ بعض آیات جو صراحۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں مرزا صاحب نے ان کو اپنے حق میں کہدیا ہے۔ ان کا جواب دینے کی ضرورت نہیں یا انہوں نے اپنے کو محمد کہا احمد کہہ! یا اللہ کہدیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو سوائے مالیخولیا کے مریض کے کسی اور سے متصور نہیں لہٰذا ان کا جواب بے سود ہے۔

رسولِ محترم کا عدالتی نظام

رشدی کے نظامِ عادلانہ پر تنقید
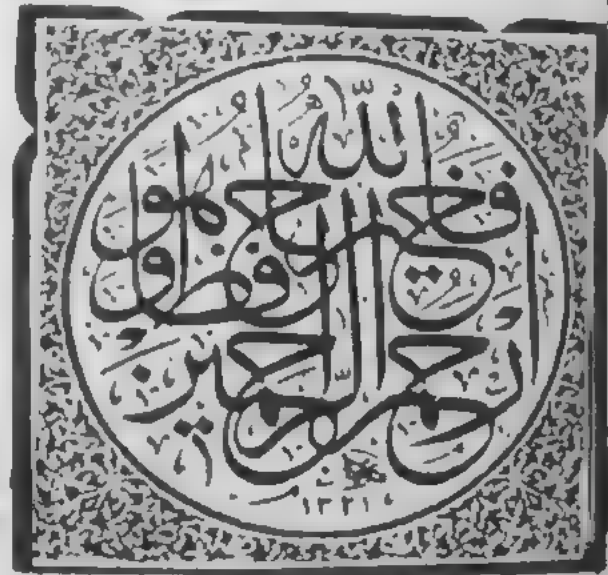
عدالت کو عربی زبان میں "قضا" کہتے ہیں۔ اور قضا کے لغوی معنی "کسی چیز کو ختم کرنا، فارغ ہونا، پورا کرنا" اور شریعت میں حکم، یعنی ظالم کو کسی حکمت عملی سے ظلم سے روکنے کو قضا کہتے ہیں۔ اور جو فیصلہ کرے اسے "قاضی" (JUDGE) کہتے ہیں۔ اور جس جگہ فیصلہ کیا جائے اسے دارالقضاء" (COURT) کہتے ہیں، جس قانون کے تحت فیصلہ کریں اسے "دستورِ قضا" کہا جاتا ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں ہر ظلم سے پاک و صاف معاشرہ قائم کرنے کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ نے دنیا کو وہ نظامِ عدل دیا جس کی نظیر نہیں یہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت مبارکہ میں ودیعت رکھی تھیں جس کی تکمیل عہدِ نبوت میں ہوئی۔ ان فطری صلاحیتوں کی بنا پر آپ نے قبل از نبوت قضا کے فرائض اعزازی طور پر حلف الفضول میں انجام دیئے [1]

حلف الفضول میں آپ کا نمایاں کردار تھا۔ روض الانف میں سہیلی، طبقات ابن سعد میں ابن سعد اور امام احمد بن حنبل مسند میں لکھتے ہیں کہ :-

" حلف الفضول میں آپ کا کام ہر مظلوم کو خواہ وہ مقامی ہو یا پردیسی۔ ہر ایک کی بلا فرق و امتیاز مدد فرمانا اور اس وقت تک چین نہ لینا جب تک مظلوم حق حاصل نہ کریں [2]"

آنحضرت اس حلف الفضول میں اکثر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے بڑے بڑے سرکش اس سے گھبراتے تھے اس کا کوئی رکن مرتے دم تک معزول نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال یہ اس زمانہ کا تذکرہ ہے جب کہ عرب میں اسلام کی داغ بیل نہیں پڑی تھی۔

آپ زمانۂ نبوت کے آغاز اور تقریباً تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ یہاں پر اس دوران آپ نے دینِ متین کی تبلیغ کی۔ اور اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ نے ملت اسلامیہ کی تشکیل فرمائی۔ اور ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اسلامی ریاست کا سربراہ آپ کو مقرر فرمایا۔ اور "عہدۂ قضا" بھی سپرد کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

فَاحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔

اللہ کے اتارے ہوئے قرآن کے مطابق فیصلے کریں

آئندہ اوراق میں آپ کی ریاست اسلامیہ میں عدلیہ کے انتظام کا بیان ملاحظہ فرمائیں :-

قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ۔ مطبوعہ المطبعۃ الکبریٰ مصر طبعۃ الاولیٰ ۵ ص۲۵۲۔

[2] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ج ۱ ص۱۳۳، روض الانف سہیلی ج ۱ ص۹۱ طبقات ابن سعد ج ۱ ص۱۲۸ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص۱۹۰۔

الذکر. ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (ہم نے زبور میں لکھا تھا ذکر کے بعد۔ کہ بیشک اس زمین کے مالک میرے صالح بندے ہوں گے۔

مومنوں کو حکم ہوا کہ اپنے تنازعات کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔

اے مومنو! اگر تم کسی بات میں تنازعہ کرو تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول سے کراؤ۔ یعنی قرآن و حدیث سے کرو۔

پھر جب یہ حکم ہوا۔ اس کے بعد مومنوں نے ہر تنازعہ کا فیصلہ آپ کی کورٹ سے کرایا۔ اور جیسے آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا اس پر عمل کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے جسے ترمذی نے کتاب الاحکام کے باب ما جاء فی الرجلین یکون احدھما اسفل من الآخر میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر ۱۳۶۳۔

ابن شہاب عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ایک شخص نے (انصار میں سے) زبیر سے جھگڑا کیا جس کا فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کورٹ میں لایا گیا۔ وہ جھگڑا پانی کے متعلق تھا جس سے کھجوروں کے باغ کو سیراب کرتے تھے (جھگڑا اس طرح ہوا کہ انصاری کا باغ زبیر کے باغ کے بعد میں نیچے تھا۔) تو انصاری نے کہا۔ پانی کو چھوڑ دو تاکہ میرے باغ میں بھی آجائے۔ حضرت زبیر نے انکار کیا۔ یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے حضرت زبیر سے فرمایا۔ اے زبیر! تم پانی سینچنے کے بعد اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔ اس فیصلہ پر انصاری کو غصہ آیا اور کہا یا رسول اللہ! یہ فیصلہ اس لئے کیا کہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ اس اعتراض پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا۔ اے زبیر! سینچائی کر کے پانی روک لے۔ یہاں تک کہ باغ کی دیواروں کو جا لگے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت "مجھے تیرے رب کی قسم! یہ ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کریں۔ اپنے جھگڑوں میں۔ اور آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کو دل سے قبول کریں۔ اس میں بارکی نہ دکھائیں" یہ اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ کے فیصلہ کو دل سے نہ تسلیم کرنے والے کو قرآن حکیم نے دائرہ ایمان سے خارج کر دیا۔ فرمایا گیا:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ

اے محبوب! تیرے رب کی قسم! ایمان والے نہیں ہیں۔ جب تک تجھے حکم تسلیم نہیں کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فیصلے کو سپریم کورٹ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور نہ آپ اس کورٹ کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بلکہ اس سے بھی زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔

مرکزی نظام:۔

شروع میں جب کہ ریاست کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس وقت تمام عہدے مثلاً سربراہی ریاست فوجی سپہ سالاری، عدالت آپ بذات خود انجام دیتے۔ مگر جس وقت اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور انتظامی کام بڑھتے گئے۔ تو آپ نے مدینہ منورہ میں چند قاضی مقرر فرمائے جو فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اور مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے باشندے مدینہ میں اپنے تنازعات حل کروالیتے۔ مدینہ کو دارالحکومت کا درجہ حاصل تھا۔ اور پورے ملک کی کورٹوں کے خلاف آپ کے یہاں فیصلے ہوتے۔

صوبائی انتظام

آپ کے زیر نگیں جتنے صوبے تھے۔ آپ نے ان پر ایک حاکم (گورنر) مقرر کیا تھا۔ اور وہی گورنر صوبائی کورٹ کا قاضی (JUDGE) ہوتا تھا۔ چنانچہ یمن کے قاضی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالے عنہ مقرر کئے گئے۔ جب کہ حاکم گورنر یمن بھی اس وقت آپ ہی تھے۔ اور حضرت عتاب بن اسید بن ابی العیص بن عبد الشمس اموی کو مکہ مکرمہ کا والی (گورنر) اور قاضی مقرر کر کے بھیجا۔ اسی طرح عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا۔ اگر کوئی مسئلہ صوبائی حکومت نے طے کیا۔ لیکن فریقین میں سے کسی کو اس پر اعتراض

ہوتا تو "سپریم کورٹ" میں اپیل کی جاتی جو مدینے میں تھی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کو قطعی طور پر حل فرمادیتے

دار القضاء

جہاں یہ بات بھی واضح کرنا مناسب ہے کہ عہد نبوی میں قاضی کے لئے دار القضاء یا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے لئے کوئی خاص علیحدہ جگہ نہیں تھی جہاں فیصلے کرتے۔ بلکہ کورٹ یا سپریم کورٹ مسجد یا منزل ہی ہوتی تھی۔ جہاں بیٹھ کر ہر طرح کے معاملات طے کئے جاتے تھے۔ اور مسلم و غیر مسلم سب کے لئے انصاف کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ ہر ایک کو بلا کسی روک کے حق ملتا تھا۔

ہنگامی عدالت

بسا اوقات کسی خاص مسئلہ کے لئے کوئی خاص عدالت قائم کی جاتی۔ اس کو کلی اختیار ہوتا کہ فیصلہ کی اچھی چھان بین کرکے عدل سے فیصلہ کرے۔ جیسے مبسوط سرخسی میں ہے کہ آپ نے کسی خاص معاملہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ہنگامی طور پر قاضی (جج) بناکر مدینہ منورہ ہی میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو اس پر حضرت عمرو بن العاص نے شرماتے ہوئے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ اس طور پر کہ اجتہاد کرو۔ اگر صحیح چیز پر پہنچ گئے تو دو نیکیوں کا اجر ملے گا اور اگر اجتہاد میں خطا کر گئے تو ایک نیکی شمار ہوگی۔

فوجی عدالت:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کہیں فوج بھیجتے تو اس فوج کا سپہ سالار فوج کی ہر قسم کی رہنمائی کرتا تھا۔ اور اگر مشکل قسم کے واقعات درپیش آتے تو ان سے نپٹنے کے لئے یا تو ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا جاتا یا فوجی سالار خود ہی اس قضیئے کو حل کرتا تھا۔ نتیجۃً وہی امام، وہی قاضی اور وہی سپہ سالار ہوتا تھا۔

فل بنچ

سپریم کورٹ کے حاکم اعلیٰ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعض اہم معاملات میں فل بنچ کو بٹھاتے اور فل کر مسئلہ کو حل کر دینے الا فرماتے۔ جیسے مبسوط العلامہ شمس الدین سرخسی میں ہے

وکان یشاورهم الا تری انه شاورهم فی اسری بدر وشاور سعدین رضی الله عنهما یوم الاحزاب فی صلح بنی فزارة علی بعض ثمار المدینة واخذ بما اشارا به۔

آپ مجلس بٹھا کر مشورہ فرماتے تھے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق اصحاب کرام (اہل علم و دانش) سے مشورہ فرمایا۔ اور دونوں سعدوں سے احزاب کے دن مشورہ کیا کہ بنی فزارہ کے ساتھ مدینہ کے بعض ثمار پر صلح کی جائے تو جیسے آپ کو مشورہ میں کہا گیا، آپ نے ویسا ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ حکم بھی ہوا تھا:۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔

کام میں ان کے ساتھ مشورہ کیجئے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت آج کل کی فل بنچ جیسی شکل تھی۔ بلکہ اس کی صورت ایسی تھی کہ اسلامی ریاستیں اور ان کی کورٹیں جو فیصلے کرتی تھیں وہ کسی آئین اور دستور کے تحت تھے۔ دراصل یہ دستور اور آئین ہی ہے جس سے مسلم ریاست کی عدلیہ کو اور عدالتوں سے امتیاز ہے۔ دنیا کی عدالتیں آج بھی اگر اسی دستور کے مطابق فیصلے کریں تو پوری دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس لئے کہ اسلامی تعزیرات انسانی کی اصلاح کے لئے نفسیاتی علاج ہیں۔ جس قانون کا بانی خود اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہے۔ اور نافذ کرنے والے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہم بانگ دہل اعلان کرتے ہیں
ہم اقوام عالم کو دعوت دیتے ہیں

کہ آئیے دستور اسلامی اپنی عدالتوں میں رائج کرکے سکون کی زندگی بسر کریں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں یہودیوں نصرانیوں، مجوسیوں اور دیگر غیر مسلموں کو بعض اوقات ہمارے لئے انصاف لینے اور حق پانے کے لئے نبوی کورٹ ہی ہے

اس لئے وہ اپنے مذہب کے سرداروں کو چھوڑ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کورٹ میں مقدمے لاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حق فیصلہ دیتے تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ
اگر آپ اے رسول! ان کے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق کریں۔ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔

آئین عدالت

اسلامی عدلیہ کا آئین وہی ہے جس پر عہد نبوی میں فیصلے ہوتے رہے۔ اور وہ قرآن حدیث اور اجتہاد ہے۔

یہاں اس بات کی نشاندہی کرنا ضروری ہے کہ اسلامی آئین کا چوتھا ماخذ اجماع امت ہے۔ عہد نبوت میں اس کی ضرورت اس لئے نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جو بھی نیا مسئلہ آتا، اس کو وحی کے ذریعہ اللہ تعالی یا حضور خود حل فرماتے تھے۔

ماخذ اول قرآن

اسلامی آئین کے پہلے ماخذ، قرآن کے متعلق اللہ تعالی کا فرمان ہے:
وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ
(مائدہ ۴۴) جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) سے فیصلہ نہ کریں گے بس وہ کافر ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہو کہ اسلامی ریاست کو اسلامی قانون نافذ کرنا چاہئے۔ اس کی انتظامیہ اور عدلیہ قرآن کے دئے ہوئے احکام کی پابند رہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ ناانصاف اور بے شکر شمار کئے جائیں گے۔

(۲) یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ بما تعملون خبیرا ہ
اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے والے بنے رہو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے معاملہ میں ہو۔ وہ امیر ہو، یا غریب ہو۔ اللہ دونوں کا زیادہ مالک ہے۔ سو تم خواہش نفس کی اتباع مت کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم کج روی یا روگردانی کروگے تو بے شک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

اس آیت میں انصاف پر رہنے کے لئے حکم دیا گیا۔ ساتھ ساتھ گواہی کو پوری طرح ادا کرنے پر بہت زور دیا گیا۔

ایک جگہ پر قرآن اور حدیث دونوں کی اتباع کرنے، اور ہر فیصلہ قرآن اور حدیث کے مطابق کرنے کے متعلق کہا گیا۔

(۳) فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ ورسولہ
اور اگر تم (اے ایمان والو) کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے آؤ۔ (یعنی اس کا حل قرآن اور حدیث سے طلب کرو)

اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جس کا صراحۃً ذکر قرآن حکیم میں نہ ملے۔ تو حدیث سے اخذ کرو۔ اور اگر حدیث میں بھی نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیا جائے۔

ماخذ ثانی حدیث

(۴) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ہ

فرمائیے اے حبیب: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو پس میری اتباع کرو اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کرے گا۔ اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۵) ما اٰتٰکُمُ الرَّسولُ فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتہوا

رسول جو تمہیں دیں لے لو۔ اور جس سے روکیں باز آجاؤ۔

ایک جگہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہوکر فرمایا:۔

(۶) فاحکم بینہم بما انزل اللہ۔ اے رسول! لوگوں کے درمیان ان احکام کے بموجب فیصلہ کرو۔ جو اللہ نے تم پر نازل کئے ہیں

اور ایک اور مقام پر مومنوں کو اللہ جل مجدہٗ نے مخاطب ہوکر فرمایا:۔

(۷) فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

اے رسول! تمہارے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی تنازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں۔ اور پھر تم جو فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں کوئی بار محسوس نہ کریں اور تمہارے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔

ماخذ ثالث: اجتہاد

مذکورہ آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان اپنی ریاست میں وہ عدالتی نظام رائج و نافذ کرے جو قرآن وحدیث میں ہے۔ مگر بعض نئے مسائل ایسے رونما ہو گئے ہیں جن کے لئے اگر قرآن وحدیث خموش ہوں اس وقت اجتہاد سے کام لینا ہوتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔ اور بھیجتے وقت آپ حضرت معاذ سے امتحان لیتے ہوئے پوچھتے ہیں:۔

بم تقضی یا معاذ؟ (الحدیث)

یعنی اے معاذ! تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا۔ اللہ کی کتاب (قرآن) سے۔ پھر فرمایا۔ اگر وہ مسئلہ قرآن میں نہ پاؤ (تو پھر کیا کروگے)؟ حضرت معاذ نے کہا۔ حدیث سے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اس میں بھی نہ پاؤ (تو پھر)؟ حضرت معاذ نے کہا میں عقل سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

سید احمد کی خطاطی کے شاہکار نمونے

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
سب تعریفیں اللہ کے لئے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق بخشی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر مجتہد صحیح مقصد کو پہنچا۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر غلطی کر گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ وہ مجتہد ہو۔ یعنی اجتہاد کی صلاحیت، اور اس کے شرائط ولوازم سے آراستہ ہو۔

اسلامی عدلیہ کے ان تین ماخذ کے علاوہ ایک چوتھا ماخذ بھی ہے جسے "اجماع امت" کہتے ہیں۔ یہ چوتھا ماخذ "اجماع امت" عہد نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وجود میں آیا۔ چونکہ ہمارا مقصود سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا عدالتی نظام بیان کرنا ہے لہٰذا اجماع امت کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ اس کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔

چونکہ عہدہ قضا ایک نہایت اہم فریضہ ہے۔ اس کو صحیح طور پر اپنا لینے میں ملک وملت کی بہتری ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح پر توجہ دلاتے ہوئے اللہ جل مجدہٗ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص ہدایات فرمائی ہیں۔

ماخوذ

دین کیا ہے

لغت میں دین کے مختلف معانی ہیں۔ کبھی تو جزا کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ مالک یوم الدین میں دین اسی معنی میں آیا ہے اور دیوان حماسہ کے شعر ولم یبق سوی العدوان دناھم کما دانوا، میں دنا دین بمعنی جزا ہی سے مشتق ہے اور کبھی دین بمعنی فرمانبرداری ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے قوم دین (یعنی فرمانبردار لوگ) اور حضرت عدی ابن زید اسدی نے اپنے شعر وفی سلیمان اذ دان الغیول له، والجن والانس تجری بینها البرد، میں دینا سے مشتق دان کو فرمانبرداری ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور کبھی دین عقیدہ کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی زبان وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین (اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے) میں، دین عقیدہ ہی کے معنی میں ہے۔ اور کبھی ملت و شریعت کے معنی میں ہوتا ہے اور ملت و شریعت عقائد اور اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی لیے دین عقائد و اعمال کے مجموعہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ القاموس المحیط میں دین کا ایک معنی یہ بھی ہے اسم لجمیع ما یتعبد اللہ عزوجل به یعنی ان تمام چیزوں کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں جنکے ذریعہ اللہ عزوجل کی عبادت و فرمانبرداری کی جاتی ہے، اور بلاشبہ دین کے اس معنی میں عقائد و اعمال دونوں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام و ایمان کے مجموعہ کو دین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان کی پہلی حدیث میں الاسلام ان تشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ کی شرح کرتے ہوئے شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس اسلام ظاہر اعمال است و ایمان تمام باطن، مختار در دین عبارت از مجموعہ اسلام و ایمان است' اور کتاب الایمان کی اس حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دین اسلام و ایمان کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بصورت بشر بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اسلام ایمان احسان وغیرہ کے بارے میں سوالات کیے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد جب حضرت جبریل واپس تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوالات کرنے

والے کون ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ فانہ جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم یعنی یہ جبرئیل ہیں جو تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ سرکار نے اسلام، ایمان واحسان وغیرہ کی تعلیم کو دین کی تعلیم فرمایا۔ اس لیے حدیث شریف کے مذکورہ ٹکڑے کی شرح کرتے ہوئے شیخ موصوف اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں "از ینجا معلوم شد کہ دین عبارت از مجموعہ اسلام وایمان واحسان است وشریعت نام ایں مجموعہ است وگاہ دین برائے اسلام مخصوصہ نیز اطلاق یابد چناں کہ ان الدین عند اللہ الاسلام"۔ الغرض مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ دین عقائد و اعمال کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اور دین کامل میں دین سے یہی معنیٰ مراد ہیں۔

چنانچہ دنیا میں بسنے والے مختلف ادیان کے ماننے والے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تمام ادیان برحق ہیں، یا ان میں سے کوئی ایک۔ اور پھر جو دین برحق ہے وہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے کافی ہے یا کسی اور دین کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان کی وضاحت کر دی جائے۔

دین برحق

چونکہ دین اختیار کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دین کے عقائد، اصول اور ضابطۂ حیات کے تحت زندگی بسر کی جائے۔ تاکہ قلبی سکون کے ساتھ خالق کونین کی خوشنودی حاصل ہو۔ اور عالم آخرت میں آرام وراحت نصیب ہو۔ اس لیے یہ مقصد اسی دین سے حاصل ہو سکتا ہے جس کے عقائد، طرز عمل، ضابطۂ زندگی مسائل حیات کے حل، مالک حقیقی کی عبادت اور پرستش کے طریقے، نیکی اور خدا ترسی کے تصورات اور فلاح و بہبودی کے وہ ذرائع جنہیں انسان کو اختیار کرنا ہے، سب اسی حاکم حقیقی کے بتائے ہوئے ہوں۔ جس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں، جو کائنات کا مالک حقیقی ہے، جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے کہ اس کے بتائے ہوئے عقائد اور دستور حیات کے مطابق زندگی گزار کر اس کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور عالم آخرت میں اس کی رحمتوں کا امیدوار ہوا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جس دین میں ایسے اصول عقائد اور اعمال ہوں، وہی دین، دینِ برحق ہے۔ یعنی جو دین اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ پوری کائنات کا صانع ایک ہے۔ وہی سارے جہان کا پالن ہار ہے۔ وہی منعم حقیقی ہے۔ انسان یا دوسری مخلوق کو جو کچھ ملا ہے اسی کا دیا ہوا ہے۔ وہی روز جزا کا مالک ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے، وہ جسم وجسمانیات، زمان و زمانیات اور مکان و مکانیات سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ اس کو کسی نے جنا ہے، وہی قادر مطلق ہے، اسی کی مشیت سے سارا نظام قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس کے پیغامات وارشادات برحق ہیں اور یہی ذریعہ نجات ہے۔

تو یقیناً ایسا دین برحق ہے اور جو دین ان تمام عقائد کے خلاف یا بعض کے خلاف تعلیم دیتا ہے تو وہ دین باطل ہے مثلاً عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا کہا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کفار ومشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر خدا کو صاحب اولاد مانا۔ حالانکہ خداوند قدوس اولاد سے پاک ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ما اتخذ اللہ من ولد نہ اس (اللہ نے کسی کو) جنا ہے اور نہ اسے (کسی نے) جنا ہے۔ اور خدا کو صاحب اولاد ماننا اس کی مذکورہ صفات سے انکار کرنا ہے۔ اس لیے جو صاحب اولاد ہوگا وہ بے نیاز اور قادر مطلق نہ ہوگا، بلکہ محتاج ہوگا۔ حالانکہ اللہ بے نیاز اور قادر مطلق ہے۔ ارشاد ہے: اللہ الصمد (اللہ بے نیاز ہے) اور ان اللہ علی کل شیء قدیر (بلاشبہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے) اور جو بے نیاز اور قادر مطلق نہیں ہوگا وہ عبادت کا مستحق نہیں ہوگا۔ حالانکہ اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے چنانچہ فرماتا ہے: لا الٰہ الا ھو کوئی عبادت کے لائق نہیں (مگر وہی اللہ) اور (وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ) اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس

سے سوا کسی کو نہ پوجو) اور جو صاحب اولاد ہوگا، وہ جسم جسمانیات سے منزہ نہیں ہوگا،
مکان و مکانیات
بلکہ جسم، زمان اور مکان والا ہوگا۔ اور جو صاحب اولاد ہوگا وہ بے مثل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا ہمسر اور مثل ہونا ضروری ہے حالانکہ رب کائنات بے مثل ہے۔ ارشاد ہے لم یکن لہٗ کفواً احد۔ (اس کا کوئی ہمسر نہیں) اور جو بے مثل نہیں ہوگا اس کا ساجھی اور شریک ضرور ہوگا۔ حالانکہ خلاق کائنات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا ساجھی اور شریک ہو چنانچہ ارشاد ہے قل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک و لم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا۔ (الله زبادر۔ سب خوبیاں اللہ کو جس نے بچہ اختیار نہیں فرمایا اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کمزوری سے اس کا حامی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو) مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ جس دین میں عقیدۂ توحید کے خلاف تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے اصول و قوانین بندوں کے خود ساختہ ہیں تو یقیناً وہ دین باطل ہے اور جس دین میں عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جاتی ہے اور زندگی گزارنے کے طریقے خالق کائنات کے بتائے ہوئے ہیں تو وہی دین، دین برحق ہے اور وہ صرف خدا کا دین ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ مختلف شریعتوں کی شکل میں آغاز انسانیت سے لے کر نزول قرآن تک انسان کی فلاح و بہبود کے لیے آتا رہا ہے۔ ان ظاہری صورتوں اور تفصیلات میں تو جغرافیائی، تمدنی، نسلی اور قومی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے اختلاف کی بنا پر فرق ضرور ہے مگر ان کی روح اور ان کے اصول و مبادی میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ سب نے عقیدۂ توحید اور اطاعت خدا ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ
(تمہارے لیے دین کی راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا۔) اس کی تفسیر میں علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ای شرع لکم من الدین دین نوح و محمد علیہما الصلاۃ والسلام ومن بینہما من ارباب الشرائع وھو الاصل المشترک فیما بینھم المفسر بقولہ" ان اقیموا الدین: وھو الایمان بما یجب تصدیقہٗ و طاعۃ فی احکام اللہ۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے آپ تک کے جتنے انبیاء پیدا ہوئے ہیں سب کے لیے ہم نے دین کی ایک ہی راہ مقرر کی ہے جس میں وہ سب متفق ہیں اور وہ راہ یہ ہے کہ دین ٹھیک کرو۔ اور دین ٹھیک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لانا واجب اور ضروری ہے، ان پر ایمان لانا اور اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات دین پر ایمان لانے اور اطاعت خدا کی تعلیم ہر نبی نے دی ہے۔ مگر شریعتیں قومی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے اختلاف کی بنا پر مختلف رہی ہیں۔ چنانچہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے: لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا۔
(ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور ایک ایک راستہ رکھا) یعنی فروغ اعمال ہر ایک کے خاص ہیں اور اصلی دین سب کا ایک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایمان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے یہی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس کا اقرار کرنا اور شریعت و طریق ہر امت کا خاص ہے۔

دین موسوی اور دین عیسوی کے احکام جداگانہ تھے۔

دین موسوی کے احکام بہت سخت تھے۔ توریت میں مجرم کو قتل کیا جاتا تھا۔ ناپاک کپڑا کاٹا جاتا تھا اور جانوروں کی چربی حرام تھی۔ اور یہ سختی اسرائیلیوں کی سرکشی کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم

طیبٰت اُحلّت لہم۔
(تو یہودیوں کے بڑے ظلم ہی کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں ان پر حرام فرما دیں۔) اور دین عیسوی میں نہایت نرمی تھی حتیٰ کہ شراب بھی حلال تھی اور کسی پر جہاد فرض نہیں تھا۔ چونکہ یہ احکام حالات کے تحت عارضی طور پر تھے اسی لیے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام لیکر تشریف لائے تو وہ تمام احکام اور شریعتیں جو حالات کے تحت عارضی تھیں منسوخ ہوگئیں اور چونکہ اسلام دین فطرت ہے لہٰذا وہ احکام جو فطرت کے مطابق تھے۔ وہ اب بھی دین اور اسلام میں محفوظ ہیں۔ جیسے دین ابراہیم علیہ السلام کے احکام فطرت کے مطابق تھے اور خداوند قدوس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین ابراہیم علیہ السلام کو قیامت تک باقی رکھنا تھا۔ اسی لیے حضور کو ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا

لہٰذا آج بھی وہ احکام دین محمدی میں محفوظ اور موجود ہیں۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دین ابراہیم علیہ السلام دین فطرت تھا اور اسے خداوند قدوس کو قیامت تک باقی رکھنا تھا تو ایسی صورت میں دین اسلام کے ساتھ نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں مبعوث فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت عام نہیں تھی۔ آپ ہر قوم ہر رنگ و نسل کے لیے نبی نہیں تھے اور آپ کا دین اگرچہ دین فطرت تھا، مگر کامل دین نہیں تھا۔

دین کامل: دین کے کامل ہونے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ دین کے احکام اور اس کی تعلیمات وہدایات کی ہمہ گیری یعنی دین وہی کامل ہو سکتا ہے جو مکمل ضابطۂ زندگی اور دستور حیات ہو۔ جس کے اندر زندگی کے ہر گوشے کے لیے احکام و ہدایات ہوں۔ مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے ہر ہر شعبہ سے متعلق تعلیمات موجود ہوں، دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل موجود ہو تاکہ انسان زندگی کے کسی مرحلے میں اصول وضوابط اور ہدایات کے سلسلے میں دوسرے کا دست نگر نہ ہو کہ اسے احساس ہو کہ معلوم نہیں کہ یہ مرحلۂ زندگی رب کائنات کی مرضی کے مطابق گذر رہا ہے یا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ احکام فطرت کے مطابق ہوں تاکہ ان پر عمل درآمد کے سلسلہ میں انسان مجبور ومعذور نہ ہو۔

۲۔ وہ دین ایسے نبی کا لایا ہوا ہو جو خاتم پیغمبراں ہو۔ اس لیے کہ آخری پیغمبر نہ ہونا اور ان کے بعد کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دین کامل نہیں ہے اگر کامل ہوتا تو دوسرے نبی کو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث نہ فرمایا جاتا۔

۳۔ دین دینے والے نبی کی نبوت عام ہو یعنی وہ ہر رنگ و نسل اور ہر قوم وملک اور زمانۂ بعثت سے لیکر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہوں۔ اس لیے کہ اگر کسی خاص قوم یا ملک اور کسی خاص زمانہ کے لیے نبی ہوں تو دوسری قوموں اور زمانوں کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت پیش آئے گی۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ دین کامل کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔

اور اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء رسل تشریف لاتے انہیں تھا کسی کی تعلیمات ہمہ گیر نہ تھیں۔ ان میں کوئی خاتم پیغمبراں نہیں اور نہ ہی کسی کی نبوت عام تھی۔ ہر نبی کسی خاص قوم وملک اور خاص زمانہ کے لیے مبعوث ہوتے رہے چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف اور حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: والی عاد اخاھم ھودا (اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو) والی ثمود اخاھم صالحا (اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو) والی مدین اخاھم شعیبا ۵ (اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو) الغرض ان میں سے کسی نبی کی نبوت عام نہیں تھی۔ مگر سید الانبیاء المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں مذکورہ باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جنہیں اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا

جارہا ہے۔

احکام و تعلیمات کی ہمہ گیری

دین اسلام کے احکام و ہدایات زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور فطرت کے مطابق ہیں۔ مہد کی زندگی سے لے کر لحد کے سارے احکام بالتفصیل موجود ہیں۔ مالک حقیقی کے عبادت کے طریقے کسب حلال کے اصول سیاست کرنے کے انداز نزاعات و مقدمات کے فیصلے، توارث اور وراثت کے احکام اکل و شرب کے آداب نشست و برخاست چلنے پھرنے سونے اور جاگنے کے طریقے، غرض عقائد ہوں کہ عبادات اخلاق ہوں کہ آداب تمدن خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ سب کے متعلق اسلام میں احکام اور ہدایتیں موجود ہیں۔ حتی کہ تقاضائے حاجت، طہارت حاصل کرنے کے طریقے بھی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مذاقاً کہا تھا کہ تمہارے پیغمبر تم کو پاخانہ کرنا بھی سکھاتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں یہ سچ ہے آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں، نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور تین ڈھیلوں سے استنجا کریں، ان میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو۔ (جامع ترمذی)

تعلیمات اسلام کی یہ ہمہ گیری اس کی تکمیل کی دلیل ہے۔

اسلام کے احکام اور تعلیمات اسی طرح موجود ہیں جس طرح صدیوں پیشتر موجود تھیں اسلام آج بھی پست سے پست اور جو غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لیکر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں کے لیے یکساں احکام و ہدایات رکھتا ہے۔ دین اسلام میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی یکساں ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام دینی تعلیمات و ہدایات کے ساتھ تمدنی ہدایات بھی پہنچاتا ہے اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے دوسرے ادیان کی طرح اسلام سے باہر کسی تعلیم کی ان کو ضرورت پیش نہیں آتی مثلاً عیسوی مذہب کہ (چند اختلافات چھوڑ کر جو کا ماخذ انجیل ہے) عقائد یا دریائی کی کونسلوں سے عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ مگر یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ انسانی زندگی کے کسی مرحلہ اور کسی شعبے کے لیے احکام و ہدایات کے سلسلہ میں دوسرے کا دست نگر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں دین اسلام کو مکمل کرنے کی بشارت ان الفاظ میں دی گئی ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ یعنی اے محبوب آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صاحب مدارک التنزیل نے جو تحریر فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ امور تکلیفیہ کے احکام قرآن و حدیث میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اگر کسی چیز کے سلسلے میں قرآن و حدیث کا حکم موجود نہیں ہے تو خداوند قدوس نے قیاس کے اصول و قوانین کی معرفت کرا دی ہے۔ تاکہ قیاس کے ذریعہ حکم معلوم ہو جائے اس میں قیاس کے منکرین کا رد بھی ہے۔ حالانکہ قیاس اصول شرع میں سے ہے اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے دریافت فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ آئے تو فیصلہ کیسے کروگے؟ اور کس چیز سے کروگے تو عرض کیا کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کیا اجتھد برأی میں اپنی رائے اور عقل سے اجتہاد کروں گا اور طلب صواب میں کوتاہی نہ کروں گا۔ تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا: الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔

حمد ہے اس خدا کے لیے جس نے رسول خدا کے فرستادہ کو اس کی توفیق عنایت فرمائی جس سے اللہ کا رسول خوش اور راضی ہے۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام فی القصد فی العمل منہ) حضرت شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قیاس اور اجتہاد کی شرعیت پر دلیل ہے۔ بخلاف اصحاب ظواہر کے جو قیاس کے منکر ہیں۔ الغرض دین اسلام وہ دین ہے جو احکام

اور تعلیمات کے سلسلہ میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

انا نسمع احادیث من یہود تعجبنا افتری ان نکتب بعضھا۔

یعنی اے اللہ کے رسول ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ کیا آپ ان میں سے بعض باتوں کے لکھنے کی اجازت فرماتے ہیں تو سرکار نے زجر و انکار کے طور پر ارشاد فرمایا:۔

امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ۔

کیا تم لوگ حیرت رشک اور شبہ میں ہو جس طرح یہود و نصاریٰ حیرت اور شک و شبہ میں مبتلا ہوئے۔ میں ملت اسلام کو سفید اور روشن و صاف لایا ہوں اور اگر موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو انہیں میرا ہی اتباع کرنا ہوتا۔

مشکوٰۃ المصابیح مرقاۃ اشعۃ اللمعات میں امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ کی شرح یہ بیان کی گئی ہے کہ کیا دین اسلام کے کامل اور تمام ہونے کے سلسلہ میں تمہیں حیرت اور شک و شبہ ہے کہ اپنی کتاب اور نبی کے غیر سے علم حاصل کر رہے ہو۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے حیرت شک و شبہ میں پڑ کر اللہ کی کتاب پس پشت ڈال دی اور اپنے راہبوں اور پادریوں کی خواہشات کا اتباع کیا گویا سرکار نے اس بات کی تعلیم فرمائی کہ اسلام دین کامل ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے دین کے احکام کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اقوال و اعمال میں میرا ہی اتباع کرتے۔

اور چونکہ اسلام کے احکام فطرت کے مطابق ہیں اس لیے ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک کے لوگوں کے لیے ان پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے احکام بتاتے ہوئے اس کے عملی نمونے بھی پیش فرمائے

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً

آپ نے خداوند قدوس کی عبادت و پرستش کی تعلیم دی تو سب سے پہلے خود ہی نمونہ بھی پیش فرمایا۔ آپ نے غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی اعانت کی تعلیم دی تو سب سے پہلے آپ نے اعانت فرما کر دکھائی۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دی تو جہاد فرما کر اس کا نمونہ بھی پیش فرمایا اور عفو و درگذر کی تعلیم دی تو فتح مکہ کے موقع پر مکہ والوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا۔ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔
یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ تعلیمات اسلام ناقابل عمل اور غیر فطری نہیں ہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

تمہارے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ثابت ہوا کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام ہر گیر اور قابل عمل ہیں۔

ختم نبوت: دین اسلام لانے والے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم بلاشبہ خاتم پیغمبراں ہیں۔ آپ کے ختم نبوت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور خود سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ میری مثال اور مجھ سے قبل انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے حسین و جمیل گھر تیار کیا مگر کسی گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی تو لوگ اس گھر کا طواف کرنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ۔ اس اینٹ کو کیوں نہیں رکھ دیا گیا یعنی یہ جگہ کیوں نہیں پر کر دی گئی۔ تو سرکار فرماتے ہیں۔ نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ میں ہوں و انا خاتم النبیین۔ اور میں خاتم پیغمبراں ہوں۔

آپ کی ختم نبوت سے متعلق بخاری و ترمذی مشکوٰۃ المصابیح وغیرہا میں بہت سی احادیث مقدسہ مروی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو خاتم النبیین نہ ماننا قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے اور یہ بالاتفاق کفر ہے۔ اور صحابہ سے آج تک امت اسلامیہ کا اس پر اجماع صریح قائم ہے۔

عموم نبوت و رسالت: اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء و رسل تشریف لائے وہ کسی خاص قوم اور کسی خاص زمانے کے لیے نبی تھے۔ مگر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کسی خاص قوم و ملک کے لیے اور کسی خاص زمانے کے لیے نبی نہیں، بلکہ آپ کی نبوت عام ہے۔ آپ ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک کے لیے نبی ہیں اور زمانہ بعثت سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض۔

(ماخوذ)

انسان ،، کُن ،، کے امرِ ربی سے وجود میں آنے والی تمام کائنات کے تخلیقی عمل سے بالکل جدا قادرِ مطلق کی ایک علیحدہ اور خصوصی تخلیق ہے۔ اسے دیگر تمام مخلوقات کے مقابلے میں بہترین نقشے پر بنایا گیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اور اسے ساری مخلوقات پر بزرگی اور فضیلت بخشی گئی ہے۔ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ یہ شرف و فضیلت اور عظمت انسان کو محض انسان ہونے کی بنا پر حاصل ہے۔ اس میں کالے، گورے عربی، عجمی، شرقی، غربی اونچے نیچے کا کوئی امتیاز نہیں کیونکہ سب نفس واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

کلکم بنی آدم و آدم من تراب۔

جب یہ بات مسلم ہو گئی کہ جملہ انسان نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں تو اپنی جگہ یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ سارے انسانوں کا خون بھی یکساں ہے اور ان کا رنگ بھی ایک ہے۔ انسان تمام مخلوقات میں سب سے محترم ہے تو اس کا خون بھی محترم ہے۔ لہٰذا قتل و غارت گری یا کسی بھی ذریعہ سے انسانی خون بہانا اور اس کی حرمت کو بلا وجہ پامال کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے احترام خونِ انسانیت پر غیر معمولی زور دیا ہے چنانچہ ایک بار طواف کے دوران خانۂ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"کتنا پاکیزہ ہے تو، اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضا، کتنا عظیم ہے تو، اور کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ ایک مسلمان کے جان و مال اور خون کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے،، (ابنِ ماجہ)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی خون کی حرمت کے سلسلے میں اپنے بلیغ خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کیلئے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی آج تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذوالحجہ) کی حرمت اس شہر (مکہ) میں ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو اور کفار کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔"

(بخاری، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

بعد ازاں آپ نے اپنی اس نصیحت پر عمل کی اولین مثال پیش

کرتے ہوئے فرمایا۔

"زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں سب سے پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوا، میرے اپنے خاندان کا ہے، ربیعہ ابن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا اب میں معاف کرتا ہوں۔" (بخاری، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

اسی طرح ایک بار آپ نے انسانی خون بالخصوص خونِ مسلم کی اہمیت و عظمت کو اس طرح بیان فرمایا۔

"کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال خدا کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا" (مسلم)

پیغمبر اسلام کے نزدیک صرف مسلمان ہی کا خون محترم نہیں بلکہ خدا کے ہر بندے کا خون محترم ہے چنانچہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے اگر کسی ذمی (کافر) کا خون ناحق یا بقصد ہو جائے تو اس پر جنت حرام ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس نے کسی ذمی کو قتل کیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردی" (نسائی)

"جس نے کسی معاہد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا" (بخاری)

ایک مرتبہ کسی غزوہ میں مشرکین کے چند بچے زد میں آکر ہلاک ہو گئے۔ آپ کو سخت رنج ہوا بعض صحابہ نے عرض کیا یہ تو مشرکین کے بچے تھے اس پر آپ نے فرمایا۔

"خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوئی ہے" (مسند احمد)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں ایک شخص کی لاش ملی مگر اس کے قاتل کا پتہ نہ چلا اس پر آپ نے سخت ناراضگی کے عالم میں خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! کیا بات ہے؟ میرے ہوتے ہوئے آدمی قتل کیا جاتا ہے اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا ایک آدمی کے قتل پر اگر آسمان و زمین کی تمام مخلوق بھی متفق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے گا۔" (طبرانی)

ایک غزوہ میں ایک عورت ہلاک ہو گئی اس کی لاش دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اوہ! یہ تم نے کیا کر ڈالا؟ یہ تو جنگ کرنے والوں میں شامل نہ تھی، جاؤ! خالد سے کہہ دو کہ ذریت (عورتوں اور بچوں) اور مزدوروں کو قتل نہ کرو"

پیغمبر اسلام کے نزدیک انسانی خون کی حرمت کا اندازہ ہمیں فتح مکہ کے موقع پر عفو عام کے واقعے سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ مکہ حضور کے جانی دشمنوں اور اسلام کے کٹر مخالفوں کا گڑھ تھا، یہاں وہ لوگ آباد تھے۔ جنہوں نے قدم قدم پر آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں طرح طرح کی اذیتیں دیں آپ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا، آپ کے قتل کے منصوبے بنائے اور جب آپ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ مدینہ پر بار بار حملہ آور ہوئے۔ جنگ بدر جنگ اُحد اور جنگ احزاب برپا کی، آپ کے متعدد جانثاروں کو شہید کر دیا اور آپ کو بھی زخمی کیا۔ آپ کے جو ساتھی مکہ سے ہجرت کرکے یمن شام اور حبش گئے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے چچا حضرت حمزہ کا قاتل وحشی، ان کا کلیجہ چبانے والی ہندہ اور عکرمہ ابن ابو جہل صفوان بن امیہ کعب بن زہیر اور ان ہی جیسے سینکڑوں دشمنانِ اسلام، شہر میں موجود تھے، حضور آج ان سے ایک ایک بدی کا بدلہ چکانے پر قادر تھے لیکن آپ نے قدرتِ انتقام کے باوجود ان کی جاں بخشی کیلئے اسلامی فوج کو حسب ذیل احکام جاری کئے

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۲۔ جو شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۳۔ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۴۔ جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں پہنچ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۵۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۶۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

فتح مکہ کے بعد جب خانہ کعبہ کے سامنے لوگوں کا اجتماع

عام ہوا تو آپ نے اُن سے خطاب کر کے فرمایا۔
"جانتے ہو! میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"
مجمع سے آواز آئی: "آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں"
حضور نے جواباً فرمایا: "تم پر آج کوئی گرفت نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو"
مکہ میں پیغمبر اسلام نے جو اس رحمت و مہربانی عفو درگذر کی عظیم مثال قائم کی وہ بعد کو اسلام کے قانونِ جنگ کا ایک اہم باب بن گئی اور خلفائے راشدین کے دور میں شام، عراق مصر، ایران اور روم وغیرہ کی فتوحات میں فتح کے بعد قتل و خونریزی سے اسی طرح گریز کیا گیا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی نے اپنے کمانڈروں اور گورنروں کو اس سلسلے میں جو ہدایات جاری کیں انکی تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان سب پر فتح مکہ کے عفو عام کا گہرا اثر موجود ہے۔

پیغمبر اسلام محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا انداز فکر تعزیرات اور سزاؤں کے سلسلے میں بالخصوص سزائے موت کے سلسلے میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس ابتدائی سزا سے حتی الوسع مجرم کو بچانے کی راہ تلاش کی جائے اور اسباب و شواہد سزا کے لئے نہیں بلکہ برائت کے لئے ڈھونڈے جائیں۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

"جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں کو سزا سے بچاؤ کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو انہیں چھوڑ دو۔ یہ بات کہ امام (حاکم) کسی شخص کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جائے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ اس کو سزا دینے میں غلطی کر جائے۔" (ترمذی)
دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔
"جب تک بچانے کی کوئی راہ مل رہی ہو اس وقت تک لوگوں کو سزا سے بچاؤ" (ابن ماجہ)
آپ کے اس انداز فکر کی نمایاں جھلک ہمیں حضرت ماعز بن مالک کے واقعے میں ملتی ہے۔ حضرت ماعز بن مالک زنا کے مرتکب ہوئے تو حضور کی خدمت میں خود حاضر ہوئے اور عرض کیا۔
یارسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے پاک کر دیجئے میں نے زنا کیا ہے
انکی یہ بات سُنکر پہلے تو حضور نے منہ پھیر لیا پھر ارشاد فرمایا۔
"ارے چلا جا! اور اللہ سے توبہ و استغفار کر۔" انہوں نے سامنے آکر پھر وہی بات دہرائی اور آپ نے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے تیسری بار سامنے آکر وہی بات کہی اور آپ نے منہ پھیر لیا تو حضرت ابوبکر نے انہیں متنبہ کیا "دیکھو اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں رجم (سنگسار) کروا دیں گے" مگر وہ نہ مانے اپنی بات پھر دہرائی اب حضور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔
"شاید تو نے بوس و کنار کیا ہوگا۔ یا چھیڑ چھاڑ کی ہوگی یا نظر بد ڈالی ہوگی۔؟"

انہوں نے کہا "نہیں۔!" ۔آپ نے پوچھا "کیا اس سے ہم بستر ہوا" انہوں نے کہا "ہاں!" ۔ پھر دریافت فرمایا "کیا تو نے اس سے مباشرت کی؟" انہوں نے کہا "ہاں!" ۔ پھر پوچھا کیا تو نے اس سے مجامعت کی۔؟ انہوں نے کہا "ہاں" اسی طرح مزید تین سوالوں کے جواب میں انہوں نے "ہاں" کہا بالآخر آپ نے دریافت فرمایا "کیا تو جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں۔؟"

انہوں نے کہا "جی ہاں! میں نے اس کے ساتھ حرام طریقے سے وہ کام کیا جو شوہر حلال طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔" آپ نے پوچھا۔

"کیا تیری شادی ہو چکی ہے۔؟" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں!" ۔آپ نے پوچھا "تو نے شراب تو نہیں پی لی ہے؟"

انہوں نے کہا "نہیں!" ۔ایک شخص نے اٹھ کر ان کا منہ سونگھا اور تصدیق کی پھر آپ نے ان کے محلے والوں سے دریافت کیا "یہ دیوانہ تو نہیں ہے۔؟"

محلے والوں نے کہا "ہم نے اس کی عقل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔"

آپ نے حضرت ہزال بن نعیم سے (جنہوں نے ماعز بن مالک کی پرورش کی تھی۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے مغفرت کرانے کا مشورہ دیا تھا) فرمایا "کاش! تم نے اس کا پردہ ڈھانک دیا ہوتا تو تمہارے لئے اچھا تھا۔" پھر آپ نے ماعز کو رجم کرنے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ اور انہیں شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا گیا۔ جب پتھر لگنے شروع ہوئے تو ماعز بھاگے اور کہا۔

"لوگو! مجھے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو میرے قبیلہ کے لوگوں نے مجھے مروا دیا انہوں نے مجھے دھوکہ دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کرائیں گے۔" مگر پتھر مارنے والوں نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ماعز کی اس آخری خواہش کی اطلاع جب حضور کو دی گئی۔ تو نہایت افسوس کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

"تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا (اس کی خواہش کے مطابق) میرے پاس آنے دیتے شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا۔"

اس واقعے میں حضور کا ایک ایک سوال صاف بتا رہا ہے کہ ماعز کو رجم سے بچا لینے کی ہر ممکن کوشش فرما رہے تھے ان کے اپنے بیان یا محلے والوں کی شہادت سے شک کا کوئی ایسا پہلو تلاش کر رہے تھے جس کا فائدہ پہنچا کر ماعز کی جان بچائی جا سکے، آپ نے نشہ یا فتور عقل کا شبہہ بھی ڈھونڈا لیکن جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی، اور جرم کے ثابت ہو جانے میں کوئی شک و شبہہ نہ رہا تب جا کر فیصلہ صادر فرمایا تاہم ماعز کی جان جانے کا آپ کو قلق بھی ہوا۔ اس واقعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ صادر کرتے وقت بالخصوص کسی کو سزائے موت کا فیصلہ دیتے وقت معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کیلئے کس حد تک تحقیق ضروری ہے

اسی سے ملتا جلتا واقعہ غامدیہ نامی ایک عورت کا ہے۔ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر چار بار زنا کا اقرار کرتے ہوئے کہتی ہے "یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے اور میں حاملہ ہوں مجھے سنگسار کر کے پاک کر دیجئے۔!" اس پر حضور نے ارشاد فرمایا۔

"جا! وضع حمل کے بعد (بچہ پیدا ہونے کے بعد) آنا"

وہ وضع حمل کے بعد بچے کو گود میں لے کر آتی ہے اور پھر درخواست کرتی ہے "مجھے پاک کر دیجئے"

آپ نے ارشاد فرمایا "جا! اور اس کو دودھ پلا۔ دودھ چھوٹنے کے بعد آنا"

وہ دودھ چھڑانے کے بعد آتی ہے تو ساتھ ہی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لے آتی ہے اس نے بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر حضور کو دکھایا اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے۔ اور دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے" تب آپ نے بچے کو پرورش کیلئے ایک شخص کے حوالے کیا۔ اور اس کے رجم (سنگسار) کا حکم دیا۔"

انسانی خون کی حرمت یا تحفظ جان کے سلسلے میں ایک اہم

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا

اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح اُن کے بعد اُن کے تبرکات بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، اُن کی تعظیم کرنا مستحب ہے احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ شریف مَا یُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَہُ الْمَوْتُ بروایت ترمذی و ابو داؤد میں ہے عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَظْعُوْنٍ وَھُوَ مَیِّتٌ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ شفا شریف میں ہے کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَضَعُ یَدَہٗ عَلَی الْمِنْبَرِ الَّذِیْ یَجْلِسُ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْخُطْبَۃِ ثُمَّ یَضَعُھَا عَلٰی وَجْھِہٖ جس منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ فرماتے تھے اُس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر مُنہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) عالمگیری کتاب الکراہیت باب ملاقات الملوک میں ہے بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے۔ رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے۔ دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا۔ دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس کا اطلاق کب سے ہوگا۔؟

دنیا کے عام قوانین تحفظ جان کو بعد از ولادت قابل اطلاق قرار دیتے ہیں۔ لیکن پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے استقرار حمل سے ہی قابل اطلاق قرار دیا ہے، چنانچہ اسی واقعے میں عورت کے صریح اقرار زنا کے باوجود آپ نے اسے رجم (سنگسار) کی سزا نہیں دی کیونکہ اس نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ حاملہ ہے اس لئے بچے کی ولادت اور مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد سزا دی اگر یہی سزا فوری طور پر نافذ کر دی جاتی تو بچے کا خون ناحق ہوتا۔ اسی طرح ایام رضاعت میں سزا دی جاتی تو بچے کی ہلاکت کا اندیشہ تھا۔

فقہاء اسلام نے تحفظ جان کے حق کو استقرار حمل کے ایک سو ۲۰ دن کے بعد قابل اطلاق قرار دیا ہے کیونکہ اس عرصے میں جنین گوشت کے لوتھڑے سے تبدیل ہو کر انسانی شکل و صورت میں ڈھلنے لگتا ہے اور اس پر انسان ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے

ہمارے فقہاء کی اس رائے کو اب صدیوں بعد جدید میڈیکل سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ امریکی سپریم کورٹ نے رو بنام ویڈ کے مشہور مقدمہ میں جدید طبی تحقیقات کے حوالے سے فیصلہ دیا ہے کہ رحم مادر میں "انسانی وجود" کو حمل کے تین ماہ بعد قانوناً تسلیم کر لیا جائے گا۔

یہ ہیں پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انسانی خون کی حرمت سے متعلق فرامین و فیصلے جنہیں آج مذہب اسلام میں پورے طور پر قانون کا درجہ حاصل ہے اور تحفظ جان کے سلسلے میں چودہ سو سال سے بھی بیشتر پرانا فیصلہ جس کی رو سے انسانی جان کے تحفظ کی ضمانت، جو نہ صرف انسان کے اس عالم رنگ و بو میں آنے پر حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اسے شکم مادر ہی سے حاصل ہو جاتی ہے جسے اس ترقی یافتہ عہد کی جدید میڈیکل سائنس بھی اپنی تمام تر تحقیق کی روشنی میں آج ماننے پر مجبور ہے

(مولانا اسلم بستوی بدرامپوری)

سید نا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے دو عظیم پہلو ہیں۔

اوّل :۔ بندوں سے ملا ہوا اور تقاضائے بشریت کے عین مطابق ہے۔

دوم :۔ خلائے ملا ہوا اور عقلِ بشریت کے ماوراء ہے۔

معراج جسمانی اور رویت باری کا تعلق بھی اسی دوسرے پہلو سے ہے۔ اعلانِ نبوت کا بارہواں سال اور مکہ کی سرزمین ہے کفار و مشرکین کی کثرت اور فدایانِ جمالِ مصطفیٰ کی قلت ہے۔ ہر طرف دشمنانِ اسلام کا زور زوردہ ہے۔ نبوت و رسالت سے انکار کی آوازیں چار سو گونج رہی ہیں۔ ایک بشر سے غیب کی باتیں سن کر مذاق اڑایا جا رہا ہے اور اپنی ہی طرح بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھ کر توہینِ رسالت کی جا رہی ہے۔ غم گسار حضرت خدیجہ اور ابو طالب کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا ہے۔ عین اس ماحول میں رب جلیل و قدیر نے اپنے اس خاص بندے کو جس کے لئے ساری کائنات پیدا کی اپنے پاس بلا کر نعمتِ خاصہ سے نوازا۔ انوار و تجلیات سے ہمکنار کیا۔ دیدارِ ذات سے آپ کی جسمانی آنکھوں کو سرور بخشا اور ایسا قرب عطا کر دو کمانوں کا فاصلہ بھی نہ رہا۔ کوہ طور پر نہیں خاص عرشِ عظیم بلکہ لامکاں کی رفعتوں پر ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کیا گفتگو ہوئی تو ریت کی طرح بیان کر کے بندوں کو روشناس نہیں کرایا گیا بلکہ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ؎ کے پردہ میں پوشیدہ رکھی گئی۔ اور یہ سب تمام سیر مکاں و لامکاں رات کے ایک مختصر حصے میں مکمل کرا دی گئی ہے یہ ایسی انوکھی باتیں ہیں جو انسان نے نہ اس سے پہلے کبھی سنی تھیں نہ بعد میں اب تک سنیں اور نہ قیامت تک سن سکے گا۔ اگر اس ماحول میں صاف صاف انہیں بیان کیا گیا ہوتا تو عقل و خرد پر بھروسہ کرنے والا انسان فوراً ہی انکار کر دیتا اور دلیل کا طلبگار ہوتا۔ آسمانی دلائل و براہین پیش کیے جاتے تو اس کی عقلِ ناقص کی سمجھ سے بالاتر ہوتے اس لئے پروردگارِ عالم نے عظمت والے قرآن میں وہیں تک سیر کی واضح آیت کریمہ نازل فرمائی جس کے دلائل و براہین منکرین کو آسانی سے خاموش کر دیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ا :۔ تفسیر خزائن العرفان پارہ ۱۵ ر ۱ ۔ ؎ :۔ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۞ ترجمہ: پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ بھی نہ رہا۔ بلکہ اس سے بھی کم (کنز الایمان)

إلى المسجد الأقصا الذي باركنا حوله لنريه من آياتنا
إنه هو السميع البصير ۝ پ ۱۵

پاک ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصا تک لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔
(کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے حبیب سبحانی، صاحب معراج جسمانی، مظہر انوار ربانی صلے اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک مختصر سے حصہ میں، مسجد حرام سے مسجد اقصا تک سیر کرانے کا خود ذکر فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو رب قدیر کی عظمت و کبریائی اور بارگاہ ذو الجلال میں محبوب کی قدر و منزلت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ قادر قیوم وہ طاقت و قدرت رکھتا ہے کہ اس نے اپنے بندۂ خاص کو جب اپنی عظیم نشانیاں دکھانا اور اسے سیر کرانا چاہا تو رات کے مختصر سے وقت میں سیر کرا دی اور ایسی تفصیلی سیر کہ لوگوں نے اسکا امتحان لینا چاہا! تو آمنہ کے نادار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل ہی نہیں بلکہ راہ منزل کی ہر بات کی تفصیل بتا دی۔ اور ایسی تفصیل کہ اگر ہم ہزار بار بھی کسی راہ سے گزریں تو وہ تفصیل نہ پیش کر سکیں۔ آخر کار کفار و مشرکین کو لاجواب ہو کر خاموش ہونا پڑا اور مسلمانوں کا ایمان تازہ ہو گیا۔ پھر جب سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آسمان و لامکان جنت و دوزخ اور بے کیف دیدار الٰہی کا بیان فرمایا تو اہل اسلام نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا کیونکہ ان کے سامنے بیت المقدس کے عینی مشاہدات آئینے کی طرح جلوہ گر ہو چکے تھے۔ جن کے پیش نظر کفار و مشرکین کو بھی سکوت و لاجوابی کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔

وہ امین صادق صلے اللہ علیہ وسلم اب سیر لامکاں کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ کیوں نہ ہر مومن کا دل اس کے سامنے جھک جائے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ کتنے اس امتحان میں ناکام ہوئے اور دامن رسالت سے جدا ہو گئے۔ اور بہت سے بندے اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور ایمان کی تازگی و پختگی پائی۔ کسی نے تو اس کامیابی میں اول درجہ حاصل کر کے صدیق کا لقب بھی پالیا۔ غرضیکہ اس زمانہ میں بھی دو گروہ تھے ایک کفار و مشرکین جنھوں نے انکار و اختلاف کا کوئی گوشہ باقی نہ چھوڑا۔ اور دوسرا صحابہ و عاشقان رسول کا جنھوں نے اس واقعہ کی عینی حقیقت تسلیم کر کے خداوند کریم کی بارگاہ میں عظیم رتبہ حاصل کیا۔ بعض ایسے بھی نام نہاد مسلمان تھے جو اسراء کا انکار کر کے ضلالت و گمرہی کے غار میں گر گئے۔

ان تمام تاریخی حقائق و مشاہدات کے ہوتے ہوئے اب بھی کوئی معراج مبارک کو خواب و خیال قرار دے تو کتنی بڑی نادانی ہے۔ قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی جس کے دست قدرت میں ساری کائنات ہے اگر معراج جسمانی نہ ہوتی محض منامی یا روحانی ہوتی اور اس کے سارے بیانات و مشاہدات عینی نہ ہوتے تو کفار و مشرکین انہیں سن کر ہرگز انکار نہ کرتے اور کچھ افراد اسلام سے پھر کر مرتد و بے دین نہ ہوتے۔ کیونکہ خواب تو ایسی حقیقت ہے جس سے قریباً ہر انسان دوچار ہوتا ہے۔ خواب کے اندر دور دراز شہروں میں سیر و تفریح کیلئے پہونچ جانا جس کی مسافت مہینوں کی ہو ایسے افعال کا صدور ہو جانا جو سالوں میں بھی نہ ہو سکیں (مثلاً خواب میں لا ولد کو کئی کئی اولادوں کا ہو جانا، سیاروں کا سجدہ کرنا، میدان حشر کا قائم ہو جانا) اگر کوئی خواب دیکھنے والا بیان کرے تو ایسی شدت سے کوئی اسکا منکر نہیں ہوتا۔ معراج کے اتنے منکرین کا ہو جانا خود اس کے جسمانی ہونے کی دلیل ہے۔ خواب تو اگر کسی محال چیز کا بھی ہو تو اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔ کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب نہیں دیکھا تھا! مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ ان سیاروں کا کسی انسان کو سجدہ کرنا کیا ممکن ہے؟ خارجی واقعہ ہو تو عقل اس پر بھی اعتراض کر سکتی ہے۔ چاند، سورج اور ستاروں نے یکبارگی سجدہ کیا تھا یا جدا جدا؟ اگر یکبارگی سجدہ کیا تھا اس نیر اعظم کے سامنے انہیں ستارے کیسے نظر آئے اور اگر جدا جدا تو یہ ایک خواب کا ذکر ہے کب سورج نے کیا، کب چاند نے اور کب ستاروں کو سجدہ کا موقع ملا، کیونکہ ہر ایک کی منزلیں جدا جدا ہیں۔ جس وقت وہ نیر اعظم سجدہ میں مشغول تھا۔ ساکن تھا یا متحرک، اگر ساکن تھا تو سجدہ کیلئے حرکت ضروری ہے اور اگر متحرک تھا جب بھی سجدہ کی حالت میں سکون ضروری ہے۔ غرضیکہ عقل اس کے انکار کی بہت سی راہیں نکال سکتی ہے لیکن چونکہ وہ خواب ہے اس لئے مان لیا گیا اور عام عادت نے عقل کو باور کرا دیا کہ خواب میں محالات کا وقوع جائز ہے اور اس پر کسی کا اعتراض نہیں ہے۔

آج تو سیاروں کی خاک چھاننے والوں کے سامنے تھوڑے

سے وقت میں آسمان کی سیر قطعاً ایسی محال نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ آنیوالے دلائل دبراہین عقل والوں کے لئے ہیں۔ اس دیدۂ کور کا کوئی علاج نہیں جو عناداً انکاری ہو یا استبعاد بلادت کی وجہ سے کہ دماغ میں یہ عظیم نشانیاں سما نہ سکتی ہوں۔

خداوند کریم نے بیشمار مخلوق پیدا کی۔ ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ مراتب و درجات رکھے ہیں۔ کوئی مخلوق اپنی حد سے تجاوز کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی مثلاً کنکر، پتھر اگر درختوں کی طرح بڑھنا چاہیں تو نہیں بڑھ سکتے۔ درخت، جانوروں کی طرح چلنا پھرنا چاہیں تو نہیں چل پھر سکتے جانور اگر منطق و فلسفہ پڑھنا چاہیں تو نہیں پڑھ سکتے انسان اگر خداوند کریم کی ذات و صفات کی حقیقت کو سمجھنا چاہے تو یہ اس کے بس سے باہر ہے۔ فرشتے تمام تر خدا کے معصوم بندے ہونے کے باوجود بھی حقیقت ذات کے ادراک سے قاصر ہیں۔

مولانا روم علیہ الرحمہ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

گر بدیدے حسِ حیواں شاہ را پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے سرکار کا مرتبہ پہچان لیتا تو بیل اور گدھے بھی خدا کا دیدار کر سکتے۔

اس تمثیل کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنی طاقت و قوت کی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو یہ اس کے لئے ناممکن ہے۔ اسی طرح عقلِ انسانی کی بھی ایک حد ہے۔ جہاں سے وہ تجاوز کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی خود انسانوں کے درمیان بھی بڑا امتیاز ہے ایک بات ہزار کوشش کے بعد بھی کسی انسان کے سمجھ میں نہیں آتی اور دوسرا آدمی چشم زدن میں حل کر لیتا ہے۔ ایک جاہل گنوار آج بھی سائنسی ترقیاں دیکھتا یا سنتا ہے تو متحیر رہ جاتا ہے اور اس کے اسباب و علل اس کی سمجھ میں نہیں آتے۔ جبکہ ایک دوسرا انسان صرف انکا نکتہ داں ہی نہیں بلکہ موجد و صانع بھی ہے۔

یوں ہی جہاں حکماء انسان کی عقلوں کی انتہا ہے وہیں سے عقل نبوت کی ابتدا ہے۔ وہ باتیں جو ایک حکیم و فیلسوف عمر خضر لگا کر بھی حل نہیں کر سکتا ایک نبی بلا بر ان کی عقدہ کشائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس فرق مراتب کو مولانا رومی نے کتنی عمدہ تشبیہات کے ذریعہ بیان کیا ہے ؎

ہر دو گوں آہو گیاہ خورد و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکِ ناب

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد واں خورد آید ہمہ نورِ احد

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں گھاس سے مینگنی اور اس سے خالص مشک پیدا ہوتا ہے۔ ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے ہر فن کے ماہرین کی باتیں اس فن سے نابلد افراد ضرورت کے وقت بلا چوں و چرا تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً دواؤں کے خواص مریض کے تجربہ میں اگرچہ نہ آئے ہوں مگر اس کے ماہرین کی باتوں پر اعتماد کرکے استعمال کر لیتا ہے۔ اور قطعاً اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ ممکن ہے طبیب دھوکہ سے زہر کھلا رہا ہو۔ اسی طرح غیر نبی کے لئے ضروری ہے کہ نبی کی بات پر یقین لائے خواہ اس کے ادراک سے قاصر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جہاں علم نبی کی ابتدا ہے وہیں تک اس کے فہم و خرد کی انتہا ہے۔

ہم مومن ہیں اپنے نبی کی نبوت کا یقین ہمارے دلوں اور جسم کی رگ رگ میں پیوست ہے ہمارے نزدیک ان کی ہر بات مرتبۂ یقین دا ذعان سے کہیں زیادہ صحیح ہے۔ ان کی ہر بات تسلیم ہے چاہے وہ ہماری عقل ناقص میں آئے یا نہ آئے۔ زمین و آسمان، جنت و دوزخ قبر و برزخ، حشر و نشر، میزان و صراط، غرضیکہ کتنی باتیں ہیں جنہیں ہم اپنی عقل کی بنیاد پر سمجھنا چاہیں تو ہرگز نہیں سمجھ سکتے لیکن ہمارے نبی نے فرما دیا اس لئے ہمیں تسلیم ہیں۔ واقعۂ معراج بھی چونکہ قیاس و استنباط اور عقلِ انسانی کے فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس باب میں بھی دیکھا جائے کہ خدا اور رسول جل و علا و صلے اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے اور اسی کے آگے سرِ تسلیم خم ہو۔

معراج جسمانی کے دلائل قرآن و حدیث کی روشنی میں

سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ قرآن کریم پ ۱۵

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ [۱]

اس آیت کریمہ سے معراج کے جسمانی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

---

[۱]:۔ کنز الایمان از امام احمد رضا فاضل بریلوی۔

کیونکہ "عبد" تنہا روح کے لئے نہیں بولا جاتا۔ بلکہ روح مع جسم کے لئے مستعمل ہے۔ قرآن و حدیث یا کلام عرب میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی کو دنیاوی زندگی میں "عبد" کہا گیا ہو اور لفظ عبد سے مراد صرف روح ہو۔ اس میں کسی اہل زبان کا اختلاف نہیں۔ ۔ ے

(۲) وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ پ۱۵ ع۶۔

اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا مگر لوگوں کی آزمائش۔ (کنز الایمان)

"رُؤْيَا" لفظ مشترک ہے دیدار عینی اور دیدار منامی دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اسی لئے جو معراج منامی کے قائل ہیں اس آیت کو معراج منامی پر محمول کرتے ہیں اور جو جسمانی کے قائل ہیں وہ اسکو معراج جسمانی پر محمول کرتے ہیں۔

لفظ مشترک کے کسی ایک معنی کی تعیین قیاس (جو قرآن و حدیث یا اجماع امت سے مستنبط ہو) یا نص سے ترجیح کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب دلائل سے ایک معنی متعین ہو جائے تو دوسرے کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ ۔ لے

قیاس رؤیا کے دیدار عینی ہونے کے لئے "فتنۃ" (آزمائش) للناس" قرینہ ہے۔ اس طرح کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ایک مختصر حصہ میں زمین و آسمان کے سیر کرنے کی حقیقت بیان کریں گے تو یہ لوگوں کے امتحان و آزمائش کا باعث ہوگا۔ تو وہ لوگ جو آپ کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرنیوالے ہیں وہ اسے بھی حقیقت مان کر امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے اور جن کے دلوں میں کجی ہے اسے امر عادت کے خلاف سمجھ کر منکر بن جائیں گے اور یہ ان کے امتحان میں ناکامی کی دلیل ہوگی ــــ تاریخ گواہ ہے کہ معراج اقدس کے معاملے میں مکہ ہی میں مصدقین و منکرین کے دو گروہ پیدا ہوئے۔ مصدقین کو کامیاب اور منکرین کو گمراہ کہا گیا۔

اگر اس رؤیا کو دیدار عینی کے بجائے خواب پر محمول کیا جائے تو کسی کے لئے امتحان و آزمائش کا باعث نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں گروہ اسے تسلیم کر لیں گے اس لئے کہ چند ساعت میں عظیم سیر ناممکن اور خلاف عادت نہیں جسکا کوئی عاقل انکار کرے۔

نص اب دیکھئے اس آیت کی تفسیر میں نصوص کیا ہیں۔

سید المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۵۰، ج ۲ ص ۶۸۶)

وہ دیدار عینی تھا جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو شب اسراء دکھایا گیا۔

سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کے بعد جسے سید المحدثین حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کلام الٰہی کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب میں تخریج فرمایا۔ دیدار عینی کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

امام بخاری کے علاوہ امام ترمذی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں بعینہ یہی بات لکھی ہے۔ ۲ے

(۳) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى. لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى۔ (قرآن کریم پ ۲۷ ع ۵)

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (کنز الایمان)

لفظ بصر دیدار عینی کے لئے آتا ہے۔ اور رویت بھی جب مطلق ہو تو اس سے دیدار عینی ہی مراد ہوتا ہے۔ خواب نہیں مراد لیا جا سکتا جب تک کہ قرینہ واضحہ نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری فرماتے ہیں۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ، بَصَرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فِيمَا رَآهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ) (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴۹)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کسی طرف نہ پھری اس سے جسے شب معراج دیکھا۔

قرآن مقدس کی یہ تینوں آیتیں معراج جسمانی کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ تاہم چند احادیث بھی ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

احادیث و سیر میں اس واقعہ کو کثیر صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ۲۶ اور ۴۵ صحابہ کو نام بنام گنایا ہے۔

لے اصول الشاشی طبع مجیدی کانپور ص ۱۳۔ ے: ترمذی شریف جلد ۲ ص ۱۴۱

۲ے ہہ بخاری ج ۱ ص ۵۵۰ و ج ۲ ص ۶۸۶، ترمذی ج ۲ ص ۱۴۹

صحاحِ ستہ میں معراج کا واقعہ مذکور ہے۔ بخاری و مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذر، حضرت مالک ابن صعصعہ، حضرت انس بن مالک حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔

احادیث

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ابھی بخاری و ترمذی کے حوالے گزری جس میں فرمایا گیا۔

وہ دیدارِ عینی تھا جو شبِ اسرار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ ۱؎

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ اسرار بیت المقدس لایا گیا تھا دو پیالے شراب اور دودھ پیش کئے گئے۔ آپ نے دونوں کی طرف دیکھا اور دودھ والا پیالہ اٹھا لیا۔ بخاری شریف جلد ا ص ۵۴۹۔

اس حدیث میں صاف صاف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس لے جانیکا ذکر ہے۔

(۶) نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ایک سفید چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ اس پر مجھ کو سوار کیا گیا پھر مجھے جبرئیل لیکر چلے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک آئے۔ اس کے بعد واقعۂ معراج ہے (بخاری شریف جلد ا ص ۵۴۹)

اس حدیث مبارک میں جسم مبارک کے سوار کرانے اور لیکر جانیکی صراحت ملتی ہے۔

(۷) مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیداری کی حالت میں اپنی آنکھ سے دیکھا یہی مرقاۃ میں بھی ہے ۱؎

(۸) بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نسائی، مشکوۃ بیہقی، مسند امام احمد وغیرہ نے کثیر صحابہ سے واقعہ معراج روایت کیا جس میں اکثر مطلق رویت کا ذکر ملتا ہے اور جب مطلق رویت بولا جائے تو اس سے مراد دیدارِ عینی ہوتا ہے۔ یہی اہلِ زبان کی اصطلاح ہے۔

اقوال سلف

(۹) ان احادیث کی روشنی میں امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح مسلم میں لکھا۔ حق یہ ہے جس پر سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامۃ متاخرین میں سے فقہاء اور محدثین و متکلمین سب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔ اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائیگا۔ ۲؎

(۱۰) حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔ آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پھر جہاں تک اللہ نے چاہا۔ یہ تمام جسم مبارک کے ساتھ بیداری کی حالت میں واقع ہوا۔ ۳؎

۱۱۔ درس نظامی کی مشہور کتاب عقائدِ نسفیہ میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج بیداری کی حالت میں اپنے جسم کے ساتھ آسمان تک پھر وہاں سے جہاں تک اللہ نے چاہا حق ہے۔ ۴؎

۱۲۔ حاشیہ بخاری میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری فرماتے ہیں۔ اسراء دوبار ہوا ایک مرتبہ روح کیساتھ خواب میں اور ایک مرتبہ روح و بدن کے ساتھ بیداری میں۔ اسی پر جمہور سلف اور خلف ہیں کہ اسراء روح و بدن کے ساتھ ہے۔ ۵؎

۱۳۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ شفا میں فرماتے ہیں بڑے بڑے اسلاف کرام کا یہی قول ہے کہ اسراء جسد کے ساتھ بحالت بیداری واقع ہوا یہی حق ہے اور یہی ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرۃ، مالک بن صعصعہ، ابوحبہ بدری، ابن مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج، رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ یہی طبری، ابن حنبل اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا مذہب ہے۔ اور یہی اکثر متاخرین فقہاء و محدثین و متکلمین و مفسرین کا ارشاد ہے۔ ۶؎

معراج جسمانی کے دلائل کثیر ہیں لیکن ہم نے ان میں چند پر

۱؎ : بحوالہ حاشیہ نبراس مطبوعہ عبدالحق اکیڈمی پاکستان ص ۴۴۹۔

۲؎ : شرح مسلم از امام نووی مطبوعہ رشیدیہ دہلی ص ۹۱، ج ۱۔

۳؎ : حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ

۴؎ : عقائد نسفی از علامہ ابوالفضل محمد بن محمد نسفی (۷۰۶) ص ۱۰۴۔

۵؎ : حاشیہ بخاری از مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ص ۵۰۰ ج ۱

۶؎ : شفا از قاضی عیاض علیہ الرحمہ م ۵۴۴ ھ

کتنا لیا جو بڑے مضبوط، ٹھوس اور ناقابلِ انکار ہیں۔ قرآن مقدس کی آیتوں کے بارے میں تو کہنا ہی کیا ہے؛ جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ بھی محدثین کی کسوٹی پر کھری اور بالکل صحیح ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی جو بالاتفاق کتب حدیث میں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ اسلاف میں بھی انہیں کے اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ جو مسلمانوں کے سبھی مکاتب خیال کے مسلّم پیشوا ہیں، اثبات معراج جسمانی کی ان گواہیاں گزر جانے کے بعد ناظرین کے لئے فیصلہ کرنا دشوار نہیں رہ جاتا حقیقت پسند اور عناد سے خالی ذہن معراج جسمانی کے اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے قریباً سبھی فرقے معراج جسمانی کے قائل ہیں جو منکر ہیں وہ یقیناً اس باب میں در پردہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مقلد ہیں اور انہیں کی کمزور و ناقابل اعتماد دلیلوں پر ان کے انکار و خیالات کی بنیاد قائم ہے۔

رویتِ باری

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج مبارک جسمانی ہونے میں تو جمہور کا اتفاق ہے۔ لیکن اس رات دیدارِ الٰہی ہونے کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ رویت کے چار مذاہب ہیں

پہلا مذہب مطلق انکار۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ اور یہی حضرت ابن مسعود و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (قرآن کریم پ ۷)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرنیوالا ہے اور وہی ہے باطن پورا خبردار۔

انکی قوی تر دلیل یہی ہے کہ باری تعالیٰ کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں۔

اس کا متکلمین اور دوسرے علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ ادراک کے معنی احاطہ ہیں اس طرح کہ دیکھنے میں نگاہیں ہر چہار جانب سے گھیر لیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔ اس آیت سے مطلق دیدار کی نفی نہیں ہوتی اور ہم مطلق دیدار ہی کے قائل ہیں احاطہ کے نہیں۔ جیسے چاند یا آسمان ہم دیکھتے ہیں لیکن ہماری نگاہیں ہر چہار جانب سے انکا احاطہ نہیں کر پاتیں [1]

یہ تاویل اس لئے بھی ضروری ہے کہ خود قرآن مقدس میں وارد ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قرآن کریم پ ۲۹)

کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھتے۔

یہاں مطلق رویت کا اثبات ہے اگر وہاں مطلق رویت کا سلب مان لیا جائے تو دونوں آیتوں کے درمیان تضاد لازم آئیگا اور کلام باری میں یہ ممکن نہیں۔

حدیث میں بھی اثبات رویت وارد ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ.

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۰۰)

جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو آنکھ سے دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو حضور نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو دیکھوگے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو اس کی رویت میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں عام مومنین کے لئے آخرت میں رویت باری ثابت ہے۔ تو جس طرح لا تدرکہ الابصار کے ہوتے ہوئے عام مومنین کے لئے رویت باری جائز ہے اگر دنیا میں جان مومنین حبیب رب العالمین علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لئے بطور معجزہ ہو تو کون سی قباحت ہے؟ اور جو تاویل آخرت میں دیدار باری کی ہوگی وہی تاویل یہاں بھی کی جا سکتی ہے۔

---

[1] نبراس، شرح عقائد ص ۲۷۵ ۔ [2] شرح عقائد نسفی از علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۱ھ)

منکرین رویت کی دوسری دلیل:۔ اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہوتا تو جب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی رَبِّ اَرِنِیْ تو اس کے جواب میں (ہرگز نہ دیکھو گے) نہ فرمایا جاتا۔

اس کے جواب میں شرح مسلم میں امام نووی قاضی عیاض سے نقل فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا رویت کے لئے سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ کوئی نبی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتا کہ اس کے رب کے لئے کیا ممکن ہے اور کیا محال ہے۔ اس سے دنیا میں رویت باری کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا جواب:۔ خداوند کریم نے لَنْ تَرَانِیْ کے بعد وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ سے استدراک فرمایا اس میں اپنے دیدار کی شرط استقرار جبل پر رکھی۔ اور استقرار جبل ممکن ہے تو جو امر کسی ممکن سے مشروط ہو یقیناً وہ بھی ممکن ہوگا لہٰذا یہ آیت کریمہ دنیا میں امکانِ دیدار الٰہی کی خود دلیل بنگئی

دوسرا مذہب رویت قلبی کا اثبات ..... یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاٰهُ بِقَلْبِہٖ (مسلم شریف ص۹۸)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى لہ۔ قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِہٖ مَرَّتَیْنِ۔

(مسلم ج۱ ص۹۸)

حضرت ابن عباس سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ۔ الآیۃ کی تفسیر میں مروی ہے انہوں نے کہا سرکار نے رب کو اپنے دل سے دوبار دیکھا۔

یہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے لیکن ان کا قول اور فتویٰ اس کے برخلاف ہے۔ اور انہوں نے رویت عینی کے اثبات کا فتویٰ دیا ہے۔ جو عنقریب مذہب سوم میں آرہا ہے۔ اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی روایت موؤل ہوگی کیونکہ فتویٰ بلا وجہ اپنی روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ ورنہ راوی ساقط الاعتبار ہو جائے گا اور یہ کسی صحابی کے لئے ممکن نہیں۔

تیسرا مذہب رویت عینی کا اثبات۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اور ان کی روایت مشہور ہے۔ امام اہل السنت شیخ ابو الحسن اشعری اور شارح مسلم امام نووی وغیرہ میں اور یہی جمہور صحابہ اور اکثر علماء کا مذہب ہے۔

اب ذیل میں قائلین رویت عینی کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا (قرآن پ۲۷)

اس کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔

اس میں ضمیر منصوب اللہ کی طرف ہے کیونکہ حسن علیہ الرحمہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

احادیث

۲۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے راوی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا۔

۳۔ ترمذی شریف میں ابن عباس سے مروی فرمایا ہم بنی ہاشم (اہلبیت رسول اللہ) کہتے ہیں بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

۴۔ ابو الفتح رازی اور ابو اللیث سمرقندی کا نے حضرت کعب کی حکایت بیان کی۔ ابن عباس اور کعب جمع ہوئے تو ابن عباس نے کہا ہم بنو ہاشم تو کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا تو حضرت کعب نے نعرہ تکبیر بلند کیا یہاں تک کہ پہاڑوں سے آوازِ بازگشت آئی اور کہا کہ اللہ نے اپنی رویت اور کلام۔ محمد اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تقسیم فرمادیا۔ تو حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے دیدار کیا۔

۵۔ طبرانی اور معجم اوسط میں۔ مروی ہے عبد اللہ بن عباس نے فرمایا محمد نے اپنے رب کو دوبارہ دیکھا۔ عکرمہ (ان کے شاگرد) کہتے ہیں میں نے عرض کیا کیا اللہ نہیں فرماتا ہے لَا تُدْرِكُہُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ فرمایا ..... بے شک محمد نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

۶۔ طبرانی معجم اوسط میں راوی ابن عباس نے فرمایا بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار اپنے رب کو دیکھا ایک بار اس آنکھ سے اور ایکبار دل کی آنکھ سے۔

۷ ـ ابن عساکر، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالٰی نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا اور مجھ کو شفاعت کبریٰ وحوض کوثر سے فضیلت بخشی ہے۔

۸ ـ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود سے راوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ سے میرے رب عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد مواجہ بخشا (کہ بے پردہ و حجاب تم نے میرا جمال دیکھا)

۹ ـ ابن مردویہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے راوی کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا ...... تو کسی نے عرض کی یارسول اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا۔ فرمایا مجھے اس کے پاس (اپنے رب کا) دیدار ہوا

۱۰ ـ ابن اسحاق عبداللہ ابن سلمہ سے راوی کہ عبداللہ بن عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کرا بھیجا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔

۱۱ ـ محمد بن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا ہاں۔ (شفا ج ۱ ص ۱۹۷)

۱۲ ـ امام الائمہ ابن خزیمہ امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ (منبہ المنیہ ص۷)

۱۳ ـ عبداللہ بن شقیق سے مروی۔ کہا میں نے حضرت ابوذر سے کہا اگر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو ان سے کچھ پوچھتا۔ فرمایا کیا پوچھتے؟ تو میں نے کہا کہ پوچھتا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو حضرت ابوذر نے کہا میں نے حضور سے پوچھا تھا تو فرمایا ایک نور تھا جسے میں نے دیکھا۔

(ترمذی شریف ج ۲، ص ۱۶۱)

۱۴ ـ بہ کئی طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے موسیٰ کو کلام سے اور ابراہیم کو خلت سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت سے امتیاز بخشا اور انہوں نے
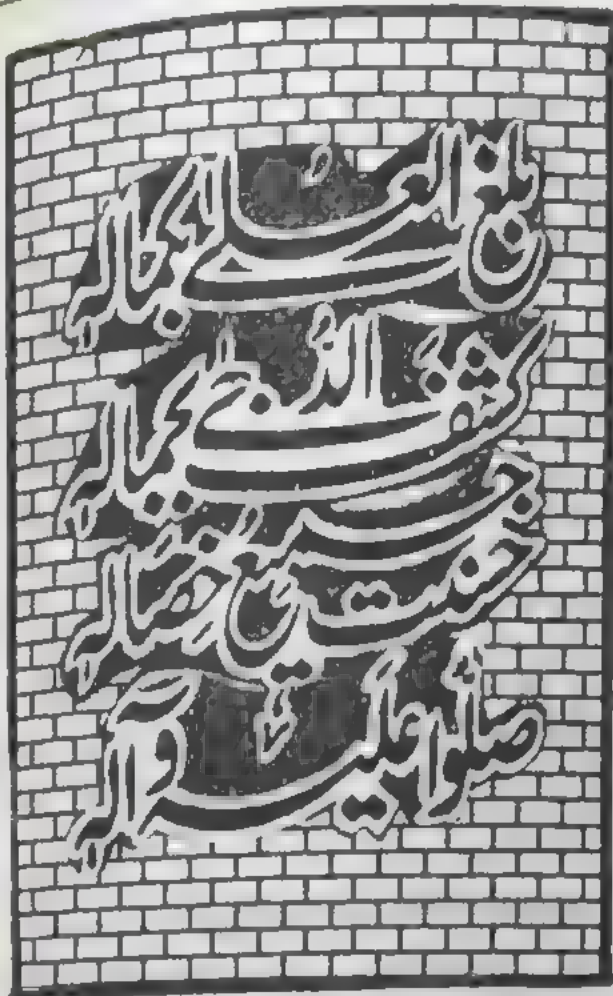
صابر سیوانی

باری تعالیٰ کے ارشاد مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ. أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ. وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ سے استدلال فرمایا۔ (شفا ج ۱ ص ۱۹۶)

اقوالِ اسلاف وائمہ

ـ شرح مسلم میں امام نووی فرماتے ہیں دیدارِ الٰہی دنیا میں ہو سکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا رویت کے لئے سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ کوئی نبی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتا کہ رب کے لئے کیا ممکن ہے اور کیا محال ہے ــ رویت باری کے ثبوت میں اگرچہ بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ہم ان میں سے قوی ترین دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن کی اسناد میں کوئی نقص نہیں۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

۱۶ ـ امام نسائی، امام ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے۔ کیا ابراہیم کے لئے دوستی اور موسیٰ کے لئے کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیدار ہونے میں تمہیں اچنبا ہے (منبہ المنیہ ص۷)

۱۷ ـ اخبار التابعین مصنف عبدالرزاق میں ہے امام حسن بصری قسم کھا کر فرمایا کرتے یقیناً محمد نے اپنے رب کو دیکھا۔

۱۸ ـ امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے (جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے ہیں اور صدیق اکبر کے نواسے ہیں) راوی ہیں کہ حضرت عروہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی ہونا مانتے ہیں اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا ہے۔

۱۹۔ امام خلال کتاب السنہ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی حضرت امام احمد بن حنبل رویت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل میں فرماتے کہ نبی کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا (منہ المنیر ص۲)

۲۰۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ میں حدیث ابن عباس کا معتقد ہوں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا دیکھا دیکھا یہاں تک فرماتے رہے کہ امام احمد کی سانس ٹوٹ گئی۔ (شفا ج۱ ص ۱۹۷)

۲۱۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور مشہور صحابہ اسی پر ہیں ورنہ دل کی آنکھ سے دیدار تو تمام حالتوں میں تھا۔ حالت معراج کے ساتھ خاص نہیں (میزان العقائد ص۱۰۵)

مذہب چہارم۔ توقف۔ یہ سعید بن ... رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

فیصلہ

رویت عینی سے متعلق امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نواوی (۹۲۱ھ – ۹۲۶ھ) کا قطعی فیصلہ اس طرح ہے ماحصل اس باب میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے۔ وہ حبر امت ہیں اور مشکل مسائل میں مرجع۔ حضرت ابن عمر نے اس مسئلہ میں ان سے گفت و شنید کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا سرکار نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں حضور نے اپنے رب کو دیکھا۔ جب اثبات رویت میں حضرت ابن عباس سے منقول روایتیں درجۂ صحت کو پہونچی ہوئی ہیں تو اثبات رویت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بات نہیں جس کا عقل سے ادراک ہو جائے اور ظن سے اخذ کی جائے تو یقیناً سماع سے حاصل ہونے والا مسئلہ ہے اور کوئی بھی حضرت ابن عباس کے ساتھ یہ گمان کرنا روا نہ رکھے گا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ظن و اجتہاد سے کام لیا ہے۔ حضرت معمر بن راشد کے سامنے جب حضرت عائشہ و ابن عباس کا اختلاف ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا "مَا عَائِشَةُ بِعِنْدَنَا بِأَعْلَمَ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ" (ہمارے نزدیک حضرت عائشہ ابن عباس سے زیادہ علم والی نہیں ہیں) علاوہ ازیں حضرت ابن عباس نے ایک ایسے امر کا اثبات کیا ہے جس کی دوسرے نے نفی کی ہے اور اثبات کرنے والا نفی کرنے والے پر مقدم ہوتا ہے (کیونکہ نافی عدم علم کے باعث نفی کرتا ہے۔ اور مثبت اپنے علم کی وجہ سے اثبات کرتا ہے۔ "ہٰذا کلام صاحب التحریر"۔

حاصل یہ ہوا کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ رسول اللہ

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ دلیل حضرت ابن عباس کی مذکورہ احادیث ہیں۔ یقیناً ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی رویت کا اثبات کیا ہے اس میں شک نہیں ہونا چاہیئے۔

(شرح مسلم شریف جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۷)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

ایک صدی نہیں، آدھی صدی نہیں، چوتھائی صدی سے بھی کم، صرف ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین پر اتنا بڑا روحانی اور مذہبی انقلاب برپا ہوا کہ آج تک اس کی برکتیں آسمان کے بادل کی طرح برس رہی ہیں، سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی ہیں اور ہمیشہ شگفتہ رہنے والے پھولوں کی طرح مہک رہی ہیں۔ رسالت محمدی کے دریائے ناپیدا کنار سے اٹھنے والی ان نورانی لہروں کو آپ گنتے رہئے۔ قیامت کی صبح ہو جائے اور ہستی پوری

ختم ہو

عقل حیران ہے کہ مکہ کے تیرہ سال قید و بند اور مصائب و آلام کی صعوبتوں میں گزرے اور مدینہ کے دس سال قتل و خون کے معرکوں میں بسر ہوئے لیکن انہی گنے چنے ایام میں دنیا کا اتنا بڑا انقلاب برپا ہوا کہ پوری تاریخ انسانی میں اتنا محیط، اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اور اتنا ہمہ جہت انقلاب نہ کبھی چشم فلک نے دیکھا ہے اور نہ عقل اس کا تصور کر سکتی ہے۔

ایسا انقلاب جس نے زمین کا جغرافیہ بدل دیا، دیا ستوں کے نقشے بدل دئے، قوموں کا ذہن بدل دیا، اخلاق کی قدریں بدل دیں، عز و شرف کا معیار بدل دیا، فکر کے زاوئے بدل دئے، دلوں کے تقاضے بدل دئے، طبیعتوں کی سرشت بدل دی، معاشرے کا ڈھانچہ بدل دیا، زندگی کے قافلوں کی سمتیں بدل دیں، لذت و مسرت اور تکلیف و آرام کے احساسات بدل دئے، یہاں تک کہ چشم زدن میں صدیوں کے بگڑے ہوئے انسانوں کو ایسا بدل دیا کہ وہ اپنے ظاہر سے بھی بدل گئے اور باطن سے بھی وہ اپنے اندر سے بھی بدل گئے اور باہر سے بھی۔ بدلنے والے اس شان سے بدلے کہ جسے دیکھ لیا وہ بھی بدل گیا۔ جسے چھو دیا وہ مٹی تھا تو سونا ہو گیا، قطرہ تھا تو دریا ہو گیا۔ ذرہ تھا تو سورج کی طرح چمکنے لگا۔ جس آبادی سے گزر گئے وہ ایمان و یقین کی خوشبو سے معطر ہو گئی، جس ویرانے میں قدم رکھ دیا وہ لہلہانے لگا۔

اور انقلاب کی گہرائی میں اترئے تو اتنا ہمہ گیر اور رنگارنگ انقلاب کہ بیک وقت اسے مذہبی انقلاب بھی کہئے اور زرعی

انقلاب بھی، اسے خاندانی انقلاب بھی کہئے اور رنگ و نسل کا انقلاب بھی، اسے علم و فکر کا انقلاب بھی کہئے اور آئین و دستور کا انقلاب بھی، اسے تمدنی اور تہذیبی انقلاب بھی کہئے اور انفرادی و اجتماعی انقلاب بھی، اسے علاقائی انقلاب بھی کہئے اور عالمی انقلاب بھی، اسے دنیوی و اُخروی انقلاب بھی کہئے اور ابدی و سرمدی انقلاب بھی۔

عقل حیران ہے کہ اتنا بڑا انقلاب جو حیات انسانی کے ہر شعبے پر حاوی ہو تنہا ایک ہی انسان کی ذات سے کیونکر وجود میں آگیا۔ اتنا عظیم انقلاب جو دنیا سے لے کر محشر تک سارے ہی نوع انسان کو ابدی سعادتوں کے دروازے کھولتا ہو اور جو دنیوی زندگی کی کامرانی کا بھی ضامن ہو اور اُخروی نجات کا بھی پروانہ عطا کرتا ہو ایک ایسے یتیم کے ہاتھ سے کیونکر سرانجام پایا جس کا خدا کے سوا اس دنیا میں نہ کوئی معلم تھا نہ مربی، نہ کوئی محافظ تھا نہ نگہبان۔ سارا خاندان جس سے نا آشنا، جس کا قبیلہ جس سے منحرف، سارا مکہ جس کے خون کا پیاسا اور سارا عرب جس کا دشمن۔

اور حیرت بالائے حیرت یہ امر ہے کہ ایک مختصر عرصہ میں برپا ہونے والا یہ انقلاب دو چار سال، سو پچاس برس یا دو چار صدی کے لئے نہیں تھا بلکہ چلانے والے نے اس اعلان کے ساتھ اپنا سکہ چلایا تھا کہ وہ ایک ہی نرخ پر قیامت تک چلتا رہے گا۔ دُنیا بدلتی رہے گی، نسلیں پھولتی رہیں گی، پھلتی رہیں گی، انسان آتے رہیں گے جاتے رہیں گے۔ آبادیوں کا نقشہ بنتا رہے گا بگڑتا رہے گا، قوموں کی کشتی ڈوبتی رہے گی اُبھرتی رہے گی لیکن اسلام کا سکہ ہر دور میں چلے گا، ہر ملک میں چلے گا، ہر قوم میں چلے گا، ہر حال میں چلے گا اور ایک ہی نرخ پر ہمیشہ چلتا رہے گا۔

اور تاریخ کے جھروکے سے عقل کا یہ مشاہدہ بھی جھٹلانے کے قابل نہیں ہے کہ چلانے والے نے اسلام کا عمر اس شان سے بنایا کہ اقوام عالم کے درمیان اسلام کو مذہبی، سیاسی، روحانی، علمی، اخلاقی، معاشی، تمدنی، اور فکری بالادستی کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی اس کا انتظام بھی اسی قلیل مدت میں کر دیا۔

چنانچہ عقل نے جب رسالت محمدی کے دریائے ناپیدا کنار سے اٹھتی ہوئی ان لہروں کا جائزہ لیا جو پیغمبر اعظم کے جلو میں چل رہی تھیں تو وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسلام کو قیامت تک زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے اگر ایک طرف کشور کشا مجاہدین کا اُمنڈتا ہوا لشکر ہے تو دوسری طرف خلافت ارض کا کاروبار سنبھالنے والے فرماں رواؤں کا گروہ ہے۔ اگر ایک طرف اسلامی نظام حیات کا دستور اور شریعت محمدی کے قوانین مرتب کرنے والے فقہاء و مجتہدین اسلام ہیں تو دوسری طرف قانون کا نفاذ اور حقوق کے تحفظ کرنے والے قاضیوں کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف معاشرہ کو اسلامی اخلاق و احکام کے سانچے میں ڈھالنے والے مصلحین ہیں تو دوسری طرف قلوب و ارواح کو تجلیات الٰہی کا گہوارہ بنانے والے اصحاب سلوک و احسان کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف کلمۂ اسلام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے والے مبلغین کا دستہ ہے تو دوسری طرف اسلام کے اندرونی نظام اعتقاد و عمل کو غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے پاک کرنے والے مجددین کی جماعت ہے۔

اگر ایک طرف باطنی دُنیا کا کاروبار سنبھالنے والے اولیاء، اغواث، اقطاب، ابدال، اوتاد، نقباء اور نجباء کے نورانی طبقات ہیں تو دوسری طرف ظاہری احوال کو درست رکھنے والے نائبین رسول کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف قرآن کریم کو سینوں کے نہاں خانوں میں محفوظ کرنے والے حفاظ کا طبقہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے حروف و کلمات کو صحیح تلفظ اور ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے والے قاریوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف قرآن حکیم کے مفاہیم و مطالب اور اس کے علوم و معارف سے قلوب و اذہان کو منور کرنے والے مفسرین کرام ہیں تو دوسری طرف قرآن حکیم کے دلائل و براہین کے انوار سے عقول انسانی کو چراغ دکھانے والے محققین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و
افعال کو امت کے افراد تک پہنچانے والے راویوں کا گروہ
ہے تو دوسری طرف رجال حدیث کے احوال زندگی اور ان
کے سلسلۂ روایت کا ریکارڈ رکھنے والے محدثین کا طبقہ ہے۔
اگر ایک طرف اصول روایت و درایت کی کسوٹی پر
حدیثوں کے جانچنے والے ناقدین ہیں تو دوسری طرف اسلام
کی تاریخ و واقعات سے دنیا کو باخبر کرنے والے مؤرخین کی
جماعت ہے۔

اگر ایک طرف قرآن کی فقید المثال فصاحت و بلاغت
کو ادبی اور فنی بنیادوں پر دنیا کے سامنے پیش کرنے والے اہل
معانی کا گروہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے انداز بیان
اور محاورات کی تفہیم کے لئے عرب کی قدیم زبان و ادب
اور لغات و اشعار کے ماہرین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے
شمائل و سیر اور معجزات و خصائص کی تفصیلات سے افراد امت
کو سرشار کرنے والے اصحاب سیر ہیں تو دوسری طرف قلوب
مومنین میں حب رسول کی شمع روشن کرنے والے نعت گو
شعراء اور میلاد خوانوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف دینی علوم کو آنے والی نسلوں میں منتقل
کرنے والے اصحاب درس و تدریس ہیں تو دوسری طرف
عقل و حکمت کے دلائل سے عقائد اسلام کو مسلح کرنے والے
حکماء و متکلمین کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف نبوت کے علوم و معارف کے ذخائر کو
تحریر کے ذریعے محفوظ کرنے والے مصنفین ہیں تو دوسری طرف
بحث و استدلال کے میدان میں اسلام کی طرف سے دفاع
کرنے والے مناظرین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف مساجد میں اجتماعی نظام عبادت کی
قیادت کرنے والے ائمۂ کرام کی جماعت ہے تو دوسری طرف
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے والے واعظین
کا دستہ ہے۔

عقل حیران ہے کہ ایک جہان نو کی تخلیق کی طرح اسلام
کی اشاعت و بقا کے یہ سارے انتظامات اتنی قلیل مدت میں
کیونکر وجود میں آگئے۔ سینکڑوں انواع و اصناف کے
خانوں میں تقسیم ہونے والے ان طبقات کا گہرا مطالعہ کیجئے تو
آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ ایک نظام سلطنت کی طرح
یہ سارا ساز و سامان صرف اس لئے وجود میں آیا تاکہ دنیا میں
اسلام کو ہمیشہ بالادستی حاصل رہے۔

اسباب و علل کی بنیاد پر واقعات کو جانچنے والی عقل
کیا اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے کہ وہ عرب جو صدیوں سے کفر و شرک،
فواحش و منکرات اور طرح طرح کی وحشت و درندگی میں
ڈوبا ہوا تھا، وہ پلک جھپکتے اندر سے باہر تک کیونکر بدل گیا۔
اخلاقی برائیوں سے کسی فرد یا جماعت کا تائب ہو جانا کوئی
حیرت انگیز بات نہیں ہے اس طرح کے واقعات آئے دن پیش
آتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات معجزہ کی حد تک ضرور حیرت انگیز ہے
کہ ملک کا ملک اپنا آبائی مذہب بدل دے قبیلے کا قبیلہ اپنے
خاندانی روایات سے منحرف ہو جائے۔ قوم کی قوم اپنے اس
عقیدے سے تائب ہو جائے جس پر وہ پیدا ہوئی تھی اور جسے
اپنے آباؤ اجداد سے اس نے ورثے میں پایا تھا — اور تبدیلی کا
ردِّ عمل بھی اس بیکراں جذبے کے ساتھ کہ پرانے دین کا ایک ایک
نشان جب تک مٹ نہیں گیا قرار نہیں ملا۔

اور کیا انسانی تاریخ میں اس واقعہ کی کوئی مثال مل
سکتی ہے کہ ایک معصوم پیغمبر لگاتار تیرہ سال تک کفار مکہ کے لرزہ خیز
مظالم کا سامنا کرتا ہے یہاں تک کہ ایک دن تنگ آکر وہ مدینے
کی طرف ہجرت کر جاتا ہے اور ابھی آٹھ سال بھی نہیں گزرنے پائے
کہ وہی پیغمبر بارہ ہزار کا جرار لشکر اپنے جلو میں لئے ہوئے شاہانہ
سطوت و جلال اور فاتحانہ کروفر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتا
ہے۔ مکے کے وہی باشندے جو ہجرت کی رات میں ننگی تلواریں لئے
ہوئے اس کے قتل کا منصوبہ بنا کر آئے تھے اور جو ساری
زندگی اس پر مظالم کے پہاڑ توڑتے رہے آج اس کے
سامنے سر جھکائے ہوئے ایک شرم سار مجرم کی طرح عفو و
درگزر کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

عقل اس سوال پر دم بخود ہے کہ جلانے والا تو مکہ سے اکیلا ہی گیا تھا۔ صرف سات سال میں یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار اس کے پاس کہاں سے آگیا۔ آخر یہ کون لوگ تھے جو توحید کا پرچم اٹھائے ہوئے اس مکہ میں داخل ہو رہے تھے جہاں لا الٰہ الا اللہ کہنا سماج کا سب سے بڑا جرم تھا۔ کیا یہ کوئی آسمانی مخلوق تھی جو بادلوں کے راستے سے فرش خاک پر اتر آئی تھی، یا زمین نے دفینے کے بجائے آدمیوں کا لشکر اگل دیا تھا۔ آخر مشاق کی طرح اشارۂ ابرو پہ کٹ مرنے والے یہ دیوانے کہاں سے آگئے تھے۔

اور انسانی فطرت کی یہ محو بکاری تو دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے کہ وہی مکہ جہاں بتوں کے خلاف دعوت تک برداشت نہیں تھا، آج وہیں بتوں پر ہتھوڑے چل رہے تھے اور سارا مکہ خاموش تماشائی تھا۔ جن لوگوں نے اپنے باطل معبودوں کی حمایت میں مسلمانوں کا خون بہایا تھا، ظلم کے پہاڑ توڑے تھے، پیغمبر کو زخمی کیا تھا، حق پرستوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا آج وہی لوگ خانۂ کعبہ کے اندر سے اپنے فرضی خداؤں کی لاش اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔

اور اس قصے میں سر دھننے کی بات تو یہ ہے کہ صدیوں تک قلوب و اذہان کی سرزمین پر حکمرانی کرنے والے مرکز عقیدت کو توڑتے ہوئے انھیں ذرا بھی قلق نہیں تھا۔ بلکہ ان کے سینے جوش مسرت سے لبریز تھے کہ آج خدائے وحدہٗ لاشریک کے حرم کو انھوں نے معبودان باطل کی آلائش سے پاک کر دیا تھا۔

عقل کہتی ہے کہ یہ تلواروں کا برپا کیا ہوا انقلاب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ فکر و ذہن کا انقلاب تھا۔ یہ فطرت انسانی کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کا انقلاب تھا۔ یہ عقیدۂ توحید کے ساتھ روحوں کی گرویدگی اور دلوں کی نیازمندی کا انقلاب تھا۔

پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ فتح مکہ کے بعد سارے جزیرۂ عرب سے بتوں کی مصنوعی ہیبت اور فرضی خدائی کا جنازہ اس دھوم دھام سے اٹھا کر تکرار اٹھانا تو بڑی بات ہے کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں تھا۔ اب عرب کے جغرافیہ میں نہ بتوں کے لئے کوئی جگہ رہ گئی تھی اور نہ بتوں کے پرستاروں کے لئے۔ سارا عرب نعرۂ توحید کے غلغلے سے گونج رہا تھا۔ قبول حق کے لئے دلوں کے دروازے اس طرح کھل گئے تھے کہ قلب و روح کی پوری بشاشت کے ساتھ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ عہد رسالت کے ۲۳ سال پورے ہو چکنے کے بعد جب پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو نہ صرف یہ کہ سارا جزیرۂ عرب کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہو چکا تھا بلکہ کئی لاکھ مربع میل وسعتوں میں پھیلی ہوئی اسلام کی ایک خود مختار، اور مستحکم ریاست کا قیام بھی وجود میں آچکا تھا۔

اور اس کے بعد اسلام کا سیل رواں زمین کے طول و عرض میں اس تیزی کے ساتھ پھیلا گیا کہ خلفائے راشدین کے عہد میمون میں اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر جگمگانے لگا۔ اور ابھی ایک صدی بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ اس کی دھوپ ایشیا، یورپ اور افریقہ کے صحراؤں، پہاڑوں، ریگ زاروں، اور سارے بحر و بر اور خشک و تر پر پڑنے لگی۔

دلوں کو پگھلا دینے والی، فکر کو جگا دینے والی اور عقل کو لرزا دینے والی یہی وہ منزل ہے جہاں ہم اپنا قلم روک کر دنیا کے دانشوروں کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتے ہیں وہ سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں کہ کیا دنیا میں اس سے پہلے بھی اس طرح کا کوئی روحانی، اخلاقی، اور سیاسی انقلاب انھوں نے دیکھا ہے۔ طاقت کے ذریعے زمینوں، آبادیوں اور ملکوں پر قبضہ کرنے والے ایک سے ایک کشورکشا ہم نے دیکھے ہیں لیکن تاریخ میں ایک بھی ایسا فاتح ہماری نظر سے نہیں گزرا جس نے آبادیوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دلوں کی سرزمین فتح کر لی ہو۔ جس نے قلعوں کی فصیلوں اور برجوں پر اپنا جھنڈا گاڑنے سے پہلے دلوں کی سرزمین پر اپنا جھنڈا نصب کر دیا ہو۔ جس نے آب و گل کی دنیا میں اپنا سکہ رائج

کرنے سے پہلے دلوں کی اقلیم میں اپنی عقیدت و محبت کا سکہ
چلا دیا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے انھیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے پہلے مکہ میں آنا چاہیے۔ وہاں تلوار پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں تھی، کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں تلواریں بھی چلیں، نیزے بھی اٹھے، تیر بھی برسے اور طاقت بھی استعمال ہوئی لیکن اسلام کو پھیلانے کے لئے نہیں اسلام کی پیش قدمی روکنے کے لئے، اسلام قبول کرنے والوں کا کلیجہ دہلانے کے لئے، پیغمبر کی آواز کو کچلنے کے لئے، اور اپنے بتوں کا نعرہ بلند کر کے توحید کے پرچم کا مذاق اڑانے کے لئے۔

لیکن اس کے باوجود دنیا نے پہلی بار عشق و عقیدت اور ایمان و یقین کی گرویدگی کا یہ حیرت انگیز تماشا دیکھا کہ لوگ تلواروں کی ضرب سے گھائل ہوتے رہے، پتھروں کی چوٹ پہ چوٹ کھاتے رہے، انگاروں پہ لوٹتے رہے، پگھلتے رہے، گرم گرم چٹانوں پر جلتے رہے اور قید و بند کی دردناک آزمائشوں میں سلگتے رہے لیکن کلمۂ حق کے ساتھ دلبارانہ عقیدت کا نشہ تھا کہ اترنے کے بجائے چڑھتا ہی رہا۔

رسالت محمدی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت انسانی فطرت کا یہ تقاضا اگر نظر میں رکھا جائے تو اسلام کی حقانیت کا احساس دوچند ہو جائے گا اور وہ یہ کہ آدمی دل کی رغبت کے ساتھ وہیں قدم رکھتا ہے جہاں کوئی خطرہ نہ ہو یا جہاں آرام اور منفعت کی کوئی امید ہو۔

سب جانتے ہیں کہ مکہ میں آسائش و منفعت کے سارے وسائل صنادید قریش اور کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھے۔ رسول کے قریب آنے والوں کے لئے سوائے قید و بند، سوائے دار و رسن، اور سوائے اذیت و نقصان کے مادی آسائش و منفعت کی کون سی توقع تھی۔ لوگ دن رات اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھتے کہ جس نے بھی رسول کا کلمہ پڑھا اُس کا جینا دوبھر ہو گیا۔ مکہ کی پوری آبادی درپئے آزار ہو گئی۔ اب وہ ستایا جا رہا ہے تو کوئی اس کی حمایت میں کھڑا ہونے والا نہیں۔ خون کے رشتہ داروں سے کچھ توقع تھی تو وہ بھی قاتلوں، سفاکوں اور درندوں کی صف میں ہیں۔

اب عقلائے عالم ہی فیصلہ کریں کہ ان حالات میں فطرت انسانی کا تقاضا کیا ہونا چاہئے تھا۔ کیوں ایسا نہیں ہوا کہ لوگ کلمہ پڑھنے والوں کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑتے اور ہرگز ایسے اقدام کا ارادہ نہ کرتے جس کے نتیجے میں ان کی اچھی خاصی زندگی طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کر دی جائے۔

آخر نبی کی آواز میں وہ کون سی کشش تھی جس نے ان کی فطرت کو ہر طرح کے احساس زیاں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اور پھر آخر وہ کون سا جذبۂ شوق تھا جس نے پروانوں کی طرح جل مرنے کی آرزو ان کے سینوں میں پیدا کر دی تھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اظہار عشق کا انجام کیا ہوگا وہ بے محابا اپنے مقتل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ لذت اور آسائش کا مفہوم سب کے حق میں یکساں نہیں ہوتا۔ کوئی پھولوں کی سیج پر راحت محسوس کرتا ہے اور کچھ ایسے بھی دار فتگان محبت ہیں جنھیں کانٹوں کی نوک سے گھائل ہونے میں مزہ ملتا ہے۔

یہی حال مکہ کے اُن فیروز بخت کا تھا جن کے دلوں میں اچانک یقین کی شمع روشن ہوئی اور وہ آنِ واحد میں بے حجاب جلوؤں کے تماشائی بن گئے۔ انھوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ کونین کی ارجمندی نبی کے قدموں میں مچل رہی ہے۔ والہانہ جذبۂ شوق میں اٹھے اور نبی کے قدموں کے نیچے اپنے دل بچھا دیے۔

نبی کے چہرے میں خدائے ذوالجلال کی تجلیوں کا نظارہ کرنے والوں نے جلتی ہوئی چٹانوں پر اخلاص و وفا

کا نقش ثبت کر کے دُنیا کو بتا دیا کہ اسلام تلواروں کا مذہب نہیں عشق و وارفتگی کا مذہب ہے۔ اسلام طاقت کا مذہب نہیں، سپردگی کا مذہب ہے۔ اسلام جارحیت کا مذہب نہیں صبر و ضبط کا مذہب ہے۔ اسلام جبر و اکراہ کا مذہب نہیں محبت و دل رُبائی کا مذہب ہے۔ اسلام زر، زن، اور زمین کی رشوتوں کا مذہب نہیں، نبی کے اخلاق کی کشش، نبی کے چہرۂ پُر نور کی طلعت زیبا، نبی کے کردار کے تقدس، سیرت کی پاکیزگی اور نبی کے لائے ہوئے دین کی سچائیوں کا مذہب ہے۔

مکہ کی سرزمین پر شہیدانِ عشق و وفا کے لہو کا ہر قطرہ پکارتا ہے کہ پیغمبر نے تلوار چلا کر نہیں، قرآن سنا کر اسلام پھیلایا ہے۔ اور مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں پتھروں کی چوٹ سے گھائل ہونے والے مظلوموں کا ہر زخم آواز دیتا ہے کہ قبول کرنے والوں نے خوف سے نہیں شوق سے اسلام قبول کیا ہے۔ دل پہلے مومن ہوا اس کے بعد زبان نے کلمہ پڑھا۔ قہر و جبر سے گردن جھکائی جا سکتی ہے پر دل نہیں جھکائے جا سکتے۔ دل کے جھکانے کے لئے جلوؤں کی کشش چاہئے، شخصیت کی دل رُبائی چاہئے اور سیرت کے تقدس کا کمال چاہئے۔ یہ پاک باز وارفتگانِ شوق ہی بتائیں گے کہ حسنِ ازل کی کس تجلی سے ان کے قلوب گھائل ہوئے، اور آنکھوں کی پتلیوں میں خدائے واحد و قدیر کا کون سا جلوہ انھوں نے دیکھا تھا کہ ایک نگاہ بندہ نواز پر متاعِ زندگی تک انھوں نے نثار کر دیا۔ اور عشق و عقیدت کا نقطۂ عروج تو یہ ہے کہ دم نکل رہا ہے لیکن قدموں میں مچلنے کی آرزو پوری بشاشت کے ساتھ زندہ ہے۔

جو لوگ بدر و احد کے معرکوں کو سامنے رکھ کر اسلام پر تلوار اٹھانے کا الزام رکھتے ہیں وہ مکہ کے مقتل کا معائنہ کیوں نہیں کرتے، وہ غارِ ثور میں جھانک کر حق کی مظلومی کا رقت انگیز منظر کیوں نہیں دیکھتے

وہ شعب ابی طالب قیدیوں کی بے قرار اور سوگوار راتیں کیوں نہیں دیکھتے۔ وہ تاریخ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ مکہ میں اسلام کے پھیلنے کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی۔ کس کے قہر و جبر سے لوگ اندھیری راتوں اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر اسلام قبول کرتے تھے۔

مکہ کے نہتے اور کمزور مسلمانوں نے کس کے مظالم سے تنگ آ کر اپنا پیدائشی وطن چھوڑ دینا گوارا کر لیا لیکن اپنے نبی کو وہ نہیں چھوڑ سکے۔

وہ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ مکہ میں اسلام اس وقت سے پھیل رہا تھا جب بدر و احد کے معرکے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھے۔ مکہ میں اسلام اس وقت سے پھیل رہا تھا جب تلوار اسلام کے ہاتھ میں نہیں اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ میں تھی۔

اس لئے تاریخ کی اس سچائی کے سامنے ہر شخص کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے کہ اسلام دنیا میں اس لئے پھیلا کہ اسلام ہی انسان کا فطری مذہب ہے۔ جس نے بھی اسلام قبول کیا اس نے جبر کا نہیں اپنی فطرت کا تقاضا پورا کیا۔ مکہ ہی میں نہیں دنیا کے جس خطے میں بھی اسلام کی دعوت پہنچی اس کی پذیرائی کے لئے صرف سلیم فطرت کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک پیاسا پانی پر ٹوٹتا ہے، اسلام کے چشمۂ صافی پر بھی سلیم الفطرت انسانوں کی پیاسی روحیں بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ پیاسے کو پانی پینے کے لئے رشوت نہیں دینی پڑتی، جبر نہیں کرنا پڑتا۔ پیاسا ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ جب تک پیاس نہیں بجھے گی وہ پانی کی تلاش میں سرگرداں رہے گا۔

کچھ اسی طرح کا معاملہ اسلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ سعید روحیں صدیوں سے کسی چشمۂ صافی کی تلاش میں تھیں جیسے ہی یہ خبر پھیلی کہ عرب میں رسالت کی سرزمین سے رحمت و نور کا ایک چشمہ پھوٹا ہے تشنگانِ شوقِ معرفت بے ساختہ

اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ راہِ طلب میں دُنیا نے بڑی رُکاوٹیں کھڑی کیں لیکن گزرنے والے کانٹوں سے نہیں برچھیوں کی نوک پہ قدم رکھ کر گزر گئے۔ آخر ایک دن فیروز بختیوں کی سحر طلوع ہوئی اور جذبۂ طلب کے اخلاص نے رسولِ کونین کی جلوہ گاہ میں انھیں پہنچا دیا۔ صدیوں کی پیاسی روح بادۂ توحید سے اس طرح سیراب ہوئی کہ حوضِ کوثر ہی پر وہ دوسرے جام کی تمنا کرے گی۔

پس درود و سلام کی لگاتار بارش ہو اُس جانِ رحمت پر جس کے تلوؤں کے دھوون سے آبِ حیات کو حیاتِ جاوداں ملی۔ درود و سلام کے مہکتے ہوئے پھولوں سے معطر رہے خواب گاہ اُس زینتِ کون و مکاں کی جس نے اسلام کا گھر اس خوبی سے بسایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلے۔ ایک قطرہ اتنا پھیلا کہ دریاؤں کو بہالے گیا۔ ایک ذرہ اتنا بلند ہوا کہ آسمان کی رفعتوں تک بڑھ گیا۔ ایک پھول کی خوشبو اس طرح پھیلی کہ چمن چمن مہک اٹھے۔

عقل حیران ہے کہ اس پیکرِ زیبا کے کس کس جلوہ کا تماشا دیکھے اور اس کے فضل و جمال کے کن کن نگار خانوں کا نظارہ کرے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ جدھر دیکھیے اسی کے فیض کے چشمے لہرا رہے ہیں۔ جس طرف نظر اُٹھائیے ایک ہی تجلی ہزاروں رنگ میں بکھری ہوئی ہے۔ جہاں جائیے پروانوں کا ہجوم، جس صحرا میں قدم رکھئے دیوانوں کا شور۔

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

THE FINAL VERSES

A Rejoinder To
Apostate Salman Rushdie's
Satanic Verses

by
Maulana Zahiruddin Qadri
Editor, ISTAQAMAT

EDARAH ISTAQAMAT
Kanpur (India)

اِسلام دشمنی کیلئے
اہلِ مغرب کی ایک اور تلاش
بنگلہ دیش کی دین فروش

تسلیمہ نسرین

کے کفر و ارتداد کا پردہ چاک

نسرین کی "لجا" جیسی تمام ناپاک کتابوں کا
مسکت و دندان شکن

جواب

محمد ظہیر الدین قادری
ایڈیٹر استقامت کانپور

شیطان کی طرح مشہور "شیطانی آیات" کے مصنف سلمان رشدی کے نام سے اس کی اسلام دشمنی، اہانت رسول اور فحش وعریاں تحریر کی وجہ سے دنیا کا کون سا شخص ہے جو واقف نہیں، جس کی دریدہ دہنیوں اور بکواسوں کا ایک معقول اور متوازن جواب "ایمانی آیات" کے نام سے لکھی گئی کتاب میں آپ صفحات سابقہ میں پڑھ چکے ہیں۔ ابھی سلمان رشدی کی خباثت ونحوست اور اس کی دل آزار کتاب سے عالم اسلام کراہ ہی رہا تھا کہ بنگلہ دیش میں تسلیمہ نسرین نامی ایک عورت کا نام اسلام اور اس کے پاکیزہ ومہذب احکام پر اپنے رکیک وذلیل حملے، باغیانہ خیالات اور "لجا" جیسی چند بھونڈے اور بدنام زمانہ ناولوں کے ذریعہ مسلمانان بنگلہ دیش کی غیرت وخودداری کو چیلنج کرنے کے باعث اخبارات کی سرخیوں میں آنے لگا۔ ہر طرف شور وغوغا بلند ہونے لگا۔ احتجاجات اور مظاہرے ہونے لگے اس کو فنا فی النار کرنے والے کے لئے پچاس ہزار ٹکے کے انعام کا اعلان ہونے لگا اور ایک بار پھر پورا عالم اسلام کراہ اٹھا۔ غیرت مند وخوددار مسلمانوں کے ایمانی جذبات بھڑک اٹھے۔ ایک طرف تسلیمہ کے اسلام مخالف بیانات سے پوری دنیائے اسلام میں

بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین سلمان رشدی کی ہمزاد

غم وغصہ پایا جارہا تھا۔ تو دوسری طرف سلمان رشدی ہی کی طرح اہل مغرب تسلیمہ کی حمایت میں آواز بلند کرنے لگے۔ اور بنگلہ دیش کی حکومت پر مغربی ملکوں کے سربراہوں کی طرف سے تسلیمہ کے خلاف کوئی سخت کارروائی کئے جانے کو حقوق انسانی کی خلاف ورزی اور آزادی رائے پر حملہ قرار دیا جانے لگا۔ اسلام کے خلاف مغرب کے اس رویہ پر ایک اخباری تبصرہ بالکل حق بجانب ہے۔

"یہ کوئی انوکھا اور نیا واقعہ نہیں ہے بلکہ ہر دور میں ایسے واقعات رونما ہوتے چلے آرہے ہیں اور اسلام مخالف تحریکیں اسے بڑھاوا دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی ہیں۔ اسی رول کو آج مغرب اور اس کے حلیف ممالک نہایت بھیانک انداز میں ادا کر رہے ہیں اس خطرہ کی بنیاد پر سامراجیت اور عالمی نظام جدید میں رکاوٹ صرف اسلام ہی ہے یہی وجہ ہے کہ مسائل کے حل سے انحراف کرکے مسلمانوں کے صرف مذہبی مسائل کو پرلیس میں موجب بحث بناکر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔

تسلیمہ نسرین کے نظریات و افکار پوری طرح سلمان رشدی ہی کی طرح اسلام دشمنی ہی پر مبنی ہیں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ تسلیمہ سلمان رشدی کی ہم زاد ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسلام کے خلاف مرتدہ تسلیمہ نسرین کے معاندانہ نظریہ کا اصل سبب

کسی انسان کی ذہنی و فکری تعمیر و تشکیل میں فطرت و جبلت کا عمل دخل تو ہوتا ہی ہے اور کچھ ہاتھ بلکہ زیادہ تر ہاتھ سوسائٹی، ماحول اور تعلیم و تربیت کا ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص کے گھر اور باہر کا ماحول مثبت و خوش گوار ہے۔ اس کو بہتر عمدہ اور مہذب سوسائٹی مہیا ہے۔ صاف و شفاف طور پر اس کی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے تو ایسا شخص مذہب و ملک دونوں کے حق میں مفید ثابت ہوتا ہے۔ وہ ملت کے مقدر کا ستارہ ہوتا ہے۔ اس کی گمراہی، ضلالت اور بے راہ روی کا امکان تقریباً مفقود ہوتا ہے۔ لیکن جب کسی کو بری سوسائٹی، برا ماحول ملتا ہے تو اس کا حال وہی ہوتا ہے جو سلمان رشدی یا تسلیمہ نسرین کا ہوا۔ تسلیمہ نسرین کے اندر اسلام کے خلاف معاندانہ نظریہ جو پیدا ہوا اس کا اصلی سبب یہی تھا۔ چنانچہ تسلیمہ کے متعلق ایک اردو ہفت روزہ نے یوں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

" ۳۱ سالہ تسلیمہ نسرین ایک عام ڈاکٹر ہے۔ اگرچہ اب اس نے اس شغلہ کو ترک کر کے عورتوں کی نام نہاد آزادی اور ان کے حقوق کے سلسلے میں لکھنا شروع کر دیا ہے، کالج میں پڑھنے کے زمانے ہی سے وہ اسلام دشمن طبیعت کی مالک رہی ہے۔ اکثر اپنے والدین سے نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کریم کے بارے میں مباحثہ بھی کرتی رہتی اور ان سے یہاں تک کہہ دیتی " امی جان! آخر ان عبادات سے فائدہ کیا ہے؟ میں تو نہ اللہ کو مانتی ہوں نہ ہی اس جنت پر ایمان رکھتی ہوں جس کی تم تمنا کرتی ہو" اس کی ماں جواب میں کہتی "بیٹی! یہ تمہارا موقف اسلام کے خلاف معاندانہ ہے۔ اس کے اس معاندانہ نظریہ کا اصل سبب، اس کی آزادانہ تفریح اور اجنبی مردوں کے ساتھ مجلسوں اور محفلوں میں اسلام کے مطالعہ کے بغیر اس پر بحث و تنقید ہے۔ ان ہی نظریات کی مظہر اس کی تحریریں ہیں۔

قرآن پر تفصیلی نظر ثانی کی ضرورت ہے (نعوذ باللہ)

قرآن کریم اللہ عزوجل کا وہ مقدس کلام ہے۔ جس کا ایک ایک حرف لاریب حق و صداقت کا مظہر ہے۔ جو تمام عالم کے لئے بلا کسی زمان و مکان کی قید کے نور ہدایت ہے جس کا ہر قانون دنیا کے تمام قوانین سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جس میں صبح قیامت تک کوئی تغیر اور تبدیلی غیر ممکن ہے۔ ایک شخص اگر کلمہ گو اور مسلمان ہے تو اس کے لئے قرآن مقدس تو

کلام الٰہی ماننا، اس کے احکام وکلمات کو غیر متغیر و غیر متبدل ماننا لازم وضروری ہے۔ اس پر نظر ثانی کی بات کرنا یا اس کے کسی حکم کو لائق ترمیم تسلیم کرنا ہرگز ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ایسا شخص باغیٔ اسلام و دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ اور حکومت اسلامیہ کی طرف سے وہ قرار واقعی سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ تسلیمہ نسرین کی اشتعال انگیزیوں ہرزہ سرائیوں اور کفر و ارتداد کی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے مئی ۱۹۹۴ء میں اپنے کلکتہ کے دورے میں ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بکواس کی کہ "قرآن پر تفصیلی نظر ثانی کی ضرورت ہے" تسلیمہ نسرین کا یہ خبیث و مردود خیال اور باطل و فاسدہ نظریہ اخبارات کے ذریعہ لوگوں کو معلوم ہوا تو کلکتہ کے مسلمانوں نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ جس اخبار کو اس نے انٹرویو دیا تھا اسی اخبار میں اس نے اپنا یہ وضاحتی خط شائع کرایا کہ "میں قرآن پر نظر ثانی نہیں چاہتی بلکہ یہ کہتی ہوں کہ اب قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اب یہ بے عمل اور بے موقع ہو چکا ہے۔" ظاہر ہے کہ اس کا یہ بیان اور زیادہ اشتعال انگیز ہے کیونکہ مسلمانوں کے لئے قرآن ہر دور میں رہنمائی کرنے والی اللہ کی کتاب ہے۔

ایمان فروش تسلیمہ نسرین نے قرآن پاک کی ان آیتوں پر خصوصیت کے ساتھ حملے کئے ہیں جن میں عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کا حکم دیا گیا ہے۔

کیا تسلیمہ کا یہ نظریہ اس کی فکری آوارگی، اسلام دشمنی اور سستی شہرت حاصل کرنے کے جذبہ پر دال نہیں؟

بدنام بھی ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔!

تسلیمہ نسرین کا ناول "لجا"، جس میں اس نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد بنگلہ دیش میں ایک ہندو خاندان کی پریشانیوں کا احوال لکھا ہے جس میں اس نے مسلمانوں کے کردار اور اسلام کو ہدف تنقید بنایا ہے کو پڑھ کر اور اس کی دیگر کتابوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تسلیمہ کا ادب صحافت سے برائے نام واسطہ ہے۔ اس کا قلم حد درجہ بے ہودہ اور فحش نگار ہے اس کی تحریر نہایت غیر معیاری اور سطحی ہے۔ اس کا مقصد صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا، عورتوں کی آزادی اور جنسی بے راہ روی کی وکالت کرنا ہوتا ہے تسلیمہ نسرین

کی فکری آوارگی اور تحریر کے غیر معیاری ہونے سے متعلق چند اخباری تراشے ملاحظہ فرمائیں۔

"ہند و پاکستان کے ماہر ادیب، اصحاب فکر و نظر اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تسلیمہ جو کچھ بھی لکھتی ہے وہ نہ صرف یہ کہ بے بنیاد افسانہ ہے بلکہ معیار ادب و صحافت کے بھی خلاف ہے، ہاں اس کی تحریریں عورتوں کی طرف جنسی میلان، شہوانیت اور جنسی ہیجان ضرور پیدا کرتی ہیں — فحاشی بد اخلاقی اور بے حیائی کی تمام حدود سے متجاوز ہو کر اور اس کی بدکردار اور گھناؤنی تصویر دنیا اور عالم اسلام میں اس وقت ظاہر ہونے لگی جب اسلام کے خلاف اس کا بکواس بدنام زمانہ افسانوی مجموعہ "لجا" منظر عام پر آیا۔ اس کی خوب تشہیر کی گئی۔ جس میں اس نے عورتوں کے لئے پردہ کو باعث حقارت و ذلت اور بعثت و آخرت سے انکار کی حیرت انگیز جرات بھی کی ہے"۔

"نسرین کا شمار در اصل ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جو سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے کسی بھی قسم کی تحریر سے گریز نہیں کرتے جو یہ بالکل نہیں دیکھتے کہ اس کے منفی اور مثبت اثرات کیا مرتب ہوں گے انہیں تو صرف اپنی شہرت سے غرض ہوتی ہے — نسرین کا کہنا ہے کہ جب وہ ابھی بچی ہی تھی تبھی سے اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اس کے والدین بھائیوں کے مقابلے میں اس پر زیادہ پابندی لگاتے ہیں اور اسی سوچ کی وجہ سے اس کی ازدواجی زندگی میں بھی ڈھیر سارے مسائل کھڑے ہو گئے اور بالآخر اسے طلاق لے کر علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ طلاق کے بعد وہ اپنی کہانیوں، مضمونوں اور شاعری کے ذریعہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی۔ اب اس ہنگامہ آرائی توڑ پھوڑ اور بنگلہ دیش میں اس کی حمایت اور مخالفت میں ہونے والے مظاہروں کو دیکھتے ہوئے اس نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ اب وہ اپنے پرانے پیشے یعنی ڈاکٹری کو ترک کر کے مکمل طور پر اخبار سے وابستہ ہو جائے گی تاکہ اور مؤثر طور پر عورتوں کے حقوق کی لڑائی لڑ سکے۔"

مشہور ادیب ف، س، اعجاز کا تسلیمہ سے متعلق ایک تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

"حقیقت یہی ہے کہ تسلیمہ نسرین ایک ناول نگار کے طور پر ناکام رہی ہے۔ اس کی تحریروں پر ادبی تبصرے کم آئے ہیں۔ اہل فن نے تو اسے ناپختہ قرار دیا ہی ہے۔ ہر روز جو اخباروں کے کالم نگار اس کی بابت لکھ رہے ہیں وہ بھی ایک دو جملوں میں اس کے ناول کو سطحی تحریر ضرور قرار دیتے ہیں۔ "لجا" ناول ۷۴ء سے ۹۲ء تک کے فساد کا روزنامچہ ہے جسے چند فرضی واقعات سے مربوط کر کے تسلیمہ نے 'بنگالی سینٹی منٹ' کو ہوا دی ہے۔ مصنفہ کی الفاظ برتنے کی تمیز یہ ہے کہ اس نے نماز اور دینی شعائر تک کا مذاق اڑایا ہے۔"

ف، س اعجاز ہی کے قلم سے ایک اور دلچسپ و طنز آلود تبصرہ ملاحظہ کیجئے! اس تبصرہ سے اس نام نہاد ادیبہ کی کچھ اور حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

"بابری مسجد کے انہدام نے بنگلہ دیش میں ایک چمک دار دانتوں والی بوائے کٹ ادیبہ کو جنم دیا جس نے "لجا" نامی بنگلہ ناول تحریر کیا۔ ادیبہ ہونے کا دعویٰ کرنے والی تسلیمہ نسرین

> تسلیمہ نسرین کی قرآنی آیات پر تنقید قرآن پاک کے کسی حکم کو لائق ترمیم تسلیم کرنا ہرگز ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ایسا شخص باغی اسلام اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ اور حکومت اسلامیہ کی طرف سے وہ قرار واقعی سزا کا مستحق ہوگا۔

کے چہرے اور بدن پر جو سمندری نمک اور ہلسا مچھلی کا سار دغن چمکتا ہے وہ ہمارے بنگال کے مچھلی خور غیر اردو صحافیوں کو خاص طور پر للچاتا ہے اور بعض لوگوں میں انوکھی اشتہا پیدا کر دیتا ہے یکے بعد دیگرے تین مردوں کے نکاح سے یہ مچھلی تڑپ کر باہر نکل آئی ہے اب چوتھی شادی کے پیغامات سن کر محظوظ ہوتی ہے۔ چھاتی میں وہ دم ہے کہ برسرِعام سگریٹ کے لمبے کش لگاتی ہے۔ پہلے تو آزادیٔ انسان کی علم بر داری کرتی تھی۔ اب آزادیٔ نسواں کا دم بھرتی ہے جو آج ہے کل اس سے مکر جاتی ہے "اسٹیٹسمین" اخبار کو انٹرویو میں کہا کہ قرآن بے وقت ہو چکا ہے اسے تبدیل کرنا ضروری ہے۔ قرآن کے ماننے والے برہم ہوگئے تو جھٹ اپنے بیان سے مکر گئی اور بیان دیا میں نے تو قرآن کو بدلنے کی بات نہیں کہی، صرف شریعت کو تبدیل کرنے کی بات کہی تھی اگلی بار پھر اس نے کہا کہ قرآن کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا چاہئے۔ اس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا ـــــ ایک مفتی نذر الاسلام نے اس کے سر پر ایک لاکھ ٹاکا کے انعام کا اعلان کر دیا ہے:

نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ نام نہاد ادیبہ اہل ایمان کے انتقامی جذبہ سے خائف ہو کر مغرب کی آغوش میں اسلام دشمنوں اور مغربی آقاؤں کی پناہ ڈھونڈ رہی ہے اور ادھر ادھر ماری ماری پھر رہی ہے ـــــ وہ مغرب جو آج اپنی ہی تہذیب سے عاجز و پریشان ہے۔ ناجائز طور پر مرد و زن کے اختلاط کا حامی آج یہ مغربی معاشرہ" ایڈز" کی مہلک اور تباہ کن بیماری کی آگ میں جل رہا ہے۔ لیکن اسلام دشمنی کے جذبہ نے انہیں اندھا و بہرا بنا رکھا ہے انہیں اب بھی خواتین سے متعلق اسلامی اصول و ضوابط میں کیڑے ہی کیڑے نظر آتے ہیں ـــــ وہی اسلام جس نے عورتوں کو قعرِ مذلت سے نکال کر انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ اس کے دامن میں مسرتوں اور خوشیوں کے پھول بکھیرے انہیں شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ بنا کر اس کی عصمت و عفت کا محافظ بنایا۔ آج یہ عورت کو محض تسکینِ نفس کا ذریعہ اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ جاننے والے اسی اسلام کو حقوقِ نسواں کا غاصب قرار دیتے ہیں۔ ایسا بے بنیاد الزام عائد کرتے وقت یہ نام نہاد حقوقِ نسواں کے علم بردار یہ بھول جاتے ہیں کہ ابھی

روئے زمین پر حس لطیف ذوقِ سلیم اور صالح شعور رکھنے والے اشخاص فنا نہیں ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے درمیان جو بنیادی فرق ہے اور دونوں تہذیبوں میں زمین و آسمان کی جو نسبت ہے اس کی تسلیم شدہ حقیقت کو جھٹلانا ممکن نہیں اور پھر یہ کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ موجود ہے قرآنِ مقدس کی مہذب و مکمل تعلیمات بغیر کسی ترمیم و رد و بدل کے قائم و باقی ہیں ـــ ان سب حقائق کی موجودگی میں عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں مغربی تہذیب کے ان دیوانوں کو کامیابی حاصل ہو جائے ایسا غیر ممکن ہے ـــ اسلامی تہذیب و تمدن کو دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں پر جو برتری اور فوقیت حاصل ہے وہ سلمان رشدی یا اس کی ہمزاد تسلیمہ نسرین کے ضمیر کو خرید کر اس برتری اور فوقیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اہل مغرب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے ذہن و دماغ سے اس خوش فہمی کو نکال دینا چاہیئے کہ درحقیقت وہی حقوقِ نسواں کے سب سے بڑے محافظ اور علم بردار ہیں بلکہ ان کا معاشرہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ محافظ و علم بردار نہیں ہیں بلکہ خواتین کے حقوق کو پیروں تلے روندنے والے اور ان کے دامنِ عصمت کو تار تار کر کے ان کی زندگی کے چمن کو تباہ و برباد کرنے والے ہیں۔

اسلام اور تعدد ازواج

یوں تو اسلام پر اہلِ مغرب کی جانب سے حقوقِ نسواں کے تحفظ کے نام پر منظم ہو کر اپنے خود ساختہ قوانین مسلم ممالک پر تھوپنا چاہتی ہیں سالِ گذشتہ چین کی راجدھانی بیجنگ میں منعقدہ زنانِ عالم کا اجتماع اسی منصوبہ بند سازش کا ایک حصہ تھا۔ اس کانفرنس میں بہت سی مسلم خواتین بھی شامل ہوئیں اور انہوں نے مدلل طور پر حقوق نسواں سے متعلق اسلامی نظریہ کو رکھا لیکن جہاں اسلام دشمنی کا جذبہ کار فرما ہو۔ جس کانفرنس پر یہودی لابی کا تسلط ہو جس اجتماع پر مغربی قوتیں اثر انداز ہوں۔ اس اجتماع میں اسلامی اصول و نظریات پر مبنی کوئی قرارداد پاس ہو جائے بعید از قیاس ہے چنانچہ اس اجتماع میں بھی جو قراردادیں پاس کی گئیں وہ سب کی سب اسلامی روح سے خالی تھیں ـــ اس اجتماع میں شامل ہونے والی خواتین عالم میں سے بیشتر نے عورتوں کو مردوں کے مساوی درجہ دئے جانے کی وکالت کی ہے۔

یہی وہ نظریہ ہے جس کی وکالت اور تشہیر کا کام بنگلہ دیشی ادیبہ تسلیمہ نسرین نے بھی شروع کر رکھا ہے ـــ اس نام نہاد ادیبہ و مرتدہ نے مغرب کی تقلید میں اسلام کے تعدد ازداج کے حکم پر اعتراض کر کے اور اسے عورتوں کی حق تلفی قرار دے کر درحقیقت اپنے ذہنی دیوالیہ پن کا ثبوت ہی دیا ہے ـــ اسلام نے ایک سے زائد چار تک عورتوں سے شادی کی جو اجازت دی ہے۔ اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ کیا یہ اجازت عورت کی حق تلفی ہے؟ کیا اس سے حقوقِ نسواں غصب ہوتے ہیں؟ اس اجازت کے پس پردہ حکیم مطلق کی کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ان سب سوالوں کا جواب آیئے محقق عصر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی

کے قلم سے ملاحظہ کریں:

"اسلام مرد کے لئے حسب حال ایک سے چار عورتوں تک سے نکاح کی اجازت دیتا ہے۔ اور ایک سے نکاح کو بلحاظ حال واجب یا سنت موکدہ وغیرہ قرار دیتا ہے اور وقت ضرورت ایک سے زائد کی بھی اجازت دیتا ہے لیکن اسے عدل اور سخت قیدوں کے ساتھ مشروط بھی کرتا ہے تعدد ازدواج پر اعتراض کرنے والے یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ یہ اجازت ہے جبر نہیں، عدل سے مقید ہے آزاد نہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ دنیا کے بہت سے علاقے جب جنگوں میں بربادی کے باعث مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی کے حامل ہوں۔ اور ہوئے۔ تو ان بیواؤں کا علاج کیا ہے؟ آج جب کہ عورتوں کا فیصد ہر سمت بڑھتا ہی جا رہا ہے ان کی ضرورت کا انتظام اور ان کے دکھ درد کی دوا کیا ہے؟ — افسوس کہ اسلام کے حاسدین نسوانی شرافتوں کو ہزاروں ہوس ناک نگاہوں اور سینکڑوں آوارہ انسانوں کے جذبات کا کھلونا بنانا تو پسند کرتے ہیں لیکن ایک مرد کے احاطۂ عفت میں چار عورتوں کا تحفظ گوارا نہیں کر سکتے — وہ بھی جب کہ مرد قوتِ عدل وانصاف اور حسنِ نظم کا حامل ہو اور عورت اپنی عصمت کو نیلام کرنے کے بجائے حریم عفت میں ثابت قدم رہنا ہی پسند کرتی ہو۔"

تسلیمہ جیسی بعض فاحشہ اور آوارہ مزاج عورتیں اسلام پر یہ کہہ کر بھی عورتوں کا حق غصب کرنے کا الزام لگاتی ہیں کہ وہ مرد کو تو چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت دیتا ہے مگر عورت کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا یہ سراسر ناانصافی ہے۔ عورت کی حق تلفی ہے ظلم و زیادتی ہے۔ کیا عورت کو چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہ دینا واقعی ناانصافی ہے؟ یا یہ کہ اس میں بھی قدرت کا کوئی راز مضمر ہے؟ جواب مولانا مصباحی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

"وہ انسانیت اور شرفِ آدمیت کے دشمن ہیں جو خلافتِ الٰہیہ اور امانت ربانیہ کی حیثیت سے ناآشنا بن کر انسانوں کو پست حیوانات کی صف میں اتارنا چاہتے ہیں اور جنسی تسکین کے لئے مرد و زن کو کھلی آزادی دے کر ان کے جسم و روح دونوں کی تباہی کا پورا سامان کرتے ہیں۔ میں نے پست حیوانات اس لئے کہا ہے کہ حیوانات میں بھی جن کو قدرت نے پاکیزہ فطرت کا حامل اور انسانی کمال سے قریب بنایا ہے وہ اختلاط جنسی میں آزاد نہیں۔ کتیا کا تعلق دس کتوں سے ہو سکتا ہے، لیکن کبوتری ایک ہی کبوتر کے ساتھ اپنی فطری زندگی بسر کرتی ہے۔ اور اولاد کے تحفظ اور تربیت میں دونوں ہی شریک ہوتے ہیں۔ سوزاک اور آتشک کی مہلک بیماریوں کے بعد اب ایڈز کے جراثیم کے تباہ کن اثرات نے دنیا کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اور اب امریکہ و یوروپ کو متفقہ طور پر یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیئے کہ نوع انسانی کے لئے حیوانی آزادی نہیں۔ بلکہ قرآنی پابندی ہی میں سلامتی و بلندی ہے۔ فطرتِ پاکیزہ سے بغاوت جہاں انسان کو اس کی منزل بلند سے گرا کر اس کی شرافت کو چکنا چور کر دیتی ہے وہیں

اُسے جسمانی امراض اور قلبی و ذہنی بیماریوں کا جہنم بھی بنا دیتی ہے۔ رشتۂ ازدواج اور پابندیٔ نکاح قدرت کا وہ عطیہ ہے جو بقائے نوع کے ساتھ تربیتِ نسل اور کمالاتِ انسانی کے فروغ کا ضامن ہے اور یہ پابندی صرف چودہ سو سال سے نہیں بلکہ پہلے انسانی جوڑے سے ہی ایک مربوط حکیمانہ نظم کے ساتھ عائد و نافذ رہی ہے۔ جس پر بشرفِ انسانی سے بہرہ ور فطرتیں اور خدا کی مقبول شخصیتیں ہمیشہ کاربند رہی ہیں۔ انسانی تمرد اور شیطانی غلامی کی بات الگ ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (رعد-۶)

ترجمہ:۔ "بے شک ہم نے تم سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا اور ان کو بیویوں اور نسلوں سے نوازا۔"

مندرجہ بالا اقتباس پڑھ کر فطرت سلیمہ کے مالک پر واضح ہو جانا چاہیئے کہ ایک عورت کو چار مردوں سے شادی کی اجازت کیوں نہیں۔ اور اسلام کی طرف سے ناجائز طور پر جنسی آزادی پر بندش کیوں عائد کی گئی ہے۔

قرآن کا ایک ایک لفظ حق و صداقت کا مظہر ہے جو تمام عالم کیلئے بلا کسی زمان و مکان کی قید کے نور ہدایت ہے جس کا ہر قانون دنیا کے تمام قوانین سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

کیا اسلام نے طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں دیکر ناانصافی کی ہے؟

عرصہ دراز سے اسلام پر اہلِ مغرب کی طرف سے یہ الزام بھی عائد کیا جا رہا ہے کہ اس نے طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دے کر عورت کے ساتھ سراسر ناانصافی کی ہے۔ اس پر انسانیت سوز ظلم کیا ہے۔ اس کے بنیادی حق کو سلب کیا ہے۔ اس قانون سے عورت کی عزتِ نفس پر کاری ضرب لگتی ہے۔ تسلیمہ نسرین نے بھی اہلِ مغرب کی آواز میں آواز ملا کر اپنی جہالت اور یتیم العقلی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن چونکہ محض اتنا کہہ دینا ہی اس کے الزام کا جواب نہیں۔ بلکہ اس الزام کا ایک مدلل و معقول جواب درکار ہے تاکہ تسلیمہ اور اس جیسی دیگر عورتیں حقائق کے آئینے میں دیکھ سکیں کہ ـــ ان کے الزامات بالکل ہی بے بنیاد اور محض ان کے ذہن کی اپج ہیں ـــ اسلام نے بے شک اور لاریب مرد ہی کو طلاق کا حق دیا ہے۔ اس میں بھی خدائے قدیر و حکیم کی بہت سی حکمتیں کار فرما ہیں ـــ اس سلسلے میں مولانا مصباحی صاحب ہی کی محنت و کاوش آپ تک پہنچاتا ہوں۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے کھل کر یہ بات سامنے آجائے گی کہ اللہ عزوجل نے طلاق کا حق مرد ہی کے ہاتھ میں کیوں دیا ہے۔ اور عورت کو اس حق سے محروم کیوں رکھا ہے۔

اور یہ امر کہ کیا واقعی عورت کے حق میں ناروا و نامناسب اور اس کے حق کی پامالی ہے؟ اس کا بھی جواب مل جائے گا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں دے کر عورت کو مجبورِ محض بنا دیا ہے وہ نکاح کے مقاصد ہی سے غافل ہیں۔ رشتۂ ازدواج کوئی اجارہ یا ملازمت کا معاملہ نہیں، جس میں اجیر و مستاجر دونوں کو یکساں طور پر چھوڑنے چھڑانے کا اختیار ہوتا ہے۔ یہ تو ایک باہمی خوش گوار اور پُر محبت زندگی گزارنے کا عہد و پیمان ہے جس کا مقصد جنسی میلانات اور شہوانی ہیجانات کے فتنہ انگیز سیلاب کا رخ ایک محفوظ سمت اور ایک محدود دائرہ میں پھیر کر اسے افادیت سے لبریز اور نتائج خیز بنانا ہے جب تک پوری زندگی ایک ساتھ بسر کرنے کا تصور کارفرما نہ ہو، نوعِ انسانی کی بقاء اور ایک صالح نسل کے وجود کا تصور ہی نہ ہو سکے گا اور نکاح صرف وقتی تسکین کا سامان ہو کر رہ جائے گا۔ جب کہ اسلام زوجین کی پُرعزم زندگی انسانی معاشرے کے لیے کسی کار آمد رکن اور دین و ملت کے لئے کسی سرگرم ممبر کی افزائش، نشو و نما، پرورش و پرداخت اور حکیمانہ تربیت کا نظام برپا کرنا چاہتا ہے نکاح کا مقصد طلاق نہیں کہ اس میں زوجین کی شرکت ضروری ہو۔ نکاح تو ایک ایسا رشتہ ہے جو دو نفسوں کو پوری عمر کے لئے پیمانِ حیات و بقاء اور عہد مہر و وفا میں باندھ دیتا ہے تاکہ ان دونوں کے وہ جذبات و قوی جو انفرادی زندگی کی صورت میں خود ان دونوں اور ان کے معاشرے کے لئے ضرر رساں یا کم از کم بے سود ہوتے وہ مضرت سے خالی ہو کر افادیت سے لبریز اور نتیجہ خیز بن جائیں ـــــ عورت اگر بالغ ہے تو خود اُسے اور نابالغ ہے تو اس کے ولی کو اختیار ہوتا ہے کہ تحقیق و تفتیش، غور و خوض، عاقبت بینی اور دور اندیشی کے ساتھ کسی مرد کا انتخاب کرے۔ اور اسے اپنی زندگی کو مضرت و ہلاکت سے بچانے کے لئے یہ انتخاب کرنا ہی ہے اور اس تصور کے ساتھ کہ پوری زندگی اس کی رفاقت میں بسر ہوگی۔ لیکن تجربات شاہد ہیں کہ ایسا بھی وقت آجاتا ہے کہ یہ رشتہ اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے اور دونوں کی فرقت و جدائی اگلی زندگی کی خوش گواری کی راہ میں ضروری ہو جاتی ہے ایسی صورتِ حال کے لئے طلاق و تفریق کا جواز ایک ہمہ گیر، لافانی اور جامع دستور میں ہونا ضروری ہے، ورنہ زندگی نمونۂ جہنم یا بے ثمر اور بے مقصد ہونے کے باوجود اور علیحدگی پہ باہمی رضامندی کے باوجود تفریق ناممکن ہوگی۔ اور دو وجود جو الگ ہونے کے بعد کسی اور سے شرعی طور پر منسلک ہو کر خوش گوار و مفید زندگی سے ہم کنار ہو سکتے تھے، بے ثمر بے مقصد اور بڑا اثم ہی رہ جاتے۔ مسیحی قانون، طلاق پر پابندی کا ۱۸۵۷ء تک طویل و ہولناک تجربہ کر چکا ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اب طلاق جو مقاصدِ نکاح سے ہم آہنگ نہیں جس کا جواز محض سنگین ضرورت اور نازک حالت کے پیش نظر ہے، جو مباح تو ہوا ـــــ مگر ابغض المباحات (جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ) ہو کر۔ اس کا دائرہ

تنگ ہونا ہی قرینِ حکمت ہے۔ اس لئے یہ حق صرف مرد کو دیا گیا اور عورت کو بھی خلع کا حق حاصل ہے شوہر اگر ظلم و تعدی ہی پر آمادہ ہو تو اسلامی شریعت۔ حکومت کے سر اس پر دباؤ اور اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ۔۔۔ اب رہا یہ سوال کہ معاملۂ طلاق میں عورت با اختیار اور مرد کو بے اختیار کیوں نہ رکھا گیا۔ اس کا جواب واضح ہے کہ اس نازک معاملہ کا اختیار اسی کو ملنا چاہیئے جو فہم و تدبر عقل و دانش ثبات و استقامت، قوت و طاقت اور ضبط و تحمل میں دوسرے سے فائق ہو عورت کی زود رنجی ۔۔۔ کیفیت ہیجانی اور مخصوص ایام میں لازمی طور پر فکری قوت کی کمی معلوم ہوتے ہوئے قانون ساز اسے اختیار طلاق تفویض کر دے تو یہ کسی مجنون کے ہاتھ میں شمشیر بے نیام دینے کے مرادف ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہو گا کہ خاوند گھر سے غائب ہو اور عورت اسے طلاق دے کر رخصت ہو جائے۔ اور گھر لاوارث ہو کر لٹیروں کی نذر ہو جائے، یا عورت خود ہی سارا اثاثہ لوٹ لیجائے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں کسی غیر نے اس سے رغبت کا اظہار کیا اس نے اپنے شوہر کو طلاق دی اور دوسرے سے منسلک ہو گئی۔ دوسرے سے ابھی ثمرۂ نکاح حاصل نہ ہوا کہ اسے چھوڑ کر تیسرے سے رشتۂ لطف و لذت جوڑ لیا۔ کیا یہ حالت زنا کاری کی بے ثمر اور ہلاکت خیز حالت سے کچھ کم فتنہ انگیز ہوگی؟ پھر کون شوہر ہو گا جو اپنی عورت پر اپنے مکان و جائیداد اور اموال و املاک کے سلسلے میں ایک لمحہ بھی پورا اعتماد کر سکے ۔۔۔ اور کسی نسل کی پرورش اور تربیت کے لئے اسے مفید تصور کر سکے۔ اور اسکے نفقہ و سکونت کی ذمہ داری کا حامل بھی بنے۔ مرد اپنی اولاد اور اموال کے حق میں عورت پر اسی لئے تو اعتماد کرتا اور مطمئن رہتا ہے کہ اس کا رشتہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا یا دونوں کو اختیار طلاق ہوتا تو نکاح و ازدواج کے حکیمانہ فوائد و مقاصد کا حصول ناممکن ہوتا اور اس کی حیثیت وقتی جسم فروشی اور محل شہوت کے عارضی اجارہ سے زیادہ نہ ہوتی ۔۔۔ غور کیجیئے صرف شوہر کو اختیار طلاق اور بیوی کو محض حق خلع دینے میں کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں یہ الگ بات ہے کہ مردوں میں بھی کچھ کم عقل، جذبات غیظ و غضب سے بے قابو، علم و حکمت سے نابلد افراد پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو ایک سانس میں طلاقوں کی ایک قطار کھڑی کر دیتے ہیں۔ پھر اپنی سفاہت پر بڑی بے شرمی سے ماتم کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ ان مردوں کا قصور ہے قانون کا قصور نہیں۔ قانون نے تو سنگین حالات میں رفاقت کو فرقت کو عقل و حکمت کی

تسلیمہ نسرین کی

تمام کتابوں میں دین سے بیزاری، فکری آوارگی، اسلام دشمنی اور سستی شہرت حاصل کرنے کا جذبۂ باطلہ کار فرما ہے۔ اس کی ناپاک کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام دشمن ممالک کے ایما و منشا پر یہ کتابیں لکھوائی گئی ہیں۔

میزان میں اچھی طرح تول کر فرقت کا پلہ بھاری ہونے کی صورت میں طلاق کو گوارا کیا تھا۔ لیکن صاحبِ عقل بھی عقل سے کام نہ لے تو قانونِ حکمت کا کیا قصور"۔

شوہر کو صدارت کیوں تفویض کی گئی

اللہ عزوجل نے مردوں کو عورتوں پر افسر مقرر کیا ہے۔ اس قانون خداوندی پر بھی تسلیمہ اور اس جیسی دیگر زنانِ عالم معترض ہیں۔ انہیں اس حکم میں عورت کی تذلیل و تحقیر نظر آتی ہے۔ مرد و زن مساوات کے نعرے کی ظاہری چمک نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور اس طرح کی بے تکی باتیں کر کے اپنی ناقص العقلی اور کج فہمی کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔ اس طرح کی بکواسوں، دریدہ دھنیوں اور ہرزہ سرائیوں کی طرف متوجہ ہونا ہر چند کہ تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں لیکن محض یہ سوچ کر کہ اگر اس طرح کے بے بنیاد، جاہلانہ اور احمقانہ اعتراضات کا نوٹس نہ لیا گیا اور ان کا کوئی معقول، مدلل اور عالمانہ جواب نہ دیا گیا تو اس سے نام نہاد، روشن خیال اور آدارہ مزاج طبقے کو یہ غلط اشارہ مل سکتا ہے کہ اسلام پسندوں کے پاس ہمارے اعتراضات کا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ اس طبقے کو کوئی ایسا اشارہ نہ ملے اور ان کی جاہلانہ سوچ کو استحکام نصیب نہ ہو۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض کا جواب بھی دے دیا جائے مردوں کو عورتوں پر جو حاکمیت تفویض کی گئی اور اس میں ربِ کائنات کی جو حکمت و مصلحت مضمر ہے اس سے علامہ مصباحی صاحب کے قلم نے بڑی نفاست اور خوب صورتی کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے۔ لہٰذا اس اعتراض کا جواب بھی انہیں کی زبان قلم سے سماعت فرمائیں۔

"کارواں کے لئے امیر کارواں بھی ہونا چاہیے ورنہ سفر سخت دشوار، ہر منزل کٹھن، ہر کام مشکل اور ہر ساعت ہنگامۂ اختلاف و افتراق بن کر رہ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ امارت کا حق اسی کو ملنا چاہیئے جو قوت و سطوت، شجاعت و جرارت اور فہم و عقل میں دوسروں پر امتیاز کا مالک ہو۔ زن و شوہر کے دو نفری قافلے میں مرد کا امتیاز مسلّم اور عیاں ہے۔ جدید تحقیقات سے بھی یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس خمسہ کمزور ہوتے ہیں۔ سائیکلو جیا سے ثابت ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط، عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے المرأۃ المسلمہ از فرید وجدی) قرآن حکیم نے اس حکمت کی نشان دہی فرمائی ہے ارشاد ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ (نساء-۳۴) ترجمہ:- مرد عورتوں پر افسر ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے۔ اس آیت میں مردوں کی صدارت کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں۔ ایک فطری و

وہی ہے جس کی طرف بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ سے اشارہ ہے ــــ دوسری کَسبی ہے، جسکی طرف بِمَآ اَنْفَقُوْا سے نشان دہی کی گئی ہے۔ مرد کا فطری امتیاز یہ ہے کہ عقل و فہم، قوت و جرأت میں عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ اور کسبی امتیاز یہ ہے کہ مہر و نفقہ اور نظم مسکن کا بار اسی کے سر پر ہے۔ عورت کی دائمی کمزوری، اس کا دماغی اور جسمانی ضعف اور جرأت و استقامت کی کمی ہے۔ اور مخصوص ایام میں اس کی عارضی کمزوریاں اس پر مستزاد ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دائرۂ انتظام ایک ملک کو محیط ہو، یا ایک گھر میں محدود ہو ــــ بہرحال ہر کام میں مشاورت ممکن نہیں۔ اور امارت و حاکمیت کسی کے حوالے نہ ہو تو معاملات اور ضروریات رونما ہوتی رہیں گی۔ اور دوسرے کا منھ تکتے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ جب کہ ایک حاکم و امیر ہوگا تو اپنے فرض منصبی کے تحت ہر انتظام کے لئے پیش قدمی کرے گا اور حسب مصلحت مشاورت کر سکے گا۔ اور بصورت اختلاف یا بحالت تنگی یا بحالت عجلت تنہا اس کا حکم بھی کافی ہوگا۔"

> تسلیمہ نسرین کی تحریریں عورتوں کی طرف جنسی میلان، شہوانیت اور جنسی ہیجان پیدا کرنیوالی ہیں، فحاشی بداخلاقی اور بے حیائی کی گھناؤنی تصویر پیش کر کے تسلیمہ نے مذہب اسلام کو داغدار کرنیکی سعی ناکام کی ہے

اسلام، پردہ اور ترقی

اسلام وہ مذہب تہذیب اور دین فطرت ہے جس نے عورتوں کے جائز اور بنیادی حقوق کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ انہیں سماج میں باعزت مقام عطا کیا ہے۔ اور خوش گوار، اطمینان بخش اور پُر وقار زندگی بسر کرنے کے لئے عورتوں اور مردوں دونوں کو حقوق و حدود کا پابند بنایا ہے۔ "قرآن کریم کی متعدد آیات میں جن کا بہت ہی تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے ــــ وہ عورت جو زمانۂ جاہلیت میں پیر کی جوتی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ معاشرے میں جس کو کوئی باعزت مقام حاصل نہیں تھا۔ انہیں زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ بیوہ ہونے کے بعد یا تو انہیں جینے کے حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا ــــ یا انہیں بالکل ہی اچھوت بنا دیا جاتا تھا علم کا دروازہ یکسر ان پر بند تھا، لیکن جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس نے عورت کو وہ مقام بلند عطا کیا کہ جو آج بھی عورت کو کسی اور مذہب میں حاصل نہیں۔ علم کا دروازہ اس کے لئے کھولا گیا۔ بیوہ ہونے کے بعد بھی انہیں باوقار زندگی عطا کی گئی ــــ پردہ کے ذریعہ ان کی عصمت و عفت کو تحفظ و تقدس فراہم کیا گیا۔ خاوند کو بیوی کا لباس اور بیوی کو خاوند کا لباس قرار دیا گیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے لئے باعث تسکین و راحت فرمایا گیا۔

گروہ نسواں پر ان احسانات کے باوجود اہلِ مغرب تسلیمہ اور اس جیسی دیگر آوارہ فکر اور نام نہاد عورتیں بس یہی راگ الاپ رہی ہیں کہ اسلام نے پردہ میں رکھ کر عورتوں کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ پردے سے عورت کا بنیادی حق سلب ہوتا ہے۔ پردہ ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ! وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سرپھری عورتوں کو پتہ نہیں کہ اگر اسلام نہ آتا۔ انسانی معاشرے کو قرآن کریم جیسی مقدس کتاب نہ ملتی۔ اور پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اگر انسانیت کے تمام طبقات کو ان کے دائرۂ عمل اور حقوق و فرائض سے آگاہ نہ کیا ہوتا اور ہر ایک کو راعی اور جواب دہ نہ بنایا ہوتا تو شاید آج کا انسانی معاشرہ بھی اسی دورِ جاہلیت کا عکاس ہوتا۔ انسان تہذیب سے نا آشنا ہوتا۔ ہر طرف ظلم و زیادتی اور نا انصافی کی حکمرانی ہوتی ـــ لیکن اسلام نے انسانیت و آدمیت پر وہ احسانِ عظیم کیا ہے کہ جس کے بارِ عظیم سے عالمِ انسانیت کا سر ہمیشہ جھکا رہے گا۔ لیکن تسلیمہ نسرین جیسی عورتوں کی بکواسوں و دریدہ دہنیوں کی روک تھام کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس اعتراض کا بھی جواب مدلل طور پر دے دیا جائے کہ پردہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے یہ اعتراض اگرچہ بڑا ہی نامعقول اور سراسر ناقابلِ اعتناء ہے پھر بھی اس اعتراض کا جواب قرآن و احادیث اور ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں دیا جا رہا ہے تاکہ ان آوارہ فکر اور کج فہم عورتوں کے لئے اپنی بے راہ روی، فحش نگاری، عریانیت، حرام کاری اور شنیع و قبیح حرکات و سکنات کے لئے مبہم سے مبہم جواز کی کوئی صورت باقی نہ رہے ـــ اس سلسلے میں ملتان پاکستان کی ایک باصلاحیت اور تعلیم یافتہ پردہ نشیں خاتون محترمہ پروین رضوی صاحبہ کا ایک مقالہ نقل کیا جا رہا ہے اس مقالہ کا عنوان ہے 'کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے'۔ یہ مقالہ پردہ کی اہمیت و افادیت کو کماحقہٗ اجاگر کرنے کے اعتبار سے بڑا ہی پرمغز وقیع اور قابلِ قدر ہے۔ اس مقالہ کو پڑھ کر ترقی کا اصل مفہوم بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے اور جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال اشخاص کے ذہن و دماغ پر پردہ و ترقی کے تعلق سے چھائی ہوئی دھند بھی چھٹ جانے کی توقع کی جاسکتی ہے ـــ تو پیش ہے محترمہ پروین صاحبہ کا معقولیت سے لبریز مقالہ۔

کیا پردہ خواتین کی ترقی میں رُکاوَٹ ہے؟

از : محترمہ پروین رضوی ملتان (پاکستان)

پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے یا نہیں؟ اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ پردہ ہے کیا چیز؟ کیونکہ اس کے بغیر ہم اس کی غرض اس کے فائدے اور اس کے نقصانات کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے بعد ہمیں طے کرنا چاہیئے کہ وہ ترقی کیا ہے جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اسے طے کئے بغیر ہم یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ پردہ اس میں حائل ہے یا نہیں۔

پردہ عربی زبان کے لفظ "حجاب" کا لفظی ترجمہ ہے جس چیز کو عربی میں حجاب کہتے ہیں اسی کو فارسی اور اردو میں پردہ کہتے ہیں۔ حجاب کا لفظ قرآن مجید کی اس آیت میں آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بے تکلف آنے جانے سے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اگر گھر کی خواتین سے کوئی چیز مانگنی ہو حجاب (پردے) کی اوٹ سے مانگا کرو۔ اسی حکم سے پردہ کے احکام کی ابتدا ہوئی، پھر جتنے احکام اس سلسلے میں آئے ان سب کے مجموعے کو احکام حجاب (پردے کے احکام) کہا جانے لگا۔

پردے کے احکام قرآن مجید کی چوبیسویں اور بینتیسویں سورت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں ان میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہیں اپنے حسن اور اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرتی پھریں جس طرح زمانہ جاہلیت کی عورتیں کرتی تھیں۔ گھروں کے باہر نکلنا ہو تو اپنے اوپر ایک چادر ڈال کر نکلیں اور بجنے والے زیور پہن کر نہ نکلیں۔ گھروں کے اندر بھی محرم اور غیر محرم مردوں کے درمیان امتیاز کریں۔ محرم مردوں اور گھر کے خادموں اور اپنے میل جول کی عورتوں کے سوا کسی کے سامنے زینت کے ساتھ نہ آئیں: زینت کے معنی وہی ہیں جو ہماری زبان میں آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگار کے ہیں۔ اس میں خوشنما لباس زیور اور میک اپ تینوں چیزیں شامل ہیں) پھر محرم مردوں کے سامنے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنی کے آنچل ڈال کر رکھیں اور اپنا سر چھپائیں۔ گھر کے مردوں کو ہدایت کی گئی کہ ماں بہنوں کے پاس بھی آئیں تو اجازت لے کر آئیں تاکہ اچانک ان کی نگاہ ایسی حالت میں نہ پڑے جب کہ جسم کا کوئی حصہ کھولے ہوئے ہوں۔

یہ احکام ہیں جو قرآن حکیم میں دئے گئے ہیں اور انھیں کا نام پردہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشریح فرماتے ہوئے بتایا کہ عورت کا ستر چہرے، کلائی کے جوڑ تک، ہاتھ اور ٹخنے تک پاؤں، کے سوا اس کا پورا جسم ہے۔ جسے باپ اور بھائی تک سے چھپا کر رکھنا چاہیے اور ایسے باریک اور چست کپڑے نہ پہننے چاہئیں جن کے اندر سے جسم نمایاں ہو۔ نیز حضور نے محرم مردوں کے سوا کسی اور مرد کے ساتھ تنہا رہنے سے عورتوں کو منع فرمایا۔ آپ نے عورتوں کو اس بات سے بھی منع فرمایا کہ وہ گھر سے باہر خوشبو لگا کر نہ نکلیں، مسجد کے اندر نماز با جماعت میں آپ نے عورتوں اور مردوں کے لئے الگ الگ جگہ مقرر فرما دی تھی اور اس بات کی اجازت نہ تھی کہ عورت مرد مل کر سب ایک صف میں نماز پڑھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اور سب مرد اُس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک عورتیں نہ چلی جائیں۔

یہ احکام جس کا جی چاہے قرآن مجید کی سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں اور حدیث کی مستند کتابوں میں دیکھ سکتا ہے آج جس چیز کو ہم پردہ کہتے ہیں چاہے عملی طور پر افراط و تفریط ہو لیکن اصول اور قاعدے سب وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک کی مسلم سوسائٹی میں جاری کئے تھے، اگرچہ میں خدا اور رسول کا نام لے کر کسی کا منہ بند کرنا نہیں چاہتی مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ آج ہمارے اندر یہ آواز اٹھنا کہ پردہ ہماری ترقی میں رکاوٹ ہے: ہماری دورخی ذہنیت کی کھلی علامت ہے۔ یہ آواز خدا اور رسول کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ہے اور اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ خدا اور رسول نے ہماری ترقی کے راستے میں روڑے اٹکائے ہیں، اگر واقعی ہم ایسا سمجھتے ہیں تو آخر ہم کیوں خواہ مخواہ مسلمان بنے ہوئے ہیں اور کیوں اس خدا اور رسول کو ماننے سے انکار نہیں کر دیتے جنھوں نے ہم پر ایسا ظلم کیا ہے؟ اس سوال سے یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا خدا اور رسول نے پردے کا حکم ہی نہیں دیا ہے۔

میں ابھی عرض کر چکی ہوں کہ پردہ کس چیز کا نام ہے اور اس کے تفصیلی احکام جس کا جی چاہے قرآن مجید اور احادیث کی مستند کتب میں نکال کر دیکھ سکتا ہے۔ حدیث کی صحت سے کسی کو انکار تک بھی نہیں ہے قرآن کے کھلے کھلے احکام کو آخر وہ کہاں چھپائے گا؟

پردے کے احکام جو اسلام نے ہم کو دئے ہیں ان پر تھوڑا سا بھی غور کیجئے تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان کے تین بڑے مقصد ہیں اول یہ کہ عورتوں اور مردوں کے اخلاق کی حفاظت کی جائے اور ان خرابیوں کا دروازہ بند کیا جائے جو مخلوط سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول سے پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں اور مردوں کا دائرہ عمل الگ کیا جائے تاکہ فطرت نے جو فرائض عورت کے سپرد کیے ہیں انھیں وہ سکون کے ساتھ انجام دے سکے اور جو خدمات مرد کے سپرد ہیں انھیں وہ اطمینان کے ساتھ بجالاسکے۔ تیسرے یہ کہ گھر اور خاندان کے نظام کو مضبوط اور محفوظ کیا جاسکے جس کی اہمیت زندگی کے دوسرے نظاموں سے کچھ کم نہیں بلکہ کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ پردے کے بغیر جن لوگوں نے گھر اور خاندان کے نظام کو محفوظ کیا ہے انھوں نے عورت کو غلام بنا کر تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اور جنھوں نے عورت کو اس کے حقوق دینے کے ساتھ پردے کی پابندیاں بھی نہیں رکھی ہیں ان کے ہاں گھر اور خاندان کا نظام بکھر گیا ہے اور روز بروز بکھرتا چلا جارہا ہے۔ اسلام عورت کو پورے حقوق بھی دیتا ہے اور اس کے ساتھ گھر کے اور خاندان کے نظام کو بھی محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ پردے کے احکام اس کی حفاظت کے لیے موجود نہ ہوں۔

خواتین وحضرات! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ٹھنڈے دل سے ان مقاصد پر غور کریں۔ اخلاق کا مسئلہ کسی کی نگاہ میں اہمیت نہ رکھتا ہو تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں مگر جس کی نگاہ میں اس کی اہمیت ہو اسے سوچنا چاہیئے کہ مخلوط سوسائٹی میں جہاں بن سنور کر عورتیں آزادانہ پھریں اور زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے ساتھ کام کریں وہاں اخلاق بگڑنے سے کیسے بچ سکتے ہیں اور کب تک بچے رہ سکتے ہیں؟ ہمارے اپنے ملک میں یہ صورت حال جتنی بڑھتی جارہی ہے جنسی جرائم بھی بڑھتے جارہے ہیں اور ان کی خبریں آپ آئے دن اخبارات میں پڑھ رہے ہیں یہ کہنا کہ ان خرابیوں کا اصل سبب پردہ ہے جب پردہ نہ رہے گا تو لوگوں کا دل عورتوں سے بھر جائے گا بالکل غلط ہے جہاں پوری بے پردگی تھی وہاں لوگوں کے دل نہ بھرے اور ان کی خواہشات کے تقاضوں نے عریانی تک نوبت پہنچائی پھر عریانی سے دل نہ بھرے اور کھلی کھلی آوارگی تک نوبت پہنچائی اور اب جنسی آوارگی کے کھلے لائسنس سے بھی دل نہیں بھرے اور آج بھی کثرت سے جنسی جرائم ہو رہے ہیں جن کی رپورٹیں امریکہ، انگلستان، اور دوسرے ممالک کے اخبارات میں آتی رہتی ہیں، کیا یہ کوئی قابل اطمینان حالت ہے؟ یہ صرف اخلاق ہی کا سوال تو نہیں ہے، ہماری پوری تہذیب کا سوال ہے مخلوط سوسائٹی جتنی بڑھ رہی ہے عورتوں کے بناؤ سنگار کے اخراجات بھی بڑھ رہے ہیں اس کے لئے جائز آمدنیاں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں، نتیجہ یہ کہ ہر طرف رشوت غبن اور دوسری حرام خوریاں بڑھتی جارہی ہیں۔ حرام خوریوں نے ہماری ریاست کے پورے نظام کو گھن لگا دیا ہے۔ اور کوئی قانون ٹھیک طرح سے نافذ ہونے نہیں پاتا۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جن کو اپنی خواہشات کے معاملات میں ڈسپلن کی عادت نہ ہو وہ دوسرے کس معاملہ میں ڈسپلن کے عادی ہو سکتے ہیں؟ جو شخص اپنے گھر کی زندگی میں وفادار نہ ہو اس سے اپنی قوم اور ملک کے

معاملے میں وفاداری کی توقع کہاں تک کی جاسکتی ہے؟

عورت اور مرد کا دائرہ عمل الگ الگ کرنا خود فطرت کا تقاضہ ہے۔ فطرت نے ماں بننے کی خدمت عورت کے سپرد کر کے آپ ہی بتا دیا ہے کہ اس کے کام کی اصل جگہ کہاں ہے؟ اور باپ بننے کا فرض مرد کے ذمہ ڈال کر خود اشارہ کر دیا ہے کہ اسے کن کاموں کے لیے مادری کے بھاری بوجھ سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ دونوں قسم کی خدمات کے لیے عورت اور مرد کو الگ الگ جسم دیے گئے ہیں، الگ الگ قوتیں دی گئی ہیں الگ الگ صفات دی گئی ہیں الگ الگ نفسیات دی گئی ہیں، فطرت نے جسے ماں بننے کے لیے پیدا کیا ہے اسے صبر و تحمل بخشا ہے، اس کے مزاج میں نرمی پیدا کی ہے، اسے وہ چیز دی ہے جسے ممتا کہتے ہیں وہ ایسی نہ ہوتی تو ہم آپ پل کر بخیریت جوان نہ ہو سکتے تھے، یہ کام جس کے ذمہ ڈالا گیا ہے اس کے لیے وہ کام موزوں نہیں ہیں جن کے لیے سختی اور سخت مزاجی کی ضرورت ہے وہ کام ای کے لیے موزوں ہیں جسے ماں بننے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ اور جسے ان بھاری ذمہ داریوں سے آزاد رکھ گیا ہے جو ماں بننے کا لازمہ ہیں۔ آپ اس تقسیم کو مٹانا چاہتے ہیں تو فیصلہ کر لیجئے کہ اب دنیا کو ماؤں کی ضرورت نہیں ہے تھوڑی ہی مدت نہ گزرے گی کہ انسانیت ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے بغیر ہی ختم ہو جائے۔

لیکن اگر یہ فیصلہ بھی آپ نہیں کرتے اور اس تقسیم کو بھی مٹانا چاہتے ہیں تو یہ عورت کے ساتھ بڑی ناانصافی ہے کہ وہ اس پورے بوجھ کو بھی اٹھائے جو فطرت نے ماں بننے کے سلسلے میں اس پر ڈالا ہے اور جس میں مرد ایک رتی برابر بھی اس کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا ———— اور پھر وہ مرد کے ساتھ آ کر سیاست اور تجارت اور صنعت و حرفت اور لڑائی دنگے کے کاموں میں بھی برابر کا حصہ لے۔ خدا کے لیے ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے انسانیت کی خدمت میں آدھا حصہ تو وہ ہے جسے پورے کا پورا عورت سنبھالتی ہے کوئی مرد اس میں ذرہ برابر بھی اس کا بوجھ نہیں بٹا سکتا باقی آدھے میں سے آپ کہتے ہیں کہ آدھا بار اس کا بھی عورت اٹھائے گویا تین چوتھائی عورت کے ذمہ پڑا اور مرد کے ذمہ ایک چوتھائی۔ کیا یہ انصاف ہے؟

عورت اس ظلم کو خوشی خوشی برداشت کرنے بلکہ لڑ جھگڑ کر اپنے اوپر لینے کے لیے اس وجہ سے مجبور ہوئی کہ آپ نے، عورت ہوتے ہوئے اور عورت کی جگہ کام کرتے ہوئے اسے عزت دینے سے انکار کر دیا آپ نے بچوں والی کا مذاق اڑایا۔ آپ نے گھر کی گرہستن کو ذلیل قرار دیا۔ آپ نے ان ساری خدمات کو گھٹیا درجہ دیا۔ جو وہ خاندان میں انجام دیتی تھی اور جن کی انجام دہی آپ کی سیاست، معیشت اور جنگ سے کچھ کم ضروری یا مفید نہ تھی مجبوراً وہ غریب عزت اور قدر و منزلت کی تلاش میں ان کاموں کے لیے آمادہ ہو گئی جو مرد کے کرنے کے تھے۔ کیونکہ مرد بنے بغیر اور مردانہ خدمات انجام دیے بغیر آپ اسے عزت دینے کو تیار نہ تھے۔

اسلام نے اس پر یہ مہربانی کی تھی کہ عورت رہتے ہوئے اور زنانہ خدمت ہی انجام دیتے ہوئے اس نے اسے پوری عزت مرد کے برابر بلکہ ماں ہونے کی حیثیت سے مرد سے کچھ بڑھ کر دی تھی۔

اب آپ کہتے ہیں کہ یہ چیز "ترقی" میں حائل ہے۔ آپ کو اصرار ہے کہ عورت ماں بھی بنے اور مجسٹریٹ بھی، اور پھر ناچ گا کر مردوں کا دل سہلانے کے لیے بھی وقت نکالے، آپ اس پر اتنا بوجھ ڈالتے ہیں کہ وہ کسی خدمت کو بھی کلی اور بخوبی انجام نہیں دے سکتی۔ آپ اسے وہ کام دیتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا نہیں کی گئی آپ اسے اس میدان میں کھینچ لاتے ہیں

جہاں وہ مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی جہاں مرد اس سے آگے رہے گا، جہاں عورت کو اگر داد ملے گی تو وہ نسوانیت کی رعایت سے ملے گی یا پھر کمال کی نہیں جمال کی ملے گی۔ یہ آپ کے نزدیک "ترقی" کے لیے ضروری ہے۔

گھر اور خاندان جن کی اہمیت کو آپ "ترقی" کے جوش میں بھول گئے ہیں دراصل یہ وہ کارخانے ہیں جہاں انسان تیار ہوتے ہیں یہ کارخانے جوتے اور پستول بنانے کی نسبت کچھ کم ضروری تو نہیں ان کارخانوں کے لیے جن صفات نفسیات اور قابلیتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ فطرت نے سب سے بڑھ کر عورت کو دی ہیں ان کو چلانے کے لیے جن خدمات، محنتوں اور مشقتوں کی ضرورت ہے ان کا زیادہ سے زیادہ بوجھ فطرت نے عورت ہی پر ڈالا ہے اور ان کارخانوں میں کرنے کے کام بہت ہیں کوئی فرض شناسی کے ساتھ ان کاموں کو کرنا چاہے، جیسا کہ ان کا حق ہے تو اسے سر کھجانے کی فرصت نہ ملے، پھر ان کو جتنی زیادہ قابلیت، سلیقے اور دانش مندی کے ساتھ چلایا جائے اتنے ہی اعلیٰ درجے کے انسان تیار ہو سکتے ہیں۔

اس کے لیے عورت کو زیادہ سے زیادہ عمدہ تعلیم و تربیت دینے کی ضرورت ہے ان کارخانوں کو سکون و اطمینان اور اعتماد کے ساتھ چلانے کے لیے اسلام نے پردہ کا ڈسپلن قائم کیا تھا تاکہ عورت یہاں پوری دل جمعی کے ساتھ اپنا کام کر سکے اور اس کی توجہ غلط سمتوں میں نہ بٹے۔ اور مرد بھی پوری طرح مطمئن ہو کر زندگی کے اس شعبے کو اس کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا آپ ترقی کی خاطر اس ڈسپلن کو ختم کر دینا چاہتے ہیں! اس کے ختم ہو جانے کے بعد دو کاموں میں سے ایک کام آپ کو بہرحال کرنا ہوگا یا عورت کو ہندو تہذیب اور پرانی عیسائی اور یہودی تہذیب کی پیروی کر کے غلام بنا دیجئے تاکہ خاندانی نظام بکھرنے نہ پائے یا پھر اس کے لیے تیار ہو جائیے کہ انسان بنانے کے کارخانے تباہ و برباد ہو کر جوتے اور پستول بنانے کے کارخانے آباد ہوں۔ میں آپ سے صاف کہتی ہوں کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ اسلام جو مکمل قانونی اور معاشی حقوق عورت کو دیتا ہے برقرار رکھتے ہوئے آپ اسلام کے قائم کردہ ڈسپلن کو توڑ دیں اور آپ کا خاندانی نظام تباہ ہونے سے بچا رہ جائے۔ لہٰذا ترقی کا جو معیار بھی آپ کے سامنے ہو اسے نگاہ میں رکھ کر سوچ لیجئے کہ آپ کیا کھونا چاہتے ہیں اور پانا کیا چاہتے ہیں۔

"ترقی" بہت ہی وسیع لفظ ہے اس کا کوئی ایک مقرر مفہوم نہیں ہے۔ مسلمان ایک زمانہ میں خلیج بنگال سے لے کر اٹلانٹک تک حکمراں رہے ہیں۔ سائنس اور فلسفہ میں وہ دنیا کے استاذ تھے۔ تہذیب و تمدن کوئی دوسری قوم ان کی ہمسر نہ تھی معلوم نہیں اس چیز کا نام کسی لغت میں ترقی ہے یا نہیں؟ اگر یہ ترقی تھی تو میں عرض کروں گی کہ یہ ترقی اس معاشرے نے کی تھی جس میں پردے کا رواج تھا۔ اسلامی تاریخ بڑے بڑے اولیا، مدبرین، علماء، حکماء، مصنفین اور فاتحین کے ناموں سے بھری پڑی ہے۔ یہ عظیم الشان جاہل ماؤں کی گودوں میں پل کر تو نہیں نکلے تھے۔ خود عورتوں میں بھی بڑی بڑی عالم و فاضل خواتین کے نام ہم کو اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں۔ وہ علوم و فنون اور ادب میں کمال رکھتی تھیں۔ پردے نے اس ترقی سے مسلمانوں کو نہیں روکا تھا آج بھی اسی طرز کی ترقی ہم کرنا چاہیں تو پردہ ہمیں اس سے نہیں روکتا۔ البتہ اگر کسی کے نزدیک "ترقی" بس وہی ہو جو اہل مغرب نے کی ہے تو بلاشبہ اس میں پردہ بری طرح حائل ہے، پردے کے ساتھ وہ ترقی یقیناً ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی، مگر یہ بات نہ بھول جائیے کہ مغرب نے یہ ترقی اخلاقی اور خاندانی نظام کو خطرہ میں ڈال کر کی ہے وہ عورت کو اس کے دائرہ عمل سے نکال کر مرد کے دائرہ عمل میں لے آیا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے دفتر اور کارخانے چلانے کے لئے دگنے ہاتھ تو حاصل کر لیے اور بظاہر بڑی ترقی کر لی مگر گھر اور خاندان کا سکون کھو دیا۔ اور آج بھی وہاں اگر گھر آباد ہیں تو صرف گھر گرہستن

عورتوں کی بدولت ہی آباد ہیں۔ مردوں کے ساتھ کمانے والی عورتیں کہیں بھی گھر کا نظام نہیں چلا رہیں اور نہ چلا سکتی ہیں۔ ان کے نکاح آج طلاقوں پر ختم ہو رہے ہیں ان کے بچے تباہ ہو رہے ہیں ان کے لیے ٹھکانہ اگر ہے تو کلب میں ہے یا ہوٹل میں ہے۔ گھر ان کے لیے سکون کی جنت نہیں رہے اور اپنی جگہ لینے کے لیے بہتر انسان تیار کرنے کا کام انھوں نے چھوڑ دیا ہے اس ترقی پر کوئی ریجھتا ہے تو ریجھے۔

حوالہ جات

۱۔ اخبار "العالم الاسلامی" مکۃ المکرمہ۔ اگست ۱۹۹۴ء

۲۔ ہفت روزہ راشٹریہ سہارا" دہلی۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء

۳۔ ہفت روزہ "نئی دنیا" دہلی۔ ۳۱ مئی ۱۹۹۴ء

۴۔ ایضاً " " " "

۵۔ ہفت روزہ "جریدہ ٹائمز" دہلی۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء

۶۔ ماہنامہ" انشار کلکتہ۔ جولائی۔ اگست ۱۹۹۴ء

۷۔ ایضاً " " "

۸۔ رشتۂ ازدواج اسلام کی روشنی میں" مولانا محمد احمد مصباحی ص ۴تا۸۔

۹۔ ایضاً " " " " " " " ص ۵تا۶

۱۰۔ ایضاً " " " " " " " ص ۹تا۱۲

۱۱۔ ایضاً " " " " " " " ص ۱۲تا۱۴

تحفظِ عقائد نمبر

نسیم شاہجہاں پوری

اب ایسا نہ چھپ سکے گا قائد نمبر	چھاپیں تو۔ مدیرانِ جرائد نمبر
احسان مدیرِ استقامت کا ہے	بے مثل "تحفظِ عقائد نمبر"

مرتدہ تسلیمہ نسرین کے ملحدانہ نظریات کا جواب

محمد عربی ﷺ کے احسانات طبقۂ نسواں پر

کسی قوم کی تہذیب و تمدن اور ترقی کا حال معلوم کرنا ہو تو دیکھو کہ اس کے معاشرہ میں عورت کا درجہ کیا ہے۔ بہترین معیار یہی ہے۔ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے۔ عورت ساری دنیا میں محکوم تھی اور کمتر ین سمجھی جاتی تھی، وہ بہت سے قانونی حقوق سے محروم تھی۔ بہت وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس وقت جن مذاہب و قوانین کا دور دورہ تھا ان کی رو سے عورت مردوں کی اس قدر محکوم تھی کہ مذہبی امور تک میں حصہ لینا اس کے لئے ممنوع تھا۔ عورت ان کے نزدیک سرچشمہ گناہ تھی عرب کی عورتوں کا حال بھی دوسرے ملکوں کی عورتوں سے کچھ بہتر نہ تھا بلکہ مقابلۃً بدتر ہی تھا۔ اس کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھی کہ مردوں کی تسکین ہوس کا ایک ذریعہ تھی، اس کا کام صرف یہ تھا کہ قبیلے کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے جفاکش سپاہی پیدا کرتی ہے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج بھی مفاخرت کے اسی جھوٹے تصور کا پیدا کردہ تھا۔ زناکاری پر بے حیائی کے ساتھ عمل تھا۔ ان گنت بیویاں رکھنا بھی عام تھا۔ اور اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ عورت کو حقوق مطلقاً حاصل نہ تھے۔ وہ کسی جائیداد کی وارث تک نہ ہو سکتی تھی، بلکہ وہ خود بھی جائداد کا ایک حصہ تھی کہ جب اس کا شوہر مر جاتا تو وہ شوہر کے بیٹے اور جانشین کے حصہ میں جائداد کی طرح منتقل ہو جاتی، اور وہ اس کی مرضی کے خلاف اپنی بیوی بنا لینے کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جو خداوند تعالیٰ کی جانب سے آپ نے انسانیت کو پہنچائیں۔ ان تمام باتوں کا یکسر خاتمہ کر دیا اور اس طرح سے بدقماشی اور ناپاکی کا خاتمہ ہوا۔ قرآن حکیم نے واضح طور سے اعلان کیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں "نفس واحدہ" سے پیدا کئے گئے ہیں۔

> اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کا علم رکھتا ہے۔ (آل عمران ۴)

اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے

بیویاں بنائیں اور پھر ان بیویوں سے تمہارے
لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو اچھی اچھی
چیزیں کھانے (پینے) کو دیں، کیا پھر بھی
بے بنیاد چیز پر ایمان رکھو گے اور اللہ تعالیٰ کی
نعمت کی ناشکری کرتے رہو گے۔ (النحل ۷۲)

خداوند تعالیٰ کی نظر میں عورت اور مرد مساوی سطح پر ہیں
نیکوکاری کے معاملے میں بھی اور اس کی جزا اور انعام کے معاملے میں
بھی قرآن حکیم میں اس پر بار بار زور دیا گیا ہے۔

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا
عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو ہم اس شخص کو
(دنیا میں) آس کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا
اجر دیں گے۔ (النحل ۹۷)

(جہاں جزا کا یہ قانون ہے) کہ جو شخص گناہ کرتا ہے
اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام
کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے
لوگ جنت میں جائیں گے (اور) وہاں بے حساب
ان کو لطف ملے گا۔ (المومن ۴۰)

اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو
یا عورت بشرطیکہ مومن ہو، سو ایسے لوگ جنت میں
داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔
(النساء ۱۲۴)

بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام
کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد
اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے
والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں
اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں
اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع
کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد
اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے
والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی
شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت
کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے
والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب
کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار
کر رکھا ہے۔ (الاحزاب ۳۵)

سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب
نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ
تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ
مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے
جز ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے
گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دی گئیں
میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گئے میں ضرور
ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا۔
اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا
جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملے گا
اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض
ہے۔ (آل عمران ۱۹۵)

اسلام کے مذہبی فرائض عورتوں اور مردوں دونوں
پر یکساں عائد ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے تو احکام میں عورتوں
کو رعایت بھی دی ہے اور بعض ایسے فرائض سے ان کو مستثنیٰ
کیا گیا ہے جن کی بجا آوری مردوں پر لازمی ہے۔ مسلمان عورت
ایام ... کے زمانے میں نماز اور روزے سے مستثنیٰ ہے۔ عیدگاہ
جانا یا جمعہ کی نماز کے لئے مسجدوں میں پہنچنا بھی اس کے لئے ضروری
نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ عورت
شیطان کا آلۂ کار نہیں بر عکس شیطان (یورش) کے خلاف
وہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

فرما کر تو عورت کو انتہائی اعزاز کا مرتبہ عطا کیا کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے"۔

روایت ہے کہ جب ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ واجب الاحترام اور حقدار کون ہے جس کی خدمت بھی اور حصول ثواب کی نیت سے کی جائے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری ماں"۔ صحابی نے پوچھا: "ماں کے بعد؟" رسول اللہ نے پھر یہی فرمایا کہ "تمہاری ماں" حتیٰ کہ تیسری مرتبہ کے بعد چوتھی بار جب صحابی نے یہی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا باپ"۔ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کی حیثیت بیٹوں اور بیٹیوں کی نظر میں باپ سے تین گنی ہونی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا معیار بھی بلند کر دیا۔ اور اپنے پیروؤں کو اس کی تاکید کی، فرمایا کہ "نکاح میری سنت ہے۔ جو شخص میری سنت سے منحرف ہو وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرا پیرو نہیں ہے)" اور پھر یہ بھی فرمایا کہ "جس نے نکاح کر لیا اس نے نصف مذہب کی تکمیل کی"۔

نکاح اور بیوی کے مرتبے کو رفعت بخشی گئی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے۔

"اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں"۔
(الروم ۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کی محبت اور احترام کی بار بار تاکید کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں"۔

اور فرمایا:

"ایک مسلمان اپنی بیوی کے حق میں جتنا رحم دل اور مہذب ہوگا اتنا ہی وہ اپنے ایمان میں کامل ہوگا"۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ:

"کسی مسلمان کو اپنی بیوی سے نفرت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یادگار خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی تفصیل سے عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور خاص طور پر یہ کہا کہ:

"اپنی بیوی سے شفقت اور محبت کا سلوک کرو۔ تم نے اللہ کی ضمانت پر ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان سے بہتر سلوک کرو"۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا وہ رواج جو اسلام سے پہلے تھا اس کی سخت مذمت کی گئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اپنی لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ چاہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

"قیامت کے دن وہ لڑکیاں جن کو زندہ دفن کیا گیا تھا اپنے قاتلوں کے خلاف گواہی دیں گی۔ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ کس جرم میں قتل کی گئی تھیں"۔ (التکویر ۸، ۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو۔ کیوں کہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بھاری گناہ ہے۔" (بنی اسرائیل ۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں سے ترجیحی سلوک کی ہدایت فرمائی اور کہا کہ:

"جب تم اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کے لئے کچھ لاؤ تو بیٹیوں سے شروع کرو کیونکہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں اپنے والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں"۔

یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس کے کوئی لڑکی ہے اور اس نے زندہ دفن اس کو نہیں کیا، نہ غیر منصفانہ سلوک اس کے ساتھ کیا

...نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔"

ظہور اسلام سے پہلے قانون نے مرد سے علیٰحدہ عورت کو آزاد حیثیت کوئی نہ دی تھی مگر اسلام نے اس کو مردوں کی طرح قانون اور معاملات میں مساوی حقوق عطا کئے۔ قرآن حکیم میں ہے:

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک، اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔ اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں۔ اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے جو عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہے۔ (البقرہ ۲۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ:

"طلب علم ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔"

مغربی قوانین نے شادی شدہ عورت کو ذاتی املاک خریدنے اور بیچنے کا حق جواب دیا ہے۔ اسلام نے یہ آزاد حیثیت بہت پہلے عطا کی ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (النساء ۳۲)

"ہیرے گراہاٹس" نے جو مصر کی مخلوط ٹربیونل کا سابق امریکی جج تھا اپنے ایک مقالہ میں جس کا عنوان ہے "محمد نے عورت کے لئے کیا کیا" یہ اعتراف کیا ہے کہ حقوق نسواں کے سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شاندار کارنامہ وہ حق ملکیت ہے جو انھوں نے اپنی اُمت کی بیویوں کو عطا کیا۔ قانونی درجہ عورت کا بالکل وہی ہے جو اس کے شوہر کا ہے۔ جہاں تک ایک مسلمان بیوی کے حق ملکیت کا تعلق ہے، اس کو وہی آزادی حاصل ہے جو کسی پرندے کو پرواز کی حاصل ہے۔ قانون اس کی اجازت دیتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی رائے لئے بغیر اپنے مال و متاع کو جس طرح چاہے صرف کرے یا ٹھکانے لگا دے۔

قرآن حکیم کی بعض آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر بعض اوقات اس طرح بھی کی گئی ہے جس سے مساوات کا انکار ہوتا ہے اور مردوں کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن گہرا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ بظاہر کتنی ہی غیر مساوی صورت نظر آئے۔ درحقیقت اسلام نے عورت کے مکمل حقوق کی ضمانت دی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

..... اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلے میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ (البقرہ ۲۲۸)

یہ فرق جو دونوں صنفوں میں ہے، وہ اُن کے حقوق کے بنیادی اختلافات کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ تو اس فرق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو معاشی مرتبے میں ان کے درمیان تھا عملی طور پر عورت کو وہ سماجی مواقع حاصل نہیں جو مردوں کو تجربات، اختراعات اور معلومات عامہ کے سلسلے میں حاصل ہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی طور پر عورتوں کا انحصار مردوں پر ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو مردوں کو ایک طرح کی برتری اور ذمہ داری عطا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے مردوں نے اپنے مال خرچ

کرتے ہیں، سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں۔ مردوں کی عدم موجودگی میں بحفاظت اپنی نگہداشت کرتی ہیں، اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بدد ماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والا ہے۔

(النساء ۳۴)

اس آیت میں جو لفظ "قوامون" ہے۔ اس سے مراد سرپرستی، نگہداشت اور اعانت وکفالت کا فریضہ ہے۔ یہ آیت اس شخص کا تذکرہ کر رہی ہے جو کسی دوسرے مشغلے میں پوری طرح لگا ہوا ہو، اپنے مفادات کا تحفظ کر رہا ہو، اور اپنے معاملات کی دیکھ بھال میں مصروف ہو، یہی لفظ دوسری جگہ قرآن حکیم میں یوں استعمال ہوا ہے کہ:

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو گرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ وہ شخص اگر امیر ہے تو، اور غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے، سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرو، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ (النساء ۱۳۵)

چنانچہ قرآن حکیم کی ان آیتوں میں مردوں کو عورتوں کے حقوق پامال کرنے کے بجائے ایک ذمہ داری سونپی گئی ہے ایک فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کے محافظ رہیں، حتیٰ کہ مردوں کے مفادات کے خلاف بھی، تاکہ عورتوں کے لئے مراعات اور انصاف کی ضمانت ہو۔ یہ ہے قوامون کا مفہوم۔

وراثت کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کا یہ قانون ہے کہ عورتوں کا حصہ مردوں کے مقابلہ میں نصف ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی یہ آیت دیکھیے:

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر، اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ مرا ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکے میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کے کچھ اولاد ہو، اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے، اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جاوے یا دین کے بعد تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے۔ یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا۔ بالیقین اللہ تعالیٰ بڑا علم اور حکمت والا ہے

(النساء ۱۱)

عورتوں کی اس قانونی حصہ داری میں بظاہر جو عدم مساوات سی نظر آتی ہے اس کی تشریح ڈاکٹر محمد اقبال نے یوں کی ہے:

لڑکی کا یہ حصہ اس کی کسی فطری کمتری کی بنا پر

نہیں بلکہ اس کے معاشی مواقع کے پیش نظر ہے اور اس مقام کی وجہ سے جو اپنے معاشرے کے نظام میں اس کو حاصل ہے "محمڈن لا" کے مطابق لڑکی اس جائداد کی پوری طرح مالک تصور کی گئی ہے جو اس کو شادی کے وقت باپ کی طرف سے بھی ملتی ہے اور شوہر کی طرف سے بھی، مزید برآں مہر بھی کلیتہً اسی کی ملکیت ہوتا ہے جو خود اس کی مرضی کے مطابق معجل ہو یا موجل اتنا ہی نہیں بلکہ مہر کی ادائیگی تک وہ اپنے شوہر کی ساری ہی جائداد اپنے قبضہ میں رکھ سکتی ہے ساری عمر کی کفالت کی ذمہ داری بھی (شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد) شوہر پر ہے۔ اگر آپ اس زاویہ نظر سے قانون وراثت کے عمل کو دیکھیں تو آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کے معاشی مرتبے میں کوئی مادی تفاوت نظر نہیں آئے گا بلکہ حق توجہ کہ وراثت کی حصہ داری میں بظاہر غیر مساوی نظر آنے والی یہ صورت ہی اصل میں قانونی مساوات مہیا کرتی ہے۔ (اسلام کی مذہبی فکر کی تشکیل جدید ص ۱۹۲، ۱۹۱)

اسلام نے مرنے والے مسلمان کی جائداد میں اس کی بیوی اور بیٹیوں کا متعین حصہ رکھا ہے اور یہ انتظام کیا ہے کہ اگر جائداد میں کسی قسم کا تصرف بھی ہو تو یہ اپنے قانونی حقوق سے محروم نہ ہونے پائیں۔ قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

> مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو، حصہ قطعی (النساء ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق نکاح دراصل ویسا ہی ایک معاہدہ ہے جیسے دوسرے معاہدات دو افراد میں ہوتے ہیں۔ جہاں تک معاہدہ کی شرائط کا تعلق ہے عورت مرد دونوں شرکاء ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں اور ہر شریک کے فرائض ہیں اور حقوق بھی۔ اسلام ہر معاہدے میں عدل وانصاف کی تاکید کرتا ہے۔ معاہدہ نکاح میں بھی عدل وانصاف پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ابغض المباحات ہے (جس کی اجازت بحالت مجبوری دی گئی ہے۔) چونکہ شوہر ہی کفالت کا ذمہ دار اور گھر کا نگران ہوتا ہے اس لئے اس کو یہ حق دیا گیا ہے کہ مجبوری یا ضرورت ہو تو معاہدہ نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، لیکن اس کی اجازت بھی اسی وقت ہے جب وہ بیوی اور بچوں کا انتظام کر دے۔ مہر اور اخراجات کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائے۔ اس کو اپنا یہ حق طلاق استعمال کرکے بیوی کو نقصان نہیں پہونچانا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس سلسلہ میں نہ تو کوئی نقصان پہنچایا جائے نہ باہم نقصان پہونچانے کی کوئی نیت ہو۔"

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ طلاق صرف بوقت ضرورت دی جاتی ہے۔ بیوی کو بھی طلاق حاصل کرنے کا حق حاصل ہے وہ خلع حاصل کر سکتی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ:

> وہ طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (ہی) جو تم نے ان کو مہر میں دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ ضوابط خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا

اور جو شخص خدائی ضابطوں سے بالکل باہر نکل جائے سو ایسے لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ (البقرہ ۲۲۹)

حدیث میں بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ جو ثابت بن قیس کی بیوی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہاں تک ثابت بن قیس کا تعلق ہے میں ان کے کردار اور تقویٰ پر کوئی الزام نہیں دھر سکتی لیکن میں اسلام میں احسان فراموشی کو پسند نہیں کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم وہ باغ واپس کر دینے پر آمادہ ہو جو ثابت نے تمہیں دیا ہے؟ جمیلہ نے کہا: جی ہاں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دے دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدد ازدواج کو جبراً نافذ نہیں کیا۔ تعدد ازدواج قبل اسلام سے رائج تھا اور اس کی کوئی حد بھی مقرر نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدید نافذ کی اور کئی بیویوں کی اجازت اس وجہ سے دی کہ ان عورتوں کی کفالت ہو سکے جن کے باپ یا شوہر جنگوں میں کام آگئے ہوں۔ قرآن حکیم نے بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ سب کے ساتھ مساویانہ اور منصفانہ سلوک کیا جائے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں اور چار چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔ (النساء ۳)

معاہدہ نکاح کی شرائط، شرکاء معاہدہ کے طے کرنے کے ہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق۔ اگر شوہروں کو اجازت ہے کہ مجبوری کے وقت وہ اپنا حق طلاق استعمال کریں تو بیویاں بھی حقدار ہیں کہ اپنے مہر اور نفقے کا اپنی پسند کے مطابق تعین کریں نیز اپنے شوہروں سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار طلب کریں کہ جب ضرورت پڑے تو اس اختیار کو استعمال کر سکیں۔ اگر شادی کے وقت تمام امور کا پوری طرح لحاظ کر کے معاہدہ عمل میں آئے اور جانبین عملی طور پر ایک ہی سطح پر ہوں تو عورت کے لیے نقصان اٹھانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ:

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں۔ مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی، علاتی یا اخیافی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی، علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (طور پر) رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو، یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (النور ۳۱)

یہی پابندی مردوں پر بھی عائد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے کہ:
آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔
(النور ۳۰)

پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:
اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنی تھوڑی سی اپنی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کرے گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (احزاب ۵۹)

اس حکم کا مقصد عورت کی آزادی پر پابندی عائد کرنا نہیں تھا بلکہ اس وقت مدینہ میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر عورتوں کو چھیڑ چھاڑ اور دوسرے نقصانات سے بچانا مقصود تھا زمانۂ قدیم میں ایک خاص قسم کا لباس تھا جو عورت اور مرد دونوں کے لئے نشانِ عزت و امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً "آشوریہ" کے قدیم قانون نے شادی شدہ عورتوں کیلئے نقاب ضروری قرار دیا تھا اور لونڈیوں کو یا بدنام عورتوں کو نقاب کی ممانعت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے، اور قانونی طور پر عورت کو مردوں کے برابر حقوق عطا کئے ہیں۔ عدل کی تاکید کی ہے۔ خصوصی مراعات کی ہدایت کی ہے لہٰذا ان کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری مرد کے سر عائد کی ہے۔ مگر آج یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نہ صرف غلط استعمال ہوتا رہا بلکہ بعض اوقات تو سرے سے ان کو نظر انداز کیا گیا۔ مرد عورتوں کے محافظ بنائے گئے تھے مگر اس کے عوض وہی ان کے حق میں ظالم و جابر ہو گئے۔ آج بھی بہت سے ممالک میں "مسلم لا" پر عمل درآمد اس انداز سے ہو رہا ہے کہ حقوق نسواں کے معاملے میں مخالفانہ اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں پر مورد الزام مسلمان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور دین و شریعت اس سے بری ہیں۔ جو شخص اس سے واقف ہے کہ اسلام سے پہلے کی تمام قوموں نے کس طرح مردوں کو ترجیح دی اور عورتوں کو جانور بنائے رکھا، اور وہ مردوں کا محض کھلونا سمجھی گئیں۔ اور کس طرح بعض مذاہب نے مرد کو محض مرد ہونے کی وجہ سے فوقیت دی اور عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے کمتر سمجھا اور کہیں بعض قوموں نے عورت کو مذہبی ذمہ داری تک انجام دینے کے قابل نہ سمجھا، حتیٰ کہ یہ تصور کیا کہ وہ روح کی بھی حامل نہیں ہیں۔ ان تمام باتوں سے آگاہ ہونے کے بعد ہی وہ ان اصلاحات کی حقیقی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکتا ہے جو عورتوں کے معاملے میں اسلام نے کی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی عیاں ہو جائیگی کہ اہلِ یورپ کا یہ دعویٰ کتنا بڑا فریب ہے کہ عورتوں کو اعزاز و اکرام اور مساوات سب سے پہلے انھوں نے عطا کیا۔ یہ اولیت تو اسلام کو حاصل ہے، اسی نے عورتوں کو اعزاز و اکرام اور مساوات سے نوازا۔ اور اہلِ یورپ کے قوانین اور احکام مذہبی میں تو آج تک مرد کی برتری بدستور قائم ہے۔

یقین کیجئے عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق سے آشنا کرنے میں ساری کوتاہی مسلمانوں کی ہے اسلام کی نہیں، اور ہم تو یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہب کی ہدایات کو پورا کرنے سے اس قدر قاصر رہے ہیں کہ اب وہی اس کے خلاف ایک ثبوت بن کر رہ گئے ہیں

وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اسے محسوس کریں کہ اسلامی معاشرہ اس وقت تک سرسبز نہیں ہو سکتا جب تک عورت کو محکومی سے نجات نہیں ملتی اور جب تک وہ امتیاز ختم نہیں ہوتا جو بیچ میں حائل ہے اور معاشرے میں اسے پوری حریت احکام قرآنی کے مطابق حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:
"عورتیں ریاست کا ستون ہیں، اگر وہ اچھی ہیں تو ریاست بھی اچھی ہے۔ اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہوگی"

تسلیمہ نسرین کے لئے لمحہ فکریہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اہلبیت اطہار

متفق علیہ قول کے مطابق ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعی تعداد گیارہ ہے۔ جن میں چھ بیبیاں ایسی تھیں جن کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا۔ بقیہ چار عربیۃ النسل تھیں مگر قریشیہ نہ تھیں، اور ایک غیر عربیہ تھیں۔

سرکار جب اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو بلا اختلاف اس وقت نو بیبیاں باحیات تھیں اور دو آپ کی حیات انور ہی میں انتقال کر چکی تھیں چند بیبیوں کی مختصر سوانح ملاحظہ فرمائیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا۔ آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بی بی ہیں۔ آپ کا پہلا عقد ابو ہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا۔ پھر آپ کی شادی عتیق بن عائذ سے ہوئی بعدہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں عقد کے وقت سرکار کی عمر شریف پچیس برس کی تھی اور خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ سیدنا ابراہیم کے علاوہ سرکار کی سبھی اولاد حضرت خدیجہ سے ہیں۔

جب تک آپ باحیات رہیں سرکار نے کسی عورت سے عقد نہ فرمایا۔ حضرت خدیجہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ مرد و زن میں سب سے پہلے دولت ایمان سے مالا مال ہوئیں۔ ہجرت سے تین سال قبل آپ نے مکہ شریف میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انتقال کے وقت زمانۂ نبوت کے دس سال گزر چکے تھے۔ اندازہ کے مطابق آپ پینسٹھ سال تک زندگی کے نشیب و فراز سے دوچار رہیں۔ جس میں پچیس سالہ زندگی سرکار کے فیضان کرم اور دامن رحمت میں بسر ہوئی اس وقت جب کہ اسلام کا آغاز تھا۔ اپنی عظیم جانی و مالی خدمات سے اسلام کی مددگار اور سرکار کے تبلیغی مصائب میں ان کی غمگسار رہیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ اپنے چچا کے فرزند سکران بن عمرو کے عقد میں تھیں۔ آپ اپنے سابقہ شوہر سکران کے ساتھ بہت پہلے دولتِ ایمان سے سرفراز ہو چکی تھیں۔ سکران کی موت کے بعد ان کے نصیب نے کروٹ لی، اور سیدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا۔ تو سیدہ سودہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں التجا کی کہ آپ براہ کرم مجھ کو طلاق نہ دیں، میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے رہی ہوں، بس میری تمنا اتنی ہے کہ کل میں حشر میں آپ کی ازواج میں شمار کی جاؤں۔

کتب متداولہ میں حضرت سودہ سے پانچ روایتیں ملتی ہیں ان میں ایک بخاری شریف میں باقی سنن اربعہ میں مرقوم ہیں۔ ان کی وفات ماہ شوال ۵۴ھ میں واقع ہوئی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:۔ آپ خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں آپ کی والدہ کا نام ام رومان

ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیغام عقد بھیجا جب ان کی عمر چھ برس کی تھی، اور بعثت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال قبل مکہ شریف میں سرکار نے حضرت عائشہ کو اپنے عقد میں داخل فرما کر ہمیشہ کے لیے طہارت و صداقت کی انمول دولت سے شہرۂ آفاق بنا دیا۔ ماہ شوال سنہ ۲ھ میں آپ کی رخصتی عمل میں آئی۔

آپ ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چہیتی اور محبوب ترین بی بی ہیں۔ آپ نو سال تک سرکار کے دامن رحمت سے وابستہ رہیں۔ سرکار کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ آپ دور امیر معاویہ سنہ ۵۸ھ میں ۱۷ رمضان سہ شنبہ کی رات کو مدینہ میں فوت ہوئیں۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال کی تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق بقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ جیسے جلیل القدر صحابیٔ رسول نے پڑھائی۔ صحابہ اور تابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے معانیٔ قرآن احکام حلال و حرام واشعار عرب اور علم انساب میں حضرت صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔

ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں اپنے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد سنہ ۳ھ میں داخل ہوئیں۔ روایت کے مطابق سرکار نے ان کو طلاق دے دی۔ تو حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سیدہ حفصہ سے رجوع فرمائیں، کیونکہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہیں اور رات میں جاگ کر عبادت کرتی ہیں، نیز وہ آپ کی جنتی بیوی ہیں تو سرکار نے رجعت کرلی۔ آپ نے اپنے بھائی عبد اللہ ابن عمر کو وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال میرے بعد راہ خدا میں خیرات کردینا۔ شعبان سنہ ۴۵ھ میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- ہجرت کے تیسرے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل فرمایا۔ شادی کے بعد دو یا تین مہینے تک باحیات رہ سکیں۔ آپ سرکار کی زندگی پاک ہی میں رحلت فرماگئیں۔

عہد جاہلیت میں آپ کو ام المساکین سے پکارا جاتا تھا کیونکہ آپ فقرا و مساکین پر مہربانی اور شفقت فرماتیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتیں۔

صاحب مواہب لدنیہ کے قول کے مطابق آپ پہلے عبد اللہ ابن جحش کے عقد میں تھیں، عبد اللہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے، تو سرکار کے حرم میں داخل ہوئیں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں، پہلے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت زید نے کسی بات پر آپ کو طلاق دیدی تو سنہ ۵ھ میں حضور سے ان کا عقد ہوا۔ آپ ہی وہ بی بی ہیں جو وصال اقدس کے بعد ازواج مطہرات میں سب بیبیوں سے پہلے اس دار فانی کو چھوڑ کر دار قرار کی طرف رخصت ہوئیں۔ جیسا کہ سرکار نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں سب سے پہلے وہی بی بی مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں یعنی جو سخی ہے ان کے عقد کا معاملہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب سرکار نے ان کو پیغام عقد دیا تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ میں اپنے رب سے پوچھ کر جواب دوں گی، پھر وضو فرماکر نماز میں مشغول ہوگئیں۔ بعد نماز حضور قلب سے دعا کی تو رب کائنات نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم نے ان کا نکاح آپ سے کردیا قرآن میں ہے۔ "فلما قضیٰ زیدٌ منہا وطراً زوجنٰکہا"۔ اسی خصوصیت کے تحت آپ اکثر ازواج مطہرات پر فخر کرتیں اور فرماتیں کہ تمہارا نکاح تمہارے والدین نے کیا اور میرا عقد رب کائنات نے فرمایا۔ کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم آپ ہی کی شادی میں نازل ہوا آپ بڑی فیاض باہنر اور دست کار تھیں اپنی ذاتی آمدنی سے خیرات کرتیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب سے اچھی کوئی عورت نہ دیکھی، دیندار، خدا رسیدہ، صادق القول، خدا کی راہ میں خیرات کرنے والی، اللہ سے ڈرنے والی، رشتے داروں سے اچھا سلوک رکھنے والی تھیں، مدینہ شریف کے اندر سنہ ۲۰ یا ۲۱ھ میں واصل بحق ہوئیں فاروق اعظم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا:- آپ کا نام ہند بنت امیہ مخزومی تھا اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ سیدہ ام سلمہ پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد کے عقد میں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے فرزند تھے۔ کہتے ہیں کہ

سیدہ ام سلمہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہودج میں سوار ہو کر مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئیں۔ آپ کے شوہر ابو سلمہ غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے۔ پھر زخم مندمل ہو گیا۔ دوبارہ کسی جنگ میں شرکت کی تو وہی پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ انہیں زخموں کی بنا پر سنہ ۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔ شوہر کے انتقال کے بعد سیدہ ام سلمہ بارگاہ رب العزت میں دعا کرتی تھیں کہ اے اللہ میری مصیبت میں میرا اجر قائم رکھ اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا۔ چنانچہ دعا بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوئی اور سرکار نے ان کو پیغام عقد دیا۔ پیغام پاتے ہی آپ نے مرحبا برسول اللہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا لیکن میں طویل العمر اور غیرت مند ہوں اور آپ عورتوں کو ترجیح فرمائیں گے نیز میرے ساتھ یتیم بچے بھی ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری عمر تمہاری عمر سے زیادہ ہے تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے اور تم جو غیرت مند ہونے کی بات کرتی ہو تو میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ تم سے یہ چیز دور فرما دے۔ اس کے بعد سرکار نے ماہ شوال سنہ ۴ھ میں ان کو اپنی زوجیت میں داخل فرمایا۔ آپ کی وفات سنہ ۶۲ھ میں عہد یزید بن معاویہ میں واقع ہوئی۔ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ دنوں تک زندہ رہیں۔ آپ سے کل تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں۔

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: آپ کا پہلا نام برہ تھا سرکار نے بدل کر جویریہ رکھا۔ غزوہ مریسیع کے بعد (جو ماہ شعبان سنہ ۵ھ یا سنہ ۶ھ میں واقع ہوا تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ آپ نہایت شیریں دہن اور صاحب حسن و جمال تھیں۔ غنائم کی تقسیم میں آپ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے سیدہ جویریہ کو مکاتبہ بنا دیا۔ سیدہ جویریہ ایک دن سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھ کو ثابت بن قیس نے اتنی رقم پر مکاتبہ بنا دیا ہے، میں اتنی رقم ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ امید کہ سرکار میری اعانت فرمائیں گے تاکہ میں مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔ سرکار نے فرمایا کیا تمہیں منظور ہے کہ رقم ادا کر کے تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کروں؟ عرض کیا کہ اس سے اچھا سلوک کیا ہوگا۔ سرکار نے فرمایا کہ تم کو اپنی زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ انہوں نے قبول کیا، پھر آپ نے کتابت کی رقم ادا فرما دی اور ان کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل فرما لیا۔ صحابہ نے یہ سنا اور دیکھا تو اپنے حصہ کے سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور کہا یہ (بنی مصطلق) تو حضور کے سسرالی رشتے والے ہیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواج مطہرات میں سیدہ جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے کوئی خیر و برکت والی خاتون ہو جن کے سبب بنی مصطلق کے سو گھرانوں کے لوگ آزاد ہوئے۔ آپ بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں۔

آپ فرماتی ہیں کہ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہونے سے قبل میں نے اپنے قبیلے میں ایک شب خواب دیکھا تھا کہ یثرب (مدینہ) کی جانب سے ایک چاند اپنے جلوے بکھیرتے ہوئے میری سمت بڑھتا آ رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ میری آغوش میں اتر آیا۔ میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا۔ خود ہی اس کی تعبیر سوچ لی جو بحمدللہ پوری ہوئی۔ وقت عقد بیس سال کی عمر تھی۔ آپ پینسٹھ سال کی عمر شریف میں ۵۰ھ میں واصل بحق ہوئیں۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھی جو امیر معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا۔ ان سے کل سات حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری و مسلم میں دو دو حدیثیں ہیں باقی دوسری کتابوں میں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: اصل نام رملہ ہے آپ ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں اور عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں اس کے ساتھ حبشہ ہجرت کر کے گئیں مگر عبداللہ مرتد و نصرانی ہو کر وہیں فوت ہو گیا۔ یہ اسلام پر قائم رہیں۔ اس کے بعد سیدہ ام حبیبہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان کو ام المومنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ سرکار مجھ کو اپنے حرم میں داخل فرمائیں گے۔ خواب کے کچھ ہی دنوں بعد سرکار نے عمرو بن امیہ ضمری کو پیغام عقد دے کر نجاشی کے دربار میں حبشہ روانہ فرمایا، تاکہ نجاشی شاہ حبشہ ان کو میرا پیغام عقد دے۔ سیدہ ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے مہاجرین حبشہ میں سے خالد بن سعید کو اپنا وکیل منتخب کیا۔ سارے مہاجرین ایک پرمسرت دعوت پر جمع ہوئے تو نجاشی نے خطبہ پڑھ کر عقد کیا۔

فکر و نظر کی دُنیا میں
ایک صحت مند ــــ انقلاب آفریں اور
قابلِ مطالعہ پیشکش

عقائد و مراسم
حلت و حرمت

قرآن و سُنّت کی روشنی میں

عقائد اسلامی پر بے مثال انسائیکلوپیڈیا

حمد باری تعالیٰ
جل جلالہٗ وعم نوالہٗ
اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ
وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا
تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا
وہ کنواری پاک مریم وہ نفخت فیہ کا دم
ہے عجب نشان اعظم مگر آمنہ کا جایا
وہی سب سے افضل آیا
یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تجھ کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقت بخشش آیا
کرو قسمت عطایا
وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ کرو عرض سب کے مطلب
کہ تمہیں کو تکتے ہیں سب کرو ان پر اپنا سایا
بنو شافع خطایا
ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا
استقامت ڈائجسٹ کانپور

تجھے حمد ہے خدایا

ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بمشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا — یہ نہ پوچھ کیسا پایا
کبھی خندہ زیرِ لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا — نہ اسی نے کچھ بتایا
کبھی خاک پر پڑا ہے سرِ چرخ زیرِ پا ہے
کبھی پیشِ در کھڑا ہے سرِ بندگی جھکایا — تو قدم میں عرش پایا
کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کہ بارش
کبھی وہ ہجومِ نالش کوئی جانے ابر چھایا — بڑی جوششوں سے آیا
کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل
کبھی وہ لہک کہ بالکل چمنِ جناں کھلایا — گلِ قدس لہلہایا
کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگِ نو کا خواہاں
وہ جیا کہ مرگِ قرباں وہ مُوا کہ زیست لایا — کہے روح ہاں جلایا
کبھی گم کبھی عیاں ہے کبھی سرِ گریباں ہے
کبھی زیرِ لب فغاں ہے کبھی چپ کہ دم نہ نکلایا — رخِ کام جاں دکھایا
یہ تصوراتِ باطل ترے آگے کیا ہیں مشکل
تری قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا — میں انہیں شفیع لایا

تقدیر و تدبیر

اسلامی نقطۂ نظر سے

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری
فاضل بریلوی
قدس سرہٗ العزیز

خالد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کچھ کام بھلا یا برا ہوتا ہے سب خدا کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ اور تدبیرات کو کارِ دنیوی و اخروی میں امر مستحسن اور بہتر جانتا ہے۔

ولید خالد کو بوجہ مستحسن جاننے تدبیرات کے کافر کہتا ہے۔ بلکہ اسے کافر سمجھ کر سلام و جواب سلام بھی ترک کر دیا اور کہتا ہے کہ تدبیر کوئی چیز نہیں، بالکل واہیات ہے اور جو اشخاص اپنے اطفال کو پڑھاتے لکھاتے ہیں (خواہ عربی خواہ انگریزی) وہ جھک مارتے ہیں، گوہ کھاتے ہیں۔ کیونکہ پڑھنا لکھنا تدبیر میں داخل ہے۔

پس ولید نے خالد کو جو کافر کہا تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ اور نہیں ہے تو کہنے والے کے لئے کیا گناہ و تعزیر ہے؟ بینوا توجروا
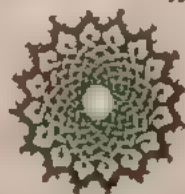
الجواب:-

بے شک خالد سچا اور اس کا یہ عقیدہ خاص اہلِ حق کا عقیدہ ہے۔ فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل جلالہٗ کی تقدیر سے ہے۔

قال تعالیٰ: وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ۝ — ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے (کنز الایمان)

وقال تعالیٰ: وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ۝ — اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں (کنز)

وقال تعالیٰ: وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ — اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ (کنز)

الیٰ غیر ذالک من الآیات والاحادیث — اس کے علاوہ اور بھی آیات و احادیث ہیں (۲)

مگر تدبیر زنہار معطل نہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے رب جل مجدہٗ نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا اور سنت الٰہیہ جاری

ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے۔ یوں ہی تدبیر کو محض عبث و مطرود و فضول و مردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے جس کی رو سے صدہا آیات و احادیث سے اعراض اور انبیاء و صحابہ و ائمہ و اولیاء سب پر طعن و اعتراض لازم آتا ہے

حضرات مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان، پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی کر کے رزق طیب کھاتے

(۱) داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام زرہیں بناتے قال اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝

اور ہم نے اسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے۔ (کنز پ ۱۷ انبیاء ع ۶ آیت ۸۰)

(۲) وقال تعالیٰ:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝	اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو۔ بیشک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہوں (کنز پ ۲۲ سبا ع ۲ آیت ۱۰-۱۱)

(۳) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس برس شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بکریاں اجرت پر چرائیں۔

قال تعالیٰ: قَالَ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ ... الآیۃ	کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو پھر اگر پورے دس برس کر لو تو تمہاری طرف سے ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، قریب ہے انشاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہو چکا میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے۔ پھر جب موسیٰ نے

اپنی میعاد پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر چلا (کنز پ ۲۰ قصص ع ۳، ۷ آیت ۲۷-۲۸-۲۹)

خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال بطور مضاربت لیکر شام کو تشریف فرما ہوئے حضرت امیر المومنین عثمان غنی - - - - - - - -

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے۔ یوں ہی تدبیر کو محض عبث و مطرود و فضول و مردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے۔ جس کی رو سے صدہا آیات و احادیث سے اعراض و انبیاء اولیاء صحابہ سب پر طعن و اعتراض لازم آتا ہے۔

وحضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑے نامی گرامی تاجر تھے ——— حضرت امام اعظم قدس سرہٗ الاکرم بزازی کرتے ——— بلکہ ولید منکر تدبیر، خود کیا تدبیر سے خالی ہوگا! ہم نے فرض کیا کہ وہ زراعت، تجارت، نوکری، حرفت کچھ نہ کرتا ہو آخر اپنے لیے کھانا پکاتا یا پکواتا ہوگا ——— آٹا پینا، گوندھنا، پکانا، یہ کیا تدبیر نہیں؟ یہ بھی جانے دیجئے اگر بغیر اس کے سوال یا اشارہ و ایما کے خود بخود پکی پکائی اسے مل جاتی ہو تاہم نوالہ بنانا، منہ تک لانا، چبانا، نگلنا یہ بھی تدبیر ——— تدبیر کو معطل کرے تو اس سے بھی باز آئے کہ تقدیر الٰہی میں زندگی لکھی ہے بے کھائے بچے گا ——— یا قدرت الٰہی سے پیٹ بھر جائے گا یا خود بخود کھانا معدے میں چلا جائے گا ورنہ ان باتوں سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا کہ مذہب اہلسنت میں نہ پانی پیاس بجھاتا ہے نہ کھانا بھوک کھوتا ہے ——— بلکہ یہ سب اسباب عادیہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مسببات کو مربوط فرمایا۔ اور اپنی عادت جاریہ کے مطابق ان کے بعد سیری و سیرابی فرماتا ہے ——— وہ نہ چاہے تو گھڑے چڑھائے، دھڑیوں کھا جائیے کچھ مفید نہ ہوگا ——— آخر مرض استسقاء، وجوع البقر میں کیا ہوتا ہے؟ ——— وہی کھانا، پانی جو پہلے سیر و سیراب کرتا تھا اب کیوں محض بیکار جاتا ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو بے کھائے پیئے بھوک پیاس پاس نہ آئے جیسے زمانۂ دجال میں اہل ایمان کی پرورش فرمائے گا۔ اور ملائکہ کا بے آب و غذا زندگی کرنا ہے۔

دس سیر یا پانچ سیر کا وزن ۱۲ مصباحی ؎۔ جوع البقر اس بیماری میں کتنا بھی کھائے بھوک نہیں جاتی جسطرح استسقاء میں جتقدر بھی پیے پیاس نہیں جاتی۔ م ؎ اگرچہ موت امر مقدر ہے لیکن از خود اژدہوں اور سانپوں کے منہ میں نہ جا۔ م

نہیں معلوم ——— مگر یہ انسان میں خرق عادت ہے، جس پر ہاتھ، پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل و حماقت ——— یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسے کا جھوٹا نام کرکے خورد و نوش کا عہد کرلے اور بھوک پیاس سے مرجائے، بیشک حرام موت مرے ——— اور اللہ تعالیٰ کا گنہگار ٹھہرے۔

مرگ بھی تو تقدیر سے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا

④ وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (پ۲ ع ۸)۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈال۔

اگرچہ مُردن مقدر است ولے
تو مرو در دھان اژدہا ؎

ہم نے مانا کہ ولید اپنے دعوے پر ایسا مضبوط ہو کہ یک لخت ترک اسباب کر کے پیمان واثقہ (پکا عہد ۱۲) کرے کہ اصلاً دست و پا نہ ہلائے۔ نہ اشارۃً نہ کنایۃً کسی تدبیر کے پاس جائے گا۔ خدا کے حکم سے پیٹ بھرے تو بہتر، ورنہ مرنا قبول تاہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا۔ یہ کیا تدبیر نہیں کہ دعا خود مؤثر حقیقی کب ہے؟ صرف حصول مراد ایک سبب ہے۔ اور تدبیر کاہے کا نام ہے؟ ——— رب جل جلالہٗ فرماتا ہے۔

⑤ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ وہ قادر تھا کہ بے دعا مراد بخشے، پھر اس تدبیر کی طرف کیوں ہدایت فرمائی! اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث ۱۔ مَنْ لَمْ يَدْعُ اللّٰهَ غَضِبَ عَلَيْهِ جو اللہ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائیگا (رواہ الائمۃ احمد فی المسند، وابوبکر بن ابی شیبہ واللفظ لہ فی المصنف، والبخاری فی الادب المفرد، والترمذی فی الجامع، وابن ماجۃ فی

السنن ، والحاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۶) قال تعالیٰ ۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔
(حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں ۔ کنز الایمان پ۵ ع۵ ۔ نساء آیت ۵۹)

(۷) قال اللہ تعالیٰ ۔ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ
(اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے)
(کنز الایمان پ۹ ع۱۹ ۔ انفال آیت ۳۹)

(۸) قال تعالیٰ ۔ وَلَوْلَا دَفْعُ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔
(اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے)
(کنز بقرہ پ۲ ع۳۳ ۔ آیت ۲۵۱)

(۹) وقال تعالیٰ ۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ۔
(اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں ۔۔۔ خانقاہیں اور گرجا اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے ۔
(کنز الایمان پ۱۷ ع۱۳ حج آیت ۴۰)

دیکھو صاف ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ جہاد اسی لیے مقرر ہوا کہ فتنے فرو ہوں ۔ اور دین حق پھیلے اگر یہ نہ ہوتا تو زمین تباہ ہو جاتی اور مسجدیں اور عبادت خانے ڈھائے جاتے ۔

(۱۰) وقال تعالیٰ ۔ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ ۔
(ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا ۔ (کنز پ۱۰ ع۶ ۔ انفال آیت ۷۳)
فتنہ کفر کی قوت اور فساد کبیر ضعف اسلام

(۱۱) وقال تعالیٰ ۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔
(اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقلمندو کہ تم کہیں بچو ۔ کنز بقرہ پ۲ ع۶ آیت ۱۷۹)
یعنی خون کے بدلے خون لوگے تو مفسدوں کے ہاتھ رکیں گے اور بے گناہوں کی جانیں بچیں گی ۔ اور اسی لیے حد جاری کرتے وقت حکم ہوا کہ مسلمان جمع ہو کر دیکھیں تاکہ موجب عبرت ہو ۔

(۱۲) قال تعالیٰ ۔ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔
(اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو ۔ کنز الایمان پ۱۸ نور ع۸ آیت ۲)
بلکہ اور ترقی کیجے تو نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال دینیہ خود ایک تدبیر ۔ اور رضائے الٰہی و ثواب نامتناہی ملنے ، اور عذاب و غفلت سے نجات پانے کے اسباب ہیں ۔

(۱۳) قال تعالیٰ ۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا ۔
(اور جو آخرت چاہے اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا) تو انھیں کی کوشش ٹھکانے لگی (کنز پ۱۵ ع۲ ۔ بنی اسرائیل آیت ۱۹)
اگرچہ ازل میں ٹھہر چکا کہ ۔
فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۔
(ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ دوزخ

میں کنز پ۲۵ ع۲ شوریٰ آیت ۷)
پھر بھی اعمال فرض کئے کہ جس کے مقدر میں جو لکھا ہے اسے وہی راہ آسان، اسی کے اسباب مہیا ہو جائیں گے۔

قَالَ تَعَالٰی۔ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝
(تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔ کنز پ۳۰ ع۱۸)
وَقَالَ تَعَالٰی۔ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝
(تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے)
(کنز پ۳۰ ع۱۸ لیل آیت ۱۰)

اسی لئے جب حضور اقدس سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حدیث۔۲۔ کہ دوزخی، جنتی سب لکھے ہوئے ہیں اور صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ——— ! پھر ہم عمل کاہے کو کریں۔ ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھیں، کہ جو سعید ہیں آپ ہی سعید ہونگے، اور جو شقی ہیں ناچار شقاوت پائیں گے: فرمایا۔ نہیں بلکہ عمل کئے جاؤ کہ ہر ایک جس گھر کے لئے بنا ہے اسی کا راستہ اسے سہل کر دیتے ہیں۔ سعید کو اعمال سعادت کا۔ اور شقی کو افعال شقاوت کا ——— پھر حضور نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اَخْرَجَ الْاَئِمَّةُ اَحْمَد والبخاری وَمُسْلِمٌ وَغَیْرُهُمْ۔ عَنْ امیرالمومنین عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰہُ تعالیٰ وجہہ قَالَ۔ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَةٍ فَاَخَذَ شَیْئًا فَجَعَلَ یَنْکُتُ بِهِ الْاَرْضَ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰی كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ (زَادَ فِیْ رِوَایَةٍ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَیَصِیْرُ اِلٰی اَهْلِ السَّعَادَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاءِ فَسَیَصِیْرُ اِلٰی عَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ) قَالَ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی اَلْآیَة۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ تدبیر مطلقاً مہمل ہو تو دین و شرائع[1] و انزال کتب[2] و ارسال رسل[3] و اتیان فرائض[4] و اجتناب محرمات[5] معاذ اللہ! سب لغو و فضول و عبث ٹھہریں ——— آدمی کی رسی کاٹ کر بجار[6] کر دیں ——— دین و دنیا سب یکبارگی برہم ہو جائیں ——— وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

نہیں نہیں بلکہ تدبیر بیشک مستحسن ہے۔ اور اسکی بہت صورتیں مندوب و مسنون ہیں ——— جیسے دعا و دوا ———

دعا کی حدیثیں

تو خود متواتر ہیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ ہے کہ

حدیث۔۳۔ حضور نے یہ ارشاد فرمایا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ تقدیر کسی چیز سے نہیں ٹلتی مگر دعا سے۔ یعنی قضا معلق «رواہ الترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند حسن عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ»

دوسری حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ

---

[1] قوانین شرع [2] کتابیں اتارنا [3] رسول کو بھیجنا [4] فرائض کا کرنا [5] حرام کاموں سے بچنا [6] آزاد چھوٹا ہوا سانڈ

تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث ۴ | لَا یُغْنِیْ حَذَرٌ مِّنْ قَدَرٍ وَالدُّعَاءُ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ اِنَّ الْبَلَاءَ یَنْزِلُ فَیَتَلَقَّاہُ الدُّعَاءُ فَیَعْتَلِجَانِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

تقدیر کے آگے احتیاط کی کچھ نہیں چلتی، اور دعا اس بلا سے جو اتر آئی اور جو ابھی نہیں اتریں۔ دونوں سے نفع دیتی ہے۔ اور بیشک بلا اترتی ہے دعا اس سے جا ملتی ہے دونوں قیامت تک کُشتی لڑتی رہتی ہیں۔ یعنی بلا کتنا ہی اترنا چاہے دعا اسے اترنے نہیں دیتی۔

«رواہ الحاکم والبزار والطبرانی فی الاوسط عن اُمّ المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا، قال الحاکم صحیح الاسناد وکذا قال»

جسے دعا کے بارے میں احادیثِ مُجملہ ومُفصّلہ وکلیہ وجزئیہ دیکھنا ہوں وہ کتاب الترغیب و حصن وعُدّہ وصلاح وغیرہا تصانیف علماء کی طرف رجوع کرے۔

مزار مبارک
اعلیٰحضرت قدس سرہٗ
بریلی شریف

اور ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۵ | تَدَاوَوْا عِبَادَ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَہٗ دَوَاءً غَیْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْھَرَمِ۔

خدا کے بندو دوا کرو کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی بیماری ایسی نہ رکھی جس کی دوا نہ بنائی ہو۔ مگر ایک مرض یعنی بڑھاپا۔

«اخرجہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم عن اُسامۃ بن شریک رضی اللہ تعالےٰ عنہ بسند صحیح»

اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا استعمال دوا فرمانا اور امت مرحومہ کو صدہا امراض کے علاج بتانا، بکثرت احادیث میں مذکور، اور طبِ نبوی وغیرہا فنون حدیثیہ میں مسطور لکھا ہوا،

اور تدبیر کی بہت صورتیں فرض قطعی ہیں جیسے فرائض کا بجالانا۔ محرمات سے بچنا، بقدرِ سدِّ رمق کھانا کھانا، پانی پینا، یہاں تک کہ اس کے لیے بحالتِ مخمصہ[1] شراب ومردار کی اجازت دی گئی۔

اسی طرح جان بچانے کی کل تدبیریں۔ اور حلال معاش کی سعی وتلاش جس میں اپنے اور اپنے متعلقین کے تن، پیٹ کی پرورش ہو۔ حدیث میں ہے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث ۶ | طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ۔

---

[1] جان لیوا بھوک ۱۲ م

آدمی پر فرض کے بعد دوسرا فرض یہ ہے کہ کسب حلال کی تلاش کرے۔
"رواہ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ۔"

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۷ طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ۔
طلب حلال ہر مسلمان پر واجب ہے۔
"رواہ اخرجہ الدیلمی بسند حسن عن انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ۔"

اسی لئے احادیث میں حلال معاش کی طلب و تلاش کی بہت فضیلتیں وارد۔ مسند احمد و صحیح البخاری میں ہے حضور پر نور سید الکونین صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث ۸ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاؤُدَ كَانَ يَاكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ۔
کبھی کسی شخص نے کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہ کھایا اور بے شک نبی اللہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اپنی دست کاری کی اجرت سے کھاتے۔
"رواہ اخرجاہ عن مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔"

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۹ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ
سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھاؤ۔
"رواہ اخرجہ البخاری فی التاریخ والدارمی وابوداؤد والترمذی والنسائی عن ام المومنین الصدیقہ بسند صحیح۔"
کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اَیُّ الْكَسْبِ اَفْضَلُ سب سے بہتر کسب کون سا ہے؟ فرمایا

حدیث ۱۰ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَّبْرُوْرٍ۔ اپنے ہاتھ کی مزدوری اور ہر مقبول تجارت کہ مفاسد شرعیہ سے خالی ہو۔
"رواہ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر بسند الثقات عن عبداللہ بن عمر ــــــ وہو الکبیر واحمد والبزار عن ابی بردۃ بن خیار ــــ وایضاً ہذان عن رافع بن خدیج والبیہقی عن سعید بن عمیر مرسلاً والحاکم عنہ عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین۔"

اور وارد کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۱۴ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ
بے شک اللہ تعالے مسلمان پیشہ در کو دوست رکھتا ہے۔
"رواہ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی الشعب و سیدی محمد الترمذی فی النوادر عن ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہما۔"

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۱۵ تا ۱۶ مَنْ اَمْسٰى كَالًّا مِّنْ عَمَلِ يَدِهٖ اَمْسٰى مَغْفُوْرًا لَّهٗ۔
جسے مزدوری سے تھک کر شام آئے اس کی وہ شام، شام مغفرت ہو۔
"رواہ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط عن ام المومنین الصدیقہ ــــــ ومثل ابی القاسم الاصبہانی عن ابی عباس، وابن عساکر عنہ وعن انس رضی اللہ تعالے عنہم۔"

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۱۸ طُوْبٰى لِمَنْ طَابَ كَسْبُهٗ۔
پاک کمائی والے کے لئے جنت ہے۔
"رواہ اخرجہ البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الکبیر

والبیہقی فی السنن والبغوی والباوردی وابن قانع وشاہین وابن مندہ کلہم عن رکب المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل قال ابن عبد البر حدیث حسن قلت ای لغیرہ "

ایک حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث ۱۹، ۲۰ اَلدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خُضْرَۃٌ مَنِ اکْتَسَبَ مِنْہَا مَالًا فِیْ حِلِّہٖ وَاَنْفَقَہٗ فِیْ حَقِّہٖ اَثَابَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَوْرَدَہٗ جَنَّتَہٗ۔ الحدیث

دنیا دیکھنے میں ہری، چکھنے میں میٹھی ہے۔ یعنی بظاہر بہت خوشنما، خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے جو اسے حلال وجہ سے کمائے اور حق جگہ پر اٹھائے اللہ تعالیٰ اسے ثواب دے اور اپنی جنت میں لے جائے۔

"اخرجہ البیہقی فی الشعب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ قلت والمتن عند الترمذی عن خولہ بنت قیس امراۃ سیدنا حمزۃ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلفظ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خُضْرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَصَابَہٗ بِحَقِّہٖ بُوْرِکَ لَہٗ فِیْہِ " الحدیث۔ قال الترمذی حسن صحیح۔ قلت واصلہ عن خولہ عند البخاری مختصرا۔

اور مذکور کہ فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۲۱ اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا لَا یُکَفِّرُھَا الصَّلٰوۃُ وَلَا الصِّیَامُ وَلَا الْحَجُّ وَلَا الْعُمْرَۃُ۔ یُکَفِّرُھَا الْھُمُوْمُ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ۔

کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہو، نہ روزے، نہ حج، نہ عمرہ — ان کا کفارہ وہ پریشانیاں ہوتی ہیں جو آدمی کو تلاش معاش حلال میں پہونچتی ہیں۔

"رواہ ابن عساکر وابو نعیم فی الحلیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے ایک شخص کو دیکھا کہ تیز و چست کسی کام کو جا رہا ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ! کیا خوب ہوتا اگر اس کی یہ تیزی و چستی خدا کی راہ میں ہوتی۔

حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث ۲۲ اِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی نَفْسِہٖ یُعِفُّھَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ — وَاِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی وُلْدٍ صِغَارٍ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ — وَاِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی اَبَوَیْنِ شَیْخَیْنِ کَبِیْرَیْنِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ — وَاِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی رِیَاءً وَّمُفَاخَرَۃً فَفِیْ سَبِیْلِ الشَّیْطَانِ۔

اگر یہ شخص اپنے لئے کمائی کو نکلا ہے کہ سوال وغیرہ کی ذلت سے بچے تو اس کی یہ کوشش اللہ کی راہ میں ہے اور اگر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے خیال سے نکلا ہے جب بھی خدا کی راہ میں ہے اور اگر اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے نکلا ہے جب بھی خدا کی راہ میں ہے ہاں اگر ریا و تفاخر کے لئے نکلا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے۔

"رواہ الطبرانی عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورجالہ رجال الصحیح "

اسی لئے ترک کسب سے صاف ممانعت آئی۔

حدیث شریف میں ہے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث ۲۳ لَیْسَ بِخَیْرِکُمْ مَنْ تَرَکَ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ وَلَا اٰخِرَتَہٗ لِدُنْیَاہُ حَتّٰی یُصِیْبَ مِنْھُمَا جَمِیْعًا فَاِنَّ الدُّنْیَا بَلَاغٌ اِلَی الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا کَلًّا عَلَی النَّاسِ۔

سب سے پہلے آدمی تدبیر کرے اور پھر بھروسہ تقدیر پر رکھے۔ صحابی نے حضور سے عرض کیا اپنی اونٹنی یوں ہی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں اور توکل کروں۔ حضور نے ارشاد فرمایا باندھ دے۔ اور تکیہ خدا پر رکھے۔ (حدیث)

تمہارا بہتر وہ نہیں ہے جو اپنی دنیا آخرت کے لئے چھوڑ دے۔ اور نہ وہ جو اپنی آخرت دنیا کے لئے ترک کرے۔ بہتر وہ ہے جو دونوں سے حصہ لے۔ کہ دنیا آخرت کا وسیلہ ہے۔ اپنا بوجھ اوروں پر ڈال کر نہ بیٹھ رہو۔[1]

"رواہ ابن عساکر عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ"

انہیں احادیث سے ثابت ہوا کہ تلاشِ حلال و فکرِ معاش و تعاطیِ اسباب ہرگز منافیِ توکل نہیں بلکہ عین مرضیٔ الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے۔

حدیث ۲۴، ۲۵ اسی لئے جب ایک صحابی نے حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے عرض کی اپنی اونٹنی یوں ہی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں! ارشاد فرمایا قَیِّدْ وَ تَوَکَّلْ باندھ دے اور تکیہ خدا پر رکھ ع بر توکل زانوئے اشتر ببند۔

"اخرجہ البیہقی فی الشعب بسند جید عن عمرو بن اُمیۃ الضمری والترمذی فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالےٰ عنہما واللفظ عندہ ــــ اِعْقِلْھَا وَتَوَکَّلْ۔"

دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ تدبیر کرو مگر اس پر اعتماد نہ کرلو ــــ دل کی نظر تقدیر پر رہے۔ ــــ مولانا قدس سرہٗ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

توکل کن بجنباں پا و دست
رزق تو بر تو ز تو عاشق تر است[2]

خود حضرت عزت جل مجدہٗ نے قرآن عظیم میں تلاش و تدبیر اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۰) قال تعالیٰ۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو ــــ کنز الایمان پ ۲ع ۹ بقرہ آیت ۱۹۷ و ۱۹۸)

یمن کے کچھ لوگ بے زادِ راہ لئے حج کو نتے اور کہتے ہم متوکل ہیں۔ ناچار بھیک مانگنی پڑتی۔ حکم آیا توشہ ساتھ لیا کرو ــــ کچھ اصحاب کرام نے موسم حج میں تجارت سے اندیشہ کیا کہ کہیں اخلاص نیت میں فرق نہ آئے ــــ فرمان آیا کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل ڈھونڈھو۔

---

[1] ولامن ترک اخرتہ لدنیاہ یا اسی کے ہم معنی کوئی اور عبارت ہونی چاہیے جو چھوٹ گئی ہے۔ ۱۲ م

[2] توکل کر اور ہاتھ پاؤں حرکت میں لا کہ تیرا رزق تجھ پر، تجھ سے زیادہ عاشق ہے ۱۲ م۔

طرح تلاش فضل الٰہی کی آیتیں بکثرت ہیں۔

(۱۵) وقال تعالیٰ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو، اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔)

(کنز پ ۶ ع ۱۰، مائدہ آیت ۳۵)

صاف حکم دیتے ہیں کہ رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو تاکہ مراد کو پہنچو۔ اگر تدبیر و اسباب معطّل و مہمل ہوتے تو اس کی کیا حاجت تھی؟

بلکہ انصاف کیجئے تو تدبیر کب تقدیر سے باہر ہے۔ وہ خود ایک تقدیر ہے۔

اور اس کا بجا لانے والا ہرگز تقدیر سے روگرداں نہیں۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی۔ دوا تقدیر سے کیا نافع ہوگی۔ فرمایا۔

حدیث ۲۶ اَلدَّوَاءُ مِنَ الْقَدَرِ وَیَنْفَعُ مَنْ یَّشَاءُ بِمَا شَاءَ۔

دوا خود بھی تقدیر ہے ـــــ اللہ تعالےٰ جسے چاہے جس دوا سے چاہے نفع پہنچا دیتا ہے۔

" رواہ ابن السنی فی الطب والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہا وصدرہ عنہ عند ابی نعیم والطبرانی فی المعجم الکبیر "

حدیث ۲۷ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بقصد شام وادی تبوک میں قریۂ سرغ تک پہنچے سرداران لشکر ابو عبیدہ بن الجراح وخالد بن الولید وعمرو بن العاص وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم انہیں ملے۔ اور خبر دی کہ شام میں وبا ہے امیر المومنین نے مہاجرین وانصار وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بلا کر مشورہ لیا۔ اکثر کی رائے رجوع پر قرار پائی۔ امیر المومنین نے بازگشت کی منادی فرمائی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا ـــــ اَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ

کیا اللہ تعالےٰ کی تقدیر سے بھاگنا۔ ؟ فرمایا۔

لَوْ غَیْرُکَ قَالَھَا یَا اَبَا عُبَیْدَۃَ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ لَکَ اِبِلٌ ھَبَطَتْ وَادِیًا لَہٗ عُدْوَتَانِ اَحَدُھُمَا خَصِبَۃٌ وَالْاُخْرٰی جَدْبَۃٌ اَلَیْسَ اِنْ رَعَیْتَ الْخَصِبَۃَ رَعَیْتَھَا بِقَدَرِ اللّٰہِ وَاِنْ رَعَیْتَ الْجَدْبَۃَ رَعَیْتَھَا بِقَدَرِ اللّٰہِ۔

کاش اے ابو عبیدہ! یہ بات تمہارے سوا کسی اور نے کہی ہوتی (یعنی تمہارے علم و فضل سے بعید تھی) ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ بھلا بتاؤ تو اگر تمہارے کچھ اونٹ ہوں انھیں لے کر کسی وادی میں اترو جس کے دو کنارے ہوں ایک سرسبز، دوسرا خشک۔ تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم شاداب میں چراؤگے تو خدا کی تقدیر ہے۔ اور خشک میں چراؤگے تو خدا کی تقدیر ہے۔

" اخرجہ الائمۃ مالک واحمد والبخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی عن ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما "

یعنی باآں کہ سب کچھ تقدیر سے ہے پھر آدمی خشک جنگل چھوڑ کر ہرا بھرا چرائی کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس سے تقدیر الٰہی سے بچنا لازم نہیں آتا یونہی ہمارا اس زمین میں نہ جانا جس میں وبا پھیلی ہے یہ بھی تقدیر سے فرار نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تدبیر ہرگز منافیٔ توکل نہیں۔ بلکہ صلاح نیت کے ساتھ عین توکل ہے ـــ ہاں یہ بیشک ممنوع و مذموم

ہے کہ آدمی ہمہ تن تدبیر میں منہمک ہو جائے اور اس کی درستی میں جا و بیجا و نیک و بد و حلال و حرام کا خیال نہ رکھے ــــ یہ بات بیشک اسی سے صادر ہوگی جو تقدیر کو بھول کر تدبیر پر اعتماد کر بیٹھا شیطان اسے ابھارتا ہے کہ اگر یہ بن پڑی جب تو کار برآری ہے۔ ورنہ مایوسی و ناکامی۔ ناچار سب اپنی داں سے غافل ہو کر اس کی تحصیل میں لہو پانی ایک کر دیتا ہے۔ اور ذلت و خواری، خوشامد و چاپلوسی، مکر و دغا بازی، جس طرح بن پڑے اس کی راہ لیتا ہے ــــ حالانکہ اس حرص سے کچھ نہ ہوگا۔ ہونا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے ــــ اگر یہ علوئے ہمت و صدقِ نیت و پاسِ عزت و لحاظ شریعت ہاتھ سے نہ دیتا۔ رزق کہ اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ لیا۔ جب بھی پہنچتا۔ اس کی طمع نے آپ اس کے پاؤں میں تیشہ مارا۔ اور حرص و گناہ کی شامت نے خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ[1] کا مصداق بنایا۔ اور اگر بالفرض آبرو کھو کر گناہ گار ہو کر دو پیسے پائے بھی تو ایسے مال پر ہزار تف۔

بِئْسَ الْمَطَاعِمُ حِیْنَ الذُّلِّ تَکْسِبُھَا
اَلْقَدْرُ مُنْتَصِبٌ وَالْقَدْرُ مَخْفُوْضٌ[2]

اسی لئے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث ۲۸ | اَجْمِلُوْا فِیْ طَلَبِ الدُّنْیَا فَاِنَّ کُلًّا مُیَسَّرٌ لِّمَا کُتِبَ لَہٗ مِنْھَا۔

دنیا کی طلب میں اچھی روش سے عدول نہ کرو کہ جس کے مقدر میں جتنی لکھی ہے ضرور اس کے سامان مہیا ہوں گے۔

"رواہ ابن ماجۃ والحاکم والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن وابو الشیخ فی الثواب عن[28] ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسناد صحیح واللفظ والحاکم"

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث ۲۹، ۳۰ | یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا اللہَ وَ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ فَاِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَوْفِیَ رِزْقَھَا فَاِنْ اَبْطَأَ مِنْھَا فَاتَّقُوا اللہَ وَ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ خُذُوْا مَا حَلَّ وَ دَعُوْا مَا حَرُمَ۔

اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور طلب رزق نیک طور پر کرو کہ کوئی جان دنیا سے نہ جائے گی جب تک اپنا رزق پورا لے لے تو اگر روزی میں دیر دیکھو تو خدا سے ڈرو اور روش محمود تلاش کرو ــــ حلال کو لو اور حرام کو چھوڑو۔

"رواہ ابن ماجۃ واللفظ لہ والحاکم وقال صحیح علی شرطھما وبسند آخر صحیح علی شرط مسلم وابن حبان فی صحیحہ کلھم عن[29] جابر بن عبد اللہ وبمعناہ ھنّد ابی یعلٰی بسند حسن ان شاء اللہ تعالیٰ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم"

اور فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث ۳۱ تا ۳۴ | اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ اَجَلَھَا وَ تَسْتَوْعِبَ رِزْقَھَا۔ فَاتَّقُوا اللہَ وَ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّ اَحَدَکُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ یَّطْلُبَہٗ بِمَعْصِیَۃِ اللہِ۔ فَاِنَّ اللہَ تَعَالٰی لَا یُنَالُ مَا عِنْدَہٗ اِلَّا بِطَاعَتِہٖ۔

بے شک روح القدس جبریل نے میرے دل میں ڈالا کہ کوئی جان نہ مرے گی جب تک اپنی عمر اور اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ تو خدا سے

---

[1] دنیا و آخرت دونوں کے اندر گھاٹے میں رہا۔ ۱۲م
[2] بری خوراک ہے جسے ذلت کی حالت میں حاصل کرو قسمت بلند بھی ہے اور قسمت پست بھی ہے ۱۲م

ڈرو اور نیک طریقے سے تلاش کرو۔ اور خبردار رزق کی دیرنگی تم میں کسی کو اس پر نہ لائے کہ نا فرمانیِ خدا سے اسے طلب کرے کہ اللہ کا فضل تو اسی کی طاعت ہی سے ملتا ہے۔

[۳۱] اخرجہ ابو نعیم فی الحلیہ واللفظ لہٗ عن ابی امامۃ الباہلی ـــــ والبغوی فی شرح السُنۃ والبیہقی فی الشعب والحاکم فی المستدرک عن [۳۲] ابن مسعود ـــــ والبزار عن [۳۳] حذیفۃ بن الیمان ونحوہ للطبرانی فی الکبیر ـــــ عن [۳۴] الحسن بن علیٍ امیرِ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ـــــ غیر انّ الطبرانی لم یذکر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام۔

اور مروی ہوا۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ وسلم۔

حدیث ۳۵ اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ بِعِزَّۃِ الْاَنْفُسِ فَاِنَّ الْاُمُوْرَ تَجْرِیْ بِالْمَقَادِیْرِ۔

حاجتیں عزتِ نفس کے ساتھ طلب کرو کہ سب کام تقدیر پر چلتے ہیں۔

[۳۵] رواہ تمام فی فوائدہ وابن عساکر فی تاریخہ عن [۳۵] عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

ان سب حدیثوں میں بھی تلاش و تدبیر کی طرف ہدایت فرمائی ـــــ مگر حکم دیا کہ شریعت و عزت کا پاس رکھو ـــــ تدبیر میں بے ہوش و مدہوش نہ ہو جاؤ ـــــ دست در کار و دل بایار، تدبیر میں ہاتھ، دل تقدیر کے ساتھ ـــــ ظاہر میں اِدھر، باطن میں اُدھر، اسباب کا نام ـــــ مسبب سے کام ـــــ یوں بسر کرنا چاہیئے ـــــ یہی رَوِش بُری ہے یہی مرضیٔ خدا ـــــ یہی سنّت انبیاء ـــــ یہی سیرتِ اولیاء ـــــ عَلَیْھِمْ جَمِیْعًا الصَّلٰوۃُ وَالثَّنَاءُ ـــــ

بس اس بارے میں یہی قولِ فیصل و صراطِ مستقیم ہے۔ اس کے سوا تقدیر کو بھولنا، یا حق نہ ماننا، یا تدبیر کو اصلاً مہمل جاننا دونوں معاذ اللہ گمراہی ضلالت یا جنون و سفاہت ـــــ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ـــــ

باب تدبیر میں آیات و احادیث، اتنی ہیں جنھیں کوئی حصر کر سکے۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ دعویٰ کرتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر محنت کیجائے تو دس [۱۰] ہزار سے زائد آیات و احادیث اس پر ہو سکتی ہیں ـــــ مگر کیا حاجت کہ ـــــ ؏

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جس مسئلے کے تسلیم پر تمام جہان کے کاروبار کا دار و مدار، اس میں زیادہ تطویل عبث و بیکار، اسی تحریر میں کہ فقیر نے پندرہ [۱۵] آیتیں اور پینتیس [۳۵] حدیثیں جملہ پچاس نصوص ذکر کیے ـــــ اور صدہا بلکہ ہزارہا کے پتے دیئے یہ کیا تھوڑے ہیں؟۔ انہیں سے ثابت کہ انکارِ تدبیر کس قدر اعلیٰ درجہ کی حماقت، اَخْبَثُ الامراض اور

قرآن و حدیث سے صریح اعتراض، اور خدا و رسول پر کھلا اعتراض ـــــ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

ولید پر فرض ہے کہ تائب ہو، اور کتاب و سنت سے اپنا عقیدہ درست کرے ورنہ بد مذہبی کی شامت سخت جانکاہ ہے ـــــ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ باقی رہا اس کا عربی پڑھانے، علم سکھانے کی نسبت وہ شنیع لفظ کہنا، اگر اس تاویل کا درمیان نہ ہوتا کہ شاید وہ ان لوگوں پر معترض ہے جو دنیا کے لیے علم پڑھاتے ہیں ـــــ اور ایسے لوگ بیشک لائق اعتراض ہیں، تو صریح کلمۂ کفر تھا کہ اس نے علم دین کی تحقیر و توہین کی اور اس سے سخت تر ہے اس کا خالد کو اس بنا پر کافر کہنا کہ وہ باوجود ایمانِ تقدیر، تدبیر کو بہتر و حسن جانتا ہے۔ حالانکہ جو اس کا عقیدہ ہے وہی حق و صحیح ہے، اور ولید کا قول خود باطل و قبیح ـــــ "مسلمان کو کافر کہنا سہل بات نہیں" صحیح حدیثوں میں فرمایا کہ جو دوسرے کو کافر کہے اگر وہ کافر نہ تھا یہ کافر ہو جائے۔

حدیث ۳۶ تا ۳۹ | کما اخرجہ الائمۃ مالک و احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن[36] عبداللہ بن عمر، والبخاری عن[37] ابی ہریرۃ واحمد والشیخان عن[38] ابی ذر و ابن حبان بسند صحیح عن[39] ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم باسانید عدیدۃ و الفاظ متباینۃ ومعانی متقاربۃ۔"

اور اگرچہ اہل سنت کا مذہب محقق و منقح یہی ہے کہ ہمیں تاہم احتیاط لازم، اور اتنی بات پر حکم تکفیر ممنوع و ناملائم اور احادیث مذکورہ میں تاویلاتِ عدیدہ کا احتمال قائم۔ مگر پھر بھی صدہا

احادیث نے حکم دیا کہ شریعت
و عزت کا پاس رکھو ـــ تدبیر میں
بے ہوش و مدہوش نہ ہو جاؤ ـــ
دست در کار و دل با یار ـــ تدبیر
میں ہاتھ دل تقدیر کے ساتھ۔ ظاہر میں
ادھر باطن میں اُدھر۔ اسباب کا نام مسبب سے
کام۔ یہی روشِ ہدیٰ ہے۔ اور یہی مرضی خدا
یہی سنتِ انبیاء ـــ یہی سیرت اولیاء

ائمہ مثل امام ابوبکر اعمش و جمہور فقہاء بلخ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ظاہر احادیث ہی پر عمل کرتے اور مسلمان کے مکفر کو مطلقاً کافر کہتے ہیں۔ کَمَا نَصَّلْنَا كُلَّ ذٰلِكَ فِيْ رِسَالَتِنَا "النَّهْيُ الْاَكِيْد عَنِ الصَّلٰوةِ وَرَاءَ عِدَى التَّقْلِيْد"۔ تو ولید پر لازم کہ از سر نو کلمۂ اسلام پڑھے

اور اگر صاحب نکاح ہو تو اپنی زوجہ سے تجدید نکاح کرے ـــــ

فِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ عَنْ شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لِلْعَلَّامَةِ حَسَنِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ مَا يَكُوْنُ كُفْرًا اِتِّفَاقًا يُبْطِلُ الْعَمَلَ وَالنِّكَاحَ وَاَوْلَادُهٗ اَوْلَادُ زِنَا۔ وَمَا فِيْهِ خِلَافٌ يُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَتَجْدِيْدِ النِّكَاحِ۔

درِ مختار میں علامہ حسن شرنبلالی کی شرح

وہابیہ سے منقول ہے۔ جو بالاتفاق کفر ہو اس سے عمل اور نکاح باطل ہو جائیں گے بلا تجدید ایمان و نکاح اس کی اولاد، اولاد زنا ہوگی اور جس میں اختلاف ہے قائل کو استغفار، توبہ تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ (مترجم)

اور جس طرح یہ کلمات شنیعہ علانیہ کہے ہیں توبہ و تجدید ایمان کا بھی اعلان چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث ۴۰ إِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَأَحْدِثْ عِنْدَهَا تَوْبَةً اَلسِّرَّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةَ بِالْعَلَانِيَةِ۔

جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراً از سر نو توبہ کر۔ پوشیدہ کی پوشیدہ، اور آشکارا کی آشکارا۔

رواہ الامام احمد فی کتاب الزہد والطبرانی فی المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن ——— وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ

قرآن میں جس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد! ان اشخاص کو زیادہ ہدایت مت کرو، ان کے لئے اسلام کے واسطے مشیتِ ازلی نہیں ہے، یہ مسلمان نہ ہوں گے ——— يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ کے صاف یہ معنی ہیں کہ جس امر کی طرف اس کی خواہش ہوگی وہ ہوگا پس انسان مجبور ہے اس سے بازپرس کیوں کر ہو سکتی ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا۔

اللہ عزوجل نے بندے بنائے، اور انہیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا آلات و جوارح عطا فرمائے اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام کیا اور ان کے ارادے کا تابع و فرماں بردار کر دیا کہ اپنے منافع حاصل کریں اور مضرتوں سے بچیں۔ پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا عقل کو ان امور کے ادراک کی طاقت بخشی، خیر و شر، نفع و ضرر یہ تو اس ظاہری نہ پہچان سکتے تھے ——— پھر اسے بھی فقط اپنی سمجھ پر بے کس و بے یار و مددگار نہ چھوڑا۔ ہنوز لاکھوں باتیں ہیں جن کو عقل خود ادراک نہ کر سکتی تھی، اور جن کا ادراک ممکن تھا ان میں لغزش کرنے، ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لئے کوئی زبردست دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا انبیاء بھیج کر، کتابیں اتار کر، ذرا ذرا بات کا حسن و قبح خوب جتا کر اپنی نعمت تمام و کمال فرما دی، کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ[1] حق کا راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہو گیا

• ہدایت و گمراہی پر کوئی پردہ نہ رہا لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[2]

بایں ہمہ کسی کا خالق ہونا ——— یعنی ذات ہو یا صفت، فعل ہو یا حالت کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباس وجود پہنا دینا ——— یہ اسی کا کام ہے ——— یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا اختیار پا سکتا تھا، کہ تمام مخلوقات خود اپنی حدِ ذات میں نیست ہیں ——— ایک نیست دوسرے نیست کو کیا ہست بنا سکے ہست بنانا اسی کی شان ہے جو آپ اپنی ذات سے ہستِ حقیقی و ہستِ مطلق ہے ——— ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور اپنی غنائے مطلق سے عاداتِ اجراء

---

[1] کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو عذر نہ رہے (کنز الایمان پ ۶ ع ۲، نساء آیت ۱۶۵)۔

[2] کچھ زبردستی نہیں دین میں بیشک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے . . . .

. — . — . . . (کنز الایمان پ ۳ ع ۲ بقرہ ۲۵۶)

فرمائے کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے، اپنے جوارح اُدھر پھیرے، مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرما دیتا ہے۔ مثلاً اس نے ہاتھ دیئے ان میں پھیلنے سمٹنے، اٹھنے جھکنے کی طاقت رکھی —— تلوار بنائی بتائی، اس میں دھار، اور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی —— اس کا اٹھانا، لگانا وار کرنا بتایا —— دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی —— اسے نیک و بد میں تمیز کی طاقت عطا کی —— شریعت بھیج کر قتلِ حق و ناحق کی بھلائی برائی صاف جتا دی —— زید نے وہی خدا کی بنائی ہوئی تلوار، خدا کے بنائے ہوئے ہاتھ، خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا —— وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی، اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہونچانے کا ارادہ کیا، وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی، تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی سب عطائے حق تھے، اور خود یہ ضرب واقع ہوئی بارادۂ خدا واقع ہوئی —— اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا —— وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس و جن و ملک جمع ہو کر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا درکنار، ہرگز جنبش نہ کرتی اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین، آسمان، پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیپلے دونک (۱) پر ڈال دیئے جاتے، نام کو بال برابر نہ جھکتی —— اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا کہ ولید کے جسم تک پہونچتی —— اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا —— لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی، گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی

ہو گئیں، شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں تو زید سے جو کچھ واقع ہوا سب خلقِ خدا، و بارادۂ خدا تعالیٰ —— زید کا بیچ میں صرف اتنا کام رہا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا اور اس طرف اپنے جوارح، آلات کو پھیرا —— اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے تو زید پر کچھ الزام نہیں رہا بلکہ بارہا ثواب عظیم کا مستحق ہوگا —— کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا اور اس طرف جوارح کو پھیرا جسے اللہ عزّ وجلّ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی، اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا —— اور اگر قتلِ ناحق ہے تو یقیناً زید پر الزام ہے اور عذاب الیم کا مستحق ہوگا کہ بمخالفتِ حکمِ شرع اس شئی کا عزم کیا، اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا جسے مولیٰ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے واسطے سے اپنے غضب اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا —— غرض فعل انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتا بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے —— یہ نیکی کا ارادہ کرے اور اپنے جوارح کو پھیرے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکی پیدا کر دے گا اور یہ برے کا ارادہ کرے اور جوارح کو اس طرف پھیرے اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرما دے گا —— دو پیالوں میں شہد اور زہر ہیں اور دونوں خود بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں —— شہد میں شفا اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اسی نے رکھا ہے۔ —— روشن دماغ حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے کہ دیکھو یہ شہد ہے، اس کے یہ منافع ہیں اور خبردار یہ زہر ہے اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے —— ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی پکاریں آوازیں تمام جہان میں گونجیں، اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں —— اس پر کچھ نے شہد کی

ان اٹھانے ــــ پیالی اٹھا کر پی اور کچھ نے زہر کی ــــ ان اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے ــــ اور ان میں پیالی اٹھانے، منہ تک لے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی ــــ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کرکے، اندر لینے کی طاقت، اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اس کے مخلوق تھے، اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہونچا، کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کرلیں گے؟ یا شہد بلذات خود خالق نفع ہوجائیگا؟ حاشا ہرگز نہیں ــــ بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے، اور ہوگا تو اسی کے ارادے سے ہوگا ــــ وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کرلیں گے؟ یا زہر خود خالق ضرر ہوجائے گا! ــــ حاشا! ہرگز نہیں ــــ بلکہ یہ بھی اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہے اور ہوگا اسی کے ارادہ سے ہوگا ــــ وہ نہ چاہے تو سیروں زہر کھا جائے اصلاً بال بانکا نہ ہوگا ــــ بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہوکر لگے ــــ بایں ہمہ شہد پینے والے ضرور قابلِ تحسین و آفریں ہیں ــــ ہر عاقل یہی کہے گا کہ انہوں نے اچھا کیا، ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا ــــ اور زہر پینے والے ضرور لائقِ سزا و نفریں ہیں ــــ ہر ذی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بدبخت خودکشی کے مجرم ہیں ــــ دیکھو اول سے آخر تک جو کچھ ہوا سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہوا ــــ اور جتنے آلات اس کام میں لئے گئے سب اللہ ہی کے مخلوق تھے ــــ اور اسی کے حکم سے انہوں نے کام دیئے ــــ جو تمام عقلاء کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے اور دوسرے کی مذمت ــــ تمام کہیریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی ــــ پھر کیوں بناتی ہیں ــــ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا نہ زہر میں قوتِ اہلاک ان رکھی ہوئی، نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ ذہن و حلق ان کے پیدا کیے ہوئے نہ ان میں جذب و کشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ حلق سے اتر جانا ان کے ارادہ سے ممکن تھا ــــ آدمی پانی پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ حلق سے اترے مگر اچھو ہوکر نکل جاتا ہے ــــ اس کا چاہا نہیں چلتا۔ جب تک وہی نہ چاہے جو صاحب سارے جہان کا ہے۔

اب حلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں ــــ خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دَورہ کرنا اور دَورہ میں قلب تک پہونچنا اور وہاں جاکر اسے فاسد کردینا یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادہ سے ہے نہ اس کی طاقت سے ــــ بہتیرے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں ــــ پھر ہزار کوشش کرتے ہیں جو ہونی ہے ہوکر رہتی ہے ــــ اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہوجانا لازم تھا ــــ مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے پھر اس سے کیوں بازپرس ہوتی ہے؟۔ ہاں! بازپرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیئے گئے تھے ــــ عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سب نفع نقصان جتا دیئے تھے ــــ دست و دہان و حلق اس کے قابو میں کردیئے تھے ــــ دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی ــــ یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر پی، جامِ شہد کی طرف بڑھاتا اللہ تعالےٰ اسی کا اٹھنا پیدا کر دیتا ــــ یہاں تک کہ سب کام اول تا آخر اسی کی خلق و مشیّت سے واقع ہوکر اس کے نفع کے موجب ہوتے مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ کاسۂ زہر کی طرف ہاتھ

بڑھایا اور اس کے پینے کا عزم لایا۔ وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پرواہے، وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرمادے ــــ اس نے اسی کاسہ کا اٹھنا اور حلق سے اترنا، دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرمادیا پھر یہ کیوں کر بے جرم قرار پا سکتا ہے ــــ انسان میں یہ قصد و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر مجنون ــــ ہر شخص سمجھتا ہے کہ جہ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے ــــ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے کھانے پینے، اٹھنے، بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات ارادی ہیں ــــ ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا، اور جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو، ان میں صریح فرق ہے ــــ ہر شخص واقف ہے جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمین پر گرتا ہے ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ ہے ــــ اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادہ سے تھا اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادہ و اختیار پر نہیں ــــ ولہٰذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا بس یہی ارادہ یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے۔ عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا، یہی مدار امر و نہی و جزا و سزا و ثواب و عقاب و پرسش و حساب ہے ــــ اگرچہ بلاشبہ بلاریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عز و جل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے ــــ جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا نہ اپنے لیے آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا بنا سکتا تھا، یوں ہی اپنے لیے طاقت، قوت، ارادہ و اختیار بھی نہیں بنا سکتا ــــ سب کچھ اس نے دیا اور اس نے بنایا ــــ مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ جب ہمارا ارادہ و اختیار بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو ہم پتھر ہو گئے، قابل سزا و جزا باز پرس نہ رہے، کیسی سخت جہالت ہے ــــ صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا؟ ــــ ارادہ و اختیار! تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحب ارادہ! صاحب اختیار ہوئے یا مضطر، مجبور، ناچار، صاحبو! تمہاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا؟ ــــ یہ کہ وہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی ــــ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے سے تمہاری حرکات کو پتھر کی حرکت سے ممتاز کر دیا اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو ــــ یہ کیسی الٹی مت ہے؟ ــــ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں، ان میں نور خلق کیا، اس سے ہم انکھیارے ہوئے، نہ کہ معاذ اللہ اندھے، یوں ہی اس نے ہم میں ارادہ و اختیار پیدا کیا، اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے ــــ نہ کہ الٹے مجبور ــــ

ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وہ تنہا نو تنہا ہر فرد اختیار بھی اسی کی خلق، اسی کی عطا ہے ــــ ہماری اپنی ذات سے نہیں، تو "مختار کردہ" ہوئے خود مختار نہ ہوئے پھر اس میں کیا حرج ہے؟ ــــ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے ــــ نہ جزا و سزا کے لیے خود مختار ہونا ہی ضرور ــــ ایک نوع اختیار چاہیئے ــــ کسی طرح ہو ــــ وہ بداہتہً حاصل ہے۔

آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر شافی کافی ہے ــــ شہد کی پیالی اطاعت الٰہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی ــــ اور وہ عالی شان حکمار، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے ــــ کہ اللہ ہی کے ارادہ سے ہوگا ــــ اور ضلالت اس

زہر کا مزا ہو پہنچا کر یہ بھی اسی کے ارادہ سے ہوگا ــــــ اطاعت والے تعریف کیے جائیں گے اور تمرد والے مذموم و ملزم ہو کر سزا پائیں گے ــــــ پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ[1] باقی ہے ــــــ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو ــــــ ہاں! یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہدایت، ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے ــــــ اس کا بیان بھی ہو چکا اور آئندہ انشاء اللہ تعالےٰ اور زیادہ واضح ہوگا ــــــ

نیز فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ

وہ علم الٰہی میں کافر ہیں انہیں ایک سا ہے چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ــــــــــــ

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کے لیے رحمت بھیجے گئے اور جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا نہایت غم حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوتا ــــــ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا

شاید تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اس غم کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے۔ لہٰذا حضور کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ــــــ ہوا ہے کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے۔ تم اس کا غم نہ کرو۔ لہٰذا یہ فرمایا کہ تمہارا سمجھانا۔ نہ سمجھانا۔ ان کو یکساں ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے حق میں یکساں ہے۔ کہ ہدایت معاذ اللہ امر فضول ٹھہرے۔ ہادی کا اجر اللہ پر ہے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔

(اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا (کنز الایمان پ ۱۸ ع ۱۲ النور آیت ۵۴)

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(اور میں تم سے اس پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ کنز الایمان پ ۱۹ شعراء)

اللہ خوب جانتا ہے اور آج سے نہیں ازل الازال سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے اور اتنے چاہ ضلالت میں ڈوبیں گے۔ مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرمایا کہ جو ہدایت پانے والے ہیں ان کے لیے سبب ہدایت ہوں۔ اور جو نہ پائیں گے ان پر حجت الٰہیہ قائم ــــــ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ[2]

مروی ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چلے تو ندا ہوئی مگر اے موسیٰ! فرعون ایمان نہ لائے گا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل میں کہا پھر میرے جانے سے کیا فائدہ ہے؟ اس پر بارہ ہزار ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے موسیٰ! آپ کو جہاں کا حکم ہے جایئے۔ یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آج تک ہم پر بھی نہ کھلا۔

ابن جریر عن انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ قَالَ لَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰی مُوْسٰی

---

[1] جسے چاہے بخش دے ۱۲م

[2] اور اللہ ہی کی حجت پوری ہے ۱۲م

عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ (اِلیٰ فِرْعَوْنَ
وُدِّیْ لَنْ یَّنْفَعَ فَلِمَ اَفْعَلُ ! قَالَ
فَنَادَاہُ اَنَّمَا مَثْنیٰ مَلَکًا مِنْ مُلَمَاءِ
اَلْمَلَکُ اِمْضِ لِمَا اُمِرْتُ بِہٖ۔ فَاِنَّا
جَھِدْنَا اَنْ نَعْلَمَ ھٰذَا فَلَمْ نَعْلَمْہُ۔
اور آخر تعمع بشت سب نے دیکھ لیا کہ ــــ
دشمنانِ خدا ہلاک ہوئے، دوستانِ خدا نے ان
کی غلامی، انکے عذاب سے نجات پائی۔ ایک جلسے
میں ستر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے اور ایک زبان
بولے۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی ــ وَ
ھٰرُوْنَ ــــــــــــــــ
ہم اس پر ایمان لائے جو رب ہے سارے
جہان کا رب ہے موسیٰ و ہارون کا۔
مولیٰ عزوجل قادر تھا اور ہے کہ بے کسی نبی
و کتاب کے، تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرمادے
وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا
تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔
اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکھٹا
کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن۔
(کنز الایمان پ ۷ ع ۱۰ الانعام ت ۳۵)
مگر اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔
اور ہر نعمت میں اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق مختلف
حصہ رکھا ہے وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو
بھوک ہی نہ لگتی ــــــ یا بھوکے ہوتے تو کسی
کا صرف اس کے نام پاک لینے سے، کسی کا ہوا سونگنے سے
پیٹ بھر جاتا ــــــ زمین جوتنے سے روٹی
پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں۔
ــــــ مگر اس نے یوں ہی چاہا اور اس میں
بھی بے شمار اختلاف رکھا۔ کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں

پیٹ اس کے دَر سے پلتے ہیں ــــــ اور کسی
پر اس کے اہل و عیال کے ساتھ تین تین فاقے گذرتے
ہیں۔
غرض ہر چیز میں اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَۃَ رَبِّکَ
نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ ــــــ کی نیرنگیاں ہیں۔
احمق بدعقل یا اجہل بددین وہ جو اس کے کاموں
میں چون و چرا کرے کہ یوں کیوں کیا یوں کیوں نہ
کیا ؟ ــــــ سُنتا ہے، اس کی شان ہے۔
یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔
اس کی شان ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ
اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔
اس کی شان ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ
یُسْئَلُوْنَ۔ وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا
نہیں ــــــ اور سب سے سوال ہوگا۔
زید نے روپے کی ہزار اینٹیں خریدیں، پانسو
مسجد میں لگائیں، پانسو پاخانہ کی زمین اور قدمچوں
میں کیا اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ہاتھ کی بنائی ہوئی،
ایک مٹی سے بنی ہوئی، ایک آوے سے پکی ہوئی ایک
روپے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں ــــــ
ان پانسو میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں،
اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں
رکھیں ــــــ اگر کوئی احمق اس سے پوچھے
بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھی میں نے جو چاہا کیا،
جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی
ملک کا کیا پوچھنا ــــــ ہمارا اور ہماری جان و
مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا
مالک ہے ــــــ اس کے کام، اس کے احکام
میں کسی کو مجالِ دم زدن کیا معنیٰ ؟ کیا کوئی اس کا
ہمسر یا اس پر افسر ہے جو اس سے کیوں اور کیا کہے۔
مالک علی الاطلاق ہے۔ بے اشتراک ہے۔ جو چاہا کیا

اور چاہے گا کرے گا۔ ذلیل فقیر بے حیثیت حقیر اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے۔ شامت نے گھیرا ہے ـــــ اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بد عقل بے ادب اپنی حد پر رہ ـــــ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمع کمال صفات میں یکتا و کامل ہے تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
نظام مملکت خویش خسرواں دانند

افسوس کہ دنیوی، مجازی، جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو اور ملک الملوک بادشاہ حقیقی جَلَّ جَلَالُہٗ کے احکام میں رائے زنی کرے ـــــ سلاطین تو سلاطین اپنا برابر زئی بلکہ اپنے سے بھی کم رتبہ شخص بلکہ اپنا نوکر یا غلام جب کسی صنعت کا استاد ماہر ہو اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا ـــــ یہ اتنا ادراک ہی نہیں رکھتا ـــــ مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہوگا ـــــ جان لے گا کہ یہ اس کام کا استاد و حکیم ہے ـــــ میرا خیال وہاں تک نہیں پہونچ سکتا ـــــ غرض اپنی فہم کو قاصر جانے گا نہ کہ اس کی حکمت کو ـــــ پھر رب الارباب، حکیم حقیقی، عَالِمُ السِّرِّ وَالْخَفِیّ عَزَّ وَجَلَالُہٗ کے اسرار میں خوض کرنا اور جو سمجھ میں نہ آئے اس پر معترض ہونا اگر بے دینی نہیں جنون ہے ـــــ اگر جنون نہیں بددینی ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اے عزیز! کسی بات کو حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی

دنیا جانتی ہے کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے ـــــ اور مقناطیسی قوت دیا ہوا لوہا ستارۂ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے ـــــ مگر اس کی حقیقت و کنہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس خاکی لوہے اور اس افلاکی ستارے میں کہ یہاں سے کروروں میل دور ہے باہم کیا الفت؟ اور کیونکر اسے اس کی جہت کا شعور ہے؟ ـــــ اور ایک یہی نہیں عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفہ خاک چھان کر مرگئے اور ان کی کُنہ نہ پائی ـــــ پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہو سکتا، آدمی اپنی جان ہی کو جانے وہ کیا شئی ہے جسے یہ "میں" کہتا ہے؟ اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس و حرکت رہ جاتا ہے۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرقان حکیم میں فرماتا ہے۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تم کیا چاہو، مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہاں کا۔

اور فرماتا ہے۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ ۔ کیا کوئی اور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے۔

اور فرماتا ہے۔ لَہُ الْخِیَرَۃُ ـــــ ـــــ اختیار خاص اسی کو ہے۔

اور فرماتا ہے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

سنتے ہو! پیدا کرنا اور حکم دینا خاص اسی کے لیے ہے، بڑی برکت والا ہے، اللہ مالک سارے جہان کا۔

یہ آیات کریمہ صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا خاص اسی کا کام ہے۔ دوسرے کو اس میں اصلاً شرکت نہیں، نیز اصل اختیار اسی کا ہے۔ نیز بے اس کی مشیت کے، کسی کی مشیت نہیں ہو سکتی۔

اور وہی مالک و مولیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ اسی قرآن کریم میں

میں فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔

یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلا انھیں دیا۔ اور بے شک بالیقین ہم سچے ہیں۔ اور فرماتا ہے۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور فرماتا ہے —— اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ —— جو تمہارا جی چاہے کیے جاؤ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا۔ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ اے نبی تم فرما دو کہ حق تمہارے رب کے پاس سے ہے۔ ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار رکھی ہے جس کے سراپردے انہیں گھیر لیں گے ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔

اور فرماتا ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ——

کافر کا ساتھی شیطان بولا۔ اے رب ہمارے میں نے اسے سرکش نہ کر دیا تھا۔ یہ آپ ہی دور کی گمراہی میں تھا۔ رب جَلَّ وَعَلَا نے فرمایا۔ میرے حضور فضول جھگڑا نہ کرو۔ میں تو تمہیں پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا۔ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی، اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔

یہ آیتیں صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے۔ وہ ایک طرح کا اختیار و ارادہ ضرور رکھتا ہے۔ اب دونوں قسم کی سب آیتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں —— بے شک بے شبہہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، بے شک بے ارادۂ الٰہی کچھ نہیں کر سکتا اور بے شک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنی ہی بداعمالیوں کے سبب مستحق سزا ہے۔

یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں، مگر یوں ہی کہ عقیدۂ اہلسنت وجماعت پر ایمان لایا جائے وہ کیا ہے؟ وہ جو اہلسنت کے سردار و مولیٰ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے انہیں تعلیم فرمایا۔

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں بطریق امام شافعی عن یحییٰ بن سلیم۔ امام جعفر صادق سے، وہ حضرت امام باقر، وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار، وہ امیر المؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

إِنَّهٗ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمًا فَذَكَرَ خُطْبَتَهٗ ثُمَّ قَالَ) فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِّمَّنْ كَانَ شَهِدَ مَعَهُ الْجَمَلَ، فَقَالَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَخْبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ، فَقَالَ بَحْرٌ عَمِيْقٌ فَلَا تَلِجْهُ۔ قَالَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَخْبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ —— قَالَ سِرُّ اللّٰهِ فَلَا تَتَكَلَّفْهُ۔ قَالَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَخْبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ۔ قَالَ أَمَّا إِذَآ أَبَيْتَ فَإِنَّهٗ أَمْرٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ لَا جَبْرٌ وَّلَا تَفْوِيْضٌ۔ قَالَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ فُلَانًا يَقُوْلُ بِالْاِسْتِطَاعَةِ —— وَهُوَ حَاضِرُكَ فَقَالَ عَلَيَّ بِهٖ۔ فَأَقَامُوْهُ، فَلَمَّا رَاٰهُ سَلَّ سَيْفَهٗ قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ، فَقَالَ الْاِسْتِطَاعَةُ تَمْلِكُهَا مَعَ اللّٰهِ أَوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ؟ —— وَإِيَّاكَ أَنْ تَقُوْلَ أَحَدَهُمَا فَتَرْتَدَّ فَأَضْرِبَ عُنُقَكَ —— قَالَ فَمَا أَقُوْلُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ قُلْ أَمْلِكُهَا بِاللّٰهِ الَّذِيْٓ إِنْ شَآءَ مَلَّكَنِيْهَا —— یعنی ایک دن

امیر المومنین خطبہ فرما رہے تھے ——— ایک شخص نے
کہ واقعۂ جمل میں امیر المومنین کے ساتھ تھے، کھڑے ہو کر
عرض کی ——— یا امیر المومنین ؟ ہمیں مسئلہ تقدیر
سے خبر دیجئے فرمایا ——— گہرا دریا ہے، اس میں قدم
نہ رکھ ——— عرض کی یا امیر المومنین ! ہمیں خبر
دیجئے فرمایا ——— اللہ کا راز ہے، زبردستی اس
کا بوجھ نہ اٹھا ——— عرض کی یا امیر المومنین !
ہمیں خبر دیجئے ——— فرمایا اگر نہیں مانتا تو ایک
امر ہے دو امروں کے درمیان نہ آدمی مجبور محض ہے،
و اختیار اسے سپرد ہے ——— عرض کی یا امیر
المومنین فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے
کام کرتا ہے ——— اور وہ حضور میں حاضر ہے مولیٰ
علی نے فرمایا میرے سامنے لاؤ، لوگوں نے اسے کھڑا کیا۔
جب امیر المومنین نے اسے دیکھا، تیغِ مبارک چار
انگل کے قدر نیام سے نکال لی اور فرمایا کام کی قدرت
کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے ؟ یا خدا سے جدا مالک ہے؟
اور سنتا ہے خبردار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا
کہ کافر ہو جائے گا اور میں تیری گردن مار دوں گا۔ اس
نے کہا یا امیر المومنین پھر میں کیا کہوں ؟ فرمایا یوں کہہ کر
اس خدا کے دیئے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے
تو مجھے اختیار دے بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ
اختیار نہیں۔

بس یہی عقیدۂ اہل سنت ہے کہ انسان
پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ خود مختار بلکہ ان دونوں
کے بیچ میں ایک حالت ہے ——— جس
کی کُنہ رازِ خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے ———
۔ اللہ عزّوجلّ کی بے شمار رضائیں امیر المومنین مولیٰ
علی پر نازل ہوں کہ ان دونوں الجھنوں کو ——— دو فقروں
میں صاف فرما دیا ——— ایک صاحب نے
اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادۂ
الٰہیہ واقع نہیں ہوتے ؟ فرمایا تو کیا کوئی زبردستی
معصیت کرے گا۔ اَفَیُعْصٰی قَہْرًا ——— یعنی
وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کر ہی
لیا تو اس کا ارادہ زبردست پڑا معاذ اللہ خدا بھی
دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں
چوروں کا بہترا بندوبست کریں پھر بھی ڈاکو اور چور
اپنا کام کر ہی گذرتے ہیں ——— حاشا وہ۔
مَلِکُ الملوک بادشاہ حقیقی، قادرِ مطلق ہرگز ایسا نہیں
کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے، ایک ذرّہ
جنبش کر سکے ——— وہ صاحب کہتے ہیں ———
کَاَنَّمَا اَلْقَمْتَنِیْ حَجَرًا مولیٰ علی نے یہ جواب دے
کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے بن ہی
نہ پڑا ——— عمرو بن عبید معتزلی ——— کہ بندے
کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا خود کہتا
ہے کہ مجھے کسی نے ایسا الزام نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے
دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا ——— میں نے
کہا تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا کہا خدا نہیں چاہتا۔ میں نے
کہا خدا تو چاہتا ہے مگر شیطان تجھے نہیں چھوڑتے۔
۔ کہا تو میں شریکِ غالب کے ساتھ ہوں ———
اسی ناپاک شناعت کے رَد کی طرف مولیٰ علی نے اشارہ
فرمایا کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت
کرے گا ! ——— باقی رہا اس مجوسی کا عذر
وہ بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی بھوکا ہے بھوک سے دم نکلا
جاتا ہے ——— کھانا سامنے رکھا ہے۔ اور
نہیں کھاتا۔ کہ خدا کا ارادہ نہیں، اس کا ارادہ ہوتا تو
میں ضرور کھا لیتا ——— اس احمق سے یہی
کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ نہ ہونا تو نے کاہے سے جانا ؟
——— اسی سے کہ تو نہیں کھاتا ——— تو
کھانے کا قصد تو کر ——— دیکھ تو ارادۂ الٰہیہ
سے کھانا ہو جائے گا ——— ایسی اوندھی مت

آتی ہے جس پر موت سوار ہے ـــــ غرض مولیٰ علی نے یہ تو اس کا فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادۂ الٰہیہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات کہ سزا و جزا کیوں ہے؟ ـــــ اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا ـــــ ابن ابی حاتم و اصبہانی و لالکائی و خلعی حضرت امام جعفر صادق وہ اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ قِیْلَ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا یَتَکَلَّمُ فِی الْمَشِیْئَةِ فَقَالَ یَا عَبْدَ اللّٰهِ خَلَقَکَ اللّٰهُ لِمَا شَاءَ اَوْ لِمَا شِئْتَ۔؟ قَالَ لِمَا شَاءَ قَالَ فَیُمْرِضُکَ اِذَا شَاءَ اَوْ اِذَا شِئْتَ قَالَ بَلْ اِذَا شَاءَ۔ قَالَ فَیُمِیْتُکَ اِذَا شَاءَ اَوْ اِذَا شِئْتَ؟ قَالَ اِذَا شَاءَ قَالَ فَیُدْخِلُکَ حَیْثُ شَاءَ اَوْ حَیْثُ شِئْتَ؟ قَالَ حَیْثُ شَاءَ قَالَ وَاللّٰهِ لَوْ قُلْتَ غَیْرَ هٰذَا لَضَرَبْتُ الَّذِیْ فِیْهِ عَیْنَاکَ بِالسَّیْفِ۔ ثُمَّ تَلَا عَلِیٌّ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ـــــ

مولیٰ علی سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا اے خدا کے بندے! خدا نے تجھے اس لیے پیدا کیا جس لیے اس نے چاہا، اس لیے جس لیے تو نے چاہا؟ کہا جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے جب تو چاہے؟ کہا بلکہ جب وہ چاہے، فرمایا تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے؟ یا جب تو چاہے؟ کہا جب وہ چاہے، فرمایا تو تجھے وہاں بھیجے گا۔ جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے؟ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں۔ یعنی تیرا سر۔ تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقویٰ کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے کہ۔

خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا بھیجتے وقت بھی نہ لے گا، تمام عالم اس کی ملک ہے، اور مالک سے دربارۂ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی ایک شخص نے آکر امیر المؤمنین مولیٰ علی سے عرض کی کہ یا امیر المؤمنین مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے فرمایا تاریک راستہ ہے اس میں نہ چل ـــــ عرض کی یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا۔ گہرا سمندر ہے اس میں قدم نہ رکھ۔ عرض کی یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا۔ اللہ کا راز ہے تجھ پر پوشیدہ ہے اسے نہ کھول، عرض کی یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا ـــ اِنَّ اللّٰهَ خَالِقُکَ کَمَا شَاءَ اَوْ کَمَا شِئْتَ اللہ نے تجھے جیسا اس نے چاہا بنایا؟ یا جیسا تو نے چاہا؟ عرض کی جیسا اس نے چاہا۔ فرمایا۔ فَیَسْتَعْمِلُکَ کَمَا شَاءَ اَوْ کَمَا شِئْتَ؟ تو تجھ سے کام ویسا لے گا جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے؟ عرض کی جیسا وہ چاہے، فرمایا۔ فَیَبْعَثُکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَمَا شَاءَ اَوْ کَمَا شِئْتَ؟ تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے، کہا جس طرح وہ چاہے، فرمایا اَیُّهَا السَّائِلُ تَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِمَنْ اے سائل تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے مگر کس کی ذات سے؟ کہا اللہ علی عظیم کی ذات سے! ـــــ فرمایا تو اس کی تفسیر جانتا ہے؟ عرض کی

امیر المومنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے اس سے مجھے تعلیم فرمائیں — فرمایا — اِنَّ تَفْسِيْرَهَا لَا بِقُدْرَةٍ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا يَكُوْنُ قُوَّةٌ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فِي الْاَمْرَيْنِ جَمِيْعًا اِلَّا بِاللّٰهِ

اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت — نہ معصیت کی قوت، دونوں اللہ ہی کے دیے ہیں۔

پھر فرمایا —

اَيُّهَا السَّائِلُ اَلَكَ مَعَ اللّٰهِ مَشِيَّةٌ فَاِنْ قُلْتَ اِنَّ لَكَ دُوْنَ اللّٰهِ مَشِيَّةً فَقَدِ اكْتَفَيْتَ بِهَا عَنْ مَشِيَّةِ اللّٰهِ وَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّ لَكَ فَوْقَ اللّٰهِ مَشِيَّةً فَقَدِ ادَّعَيْتَ مَعَ اللّٰهِ شَرِكًا فِيْ مَشِيَّتِهِ —

اے سائل تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے۔ یا بے خدا کے؟ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے تو تو نے ارادہ الٰہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی، جو چاہے خود اپنے ارادے سے کرے گا خدا چاہے یا نہ چاہے اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔

پھر فرمایا —

اَيُّهَا السَّائِلُ اللّٰهُ يَشُجُّ وَيُدَاوِيْ فَمِنْهُ الدَّاءُ وَمِنْهُ الدَّوَاءُ اَعَقَلْتَ عَنِ اللّٰهِ اَمْرَهُ؟ —

اے سائل بے شک! اللہ زخم پہونچاتا ہے۔ اور اللہ ہی دوا دیتا ہے تو اسی سے مرض ہے، اور اسی سے دوا، کیوں تو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا؟۔

اس نے عرض کی ہاں! حاضرین سے فرمایا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (انفال، آیت ۱۳)

اَلْاٰنَ اَسْلَمَ اَخُوْكُمْ فَقُوْمُوْا فَصَافِحُوْهُ۔

اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو۔

پھر فرمایا۔

لَوْ اَنَّ عِنْدِيْ رَجُلًا مِّنَ الْقَدَرِيَّةِ لَاَخَذْتُ بِرَقَبَتِهٖ ثُمَّ لَا اَزَالُ اَجُوْهَا حَتّٰى اَقْطَعَهَا فَاِنَّهُمْ يَهُوْدُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَنَصَارَاهَا وَمَجُوْسُهَا —

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا اور تقدیر الٰہی سے وقوع طاقت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا، یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں، اس لئے کہ وہ اس امت کے یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں۔

یہودی اس لئے فرمایا کہ ان پر خدا کا غضب ہے اور یہودی معضوب علیہم ہیں اور نصرانی و مجوسی اس لئے فرمایا کہ نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں، مجوسی یزدان و اہرمنی دو خالق مانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لا رہے ہیں کہ ہر جن و انس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ —

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے مگر انشاء اللہ تعالیٰ کافی ووافی وصافی وشافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے — اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے — وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ۔

وجود باری تعالےٰ اور وحدانیت کے عقلی دلائل

از مولانا غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ۔ کراچی

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کے ذرہ ذرہ میں اپنی ذات اور صفات پر علامات اور نشانیاں رکھیں۔ پھر انسان کی عقل میں ایسا نور پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ان نشانیوں میں سے صاحب نشان تک پہنچ سکے معرفت عقل کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی طرف عقل انسانی کی رہنمائی کی وجود باری پر ٹھوس شواہد اور ثبوت مہیا کئے۔ آسان، سادہ اور فطری دلیلوں سے انسانی ذہن کو مسخر کیا اور اعجاز آفرین بیان سے انسان کے دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ بارگاہِ الوہیت کے سامنے تصدیق و تسلیم کے ساتھ بے اختیار جھک گیا۔

نبوت اور رسالت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے کتب اور صحائف بھی نازل کئے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کی معرفت کے علاوہ انسان کی اُخروی سعادت اور اس کی دنیاوی زندگی کے لئے ایک جامع اور مربوط نظام کے اُصول اور قواعد بیان فرمائے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو شیطان کی زہر آفرینیوں سے ضائع کردے۔ وہ ہر زاویے اور ہر رُخ سے انسان کو اپنی طرف بلاتا ہے سورج کے طلوع و غروب، گردش لیل و نہار، موت و حیات کے حدوث اور تکلیف و راحت کے توارد میں اس نے انسانی ذہن کی سوچ کے دھاروں کا رُخ اپنی ذات کی طرف موڑنے کے لئے ہدایت کا سامان کر رکھا ہے وہ آسمان و زمین کے حقائق و آثار اور بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کی قوت دیتا ہے تاکہ کسی طور سے انسان کجروی سے باز آئے، اپنے خالق کو پہچانے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کے بے اندازہ لطف و کرم کے احساس سے ممنون ہو کر سجدۂ سپاس بجالائے۔ ہم آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

انقطاعِ اسباب سے استدلال

ہمارے مشاہدات اور تجربات سے یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ ہر چیز اپنے وجود میں کسی علت اور سبب کی محتاج ہے۔ اور اس عالم آب و گل میں کوئی شے بغیر سبب کے ظہور پذیر نہیں ہوتی اور جب ہر ممکن

کا ایک سبب ہوتا ہے اور اس سبب کا پھر کوئی سبب ہوتا ہے وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے تو سبب اور مسببات کا ایک غیر متناہی سلسلہ لازم آئیگا۔ اور امورِ غیر متناہی کا سلسلہ عقلاً محال ہے۔ اس لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ اسباب کا سلسلہ اخیر میں جا کر کسی ایسے سبب پر ختم ہو جاتا ہے جو اپنے وجود میں کسی اور سبب سے مستغنی ہے اور جب یہ وجود علت اور سبب سے مستغنی ہے تو ضروری ہوا کہ یہ وجود امکان اور احتیاج کے نقص سے پاک ہو کیونکہ ہر ممکن کسی سبب اور علت کا محتاج ہوتا ہے لہذا یہ وجود واجب قرار پایا جو بذاتہ موجود ہے اور تمام موجودات عالم کا موجد ہے۔

طبعی خواص کی نفی سے استدلال

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اشیاء میں خواص ہوتے ہیں اور بغیر کسی سبب اور علت کے ان اشیاء سے وہ طبعی خواص اور آثار صادر ہوتے ہیں مثلاً پھر کو اچھالئے تو وہ بغیر کسی سبب اور علت کے اوپر سے نیچے کی طرف چلا آئے گا اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ساری کائنات اسی طرح بغیر کسی سبب کے اپنے طبعی تقاضوں سے وجود میں آئی ہو۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ ایک درخت کی طرف دیکھیں اس کا تنا بھی لکڑی کا ہے اور جڑیں بھی لکڑی کی ہیں۔ اور تنا اوپر کی طرف جاتا ہے اور جڑیں نیچے کی طرف جاتی ہیں۔ اب اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا اوپر جانا ہے تو جڑیں نیچے کی طرف کیسے جاتی ہیں اور اگر اس کا تقاضا نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جاتا ہے!؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی اپنی طبیعت کا تقاضا کچھ نہیں ہے بلکہ درخت کی [illegible] کسی اور ذات کا تصرف ہے اور [illegible] قادر قیوم نے درخت کی اس لکڑی کے جس حصّہ کو چاہا اوپر اٹھا دیا اور جس حصّہ کو چاہا نیچے جھکا دیا۔

شہتوت سے استدلال

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک شہتوت کے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ کسی نے ان سے وجود باری کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس شہتوت کے درخت کو دیکھو اس کے پتوں کو اگر بکریاں چریں تو دودھ حاصل ہوتا ہے اور شہد کی مکھی ان پتوں کو چاٹ لے تو شہد بنتا ہے ریشم کا کیڑا ان پتوں کو کھائے تو اس سے ریشم حاصل ہوتا ہے اور اگر ہرن ان کو کھائے تو اس سے مُشک حاصل ہوتا ہے اور ان چاروں چیزوں کے حقائق اور آثار مختلف ہیں اور شہتوت کے پتوں کا تقاضا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ طبیعت واحدہ کا تقاضا بھی واحد ہوتا ہے پس اگر ان پتوں کی طبیعت کا تقاضا دودھ ہے تو اس سے ریشم، شہد اور مُشک کیسے حاصل ہوا اور اگر ان کی طبیعت کا تقاضا ریشم ہے تو ان سے مُشک شہد اور دودھ کس طرح حاصل ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ پتے اپنی ذات میں کسی چیز کا تقاضا نہیں رکھتے۔ اصل میں ان تمام اشیاء کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے وہ چاہے تو اس پتہ کو بکریوں کے منہ میں ڈال کر ان سے دودھ نکال دے اور چاہے تو شہد کی مکھیوں سے ان پتوں کو چسوا کر ان کو شہد بنا دے اور چاہے تو ہرن کو یہ پتے کھلا کر اس کو مہکتی ہوئی مشک میں تبدیل کر دے اور اگر چاہے تو ان پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی خوراک بنا کر اس سے ریشم بنا دے۔ اس کائنات کی حقیقتوں میں سے آپ جس حقیقت پر بھی غور کریں گے یہی منکشف ہو گا کہ ہر حقیقت کے پیچھے اسی مؤثر حقیقی کا دست غیب کار فرما ہے اور بظاہر نظر آنے والے سارے اسباب

جب انسان مصیبتوں کے جنجال میں پھنس جاتا ہے اس وقت کٹر سے کٹر کافر بھی اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وقدرت کا احساس ہوتا ہے۔

ایک حجاب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔

لیموں سے استدلال

لیموں کو دیکھئے اس کا چھلکا گرم خشک ہوتا ہے اور اس کا گودا گرم تر ہوتا ہے اور اس کا عرق سرد خشک ہوتا ہے اور لیموں کے یہ تمام مختلف آثار اس کے واحد بیج میں ہوتے ہیں اور اس بیج کی طبیعت کا تقاضا بھی ایک ہونا چاہئے لیکن اس بیج سے جب لیموں کا پھل پک کر سامنے آیا تو اس میں گرم خشک، گرم تر، اور سرد خشک سب قسم کے آثار موجود تھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ موجودات طبعی آثار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک زبردست حکیم مطلق اور قادر قیوم کی قدرت اور حکمت کا نتیجہ ہے کہ وہ چاہے تو گرم خشک بیج سے سرد تر پھل پیدا کر دے اور چاہے تو سرد تر بیج سے گرم خشک پھل کو وجود میں لے آئے۔

زرعی پیداوار سے استدلال

سلسلہ پیداوار کو دیکھئے ہم ایک دانہ گندم کو زمین میں دبا کر چلے آتے ہیں پھر وہ کونسی طاقت ہے جو اس دانہ گندم کو پھاڑ کر اس سے باریک کونپل نکالتی ہے اور وہ اس قدر باریک اور نازک ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل ڈالیں تو ختم ہو جاتے۔ پھر اس کونپل کو اس قدر شکتی اور قوت کون دیتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کا سینہ چیر کر زمین کے اندر جا کر اپنی مستحکم جڑیں بنا لیتی ہے۔ پھر شبنم کے قطرے اور نسیم سحر کے نرم و نازک جھونکے اس میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں۔ سورج کی کرنیں اس میں پختگی لاتی ہیں اور وقت مقررہ پر ہونے والی بارشیں اس میں ہریالی پیدا کرتی ہیں۔ چاند کی کرنیں اس میں ذائقہ لاتی ہیں اور سورج کی تیز دھوپ اس فصل کا قوام تیار کر کے اسے مکمل کرتی ہے اور فصل کٹ جانے کے بعد تند و تیز آندھیاں دانہ کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لئے اہم رول ادا کرتی ہیں۔

سوچئے زمین و آسمان کی یہ تمام قوتیں اگر ہماری فصلوں میں اپنا اپنا رول ادا نہ کریں تو کیا ہم زمین سے ایک دانہ گندم بھی حاصل کر سکتے تھے۔ پھر بیج بونے سے لیکر فصل کی کٹائی تک اس مربوط منظم نظام کو کون چلا رہا ہے۔ کیا کسی بے جان بت نے یہ نظام وضع کیا ہے یا نظام شمسی کے پابند سیارے یہ نظام چلا رہے ہیں اور جب ہم سمجھتے ہیں کہ عناصر کائنات میں سے کوئی چیز اس نظام کی واضع اور اس پیداوار کی خالق نہیں ہے اور نہ ہی یہ عقل باور کرتی ہے کہ کسی ناظم کے بغیر کوئی نظام عمل میں آجائے یا کسی مقنن کے بغیر کوئی قانون تشکیل پا جائے یا کسی خالق کے بغیر کوئی مخلوق وجود میں آجائے تو پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کے ماوراء ایک زبردست حکیم اور قادر قیوم کی ذات فرمانروا ہے جس کی عجیب و غریب حکمت اور زبردست طاقت سے زرعی پیداوار کا یہ سارا سلسلہ رواں دواں ہے۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ — بھلا بتاؤ تو سہی تم جو کچھ زمین میں
ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ — بو کر آتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا
الزَّارِعُونَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ — ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس
حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ — فصل کو بالکل ملیامیٹ کر دیں
إِنَّا لَمُغْرَمُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ — اور تم کف افسوس مل کر یہ کہتے رہ
(سورۂ واقعہ ۶۷) — جاؤ ہم پر اچانک آفت آپڑی بلکہ ہم بالکل محروم ہو گئے۔

ایک اور زاویہ سے دیکھئے کہ غلہ کی مختلف اجناس کا ہر سال ایک معین موسم میں پیدا ہونا اور پھلدار درختوں کی مختلف اقسام کا ہر سال اپنے اپنے موسم میں پھل لانا اور پھلوں سے لدے ہوئے پودوں اور درختوں میں ہمیشہ اپنے مقررہ ایام میں کلیوں کا کھلنا اور پھولوں کا مہکنا اور ہر نوع کے بیج سے اسی نوع کے پھل، پھول اور غلہ کا پیدا ہونا کیا ان تمام مقررہ اور منضبط امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زرعی پیداوار کا یہ عظیم سلسلہ کوئی امر اتفاقی نہیں ہے اور نہ از خود بغیر کسی صانع کے یہ نظام خود بخود چل رہا ہے اور نہ ہی یہ نظام متعدد دیوتاؤں کی تخلیق کا مرہون منت ہے۔ بلکہ اس وسیع زرعی نظام کے پیچھے خلاق واحد کا دست قدرت کار فرما ہے جو فیاض اور جواد بھی ہے اور حکیم و قدیر بھی۔

اگر کوئی شخص اس کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھول ہمیشہ ایک موسم میں کیوں کھلتے ہیں۔ غلہ اور پھلوں کی پیداوار میں ہمیشہ ایک مخصوص موسم اور ماحول کا اعتبار کیوں ہوتا ہے اور گندم کے بیج سے چاول اخروٹ کے بیج سے انناس کیوں پیدا نہیں ہو جاتا۔ الحاد، شرک اور دہریت کی بنیاد پر کوئی شخص ان سوالوں کا معقول جواب نہیں دے سکتا اور جو شخص اپنی ذہنی توانائیوں کو ضائع نہیں کر چکا اس کو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ زرعی پیداوار کے اس مربوط نظام میں تسلسل، انضباط اور باقاعدگی یونہی کوئی امر اتفاقی نہیں ہے۔ نہ متعدد شرکا کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ بلکہ زرعی پیداوار کا یہ وسیع اور پر از حکمت سلسلہ اس خلاقِ واحد کی قدرت، حکمت اور فیاضی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ڈارون کے نظریہ کا ابطال

نطفہ کا ایک قطرہ جو علقہ، مضغہ اور دوسرے تخلیقی مراحل طے کرکے صورت انسانی میں ڈھل کر ماں کی گود میں مہکتا ہوا آ پہنچتا ہے۔ کیا نطفہ سے لیکر اس پیکر انسانی تک کی تمام منزلیں اس نے خود بخود طے کر لی ہیں۔ کسی انسان کا خود بخود بن جانا تو بہت بڑی بات ہے اس عالم اسباب میں تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر یہ بنا بنایا انسان کبھی کسی حادثہ یا بیماری سے بگڑ جائے تو بغیر کسی خارجی عمل کے وہ خود بخود ٹھیک ہو جائے تو سوچئے کہ جو چیز بننے کے بعد خود بخود ٹھیک نہیں ہو سکتی وہ ابتداءً خود بخود بن کیسے سکتی ہے۔ غلط کہتا ہے وہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان کیڑے مکوڑوں کے مراحل طے کرتا ہوا بندر تک آ پہنچا اور پھر اس بندر نے ارتقائی منازل طے کرکے انسانی شکل اختیار کر لی اولاً تو کیڑے مکوڑے بھی خود بخود نہیں پیدا ہوتے اور ثانیاً یہ کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہزارہا سائنسی اور کیمیاوی ترکیبیں استعمال کرنے کے باوجود آج تک بندر کو انسان کا بدل بنا نہیں کیا جا سکا تو اب سے لکھو کھا سال پہلے جب موجودہ علم اور سائنس کا نام ونشان تک بھی نہ تھا اس وقت بندر کس فارمولے پر عمل کرکے انسان بن گیا۔ اور وہ فارمولا اب کہاں گم ہو گیا۔ اس لئے لامحالہ کہنا پڑیگا کہ انسان کی پیدائش کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ وہ سرتاپا نقش اس قادر قیوم کی قدرت اور حکمت کا ساختہ پرداختہ ہے۔

خلقت انسان سے استدلال

جب بظاہر ہو چکا کہ انسان کو عدم سے وجود میں لانے والا خود وہ انسان نہیں ہے۔ نہ اس کے ماں باپ اس کے موجد ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں اور مرد و زن کے اختلاط کے باوجود اولاد پیدا نہیں ہوتی اور نہ دنیا کے دوسرے انسان اس کے موجد ہیں۔ کیونکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ آج تک کوئی انسان جیسا دوسرا انسان نہیں بنا سکا اور انسانی مراتب سے نیچے جو حیوانات اور اشجار اور دیگر اجسام کا عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ عالم تو انسان سے ارذل اور اس کی اغراض کے تابع ہے۔ اور اسفل، اعلیٰ کا موجد کسی حال میں نہیں ہو سکتا اور انسان کے اوپر چاند سورج اور دیگر سیارگان کا جو عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تمام سیارے ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں اور ان کی گردش کی یہ یکسانیت بتلاتی ہے کہ یہ کسی کے بنائے ہوئے نظام عمل کے تابع ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عالم امکانی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کے موجد ہونے کی صالح اور دعویدار ہو تو ضروری ہوا کہ انسان کا موجد جسم اور جسمانیت سے خارج اور سامکان اور حدوث کے عیب سے پاک ہو۔

انسانی تخلیق کے مراحل سے استدلال

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس عالم اسباب میں انسان کی پیدائش مرد و زن کے اختلاط سے وجود میں آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور حضرت حوا کو بغیر عورت کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کرکے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے انسان کی تخلیق کے لئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ایک عام سبب

اس کی عظیم قدرت ان تمام اسباب سے بالاتر ہے وہ چاہے تو مٹی کے ایک ڈھیر سے حضرت آدم جیسے عظیم انسان نبی کی تخلیق کر دے اور وہ چاہے تو نطفہ کی ایک حقیر بوند سے انسانوں کی پیدائش کا ایک لاانتہائی[1] سلسلہ شروع کر دے۔

اب سوچئے کہ نطفہ کی ایک بے جان بوند سے یہ جیتا جاگتا انسان کس طرح وجود میں آگیا۔ علمی تحقیقات اور سائنس کے روز افزوں تجربات کے باوجود سائنس داں آج تک کسی بے جان مادے سے کسی جاندار شے کو وجود میں نہیں لا سکے۔ اب تک جو ثابت ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ نطفہ جوہر حیات تو ہے لیکن خود زندگی سے خالی ہے۔ پھر جو چیز خود حیات سے عاری ہو وہ ایک صاحب حیات کی موجد کیسے ہو سکتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ بیجان نطفہ کی بوند اپنے اندر علم و ادراک اور قوت و توانائی کا وہ جوہر رکھتی ہے جس سے وہ ایک مکمل انسان کی صورت گری پر قادر رہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انسان مکمل ہو جانے کے بعد اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اپنے جسم کے بالوں میں سے کسی ایک بال کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کر سکے تو جب یہ انسان مکمل اور طاقت ور ہونے کے باوجود اپنے اندر تغیر و تبدل کی قدرت نہیں رکھتا تو جس وقت یہ ایک حقیر نطفہ کی بوند کی شکل میں تھا اس وقت یہ اپنے اندر تغیر اور نشو و نما کی سکتی کیسے رکھ سکتا تھا؟ اس لئے ماننا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق اور تصویر و تشکیل میں اسی خلاق واحد کا دست قدرت کارفرما ہے۔

انسان کی تخلیق اس کے نطفہ میں موجود ایک انتہائی باریک جرثومے سے ہوتی ہے۔ اور جب مرد کا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچتا ہے تو یہ جرثومہ عورت کے رحم میں کسی وقت اس نسوانی انڈے سے جا ملتا ہے جو اس جرثومہ کی طرح انتہائی باریک ہوتا ہے پھر ان دونوں کے امتزاج سے ایک باریک خلیہ بن جاتا ہے اور یہی خلیہ حیاتِ انسانی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور اس خلیہ کا وجود میں آجانا ہی استقرار حمل کی علامت ہے پھر اللہ تعالیٰ اس خلیے کو علقہ یعنی جمے ہوئے خون کی شکل میں لاتا ہے پھر اس علقہ کو تدریجاً مضغہ یعنی گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل کرتا ہے پھر اس گوشت کے ٹکڑے کی صورت گری کی جاتی ہے اور گوشت کے اس لوتھڑے کو انسانی اعضاء کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور اس کو مرد یا عورت کی ساخت عطا کی جاتی ہے استقرار حمل کے چار ماہ بعد اس میں روح ڈال دی جاتی ہے پھر عورت کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچا کر اس کی جسامت بڑھائی جاتی ہے۔ اور اس کے دماغ میں وہ تمام صلاحیتیں رکھی جاتی ہیں۔ جن کے سبب سے وہ آگے چل کر اپنی زندگی میں تعلیم و تربیت اور ماحول کے زیر اثر کسی ڈاکٹر، انجینئر، سیاست داں، عالم دین، ولی کامل، تاجر یا ایک جاہل مزدور اور بدمعاش غنڈے کی شخصیت میں معاشرے کے اندر ابھر آتا ہے۔

انسانی تخلیق کے ان تمام مراحل میں انسان کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اپنے نطفہ کو عورت کے رحم تک پہنچاتا ہے اس کے بعد اس کے نطفہ سے ایک خاص جرثومہ کو نسوانی بیضہ سے کون ملاتا ہے پھر اس امتزاج کے نتیجہ کو پہلے علقہ پھر مضغہ کی شکل میں کون ملاتا ہے۔ پھر اس مضغہ کو الگ الگ انسانی صورتوں کا لباس پہنا کر چار ماہ بعد اس میں روح کون پھونکتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا کس کا کام ہے کہ اس شخص کو سلیم الاعضاء بنانا ہے یا محتاج اور اپاہج پھر اس کے ذہن اور دماغ میں مختلف شعبوں کی الگ الگ صلاحیتوں کو کون رکھتا ہے اور نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں اس کو مسلسل غذا اور نشو و نما کا مادہ کون فراہم کرتا ہے کیا یہ تمام کام خود وہ عورت کرتی ہے یا کوئی ڈاکٹر اور حکیم اپنی ادویات سے اس عمل کو جاری رکھتا ہے یا پھر یہ کسی سائنسداں کا شاہکار ہے یا بے جان بت جو خود سے ہل بھی نہیں سکتے۔ وہ نطفہ کی ایک بوند کو جیتا جاگتا انسان بنا دیتے ہیں پھر آخر یہ کس کا کارنامہ ہے کیا اب بھی عقل یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ خدائے واحد کے سوا ان افعال کا اور کوئی خالق نہیں ہے۔

اور اگر اب بھی کوئی شخص ڈھٹائی سے کہہ دے کہ خود بخود محض اتفاق سے یہ عمل ہو رہا ہے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر تخلیق انسانی محض ایک اتفاقی حادثہ ہے

---

[1] لامتناہی سے مراد لاتقف عند ہے۔ جو درحقیقت متناہی بالفعل ہے۔

کے اختلاط کی قید کیوں ہے۔ تو اس میں ابتداءً مرد اور عورت سے بچہ کیوں نہیں پیدا ہو جاتا اور تمام دنیا میں انسان کی پیدائش کے لئے ایک ہی ضابطہ کیوں مقرر ہے۔ ہمیشہ ایک مکمل بچہ پیدا ہونے کے لئے نو ماہ کا عرصہ کیوں درکار ہوتا ہے۔ الحادی اور دہریت کی بنیاد پر ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکتا اس لئے اگر کوئی شخص عقل سے بالکل اندھا اور ہوش و حواس سے قطعاً عاری نہیں ہو چکا تو اسے لازماً کہنا پڑے گا کہ اس عالم کے ورا ایک قادر و قاہر ہستی ہے جو خلاق اور جواد ہے

خوبصورت مسجد ابوظہبی متحدہ عرب امارات

جس نے نسل انسانی کے ارتقاء کے لئے ایک سبب بنایا اور اس سبب میں اس قدر کشش رکھ دی کہ مرد اپنے شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دے اور بس:۔ غور کیجئے جو بچہ پیٹ سے باہر آکر ہوا کے ایک جھونکے اور دودھ کی چند چسکیوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا وہ مسلسل نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں ہوا، پانی اور خارجی غذا کے بغیر کیسے زندہ اور جیتا جاگتا رہا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور اس کی نشو و نما کے لئے ہوا، پانی، اور خارجی غذا مؤثر ہیں یا نہیں۔ اگر ان چیزوں کا اس کی زندگی میں کوئی دخل نہیں تو دنیا میں انسان ان چیزوں کے بغیر کیوں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہ چیزیں اس کی حیات اور بقاء میں مؤثر ہیں تو ان کے بغیر وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح زندہ رہ سکا معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ طبیعت اور فطرت کا تقاضا ہے بلکہ وہ خالقہ اللہ عزوجل کا ساختہ پرداختہ ہے۔ ظاہری اسباب محض حجاب ہیں اور مؤثر حقیقی وہی خالق لم یزل ہے وہ چاہے تو ماں کے پیٹ میں خارجی ہوا اور غذا کے بغیر حیات اور روئیدگی دیدے اور چاہے تو پیٹ کے باہر خارجی ہوا اور غذا سے اس کو نشو و نما عطا کردے۔ وہ چاہے تو نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کردے اور چاہے تو محض مٹی اور گارے سے ایک عظیم الشان انسان پیدا کردے۔

کیا اس عالم رنگ و بو اور وسیع کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اپنی قدرت اور حکمت کے ایسے عجیب و غریب مظاہر دکھا سکے اور کیا اس صانع فطرت کے ان عظیم کرشموں کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ یونہی اتفاقاً ہو رہا ہے اور توالد و تناسل کے اس باقاعدہ، متواتر اور مربوط نظام کے پیچھے

کسی قادر قیوم اور خلاق حقیقی کا ہاتھ کارفرما نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ میں شطرنج کے کھیل سے بڑا متعجب ہوتا ہوں کہ یہ کھیل ایک مربع نما تختہ کے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے اور اگر ان خانوں میں لاکھ مرتبہ بھی شطرنج کھیلی جائے تو ہر بار بازی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے میں اس سے کہیں زیادہ بڑے امر پر تعجب کرتا ہوں کہ انسان کا چہرہ صرف بالشت بھر کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارب ہا ارب بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ چہرے پیدا کئے لیکن کوئی چہرہ دوسرے چہرے سے نہیں ملتا۔ کسی کی آنکھ دوسرے کی آنکھ سے، ناک ناک سے، ہونٹ ہونٹ سے، اور کان کان سے نہیں ملتے۔

اور میں کہتا ہوں کہ چہرہ تو بہت دور کی بات ہے انسان کے ہاتھ میں ڈھائی انچ کا انگوٹھا ہوتا ہے اور کسی انگوٹھے کی لکیریں دوسرے سے نہیں ملتیں بلکہ ایک ہی انسان کے دائیں انگوٹھے کی لکیریں بائیں انگوٹھے سے نہیں ملتیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے سبحان ہے وہ ذات جس نے چربی کی ایک بوٹی سے دکھایا، نرم ہڈی سے سنوایا اور گوشت کے ایک ٹکڑے کو گویا کر دیا۔ جو لوگ انسان کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتے ہیں وہ اس بات کی کیا توجیہ کریں گے کہ انسان کے جسم میں ہر جگہ گوشت ہے۔ پھر بولنے کا خاصہ صرف زبان میں کیوں ہے اور کیوں ضروری ہے کہ دیکھنے کے لئے صرف آنکھیں مخصوص ہیں۔ جسم کے کسی اور حصہ کی چربی بینائی کا آلہ کیوں نہیں بن جاتی۔ اس لئے اگر کوئی شخص محض ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آیا تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے۔ نہ کسی فطری ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے بلکہ وہ مکمل طور پر اس خلاق واحد کی قدرت اور حکمت کا حسین شاہکار ہے۔

ماں کے دودھ سے استدلال

جب ایک عورت ماں بن جاتی ہے اور اس کی گود میں بچہ کھیلنے لگتا ہے تو اس کے سینے سے دودھ اتر آتا ہے جو غذا وہ پہلے کھاتی تھی اب بھی وہی غذا کھاتی ہے نہ غذا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ کھانے والی میں کوئی تبدیلی ہوئی پھر یہ دودھ کہاں سے آگیا۔ اگر یہ غذا کا اثر تھا تو کسی اور شخص کے کھانے سے اس کے سینے میں دودھ کیوں نہیں اترتا اور اگر اس عورت کی خاصیت ہے تو بچہ کی پیدائش سے پہلے اس کے سینے سے دودھ کیوں نہیں نکلا۔ معلوم ہوا کہ یہ اثر نہ غذا کا ہے نہ غذا کھانے والی کا یہ صرف اس قادر مطلق کی کارفرمائی ہے جو رنگ برنگ ترکاریوں کو خون کی رنگت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس خون کو دودھ کی سفید دھاروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر ہمارے پاس کوئی ایسا خارجی عمل نہیں جس کے ذریعہ

ہم ماں کے سینے سے جاری ہونے والے دودھ کو روک سکیں۔ بلکہ اس کے نزدیک جب تک بچے کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ماں کے سینہ میں دودھ اتارتا رہتا ہے اور جب ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو دودھ کے جاری ہونے کا یہ سلسلہ اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے کہ انسان کے جسمانی نظام میں اللہ کی ذات اور اس کی حکمت اور قدرت کی یہ بہترین نشانیاں نہیں ہیں۔

> اللہ تعالیٰ نے کروڑہا کروڑ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ چہرے پیدا کئے لیکن کوئی چہرا دوسرے چہرے سے نہیں ملتا۔ آنکھ آنکھ سے۔ ناک ناک سے۔ ہونٹ ہونٹ سے اور کان کان سے نہیں ملتے۔ یہ اس خلاق واحد کی قدرت اور حکمت کا حسین شاہکار ہے

جانوروں کے دودھ سے استدلال

جانوروں سے جو ہم دودھ حاصل کرتے ہیں یہ اس چارے سے حاصل ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں۔ پھر جب جانوروں کی اوجھڑی میں یہ چارہ پہنچتا ہے تو اوجھڑی میں ہضم اول کا مرتبہ شروع ہوتا ہے۔ اوجھڑی کے اوپر کے حصہ میں خون اور نچلے حصہ میں گوبر اور درمیانی حصہ میں دودھ کا قوام تیار ہوتا ہے اور اس کے قوام کو اللہ تعالیٰ بننے کے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا جانوروں کے تھنوں تک پہنچا دیتا ہے۔ دودھ کے نیچے گندگی اور غلاظت ہے اور اس کے اوپر سرخ رنگ کا سیال خون دوڑ رہا ہے آخر وہ کونسی حقیقت ہے جو جانوروں کے پیٹ میں تصرف کر کے سرخ رنگ کے سیال خون اور بدبودار گوبر کے درمیان سے صاف سفید شربت اور خوشبودار دودھ کو اس طرح باہر نکال لیتی ہے کہ نہ گوبر کا کوئی ذرہ اس میں داخل ہوتا ہے اور نہ خون کا کوئی قطرہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ کیا یہ صاف اور پاکیزہ دودھ اس خالق کائنات کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو فرماتا ہے۔ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ؀ ان جانوروں میں تمہارے لئے غور و فکر کا موقع ہے ہم تم کو گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

دودھ کا یہ حصول چارہ کا طبعی خاصہ نہیں ہے ورنہ نر جانور بھی چارہ کھاتے ہیں اور ان سے دودھ کا کوئی قطرہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ مادہ جانور ہی کی طبعی خصوصیت ہے ورنہ ایام حمل میں یا اس سے پہلے بھی وہ دودھ دیتی رہے نہ بچہ کی خصوصیت ہے کیونکہ بچہ کے مر جانے کے بعد بھی وہ ایک مدت معینہ تک دودھ دیتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں سے دودھ کے حصول کے نظام میں چارہ، جانور، اور بچہ کوئی چیز مرکزی کردار ادا نہیں کرتی اس تمام مربوط نظام میں جو دودھ کے حصول کا سبب ہے وہ ایک ذات کارفرما ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنا تصرف فرما رہی ہے۔

نظامِ ہضم سے استدلال

انسان جو غذا کھاتا ہے وہ اس کے معدہ میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کا ہضم اول شروع ہوتا ہے اس غذا کا جو صاف جوہر ہے وہ جگر کی طرف چلا جاتا ہے اور جو کثیف مادہ ہے وہ انتڑیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پھر جگر میں ہضم ثانی ہوتا ہے اور صاف جوہر جگر میں جا کر سوداء صفراء پانی اور خون بن جاتا ہے۔ پھر وہاں ان کی تقسیم شروع ہوتی ہے۔ صفراء پتہ کی طرف چلا جاتا ہے اور سوداء تلی کی طرف چلا جاتا ہے اور پانی گردہ کی طرف اور خون رگوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور وہاں ہضم ثالث کا عمل شروع ہوتا ہے اور حرارت غریزی سے اعضاء بدن کی جو صورت تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ خون ان اعضاء میں پہنچ کر اس کے عوض اس عضو کی نئی صورت مہیا کرتا ہے۔ سوچئے کیا یہ سب یونہی ہو رہا ہے۔ کھانے کے چند نوالوں سے جو خون گوشت اور ہڈیوں کی صورت نشو و نما پا رہی ہے کیا یہ کسی عظیم حکمت اور زبردست قدرت کے زیر انتظام نہیں ہے۔

انسانی نشو و نما سے استدلال

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جس طرح انسان کے جسم کی ساخت بنائی ہے اس میں متعدد کار آمد اعضاء رکھے ہیں پھر جو غذا ہم پانی اور کھانے کی شکل میں حاصل کرتے ہیں اس کا ایک ایک ذرہ وہ ان تمام اعضاء کو ان کی مخصوص جگہوں پر پہنچاتا ہے اور جس عضو کو جتنی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو اتنی توانائی فراہم کرتا ہے اور اس طرح تدریجاً انسان کو اس کے طبعی ارتقاء تک پہنچاتا ہے آپ سوچئے کہ انسان کے جسم میں اس سارے نظام کو کون چلا رہا ہے کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے یہ تو ہو نہیں سکتا، یا کوئی مافوق الفطرت ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے پھر وہ ہستی کیا سورج ہے، چاند ہے، پانی ہے، آگ ہے، پتھر ہے، جانور ہے انسان ہے کیا ہے! یہ تمام چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خود کسی کے بنائے ہوئے نظام کے تحت سرگرم عمل ہیں اور اس نظام کے پابند ہیں اور اس کے

احکام کی طاعت پر مجبور ہیں۔ خواہ ہوں یا کواکب، زمین کی پہنائیاں ہوں یا افلاک کی بلندیاں یہ سب ایک بنے تلے مقدر اور منضبط نظام کے تحت اپنے اپنے حصہ کا کام انجام دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ جس ذات نے ان تمام موجودات کو ایک نظام میں مربوط کیا ہوا ہے وہی ذات انسانی جسم کی ساخت اور اس کی نشو و نما کی خالق اور مربی ہے۔ سورج اور چاند اسی کے حکم سے طلوع ہوتے ہیں۔ دن اور رات کا سلسلہ اسی کے اشارہ ابرو سے وجود میں آتا ہے۔ سمندروں میں طوفان اسی کے حکم سے اٹھتے ہیں اسی کے حکم سے بارشیں نازل ہوتی ہیں۔ اسی کے اذن سے کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں وہ نہ چاہے تو بادلوں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ اترے اور کھیتیاں ویراں ہو جائیں اور زمین غلہ کا ایک دانہ بھی نہ اگا سکے اور انسانوں اور حیوانوں کو کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہ مل سکے اور یہ سب بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔

بیماری اور موت سے استدلال

صحت اور بیماری زندگی اور موت سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اگر وہ کسی شخص کو بیمار کرنا چاہے تو ہم ہزار جتن کے باوجود اس کی صحت واپس نہیں لا سکتے۔ جب کہ اس جیسی بیماری کے ہزاروں مریض معمولی علاج سے شفایاب ہو جاتے ہیں اور اس بیمار کے لئے بڑے سے بڑے ڈاکٹر اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے کے باوجود اس کی صحت کو واپس نہیں لا سکتے اور بالآخر وہ شخص بیماری کے ایام گزارتا ہوا اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی زندگی کی ایک میعاد مقرر کی ہے اور جب کوئی انسان اپنی زندگی کے سانس پورے کر لیتا ہے تو خواہ وہ بادشاہ ہو یا فقیر، بڑے سے بڑے ڈاکٹر ہو یا ماہر طبیب، سائنسدان ہو یا فلسفی اسے بہرحال اس وقت مرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑی سے بڑی کوشش اور اہم سے اہم سائنسی عمل ہزار جتن کے باوجود مدت حیات پوری ہونے کے بعد اسے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتا اگر اس عالم اسباب سے کوئی ماورا ہستی نہیں ہے تو پھر وہ کون سی طاقت ہے جو کسی بیمار کو تندرستی سے اور مرنے والے کو زندگی سے ہم کنار ہونے نہیں دیتی اس نظام کائنات میں تو ہر چیز خود ایک نظام کی پابند ہے وہ کیسے کسی کو صحت اور زندگی سے روک سکتی ہے۔

نظام کائنات کے ربط اور تسلسل سے

اس نظام کائنات پر غور کیجئے سورج ہر روز ایک مقررہ جہت سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مقررہ جہت میں غروب ہو جاتا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن، ہر سال اپنے اپنے موسموں میں کھیتیوں کا پروان چڑھنا۔ پھولوں کا اپنے وقت میں کھلنا۔ تمام روئے زمین میں ایک خاص طریقے انسانوں کا پیدا ہونا اور اس کے بعد ایک وقت مقرر پر انسان کا مرجانا کیا یہ تمام سلسلہ کائنات ایک مقررہ اور مربوط نظام کے تحت جاری نہیں ہے۔ پھر کیا کوئی ہوشمند انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام منضبط اور مربوط نظام بغیر کسی خالق اور ناظم کے خود بخود اپنے آپ عدم سے وجود میں آگیا ہے۔

پانی کی فراہمی سے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا سمندر کا پانی اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ اس کے چند گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارے جا سکتے۔ پھر بھی پانی جب بخارات کی شکل میں طبقہ زمہریر تک پہنچتا ہے اور موسلا دھار بادلوں سے ٹھنڈا میٹھا اور شفاف پانی بن کر برستا ہے۔ تو وہ کون ہے جو اس کڑوے پانی میں شکر گھول دیتا ہے۔ دریاؤں سے جو اکثر و بیشتر پانی حاصل ہے وہ بھی بادل اور بارش کا فیضان ہوتا ہے اور پہاڑوں کی بلند بانگ چوٹیوں پر جو برف جمی ہوتی ہے وہاں اس برف کو ان چوٹیوں پر کون جماتا ہے کیا پہاڑوں کی چوٹیوں سے برفانی گھاٹیوں تک برف گرنے کا انتظام اور بادلوں کے ذریعہ پانی کی بہم رسانی کا نظام یونہی خود بخود وجود میں آگیا ہے۔ جب کارپوریشن کا ایک نل بھی ایک مستری اور چند

کزوروں کے بغیر نہیں لگ سکتا تو پانی کی اس قدر عظیم الشان ترسیل کا انتظام کسی ایڈمنسٹریٹر کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ پھر یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ کارپوریشن جو ایک محلہ کو ٹیکس لے کر پانی فراہم کرے اس کی ثقاہت کو تو ہم تسلیم کریں اور جو ساری دنیا کو بغیر کسی ٹیکس کے پانی مہیا کر رہا ہے۔ اس کے نظام اور اس کی قدرت کا ہم انکار کر دیں جبھی تو وہ فرماتا ہے۔

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ

کیا بادلوں سے پانی تم نے اتارا ہے یا ہم نے اتارے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو اس قدر کڑوا کر دیں کہ تم پی بھی نہ سکو پھر تم کیوں اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پانی کے حصول کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین کے نیچے گہرائی میں پانی رکھا گیا ہے جس کو ہم ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل سے نکال کر اپنے کام میں لاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس پانی کو زمین کی تہہ میں کس نے رکھا ہے اور اتنے ہزاروں فٹ کی گہرائی میں جاکر رکھ بھی کون سکتا ہے۔ یہ بات تو وہی شخص کرے گا جو عقل و فہم سے بالکل عاری ہو کر وہ پانی خود بخود وہاں موجود تھا۔ اس دنیا کے ہزاروں تجربات اور مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں خود بخود کچھ نہیں ہوتا۔ ایک کنستر میں بھی پانی خود بخود جمع نہیں ہوتا۔ زمین کی اتھاہ گہرائی میں ہزاروں مکعب فٹ پانی کس طرح جمع ہو سکتا ہے جن علاقوں میں دریاؤں اور نہروں کا پانی بھی نہیں پہنچ سکتا وہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے زمین کے اس پانی کو دریائی پانی کا بدل بنا دیا ہے اور خود فرماتا ہے أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ "اگر اللہ تعالیٰ زمین کے پانی کو نیچے گہرائی میں دھنسا دے تو بتاؤ پھر تمہارے لئے کون پانی لے کر آئیگا" جس جگہ زمین کی گہرائیوں سے پانی نکالنے کی ضرورت تھی وہاں اسے زمین کے اندر گہرائیوں میں رکھا جہاں سخت پہاڑی اور پتھریلی زمینیں ہیں اور زمین کو کھودنا مشکل ہے اس نے وہاں پانی کے چشمے جاری کر دیئے۔ کہیں پر فانی چوٹیوں اور بادلوں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

کیا بادلوں سے پانی تم نے اُتارا ہے یا ہم نے اُتارے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو اسقدر کڑوا کر دیں کہ تم پی بھی نہ سکو پھر تم میرا شکریہ کیوں ادا نہیں کرتے۔

(قرآن)

کی لگاتار برسات سے دریاؤں کو رواں دواں کر دیا کہیں کنوؤں اور ندیوں کا انتظام کر دیا غرض جس جگہ پانی کی بہم رسانی کی ضرورت جس طرح پوری ہو سکتی تھی اس طریقے سے وہاں پانی کو پہنچایا کیا پانی کی یہ حکیمانہ ترسیل کسی جلیل القدر حکیم اور زبردست قادر اور عظیم خالق کے وجود کا تقاضا نہیں کرتی کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خلق خدا کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق ہر جگہ ان کے مقام کے مناسب یہ پانی خود بخود بغیر کسی پہنچانے والے کے پہنچ رہا ہے۔

نظام کائنات کے تناسب

زمین و آسمان کی پہنائیوں میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا ایک غیر متناہی سلسلہ قائم کیا ہوا ہے مکھی سے لے کر ہاتھی تک دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک جسم کی ساخت اس کے حسب حال بنائی ہے۔ ہاتھی کے عظیم جثہ میں اس کی ضرورت کے جو اعضاء پیدا کئے ہیں وہ تمام اعضاء مکھی کی معمولی جسامت میں بھی موجود ہیں حشرات الارض سے لیکر درندوں تک، چرندوں سے لیکر پرندوں تک جانوروں کی ہر نوع کو دیکھئے ہر جانور میں اس کی بے عیب خلقت اور عظیم حکمت کے آثار نظر آئیں گے پھر اس نے

ہر جانور کی ایک غذا مقرر کی اور اس کو اپنی غذا کے حصول کے راستے اور اپنے سے بڑے جانوروں سے تحفظ کے طریقے سکھائے شمالی مغربی سرد اور برفانی علاقوں کے جانوروں کو دیکھئے ان کے جسم پر لمبے اور گھنے لونی بال نظر آئیں گے بالوں کی یہ افزائش ان کو علاقائی سردی سے تحفظ کرتی ہے۔ اور مشرقی اور گرم علاقوں میں ان جانوروں پر یہ بال نہیں ہوتے کیونکہ اگر اس قدر گرم علاقوں میں ان پر یہ بال ہوں تو وہ گرمی سے جھلس کر رہ جائیں۔ اسی طرح ہر علاقہ کے رہنے والے انسانوں کے مزاج کو وہاں کے حسب حال بنایا ہے افریقہ اور اس جیسے گرم علاقوں میں رہنے والوں کا مزاج اس قسم کا بنایا ہے کہ وہاں کی شدید گرمی کو برداشت کر سکیں۔ اور شمالی مغربی علاقوں میں جہاں بے انتہا ٹھنڈ پڑتی ہے وہاں کے رہنے والوں کے مزاج میں اس سخت سردی کو سہارنے کا عنصر رکھا ہے یہ حکیمانہ تدبیر الٰہیہ مخلوق کی حسب حال رعایت اور یہ حسین عالمی انتظام دیکھ کر کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ علم و حکمت کا یہ عجیب و غریب کارخانہ بغیر کسی چلانے والے کے از خود چل رہا ہے۔

کرن اُمید سے

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بار ایک دہریے ملاقات ہوئی جو وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتا تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا کبھی تم سمندر میں کشتی میں سوار ہوئے ہو اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کبھی طوفان کا سامنا بھی کیا اس نے کہا ہاں کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ ملاح ڈوب گیا اور لہروں کے تھپیڑے مجھے ساحل تک لے آئے۔ آپ نے فرمایا پہلے جب تو کشتی پر بیٹھا تھا تو تیرا اعتماد ملاح پر تھا اور جب ملاح طوفانی لہروں سے ڈوب گیا تو پھر تیرا اعتماد کشتی پر تھا اور جب کشتی ٹوٹ گئی اور تو ایک تختے کے سہارے بہنے لگا تو تیرا بھروسہ اس تختہ پر تھا اور جب تختہ بھی تیرے ہاتھ سے نکل گیا اور تو محض لہروں کے رحم و کرم پر بہہ رہا تھا اور طوفانی لہریں تجھے غرقاب کر رہی تھیں اس وقت تیرا کیا خیال تھا کہ یہ لہریں تجھے غرق کر دیں گی۔ یا اس وقت بھی تیرے دل میں اُمید کی کوئی "کرن" باقی تھی وہ کہنے لگا میں اس وقت بھی پُر امید تھا کہ شاید سلامتی سے نکل آؤں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب جبکہ سارے مادی اور ظاہری سہارے ایک ایک کر کے چھوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ وَلَا

یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ

حِفْظُہُمَا وَہُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ صدق اللہ العظیم

چکے تھے اس وقت تو نے کس ذات کے ساتھ امید قائم کی ہوئی تھی کہ وہ تجھ کو بچالے ۔ دہریہ خاموش رہا آپ نے فرمایا جس وقت کوئی مادی اور ظاہری سہارا نہ رہے اور سلامتی کے اسباب ایک ایک کرکے سارے ختم ہو جائیں اسوقت جس ذات سے امید قائم ہوتی ہے اور بے چارگی کے لامتناہی اندھیروں میں جس ذات سے مدد کی روشنی ملتی ہے وہی تیرا اور سارے جہان کا پروردگار ہے ۔ اسی نے تجھ کو غرق ہونے سے بچالیا اسی کی یہ شان ہے کہ انسان جب چاروں طرف سے مایوسیوں میں گھر جاتا ہے اور اسے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عنقریب اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھر کر ختم ہو جائے گا تو اچانک وہ غیب سے اس کی سلامتی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے اسی لئے اس نے فرمایا ہے هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ وہ ذات جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد اچانک موسلادھار بارش نازل فرما دیتی ہے اور اپنی رحمت کو عام کر دیتا ہے وہی لوگوں کے کام بنانے والی اور قابل ستائش ہے

مایوسی کے وقت مشرکوں کا رجوع الی اللہ سے

جب انسان مصیبتوں کے جنجال میں پھنس جاتا ہے اور نجات کا کوئی راستہ نہیں ملتا اس وقت کٹر سے کٹر کافر بھی اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے ۔ جب خشکی اور تری کے سفروں میں لوگ مبتلائے آفات ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں اور ایسی شدید صعوبتیں اور ہولناک طوفان پیش آتے ہیں جن سے ذہن پریشان، دل مضطرب اور بدن کا رُواں رُواں خوف سے کانپنے لگتا ہے ایسے ہولناک سفر میں بت پرست اور ضدی سے ضدی مشرک بھی اپنے بتوں کو بھول جاتا ہے ۔ اور بڑے سے بڑا دہریہ بھی اپنے الحاد سے توبہ کر لیتا ہے اور ان تمام لوگوں کو اس وقت اپنے عقیدہ سے تراشے ہوئے سارے باطل خدا ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اسوقت انہیں خدائے واحد کے سوا کسی کے دامن میں پناہ نظر نہیں آتی اور چاروناچار سب کے سب اس اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہیں اور ہر شخص اس کی رحمت کے سامنے دامن پھیلا دیتا ہے اور رُو رُو کر کہتا ہے "اے احکم الحاکمین ! او رائے سارے جہاں کے رب اگر تو نے اس بار ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو پھر ہم الحاد اور شرک کو چھوڑ کر صرف تیری بندگی بجالائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت کے اس بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو یکسر فراموش کر کے پھر الحاد اور شرک کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس حالت کا نقشہ کھینچتا ہوا فرماتا ہے ۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝

اے رسول آپ کہئے وہ کون ہے جو تمہیں جنگلات اور سمندروں کی مصیبتوں سے نجات دیتا ہے جس کو تم آہستہ آہستہ اور گڑگڑا کر پکارتے ہو کہ اگر وہ اس مرتبہ ہم کو مصیبت کے اس گرداب سے نکال دے تو ہم ضرور اس کا احسان مانیں گے آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ تمکو صرف اس مصیبت سے ہی نہیں ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے لیکن مصائب سے چھٹکارا پانے کے بعد پھر تم اس کا احسان فراموش کر کے شرک کی پستیوں میں جا گرتے ہو

نفس انسان کی شہادت سے

مصائب اور پریشانیوں میں گھر جانے کے بعد ہر انسان فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ یقین کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر زمین میں بھی نشانیاں ہیں اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی کیا تم غور نہیں کرتے ؟

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر شہادت اور دلیلیں موجود ہیں جن پر اس نے کفر، الحاد اور شرک کے پردے ڈالے ہوئے ہیں لیکن اس کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا موقع ضرور آتا ہے جب کسی اچانک حادثے سے شرک اور الحاد کے یہ سارے حجاب اچانک اٹھ جاتے ہیں اور توحید کی شہادت بے نقاب ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ بے ساختہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کے حضور جھک جاتا ہے۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی زندگی میں اسی شہادت سے انقلاب آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کر دیا تو عکرمہ نے جدہ کا رخ کیا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر حبش جانے کا قصد کیا۔ راستہ میں سخت طوفان آیا اور کشتی طوفانی لہروں میں گھر گئی پہلے پہل تو تمام بت پرست اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو پکارتے رہے مگر جب طوفان کی ہولناکیاں بڑھنے لگیں اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی۔ جب دیوتاؤں کی شکتی کا مان جاتا رہا تو سب بے اختیار پکار اٹھے کہ اب سوائے اللہ کے اور کوئی بچانے والا نہیں ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ اس خدائے واحد کے دروازۂ رحمت پر دستک دی جائے بس سب نے مل کر یک آواز اس کی رحمت کو پکارا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں، عکرمہ کی زندگی میں یہ ایک انقلاب آفریں لمحہ تھا انھوں نے سوچا کہ ان کے تصور کے تراشے ہوئے سارے بت بے حقیقت ہیں ان کی بصیرت جاگی اور انھوں نے سوچا جو خدا یہاں ان کی کشتی کو طوفان کے گرداب سے نکال سکتا ہے وہ درحقیقت خشک و تر ہر جگہ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور انکی مدد کرتا ہے اسی وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت اور جہالت کے سارے پردے اٹھ گئے اور دل پر کفر و الحاد کے جس قدر حجاب پڑے ہوئے تھے یکلخت دور ہو گئے اور ان کے نفس میں جو توحید کی شہادت مستور تھی وہ پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ابھری اور انھوں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر یہ کشتی اس طوفان سے نکل گئی تو میں سیدھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ اور اس خدائے واحد پر ایمان لاؤں گا جس کی بحر و بر پر حکومت ہے جو طوفانوں کے رخ پھیر سکتا ہے ہر قسم کی مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور جس کو اس عظیم کائنات کی لامحدود وسعتیں کہیں بھی کسی بے بس اور لاچار کی فریاد سننے سے روک نہیں سکتیں۔ چنانچہ سلامتی سے ساحل پر آنے کے بعد انہوں نے اپنا عہد پورا کیا اور صدق دل سے مسلمان ہوئے اور بقیہ تمام عمر خدمت اسلام میں گزار دی۔

زمین اور اس کی کیفیات سے

زمین اور اس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے پہاڑ بلند اور مہیب چٹانیں، کہسار، آبشار ریگستان اور بے آب و گیا صحرا کی وسعتوں میں پر بہار نخلستان یہ سب آخر کس نے بنائے ہیں۔ ان کو مخصوص فاصلوں اور جغرافیائی حدود میں کس نے مقید کیا ہے۔ پھر زمین کے سینے میں معدنیات کے ذخائر کس نے چھپا رکھے ہیں۔ قدرتی گیس اور تیل کے وسیع و عریض چشمے، لوہا، تانبا اور چاندی سے لیکر سونے تک قیمتی دھاتیں یہ کس کی شکتی سے وجود میں آئی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک تغیر پذیر ہے۔ پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنائے جا سکتے ہیں۔ چٹانوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑا جا سکتا ہے۔ دریاؤں کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔ آج کے ریگستان کل کے نخلستان میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ بنجر زمین زرخیز کھیتوں اور پر بہار باغات سے بدلی جا سکتی ہے، زمین اور اس کی تمام خصوصیات کا وجود میں آنا کسی موجد اور خلاق کا تقاضا کرتا ہے اور زمین کے نشیب و فراز اور فاصلوں سے اس میں دریاؤں اور پہاڑوں کا وجود اور اس کے اندر مناسب مقامات پر معدنیات کا وجود بتلاتا ہے کہ یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم خلاق کی بہترین حکمتوں کا ثمرہ ہے۔ پھر زمین اور اس کے تمام آثار اور خواص کا تغیر پذیر رہنا اور ہر زمانہ میں اس کے اندر تبدیلیوں کا واقع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ

یکروا ہمی ازلی ابدی قدیم اور لافانی نہیں ہے اور جس طرح ابتدا میں یہ اپنے وجود میں کسی موجد اور خالق کی محتاج تھی اسی طرح ہر دور میں اپنے تبدل اور تغیر میں کسی قادر قیوم کی محتاج ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا وجود کسی خالق حی کی اور اس کے عجائبات کی مناسب ترتیب کسی زبردست حکیم کی اور اس کا تغیر و تبدل کسی عظیم اور جلیل قادر قیوم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس پوری کائنات میں زمین اور اس کی ان تمام خصوصیات کی تخلیق کا سوائے خدا کے بزرگ و برتر کے اور کوئی دعویٰ دار نہیں ہے۔ زمین کے یہ تمام حقائق عجائبات اور حکیمانہ ترتیب نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ یہ کسی انسانی وہم کے بنائے ہوئے دیوی یا دیوتا کا کارنامہ ہے اور نہ ہی یہ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے اور نہ ہی یہ کسی خیالی انسان، بے خود گائے اور غیر متحرک بیل کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان تمام دلائل کو دیکھتے ہوئے جس کی عقل سلیم اور ہوش و حواس سلامت ہوں وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ یہ اس ذات کا کارنامہ ہے جو ازلی و ابدی ہے واجب اور قدیم ہے جو خالق بھی ہے اور قادر بھی اور حکیم بھی ہے اور علیم بھی اور وہ ذات سوائے خدائے واحد کے اور کوئی نہیں ہے چنانچہ وہ خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ؕ (اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ نصب کئے اور دریا رواں دواں کر دیئے) نیز فرمایا، وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ؕ (اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو قائم کیا اور اس میں ہر ایک مناسب اور موزوں چیز پیدا کی)

اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ؕ (اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا پھر اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم راہ پاسکو)

اور فرماتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ؕ (اور ہم نے تم کو زمین پر تصرف کرنے کی قدرت دی اور اس میں تمہارے رزق کا سامان فراہم کیا بہت کم لوگ ہیں جو اس کی نعمتوں کا اعتراف کرکے شکر ادا کریں۔

لیل و نہار سے

رات اور دن کا توارد اور اختلاف، سورج کی حرکات سے وجود میں آتا ہے۔ سورج کی حرکت سے زمین کا جو حصہ اس کے بالمقابل ہو وہاں دن ہوتا ہے اور جب سورج حرکت طے کرتا ہوا زمین کے اس حصہ سے غروب ہو جاتا ہے تو اس حصہ میں رات ہو جاتی ہے اور اس وقت سورج کرہ ارض کے دوسرے حصہ کے بالمقابل طلوع ہو کر وہاں دن کی رونقیں لے آتا ہے اور اسی طرح پیہم اور لگاتار کرہ ارض کے ہر حصہ میں سورج کے طلوع اور غروب سے دن اور رات کا سلسلہ قائم رہتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سورج کو کون حرکت دے رہا ہے اور زحل، مشتری، مریخ اور دوسرے کواکب سیارہ میں سے دن اور رات کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے صرف سورج کی تخلیق کس نے کی ہے۔ کسی اور سیارہ سے یہ کام کیوں نہیں لیا گیا۔ کیا سورج کی حرکت، روشنی اور توانائی کا یہ سلسلہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے اگر ایسا ہے تو اس میں ضبط تسلسل اور دوام کیوں ہے اور اگر سورج از خود یہ عمل کرتا ہے تو اس جیسے دوسرے سیارگان جو فی نفسہ جسم ہونے اور متحرک رہنے میں اس جیسے ہیں وہ یہ عمل کیوں نہیں کرتے۔ پھر سورج میں روشنی، توانائی اور ایک خاص محور پر متواتر گردش کا نظام کس نے بنایا ہے پھر یہ کس کی حکمت ہے جس نے سورج کو زمین سے ایک خاص اور مناسب فاصلہ پر ایسے مدار میں رکھا ہے کہ اگر وہ اس فاصلہ سے کسی قدر اونچا ہو تو یہ کائنات ارضی سخت ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے اور اگر وہ اس فاصلہ سے سو میل ہی نیچے اتر آئے تو یہ تمام کائنات ارضی جل کر بھسم ہو جائے۔ سوچئے کہ سورج کا زمین سے یہ مناسب فاصلہ، ایک خاص محور پر

مقررہ نظام کے تحت اس کی گردش، اس کی روشنی اور توانائی یہ کس کی قدرت اور حکمت کا کارنامہ ہے۔ کیا عقل کا اندھا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر بے جان مورتیوں تو بھاتی دیوتاؤں، یا انسانوں کا کام ہے جو ہزاروں سال سے اسی نظام شمسی کے تحت پیدا ہوتے ہیں اور اپنا نام ونشان چھوڑے بغیر مٹ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اگر عقل وخرد سے بالکل ہی بیگانہ نہیں ہوگئے تو انھیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ سورج کی تخلیق اس ہستی اعلیٰ کا کارنامہ ہے جو ازلی، ابدی، واجب، قدیم، قادر اور حکیم ہے جس کے حکم سے ایک سورج ہی نہیں تمام سیارگان اپنے مقررہ کردہ دائرہ عمل میں گردش کر رہے ہیں۔ بلکہ کائنات کا ہر ذرہ اس کے حکم کے تابع اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿﴾ (سورج اپنے مرکز کے گرد گردش کر رہا ہے اور اس کی یہ گردش اس زبردست حکیم کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے) سورج کی حرکات سے محض دن اور رات کا وجود ہی عمل میں نہیں آتا بلکہ دن اور رات کا اختلاف بھی وجود میں آتا ہے۔ گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ تمام موسم دن اور رات کے اختلاف سے رونما پذیر ہوتے ہیں اور انسانوں اور حیوانات کی جسمانی نشوونما اور مختلف فصلوں پھلوں اور پھولوں کی پیداوار اور افزائش کے لئے موسم کا اختلاف بے حد ضروری ہے۔ اگر موسموں کا یہ حکیمانہ اختلاف نہ ہوتا تو نہ زمین پر فصل اگتی اور نہ باغوں میں پھول مہکتے، یہ موسمی اختلاف صرف نباتات کی بقاء کے لئے ہی نہیں بلکہ انسان کی بقاء کے لئے بھی ضروری ہے۔

یہ کس قدر زبردست حکمت ہے کہ موسموں کا یہ اختلاف اچانک اور فوراً نہیں ہوتا بلکہ بتدریج سردی کم ہوتی جاتی ہے اور گرمی بڑھتی جاتی ہے اگر دسمبر، جنوری کی سخت سردی کے بعد اچانک مئی، جون کی گرمی آجاتی تو اس اچانک تبدیلی سے انسان کے اعصاب پر کس قدر گہرا اثر پڑتا اور مشکل سے ہی کوئی ذی نفس زندہ رہ سکتا وہ حکیم مطلق درجہ بدرجہ سردی اور گرمی کے موسم لاتا ہے تاکہ انسان ایک موسمی ماحول سے نکل کر دوسرے موسمی ماحول میں آنے کے لئے بالکل تیار ہو جائے۔

رات اور دن میں مکمل تضاد ہے اور دو متضاد چیزیں ہمیشہ فساد کا موجب ہوتی ہیں لیکن قدرت نے رات اور دن کے خوبصورت اور حسین تضاد میں مصالح اور منافع کی تحصیل کے لئے مکمل مطابقت رکھی ہے دن بنایا تاکہ اس میں انسان ہو یا حیوان وہ اپنی معیشت کا سامان حاصل کر سکے اور رات پیدا کی تاکہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان

یہ نیلگوں فضائیں — یہ تاروں بھری روشن راتیں — یہ اودی گھٹائیں — یہ بلند کہسار اور سرسبز وادیاں — یہ ابلتے ہوئے چشمے — اور بہتے ہوئے دریا — یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور مہکتے ہوئے باغات —

خدائے واحد کے معبود ہونے کی شہادتیں ہیں

ہو یا حیوان وہ رات کی آغوش میں اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچا سکے اور رات میں اس کو ایسی میٹھی اور گہری نیند عطا کی جس کے سبب اس کا تھکا ہوا ذہن سکون حاصل کر سکے۔ فرض کیجئے یہ زمین گول نہ ہوتی اور اس پر ہمیشہ دن کا وجود مسلط رہتا تو کیا انسان کے اعصاب جواب نہ دے جاتے۔ کیا انسان کو آرام اور سکون کا کوئی لمحہ میسر نہ ہوتا اور اگر زمین خواہ گول ہی ہوتی لیکن سورج نہ ہوتا تو اس کائنات پر ہمیشہ شب تاریک چھائی رہتی پھر کوئی ذی روح کس طرح اپنے لئے سامان معیشت حاصل کرتا۔ کھیتیاں کیسے پروان

پڑھتیں اور کوئی جاندار کس طرح زندہ رہتا معلوم ہوا کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اور پھر ان میں کمی اور زیادتی کا تناسب اور تدریجاً اختلاف کسی ازلی اور ابدی قادر اور حکیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿ۚ﴾	آپ فرمایئے: یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن قائم رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون رات قائم کر سکتا تھا جس میں تم آرام پاتے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ یہ محض اس کی رحمت ہے جس نے رات اور دن دونوں قائم کئے تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں معاش تلاش کرو۔

کشتیوں سے

چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لیکر دیو پیکر جہازوں تک جو دریاؤں اور سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے اپنی منزل کیطرف رواں دواں ہوتے ہیں یہ سب انسانی عقل اور اس کے ہاتھوں کی تراش و خراش کا نتیجہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی تیاری کے لئے لکڑی، لوہا اور دوسرا میٹریل کو کس نے پیدا کیا۔ بادبانی کشتیوں کو متحرک رکھنے کے لئے ہوائیں کس نے چلائیں اور دخانی جہازوں کی حرکت کے لئے ایندھن کس نے پیدا کیا۔ لکڑی کی طبیعت میں یہ خاصہ کس نے رکھا کہ وہ ہزاروں ٹن بوجھ اٹھانے کے باوجود بھی سطح سمندر پر تیرتی رہتی ہے۔ لوہا اور لکڑی دونوں جسمیت میں متماثل ہیں پھر ان میں یہ فرق کس نے رکھا ہے کہ لوہا ایک تولہ بھی ہو تو پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ اور لکڑی ہزاروں ٹن کی بھی ہو تو سطح آب پر تیرتی رہتی ہے۔ پھر انسانوں کے دلوں میں یہ سکون اور طمانیت کس نے رکھی ہے کہ وہ بحری سفر کے لئے بے خوف و خطر تیار ہو جاتے بلکہ پھر ہر علاقہ کو کسی خاص جنس کے ساتھ کس نے خاص کیا جس کی وجہ سے بحری سفر کی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور جب غیظ و غضب سے بھری ہوئی طوفانی لہریں اٹھتی ہیں تو ان طوفانوں سے جہازوں کو سلامتی کے ساتھ کون پار لے جاتا ہے اور جب جہاز خطرات سے گھر جاتا ہے تو مسافروں کی نگاہیں کس کی طرف اٹھتی ہیں۔ دعاؤں کے لئے ہاتھ کس کی بارگاہ میں اٹھتے ہیں۔ ہم دن رات ایسے واقعات دیکھتے ہیں لیکن ان واقعات و حوادثات کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا جو ہاتھ کار فرما ہے اس کی طرف ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ نقوش اور فطرت کے عجیب و غریب کرشمے شب و روز ہمارے سامنے آتے ہیں۔ لیکن فاطر اور نقاش کی طرف ہماری نظریں نہیں اٹھتیں۔ صنعت و خلقت کے بہترین نمونے ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتے ہیں لیکن صانع اور خالق کی طرف ہم ملتفت نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾	اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ اس کی قدرت سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس ذریعے ایک دوسرے سے ربط قائم رکھ سکو اور سامان معیشت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکو اور آقا کے اس فضل اور انعام کو دیکھ کر تمہارا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہو اور تم اس کا شکر ادا کر سکو۔

ہواؤں سے

ہواؤں کا وجود انسان کے سانس لینے کا مادہ ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہوائیں بند ہو جائیں تو انسان اور حیوان میں سے کوئی ذی روح زندہ نہ رہ سکے انسان اپنی زندگی کی بقاء میں ہوا پانی اور خوراک کا محتاج ہے ان میں سب سے زیادہ احتیاج اور ضرورت ہوا کی ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی ذی روح ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد پانی کی ضرورت ہے کیونکہ خوراک کی بنسبت انسان پانی کا زیادہ محتاج ہے اور

ایک دو دن انسان کو پینے کے لئے پانی نہ ملے تو وہ اس کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے اور پانی کے بعد خوراک کی ضرورت ہے کیونکہ چند دن انسان کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے تو وہ بہرحال کسی نہ کسی طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ اب آپ قدرت کے نظام پر غور کیجئے کہ انسان کو اپنی بقاء کے لئے جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی جس کے بغیر وہ ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا حصول اس نے سب سے سہل اور آسان کر دیا ہے کہ انسان ہو یا حیوان وہ بغیر کسی مشقت کے ہر وقت اور ہر جگہ ہوا کو باسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کے لئے اس کو نہ کوئی قیمت اور ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ نہ کسی کا زیر احسان ہونا پڑتا ہے اور پانی کی ضرورت بقاء انسانی کے لئے ہوا کی بہ نسبت کم ہے۔ اس لئے اس کا حصول بھی اس قدر عام نہیں ہے۔ تاہم ایک ذی روح دن میں متعدد بار پانی پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے، اس لئے پانی اگرچہ ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتا تاہم اس کی متوسط ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں، کہ وہ بعض صورتوں میں بغیر کسی مشقت اور قیمت کے پانی حاصل کر لیتا ہے اور بعض صورتوں میں معمولی مشقت اور قیمت سے اسے ضرورت کے مطابق پانی حاصل ہو جاتا ہے اور غذا اور خوراک کی ضرورت چونکہ ہوا اور پانی کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اس لئے اس کو غذا وغیرہ کے حصول کے لئے بہرحال مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اب آپ سوچئے انسانی بقاء اور اس کی ضرورت کے مطابق جس ذات نے ہوا، پانی اور خوراک کا یہ نظام بنایا ہے کیا آپ اس ذات کی عظیم حکمت اور علم کا انکار کر سکتے ہیں جو ذات ہمہ وقت اور ہر جگہ ہواؤں کے سمندر کو رواں دواں رکھتی ہے کیا اس کی بے پناہ قدرت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ انسانی ضروریات کے مطابق ہوا، پانی اور خوراک کی ترسیل کو کیا کوئی شخص ایک اتفاقی حادثہ قرار دے سکتا ہے جو شخص غور و فکر اور تدبر سے بالکل عاری نہیں ہو گیا۔ اس کو بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کائنات کے نظام کے پیچھے ایک ہستی اعلیٰ اور مطلق العنان قادر و قاہر حکمران کی تدبیر اور حکمت کام کر رہی ہے اور اس عظیم اور وسیع کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کی حکمت اور قدرت کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ ہواؤں سے فقط ہم سانس ہی نہیں لیتے دریاؤں میں روانی، سمندروں میں طلاطم، اطراف عالم میں کھیتوں اور باغات کی نشو و نما، سمندروں میں جہازوں کی آمد و رفت، بادلوں کی گردش اور بارشوں کا حصول یہ تمام امور اس صناع مطلق کی پیدا کردہ ہواؤں کے سبب ہیں اگر وہ چند ساعتوں کے لئے بھی ہواؤں کو چلنے سے روک لے تو ساری کائنات کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ۝

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیوں میں سے ایک نشانی سمندروں میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو روک لے اور یہ جہاز سمندر میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔

نیز فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں بارش کی آمد کی خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم اس سے خدمت لے سکو اور انہی ہواؤں سے اس کے حکم سے جہاز چلتے ہیں تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) اللہ کا فضل ڈھونڈ سکو اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کر سکو

اللہ تعالیٰ نے ہوائیں دو قسم کی پیدا فرمائی ہیں۔ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ ہم سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں۔ پھر ہمارے جسم اور خون میں جو گندے اور زہریلے مادے ہیں وہ اس آکسیجن کو کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور جب ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں تو وہ ہوا کاربن سے بھری

اللہ تعالیٰ نے درختوں میں یہ خاصیت رکھی ہوئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے درختوں میں یہ خاصیت رکھی ہوئی ہے کہ وہ کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کر لیتے ہیں اور تازہ آکسیجن چھوڑتے رہتے ہیں سوچئے کہ اگر درختوں کا وجود نہ ہوتا یا اب فیصلہ کیجئے درختوں میں کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرنے کی خصوصیت نہ ہوتی تو یہ فضا ہمارے سانسوں کے ذریعہ چھوڑی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ سے پراگندہ ہو جاتی۔ سانس لینے کے لئے تازہ آکسیجن کا ملنا محال ہو جاتا اور زہریلی اور بدبودار ہواؤں میں ہم گھٹ گھٹ کر مر جاتے۔ ہماری ضرورت کے مطابق درختوں میں کاربن کو جذب کرنے اور آکسیجن کو چھوڑتے رہنے کی خصوصیت کیا خود بخود پیدا ہوتی ہے یا یہ کسی اتفاقی امر کا نتیجہ ہے۔ یا کسی جلیل الشان مدبر اور رفیع المرتبت حکیم کی عظیم ترین حکمت اور قدرت کا ثمرہ ہے اگر ہم انصاف کا خون کرنے پر آمادہ نہیں ہو گئے اور ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آئے تو لامحالہ ہمیں کہنا پڑے گا کہ ہواؤں میں جو خصوصیات، حکمتیں اور فوائد مضمر ہیں نہ یہ کسی دیوی دیوتا کا کارنامہ ہے۔ نہ خود تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے نہ کسی انسان کی محنت کا ثمرہ ہے سوائے اس قدیر و حکیم کے جو خلاق لم یزل ہے کسی اور شخص میں نہ یہ سکت ہے کہ ہواؤں کو پیدا کر سکے اور نہ اس میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو فضا میں رواں دواں رکھ سکے اور نہ یہ حکمت ہے کہ ان ہواؤں میں اس قسم کی خصوصیات اور فوائد مضمر رکھ سکے۔ یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی قدرت کا ثمرہ ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ	اللہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو
الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا	بخارات کو بادل بنا دیتی ہیں
فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ	وہ ان بادلوں کو فضا میں پھیلا
یَشَآءُ	دیتی ہیں۔

بادلوں سے

بادل بخارات کا ایک مجموعہ ہیں جو مختلف مقدار حجم میں فضا میں گھومتے پھرتے ہیں۔ یہ بخارات عموماً اپنے اندر پانی کو اور بسا اوقات برف اور اولوں کو اپنے اندر لئے پھرتے ہیں اب غور کیجئے کہ پانی ہو یا برف اور اولے ان کا طبعی تقاضا اوپر سے نیچے گرنا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کشش ثقل انھیں نیچے لانا چاہتی ہے پھر وہ کونسی طاقت ہے جو بادلوں کے اندر پانی کو جب تک چاہے روکے رکھتی ہے اور جب چاہے چھوڑ دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے میں پانی کے طبعی تقاضا کا دخل ہے نہ کشش زمین کا بلکہ ان تمام امور پر کوئی غالب وقاہر ہستی ہے جو جب چاہے بادلوں سے پانی برسا دے اور جب چاہے ان سے پانی روک لے۔ پھر اس کی قدرت کے ساتھ حکمت پر غور کیجئے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام فضا پر بادلوں کو مسلط کر دیتا اور ہم سورج کی روشنی کو ترس جاتے اور لگاتار بارش سے فصلیں برباد ہو جاتیں۔ مکانات منہدم ہو جاتے اور انسان کا روئے زمین پر زندہ رہنا دشوار ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو سرے سے بادلوں کا وجود نہ ہوتا لوگ تپتی ہوئی دھوپ میں سائے کو ترس جاتے کھیتیاں پروان نہ چڑھتیں اور بعض علاقوں میں پینے تک کے لئے پانی میسر نہ ہوتا پھر وہ بادلوں کو کسی ایک جگہ معلق نہیں رکھتا بلکہ ہواؤں کے ساتھ ان کو رواں دواں رکھتا ہے اور جس وقت اور جس علاقہ میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں پانی برسا دیتا ہے۔

اب سوچئے انسانوں اور زمینوں کی ضرورت کے مطابق بادلوں کا وجود اور علاقائی ضروریات کے مطابق بادلوں کی آمد و رفت کیا یہ سب خود بخود ہے یا کوئی اتفاقی حادثہ ہے۔ بعض زمینوں میں "پٹ سن" پان، چاول اور چائے کی کاشت ہوتی ہے جنھیں لگاتار بارشوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں غلہ کی دوسری اجناس کی کاشت ہوتی ہے جنھیں ایک خاص موسم میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے زمینوں کی ان مختلف صلاحیتوں اور مختلف جغرافیائی ضرورتوں کی مناسبت سے کہیں لگاتار اور کہیں ایک خاص وقت میں بارشیں برسانے والا کون ہے ان تمام امور پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ بارش کا یہ نظام کیا خود بخود چل رہا ہے

یا کوئی "اتفاقی" حادثہ ہے یا کسی انسان، موہوم دیوتا اور خود تراشیدہ بُت کی کوشش ہے یا اس قادر قیوم علام الغیوب اور قدیر و حکیم کی قدرت اور حکمت کا ثمرہ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کی ضروریات کا متکفل ہے جو ہر علاقہ کی ضروریات کو جانتا ہے اور ہر زمین کی کیفیت، استعداد اور صلاحیت کا علم رکھتا ہے پھر ان تمام انسانوں علاقوں اور زمینوں کی ضرورت اور صلاحیت کے مطابق بادلوں کے ذریعہ بارش نازل کرنے کا نظام قائم فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ۲۵/۴۸ تا ۲۵/۴۹

اور اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو باران رحمت کی نوید دیتی ہیں۔ اور ہم ہی نے آسمان سے بارش نازل کی تاکہ اس بارش سے ہم خشک اور ویران کھیتیوں کو سرسبز اور شاداب کر دیں اور اسی بارش سے اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پانی پلائیں۔

نیز فرمایا گیا ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ۱۵/۲۲

اور ہم نے بادلوں سے بارش برسانے والی ہوائیں بھیجیں پھر ہم نے بلندی سے پانی اتارا۔ پھر وہ پانی (نہروں اور دریاؤں کی صورت میں جمع کر کے) تم کو پلایا علاوہ اس پانی کے نازل کرنے میں تمہارا کوئی دخل نہ تھا۔

حرف آخر

پھولوں کے چھوٹے پودے سے لیکر چنار کے درخت تک نباتات کی بے شمار اقسام ہیں ان میں سبزیاں، پھل اور پھول سب ہی کچھ ہیں۔ ان کی روئیدگی زمین، پانی، ہوا آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں سے ہوتی ہے لیکن کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ان سب کی روئیدگی کے اسباب ایک قسم کے ہونے کے باوجود ان اسباب کے آثار ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتے جو پانی پھولوں کو ملتا ہے وہی سبزیوں کو جو ہوا پھلوں کو تازگی دیتی ہے وہی فصلوں کو اس کے باوجود کوئی پھول دوسرے پھول سے کوئی پھل دوسرے پھل سے کوئی فصل دوسری فصل سے نہیں ملتی۔ آخر ان میں فرق پیدا کرنے والا کون ہے اور مانا کہ نباتات کی روئیدگی ان اسباب سے ہے لیکن ان اسباب کا خالق کون ہے!

افلاک کی ان بلندیوں پر جہاں انسان کے وہم کی بھی رسائی نہیں ہے وہاں کروڑوں ستارے کس نے روشن کئے ہیں۔ اگر ایک چراغ سے تیل ختم ہو جائے تو وہ بجھ جاتا ہے۔ شہر کا بجلی گھر فیل ہو جائے تو پورا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے تو ان آسمانی روشنیوں کا انتظام کس نے کیا ہوا ہے جن کی روشنی میں آج تک کمی نہیں ہوئی۔

کیکر کے درخت میں کبھی سیب کیوں نہیں لگتا کبوتر کے انڈے سے کبھی کوا کیوں نہیں نکلتا۔ انسان سے انسان ہی کیوں پیدا ہوتا ہے۔ ذرہ سے لیکر آفتاب تک یہ تمام کائنات نظام واحد میں مربوط ہے۔ اس ربط اور نظم و ضبط کا خالق کون ہے؟

یہ دن اور رات کا تسلسل، یہ سورج کا طلوع اور غروب، یہ نباتات میں روئیدگی اور جانوروں اور انسانوں کی نسل میں باقاعدگی کا مربوط نظام، یہ نیلگوں فضائیں، یہ تاروں بھری روشن راتیں، یہ اودی گھٹائیں یہ بلند کہسار اور سرسبز وادیاں، یہ ابلتے ہوئے چشمے اور بہتے ہوئے دریا، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور مہکتے ہوئے باغات کیا سب کے سب خدائے واحد کے معبود کی شہادت نہیں دیتے کیا اس کائنات کے نظام کی یکسانیت اور وحدت میں اس عظیم خالق کی وحدت نظر نہیں آتی اور ہمیں کہنے دیں کہ جس شخص کو اس حسین کائنات میں خدا کے حسن کا جلوہ نظر نہیں آتا اسے وہ جنت میں بھی نظر نہیں آئے گا

تخلیقِ ملائکہ

فرشتوں کی پیدائش اور موت کا بیان

از اعلیٰحضرت امام
احمد رضا خاں صاحب
علیہ الرحمۃ والرضوان
فاضل بریلوی

فہرست فوائد

مسئلہ:۔ از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۷ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ملائکہ کیونکر پیدا ہوتے ہیں اور موت ان کو مثل انسان لاحق ہوتی رہتی ہے یا جس وقت سب مخلوق فنا ہوگی اس وقت فنا ہوں گے۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ بیہقی شعب الایمان میں جابر رضی اللہ عنہ سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو بنایا ملائکہ نے عرض کیا الٰہی! تو نے انہیں پیدا کیا، کھاتے ہیں پیتے ہیں جماع کرتے ہیں، سوار ہوتے ہیں، تو ان کے لئے دنیا کر، ہمارے لئے آخرت۔

رب عزوجل نے فرمایا

لا اجعل من خلقته بیدی ونفخت فیہ من روحی کمن قلت لہ کن فکان۔

میں نہ کروں گا اسے جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی روح اس میں پھونکی اس کے مثل جسے میں نے فرمایا ہو، سو وہ ہو گیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کی پیدائش آدمیوں کی طرح تدریج نہیں کہ مٹی خمیر ہوا کی پھر تصویر بنی پھر روح ڈالی گئی یا پہلے نطفہ تھا پھر خون کی بوند، پھر گوشت کا ٹکڑا پھر اعضا کی کلیاں پھوٹیں پھر صورت بنی پھر روح پڑی، بلکہ وہ کلمہ کن سے پیدا کئے گئے۔

(۲) حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلی آلہ فرماتے ہیں۔

خلقت الملٰئکۃ من نور وخلق الجان من نار وخلق آدم مما وصف لکم

ملائکہ نور سے بنائے گئے اور جن آگ کے لوکے جس میں دھواں ملا ہوا تھا اور آدم اس چیز سے جو تمہیں بتائی گئی۔ یعنی سیاہ وسفید وسرخ مٹی سے۔

لہ مراد دست قدرت ۱۲ انعامی ۲ یعنی ملائکہ ۱۲ ۳ یعنی شعلے سے ۱۲

کما عند ابن سعد عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھذا رواہ الامام احمد و مسلم عن ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۳۔ عبدالرزاق اپنے مصنف میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ (الیٰ قولہ) فلما اراد اللہ ان یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الاول العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملئکۃ الحدیث۔

اے جابر بیشک اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے بنایا پھر جب عالم کو پیدا کرنا چاہا اس نور کے چار حصے کئے پہلے سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش بنایا پھر چوتھے ٹکڑے کے چار حصے کئے پہلے سے ملائکہ حاملانِ عرش دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی فرشتے پیدا کئے۔

۴۔ علامہ فاسی مطالع المسرات میں زیر قول دلائل التقدم من نور ضیائہٖ ناقل۔

قد قال الاشعری انہ تعالیٰ نور لیس کالانوار والروح النبویۃ المقدسۃ لمعۃ من نورہ

والملئکۃ شرر تلک الانوار وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول ماخلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شئی۔

یعنی امام اشعری فرماتے ہیں اللہ عزوجل نور ہے نہ مثل اور انوار کے اور روح پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے نور سے ایک چمک ہے اور فرشتے انکے نور کے شرارے ہیں حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا کی۔

۵۔ ابوالشیخ نے عکرمہ سے روایت کی انہوں نے کہا، خلقت الملئکۃ من نور العزۃ، فرشتے نورِ عزت سے بنائے گئے۔

۶۔ وہی یزید بن رومان سے راوی کہ انہیں خبر پہنچی، ان الملئکۃ روح خلقت من روح اللہ، کہ ملائکہ ربانی روح سے پیدا کئے گئے۔

اقول غالبا اس احتمال کی شرح وہ ہے جو امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار سر ہیں ہر سر میں ستر ہزار چہرے، ہر چہرے میں ستر ہزار

دہن، ہر دہن میں ستر ہزار زبانیں ہر زبان میں ستر ہزار نعت۔

یسبح اللہ تعالیٰ بتلک اللغات
کلها یخلق من کل تسبیحة ملک
یطیر مع الملٰئکه الیٰ یوم القیٰمة۔

وہ ان سب لغتوں سے ذکر ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار ستر جگہ ہاسنکھ ہوئے جس کی کتابت یوں ہے کہ ۱۶۸۰۰۰ لکھ کر دہنے ہاتھ کو بیس صفر لگا دیجئے) اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت تک ملائکہ کے ساتھ پرواز کریگا۔

ذکرہ الامام البدر محمود العینی فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری من کتاب التفسیر، والامام الرازی فی تفسیرہ الکبیر۔

ثعلبی نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ روح ایک ملک عظیم ہے آسمان وزمین وجبال وملائکہ سب سے، اس کا مقام آسمان چہارم میں ہے۔

یسبح کل یوم اثنی عشر الف
تسبیحة یخلق من کل تسبیحة ملکا

ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کہتا ہے ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔

یہ روح نامی فرشتہ روز قیامت تنہا ایک صف ہوگا اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف۔
ذکرہ الامام البغوی فی العالم تحت قولہ تعالیٰ یوم یقوم الروح والملٰئکة صفا، والامام العینی فی العمدة تحت قولہ تعالیٰ ویسئلونک عن الروح۔

۷۔ مروی ہوا۔

ان فی السماء الدنیا وھی من
ماء ودخان، ملٰئکة خلقوا من ماء

وریح علیهم ملک یقال له الرعد
وهو ملک موکل بالسحاب والمطر۔

آسمان دنیا میں کہ پانی اور دھوئیں کا بنا ہے، ملائکہ ہیں کہ آب وہوا سے بنائے گئے ان کا افسر ایک فرشتہ رعد نامی ہے جو ابر و باراں پر موکل ہے ذکرہ الامام القسطلانی فی المواھب۔

۸۔ سیدی شیخ اکبر محی الملة والدین ابن عربی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں، اللہ عزوجل نے ایک نور کی تجلی فرمائی پھر تاریکی بنائی۔ ظلمت پر اس نور کا پرتو ڈالا اس سے عرش ظاہر ہوا پھر اس ملے ہوئے نور سے کہ ضیائے صبح کے مانند تھا جس میں تاریکی شب مخلوط ہوتی ہے، ان ملائکہ کو بنایا جو گرد عرش ہیں پھر کرسی پیدا کی اور اس میں اسی کی طبیعت کی جنس سے ملائکہ پیدا کئے۔
ذکرہ فی الباب الثالث عشر من الفتوحات المکیة واوردہ الامام الشعرانی فی الیواقیت والجواھر۔

۹۔ ابوالشیخ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان فی الجنة لنهرا ما یدخله
جبریل دخلة فیخرج فینتفض الا
خلق الله من کل قطرة تقطر منه
ملکا۔

بے شک وشبہہ جنت میں ایک نہر ہے کہ جب جبریل امین علیہ الصلاة والسلام اس میں جاکر باہر آکر پر جھاڑتے ہیں جتنی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں اللہ تعالیٰ ہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔
حالانکہ جبریل امین علیہ الصلوٰة والسلام کے چھ سو پر ہیں کہ اگر ایک پر پھیلادیں تو افق آسمان چھپ جائے۔

۱۰۔ ابن ابی حاتم وعقیلی وابن مردویہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فی السماء الرابعة نهر یقال له الحیوان یدخله جبریل کل یوم فینغمس فیه انغماسة منه یخرج فینتفض انتفاضة فیخرج عنه سبعون الف قطرة یخلق الله من کل قطرة ملکا هم الذین یومرون ان یاتوا البیت المعمور فیصلوا فیفعلون ثم یخرجون فلا یعودون الیه ابدا ویولی علیهم احدهم ثم یؤمر ان یقف بهم فی السماء موقفا یسبحون الله الی ان تقوم الساعة۔

چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جسے نہر حیات کہتے ہیں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز اس میں ایک غوطہ لگا کر پر جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ بناتا ہے انہیں کو حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں جا کر نماز پڑھیں جب پڑھ کر نکلتے ہیں پھر کبھی اس میں نہیں جاتے ان میں ایک کو ان پر افسر بنا کر حکم فرمایا جاتا ہے کہ آسمان میں انہیں ایک جگہ لے کر کھڑا ہو وہ قیامت تک وہاں تسبیح الٰہی کرتے ہیں۔

روی ابن المنذر نحوه بدون ذکر النهر من طریق صحیح عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنه لکن موقوفا قاله الامام الحافظ ابن حجر ومعلوم ان الموقوف کالمرفوع، **اقول** صح الحدیث وسقط ما نقل الفاسی عن الولی العراقی ان لم یثبت فی ذالک شیئ فقد اثبته الحافظ

وفوق کل ذی علم علیم۔

۱۱۔ عطاء و مقاتل وضحاک کی روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں آیا۔

ان عن یمین العرش نهرا من نور مثل السموات السبع والارضین السبع والبحار السبع یدخل فیه جبریل علیه السلام کل سحر ویغتسل فیه فیزداد نورا الی نوره وجمالا الی جماله ثم ینتفض فیخلق الله تعالی من کل نقطة تقع من ریشه کذا کذا الف ملك یدخل منهم البیت السبعون الفا ثم لا یعودون الیه الی ان تقوم الساعة۔

عرش کے دہنی طرف نور کی ایک نہر ہے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کی برابر اس میں ہر سحر جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نہاتے ہیں جس سے ان کے نور پر نور، جمال پر جمال، بڑھتا ہے پھر پر جھاڑتے ہیں جو چھینٹ گرتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے اتنے اتنے ہزار فرشتے بناتا جن میں سے ستر ہزار بیت المعمور میں جاتے ہیں پھر قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوتے۔

ذکره الامام فخر الدین الرازی فی تفسیر قوله تعالی ویخلق ما لا تعلمون۔

۱۲۔ ابو نعیم خطیم وابن عساکر اور بیہقی کتاب الرویۃ میں بروایت علی ابن ابی ارطاۃ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان لله ملئکة ترعد فرائصهم من مخافته ما منهم من ملك

یقطر من عینہ دمعۃ الا وقعت ملکا قائما یسبحہ۔ الحدیث۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ خوف الٰہی سے ان کا بند بند لرزتا ہے ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکتا ہے وہ گرتے گرتے فرشتہ ہو جاتا ہے کہ کھڑا ہوا رب العزت جل جلالہٗ کی تسبیح کرتا ہے۔

۱۳۔ ابو الشیخ کعب احبار سے اس کے قریب راوی کہ۔

لا تقطر عین ملک منھم الا کانت ملکا یطیر من خشیۃ اللہ۔

فرشتہ پیدا کرے جس کا ایک پر مشرق اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے درود بھیج میرے بندے پر جیسے اس نے درود بھیجی میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وہ فرشتہ قیامت تک اس پر درود بھیجتا رہے۔

ذکرہ ایضا ابن سبع والفاکھانی۔

خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد اپنی کتاب مستطاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح" میں امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"خدا کا ایک فرشتہ ہے کہ اس کا ایک

فرشتے تسبیح الٰہی کرتے ہیں اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔

ان فرشتوں سے جس کی آنکھ سے کوئی بوند ٹپکتی ہے وہ ایک فرشتہ ہو کر خوف خدا سے اڑ جاتی ہے۔

۱۴۔ ابن بشکوال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور پر نور افضل الصلوٰۃ واللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہ وعلیٰ آلہٖ فرماتے ہیں۔

من صلی علی تعظیما لحقی خلق اللہ عزوجل من ذالک القول ملکا لہ جناح بالمشرق واٰخر بالمغرب یقول عزوجل لہ صل علی عبدی کما صلی علی نبیی فھو یصلی علیہ الی یوم القیمۃ۔

جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لئے درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک

بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھا کر اپنے پر جھاڑتا ہے، خدائے تعالیٰ ہر قطرے کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں، انتہیٰ کلام التنویر قدس سرہ اللطیف۔

۱۵۔ مواہب شریف میں ہے۔

قد روی ان ثم ملئکۃ یسبحون فیخلق اللہ بکل تسبیحۃ ملکا۔

مروی ہوا کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں کہ تسبیح الٰہی کرتے ہیں اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔

۱۶۔ سیدی شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کے باب ۲۹ میں فرماتے ہیں "نیک کلام اچھا کام فرشتہ بنکر آسمان کو بلند ہوتا ہے" ذکرہ فی المبحث السابع عشر من الیواقیت۔

ان کے نزدیک آیت کریمہ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (اس کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے پ ۲۲ ع ۱۴ فاطر) کے یہ معنیٰ ہیں۔

۱۷۔ امام قرطبی تذکرہ میں علمائے کرام سے ناقل کہ جو شخص سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھتا ہے اللہ عزوجل اس کے ثواب سے فرشتے بناتا ہے کہ روز قیامت اس قاری کی طرف سے جھگڑیں گے۔ نقلہ الفاسی فی مطالع المسرات، ان کے نزدیک حدیث احمد و مسلم اقرؤا الزھراوین البقرۃ وآل عمران فانھما تاتیان یوم القیٰمۃ کانھما غمامتان او غیایتان او کانھما فرقان من الطیر صواف یحاجان عن اصحابھما کے یہ معنیٰ ہیں۔

۱۸۔ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی "میزانُ الشریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں۔

اقوی الملئکۃ واشدھم حیاء من کان مخلوقا من انفاس النساء۔

یعنی آدمیوں کی سانس سے فرشتے بنتے ہیں اور ان میں قوی تر اور حیا میں زائد وہ ہوتے ہیں جو عورتوں کی سانس سے بنائے جاتے ہیں۔

انفاس ناس سے فرشتے بننے کی تصریح فتوحات شریف میں بھی ہے۔

یہ اٹھارہ احادیث و اقوال ہیں جن میں آفرینش ملائکہ کے متعدد طریقے مذکور ہوئے ان سے ثابت کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے ہر روز بے شمار بنتے ہیں جن کی گنتی ان کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔ قُلْتُ اعزب

احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ فرشتوں کی پیدائش روزانہ جاری ہے ہر روز بے شمار بنتے ہیں جنکی گنتی انکا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

القلشانی فزعم ان ملئکۃ الارض والجوم کبۃ من الطباع الاربع واشارات لھم فی اجسامھم دما مسفوحا قال فی الیواقیت قال بعضھم ولعل مرادہ بھٰؤلاء الملئکۃ القاطنین من السماء والارض نوع من الجن سماھم ملئکۃ اصطلاحا لہ اھ، قُلْتُ ومثلہ غرابا عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان من الملئکۃ ضربا یتوالدون یقال لھم الجن ومنھم ابلیس کما نقلہ فی ارشاد الساری وانت تعلم ان عقیدۃ اھل السنۃ فی الملئکۃ تنزلھم عن الذکورۃ والانوثۃ فان التوالد راحسن محاملہ ھو ما مومن تسمیۃ بعض الجن ملکا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہا ان کی موت کا حال، امام ولی الدین عراقی سے اسئلۂ مکیہ میں اس باب میں سوال ہوا جواب فرمایا۔

لم یثبت فی ذالک شیئ ولا یجوز الھجوم علیہ بمجرد الاحتمال۔ ولا المجال للنظر فیہ ولا دخل للقیاس۔

اس باب میں کچھ ثابت نہ ہوا اور محض

احتمال ہے اس پر جراءت روا نہیں۔ نہ نظر کی یہاں گنجائش نہ قیاس کا دخل۔
نقلہ العلامۃ الفاسی فی مطالع المسرات۔

بلکہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تو انہیں مثل ارواح مانتے ہیں کہ نہ تھے مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں گے کہ ارواح کو کبھی موت نہیں۔

فتوحات شریفہ کے باب ۵۱۸ میں فرمایا۔
"انہ لیس للملئکۃ اخرۃ ھو ذالک انھم لایموتون فیبعثون وانما ھم صعق وافاقۃ کالنوم والافاقۃ منہ عندنا ذالک حال لا یزال علیہ الممکن فی التجلی الاجمالی دنیا و اخرۃ الخ نقلہ فی الیواقیت والجواھر۔

اقول: شاید یہ مسئلہ تجسم و تجرد ملائکہ پر مبنی ہو جو انہیں نفوس مجردہ مانتے ہیں جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ ان کے طور پر ملائکہ کے لئے موت نہ ہونی چاہیے کہ روح کبھی نہیں مرتی موت جسم کے لئے ہے یعنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ اور ملائکہ کو اجسام لطیفہ کہتے ہیں جن سے نفوس شریفہ متعلق ہیں جیسا جمہور اہل سنت کا مسلک ہے اور صریحاً طور پر نصوص اسی طرف ناظر انکے نزدیک ملائکہ کو موت سے چارہ نہیں اور یہی ظاہر مفاد آیت۔ اور احادیث تو اس میں بالتصریح وارد تو یہی صحیح و معتمد ہے۔
وقال كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی جب آیہ کریمہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کہ جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، ملائکہ بولے زمین والے مرے یعنی ہم محفوظ ہیں جب آیہ کریمہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ نازل ہوئی کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ملائکہ نے کہا اب ہم بھی مرے۔ ذکرہ الامام الرازی فی مفاتیح الغیب۔

ابن جریر انہیں سے راوی قال وکل ملک الموت بقبض ارواح المؤمنین والملئکۃ، الحدیث،
یعنی ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر مقرر رہیں۔

نیز ابن جریر، ابو الشیخ وغیرہما ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اخرھم موتا ملک الموت۔ فرشتوں میں سب سے پیچھے ملک الموت مریں گے۔

بیہقی و فریابی نے بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں تفصیلاً ان کی کیفیت موت روایت کی، کہ جب سب فنا ہو نگے جبریل و میکائیل و ملک الموت باقی رہیں گے رب تبارک و تعالیٰ کہ دانا تر ہے ارشاد فرمائے گا اے ملک الموت اب کون باقی ہے، عرض کریں گے۔

بقی وجھک الباقی الدائم وعبدک
جبریل ومیکائیل وملک الموت۔
باقی ہے تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا اور
تیرے بندے جبرئیل و میکائیل و ملک الموت۔

حکم ہوگا تغرف نفس میکائیل میکائیل کی روح قبض کرو وہ عظیم پہاڑ کی طرح گریں گے۔ پھر فرمائے گا اور وہ خوب جانتا ہے، اب کون باقی ہے عرض کریں گے وجھک الباقی الکریم وعبدک جبریل وملک الموت، فرمائے گا تغرف نفس جبریل، جبریل کی روح قبض کرو وہ اپنے پر پھٹپھٹاتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے پھر فرمائے گا اور وہ خوب جانتا ہے اب کون رہا عرض کریں گے وجھک الکریم وعبدک ملک الموت وھو میت تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا اور تیرا بندہ ملک الموت کہ وہ بھی مرے گا فرمائے گا مُتْ، مر جا، وہ بھی مر جائیں گے، پھر فرمائے گا ابتدا میں میں نے خلق بنائی اور میں پھر اسے زندہ کروں گا کہاں ہیں سلاطین مغرور جو ملک کا دعویٰ کرتے تھے، کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا خود فرمائے گا، للہ الواحد

القہار آج بادشاہی ہے اللہ غالب کی. ملخص منھما و عنہ الفریابی ان اٰخرھم موتا جبریل. واللہ تعالیٰ اعلم.
ثُمَّ اَقُولُ اس حدیث سے ملائکہ مقربین کا روز قیامت زندہ رہنا معلوم ہی ہوا، اور حدیث ۵ میں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے گزرا کہ یہ بے شمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں قیامت تک ملائکہ کے ساتھ اڑتے پھریں گے اور حدیث ۶ میں گزرا کہ یہ ستر ہزار فرشتے جو روز بنتے ہیں قیامت تک تسبیح الٰہی کریں گے حدیث ۱۲ میں گزرا وہ فرشتہ قیامت تک مصلی پر درود بھیجتا ہے۔
روایت سخاوی میں گذرا اس کے پَر کے قطروں سے جو فرشتے بنتے ہیں قیامت تک مصلّی کے لئے استغفار کریں گے ہر مسلمان کے ساتھ جو کراماً کاتبین ہیں ان کے لئے حدیث میں آیا مرگ مسلمان کے بعد آسمان پر جاتے اور وہاں رہنے کا اذن طلب کرتے ہیں حکم ہوتا میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہیں کہ وہ میری تسبیح کرتے ہیں عرض کرتے تو ہمیں حکم ہو کہ زمین میں رہیں فرمان ہوتا ہے میری زمین مخلوق سے بھری ہے کہ میری تسبیح کرتے ہیں۔

وَلٰكِنْ قُوْمَا عَلٰى قَبْرِ عَبْدِىْ
فَسَبِّحَانِىْ وَهَلِّلَانِىْ وَكَبِّرَانِىْ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاكْتُبَاهُ لِعَبْدِىْ.

مگر میرے بندے کی قبر پر کھڑے قیامت تک میری تسبیح و تہلیل و تکبیر کرو اور اس کا ثواب میرے بندے کے لئے لکھتے رہو۔

اخرجہ ابو نعیم عن ابی سعید الخدری والبیھقی فی البعث وابن ابی الدنیا عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

یونہی اور احادیث بھی ہیں ان حدیثوں سے بے شمار ملائکہ کا قیامت تک زندہ رہنا ثابت اور اصلا کسی حدیث میں نہ آیا کہ کسی فرشتہ کو موت لاحق ہوئی بلکہ روایت مذکورہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صاف ظاہر کہ نزول آیۂ کریمہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ تک فرشتے اپنی موت سے خبردار ہی نہ تھے کہ ہمیں بھی موت ہوگی. لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ ملائکہ کے لئے قیامت سے پہلے موت نہیں بلکہ جویبر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ انسان و جن و حیوانات کی موت بیان کر کے فرمایا۔

والملٰئکۃ یموتون فی الصعقۃ الاولیٰ وان ملک الموت یقبض ارواحھم ثم یموت.

فرشتے اس وقت مریں گے جب پہلا صور پھونکا جائے گا ملک الموت انکی روح قبض کریگے پھر وہ خود بھی مر جائیں گے

یہ حدیث مقصود میں نص تھی لولا مافی جویبر من ضعف قوی ولا جویبر واللہ تعالیٰ اعلم.

تکمیل بعد ختم اس تحریر کے فتاویٰ حدیثیہ امام علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی میں ایک فتویٰ متعلق بملائکہ دوسرا متعلق بجور علین نظر فقیر سے گذرا امام نے اس میں موت ملائکہ پر اجماع نقل فرمایا حیث قال.

اما الملٰئکۃ فیموتون بالنصوص والاجماع ویتولی قبض ارواحھم ملک الموت ویموت ملک الموت بلا ملک الموت.

لیکن ملائکہ پس یہ مر جائیں گے یہ بات نصوص اور اجماع سے ثابت ہے اور انکی ارواح ملک الموت قبض کریں گے اور ملک الموت بھی مر جائیں گے بغیر ملک الموت کے (مترجم)

اور اُن کے کلام کا بھی ظاہر یہی ہے کہ موت ملائکہ نفخ صور سے ہوگی سوا حاملان عرش و چار مقرب (فرشتوں) کے کہ یہ اسکے بعد وفات پائیں گے. حیث قال فی الفتوی المتعلقۃ بالملٰئکۃ بالنفخ فی الصور

يموتون الاحملة العرش وجبريل واسرافيل وميكائيل وملك الموت ثم يموتون اثرذالك.
اور دوبارہ آفرینش بھی اسی کا استظہار فرمایا کر ملائکہ ایک ہی دفعہ نہ بنے بلکہ ان کی پیدائش بدفعات ہے حیث قال ظاهر السنة ان الملئكة لم يخلقوا دفعة وحدة۔

پھر احادیث مانحن فیہ کے متعلق صرف سات ذکر فرمائیں جن میں پانچ تو وہی ۲، ۴، ۷، ۹، ۱۲، ۱۳ ہیں کہ مذکور ہوئیں دو تازہ ہیں کہ بفیض امام سے ان اٹھارہ میں ملا کر بیس کا وعدہ کامل کیجئے۔ والله الحمد۔

۱۹۔ ابوالشیخ وہب بن منبہ سے راوی۔

قال ان الله نهرا في الهوا يسمع الارضين كلها سبع مرات فينزل على ذالك النهر ملك من السماء فيملؤه ويسد ما بين اطرافه ثم يغتسل منه فاذا خرج منه قطرمنه قطرات من نور فيخلق الله من كل قطرة منها ملكا يسبح لله بجميع تسبيح الخلائق كلهم۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا میں ایک نہر ہے کہ سب زمینیں مل کر سات دفعہ اس میں سما جائیں اس نہر پر آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے کہ اپنی جسامت سے اسے بھر دیتا اور اس کے کنارے بند کر دیتا ہے پھر اس میں نہاتا ہے جب باہر آتا ہے اس سے نور کی بوند ٹپکتی ہیں اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ بناتا ہے کہ تمام مخلوقات کی تسبیح سے اس کی تسبیح کرتا ہے۔

۲۰۔ وہی علاء بن ہارون سے راوی۔

قال لجبريل كل يوم انغماس في الكوثر ثم ينتفض فكل قطرة يخلق منها ملك۔

جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز کوثر میں ایک ڈبکی لگا کر پر جھاڑتے ہیں ہر بوند سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور حدیث یاد آئی۔

۲۱۔ ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ کتاب الثواب میں امام جعفر صادق وہ اپنے والد ماجد وہ اپنے جد امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ما ادخل رجل على مومن سرورا الاخلق الله عز وجل من ذالك السرور ملكا يعبد الله عز وجل ويوحده فاذا صار العبد في قبره اتاه ذالك السرور (الحديث)

جو کسی مسلمان کو خوش کرے اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرے کہ اللہ عزوجل کی عبادت و توحید کرتا ہے جب وہ بندہ قبر میں جائے یہ فرشتہ اس کے پاس آکر کہے مجھے پہچانتا ہے میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مسلمان کے دل میں داخل کی تھی آج میں وحشت میں تیرا دل بہلاؤں گا اور تیری حجت تجھے سکھاؤں گا اور قول ایمان پر تجھے ثابت کروں گا اور قیامت کے ہر مشہد میں تیرے ساتھ ہوں گا اور اللہ عزوجل کے نزدیک تیری شفاعت کروں گا اور جنت میں تیرا مکان تجھے دکھاؤں گا۔

غرض بڑی عظمت والا ہے بادشاہ عرش عظیم کا رب ملک و روح کریم کا سب خلق سے جن لینے والا محمد رسول اللہ رؤف و رحیم کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آفتاب آمد دلیل آفتاب

قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کے دلائل

عارف باللہ مفتیٔ اعظم ہند الحاج الشاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

قرآن حکیم بلاشبہ کلام الٰہی و کتاب آسمانی ہے اور اپنی اصل شکل میں باقی، ترمیم و تحریف نے چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود اس کا کچھ نہ بگاڑا۔ اس کا خود ارشاد ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ "اس میں شک کو راہ نہیں" یہ کلام پاک تمام تر شک و شبہے سے پاک و منزہ ہے۔ اس میں ترمیم و تبدیلی کا قائل یقیناً قطعاً کافر ہے۔ اس کا اسلام سے کچھ علاقہ نہیں۔ اگرچہ ہزار بار وہ دعوائے مسلمانی کرے۔ اسلامی تعلیم سے بے بہرہ اور انگریزی تعلیم و تہذیب کے دلدادہ بعض مسلمان کہلانے والے قرآن پاک کو بھی عام کتابوں پر قیاس کرکے اپنی فہم قاصر سے اس پر اعتراض کرتے یا اس کو ناقابل عمل ٹھہراتے ہیں۔ ان کے خارج از اسلام رہنے میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قرآن بنیادِ اسلام ہے جب بنیاد ہی نہ ہوگی تو عمارت کیسے باقی رہے گی۔ ایسے ہی بعض نافہموں، عقل کے دشمنوں، "اسلام کے جھوٹے مدعیوں کے رد میں تاجدار اہلسنت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے ایک استفتاء کے جواب میں قلم اٹھایا ہے۔ جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت درجہ جامع اور مفید ہے۔ کہ عقل سلیم کو بجز تسلیم یارا نہیں۔

قرآن حکیم کے کتاب الٰہی ہونے کے دلائل پر اسلاف کرام نے بیشمار کتابیں تصنیف کی ہیں تفسیر نعیمی مصنفہ حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی علیہ الرحمۃ میں ان دلائل کا نچوڑ موجود ہے بلکہ مزید دلائل حضرت مفتی صاحب نے ایسے بھی سپرد قلم کئے ہیں جو کتب سابق میں نہیں ملتے اب ذیل میں سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا جواب مع سوال ملاحظہ ہو۔

محمد عبدالمبین نعمانی قادری

مسئلہ از شہر بریلی سنہری مسجد

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے اور خدا کا فرمان ہے لیکن بکر کہتا ہے کہ نہیں۔ لہٰذا زید کو کیا کیا دلیلیں پیش کرنی چاہئے کہ جس سے اس کی تسکین ہو فقط۔

الجواب

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔ اس زمانے میں جب فصاحت و بلاغت کا بازار گرم تھا۔ زبان عربی کی ترقی کا عہد شباب تھا۔ فُصَحَا وَبُلَغَا کا دَوردَورہ تھا۔ بچہ بچہ فصیح و بلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا زبان کھلتے ہی فصیح و بلیغ ہوتا۔ لڑکیاں قصائد برجستہ کہا کرتی تھیں۔ شعراء اپنے قصیدے لکھ لکھ کر کعبہ معظم کے دروازے پر لٹکایا کرتے اور پھر ان کے جواب ہوا کرتے قرآن عظیم حضرت سیدنا امنہ صلے اللہ تعالیٰ علی ابنہا ثم علیہا وسلم کے یتیم فرزند ارجمند پر جن کے سر مبارک پر برائے تربیت و تعلیم باپ و لواز تھے۔ جنکی عمر شریف اوائل ایام حلیمہ سعدیہ بدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بادیہ (جنگل) میں بسر ہوئی۔ جنہوں نے کسی انسان سے کسی کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا نازل ہوا۔ جس نے تحدی (چیلنج) فرمائی کہ

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (بقرہ ۲۳/۲)

"یعنی اے متے فصاحت کے متوالو! اے شراب بلاغت سے سرشارو! اے زبان کے ایسے مدعیو کہ دوسروں کو گونگا بتانے والو! اگر تم دربارۂ قرآن کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شک میں پڑے ہو تو اس کی سی ایک چھوٹی سی سورت کہہ لاؤ"

اور نہ تم ہی بلکہ۔

> **دنیوی قوانین ضرورت کے مطابق بدل دیئے جاتے ہیں اور موقع و محل کے اعتبار سے ترمیم و تنسیخ کی زد میں آجاتے ہیں لیکن قرآنی قوانین عالمگیر و ہمہ گیر ہیں، اٹل و مستحکم ہیں۔ اس میں ترمیم و تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں!**

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ۔

(بقرہ ۲/۲۳-۲۴)

"اور اللہ عزوجل کے سوا جنہیں تم نے معبود بنا لیا ہے انہیں بھی مدد کیلئے پکار لو اگر تم سچے ہو پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہیں۔"

کہیں فرمایا۔

فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ

(یونس ۷۱/۱۰)

"تم سب جمع ہو جاؤ اپنے کام پکے کر لو اپنے شرکاء کو بھی جمع کر لو۔"

کہیں فرمایا۔

لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (اسراء ۱۷/۸۸)

"ہرگز اس کی مثال نہ لاسکیں گے اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہوں۔"

قرآن تو کلام اللہ صِفَةٌ مِّنْ صِفَاتِ اللّٰهِ (اللہ کی صفتوں میں سے ایک صفت) ہے کوئی اس کا مثل کیونکر لاسکے۔ جو شے بھی اللہ عزوجل کے یہاں سے ہو محال ہے کہ تمام عوالم (جہان) مل کر بھی اس کا مثل بنا سکیں پانی کا قطرہ قطرہ مٹی کا ذرہ ذرہ ہوا کا ہر حصہ آگ کی ہر ہر چنگاری نور کا ہر ہر لمعہ غرض کہ عوالم کی ہر ہر شے کا ہر ہر ریزہ گواہ ہے نہ اصل کی مثل کوئی لاسکتا ہے نہ فرع کی مثل کوئی بنا سکتا ہے۔ اصل و فرع۔ روح و جسم کا مثل کیا معنی کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بنا سکتا۔ وہ رنگ و روپ نہیں لاسکتا ایسی جو بھی چیز نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے جس کا مثل عوالم میں کسی سے ممکن نہ ہو عقل و شعور رکھنے والا بد بائی بھی اسے اللہ عزوجل محض قدرت سے جانتا اور سچے دل سے اسے اللہ عزوجل کا مخلوق مانتا ہے تو قرآن عظیم جو اس خالق جلّ مجدہٗ کی صفت ہے جس کی کسی مخلوق کا مثل تمام عالموں میں سے کسی شے سے ممکن نہیں تو اس کی صفت کا مثل کوئی کیوں کر کس طرح لاسکے۔

قرآن کا مثل ناممکن ہونا باعلیٰ ندائے منادی کہ قرآن منجانب اللہ ہے۔ عُلماء و بُلغائے عرب جس کے مقابلے سے عاجز ہوئے اُن میں بہت وہ جن کے نصیب میں ہدایت تھی اُسے سُن کر ہی ہدایت یاب ہوئے اور پکار گئے کہ یہ کلام کلامِ بشر نہیں اور سچے دل سے اُسے کلام اللہ اعتقاد کر کے ایمان لائے۔ اور بدنصیب جن کے قلوب پر عناد و جہالت کے غلط (پردے) تھے۔ اگرچہ دل سے وہ بھی مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ (یہ بشر کا کلام نہیں) مجبوراً مانا کئے مگر عناداً یہی کہتے رہے کہ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (اگر ہم چاہتے تو اس کے مثل کہہ ڈالتے) مگر عقلاء بے شک می دانند (جانتے ہیں) کہ انہیں کچھ بھی قدرت ہوتی تو کس دن کے لئے اشعار کہتے قرآن اگر کلامِ بشر ہوتا تو کیا وہ زبان داں جو اپنے آگے تمام دنیا کو گونگا جانتے وہ فصحا بلغا جن کے آگے فصاحت و بلاغت ہاتھ باندھے کھڑی رہتی۔ جن کی لونڈیاں برجستہ قصائد پڑھا کرتیں۔ قرآن کے آگے کیوں گونگے ہو جاتے۔

قرآن اگر کلامِ بشر ہوتا تو اس میں ایسی گرفتگی، ایسا جذبہ، ایسی خوبی، ایسی خوش اسلوبی یہ حسن یہ ملاحت، یہ سلاست یہ لطافت کہاں ہوتی یہ اثر کب ہوتا کہ معاندوں (ہٹ دھرموں) کو جب کچھ نہ بن پڑتا تو کہتے

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم سجدہ ۴۱/۲۶)

"اس قرآن کو نہ سنو نہ کسی کو سننے دو کہ جو سنے گا اسی کا کلمہ پڑھے گا ہم سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہے گا۔ جب قرآن پڑھا جائے تو غل شور مچاؤ، غل بل غل بل کرو کہ تم غالب آؤ" کہ نہ لوگ قرآن سنیں گے نہ ایمان لائیں گے ظاہر ہے کہ اگر وہ کلام بشر ہوتا تو وہ فصحاء

مزارات مقدسہ اعلیٰحضرت و مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ (بریلی شریف)

و بلیغ اُس کے مقابلے سے کیوں عاجز و درماندہ رہتے خود ہی ہر شخص علیحدہ علیحدہ مستقل قرآن بنا کر اس کے مقابل بنا کر پیش کرتا۔ پھر جب کہ قرآن کی وہ تحدی دیکھتا جب تو جان توڑ کوشش سے مقابلہ کرتا۔

جب کافر اس تحدی پر بھی اُس کی سی ایک سورت نہ بنا کر لا سکے۔ جب معاند اُس کے سننے سے نہ کے اور اوروں کو روکا اور اس کی آواز کان میں نہ پڑ جائے غل شور مچانے غل بل غل بک کرانے لگے تو روز روشن سے زیادہ روشن و آشکارا ہوا کہ قرآن ایسی بے مثل کتاب ہے جس کا مثل کسی سے ممکن نہیں۔ جو ایسی چیز ہو جس کا مثل ممکن نہ ہو وہ خدا ہی کی ہوتی ہے تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و تاباں کہ قرآن کلام اللہ ہے ہرگز کلام بشر نہیں۔

پھر قرآن کے اٹل احکام لن یبدل امر و نواہی محکم قواعد و قوانین اپنے مخالفوں کو بھی مجبور کر کے کہلوا لیتے ہیں کہ بیشک یہ خداوندی ہے ہرگز بشری نہیں اعلیٰ سے اعلیٰ عقلا جمع ہو کر جو قوانین وضع کرتے ہیں کبھی فوراً کبھی کچھ دن بعد انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ان میں ترمیم کریں یا منسوخ کریں۔ نئے قوانین بنائیں مگر قرآنی قوانین ------ ایسے قوانین نہیں جن میں کوئی تبدیلی کوئی تغیر ذرا بھی ترمیم یا کسی تھوڑی سی تنسیخ کی حاجت ہو وہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جیسے ضروری تھے۔ تیرہ ہزار برس کے قریب زمانہ گزرتا ہے آج بھی ویسے ہی ضروری ہیں۔ اور تا قیامت ان کی اسی طرح حاجت و ضرورت رہے گی۔

دنیا بھر میں قرآنی قوانین کا شہرہ ہے قرآنی قوانین عالمگیر و ہمہ گیر قوانین ہیں۔ دنیا بھر کے سلاطین انہیں قوانین کی سرکار کے بھکاری ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ عناد سے تسلیم نہ کریں۔ یا کسی قرآنی قانون کی من مانی صورت بنالیں۔

قرآن خدا کا کلام ہونے کے ثبوت میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ یہ کلام خدا ہے تو اس کا کلام خدا ہونا ثابت ہو وہ خود آپ اپنی دلیل ہے

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

مشک وہ ہے جو خود مہکے اس کیلئے عطار کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ مشک ہے۔

واللہ تعالیٰ ھو الموفق الصواب واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہٗ اتم و احکم
(فتاویٰ مصطفویہ جلد اول ص ۱۹ تا ۲۰ مطبوعہ مکتبہ رضا جمیل پور رہلی بھیت)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

آباء کرام

موحِّد تھے

اور نجاستِ کفر سے پاک تھے

حضرت شیر بیشۂ سنت کا باطل شکن

فتویٰ

از قلم شیر بیشۂ اہلسنت
حضرت مولانا مفتی
شاہ محمد حشمت علیخاں
صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان
(پیلی بھیت)

مسئلہ:- آمدہ از محلہ زیرین متصل مسجد پنوشہر فتحپور مولانا حافظ عبد السلام قادری برکاتی رضوی فتحپوری ـــ
دوشنبہ مبارکہ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ
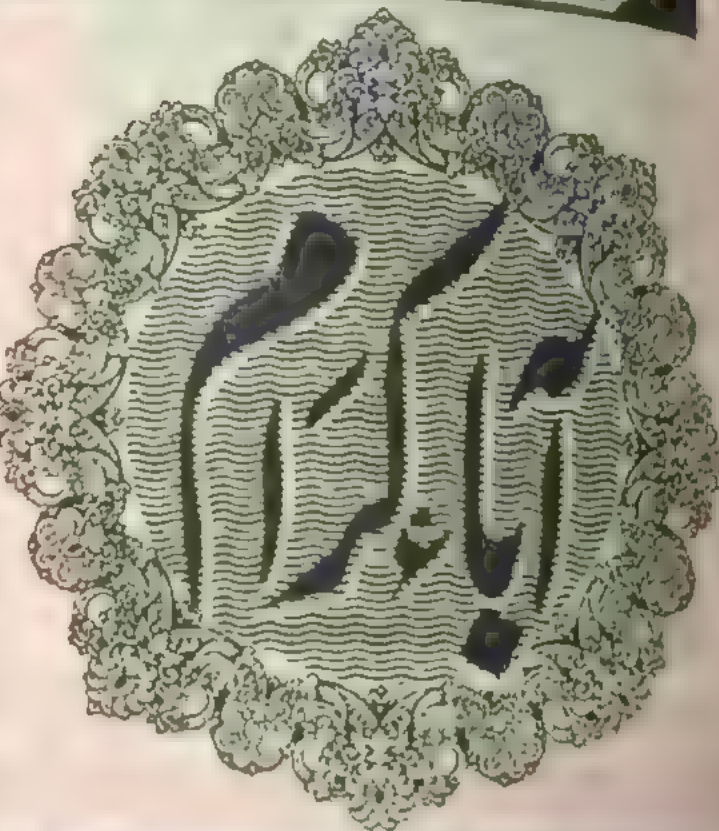
کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہلسنت و مفتیانِ دین و ملت وامت افاداتہم وعمت ارشاداتہم اس مسئلہ میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن و ناجی ہونے کے متعلق راجح و صحیح قول کیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں جو کچھ لکھا ہے اور رشید احمد گنگوہی نے اس مسئلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی بنا پر ان کا حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما وعلی ذویہ وصحبہ ابد الدھور وکرما۔ الحمد للہ الذی تعالیٰ بلطفہ وکرمہ عن ان یضع نور حبیبہ المطہر النورانی فی الموضع النجس الظلمانی وتنزہ بفضلہ ورحمتہ عن ان یدخل اصول رسولہ الرؤف الرحیم العطوف الکریم فی العذاب النیرانی وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی حبیبہ خیر الانام الذی شمل دینہ الاسلام اصولہ الکرام وعلی ابائہ العظام وامھاتہ ذوات العز والاحترام والہٖ واصحابہ وابنہ الغوث الاعظم واحزابہ وسراج امتہ الامام الاعظم واحبابہ وامام اھل السنۃ المجدد الاعظم العالم بدینہ وکتابہ وعلینا وعلی جمیع اخواننا واخواتنا من اھل سنتہ وجماعتہ المتادبین بتعظیمہ وادابہ۔ امین

روضۂ مبارک شیر بیشۂ سنت حضرت
مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان
پیلی بھیت

جس نے بدمذہبوں کے قلعے ڈھادیئے	رضویم نعرۂ یا اعلیٰحضرت می زنم
اسکی شیرانہ ہمت پہ لاکھوں سلام	دم ز شیخ حشمت علیخاں فرد عالم می زنم

بیشک اس مسئلہ میں حق و صحیح و مستند و نجیح و صواب و صحیح یہی ہے کہ سیدنا عبد اللہ و سیدتنا آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سیدنا آدم صفی اللہ و سیدتنا حوا ام البشر علیہ وعلیہما الصلوٰۃ والسلام تک جن پاک و مقدس مردوں کے اصلاب طیبہ میں اور جن مبارک عورتوں کے ارحام طاہرہ میں حضور اقدس سید عالم روح مصور و نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا نور اقدس منتقل ہوتا رہا وہ سب کے سب بفضلہٖ و کرمہٖ سبحانہٗ و تعالیٰ مومن موحد صالح ناجی جنتی مفلح گذرے ان میں کوئی مشرک و کافر نہ ہوا۔ یہی مضمون متعدد آیات قرآنیہ اور بکثرت احادیث نبویہ و اقوالِ علماء سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حضور پر نور مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت سیدنا اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ عبد المصطفےٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ مقدسہ مسمّٰی بنام تاریخی، شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام میں واضح و روشن اور متعدد آیاتِ الٰہیہ و احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا وآلہ الصلوٰۃ والتحیۃ سے ثابت و مبرہن فرمایا۔ اور بیشک اسی میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے دلوں کا چین ہے۔ اسی سے مصطفےٰ پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے بندگانِ بارگاہ کے قلوب ٹھنڈک پاتے ہیں اور دشمنان بیدین ملحدین کے دل و جگر جل کر کباب ہو جاتے ہیں۔ اور بیشک اس مسئلہ میں ملا علی قاری رحمۃ الباری سے سخت فاحش غلطی ہوئی جس کا اتباع ہرگز جائز نہیں اور بے شک اس مسئلہ میں رشید احمد گنگوہی نے جو فتاوی گنگوہیہ حصہ سوم مطبوعۂ افضل المطابع مراد آباد کے صفحہ ۱۴ پر لکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہے۔ اھ براہ جسارت و وقاحت اس پر حاشیہ جڑا کہ
۔ فقہ اکبر میں ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ میں مرقوم ہے"

یہ حضور پر نور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افتراء محض اور بہتانِ خالص ہے۔
اولاً ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی کوئی کتاب فقہ اکبر نام کی نہیں ایک فقہ اکبر حضور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے دوسری فقہ اکبر حضرت سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے ہرگز ہرگز ہرگز حضور سیدنا امام اعظم یا حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہیں یہ نہ فرمایا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ ابوین طیبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔
فیا اذناب الگنگوھی ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ تو اے گنگوہی کے دم چھلو! اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان آگے لاؤ۔
ثانیاً اگر گنگوہی کے دم چھلے گنگوہی کی تائید میں

یہ عبارت پیش کریں وو الدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم ماتا علی الکفر یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کفر پر مرے ہیں تو فقہ اکبر شریف کے اکثر نسخوں میں تو یہ فقرہ سرے سے نہیں۔ فقیر کے پاس مصر کے دو مطبعوں کے چھپے ہوئے دو نسخے فقہ اکبر شریف کے موجود ہیں دونوں میں کسی نسخے میں اس فقرہ کا تعلقاً پتہ نہیں بلکہ فقیر کے کتبخانہ میں نسخہ شرح فقہ اکبر للملا علی القاری مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر موجود ہے اس میں بھی نہ یہ فقرہ ہے نہ اس کی شرح کے الفاظ۔

ثالثاً فقہ اکبر شریف کے جن نسخوں میں یہ عبارت ہے وو الدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم ماتا علی الکفر انہیں نسخوں میں اسی عبارت کے متصل یہ عبارت بھی ہے ومات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی الایمان۔ یعنی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ایمان پر انتقال فرمایا۔ اس پر خود ملا علی قاری کو تنبہ ہوا اور فرمایا لایحتاج الی ذکرہ لعلوہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم فی ہذا الشان یعنی اس فقرہ کو ذکر کرنے کی کچھ حاجت نہ تھی اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم اس معاملہ میں بہت بلند و بالاشان رکھتے ہیں۔ اقول اور بات بھی یہی ہے کہ ایسی بات اس کے متعلق کہی جاتی ہے جس کے خاتمہ میں شبہ ہو شرع مطہرہ سے یقینی طور پر واضح و روشن نہ ہو کہ کفر پر ہوا یا ایمان پر۔ وہیں کہا جاتا ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ فلاں دلیل شرعی اس امر پر قائم ہے اور ہر ایک نبی کا خاتمہ ایمان کے اس اعلیٰ مرتبہ پر ہونا جو ہرگز کسی غیر نبی کے لئے متصور نہیں ضروریات دین سے ہے جس کا منکر نہ منکر بلکہ اس میں شک رکھنے والا نہ شک رکھنے والا بلکہ جو اس میں شک رکھنے والے کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے وہ بھی قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے اور عیاذاً باللہ تعالیٰ بے توبہ مرا تو مستحق نار ابد ہے۔ پھر حضور اقدس سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم کے متعلق یہ مضمون ایسے کمزور لہجہ میں بیان کرنا ہرگز شان امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصور نہیں۔ لاجرم خود ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے الحاقی ہونے کا اشعار فرمایا حیث قال ولیس ہذہ النسخۃ فی اصل شارح تصدر لہذا المیدان لکونہ ظاہرا فی معرض البیان اس لئے کہ انہوں نے فرمایا، اور یہ عبارت شارح کے اصل نسخہ فقہ اکبر شریف میں نہیں ہے جو اس میدان کے شہسوار ہیں کیونکہ یہ مضمون مقام بیان میں خود ہی ظاہر ہے۔

یہ ہے فقہ اکبر شریف کی طرف سے پہلا جواب جس کی طرف حضرت علامہ سید طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے حواشی مبارکہ علی الدر المختار میں ان کلمات سے اشارہ فرمایا ویدل علی ذالک ان النسخ المعتبرۃ لیس فیہا شئ من ذالک یعنی یہ عبارت ہرگز امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ فقہ اکبر شریف کے جو معتمد نسخے ہیں ان میں اس عبارت میں سے کچھ بھی نہیں۔ حضور پر نور مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ عبد المصطفےٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب مستطاب المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد (۱۳۲۰ھ) کے صفحہ ۱۵۲ پر اسی بحث میں فرماتے ہیں ولہذہ العبارۃ قرینۃ اخری توجد مثلہا فی بعض النسخ دون الاخری وہی قولہ، ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم مات علی الایمان والعلامۃ القاری نفسہ قد ارتاب فی صحۃ نسبتہا الی الکتاب حیث قال لعل مراد الامام علی تقدیر صحۃ ورود ہذا الکلام الخ فانقطع بہذہ مع اشتراکہما فی خلو النسخ المعتمدۃ عنہما مما یفضی الی العجب۔

یعنی اور اسی عبارت کے ساتھ ایک اور دوسری عبارت ہے جو اسی کی طرح بعض نسخوں میں پائی جاتی ہے اور دوسرے نسخوں میں نہیں ہے اور وہ یہ عبارت ہے "ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم مات علی الایمان" یعنی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ایمان پر انتقال فرمایا۔ اور خود علامہ علی قاری کو اس بارے میں شک ہو گیا کہ فقہ اکبر شریف کی طرف اس عبارت کی نسبت صحیح ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر فقہ اکبر شریف میں اس عبارت کا ہونا صحیح فرض کر لیا جائے تو شاید امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ ہوگا کہ فقہ اکبر شریف کا متن اس عقیدہ کفریہ و دینیہ کے بیان سے خالی نہ رہے۔ تو تعجب کی بات ہے کہ ملا علی قاری نے یہ یقین کر لیا کہ وہ عبارت "ووالدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ماتا علی الکفر" ضرور فقہ اکبر شریف کی ہے حالانکہ دونوں عبارتیں اس بات میں باہم ایک دوسرے کی شریک ہیں کہ فقہ اکبر شریف کے معتمد علیہ نسخے ان دونوں عبارتوں سے خالی ہیں۔

رابعاً اسی فقرہ کے بعد یہ فقرہ ہے "وابوطالب عمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم وابو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مات کافرا۔"

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے چچا اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ابوطالب کافر مرے۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حضور پر نور سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب وہی ہوتا جو گنگوہی نے لکھا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح کیوں فرماتے کہ

"ووالدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم ماتا علی الکفر ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم مات علی الایمان وابوطالب عمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم وابو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مات کافرا۔"

اتنا حشو شان امام اعظم کے خلاف اور حیثیت متن سے بعید ہے کلام یوں بھی ہو سکتا تھا کہ "ووالدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم وابوطالب عمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم وابو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماتوا کافرین۔"

بلکہ اس پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اصل عبارت یوں تھی کہ "ووالدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم ما ماتا علی الکفر وماتا علی الایمان وابوطالب عمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم وابو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مات کافرا"

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین کا انتقال کفر پر نہیں ہوا بلکہ وہ دونوں دنیا سے ایمان پر گئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے چچا اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے باپ ابوطالب دنیا سے کافر گئے۔

جملہ اولیٰ میں "ما" نافیہ قلم ناسخ سے رہ گیا تو عبارت یوں ہو گئی "ووالدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم ماتا علی الکفر وماتا علی الایمان"۔

اب ناقلین کو مشکل پڑ گئی۔ دونوں جگہ "ماتا" کی ضمیر تثنیہ کا مرجع اگر والدین کریمین کو رکھتے تو تناقض لازم آتا لہٰذا بعض نے تو اس جملہ میں سقط دیکھ کر یعنی نقل میں سے اس پوری عبارت کو بالکل ہی اڑا دیا ولنعم ما فعلوا! حیث ‌‌‌احسنوا ولا احسنوا۔ اور بعض نے کلام کو تناقض سے بچانے کے لئے یہ متعین کیا کہ دوسری جگہ "ماتا" بصیغۂ تثنیہ صحیح نہیں بلکہ "مات" بصیغۂ واحد ہے جس میں ناسخ کی غلطی سے الف بڑھ گیا۔ اور پھر "مات" کا مرجع بنانے کے لئے اس سے پہلے "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم" بڑھایا اب عبارت وہ ہو گئی جو ملا علی قاری نے نقل کی۔ مگر حقیقۃً خود ناقلین سے ناسخ اول کی غلطی متعین کرنے میں غلطی ہوئی اور اس کی زلت قلمی باہر

ان کی خطائے علمی سے اس عبارت کی یہ گت بن گئی۔
یہ ہے عبارت مذکورہ کا فقہ اکبر کی طرف سے دوسرا جواب جس کا رسالہ "ھدایۃ النبی الی اسلام آباء النبی" میں بحوالۂ علامہ برزنجی افادہ فرمایا۔
یعنی مند اکی قسم انہوں نے خوب کیا کہ نہ تو خود گمراہ ہوئے نہ کسی اور کو گمراہ کیا۔ کہ بالفرض اگر فقہ اکبر میں یہ جملہ پایا جائے تو ماتا کے قبل ما لکھنے سے سہواً رہ گیا یعنی ماماتا علی الکفر۔

خامساً رسالۂ مبارکہ مسمی بنام تاریخی "منع السفہ الاکبر عن قلب الفقہ الاکبر" میں ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ فقرہ علامہ بخاری کے حواشی سے ہے یہ حاشیہ بعض نسخے کے متن میں مندرج ہو گیا جس کے سبب بعض شراح کو اشتباہ ہو گیا۔

یہ ہے فقہ اکبر شریف کی طرف سے عبارت مذکورہ کا تیسرا جواب جس کا افادہ حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تعلیقات علی الدر المختار میں ان کلمات سے فرمایا۔ قال ابن حجر المکی فی فتاواہ والموجود فیھا لابی حنیفۃ محمد بن یوسف البخاری لا لابی حنیفۃ النعمن بن ثابت الکوفی۔

یعنی امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ یہ فقرہ جو اس نسخۂ فقہ اکبر میں ہے ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کا ہے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے۔

سادساً بلکہ اگر بالفرض یہ فقرہ حضور سراج الامۃ کاشف الغمہ مالک الازمہ امام الائمہ سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت بھی ہو تو بھی ہرگز اس کے یہ معنی نہیں کہ ابوین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کافر وناری ہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اکابر محققین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس فقرہ کی بخوبی تحقیق و توجیہ فرمائی ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"آنچہ کہ در فقہ اکبر است کہ ابوین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ماتا علی الکفر با اثبات نجات ایشاں منافقض نہ دارد۔ آرے اگر توحید و برأت از شرک از ایشاں ثابت شود منافقض آں خواہد بود۔ نہایت کار ایں مردم ہمیں است کہ نجات ثابت می کنند۔ تفصیل ایں اجمال آں کہ در اثبات نجات والدین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم علماء را سہ مسلک است۔ اول آں کہ با وجود کفر و شرک کہ داشتند معذب نہ خواہند بود بعلت آں کہ در زمان فترت بودند و پیش از بعثت پیغمبر بہ مقتضائے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ تعذیب مستحق نیست۔ وقد بین ما فی ہذا المسلک من المنافات۔ بریں مسلک ہم عبارت فقہ اکبر صحیح است زیرا کہ مدلول ہمیں قدر است کہ ماتا علی الکفر تعرض بہ تعذیب دریں عبارت واقع است۔ مسلک دوم آں کہ ایشاں را برائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم زندہ ساختند آنہا ایمان آوردند ایں مسلک نیز با عبارت فقہ اکبر منازعے دارد و لہٰذا شمس الائمہ کردری کہ از اجلۂ علمائے حنفیہ است میگوید یجوز لعن من مات علی الکفر الا والدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم لثبوت ان اللہ تعالیٰ احیاھما لہ فآمنا بہ انتھیٰ۔ مسلک سوم آنکہ اینہا بعقل خود یا با استماع از ملت ابراہیمی قبح شرک را دریافتہ ترک آں گرفتہ بودند و اصنام را تعظیم نہ میکردند و کابرا عن کابر بعثت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم را شنیدہ منتظر قدوم ایشاں بودند۔ بیشتر تحقیق سیوطی در رسالۂ خود ہمیں مسلک است۔ پس بریں صورت ہم نجات ایشاں ثابت می شود و ہم ایمان ایشاں۔ زیرا کہ دراں وقت ہمیں قدر ایمان اجمالی می تواں شد بریں مسلک ہم عبارت فقہ اکبر از دست نمی رود۔ زیرا کہ شاید عدم ایمان تفصیلی را التعبیر بہ کفر کردہ باشند۔ اما ابی وابوک فی النار ولم یؤذن لی بالشفاعۃ فیھا۔

ازیں ہر سہ مسلک آبار کلی و منافرت نام دارد۔

فالاولیٰ فی ہٰذہ المسائل السکوت الیٰ آخرہ لمخفا۔

یعنی وہ جو فقہ اکبر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین ماجدین کا انتقال کفر پر ہوا وہ ان کی نجات ثابت کرنے کے لئے مخالف نہیں ہے ہاں اگر ابوین کریمین سے توحید اور برارت از شرک ثابت ہو تو اس کا منافی ہوگا۔ جو علمار ابوین مطہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات کے قائل ہیں ان کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ ابوین طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات ثابت کرتے ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین طیبین کی نجات ثابت کرنے میں علمار کے تین مسلک ہیں۔

اول یہ کہ باوجود اس کفر و شرک کے جس میں وہ حضرات مبتلا تھے ان پر کچھ عذاب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ زمانہ فترت میں تھے اور پیغمبر کے مبعوث ہونے سے پیشتر تعذیب ثابت نہیں ہوتی کہ فرماتا ہے۔ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا۔ یعنی ہم عذاب کرنے والے نہیں یہاں تک کہ کسی رسول کو مبعوث فرمائیں۔ اور اس مسلک میں جو منافات ہے اس کا بیان اوپر گذرا۔ اس مسلک پر بھی عبارت فقہ اکبر صحیح ہے اس لئے کہ اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ کفر پر انتقال ہوا۔ عذاب کا کچھ ذکر اس عبارت میں نہیں۔

دوم یہ کہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے انتقال کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے واسطے زندہ فرمایا گیا وہ ایمان لائے یہ مسلک بھی فقہ اکبر کی عبارت کے مخالف نہیں۔ اور اسی لئے علامہ شمس الدین کردری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اجلہ علمائے حنفیہ سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص کفر پر مر گیا اس پر لعنت کرنا جائز ہے سوا والدین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے کیوں کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ عزوجل نے ان دونوں حضرات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے

سوم یہ کہ ان حضرات نے اپنی عقل سے سوچ سمجھ کر ملت ابراہیمی سے شرک کی برائی معلوم کرکے شرک سے بیزاری اختیار فرمائی تھی اور وہ بتوں کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔ اور درجہ بدرجہ اپنے بزرگوں سے حضور

احادیث صحیحہ وکتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ سیدنا عبداللہ وسیدتنا حوّاء ام البشر تک جن مقدس مردوں اور جن مبارک عورتوں کے ارحام طاہرہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اقدس منتقل ہوتا رہا وہ سب کے سب بفضلہ تعالیٰ مومن، موحد، ناجی، جنتی گزرے ہیں۔ ان میں کوئی بھی مشرک و کافر نہیں ہوا۔

ISTIQAMAT DIGEST

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئیاں سن سن کر حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ان کے رسولوں میں زیادہ تر پسندیدہ مسلک یہی ہے۔ تو اس صورت میں ان کی نجات بھی ثابت ہوتی ہے اور ان کا ایمان بھی ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اس زمانے میں اسی قدر اجمالی ایمان حاصل ہو سکتا تھا

اس مسلک پر بھی عبارت فقہ اکبر ہاتھ سے نہیں جاتی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایمان تفصیلی حاصل نہ ہونے کو کفر سے تعبیر کیا ہو۔ کفر سے ایمانِ تفصیلی کا حاصل نہ ہونا مراد لیا ہو۔ لیکن ابی و ابوک فی النار و لم یوذن لی بالشفاعۃ فیہما ان تینوں مسلکوں سے مخالفت کلی اور پوری منافرت رکھتا ہے۔ تو ان مسلکوں میں چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

اقول یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے نجی کلام ہے ورنہ ان دونوں حدیثوں کو ایمان و نجات ابوین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہرگز ممانعت نہیں حدیث اول میں ابی سے مراد ابوطالب ہیں۔ اور حدیث دوم کا مطلب یہ کہ اے محبوب تمہیں ان کے لئے شفاعت فرمانے کی کچھ ضرورت نہیں ان کو تمہارے صدقے میں محض اپنی رحمت سے ہی بخش دیں گے۔

اس مضمون کی تفصیل جلیل حضور پر نور مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مولانا الشاہ عبد المصطفےٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مقدسہ شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام میں ملاحظہ ہو۔

تو حضور اقدس مالک رقاب الامم و سلطان العرب و العجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وسلم کو اپنی والدہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق اذن شفاعت نہ ملنے سے ان کا ناری و مشرک ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ وسلم کا اپنے رب کریم جل جلالہ سے اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے اذنِ شفاعت طلب فرمانا ہے ان کے مومن و ناجی ہونے کو ثابت کرتا ہے اسلئے کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ و علیہم و علیٰ آلہ اجمعین پوری بصیرت کے ساتھ قطعاً یقیناً اس بات کو جانتے تھے کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہ بخشے گا اور مشرک کے لئے خود اپنے محبوب علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب مغفرت کو بھی ہرگز قبول نہیں فرمائے گا۔ اور اسی لئے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے آزر کے لئے بخشش طلب فرمانے سے منع فرما دیا۔ بلکہ خود اپنے محبوب کریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی مشرکوں کا فروں منافقوں کے لئے مغفرت مانگنے سے منع فرما دیا۔ تو اس کے بعد پھر حضور اقدس مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم کسی مشرک کسی کافر کسی منافق کے لئے مغفرت ہرگز نہیں طلب فرما سکتے تو جب یہ بات صحت کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس ممانعتِ الٰہیہ کے بعد حضور سید المرسلین و المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی والدۂ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے مغفرت طلب کرنے کا اذن اپنے رب قدیر و قدوس جل جلالہٗ سے مانگا تو ان کا شرک کی پلیدی اور کفر کی گندگی سے پاک و صاف ہونا ثابت ہو گیا۔ و للہ الحمد۔ وھذا اما حققہ العارف باللہ الشیخ عبد اللہ السبنوی الرومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی کتابہ المستطاب مطالع النور السنی المبنی عن طھارۃ نسب النبی العربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم۔

ثم اقول اور یہ بھی شاہ صاحب کا اپنا خیال ہے کہ عبارت فقہ اکبر شریف میں ایمان تفصیلی حاصل نہ ہونے کو کفر کہا گیا ہے۔ ورنہ حقیقۃً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی یہ قول ہے تو ہرگز یہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان تفصیلی کے بھی منافی نہیں اگر ماتا کافرین فرمایا ہوتا کہ وہ دونوں کافر رہے جیسا کہ ابوطالب کے حق میں مات کافراً فرمایا ہے کہ وہ کافر رہے تو بے شک تناقض لازم آتا۔ خلاصہ یہ کہ ماتا علی الکفر میں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے مات علی عہد الکفر۔ یعنی وہ دونوں حضرات اس زمانے میں دنیا سے تشریف لے گئے جب کہ کفر پھیلا ہوا تھا۔ یہ

ہے فقہ اکبر شریف کی طرف سے عبارت مذکورہ کا جو جواب جس کو حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تعلیقات پر انوار علی الدر المختار میں یوں ارشاد فرمایا۔ وعلی تسلیم ان الامام قال ذالک فمعناہ ماتا فی زمن الکفر وھذا لا یقتضی اتصافھما بہ۔ یعنی اگر ہم بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیں کہ حضور پر نور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماتا علی الکفر فرمایا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان دونوں حضرات نے اس زمانے میں انتقال فرمایا کہ کفر پھیلا ہوا تھا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ دونوں حضرات خود بھی معاذ اللہ کافر تھے

ثم اقول اور یہ بھی شاہ صاحب مرحوم کا اپنا مسلک ہے کہ اس مسئلہ میں سکوت بہتر ہے۔ ان کے نزدیک دلائل میں تعارض ہوا نفی ایمان پر جو امور بظاہر دلالت کرتے ہیں ان سے جوابات ذہن شریف میں نہیں آئے لاجرم سکوت اختیار فرمایا۔ مگر ہم ہرگز سکوت گوارا نہیں کرتے۔ ہمارے آقایانِ نعمت حضرات علماء اہلسنت دامت برکاتہم القدسیہ نے اس مسئلہ کو مہر نیمروز وماہ نیم ماہ کرکے دکھا دیا۔ دلائل خلاف کے کافی وشافی جوابات دیئے لہٰذا ہم صراحۃً ہی مانتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ ابوین طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک یہ نور پاک جن مبارک مردوں کے اصلاب طیبہ اور جن مقدس عورتوں کے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا وہ سب بفضل اللہ تعالیٰ وبرحمۃ حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم مومن موحد صالح تابع دین حق گزرے رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعا وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکرام وامہاتہ الکرام وآبائہ الکرام وآلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم الی یوم القیامہ۔

لہٰذا حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حواشی میں رقمطراز فرماتے ہیں۔ فیہ اساءۃ ادب والذی ینبغی اعتقادہ حفظھما من الکفر یعنی ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معاذ اللہ کافر کہنے میں توہین ہے اور جس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو کفر سے محفوظ رکھا پھر آگے چل کر فرماتے ہیں۔ وما فی الفقہ الاکبر من ان والدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام۔ یعنی اور وہ جو فقہ اکبر میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین کفر پر مرے تو وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا کرکے ان کی عبارت میں ملا دیا گیا ہے۔

بالجملہ فقیر کی اس تقریر پر غور کرنے کے بعد ثابت ہو جائے گا کہ گنگوہی اور اس کے اذناب پلید کو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لله ما فی السموات والارض

اس بات کا ثبوت دینا تو محال ہے کہ معاذ اللہ حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہے۔ کیونکہ عبارت ۔ ما ماتا علی الکفر۔ فقہ اکبر شریف میں الحاقی ہے۔ ہرگز امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا نہ فرمایا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارت فقہ اکبر شریف کی ہے تو اسی میں سے ما نافیہ متروک ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ فقہ اکبر شریف میں یہ عبارت اسی طرح ہے تو اس کے معنی ہرگز وہ نہیں جو گنگوہی نے لیے۔ ہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری کی شرح میں اگر وہ عبارت انہیں کی ثابت ہو تو بے شک اس مسئلہ میں بھی ان سے غلطی ہوئی اور انہوں نے تشدد سے کام لیا جو یقیناً غلط ہے مگر کوئی معصوم نہیں الا الانبیاء والملائکۃ علی سیدہم وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ولکل عالم هفوة ولکل صارم نبوة۔ کسی عالم کا وہ قول جو دلائل شرعیہ کے مخالف ہو ہرگز قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس مسئلہ میں مجرد قول ملا علی قاری علیہ الرحمہ ہم پر ہرگز حجت نہیں۔ انہوں نے جو کچھ اس مسئلہ میں کہا ہمارے علمائے کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا شافی و کافی رد کیا اور اپنے مدعا کو دلائل کثیرہ قویہ و براہین متکاثرہ جلیہ سے مؤید کیا۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

فقیر ابو الفتح عبید الرضا
محمد حشمت علی خاں قادری برکاتی رضوی
لکھنوی غفرلہ ولابویہ واہلہ واخوانہ واحبابہ ربہ المولیٰ العزیز القوی محلہ بھورے خاں پیلی بھیت
دوشنبہ مبارکہ، ۲۷ر شوال المکرم ۱۳۵۵ھ

تصدیقات

۱:۔ الجواب صحیح وصواب وحضرۃ الفاضل المجیب مصیب ومثاب ابو المظفر محب الرضا محمد محبوب علی خاں قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی غفرلہ ولابویہ واخویہ واہلہ ومحبیہ آمین۔

۲:۔ الجواب حق والحق احق بالقبول بندہ عاجز محمد عبد الغفور عفی عنہ خطیب جامع مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد

۳:۔ الجواب حق وصحیح وصواب ومولانا واستاذنا المجیب دام ظلہم العالی مصیب ومثاب واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔ فقیر ابو الطاہر محمد طیب صدیقی قادری غفرلہ محلہ محمد واصل ۱۶ر ۳ پیلی بھیت شریف

(ماخوذ از رسالہ اہلسنت کی آواز حصہ نہم)

آزر چچا تھا نہ کہ باپ؟

والدین کریمین کے موحد ہونے کا ثبوت

حضرت علامہ مفتی
اختر رضا خاں
قادری ازہری
بریلی شریف

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء کرام سب کے سب موحد تھے ان میں کوئی کافر نہ تھا۔

دیگر انبیاء کرام کے والدین کریمین بھی ماشاء اللہ مومن تھے اور نجاست کفر سے پاک تھے کچھ دریدہ دہن گستاخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو آزر بتا کر کفر کی بنیاد بناتے ہیں حالانکہ یہ بات تمام کتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا مسالک الحنفا میں متعدد مقامات پر اسکی توضیح موجود ہے۔

لیس آزر ابا ابراهیم۔

آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔

اسی میں ابن جریج سے بسند صحیح روایت ہے کہ ابن جریج نے فرمایا۔

لیس آذر بابیہ انما هو ابراهیم بن یترح ادمارخ بن شارخ بن ناحور بن فالخ اسی میں سدی سے بسند صحیح بطریق ابن ابی حاتم مروی ہوا انہ قیل لہ اسم ابی ابراهیم آزر فقال بل اسمہ تارخ۔

یعنی سدی سے کہا گیا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے انہوں نے فرمایا بلکہ ان کے والد کا نام تارخ ہے۔

اور اسی مسلک کی توضیحات باعتبار لغت یوں ہے کہ لفظ کا اطلاق چچا پر شائع و ذائع ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالٰی ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک و الٰہ اٰبائک ابراهیم واسمٰعیل و اسحاق۔

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت تھا جب کہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد تم کسے پوجو گے وہ بولے ہم آپ کے خدا اور آپ کے آباء کرام ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کے خدا کو پوجیں گے۔

آیت کریمہ میں اسماعیل علیہ السلام کو اب (باپ) فرمایا حالانکہ وہ چچا ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے ایک حدیث سے ثابت فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہی تھا جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء مغفرت فرمائی تھی پھر جب آپ کو اس کا حال روشن ہوا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے چنانچہ اسی مسالک الحنفاء میں ہے

ویرشحہا ما اخرجہ ابن المنذر فی تفسیرہ بسند صحیح عن سلیمان بن جود قال لما ارادوا ان یلقوا ابراهیم فی النار جعلوا یجمعون الحطب حتی ان کانت العجوز لیجمع الحطب فلما ان ارادوا ان یلقوہ فی النار قال حسبی اللہ ونعم الوکیل فلما القوہ قال اللہ یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراهیم من اجلی دفع عنہ فارسل اللہ علیہ من النار فوقعت علی قدمہ فی حرقتہ فقد صرح فی ھذا الاثر بعم ابراهیم وفیہ فائدۃ اخری وھو انہ ھلک فی ایام القاء ابراهیم فی النار وقد اخبر اللہ سبحنہ فی القراٰن بان ابراهیم ترک الاستغفار لہ لما تبین لہ انہ عدو للہ وورد الاٰثار بان ذالک تبین لہ لما مات مشرکا وانہ لم یستغفر لہ بعد ذالک الی قولہ فاستغفر لوالدیہ رذالک بعد ھلال عمہ بمدۃ طویلۃ فیستنبط من ھذا ان الذکر فی القراٰن بالکفر والتبری من الاستغفار لہ ھو عمہ لا ابوہ الحقیقی فللہ الحمد علی ما ھدا۔

(حاشیہ: لا قال عم ابراہیم)

خلاصہ عبارت یہ کہ اس قول کی تائید اس حدیث (اثر) سے ہوتی ہے جو ابن المنذر نے بسند صحیح سلیمان ابن صرد سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا جب کافروں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو

لکڑیاں جمع کرنے لگے یہاں تک کہ بوڑھی عورت بھی لکڑی اکٹھا کرتی تو جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا آپ نے حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل فرمایا یعنی مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز پھر جب آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو جا تو آپ کا چچا بولا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے میرے وجہ سے بچا لیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ بھیجا جو اس کے پیر پر پڑا تو اسے جلا ڈالا تو اس اثر میں ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی صراحت آئی اور اس میں ایک دوسرا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا چچا اس زمانہ میں ہلاک ہوا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور قرآن عظیم نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعاء مغفرت ترک فرما دی تھی جب انہیں اس کا دشمن خدا ہونا محقق ہوا اور روایتوں میں آیا ہے کہ اس کا یہ حال ان کو اس وقت کھلا جب وہ مشرک مرا اور انہوں نے اس کے لئے اس کے بعد دعاء مغفرت نہ کی اور اپنے چچا کی وفات کے طویل عرصہ کے بعد انہوں نے اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کی۔

تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ قرآن میں جس کے کفر اور اس کے لئے دعاء مغفرت سے تبری کا ذکر آیا وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا ان کے پدر حقیقی نہ تھے رہے مفردات کی عبارت تو وہ قیل سے شروع ہے اور قیل سے قول ضعیف کو تعبیر کرتے ہیں اور کبھی مجرد قول کی شکایت مقصود ہوتی ہے مگر غالبا ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے تو باعتبار غالب امام راغب کے نزدیک بھی یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے اور علی الاقل احتمال ہے اور محتمل کو مستدل بنانا صحیح نہیں اور ابن کثیر کی عبارت جو یہاں تحریر ہوئی اس تفسیر ابن کثیر میں اس سے پہلے یوں تحریر فرمایا۔

قال الضحاک عن ابن عباس ان ابا ابراھیم لم یکن اسمہ آزر وانما کان اسمہ تارخ رواہ ابن ابی حاتم وقال ایضا حدثنا احمد بن عمرو ابن ابی عاصم النبیل حدثنا ابی حدثنا ابی عاصم شبیب حدثنا عکرمۃ عن ابن عباس فی قولہ (و اذ قال ابراھیم لابیہ آزر) یعنی بآزر الصنم وابو ابراھیم اسمہ تارخ وامہ اسمھا مثانی وامراتہ اسمھا سارۃ وام اسمعیل اسمھا ھاجر وھی امراۃ ابراھیم وھکذا قال غیر واحد من علماء النسب ان اسمہ تارخ۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آزر کی تفسیر میں ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا انہوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام

آذر نہ تھا بلکہ تارخ تھا اور ضحاک ہی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے آزر کی تفسیر میں روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا آزر صنم کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ اور ماں کا نام شانی اور بیوی کا نام سارہ اور آپ کی کنیز ام اسماعیل کا نام ہاجرہ ہے اور اسی طرح بہت سے علماء نسب کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء کے مقابل تنہا ابن جریر علیہ الرحمہ یا ابن کثیر کا قول کیونکر لائق تسلیم ہے اور اتقان کی عبارت کا جواب خود تصریحات امام سیوطی علیہ الرحمہ سے ہوگیا۔

پھر خود اسی اتقان میں ہے۔

ولوالدی اسم ابیہ تارخ وقیل آزر وقیل بازر واسم امہ ثانی وقیل نوفا وقیل لیوثا۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا اور کہا گیا کہ آزر اور کہا گیا کہ بازر اور ماں کا نام ثانی اور کہا گیا کہ لیوثا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ امام سیوطی کے نزدیک راجح اور معتمد یہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا اسی لئے اسے مقدم کیا اور آزر کو قیل جو مشعر ضعف ہے سے تعبیر کیا یہاں سے ظاہر کہ اتقان کی وہ عبارت جو اس تصریح کے خلاف ہے ناسخ کی طرف سے زلت قلم یا سہو ونسیان کا نتیجہ ہے۔

زید کے حوالوں کا جواب ہمارے اس فتوے سے ظاہر ہوگیا اور زید اگر دانستہ معاند نہیں نہ مرض قلب کا شکار تو اسے گمراہ کہنا صحیح نہیں البتہ اتباع جمہور محققین کا ضرور تارک ہے اور خاطی ہے اور اس کے قول سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی طرف کفر کی نسبت لازم آتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام میں ہیں تو یہ بات حضور علیہ السلام کے لئے باعث اذیت ہے اور ان کی اذیت عذاب الیم کی موجب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ الایۃ۔

اسی لئے علماء نے انبیائے کرام میں سے کسی ایک کی نسبت یہ کہنے کی ممانعت فرمائی کہ وہ جہنم میں ہیں۔

اسی مسالک الحنفاء میں ہے۔

قال السہیلی فی الروض الانف فی بعد ایرادہ حدیث مسلم ولیس لنا نحن ان نقول ذلک فی ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم لقولہ لا توذوا الاحیاء بسبب الاموات

وقال تعالیٰ (ان الذین یوذون اللہ ورسولہ) الایۃ وسئل القاضی ابوبکر بن العزمی احد ائمۃ المالکیۃ عن رجل قال ان اباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النار فاجاب بان من قال ذلک فھو ملعون لقولہ تعالیٰ (ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ) قال ولا اذی اعظم من ان یقال عن ان ابیہ فی النار الخ۔

لہٰذا اس بات سے احتراز ضروری ہے جو حضور علیہ السلام کے لئے اذیت کا سبب ہو۔ یہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آبار کرام کا حال معلوم ہوا اور وہ یہ کہ وہ سب کے سب موحد تھے ماشاء اللہ ان میں کوئی کافر نہ تھا اور دیگر انبیار کرام کے والدین کے متعلق تصریح نظر سے نہ گزری اور ان کے مقام رفیع کے شایاں یہی ہے کہ ان کا نسب نجاستِ کفر سے پاک ہو چنانچہ علامہ ابوالحسن ماوردی سے امام سیوطی ناقل۔

لما کان انبیاء اللہ صفوۃ عبادہ وخیر خلقہ لما کلفھم من القیام بحقہ والارشاد الستخلقہ استخلصھم من اکرام العناصر واجتباھم بمحکم الاواخر فلم یکن لنسبھم من قدح ولمنصبھم من جرح۔ الخ۔

اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ دیگر انبیار کرام کا نسب بھی نجاست کفر سے پاک ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ یہ قدرت ہر موجود و معدوم کو شامل ہے۔ بشرط حدوث و امکان۔ یعنی کوئی حادث و ممکن اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ اور جو چیز محال ہے اللہ عزّ و جل اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اسے شامل ہو۔ کہ محال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہو سکے۔ اور جب مقدور ہوگا (اور مقدور کہتے ہی اُسے ہیں کہ چاہے تو قادر موجود ہو جائے) تو موجود ہو سکے گا۔ پھر محال نہ رہا اسے یوں سمجھنا چاہیئے کہ دوسرا خدا محال ہے یعنی نہیں ہو سکتا تو یہ اگر زیر قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا۔ تو محال نہ رہا۔ اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے اور صریح کفر و ارتداد۔ یوں ہیں فنائے باری محال ہے اگر تحت قدرت ہو تو ممکن ہوگی اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا، اللہ تبارک و تقدس و تعالیٰ کو الوہیت ہی سے انکار ہے۔

یوں ہیں منجملۂ محالات، قدرتِ الٰہی کا سلب بھی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو سلبِ قدرتِ الٰہی پر قادر مانا جائے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی پس بحمداللہ تعالیٰ صاف ظاہر ہے کہ محال پر قدرت ماننا، جناب باری عزّ اسمہٗ کو سخت عیب لگانا اور محال عقلی و ممتنع ذاتی پر قدرتِ الٰہی ماننے کے پردے میں، اصل قدرت بلکہ نفس الوہیت ہی سے منکر ہو جانا ہے۔ ہمارے دینی ایمانی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں تاکہ وہابیہ نجدیہ کے مغالطہ و تلبیس سے امان میں رہیں۔

یوں ہیں ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے اور اس کے سب صفات، صفات کمال ہیں اور وہ ہر اس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے۔ تو جس طرح کسی صفتِ کمال کا سلب اُس سے ممکن نہیں،

یوہیں معاذ اللہ کسی صفت نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا یعنی عیب و نقصان کا اس میں ہونا محال ہے. بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لئے محال ہے. مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اس پر قطعاً محال ہیں۔ اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا، بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے کہ جب محال پہ قدرت مانی اور محال، محال سب یکساں تو واجب کے سب محالات زیر قدرت۔ اب باری عزّ و جل عیاذاً باللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ ٹھہرا. تو اس تعمیم قدرت کی بدولت الوہیت ہی پہ ایمان گیا. تعالیٰ اللہ عما یقول الظّٰلمون علوًّا کبیرًا۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اسی کی جانب سبحان اللہ عما یصفون سے اشارہ فرمایا ہے اور یہ سمجھنا کہ محالات پہ قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہو جائے گی۔ باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان. نقصان تو اُس محال کا ہے کہ تعلق قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔ للہ انصاف! وہابیہ کی جانب سے اہل سنت پہ معاذ اللہ عجز باری عزّ و جل ماننے کے الزامات صحیح ہیں یا ان مفتریوں کا دین و ایمان ہی سرے سے غلط اور اپنے خواہشاتِ نفس کی پیروی و شیطان رجیم کی پیروی ہے اور جسے ان لوگوں نے ایمان کا نام دیا وہ ایمان نہیں ایمان سے مہجوری و دوری ہے۔

اور اب وہابیہ کی جانب سے اس قول بد تر از بول کا پس منظر بھی دیکھ لیجئے۔ اہلِ اسلام دلیل لاتے تھے کہ اللہ عزّ و جل نے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمایا کہ "وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے پچھلے" اگر کوئی اور حضور کا مثیل و نظیر ہو تو حضور خاتم النبیین نہ ہوں. اور اللہ کی بات معاذ اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

جھوٹ ہو۔

امام وہابیہ نے اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ خدا کا جھوٹ کیا محال. چنانچہ اسماعیل دہلوی کی یک روزی ص ۱۴۵ پہ ہے. "ہم نہیں مانتے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا محال ہو" براہین قاطعہ میں کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شائع کی گئی اور جس کی لوح پر لکھا ہے. "بامر حضرت چنین و چناں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی" اور خاتمہ پہ اس کی تقریظ بایں الفاظ ہے." احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب براہین قاطعہ کو، اوّل سے آخر تک بغور دیکھا. الحق کہ یہ جواب کافی اور حجت وافی ہے اور اپنے مصنف کی وسعت نظر علم اور فسحت ذکاء و فہم پہ دلیل واضح. حق تعالیٰ اس تالیفِ نفیس میں کرامت قبولیت عطا فرمائے. اور مقبول مقبولین و معمول عاملین فرمادے." جس سے ثابت کہ گویا کتاب ہی تالیف اُن کی ہے. تو ظاہر ہے کہ اس کے مندرجات پر وہابیہ دیوبندیہ کو آنکھ میچ کر، ایسا ہی ایمان لانا فرض ہے جیسا کہ اُن کے نزدیک تقویۃ الایمان کا ہر گھر میں رکھنا فرض اور اُس کا پڑھنا ثواب ہے. تو اس میں جو کچھ ہے وہ ان "مقبولین" میں مقبول اور ان عاملین کا معمول ہے اور اب دیکھئے کہ اسی کتاب کے بالکل ابتدائی صفحات پر یوں مذکور ہے کہ "امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ قدماء میں اختلاف ہے.

مسلمانو! کذب یعنی جھوٹ عیب نقص ہے اور ہر عیب و نقص باری عزّ و جل کے حق میں محال اور شرع

مطہر میں یہ مسئلہ اعلیٰ ضروریاتِ دین میں داخل۔ قرآن وحدیث نے جس طرح باری جل مجدہ کی توحید ثابت فرمائی وہ یکتا ہے یونہی ہر عیب، ہر نقص، ہر نقصان سے اس کی تنزیہ وتقدیس کا بیان فرمایا۔ اور خود کلمۂ طیبہ سُبْحٰنَ اللّٰہِ اور اسمائے حسنٰی سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کے معنی ہی یہ ہیں کہ رب عزوجل جملہ عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے اور ہر عیب ونقصان سے بری ومبرا۔

مسلمانو! ہمارا سچا خدا بالذات، ہر عیب ومنقصت سے پاک ہے۔ کذب وغیرہ کسی نقصان کو اس کے سرا پردۂ عزت تک بار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے۔ اور اس کے محال بالذات ہونے پر تمام ائمۂ امت کا اجماع ہے۔ مسلمان جس کے دل میں، اس کے رب کی عظمت، اور اس کے کلام کی تصدیق ہو، اگرچہ کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اس کے لئے یہی دو حرف کافی ہیں۔ اول یہ کہ کذب ایسا گندا ناپاک عیب ہے، جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزت والا بھی بچنا چاہتا ہے۔ اور ہر بھنگی چمار بھی اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے۔ اگر وہ اللہ جل جلالہ کے لئے ممکن ہو تو وہ عیبی، ناقص، ملوث، گندی گھنونی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا۔ کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے۔ مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لئے اس کے رب کی امان ہے، ادنیٰ سمجھ والا یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا۔ پاکی ہے اُسے جس کے سرا پردۂ عزت وجلال کے گرد کسی عیب ونقص کا گزر قطعاً محال بالذات ہے جس کی عظمت وقدوسیت کو ہر لوث وآلودگی سے بالذات منافات ہے۔ نہ اس کا جہل ممکن ہے نہ کذب ممکن ہے۔ اور نہ اس میں کسی طرح کے عیب ونقص کا امکان ہے۔

دوم یہ کہ جب اُس کا کذب ممکن ہوا تو اُس کا صدق ضروری نہ رہا۔ اور جب اُس کا صدق ضروری نہ رہا تو اس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے۔ ہر بات میں احتمال رہے کہ شاید جھوٹ کہدی ہو۔ کہ جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے جیسا کہ وہابیہ کا اعتقاد ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا۔ کیا اُسے کسی کا ڈر ہے یا اس پر کوئی حاکم وافسر ہے۔ جو اُسے دبائیگا۔ اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دیگا۔ ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ میرا سب کلام سچا ہے۔ میں نے نہ جھوٹ بولا نہ بولوں۔ مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرے۔ تو سرے سے اس وعدۂ وفرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان۔ جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے تو کیا معلوم کہ یہ بھلا جھوٹ ہی کیا ہو۔

مسلمانو! جب کذب الٰہی یعنی اللہ ہی کا جھوٹا ہونا ممکن ہوا تو پھر اس کی کونسی بات کا اعتبار رہا۔ غرض، معاذ اللہ اس کا کذب ممکن مان کر، دین وشریعت اور اسلام وملت، کسی کا اصلاً پتہ لگا نہیں رہتا۔ جزا و سزا، جنت ونار، حساب وکتاب وحشر ونشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ اب نہ قرآن رہا۔ نہ دین نہ ایمان بچا نہ یقین۔ وہابیہ وامام وہابیہ کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ایک ہی لفظ میں، تمام دین وایمان، ونبی وقرآن، سب پر پانی پھیر دیا۔ تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شیطانوں کے دھوکوں سے بچائے۔ آمین۔

ایک حجت ایقانی

کتب حدیث وسیر کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت خوش نصیب، ذی عقل لبیب صرف جمال جہاں آرائے حضور پُر نور، سید عالم، سرور اکرم، مولائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے کہ لیس ھذا وجہ الکذاب۔ یہ مونہ جھوٹ بولنے والا نہیں۔

اے شخص! یہ اُس کے حبیب کا پیارا مونہ تھا۔ جس پر خوبیٔ وبہار دو عالم نثار صلی اللہ علیہ وسلم اور پاکی وقدوسی ہے اُس کے وجہ کریم کے لئے۔ واللہ اگر آج حجاب اٹھا دیں تو ابھی کھلتا ہے کہ وجہ کریم پر امکان کذب کی
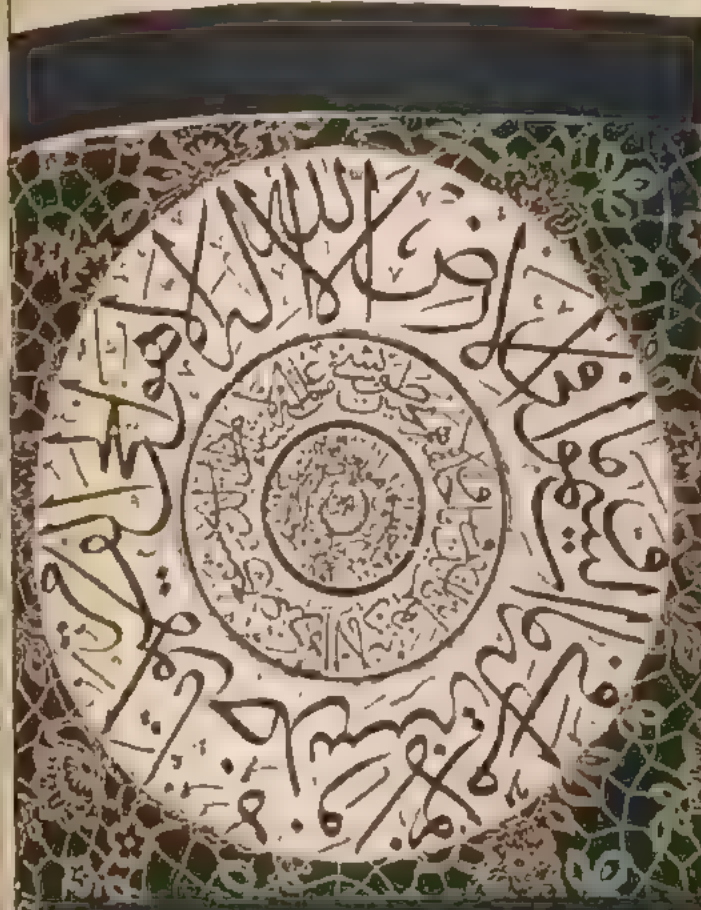
تہمت کس قدر جھوٹی تھی۔ مخالف اس دلیل کو دلیل خطابی کہے اکہے مگر میں اُسے حجتِ ایقانی لقب دینا اور مسلمانوں کی ہدایتِ ایمانی سے انصاف لینا اور اپنے رب کے پاس اُس دن کے لئے ودیعت رکھتا ہوں۔ یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ۔

مسلمانو! آپ کو یاد ہوگا کہ اصل بات کاہے پر چھڑی تھی۔ ذکر یہ تھا۔ کہ حضور پُرنور سید المرسلین، خاتم النبیین، اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل دہمسر، حضور کی جملہ صفاتِ کمالیہ میں شریکِ برابر محال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور کو خاتم النبیین فرماتا ہے۔ اور ختم نبوت ناقابل شرکت ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل دہمسر اور شریک برابر کا امکان ماننا، کذب الٰہی کو مستلزم ہے۔ اور کذب الٰہی محال عقلی۔" اس پر اس سفیہ نے پہلا جواب یہ دیا کہ کذب الٰہی محال نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہوجائے۔" اور اس ہذیان کی خدمت گذاری آپ سن ہی چکے۔

دوسرا جواب یہ دیتا ہے کہ "ممکن ہے کہ یہ آیت لوگوں کو بھلادی جائے۔ تواب اگر حضور کی مثل دوسرا ہوسکا توبندوں کا کسی آیت کو جھوٹا کہنا لازم نہ آئے گا۔" حاصل یہ کہ امکانِ کذب ماننا، تکذیبِ قرآن کو اُسی وقت مستلزم، اور کلام الٰہی کا جھوٹا ہونا، اسی وقت لازم، کہ آیاتِ قرآن محفوظ بھی رہیں۔ حالانکہ ممکن کہ اللہ تعالیٰ قرآن ہی کو فنا کردے۔ پھر تکذیب کاہے کی لازم آئے گی۔

اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ: دیکھو صاف صاف کہا اور صاف صریح مان لیا کہ خدا کی بات قرآن کریم کی آیت واقع میں جھوٹی ہوجائے۔ واقعۃً جھوٹی پڑے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج تو اس میں ہے کہ بندے اُسے جھوٹا جانیں۔ اور یہ اُسی تقدیر پر ہوگا کہ آیات باقی رہیں جن کے ذریعے ہم جان لیں کہ خدا کی فلاں بات جھوٹی ہوئی۔ اور جب قرآن ہی محو ہوگیا اور بندوں کو پہلے ہی سے کوئی آیت بھلادی گئی، پھر جھوٹی پڑی توکسی کو جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوگی کہ جب یاد ہی نہیں تو کس کی تکذیب کریں۔ غرض سارا ڈر بندوں کا ہے کہ بندوں کے سامنے کہیں جھوٹا نہ پڑے۔ واقع میں جھوٹا ہوجائے تو کیا پروا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مسلمانو! یہ کیسا اخبث الکفر ہے۔ اس کا صاف صریح مفاد یہی تو ہے کہ عیب کی آلائش، اور کذب سے آلودگی، خدا میں آتو سکتی ہے۔ مگر اس سے بچنے کے لئے مصلحۃً احتراز کرتا ہے۔ بندوں کے طعن سے ڈر کر جھوٹ سے بچتا ہے۔ حالانکہ بحمدہ تعالیٰ ہر مسلمان جانتا مانتا ہے کہ عیب گنجائش ہونا ہی، اُس سبوح قدوس کے لئے سخت بھاری عیب ہے۔ مگر جہل خصوصاً جہل مرکب کا کیا علاج۔ ایسوں ہی کے لئے کہا گیا ہے کہ ؎

ہرکس کہ نداند وبداند کہ بداند
درجہل مرکب ابدالدہر بماند

تحقیقی مقالہ

زمین و آسمان کی تخلیق

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

سوال: امام احمد رضا قدس سرہ کے الملفوظات حصہ اول کے شروع ہی میں یہ لکھا ہے "اللہ تعالیٰ نے چار دن میں آسمان پیدا کیا اور دو دن میں زمین یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ میں آسمان اور پنجشنبہ اور جمعہ میں زمین" یہ قرآن مجید کی سورہ حٰم سجدہ آیت نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲ کے خلاف ہے۔ الملفوظ کے جتنے نسخے چھپے ہیں سب میں یہی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوگا؟ قرآن مجید کے خلاف اعتقاد رکھنا چھاپنا کیا حکم رکھتا ہے۔

جواب: کسی کا قول قرآن عظیم کی کسی آیت کے خلاف نظر آنا اور بات ہے اور فی الحقیقت قرآن عظیم کے خلاف ہونا اور بات ہے ہمارے نزدیک مسئلہ دائرہ میں یہی صورت حال ہے کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا ایک قول سائل کو قرآن عظیم کی ایک آیت کے بظاہر خلاف نظر آرہا ہے درحقیقت قرآن عظیم کے خلاف نہیں ہے۔

سائل نے قرآن عظیم کی آیت اور فاضل بریلوی کے قول میں اختلاف کے وجوہ پر روشنی نہیں ڈالی ہے اس لئے اب ہم کو ہی دونوں کام کرنا ہی پڑ رہا ہے تو پہلے وجوہ اختلاف واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اعلیٰحضرت کے مندرجہ بالا قول سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں

(۱) پہلے آسمان بنا پھر زمین۔
(۲) چار دن میں آسمان بنا اور دو دن میں زمین
(۳) دونوں کے تعین کہ اتوار سے بدھ تک آسمان اور جمعرات و جمعہ کو زمین۔
(۴) جمعہ کے دن بین العصر والمغرب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔

اب ہم آیت محولہ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ وجوہِ اختلاف ظاہر ہو سکیں۔

"تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار رکھتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو وہ ہے سارے جہاں کا رب اور زمین میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے

اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اُس کے بسنے والوں کے لئے روزیاں مقرر کیں، یہ چار دن ہیں ٹھیک جواب پوچھنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا، اور وہ دھواں تھا تو اس نے آسمان و زمین سے فرمایا دونوں حاضر ہو، چاہے خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو پھر سات آسمان کر دیا دو دن میں۔

(۱) ان آیات بینات میں ہے کہ زمین بنائی پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا، تو دو دن سات بنادیا اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے۔

(۲) آسمان کو دو دن میں زمین کو دو دن میں اور زمین کے اوپر اور اندر کی چیزیں چار دن میں بنا۔

(۳) زمین اور آسمان دونوں کو حکم دیا کہ حاضر آؤ تو دونوں مطیع و منقاد ہو گئے۔

(۴) یہ بت زمین اور آسمان کے خالق کے ہمسر نہیں ہو سکتے۔

اعلیٰحضرت کے قول اور آیات مبارکہ کے آخری دو نمبروں کا حال یہ ہے کہ جو بات اعلیٰحضرت کے قول کے آخری دو نمبروں میں ہے۔ آیت میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ اور آیت کے دو آخری نمبروں میں جو مذکور ہے قول اعلیٰحضرت میں اس کے بارے میں کوئی تشریح نہیں اس لئے ان دونوں میں تعارض واختلاف کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں بقیہ دو نمبروں میں ضرور اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۱) کہ اعلیٰحضرت کہتے ہیں کہ پہلے آسمان بنا۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے پہلے زمین بنی بے شک دونوں باتوں میں صاف تعارض معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اعلیٰحضرت کہتے ہیں چار یوم میں آسمان بنا۔ اور آیت بتاتی ہے دو دن میں آسمان بنا۔ لا ریب کہ ان دونوں باتوں میں تدافع معلوم ہوتا ہے لیکن ہماری بڑی بھول ہوگی اگر ہم اسی مقام پر تھم کر رہ گئے۔ آیئے قرآن کریم کی گہرائی میں اتریں پہلے زمین بنی یا آسمان؟

تخلیق زمین و آسمان سے متعلق قرآن عظیم کے چار مقام پیش نظر ہیں۔

(الف) آیات حٰم السجدہ" جن کا ترجمہ اوپر گزرا۔

(ب) آیت سورہ بقرہ ترجمہ مندرجہ ذیل ہے" وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین ہے۔ پھر آسمان کی طرف استواء (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے" ان دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ زمین پہلے بنی بلکہ زمین کے اندر اور اوپر جو کچھ ہے وہ بھی آسمان سے پہلے بنا۔

(ج) کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا۔ اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت اونچی کی پھر اُسے ٹھیک کیا اس کے بعد زمین پھیلائی، اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارہ اور پہاڑوں کو جمایا۔ (سورۂ نازعات)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے بنایا اس کے بعد زمین پیدا کی۔

(د) بے شک تمہارا پروردگار وہ ہے جس

نے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنایا" (سورۂ یونس) اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے آسمان زمین مجموعی طور پر چھ دن میں بنے کتنے دن میں زمین اور کتنے دن میں آسمان؟ آیت مبارکہ مذکورہ میں اس کی کوئی تفصیل نہیں۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آیت (۱) و (۲) زمین اور اس کی معلقات کی تخلیق کو آسمان سے مقدم ثابت کرتی ہے ــ اور آیت نمبر (۳) کا تقاضا ہے کہ آسمان پہلے بنا زمین بعد میں۔ اس مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ مفسرین بھی دو طبقہ میں بٹے ہوئے ہیں۔

ابن عباس، زمخشری، اور اکثر مفسرین کا کہنا ہے زمین پہلے بنی اور یہی اس مرفوع حدیث کا مضمون ہے جس کو امام طبری، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس حدیث کی تصحیح بھی کی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ سورۂ والنازعات کی آیت مبارکہ "والارض بعد ذلك دحٰها" اور زمین آسمان کے بعد پھیلائی" کا کیا جواب ہوگا کہ یہ قول اس آیت قرآنی کے خلاف ہے۔ تو ان حضرات علماء کرام نے جو آیات سورہ حم سجدہ و بقرہ کے مطابق قول کرتے ہیں۔ آیت والنازعات کا یہ جواب دیا کہ آیت مذکورہ میں دَحْو کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پھیلانا اور سورۂ حم سجدہ میں خلق کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پیدا کرنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ زمین آسمان سے پہلے تو پیدا کی گئی مگر پھیلائی گئی آسمان کی تخلیق کے بعد۔ یہ جواب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے جو بخاری میں تعلیقاً مروی ہے (کبیر جلد ثامن ص۳۲۵)

مگر پھر اس پر یہ نکتہ سوال اٹھا کہ آیات حم سجدہ اور آیت سورۂ بقرہ کا تقاضا یہ ہے کہ زمین کی تخلیق اور اس کے دَحو دونوں کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی ہو بلکہ زمین میں جو کچھ ہے اس کی پیدائش کے بعد بھی آسمان بنا ہو جیسا کہ آیات بقرہ میں بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا۔" اور آیات حم سجدہ میں" زمین بنائی گئی لنگر ڈالے، برکت دی، روزیاں مقرر کیں پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" سے ظاہر ہے کہ دونوں جگہ پھر کا لفظ جو تاخیر پر دلالت کرتا ہے زمین اور اس کے ان متعلقات کی تخلیق کے بعد فرمایا گیا اس لئے آیت والنازعات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تاویل چسپاں نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس تاویل سے ہٹ کر چار تاویلیں اور کیں کہ آیت مبارکہ والنازعات میں والارض بعد ذلك دحٰها اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور ان سب کے بعد یہ اعتراف کیا کہ وکلها ان کان تکلف لکن اضطروا الیہ۔
(حاشیہ جلالین)

ہر چند کہ یہ ساری تاویلیں تکلفات ہیں لیکن علماء یہ کرنے پر مجبور ہیں۔ قاضی بیضاوی کہتے ہیں انہ خلاف الظاهر، تاویل ظاہر کے خلاف ہے۔

اس کے برخلاف امام تفسیر مقاتل، قتادہ اور سدی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوا۔ اور یہی قول امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا۔ جیسا کہ آیات نازعات کا ظاہر یہی ہے اور ان لوگوں نے آیات سورۂ بقرہ اور حم سجدہ کی تاویل کی اور ان کی تاویل نسبتاً لگتی ہوئی ہے امام بیضاوی کہتے ہیں ثم استویٰ الی السماء میں ثم کا لفظ تراخی زمانے کے لئے نہیں ہے صرف تراخی بیان کے لئے ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن آیتوں میں ثم استویٰ الی السماء ہے (پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آسمان کا قصد زمین کے بعد ہوا۔

وہاں ثم کے معنی (اس کے بعد) نہیں۔ کبھی کبھی پہلے والی چیزوں کو جو نسبتاً کم اہم ہوں زمانہ میں مقدم ہونے کے باوجود اہم چیزوں کے بعد جو رتبہ میں مقدم ہو لفظ ثم کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ سوال ایسا ہی یہاں بھی ہوتا ہے کہ درحقیقت آسمان کو پہلے بنایا لیکن بیان کرتے وقت یہ کہہ دیا پھر آسمان کو بنایا۔

میں نے جلالین شریف صفحہ ۳۹۷ بیضاوی شریف جلد خامس صفحہ ۴۵ مدارک شریف چہارم صفحہ ۸۹ بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۷۱۲ بیضاوی صفحہ ۱۵۱ کا خلاصہ یہاں لکھ دیا۔ اہل علم اصل بحثوں کو مذکورہ بالا حوالوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن عظیم کی آیات سے زمین و آسمان دونوں کے ہی ایک دوسرے کے بعد ہونے کا مضمون ہویدا ہے۔ یعنی آیات کسی ایک کی تقدیم پر قطعی الدلالۃ نہیں ہیں اور جب مفسرین کرام کے اسی کی روشنی میں دو مکتبۂ فکر پیدا ہو گئے۔ کہ کوئی زمین کی تخلیق مقدم کر رہا ہے اور کوئی آسمان کی، اور آج چودہ سو کی تاریخ میں فریقین میں سے کوئی گروہ دوسرے پر قرآن کی مخالفت کا الزام نہیں رکھ رہا ہے۔ تو اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی تخلیق کے مقدم ہونے کی بات کر دی تو ان پر قرآن کی مخالفت کا الزام کہاں تک مبنی بر انصاف ہے؟ اس لئے گزارش ہے کہ سائل کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا کلام قرآن کی ایک آیت کے خلاف نظر آیا۔ اور کوتاہی یہ ہوئی کہ اس نے والنازعات والی آیت دیکھی ہی نہیں۔

زمین چار دن میں بنی اور آسمان دو دن میں یا آسمان چار دن میں اور زمین دو دن میں؟

اس مسئلہ پر قرآن عظیم نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا۔ آیات کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔
آیت سورۂ یونس میں ہے۔

"آسمان و زمین چھ دن میں بنایا" اس آیت میں آسمان و زمین کی مشترکہ مدت تخلیق بتائی گئی دونوں کی علیحدہ علیحدہ مدت بیان نہیں کی گئی۔ جس کی عقلاً مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) تین دن میں زمین آسمان

(۲) چار دن میں زمین دو دن میں آسمان

(۳) دو دن میں زمین چار دن میں آسمان مزید عقلی صورتیں نکل سکتی ہیں مگر وہ ہماری بحث سے بے علاقہ ہیں اس لئے انھیں ذکر کر کے نمبر بڑھانا بے فائدہ سمجھا۔

آیت حٰم سجدہ سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس میں ہے کہ "دو دن میں زمین، دو دن آسمان، اور چار دن میں وہ چیزیں جو زمین کے اندر یا اوپر ہیں" لیکن اس آیت میں بیان کئے ہوئے دنوں کی مجموعی تعداد آٹھ دن ہو جاتی ہے جب کہ سورۂ یونس میں مجموعی تعداد صرف چھ دن بتائی گئی ہے۔

ان دونوں آیتوں میں تطبیق کی ایک ممکن صورت یہ بھی تھی کہ کہا جائے کہ چھ دن اور آٹھ دن میں کوئی منافات نہیں کہ ایسے مقام پر عدد حصر کے لئے نہیں ہوتا یعنی یہ مطلب نہیں کہ اس سے زائد نہیں ہو سکتا شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں در ذکر قلیل و کثیر منافات نیست از جہت وجود قلیل در ضمن کثیر کم عدد اور زائد عدد میں کوئی تعارض نہیں کہ کم زائد کے اندر ہی ہوتا ہے۔

آسمان سات ہیں یا نو قرآن نے سات بتائے قدیم ہیئت داں اور حکما کہتے ہیں قاضی بیضاوی کہتے ہیں۔ ان قیل ان اصحاب الارصاد اثبتوا التسعۃ قلت فیما ذکروہ مشکوک وان صح فلیس فی الآیۃ نفی الزائد اگر کہا جائے کہ اہل ہیئت نو آسمان ثابت کرتے ہیں اور قرآن سات تو میں کہوں گا کہ اولاً ان کی باتیں خود مشکوک ہیں اور صحیح ہوں تو

قرآن میں سات کا بیان ہے سات سے زائد کی نفی نہیں ہے الغرض یہ تاویل ممکن تھی کہ جس آیت سے چھ دن ثابت اس کا مطلب یہ نہیں کہ آٹھ دن نہیں جب دو دن مزید آیت حم سجدہ سے ثابت ہو گئے تو یہی مانا جائے۔

لیکن ائمہ تفسیر میں کوئی بھی اس تاویل کا قائل نہیں۔ اس لئے یہ خارج از بحث ہے اسی طرح تین دن میں آسمان اور تین دن میں زمین جیسا کہ اوپر عقلی شقوں میں پہلی شق ہے اس کا بھی قول کسی سے ثابت نہیں۔ اس لئے یہ بھی بحث سے خارج ہے۔

اب تطبیق کے لئے دو صورتیں رہ جاتی ہیں۔

(۱) زمین چار یوم میں اور آسمان دو یوم ہیں

(۲) آسمان چار یوم میں اور زمین دو یوم ہیں۔

اول اکثر مفسرین کا قول ہے چنانچہ صاحب مدارک کا قول ہے۔

وفی الحدیث ان اللہ خلق الارض یوم الاحد والاثنین وخلق الجبال یوم الثلثاء وخلق یوم الاربعاء الشجرة والماء والعمران والخراب فتلک اربعة ایام وخلق یوم الخمیس السماء وخلق یوم الجمعة النجوم والشمس والقمر والملائکة وخلق آدم علیہ السلام فی آخر ساعة من یوم الجمعة

مدارک چہارم ص۸۹

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور دوشنبہ کو زمین بنائی منگل کو پہاڑ اور بدھ کو پانی آبادی ویرانے یہ چار یوم ہوئے اور جمعرات کو آسمان اور جمعہ کو چاند سورج۔ فرشتے، آدم علیہ السلام کو جمعہ کی آخری گھڑی میں بنایا۔

اور سورۂ حم سجدہ کی آیت مبارکہ میں چار دن کے لفظ کو دو دن مانیں گے تا کہ سورۂ یونس سے مطابقت ہو جائے۔ مدارک میں ہے۔

فی اربعة ایام فی تتمة اربعة ایام ولابد من هذا التقدیر۔ لانه لوجری علی الظاهر لكانت ثمانية ايام.

مدارک چہارم ص۸۱

زمین پر جو کچھ ہے چار دن میں بنایا۔ یعنی یہ چار پہلے والے دو دن ملا کر ہوئے (تا کہ مجموعی شمار چھ دن ہی رہے) اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ آیت کا ظاہر مراد لیا جائے تو کل آٹھ دن ہو جاتے ہیں۔

اور اس تاویل کا جواب کلام عرب سے اس طرح پیش کیا۔

کقولك سرت من البصرة الی بغداد فی عشر ایام والی کوفة فی خمسة عشر یوما.

بیضاوی خامس ص۴۵

جیسا کہ کہتے ہیں کہ بصرہ سے بغداد تک دس دن میں گیا اور کوفہ تک پندرہ دن میں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ کوفہ تک جانے کے لئے الگ سے پندرہ دن لگے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بغداد کوفہ کل ملا کر پندرہ دن ہوئے۔

اسی قول کی ایک دوسری تعبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بخاری میں مروی ہے۔ اور خازن نے اسی کو عبداللہ بن سلام، کعب احبار، ضحاک، مجاہد کا قول بتایا اور طبری کا مختار کہا۔

ان اللہ تعالیٰ خلق التوبة التی هی الارض بلا دحو ولا بسط فی یوم الاحد

والاثنین ثم استوی الی السماء فسوهن سبع سموات فی یومین الثلثاء والاربعاء ثم دحا الارض وبسطها واخرج ماءها ومرعاها وجمیع مافیها فی یومین وهاالخمیس والجمعه۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مٹی جس کو زمین کہتے ہیں۔ بغیر پھیلائے اور بچھائے دو دن اتوار اور دوشنبہ کو پیدا کیا پھر آسمان کو دو دن منگل بدھ میں بنایا پھر زمین پھیلایا اس میں پانی نکالا۔ چراگاہیں بنائیں اور اس میں جو کچھ ہے جمعرات اور جمعہ کو بنایا۔

الغرض اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اتوار سے بدھ تک زمین اور اس کے متعلقات بنے اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان اور اس کے متعلقات اس طرح آسمان و زمین کل چھ یوم میں بنے۔ سورۂ حم میں جو زمین کے لئے دو دن اور متعلقات کے لئے چار دن مذکور ہے۔ اس کا مطلب الگ سے چار یوم نہیں ہے بلکہ وہ اور یہ ملاکر چار یوم ہے۔

دوسری صورت کے بارے میں امام خازن فرماتے ہیں

قیل اول ماخلق اللہ القلم ثم اللوح فکتب فیه ماکان ومایکون ثم خلق الظلمة والنور ثم خلق العرش ثم خلق السماء من درة بیضاء ثم خلق التربة ثم خلق جمیع مافیها خلق آدم فی آخر ساعة من ساعات یوم الجمعة فتکامل جمیع الخلق فی ستة ایام۔

(خازن دوم ص ۹۹-۱۰۰)

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم پیدا کیا۔ پھر اس نے ماکان ومایکون لکھا پھر روشنی اور تاریکی پیدا فرمائی پھر عرش بنایا پھر آسمان بنایا۔ سپید موتی سے۔ پھر زمین پیدا کی پھر اس میں جو کچھ ہے وہ بنایا پھر آدم علیہ السلام کو جمعہ کی آخری ساعت میں بنایا تو پوری مخلوق چھ دن میں ہوگئی۔

اس قول میں ہر ہر دن کی مخلوقات کا الگ الگ بیان تو نہیں ہے لیکن یہ تصریح ہے کہ یہ سب چھ دن میں بنا اور یہ بھی واضح ہے کہ آخری دن جمعہ تھا بس اس حساب سے پہلا دن اتوار ہوا۔ پھر اس قول کی عبارت پر غور کیجئے تو آسمان اور اس کے متعلقات کے لئے چار جگہ خلق کا لفظ آیا ہے کہ یہ پیدا کیا وہ پیدا کیا۔ جس کو آسانی سے چار دن پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور زمین و متعلقات کے لئے دو جگہ خلق کا لفظ جس کا صریح مطلب یہی ہوا کہ زمین کے لئے دو دن صرف ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے الگ سے کسی دن کی ضرورت نہیں کہ یہ دوسرے دن جمعہ کی آخری ساعت میں پیدا کئے گئے۔ یہ بات فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ جو لوگ آخری دو دن آسمان کے لئے بتاتے ہیں وہ بھی دوسرے دن جمعہ کی آخری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بتاتے ہیں۔ اب صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ قول اسی گروہ کا ہے جو ابتدائی چار یوم میں آسمان اور آخری دو دن میں زمین کی تخلیق کے قائل ہیں۔

الغرض اس قول والوں کے لئے آیات حم سجدہ کی تاویل نہایت آسان ہے۔ ہم آیات حم سجدہ کو جوں کا توں قبول کرتے ہیں۔

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں انکی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہو چکی ہے اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی زندگی کا تمہ سمجھتی ہیں دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا۔ اور موت کے منہ میں ڈال دیا یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش و حواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑھنے لگتے ہیں تو ان کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کر دیا۔ بلکہ انہیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف صریح ہے جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا۔ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔ تو یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر کچھ ایسے بھی دن ہیں جن دنوں کو خاصان حق نے خصوصیات عطا فرما دیں۔ در جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے جس کے اذن و عطا نے اس کو سنوار دیا ایسے دن جس کی بدولت حاصل ہوں اس کا گویوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن " وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى

والے آقا کی وسعت داماں میں پلتا ہی رہتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے ۔ مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر و نشر ہے ۔

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب

چونکہ بات ایسی اپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کر دینا ضروری ہو چکا ہے لہٰذا اس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا ۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں شہر بہرائچ کے ایک فرقہ وارانہ اجتماع میں مدرسہ دیو بند کے مہتمم نے عید میلاد النبی منانے والوں پر جارحانہ حملے کرتے ہوئے کہا تھا ۔ کہ کسی شخصیت کی اہمیت تاریخ اس کی پیدائش کی تاریخ میں نہیں کیونکہ پیدائش تو چھوٹوں اور بڑوں کی ہوتی ہی رہتی ہے یہ عید میلاد النبی ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی یادگار منائی جائے جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اظہار نبوت فرمایا اور کارِ نبوت شروع فرما دیا تھا ۔

بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑ گئے تھے لیکن ابھی ان کے پیغام کو ۲۴ گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ میں شہر بہرائچ گیا وہاں تعلیم یافتہ و متدین صفِ اول کے لوگوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا اور جواب کے طالب ہوئے ۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ عید میلاد النبی کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے اگر سب تو ہوں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہو گئی تھیں ۔ کہ آج جس بغل میں ان کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے اور جہاں جینتی اور برتھ ڈے منانے میں عبادت گزارانہ اسپرٹ کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی ۔ قوموں نے یوم میلاد و یوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے ۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل

روضۂ مقدسہ حضرت اقدس سید شاہ محمد صاحب قبلہ ... قدس سرہ ...

قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح اجاگر فرمایا ہے ۔ کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھیں اور اس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے کو سنواریں اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے مہتمم مذکور پر پڑ گیا ہوتا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے اس کی جرأت نہ کر سکتے ۔

قرآن کریم میں مقبولانِ درگاہِ حق کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ۔ کہ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدانِ حشر میں اٹھیں گے ۔

اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے ۔ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدانِ حشر میں ہوں گا ۔

کوئی بتائے کہ اگر کوئی عقل و دین کا بوکس ہی سہی قرآن کو بادلِ ناخواستہ اپنے دنیا ہی کے لئے سہی لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو اس کو کیا حق ہے کہ نصِ قطعی قرآنی کا رد صرف اپنے جذبۂ عناد کی بنا پر کرے جو اللہ والوں سے

اس میں دراثنا چلی آرہی ہو بالکل ظاہر ہے کہ خادمانِ حق کی ہر گھڑی جب سے زمانے کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلۂ زماں رہے گا۔ ایسی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے آیا درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام و استمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔ ہمارے آقا رسول پاک کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا۔ کہ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ، ہر پچھلی ساعت سے اگلی ساعت آپ کی بہتر ہے باایں ہمہ دوامی و استمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ رب العزت جل و علا اس اولوالعزم رسول نے تین دن کے انتخاب فرمایا یوم پیدائش، یوم وصال و یوم حشر و نشر۔ قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ۔ ایام اللہ کی یادگار مناؤ۔ یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ کا دن ہے۔ غرض آیاتِ قرآنیہ نے تعیین تاریخ کو معاذاللہ بدعت منانا کہنے والوں پر جابجا طمانچے مارے ہیں۔ اور دینِ فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد آجاتا ہے۔ جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا جس کو دیوبندی گروپ کے صفِ اول کے لوگ جنتی ترو منانا کہتے ہیں۔ اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں اور مناتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ تعیین و تخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیاء علیہم السلام ہیں عبارۃ النص سے ہے یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔

بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملۂ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصانِ خدا کے لئے تین وقتوں کے لئے تعیین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے یوم میلاد جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں۔ دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگانِ دین کرتے ہیں لیکن تیسرا یوم حشر ہے جبکہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اور اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات

> اللہ والوں کی یاد تازہ رکھنے کے لئے یادگاریں قائم کرنا جائز ہے۔ اللہ و رسول نے قیام یادگار کے لئے تین دنوں کا انتخاب فرمایا یوم پیدائش، یوم وصال، یوم حشر ونشر۔ قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے۔
>
> وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ.
>
> "ایام اللہ کی یادگار مناؤ۔"

نہیں تو وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں اور ان شاء اللہ تعالےٰ منائیں گے۔ تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبانِ خدا کی شفاعت کا دن ہے اس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہو گے یہی دیکھنے میں بھی آرہا ہے جو ان دونوں یادگاروں کے منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں یا اقرار ایسا کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے وہ انبیاء و اولیاء سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں کہ قرآن میں جس کو "کما یئس الکفار من اصحٰب القبور" فرمایا گیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ہمیں دینِ حق پر استقامت عطا فرمائے

آمین۔

یادیں منائی جائیں اور انہیں برقرار رکھا جائے

یادیں مٹائی نہ جائیں

پاسبان ملت علامہ
مشتاق احمد نظامی
علیہ الرحمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ حبیبہ الذی اصطفیٰ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید ۵

وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ

ہم اہلسنت وجماعت سال کے مختلف مہینوں کے مخصوص اوقات میں اپنے اسلاف واکابر کی یادیں مناتے ہیں۔ میں ڈھکی چھپی باتوں کے کہنے کا قائل وعادی نہیں ایسے اشارات وکنایات جو ذہنوں کو بوجھل تو بنادیں مگر عقدہ کشائی نہ کرسکیں ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔

یکدے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ وبیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

میں بہت ہی واضح الفاظ میں اس کا اظہار کئے دیتا ہوں کہ ہم اہلسنت وجماعت کبھی محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں۔ بارہ ربیع الاول شریف کو جلوس عید میلاد النبی نکالتے ہیں۔ گیارہ ربیع الثانی شریف کو پیران پیر دستگیر حضور سیدی سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلاکر ان کی یاد مناتے

چھٹی رجب شریف کو سلطان ہند خواجۂ خواجگاں سیدی سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد مناتے ہیں۔ دسویں محرم الحرام شریف کو نواسۂ رسول سیدنا امام عالی مقام سرکار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور چودھویں شعبان کو اللہ کے رسول کے ایک نادیدہ عاشق حضرت سیدنا اویس قرنی اور پچیس صفر کو امام اہلسنت مجدد دین و ملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یادیں مناتے ہیں۔ اور دسویں ذوالحجہ کو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اور حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح کی یادیں مناتے ہیں صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

غرضیکہ سال و مہینے اچھے خاصے یادوں میں گھرے ہوئے ہیں لہٰذا آج ہم کو اور آپ کو مل جل کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم لوگ وفور عقیدت اور افراط محبت میں من مانی یادیں مناتے ہیں۔ یہ اختراع محض ہے یا کوئی مفروضہ و من گھڑت تصور ہے؟ یا واقعۃً اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ یادیں منائی جائیں۔ اور انہیں برقرار رکھا جائے ؎

یوم ولادت :- میں یقین و اعتماد کی بلند ترین چوٹی سے بہانگ دہل اس کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر اسلامی سچائی اور دیانتداری کے ساتھ عمیق و گہری نظروں سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اسلام کھلے بندوں اس کی اجازت دیتا ہے کہ یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ منائی جائیں ؎

اگر کسی آنکھ پر تعصب و تنگ نظری اور عصبیت و تنگ خیالی کی عینک لگی ہو تو اب وہ اسے اتار دے اور انتہائی اعتدال پسندی اور سنجیدہ مزاجی سے آنے والی گفتگو پر دھیان دے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کو عہد رسالت کی ایک بات یاد دلانا چاہوں۔

زمانہ آقائے کائنات کا ہے جسے خیر القرون (بہترین زمانہ) کہا جاتا ہے۔ مہینہ غیر رمضان کا ہے اور دن دوشنبہ کا۔ سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے تھے۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں کا ایک اسلامی مزاج اور اس کی اسلامی فطرت یہ ہے کہ اگر کوئی توانا، تندرست، ہٹا کٹا کڑیل جوان، رمضان کے مہینے میں روزہ سے نہ ہو تو اس سے دریافت کیا جائیگا کہ تمہارا روزہ کیوں نہیں؟

اور ایسے ہی اگر کوئی درویش صفت غیر رمضان میں تشریف لائیں آپ نے اس محترم و معزز مہمان کے کھانے کا نظم کیا، ساری نعمتیں دسترخوان پر چن دیں۔ اب آپ نے عرض کیا تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ مہمان نے جواب دیا میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ آپ نے حیرت زدہ ہو کر دریافت فرمایا کیا کوئی فروگذاشت یا کوتاہی ہوگئی ہے؟

آنے والے مہمان نے جواب دیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ میں روزہ سے ہوں۔ یقیناً ایسے موقع پر آپ سوال کریں گے۔ یہ آج آپ کا روزہ کیسا ہے؟

معلوم ہوا مسلمانوں کا یہ اسلامی مزاج ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا قابل تعجب اور غیر رمضان میں روزہ رکھنا باعث حیرت۔

چنانچہ جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا کہ آقائے دو جہاں روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے ہیں تو صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ آج سرکار کا روزہ کیسا ہے؟

جواباً سرکار نے ارشاد فرمایا "یوم ولدت فیہ" آج کے دن میں پیدا کیا گیا ہوں۔ یعنی آج میرا یوم ولادت اور پیدائش کا دن ہے۔ اس سے پتہ چلا

اور حقیقت منکشف ہو گئی کہ سرکار ابد قرار نے "یوم" کی قید لگا کر متنبہ فرما دیا کہ میں نے اپنے "یوم ولادت" کو مرنے نہیں دیا بلکہ روزہ رکھ کر اسے زندہ رکھا ہے۔
معلوم ہوا کہ بڑے اچھے اور تاریخی دنوں کو فراموش نہیں کیا جاتا بلکہ اسے کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا جاتا ہے۔

ایک سوال:- ہاں! اب کوئی دشمن رسول یہ سوال کر سکتا ہے کہ ہیں نے اس حد تک تسلیم کر لیا کہ تاریخی دنوں کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ اسے برقرار رکھا جاتا ہے۔ تو پھر ایسا کیجئے کہ جس طرح رسول خدا نے روزہ رکھا ــــ بارہ ربیع الاول شریف کو آپ لوگ بھی روزہ رکھا کیجئے یہ گیٹ اور شامیانہ کیسا؟ رنگ برنگ کی جھنڈیاں کیسی؟ پلاؤ اور بریانی کیوں؟ آرائش و زیبائش کیسی؟ محفل میلاد اور سلام و قیام کی دھوم دھام کیا معنیٰ؟ جشن چراغاں اور تقسیم تبرک کا اہتمام کیسا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں اگر یاد ہی منانا ہے تو خاموشی سے آپ لوگ بھی روزہ رکھ لیا کیجئے۔

بہت خوب! معلوم ہوا پڑھنے نہیں گئے تھے بلکہ بھاڑ جھونکنے گئے تھے۔ جی جناب والا! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس طرح کے بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں۔ اس سے اسی فعل کی تخصیص مقصود نہیں ہوتی کہ بس یہی کیا جائے بلکہ اسی سے اصول و ضابطے، آئین و دستور جنم لیتے ہیں۔ بلکہ وہی فعل مقیس علیہ بنتا ہے اور دوسری چیزوں کو اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔

دستور محبت:- مثلاً آقائے دوجہاں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعت گو شاعر خصوصی حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جن کا معمول یہ تھا کہ خواہ وہ خود کہیں بھی رہتے مگر آنکھ اُن کی ہوتی اور روئے زیبا مصطفےٰ کا، زبان اُن کی ہوتی اور خطبہ رسول اللہ کا۔ غرضیکہ سرکار کی ایک ایک ادا کو شعر و سخن کے سانچے میں ڈھالنا اور اسی بہانے آتش محبت پہ شبنم کا چھڑکاؤ کرنا ان کا دستور محبت تھا۔ دل ویراں کو محبوب کی یادوں سے آباد رکھنا، یہ ان کی زندگی کا بہت ہی حسین مشغلہ تھا ؎

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

شاعر کی فطرت ہے جب وہ نظم، غزل، نعت و قصیدہ وغیرہ کے دو چار شعر بھی کہہ لیتا ہے تو کسی ایسے باذوق و سلیم الطبع کو ڈھونڈتا ہے جس کو اپنا کلام سنا کر اس کی داد حاصل کر سکے کبھی کبھی تو یہ ذوق شاعر کو وارفتگی کی اس حد پہ پہنچا دیتا ہے کہ جب وہ کسی کو نہیں پاتا تو دیوار و در ہی کو سنانے لگتا ہے۔

عشق کی معراج:- روزانہ تو حضرت حسان دوسروں کو تلاش

کرتے تھے لیکن آج ان کا نصیب، ہمدوشِ ثریا ہو کر منتہائے کمال کی آخری حدود کو چھو رہا ہے۔
آج کوئی اور نہیں، خود آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسان" میرے متعلق جو تم نے کہا ہے، دیکھو مجھے بھی تو سناؤ۔
اسے کوئی نہیں جانتا کہ یہ سنتے ہی حضرت حسان پر کیا کیفیت گذر گئی مجھے کہہ لینے دیجئے، گویا آج عاشق کی نہیں خود عشق کی معراج ہے۔ حسین نہیں، خود حسن، سننا چاہتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک نکتہ ملاحظہ فرمائیں۔

نعتِ مصطفےٰ کا جواز

حضرت حسان کو یہ حکم دے کر اپنا نعتیہ کلام مجھے سناؤ۔ گویا سرکار اس سے نعت لکھنے، نعت سنانے اور نعت سننے کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی نعت شریف لکھی بھی جا سکتی ہے سنائی بھی جا سکتی ہے اور سنی بھی جا سکتی ہے عصرِ حاضر کے زاغ، بدبخت اور بدنصیب نعت شریف کا نام سنکر "منہ بسورتے" اور "ناک بھوں چڑھاتے ہیں" اور ان کے مکروہ چہرے پر ایسی بدنما گہری لکیریں پڑجاتی ہیں، جس سے چہرے کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ گویا میرے سرکار کا یہ ارشاد ہمایوں ان کے بدزیب چہرے پر "غیبی طمانچہ" اور ان کی برہنہ پشت پر، تازیانۂ عبرت ہے۔ یہ ان کا ایسا بدبختانہ کردار ہے کہ انسانیت ہمیشہ نفرین و ملامت کرتی رہے گی۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سرکار نے فرمایا "حسان" مجھے میری نعت سناؤ۔ حسان حکم پاتے ہی سراپا ادب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ابھی نوکِ زبان پر کوئی حرف نہ آیا تھا، اب کچھ عرض کرنا ہی چاہتے تھے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! حسان! رک جاؤ۔

یہ سنتے ہی لرزہ بر اندام ہو گئے۔ خاموشی اور سناٹے کی فضا بندھ گئی۔

اب سرکار نے ایک صحابی کو حکم دیا، جاؤ وہ منبر لاؤ۔ حکم پاتے ہی وہ صحابی آگے بڑھے، کیوں نہ جاتے! وہ صحابی تھے...... اور منبر حاضر لائے۔ اب میرے سرکار نے حضرت حسان کو دوبارہ حکم دیا کہ حسان! اس منبر پر آجاؤ اور میری نعت پڑھو۔

میں دنیا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ کلام فرشِ خاک پر نہ پڑھا جا سکتا تھا؟ منبر ہی کیوں منگایا گیا؟

اس واقعہ کو پیش کر کے مضمون کو طول دینا مقصود نہیں ہے بلکہ ایک خاص نکتہ آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ یعنی منبر کو سرکار اہتمام کی دلیل بنا دینا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ کسی اور کا ذکر نہیں میرا ذکر ہے لہٰذا میرے ذکر میں اہتمام کرنا چاہئیے معلوم ہوا بولا تو منبر ہی جارہا ہے مگر اب اس سے مراد منبر ہی نہیں ہے بلکہ جب میرا ذکر کیا جائے تو اس میں اہتمام کیا جائے گویا منبر کی دلالت، اہتمام پر ہو رہی ہے۔ یعنی ذکر مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بالکل سادہ طریقے سے نہ کیا جائے بلکہ اس میں اہتمام ہونا چاہئیے۔

اہتمام: اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ منبر منگا کر، اہتمام کی دلیل دینی مقصود ہے۔
اور "اہتمام" ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں تخت، کرسی، منبر، چادر، فرش و فروش، شامیانہ، گیٹ، لائٹ، جھنڈیاں، اگربتی، عطر تبرک اور لنگر یہ سب کے سب اسی میں شامل ہیں گویا اہتمام کے پیٹ میں یہ سب موجود ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسی گہرائیوں اور بطون کو دیکھنے و سمجھنے کے لئے نورِ ایمان اور نگاہِ مومن درکار ہے۔ "پیاز" کا ایک ہی چھلکا نہیں ہوتا چھلکے پر

چھلکا ہوتا ہے بس ایسے ہی بہت سے ساحل کے بطون ہوتے ہیں جس میں تہ پہ تہ ہوتی ہے۔ خزینہ میں خزینہ اور گنجینے میں گنجینہ ہوتا ہے۔

اہتمام، بظاہر ایک ہلکا پھلکا سا لفظ معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے پھیلاؤ اور وسعتوں میں بے پناہ گہرائیاں ہیں۔ چنانچہ محفل میلاد شریف میں آرائش وزیبائش سے متعلق جس قدر بھی پھیلاؤ دیکھا جاتا ہے۔ وہ سب کے سب اسی لفظ "اہتمام" کی کوکھ سے جنم لئے ہیں۔ انہیں نہ تو کہیں اور جگہ ڈھونڈا گیا نہ اور کہیں سے لایا گیا۔

لہٰذا سرکار کے روزہ رکھنے کا مقصد امت کو روزہ ہی رکھوانا نہیں ہے بلکہ سرکار دوشنبہ مبارکہ کو روزہ رکھ کر اس دن کی اہمیت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں گویا آج کے روز کوئی بھی ایسا جائز وشرعی کام کیا جائے کہ جسے لوگ دیکھ کر یہ دریافت کرتے ہوں کہ کل ایسا نہیں تھا، آج ایسا کیوں ہے؟

چنانچہ عید میلاد النبی کا جلوس اور جلسۂ عید میلاد النبی کے گیٹ، اسٹیج، شامیانے، اور ڈیکوریشن وغیرہ۔ یہ اسی سوال کی علامت اور نشانی ہیں۔

انہیں سبھوں کو دیکھ کر نہ جاننے والے جاننے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آج یہ کیسا اہتمام ہو رہا ہے؟ اب ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ آج ہی تو پیغمبر اسلام کی پیدائش کا دن ہے۔

اب تم ہی بتاؤ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو دوسری قوموں کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ مسلمان کسی مردہ قوم کا نام ہے یا کسی زندہ قوم۔ اور اس سلسلہ میں ارشاد باری بھی ہے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور اپنے رب کی نعمت کا اعلان وچرچا کرو۔ سرکار سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کون سی دوسری نعمت ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوا رب کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاتا۔ بلکہ اس کا اعلان اور چرچا کیا جاتا ہے یہ جلوس عید میلاد النبی اور جلسۂ عید میلاد النبی یہ دونوں اسی تحدیث نعمت اور اعلان واظہار کے حسین مناظر و مظاہر ہیں۔ جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے جوش محبت اور وفور عقیدت کی ایک تابناک وروشن دلیل ہے۔ یہ ہمارا ایک جمہوری حق ہے۔ نہ تو اب سے پہلے کسی نے اس پر قدغن لگایا۔ اور نہ ہی کسی نے پہرہ بٹھایا۔ ہم اس رسم سعید کو مناتے چلے آرہے ہیں اور اپنی حیات مستعار کے آخری لمحے تک، اگر خود نہ منا سکیں گے تو کم از کم دل زندہ میں یہ آرزو ضرور مچلتی رہے گی کہ جشن چراغاں کی دھوم دھام، عشق کی پروردہ آنکھیں دیکھتی رہیں۔

گو ہاتھ میں طاقت نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہیں عرض یہ کر رہا تھا کہ سرکار کے روزہ رکھنے کا مقصد ہرگز روزہ ہی رکھوانا نہیں ہے بلکہ کسی بھی شرعی وجائز فعل سے اس دن کی حرمت و عزت کو برقرار رکھ کر اس کا اعلان وچرچا بھی مقصود ہے تاکہ اس دن کی یاد باقی رہ جائے۔

حضرات! جب حضرت حسان کا ذکر آہی گیا ہے تو برسبیل تذکرہ ان کے کمال عشق اور بے لوث محبت کی دل جیتنے والی ادا ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرت حسان ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

ما ان مدحت محمد ابمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

اے لوگو! تم کہیں یہ دھوکہ نہ کھانا کہ میری

شاعری اور شعر و سخن نے رسول کردگار کا مقام و منصب اونچا کر دکھایا۔ معاذ اللہ۔ حاشا و کلا۔ ایسا نہیں۔ میری شاعری سے ان کا مقام بلند نہیں ہوا۔ بلکہ میری شاعری میں سرکار کے نام آ جانے کی وجہ سے میرا کلام اونچا ہو گیا۔ سبحٰن اللہ سبحٰن اللہ!

قربان جائیے! یہ تھا صحابۂ کرام کا زندۂ جاوید عشق۔ عشق اور راہِ محبت میں ایسی معتدل و محتاط روش جو کہیں اور ڈھونڈے نہ مل سکے۔ کہاں ہیں؟ آج کے نام نہاد دعویداران عشق و محبت، اور کہاں ہیں شرک و بدعت کے کھوکھلے نعروں کے سہارے، سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنے والے جو خود اپنے رسول ہی کو زبانِ اردو پڑھانے کے مدعی ہیں۔ ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

عنوان یہ چل رہا ہے! یادِ دل کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ یادوں کو برقرار رکھا جاتا ہے چنانچہ اس سلسلے میں تاریخ کی ایک اور سبق آموز کڑی ملاحظہ فرمائیے۔

برسی منانا

غزوۂ احد تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی اہم معرکہ ہے۔ مجھے اس کی تفصیل نہیں بتانی ہے بلکہ اس کا پس منظر پیش کرنا ہے۔ فتح و کامرانی کے بعد جب شہدائے احد کی نعشوں کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ اس کے ٹھیک ایک سال پورا ہونے کے بعد آقائے دو جہاں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاتے ہیں۔

اولاً تو ایک سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اگر تشریف لانا ہی تھا تو ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ سال پورا ہونے

> آقائے دو جہاں شہدائے اُحد کی قبروں پر ہر سال تشریف لے جاتے ٹھیک اس روز جس دن سال پورا ہو رہا ہے گویا سرکار اُمت کو یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ قبروں پر آنا بھی جائز ہے اور برسی منانا بھی درست ہے

کے دو ایک روز پہلے یا دو ایک روز بعد تشریف لاتے۔ مگر ایسا نہیں ہے ٹھیک اس روز جس دن سال پورا ہو رہا ہے گویا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنی قوم کو یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ قبروں پر آنا بھی جائز ہے اور برسی منانا بھی درست ہے۔

یعنی اس تشریف آوری کا یہ مقصد ہے کہ اگر یہاں نہ آیا جائے تو اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر شہدائے اُحد کے ایثار و خلوص، جاں بازی و جواں مردی، حق گوئی و ایثار پسندی گویا تن من، دھن لٹا دینے کے جو روشن نقوش ہیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مٹ نہ جائیں۔ اور تاریخ کے ایسے زرّیں نقوش جس سے امتِ مسلمہ کو سبق حاصل ہو اور اندھیرے میں اجالے کا کام دیں۔ انہیں مٹایا نہیں جاتا بلکہ اگلی نسلوں کو زندہ رکھنے کی خاطر انہیں زندہ

دکھا جاتا ہے۔ اور آج ہمیں آپ سے یہی عرض کرنا ہے کہ یادوں کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ انہیں شریعت کے بتلائے ہوئے طریقوں پر خوش اسلوبی سے منایا جاتا ہے۔

سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاکر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ شہدائے اسلام جو اپنی اپنی قبروں میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے ساتھ للّٰہیت و راست بازی اور ایثار و قربانی کی ایک بہت ہی اہم تاریخ وابستہ ہے۔

لہٰذا انہیں کسی نہ کسی بہانے یاد کیا جائے انہیں ہرگز ہرگز نہ بھلایا جائے۔ یاد رہے کہ تاریخ ساز شخصیتوں کا مجاہدانہ کردار محض ایک مؤرخ کے نوکِ قلم ہی تک نہ محدود رہے۔ کہ محض کتاب کی سطروں میں انہیں پڑھا جائے بلکہ ان کے آستانوں تک اور گنج شہیداں میں پہنچ کر خون کی ایک ایک چھینٹ اور لہو کی ایک ایک بوند سے ان کی داستانِ عظمت پوچھئے! جہاں کے دیوار و در اور ذرے ذرے کہہ رہے ہوں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خدانخواستہ! شرک و بدعت کے ہتھکنڈوں کے تحت اگر آستانہ جات پر آمد و رفت بند کر دی گئی تو کم تعلیم یافتہ، عدیم الفرصت اور مصروف بکار حضرات جنہیں تاریخی مطالعہ کی فرصت نہیں، جو آستانہ جات کی قدیم علامات و نشانات ہی سے ان کی تاریخ پڑھنا جانتے ہیں آخر ان لوگوں میں مذہب اسلام کے لئے اخلاص و ایثار کی اسپرٹ کہاں سے پیدا ہو سکے گی، ضرورت ہے ان کے مزارات پر آتے رہنے کی۔ گویا کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

دبستان علم و ادب دارالعلوم غریب نواز (الہ آباد کی پرشکوہ سہ منزلہ عمارت جو کہ ابھی زیر تعمیر ہے)

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

خواہ ان واقعات و قصص کو تاریخی کتابوں میں پڑھیئے یا آستانوں پہ پہنچ کر وہاں کے دیوار و در اور بے زبان خاموش ذروں سے پوچھئے۔

بہر حال اسلام کی اہم شخصیتوں اور اسلام کے اہم واقعات کو بھلایا نہیں جاتا، بلکہ ان کی یادیں منا کر انہیں کلیجے سے لگایا جاتا ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

البتہ یہ بات واضح رہے کہ مراسم کی ادائیگی اور یادوں کے منانے میں اسلام نے جو خطوط کھینچے ہوں۔ ان سے متجاوز ہونے کی جسارت اور سعیٔ بے جا نہ کی جائے ورنہ کہیں نہ کہیں افراط یا تفریط کا الزام آجائے گا۔ اور اسلام کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

ابھی میں نے عرض کیا تھا کہ آستانہ جات کی مختلف علامات و نشانیوں میں ماضی کی ایک مستقل تاریخ پنہاں ہے۔ اسے لفظی گورکھ دھندول

سے تعبیر کیا جائے۔ بلکہ اگر دیدۂ اعتبار ہو، اور شعور دا آگہی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا ہو تو آستانوں کی تاریخی عمارات اور اس کی نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر مشاہدے کی روشنی میں اپنے اس معاملے کی توثیق کرتے جائیے جسے آپ نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ جب بات آ ہی گئی ہے تو آئیے چل پھر کر یقین و اعتماد کی یہ دولت حاصل کی جائے۔

اجمیر کے نوادرات

دیکھئے یہ اجمیر شریف میں درگاہ روڈ ہے نیچی نگاہیں اٹھائیے یہ سامنے درگاہ معلیٰ ہے جس کا یہ بلند دروازہ! آپ کو معلوم ہے یہ بلند دروازہ نظام حیدر آباد دکن کے غلامی کی نشانی ہے۔ یہاں راجاؤں اور نوابوں سے گزارش نہیں کی جاتی کہ آپ دروازہ بنوادیں یا آپ بارہ دری بنوائیں یا آپ گیٹ و لنگر خانہ بنوادیں۔ بلکہ اپنے اپنے وقت کا سلطان و شہنشاہ خود درخواست گزارتا ہے کہ ہمیں گیٹ بنانے یا ہمیں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ اچھا ذرا اور آگے بڑھئے یہ دیکھئے یہ جلال الدین اکبر کی چڑھائی ہوئی دیگ ہے جس میں بیک وقت سو من کا تبرک تیار ہوتا ہے یہ دوسری دیگ ہے جسمیں اسی من دلیا پکائی جاسکتی ہے۔

یہ داہنے بازو پر آسمان بوس گیٹ دیکھئے یہ اکبری گیٹ ہے۔ اور آگے بڑھئے یہ شاہجہانی مسجد ہے گویا جنت کا کوئی ٹکڑا خاک پر بکھر گیا ہے یہ جھالرہ ہے۔ یہ عالمگیری مسجد ہے۔ یہ اولیاء مسجد ہے۔ یہ ڈھائی دن کا جھونپڑا ہے۔ یہ وہ پتھر ہے کہ جب دشمنوں نے اوپر سے پھینکا تھا تو غریب نواز کے گھوڑے نے اپنے پاؤں سے روک دیا تھا۔ دیکھو ابھی تک اس پر گھوڑے کی ٹاپ کے نشانات ہیں۔

یہ وہ پتھر ہے جسے غریب نواز نے اپنے چابک سے روک دیا تھا۔ دیکھو ابھی تک اس پر چابک کا نشان ہے۔ ہاں ہاں یہ وہی اناساگر ہے دشمنوں نے جس کا پانی سلطان ہند پر بند کر دیا تھا۔ اور غریب نواز نے اس کا سارا پانی اپنے معتقد کے ذریعہ چھاگل میں بھروا لیا تھا۔ دیکھو وہ مدار ٹیکری ہے۔ وہ تارا گڑھ ہے۔ وہ غریب نواز کا چلہ ہے۔ غرضیکہ پورا اجمیر تاریخی نشانیوں میں گھرا ہوا ہے۔

مجھے حیرت ہے جن واقعات کو تاریخ کے صفحات پر پڑھا جاسکتا ہے خود انہیں ماتھے کی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھا جاسکتا؟

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر آستانہ جات یا دیگر تاریخی مقامات کے آثار و علائم مٹا دیئے جائیں تو مستقبل میں کسی بھی وقت ان واقعات کو جھٹلایا جاسکتا ہے اور ان کی تکذیب کی جاسکتی ہے ایسے تاریخی دستاویز تو طلسم ہوش ربا یا الف لیلیٰ کے مفروضہ داستان اور من گڑھت کہانیاں تصور کی جائیں گی۔

دیکھئے یہ کچھوچھہ مقدسہ ہے یہاں اللہ کا وہ محبوب بندہ آرام فرما ہے جس نے سمنان کی سلطنت اور تخت و تاج اور شاہی کروفر کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر درویشی اختیار کی اور آج کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

دیکھئے یہ آستانے کے مشرقی جانب ایک تھوڑا سا راستہ چھوڑ کر ہر طرف پانی سے گھرا ہوا ہے جسے نیر کہا جاتا ہے اور پورے پانی پر سوار کے ہری گھاس مخمل کی طرح بچھی ہوئی ہے جو بطور شفاء

استعمال کی جاتی ہے۔ غرضیکہ اس کے ساتھ ایک مستقل تاریخ وابستہ ہے۔

یہ بہرائچ شریف ہے جہاں سیدی سالار مسعود غازی آرام فرما ہیں۔ قدم قدم پر ماضی کی نشانیاں دیکھتے جاؤ۔ اور عہد رفتہ کی یادوں سے اپنے اسلاف کی پاکیزہ ارواح کو بلندیٔ درجات کی دعائیں دیتے جاؤ، یہ وہ آستانہ ہے جہاں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم لاکھوں کی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں۔ بلکہ میلہ میں کئی لاکھ غیر مسلموں ہی کی ہماہمی رہتی ہے۔

جب سخن گسترانہ بات آہی گئی ہے تو دل یہ چاہتا ہے کہ صرف چند منٹ کے لئے اپنے معینہ عنوان سے ہٹ کر آج کے ایک ابھرے ہوئے مسئلہ کی وضاحت کردی جائے چونکہ بعض لوگوں نے آج قبر پر حاضری کو ہماری تکنیک اور اپنے مشن کی تشہیر کا ہتھکنڈا بنا رکھا ہے۔ لہٰذا معذرت کے ساتھ میں آپ سے عرض کروں گا کہ اس عنوان سے متعلق چند گوشے سماعت فرمائیے جب وہ "فرقہ ثانیہ" قبر ہی کے پیچھے پڑا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ آج اسے سیدھے قبرستان ہی تک پہنچا دیا جائے جہاں سے پھر وہ واپس نہ آسکے۔

قبور پر حاضری

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر پر جانا شرک و بدعت ہے۔ اب اس سلسلے میں میں آپ کو ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صاحب خصائص کبریٰ حضرت جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ:۔

ایک بار آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی راہ سے گزر رہے تھے قریب ہی میں والدہ ماجدہ کی قبر تھی۔ سرکار نے ارادہ فرمایا کہ والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری دی جائے جیسے ہی دل میں خیال گزرا جبرئیل امین حاضر دربار ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ چلنا چاہیں تو تشریف لے چلیں۔ چنانچہ والدۂ کریمہ کی قبر پاک پر تشریف لائے۔ تشریف لانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو جیسے ہی اٹھانا چاہا جبرئیل پھر حاضر ہوگئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ نہ اٹھائیے۔

اس سے ایک گمراہ اور بھی گمراہی کے دل دل میں پھنس گیا۔ اور اس نے معاذ اللہ یہ کہنا شروع کیا کہ آپ کی والدہ قابل بخشائش تھیں ہی نہیں۔ اس لئے ہاتھ اٹھانے سے روک دیا گیا۔

گویا اس بد بخت نے اپنی ماں پہ مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ماں کو قیاس کیا۔ جیسا کہ اصول ہے المرء یقیس علیٰ نفسہ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا محبت وعقیدت سے بھرا ہوا جواب عطا فرمایا۔

فرماتے ہیں اسلام کا ابھی ابتدائی دور تھا اگر سرکار کو ہاتھ اٹھانے دیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ دشمنان مصطفےٰ طعنہ دیتے کہ نبی کی والدہ اس وقت بخشی گئیں جب نبی نے اپنا دست کرم اٹھایا مگر قدرت کو یہ کب گوارا ہو کہ کوئی دریدہ دہن گستاخ و بے ادب نبی کا دل دکھائے اور ان کی دل آزاری کرے۔

بات یہ نہ تھی بلکہ اصل بات وہ ہے جسے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج سرکار نے ہاتھ اٹھایا تو اندیشہ تھا کہ کل کہیں لوگ یہ کہنا نہ شروع کردیں کہ نبی کی والدہ اس وقت بخشی گئیں جب نبی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

مقصد یہ ہے کہ یا رسول اللہ اب آپ اس کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ آپ کا نور جن جن اصلاب و

ادھر سے گزرتا گیا سب کو نور بناتا گیا۔

ایک واقعہ

ایک بار ایک صحابی نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ دستر خوان صاف کر ڈالو۔ چنانچہ خادمہ اسے لیکر آگ کے تنور تک پہنچی اور ایک گوشہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باقی سب کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیا۔ اور چند لمحے بعد اس میں سے اس کپڑے کو نکالا تو وہ دُھلا دُھلایا بالکل صاف شفاف نکلا آقا نے خادمہ سے کہا میں نے تم کو دھونے کے لئے کہا تھا اور تو نے اس کو شعلے کی لپٹ میں ڈال دیا۔ آگ کا کام جلانا ہے خادمہ نے عرض کیا۔ اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ پانی کا کام دھونا اور آگ کا کام جلانا ہے۔

مگر میں نے ایک روز ایسا دیکھا تھا کہ میرے سرکار نے اسی دستر خوان سے اپنی انگلیاں صاف فرمائی تھیں تو میرا ایمان اور عقیدہ بول رہا تھا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلی پڑ گئی، اس پر آگ اثر نہیں کر سکتی۔ چنانچہ آج اس کا مشاہدہ بھی ہو گیا اور شبہات بھی رفع ہو گئے یعنی دستر خوان تو نہ جلا البتہ وہ شبہات جل کر خاکستر ہو گئے۔

تو اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ جس چیز پر آقائے دوجہاں کی انگلیاں پڑ جائیں اس پر آگ نہیں اثر کر سکتی تو بھلا جس شکمِ مادر میں نو مہینے مسلسل نورِ مصطفےٰ نے اپنی جلوہ ریزی و ضیا پاشی کی ہو اس پر آگ کیوں کر اثر کر سکتی ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

قبر پر حاضری

اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے رسول اللہ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر دیکھا۔

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہدائے احد کی قبر پر دیکھا۔

اچھا تو آپ لوگ یہ بتایئے کہ نبی اس دنیا میں مبعوث کیوں کیا جاتا ہے؟ شرک پھیلانے کے لئے یا شرک مٹانے کے لئے؟

جواب:۔ شرک مٹانے کے لئے۔

لہٰذا آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اگر قبروں پر جانا شرک ہوتا تو وہ نبی جو شرک مٹانے کے لئے آیا تھا وہ بھلا قبروں پر کیسے جا سکتا تھا۔

اگر قبروں پر جانا شرک ہوتا تو منصب رسالت و نبوت کے خلاف ہے کہ قبر پہ نبی کو دیکھا جائے۔

معلوم ہوا کہ قبر والوں کو بھلایا نہیں جاتا بلکہ ان کو یاد رکھا جاتا ہے جو لوگ قبروں کے مخالف ہیں مولیں گے تو بہر حال۔ مگر ان کی قبروں پر آدمیوں کے بجائے کچھ اور نظر آئیں گے۔

جب بات نکل ہی گئی ہے تو دو ایک واقعہ اور سماعت فرمالیں۔

آفتاب نبوت کے غروب ہونے کے بعد لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قبر پر دیکھا پھر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وصال ہوا تو امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو سرکار کے آغوش میں سپرد لحد کیا گیا۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو دونوں قبروں پر دیکھا گیا۔

اب عہد فاروقی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد اب حضرت عائشہ صدیقہ کو تینوں قبروں پر حاضری دیتے دیکھا۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہو جانے کے

بعد اب حضرت عائشہ صدیقہ نے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا سب سے پہلے میرے شوہر کی قبر تھی۔ ان سے پردہ کیسا اس کے بعد میرے والد کی قبر تھی ان سے بھی پردہ کیسا۔ البتہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غیر محرم سے میں نے پردہ کیا۔

صاحب مزار دیکھتے سنتے اور مدد کرتے ہیں

ایک نکتہ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ اگر دیکھ نہیں رہے ہیں تو ان سے پردہ کیسا؟ بس سمجھ میں آیا جب سرکار کے غلام اپنی قبروں میں زندہ رہ سکتے ہیں تو پھر نبی کی حیات پر مناظرہ و مباحثہ کیسا؟

معلوم ہوا کہ دنیا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبر پر دیکھا اور حضرت صدیقہ کو بھی۔

سلسلۂ رفاعیہ کے مورث اعلیٰ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے قبر رسول پر حاضری دی صحابۂ کرام نے حاضری دی۔ گویا ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر پر دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کو قبر پر دیکھا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو قبر رسول پر دیکھا ایسے ہی حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کو جب کسی مسئلہ میں مشکل درپیش آتی تو آپ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے اور الجھے ہوئے مسئلہ میں صاحب مزار سے استمداد و استعانت چاہتے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کہنا ہے کہ جو مسئلہ گھر میں حل نہ ہوتا وہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر پر ان کے روحانی فیوض و برکات سے آن کی آن میں حل ہو جاتا تھا۔ گویا ہم نے امام شافعی رضی اللہ عنہٗ کو حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر دیکھا۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قبر پر جانا بھی درست ہے اور ان سے استمداد و استعانت بھی جائز۔ اور یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو گئی کہ صاحب مزار دیکھتے ہیں سنتے ہیں، سمجھتے ہیں اور مدد بھی فرماتے ہیں۔

کیا ہو گیا آج کے غیر مقلدین کو، کہ آمین

> **حجر اسود کو بوسہ**
>
> حضرت ہاجرہ کی اطاعت میں صفا و مروہ کا چکر، مقام ابراہیم پر نماز کی ادائیگی۔ اور اس جیسی اللہ والوں کی بہت سی اداؤں کو زندہ رکھا گیا اور انہیں ارکان حج قرار دیا گیا ان سے اسلام کا مقصد صرف یہ ہے کہ یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ انہیں زندہ رکھا جائے۔

بالجہر اور رفع یدین جیسے مسائل میں تو حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں۔ اور جب قبر پر جانے کی باری آتی ہے تو گنبدِ خضریٰ کو صنم اکبر کہا جاتا ہے۔

بہر حال ہم نے مالک ہندوستان خواجۂ خواجگاں، سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے مزار پر دیکھا۔ ہندوستان کے اکابر اولیاء اللہ نے اجمیر شریف حاضری دی سلاطین مغلیہ یا اکبر و جہانگیر، شاہجہاں اور حضرت عالمگیر نے

حاضری دے کر اکتساب فیض کیا۔

اگر قبروں پر جانے والے یہ سب کے سب مشرک قرار پائیں تو اب اس رُوئے زمین پر مسلمان کہاں ڈھونڈا جائے؟

ضمانت:۔ بہرحال ہم نے قبر پر جانے والوں کی ایک دستاویز تیار کر دی اگر آپ لوگ اس کی اجازت دیں تو اب اس دستاویز پر ایک آخری مہر لگا دی جائے۔ تاکہ قانونی کارروائی بالکل پختہ ہو جائے۔

آپ میں سے بہت سے لوگ حاجی ہوں گے آپ میں سے کوئی صاحب یہ بتائیں کہ کیا حج کی مقبولیت کی دلیل لے کر آپ آئے ہوئے ہیں؟ کوئی نہیں۔ کیا معلوم ہوا؟ تین ساڑھے تین مہینے ادائگی حج کے لئے مکہ مکرمہ میں رہے لیکن قبولیت نہ مل سکی۔ مگر میرے آقا جسے رب نے رحمتِ تمام بنا کر بھیجا ان کا کرم، ان کی شفقت وعنایت دیکھو۔ وہ فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔

اب تم لوگ بتاؤ کہ قبر پر بلایا جا رہا ہے یا قبر سے بھگایا جا رہا ہے اور صرف بلایا ہی نہیں جا رہا ہے بلکہ سرکار کی نظر میں قبر کی حاضری اس قدر محبوب و پسندیدہ ہے کہ شفاعت کی لالچ دے کر بلایا جا رہا ہے جس طرح بچہ کبھی والدین کے قریب نہیں آتا۔ بلانے سے اور گریز کرتا ہے تو اسے بسکٹ اور ٹافی کی لالچ دے کر بلایا جاتا ہے کچھ اس طرح کا نقشہ یہاں بھی ہے۔ اگر ویسے آنا نہیں چاہتے ہو تو شفاعت کی لالچ میں آئے۔ میں تم کو یہ ضمانت دے کر رخصت کروں گا۔ کہ کل میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ اللہ اکبر۔

یہ ہے قبر رسول کی حاضری کا صلہ، کہ اگر تم مجھے نہ ڈھونڈ سکو گے تو میں ڈھونڈ لوں گا۔

حاجی ایک زخمی دل کے ساتھ واپس ہو رہا تھا سرکار نے یہ بشارت دے کر اس کے زخموں پہ نمک نہیں چھڑکا بلکہ مرہم رکھ دیا۔ اس کے باوجود بھی عقل کا اندھا کہتا ہے کہ قبروں پر نہیں جانا چاہیئے۔

میری ترتیب دی ہوئی دستاویز کی یہ ایک ایسی مہر ہے جس نے اباطیل کی تابوت میں ایک آخری کیل ٹھونک دی ہے۔

عنوان کی ایک ذیلی گفتگو میں آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ قبروں پر جانا بھی درست ہے اور ان سے استمداد و استعانت بھی جائز ہے۔ اس مضمون کی مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

یادگاریں

اب آئیے اپنے اصل موضوع سے وابستہ ہو جائیے یعنی یادوں کو مٹایا نہیں جاتا ہے بلکہ اسے برقرار رکھا جاتا ہے جس کی متعدد مثالیں آپ کو فریضۂ حج میں مل جائیں گی مثلاً ادائگی حج میں حاجی "سعی بین الصفا والمروہ" کرتا ہے۔ صفا و مروہ یہ دو پہاڑیاں ہیں جس پر دوڑ کر آدمی سات پھیرے لگاتا ہے۔ صفا سے مروہ پہ اور مروہ سے صفا پر۔

اب اگر کوئی اس سے یہ پوچھے کہ حاجی صاحب اگر حج پہاڑیوں پر دوڑنے کا نام ہے تو ہندوستان میں پہاڑ اور پہاڑیوں کی کیا کمی تھی؟ کوہ ہمالہ کھڑا ہے اس پر دوڑ لیتے۔

تو حاجی بڑی سنجیدگی سے جواب دے گا کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ وہ پہاڑی ہے جس پر حضرت سیدتنا ہاجرہ دوڑ لگا چکی ہیں۔ سائل پھر سوال کرتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کیوں دوڑی تھیں؟ حاجی

صاحب جواب دیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی مقام پر حضرت ہاجرہ و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑ گئے تھے۔ حضرت اسماعیل کی زبان شدت پیاس سے باہر نکل آئی۔ نہ کہیں کنواں تھا نہ چشمہ، نہ ندی تھی نہ نالا۔ نہ تالاب تھا نہ دریا۔ حضرت ہاجرہ سے شہزادے کا یہ حال دیکھا نہ گیا تو حضرت ہاجرہ نے پانی کی لالچ میں دوڑ لگایا۔ شاید کہیں پانی کی چند بوند مل جائے یا کسی چشمے یا کنواں کا سراغ لگ جائے۔

سائل پھر سوال کرتا ہے۔ حاجی صاحب حضرت سیدہ حاجرہ کا دوڑنا تو سمجھ میں آگیا کہ وہ پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں مگر آپ کو پانی کی کیا کمی؟ آج تو مکہ جل تھل ہوگیا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہیں؟

حاجی صاحب کا جواب یہی ہوگا کہ میں پانی کی تلاش میں نہیں دوڑ رہا ہوں بلکہ دوڑ لگا کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوڑ لگانے کی یاد تازہ کر رہا ہوں۔ یہ وہی پہاڑی ہے جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک محبوب بندی دوڑ چکی ہیں۔ اگر ہم نہ دوڑیں گے تو ہاجرہ کی یہ ادا مٹ جائے گی۔ اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ اچھے اور پیاروں کی ادائیں مٹائی نہ جائیں بلکہ ان کو زندہ رکھا جائے۔ اور یہی یاد ان کی تاریخ کو دہراتی رہے گی۔

معلوم ہوا کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یاد کو مٹایا نہیں گیا بلکہ زندہ رکھا گیا۔ اور حد تو یہ ہے کہ حج جیسے فریضے کے ارکان میں شامل کر لیا گیا۔ اب اس کے منکرین کو اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہیئے؟

اور آگے بڑھیئے ارکان حج میں یہ بھی ہے کہ حاجی کو طواف کعبہ بھی کرنا ہے مطاف کعبہ میں سات پھیرے لگانے ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ دے کر پھر وہیں آنا ہے پھر وہیں سے چل کر وہیں آئے گا۔

اس طرح اس کو سات چکر لگانا ہے لیکن ان کے سات پھیروں میں تین بار "رمل" کرنا ہے۔ یعنی وہ سینہ تان کر اکڑ کر چلے گا۔ چونکہ آقائے کائنات جب صحابۂ کرام کو لے کر طواف کعبہ کی غرض سے تشریف لائے تھے تو صحابہ اپنی علالت کے باعث بہت کمزور دکھائی نظر آرہے تھے اس پر کفار مکہ نے بطور طعن کہا کہ ایسے کمزور و نڈھال لوگ کیا طواف کعبہ کریں گے۔ صحابۂ کرام نے یہ بات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچائی کہ کفار مکہ ایسا کہہ رہے ہیں۔ اس پر آقائے دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ جب طواف کرو تو اس میں 'رمل' کرو۔ تاکہ ان پر تمہاری ہیبت کا سکہ جم جائے۔

چنانچہ سرکار دو عالم نے بھی 'رمل' فرمایا اور صحابۂ کرام نے بھی۔ اب آج حاجی سے پوچھا جائے کہ تم 'رمل' کیوں کرتے ہو تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ سرکار و صحابہ کی 'رمل' کی وجہ تو وہ تھی جیسے ذکر کیا گیا لیکن ہمارے 'رمل' کی وجہ یہ ہے کہ سرکار کی ادا باقی رہ جائے۔

صدیاں بیت گئیں لیکن اس ادا کو مٹنے نہیں دیا گیا۔ اس کے شواہد ملتے جارہے ہیں کہ یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ ان کو زندہ رکھا جائے انہیں کیا زندہ رکھنا ہے۔ بلکہ خود اس میں ہی زندگی کا راز پنہاں ہے۔ گویا تم اگر جینے کی طرح جینا چاہتے ہو تو ان یادوں کو مٹاؤ نہیں بلکہ ان کو زندہ رکھو۔

یادگاریں مٹاؤ نہیں قائم رکھو

عہد رسالت کی ایک اور بات آپ کو یاد دلائیں۔ ایک بار آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں بچوں کی ایک ٹولی گذری جو اذان کی نقل کر رہے تھے کوئی

حی علی الصلوٰۃ کہہ رہا ہے۔ کوئی اللہ اکبر کہہ رہا ہے بچے تو بچے انہیں میں ایک صاحبزادہ ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی تھے ان کی آواز بہت پیاری تھی۔

آقائے دو عالم نے اشارہ کرکے ابو درداء رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کو بلایا۔ ان کی پیشانی کے اگلے بالوں پر دست شفقت پھیرا۔ دعائیں دیں۔ اور رخصت کر دیا۔ شہزادے نے گھر جا کر اس کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا کہ آج ہم ساتھیوں کے ساتھ اذان کی نقل کرتے گذر رہے تھے کہ اسی اثناء میں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب گذرے۔ میرے آقا کی نگاہِ انتخاب کا کیا کہنا بس مجھ کو اپنے قریب بلایا۔ میری پیشانی کے اگلے بالوں پر اپنا دستِ کرم رکھا۔ اور دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔۔۔ وہ صحابیہ ماں سُنکر جھوم گئیں۔ اور فرمایا بیٹے، زندگی میں خواہ کتنی ہی بار بال منڈواؤ یا ترشواؤ مگر خبردار خبردار ان بالوں کو نہ مونڈوانا جس پر رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پڑ گئے ہیں۔

ان کو بطور تبرک اور یادگار چھوڑ دینا کہ اس بات کی نشانی رہے کہ یہ وہ بال ہیں جس پر آقائے دو جہاں نے دستِ شفقت پھیرا ہے۔ اس کے توسل سے خدا سے دعائیں مانگی جائیں۔

غور فرمائیے! اس عہد کا عقیدہ تھا کہ یادگاروں کو مٹایا نہ جائے بلکہ اس کو باقی رکھا جائے۔

واضح رہے کہ جن بالوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیاں پڑ جائیں۔ تو ان بالوں کو نہیں مٹایا جا سکتا تو جس دن آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس خاکدانِ گیتی کو نوازا۔ جو آپ کا یوم ولادت ہے بھلا عقیدت کیش اور خوش عقیدہ مسلمان اس دن کو مٹتا کیسے برداشت کرے گا۔

وہ اسلامی نقطۂ فکر کو خوب اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ اسلام کا یہ دیا ہوا ذہن و مزاج ہے کہ تاریخی دنوں کو مٹایا نہیں جاتا۔ بلکہ انہیں زندہ رکھا جاتا ہے اسی میں ہماری قومی زندگی کا راز مضمر ہے۔ اور کوئی بھی زندہ و بیدار معزز قوم اپنے سنہری تاریخ کا چہرہ مسخ ہوتے برداشت نہ کرے گی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آج اگر کوئی مسلمان اپنے اسلاف کی یادیں مناتا ہے تو یہ کوئی مفروضہ یا اختراع محض نہیں بلکہ یادوں کا منانا یہ ایک ایسی زندہ جاوید حقیقت ہے جسے اسلام نے ہمیشہ کے لئے اپنے کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔

اختتام گفتگو پر ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیے۔

بندہ نواز

اکابر سلسلۂ چشتیہ میں آپ نے سلطان چراغ الدین دہلوی اور حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام نامی سنا ہوگا حضرت سلطان نصیر الدین چراغ دہلوی دہلی میں آرام فرما ہیں۔ اور بندہ نواز قطب دکن کی حیثیت سے گلبرگہ شریف میں روحانی فیوض و برکات لٹا رہے ہیں۔ جہاں پر صبح و شام آنے جانے والے زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے انہیں گیسو دراز کیوں کہا جاتا ہے؟

ایک بار بندہ نواز بیٹھے تھے اور اسی طرف سے آپ کے پیر و مرشد حضرت سلطان چراغ دہلوی گھوڑے کی سواری سے گزرے۔ حضرت بندہ نواز دیکھتے ہی مرشد بر حق کی جانب لپکے اور بڑھے اور آکر زانوئے مبارک کا بوسہ دیا۔ پیر نے فرمایا اور جھک کر۔ چنانچہ دوبارہ جھک کر تلوے کو چوما۔ فرمایا اور جھک کر۔ پھر گھوڑے کی رکاب کو بوسہ دیا۔ فرمایا اور جھک کر پھر گھوڑے کی سُم یعنی ٹاپ کو چوما۔ پھر بار

کے جھکنے میں چیز نہ جانے کتنے مراتب طے کرا دیئے اور کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی۔

چنانچہ چوتھی بار سم کو بوسہ دینے کے لئے بندہ نواز جھکے تو رکاب میں بال الجھ گیا۔ حتیٰ کہ سم کو بوسہ دینے کے لئے جھکتے گئے اور بال بڑھتا گیا چونکہ مرشد کی اطاعت میں یہ بال بڑھے تھے لہٰذا بطور یادگار اتنے بالوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اسی لئے ان کو گیسو دراز کہا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات سے پتہ چلا کہ بزرگوں۔ اسلاف اور تاریخ ساز ہستیوں کی یادوں کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ انھیں برقرار رکھا جاتا ہے اور یہی ہمارا مضمون ہے۔

اب تیئے ایک پتے کی بات بتادیں۔ ایک یاد ان لوگوں کی بھی ہے اور وہ ہے رمی جمار۔ ارکان حج میں ایک رکن یہ بھی ہے کہ شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے۔ رمی کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ جمار کے معنی کنکری۔ اس لئے اس کو رمی جمار کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیطان سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ کو بہکانے جا رہا تھا۔ جب خدا کے حکم سے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے نور نگاہ حضرت سیدنا اسمٰعیل کو ذبح کی غرض سے لے چلے تھے تو شیطان بھی پیچھے لگ گیا تھا۔ اس نے حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام سے طرح طرح کے سوالات کئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس کے جوابات مرحمت فرمائے۔ آخر شیطان نے ترکش کا آخری تیر پھینکا اور کہا کہ تمہارا باپ تمہیں ذبح کرنے کی غرض سے لئے جا رہا ہے۔ اس نے سمجھا تھا کہ جان تو سبھی کو پیاری ہوتی ہے یہ سنتے ہی اسمٰعیل کا قدم ڈگمگا جائے گا۔ مگر نبی زادے نے برجستہ جواب دیا۔ موت برحق ہے۔ مگر اس وقت کتنی پیاری ہوگی موت کہ بیٹا باپ کے ہاتھوں ذبح کیا جائے۔ بیٹا دم توڑ رہا ہو اور باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ شیطان اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اور مایوس ہو گیا۔ اور سوچا یہاں کوئی جادو کام نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ اسلام نے حاجیوں پر لازم قرار دیا کہ وہ یہاں آکر رمی جمار کریں یعنی شیطان کو کنکرہ ماریں وہاں شیطان کا پتلا نہیں ہے۔ یہ رکن صرف اس لئے ادا کیا جاتا ہے کہ حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ کی یاد باقی رہ جائے۔

مگر مجھے حیرت ہے کہ آج تک ہمارے حریف نے اس کے خلاف سعودیہ عربیہ سے کوئی احتجاج نہیں کیا کہ صدیوں سے ہمارے لکڑ دادا پر پتھراؤ ہو رہا ہے اب تو ان پر رحم کیا جائے۔ سر پر کوئی بال تک نہیں رہ گیا ہوگا۔ جب آپ کے عہد میں بھی ایسا نہ ہو سکے گا تو پھر کبھی نہیں ہوگا۔ وہ تو آپ کے بھی مائی باپ ہیں۔

اس کا فلسفہ آپ جانتے ہیں کہ ان کے کان پر کیوں جوں تک نہیں رینگتی۔ محض اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اہلسنّت کی تو بہت سی یادیں ہیں جب دیکھو غوث کی یاد ہے، خواجہ کی یاد ہے، امام حسین کی یاد ہے، حضرت اویس قرنی کی یاد ہے

امام اہلسنت اعلیحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یاد ہے مگر ہماری تو بس ایک ہی یاد ہے اگر یہ بھی مٹ گئی تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔

معلوم ہوا جو جیسا ہوتا ہے اس کی یادیں بھی ویسے ہی منائی جاتی ہیں۔ غوث و خواجہ محبوبِ خدا ہیں۔ لہٰذا ان کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ لوگ ان کے نام کا تبرک کھاتے ہیں۔ بریانی، زردہ، دلیا، کھچڑا، حلوہ وغیرہ۔ مگر شیطان دشمنِ خدا ہے تو اس پر پتھراؤ کیا جاتا ہے۔ تاکہ اسی سے سمجھ میں آجائے کہ کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔

ایک نکتہ!

ضمنی طور پر حضرت اسماعیل کا ذکر آگیا تھا کہ شیطان نے بہکانا چاہا مگر ان کے قدم میں لغزش و ڈگمگاہٹ نہ آئی۔ وہ جادۂ استقامت پر علی حالہٖ باقی رہے۔

آپ غور فرمائیں کہ حضرت اسماعیل میں یہ شجاعت و دلیری یہ توانائی و بہادری کہاں سے آئی؟ مجھے کہہ لینے دیجئے۔ حضرت اسماعیل اس نور کے امین ہیں جو کبھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے صلب میں تھا۔ جس نے ابراہیم خلیل اللہ کو نارِ نمرود سے بچایا تھا۔ وہ انگارے ان پر انگارے نہ رہ گئے بلکہ پھول سے بھی زیادہ نرم و نازک اور برف سے کہیں زیادہ ٹھنڈے ثابت ہوئے۔ یہ سب نورِ مصطفیٰ کی بدولت ہے لیکن اب حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام اس نور کے امین بن گئے تھے۔

حضرت اسماعیل اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر میں ذبح کر دیا گیا تو یہ تنہا میرا ذبح نہ ہوگا۔ بلکہ آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے۔ سمندر خشک ہو جائے گا۔ پہاڑ روئی کا گالا اور آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ میں تو اس نور کا امین ہوں کہ یہ کائنات جس کے لئے بنائی گئی ہے اور جس کے صدقے میں بنائی گئی ہے۔ ابھی تو اس کا ظہور ہوا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ذبح میرا تنہا نہ ہوگا بلکہ کائنات تہ و بالا ہو جائے گی اور قیامت سے پہلے ایک قیامت آجائے گی۔

لہٰذا ان کے لئے طمانیت و سکون اسی نور پاک کا بخشا ہوا ہے جسے قدرت نے انہیں ودیعت کر دیا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

ان متعدد مثالوں میں آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اسلام یادوں کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ ان کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

اب مجھے ایک بات بتائیے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح کہا جاتا ہے تو کیا سچ مچ وہ ذبح کر دیئے گئے تھے۔ اسلامی گھرانے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ رب تبارک و تعالیٰ نے ایک جانور بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی چھری چل رہی تھی۔ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ خدا بندوں کی نیت پر مطلع ہے۔ ہم کام دیکھ لیں تو حکم لگائیں۔ مگر خدا بندوں کی نیت ان سے بھی زیادہ جانتا ہے جتنا خود بندہ نہیں جانتا۔

چنانچہ رب نے اس قربانی کو منظور کر لیا کہ باپ بیٹے یعنی خلیل و ذبیح دونوں کے دونوں اپنے ارادے میں سچے اور پکے ہیں۔

بھائیو! مگر یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے بلکہ جانور ذبح ہوا۔ چونکہ وہ جانور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض ذبح ہوا تھا لہٰذا اس کے ذبح کی نسبت خود حضرت اسماعیل کی طرف کر دی گئی۔ اس طرح کا استعمال تو ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا ہے۔ مثلاً

ایک باپ اپنے بیٹے کی موت پر کہتا ہے ارے میں خود مر گیا، وہ واقعۃً مر نہیں گیا بطور مجاز بول رہا ہے۔

اب اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ حضرت عید اضحیٰ اور عید قرباں کیا ہے تو اب اس کا مشترکہ جواب ہو گا کہ اس مقدس و پاکیزہ تہوار میں ہم لوگ اپنے اللہ کے برگزیدہ و مقبول نبی حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ و حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی یاد مناتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی راہ میں نہ صرف مال خرچ کرنے کا ہی جذبہ ہو بلکہ جان تک دینے کا حوصلہ زندہ و سلامت رہے۔

اگر یہ یادیں ہماری اسلامی زندگی سے نکال دی جائیں تو ہماری زندگی مفلوج و معطل ہو کے رہ جائے۔

اسی لئے تو اسلام یادوں کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ ذہن کی کشادگی، روح کی بالیدگی، اعمال میں تقویٰ، نگاہ کی بلندی بازوؤں میں قوت، احساس کی برتری، فکر کی توانائی حوصلے کی بلندی، غرور سے نفرت، تواضع سے محبت، دنیا سے بے رغبتی، دین سے وابستگی۔ غرضیکہ یہ ساری دولتیں انہیں یادوں کے کشکول میں اکٹھا ہیں یادیں مناتے جاؤ اور تہی دامنی دور ہوتی جائے۔ کچھ خواجہ کے در سے لو کچھ شہنشاہ بغداد سے کچھ کلیر سے تو کچھ کربلا سے، کچھ مارہرہ سے تو کچھ بریلی سے۔ بہر حال جب تک ان کی یادیں مناتے رہو گے زندگی سنورتی اور نکھرتی رہے گی۔ اور جب ان سے روگردانی کرو گے تو یا تو کولھو کے بیل بن جاؤ گے یا کچھ اور۔ دھوبی کا گدھا، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر پوچھا جائے کہ عید اضحیٰ، عید قرباں کیا ہے؟ تو آپ یہی جواب دیں گے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ و حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی یاد ہے۔

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے مگر اسلام نے ان کی اس قربانی کو اتنی اہمیت دی کہ مستقلاً اسے ایک تہوار بنا دیا۔ تاکہ سال بہ سال ہم ان کی یادیں مناتے رہیں جس سے رگوں میں نئی حرارت اور نئی زندگی کے آثار نمودار ہوں۔

لہٰذا اب مجھے کہنے دیجئے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے مگر پھر بھی اسلام ان کی یاد مناتا ہے یا للعجب! کہ کربلا میں جانور نہیں ذبح کئے گئے۔ بلکہ نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول، علی اصغر، علی اکبر، قاسم و عون و محمد کی لاشیں کربلا میں تڑپیں تو کیا اب بھی آپ مجھے نہ کہنے دیں گے کہ جو حضرت ابراہیم کے شہزادے کی یاد منا سکتا ہے وہ نواسۂ رسول کی یاد منانے

ذہن کی کشادگی، روح کی بالیدگی اعمال میں تقویٰ، نگاہ کی بلندی بازوؤں میں قوت، احساس کی برتری فکر کی توانائی، حوصلہ کی بلندی، غرور سے نفرت، تواضع سے محبت، دنیا سے بے رغبتی دین سے وابستگی، غرضیکہ ساری دولتیں انہیں یادوں کے کشکول میں اکٹھا ہیں یادیں مناتے جاؤ اور تہی دامنی دور ہوتی جائے۔

پرکیوں کر پہرہ بٹھا سکتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم کے شہزادے کی یاد منائی جاسکتی ہے تو بدرجۂ اولیٰ مصطفےٰ کے نواسوں کی بھی یاد منائی جاسکتی ہے۔

وہ کیسے شقی القلب، کج فکر و کج فہم ہیں جو یادِ حسین و یوم حسین پر بندش لگانا چاہتے ہیں۔ اے عقل کے دشمنو! اگر ان مراسم میں عوام کے افکار و خیالات اور اعمال و کردار میں کچھ خامیاں آ گئی ہوں تو ان کا ازالہ کرو، ان کے مٹانے کی کوشش کرو۔ لیکن اصل تاریخ کربلا پہ تو دھول مت جھونکو۔ اس پر ایسی تیشہ کاری نہ کرو کہ واقعات کی اصل صورتیں مسخ ہو جائیں۔

اب تمہاری جراءت بے تاب اپنے حدود سے اس قدر تجاوز کر گئی ہے کہ یزید تو برحق اور حسین کو ناحق کہنے لگے۔ اور یزید کو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہنے لگے۔ ٹھیک ہے اگر تمہاری نظر میں یزید برحق تھا تو قیامت کے بعد دنیا رہنا جہاں یزید کا ٹھکانا ہو۔

میرا عنوان ہے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی۔ (قرآن)

اب مجھے کہہ لینے دیجئے مکمل دستاویز کی آخری مہر ہے جس سے مجالِ انکار نہیں۔ گھر خدا کا ہے اور نقشِ قدم خلیل کا۔

اگر یادوں کا منانا جرم ہوتا تو قرآن نہ کہتا کہ مقامِ ابراہیم کو اپنی سجدہ گاہ بناؤ، بلکہ یہ کہا جاتا کہ اللہ کے گھر سے اسے الگ کیا جائے۔ لیکن کوئی اور نہیں خدا خود فرماتا ہے کہ کہیں اور نہیں میرے ہی گھر میں میرے محبوب کا نقشِ قدم رہنے دو۔ تاکہ معمارِ اول کی حیثیت سے ان کی یاد ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رہے۔

عمر تمام رفت بیا تا قضا کنیم
عمریکہ بے حضورِ صراحی و جام رفت

باطل سوز و ایمان افروز تحریر

از شہنشاہِ قلم
حضرت علامہ ارشد القادری
(بانی جامعہ نظام الدین دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین ٥ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین ٥ وعلیٰ آلہ واصحابہ وحزبہ اجمعین

اپنے گردوپیش پر اگر آپ گہری نظر ڈالیں تو ہر پیکرِ وجود کی تین حالتیں آپ کو ملیں گی۔ ابتداء، ارتقاء اور اختتام۔ کیا انسان کیا حیوان، کیا نباتات کیا جمادات ہر شے انہی تین حالتوں میں محصور نظر آئے گی۔

انسان پیدا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے مر جاتا ہے۔ کلی مسکراتی ہے پھول بنتی ہے مرجھا جاتی ہے۔ چاند پہلے دن ہلال کی شکل میں طلوع ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے مہِ کامل بنتا ہے اس کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ غرض کائنات کی جس شے کو دیکھئے ابتداء ارتقاء اور اختتام کے مرحلوں سے گزرتی ہوئی نظر آئے گی۔ یہاں تک کہ ایک دن یہ دنیا ہی اپنی بے شمار نیرنگیوں کے ساتھ اختتام کو پہونچ جائے گی پھر جب صورتِ حال یہ ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ نبوت جو ایک بار آگئی اب اس کا سلسلہ کسی ذات پر ختم نہیں ہوگا۔

پھر آخر اتنا تو سبھی مانتے ہیں کہ ابتداء اس کرۂ ارض پر کچھ نہ تھا خواہ نہ ہونے کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ تو جب ابتداء ایک چیز کسی وجہ سے نہیں تھی تو اب اس وجہ کے دوبارہ پیدا ہونے اور آبادی کے معدوم ہو جانے کے خلاف کون سی دلیل قائم کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں اب کوئی امرِ مانع نہیں ہے کہ جس طرح اول آبادی نہیں تھی آخر میں بھی نہ ہو اور ایسا ہونے کے قبل جو نبوت ہوگی وہ یقیناً آخری نبوت ہوگی۔

اسی مفہوم کو سرکارِ ارض و سما، صاحبِ لولاک لما صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ظاہر فرمایا ہے کہ اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَھَاتَین میری ان دو انگلیوں کے درمیان جس طرح کوئی فصل نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے میری نبوت بالکل آخری نبوت ہے۔

یہ بات جملۂ معترضہ کے طور پر بحث کے درمیان نکل آئی ورنہ سلسلۂ کلام یہ چل رہا تھا کہ جس طرح ہر چیز اپنے نقطۂ ارتقاء پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح سلسلۂ نبوت بھی اگر اپنے نقطۂ ارتقاء پر پہنچ کر ختم ہو جائے تو کون سی

چیز مانع ہے؟ اب رہا سوال اس کے نقطۂ ارتقاء پر پہنچنے کا! تو اس بارے میں دو ہی صورت ممکن ہے یا یہ کہ نبوت نقطۂ ارتقاء پر پہنچ گئی یا نہیں پہنچی۔ اگر پہنچ گئی تو سمجھ لیجئے کہ اختتام واقع ہو گیا۔ کیونکہ قانون فطرت کے مطابق ارتقاء کی آخری منزل اختتام ہی ہے —

اور اگر نہیں پہنچی تو نئی نبوت کا انتظار کرنے والے انتظار کریں لیکن پہلے اتنا بتا دیں کہ کسی بھی متفقہ نبوت سے لیکر آج تک جس پر مسلم عقیدے کے مطابق چودہ سو سال، عیسائی عقیدے کے مطابق دو ہزار برس اور یہودی عقیدے کے مطابق اسی کے قریب یا اس سے زیادہ کی جو مدت گزر چکی ہے تو اس مدت میں کوئی نیا نبی کیوں نہیں آیا؟ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھیجنے والے ہی نے دروازہ بند کر دیا۔

متفقہ نبوت سے میری مراد ایسا نبی ہے جو اپنے ملک و قوم کے علاوہ اپنی پیغمبرانہ عظمت کی تصدیق دیگر اہل مذاہب کے افراد سے بھی کرا چکا ہو۔ جیسے ہمارے آقائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کہ جہاں مسلمانوں کے سبھی فرقے آپ کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں وہاں دوسری اقوام کے لوگ بھی آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی عظمت و اعجاز کے قائل ہیں جیسا کہ اقوام و ملل کی تاریخ جاننے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور ہے کہ نبوت کس پر ختم ہوئی یا ہوگی۔ اس کے جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض کروں گا کہ جو نبوت کا مدعی ہے وہی بتائے گا کہ وہ آخری نبی ہے یا اور کوئی نبی اس کے بعد آ رہا ہے جیسا کہ انبیائے ماسبق کی تاریخ میں ہمیں ملتا ہے کہ ہر نبی نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ ایک نبی ہمارے بعد آ رہا ہے چونکہ نبوت کا تعلق ایمانیات سے ہے اس لئے اس اہم اور بنیادی سوال کو تشنہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔

پس صف انبیاء میں اگر کوئی نبی یہ کہتا ہوا مل جائے کہ وہ آخری نبی ہے تو سمجھ لیجئے کہ نبوت کا سلسلہ اس پر تمام ہو گیا۔ اس کے اس اعلان میں اب کسی تاویل یا بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کے قول میں تاویل کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب وہ اصول فطرت اور مسلمات عقل کے خلاف ہو۔ لیکن اگر وہ بات خود تقاضائے قانون قدرت کے مطابق ہے تو اس میں زحمت تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے اس لئے وہ بات ٹھیک اسی طور پر سمجھی جائیگی جس پر وہ اپنے الفاظ و عبارت سے ظاہر ہے۔

اب آئیے ان احادیث کی ہم آپ کو سیر کرائیں جن میں نہایت صراحت کے ساتھ سرور کونین نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا اعلان فرمایا ہے کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

پہلی حدیث حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ

العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ اَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُوْ اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ (مسلم شریف جلد ۲ کتاب الفضائل ص۲۶۱)

میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

فائدہ

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام عاقب بھی بتایا اور عاقب کی خود تفسیر فرمائی کہ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ اب یہ حدیث اس مفہوم میں صریح ہو گئی کہ حضور آخری نبی ہیں۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

دوسری حدیث

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَحْمَدُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْحَاشِرُ وَنَبِیُّ التَّوْبَۃِ وَنَبِیُّ الرَّحْمَۃِ (مسلم شریف جلد دوم کتاب الفضائل ص۲۶۱)

میں محمد ہوں اور احمد ہوں، آخری نبی ہوں، میں حاشر ہوں میں نبی توبہ اور نبی رحمت ہوں۔

فائدہ

اس حدیث میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام "المقفی" بھی بتایا ہے۔ جس کے معنی ہیں آخر میں آنے والا۔ جب کہ امام نووی نے شرح مسلم شریف میں، علامہ مناوی نے شرح کبیر میں، ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں "مقفی" کے معنی آخر انبیاء لکھا ہے۔

تیسری حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَہُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (مشکوۃ المصابیح کتاب الفضائل ص۵۱۲)

مجھے دیگر انبیاء اور رسل پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی پہلی چیز تو یہ کہ مجھے کلمات جامعہ کی صفت عطا ہوئی۔ دوسری چیز یہ کہ رعب و دبدبہ کے ذریعہ میری نصرت کی گئی تیسری چیز یہ کہ اموال غنیمت میرے لئے حلال کئے گئے چوتھی چیز یہ کہ تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور طاہر و مطہر بنائی گئی۔ پانچویں چیز یہ کہ مجھے تمام جہان کے لئے رسول بنایا گیا اور چھٹی چیز یہ ہے کہ میری ذات پر نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

چوتھی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ وَتُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَۃِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ

میری مثال اور دیگر انبیاء کی مثال اس ایوان کی طرح ہے جس کی تعمیر بہت اچھی کی گئی لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی لوگ اس عمارت کی خوبی دیکھ کر تعجب کرتے ہیں سوا اس عیب کے کہ عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں نے آکر اس ایک اینٹ کی خالی جگہ کو پر کر دیا۔ وہ ایوان بھی میرے ذریعہ اتمام کو پہنچا اور رسولوں کی

وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ
(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸)
(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین)

آمد کا سلسلہ بھی میرے اوپر اختتام کیا گیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں نبیوں کا خاتم ہوں۔

پانچویں حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ شفاعت کا سوال لیکر سارے انبیاء کے پاس جائیں گے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ ارشاد فرمائیں گے کہ آج شفاعت کا تاج محبوب کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق انور پر چمک رہا ہے تم لوگ انہی کے پاس جاؤ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔

یَا مُحَمَّدُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں

چھٹی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُہُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَكَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔
(مسلم شریف کتاب الامارۃ ص ۱۲۶)

بنی اسرائیل کے انبیاء سیاست مُدُن کے بھی فرائض انجام دیتے تھے جب ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو دوسرے نبی ان کے بعد آجاتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ساتویں حدیث

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر تاجدار کونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَّلَا فَخْرَ۔
(مشکوٰۃ کتاب الفتن ص ۵۱۳)

میں پیشوا ہوں رسولوں کا اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے اور میں انبیاء کا خاتم ہوں اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے میں شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے

آٹھویں حدیث

حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳)

اسی وقت سے میرا نام خاتم الانبیاء کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مرقوم ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب و گل کی منزل میں تھے۔

نویں حدیث

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ
(سنن ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال ص ۲۹۷)

میں جملہ صف انبیاء میں آخری نبی ہوں اور تم جملہ امتوں میں آخری امت ہو۔

دسویں حدیث

حضرت سعد ابن ابی وقاص نے بیان کیا کہ حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ
(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۸)

تم میرے لئے اسی درجہ میں ہو جس درجہ میں حضرت موسیٰ کے لئے حضرت ہارون تھے۔ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے

گیارہویں حدیث

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے

ہیں کہ سید العالمین حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔	میری امت میں تیس جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الفتن ص۴۶۵)

یہ حدیث پاک چند اہم ترین نکتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق امت میں ایسے افراد ضرور پیدا ہوں گے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے۔ بلکہ یہ اگر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جھوٹے مدعیان کو دیکھ کر ہمیں اپنے نبیٔ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ سارے مدعیان نبوت جھوٹے اور کذاب ہوں گے۔ ان کا دعویٰ صداقت پر نہیں بلکہ دجل اور فریب پر مبنی ہوگا اس خبر کے بعد اب کسی مدعیٔ نبوت کے بارے میں اس کے دعوے کی سچائی کو پرکھنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کیونکہ امت کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی نئے مدعیٔ نبوت کا جھوٹ فاش کرنے کے لئے یہ دلیل بہت کافی ہے کہ حضور رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔

اب اس دلیل کے بعد نہ کسی بحث و حجت کی گنجائش ہے اور نہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نئے مدعیٔ نبوت کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں کیا دلائل ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات

میری امت میں سے تیس ۳۰ جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہونگے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کریگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

اظہر من الشمس ہو گئی کہ سارے انبیاء و مرسلین میں سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تنہا ذات ہے جس نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ میں سارے انبیاء کا خاتم ہوں۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس اعلان کے بعد اب نہ کسی نئے نبی کا ہمیں انتظار ہے اور نہ کسی نئے مدعیٔ نبوت کی آواز پر ہمیں کان دھرنے کی ضرورت ہے۔

اب اس بحث کا ایک آخری گوشہ اور باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی طے ہو جائے تو یہ بحث اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ مکمل ہو جائیگی اور وہ یہ ہے کہ آنے والے کا اعلان تو ہم نے سن لیا کہ وہ آخری نبی ہے وہ انبیاء کا خاتم ہو کر آیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس طرح کا کوئی اعلان بھیجنے والے کی طرف سے بھی ہے یا نہیں؟ بھیجنے والے کی طرف سے بھی اس طرح کا کوئی اعلان ہمیں مل جاتا ہے تو اب ختم نبوت کے عقیدے پر دونوں طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ اب اپنے قلوب کا دروازہ کھول کر بھیجنے والے کا اعلان سنئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا — محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ

اَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ	نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

احادیث میں لفظ "خاتم النبیین" کی تفسیر خود حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ منقول ہے "اَنَا خَاتَمُ النبیین لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" میں انبیاء کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دیگر احادیث میں آخر الانبیاء کے لفظ سے بھی خاتم النبیین کی تفسیر کی گئی ہے۔ اسی لئے صحابۂ کرام سے لیکر، سارے اکابرین امت اور سلف صالحین تک سب نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخر الانبیاء ہے۔

انہی نصوص اور اجماع امت کی بنیاد پر ختم نبوت کا یہ عقیدہ ایک ہزار چار سو برس سے کروڑوں، اربوں انسانوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔

مزید براں اس عقیدہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ یہ بھی ہے کہ مذہب کی بے شمار شاخوں میں طرح طرح کے اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے۔ پھر چودہ سو برس سے اربہا ارب انسانوں کے سوچنے کا ایک ہی انداز حسن اتفاق کا نتیجہ ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھا جائے کہ میری امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہوگی۔

بات اپنے سارے گوشوں کے ساتھ اگرچہ تمام ہو گئی مگر طمانیت قلب کے لئے ذرا اس پر بھی غور کرتے چلئے کہ آیا نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت جاری رہنے کا کوئی قرینہ و امکان بھی ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق ہم علم و یقین کی آخری چوٹی پر کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ مدت ہوئی امکان کا دروازہ مقفل ہو چکا ہے اور قرینے کا فقدان تو ایسا ہے کہ دونوں

مقام خلیل بخریہ کی پرشکوہ مسجد
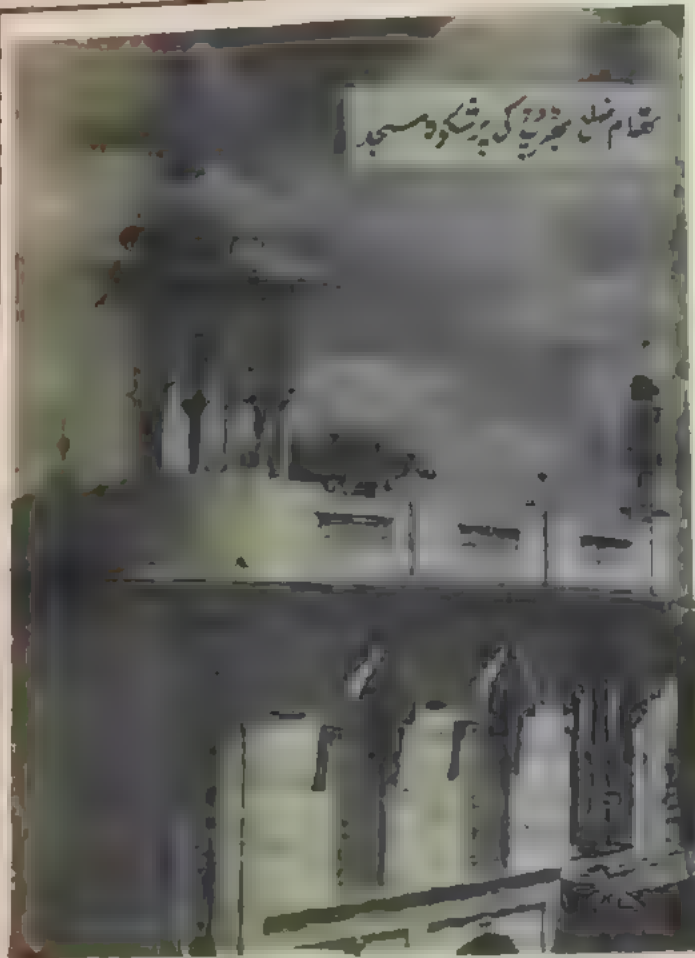
جہاں میں چراغ لیکر ڈھونڈیئے تو کہیں نہیں ملے گا۔

پھر امکان ہوتا تو وہ صادق و امین پیغمبر جس نے نزول مسیح کی خبر دی ہے۔ وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم ہے۔ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میری جرأت رندانہ معاف کیلئے تو دو قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ یہ ارشادات اس نبی کے ہیں جس کی زبان پر تقدیر کے نوشتے ڈھلتے ہیں۔ اس لئے بالفرض اس سے پہلے امکان تھا بھی تو اب نہیں ہے کیونکہ دنیا میں ہر چیز ممکن ہوسکتی ہے پر رسول کا کذب ممکن نہیں ہے اور قرینے کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو اس کے ملنے کی بہترین جگہ کتاب الہٰی تھی۔ جبکہ تیس پارے کی ضخیم کتاب میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جہاں یہ قرینہ موجود ہو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی اور نبی آنیوالا ہے بلکہ اس کے برعکس قرینہ نہیں صراحت موجود ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم پیغمبراں ہیں و لکن

رسول اللہ وخاتم النبیین ؐ

مرزا غلام احمد قادیانی کا محاسبہ

یہاں تک عقیدۂ ختم نبوت کے مختلف گوشوں پر بحث تھی، جو عقل و نقل اور تاریخ کی روشنی میں مکمل ہو گئی اب ہم ذیل میں منکرین ختم نبوت کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں کا بھی ایک تنقیدی جائزہ لینا چاہتے ہیں تاکہ جو لوگ جہل و کفر کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں وہ ہدایت و ایمان کے اجالے میں آجائیں۔ مرزا جی کی تکذیب کے لیے جہاں قرآن و حدیث اور اجماع امت کی بو جھل شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں جن کے کچھ نمونے پچھلے صفحات میں آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں وہاں مرزا جی کے دعوؤں کی تفصیل ہی انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے الگ سے انکی دروغ بیانی کا ثبوت فراہم کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اپنے بارے میں انہوں نے جو عجیب و غریب دعوے کئے ہیں اب ان کی مضحکہ خیز تفصیل ملاحظہ فرمائیے ــــ

(۱) میں نبی ہوں (۲) خدا ہی نے میرا نام نبی و رسول رکھا ہے (۳) میں ظلی نبی ہوں (۴) میں بروزی نبی ہوں (۵) میں مسیح موعود ہوں (۶) میں مہدی ہوں (۷) میں مجدد ہوں (۸) میں محمد کی بعثت ثانیہ ہوں یعنی میرے پیکر میں خود محمد نے ظہور کیا ہے (۹) میں مسیح کی بشارت اور اسمہ احمد کا مصداق ہوں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ (قادیانی رسائل و کتب سے ماخوذ)

یہ ہیں وہ کل دعوے جو مرزا جی نے اپنے متعلق کئے ہیں۔ یہ تمام دعوے آپس میں اس طرح متصادم ہیں کہ انہیں ایک محل میں جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک ہی منہ سے نکلے ہوئے یہ دعوے ہیں اس لئے ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی۔

مرزا جی کے دعوؤں کا تنقیدی جائزہ

کسی بھی اجنبی آدمی کو مرزا جی کے ان دعوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد جس حیرانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے

(۱) بفرض محال اگر وہ خدا کی طرف سے انہی معنوں میں نبی اور رسول ہیں جن معنوں میں پچھلے تمام انبیاء و مرسلین تھے تو پھر یہ ظلی اور بروزی نبی کا پیوند کیا کیا ہے؟ جبکہ انبیاء ماسبق میں سے ہر نبی حقیقی اور اصلی نبی تھا۔ کسی نے اپنے آپ کو ظلی یا بروزی نبی کی حیثیت سے نہیں پیش کیا۔

(۲) اور اگر ظلی و بروزی نبی ان معنوں میں نبی نہیں ہے جن معنوں میں قرآن نبی کا لفظ استعمال کرتا ہے تو پھر قرآنی نبی کی طرح اپنے اوپر ایمان لانے کا مطالبہ کیوں ہے؟ اور پھر ایک ایسی اصطلاح جو تاریخ انبیاء میں نہیں ملتی کس مصلحت سے تراشی گئی ہے۔

(۳) پھر اپنے دعوے کے مطابق مرزا جی اگر مسیح موعود ہیں تو ظلی و بروزی نبی ہونے کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ مسیح موعود مستقل نبی ہیں ظلی و بروزی نبی نہیں ہیں۔ نیز مسیح موعود صرف مسیح ہی نہیں ہیں بلکہ مسیح ابن مریم ہیں۔ لہذا یہ سوال مزید برآں ہے کہ غلام ابن چراغ بی بی مسیح ابن مریم کیونکر ہو گئے۔

(۴) اور اگر وہ مہدی ہیں تو مسیح موعود نہیں ہو سکتے کیونکہ ان دونوں اسموں کا مسمیٰ ایک نہیں ہے الگ الگ ہے۔ یعنی مہدی اور مسیح موعود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور احادیث کی روایات کے مطابق دونوں کا ظہور بھی الگ الگ ہوگا نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیغمبر ہیں جبکہ حضرت امام مہدی پیغمبر نہیں ہیں بلکہ وہ امت محمدیہ کے ایک فرد ہیں۔ اس لئے دو الگ الگ شخصیتوں کا مصداق شخص واحد کو قرار دینا کھلا ہوا دجل اور سفید جھوٹ ہے۔

(۵) اور اگر مرزا جی مجدد ہیں تو نبی ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ حدیث کی صراحت کے مطابق مجدد نبی نہیں ہوتا بلکہ افراد امت میں سے اس کی حیثیت صرف ایک دینی مصلح کی ہوتی ہے۔ لہذا مجدد ہونے کا دعویٰ اگر صحیح

نہیں ہو سکتے۔ (first line)

تسلیم کر لیا جائے تو لازماً نبی و رسول ہونے کے دعوے کی تکذیب کرنی ہوگی اور بفرض محال اگر نبی و رسول ہونے کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے تو مجدد ہونے کے دعوے کو جھٹلانا ہوگا۔ کیوں کہ دونوں دعوے ایک ساتھ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

(۶) اور اپنے دعوے کے مطابق اگر مرزا جی محمد کی بعثت ثانیہ ہیں تو پھر معاذ اللہ وہ محمد ہی ہیں کیونکہ قیامت کے دن اولاد آدم کی جو بعثت ثانیہ ہوگی تو وہاں ہر شخص اپنے اصل وجود کے ساتھ آئے گا ظل کے ساتھ نہیں لہٰذا ایسی صورت میں یا تو ظلی اور بروزی ہونے کا دعویٰ غلط ہے یا پھر محمد کی بعثت ثانیہ ہونے کی بات جھوٹی ہے۔

(۷) اب رہ گیا یہ دعویٰ کہ وہ مسیح کی بشارت اور اسمہٗ احمد کے مصداق بھی ہیں تو اس دعوے کا تضاد بھی کسی تبصرے کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اگر وہی حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت اور اسمہٗ احمد کے مصداق ہیں تو پھر اپنے آپ کو "غلام احمد" قرار دینا غلط ہے۔ کیوں کہ یہ دعویٰ کرکے تو معاذ اللہ وہ خود احمد و محمد ہونے کے مدعی ہیں۔ اور اگر وہ "غلام احمد" کو صحیح مانا جائے تو اسمہٗ احمد کے مصداق ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔

خلاصہ یہ کہ مرزا جی کے ان دعوؤں کو اگر عقل و مذہب کے ترازو میں تولا جائے تو ہر دعویٰ دوسرے دعوے کی تکذیب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ انکا کوئی دعویٰ بھی ایسا نہیں ہے جسے صحیح تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا دعویٰ دامن نہ تھامتا ہو کہ میرا انکار کرو۔

ان حالات میں یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام ہی کا کام ہے کہ مرزا جی حقیقت میں کیا ہیں۔ نبی ہونے کی بات تو ایک خواب پریشاں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابھی تو یہی سوال زیر بحث ہے کہ وہ "صحیح الدماغ" آدمی بھی تھے یا نہیں؟ کیونکہ عقل و فکر کی سلامتی کے ساتھ کوئی شخص بھی اس طرح کے متضاد دعوے ہرگز نہیں کر سکتا۔

گفتگو کا یہ انداز یا تو "چُنیا بیگم" سے جی بہلانے والوں کا ہے یا پاگل خانے کے دیوانوں کا، یا پھر کسی ایسے سنسنی خیز شاطر کا جس کی آنکھ سے شرم و حیا کا پانی اتر گیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مرزا جی کے ان دعوؤں پر خود ان کے ماننے والے بھی آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ایک طبقہ ان کے دعوائے نبوت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ انھیں صرف مجدد مانتا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ماننے والے ہی دعوے پر متفق نہیں ہیں تو دوسروں کے ماننے نہ ماننے کا سوال ہی کہاں باقی رہتا ہے۔

اخیر میں ان لوگوں سے جو مرزا جی کو "امتی نبی" مانتے ہیں چند سوال کرکے یہ بحث ختم کرتا ہوں کہ ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں خاتم پیغمبراں سرور کون و مکاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کے فیضان سے امت محمدیہ میں کوئی نبی پیدا ہوا ہو تو اس کا نام اور پتہ بتایئے؟ اسی کے ساتھ اس سوال کا بھی جواب دیجیے کہ صحیح حدیثوں میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے تیس دجالین و کذابین کی جو خبر دی گئی ہے تو اس کا مصداق مرزا غلام احمد قادیانی کیوں نہیں ہیں؟ نیز یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ احادیث کی روشنی میں مسیح موعود بطن مادر سے پیدا ہوں گے یا آسمان سے ان کا نزول ہوگا۔ اور نزول بھی ہوگا تو قادیان میں یا جامع دمشق کے مینارے پر۔

واضح رہے کہ ان سوالات سے میرا مدعا کسی بحث و مناظرہ کا دروازہ کھولنا نہیں ہے کیونکہ بحث کا سوال تو وہاں اٹھتا ہے جہاں درمیان میں عقل و استدلال کا ہاتھ ہو، ہوا پر پل باندھنے والوں سے کون دیوانہ ہے جو بحث کرے گا۔ بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ جو لوگ غلط فہمی کی راہ سے یا اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں ایک فرضی افسانے یا ایک دیوانے کی بڑ پر مذہب کی طرح یقین کئے بیٹھے ہیں، انھیں حقیقت کے عرفان کی طرف بلایا جائے اور وہ ان سوالات کی روشنی میں سچائی کی تلاش کے لئے

انہ کھڑے ہوں۔

قادیانی مذہب اور حکومت برطانیہ

تاریخی اعتبار سے یہ حقیقت اتنی واضح ہو چکی ہے کہ اب اسمیں دو رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیانی مذہب کی ولادت حکومت برطانیہ کی گود میں ہوئی اور اسی کی سر پرستی میں وہ پروان چڑھا۔ انگریزوں نے اپنے قابو کا نبی دو مقصد کے لئے مبعوث کیا تھا۔

پہلا مقصد تو یہ تھا کہ ختم نبوت کا جو عقیدہ قرآن سے ثابت ہے اُسے ایک نیا نبی بھیج کر جھٹلا دیا جائے اور ساری دنیا میں اس بات کی تشہیر کی جائے کہ قرآن کی کہی ہوئی بات غلط ہو گئی۔ اس لئے وہ خدا کی کتاب نہیں ہے کیونکہ خدا کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ نبی کی زبان و قلم سے جو بات نکلتی ہے، دنیا اسے وحیٔ الٰہی سمجھ کر بے چون و چرا قبول کر لیتی ہے۔ اس لئے ایک ایسا نبی مبعوث کیا جائے جو حکومتِ برطانیہ کا قصیدہ پڑھے مسلمانوں کو ذہنی طور پر حکومت برطانیہ کا غلام بنا کر رکھے اور مسلمانوں کے اندر سے جہاد کی اسپرٹ ختم کرائے تاکہ انگریزی حکومت کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جہاد اور بغاوت کا اندیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

ان ساری باتوں کے ثبوت کے لئے ہمیں کہیں باہر سے کوئی شہادت فراہم کرنے کی ضرورت نہیں ہے خود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے قلم سے ان ساری باتوں کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ پاسداری کے جذبے سے اوپر اٹھ کر مرزاجی کی یہ تحریریں پڑھئے۔ اپنے آقائے نعمت سرکار برطانیہ کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے مرزاجی لکھتے ہیں:-

> میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں (اشتہار مرزاجی مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲ ص ۶۹)

> قادیانی مذہب کی ولادت حکومت برطانیہ کی گود میں ہوئی اس کا مقصد تھا کہ وہ حکومت برطانیہ کا قصیدہ پڑھے مسلمانوں کو ذہنی طور پر حکومت برطانیہ کا غلام بنا کر رکھے اور مسلمانوں کے اندر سے جہاد کی اسپرٹ ختم کرا دے۔

مرزاجی کا ایک اشتہار اور پڑھئے۔ اپنے منعم کی بے التفاتی کا شکوہ کتنی دردناک حیرت کے ساتھ زبان پہ ہے

> بار بار بے اختیار دل میں یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گذاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالف جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام رکھوائے اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم دن رات کیا خدمت کر رہے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ میری خدمات کی قدر کرے گی (تبلیغ رسالت ج ۵ ص ۱۰-۱۱)

سالٹھ سالہ جوبلی کے موقع پر مرزاجی نے ملکہ وکٹوریہ کو ایک نامۂ عقیدت ارسال کیا تھا۔ اس کا جواب موصول نہ ہونے پر

جذبۂ شوق کی بجلی ملاحظہ فرمایئے :-

اس عاجز کو وہ اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور محبت اور جوشِ اطاعت جو حضور ملکہ معظمہ اور اس کے معزز افسروں کی نسبت حاصل ہے جو میں ایسے الفاظ نہیں پاتا جن میں اس اخلاص کا اندازہ بیان کر سکوں۔

اس سچی محبت اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرۂ ہند (۱) ادام اقبالہا کے نام سے تالیف کر کے اور اس کا نام "تحفۂ قیصریہ" رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہوگا...... مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمۂ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا۔

(ستارۂ قیصرہ ص۲ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا جی کی مذکورہ بالا تحریروں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ قادیانی مذہب کے ساتھ انگریزوں کا سرپرستانہ تعلق کیسا تھا اور نیازمندی کے کس والہانہ جذبے کے ساتھ انہوں نے اپنی مصنوعی اور باطل نبوت کے فروغ کے لئے انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کی اب چشمِ عبرت کھول کر عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف انگریزوں کی درپردہ سازش کی ایک دل ہلا دینے والی کہانی اور پڑھئے جس کا عنوان ہے۔

دیوبند اور قادیان

قادیان سے ایک مصنوعی پیغمبر کو کھڑا کرنے اور اس کی دعوت کو فروغ دینے کے لئے جہاں انگریزوں نے اپنے سرکاری وسائل کا استعمال کیا وہاں علمی اور فکری طور پر نئی نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے دیوبندی اکابر کے علمی اور مذہبی اثرات سے بھی کام لیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی جدید نبوت کی راہ میں ختم نبوت کا یہ قرآنی عقیدہ ہمیشہ حائل رہا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں پیدا ہو سکتا۔

اب نئی نبوت کی راہ میں قرآن کی طرف سے جو رکاوٹ کھڑی تھی اسے دور کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو قرآن کی اس آیت ہی کو بدل دیا جائے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صراحت کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ موجود ہے جس کے معنیٰ آخری نبی کے ہیں یا پھر خاتم النبیین کا لفظ جوں کا توں باقی رہنے دیا جائے صرف اس کا مفہوم بدل دیا جائے۔

پہلا راستہ ممکن نہیں تھا کہ روئے زمین پر قرآن کے کروڑوں نسخے اور لاکھوں حفاظ موجود تھے، لفظ کی تحریف چھپائے نہیں چھپ سکتی تھی اس

مزار حضرت شاہ محمد محمود صوفی سرپرست خلف اکبر حضرت نشاط الدین اولیاء علیہ الرحمۃ (شاہ پور کبیر)

لئے معنوی تحریف کا راستہ اختیار کیا گیا اور طے پایا کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی "آخری نبی" جو عہد صحابہ سے لیکر آج تک ساری امت میں شائع اور ذائع ہے، اسے بدل دیا جائے اور اس لفظ کا کوئی ایسا معنی تلاش کیا جائے جو کسی نئے نبی کے آنے میں رکاوٹ نہ بنے چنانچہ راستے کا یہ پتھر ہٹانے کے لئے دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ میں اپنی طرف سے ان کے خلاف کوئی الزام نہیں عائد کر رہا ہوں بلکہ خود ایک قادیانی مصنف نے اپنی کتاب "افادات قاسمیہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب سالہا سال سے چھپ رہی ہے لیکن دیوبند سے اب تک اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس سے سمجھا جاتا کہ قادیانیوں کی طرف سے نانوتوی صاحب کے خلاف جھوٹا الزام عائد کیا گیا ہے۔

اب قادیانی مصنف ابو العطا جالندھری کی اس عبارت کی ایک ایک سطر خوب غور سے پڑھئے اور ذہن و فکر کے تہہ خانے میں اتر کر چھپی ہوئی سازشوں کا سراغ لگائیے۔

> یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے "امتی نبوت" کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند) کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت کے لئے رہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتاب اور اپنے بیانات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دل کش تشریح فرمائی۔
>
> بلاشبہ آپ کی کتاب "تحذیر الناس" اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے۔

(افادات قاسمیہ مطبوعہ ربوہ پاکستان)

دیکھ رہے ہیں آپ ساحران افرنگ کا یہ تماشا! کتنی خوبصورتی کے ساتھ ایک شرمناک سازش کو الہام کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ گویا یہ سارا اہتمام خدائے قدیر کی طرف سے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت سے پہلے نانوتوی صاحب "تحذیر الناس" نام کی ایک کتاب لکھیں اور اس میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کا انکار کر کے ایک نئے نبی کی آمد کے لئے راستہ ہموار کریں۔ نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں اس بات کی بھر پور کوشش کی ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" یعنی خاتم النبیین کے لفظ کا انکار بھی نہ ہو اور نئے نبی کی آمد کے لئے راستہ بھی ہموار ہو جائے۔ تاکہ انگریزوں کا حق نمک بھی ادا ہو جائے اور مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھ سکیں کہ ہم لوگ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن خدائے پاک جزائے خیر دے ان علمائے حق کو جنہوں نے تحذیر الناس کے فریب کا پردہ چاک کر کے عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف ایک گہری سازش کو ہمیشہ کیلئے بے نقاب کر دیا۔

قارئین کرام اگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تحذیر الناس نامی کتاب میں کیا ہے، قادیانی مصنفین اس کی تعریف میں رطب اللسان کیوں ہیں اور اس کتاب کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے نئے نبی کی آمد کے لئے راستہ کس طرح ہموار کیا ہے تو ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو کر سنجیدگی کے ساتھ آنے والی بحث کا مطالعہ کریں۔ سازشوں کی یہ داستان بڑی لمبی اور پر فریب ہے۔

قصہ تحذیر الناس کی پُر فریب سازش کا

بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں آپ یہ پورا قصہ قادیانی مصنفین کی زبانی سنیئے۔ تمہید کے طور پر ایک قادیانی مصنف اس قصے کا آغاز کرتا ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی (یعنی قادیانی) ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمۂ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانیں۔

قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب ع ۵) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی جوان مرد کے باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اس آیت کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خاتم النبیین نہیں تھے۔ جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور نہ ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور شان اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس عزت اور شان کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(پیغام احمدیت ص ۱۰)

اس عبارت میں خط کشیدہ سطروں کو پھر ایک بار غور سے پڑھئے کہ بحث کا یہی وہ ساز نقطہ ہے جہاں سے لفظ خاتم النبیین کے اس معنی کے انکار کا راستہ کھلتا ہے، جو نئے نبی کی راہ میں حائل ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں قادیانیوں کا یہ دعویٰ اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبیین کے اس معنی کا انکار کرتے ہیں جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور اسی انکار پر انہیں ختم نبوت کا منکر کہا جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبیین کا وہ کون سا معنیٰ ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور سب سے پہلے اس معنیٰ کا انکار کس نے کیا ہے۔ اتنی تفصیل کے بعد اب ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر تحذیر الناس کے مصنف مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کارگذاریوں کے متعلق ایک قادیانی مصنف کا یہ بیان پڑھئے اور عقیدۂ ختم نبوت کے انکار کے سلسلے میں اصل مجرم کا سراغ لگائیے۔

> تمام مسلمان فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کیونکہ قرآن مجید کی نص وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں آپ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے نیز اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لفظ خاتم النبیین بطور مدح و فضیلت ذکر ہوا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے کیا معنیٰ ہیں یقیناً اس کے معنیٰ ایسے ہی ہونی چاہئیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مدح ثابت ہو

اسی بنا پر حضرت مولوی محمد قاسم

صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے عوام کے معنوں کو نادرست قرار دیا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں — عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمایا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

(تحذیر الناس ص۳)

در رسالہ خاتم النبیین کے بہترین معنی ص۲ شائع کردہ قادیان)

آسان لفظوں میں نانوتوی صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے معنیٰ آخری نبی قرار دینا یہ ناسمجھ عوام کا خیال ہے جو کسی طرح بھی قابل التفات نہیں ہے۔ اہل فہم طبقہ اس لفظ کے معنیٰ آخری نبی کے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ زمانے کے اعتبار سے کسی کا پہلے ہونا یا آخر میں ہونا کچھ خاص مدح اور فضیلت کی چیز نہیں ہے۔ اس لفظ کے معنی آخری نبی قرار دینے میں چونکہ حضور کی کوئی خاص فضیلت نہیں نکلتی اس لئے یہ معنیٰ اگر مراد لیا جائے تو مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا ذکر کرنا لغو ہو جائیگا۔

غور فرمائیے! ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک کتاب و سنت کی روشنی میں ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ اس لفظ سے اگر حضور کو آخری نبی نہ مانا جائے تو نئے نبی کی آمد کا راستہ کس دلیل سے بند کیا جا سکتا ہے۔

ساری امت میں نانوتوی صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننے سے انکار کیا ہے تاکہ قادیان سے ایک نئے نبی کی آمد کیلئے راستہ صاف ہو جائے۔

نانوتوی صاحب کے حامیوں کا منہ بند کرنے کے لئے میں اس مسئلے میں انہی کے گھر کی ایک مضبوط شہادت پیش کرتا ہوں۔ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی اپنی کتاب "ایرانی انقلاب" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> یہ عقیدہ کہ نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے، اُن آیات قرآنی اور احادیث متواترہ کی تکذیب ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے (ایرانی انقلاب ص۳)

یہ عبارت چیخ رہی ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا وہ آیاتِ قرآنی اور احادیث متواترہ کا انکار کرتا ہے۔ اور دوسرے لفظوں میں وہ نئے نبی کی آمد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔

یہی وہ گراں قدر خدمت ہے جس کے صلے میں قادیانی جماعت کی طرف سے مولانا قاسم نانوتوی کے حضور میں خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ ایک قادیانی مصنف لکھتا ہے۔

> جماعت احمدیہ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنوں کی تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے۔
>
> (افادات قاسمیہ ص۱۶)

ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی بات آسانی

سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مخالف کے مسلک پر قائم رہنے کا عہد ہرگز نہیں کر سکتا۔ پیچھے چلنے کا پُرخلوص جذبہ اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جسے اپنا ہم سفر اور مقتدا سمجھا جائے۔

ایک ہی تصویر کے دو رُخ

پچھلے اوراق میں خاتم النبیین کے معنی کے سلسلے میں قادیانی مصنفین کی عبارتیں آپ کی نظر سے گذر چکیں اور مولانا قاسم نانوتوی کی وہ تحریر بھی آپ نے پڑھ لی جسے اپنی حمایت و تائید میں قادیانی مصنف نے تحذیر الناس سے نقل کیا ہے۔ اب ان نتائج پر غور فرمایئے جو ان عبارتوں کے تجزیہ کے بعد سامنے آتے ہیں تاکہ یہ حقیقت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دیوبند اور قادیان کے درمیان فکر اور استدلال کی کتنی گہری یکسانیت ہے اور دیوبند صرف وہابیت ہی کا نہیں قادیانیت کا بھی محسن اعظم ہے۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی کی صراحت کے مطابق خاتم النبیین کے لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا یہ معاذ اللہ ناسمجھ عوام کا شیوہ ہے۔ امت کا سمجھدار طبقہ خاتم النبیین کے لفظ سے آخری نبی مراد نہیں لیتا انہی سمجھدار لوگوں میں ایک سمجھدار مولانا نانوتوی بھی ہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ خاتم النبیین کے اجماعی معنی کو مسخ کر کے حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار سب سے پہلے مولانا قاسم نانوتوی نے کیا ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے اگر انکار میں پہل کی ہوتا تو ہرگز یہ اعلان نہ کرتے کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی کی تشریح کے سلسلے میں جماعت احمدیہ مولانا نانوتوی کے مسلک پر قائم ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے انکار کے سلسلے میں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا نانوتوی کے انداز فکر اور طریقۂ استدلال میں پوری یکسانیت ہے۔ چنانچہ قادیانیوں کے یہاں بھی خاتم النبیین کے اصل مفہوم کو مسخ کرنے کے لئے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا سہارا لیا گیا ہے اور نانوتوی صاحب بھی مقام مدح کہہ کر آخری نبی کے معنی کے انکار کیلئے حضور کی عظمت شان ہی کو بنیاد بنا رہے ہیں۔

وہاں بھی کہا گیا ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ سے حضور کو آخری نبی سمجھنا یہ معنی عام مسلمانوں میں رائج ہیں اور یہاں بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ معنی عوام کے خیال میں ہیں۔

اتنی عظیم مطابقتوں کے بعد اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں کا نقطۂ نظر الگ الگ ہے۔ دنیا سے انصاف اگر رخصت نہیں ہو گیا ہے تو اب اس انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیان اور دیوبند ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں یا ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں کوئی پہنچ گیا ہے کوئی رہ گذر میں ہے۔

پس خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کے انکار کی بنیاد پر اگر قادیانی جماعت کو منکر ختم نبوت کہنا امر واقعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی انکار کی بنیاد پر دیوبندی جماعت کو بھی منکر ختم نبوت نہ قرار دیا جائے۔

صفائی میں کوئی یہ کہے کہ قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملاً ایک نیا نبی مان چکے ہیں اسلئے انہیں منکر ختم نبوت کہنا واقعہ کے عین مطابق ہے۔ میں جواباً عرض کرونگا کہ عقیدے کی حد تک یہی مسلک تو دیوبندی جماعت کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہوا ہے۔

> اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور قائم رہتا ہے۔
> (تحذیر الناس ص۱۴)

> اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا (ص۲۸)

غور فرمائیے جب دیوبندی جماعت کے یہاں بھی بغیر کسی قباحت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو سکتا ہے، تو قادیانیوں کا اس سے زیادہ اور قصور ہی کیا ہے کہ جو چیز اہل دیوبند کے یہاں جائز و ممکن تھی اُسے انہوں نے واقع کر لیا۔ اصل کفر تو نئے نبی کے جواز و امکان سے وابستہ تھا۔ جب وہی کفر نہ رہا تو اب کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھنے کا ہمارے پاس ذریعہ کیا رہا۔

کیونکہ اس راہ میں عقیدے کی جو سب سے مضبوط دیوار حائل تھی وہ تو یہی تھی کہ قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں چونکہ حضور آخری نبی ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا نبی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب دیوبندی جماعت کے نزدیک حضور آخری نبی بھی نہیں ہیں اور کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اب آخر کس بنیاد پر کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھا جائے گا اور کس دلیل سے کسی نئے نبی پر ایمان لانا کفر قرار پائے گا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بنیادی سوال کے لحاظ سے دیوبندی جماعت اور قادیانی جماعت کے درمیان قطعاً کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

میری اس مدلل رائے سے اگر دیوبندی مذہب کے علماء کو اختلاف ہو تو وہ کھلے بندوں یہ اعلان کر دیں کہ تحذیر الناس ان کی کتاب نہیں ہے اور یہ اگر ممکن نہ ہو تو تحذیر الناس میں کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ جن دو بنیادی عقیدوں کا انکار کیا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں حضور خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے، اس کے خلاف فتوے کی زبان میں اپنی مذہبی بیزاری کا صاف صاف اعلان کریں۔

واضح رہے کہ وہ دو بنیادی عقیدے جن کا تحذیر الناس میں انکار کیا گیا ہے، یہ ہیں:-

پہلا عقیدہ ـــــ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں

دوسرا عقیدہ ـــــ کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور کی خاتمیت باقی نہیں رہ سکتی۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ دیوبندی علماء تحذیر الناس کے خلاف یہ اعلان ہرگز نہیں کریں گے۔ کیونکہ انھوں نے اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کو اب تک تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔ بہر حال کوئی وجہ بھی ہو اگر وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اسلامی دنیا کا جو الزام قادیانی جماعت پر ہے وہی الزام دیوبندی جماعت پر بھی عائد کیا جائے گا۔

ختمِ نبوّت کا انکار وراثت میں

عقیدۂ ختم نبوت کے انکار کا جو سنگ بنیاد مولانا قاسم نانوتوی نے رکھا تھا، اسے بعد کے آنے والوں نے صرف محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اس پر عمارت بھی کھڑی کر دی۔ اس سلسلے میں قاری طیّب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کی کارگزاری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انھوں نے اپنے دادا جان کے اس نظریہ کی تبلیغ و اشاعت میں ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

نمونے کے طور پر ان کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جسے مفتیان دیوبند نے الکشاف نامی کتاب میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم امکان میں سرچشمۂ علوم و کمالات ہیں حتی کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی فیض ہیں خاتم النبیین کی نبوت کا۔ درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے (الکشاف مطبوعہ دیوبند ص ۲۴۳)

جب حقیقی نبی آپ ہیں تو ظاہر ہے کہ دوسرے انبیاء

بھی وہ فارمولا ہے ۔ جیسے مرزا مجازی اور ظلی نبی ہوں گے ۔ غلام احمد قادیانی نے ظلی نبی، بروزی نبی اور امتی نبی کے نام سے اپنے لئے ایجاد کیا ہے ۔

تقریر کے علاوہ "آفتاب نبوت" کے نام سے اسی عنوان پر انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے اس میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں ۔

حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا، نبی ہوگیا ۔

(آفتاب نبوت ص۱۹)

اس عبارت پر مدیر تجلی آنجہانی مولانا عامر عثمانی کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمایئے ۔ یہ تبصرہ نہیں ہے بلکہ دیوبندی جماعت کی پشت پر قہر الٰہی کا ایک عبرتناک تازیانہ ہے ۔ تحریر فرماتے ہیں ۔

قادیانیوں کو اس سے استدلال ملا کہ روح محمدی تو بہر حال فنا نہیں ہوئی وہ آج بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے ۔ کوئی وجہ نہیں کہ پہلے اس نے ہزاروں انسانوں کو نبوت بخشی تو اب نہ بخشے ۔

(تجلی دیوبند نقد و نظر نمبر ص۲)

اب اسی کے ساتھ تجلی کے حوالے سے مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ بھی پڑھ لیجئے تاکہ یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجائے کہ مہتمم صاحب نے آفتاب نبوت لکھ کر درپردہ کس کا حق نمک ادا کیا ہے ۔

اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئی اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے ۔ اور آپ کی توجہ روحانی "نبی تراش" ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور کو نہیں ملی ۔

(حقیقۃ الوحی بحوالہ تجلی نقد و نظر نمبر ص۲)

اب عین دوپہر کے اجالے میں مہتمم صاحب کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں تو مہتمم صاحب موصوف اور مرزا صاحب دونوں کی تحریروں کو ایک جگہ رکھ کر مدیر تجلی کا یہ دھماکہ خیز بیان پڑھیئے ۔

حضرت مہتمم صاحب نے حضور کو "نبوت بخش" کہا تھا، مرزا صاحب "نبی تراش" کہہ رہے ہیں حرفوں کا فرق ہے معنی کا نہیں !

(تجلی نقد و نظر نمبر ص۲)

کیا سمجھے آپ ؟ دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح مرزا صاحب کا عقیدہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے بلکہ آج بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ نبوت کی استعداد رکھنے والے کسی شخص پر پڑ جائے تو وہ نبی ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح مہتمم صاحب بھی حضور کو "نبوت بخش" کہہ کر بالکل اسی عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں ۔ الفاظ و بیان میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدعا دونوں کا ایک ہے ۔

واضح رہے کہ مدیر تجلی کا یہ تبصرہ الزام نہیں، بلکہ عین امر واقعہ ہے کیونکہ دونوں کے انداز فکر میں اتنی عظیم مطابقت ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی خط فاصل نہیں کھینچا جا سکتا ۔ مثال کے طور پر مرزا صاحب نے اپنے دعوائے نبوت کے جواز میں مجازی، ظلی اور امتی نبی کا ایک نیا فارمولا تیار کیا تھا اور مہتمم صاحب کی تقریر کا جو اقتباس مفتیان دیوبند نے انکشاف نامی کتاب میں پیش کیا ہے، اس میں مہتمم صاحب نے بھی اسی فارمولے کی زبان استعمال کی ہے جیسا کہ ان کی تقریر کا ایک فقرہ نقل کیا گیا ہے ۔

در حقیقت حقیقی نبی تو آپ ہیں آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے ۔

غلط جذبۂ پاسداری سے بالاتر ہو کر انصاف کیجئے کہ یہ بالکل مرزا صاحب کی زبان ہے یا نہیں ؟

"در حقیقت حقیقی نبی آپ ہیں" کا مدعا سوا اس

کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کے سوا دوسرے تمام انبیاء مجازی اور ظلی نبی ہیں۔ یہی مرزا صاحب نے بار بار کہا ہے اور یہی بات مہتمم صاحب فرما رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے، معنی کا نہیں۔

"آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے"

یہ فقرہ بھی قادیانیوں کے اس دعوے کو تقویت پہنچاتا ہے کہ جب آپ کی نبوت کے فیض سے پہلے بھی انبیاء بنتے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اب یہ سلسلہ بند ہو جائے۔

تصویر کا رُخ زیبا

مدرسۂ دیوبند کے سربراہوں کے ذریعہ قادیانی مذہب کو کتنی تقویت ملی، اسے پھولنے پھلنے کے کتنے مواقع میسر آئے اور ذہن کی فضا ساز گار بنانے کے لئے کیسے کیسے ایمان سوز نوشتے ہاتھ آئے اس کی قدرے تفصیل پچھلے اوراق میں آپ کی نگاہ سے گذر چکی۔ اب بریلی کے مرکز رشد و ہدایت کا بھی ایک جلوہ ملاحظہ فرمائیے!

وہ تاج برطانیہ جس کی حدود مملکت میں سورج نہیں غروب ہوتا تھا، نہ وہ بریلی کا قلم خرید سکا، نہ اس فتنے کی سرکوبی کے سلسلے میں حکومت کی سطوت و جبروت کا کوئی خطرہ وہاں حائل ہو سکا۔ ادھر فتنہ نے جنم لیا اور ادھر سر خیل کاروانِ سنّت مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا کے قلم کی تلوار بے نیام ہو گئی۔ یہ پوری کہانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی زبانی سنئے کہ اسے دوست کا نہیں دشمن کا اعتراف کہا جائے گا۔

موصوف اپنے پیر و مرشد شاہ عبد القادر رائے پوری کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ــــ

حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ اُجِيبُ كُلَّ دُعَائِكَ إِلَّا فِي شُرَكَائِكَ (میں تمہاری ہر دعاء قبول کروں گا سوا ان دعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہوں)

حضرت نے مرزا صاحب کو اسی الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے اس لئے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لئے دعا کریں۔

وہاں سے عبد الکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہنچا، تمہارے لئے خوب دُعا کرائی گئی۔ تم کبھی کبھی اس کی یاد دہانی کر دیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانے میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا، میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک کارڈ دُعاء کی درخواست کا ڈال دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے۔ میں نے بھی دیکھیں قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچے ہیں۔ (سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری ص ۵۵، ۵۶)

مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کچھ دنوں شاہ عبد القادر صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی رہے تھے لیکن دین میں اعلیٰ حضرت کی سختی انہیں پسند نہیں آئی اور وہ دوسری جگہ چلے گئے۔

اس عبارت میں ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پیر و مرشد کا کردار ملاحظہ فرمائیے۔ کہ ایک کذاب مدعی نبوت کے ساتھ

کتنی خوش عقیدگی ہے۔

اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کے ایمان ویقین کی بصیرت، حق کا عرفان اور باطل شکنی کا حوصلہ ملاحظہ فرمائیے کہ دشمن سے لڑنے کے لئے ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔

ایک اور تازہ کتاب

"خطبات حکیم الاسلام" کے نام سے مہتمم صاحب کی تقریروں کا ایک نیا مجموعہ حال ہی میں دیوبند سے شائع ہوا ہے۔ خاتم النبیین اور ختم نبوت کے عنوان کے تحت موصوف کی تقریر کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے ارشاد فرماتے ہیں۔

"خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ نبوت، علم اور اخلاق کے جتنے مراتب ہیں وہ آپ کی ذات بابرکات کے اوپر ختم ہو چکے ہیں"

ختم نبوت کا مفہوم اس اقتباس میں کتنی صفائی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے۔ (خطبات ص۲۹ قسط اول)

"ختم نبوت کے معنی قطع نبوت کا نہیں کہ نبوت قطع ہو گئی، ختم کے معنی تکمیل نبوت یعنی نبوت کامل ہو گئی۔"

(خطبات ص۲۷ قسط اول)

اور یہاں پہنچ کر تو مہتمم صاحب نے اپنے چہرے کا بالکل نقاب ہی الٹ دیا ہے۔

"ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے"

(خطبات حکیم الاسلام ص۵)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جب نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو اب جتنے نبی آجائیں انہیں کون روک سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔

نوٹ :۔ اس کتاب کا کچھ حصہ جناب ادریس عثمانی کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔

ارشد القادری

جمشید پور

تعظیم و توقیر

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

— القرآن —
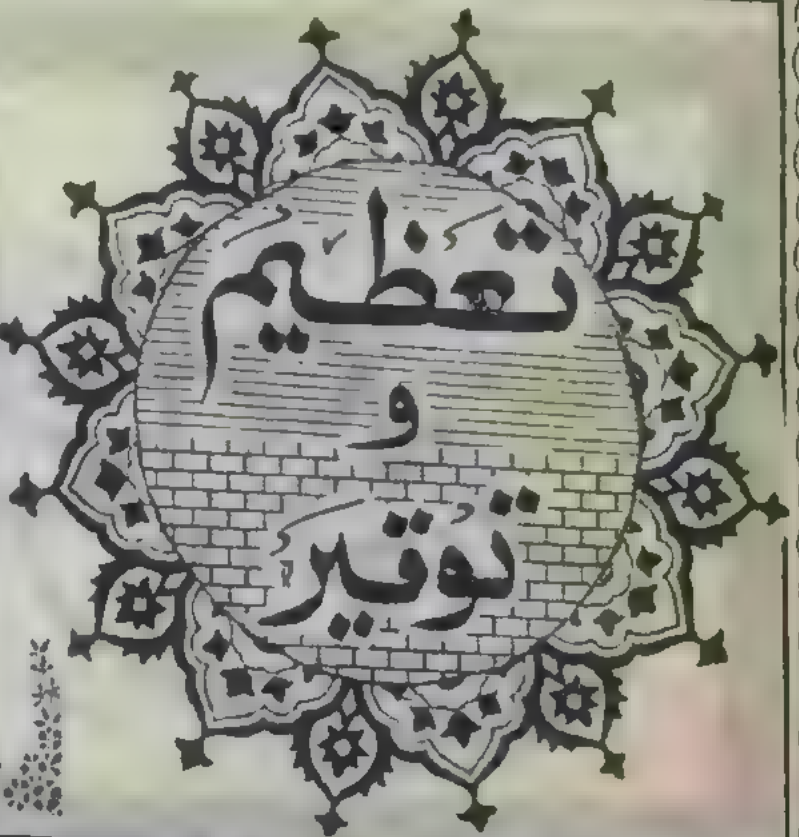
پروفیسر علامہ ڈاکٹر محمد مسعود
صاحب، پی ایچ ڈی
کراچی، پاکستان

ہم قرآن کریم نہیں دیکھتے، ہم قرآن کریم نہیں پڑھتے، سنی سنائی پر یقین کر لیتے ہیں، بہت بھولے ہیں ـــــ جب قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے[1] اور ہر بات کی تفصیل موجود ہے[2] تو پھر قرآن کریم سے کیوں نہ پوچھا جائے ـــــ ادھر اُدھر کیوں بھٹکتے رہیں؟ ـــــ ایک ایک کا مُنہ کیوں تکتے رہیں؟ ـــــ کوئی کچھ بتاتا ہے کوئی کچھ ـــــ دل اُلجھ کر رہ جاتا ہے، دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے ـــــ متاعِ عشق و محبت برباد ہونے لگتی ہے، جب وہ برباد ہو گئی تو پھر کیا رہ گیا؟ ـــــ ایک خاک کا ڈھیر، ایک بے جان لاشہ ـــــ محبت کی باتیں اتنی مشکل نہیں جو سمجھ میں نہ آسکیں ـــــ دل والا ہو تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے ـــــ یہ باتیں دماغ سوزی سے سمجھ میں نہیں آتیں ع ـــــ

ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

کسی بھی شخصیت سے جب تک محبت نہ ہو اور اس کی عظمت کا نقش دل میں نہ بیٹھے، اُس کے حضور ادب کا جذبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا ـــــ اللہ تعالیٰ نے جب محبت کی بات کی تو اپنی اور اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک ہی معیار رکھا ہے[3] دو معیار نہ رکھے تاکہ آپ کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو جائے ـــــ اپنی جان سے بڑھ کر آپ سے محبت کو ایمان کے لئے شرطِ اوّل قرار دیا (توبہ: ۱۲) ـــــ اور اس محبت کو تعظیم کے لئے شرط اوّل قرار دیا ـــــ فرشتوں کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کا نقشِ عظمت بیٹھا تو سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے[4] ـــــ برادرانِ یوسف (علیہ السلام) کے دل میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کا نقشِ عظمت بیٹھا تو سب کے سب اُن کے حضور سجدے میں گر پڑے[5]

ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو محض ایک بشر اور انسان سمجھا اس لئے تعظیم کے لئے تیار نہ ہوا اور ہمیشہ کے لئے مردود و ذلیل ہوا[۶] ـــــ محبت فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے، یہ انقلاب پیدا نہ ہو تو انجام وہی ہوتا ہے جو ابلیس کا ہوا ہمیں ہر آن اپنے فکر و نظر کی حفاظت کرنی چاہیئے ـــــ کوئی مسلمان انبیاء علیہم السلام کو محض ایک انسان اور بشر نہیں سمجھ سکتا کیونکہ یہ فکر و خیال ابلیس کا ہے، یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کا ہے جس کا بار بار قرآن کریم میں ذکر کیا گیا[۷] ـــــ کسی صحابی نے اور صلحائے امت میں سے کسی نے بھی آپ کو اپنا جیسا انسان اور بشر نہ سمجھا اور نہ کہا ـــــ ایسی سوچ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو ہی نہیں سکتی، اور جب محبت پیدا نہ ہو تو پھر تعظیم و ادب کی بات کیا کی جائے؟

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش دلوں میں جمایا پھر آپ کی عظمت کا نقش دلوں میں بٹھایا تاکہ جب ادب کی باتیں کی جائیں تو یہ باتیں دلوں میں بیٹھتی چلی جائیں ـــــ تعظیم و تکریم کے لئے فرمایا:-

۱۔ میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو[۸] ـــــ

۲۔ اس رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو[۹] ـــــ

۳۔ تو وہ جو اس پر ایمان لائیں، اور اس کی تعظیم کریں[۱۰] ـــــ

ایمان لانے کے بعد ہی تعظیم کا ذکر فرمایا پھر دل و جان سے مدد کرنے کا ذکر فرمایا، پھر آپ کی اطاعت و پیروی کا ذکر فرمایا ـــــ اس کے بعد یہ خوشخبری سنائی کہ ایمان لانے والے، تعظیم کرنے والے، مدد کرنے والے، اطاعت و پیروی کرنے والے ہی تو بامراد ہیں[۱۱] ـــــ بے شک دونوں جہاں میں سرفرازی کا یہی طریقہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے، آپ کی دل و جان سے تعظیم کی جائے اور اس تعظیم و ادب کو اپنے قول و عمل سے ظاہر کیا جائے ـــــ محبت کی خوشبو پھیلے بغیر نہیں رہتی ـــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی ذکر فرمایا ہے ـــــ جہاں اپنے حضور نافرمانی کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی نافرمانیوں کا ذکر کیا ہے[۱۲] ـــــ اور یہ کہیں نہ فرمایا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی بلکہ یہ فرما کر آپ کی عظمت کو بڑھایا، "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی"[۱۳] ـــــ مقصود و مطلوب آپ کی محبت و اطاعت ہے جس نے آپ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے آپ کی اطاعت کی اللہ کا محبوب بن گیا[۱۴] ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کے آثار اور نشانیوں کی تعظیم کا بھی حکم دیا ہے[۱۵] ـــــ کہ محبوبوں سے نسبت رکھنے والی چیزیں بھی محبوب ہوتی ہیں ـــــ یہی محبت کی فطرت ہے۔

کسی بھی شخصیت کا نقش عظمت دل میں بٹھانے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ اس کی آمد آمد کا ذکر کیا جائے اور اس کا نام نہ بتایا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ نے ظہور قدسی سے لاکھوں، کروڑوں سال پہلے انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا اور ان سے یہ عہد لیا کہ جب وہ آنے والا آئے تو سب

اُس پر ایمان لائیں اور دل وجان سے اس کی مدد کریں[۱۶] ـــــ یہ معمولی واقعہ نہیں ایک عظیم واقعہ ہے ـــــ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو دونوں ہاتھ پھیلائے اس آنے والے کے لئے دعا فرما رہے تھے[۱۷] ـــــ پھر ظہور قدسی سے تقریباً ۵۷۰ سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں اور اُس آنے والے رسول کی خبر دے رہے ہیں، ہر امتی کو جس کا انتظار تھا اور جس وسیلے سے فتح و نصرت کے لئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ (بقرہ: ۸۹) ـــــ فرما رہے ہیں، "میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا"[۱۸] ـــــ یہ رفعِ ذکر کا وہ نظارہ ہے جو سارے عالم کو دکھایا گیا[۱۹] تاکہ آپ کی شان اور دوبالا ہو جائے ـــــ پھر جس کی آمد آمد کا ذکر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنی اپنی اُمتوں میں کیا اور دُنیا میں ایک غلغلہ بپا ہوا، اچانک اُس پیکر نوری کی آمد کا اعلان فرمایا گیا[۲۰] ـــــ اور آپ کو ساری مخلوق میں افضل و برگزیدہ بنایا گیا[۲۱] ـــــ آپ کی عظمت و شان کے اظہار کے لئے آپ کے آباء کی قسم کھائی[۲۲] ـــــ آپ کی حیات مبارک کی قسم کھائی[۲۳] ـــــ آپ کے شہر مقدس مکہ معظمہ کی قسم کھائی[۲۴] ـــــ آپ کے اخلاق عالیہ کا ذکر فرمایا[۲۵] آپ کی عادت کریمہ کا ذکر فرمایا[۲۶] ـــــ آپ کے علم و فضل کا ذکر فرمایا[۲۷] ـــــ آپ کی رحمت عامہ کی شان یہ بتائی کہ سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے[۲۸] ـــــ تبلیغ و ارشاد کی شان یہ بتائی کہ آپ کی ذات سارے عالم کے لئے کافی ہے[۲۹] ـــــ نبوت و رسالت کی شان یہ بتائی کہ اب قیامت تک صرف آپ ہی کا فیض جاری رہے گا، کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا[۳۰] ـــــ اور قیامت کے دن عرش کے داہنی جانب صرف اور صرف آپ کی کرسی رکھی جائے گی (ترمذی شریف، کتاب المناقب) یہ ساری باتیں اس لئے کہی گئیں تاکہ سننے والوں کے دلوں میں آپ کا نقشِ عظمت قائم ہو اور کوئی آپ کے ظاہر کو دیکھ کر اپنے جیسا انسان نہ سمجھ بیٹھے اور دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو ـــــ جس طرح کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے سمجھا اور ذلیل و رسوا ہوئے[۳۱] ـــــ قرآن کریم کا دامن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے، دیکھنے کے لئے نظر چاہئے ـــــ آئیے کچھ اور نظارہ کریں ـــــ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ خود ہر مسلمان کی رگ جاں سے قریب ہوا[۳۲] ـــــ اور تاجدار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مسلمان کی جان سے قریب کیا[۳۳] ـــــ خود فرما رہے ہیں، "کوئی مومن ایسا نہیں جس کے ساتھ میں، دنیا و آخرت میں قریب نہیں"[۳۴] ـــــ آپ کی شان کیا بیان کی جائے، ساری امت پر آپ کو گواہ بنایا گیا[۳۵] ـــــ آپ کو وہ قرآن عطا فرمایا جس میں ہر چیز کا روشن بیان اور تفصیل موجود ہے[۳۶] ـــــ آپ کو ہزار مہینوں سے افضل لیلۃ القدر عطا کی گئی[۳۷] ـــــ آپ کو "مقام محمود" کی بشارت سنائی گئی[۳۸] ـــــ آپ پر درود بھیج کر اُس مسندِ عظمت پر بٹھایا گیا[۳۹] جس کی بلندیوں کا ادراک انسان کے بس کی بات نہیں ـــــ آپ ہی کی رضا و خوشنودی کے لئے قبلہ کا رُخ بدل دیا گیا (بقرہ ۱۴۴) ـــــ بیشک ؎

تو جدھر ہے اُدھر خدائی ہے

اللہ کو اپنے محبوبوں سے بڑی محبت ہے اُن سے تو محبت ہے ہی، اُن چیزوں سے بھی محبت ہے جن سے محبوبوں کو نسبت ہے ــــ اس رمزِ محبت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے ــــ دل میں اتار لیجئے ــــ لکڑی کا وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، قرآن حکیم نے اس کو "چین کا گھر"[19] قرار دیا اور فرشتوں نے اسے اٹھایا[20] ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانِ قدم کو بیت اللہ کے سامنے رکھوایا اور اپنی نشانی قرار دیا[21] ــــ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے نشانِ راہ کو اپنی نشانی قرار دیا اور اس کے گرد چکر لگانے کی اجازت دی گئی[22] ــــ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عالی نسبتوں کی وجہ سے دنیا کی ساری مساجد میں سے تین مسجدوں کا انتخاب فرمایا اور دور دراز کا سفر کر کے ان مسجدوں کی زیارت اور ان میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی[23] ــــ اس اجازت میں کیا راز تھا؟ ــــ وہی رازِ محبت جس کو عقل والے نہیں سمجھ سکتے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں سفر کر کے حاضری کی اس لئے اجازت دی کہ اس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام[24] اور نہ معلوم کتنے ہزاروں، لاکھوں انبیاء صلحاء امت سے نسبت ہے اور سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں عبادت و ریاضت فرمائی ــــ مسجد اقصیٰ میں سفر کر کے حاضری کی اس لئے اجازت دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیمہ کی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو تعمیر کرایا[25] ــــ اور مسجد نبوی شریف میں سفر کر کے حاضری کی اس لئے اجازت دی کہ اس کی تعمیر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ لیا[26]، اس کو مرکزِ

روضۂ مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسلام بنایا، اسی کے متصل ہی قیام فرمایا ــــ آج ازواجِ مطہرات کے سارے حجرے بلکہ مدینہ منورہ کا بڑا حصہ مسجدِ نبوی شریف میں داخل ہو گیا ہے ــــ آپ خود اس مسجد شریف میں آرام فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ــــ ساری بہاریں نسبتوں کی ہیں ــــ اللہ اللہ! محبوبوں کی اداؤں کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حصہ بنا دیا[27] ــــ اس رمزِ محبت کو سمجھنے کی کوشش کریں پھر سب باتیں سمجھ میں آتی چلی جائیں گی

جب دل میں کسی کی محبت و عظمت گھر کر جاتی ہے تو اُس محبوب کے حضور ادب کے لئے اُبھارتی ہے ــــ محبت خود بخود ادب سکھاتی ہے ــــ وہ محبوب کی خامیاں تلاش نہیں کرتی ــــ یہ اُس کی فطرت کے خلاف ہے ــــ

وہ محبوب کی ہر ادا پہ جان فدا کرتی ہے ——— خامیاں اور برائیاں تلاش کرنا تو دور کی بات ہے وہ محبوب کی برائی سننا بھی پسند نہیں کرتی برائی کرنے والوں سے منہ پھیر لیتی ہے ——— پھر کبھی پلٹ کر نہیں دیکھتی ——— اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنایا ——— ہمارے لئے نمونہ بنایا[۸۰] ——— محبت کرنے اور محبت کی باتیں کرنے کا حکم دیا ——— ذہنی پراگندگی اور پریشاں خیالی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ——— اللہ اکبر! عاشق کو آداب محبت سکھا کر جینے کا سلیقہ بتا دیا۔

۱:۔ نام نامی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ادب سکھایا ——— خبردار! نام لے کر اس طرح نہ پکارو اور نہ بلاؤ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے اور بلاتے ہو[۸۱] ——— اور خود بھی قرآن کریم میں نام لے کر خطاب نہ فرمایا جس طرح اور نبیوں کے نام لے کر خطاب فرمایا ہے[۸۲] ———

۲:۔ آپ کے خرام ناز اور چال کا یہ ادب بتایا کہ نہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرو اور نہ چلتے چلتے آگے نکلو[۸۳] ———

۳:۔ دولت کدے میں حاضری کا یہ ادب سکھایا کہ گھر کے باہر سے ہرگز ہرگز آپ کو آواز نہ دو انتظار کرو کہ آپ خود باہر تشریف لے آئیں[۸۴]

۴:۔ ازواج مطہرات کا یہ ادب بتایا کہ کبھی کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو[۸۵] ———

۵:۔ دولت کدے پر حاضری کا ادب یہ بتایا کہ بغیر بلائے نہ جاؤ، جب کبھی کھانے پر بلائیں تو وقت پہ جاؤ یہ نہیں کہ پہلے سے چلے جاؤ اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو[۸۶] ———

۶:۔ اور دعوت کا ادب یہ سکھایا کہ جب کھانا کھا چکو تو خواہ مخواہ بیٹھے باتیں نہ کرتے رہو کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے واپس چلے آؤ[۸۷] ———

۷:۔ خلوت کدے میں کوئی خاص بات کرنے کا ادب یہ بتایا کہ اگر تنہائی میں بات کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ دو، کہ تم ایک بڑے دربار میں حاضر ہو رہے ہو، پھر حاضر ہو کر سرگوشی میں بات کر سکتے ہو[۸۸] ———

۸:۔ محفل کا ادب یہ سکھایا کہ جب سرکار دو عالم گفتگو فرما رہے ہوں تو خوب کان لگا کر سنو کہ[۸۹] دوبارہ متوجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے کہ یہ بات بھی ادب کے خلاف ہے ——— اگر متوجہ کرنا ہو تو اُنْظُرْنَا، کہو یعنی ہم پر دوبارہ نظر کرم فرمائیے[۹۰]

۹:۔ بات کرنے کا ادب یہ سکھایا کہ جب آپ سے باتیں کرو تو خبردار آپ کی آواز سے اونچی آواز نہ کرنا اور نہ ترمُخ کر بولنا ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو[۹۱]

۱۰:۔ مجلس مشاورت کا ادب یہ بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلے پر گفتگو کے لئے بلائیں اور سب جمع ہوں تو خبردار! بغیر آپ کی اجازت کے کوئی اٹھ کر نہ جائے[۹۲] ——— اگر کوئی اجازت لینا چاہے، جس کو چاہیں آپ اجازت دیں[۹۳] اور جس کو چاہیں اجازت نہ دیں ———

۱۱:۔ یہ محفل بڑی عالی محفل ہے ——— جو لوگ آڑ لے کر چپکے سے چلے جاتے ہیں، اللہ اُن کو دیکھتا ہے، خبردار! ایسا نہ کرو کہیں تم کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور تم پہ دردناک عذاب نہ آن پڑے ——— اللہ اکبر یہ وہ بارگاہِ ادب ہے جہاں آواز اونچی کرنے پر اعمال ضائع ہو رہے ہیں[۹۴] ——— جہاں محفل سے بلا اجازت چلے جانے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے ——— بیشک سہ

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۱۲:— آپ کے فیصلے کا یہ ادب کہ جو فیصلہ فرمادیں، دل سے تسلیم کیا جائے، ذرّہ برابر دل میں غبار نہ رکھا جائے ——

۱۳:— وہ فیصلہ فرمادیں تو کسی کو کوئی اختیار نہیں —— وہ بے اختیار نہیں، اُن کے سامنے ہم بے اختیار ہیں ——

۱۴:— آپ کے حکم کا یہ ادب کہ جب بلائیں فوراً حاضر ہو جاؤ خواہ نماز ہی میں کیوں نہ ہو ——

۱۵:— حکم کی تعمیل میں ذرا سی سستی پر تین صحابۂ کرام کی وہ گرفت ہوئی کہ اُن کی جان پر بن گئی زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بولنا کیا بند کیا، سب نے بولنا بند کر دیا

تو کیا بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا

چالیس دن اسی کرب و اضطراب میں گزر گئے پھر وحی نازل ہوئی، توبہ قبول ہوئی، جان میں جان آئی، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے لگایا، سب نے گلے لگایا — سب بولنے لگے ——

۱۶:— ازواج مطہرات کا یہ ادب کہ اُن کو مومنین کی مائیں قرار دیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ادب کہ آپ کو باپ کہنے سے منع کردیا گیا[۶۹] کہ آپ اللہ کے محبوب اور رسول ہیں آپ کی شان بہت عالی ہے —— بھائی تو بھائی، آپ کو باپ کہنا بھی گستاخی ہے ——

۱۷:— سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ادب کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ازواج مطہرات کو مومنین پر حرام کردیا اور فرمایا کہ اُن سے کسی کا نکاح کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑی جرأت ہے —— وہ زندہ ہیں وہ پایندہ ہیں۔

۱۸:— اللہ کے حضور گناہوں کی معافی مانگنے اور توبہ کرنے کا یہ سلیقہ بتایا کہ جب گناہ ہو جائے تو سیدھے ہمارے پاس نہ آؤ، ہمارے محبوب کریم کے پاس جاؤ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، توبہ کرو اور آپ بھی اُس کی سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے ——

۱۹:— اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلے سے آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا اور دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی —— بے شک آپ رحمت عالم ہیں آپ کے ہوتے اُمت پر عذاب ہو ہی نہیں سکتا

۲۰:— اللہ تعالیٰ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی بھی ایذا رسانی گوارا نہیں —— مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اس طرح نہ ستاؤ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے ماننے والوں نے ستایا تھا —— پھر فرمایا کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قول و عمل سے ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ کی لعنت ہے اور آخرت میں ذلت کا عذاب —— اور دردناک عذاب

جب ادنیٰ سی ایذا رسانی پر یہ وعیدیں ہیں تو آپ کی شان میں زباں درازیوں اور گستاخیوں کا کتنا بڑا عذاب ہوگا؟ ——

ایک منافق امام بدنیتی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لئے نماز میں ہمیشہ سورۂ عبس پڑھا کرتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابی کو بھیج کر اس منافق امام کا سر قلم کرا دیا حالانکہ وہ قرآن ہی پڑھا کرتا تھا مگر نیت میں کھوٹ تھا، گردن زدنی قرار دیا گیا —— خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی اور بدنیتی

برداشت نہیں کر سکتے تھے، یہ اُس سچی محبت کا تقاضا تھا جس سے اُن کے سینے روشن تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسی محبت کرتے تھے اور آپ کا جیسا ادب اور تعظیم کرتے تھے، اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی ــــــ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ادب و تعظیم کے جو ایمان افروز مناظر دیکھے اُن کو بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:-

قسم خدا کی، بادشاہ کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں ــــ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی

کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اُن کی تعظیم کرتے ہیں[۲] ــــ

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نے یہ مناظر اُس وقت دیکھے جب وہ مشرف باسلام نہ ہوئے تھے ــــ وہ فرماتے ہیں، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) ــــ

- سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لپکنے کے لئے آپس میں جھپٹتے تھے۔
- آپ کی بارگاہ میں اونچی آواز سے نہ بولتے تھے۔
- چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کے نہیں دیکھتے سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے[۳]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ادب و تعظیم کے واقعات کیا بیان کئے جائیں، وہ سراپا محبت تھے وہ سراپا ادب تھے ــــ چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱:- ایک مرتبہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی ایک لگن میں لے کر باہر آئے تو صحابہ جھپٹ پڑے جس کو پانی کا ایک قطرہ نہ ملا اس نے دوسرے صحابی کی ہاتھ کی تری کو چھو کر اپنے چہرے پر مل لیا[۴] ــــــ

۲:- ایک صحابی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال اُتار رہے تھے، اردگرد گھیرا ڈالے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کھڑے تھے، زمین پر گرنے سے پہلے بالوں کو اپنے ہاتھ پر لے لیتے[۵] اور بطور تبرک محفوظ کر لیتے ــــ آج پوری دنیا میں یہ تبرکات محفوظ ہیں۔

۳:- حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے پاس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے[۶] ــــــ

۴:- حضرت انس رضی اللہ عنہ، نے حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لکڑی کے پیالے کو جان سے لگا کر رکھا تھا[۴]۔ جس کو ایک جاں نثار نے آٹھ لاکھ درہم میں خریدا۔

۵:- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کی وصیت کے مطابق کفن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا پہنایا گیا، آپ کی چادر میں لپیٹا گیا آپ کا تہبند باندھا گیا۔ گلے، منہ اور ان اعضاء پر جو سجدہ کے وقت زمین پر لگتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور تراشہ ناخن اقدس رکھے گئے[۶]۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوں یا نہ ہوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے دلوں میں بسے ہوئے تھے۔ اور یہ ادب اُن کو آپ ہی نے تعلیم فرمایا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو سامنے نہ تھوکے[۷]۔ کیوں نہ تھوکے؟ کہ اس طرف بیت اللہ ہے۔ بیت اللہ سامنے ہو یا نہ ہو اس کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان پر لازم ہے۔

ایک صحابی نے نماز پڑھاتے وقت قبلہ کی طرف تھوک دیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوکتے ہوئے دیکھ لیا۔ فرمایا، آئندہ یہ شخص لوگوں کو نماز نہ پڑھائے[۸]۔ اور پھر اس نے کبھی نماز نہ پڑھائی۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں شاید سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ "تو نے اللہ و رسول کو اذیت دی اور ان کو ستایا"[۹]۔

اپنے کسی قول و عمل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دیں۔ آپ کی تعظیم و توقیر مقصود حیات ہے، مطلوب پروردگار ہے۔ جس کا دل آپ کی محبت اور ادب و تعظیم سے خالی ہے وہ ایمان سے محروم ہے، یہی قرآن کا فیصلہ ہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ یہ ایک گوہر بے بہا ہے۔ تنہا نہ رہیں، سچوں کے ساتھ رہیں[۱۰]۔ سچے وہ ہیں جن کی صحبت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت اور ادب و تعظیم پیدا ہو جن کی صحبت میں آپ کے سینے محبت رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے خالی ہونے لگیں اور آپ بے ادب و گستاخ بننے لگیں اُن سے اس طرح بچیں جس طرح انسان درندوں سے بچتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہیں۔ درندوں سے تو صرف جان کا خوف ہوتا ہے اور ایسے انسانوں سے ایمان کا خوف رہتا ہے۔ ایمان ہی سب سے قیمتی متاع ہے۔ یہ لٹ گئی تو سب کچھ لٹ گیا۔

مولیٰ تعالیٰ ہمارے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا نقش جمائے۔ آپ کے حضور با ادب رکھے، پریشاں خیالیوں اور لب کشائیوں سے محفوظ رکھے آمین! بلاشبہ بامراد ہوا جس نے اس در پر سر جھکایا۔ کامیاب ہوا جس نے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ سرفراز ہوا جو آپ کے نقش قدم پر چلتا رہا۔

حواشی

۱ سورۂ نحل : ۸۹
۲ سورۂ یوسف : ۱۱۱
۳ سورۂ توبہ : ۲۴
۴ سورۂ اعراف : ۱۱، سورۂ بقرہ : ۳۴
۵ سورۂ یوسف : ۱۰۰
۶ سورۂ اعراف : ۱۱-۱۳
۷ سورۂ ابراہیم : ۱۰، انبیاء : ۳ مومنون : ۲۴، ۳۳، شعراء : ۱۸۹، یٰسٓ : ۱۵، ہود : ۲۷ -
۸ سورۂ مائدۃ : ۱۲ -
۹ سورۂ فتح : ۹ -
۱۰ سورۂ اعراف : ۱۵۷ -
۱۱ ایضاً : ۱۵۷ ۔
۱۲ سورۂ آل عمران : ۱۳۲، سورۂ نساء : ۱۴۰ ۔
۱۳ سورۂ نساء : ۸۰، آل عمران : ۳۲، ۱۳۲ -
۱۴ سورۂ آل عمران : ۳۱ ۔
۱۵ سورۂ حج : ۳۰، ۳۲ -
۱۶ سورۂ آل عمران : ۸۱ -
۱۷ سورۂ بقرہ : ۱۲۹ -
۱۸ سورۂ صف : ۶ ۔
۱۹ سورۂ قدر : ۳ -
۲۰ سورۂ مائدہ : ۱۵
۲۱ مسلم شریف، باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترمذی شریف، کتاب التفسیر -
۲۲ سورۂ بلد : ۳ -
۲۳ سورۂ حجر : ۷۲ -
۲۴ سورۂ بلد : ۱-۲ -
۲۵ سورۂ قلم : ۴ -
۲۶ سورۂ توبہ : ۱۲۸ ۔
۲۷ سورۂ تکویر : ۲۴، سورۂ نساء : ۱۱۳ -
۲۸ سورۂ انبیاء : ۱۰۷ -
۲۹ سورۂ سبا : ۲۸ -
۳۰ سورۂ احزاب : ۴۰ ۔
۳۱ سورۂ ابراہیم : ۴۰ -
۳۲ سورۂ قٓ : ۱۹ -
۳۳ سورۂ احزاب : ۶ ۔
۳۴ بخاری شریف، کتاب الاستقراض، مسلم شریف کتاب الجمعہ ۔
۳۵ سورۂ احزاب : ۴۵، سورۂ فتح : ۸، سورۂ مزمل ۱۵
۳۶ سورۂ نحل : ۸۹، سورۂ یوسف : ۱۱۱
۳۷ سورۂ قدر : ۳ ۔
۳۸ سورۂ بنی اسرائیل : ۹۷ ۔
۳۹ سورۂ بقرہ : ۲۴۸ -
۴۰ ایضاً، ۲۴۸ ۔
۴۱ سورۂ بقرہ : ۱۲۵، سورۂ آل عمران ۹۷ ۔
۴۲ سورۂ بقرہ : ۱۵۸ -
۴۳ جامع الرضوی، جلد ۲ ص ۳۱۲ بحوالہ بخاری شریف ۔
۴۴ سورۂ بقرہ : ۱۲۷، جامع الرضوی، جلد ۲، صفحہ ۳۱۰ -
۴۵ سورۂ سبا : ۱۲-۱۳، سورۂ اسراء : ۱، جامع الرضوی جلد ۲، صفحہ ۳۱۰ -
۴۶ جامع الرضوی، جلد ۲، صفحہ ۳۱۰ بحوالہ بخاری شریف، سورۂ توبہ : ۱۰۸-۱۰۹ ۔
۴۷ سورۂ حج : ۳۲، سورۂ بقرہ : ۱۵۸ ۔
۴۸ سورۂ احزاب : ۲۱ -
۴۹ سورۂ نور : ۱۷۹ ۔
۵۰ سورۂ مائدہ : ۴۱، ۹۷ - انفال ۴، ۶۴، ہود : ۴۸، بقرہ ۱۳۵، قصص : ۳۰، صٰفّٰت ۱۰۲، ۱۰۱
۵۱ سورۂ حجرات : ۱ ۔
۵۲ سورۂ حجرات : ۴-۵ -
۵۳ سورۂ احزاب : ۵۳ ۔
۵۴ سورۂ احزاب : ۵۳ -

ارشاد رسول

سچا اور امین تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
(جامع ترمذی)

۵۵ سورۂ احزاب : ۵۳ ۔
۵۶ سورۂ مجادلہ : ۱۱۲-۱۱۳- ۵۸
۵۷ سورۂ بقرہ : ۱۰۴ ۔
۵۸ سورۂ بقرہ : ۱۰۴ ۔
۵۹ سورۂ حجرات : ۲-۳ ۔
۶۰ سورۂ نور : ۶۲ ۔
۶۱ سورۂ نور : ۶۲ ۔
۶۲ سورۂ نور : ۶۳ ۔
۶۳ سورۂ حجرات : ۲ ۔
۶۴ سورۂ نساء : ۱۶۵ ۔
۶۵ سورۂ احزاب : ۳۶ ۔
۶۶ سورۂ انفال : ۲۴ ۔
۶۷ سورۂ توبہ : ۱۱۶ ۔
۶۸ سورۂ احزاب : ۶ ۔
۶۹ سورۂ احزاب : ۴۰ ۔
۷۰ سورۂ احزاب : ۵۳ ۔
۷۱ ایضاً : ۵۳ ۔
۷۲ سورۂ نساء : ۶۴ ۔
۷۳ سورۂ فتح : ۲ ۔
۷۴ سورۂ انبیاء : ۱۰۷ ۔
۷۵ سورۂ انفال : ۳۳ ۔
۷۶ سورۂ احزاب : ۶۹-۵۳
۷۷ سورۂ احزاب : ۵۷ ۔
۷۸ سورۂ توبہ : ۷۱ ۔
۷۹ تفسیر روح البیان، جلد ۱۰ ص ۲۳۱ ۔
۸۰ بخاری شریف جلد ۱ ص ۳۷۹ ۔
۸۱ ایضاً، ۳۷۹ ۔
۸۲ بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۴۷ ۔
۸۳ مسلم شریف جلد۲ ص ۲۵۶ ۔
۸۴ بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۹ ۔
۸۵ بخاری شریف جلد ۲ ص ۸۲۲ ۔
۸۶ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف جلد ۵ ص ۶۳۸ ۔
۸۷ مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ ۔
۸۸ ایضاً ص ۱۷ ۔
۸۹ ایضاً ص ۱۷ ۔
۹۰ سورۂ توبہ : ۱۱۹ ۔

شریعت اور طریقت

اولیاء کرام کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز

تلخیص و ماخوذ

سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"اگر حدود شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔ بیشک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔ تو فوراً حکم شریعت کی طرف پلٹ آ۔ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہش نفسانی چھوڑ اسلئے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے"

(طبقات الاولیا امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی جلد اول مطبع مصر صفحہ ۱۳۱)

سرکار غوث اعظم فرماتے ہیں:

"جب تو اپنے دل میں کسی کی دوستی یا دشمنی پائے تو اس کے کاموں کو قرآن و حدیث پر پیش کر، اگر ان کے اعتبار سے پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت رکھ اور ناپسندیدہ ہوں تو ان سے دور رہ تاکہ اپنی خواہش سے نہ کسی کو دوست رکھے نہ دشمن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے بہکا دے گی خدا کی راہ سے"

(طبقات کبریٰ)

سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"شریعت وہ آفتاب ہے جس کی چمک سے تمام جہان کی اندھیریاں جگمگا اٹھیں، شریعت کی پیروی دونوں جہان کی سعادت بخشتی ہے۔ خبردار اس کے دائرے سے باہر نہ جانا۔ خبردار اہل شریعت کی جماعت سے جدا نہ ہونا" (بہجۃ الاسرار)

سیدنا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میرے پیر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے دعا دی اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث داں کر کے صوفی بنائے

اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے۔"
(احیاء العلوم جلد اول)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس دعا کی شرح میں فرماتے ہیں: "سقطی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے حضرت سری سقطی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث و علم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔"

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ کچھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ احکام شریعت تو وصول کا وسیلہ ہیں اور ہم واصل ہو گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟

"چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنام ولایت مشہور کیا ہے۔ وہ مرجع ناس اور مشہور بہ زہد تھا جب وہاں تشریف لے گئے۔ اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فوراً واپس ہوئے اور اس سے سلام علیک تک نہ کی اور فرمایا۔

"یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔" (قشیریہ)

حضرت سیدنا ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ نے وقت انتقال اپنے صاحبزادہ ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔

"اے میرے بیٹے ظاہر میں سنت کا خلاف اس کی علامت ہے کہ باطن میں ریاکاری ہے (رسالہ قشیریہ)

آج کل کے نام نہاد صوفی شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو طریقت والے ہیں شریعت کی پابندی تو عوام کے لئے ہے یہ محض گمراہی ہے حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔ چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں۔ میں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہے جو نوافل و مستحبات ہیں بے عذر شرعی ان میں سے کچھ کم نہ کروں۔" (کتاب الیواقیت والجواہر)

حضرت سیدی ابو القاسم قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے بے بہرہ ہے طریقت کے معاملہ میں اس کی پیروی نہ کریں اسے اپنا پیر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب و سنت کا پابند ہے۔" (رسالہ قشیریہ)

حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک رفیق سے فرمایا:

سیدی ابو الحسین احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو حضرت سید الطائفہ ریحانۃ الشام یعنی شام کا پھول کہتے تھے فرماتے تھے۔

"جو کسی قسم کا کوئی عمل بے اتباع سنت کرے وہ عمل باطل ہے۔" (رسالہ قشیریہ)

سیدنا ممشاد دینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجع سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ فرماتے ہیں:

"مرید کا ادب یہ ہے کہ آداب شریعت کی پیروی کرے۔" (رسالہ قشیریہ)

سیدنا سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"تصوف تین معنوں کا نام ہے ایک یہ کہ اس کا نور باطن نور تقویٰ کو نہ بجھائے۔ دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قرآن یا ظاہر حدیث

کے خلاف ہو تیسرے یہ کہ کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری نہ کرائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائیں۔ (قشیریہ)

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدی ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

"بار ہا میرے دل میں تصوف کا کوئی نکتہ آتا رہتا ہے مگر جب تک قرآن و سنت دو عادل گواہ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ میں قبول نہیں کرتا۔" (قشیریہ)

سیدی ابو القاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تصوف کی جڑ یہ ہے کہ کتاب و سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو۔" (طبقات کبریٰ)

سیدی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن رکھا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیہ سے کوئی علاقہ نہیں وہ غرور و غلط میں بکتے ہیں کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف ہو گئے ہیں اور وہ مراد کو پہنچ گئے ہیں۔ اور رسوم شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے۔ ان کا یہ قول خالص الحاد و زندقہ ہے اس لئے کہ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔"

حضرت خاتم الولایۃ المحمدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "یقین جان کہ شریعت ہی طریقت کا چشمہ ہے اسلئے کہ شریعت کے دو دائرے ہیں ایک اوپر ایک نیچے۔ اوپر کا دائرہ اہل کشف کے لئے ہے۔ اور نیچے کا اہل فکر کیلئے اہل فکر جب اہل کشف کے اقوال کو تلاش کرتے اور اپنے دائرہ فکر میں نہیں پاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ قول شریعت کے باہر ہے تو اہل فکر اہل کشف پر معترض ہوتے ہیں مگر اہل کشف اہل فکر پر انکار نہیں کرتے اور جو کشف و فکر دونوں رکھتا ہے وہ اپنے وقت کا حکیم ہے۔ پس جس طرح علوم فکر شریعت کا ایک حصہ ہیں یونہی علوم اہل کشف بھی تو وہ دونوں ایک دوسرے پر لازم ہیں اور جبکہ دونوں کنارول کا جامع نادر ہے لہٰذا ظاہر بینوں نے شریعت و حقیقت کو جدا سمجھا۔ (الیواقیت)

عارف باللہ حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

"علم کشف یہ ہے کہ اشیاء جس طرح واقع و حقیقت میں ہیں اسی طرح ان سے خبر دے۔ اگر تو تحقیق کرے تو اصلاً کسی بات میں شریعت کے خلاف نہ پائے گا۔ بلکہ وہ عین شریعت ہے۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

"بیشک اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قدرت دے رکھی ہے جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب کشف آسمان عرش کرسی لوح و قلم جہاں سے اپنے علوم حاصل کرتا ہے۔ اس مکان کی ساختہ تصویر اس کے سامنے

قائم کرے اور حقیقت میں عرش و کرسی لوح و قلم نہ ہوں۔ شیطان کا دھوکہ ہوں۔ اب شیطان اس دھوکے کی ٹٹی سے اپنا شیطانی علم القاء کرے اور یہ صاحب کشف اسے اللہ عزوجل کی طرف سے گمان کر کے عمل کر بیٹھے خود بھی گمراہ ہو اور ان کو بھی گمراہ کرے اسی لئے ائمہ اولیاء نے کشف والے پر واجب کیا ہے۔ کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب و سنت پر عرض کرے اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل حرام ہے (میزان)

امام ممدوح فرماتے ہیں:

کبھی ولایت کی نہایت نبوت کی ابتداء تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ اور اگر کوئی ولی اس چشمہ تک بڑھے جس سے انبیاء علیہم السلام فیض لیتے ہیں تو ولی جل جائے اولیاء کی نہایت کار یہ ہے۔ کہ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عبادت بجالاتے رہے ہیں۔ خواہ کشف حاصل ہوا ہو۔ یا نہیں اور جب کبھی شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلیں گے ہلاک ہو جائیں گے۔ اور ان کی مدد قطع ہو جائے گی۔ تو انہیں کبھی ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل سے خود بالاستقلال لے سکیں۔ (الیواقیت والجواہر)

حضرت عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدس فرماتے ہیں:

وہ جو ہمارے زمانے کے بعض صوفی بننے والے دعوی کرتے ہیں کہ اے علم ظاہر والو! تم اپنے احکام کتاب و سنت سے لیتے ہو اور ہم خود صاحب قرآن سے لیتے ہیں یہ بالاجماع قطعاً بوجوہ کثیرہ کفر ہے۔ (حدیقہ ندیہ)

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت۔ لہٰذا حدیث میں آیا بغیر فقہ عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسے چکی کھینچنے والا گدھا۔ کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

قرآن کے دس اصول

جو مردِ مومن کے لئے

دُنیا و آخرت

کی

ہر کامیابی کی ضمانت

ہیں

از افادات :-
تاج العلماء حضرت مولانا سید شاہ اولادِ رسول
محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ العزیز (مارہرہ شریف)

اضافہ و ترتیب نو :- مولانا محمد مجاہد حسین مصباحی الہ آباد

آج مسلمان تاریخ کے جس نازک دور سے گزر رہا ہے کم از کم ہندوستان کی اسلامی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ؎

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

معاملہ ہماری عبادت گاہوں کا ہو یا فرقہ وارانہ فسادات کا ہر منزل پر ہمیں کچل دینے کی منظم سازشیں کی جارہی ہیں۔ آئے دن تقریر و تحریر کے ذریعہ اسلام اور بانی اسلام کی شان میں بدترین گستاخیاں کرکے ہماری غیرت ایمانی کا خون کیا جارہا ہے فسادات کی آڑ میں مسلمانوں کی معیشت تباہ کی جارہی ہے۔ مذہبی، سیاسی، علمی، معاشی ہر محاذ پر مسلمانوں کو شکست فاش دے کر محکوم بنانے کا سامان فراہم کیا جارہا ہے۔

ایسے کربناک ماحول میں حالات یا حکومت وقت کا دست نگر بننے کے بجائے مسلمانو! آؤ ہم ایک نظام کے پابند ہو جائیں جس کی بنیاد پر کائنات کا حاکم مطلق اپنی حمایت و نصرت کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ جس کی حمایت و نصرت فرمائے دنیا کی کون طاقت اسے مغلوب کرسکتی ہے! قرآن فرماتا ہے۔

"اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ"

ہماری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایماں پر
ہماری زندگی موقوف ہے تعمیل قرآں پر
ہماری فتح یابی منحصر ہے فضل یزداں پر
نہ قوت پر، نہ طاقت پر، نہ شوکت پر نہ سامان پر

تعلیمات قرآنی پر عمل پیرا ہونے کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہ تو ہمیں سکون و راحت دے سکتی ہے نہ ہی ہماری عظمت رفتہ کو واپس دلا سکتی ہے ـــــ ذیل میں ہم زندگی و بندگی سے متعلق "قرآن کے دس حیات آفریں اصول" پیش کر رہے ہیں، جو مردِ مومن کے لئے دنیا اور آخرت کی ہر کامیابی کی ضمانت ہیں ـــــ خدائے وحدہٗ لاشریک

ہر مسلمان کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین

(۱) "ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رہو"

اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں "دین اسلام" کے علاوہ کوئی دین نہیں نہ ہی اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب اس کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہے، قرآن فرماتا ہے،

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"
(پارہ ۱۔ رکوع ۱۰)

"بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی ہے۔"

اور فرماتا ہے

"وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ" (پ۳ رکوع ۱۷)

"اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔"

جابجا خدائے وحدہٗ لاشریک نے اپنے اور اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اور اسی دین پر قائم رہنے کی صورت میں فتح و کامرانی کی بشارت دی ہے، فرماتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
(پ۵ رکوع ۱۷)

"اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر یعنی ایمان پر ثابت قدم رہو"

اور فرماتا ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ
(پ۴ رکوع ۵)

"تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی دین پہ کاربند رہنے والوں کی امداد اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے۔

كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (پ ۲۱)

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ بول بالے میری سرکاروں کے

"اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانی۔"

اور فرماتا ہے۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ
(پ۹ رکوع ۱۶)

"جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اور فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
(پ۲۴ رکوع ۱۸)

"بے شک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ

ہے پھر اس پر قائم رہے اللہ پر فرشتے اترتے ہیں۔"

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہنا بہت دشوار امر ہے، جو ثابت قدم رہنے کا عزم کرلے تو اللہ اسے ثبات کی قوت عطا فرماتا ہے — فرماتا ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
(پ ۱۳ رکوع ۱۶)

"اللہ ایمان والوں کو ثابت رکھتا ہے۔"

(۲) "شریعت مطہرہ کی کامل پیروی کرو"

آدھا تیتر آدھا بٹیر بنے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا اس لئے ایمان کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ مسلمان زندگی کے کسی شعبہ میں، کسی قوم، کسی مذہب کسی حکومت کی روش پر ہرگز نہ چلے بلکہ اپنے ہر معاملہ میں صرف اور صرف اسلامی قانون کا پابند ہو جائے قرآن فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً
(پ ۲ رکوع ۹)

"اے ایمان والو اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔"

اور فرماتا ہے۔

فَاتَّبِعُوْنِىْ (پ ۳ رکوع ۱۳)

"تم میرے فرماں بردار ہو جاؤ۔"

اور فرماتا ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
(پ ۵ رکوع ۶)

"تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔"

اور فرماتا ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پ ۵ رکوع ۵)

یعنی حکم مانو اللہ اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ (یعنی مسلم امراء اور حکام کا)"

اور فرماتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ ۵ رکوع ۸)

"جس نے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔"

اور فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ ۲۲ رکوع ۲)

"اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔"

اور فرماتا ہے

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (پ ۲۶ رکوع ۵)

"اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اور فرماتا ہے

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ
(پ ۲۸ رکوع ۴)

یعنی جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو۔

(۳) علم دین حاصل کرو

علم فضل الٰہی ہے قرآن و سنت کے ذخیرے علم اور علما کی فضیلت سے معمور ہیں۔ علم دین ہی

کے ذریعہ انسان شکوک وشبہات کے دل دل سے نکل کر ایمان ویقین کے اجالے میں آسکتا ہے ۔ عدل وانصاف کا شعور، خشیت الٰہی، درجات کی بلندی، توحید کی متاع بے بہا علم ہی کی بدولت مل سکتی ہے ۔ قرآن فرماتا ہے۔

"وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ"
(پ ۳ رکوع ۹)

"اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔"

اور فرماتا ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (پ ۳ رکوع ۱۰)

"اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں "اور فرشتوں نے اور علم والوں نے انصاف سے قائم ہو کر۔"

اور فرماتا ہے

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
(پ ۲۲ رکوع ۱۶)

"اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔"

اور فرماتا ہے۔

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (پ ۲۸ رکوع ۲)

"اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجے جو تم میں ایمان لائے اور ان کے درجے جنھیں علم دیا گیا بلند فرمائے گا۔"

(۴) اعمال صالحہ کا پیکر بن جاؤ

جس ایمان کی بدولت خدائے وحدہ لاشریک نے دارین کی کامل صلاح وفلاح کا وعدہ فرمایا ہے اس کا لازمی جزء عمل صالح ہے عمل صالح کے بغیر حقیقی کامیابی مل نہیں سکتی قرآن فرماتا ہے

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
(پ ۱۸ رکوع ۱۴)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ان سے جو تم میں ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انھیں زمین میں خلافت دے گا۔"

اور فرماتا ہے

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (پ ۲۲ رکوع ۱۴)

"اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔"

اور فرماتا ہے

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (پ ۳۰ رکوع ۳۴)

"قسم ہے زمانۂ محبوب کی بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے، مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔"

(۵) متحد ہو جاؤ

آپس میں افتراق وانتشار کی اسلام سخت مذمت کرتا ہے قرآن نے ایک مومن کو دوسرے مومن کا بھائی قرار دے کر میل محبت سے رہنے کا حکم عطا فرمایا ہے ۔ ارشاد ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (پ ۶ رکوع ۱۲)

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔"

(پ ۶ رکوع ۲)

اور فرماتا ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا

"اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں۔"

اور فرماتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (پ ۱۰ رکوع ۱۵)

"اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔"

اور فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ ۔ (پ ۲۶ رکوع ۱۲)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔"

(۶) دین کے دشمنوں سے ہوشیار

اسلام دشمن طاقتوں نے ہر دور میں طرح طرح کے حربوں سے اسلام اور مسلمانوں کو زندگی سے بے دخل کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے قرآن نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ بدمذہبوں سے میل جول نہ رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے ایمان ہی پر ہاتھ صاف کر دیں اور آپ کو احساس بھی نہ ہو۔ قرآن فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا (پ ۴ رکوع ۳)

"اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔"

اور فرماتا ہے۔

اِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ. (پ ۴ رکوع ۳)

"تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے۔"

اور فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ (پ ۴ رکوع ۷)

"اے ایمان والو اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے پھر ٹوٹا کھا کے پلٹ جاؤ گے۔"

اور فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ (پ ۶ رکوع ۱۳)

"اے ایمان والو جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور کافران میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔"

اور فرماتا ہے۔

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً (پ ۱۰ رکوع ۸)

کسی مسلمان میں نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔

اور فرماتا ہے

وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ (پ ۸ رکوع ۱)

"اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔"

اور فرماتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا (پ ۲۸ رکوع ۵)

"کیا تم نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے بھائی کافر کتابیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہرگز تمہارے بارے میں کسی کی نہ مانیں گے۔"

(۷) اللہ پر اعتماد کامل رکھو

تقدیر کے نوشتہ کو کوئی بدل نہیں سکتا، کسی طاقت سے نہ تو مرعوب ہونے کی ضرورت ہے، نہ ہی کسی سے کچھ امید رکھنے کی۔ اللہ پر اعتماد کرو، وہ بہترین کارساز ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (پ رکوع ۹)

"لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور زائد ہو اور بولے اللہ ہم کو کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔"

اور فرماتا ہے۔

لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (پ رکوع ۱۳)

"ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا وہ ہمارا مولا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

اور فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (پ ۲۸ رکوع ۱۷)

"اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔"

(۸) باہمی تعاون سے نیکیوں کو فروغ دو

قرآن فرماتا ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پ رکوع ۵)

"اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔"

(۹) صبر و تقویٰ کے ذریعہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرو

اگر مسلمان صبر و تقویٰ اختیار کرلے تو پھر اس کے دشمنوں کی چال ہرگز کارگر نہیں ہو سکتی ہر طاقت سے مقابلہ کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو ہتھیار دیئے ہیں ایک کا نام ہے صبر دوسرے کا تقویٰ۔ فرماتا ہے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (پ رکوع ۳)

"اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"

اور فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (پ رکوع ۱۱)

"اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو۔"

اور فرماتا ہے۔

یایها الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم

تفلحون ۝ واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔
(پ۱۰ رکوع ۳)

"اے ایمان والو جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(۱۰) "ایثار و قربانی" دنیا کی کوئی متاع دین اور فلاح اُخروی سے

قیمتی نہیں خدا نے آپ کو موقع عطا فرمایا ہے کہ بوقت ضرورت اپنے دین اور ایمان کے تحفظ کے لئے جان و مال کی حقیر قربانی دے کر آخرت کی لازوال اور عظیم دولت سے بہرہ ور ہو جائیں ـــــ قرآن فرماتا ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون
(پ۴ رکوع ۱)

"تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔"

اور فرماتا ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ (پ۱۰ رکوع ۱۲)

"اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کے اسباب آخرت کے سامنے بہت تھوڑے ہیں۔"

اور فرماتا ہے

وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ
(پ۱۰ رکوع ۱۴)

"اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے"

اور فرماتا ہے

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ۝ (پ۲۸ رکوع ۴)

"اور اپنی جانوں پہ انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو"

حق کا داعی

حق و باطل کا تصادم
تاریخ اسلام کی روشنی میں

از قلم فیض رقم سید العلماء حضرت
مولانا سید شاہ آل مصطفٰے صاحب علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

حق کے مقابل میں باطل کی معرکہ آرائی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے جس کی تشریح و تفسیر کے لئے ہر قرن دعہد میں رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ نے محض کرم سے اپنے مبارک اور برگزیدہ بندے مبعوث فرمائے اور روح القدس سے ان کی مدد فرما کر حق کا رخ اجالا اور باطل کا منہ کالا کیا۔

ان ذوات مقدسہ کو زبان شرع انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے مبارک نام سے یاد کرتی ہے یہ پاک سلسلہ سیدنا ابی البشر آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور خاتم المرسلین سید الانبیاء فخر آدم و بنی آدم سرکار دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر ختم ہوا۔

اس جان انسانیت محبوب رحمٰن علیہ صلوۃ المنان نے "من رآنی فقد رأ الحق" کا آوازہ بلند فرما کر قیام قیامت تک باطل کے مقابلے میں تحدی فرمائی کہ جس نے مجھ کو دیکھا حق کو دیکھا کوئی غافل یہ نہ سمجھے کہ یہاں رویت سے صرف رویت بصارت مراد ہے کہ ایسے دیکھنے والے تو ابی جہل و ابی لہب جیسے ابدی باطل پرست بھی تھے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جس نے چشم دل سے ہمیں دیکھا ہماری نورانی تجلیوں سے کسب ضیا کیا ہماری حقانی تعلیم کے آگے سر نیاز جھکایا تو اس نے حق کو جان لیا حق کو مان لیا اور بے شک اتباع حق سے اس نے سر میدان باطل کو پچھاڑ کر حق کی بازی جیت لی۔ پڑھئے آیہ کریمہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

پیارے نبی عربی مکی مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و باطل کی نبرد آزمائی میں رسالت حقہ کا فرض کس طرح ادا فرمایا بحث تاریخ اس کے شاہ عدل ہیں خدا کی مقدس کتاب اور بعثت اقدس کی تیئیس ۲۳ سالہ مبارک زندگی کا اسوہ حسنہ مَا اَنَا عَلَيْهِ

وَاَصحابی کی حق و باطل پرکھنے والی کسوٹی اپنے حق پرست باطل شکن جاں نثار دوستوں کو سپرد فرماکر خدا کا آخری رسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) مدینے کے سبز گنبد میں رحلت گزیں ہوا۔ ابھی اس حق مجسم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہری آنکھوں سے پردہ فرمائے چنداں عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ مقہور و مردود و باطل جو آتشکدۂ انفس میں سینہ داغ جل رہا تھا اپنے نزدیک میدان خالی پاکر فتنۂ ارتداد عرب کی صورت میں نمودار ہوا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ آفتاب نبوت ابھی ابھی اپنی خاکی آرام گاہ میں تشریف فرما ہوا ہے۔ شمع رسالت کے پروانے اس صدمۂ جانگسل سے جاں بلب ہیں بعض تو ہوش و خرد کی بازی لگا چکے ہیں مگر نہیں حق کا مالک حق کی مدد فرماتا ہے، وہ دیکھئے ایک کبیر السن قوی الایمان، نحیف الجثہ عظیم الایقان حق کو ہمیشہ حق جاننے حق ماننے والا انسان تلوار پر ہاتھ رکھے غرما رہا ہے سنو میں باطل کا مقابلہ کرتا رہوں گا خواہ وہ حق کی ایک رسی کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ اس کو کسی نے پہچانا یہ مکے کا ملک التجار قبیلۂ بنی تیم کا رئیس قریش کا مشہور مدبر نہیں ہیں آپ نہ پہچانیں گے۔ یوں سنیئے آخری نبی کا پہلا ولی، شب ہجرت کا ساتھی، معراج کا مصدق، مومن اول، ثانی اثنین اذ ہما فی الغار۔ ہاں اب میں نام لیتا ہوں امیر المومنین خلیفۂ رسول اللہ بلا فصل عبد اللہ ابی بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر کیا تھا حق جاگ اٹھا حق والے حق کے سائے میں حق کی مدد کے لئے ہو الحق کہہ کر باطل کے سامنے کود پڑے اس کے بعد کیا ہوا جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔

اب ادھر نظر ڈالیے باطل نے نیا رنگ بدلا، بنو امیہ کی سیاست سے ناجائز فائدہ اٹھاکر تحریک خوارج کے لباس میں باطل کا لشکر حق ناطق مولی المسلمین علی مشکلکشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا۔ عجب گومگو کا معاملہ تھا، باطل کی صفوں میں علماء ہیں، قراء ہیں، عباد ہیں، زہاد ہیں، لمبی داڑھیوں والے عبا و دستار سے آراستہ صحابہ کی صحبت میں بیٹھنے والے کلمہ گو اہل قبلہ ہیں مگر کیا حیدر کرار غیر فرار پر یہ سب حیثیتیں ذرہ برابر رعب ڈال سکیں وہ ذو الفقار حیدری جو کل حق کی تنزیل میں سینہ سپر تھی آج وہی حق کی غلط تاویل کے مقابلے میں زیب کمر ہے، ولی مرتضیٰ کے مبارک کانوں میں نبی مصطفےٰ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا بتایا ہوا معیار حق و باطل "ما انا علیہ واصحابی" گونج رہا ہے وہ سن چکے ہیں قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلقوں سے نیچے نہ اترے گا۔ اسے یاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے قرآنی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ بس اٹھی ذو الفقار حیدری اور ایسی اٹھی کہ جب تک بڑے بڑے پرستاران باطل کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیا نیام میں نہ گئی یہ کیا تھا وہی، جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔

آیئے آپ کو ایک اور منظر دکھائیں، فرات کے کنارے کربلا کے تپتے ریت پر اہل بیت نبوت خیمہ زن ہیں۔ ظاہر میں بے یار و مددگار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بہتر ساتھیوں کے ساتھ حق کا حق ادا فرمانے کیلئے اور مدینے کو وداع فرماکے عراق کے بیاباں میں باطل کی سرکوبی کے لئے تشریف لائے ہیں۔ آہ خاک و خون میں آلودہ اس نوجوان کو آپ پہچانتے ہیں کیا اس کے خون سے آپ کو ایسی خوشبو نہیں آئی یہ سیدہ زینب کی آغوش ناز کا پروردہ اٹھارہ سالہ علی اکبر ہے۔ تخت و حکومت کے لئے نہیں مال و دولت کے لئے نہیں، دنیوی جاہ و جاہت کے لئے نہیں۔ ہاں ہاں یہ مقدس گلا حق کے لئے کٹوایا گیا ہے۔ چند قدم آگے بڑھئے اٹھتی جوانی کی ایک ایسی تصویر آپ دیکھیں گے جس کے نقش و نگار میں آپ کو حسنی جھلک نظر آئے گی۔ تیر و تلوار کی موسلا دھار بارش میں حق پر جان قربان کرنے والا یہ طفل نوزادہ سال حسن مجتبیٰ کی نشانی ناکم ذی شان ہے اور مشکیزہ بر دوش بازو بریدہ اس مقدس لاشے کو آپ کیسے بھول سکتے ہیں جس کے خون آلود چہرے سے جلال مرتضوی آشکار ہے جی ہاں یہ قوت بازوئے حسین عباس علم دار ہے۔ بازو کٹا

باطل نے ایکبار پھر حق کے مقابلہ کی ٹھانی اور نجد کی فتنہ پرور زمین میں اپنے ایک ولدنا سعید کو ابلیسی آغوش میں کفری تربیت دی۔ یہ بچہ شیطان جہر توحید کا مکٹ سر پر اوندھائے اور شرک و بدعت کے باؤ گولے وھابیت کی جھولی میں ڈالے شیطان کی سینگ کے ساتھ گمراہی کی بنجر زمین میں شجرِ خبیثہ کی طرح اُگا۔

مہر کیا یا مگر حق کی رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔ پھر آپ اس ننھے منے شہید کو کیونکر بھول سکتے ہیں جو گلستانِ اہلبیت کا غنچۂ ناشگفتہ ہے۔ مقدس باپ کی آغوشِ محبت میں تڑپ کر جان دینے والے پیارے علی اصغر اگر آخری وقت کچھ کہہ سکتے تو یہی کہتے کہ حق کے لئے اہل بیت کے دودھ پیتے بھی اپنا سب کچھ دے دیتے ہیں۔ اور جب آپ یہ سب نہیں بھول سکتے تو کیا اس قیامت صغریٰ کو دل سے بھلا سکتے ہیں جب راکبِ دوشِ نبی، نورِ دیدۂ علی روحِ رسول کا مجاور تین دن کا بھوکا پیاسا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیاسی زخموں کے پھولوں کا سہرا باندھے حق کی بزم عروسی میں نوشہ بن کر داخل ہوتا ہے اور اپنے سجدۃ الشہادۃ کے آخری دوگانے میں آنے والی نسلوں کو سبق دیتا ہے کہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

غرض یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ شومیِ قسمت سے حکمتِ قرآنی میں ظالموں نے فلسفۂ یونانی مخلوط کیا اور باطل کا بہروپیا اعتزال و خروج، رفض و جبر کے نئے روپ دھار کر اپنی پوری قوت کے ساتھ ہل من مبارز کا نعرہ لگاتا حق صریح سے ہم نبرد ہوا، کفر و بدعت کی باطل بدوش آندھیاں سارے عالم پر محیط تھیں، ضلالت بد دینی کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ ملوکیت عالم پر رنگ تعیش غالب تھا کہ سرزمین عجم کے ایک چھوٹے سے گاؤں گیلان کے حسنی حسینی گھرانے میں ایک مبارک ولادت ہوتی ہے ام الخیر فاطمہ ثانی کی آغوش میں محی الدین غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلوہ فرما ہوتے ہیں، باطل کی محفلوں میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے یہ حق کا پیارا غوثیت عظمیٰ کا خلعت در بر اور احیاء دین حق کا سہرا بر سر حسنی حسینی آلات جنگ سے آراستہ ہو کر تن تنہا عزم قاتل عند القتال کا نعرہ لگائے۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ کا پرچم اڑاتا جب باطل کی صفوں پر ظاہر ہوا تو کفر کی حصند بلی اس کی حقانی طاقت کے آگے جھک گئیں اس کی تیغ برق بار اور خنجر خارا شگاف نے میدان صداقت کے وہ رن جیتے ہیں کہ آج بھی رفض و خروج کے قلعوں میں باطل کی آنکھیں کفر کے آنسو روتی ہیں۔ غوثیت کبریٰ کے اس بحر ناپیدا کنا سے حقانیت کے جو دریا بہے انہوں نے چشت و بخارا یمن و عراق، اکناف ہند اور اطراف یورپ کو حق و نور کے پانیوں سے سیراب و شاداب کر دیا۔ اب سلطان الہند ہوں یا شیخ سہرورد، مولائے نقشبند ہوں یا شاہ مدار اس قادری خوان یغما کے خوشہ چیں ہیں۔ میخانۂ قادری کا دو آتشہ شریعت و طریقت انہیں جاموں میں چھلکتا ہے۔ شاخ در شاخ اور کاخ بر کاخ یہی عندلیب خوشنوا حق حق کا لہرا حجازی نغموں میں سناتا ہے۔ سچائی کی اس عالمگیر فتح نے کذب و زور کے خرمنوں کو برباد کر دیا ویرانۂ ضلالت میں بوم ضلالت کو اپنی نحوست گاہ کے لئے چند ٹوٹے ہوئے تنکے بھی ملنا دشوار ہو گئے۔ اس ذلت آمیز شکست کو وہ طاغوت اکبر دیو رجیم کب برداشت کر سکتا تھا جو ازل

میں حق جلیل کے سامنے (معاذ اللہ) خم ٹھونک کر "لاغوینھم اجمعین" کا چیلنج ابناء آدم کو دے چکا تھا اس نے اپنی ساری طاغوتی قوتوں کو جمع کر کے ایک بار پھر حق کے مقابلہ کی ٹھانی اور نجد کی فتنہ پرور سرزمین میں اپنے ایک ولد نامسعود کو وسواس خناس کی ابلیسی آغوش میں کفری تربیت دی یہ بچہ شیطان جب توحید کا مکٹ سر پر باندھا ہے اور شرک و بدعت کے باؤ کوٹے وہابیت کی جھولی میں ڈالے شیطان کے سینگ کے ساتھ گمراہی کی بنجر زمین میں شجرۂ خبیثہ کی طرح اگا۔ اس شجرۂ ملعونہ کے حنظلی بیج امام الوہابیہ نے ہندوستان میں گل ولالہ کے نام سے بوئے جس کے منحوس پودے وہابیت، نیچریت، رفض وخروج زندقہ والحاد، جھوٹے تصوف اور کھوٹی مشیخت کی کونپلیں پھوٹیں۔ ۱۸۵۷ء کی باد سموم نے حق کے باغوں میں سچائی کی نوزستہ کلیوں کو مرجھا رہا تب یہ نکہت بھری جھاڑی تکفیر المسلمین کا پیلی پیلی رکھلی پھولی اور دیوبند وعلی گڑھ کے بازار میں اس کی تقویۃ الایمانی گولیاں خوب دھڑی دھڑی بکیں۔ جب آسمان ہند پہ بے دینی وبد دینی کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ جب آفتاب حق وصداقت بدعت وضلالت کے کالے کالے بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ اس وقت پھر دریائے رحمت حق میں ایک اسلام نواز، کفر شکن موج اٹھی اور قادریت وچشتیت کے زوآبے میں برکاتی ناخدا نے اپنی کشتی نجات کا لنگر بسم اللہ مجریہا ومرسٰہا پڑھ کر اٹھا دیا لاکھوں گرداب بلا درمیان میں تھے بمصداق "ظلمٰت بعضہا فوق بعض"۔ ساحل مراد تک پہنچنے میں موج بر موج آفات وبلیات کا سامنا تھا مگر قطب ہدایت کی سیدھ لے کر چلنے والا یہ سفینۂ حیات "ہٰذا صراط علی مستقیم" کی شاہراہ پر چلا جا رہا تھا منزل بہ منزل اس کے کھیون ہار بدل رہے تھے کہ آل رسولی منزل پر اس کی پتوار ایک ایسے زبردست ہاتھ میں دی گئی کہ پیشانی پر اس صدی کی مجددیت کا ستارہ چمک رہا تھا کشتی تیز ہو گئی۔ "من زکیہا نجی" کی حدی خوانی نے شور ساحل کو دبا دیا اور آغوش طوفان میں کشتی والوں کو نیند سی آنے لگی۔

بریلی کے بیس ۲۰ سالہ نوجوان فاضل نے جب مارہرہ کے خمخانے سے آل رسولی ساغر نوش کیا تو ہاتف نے آنے والی صدی کو خوشخبری دی کہ مبارک ہو مجدد وقت آ پہنچا فتنوں سے کہہ دو کہ مر جائیں، کفری بادل چھٹ جائیں باطل کے جمگھٹوں میں شور واویلا برپا ہے۔ اگر کہیں منکران خاتمیت، مدعیان نبوت، نجدیان نیچریت ملعونات وہابیت، مویدان ندویت وساحران سیاست دنیا وغیرہم اشرار نے اپنے جلسوں، جلوسوں، نعروں، وظیفوں کتابوں، لکچروں، لٹریچروں، اسپیچوں، نظموں، نثروں اور "الکفر ملۃ واحدۃ" کے مطابق کفری اتحادوں کے گھمنڈ میں ربانی طاقتوں اور حقانی قوتوں کو ایک سرے سے نیست ونابود کرنے کا بیڑا اٹھایا تو وہیں صدی کا مجدد اعظم اپنی فوج ظفر موج لیے "کانہم بنیان مرصوص" کے جلوے دکھاتا حرمین طیبین کی کافر کش باطل سوز حسام بے نیام کے جوہر چمکاتا میمنے میسرے میں اپنے مرشدان عظام

اوران کے اخلاف کرام کی مبارک دعاؤں کے پرچم اڑاتا ہمت مرداں مدد خدا کہہ کر میدان میں کودا، باطل کی چنگاریوں پر اوس پڑ گئی فتنوں نے آدمیوں کی بستیاں چھوڑ کر گورستان جہود آباد کیا، کفر وبدعت کی محفلوں میں الّو بولنے لگا. حق اور اہل حق شاد اور ناحق شناس باطل کیش برباد ہوئے۔ ماانا علیہ واصحابی کی جولانی تفسیر علوم نبوی کے اس سچے وارث نے کی آنیوالی نسلوں کے لئے اس میں ایک ابدی سبق ہے جو افراد سے لیکر اقوام تک کے حق میں کبریت احمر ہے اکسیر اعظم ہے، صراط مستقیم ہے، رشد عظیم ہے۔ ۶۵ سال تک یہ آفتاب دربار افق سعادت پر چمکتا رہا مگر آہ امتحان کی گھڑی پھر آگئی غیرت خداوندی پھر خبیث وطیب میں تمیز کرنا چاہتی ہے اہل حق کا یہ سچا راہنما امت کا حقیقی نبض شناس آنیوالے زمانے کو اپنی چشمانِ حق بین سے دیکھ رہا تھا بھری محفل میں اخلاف وخلفا، کے مجمع میں آخری وصیت فرماتا ہے، افراد واشخاص، اخلاف وخلفا اپنے تلامذہ واحباب ہی کو نہیں ایک عالم سنیت کو حق کی آخری تبلیغ کرتا ہے. حق کی کسوٹی، صداقت کا معیار، سنیت کی پہچان کسی خلیفہ جانشین تلمیذ ومرید کو نہیں بلکہ اپنی مقدس کتابوں اور مبارک فتووں کو ٹھہراتا ہے اور ان کے ایمان بھرے مضامین سے ظاہر اپنے دین ومذہب پر چلنے کو ہر فرض سے اہم فرض قرار دیتا ہے. صفر ۱۳۴۰ھ میں یہ مجدد دین وملت اذان جمعہ کو لبیک کہتا اس عالم فانی سے اس دار باقی کو ہجرت کرتا ہے.

آفتاب حق وہدایت کے غروب ہوتے ہی زمانہ پر تاریکی چھائی شروع ہوتی ہے سنیت کا شیرازہ جو کل تک حبل اللہ المتین میں بندھا ہوا تھا آج اغیار اس کے تار و پود بکھیرنے کی فکر میں لگ چکے ہیں. کل جن فتنوں کا سر کچلا جا چکا تھا آج ان کے بے سر اجسام پر شور وشر کے نئے سر لگا کر میدان میں بھیجا گیا ہے۔ دور نگی قادیانیت اپنے آقایان ولی نعمت

بریلی کے بیس۲۰ سالہ نوجوان فاضل نے جب مارہرہ کے خمخانے سے آل رسولی ساغر نوش کیا تو ہاتف نے آنیوالی صدی کو خوش خبری دی کہ مبارک ہو مجدد وقت آپہنچا۔ فتنوں سے کہدو کہ مرجائیں کفری بادل چھٹ جائیں۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے باطل اپنے وجود نا موجود کے ساتھ پاش پاش ہو گیا۔

کی آغوش میں بیٹھی قصر نبوت کی چوری کر رہی ہے علی گڑھ کی نیچریت اور دیوبندگی وہابیت نے نئے چولے بدلے ہیں کہیں خاکساری تحریک ایمان وسنیت کو خاک میں ملا رہی ہے، کہیں احرار وسیرت کمیٹی مسلمانوں کو دین حق اور قیود شرع سے آزادی کے سبق پڑھا رہے ہیں. نیشنلسٹ مسلمان مشرک غلامی کی دعوتیں دے رہے ہیں. اور دنیا کے رنگین دام فریب میں مسلمانوں کو اسیر کر کے ان کے قلوب سے حرارت ایمانی اور محبت نبوی سلب کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں. اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق اور مسلک صحیح پر قائم رکھے. (آمین) ٥ ٥ ٥

اشرف علی تھانوی کا اپنی تفسیر میں یہ حکم لگانا کہ جو مسلمان حضرات اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مثل سید احمد کبیر و شاہ عبدالحق و سیدۃ النساء بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وسیلہ و طفیل سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں مقاصد اور مرادیں پیش کر کے بھینٹ توشہ وغیرہ نیاز دلاتے ہیں وہ سب مرتکب حرام ہیں اور چونکہ ان ساری چیزوں پر غیر اللہ کا نام لگا لہٰذا ان کا کھانا پینا بھی حرام و ناجائز ہو گیا۔ قطعاً افتراء اور باطل ہے اسی طرح شبیر احمد عثمانی و محمود الحسن دیوبندی کا اپنی تفسیر میں یہ حکم لگانا کہ اگر کسی مسلمان نے جانور ذبح کیا اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب غیر اللہ کا چاہا وہ مرتد ہو جائے گا۔ اور ذبیحہ اس کا مرتد کے ذبیحہ کی طرح مردار ہو گا یہ بھی مسلمانوں پر کھلا ہوا ظلم اور قبیح افتراء ہے۔

وقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے

عامۂ مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلال لغیر اللہ جو حرام ہے اس سے ذکر اسم غیر اللہ عند الذبح مراد ہے اور مُہِل عرف شرعی میں بمعنی ذابح کے ہے پس مدار حرمت کسی غیر اللہ کے مطلقاً کسی طرح بھی نام لگے ہونے پر رکھ دینا مخالف اتفاق حضرات مفسرین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہے اور محض اس بناء پر حکم ارتداد اور ذبیحہ پر ذبیحہ مرتد کی طرح حرام ہونے کا حکم عائد کر دینا ان دیابنہ کا ظلم، تکفیر مسلمین میں بے باکی اور خود ان کی بلیغی شریعت ہے۔ اگر کسی مسلمان نے ذبح جانور سے قبل یہ نیت کر لی ہو کہ رب تبارک و تعالیٰ میری فلاں مراد سیدنا غوث اعظم یا سیدنا غریب نواز اجمیری یا سیدنا احمد کبیر رفاعی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وسیلہ و طفیل میں پوری فرما دے تو میں اس جانور کو ذبح کر کے اس کے ثواب کی نذر ان بزرگان دین کی ارواح طیبات کو پیش کروں گا۔ اور وہ مراد پوری ہونے پر جانور کو تقرب الی اللہ کی نیت سے خالص

اللہ کے نام پر ذبح کر کے منت پوری کرتا ہے تو یہ ہرگز ہرگز حرام نہ ہوگا۔ یہ ذبیحہ حلال ہے۔ تفسیر وسیط علامہ واحدی میں ہے

معنی ما اھل بہ لغیر اللہ ما ذبح للاصنام وذکر علیہ اسم غیر اللہ ھذا قول جمیع المفسرین

یعنی ما اُہل بہ لغیر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے اور وقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام لیا جائے۔ یہی قول سارے مفسرین کا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ترجمان القرآن میں اسی کی تائید وتوثیق فرمائی ہے اور تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

وفی الحدیث لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ قال النووی المراد بہ الذبح باسم غیر اللہ عند ذبح صنم او لموسیٰ او لغیرھما۔

یعنی اس حدیث شریف کی کہ اللہ نے لعنت فرمائی اس شخص پر جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا تشریح فرماتے ہوئے امام نووی نے فرمایا مراد اس ارشاد پاک کی وہی وقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا ہے جیسے کہ وہ شخص جس نے ذبح کے وقت بتوں کا یا موسیٰ یا ان کے سوا کسی کا نام لیا۔ تفسیر بیضاوی پارہ ۲ رکوع ۱۱ میں ہے۔

"وما اھل بہ لغیر اللہ ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم" یعنی اہلال لغیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جانور کے ذبح کے وقت بجائے خدا کے بت کا نام لیا جائے۔

تفسیر جلالین میں اسی موقع پر فرمایا

"وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح علی اسم غیرہ والاھلال رفع الصوت وکانوا یرفعونہ عند الذبح للصنم"

یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ بلند آواز سے بتوں کا نام لیکر وہ حرام کیا گیا۔

اسی تفسیر بیضاوی میں دوسرے مقام پر سورۂ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۱ میں آیت کریمہ کے تحت فرمایا گیا

(ترجمہ) وہ جانور حرام ہے جس پر ذبح کے وقت بجائے

روضۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا پرکیف منظر

خدا کے غیر خدا کا نام لیا جائے جیسے کفار کا بجائے بسم اللہ کے باسم اللات والعزیٰ بوقت ذبح کہنا۔

اس موقع پر تفسیر جلالین میں ارشاد فرمایا۔

وما اھل لغیر اللہ بہ ای بان ذبح علی اسم غیرہ

یعنی اہلال لغیر اللہ کی صورت یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔

امام الہمام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی المرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایہ اور نہایہ ص ۴۳۰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) مکروہ ہے اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسری چیز کا ذکر کرنا ذبح کے وقت اور اس کی صورت یہ کہ ذابح وقت ذبح یوں کہے "بسم اللہ محمد رسول اللہ" لفظ محمد کی دال پیش کے ساتھ اس لئے کہ شرکت غیر نہیں پائی گئی۔ لہٰذا وہ ذبیح غیر اللہ کے لئے نہ ہوا مگر مکروہ اس لئے ہوا کہ ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ کے نام کا ملنا پایا گیا اور دوسری صورت یہ کہ ذبح کرنے والا غیر اللہ کو اللہ کے نام کے

ساتھ معطوفاً ذکر کرے مثلاً یوں کہے بسم اللہ و باسم فلاں یا بسم اللہ و محمد رسول اللہ، دال کے زبر کے ساتھ تو اب ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ کہ اہلال لغیر اللہ پایا گیا۔

تیسری صورت یہ کہ ذبح کرنے والا تسمیہ پڑھے اور جانور کو ذبح کے لئے لٹانے سے پہلے یا بعد میں ذکر غیر اللہ کرے تو اب صورۃً و معنیً دونوں طرح سے فصل پایا گیا اور اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبیحہ کے بعد یہ دعا پڑھی کہ اے اللہ اس قربانی کو امتِ محمد کے ان لوگوں کی جانب سے قبول فرما جنہوں نے تیری وحدانیت اور میری نبوت کی گواہی دی ہو۔

برجندی و قاضی خاں میں ہے۔

رجل ضحی و ذبح و قال بسم اللہ و بنام خدا و بنام نبی علیہ السلام قال الشیخ محمد بن فضل ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم تبجیلہ و تعظیمہ جاز ولا باس بہ وان اراد بہ الشرکۃ مع اللہ تعالیٰ لا یحل الذبیحۃ۔

یعنی کسی شخص نے قربانی کی اور جانور کو ذبح کرتے ہوئے یوں کہا باسم اللہ و بنام خدا و بنام نبی علیہ السلام امام محمد بن فضل نے فرمایا اگر اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محض تعظیماً لیا تو یہ جائز ہے اور اس ذبیحہ میں کوئی شرعی حرج نہیں اور اگر اس نے حضور کا نام اللہ کے ساتھ شرکت کے ارادے سے لیا تو اب ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

ان تصریحات کی روشنی میں ملاحظہ ہو کہ جو یہ کہتے ہیں کہ قبل، بعد جب کبھی کسی طرح غیر اللہ کا نام کسی شے پر لگا۔ اس کا کھانا حلال نہ رہا اور وہ جانور حرام ہو گیا۔ باطل اور کھلی ہوئی گمراہی ہے یہ شریعت پر افترا ہے۔

مسلمان جو جانور اس لئے پالتے ہیں کہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھانا پکوا کر کسی اللہ کے ولی کی روح کو ایصالِ ثواب کیا جائے گا۔ یہ جائز ہے اور جانور بھی حلال و طیب ہے۔ اس کو "ما اہل بہ لغیر اللہ" میں داخل کرنا بدترین جہالت اور مسلمانانِ اہل سنت سے دیانہ کی عداوت اور خود ان کی گمراہی ہے۔

قرآن مقدس کا ارشاد ہے۔ یعنی اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جو جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

جس حلال جانور کو مسلمان اللہ کا نام لیکر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ وقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے تو ذبیحہ بلا شبہ جائز و حلال ہے

حدیث شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اشیاء کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا۔ اور وہ چیزیں جن کے بیان حلت و حرمت سے سکوت فرمایا وہ معفو ہیں یعنی کم از کم درجۂ اباحت میں ہیں۔ تو جب وہ چیزیں جن کے حلت و حرمت کے بیان سے سکوت فرمایا گیا۔ اور جو درجۂ اباحت میں ہیں تو اللہ کے نام پر مذبوح کی حلت و جواز تو دلائل شرعیہ قطعیہ یقینیہ جیسا کہ اوپر بیان کر آئے قائم ہیں تو اب ان دیوبندیوں وغیرہم کو اس بات کا کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ

اولیاء کے نام پر جانور پالنا

قرآن فرماتا ہے وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ (الآیت) اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ ----------- قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمائی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم دیا اور فرمایا۔ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ۔ کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا۔ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو جانور کافر بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کرے تو حلال ہے۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں کر حرام ہوں گے۔

عالمگیری میں ہے کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کے لئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ اولیاء اللہ کے نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے۔

اگر اُہِلَّ کے وہ معنی مراد لئے جائیں جو معترضین نے لئے ہیں تو مَآ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی بنیاد پر ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام سے منسوب کی جائے حرام ہونی چاہیئے (معاذ اللہ) جیسے زید کا بکرا، عمر کی بھینس، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، امام بخاری کی کتاب وغیرہ وغیرہ۔

اس کے خلاف پر زبان کھولیں۔ اور بلا وجہ شرعی مسلمانوں کو کافر و مشرک، مرتد و مبتدع ٹھہرائیں۔

علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمہ رسالہ کشف النور میں نذر اولیاء اللہ کی بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں۔ واما اصرار لبعض الناس علی تحریم ھذہ الامور لغیر دلیل قطعی فموجبہ عدم الحیاء من اللہ تعالیٰ فان الحرام فی مقابلۃ الفرض یحتاج فی ثبوتہ الی دلیل قطعی الی اٰخرہ ملخصا ملتقطا۔

یعنی بعض لوگوں کا ان امور و نذر اولیاء کرام و محبوبان خدا کی حرمت پر بغیر دلیل قطعی کے اڑ جانا ان کا خداوند قدوس سے شرم و حیا کا نہ ہونا ہے پس بیشک حرام فرض کے مقابلے میں ہے اور محتاج ہے اپنے ثبوت میں دلیل قطعی کا۔

شریعت مطہرہ ان دریابنہ ملاعنہ اور گستاخان رسول کے لئے صاف صاف حکم دے چکی ہے۔ "من شک فی کفرھم و عذابھم فقد کفر"

مسلمانوں کا ان سے ہر طرح کا رشتہ و تعلق ختم کر لینا لازم و واجب ہے اور اسی میں بھلائی ہے

انسانی اختیار

بندوں کے اختیاری افعال میں متعدد مذاہب ہیں۔ ان میں سے تین مذہب معروف ہیں۔

۱:۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ صرف بندے کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲:۔ جبریہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے بندے کا اس میں کوئی اختیار نہیں بندہ ایک پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳:۔ اہل سنت کے امام شیخ ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ فعل کو پیدا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن بندے کو ایک قدرت اور اختیار دیا گیا۔ جب وہ اس قدرت کو فعل کی طرف پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا فرما دیتا ہے وہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور بندہ اس کا سبب ہے[1]۔

خلق اور کسب

علامہ تفتازانی خلق اور کسب کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان صرف العبد قدرۃ و ارادۃ الی الفعل کسب و ایجاد اللہ تعالیٰ الفعل عقیب ذالک خلق و المقدور الواحد داخل تحت القدرتین لکن بجہتین مختلفین فالفعل مقدور اللہ تعالیٰ بجہۃ الایجاد و مقدور العبد بجہۃ الکسب[2]۔

انسان کا قدرت و ارادہ کو فعل کی طرف پھیر دینا کسب ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو وجود عطا کرنا خلق ہے۔ مقدور ایک ہے جو دو قدرتوں کے تحت مختلف جہتوں سے داخل ہے۔ پس فعل ایجاد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور کسب کے لحاظ سے بندے کی قدرت میں ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی قادر اور بندہ بھی قادر تو وہ لائق توجہ نہیں ہوگا کیونکہ دونوں قدرتوں میں فرق ظاہر

ہے پھر بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے شرک کیسا؟ اور برابری کیسی؟ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انسان کے لئے قدرت و اختیار تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معطل اور معزول ہو گیا اب نہ قدرت ہے نہ اختیار تو ایسے شخص کی بات پر کون کان دھرے گا؟ انسان کی قدرت کا سرے سے انکار کر کے ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ جبریہ کا مذہب اختیار کر لیا جائے جو انسان کو پتھر سے بڑھ کر کوئی حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اقسامِ خوارق

انسان سے معمول کے مطابق بے شمار افعال صادر ہوتے ہیں۔ بعض انسانوں سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو انتہائی غیر معمولی ہوتے ہیں جنہیں خوارق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے ان کی چند قسمیں بیان کی ہیں۔

۱:۔ ایسے افعال الوہیت کے مدعی کے ہاتھوں ظاہر ہوں جیسے فرعون کے ہاتھوں ظاہر ہوئے یا دجال کے ہاتھوں ظاہر ہوں گے یہ امر ممکن ہے کیونکہ اس شخص کی شکل اور خلقت اس کے جھوٹا ہونے پر شاہد ہے۔ لہٰذا اس کے ہاتھوں خوارق کے ظاہر ہونے سے کوئی التباس لازم نہیں آئے گا۔

۲:۔ یہ افعال نبوت کے سچے مدعی کے ہاتھوں ظاہر ہوں ایسی ہستی کے ہاتھوں خوارق کا ظہور ضروری ہے۔ اس پر نبوتِ انبیاء کے ماننے والوں کا اتفاق ہے۔

۳:۔ وہ شخص نبوت کا جھوٹا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر اول تو خوارق ظاہر ہی نہیں ہوں گے اور اگر ظاہر ہوں تو اس کا معارضہ ضرور کیا جا سکے گا۔

۴:۔ وہ شخص ولایت کا مدعی ہو، اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ جائز ہے کہ اس کے دعوے کے مطابق خوارق ظاہر ہوں یا نہیں۔

۵:۔ وہ شخص جادو اور شیطان کی اطاعت کا دعوے دار ہو ہمارے نزدیک اس کے ہاتھ پر خوارق کا ظہور جائز ہے معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

۶:۔ ایک شخص صالح اور بارگاہِ الٰہی میں پسندیدہ ہے اس نے دعویٰ کچھ نہیں کیا۔ اس کے ہاتھوں خوارق کا ظاہر ہونا ولی کی کرامت ہے اہلِ سنت اسے جائز قرار دیتے ہیں جب کہ ابو الحسین بصری اور محمود خوارزمی کے علاوہ معتزلہ کرامت اولیاء کا انکار کرتے ہیں۔

۷:۔ جو شخص طاعتِ الٰہی سے مردود ہے (فاسق ہے یا کافر) اس کے ہاتھ پر خوارق کے ظاہر ہونے کو استدراج کہتے ہیں[۳]

علامہ عبد العزیز پرہاروی نے خوارق کی سات قسمیں اس طرح بیان کی ہیں۔

۱۔ انبیاء کا معجزہ ۲۔ اولیاء کی کرامت ۳۔ عام مومن کی معونت جو نہ تو ولی ہے اور نہ فاسق ہے۔ ۴۔ اعلانِ بعثت سے پہلے نبی کا ارہاص جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پتھروں کا سلام عرض کرنا ۵۔ کافر اور فاسق کا استدراج وہ خرقِ عادت جو اس کی غرض کے مطابق ہو کر وہ اسے آہستہ آہستہ آتشِ دوزخ تک پہنچائے گا ۶۔ اہانت وہ خرقِ عادت جو کافر یا فاسق کی غرض کے خلاف ہو جیسے مسیلمہ کذاب نے کلی کی تو پانی کھاری ہو گیا۔ ایک بھینگے کی آنکھ کو ہاتھ لگایا تو وہ اندھا ہو گیا ۷۔ جادو نفسِ شریر کے شیاطین کی امداد سے چند مخصوص اعمال کے بعد جو خرقِ عادت ظاہر ہو، بعض علماء جادو کو خوارق میں سے شمار نہیں کرتے ہیں[۴]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ورسولا الی بنی اسرائیل
انی قد جئتکم بآیۃ من

ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللّٰہ ۚ

اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے کو جلاتا (زندہ کرتا) ہوں اللہ کے حکم سے۔

(کنز الایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی وتبرئ الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی ۔

اور جب مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔

موت کے فرشتے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

حتیٰ اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا

یہاں تک کہ جب تم سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

کرامات اولیاء اور معجزات انبیاء برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبین رب کے دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال فرماتے ہیں کرامات و معجزات سے انکار اللہ والوں کی عظمت سے کھلی بغاوت ہے۔

نظامِ عالم چلانے والے فرشتے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والنّٰزعٰت غرقا ۙ والنّٰشطٰت نشطا ۙ والسّٰبحٰت سبحا ۙ فالسّٰبقٰت سبقا ۙ فالمدبرٰت امرا ۘ

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں آسانی سے پیریں پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں پھر کام کی تدبیر کریں۔ (کنز الایمان)

حضرت جبرائیل امین نے بیٹا دیا

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم کے سامنے صورت انسانی میں جلوہ گر ہو کر کہتے ہیں۔

انما انا رسول ربک
لاھب لک غلٰماً زکیا ۞

میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

ان آیات مبارکہ میں غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مٹی کے پرندے بنانے (خلق) ان میں پھونک مار کر اڑانے، مادر زاد اندھے، برص کے مریض کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت کی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوگا روح کے قبض کرنے اور موت دینے اور نظام عالم چلانے کی نسبت فرشتوں کی طرف اور بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی گئی ہے بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی نسبت مخلوق کی طرف کرنا شرک ہے تو کیا قرآن پاک شرک کی تعلیم دیتا ہے؟ ہرگز نہیں! ان افعال کی نسبت مخلوق کی طرف مجازاً کی گئی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے اذن کی قید بھی لگا دی گئی ہے تو یہ نسبت قطعاً شرک نہیں ہے۔

احسان الٰہی ظہیر کہتے ہیں۔

فما دام الشیخ عبد القادر ماذوناً مختاراً، متصرفاً، محییاً ممیتاً، مغیثاً، معطیاً موصلاً فلما ذالدعاء الی اللہ، ولما ذا الاستغاثۃ بذ و الاستعانۃ منہ

والتوکل منہ، فکلما یطلبہ الانسان یطلب من الشیخ الجیلانی عیاذاً باللہ ۞

جب تک شیخ عبد القادر ماذون مختار، متصرف زندگی اور موت دینے والے امداد دینے والے، عطا کرنے والے اور پہنچانے والے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کی جائے گی اس سے امداد و اعانت کیوں طلب کی جائے گی اس پر اعتماد کیوں کیا جائے انسان نے جو مانگنا ہوگا شیخ جیلانی سے مانگ لیگا۔ العیاذ باللہ!

اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ! قرآن کریم شرکیات سے بھرا ہوا ہے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو شفا دیتے تھے، مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ملائکہ موت کے وقت جان قبض کرتے ہیں

نظامِ عالم چلاتے ہیں. حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے فرزند عطا کیا تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی کیا ضرورت؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں ہی سے مانگ لیا جاتا.

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریم کو بیٹا اللہ تعالیٰ ہی نے دیا لیکن حضرت جبریل امین کے ذریعے جنگ بدر میں فتح و نصرت اللہ تعالیٰ ہی نے دی لیکن فرشتوں کے واسطے سے ارشاد ربانی ہے.

بلیٰ ان تصبروا وتتقوا
ویاتوکم من فورهم هذا
یمددکم ربکم بخمسة الٰف
من الملٰئکة مسومین.[10]

"ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ
کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں تو تمہارا
رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان
والے بھیجے گا."

دیکھئے امداد اللہ تعالیٰ ہی نے فرمائی لیکن فرشتوں کے واسطے سے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمیں فرشتے ہی کافی ہیں اللہ تعالیٰ کی امداد کی کیا ضرورت؟

اسی طرح اگر کسی شخص کی مراد اولیاء کرام کے ہاتھوں پوری ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی امداد ہوگی مگر اولیاء کے واسطے سے، اسی طرح اگر کوئی مردہ ولی کے قم باذن اللہ کہنے سے زندہ ہو جائے یا کوئی گستاخ ان کے قہر و غضب کا نشانہ بن کر ہلاک ہو جائے تو اس کی زندگی اور موت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی. اولیاء کرام کی حیثیت وسیلہ اور سبب کی ہوگی اس بحث کے ابتدا میں گذر چکا ہے کہ بندہ جن افعال کا سبب ہوتا ہے اس میں اس کا اتنا ہی دخل ہوتا ہے کہ وہ اپنے خداداد ارادے اور قدرت کو فعل کی طرف پھیر دیتا ہے. اس کے بعد فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لئے حقیقی التجا، استعانت اور استغاثہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہوگا. اگرچہ بظاہر اس کی کسی مخلوق سے ہی ہو. یہ وہ باریک نکتہ ہے جو کئی لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آتا.

حواشی

[1] عبدالعزیز پرہاروی، علامہ: النبراس و شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال ص ۱۱۱
[2] مسعود بن عمر تفتازانی، علامہ: شرح العقائد (مطبع شوکۃ الاسلام لکھنؤ) ص ۹۵
[3] فخرالدین الرازی، امام: تفسیر کبیر (عبدالرحمٰن محمد مصر) ج ۲۱ ص ۸۵.
[4] عبدالعزیز پرہاروی، علامہ: النبراس ص ۴۳۰.
[5] القرآن پ ۳ آل عمران آیت ۴۹
[6] القرآن پ ۷ المائدہ آیت ۱۱۰.
[7] القرآن پ ۷ الانعام آیت ۷۱.
[8] القرآن پ ۱۶ مریم آیت ۱۹.
[9] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ ص ۴۳
[10] القرآن پ ۴ آل عمران آیت ۱۲۵

مسئلہ علم غیب

از
اعلیحضرت
امام
احمد رضا
فاضل
بریلوی
قدس
سرہٗ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت والا درجت، عظیم البرکت حضرت مولانا مولوی سید حسین حیدر میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العلیہ بعد تسلیم و آداب خادمانہ عارض (۱) حضرت والا کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ گنگوہ، دیوبند، نانوتہ و تھانہ بھون و دہلی و سہسوان خذلہم اللہ تعالیٰ نے اللہ عز و علا و حضور پر نور سید الانبیاء علیہ و علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کی شان میں کیا کیا کلمات ملعونہ بکے، لکھے اور چھاپے جن پر عامۂ علمائے عرب و ہند نے ان کی تکفیر کی۔

کتاب حسام الحرمین مع تمہید ایمان و خلاصۂ فوائد فتاویٰ حاضر خدمت ہیں۔ زیادہ نہ ہو تو صرف دو رسالے اولین تمہید ایمان و خلاصۂ فوائد کو حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمالیں کہ حق آفتاب سے زیادہ واضح ہے

(۲) اس کتاب مستطاب کی اشاعت پر خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگویوں کی جو حالت اضطراب و پیچ و تاب ہے بیان سے باہر ہے۔ دو سال سے اس کتاب کی بندش کے بعد چیختے چلاتے اور طرح طرح کے غل مچاتے، پرچوں اخباروں میں گالیوں کے انبار لگاتے، سو سو پہلو سے بحث بدلتے، ادھر ادھر پلٹے کھاتے ہیں مگر اصل مبحث کا جواب دینا درکنار اس کا نام لیتے ہول کھاتے ہیں۔

بدگویوں میں مرتضیٰ حسن چاند پوری دیوبندی اور ان کے یار غار ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد صرف انہی غل مچانے، بحثیں بدلنے، گالیاں چھاپنے کے لیے منتخب کئے گئے ہیں جن کے غل پر پانچ پانچ رسالے میرے احباب کے ان کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان سب کا بھی جواب غائب اور چیخ بدستور۔

یہ تمام حال حضرت والا کو ملاحظہ رسالہ ظفر الدین الجید و عمر الدین الطیب و اشتہار ضروری نوٹس و اشتہار تیاز مانہ کے ملاحظہ سے واضح

فہرس

ہوگا۔ سب مرسل خدمت ہیں اور زیادہ تفصیل احباب فقیر کے رسالہ حسین کیش تجنیج ورسالہ بارش سنگی ورسالہ پیکان جاں گداز کے ملاحظے سے ظاہر ہوگی یہ سب زیر طبع ہیں بعد طبع بعونہ تعالیٰ ان سے کہہ دوں گا کہ ارسال خدمت اقدس کریں۔

(۳) اب چند امور ضروری مختصراً عرض کردوں کہ بعونہ تعالےٰ اظہار حق و ابطال باطل کو بس ہوں۔

امر اول مخالفین کی افترا پردازیاں

ان چالوں کے علاوہ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگویوں نے ادھر یہ مکر گانٹھا کسی طرح معاذ اللہ بالقلب کیجئے یعنی ادھر بھی کوئی بات ایسی نسبت کریں جس پر معاذ اللہ حکم یا ضلال لگا سکیں۔

اس کے لئے مسئلۂ علم غیب میں افترا چھانٹنے شروع کئے

(۱) کبھی یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ذاتی بے عطائے الٰہی مانتا ہے۔

(۲) کبھی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، علم الٰہی سے مساوی جانتا ہے صرف قدم وحدوث کا فرق کرتا ہے۔

(۳) کبھی یہ کہ باستثناء ذات وصفات الٰہی باقی تمام معلومات الٰہیہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم محیط بتاتا ہے۔

(۴) کبھی یہ کہ امور غیر متناہیہ بالفعل کو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم بتفصیل تمام حاوی ٹھہراتا ہے۔

حالانکہ اللہ واحد قہار دیکھ رہا ہے کہ یہ سب ان اشقیا کا افترا ہے۔

سچے ہیں تو بتائیں کہ ان میں سے کون سا جملہ فقیر کے کس رسالے، کس فتوے، کس تحریر میں ہے؟

قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صٰدقین ۝ فاذ لم یاتوا بالشہداء فاولٰئک عند اللہ ہم الکٰذبون ۝ انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون ۝

تم فرماؤ لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

(سورۂ بقرہ پ رکوع ۱۴ آیت ۱۱۱)

یہی بہتانات لوگوں کے سامنے بیان کرکے ان کو پریشان کرتے ہیں۔ ان کا پریشان ہونا حق بجانب ہے اس پر اگر کوئی عالم مخالفت کرے تو ضرور اسے لائق اور مناسب ہے بلکہ مفتریان کذاب اگر ان کلمات کا خود مجھ سے استفسار کرتے تو سب سے پہلے انہی باطل باتوں کا رد وابطال میں کرتا۔

فقیر نے مکہ معظمہ میں جو رسالہ "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" اس باب میں تصنیف کیا جس کی متعدد نقول علماء مکہ نے لیں۔ اس میں ان تمام خرافات کا رد صریح موجود ہے ان اباطیل کل یا بعض پر جو عالم مخالفت کرے یا رد لکھے وہ رد و خلاف حقیقۃً انہیں ملعون افتراؤں پر عائد ہوگا۔ نہ اس پر جو ان اکاذیب سے بحمدہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی بری ہے جیسے وہ مفتریان کذاب دین و حیا سے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۝

اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

حضرت والا کو حق سبحانہ و تعالیٰ شفائے کامل و عاجل عطا فرمائے۔ اگر براہ کرم قدیم و لطف عمیم یہاں تشریف فرما ہو کر خادم نوازی کریں تو اصل رسالہ جس پر مولانا تاج الدین الیاس و مولانا عثمان بن عبد السلام مفتیان مدینہ منورہ کی اصل تقریظات ان کی مہری و دستخطی موجود ہیں نظر انور سے گزاروں گا۔

فی الحال اس کی دو چار عبارات عرض کرتا ہوں جن سے روشن ہو جائے گا کہ مفتریوں کے افترا کس درجہ باطل و بیا در ہوا ہیں جس کی نظیر یہی ہو سکتی تھی کہ کوئی بدباطن کہے وہ اہلسنت کا مذہب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تبرا اور صدیقہ طاہرہ پر بہتان اٹھاتا ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ میرے رسالہ کی نظر اول میں ہے۔

۱. العلو الذاتی المختص بالمولیٰ سبحانہ و تعالیٰ لا یمکن لغیرہ و من اثبت شیئا منہ ولو ادنی من ادنی من ادنی من ذرۃ لاحد من العٰلمین فقد کفر و اشرک۔

علم ذاتی اللہ عز و جل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے۔ جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔

(۲) اسی میں ہے اللاتناہی الکمی مخصوص بعلم اللہ تعالیٰ

غیر متناہی بالفعل کو شامل ہونا صرف علم الٰہی کیلئے ہے۔

(۳) اسی میں ہے احاطۃ احد من الخلق بمعلومات اللہ تعالیٰ علی جہۃ التفصیل التام محال شرعا و عقلا بل لو جمع علوم جمیع العٰلمین اولا و اخرا لما کانت لہا نسبۃ ما اصلا الی علوم اللہ سبحٰنہ و تعالیٰ حتی کنسبۃ حصۃ من الف الف حصص قطرۃ الی الف الف بحر۔

کسی مخلوق کا معلومات الٰہیہ کو بر تفصیل تام محیط ہو جانا شرعاً بھی محال ہے اور عقل سے بھی۔ بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے

(۴) اسی کی نظر ثانی میں ہے ن ھ و بعد ما تقرر ان شبہۃ مساواۃ علوم المخلوقین طرا اجمعین لعلم ربنا الہ العٰلمین ما کانت لتخطر

ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہو گیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم مل کر بھی علم الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل

بیان المسلمین میں اس کا خطرہ گذرے۔

(۵) اسی میں ہے

قد اقمنا الدلائل القاھرة علی ان احاطة علم المخلوق بجمیع المعلومات الالٰھیة محال قطعا عقلا وسمعا

ہم قاہر دلیلیں قائم کر چکے کہ علم مخلوق کا جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا عقل و شرع دونوں کی رو سے یقیناً محال ہے۔

(۶) اسی کی نظر ثالث میں ہے۔

العلم الذاتی والمطلق المحیط التفصیلی مختص باللہ تعالیٰ وما للعباد الا مطلق العلم العطائی

علم ذاتی اور علم الاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عز وجل کے ساتھ خاص ہیں بندوں کے لئے صرف ایک گونہ علم عطائی الٰہی ہے۔

(۷) اسی کی نظر خامس میں ہے۔

لا نقول بمساواة علم اللہ تعالیٰ ولا بحصوله بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضا الا البعض۔

ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔

میرا مختصر فتویٰ "انباء المصطفیٰ" بمبئی مراد آباد میں تین بار ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر شائع ہوا ایک نسخہ اس کا کہ رسالہ "الکلمة العلیا" کے ساتھ مطبوع ہوا مرسل خدمت ہے اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب۔

امر دوم

بندوں کو علم غیب عطا ہونے کی سند اور آیات نفی کی مراد

انہیں عبارات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ علم غیب کا عطا حضرت عزت ہونا بیشک حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عز وجل فرماتا ہے۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ

تم فرما دو کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

اور اس سے مراد وہی علم ذاتی و علم محیط ہے کہ وہی باری عز وجل کے لئے ثابت ہے اور اس سے مخصوص ہیں۔ علم عطائی کہ دوسرے کا دیا ہوا ہو، علم غیر محیط کہ بعض اشیاء سے مطلع بعض سے ناواقف ہو اللہ عز وجل کے لئے ہو ہی نہیں سکتا اس سے مخصوص ہونا تو دوسرا درجہ ہے۔ اور اللہ عز وجل کی عطا سے علوم غیب غیر محیط کا انبیاء علیہم الصلوٰة والسلام کو ملنا بھی قطعاً حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عز وجل فرماتا ہے۔

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ

(۱) وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء

اللہ اس لئے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کرے ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

(۲) اور فرماتا ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول

اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۳) اور فرماتا ہے۔

وما ھو علی الغیب بضنین

نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں

(۴) اور فرماتا ہے۔

ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک

اے نبی یہ غیب کی باتیں ہم تم کو مخفی طور پر بتاتے ہیں۔

(۵) حتی کہ مسلمانوں کو فرماتا ہے۔

یؤمنون بالغیب

غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شے کا اصلاً علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیونکر ممکن۔ لاجرم تفسیر کبیر میں ہے۔

(۶) لا یمتنع ان نقول نعلم من الغیب مالنا علیہ دلیل

یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لئے دلیل ہے۔

(۷) نسیم الریاض میں ہے۔

لم یکلفنا اللہ الایمان بالغیب الا وقد فتح لنا باب غیبہ

ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا جبھی حکم دیا ہے کہ اپنے غیب کا دروازہ ہمارے لئے کھول دیا ہے۔

فقیر نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہا تھا۔ یہ ائمہ علماء جو اپنے لئے مان رہے ہیں معلوم نہیں کہ مخالفین ان پر کون سا حکم جڑیں۔

۸، ۹ امام شعرانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں۔

للمجتہدین القدم الراسخ فی علوم الغیب

علم غیب میں ائمہ مجتہدین کے لئے مضبوط قدم ہے۔

۱۰، ۱۱ مولانا علی قاری ذکر مخالفین براہ نافہمی اس مسئلہ میں ان سے سند لاتے ہیں) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں کتاب عقائد تالیف حضرت شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

نعتقد ان العبد ینقل فی الاحوال حتی یصیر الی نعت الروحانیۃ فیعلم الغیب

ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقی مقامات پا کر صفت روحانی تک پہنچتا ہے اس وقت اسے علم غیب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۲) یہی علی قاری، مرقاۃ میں اسی کتاب سے ناقل۔

یطلع العبد علی حقائق الاشیاء و یتجلی لہ الغیب وغیب الغیب

نور ایمان کی قوت بڑھ کر بندہ حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس کے لئے غیب بلکہ غیب کا غیب روشن ہو جاتا ہے۔

(۱۳) یہی علی قاری اسی مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

الناس ینقسم الی فطن یدرک الغائب کالمشاھدۃ وھم الانبیاء والی من الغالب علیھم متابعۃ الحس والوھم فقط وھو اکثر الخلائق فلابد لھم من معلم یکشف لھم المغیبات وما ھو الا النبی المبعوث لھذا الامر۔

آدمی دو قسم کے ہیں ایک وہ زیرک کہ غیب کو مشاہدات کی طرح جانتے ہیں اور یہ انبیاء ہیں دوسرے وہ جن پر صرف حس و وہم کی پیروی غالب ہے اکثر مخلوق اسی قسم کی ہے تو ان کو ایک بتانے والے کی ضرورت ہے جو ان پر غیبوں کو کھول دے اور وہ بتانے والا نہیں مگر نبی کہ خود اس کام کے لئے بھیجا جاتا ہے۔

۱۴، ۱۵۔ یہی علی قاری شرح فقہ اکبر میں حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل۔

الفراسۃ مکاشفۃ النفس ومعاینۃ الغیب وھی من مقامات الایمان

فراست مومن جس کا ذکر حدیث میں ارشاد ہوا ہے، وہ روح کا کشف اور غیب کا معائنہ ہے اور یہ ایمان کے مقاموں میں سے ایک مقام ہے۔

۱۶، ۱۷۔ امام ابن حجر مکی کتاب الاعلام، پھر علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں۔

الخواص یجوز ان یعلموا الغیب فی قضیۃ او قضایا کما وقع لکثیر منھم واشتھر

جائز ہے کہ اولیاء کو کسی واقعے یا وقائع میں علم غیب ملے جیسا کہ ان میں بہت سے واقع ہو کر مشتہر ہوا۔

۱۸، ۱۹۔ تفسیر معالم و تفسیر خازن میں زیر قولہ تعالیٰ، وماھو

علی الغیب بضنین ۔ ہے۔

یقول انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتیہ علم الغیب فلا یبخل بہ علیکم بل یعلمکم۔

یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم آتا ہے وہ تمہیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو بھی اس کا علم دیتے ہیں۔

(۲۰) تفسیر بیضاوی میں زیر قولہ تعالیٰ، وعلمناہ من لدنا علماء ہے۔

ای مما یختص بنا ولا یعلم الا بتوقیفنا وھو علم الغیوب

یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے وہ علم کہ ہمارے ساتھ خاص ہے اور بے ہمارے بتائے ہوئے علوم نہیں ہوتا وہ علم غیب ہم نے خضر کو عطا فرمایا ہے۔

۲۱۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

قال انک لن تستطیع معی صبرا و کان رجلا یعلم علم الغیب قد علم ذالک۔ ....

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے خضر علم غیب جانتے تھے انہیں علم غیب دیا گیا تھا

۲۲۔ اسی میں ہے عبداللہ بن عباس نے فرمایا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا

لم تحط من علم الغیب بما اعلم

جو علم غیب میں جانتا ہوں آپ کا علم اسے محیط نہیں۔

(۲۳) امام قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں۔

النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب

نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ علم غیب جاننا۔

(۲۴) اسی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک نبی کے بیان میں فرمایا۔

النبوۃ ماخوذۃ من النبأ وھو الخبر ای ان اللہ تعالیٰ اطلعہ علی غیبہ

حضور کو نبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنے غیب کا علم دیا۔

(۲۵) اسی میں ہے۔

قد اشتہر وانتشر امرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین اصحابہ بالاطلاع علی الغیوب

بیشک صحابہ کرام میں مشہور و معروف تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیبوں کا علم ہے ....

(۲۶) اسی کی شرح زرقانی میں ہے۔

اصحابہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جازمون باطلاعہ علی الغیب

صحابہ کرام یقین کے ساتھ حکم لگاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے۔

(۲۷) ملا علی قاری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

علمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاو لفنون العلم (الی ان قال) ومنھا علمہ بالامور الغیبیۃ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اقسام علوم کو حاوی ہے غیبوں کا علم بھی علم حضور کی شاخوں سے ایک شاخ ہے

(۲۸) تفسیر امام طبری میں اور تفسیر درمنثور میں بروایت ابوبکر بن ابی شیبہ استاد امام بخاری ومسلم وغیرہ ائمہ محدثین سیدنا امام مجاہد تلمیذ خاص حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔

انہ قال فی قولہ تعالیٰ ولئن سئلتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان ناقۃ فلان بواد کذا وکذا وما یدریہ بالغیب

انہوں نے فرمایا اللہ کے قول "ولئن سألتہم" کی تفسیر میں کہ منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے بیان کرتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے بھلا وہ غیب کی بات کیا جانیں (ترجمہ)

یعنی کسی کا ناقہ گم ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فلاں جنگل میں ہے۔ ایک منافق بولا۔ محمد غیب کیا جانیں اسی پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیتوں سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے ایمان لانے کے بعد۔

حضرت ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت مخالفین پر کیسی آفت ہے۔

وہابیہ پر غضبوں کی ترقیاں

۱۔ ان پر پہلا غضب ائمہ کے اقوال تھے کہ دریا سے قطرہ غرض تمہیں ان پر تو یہیں تک تھا کہ یہ سب ائمہ دین، ان مخالفین دین کے مذہب پر معاذ اللہ کافر و مشرک ٹھہرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا غضب اس سے زیادہ آفت اس حدیث ابن عباس میں تھی کہ معاذ اللہ عبد اللہ بن عباس خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب بتا کر کافر قرار پاتے ہیں۔

۳۔ تیسرا غضب اس سے عظیم تر اشد آفت مواہب شریف اور زرقانی کی عبارات میں تھی کہ نہ صرف عبد اللہ ابن عباس بلکہ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر ایمان لا کر وہابیہ کے دھرم میں کافر ہوئے جاتے ہیں

۴۔ چوتھا غضب اس سے سخت تر ہولناک آفت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری حدیث میں تھی کہ سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ نبی ہیں خود اپنے لئے علم غیب بتا کر معاذ اللہ (خاک بدہن وہابیہ) کافر ٹھہرتے ہیں۔

۵۔ پانچواں غضب اس سے بھی انتہا درجہ کی حد سے گذری ہوئی آفت کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اجماعاً قطعاً یقیناً ایماناً اللہ کے رسول و نبی اور اولو العزم من الرسل ہیں وہابیہ کی تکفیر سے کہاں بچتے ہیں۔

خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان سے کہا کہ مجھے علم غیب ہے جو آپ کو نہیں اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر کچھ انکار نہ فرمایا کیا اس پر ایک وہابی نہ کہے گا کہ افسوس ایک ناؤ کا تختہ توڑ دینے یا گرتی دیوار بے اجرت لئے سیدھی کر دینے پر وہ اعتراض کہ باوصف وعدہ صبر نہ ہو سکا اور وہابی شریعت کی رو سے مونہہ بھر کلمۂ کفر سنا اور زہر کا سا گھونٹ پی کر چپ رہے۔

خیر ان سب آفتوں کا وہابیہ کے پاس تین کھادتوں سے علاج تھا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خضر کے لئے علم غیب تسلیم کیا تو وہابیہ کہہ سکتے تھے کہ موسیٰ بدین خود بایان بدین خود، حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لئے علم غیب بتایا تو وہ اس شیطانی مثل کی آڑ لے سکتے تھے کہ ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے۔

ابن عباس و عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب جانا تو کسی ورق دریدہ وہابی کو کہتے کیا لگتا کہ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند لعنۃ اللہ علی الظلمین ۰

۶۔ مگر چھٹا غضب دھر کی قیامت تو خود اللہ واحد قہار نے ڈھا دی پورا قہر اس آیۂ کریمہ اور اس کی شان نزول نے توڑا یہاں عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے وہ اللہ و رسول سے ٹھٹھا کرتا ہے وہ کلمہ گوئی کر کے مرتد ہوتا ہے۔ افسوس کہ یہ یہاں اس جو کھی مثل کے سوا کچھ گنجائش نہیں کہ ؎

ما زیاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

بھلا جس خدا کی توحید ہی رکھنے کے لئے نبی سے بگاڑی رسولوں سے بگاڑی سب کے علم پر زد لتی جھاڑی، غضب ہے وہی خدا وہابیہ کو چھوڑ کر رسول کا ہو جائے الٹا وہابیہ پر حکم کفر لگائے۔ سچ ہے اب کسی سے دوستی کا دھرم نہ رہا معلوم نہیں کہ اب مخالفین اپنے سرگروہوں کا فتویٰ مانتے ہیں یا اللہ واحد قہار کا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

امر سوم
ذاتی و عطائی کی جانب علم کا انقسام اور علماء کی تصریحات

مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کر دیا انہیں حق نہیں سوجھتا مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔

علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی۔ ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ

خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے۔ یعنی علم ذاتی و علم محیط یقینی۔

وآیات واحادیث واقوال علماء جن میں دوسرے کے لئے اثبات علم غیب سے انکار ہے۔ ان میں قطعاً یہی قسمیں مراد ہیں۔ فتنہ باز کہ حکم تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر مبنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفت خاصہ کو دوسرے کے لئے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لئے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی۔ حاشا للہ، علم عطائی خدا کے ساتھ خاص ہونا درکنار، خدا کے لئے محال قطعی ہے کہ دوسرے کے دیئے سے اسے علم حاصل ہو پھر خدا کے لئے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط۔ حاشا للہ، علم محیط خدا کے لئے محال قطعی ہے جس میں بعض معلومات مجہول رہیں تو علم عطائی غیر محیط حقیقی غیر خدا کیلئے ثابت کرنا، خدا کی صفت خاصہ ثابت کرنا کیونکر ہوا۔

تحفہ فتنہ باز اگرچہ اس حرف ناخز ہو تو معنی یہ ٹھہریں گے کہ بکھو تم غیر خدا کے لئے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنہار خدا کی صفت نہیں ہو سکتی لہذا کافر ہو! یعنی وہ صفت غیر کے لئے ثابت کرنی چاہیئے تھی۔ جو خاص خدا کی صفت ہے کیا کوئی احمق سا احمق ایسا اخبث جنون گوارا کر سکتا ہے

ولکن النجدیۃ قوم لا یعقلون ۰

۲۹، ۳۰۔ امام حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔

وما ذکرناہ فی الآیۃ صرح بہ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاواہ فقال معناہا لا یعلم ذلک استقلالا وعلم احاطۃ بکل المعلومات اللہ تعالیٰ ۰

یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی فرماتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذات خود ہو اور جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو۔

۳۱۔ نیز شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں

انہ تعالیٰ اختص بہ لکن من حیث الاحاطۃ فلا ینافی اطلاع اللہ تعالیٰ لبعض خواصہ علی کثیر من المغیبات حتی من الخمس التی قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یعلمھن الا اللہ۔

غیب اللہ کے لئے خاص ہے مگر بمعنی احاطہ تو اس کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خاصوں کو بہت سے غیبوں کا علم دیا یہاں تک کہ ان پانچ میں سے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

۳۲۔ تفسیر کبیر میں ہے۔

قولہ ولا اعلم الغیب یدل علی اعترافہ بانہ غیر عالم بکل المعلومات

یعنی آیت میں جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا۔ تم فرما دو! میں غیب نہیں جانتا اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا علم جمیع معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں۔

۳۳، ۳۴۔ امام قاضی عیاض، شفا شریف اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

ھذہ المعجزۃ فی اطلاعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الغیب معلومۃ علی القطع بحیث لا یمکن انکارھا او التردد فیھا لاحد من العقلاء لکثرۃ رواتھا واتفاق معانیھا علی الاطلاع علی الغیب وھذا لا ینافی الآیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب الا اللہ وقولہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر فان المنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ باعلام اللہ تعالیٰ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کہنے کا حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لئے بہت خیر جمع کر لیتا۔ اسلئے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے

لما هو متحقق لقوله تعالىٰ فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضىٰ من رسول

ثابت ہے کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

۳۵۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے

لا اعلم الغيب فيه دلالة على ان الغيب بالاستقلال لا يعلمه الا الله

آیت کے یہ معنی ہیں کہ علم غیب جو بذات خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔

۳۶۔ تفسیر انموذج جلیل میں ہے۔

معناه لا يعلم الغيب بلا دليل الا الله او بلا تعليم الا الله او جميع الغيب الا الله

آیت کے یہ معنی ہیں کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم جاننا یا جمیع غیب کو محیط ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

۳۷۔ جامع الفصولین میں ہے۔

يجاب بانه يمكن التوفيق بان المنفي هو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام او المنفي هو المجزوم به لا المظنون ويؤيده قوله تعالىٰ اتجعل فيها من يفسد فيها الآية لانه غيب اخبر به الملئكة ظنا منهم او باعلام الحق فينبغي ان يكفر لو ادعاه مستقلا لا لو اخبر به باعلام في نومه او يقظته بنوع من الكشف اذ لا منافاة بينه وبين الآية لما مر من التوفيق

یعنی فقہاء نے دعویِ علم غیب پر حکم کفر کیا اور حدیثوں اور ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لئے بذات خود علم غیب مانا جائے خدا کے بتائے سے علم غیب کی نفی نہ کی یا نفی قطعی کی ہے نہ ظنی کی اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے کہ فرشتوں نے عرض کی کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خونریزی کریں گے ملائکہ غیب کی خبر بولے مگر ظناً یا خدا کے بتائے سے تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بے خدا کے بتائے علم غیب ملنے کا دعویٰ کرے نہ کہ براہ کشف جاگتے یا سوتے میں خدا کے بتائے سے۔ ایسا علم غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

۳۸، ۳۹۔ رد المحتار میں امام صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل سے ہے۔

لو ادعى علم الغيب بنفسه يكفر

اگر بذات خود علم غیب حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے

۴۰ تا ۴۴۔ اسی میں ہے۔

قال في التتارخانية وفي الحجة ذكر في الملتقط انه لا يكفر لان الاشياء تعرض على روح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وان الرسل يعرفون بعض الغيب قال الله تعالىٰ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول قلت بل ذكروا في كتب العقائد ان من جملة كرامات الاولياء الاطلاع على بعض المغيبات وردوا على المعتزلة المستدلين بهذه الآية على نفيها

تاتارخانیہ میں فتاوی حجہ میں ہے ملتقط میں فرمایا کہ جس نے اللہ و رسول کو گواہ کر کے نکاح کیا کافر نہ ہوگا اسلئے کہ اشیاء نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرض کی جاتی ہیں۔ اور بیشک رسولوں کو بعض علم غیب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو علامہ شامی نے فرمایا کہ بلکہ ائمہ اہلسنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ بعض غیبوں کا علم ہونا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمہ نے اس کا رد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ آیہ کریمہ اولیاء سے بھی مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں فرمائی۔

۴۵۔ تفسیر غرائب القرآن اور رغائب الفرقان میں ہے۔

لم ينف الا الدراية من قبل نفسه وما نفى الدراية من قبل الوحي

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے جاننے کی نفی فرمائی ہے خدا کے بتائے

سے جاننے کی نفی نہیں نہیں فرمائی۔

۴۶، ۴۷۔ تفسیر جمل شرح جلالین و تفسیر خازن میں ہے۔

المعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللہ تعالیٰ علیہ

آیت میں جو ارشاد ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بے خدا کے بتائے نہیں جانتا۔

۴۸۔ تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے۔

لا اعلم الغیب مالم یوحی الی ولم ینصب علیہ دلیل

آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک وحی یا کوئی دلیل قائم نہ ہو مجھے بذات خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

۴۹۔ اسی میں ہے۔

وعندہ مفاتیح الغیب وجہ اختصاصہا بہ تعالیٰ انہ لا یعلمہا کما ہی ابتداء الا ہو۔

یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا اس خصوصیت کے یہ معنی ہیں کہ ابتداءً بغیر بتائے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں کھلتی۔

۵۰۔ تفسیر علامہ نیشاپوری میں ہے۔

(قل لا اقول لکم) لم یقل لیس عندی خزائن اللہ لیعلم ان خزائن اللہ وہو العلم بحقائق الاشیاء و ماہیاتہا عندہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باستجابۃ دعاءہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قولہ ارنا الاشیاء کما ہی ولکنہ یکلم الناس علی قدر عقولہم (ولا اعلم الغیب) ای لا اقول لکم ہذا مع انہ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علمت ماکان

یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی! فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہیں مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل باتیں فرماتے ہیں اور وہ خزانے کیا ہیں تمام اشیاء کی حقیقت و ماہیت کا علم حضور نے اسی

وما یکون اھ مختصرا کے ملنے کی دعا کی اور اللہ عزوجل نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا میں غیب نہیں جانتا یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں۔ مجھے ماکان وما یکون کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ ہو گذرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ انتہیٰ۔

الحمد للہ اس آیۂ کریمہ کی کہ فرما دو میں غیب نہیں جانتا، ایک تفسیر وہ تھی جو تفسیر کبیر سے گذری کہ احاطۂ جمیع غیوب کی نفی ہے نہ کہ غیب کا علم ہی نہیں۔

دوسری وہ تھی جو بہت کتب سے گزری کہ بے خدا کے بتائے جاننے کی نفی ہے۔ نہ یہ کہ بتانے سے بھی مجھے علم غیب نہیں۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ سب سے لطیف تر یہ تیسری تفسیر ہے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے اس لئے کہ اے کافرو! تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو ورنہ واقع میں مجھے ماکان وما یکون کا علم ملا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

امر چہارم

علم غیب سے متعلق اجماعی مسائل

یہاں تک جو کچھ معروض ہوا جمہور ائمۂ دین کا متفق علیہ ہے۔

۱۔ بلاشبہ غیر خدا کے لئے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریات دین سے اور منکر کافر۔

۲۔ بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا مساوی درکنار تمام اولین و آخرین وانبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش، شرق و غرب و جملہ کائنات از روز ازل تا روز آخر کو

محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں، شرق و غرب دو حدیں ہیں، روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔

بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

۳۔ یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دینے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے یہ بھی ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔

اہم نجم
علمِ غیب کی اختلافی حدود اور مسلکِ عرفاء

فضل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکروں کو جہنم میں جانے دیجئے۔ تتمہ کلام استماع فرمایئے ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے آیا وہ روز اول سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ہیں کسی نے کہا متشابہات کا، کسی نے خمس کا، کثیر نے کہا ساعت کا اور عام علماء باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا ماکان و مایکون جمیع مذکور میں از انجا کہ غایت میں دخول و خروج دونوں محتمل ہیں ساعت داخل ہو یا نہیں بہر حال یہ مجموعہ بھی علوم الٰہیہ سے ایک بعض خفیف بلکہ انباء المصطفیٰ احاطہ نے

میں نے قصیدہ بردہ شریف اور اس کی شرح ملا علی قاری سے ثابت کیا ہے کہ علم الٰہی تو علم الٰہی جو غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے یہ مجموعہ ماکان و مایکون کا علم علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سمندر سے ایک لہر ہے پھر علم الٰہی غیر متناہی کے آگے اس کی کیا گنتی۔ اللہ کی قدر نہ جاننے والے اسی کو معاذ اللہ علم الٰہی سے مساوات ٹھہراتے ہیں وما قدروا اللہ حق قدرہ۔

اور جب واقعی ان کے امام الطائفہ کے نزدیک ایک پیڑ کے پتے گن دینے پر خدائی آگئی تو ماکان و مایکون تو بڑی چیز ہے۔ خیر انہیں جانے دیجئے۔ یہ خاص مسئلہ جس طرح ہمارے علماء اہلسنت میں دائر ہے مسائل خلافیہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے مثل ہے کہ اصلاً محل لوم نہیں۔

ہاں ہمارا مختار قول اخیر ہے جو عام عرفائے کرام و بکثرت اعلام کا مسلک ہے اس بارے میں بعض آیات و احادیث و اقوال ائمہ، حضرت کو فقیر کے رسالے انباء المصطفیٰ میں ملیں گے اور اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ماکان و مایکون وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر و وافر ہیں اور اقوال اولیاء کرام و علماء عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفتر عظیم درکار ہے۔

یہاں بطور نمونہ صرف بعض اشارات ائمہ پر اقتصار، وما توفیقی الا باللہ العزیز الغفار۔

حدیث صحیح جامع ترمذی جس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تجلی لی کل شیٔ	ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی
وعرفت	اور میں نے پہچان لی۔

اور فرمایا

مافی السمٰوٰت و	میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں
الارض	اور زمین میں ہے۔

۵۱۔ شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔

دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ	میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں

ورز مینہا بود۔ عبارت است از حصول تامۂ علوم جزی و کلی و احاطۂ آں۔

اور زمینوں میں تھا، اس حدیث میں تمام علوم کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کا بیان ہے (مترجم)

۵۲۔ امام محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں عرض کرتے ہیں ؎

فان من جودك الدنیا وضرتها ؛ ومن علومك علم اللوح والقلم۔

یارسول اللہ دنیا و آخرت دونوں حضور کی بخشش سے ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم (جس میں تمام ماکان و مایکون) ہے حضور کے علم سے ایک ٹکڑا ہے

۵۳۔ علامہ علی قاری اس کی شرح فرماتے ہیں۔

کون علمہا من علومہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان علومہ تتنوع الی الکلیات والجزئیات وحقائق ودقائق وعوارف ومعارف تتعلق بالذات والصفات وعلمہا انما یکون سطرا من سطور علمہ ونھرا من بحور علمہ ثم مع ھذا ھو من برکۃ وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

لوح و قلم کا علم، علوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک ٹکڑا ہے وہ اسلئے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں کلیات، جزئیات، حقائق، دقائق، عوارف اور معارف کہ ذات و صفات الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت سے تو ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۵۴۔ ام القریٰ شریف میں ہے۔

وسع العلمین علما وحلما

حضور کا علم و حلم تمام جہان کو محیط ہے۔

۵۵۔ امام ابن حجر مکی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لان اللہ تعالیٰ اطلعہ علی العالم فعلم علم الاولین والآخرین ماکان ومایکون

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام عالم پر اطلاع دی تو سب اولین و آخرین کا علم حضور کو ملا جو گزرا اور جو ہونے والا ہے سب جان لیا۔

۵۶، ۵۷۔ نسیم الریاض میں ہے۔

ذکر العراقی فی شرح المھذب انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرضت علیہ الخلائق من لدن آدم علیہ الصلوۃ والسلام الی قیام الساعۃ فعرفھم کلھم کما علم آدم الاسماء

امام عراقی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرض کی گئیں تو حضور نے فرمایا ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام نام تعلیم ہوئے تھے۔

۵۸۔ اسی لئے امام بوصیری مدحیہ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں

لك ذات العلوم من عالم الغیب ومنھا لآدم الاسماء

عالم غیب سے حضور کے لئے علوم کی ذات ہے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نام۔

۵۹، ۶۰۔ امام ابن حاج مکی، مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں۔

قد قال علماؤنا رحمھم اللہ تعالیٰ ان الزائر یشعر نفسہ بانہ واقف بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کما ھو فی حیاتہ اذ لا فرق بین موتہ وحیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم ونیاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذالك عندہ جلی لا خفاء بہ

بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زائر اپنے نفس کو آگاہ کردے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے جیسا کہ حضور کی حیات ظاہری میں اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور انکی حالتوں نیتوں ارادوں اور دل کے خطروں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر روشن ہے جس میں اصلا پوشیدگی نہیں۔

۶۱۔ نیز مواہب شریف میں ہے:

لاشک ان اللہ تعالیٰ قد اطلعہ علی ازید من ذالک والقی علیہ علوم الاولین والآخرین

کچھ شک نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زائد حضور کو علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر القا فرمایا

۶۲ تا ۶۴۔ امام قاضی پھر علامہ قاری پھر علامہ مناوی تیسیر شرح جامع الصغیر امام سیوطی میں لکھتے ہیں۔

النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ اتصلت بالملاء الاعلی ولم یبق لہا حجاب فتری وتسمع الکل کالمشاہد ۔

پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں ملاء اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لئے کچھ پردہ نہیں رہتا۔ تو سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں موجود ہیں۔

۶۵۔ ملا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

ان روح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کریم تمام جہان میں ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔

۶۶۔ مدارج النبوت شریف میں ہے۔

ہرچہ در دنیا است از زمان آدم تا اوان نفخۂ اولیٰ بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم گردید و یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد ــــــ "

جو کچھ دنیا میں ہے آدم علیہ السلام کے زمانے میں نفخۂ اولیٰ تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا ہے یہاں تک کہ تمام احوال آپ کو اول سے آخر تک معلوم ہو گئے ان میں سے کچھ اپنے دوستوں کو بھی بتا دیئے۔

۶۷۔ نیز فرماتے ہیں قدس سرہٗ۔

وھو بکل شئی علیم و وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا است ہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اتمہا واکملہا۔

وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کو جانتے ہیں اللہ کی شانوں اور اس کے احکام اور صفات کے احکام اور اسماء و افعال و آثار ہیں۔ اور تمام علوم ظاہر و باطن اول و آخر کا احاطہ کر لیا۔ اور فوق کل ذی علم علیم کا مصداق ہو گئے ان پر اللہ کی بہترین رحمتیں ہوں اور اتم و اکمل تحیات ہوں۔

۶۸۔ شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں۔

فاض علی من جنابہ المقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیفیۃ ترقی العبد من حیزہ الی حیز القدس فیتجلی لہ کل شئی کما اخبر عن ھذا المشہد فی قصۃ المعراج المنامی

مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے فیض ہوا کہ بندہ کیونکر اپنی جگہ سے مقام مقدس تک ترقی کرتا ہے کہ ہر شئے اس پر روشن ہو جاتی ہے جیسا کہ معراج کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام سے خبر دی۔

۶۹۔ نیز اسی میں ہے۔

العارف ینجذب الی حیز الحق فیصیر عند اللہ فیتجلی لہ کل شئی

عارف مقام حق تک کھینچ کر بارگاہ قرب میں ہوتا ہے تو ہر چیز اس پر روشن ہو جاتی ہے۔

۷۰۔ اسی میں ولی فرد کے خصائص سے لکھا ہے کہ وہ تمام نشاۃ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے۔ پھر لکھا کہ یہ استیلا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تو ظاہر ہے۔

واما فی غیرھم فمناصب وراثۃ الانبیاء کالمجددیۃ والقطبیۃ وظہور آثارھا واحکامھا والبلوغ الی حقیقۃ کل علم وحال

رہے غیر انبیاء ان میں وراثت کے منصب ہیں جیسے مجدد و قطب ہونا اور ان کے آثار و احکام کا ظاہر ہونا اور علم و حال کی حقیقت کو پہنچ جانا۔

۷۱۔ اسی میں تقریر مذکور و تفصیل دقائق فرد کے بعد ہے

بعد ذالك كله جبلت نفسه نفسا قدسية لا يشغلها شان عن شان ولا يانى عليه حال من الاحوال الى التجرد الى النقطة الكلية لا هو خبير بها الان وانما الات تفصيل لاجمال۔

اور اس سب کے بعد بات یہ ہے کہ مرد کا نفس اصل خلقت میں نفس قدسی بنایا جاتا ہے اسے ایک بات دوسری سے مشغول نہیں کرتی (یعنی یہ نہیں ہوتا کہ ایک دھیان میں اور طرف کا دھیان نہ رہے بلکہ ہر جانب اس کی نگاہ ایک سی رہتی ہے) اور اب سے لیکر اس وقت تک کہ روح سے جدا ہو کر مرکز عالم سے جا ملے یعنی وقت وفات تک جو کچھ حال اس پر آنے والا ہے اس سب کی اس وقت اسے خبر ہے وہ جو آئے گا اجمال کی تفصیل ہی ہوگا۔

۷۲۔ امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں

هذا مع انه صلى الله تعالى عليه وسلم كان لا يكتب لكنه ولكنه اوتى علم كل شئ حتى قد وردت اثار بمعرفته حروف الخط وحسن تصويرها كقوله لا تمد بسم الله الرحمن الرحيم رواه ابن شعبان من طريق ابن عباس وقوله الحديث الاخر الذى روى عن معاوية رضى الله تعالى عنه انه كان يكتب بين يديه صلى الله تعالى عليه وسلم فقال له الق الدواة وحرف القلم واقم الباء وفرق السين ولا تعور الميم وحسن الله ومد الرحمن وجود الرحيم ٥

یعنی حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھتے نہ تھے مگر حضور کو ہر چیز کا علم عطا ہوا تھا یہاں تک کہ بیشک حدیثیں آئی ہیں۔ کہ حضور کتابت کے حروف پہچانتے تھے اور یہ کہ کس طرح لکھے جائیں تو خوبصورت ہونگے جیسے ایک حدیث ابن شعبان نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ کشش سے نہ لکھو (اس یں دندانے ہوں نری کشش نہ ہو) دوسری حدیث (مسند الفردوس) میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوئی کہ یہ حضور کے سامنے لکھ رہے تھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دوات میں صوف ڈالو اور قلم پر ترچھا خط دو اور بسم اللہ کی ب کھڑی لکھو اور س کے دندانے جدا رکھو اور میم اندھا نہ کرو (اس کے چشمہ کی سفیدی کھلی رہے) اور لفظ اللہ خوبصورت لکھو اور لفظ رحمٰن میں کشش ہو (رحمٰن یا رحمٰن یا رحمٰن) اور لفظ رحیم اچھا لکھو۔

۷۳، ۷۴۔ امام شعرانی قدس سرہٗ کتاب الجواہر والدرر نیز کتاب درۃ الغواص میں سید علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل۔

محمد صلى الله تعالى عليه وسلم هو الاول والاخر والظاهر والباطن قد ولج حين اسرى به عالم الاسماء اولها مركز الارض واخرها السماء الدنيا بجميع احكامها وتعلقاتها ثم ولج البرزخ الى انتهائه وهو السماء السابعة ثم ولج عالم العرش الحما لا نهاية له والفتح فى برزخيته صور علوم الالهية والكونية اه ملتقطا

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اول و آخر و ظاہر و باطن ہیں۔ وہ شب معراج مرکز زمین سے آسمان تک تشریف لے گئے اور اس عالم کے جملہ احکام اور تعلقات جان لئے پھر آسمان سے عرش اور عرش سے لاانتہا تک اور حضور کے برزخ میں تمام عالم علوی و سفلی کی صورتیں منکشف ہو گئیں

۷۵۔ تفسیر کبیر میں زیر آیۂ کریمہ وکذالك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض فرمایا۔

الاطلاع علی تفاصیل اٰثار حکمۃ اللہ تعالیٰ فی کل واحد من مخلوقات ھذا العالم بحسب اجناسھا وانواعھا واصنافھا واشخاصھا واجزامھا مما لا یحصل الا للاکابر من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ولھذا المعنی کان رسولنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی دعائہ اللھم ارنا الاشیاء کما ھی

اس عالم کی تمام جنسوں اور نوعوں اور صنفوں اور شخصوں اور بدلوں ہر ہر مخلوق میں حکمتِ الٰہیہ کے آثار پر انہیں اکابر کو اطلاع ہوتی ہے۔ جو انبیاء ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی ہم کو تمام چیزیں جیسی وہ ہیں ویسے دکھا۔

اقول۔ یہاں مقصود اس قدر ہے کہ ان امام اہلسنت کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس عالم کی تمام مخلوقات کے ایک ایک ذرہ کی جنس، نوع، صنف شخص جسم اور ان سب میں اللہ کی حکمتیں بالتفصیل جانتے ہیں۔ وہابیہ کے نزدیک کافر و مشرک ہونے کو یہی بہت ہے بلکہ ان کے نزدیک امام ممدوح کو کافر و مشرک سے بہت بڑھ کر کہنا چاہیے۔

گنگوہی صاحب نے صرف اتنی بات کو کہ دنیا میں جہاں کہیں مجلس میلادِ مبارک ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ہو جائے زمین کا علم محیط مانا اور صاف حکم شرک جڑ دیا کہ۔ شرک نہیں تو کون سا حصہ ایمان کا ہے۔ تو امام کو صرف زمین ور کنار زمین و آسمان، فرش و عرش اور تمام عالم کے جملہ اجناس و انواع و اصناف و اشخاص و اجرام کو نہ صرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی علم محیط مانتے ہیں۔ گنگوہی دھرم میں ان کو تو کئی لاکھ درجے ڈبل کافر ہونا چاہیے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ورنہ اصل بات یہ ہے کہ اصالتاً علوم غیب اور ان کے عطاء و نیابت سے ان کے خدام اکابر اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ایک ایک ذرۂ عالم کا تفصیلی علم عطا ہونا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ بتصریح اولیاء واقع ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے وللہ الحمد۔

۷۶۔ یہی مضمون شریف تفسیر نیشاپوری میں بایں عبارت ہے۔

الاطلاع علی تفاصیل اٰثار حکمۃ اللہ تعالیٰ فی کل احد من مخلوقات ھذہ العوالم بحسب اجناسھا وانواعھا واصنافھا واشخاصھا وعوارضھا ولواحقھا کما ھی لا تحصل الا لاکابر الانبیاء ولھذا قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارنی الاشیاء کما ھی۔

ان عالموں کی مخلوقات میں سے ہر ایک کے تمام آثار حکمتِ الٰہیہ پر ان کی جنسوں، نوعوں، قسموں اور فردوں نیز عوارض و لواحق حقیقیہ پر مطلع ہونا اکابر انبیاء کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا میں عرض کیا کہ مجھے اشیاء کی حقیقتیں دکھا (مترجم)

اس میں آثار حکمت اللہ کے ساتھ تفاصیل زائد ہے۔ اور ھذا العالم کی جگہ ھذہ العوالم ہے کہ نظر تفصیلی پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور اجناس و انواع و اصناف و اشخاص کے ساتھ عوارض و لواحق بھی مذکور ہے کہ احاطہ جملہ جواہر و اعراض میں تصریح تر ہو۔ اگرچہ اجناس عالم میں عوارض بھی داخل تھے پھر ان کے ساتھ کما ہی کا لفظ اور زیادہ ہے کہ صحت علم غیر مشوب بالخطاء والوہم کی تاکید ہو۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر جزاء۔ آمین۔

۷۷۔ نیشاپوری میں زیر آیہ کریمہ وجئنابک علی ھٰؤلاء شھیدا فرمایا

لان روحہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاھد علی جمیع الارواح والقلوب والنفوس لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ روحی۔

یہ جواب عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم تمہیں ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح انور تمام جہان میں ہر ایک کی روح ہر ایک کے دل ہر ایک کے نفس کا مشاہدہ فرماتی ہے، کوئی روح کوئی دل کوئی نفس

ان کی نظر کریم سے اوجھل نہیں جب تو سب پر گواہ بنا کر لائے جائیں گے کہ شاہد کو مشاہدہ ضرور ہے اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میری روح کریم کو پیدا کیا (تو عالم میں جو کچھ ہوا حضور کے سامنے ہوا)

۴۷۔ حافظ الحدیث سیدی احمد سجلماسی قدس سرہ اپنے شیخ کریم حضرت سیدی عبد العزیز ابن مسعود دباغ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کتاب مستطاب ابریز میں روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے آیہ کریمہ وعلم آدم الاسماء کلھا کے متعلق فرمایا۔

المراد بالاسماء الاسماء العالية لا الاسماء النازلة فان كل مخلوق له اسم عال واسم نازل فالاسم النازل هو الذي يشعر بالمسمى في الجملة والاسم العالي هو الذي يشعر باصل المسمى ومن اي شئ هو وبفائدة المسمى ولاي شئ يصلح الفاس من سائر ما يستعمل فيه وكيفية صنعة الحداد له فيعلم من مجرد سماع لفظه هذه العلوم والمعارف المتعلقة بالفاس وهكذا كل مخلوق والمراد بقوله تعالى الاسماء كلها الاسماء التي يطيقها آدم ويحتاج اليها سائر البشر اولهم بها تعلق وهي من كل مخلوق تحت العرش الى ما تحت الارض فيدخل في ذلك الجنة والنار والسموات السبع وما فيهن وما بينهن وما بين السماء

اس کلام نورانی واعلام ربانی یعنی ایمان افروز کفران سوز کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کے دو نام ہیں۔ علوی وسفلی۔ سفلی نام تو صرف مسمّٰی سے ایک گونہ آگاہی دیتا ہے اور علوی نام سنتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مسمّٰی کی حقیقت وماہیت کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوا اور کاہے سے بنا اور کس لئے بنا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اشیاء کے یہ علوی نام تعلیم فرمائے گئے جس سے انہوں نے حسب طاقت وحاجت بشری تمام اشیاء جان لیں اور یہ زیر عرش سے زیر فرش تک کی تمام چیزیں ہیں جس میں جنت ودوزخ وہفت آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ آسمان وزمین کے درمیان ہے اور جنگل اور صحرا اور نالے اور دریا اور درخت وغیرہ جو کچھ زمین میں ہے غرض یہ تمام مخلوقات

والارض وما في الارض من البراري والقفار والاودية والبحار والاشجار فكل مخلوق في ذلك ناطق او جماد الا وآدم يعرف من اسمه تلك الامور الثلثة اصله وفائدته وكيفية ترتيبه ووضع شكله فيعلم من اسم الجنة من اين خلقت ولاي شئ خلقت وترتيب مراتبها وجميع ما فيها من الحور وعدد من يسكنها بعد البعث ويعلم من لفظ النار مثل ذلك ويعلم من لفظ السماء مثل ذلك ولاي شئ كانت الاولى في محلها والثانية وهكذا الى كل سماء ويعلم من لفظ الملائكة من اي شئ خلقوا ولاي شئ خلقوا وكيفية خلقهم وترتيب مراتبهم وباي شئ استحق هذا الملك هذا المقام واستحق غيره مقاما آخر وهكذا الى كل ملك في العرش الى ما تحت الارض فهذه علوم آدم واولاده من الانبياء عليهم الصلوة والسلام والاولياء الكمل رضي الله تعالى عنهم اجمعين وانما خص آدم بالذكر

ناطق وغیر ناطق ان کے صرف نام سننے سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ عرش سے فرش تک ہر شے کی حقیقت یہ ہے اور فائدہ یہ ہے اور اس ترتیب سے اس شکل پر ہے۔ جنت کا نام سنتے ہی انہوں نے جان لیا کہ کہاں سے اور کس لئے بنی اور اس کے مرتبوں کی ترتیب کیا ہے اور جس قدر اس میں حوریں ہیں اور قیامت کے بعد اتنے لوگ اس میں رہینگے اسی طرح نار، یونہی آسمان اور یہ کہ پہلا آسمان وہاں کیوں ہوا اور دوسرا دوسری جگہ کیوں ہوا۔ اسی طرح ملائکہ کا لفظ سننے سے انہوں نے جان لیا کہ کاہے سے بنے اور کیونکر بنے اور ان کے مرتبوں کی ترتیب کیا ہے اور کس لئے یہ فرشتہ اس مقام ہوا اور دوسرا دوسرے کا اسی طرح عرش سے زیر زمین تک ہر فرشتہ کا حال اور یہ تمام علوم صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو نہیں بلکہ ہر نبی اور ہر ولی کامل کو عطا ہوئے ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

آدم کا نام خاص اسلئے لیا کہ ان کو یہ علوم پہلے ملے

ذریه أو من علم هذه العلوم ومن علمها من أولاده فإنما علمها بعده وليس هذه لا يعلمها إلا آدم وما نقصنا ها بما يحتاج به وذريته و بما يطيقونه فلا يلزم من عدم التخصيص وإحاطة بمعلومات الله تعالى وفرق بين علم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بهذه العلوم وبين علم آدم

پھر فرمایا کہ ہم نے بقدر طاقت وحاجت کی قید لگا کر صرف عرش تا فرش کی تمام اشیاء کا احاطہ اس لیے رکھا کہ جملہ معلومات الٰہیہ کا احاطہ نہ لازم آئے اور ان علوم میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ فرق ہے کہ اور جب ان علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان

حصلت له المشاهدة التامة وحصل له مع ذالك مشاهدة هذه العلوم وغيرها مما لا يطاق وإذا توجه نحو هذه العلوم حصلت له مع حصول هذه المشاهدة في الحق سبحانه وتعالى فلا تحجبه مشاهدة الحق عن مشاهدة الخلق ولا مشاهدة الخلق عن مشاهدة الحق سبحانه

جن کی طاقت کسی میں نہیں اور ان علوم کی طرف عین توجہ میں مشاہدۂ حق فرماتے ہیں اور ان کو نہ مشاہدۂ حق مشاہدۂ خلق سے پردہ ہو نہ مشاہدۂ خلق مشاہدۂ حق سے۔

پاکی بلندی اسے جس نے ان کو یہ علوم اور یہ قوتیں بخشیں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلی

لغيره من الأنبياء عليهم الصلوة والسلام فإنهم إذا توجهوا إليها يحصل لهم شبه منام من مشاهدة الحق سبحانه وتعالى وإذا توجهوا نحو مشاهدة الحق سبحانه وتعالى حصل لهم شبه النوم عن هذه العلوم و نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم لقوته لا يشغله هذا عن هذا وهو إذا توجه نحو الحق سبحانه وتعالى

کو مشاہدۂ حضرت عزت جلالہ سے ایک گونہ غفلت سی ہو جاتی ہے اور جب مشاہدۂ حق کی طرف توجہ فرمائیں تو ان علوم کی طرف سے ایک نیند سی آجاتی ہے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے کمال قوت کے سبب ایک علم دوسرے علم سے مشغول نہیں کرتا۔ وہ عین مشاہدۂ حق کے وقت ان تمام علوم اور ان کے سوا اور علموں کو جانتے ہیں

وتعالیٰ۔

آلہ وسلم۔

حضرت سیدی شاہ عبد العزیز قدسنا اللہ سرہ العزیز، اجلۂ اکابر اولیاء عظام واعاظم سادات کرام میں سے ہیں بدلگام وہابیہ سے کچھ تعجب نہیں کہ ان کی شان کریم میں حسب عادت لئیم گستاخی و زبان درازی کریں۔ لہٰذا مناسب کہ اس پاک مبارک لاڈلے بیٹے کی تائید میں اس کے مہربان باپ، مسلمانوں کے مولیٰ اللہ واحد قہار کے غالب شیر سیدنا امیر المومنین مولیٰ علی مشکل کشا، حاجت روا، کافر کش، مومن پناہ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعض ارشادات ذکر کردوں کہ سگان زرد کے برادر شغال اس اسد ذو الجلال کی بو سونگھ کر بھاگیں اور شرک شرک بکنے والے مونہہ میں قہر کے پتھر ہوں اور پتھر دلا سے آگیں۔

۷۹۔ ابن النجار ابو المعتمر مسلم بن عوس وجاریہ بن قدامہ سعدی

سے راوی کہ امیر المومنین ابو الائمۃ الطاہرین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا۔

سلونی قبل ان تفقدونی لا تسئلون عن شئ دون العرش الا اخبرت عنہ

مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کہ عرش کے نیچے جس کسی چیز کو مجھ سے پوچھا جائے میں بتا دوں گا۔

عرش کے نیچے کرسی، ہفت آسمان، ہفت زمین اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے تحت الثریٰ تک سب داخل ہے۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں کہ اس سب کو میرا علم محیط ہے۔ ان میں جو شے مجھ سے پوچھو میں بتا دوں گا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۸۰۔ امام ابن الانباری، کتاب المصاحف میں اور امام ابو عمر بن عبد البر کتاب العلم میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

قال شہدت علی بن ابی طالب یخطب فقال فی خطبتہ سلونی فو اللہ لا تسئلونی عن شئ الی یوم القیمۃ الا حدثتکم بہ۔

میں مولیٰ علی کے خطبہ میں حاضر تھا امیر المومنین نے خطبہ میں ارشاد فرمایا مجھ سے دریافت کر لو کہ خدا کی قسم قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے مجھ سے جو کچھ پوچھو میں بتا دوں گا۔

امیر المومنین فرماتے ہیں کہ میرا علم قیامت تک کے تمام کائنات کو حاوی ہے یہ دونوں حدیثیں امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر فرمائیں۔

۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴۔ ابن قتیبہ پھر ابن خلکان پھر امام دمیری پھر علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

الجفر جلد کتبہ جعفر الصادق کتب فیہ لاھل البیت کل ما یحتاجون الی علمہ کل ما یکون الی یوم القیامۃ

جفر ایک جلد ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھی اور اس میں اہل بیت کرام کے لئے جس چیز کے علم کی انہیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب تحریر فرما دیا۔

۸۵۔ علامہ سید شریف رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مواقف میں فرماتے ہیں۔

الجفر والجامعۃ کتابان لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد ذکر فیھما علی طریقۃ علم الحروف الحوادث التی تحدث الی انقراض العالم وکانت الائمۃ المعروفون من اولادہ یعرفونھا۔ ویحکمون بھا وفی کتاب قبول العھد الذی کتبہ علی بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھما الی المامون انک قد عرفت من حقوقنا ما لم یعرفہ اباؤک فقبلت منک عھدک الا ان الجفر والجامعۃ یدلان علی انہ لا یتم ولمشائخ المغاربۃ نصیب من علوم الحروف ینتسبون فیہ الی اھل البیت ورأیت انا بالشام نظما اشیر فیہ بالرموز الی احوال ملوک مصر وسمعت انہ مستخرج من ذینک الکتابین۔

یعنی جفر وجامعہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دو کتابیں ہیں۔ بیشک امیر المومنین نے ان دونوں میں علم الحروف کی روش پر ختم دنیا تک جتنے وقائع ہونے والے ہیں سب ذکر فرما دیئے ہیں اور ان کی اولاد امجاد سے ائمہ مشہورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کتابوں کے رموز پہچانتے اور ان سے احکام لگاتے تھے۔

اور مامون رشید نے جب حضرت امام علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے بعد ولی عہد کیا اور خلافت نامہ لکھ دیا امام رضی اللہ عنہ نے اس کے قبول میں فرمان بنام مامون رشید تحریر فرما دیا۔ اس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے ہمارے حق پہچانے جو تمہارے باپ دادا نے نہ پہچانے اس لئے میں تمہاری ولی عہدی قبول کرتا ہوں مگر جفر وجامعہ بتا رہی ہیں کہ یہ کام پورا نہ ہوگا (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مامون رشید کی زندگی ہی میں شہادت پائی) اور مشائخ مغرب اس علم سے حصہ اور اس میں اہل بیت کا

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اپنے انتساب کا سلسلہ رکھتے ہیں اور میں نے ملک شام میں ایک نظم دیکھی جس میں شاہان مصر کے احوال کی طرف رمزوں میں اشارہ کیا ہے میں نے سنا کہ وہ احکام انہیں دونوں کتابوں سے نکالے ہیں۔ انتہیٰ۔

اس علم علوی شریف مبارک کی بحث اور اس کے حکم شرعی کی بیش تحقیق بحمد اللہ تعالیٰ فقیر کے رسالہ "تجلی العرس مراد النفوس" میں ہے جو اس کے غیر میں نہ ملے گی۔

۸۶۔ حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وعزة ربي ان السعداء والاشقياء يعرضون على عيني في اللوح المحفوظ۔	عزت الٰہی کی قسم بیشک سب سعید و شقی میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ میری آنکھ لوح محفوظ میں ہے۔

۸۷۔ اور فرماتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لولا لجام الشريعة على لساني لاخبرتكم بما تاكلون وما تدخرون في بيوتكم انتم بين يدي كالقوارير ارى ما في بواطنكم وظواهركم	اگر میری زبان پر شریعت کی روک نہ ہوتی تو میں تمہیں خبر دیتا جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ اپنے گھروں میں اندوختہ کر کے رکھتے ہو میرے سامنے شیشہ کی مانند ہو میں تمہارا ظاہر و باطن سب دیکھ رہا ہوں۔

۸۸۔ اور فرماتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

قلبي مطلع على اسرار الخليقة ناظر الى وجوه القلوب قد صفاه الحق عن دنس رؤية سواه حتى صار لوحا ينقل اليه ما في اللوح المحفوظ وسلم عليه ازمة امور اهل زمانه وصرفه في عطائهم ومنعهم	میرا دل اسرار مخلوقات پر مطلع ہے سب دلوں کو دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ملاحظہ ماسوا کے میل سے صاف کر دیا کہ ایک لوح ہو گیا جس کی طرف وہ منتقل ہوتا ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) تمام اہل زمانہ کے کاموں کی باگیں اسے سپرد

فرمائیں اور اجازت فرمائی کہ جسے چاہیں عطا کریں جسے چاہیں منع فرمادیں۔

۸۹۔ والحمد للہ رب العلمین یہ اور ان کے مثل اور کلمات قدسیہ اجلہ اکابر ائمہ مثل امام اوحد سیدی نور الحق والدین ابو الحسن علی شطنوفی صاحب کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار۔

۹۰۔ و امام اجل سیدی عبد اللہ بن اسعد یافعی شافعی صاحب خلاصۃ المفاخر وغیرہما نے حضور سے باسانید صحیحہ روایت فرمائے۔

۹۱۔ اور علی قاری وغیرہ علماء نے "نزہۃ الخاطر" وغیرہا کتب مناقب شریفہ میں ذکر کئے۔

۹۲۔ عارف کبیر احد الاقطاب الاربعہ سیدنا حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترقیات کامل کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اطلعه على غيبه حتى لا تنبت شجرة ولا تخضر ورقة الا بنظره۔	اللہ تعالیٰ اسے اپنے غیب پر مطلع کرتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیڑ نہیں اگتا اور کوئی پتہ نہیں ہرا ہوتا مگر اس کی نظر کے سامنے

۹۳۔ عارف باللہ حضرت سیدی رسلان دمشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

العارف من جعل الله تعالى في قلبه لوحا منقوشا باسرار الموجودات و امده بانوار حق اليقين يدرك حقائق تلك السطور على اختلاف اطوارها ويدرك اسرار الافعال فلا تتحرك حركة ظاهرة ولا باطنة في الملك والملكوت الا ويكشف الله تعالى عن بصيرة ايمانه وعين عيانه فيشهدها علما	عارف وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک لوح رکھی ہے کہ جملہ اسرار موجودات اس میں منقوش ہیں اور حق الیقین کے نوروں سے اسے مدد دی کہ وہ ان لکھی ہوئی چیزوں کی حقیقتیں خوب جانتا ہے باآنکہ ان کے طور کس قدر مختلف ہیں اور افعال کے راز جانتا ہے تو ظاہری یا باطنی کوئی جنبش ملک یا ملکوت میں واقع نہیں ہوتی مگر یہ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی نگاہ اور اس کے

کشفا۔ — معائنہ کی آنکھ کھول دیتا ہے تو عارف اسے دیکھتا ہے اور اپنے علم وکشف صحیح سے جانتا ہے

۹۴۔ یہ دونوں کلام کریم سیدی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے طبقات کبریٰ میں نقل کئے۔

۹۵۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام حضرت عزیزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے۔

زمیں در نظر ایں طائفہ چو سفرہ ایست

۹۶۔ حضرت خواجہ بہاء الحق والدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کلام پاک نقل کرکے فرماتے۔

وما می گوئیم چوں روئے ناخنی است ایچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست

ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی سطح کی طرح ہے کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے۔

گنگوہی صاحب اب اپنے شیطانی شرک براہین کی خبر لیجئے یہ دونوں ارشاد مبارک۔

۹۷۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نے نفحات الانس میں ذکر کئے۔

۹۸۔ امام اجل سیدی علی وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

لیس الرجل من یقیدہ العرش وما حواہ من الافلاک والجنۃ والنار وانما الرجل من نفذ بصرہ الی خارج ھذا الوجود کلہ وھناک یعرف قدر عظمۃ موجدہ سبحانہ وتعالیٰ

مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے آسمان وجنت ونار یہ چیزیں محدود ومقید کرلیں مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گذر جائے وہاں اسے موجد عالم سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

۹۹۔ یہ پاکیزہ کلام کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا۔

۱۰۰۔ ابریز شریف میں ہے۔

سمعتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احیانا یقول ما السموات السبع والارضون السبع فی نظر العبد المومن الا کحلقۃ ملقاۃ فی فلاۃ من الارض۔

یعنی میں نے حضرت سید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا سنا کر فرماتے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسے ہیں جیسے ایک میدان لق ودق میں ایک چھلا پڑا ہوا۔

۱۰۱۔ امام شعرانی کتاب الجواہر میں حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

الکامل قلبہ مرآۃ الوجود العلوی والسفلی کلہ علی التفصیل۔

کامل کا دل تمام عالم علوی وسفلی کا بروجہ تفصیل آئینہ ہے۔

۱۰۲۔ امام رازی تفسیر کبیر میں رد معتزلہ کے لئے حقیقت کرامات اولیاء پر دلائل قائم کرنے میں فرماتے ہیں۔

الحجۃ السادسۃ لاشک ان المتولی للافعال ھو الروح لا البدن ولھذا نری ان کل من کان اکثر علما باحوال عالم الغیب کان اقوی قلبا ولھذا قال علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ واللہ ماقلعت باب خیبر بقوۃ جسدانیۃ ولکن بقوۃ ربانیۃ وکذلک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ تعالیٰ کنت لہ سمعا وبصرا فاذا صار نور اجلال اللہ تعالیٰ سمعا لہ سمع القریب والبعید واذا صار ذالک النور بصرا لہ رای القریب والبعید واذا صار ذالک النور یدا لہ قدر علی التصرف فی الصعب والسھل والبعید والقریب

یعنی اہلسنت کی چھٹی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ افعال کی متولی تو روح ہے نہ کہ بدن اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جسے احوال عالم غیب کا علم زیادہ ہے اس کا دل زیادہ زبردست ہوتا ہے ولہذا مولیٰ علی نے فرمایا خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسم کی قوت سے نہ اکھیڑا بلکہ ربانی طاقت سے۔ اسی طرح بندہ جب ہمیشہ طاعت میں لگا رہتا ہے تو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کی نسبت رب عزوجل فرماتا ہے کہ وہاں میں خود اس کے کان آنکھ ہو جاتا ہوں تو جب جلال الٰہی کا نور اس کا کان ہو جاتا ہے بندہ نزدیک ودور سب سنتا ہے اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو بندہ نزدیک ودور سب دیکھتا ہے اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو بندہ سہل ودشوار ونزدیک ودور میں تصرف

کرتا ہے۔

۱۰۳۔ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلوی دفتر ثالث مثنوی شریف میں موزہ و عقاب کی حدیث مستطاب میں فرماتے ہیں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ؎

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود
دل دراں لحظہ بخود مشغول بود

ترجمہ: اگرچہ ہر غیب خدا نے ہم کو دکھایا ہے لیکن دل اس وقت اپنی ذات میں مشغول تھا (مترجم)

۱۰۴۔ مولانا بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہٗ شرح میں فرماتے ہیں:

اے فکر تن نہ داشت واز جہت استغراق بعضے مغیبات بر انبیاء مستور شوند انتہیٰ معنی بیت ایں چنیں است کہ دل بخود مشغول بود کہ دل للنفس دل را مشاہدہ میکرد وذات با احدیت جمیع اسماء در دل است پس بسبب استغراق در مشاہدات توجہ بسوئے اکوان نبود پس بعض اکوان معقول عنہ ماند وایں وجہ وجیہ است۔	یعنی دل کو بدن کی فکر نہ تھی اور استغراق کی وجہ سے بعض غیوب انبیاء سے چھپ جاتے ہیں انتہیٰ شعر کے معنی یہ ہیں کہ دل ذات دل کا مشاہدہ کر رہا تھا اور ذات احدیت تمام اسماء کے ساتھ دل میں ہے پس اس مشاہدہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے توجہ عالم کی طرف نہ تھی اس لئے بعض حالات پوشیدہ رہے۔ یہ بہترین توجیہ ہے (مترجم)

۱۰۵، ۱۰۶۔ امام قرطبی شارح صحیح مسلم، پھر امام عینی بدر محمود۔

۱۰۷، ۱۰۸۔ پھر امام احمد قسطلانی شرح صحیح بخاری پھر علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ حدیث خمس لا یعلمھن الا اللہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فمن ادعی علم شیء منھا غیر مسند الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان کاذبا فی دعواہ	یعنی تو جو کوئی قیامت وغیرہ خمس سے کسی شے کے علم کا ادعا کرے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کرے کہ حضور کے بتائے سے مجھے یہ علم آیا وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پانچوں غیبوں کو جانتے ہیں اور ان میں سے جو چاہیں اپنے جس غلام کو چاہیں بتا سکتے ہیں۔ جب تو جو حضور کی تعلیم سے ان کے علم کا دعویٰ کرے اس کی تکذیب نہ ہوگی۔

۱۰۹۔ روض النضیر شرح جامع صغیر امام کبیر جلال الملۃ والدین سیوطی سے اس حدیث کے متعلق ہے۔

اما قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا ھو فمفسر بانہ لا یعلمھا احد بذاتہ ومن ذاتہ الا ھو لکن قد تعلم باعلام اللہ تعالیٰ فان ثمہ من یعلمھا وقد وجدنا ذالک لغیر واحد کما رأینا جماعۃ علموا انھم یموتون وعلموا ما فی الارحام حال حمل المرأۃ وقبلہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ ان پانچوں غیبوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کے یہ معنی ہیں کہ بذات خود اپنی ذات سے انہیں اللہ ہی جانتا ہے۔ مگر خدا کے بتانے سے کبھی ان کو بھی ان کا علم ملتا ہے بیشک ایسے موجود ہیں جو ان غیبوں کو جانتے ہیں اور ہم نے متعدد اشخاص اس کے جاننے والے پائے ایک جماعت کو ہم نے دیکھا کہ ان کو معلوم تھا کب مریں گے اور انہوں نے عورت کے حمل کے زمانے میں بلکہ حمل سے بھی پہلے جان لیا کہ پیٹ میں کیا ہے۔

۱۱۰۔ شیخ محقق قدس سرہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

المراد ما تعلم بدون تعلیم اللہ تعالیٰ	مراد یہ ہے کہ قیامت وغیرہ غیب بے خدا کے بتائے معلوم نہیں ہوسکے۔

۱۱۱۔ علامہ بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

لم یخرج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللہ تعالیٰ بھذہ الامور ای الخمسۃ۔	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا۔

۱۱۲۔ علامہ شنوانی نے جمع النہایہ میں اسے بطور حدیث بیان کیا کہ

قد ورد ان اللہ تعالیٰ لم یخرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی اطلعہ علی کل شیٔ۔

بیشک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطانہ فرمایا۔

۱۱۳۔ حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبد العزیز مسعود حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

ھو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یخفی علیہ شیٔ من الخمس المذکورۃ فی الآیۃ الشریفۃ وکیف یخفی علیہ ذالک والاقطاب السبعۃ من امتہ الشریفۃ یعلمونھا وھم دون الغوث فکیف بالغوث فکیف بسید الاولین والآخرین الذی ھو سبب کل شیٔ ومنہ کل شیٔ

یعنی قیامت کب آئے گی، مینہ کب برسے گا، مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، کل کیا ہوگا، فلاں کہاں مرے گا، یہ پانچوں غیب جو آیت کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مخفی نہیں اور کیونکر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ رہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۱۴۔ نیز ابریز عزیز میں فرمایا۔

قلت للشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان علماء الظاہر من المحدثین وغیرھم اختلفوا فی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل کان یعلم الخمس فقال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیف یخفی امر الخمس علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والواحد من اھل التصرف من امتہ الشریفۃ لا یمکنہ التصرف الا بمعرفۃ ھذہ الخمس

یعنی میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ علماء ظاہر محدثین مسئلہ خمس میں باہم اختلاف رکھتے ہیں علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا علم تھا دوسرا انکار کرتا ہے اس میں حق کیا ہے فرمایا (جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچوں غیبوں کا علم ماننے میں رد وقدح کرتے ہیں) حضور سے یہ غیب کیونکر چھپے رہیں گے حالانکہ حضور کی امت شریفہ میں جو اولیاء کرام اہل تصرف ہیں (کہ عالم میں تصرف فرماتے ہیں) وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کو جان نہ لیں تصرف نہیں کر سکتے

۱۱۵۔ تفسیر کبیر میں زیر آیۂ کریمہ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ فرمایا۔

ای وقت وقوع القیامۃ من غیب الذی لا یظھرہ اللہ لاحد فان قیل فاذا حملتم ذالک علی القیامۃ فکیف قال الا من ارتضی من رسول مع انہ لا یظھر ھذا الغیب لاحد قلنا بل یظھرہ عند قرب القیامۃ۔

یعنی قیامت کے واقع ہونے کا وقت اس غیب میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ اگر کہا جائے کہ جب تم نے آیت کو علم قیامت پر محمول کیا تو کیسے اللہ نے فرمایا الا من ارتضی من رسول باوجودیکہ یہ غیب اللہ کسی پر ظاہر نہیں کریگا ہم جواب دیں گے کہ قیامت کے قریب ظاہر کرے گا۔ (مترجم)

اس نفیس تفسیر نے صاف معنی آیت یہ ٹھہرائے کہ اللہ عالم الغیب ہے وہ وقت قیامت کا علم کسی کو نہیں دیتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

۱۱۶۔ علامہ سعد الدین تفتازانی، شرح مقاصد میں فرقہ باطلہ معتزلہ خذلہم اللہ تعالیٰ کے کرامات اولیاء سے انکار اور ان کے شبہات فاسدہ کے ذکر وابطال میں فرماتے ہیں۔

الخامس وھو فی الاخبار بالمغیبات قولہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول خص الرسل بالاطلاع علی الغیب فلا یطلع غیرھم وان کانوا اولیاء۔

یعنی معتزلہ کی پانچویں دلیل خاص علم غیب کے بارے میں ہے وہ گمراہ کہتے ہیں کہ اولیاء کو غیب کا علم نہیں ہو سکتا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو، جب

الجواب ان الغيب ههنا ليس للعموم بل مطلق او معين هو وقت وقوع القيمة بقرينة السابق ولا يبعد ان يطلع عليه بعض الرسل من الملئكة او البشر فصح الاستثناء۔

پر اطلاع رسولوں کے ساتھ خاص ہے تو اولیاء کیونکر غیب جان سکتے ہیں۔ ائمہ اہلسنت نے جواب دیا کہ یہاں غیب عام نہیں (جس کے یہ معنی ہوں کہ کوئی غیب رسولوں کے سوا کسی کو نہیں بتاتا جس سے مطلقاً اولیاء کے علوم غیب کی نفی ہو سکے) بلکہ یہ مطلق ہے (یعنی کچھ غیب ایسے ہیں کہ غیر رسول کو نہیں معلوم ہوتے) یا خاص وقت وقوع قیامت مراد ہے کہ (خاص اس غیب کی اطلاع رسولوں کے سوا اوروں کو نہیں دیتے) اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں غیب قیامت ہی کا ذکر ہے (تو آیت سے صرف اتنا نکلا کہ بعض غیبوں یا خاص وقت قیامت کی تعیین پر اولیاء کو اطلاع نہیں ہوتی نہ یہ کہ اولیاء کوئی غیب نہیں جانتے اس پر اگر شبہ کیجئے کہ اللہ تو رسول کو استثناء فرما رہا ہے کہ وہ ان غیبوں پر مطلع ہوتے ہیں جن کو اور لوگ نہیں جانتے اب اگر تعیین وقت قیامت لیجئے تو رسولوں کا بھی استثناء نہ رہے گا کہ یہ تو ان کو بھی نہیں بتایا جاتا۔ اس کا جواب یہ فرمایا کہ ملائکہ یا بشر سے بعض رسولوں کو تعیین وقت قیامت کا علم ملنا کچھ بعید نہیں تو استثناء کہ اللہ عز وجل نے فرمایا ضرور صحیح ہے۔

۱۱۷۔ امام قسطلانی شرح بخاری تفسیر سورۂ رعد میں فرماتے ہیں۔

لايعلم متى تقوم الساعة الا الله الا من ارتضى من رسول فانه يطلعه على من يشاء من غيبه والولى تابع له ياخذ عنه

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دیتا ہے (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں) رہے اولیاء وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

یہاں اس خاص غیب کے علم میں بھی اولیاء کے لئے راہ رکھی۔ مگر یوں کہ اصالۃ انبیاء کو ہے اور ان کو ان سے ملتا ہے اور حق یہی ہے کہ آیۂ کریمہ غیر رسل سے علم غیوب میں اصالت کی نفی فرمائی ہے نہ کہ مطلق علم کی۔

۱۱۸، ۱۱۹۔ علامہ حسن بن علی مدابغی حاشیہ فتح المبین امام ابن حجر کی اور فاضل ابن عطیہ فتوحات وہبیہ شرح اربعین امام نووی میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں۔

الحق كما قال جمع ان الله سبحانه وتعالى لم يقبض نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم حتى اطلعه على كل ما ابهمه عنه الا انه امر بكتم بعض والاعلام ببعض

یعنی حق مذہب وہ ہے جو ایک جماعت علماء نے فرمایا کہ اللہ عز وجل ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا اس سب کا علم حضور کو عطا فرما دیا ہاں بعض علوم کی نسبت حضور کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتائیں اور بعض کے بتانے کا حکم کیا۔

۱۲۰۔ علامہ شنواری کتاب مستطاب جمع النہایہ شرح صلاۃ حضرت سیدی احمد بدوی کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں۔

قيل انه صلى الله تعالى عليه وسلم اوتى علمها (اى الخمس) فى آخر الامر لكنه امر فيها بالكتمان وهذا القيل هو الصحيح

یعنی کہا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخر میں ان پانچوں غیبوں کا بھی علم عطا ہو گیا مگر ان کے چھپانے کا حکم تھا اور یہی قول صحیح ہے۔

اختتامیہ

یہ رسالہ "خالص الاعتقاد" مصنفہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی تلخیص ہے۔ اس سے علم غیب کے بارے میں اہل حق کا مسلک واضح ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ کس حد تک علم غیب انبیاء علیہم السلام کے لئے ضروریاتِ دین سے ہے کہ اس کا منکر کافر ہے اور کس حد تک نہ مانے تو گمراہ ہوگا۔ اور یہ علم بعطائے الٰہی ہے اگر علم ذاتی کسی مخلوق کے لئے مانے تو کافر ہے۔ مزید تفصیل اور دلائل نیز رد منکرین کے لئے درج ذیل رسائل کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ — مصنفہ امام احمد رضا قدس سرہ (عربی اردو)

(۲) انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ — " " " (اردو)

(۳) الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ — " " " (عربی)

(۴) ازاحۃ العیب بسیف الغیب — " " " (اردو)

(۵) الکلمۃ العلیا — صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ

(۶) جاء الحق — حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ

علم و تحقیق سے بھرپور ایمان افروز مقالہ

از شیخ الاسلام حضرت علامہ سید
محمد مدنی میاں کچھوچھہ شریف

روح اس دنیا میں آنے سے پہلے عالمِ ارواح میں تھی اور اس دنیا سے نکل جائے گی تو عالمِ آخرت میں پہونچے گی اور یہ دونوں عالم ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں لیکن ہم ان دونوں عالم کا انکار بھی نہیں کر سکتے چاہئے کسی کو اس کا علم حاصل ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

عالمِ ارواح پہلی کڑی اور ہم جس عالم میں ہیں یعنی عالمِ اجسام یہ دوسری کڑی ہے اور عالمِ آخرت تیسری کڑی ہے گویا ہم جس عالم میں ہیں وہ دونوں دنیاؤں کی بیچ کی کڑی ہے اور اس بیچ کی کڑی کو سمجھنے کے لیے اوّل اور آخر دونوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ اور جب عالمِ آخرت کو انسان تسلیم کر لیتا ہے۔ یعنی عالمِ اجسام میں کسی ہادی، کسی نبی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نبی اس لیے آتا ہے کہ وہ عالمِ ارواح اور عالمِ آخرت دونوں دنیاؤں سے باخبر کرے اس لیے کہ حواس انسانی عالمِ شہادت کے لئے ہیں عالمِ آخرت کے لیے نہیں۔

جس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو حواس یعنی کان، آنکھ، زبان، ناک اور دوسرے حاسے عطا کئے ہیں، اسی طرح اسی بزرگ و برتر اللہ نے اپنے فضل و کرم سے نبی کو قوتِ قدسیہ عطا فرمایا ہے۔ اس قوت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ نبی جس طرف متوجہ ہو جاتا ہے سب کچھ اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔

انبیاءِ کرام کے انکشافات

یہ نبی تو ہیں کہ ذرا سی توجہ فرمائی تو آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز سن رہے ہیں۔ یہی وہ نبی ہیں کہ حالتِ نماز میں نمازیوں کے رکوع اور خشوع کو دیکھ رہے ہیں سجدوں کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی وہ نبی اکرم ہیں کہ جب سید الملائکہ جبریل امین آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کی آمد کی خوشبو کو

سونگھ لیا کرتے ہیں۔ یہ نبی جب قبر پر سے گزرتے ہیں تو عالم برزخ کے احوال ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے گذرے اور اس کے بعد ٹھہر گئے، صحابہ کرام سے فرمایا: "ان دو قبروں کے اندر عذاب ہو رہا ہے اور وہ بھی کسی ایسے سبب سے نہیں جس سے وہ بچ نہیں سکتے تھے"۔ اس کے بعد نبی کونین نے ایک درخت کی ٹہنی توڑ کر اس کے دو ٹکڑے فرمائے اور دونوں قبروں پر ان دو ہری بھری ٹہنیوں کو گاڑ دیا اور مزید فرمایا ـــ جب تک انمیں ہراپن رہے گا اور یہ ٹہنیاں شاداب رہیں گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔

نبی اُمّی نے قبر کے عالم کا مشاہدہ بھی فرمایا اور عذاب قبر کی تخفیف کا سامان بھی مہیا فرما دیا۔ صحابہ کرام بھی نبی کے ساتھ تھے مگر کسی کی نظر عالم برزخ پر نہ پڑی۔ ظاہر ہے نبی کے پاس والی قوت کچھ اور تھی اور نبی کے اُمتیوں کے پاس والی قوت کچھ اور تھی۔

نبی اُمّی کے اس فرمان "دونوں پر فلاں سبب سے عذاب ہو رہا ہے۔ اور جب تک یہ ٹہنیاں ہری اور تازہ رہیں گی عذاب موقوف رہے گا"۔ ان سے تین غیب کا حال ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ عذاب کا ہونا ـــ ایک غیب

۲۔ فلاں سبب سے عذاب کا ہونا ـــ دوسرا غیب

۳۔ عذاب موقوف رہے گا ـــ تیسرا غیب

صحابہ کرام نے نبی کونین کی کسی خبر پر سوال و جواب نہ کیا۔ ان کی ہر ہر بات کو سچ تسلیم کیا۔ نبی کی ہر بات پر یقین۔ نبی کے سچ اور سچائی پر یقین۔

اور اعتراف حقیقت نے ہی تو صحابۂ کرام کو ایمان کی لذت سے سرشار کر دیا تھا اور انہیں وہ طاقت و عظمت عطا کر دی تھی جو طاقت و عظمت قیامت تک کسی کو نصیب نہ ہو سکے گی۔

جب سب سے بڑے غیب۔ خدا کے وجود کو صحابہ کرام نے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو مان لیا تھا اور اسکی تسلیم و اعتراف نے انہیں مسلمان ہونے اور کہلوانے کا شرف بخشا تھا۔ تو پھر اس غیب الغیب کے بعد وہ نبی کے دوسرے بتائے ہوئے غیب کو کیوں نہ مان لیتے۔ نبی ہی نے تو قبر، عذاب قبر، جنت و جہنم اور آخرت کے عالم کا پتہ دیا۔ نبی نے صرف غیب کی ہی خبر نہیں دی بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ ایک عالم میں رہ کر دوسرے عالم میں پریشان حال غلاموں۔ عذاب میں گرفتار مسلمانوں کو بھی مدد پہونچا سکتے ہیں اور یقیناً روز محشر سب کا سہارا وہی بنیں گے۔

نبی کا احسان یہ نبی کونین کا احسان ہے کہ انھوں نے ایمان دیا جمایا جنت میں لیا۔ عالم آخرت کا پتہ دیا۔ مدد کا وعدہ فرمایا۔

مختلف عالم ہم جس دنیا میں موجود ہیں اس دنیا میں بے شمار دنیا آباد ہیں:

آواز والی دنیا ـــ سننے والی دنیا ـــ دیکھنے والی دنیا ـــ ذائقہ والی دنیا ـــ چھونے والی دنیا ـــ عقل والی دنیا ـــ وغیرہ

اگر قوت سامعہ چھین لی جائے تو انسان آواز والی دنیا سے کٹ کر رہ جائے گا۔ اگر قوت باصرہ ختم ہو جائے تو انسان دیکھنے والی دنیا سے الگ ہو جائے گا۔ اگر قوت ذائقہ سلب ہو جائے تو انسان چکھنے والی دنیا سے جدا ہو جائے گا۔ اگر چھونے والی قوت مفقود ہو جائے تو انسان مس کرنے والی دنیا سے

علیحدہ ہو جائے گا۔ اگر انسان سے عقل لے لیجائے تو دنیائے عقل سے اس کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ خدائے لم یزل کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرمایا اور ایک دنیا میں رہ کر اسی دنیا کی مختلف دنیاؤں سے مستفیض ہوئے اور انہیں سمجھنے کے لئے جُدا جُدا حاسہ اور جُدا جُدا قوت عطا فرمائی ۔۔۔ اب مزید ملاحظہ کریں:۔ کان کے لئے جو چیز شہادت ہے وہ آنکھ کے لئے غیب۔ یعنی کان سے جو چیز ہم سن سکتے ہیں اُسے آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے اسی طرح آنکھ سے جو شے دیکھ سکتے ہیں، اُسے کان سے سُن نہیں سکتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر چیز کو سننے، دیکھنے، سمجھنے کے لئے ایک قوت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غیب جاننے اور سمجھنے کی قوت ہے اور اس قوت سے دوسرے محروم ہیں۔

نبی اسی لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ ہمیں ان باتوں کا علم عطا فرما دے جن کا پتہ انسان حواس۔ یعنی۔ کان، ناک، آنکھ، دماغ وغیرہ کو نہ ہو۔

نبی ہی نے تو اللہ کا پتہ دیا۔ عالم برزخ اور عالم آخرت کا پتہ دیا۔ قرآن کریم۔ کلام رب عظیم، نبی ہی نے تو پیش فرمایا۔ کیا ان کے پیش فرمانے سے پہلے کوئی حواس سے اس کا ادراک کر سکتا تھا۔ اپنے دماغ سے اس کتاب کو لا سکتا تھا۔ سمجھ سکتا تھا۔ قرآنِ عظیم بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک سب غیب ہی غیب رہا۔ اس لئے کہ کلام اللہ غیب الغیب ہی خدائے لم یزل کی صفت ہے۔ اس غیب کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمایا۔ انھیں علم غیب عطا کیا گیا تھا۔ قوتِ قدسیہ بخشی گئی تھی۔ اور خوبی یہ کہ علم غیب رسول مقبول کو یکبارگی نہیں دیا گیا تھا۔ عطا کرنے والے نے بتدریج عطا کیا اور جب تک قرآن مقدس کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا، غیب دینے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔۔۔ اب کتنا دیا۔۔۔ کیا کیا دیا۔

دینے والا جانے اور لینے والا جانے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ۲۳ سال تک غیب دیئے جانے کا سلسلہ جاری رہا اور جب قرآن کا نزول مکمل ہو گیا۔ رسول کونین کا علم کائنات بھی مکمل ہو گیا۔ یعنی جب سے دنیا ہوئی اور جب تک دنیا رہے گی۔ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم!۔۔۔ البتہ خداوند قدوس کے علم کے آگے علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قطرہ کی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

قرآن کریم کا فیصلہ ہے: تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْئٍ۔ قرآن کریم ہر شے کا واضح بیان ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کو واضح طور پر جاننے والے ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر شے واضح ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کی طرف سے غیب کا ذریعۂ معلومات ہیں۔

علمِ غیبِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم عقل کی روشنی میں

آیت۔ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ"
اے محبوب! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ جلالین شریف میں اس آیت کی تفسیر "ای من الاحکام والغیب" کی گئی ہے یعنی اللہ نے رسول کو سکھا دیا۔ کیا کیا سکھا دیا۔ احکام سکھا دیئے اور غیب سکھا دیا۔ سکھانے والا خدا اور سیکھنے والے مصطفےٰ۔ کیا مصطفےٰ سے زیادہ باصلاحیت اور ذی استعداد کوئی ہے۔ اور ان کا سکھانے والا وہ رب عظیم ہے جس آدم علیہ السلام کو سکھایا تو سارے فرشتے حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ سکھانے والا وہ ہے جس نے انسان کی برتری فرشتوں سے منوا لیا۔ اب سیکھنے والا رسول عربی جیسا اور سکھانے والا قادرِ مطلق تو اس رب قدیر کو غیب کی بات بتانے سے

کون سی بات روک سکتی ہے۔؟

علم غیب۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں:

معقولات کی بات ختم ہوئی اب منقولات کیطرف چلئے اور رسول کائنات کی قوت قدسیہ کا جلوہ دیکھئے:۔

حضرت براُ ابن عازب اس حدیث کے راوی ہیں۔غزوۂ خندق کا موقع ہے۔ایک چٹان ہے جو توڑے نہیں ٹوٹ رہا ہے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم تک خبر پہونچی۔سرکار تشریف لائے۔پہلی ضرب لگائی۔چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔اس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ بلند کیا۔ اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام۔" اللہ کے لئے بڑائی ہے۔مجھے شام کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں۔اس کے بعد جب دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی حصہ نکل لیا تو سرکار فرماتے ہیں:

"اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الفارس" اللہ کے لئے بڑائی ہے۔فارس کی کنجیاں بھی مجھے دی گئیں۔اور جب تیسری ضرب لگائی تو وہ پتھر چور چور ہوگیا اور سرکار نے فرمایا۔"اللہ اکبر انی اعطیت مفاتیح الیمن" اللہ کے لئے بڑائی ہے۔مجھے یمن کی بھی کنجیاں دی گئی ہیں۔

اللہ اکبر! وہ زمانہ مسلمانوں کے لئے بظاہر تنگ دستی اور بے سروسامانی کا زمانہ تھا۔نہ لشکر نہ سازوسامان۔اس پر بھی سرکار کا یہ ارشاد۔تو معلوم ہوا کہ سرکار مادی قوت کے بھروسے نہیں بول رہے تھے بلکہ غیب کی خبر دے رہے تھے کہ اے اسلام کی بے سروسامانی دیکھنے والو! زمانہ آنے والا ہے جب سب کچھ۔تاج وتخت۔ہمارے غلاموں کے قدموں میں ہوں گے۔ہمارا مستقبل بڑا روشن ہے۔
تفسیر روح البیان میں اس آیت کریمہ "ویکون الرسول علیکم شہیدا" کی تشریح دیکھو! یہ نہ سمجھ سکو تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی تفسیر عزیزی دیکھو! روح البیان
شہادۃ الرسول علیہم اطلاعہ علی مرتبۃ کل متدین بدینہ وھو یعرف ذنوبھم وحقیقۃ ایمانھم واعمالھم وحسناتھم وسیاتھم واخلاصھم و نفاقھم وغیرہ ذالک نبور الحق"

رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) ہر دین دار کے دین کے مرتبے کو پہچانتے ہیں۔مطلع ہیں،باخبر ہیں اور رسول جن جن پر گواہ ہوں گے ' ان گناہوں کو بھی دیکھ رہے ہیں،ان کے اعمال کو بھی دیکھ رہے ہیں اور صرف دیکھنے کی بات نہیں کی ہے بلکہ "یعرف" پہچان رہے ہیں۔اب مشاہدے کا کیا ذکر؟معرفت کا معاملہ ہے۔

ایمانٌ ونفاق کا علم

رسول اللہ صلی علیہ وسلم تمہارے اخلاص کو بھی پہچان رہے ہیں یعنی دلی کیفیات کو بھی پہچان رہے ہیں۔یعنی ایمان کو بھی جانتے ہیں' اور اخلاص کو بھی جانتے ہیں۔گناہ کو بھی جانتے ہیں'نفاق کو بھی جانتے ہیں اور ایمان کا فرمنی ڈھنڈورا پیٹنے والوں کے حقیقت ایمان کو بھی جانتے ہیں۔

تفسیر نیشاپوری میں۔"وجئنابک علی ھؤلاء شہیدا" آیت کریمہ کے تحت فرمایا گیا ہے۔ ترجمہ:۔ رسول اللہ کی روح مبارک تمام روحوں کا،تمام نفسوں کا تمام قلوب کا مشاہدہ فرمانے والی ہے۔اس لئے کہ رسول نے کہا ہے کہ میں سب سے پہلی مخلوق ہوں۔

جب رسول سب سے پہلے ہیں تو جو پیدا ہوتا گیا اس کو وہ دیکھتے گئے۔تفسیر مدارک میں ہے اسی آیت کریمہ کے تحت ترجمہ:رسول مومن کے ایمان کی گواہی دیں گے اور کافر

دیں گے کفر کی گواہی دیں گے اور منافق کے نفاق کی گواہی دیں گے۔ تم یہاں چھپاؤ، وہاں چھپ جائے گا۔

میدان جنگ کا علم

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ بیر موزہ جو مدینے سے بہت دور ہے وہاں جنگ ہو رہی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کی خبر، وہاں کی خبر لوگوں کے پاس آنے سے پہلے سنا دی تھی۔ حضرت زید، حضرت جعفر، حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی خبر بھی سنا دی تھی حضور فرما رہے ہیں پرچم حضرت زید نے لیا وہ شہید کر دیئے گئے۔ ابن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور وہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ سرکار فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد فرمایا اب اللہ کی تلوار یعنی خالد نے پرچم اٹھا لیا اور اللہ نے ان کو کامیاب کر دیا۔

ایسی تفصیل تو وہ بتا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت دی ہو کہ جدھر توجہ فرماد ے ادھر کا سارا حال منکشف ہو جائے۔

سدرۃ المنتہیٰ کا علم

نسیم الریاض میں قاضی عیاض تحریر کرتے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ظاہری اجسام کے لحاظ سے آدمیوں کے ساتھ نظر آ رہے ہیں آدمیوں کی طرح رہیں مع البشر، آدمیوں کے ساتھ ہیں مگر ان کا باطن اور ان کی روحانی قوتیں ملکی ہیں۔ ملکوتی شان رکھتی ہیں اسی سے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ رہے ہیں، شمال جنوب، شرق، مغرب کوئی بھی ان سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہی قوت ملکیہ ہے جس کی وجہ سے یہ آسمان کی چرچراہٹ کی آواز سنتے ہیں۔ اور حضرت جبرئیل جب سدرہ سے ان پر نازل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو انبیاء سونگھ لیتے ہیں کہ وہ آ رہے ہیں۔

حدیث جبرئیل میں ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں: **طلع علینا رجل**۔ ہم پر ایک مرد طلوع ہوا۔ اور حضرت جبرئیل پوری گفتگو کر کے گئے مگر کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ جاننا اور سمجھنا کہ بات کرنے والا کون ہے؟ یہ قوت نبی کو دی گئی تاکہ وہ سمجھ لے کہ جبرئیل کا کلام کیا ہے اور غیر جبرئیل کا کلام کیا ہے۔

اب سات آسمانوں تک سات ہزار برس کا راستہ اور اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے ابھی وہاں سے روح القدس نے چلنے کا ارادہ کیا ہے چلے نہیں ہیں اور یہاں پتہ چل گیا۔

حضور ہماری باتیں سنتے ہیں

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بو بدانکہ وے علیہ السلام می بیند ومی شنود کلام ترا۔ زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفات الٰہیہ ویکے از صفات الٰہیہ آنست **انا جلیس من ذکرنی**۔

اچھی طرح جان لو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے کلام کو سنتے ہیں اور تمہیں بولتا ہوا دیکھ رہے ہیں اس لئے کہ حضور صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں صفات الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ جو میرا ذکر کرے گا میں اس کا ہم نشین ہوں اسی طرح جو رسول کا ذکر کرے گا رسول اس کے ہم نشین اور قریب ہیں۔

رسول کی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں

مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ رسول کی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں وہ جس طرح پہلے اپنی امت کا مشاہدہ فرما رہے تھے، آج بھی ویسے ہی فرما رہے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ادراک کو سمجھنے کے لئے تفسیر روح البیان دیکھیں۔ شاھداً کی تفسیر میں کیا لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) رسول کو شاہد بنایا گیا کہ وہ گواہ ہیں اللہ نے ان کو سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ رسول خدا کی وحدانیت کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ یعنی رسول کریم غیب الغیب کا علم بتانے والے ہیں۔

رسول کو پہلے کیوں پیدا کیا گیا

تفسیر روح البیان میں شاہد کی جو تفسیر ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں گویا جب وہ مخلوق اول ہیں تو جو چیز پیدا ہوتی چلی گئی وہ سب کا مشاہدہ کرتے چلے گئے اور اللہ نے ان پر کوئی شے اس لئے پوشیدہ نہیں رکھی تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعض خوبی کسی مخلوق کو حاصل ہو اور اللہ کا رسول اس سے تہی دامن ہو

علم غیب پر ایک صوفیانہ نکتہ

کائنات کا ذرہ ذرہ، پتہ پتہ، دریا کا قطرہ قطرہ، آسمان کا تارا تارا یہ سب خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے اور جو جتنا ان کو جانے گا ان کے پاس اتنے زیادہ دلائل ہونگے اس نے اپنے نبی کو غافل نہیں رکھا تاکہ توحید کی کوئی دلیل رسول کی نظر سے پوشیدہ نہ ہو۔

رسول کا ہر مجلس میں پہنچنا

رسول ہر مجلس میں نہیں پہنچتے البتہ ہر مجلس ان کے علم میں ہے۔ دنیا میں کتنی موت ہوتی ہے ہر لمحہ زمین کے ہر گوشے میں جن کا شمار نہیں نکیرین دو ہی ہیں لیکن بیک وقت ہزاروں قبروں کے اندر نظر آ رہے ہیں۔ تو خدا جب فرشتوں کو یہ طاقت دے سکتا ہے کہ وہ ایک وقت میں چند جگہ نظر آئیں تو اگر اپنے محبوب کو یہ طاقت دیدے تو اسے اس عطا سے کون روک سکتا ہے۔

علم رسول پر سب سے پہلا اعتراض منافقین نے کیا۔ اور انہیں جواب خود سرور کونین نے دیا گویا جواب دینا سرکار کی سنت ہے۔ منافقوں کی روش پر وہ چل رہے ہیں جو معترض ہیں اور اس کا جواب دینے والے ہم جیسے غلامان مصطفیٰ ہیں

یہ زمین ملک الموت کے لئے طشت کی طرح بنا دی گئی اور ان کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس روزانہ دو مرتبہ نہ آتے ہوں اسے یہ تو اللہ کے فرشتے اور معقبول و محبوب مخلوق ہیں اس رجیم مخلوق شیطان کو بھی اللہ نے اتنی طاقت دے رکھی ہے کہ وہ سیر کرنے پر آئے تو تھوڑی ہی دیر میں پوری دنیا کا چکر لگا لے۔

عجیب بات ہے کہ قوت شیطان کو تو لوگ مان لیتے ہیں مگر قوت محبوب رحمان کو نہیں مانتے۔

ارشاد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر خازن میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

• ابھی میری امت آب و گل کی منزلیں طے کر رہی تھی کہ مجھ کو بتا دیا گیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام پر سب کچھ ظاہر کر دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا کہ کون مجھے مانیگا

اور کون میرا انکار کرے گا۔ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرا منکر ہوگا۔

جب منافقین نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ خوب! ہم انہیں کے ساتھ ہیں اور وہ ہمارے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرتے ہیں تو ہمیں کہاں پہچان پائے۔

جب حضور نے یہ سنا تو منبر پر جلوہ افروز ہوئے حمد خدا کے بعد فرمایا۔ ارے قوموں کا یہ کیا حال ہوگیا ہے کہ میرے علم میں طعنہ کر رہے ہیں اے لوگو! آج سے قیامت تک جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔

ایک صاحب نے حضور سے اپنے باپ کا نام پوچھا حضور نے فرمایا حذافہ۔

منافق سے برداشت نہ ہوا اسے ہلکا سمجھ کر سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟

حضور نے فرمایا تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے تم اپنے نفاق کو ہم سے چھپا رہے ہو ہماری رعایت کا مذاق اڑا رہے ہو۔ آخر ایک ایسا وقت بھی آیا جب حضور نے ایک ایک منافق کو اپنی مجلس سے نکال دیا۔

علامہ بدر الدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری اور فتح الباری شرح بخاری میں بھی یہ واقعہ ہے۔

رسول پاک درود بھی سنتے ہیں

دلائل الخیرات شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

(ترجمہ) اے رسول! جو آپ کے غائب آپ پر درود بھیجتے ہیں یا جو آپ کے بعد آنے والے ہیں آپ پر درود بھیجیں گے کیا اس درود کو آپ ملاحظہ فرماتے ہیں۔

تو حضور نے فرمایا "میں اہل محبت کے درود خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں اور جو محبت سے نہیں پڑھتے یوں ہی پڑھ دیتے ہیں ان کا بھی درود ضائع نہیں ہوتا۔"

درود بھیجنے کے پانچ طریقے

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پیش کرنے کے پانچ طریقے ہیں۔

ایک فرشتہ حضور کے مزار مبارک کے پاس مامور ہے۔ خدا نے اسے سماعت کی طاقت دی ہے۔ کوئی کہیں سے بھی درود عرض کرتا ہے وہ اسے سرکار کی بارگاہ میں پہنچا دیتا ہے مع اس کے اور اس کے والد صاحب کے نام کے۔

کچھ گشتی فرشتے ہیں جو درود پڑھنے والوں کا درود سرکار کی بارگاہ میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

ہر شخص کے ساتھ پانچ فرشتے رہتے ہیں ایک دائیں ایک بائیں ایک سینے کے سامنے۔ ایک پیچھے ایک پیشانی کے سامنے۔

پیشانی والا فرشتہ درود پہنچانے پر مامور ہے بارگاہ سرور صلی اللہ علیہ وسلم میں روزانہ کے اعمال کے ساتھ درود پہنچتا ہے ہفتے کے اعمال کے ساتھ درود پہنچتا ہے اس طرح ایک درود پڑھنے پر پانچ پانچ بار پیشی۔ کیسا کرم ہے سرکار کا کہ غلاموں کو یاد کرتے ہیں، جانتے پہچانتے ہیں اور سلام و درود قبول فرماتے ہیں۔

علم رسول کا پہلا معترض

علم رسول پر سب سے پہلے اعتراض منافقین نے کیا اور انہیں جواب خود سرور کونین نے دیا۔ گویا جواب دینا سرکار کی سنت ہے منافقوں کی روش پر وہ چل رہے ہیں جو معترض ہیں۔ ہم تو غلام ہیں۔ سرکار کے علم غیب کے ماننے والے ہیں۔

علم غیب

ذاتی یا عطائی

دلائل و براہین کی روشنی میں

فاضل گرامی حضرت علامہ مولانا ناظر اشرف صاحب پورنوی شیخ الحدیث دار العلوم بغدادیہ، ناگپور.

اس موضوع پر آیات واحادیث، اور دلائل و براہین پیش کرنے سے پہلے ایک تمہید ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے فرض عین ہے کہ قرآن عظیم کے ابتدائے سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ ناس کے انتہا تک ہر ہر آیت پر کامل واکمل طور پر ایمان رکھے لیکن اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلائے صف اسلام و مسلم میں شمار کرائے. مومن گردانے اور بعض آیات قرآنی پر تو ایمان رکھے اور بعض آیات قرآنیہ کا منکر ہو تو وہ شخص ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہے صف اسلام و مسلم میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ قرآنی آیت کا انکار کر کے کافر و مرتد ہے.

زمانۂ متقدمین میں بہت سے افراد کے گمراہی کا سبب یہی رہا ہے کہ وہ قرآن عظیم کے بعض آیتوں پر تو ایمان لائے اور بعض آیتوں کے منکر ہو گئے، مثال کے طور پر فرقۂ قدریہ کے لوگ (جو اپنے آپ کو خود اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں) قرآن حکیم کی آیت مقدسہ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ پارہ ۱۲، رکوع ۸ سورۃ ھود کنز الایمان صفحہ ۳۳۲ـ

ترجمہ رضویہ :۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنا برا کیا؛ پر اس وجہ سے ایمان لائے کہ یہ آیت مقدسہ فرقۂ قدریہ کے مطابق ہے لیکن وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورۃ والصّٰفّٰت.

ترجمہ رضویہ :۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو، اس آیت مقدسہ کے بابت انکار کر بیٹھے کہ یہ ان کے عقیدہ کے صریح خلاف ہے۔

جس طرح فرقۂ قدریہ کے لوگ بعض آیات

قرآنی کے معتقد اور بعض کے منکر ہوئے بالکل اسی طرح فرقۂ جبریہ کے لوگ (جو انسان کو پتھر کی طرح مجبور مانتے ہیں) قرآن کریم کی آیت مقدسہ "وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پ۳۰ ع ۵ سورۃ تکویر کنز الایمان صہ ۸۵۵۔

ترجمہ رضویہ:۔ "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہاں کا رب" پر بایں سبب ایمان لائے کہ یہ آیت مقدسہ فرقۂ جبریہ کے عقیدہ کے موافق ہے، لیکن ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ پارہ ۸ رکوع ۱۴ سورۂ انعام کنز الایمان صہ ۲۱۳۔

ترجمہ رضویہ:۔ "یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ اس آیت قرآنیہ کے بایں وجہ منکر ہوئے کہ یہ فرقۂ جبریہ کے عقیدہ کے خلاف و مزاحم ہے۔

فرقۂ قدریہ[1] اور فرقۂ جبریہ[2] کی طرح فرقۂ خارجیہ[3] بھی زمانۂ متقدمین میں پیدا ہوا جس نے یہ عقیدہ وضع کر لیا کہ جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو کافر ہے، اب جو آیات قرآنیہ ان کے عقیدے کے موافق و مطابق ہوا۔ اسے تسلیم کر لیا اور جو مخالف و مزاحم ہوا اس کے منکر ہوگئے، جیسے قرآن عظیم کی آیت عظیمہ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ۔ پ۳۰ رکوع ۶ سورہ مطففین کنز الایمان صہ ۸۵۶

ترجمہ رضویہ:۔ "اور بے شک بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہیں انصاف کے دن اس میں جائیں گے۔ پر ایمان لائے لیکن اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ پارہ ۵ رکوع ۱۴ سورۃ نساء کنز الایمان صہ ۱۴۱۔

ترجمہ رضویہ:۔ "اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے"۔ فرقۂ خارجیہ کے افراد اس آیت مقدسہ کے بایں وجہ منکر ہوئے کہ یہ ان کے موقف کی قلعی کھول دیتی ہے اور عقیدہ کے بنیاد کو ڈھا دیتی ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں مذکورہ بالا گمراہ فرقوں جیسی دوسری فرق ضالہ کی مثالیں مثبت ہیں ناظر صاحب کے لئے ان ہی امثلہ ثلاثہ پر اکتفا کرتے ہوئے سلسلۂ کلام کا آغاز کیا جاتا ہے کہ زمانۂ متقدمین کی فرقۂ ضالہ کی طرح چودھویں صدی ہجری میں بھی ایسے ہی گمراہ بلکہ گمراہ گر بلکہ کفر و ارتداد سے پُر ایک فرقہ ہند کی سرزمین میں ابھر کر سامنے آیا۔ جس نے قرآن حکیم کی بعض آیات پر آمنا صدقنا کا کلمہ پڑھ لیا۔ اور بعض آیات قرآنی کے منکر ہوگئے۔ جو جو آیات اُن کے موہوم من گھڑت اور اختراع شدہ عقیدہ کے مطابق ہوئے اسے تسلیم کر لیا، اور جو جو آیات اُنکے عقیدۂ ضالہ مضلہ کی بنیادوں کو جڑوں سے اکھیڑنے والی ہیں۔ ان آیات مبینہ کا انکار کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں اسی فرقہ کو سواد اعظم وہابی، دیوبندی فرقہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس فرقے کے قائدین و متبعین اسے تسلیم بھی کرتے ہیں۔

اس لئے میں پہلے ضروری خیال کرتا ہوں کہ علم غیب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق اُن کے عقیدہ کو آپ کے سامنے رکھوں۔ پھر اُس کے بعد آیات و احادیث اور دلائل و براہین کی روشنی میں علم غیب رسول اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا ثبوت پیش

کروں۔

(۱) وہابیوں، دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی مصنف بہشتی زیور نے اپنے چار ورقی کتابچہ حفظ الایمان مطبوعہ انتظامی پریس کانپور صفحہ ۸ پر لکھا ہے کہ "آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے حاصل ہے۔

(۲) وہابیوں، دیوبندیوں کے دوسرے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے رسالہ مسئلہ در علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ اس میں چہار ائمہ مذاہب و جملہ علماء متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں اور اس مدعیٰ کے اثبات پر ہزاروں آیات و احادیث شاہد ہیں۔

(۳) وہابیوں، دیوبندیوں کے تیسرے پیشوا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی تصنیف "براہین قاطعہ" مطبوعہ بلال اسٹیم پریس ساڈھورہ صفحہ ۵۱ (جو مولوی رشید احمد گنگوہی کی مصدقہ ہے) پر لکھا ہے کہ "شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

اگر قارئین بنظر غائر پیشوایان دیوبند کی

> غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ، کان ناک وغیرہ حواس خمسہ سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہتہ عقل میں آسکے۔

مذکورہ بالا عبارات کا جائزہ لیں، تو کوئی مشکل نہیں کہ اُن کے عقیدہ کا تضاد معلوم نہ ہو۔

علم غیب رسول اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق سے فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے یہ وہ معتقدات ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، مجتہدین محدثین اور علمائے سلف و خلف کے عقیدۂ حقہ ناجیہ سے صراحتاً مخالف و مزاحم ہیں۔ جو اہل فہم پر روز روشن سے زیادہ عیاں ہے۔ ان ہی جیسے ایمان سوز عقائد کی وجہ سے اہل سنت وجماعت کے علماء و عوام، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، اور دیگر پیشوایان دیوبند سے قلبی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے عدم رجوع و اعلانیہ توبہ و استغفار نہ ہونے کے سبب انہیں کافر و مرتد گردانتے ہیں اور جو شخص جانتے ہوئے مذکورہ اشخاص کے کفر و عذاب میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کرے من شك فی کفرہ و عذابہ فقد کفر کے تحت انہیں بھی کافر و مرتد کہتے ہیں۔ نیز ان اشخاص کے متبعین و مقلدین بھی اُن کے گمراہ کن

ایمان سوز، دلدوز حق شکن عقائد رذیلہ سے واقف ہونے کے باوجود ان اشخاص کو پیشوایانِ دین مانتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کو بھی اہل سنت وجماعت کے علماء وعوام اسی زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔

علم غیب رسالت پناہی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات سے متعلق قرآنی صراحت پیش کرنے سے قبل ازحد ضروری ہے کہ غیب کی تعریف اور علم غیب "ذاتی اور عطائی" کا فرق واضح طور پر بیان کر دیا جائے، تاکہ فہم مسئلہ میں کسی عاصی کو بھی دقت نہ ہو۔ اور عنوان کا تقاضا بھی یہی ہے اس لئے غیب کی تعریف عام فہم زبان میں درج کی جاتی ہے۔

غیب کی تعریف:۔ غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ، کان، ناک وغیرہ حواس خمسہ سے محسوس کر سکے۔ اور نہ بلا دلیل بداہۃً عقل میں آسکے، جیسے کانپور والے کے لئے ناگپور غیب نہیں۔ کیونکہ کانپور کا ایک عام آدمی بھی جسنے ناگپور دیکھا ہو، یا کان سے سنا ہو، کہہ سکتا ہے کہ ناگپور وسط ہند کا ایک شہر ہے۔

اسی طرح گلاب کی خوشبو، شہد کی مٹھاس لذاتِ طعام غیب نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں مگر ناک یا زبان سے معلوم ہیں۔

غیب دو طرح کا ہوتا ہے

(۱) ایک وہ غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے جیسے جنت و دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات اور اشیاءِ عالم جن کا علم آیات قرآن حکیم سے ہوتا ہے مگر ہے غیب کیونکہ حواس خمسہ ظاہرہ مثلاً آنکھ، ناک، کان وغیرہ سے محسوس نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی بلا دلیل عقل انسانی میں ہی آسکتا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ غیب ہے جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بدبخت ہے یا نیک بخت بارش کب ہوگی۔ ان جیسے اشیاء کے علوم حتمی لازمی یقینی طور پر نہ حکیم بتا سکتا ہے نہ ڈاکٹر، نہ ماہر نجومیات، نہ کیاف اور نہ ہی علم جفر کا عالم ان دونوں قسموں کے غیب کا علم ذاتی صرف اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کو ہی ہے۔ اور پیارے مصطفیٰ حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں قسموں کے غیب کا علم عطائی ہے۔ اور بطفیل مصطفیٰ عالم ماکان ومایکون علیہ التحیۃ والثناء دیگر انبیاء کرام واولیاء عظام کو بھی بعض مغیبات کا علم عطا کیا گیا ہے۔

۱۔ علم غیب ذاتی:۔ وہ علم ہے جو نفس ذات عالم سے صادر ہو۔ اس کے غیر کو اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ نہ یوں کہ غیر کی عطا سے ہو نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح کا سبب پڑے، یہ علم اللہ جل شانہٗ کے ساتھ خاص ہے۔ غیر اللہ کے لئے محال ہے اور جو کوئی اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کے لئے ثابت کرے اگرچہ ایک ذرہ سے کم تر سے کم تر وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔

(۲) علم غیب عطائی:۔ وہ علم ہے جو کسی غیر کی عطا سے ہو، یہ علم بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے غیر ممکن ومحال ہے، اور جو اس طرح کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے، وہ کافر ہے۔

علم غیب ذاتی اور عطائی کی تعریف جان لینے کے بعد دونوں قسموں میں فرق کسی طرح آشکارا ہو گیا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ رسول اللہ کا علم عطائی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ذات کے لئے واجب ہے ـــ رسول اللہ کا علم اس کی ذات کے لئے ممکن ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی سرمدی قدیم حقیقی ہے ـــ رسول اللہ کا علم حادث ہے۔
(۴) اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق نہیں ہے۔ رسول اللہ کا علم مخلوق ہے۔
(۵) اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیر قدرت نہیں ہے ـــ رسول اللہ کا علم اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت ہے۔
(۶) اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ رہنا واجب ہے ـــ رسول اللہ کے علم کی فنا ممکن ہے۔
(۷) اللہ تعالیٰ کا علم کسی طرح بدل نہیں سکتا ہے ـــ رسول اللہ کے علم میں تغیر روا ہے۔
(۸) اللہ تعالیٰ کا علم مطلق تفصیلی بالذات غیر متناہی بالفعل ہے یعنی اللہ جل شانہ اپنی ذات کریم اور اپنی غیر صفتوں متناہی اور ان سب حادثوں کو جو موجود ہوئے اور ان کو جو ابدالآباد تک ہوتے رہیں گے۔ نیز تمام ممکنات کو جو نہ کبھی موجود ہوئے اور نہ کبھی موجود ہوں گے بلکہ تمام محالات کو بھی جانتا ہے۔ تمام مفہومات میں سے کوئی شئی علم الٰہی سے باہر نہیں۔ اور ان سب کو ازل سے ابد تک پوری تفصیل کے ساتھ جانتا ہے (اور اس میں بھی تفصیل ہے)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم پاک اللہ جل شانہ کے علم پاک سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو کروڑوں سمندر کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں متناہی ہیں اور علم نبوی متناہی اور علم الٰہی غیر متناہی بالفعل ہے۔ اگرچہ یہ متناہی بذات خود ایسا وسیع ہے کہ تمام ما کان و ما یکون کے تفصیلی معلومات کو محیط ہے۔ یہ علم ماننا اس حد کی قطعیت کو نہیں پہنچتا ہے کہ اس کا انکار کفر ہو۔ اگرچہ ایسی قطعیت اس مسئلہ میں ضرور ہے کہ اس کا منکر گمراہ اور اہلسنت و جماعت سے خارج ہے۔

ان فرق واضحہ بینہ کے باوجود اہل سنت وجماعت پر اہل دیابنہ کا الزام ہے کہ اہل سنت و جماعت علم باری تعالیٰ اور علم سرکار ابد قرار (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں مساوات کے مدعی ہیں۔ معاذ اللہ صد ہزار بار معاذ اللہ۔ اس الزام کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ کو اہلسنت وجماعت سے بیزار کرا کے ان کے دلوں پر وہابیت کی گہری چھاپ ڈالدی جائے اور امت مصطفویہ کو دو گروہوں میں تقسیم کرا کے گروہی عصبیت کا شکار کرا کے غیب دان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ندائے یارسول اللہ کا دروازہ بند کرا دیا جائے۔ اور ایک نئے دین کی داغ بیل ڈالی جائے۔ جو غلامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوق اپنی گردنوں سے اتار کر فرنگیوں کی نمک خوارئ کا حق ادا کرے اور سواد اعظم اہلسنت وجماعت سے اپنا تعلق منقطع کرلے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

جیسا کہ میں نے تمہید میں لکھا ہے کہ فرقہ وہابیہ نجدیہ بھی بعینہ فرقہ قدریہ جبریہ خارجیہ کی طرح ان آیات کریمہ پہ ایمان لاتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے مطابق ہے۔ اور ان آیات باہرات کا انکار کرتے ہیں جو ان کے موقف کی دھجیاں اڑا دیتی ہیں، ناظرین کے علم و اتفاق کے لئے یہاں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ

خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ پارہ ۷، رکوع ۱۱ سورۂ انعام کنزالایمان صفحہ ۱۹۳

ترجمہ رضویہ۔ تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا۔

جبکہ مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی توضیح یہ پیش کی ہے کہ یا تو اس سے علم غیب ذاتی کی نفی ہے یا کل علم کی نفی ہے یا یہ کلام تواضع و انکسار کے طور پر بیان کیا گیا ہے یا یہ کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں دعوٰی نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعوٰئ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی نفی ہے۔ ماخوذ تفسیر نیشاپوری، تفسیر کبیر، تفسیر روح البیان، تفسیر عرائس البیان تفسیر مدارک۔

ذکر کردہ توضیح میری اٹکل پچو نہیں ہے۔ بلکہ قرآن حکیم کے معانی و مطالب پر درک رکھنے والے ان مفسرین عظام کا بیان کردہ ہے جن کی پوری زندگی خدمت دین متین اور قرآن فہمی میں صرف ہوتی ہیں۔ اسی لئے اہلسنت و جماعت ان وارثین انبیاء کے بیان کردہ تفسیروں پر اعتماد اور جزم کرتے ہوئے بسرو چشم قبول کرتے ہیں۔

مگر فرقۂ وہابیہ نجدیہ اُن تمام تفاسیر کو پس پشت ڈال کر اپنے مزموم کی تائید میں اس آیت کریمہ کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی پر ایمان لاتے ہیں اور وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ پ ۴ رکوع ۸ سورۂ عمران کنزالایمان صفحہ ۱۰۸-۱۰۷۔

ترجمۂ رضویہ:۔ اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دیدے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے"۔ اس آیت کریمہ کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اعظم عالم غیب الغیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے نزدیک پسندیدہ رسولوں میں سے نہیں ہے۔ معاذاللہ صد ہزار بار معاذاللہ۔

(۲) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ پارہ ۹ رکوع ۱۲ سورۂ اعراف کنزالایمان صفحہ ۲۵۲

ترجمہ رضویہ:۔ اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی۔ اس آیت مقدسہ کے متعلق بھی مفسرین کرام نے تین توجیہیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام بطور انکسار ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

ماخوذ شرح مواقف، نسیم الریاض، فتوحات الٰہیہ، تفسیر خازن میں جمل حاشیۂ جلال۔ صاوی حاشیۂ جلالین اس آیت کریمہ میں بھی مفسرین کرام کے مذکورہ بالا صراحت کے باوجود رسول دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے فرقۂ وہابیہ نجدیہ اپنے مخترع عقیدہ کی تائید و توثیق میں اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں اور ظاہری معنی پر محمول کرکے علم غیب رسالت پناہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور صرف ذات باری تعالیٰ عز اسمہٗ کے ہی علم غیب کا اقرار کرتے ہیں۔ ا

اور فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۝ پارہ ۲۹، رکوع ۱۱ سورۂ جن (کنزالایمان) صفحہ ۸۳۲

ترجمہ رضویہ:۔ "تو اپنے غیب کسی پر مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔

رسول اعظم عالم غیب الغیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں یہ آیت کریمہ آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن وتابناک ہے ، غبی سے غبی تر آدمی بغیر دماغ پر زور لگائے اس آیت کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے اس لئے کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم فی الواقع نہ نظری ہے نہ ہی فہم وورک سے ماوری . مگر افسوس ہے فرقہ وہابیہ نجدیہ پر جو ایک روشن وتابناک اور واضح ترین دلیل سے کھلم کھلا انکار کرتے ہیں اور حیاء محسوس نہیں کرتے ہیں .

(۳) قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ پارہ ۲۰ رکوع ۱ سورۂ نمل (کنزالایمان) صہ ۵۵۳

ترجمۂ رضویہ :- تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ .

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا بھی مفسرین کرام نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں . ایک تو یہ ہے کہ علم غیب ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا . یا جملہ معلومات الٰہیہ کوئی نہیں جانتا .

ماخوذ فتاویٰ حدیثیہ لامام ابن حجر مکی وشرح شفا خفاجی .

یہ آیت کریمہ چونکہ بظاہر فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے مذہب باطل وابطل کا مؤید ہے اس لئے اس آیت کریمہ کے معترین مگر وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ٥ پارہ ۳۰ رکوع ۵ سورۃ انفطار (کنزالایمان) صفہ ۸۵۵ ــــ ترجمۂ رضویہ :- اور یہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب بتانے میں بخیل نہیں ، کے منکر ہیں اس لئے کہ فرقۂ وہابیہ نجدیہ کی مؤید نہیں ہے .

(۴) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ، پارہ ۷ ، رکوع ۱۳ سورۃ انعام (کنزالایمان) صفہ ۱۹۵ ــــ ترجمہ رضویہ :- اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے ــــ

فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے علماء عموماً مناظرہ میں اپنے مزعوم کی تائید میں اس آیت مقدسہ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس آیت مقدسہ سے متعلق قدرے تفصیل بیان کروں . تفسیر عرائس البیان میں ہے . قال الحریری لا یعلمها الا هو ومن یطلعه علیها من خلیل وحبیب ای لا یعلمها الاولون والآخرون قبل اظهاره تعالیٰ ذٰلك لهم حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے . صاحب عرائس نے ومن یطلعه علیها من خلیل وحبیب فرما کر علم غیب ذاتی اور عطائی کی تقسیم بھی بیان فرمادی اور اپنا عقیدہ بھی ظاہر کردیا . دیگر مفسرین عظام نے ارشاد فرمایا ہے کہ

ساتوں آسمان ،

ساتوں زمین دنیا ہے . اور اس سے ماوراء سدرۃ المنتہیٰ عرش وکرسی دارِ آخرت ہے . دارِ دنیا دارِ شہادت ہے . دارِ آخرت غیب غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے میم الف ی م ، ر کو کرنے سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنتا ہے

مفاتیح الغیب سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں یا سارے معلومات الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے تالا کھولا جائے۔ اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر رکھی جائے۔ اسی طرح حاضر کو غائب یعنی موجود کو معدوم اور غائب کو حاضر یعنی معدوم کو موجود کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

ماخوذ تفسیر کبیر، روح البیان، خازن۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت عندہٗ مفاتیح الغیب اور دوسری آیت لہٗ مقالید السمٰوٰت والارض میں ایک نکتۂ فضیلہ ارشاد فرمایا ہے۔ اہل ایمان کی تازگی کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان، ساتوں زمین دنیا ہے۔ اور ان سے ماوریٰ سدرۃ المنتہٰی عرش وکرسی دار آخرت ہے، دار دنیا، دار شہادت ہے، دار آخرت غیب، غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں، نام پاک سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم میں مفاتیح کا پہلا حرف "م" اور آخر حرف "ح" ہے اور مقالید کا پہلا حرف "م" اور آخری حرف "د" ہے۔ انہیں مرکب کرنے سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنتا ہے۔ اس سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ غیب وشہادت کی کنجیاں سب کے سب آقا ومولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیدی گئی ہیں، اور کوئی شئی ان کے حکم سے باہر نہیں۔ ع

دو جہاں کی بہتر یاں نہیں کہ امانیٔ دل وجان نہیں
کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ ہاں نہیں

سبحان اللہ۔ یا تو اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ مفاتیح ومقالید، غیب وشہادت سب حجرۂ خفا یا عدم میں مقفل تھیں۔ وہ مفتاح ومقلاد جس سے ان کا قفل کھولا گیا اور میدان ظہور میں لایا گیا وہ ذات اقدس ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی۔ کہ اگر حضور تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل حجرۂ عدم یا خفا میں رہتے۔ ع

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہے وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

ماخوذ الملفوظ شریف (بتغیر ما) جلد چہارم صفحہ ۴۲ مطبوعہ مکتبۂ رضا ۳۱۹ گھیر شیخ منگھو بریلی شریف۔

ضمنی طور پر بات آ گئی تھی امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے توضیح لطیف کی حقیقت یہ ہے کہ اہل دیابنہ جس علم غیب کو شیطان وملک الموت کے لئے ثابت مانتے ہیں، اسی طرح علم غیب کو باعث تخلیق کائنات چارہ ساز ومسیحا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے شرک کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے ہیں۔ رسول دشمنی اور ابلیس دوستی کی اس سے ظاہر ظہور مثال اور کیا مل سکتی ہے؟

آنکھ موند کر اپنے موقف کی تائید میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنے والے فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے لوگ آیت کریمہ تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ ۔ پارہ ۱۲ رکوع ۲۔ کنز صفحہ ۳۲۹ ترجمہ رضویہ:۔ یہ غیب کی خبریں ہیں، ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں، کا صرف اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ آیت اُن کے موقف کو ھباءً منثورا کر دیتا ہے۔

(۵) الف۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا فِيْمَ اَنْتَ مِنْ

ذِکْرٰھَا۔ پارہ ۳۰۔ رکوع ۲۔ سورۂ عَبَسَ۔ کنز صفحہ ۱۰۵۲ — ترجمہ رضویہ۔ تم سے قیامت تک پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھہری ہوئی ہے۔ تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق!

ب :- یَسْـئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ پارہ ۹۔ رکوع ۱۳۔ سورۂ اعراف۔ کنز الایمان صفحہ ۲۵۳ ترجمہ رضویہ :- تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اُسے خوب تحقیق کر رکھا ہے۔ تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

ج :- یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ پارہ ۲۲ رکوع ۴۔ سورۂ احزاب۔ کنز صفحہ ۶۱۱۔ ترجمہ رضویہ لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ، اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

د :- اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ پارہ ۲۱۔ رکوع ۱۲ سورۂ لقمان صفحہ ۶۰۰ — ترجمہ رضویہ — بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے، اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

ذکر کردہ آیات بینات کو فرقۂ وہابیہ نجدیہ اپنے موقف کی سند میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام قیامت کا قطعی علم نہ تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان و ما یکون ہوتے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ قرآن حکیم میں اس قدر وضاحت کے ساتھ منفی بیان موجود ہوتا۔

اہلسنت و جماعت کے افراد کو اس قدر صاف و صریح آیات پر ایمان لاکر ہمارے موقف کی تائید و توثیق کرنی چاہیئے۔ اولاً یہ ہے کہ جو بات وہابی، دیوبندی کہتے ہیں، اگر وہی بات حق صریح ہوتی تو اہلسنت و جماعت کو تسلیم کرنے میں کوئی دریغ نہ ہوتا۔ اور ادوار ماضیہ میں علمائے راسخین اثبات علم غیب رسول اکرم اور منفیات پر مشتمل آیات کریمہ پر تطبیق دیتے ہوئے تاویل نہ فرماتے۔

علم غیب ذاتی اور عطائی کے ماخذ رسول اعظم کے وہ اقوال زریں ہیں۔ جو کتب احادیث و اخبار میں شرح و بسط کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں جن کے حسن و صحیح ہونے پر سلف و خلف سے جزم ہے علم غیب مصطفےٰ اور علم ما کان و ما یکون کے ثبوت پر ثقہ راویوں کی رواۃ آفتاب نصف النہار کی طرح تابناک نہ ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا کہ فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے مزعوم پر اہل سنت و جماعت ایمان نہ لاتے۔ مگر جب کہ دلائل و براہین کے بحر ذخار موجود ہیں۔ تو اُن سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے مزعوم کی تائید میں صرف اُن ہی آیات کریمہ کو پیش کرنا جن کا ظاہر منفی پہلو پہ دال ہو یقیناً کفر و ارتداد اور طاغوت پہ آمادگی کی دلیل ہے۔

لیجئے لگے ہاتھوں ذکر کردہ آیات کریمہ کے تحت معدود چند مفسرین کرام کے توضیحات و تنقیحات ملاحظہ فرمائیں جو ایمانی بصیرت کو دوبالا کرنے والی ہیں۔

آیت کریمہ الف کے تحت تفسیر صاوی میں مرقوم ہے کہ وَھٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا

فَلَا یُبَانِی اٰمَنَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰہُ بِجَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔
ترجمہ: یہ آیت کریمہ عالم ماکان و مایکون نے علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دیدیئے
تفسیر روح البیان میں اس اسی آیت کریمہ کے تحت ارقام ہے کہ قَدْ ذَھَبَ بعض المشائخ الی ان النبی علیہ السلام کان یعرف وقت الساعۃ باعلام اللہ وھو لا ینافی الحصر فی الاٰیۃ۔ ترجمہ: بعض مشائخ کرام کا فرمان یہ ہے کہ نبیٔ کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قیامت کے وقت کو بھی جانتے تھے۔ اور یہ قول اس آیت کے حصر کے منافی نہیں ہے۔
آیت مشبہ بالف و ب کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے کہ دنیا کی کل عمر، ستر ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیح ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ تفسیر مدارک یہی آیت مذکورہ بالف کے تحت ہے کہ آپ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ اور کفار آپ سے قیام قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا۔ پھر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب کہہ دو اِلٰی رَبِّکَ یعنی رب کی طرف سے آیا۔
تفسیر مدارک، روح البیان اور صاوی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالم ماکان و مایکون تھے۔
اور ہر ذی فہم جانتا ہے کہ قیامت کب ہوگی اس کا علم ہونا اور ہے۔ خبر دینا اور نہ دینا اور ہے کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ بہت ساری باتوں کا علم ہر انسان کو ہوتا ہے لیکن مصلحت پیش نظر ہوتی ہے جس کی وجہ سے خبر نہیں دیتے ہیں بلکہ مضمر رکھتے ہیں اسی طرح پیارے رسول اکرم نے مصلحت کے پیش نظر علم کے باوجود وقت قیامت کو وانشگاف نہیں فرمایا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو معلوم ہی نہ تھا۔
تعجب ہے فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے متبعین پر جس رسول ہاشمی کے غیب کے منکر ہیں اپنے لئے اسی غیب کو ثابت کرتے ہیں۔ آپ اُن سے استفسار تو کیجئے "چودہ سو سال کے بعد آپ کو یہ علم کیسے ہو گیا کہ سرکار ابد قرار کو معلوم نہ تھا کہ قیامت کب ہوگی جب کہ مفسرین عظام کی تفاسیر اس حقیقت پر شاہد و ناطق ہیں۔" نیز نبی کے ارسال کا مقصود تبلیغ احیاء دین ہوتا ہے۔ فرائض نبوت میں سے ہرگز ہرگز وقت قیامت کی خبر دینا نہیں ہے۔ تو پھر یہ الزام عائد کرنا کہ نبی نے خبر نہ دی لہٰذا علم نہ تھا۔ حماقت پر مبنی ہے اور یہ مسئلہ ایسا نظری بھی نہیں کہ بسیار غور و خوض کے بعد بھی عقل سلیم میں نہ آسکے۔
نیز تفسیر صاوی میں یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا کے تحت یہ مفہوم بھی موجود ہے کہ والذی یجب الایمان بہ ان النبی علیہ السلام لم ینتقل من الدنیا حتی اعلمہ اللہ بجمیع المغیبات التی تحصل فی الدنیا والاخرۃ فھو یعلمھا کما ھی عین یقین بما ورد رُفِعَتْ لی الدنیا فانا انظر

فیھا کما انظر الیٰ کفی ھذہٖ وورد انہٗ اطلع لی الجنۃ ومافیھا والنار ومافیھا وغیر ذٰلک مما تواترت الاخبار ولکن اُمر بکتمان بعضھا

ترجمہ: جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے اور آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتادیں جو دنیا و آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی۔ علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔

ایسے ہی ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ آیت کریمہ کے تحت تفسیراتِ احمدیہ میں منقول ہے کہ ولک ان تقول ان علم ھٰذہٖ الخمسۃ وان لا یعلمھا احدٌ الا اللہ لکن یجوز ان یعلمھا من یشاء من محبیہ و اولیاءہٖ بقرینۃ قولہٖ تعالیٰ ان اللہ علیم خبیر بمعنی المخبر۔

ترجمہ: اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن جائز ہے کہ خدائے پاک اپنے دلیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے۔ اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔ تفسیر صاوی، تفسیر عرائس البیان، تفسیر روح البیان وغیرہا معتبر و معتمد تفاسیر کی کتب میں ان آیات باہرات کے تحت یہی مرقوم ہے کہ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم عطائی ہے۔

اب اگر کوئی ہٹ دھرم اپنی ہٹ دھرمی کی بناء پر یہ کہتا پھرے کہ علم غیب ذاتی اور عطائی کی تقسیم مولانا احمد رضا خاں کی ایجاد کردہ ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی جہالت و سفاہت میں ابوجہل و ابولہب کو بھی مات کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات باہرات اور ان کے مابین تطبیق و توفیق ایمانی بصیرت رکھنے والوں کے لئے کافی ووافی ہے۔ لیکن جن کا دین و مذہب ہی رسول دشمنی ہو۔ بغض صحابہ و عناد انبیاء و اولیاء ہو ان کے پاس آپ چاہے لاکھ عبارات مفسرین پیش کریں۔ ثقہ راویوں کی روایتیں بتائیں، صحابہ و تابعین کی روایتیں پیش کریں وہ ایمان لانے والے نہیں۔ موجودہ دور میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا دعویٰ کرنے والا فرقہ وہابیہ نجدیہ کجروی میں اپنی مثال آپ ہے، علم غیب ذاتی اور عطائی کی تفسیر قرآنی کا کھلم کھلا انکار کرتے ہوئے شرک تک کا فتویٰ ٹھوکتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ خدا و صحابہ تابعین تبع تابعین۔ ائمہ مجتہدین، محدثین خلفاء صلحاء علماء صوفیاء سلف و خلف تک مشرک ٹھہراتے ہیں۔ وہابیہ نجدیہ، قلب کا مریض اور ایمانی ضیاؤں سے محروم فرقہ کا نام ہے۔ لہٰذا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ کا مصداق اور فہم و فراست کا فاقد یہ فرقہ لایعودون کی منزل پر ہی رہے گا۔ اس کے لئے تمام براہین ساطعہ بے سود اور لاحاصل ہی ہے۔

آپ حضرات کے سامنے جو لکھا ہوا اجماعی عقیدہ ہے وہ یہی کہ حضور پر نور شافع یوم النشور ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب عطائی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع ماکان ومایکون کے عالم ہیں۔

اولیاء اللہ کے فضائل اور ولایت کے مراتب

ازقلم ـــــ مولانا محمد عبد المبین نعمانی
ـــــ دار العلوم قادریہ چریا کوٹ ۲۷۶۱۲۹ ـــــ

اولیاء اللہ کے فضائل میں خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ

(پ۱۱ ع۱۲)

(ترجمہ) سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ (ترجمۂ رضویہ، کنز الایمان)

ولی کی تعریف

ولی کی اصل ولا ہے جو قرب و محبت کے معنی میں ہے ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قرب الٰہی حاصل کرے اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہے۔ اور اس کا دل نور جلال الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہو جب دیکھے دلائل قدرت الٰہی کو دیکھے اور جب سنے اللہ کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب کی ثنا ہی کے ساتھ بولے اور جب حرکت کرے طاعت الٰہی میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے اسی امر میں کوشش کرے جو ذریعۂ قرب الٰہی ہو، اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشم دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے یہ صفت اولیاء کی ہے بندہ جب اس حال کو پہنچتا ہے تو اللہ اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔

متکلمین کہتے ہیں۔ ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہو اور اعمال صالحہ شریعت کے مطابق بجا لاتا ہو۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا۔ اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم رہتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے یہی طبری کی حدیث میں بھی ہے۔

ابن زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے) یعنی ایمان

تقوی دونوں کا جامع ہو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لیے محبت کریں اولیاء کی یہ صفت احادیث کثیرہ میں وارد ہوئی ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا ولی وہ ہیں جو طاعت سے قرب الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے۔ یا وہ جن کی ہدایت کا برہان کے ساتھ اللہ کفیل ہو۔ اور وہ اس کا حق بندگی ادا کرنے اور اس کی خلق پر رحم کرنے کے لئے وقف ہو گئے۔

یہ معانی اور عبارات اگرچہ جداگانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر عبارت میں ولی کی ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جسے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتے ہیں ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک اپنے درجے کے مطابق فضل و شرف رکھتا ہے۔ (خزائن العرفان مع اضافہ)

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۝

میں اللہ رب العزت نے اپنے اولیاء کرام کے لیے جس بشارت کی خبر دی ہے۔ اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۳۶۷ھ) اپنی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں:۔

اس خوشخبری سے یا تو وہ مراد ہے جو پرہیزگار ایمان داروں کو قرآن کریم میں جا بجا دی گئی ہے۔ یا بہترین خواب مراد ہے جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لئے دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ولی کا قلب اور اس کی روح دونوں ذکر الٰہی میں مستغرق ہوں تو وقت خواب اس کے دل میں سوائے ذکر و معرفت الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے جب ولی خواب دیکھتا ہے۔ تو اس کا خواب حق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ اس شخص کے لیے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا یہ مومن کے لئے بشارت عاجلہ ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضائے الٰہی اور اللہ کے محبت فرمانے اور خلق کے دل میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس سے اللہ محبت کرتا ہے، اس کو زمین میں مقبول کر دیا جاتا ہے۔ (یہ حدیث تفصیل کے ساتھ بروایت مسلم مشکوۃ ص۴۲۵ میں موجود ہے)

قتادہ کہتے ہیں اس سے وہ بشارت مراد ہے، جو ملائکہ وقت موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیتے ہیں۔ عطا کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت تو وہ ہے جو ملائکہ وقت موت سناتے ہیں۔ اور آخرت کی بشارت وہ ہے جو مومن کو جان نکلنے کے بعد سنائی جاتی ہے۔ کہ اس سے اللہ راضی ہے

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ (۱۰۵۲ھ) تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

"ولایت کے معنی فنافی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے"
(ترجمہ تکمیل الایمان ص۱۷۵)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں مگر ولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو معرفت خداوندی کا واقف ہو۔ طاعت خداوندی پر قائم ہے عصیان و معصیت (نافرمانی) سے کنارہ کش رہے اور لذات شہوانیہ سے پرہیز کرتا رہے اگر ایسے شخص سے کوئی خرق عادت (خلاف عادت) ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے اور یہ جائز ہے مثل

ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی کرامت میں ولی ہوتا ہے (الی ان قال) ولایت کے لئے ضروری نہیں کہ اظہار کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے۔ اصل کرامت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ "اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ" (استقامت کرامت سے بلند تر ہے) لیکن کرامت کے اظہار میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ سالک ابتدائے تربیت میں تکمیل یقین پائے تاکہ سلوک کی جدوجہد میں نہایت تندہی سے کام کرتا چلا جائے۔ اور آخر عمر میں دوسرے لوگوں کی تربیت اور ان کے تردد و انکار کے شبہات کو دور کرنے کے لئے کرامت کا ہونا ضروری ہے۔"

ولی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا ہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء دیگر امتوں کے اولیاء سے افضل ہیں۔ کیونکہ ولایت دیوار نبوت ہوتی ہے۔ دیوار گئی سایہ بھی گیا اولیاء آفتاب نبوت کے ذرے ہوتے ہیں۔ جب آفتاب غروب ہوگیا تو ذروں کی چمک بھی جاتی رہی۔ چونکہ ہمارا مدینہ والا سورج کبھی غروب نہ ہوگا۔ لہذا دین محمدی کے اولیاء کی چمک کبھی ختم ہونے والی نہیں (تفسیر نعیمی حصہ دوم)

حدیث قدسی میں اولیاء اللہ کا یہ مقام بھی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"مَا يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا وَاِنْ سَئَلَنِىْ لَاُعْطِيَنَّهٗ۔" (مشکوۃ شریف ص۱۹۷ بخاری)

ترجمہ: جب برابر میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر مجھ سے سوال کرتا ہے تو ضرور اس کو دیتا ہوں۔

اس حدیث میں خدا کا تقرب حاصل کرنے والوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ برابر نوافل ادا کرتے ہیں جس سے ان کو خدا کا تقرب اور محبوبیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور پھر ان کے تمام اعمال، سننا، دیکھنا، پکڑنا، چلنا پھرنا وغیرہ سب اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کے اشارے پر صادر ہوتے ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کی ہی صفت ہے ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ کے بندوں میں بعض وہ لوگ ہیں۔ جو انبیاء اور شہداء تو نہیں لیکن انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا — وہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی قرابت داری اور دنیاوی مال و دولت کے آپس میں اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں۔ پس اللہ کی قسم بیشک ان کے چہرے منور ہوں گے اور وہ ایک ایسے نور پر ہوں گے۔ کہ ان کو کچھ خوف اور غم نہ ہوگا جس دن لوگ خوف زدہ اور غمگین ہوں گے۔ اس کے بعد حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

(مشکوۃ شریف ص۴۲۶ بروایت ابو داؤد و شعب الایمان، اشعۃ اللمعات، جلد چہارم ص۱۳۵ کتاب الادب)

اولیاء اللہ چونکہ خدا کے محبوب ہیں۔ اس لئے ان کی محبت خدا کی محبت ہے لہذا ان سے بغض، خدا سے بغض کی علامت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ خدا کا قول ہے کہ "مَنْ عَادٰى لِىْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا۔

(بخاری شریف، مشکوۃ شریف ص۱۹۷)

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کرنے والے اور انہیں عام انسانوں جیسا تصور کرنے والے لوگ

اس حدیث پاک سے اپنا انجام معلوم کریں، اور خوف کھائیں۔

اولیاء اللہ میں ایک مرتبہ مجذوبین کا بھی ہوتا ہے۔ جن کا ظاہری حال نہایت خراب اور معمولی ہوتا ہے مگر اللہ کے یہاں ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جس کی آرزو کریں خدا پوری کرے، جو کہدیں وہ ہو جائے حدیث ذیل میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ۔ (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل فرماتے ہیں کہ بہت سے ایسے اور پریشان زلف، گردوغبار میں اٹے ہوئے دروازوں سے (بظاہر بدحالی کی وجہ سے) ہٹائے ہوئے (ایسے بھی اللہ کے نیک بندے) ہیں کہ اگر اللہ پر کسی کام کے لئے قسم کھالیں تو اللہ اس کو ضرور پورا کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء اللہ فقراء کی شکل میں ژولیدہ بال و بدحال نظر آتے ہیں، ان کی ظاہری حالت پر نہ جانا چاہئے۔ بلکہ عند اللہ ان کے مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی عزت و توقیر ہی کرنی چاہئے، اگرچہ ہر بدحال، اور گلیم پوش ولی ہی نہیں ہوتا مگر ان کی توہین و حقارت میں شدید نقصان کا خطرہ ہے ہو سکتا ہے وہ اللہ کا اغبر و اشعث ولی ہی نہ ہو۔ لہذا ایسوں کا یا تو اعزاز کرے یا ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں۔ (اقبال)

مراتب ولایت

مراتب اولیاء کے متعلق اعلیٰحضرت کا ارشاد الملفوظ میں ہے۔

صلحا، فانیین، واصلین، اب ان واصلوں کے مراتب ہیں، نجبا، نقبا، ابدال، بدلا، اوتاد، امامین، غوث، صدیق، نبی رسول، تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں، باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل،

(الملفوظ حصہ چہارم ص۲۲ کلاں)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے دریافت کیا گیا حضور افراد کون لوگ ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

"اجلۂ اولیاء کرام سے ہوتے ہیں۔ ولایت کے عہدات ہیں، غوثیت کے بعد فردیت ــــ ایک صاحب اجلۂ اولیائے کرام سے تھے کسی نے پوچھا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ فرمایا۔ ابھی ابھی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ فرماتے تھے۔ میں نے جنگل میں ٹیلے پر ایک نور دیکھا۔ جب میں قریب گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کمبل کا نور ہے ایک صاحب اسے اوڑھے سو رہے ہیں۔ میں نے پاؤں پکڑ کر ہلایا اور جگا کر کہا اٹھو مشغول بخدا ہو، کہا آپ اپنے کام میں مشغول رہیں مجھے میری حالت پر رہنے دیجئے، میں نے کہا کہ میں مشہور کئے دیتا ہوں کہ یہ ولی اللہ ہے، کہا میں مشہور کر دوں گا کہ یہ حضرت خضر ہیں، میں نے کہا میرے لئے دعا کرو کہا دعاء تو آپ ہی کا حق ہے میں نے کہا تمہیں دعاء کرنی ہوگی، تو فرمایا وَفَّرَ اللّٰهُ حَظَّكَ مِنْهُ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد کرے، اور کہا اگر میں غائب ہو جاؤں تو آپ ملامت نہ فرمائیے گا اور فوراً نظر سے غائب ہو گئے۔ حالانکہ کسی ولی کی طاقت نہیں کہ میری نگاہ سے غائب ہو سکے وہاں سے آگے بڑھا۔ اسی طرح کا ایک اور نور دیکھا جو نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا۔ قریب گیا تو دیکھا ٹیلے پر ایک عورت کمبل اوڑھے سو رہی ہے۔ وہ اس کے کمبل کا نور ہے۔ میں نے پاؤں ہلا کر ہوشیار کرنا چاہا۔ غیب سے ندا آئی "ہے خضر احتیاط کیجئے" اس بی بی نے آنکھ کھولی اور کہا حضرت خضر کے یہاں تک کہہ دئیے گئے۔ میں نے کہا اٹھ مشغول بخدا ہو۔ کہا حضرت اپنے کام میں مشغول رہیں مجھے اپنی حالت پر رہنے دیں۔ میں نے کہا تو میں مشہور

کئے دیتا ہوں کہ یہ ولی اللہ ہے۔ تو ان بی بی صاحبہ نے کہا میں مشہور کر دوں گی کہ یہ حضرت خضر ہیں، میں نے کہا میرے لئے دعا کرو، کہا دعا کر تو آپ کا حق ہے، میرے لئے کہاں تمہیں دعا کرلی ہوگی۔ کہا وَفَّقَ اللّٰہُ حَظَّكَ۔ (مفہوم) اللہ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد کرے۔ پھر اگر میں غائب غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ فرمائیے گا میں نے دیکھا یہ بھی جاتی ہے۔ کہا ہاں یہاں ایک ولیہ کا انتقال ہو گیا تھا اس کی تجہیز و تکفین کا ہمیں حکم تھا یہ کہا اور میری نگاہ سے غائب ہو گئی —— حضرت خضر علیہ السلام سے ان صاحب نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، فرمایا یہ لوگ افراد ہیں۔ میں نے کہا وہ بھی کوئی ہے جس کی طرف یہ لوگ رجوع لاتے ہیں۔ فرمایا ہاں شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔

(الملفوظ جلد اول ص ۱۰۲ - ۱۰۳)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ غوث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث کا لقب عبداللہ اور وزیر دستِ راست عبدالرب اور وزیر دستِ چپ عبدالملک اس سلطنت میں وزیر دستِ چپ وزیر دستِ راست سے اعلیٰ ہوتا ہے، بخلاف سلطنت دنیا اس لئے کہ یہ قلب ہے اور دل جانب چپ (ہوتا ہے) غوث اکبر اور غوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وزیر دستِ راست۔ پھر امت میں سب سے پہلے درجۂ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وزیر ہوئے پھر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت عنایت کی گئی اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے پھر حضرت مولیٰ علی کو دو اماین محترمین (امام حسن وحسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے، امام حسن عسکری (رضی اللہ عنہ) کے بعد حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے ان کے بعد سیدنا غوث اعظم مستقل غوث۔ آپ تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے آپ غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی۔ آپ کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے۔ حضرت امام مہدی تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔

غوث کے انتقال کے بعد غوث کی جگہ اماین سے غوث کر دیا جاتا ہے، اور اماین کی جگہ اوتاد اربعہ سے اور اوتاد کی جگہ بُدلا سے بدلا کی جگہ پر ابدال سبعین (ستر) سے اور ان کی جگہ تین سو نقباء سے پھر اولیاء سے اولیاء کی جگہ عامۂ مومنین سے کر دیا جاتا ہے اور کبھی بلا لحاظ ترتیب کافر کو مسلمان کر کے بدل کر دیتے ہیں۔ ان کا مرتبہ ابدال سے زیادہ ہے۔

اولیاء کی پہچان

ولی کی سب سے بڑی پہچان حدیث میں یہ بتائی گئی ہے۔

اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰہ، جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آئے۔ ایک اور حدیث میں جو اوپر گزری یہ بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو —— پھر اس کی قبولیت و محبوبیت کا چرچا زمین والوں میں کر دیا جاتا ہے اور اہل زمین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۵)

نگاہِ ولایت

اولیاء اللہ کا علم اور ان کی نظر عام انسانوں کے علم و نظر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ وہ خدا کی آنکھ سے دیکھتے ہیں جیسا کہ

اوپر کی حدیث میں گزرا۔

حضرت امام غزالی کیمیائے سعادت میں منصب نبوت سمجھاتے ہوئے عوام د خواص میں تین فرق بیان فرماتے ہیں ۔ اوّل یہ کہ عوام جو خواب میں دیکھتے ہیں. خاصان خدا بیداری میں دیکھتے ہیں! دوم یہ کہ عوام کے علوم استاد کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور خاصان خدا کو رب جلیل بلاواسطہ خود علم عطا فرماتا ہے، سوم یہ کہ عوام کا نفس صرف اپنے ہی اوپر اثر کرتا ہے خاصان خدا کا نفس دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، دوسروں کے دل دنیا بدل دیتا ہے سیاہ دلوں کو روشن کرتا ہے، اور معرفت الٰہی کا گنجینہ بنا دیتا ہے، حضرت آسی علیہ الرحمہ نے اپنے اس شعر میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہ ہی دل آئینہ روئے خدا ہوتا ہے
(ازافادات حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ)

غرض اولیاء اللہ کی نگاہیں بہت تیز اور دوربین ہوا کرتی ہیں، حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

یعنی میں نے خدا کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہوں۔

حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اولیاء کی نگاہ کرامت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پہلی بار کی حاضری (مکہ و مدینہ طیبہ) میں منیٰ شریف کی مسجد میں مغرب کے وقت حاضر تھا۔ اس وقت میں وظیفہ بہت پڑھا کرتا تھا۔ اب تو بہت کم کر دیا ہے۔ بحمداللہ تعالیٰ میں اپنی حالت وہ پاتا ہوں۔ جس میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سنتیں کبھی نہ چھوڑیں، نفل البتہ اسی روز سے چھوڑ دیے ہیں۔ خیر جب سب لوگ مسجد سے چلے گئے، تو مسجد کے اندرونی حصہ میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبلہ رو وظیفہ میں مشغول ہیں۔ میں صحن مسجد میں دروازہ کے پاس تھا، اور کوئی تیسرا مسجد میں نہ تھا یکایک ایک آواز گنگناہٹ کی سی مسجد کے اندر معلوم ہوئی جیسے کہ مکھی بولتی ہے۔ فوراً میرے قلب میں یہ حدیث آئی۔ اہل اللہ کے قلب سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے شہد کی مکھی بولتی ہے۔ میں وظیفہ چھوڑ کر ان کی طرف چلا کہ ان سے دعائے مغفرت کراؤں۔ کبھی میں کسی بزرگ کے پاس بحمداللہ تعالیٰ دنیاوی حاجت لیکر نہ گیا۔ جب گیا تو اسی خیال سے کہ ان سے دعائے مغفرت کراؤں گا۔ غرض دو ہی قدم ان کی طرف چلا تھا کہ ان بزرگ نے میری طرف منہ کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ هٰذَا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ هٰذَا۔ (اے اللہ میرے اس بھائی کی مغفرت فرما) میں نے سمجھ لیا کہ فرماتے ہیں ہم نے تیرا کام کر دیا اب تو ہمارے کام میں مخل نہ ہو۔ میں ویسے ہی لوٹ آیا۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ اسی قسم کا بیان فرمایا۔

میرا محبوب بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے تاآنکہ میں اس کا کان ہوجاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے۔ میں اسکی آنکھ ہوجاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے میں اسکا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں وہ مجھ سے چلتا ہے اگر وہ میرے بھروسہ پر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو میں اسکے دعوؤں کو پورا کر دیتا ہوں۔
(مشکوٰۃ۔ بخاری)

بریلی میں ایک مجذوب البشیر الدین صاحب اخوندزادہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ جو کوئی ان کے پاس جاتا پچاس گالیاں کم سے کم سناتے۔ مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا۔ میرے والد ماجد (علامہ شاہ مفتی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہٗ ۱۲۹۷ھ) کی ممانعت کہ کہیں باہر بغیر آدمی کے ساتھ لئے نہ جانا۔ ایک روز رات کو گیارہ بجے اکیلا ان کے پاس پہنچا۔ اور فرش پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ حجرہ میں چارپائی پر بیٹھے تھے۔ مجھ کو بغور پندرہ بیس منٹ تک دیکھتے رہے۔ آخر مجھ سے پوچھا صاحبزادے تم مولوی رضا علی خاں صاحب کے کون ہو؟ میں نے کہا میں ان کا پوتا ہوں، فوراً وہاں سے جھپٹے اور مجھ کو اٹھا کر لے گئے اور چارپائی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ آپ یہاں تشریف رکھئے۔ پوچھا کس مقدمہ کے لئے آئے ہو۔ میں نے کہا مقدمہ تو ہے۔ لیکن میں اس لئے نہیں آیا ہوں، میں تو صرف دعائے مغفرت کے واسطے حاضر ہوا ہوں قریب آدھے گھنٹے تک برابر کہتے رہے "اللہ کرم کرے، اللہ رحم کرے، اللہ کرم کرے، اللہ رحم کرے۔ اس کے بعد میرے مجھلے بھائی (مولانا حسن رضا خاں صاحب مرحوم) ان کے پاس مقدمہ کی غرض سے حاضر ہوئے۔ ان سے خود ہی پوچھا کیا مقدمہ لے کر آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا۔ مولوی صاحب سے کہنا قرآن شریف میں یہ بھی تو ہے "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ" بس دوسرے ہی دن مقدمہ فتح ہوگیا۔

(الملفوظ شریف جلد چہارم صفحہ ۱۰تا ۱۱)

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نزع کا جب وقت آیا تو شیطان آیا کہ اس وقت شیطان پوری جان توڑ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کا ایمان سلب ہوجائے۔ اگر اس وقت پھر گیا تو پھر کبھی نہ لوٹے گا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم نے عمر بھر مناظروں، مباحثوں میں گزارا، خدا کو بھی پہچانا۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک خدا ایک ہے۔ اس نے کہا اس پر کیا دلیل۔ آپ نے ایک دلیل قائم فرمائی وہ خبیث معلم الملکوت رہ چکا ہے۔ اس نے وہ دلیل توڑ دی، انہوں نے دوسری دلیل قائم کی، اس نے وہ بھی توڑ دی یہاں تک کہ ۳۶۰ دلیلیں حضرت نے قائم کیں اور اس نے سب توڑ دیں۔ اب یہ سخت پریشانی میں اور نہایت مایوس۔ آپ کے پیر حضرت نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہ کہیں دور دراز مقام پر وضو فرما رہے تھے، وہاں سے آپ نے آواز دی، کہہ کیوں نہیں دیتا کہ میں نے خدا کو بے دلیل ایک مانا۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلے خواہی از وے رو متاب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (قرآن) اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

تصنیف علامہ محمد زاہد الکوثری المصری ۱۲۹۶ھ / ۱۳۷۱ھ

وسیلہ دلائل کی روشنی میں

ترجمہ، از ادارہ المجمع الاسلامی مبارکپور

علامہ محمد زاہد الکوثری ماضی قریب کی وہ عظیم شخصیت ہیں، جو محض اخلاص کی بنیاد پر دین کی خدمت انجام دیتے رہے یہ سلف صالحین کی ایک ایسی یادگار تھے جنہوں نے علم دین کو کبھی ذریعۂ معاش نہ بنایا۔ بلکہ یہی علم دین ان کا اصل مقصد حیات رہا اور اس سے اعلیٰ مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۲۹۶ھ میں ترکی کے مشہور شہر آستانہ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ترکی الاصل ہوتے ہوئے بھی آپ کی تمام تر علمی سرگرمیاں عربی زبان میں ظہور پذیر ہوئیں ـــ ۲۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اس کے بعد ہی تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور بہت جلد میدانِ تدریس کے ایک ممتاز شہسوار کی حیثیت سے متعارف ہوئے ترکی حکومت کے امور دینیہ کے صدر مقرر ہوئے اور اس منصب کی عظیم ذمہ داریوں کو ایک مدت تک انجام دیا۔

پھر ترکی سے مصر کی طرف ہجرت کی، مصر سے شام اور پھر شام سے قاہرہ واپس آ گئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ترکی شام اور مصر میں جہاں بھی آپ کا قیام رہا آپ طلبہ اور خلائق کے مرجع رہے۔ قاہرہ یونیورسٹی کے کلیۃ الحقوق کی طرف سے استاذ کے منصب کے لئے آپ کو پیشکش ہوئی مگر آپ نے اپنی ناتوانی اور ضعف کے باعث قبول نہ فرمایا۔ اسی کلیہ کے ایک عظیم استاذ، محمد ابو زہرہ، علامہ محمد زاہد الکوثری کی علمی شخصیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ استاذ ابو زہرہ نے اپنی ایک تعارفی تحریر میں علامہ محمد زاہد الکوثری کو ۱۲ مقامات پر "امام" سے یاد کیا ہے اور ایک مقام پر تو ان کو "مجدد" بھی لکھا ہے۔

۱۳۷۱ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ متعدد علمی اور تحقیقی یادگاریں چھوڑیں۔ محق التقول فی مسئلۃ التوسل حضرت علامہ کوثری کا وہ بے نظیر رسالہ ہے جس میں پر زور دلائل کے ساتھ وسیلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے اسے ایک عرب عالم شیخ محمد رشید نے ادارہ المجمع الاسلامی کو پیش کی اور ساتھ ہی اس کے ترجمہ کی فرمائش کی۔

اس موضوع پر ایک ایسے عالم کی تحقیق جس کی خدمات کا دائرہ کئی ملکوں پر پھیلا ہوا ہو اور جو علمی دنیا میں سند کی حیثیت رکھتا ہو - ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی علمی افادیت کی حامل ہوگی، اسی مقصد کے پیش نظر یہ تحقیق پیش کی جا رہی ہے (ادارہ)

المجمع الاسلامی مبارکپور، اعظم گڈھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَصَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جو سارے مسلمانوں کو اس جرم میں کافر قرار دیتا ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور بزرگوں کا وسیلہ لاتے ہیں۔

اس طرح گویا جمہور مسلمین بت پرستی کا شکار ہیں۔ (معاذ اللہ) اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ وسیلہ کے بارے میں ائمۂ اسلام کی رائیں پیش کروں۔ کیونکہ انہیں حضرات کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ توحید، شرک اور بت پرستی کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکیں اور ہر ایک کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دکھا دیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق کتاب و سنت کے دلائل پیش کر دیئے جائیں اس طرح یہ مختصر رسالہ تیار ہو گیا۔ جسے "محق التقول فی مسئلۃ التوسل" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ہم گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ وسیلہ کے بارے میں ایک طبقہ کا مزاج یہ ہے کہ اس کو وہ اتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کے سبب مشرک قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اس طبقہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ حد درجہ لچر اور کمزور ہیں۔ اس کے برعکس وسیلہ کے حق ہونے کے جو دلائل ہیں وہ نہایت روشن اور واضح ہیں۔

ان لوگوں کی باتوں میں سچائی کہاں سے ہو سکتی ہے ان کے خلاف کتاب و سنت کے بھی دلائل ہیں، عقلی دلیلیں بھی اور امت کا متوارث عمل بھی۔

کتابُ اللہ

قرآن کہتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (مائدہ: ۳۵) خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ شخصیتوں کا بھی ہو سکتا ہے اور عمل صالح کا بھی، اور لفظ وسیلہ اپنے عموم کے باعث دونوں کو شامل ہے۔ بلکہ شریعت میں اس سے شخصیتوں ہی کا وسیلہ پہلے سمجھ میں آتا ہے پھر اس سلسلے میں یہ کہنا کہ صرف زندہ شخصیت کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ ہو سکتا ہے جس کا خیال ہو کہ روحیں جسموں سے جدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حشر و نشر بھی کوئی چیز نہیں۔ اور روحوں کے جسموں سے جدا ہو جانے کے بعد ان کے احساسات و ادراکات بھی فنا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات شرعی دلیلوں کے سراسر خلاف ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ آیت مذکورہ میں لفظ وسیلہ شخصیتوں سے وسیلہ لینے کو بھی شامل ہے۔ یہ محض کسی عالم کی رائے نہیں اور نہ ہی ایسا ہے کہ صرف وسیلہ کے لغوی عموم سے اسے اخذ کر لیا گیا ہے۔ بلکہ یہ معنی حضرت فاروق اعظم سے بھی منقول ہے بارش کے لئے دعا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا اور یہ الفاظ استعمال کئے۔

هٰذَا وَاللّٰہِ الْوَسِیْلَۃُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ — بخدا یہ عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے حضور وسیلہ ہیں۔

سُنّت

(۱) حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے۔

یَا مُحَمَّدُ! اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو بذات خود یہ الفاظ بتائے ــــ ظاہر ہے اس میں شخصیت کا وسیلہ ہے عمل کا نہیں۔ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنیٰ سے پھیر کر کوئی دوسرا معنیٰ نکالنا ہوائے نفس کی پیروی میں تحریف کلمات کا ارتکاب کہلائے گا۔

رہی یہ بات کہ نابینا صحابی کی دعا کی مقبولیت حضور کے دعا کر دینے سے ہوئی۔ (جس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں) یا خود انہیں صحابی کے دعا کرنے سے ہوئی۔ یہ ہماری بحث سے الگ بات ہے۔ ہماری دلیل تو صرف حضور سے مروی یہ دعا ہے۔ اس روایت پر کوئی نقد بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل ہم آگے دے رہے ہیں

(۲) حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ۔

اے رب! یہ دعا قبول فرما، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیا کے وسیلہ سے۔

اس حدیث کے سارے راوی علاوہ روح بن صلاح کے ثقہ اور معتبر ہیں۔ روح بن صلاح کے بارے میں حاکم نے فرمایا ہے ــــ " یہ معتبر اور ثقہ ہیں"۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ و معتبر راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ میں زندوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس روایت میں صاف لفظوں میں انبیا کے جاہ و منزلت سے وسیلہ موجود ہے۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ۔

اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے یہاں جو حق ہے اس کے وسیلے سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اس میں سارے ہی مسلمانوں کا وسیلہ ہے۔ خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں، اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرتے ہیں اپنی سند کے اندر منفرد نہیں۔ ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں اور دوسرے راوی عطیہ کی کئی روایتوں کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

انبیا و صلحا، خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں۔ ان کا وسیلہ لانا ہر دور میں امت مسلمہ کا وطیرہ اور طریقہ رہا ہے۔

(۴) استسقا (بارش کی دعا) کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ ہیں۔

وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا۔

اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔

یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ صحابہ نے خود صحابہ کا وسیلہ لیا ہے۔ اس روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا وسیلہ عیاں ہے۔

یہ جملہ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے۔ لیکن انشائے توسل کے لیئے لایا گیا ہے اور یہ توسل حضرت عباس سے ہے۔ جملہ خبریہ کا دو ہی مقصد ہوا کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ مخاطب کو علم نہیں، مخبر اسے باخبر کرنا چاہتا ہے جیسے کوئی کہے میں کل تمہارے گھر گیا تھا مگر تم موجود نہ تھے ــــ دوسرے یہ کہ مخاطب تو جانتا ہے، مگر مخبر اسے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں بھی جانتا ہوں، جیسے کوئی کہے

کی تم میرے یہاں آئے تھے مگر مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور حضرت عمر کے قول (اے خدا ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) میں خبر کے دونوں ہی معنیٰ ممکن ہیں۔ اس لیے کہ رب تعالیٰ ان کے وسیلہ لانے کو بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنے توسل سے واقف ہیں۔ اس لیے حضرت عمر اس دعاء سے انشائے توسل اور حضرت عباس کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ لانا ہی مقصود ہے۔ اور حدیث کے ٹکڑے کُنَّا نَتَوَسَّلُ میں بھی وہی کچھ ہے جو پہلے جملہ میں ہے۔ اس کے علاوہ صحابی کا قول "کُنَّا نَفْعَلُ کَذَا"۔ ہم ایسا ہی کرتے رہیں ـــــ اس مذکورہ قول کے زمانہ سے پہلے زمانہ میں کسی فعل کے ہونے کو بتاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابۂ کرام حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں بھی، اور رفیق اعلیٰ سے جاملنے کے بعد بھی عام رمادہ تک آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے ـــــ اس لیے کسی کا یہ کہنا کہ یہ وسیلہ حضور کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا، یہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور الفاظ حدیث کی تحریف اور تاویل بلادلیل ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے عہد میں استسقاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے نزدیک انبیا سے ان کی وفات کے بعد وسیلہ لینا جائز نہیں۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ مطلب کسی طرح اس حدیث سے اخذ نہیں ہوتا ـــــ بلکہ یہ ایک ناکام کوشش اور ناممکن خیال ہے۔ اس قائل نے حضرت عمر کی طرف ایسی چیز منسوب کر دیا ہے جو ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ ان کی زبان سے ایسے خیال کا اظہار تو بہت دور کی بات ہے۔

ایسا مطلب بنانا اپنی رائے سے ایک صحیح اور صریح حدیث کو لغو اور باطل ٹھہرانے کا مصداق ہوگا۔

ہاں حضرت عمر کے اس عمل سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لایا جاسکتا ہے، اسی طرح آپ کے زندہ رشتہ داروں کا بھی وسیلہ لانا جائز اور درست ہے۔ استیعاب از ابن عبد البر میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ـــ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور خلافت میں عام رمادہ ۱۸ھ کے اندر سخت قحط سالی ہوئی حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر سے عرض کیا۔ امیر المومنین! بنی اسرائیل جب اس طرح کی قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو انبیاء علیہم السّلام کے رشتہ داروں کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کرتے حضرت عمر نے فرمایا ـــــ اچھا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا، آپ کے والد کے بھائی، اور بنو ہاشم کے سردار حضرت عباس موجود ہیں یہ کہہ کر حضرت عمر حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور ان سے قحط سالی کا شکوہ کیا۔

کیا اب بھی واضح نہ ہوا کہ حضرت عمر کا حضرت عباس کی شخصیت کا وسیلہ لانا، اس لیے نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (معاذ اللہ) مردہ ہیں پکار کو سنتے نہیں، اور خدا کے یہاں ان کا کوئی مرتبہ نہیں؟ معاذ اللہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا بہتان ہوگا۔

(۵) مالک دار سے مروی حدیث ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کریں۔ لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث کو خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے ان سے فرمایا عمر کے پاس جاؤ۔ ان سے سلام کہو اور بشارت دیدو کہ اب بارش ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کا وسیلہ لانا اس حدیث سے

اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں
یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ابن ابو شیبہ نے روایت کی ہے [1]

(۶) حضرت عثمان بن حنیف کی مذکورہ حدیث، جس میں خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دعائے حاجت کی تعلیم فرمائی — حضرت عثمان بن حنیف کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک کام تھا۔ اس روایت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ لایا گیا ہے۔ جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو طبرانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابو الحسن ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کیا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل آگے آرہی ہے۔

محدث کبیر محمد عابد سندی نے وسیلہ سے متعلق روایات واحادیث کو ایک خاص جزء میں جمع کیا ہے۔ یہ مجموعہ بہت جامع اور کافی وشافی ہے۔

اُمت کا دستورِ عمل

آغاز اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیاء وصلحاء کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں اتنا کچھ موجود ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) "مناسک امام احمدؒ" میں خدا کی بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ لینے سے متعلق ابو بکر مروزی کی روایت موجود ہے۔

(۲) شیخ حنابلہ ابو الوفا ابن عقیل نے "تذکرہ" میں مذہب حنابلہ کے مطابق سرکار سے توسل کا طویل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ہم نے "السیف الصقیل" کے تکملہ میں ان کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں۔

(۴) امام شافعی کا امام ابو حنیفہ کا وسیلہ لانا صحیح سند کے ساتھ تاریخ خطیب کے شروع میں مذکور ہے۔

(۵) حافظ عبد الغنی مقدسی حنبلی نے اپنے لاعلاج پھوڑے سے شفایابی کے لیے امام احمد کی قبر پر ہاتھ پھیرا۔

حافظ ضیا مقدسی نے اپنے استاذ موصوف سے سنکر اپنی کتاب "الحکایات المنثورہ" میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب آج بھی "ظاہریہ" دمشق میں موجود ہے۔ اور لطف یہ کہ خود مؤلف کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔

کیا یہ اکابر اسلام قبر پرست تھے۔

عقل

امام فخر الدین رازی، علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ سید شریف جرجانی اور ان جیسے بڑے بڑے ائمہ اسلام جن سے مشکل مسائل کا حل لیا جاتا ہے۔ یہ حضرات انبیاء وصلحاء، خواہ زندہ ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں ان سے وسیلہ لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کون ہوگا جو ان حضرات کو شرک کا داعی اور قبر کا پجاری قرار دے گا۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ نے ایمان وکفر اور توحید ودین کو انہیں حضرات سے سیکھا ہے۔ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ دراصل ساری مدد مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

اب اس مسئلہ میں ان عظیم شخصیتوں کے اقوال انہیں کے الفاظ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں
جو روحیں جسمانیات سے پاک ہو چکی ہیں۔ اور جسموں کی تاریکی سے آزاد ہونے کے بعد عالم بالا سے مل جانے کا شوق رکھتی ہیں۔ وہ روحیں عالم قدس اور عالم ملائکہ میں پہونچتی ہیں۔ ایسی روحوں کے اثرات اس دنیا کے حالات کے سلسلہ میں رونما ہوتے ہیں یہ مدبرات امر (کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والی) ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اپنی کوئی مشکل اس کے سامنے رکھتا ہے اور وہ استاذ اس کی مشکل کا حل پیش کر دیتا ہے۔

[1] فتح الباری۔ ابن حجر عسقلانی (صفحہ ۹)

(۲) نیز امام رازی "المطالب العالیہ" — یہ کتاب، اصول دین کی اہم اور مفید ترین کتاب ہے، کے مقدمۂ ثالثہ کتاب سابع کی دسویں فصل میں فرماتے ہیں — انسان کبھی کبھی اپنے ماں باپ کو خواب میں دیکھتا ہے اور ان سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہے اور وہ لوگ اس کو صحیح جوابات دیتے ہیں۔ اور کبھی تو وہ ایسے دفینہ کی خبر دیتے ہیں جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔

(۳) پھر آگے فرماتے ہیں — اپنے بچپن میں جب میں زیر تعلیم تھا۔ اس وقت یہ بحث پڑھتا حَوَادِث لَا اَوَّلَ لَهَا واقعات جن کا آغاز نہیں۔ میں اس بحث کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں — اس بحث کی بہترین دلیل یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل

اور میں مردہ ہوں تم کو صلہ نہیں دے سکتا۔ ہاں! میں تمہیں ایک جگہ دفینہ کی نشان دہی کرتا ہوں۔ تم وہاں جاکر وہ خزانہ لے لینا — اس کے بعد فردوسی کہا کرتا تھا "مردہ رستم زندہ محمود سے کہیں زیادہ کریم ہے"

(۵) امام رازی اسی مقالۂ ثالثہ کی پندرہویں فصل میں دلیلیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں

اس سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس میں چیزوں کے معلوم کرنے کی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اصول ہے جس سے علم المعاد، حشر و نشر کے بارے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے —

(۶) امام رازی اسی مقالہ کی اٹھارہویں فصل میں فرماتے ہیں۔ یہ اٹھارہویں فصل اموات و قبور کی زیارت سے استفادہ

> قرآن پاک میں وسیلہ کا حکم ہے اس آیت کے سلسلہ میں سارے مذاہب کے فقہاء متفق ہیں کہ انبیاء کرام اپنے اپنے قبروں میں زندہ ہیں اور سائل کی مدد فرماتے ہیں —

ہونے کو حرکت کہتے ہیں۔ اس طرح حرکت کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہو اور ازل کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اس طرح دونوں کا ایک ساتھ وجود میں آنا لازماً محال ہوگا۔

پھر مصنف اس دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اب تک جو کچھ بھی کہا گیا ہے۔ ان میں سب سے بہتر یہ دلیل ہے۔

(۴) میں نے سنا ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود سبکتگین کے نام پر اپنا مشہور شاہ نامہ مرتب کیا۔ اور سلطان نے اس کا صلہ ادا نہ کیا، تو اس کے اندر ایک طرح کی بد دلی پیدا ہو گئی۔ وہ اس کشمکش میں تھا کہ اس نے "رستم" کو خواب میں دیکھا۔ رستم اس سے کہہ رہا ہے۔ تم نے اس کتاب میں میری بڑی تعریف کی ہے

کے بیان میں ہے۔

پھر فرماتے ہیں — اس مسئلہ کے بارے میں ایک عظیم سلطان بادشاہ محمد بن سام بن حسین غوری نے مجھ سے پوچھا۔ یہ بادشاہ اچھے اخلاق و سیرت کا حامل تھا۔ اہل علم اور اہل دین و دانش سے اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ اس نیک دل بادشاہ کے جواب میں میں نے ایک رسالہ لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس بحث کے چند مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ اس کی دلیل ہم قائم کر چکے کہ جسموں کے مرنے کے بعد ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں — اور یہ روحیں ان روحوں سے جو ابھی جسموں میں ہیں، بعض حیثیتوں سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہیں۔ اور بعض چیزوں میں یہ جسموں والی روحیں زیادہ طاقت ور ہوتی

ہیں۔ جسموں سے آزاد روحیں اس طرح زیادہ طاقت ور ہوتی ہیں کہ یہ روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہو گئیں تو ان کا پردہ ہٹ گیا۔ اور ان کے لئے عالم غیب اور منازلِ آخرت کے سربستہ راز کھل گئے۔ اور ایسے بہت سے علوم جو دلائل سے معلوم ہوتے تھے۔ اب ان روحوں کو یہ علوم بداہت اور مشاہدہ سے معلوم ہونے لگے۔ کیونکہ یہ روحیں جب تک جسموں میں تھیں، تو وہ گویا ایک برتن میں بند تھیں۔ جب بدن کی قید سے وہ آزاد ہو گئیں، تو ان میں ایک خاص قسم کی چمک اور درخشندگی پیدا ہو گئی۔ اس طرح ان آزاد ہونے والی روحوں کے اندر ایک خوبی اور کمال پیدا ہو گیا۔ اور جسموں سے وابستہ روحیں اس اعتبار سے زیادہ طاقت ور ہیں کہ فکر و نظر کے ذریعہ اکتساب و طلب کے آلات ان روحوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور وہ روحیں ہر روز ایک نیا تجربہ حاصل کرتی ہیں۔ اور جسموں سے آزاد روحوں کو یہ چیزیں میسر نہیں۔

دوسرا مقدمہ
روحوں کا اپنے جسموں سے شدید عشق اور کامل محبت

جیسا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی حاصل کی جاتی ہے، وہ صرف اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ اس سے جسم کو آرام، راحت اور فائدہ حاصل ہوگا ــــ جب انسان مرجاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ میلان و رجحان اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور روح کا جسم سے جو عشق تھا وہ بھی بحال رہتا ہے اور پھر اس روح کا اپنے بدن کی طرف میلان اور جھکاؤ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ہمارا ثابت کردہ وہ نظریہ ہے، جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ نفسِ ناطقہ جزئیات کا ادراک کرتا ہے۔ اور نفسِ ناطقہ اپنے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی اپنے اندر ادراک کی قوت باقی رکھتا ہے۔

اِن مقدمات کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ جب انسان ایک طاقت ور اور باثر روح والے انسان کی قبر پر جاتا ہے۔ اور وہاں تھوڑی دیر کے لیے رُکتا ہے تو اس کا نفس اس تربت سے اثر پذیر ہوتا ہے ــــ اور پہلے بتایا جا چکا کہ اس میت کی روح کا اس تربت سے ہمیشہ تعلق قائم رہتا ہے۔ ایسے میں ان دونوں کے یکجا جمع ہونے سے اس زیارت کرنے والے شخص کو اس صاحب قبر سے ایک طرح کی ملاقات ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں روحیں ان دو صاف و شفاف آئینے کی طرح ہو جاتی ہیں، جو اس طرح رکھے گئے ہوں کہ شعاعیں چھن کر ایک دوسرے کو پہونچ رہی ہوں۔ اللہ کے لیے خشوع و خضوع اور اس کے فیصلے پر راضی ہونے کے باعث جو علوم و معارف اور اخلاقِ فاضلہ اس زائر کو ملتے ہیں، اس سے ایک نور نکل کر اس میت کی روح تک پہونچتا ہے۔ اور اسی طرح اس میت کو جو روشن علوم حاصل ہوتے ہیں ان سے ایک نور نکل کر اس زائر کی روح تک پہونچتا ہے۔ اور اس طرح زیارت کرنے والے اور صاحبِ قبر کی روحوں کو اس زیارت سے ایک عظیم نفع اور زبردست سُرور نصیب ہوتا ہے۔ یہی زیارت قبر کے مشروع ہونے کا اصلی سبب ہے۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس سے بھی کچھ زیادہ راز ہائے سربستہ حاصل ہوتے ہوں، جن کا صحیح علم صرف وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے۔"

یہ امام فخر الدین رازی کا نظریہ ہے، جس میں انھوں نے واضح فرمایا کہ زیارت میں زائر اور صاحبِ قبر کے مراتب کے تناسب سے اخذ و استفادہ اور عطا و افادہ کا سلسلہ باہم پایا جاتا ہے۔

(۷) علامہ محقق سعد الدین تفتازانی "شرح المقاصد کی دوسری جلد ص ۴۳ پر فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ کتاب اُصول عقائد کی بنیادی کتابوں میں ہے)۔

فلاسفہ کے یہاں جزئیات کے ادراک کے لئے آلات و ذرائع میں صورت کا حاصل ہونا شرط ہے جب بات یہ ٹھہری تو روح کے جسم سے جدا ہو جانے اور

ذرائع وآلات کے ناپید ہو جانے کے بعد نفس میں جزئیات کے لیے قوتِ ادراک باقی نہیں رہ جاتی۔ کیوں کہ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔

ہم جواب دیں گے ہمارے یہاں جزئیات کے ادراک کے لیے آلات وذرائع شرط نہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ادراک نفس میں یا حواس میں حصولِ صورت کا نام نہیں۔ یا پھر اس لیے کہ جزئی کی صورت کا نفس میں مرتسم ہونا محال نہیں ـــــ بلکہ اسلامی اصول سے تو یہی ظاہر ہے کہ جسم کے روح سے جدا ہو جانے کے بعد بھی روح کو جزئی قسم کے ادراکات، اور زندوں کے حالات کے جزئیات پر اطلاع ہوتی ہے۔ خصوصاً میت کا جن سے تعارف اور لگاؤ ہوتا ہے۔ ان کے حالات سے اس میت کو آگاہی ہوتی ہے اسی لیے زیارتِ قبور سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اور بھلائیوں کے حصول اور مصیبتوں کے ازالہ کے سلسلے میں وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے مدد بھی لی جاتی ہے۔ اس لیے روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس جسم اور خاک سے جہاں یہ جسم مدفون ہوا ہے، ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

جب یہ زیارت کرنے والا اس خاک پر آتا ہے۔ اور اس کی روح اس صاحبِ قبر کی روح کے قریب آتی ہے، تو دونوں روحوں کے درمیان ایک قسم کی ملاقات اور فائدہ رسانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔" اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی کی یہ تحقیق ہے۔ کیا علامہ تفتازانی بھی ان لوگوں میں سے ہو سکتے ہیں جو توحید اور شرک کے درمیان تمیز نہیں رکھتے؟ ایسا خیال رکھنے والے ذہن کا برا ہو۔

(۸) مزید علامہ تفتازانی اسی جلد کے ص ۱۵۰ پر رقم طراز ہیں۔

الحاصل اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور تقریباً اسی قدر ہے جتنا کہ انبیائے کرام سے معجزات کا ظہور ہوا ہے بدمذہب اگر اس کا انکار کرتے ہیں تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، کیونکہ انھوں نے عبادت کے کاموں کی بجاآوری، اور برائیوں سے اجتناب میں سرگرمی وکوشش کے باوجود نہ تو اپنے اندر کسی کرامت کا مشاہدہ کیا، نہ اپنے کو برتر وبالا سمجھنے والے اپنے پیشواؤں کے بارے میں ایسا کچھ سنا۔ اس لیے سرے سے کراماتِ اولیاء ہی کا انکار کر بیٹھے۔ اور ان کی بدگوئی اور غیبت پر اتر آئے۔ صالحین کی کھال چاک چاک کرنا، اور ان کا گوشت چبانا ہی مشغلہ بن گیا۔ ان کو جاہل صوفیہ کے لقب سے یاد کرنا، اور ان کو اہلِ بدعت میں شمار کرنا ہی شیوہ ٹھہرا۔ یہ اپنی مسلسل غیبت گوئی کی وجہ سے اس مثل کے مصداق ہیں "اوسعتهم سبّاً وأودوا بالابل"۔ انہیں پتہ نہیں کہ حصولِ کرامت کی بنیاد، عقیدہ کی درستی، باطن کی صفائی، طریقت کی پیروی، اور حقیقت کی برگزیدگی پر قائم ہے۔"

اولیائے کرام کے سلسلہ میں یہ اس محقق کا ارشاد ہے جن کا تصوف سے تعلق نہ تھا ـــــ اولیائے کرام کی آبرو ریزی کرنے والوں کے لیے اس بیان میں عبرت کا سامان موجود ہے۔

(۹) علامہ سید شریف جرجانی حاشیہ "مطالع" میں فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کتابوں کے شروع میں درود لکھنے اور فیض یابی کے لیے عظیم ہستیوں کا وسیلہ لینے کی وجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں ـــ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بڑی شخصیتوں کا وسیلہ بس ان کی ظاہری زندگی ہی تک محدود ہے۔ ان کے جسموں سے روحوں کے رخصت ہونے کے بعد توسل کی گنجائش نہیں۔

تو ہم جواب دیں گے۔ توسل اور فیض یابی کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ پاکیزہ ہستیاں اس دنیا کے اندر اپنے جسموں سے تعلق قائم رکھتے ہوئے اپنی زبردست ہمت وعزیمت کے ساتھ ناقص افراد کی تکمیل میں مصروف رہ چکی ہوں۔ بعدِ وفات بھی ان کے اندر اس کا اثر باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات کی زیارت زائرین کے لیے منبعِ انوار ثابت ہوتی ہے ـــ جس کا اصحابِ نظر مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔"

غرض اس مسئلہ میں کتاب و سنت، عمل امت دستور مسلمین اور ائمہ دین سب متفق و متحد ہیں۔ اس کے باوجود جو انکار و عناد پر آمادہ ہو وہ راہِ حق سے منحرف ہے۔

اب ہم ذیل میں اس سلسلہ کی احادیث و روایات پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے آیاتِ وسیلہ کا مفہوم واضح کرتے چلیں۔

(۱) یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ (مائدہ: ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ کے لئے وسیلہ لاؤ۔

اس میں شخصیت اور عمل دونوں کا وسیلہ مطلوب ہے۔ اس لئے کہ وسیلہ اِن دونوں چیزوں کو شامل ہے۔ یہ استدلال نہ تو محض رائے سے ہے نہ صرف عموم لغوی کے تحت ہے۔ بلکہ اس کے حق میں واضح روایتیں بھی موجود ہیں۔

ابن عبد البر نے "استیعاب" میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمر نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارش ہونے کے لئے وسیلہ لیا تھا۔ اور ان کے وسیلہ سے بارش ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا تھا۔

هٰذَا۔ وَاللّٰهِ۔ اَلْوَسِیْلَةُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمَکَانَ مِنْهُ۔

حضرت عباس اللہ کی بارگاہ کے وسیلہ اور صاحب مرتبہ ہیں۔

حضرت عمر کے اِرشاد کا ایک حصہ اور فتح الباری میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا۔

وَاتَّخِذُوْهُ (یَعْنِی الْعَبَّاسَ) وَسِیْلَةً اِلَی اللّٰهِ۔

لوگو! ان (حضرت عباس) کو خدا کی بارگاہ کے لئے وسیلہ بناؤ۔

اگر کہا جائے کہ فاروق اعظم کے ارشاد "اِتَّخِذُوْهُ وَسِیْلَةً" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس سے دعا کراؤ، تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں اس معنیٰ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عمر ان سے دعا کی درخواست تو پہلے ہی کر چکے تھے جس پر انہوں نے آگے بڑھ کر دعا بھی کی۔ اس کے بعد حضرت عمر کے فرمان "اِتَّخِذُوْا وَسِیْلَةً" کا یہی معنیٰ ہوگا کہ ان کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ۔ جیسا کہ خود حضرت عمر نے اپنے عمل سے لوگوں پر اسے واضح کیا تھا۔ وَلٰکِنَّ الْهَوٰی یُعْمِیْ وَیُصِمُّ۔

فتح الباری میں منقول ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِرشاد ہے کہ "لوگ آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے"۔ اس میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے حضور سے درخواست کی ہو کہ حضور ان کے لئے بارش طلب کریں۔ اس لئے کہ دونوں شکلوں میں اس کا امکان ہے کہ خود صحابہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لاکر اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دعا کرتے تھے۔ ابن رشید نے تو اپنے اس قول سے ساری بحث ہی کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ عنوانِ باب:۔

بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ الْاِسْتِسْقَاءَ۔

لوگوں کا اِمام سے استسقاء کے لئے درخواست کرنے کا باب!

کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب لوگ حضور کو وسیلہ بنا کر خود اللہ سے دعا کرتے اور بارش نازل فرماتا تو اگر

خود حضور ہی کو دعا رکے لئے آگے بڑھائیں تو یہ بدرجۂ اولیٰ درست اور مناسب ہوگا۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیلہ ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دعا رکرائی جائے۔ ایسے لوگوں کا خیال ان دونوں محققین کے قول سے غلط ہو کر رہ جاتا ہے کہاں وسیلہ لینا، اور کہاں دعا رکرانا۔

ہاں! کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس کا وسیلہ لیا جاتا ہے وہ وسیلہ لینے والے کے لئے دعا ربھی کرتا ہے لیکن یہ توسل کا لغوی یا شرعی معنیٰ ہرگز نہیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ حق ہے درجۂ ذیل آیت کریمہ کے تحت تفسیر علامہ بغوی وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے۔

(۲) وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ۔ (البقرہ ۸۹)

یعنی اہل کتاب یہود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اہلِ کفر کے مقابلہ میں فتح مانگا کرتے مگر جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ انکار کر بیٹھے۔

یہود پر جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا، تو یہ دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ فَكَانُوْا يُنْصَرُوْنَ ۔

اے اللہ دشمن پر ہماری مدد فرما اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔ چنانچہ یہود اس طرح دعا کرتے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی۔

اس سلسلہ کی مکمل روایتیں "الدرالمنثور" از سیوطی میں مرقوم ہیں۔

درجۂ ذیل آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ بالکل واضح ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔

(نساء ۶۴)

اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں، پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کا سوال کریں، اور آپ بھی ان کے لئے بخشش مانگیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا یہ وسیلہ آپ کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا تو یہ بات بلا دلیل، بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی ہوگی۔

مُطلق اپنے اطلاق پر ہی ہوگا۔ اس پر اہلِ حق کا اتفاق ہے۔ مُطلق کسی دلیل ہی سے مقید ہوگا۔ اور اِس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس مطلق کو مقید بنا سکے۔

اس آیت کے سلسلے میں سارے مذاہب کے فقہا رحتیٰ کہ حنبلی حضرات بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آیت بعد وفات کے زمانہ کو بھی شامل ہے اور انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حنبلی حضرات کے نزدیک زیارت قبرانور کے

وقت توسل کے الفاظ کیا ہیں؟ ــــ یہ قدیم حنبلی بزرگ ابوالوفا ابن عقیل کی کتاب التذکرہ سے ہم نے ابن قیم کے قصیدہ نونیہ کے رد السیف الصقیل کے تکملہ میں ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ توسل میں مذکورہ آیت کریمہ اور سرکار سے توسل دونوں موجود ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیت بالا سے توسل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ عتبی کی حدیث میں بھی اس آیت کریمہ کو ذکر کرکے سرکار سے توسل کا واقعہ موجود ہے۔ اس روایت کو محض زور قلم سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم وہ روایات و احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے سابقہ صفحات میں احادیث کی جانب جو اجمالی اشارہ کیا گیا ہے اب اس کی تفصیل کے لئے ہم یہاں کچھ احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں جن سے واضح طور پر وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) بخاری نے استسقاء کے بیان میں روایت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط پڑتا تو آپ حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کا سوال کرتے ــــ ان کے الفاظ یہ ہوتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ فَيُسْقَوْنَ ه

اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بارش کا سوال کرتے تھے اور تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش کا سوال کر رہے ہیں، اے رب! ہم پر اس وسیلہ سے بارش نازل فرما، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بارش ہوا کرتی۔

اس حدیث میں شخصیت کا وسیلہ واضح الفاظ

> حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا فرماتے اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی کے وسیلے سے بارش کا سوال کرتے تھے۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش طلب کر رہے ہیں۔ اے رب ہم پر اس وسیلہ سے بارش نازل فرما۔ (بخاری)

میں موجود ہے۔ اس روایت کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ عبارت اصل میں یہ ہے۔ "بدعاء عم نبینا" یہ مطلب غلط اور بے بنیاد ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے باعث آپ کا وسیلہ ترک کیا گیا۔ اور حضرت عباس کا وسیلہ لیا گیا ــــ یہ ایک ایسی بات ہوگی جو حضرت عمر کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزری ہوگی۔ بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برتر کے ہوتے ہوئے بھی کمتر سے وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح "بِعَمِّ نَبِیِّنَا" کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو وسیلہ لیا گیا ہے وہ حضرت عباس کے رشتۂ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ہی وسیلہ ہے اور حضور کے یہاں جو ان کا رتبہ تھا اس کا وسیلہ ہے۔ جو درحقیقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا وسیلہ ہے۔

حدیث کا دوسرا لفظ "کُنَّا" یہ صرف عہدِ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کے بعد عام رمادہ تک کے زمانہ کو بھی شامل ہے اس لئے اس کو عہدِ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقید کرنا بلا دلیل ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بخاری کی روایت کے مطابق ابو طالب کا یہ شعر بھی سنایا کرتے تھے۔

وَ اَبیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ

ترجمہ: "آپ روشن وسفید رو ہیں آپ کے چہرۂ انور کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے"۔

بلکہ فتح الباری کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود یہ شعر پڑھنے کی فرمائش کی ہے۔

اسی طرح حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے شعر میں وسیلہ سے کون انکار کرسکتا ہے۔

"فَسَقَی الْغَمَامُ بِغُرَّةِ الْعَبَّاسِ"

(استیعاب)

ان سب روایات واشعار میں یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شخصیت اور رب تعالیٰ کے یہاں ان کا جو رتبہ ہے اس کے وسیلہ سے خدا سے بارش کا سوال کیا گیا ہے۔

(۲) بیہقی نے مالک الدار سے روایت کی ہے اس روایت میں صاف ہے کہ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہدِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا وسیلہ لیا تھا۔

مالک الدار اضافت کے ساتھ حضرت عمر کے مولیٰ اور خازن تھے۔ حضرت عمر نے ان کو بے سہارا لوگوں کا انتظام سونپا تھا۔ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تقسیم کی ذمہ داری عطا کی تھی۔ اس لئے ان کا نام مالک الدار ہو گیا۔ (طبقات سعد واصابہ)

معارف ابن قتیبہ میں ہے۔ حضرت عمر کے خدام میں ایک مالک الدار بھی تھے۔ حضرت عمر نے ان کو ایک گھر سونپا تھا۔ جس میں وہ لوگوں کو کچھ بانٹا کرتے تھے۔ وسیلہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اسْتَسْقِ اللّٰہَ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا فَاَتَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ فَقَالَ اِئْتِ عُمَرَ فَاَقْرِئْہُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْہُ اَنَّھُمْ یُسْقَوْنَ۔ (الحدیث)

عہدِ عمر میں لوگ قحط کے شکار ہوئے۔ ایک شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے رب تعالیٰ سے بارش کی دعا فرما دیں لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں اس شخص کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ تم عمر کے پاس جاؤ۔ اور ان

کو سلام کہو۔ اور خبر کر دو کہ اب بارش ہوگی۔

اس حدیث سے یہ چند باتیں ثابت ہوتی ہیں ـــــ!

(۱) نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی برزخی زندگی میں بارش کے لئے سوال کیا جا سکتا ہے۔

(۲) رب تعالیٰ سے آپ دعا کر سکتے ہیں۔

(۳) آپ سے اگر کوئی ایسی گزارش کرتا ہے تو آپ کو اس کا علم ہوتا ہے۔

(۴) اس شخص کے اس طرز عمل پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں مختصراً ابو صالح ذکوان کے واسطے سے روایت کی ہے ـــــ "اصابہ" کی تصریح کے مطابق یہ حدیث ابن ابو خثیمہ نے اسی واسطے سے تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ ابن ابوشیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث ابوصالح سمان کے واسطہ سے مالکُ الدَّار سے روایت کیا ہے۔

ابن حجر نے مزید وضاحت کی ہے کہ مذکورہ خواب ایک دوسرے صحابی بلال بن حارث مزنی نے دیکھا تھا۔ جیسا کہ سیف نے "فتوح" میں روایت کی ہے۔

پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعائے بارش کے سلسلے میں یہ حدیث عمل صحابہ کھلی ہوئی دلیل ہے کیونکہ اس پر کسی صحابی کو کوئی اعتراض نہ ہوا جب کہ صحابہ اس سے باخبر اور آگاہ تھے۔ اس لئے کہ جو معاملہ امیر المؤمنین تک پہنچ جاتا ہے، وہ ڈھکا چھپا نہیں رہ جاتا، معروف و مشہور ہو جاتا ہے ـــ اس طرح یہ حدیث منکرین وسیلہ کی مکمل طور سے زبان بند کر دیتی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک اور روایت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود ان کو ایک دعا بتائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ حَاجَتِیْ۔

اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور تیرے نبی محمد رحمت کے نبی کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ میں آپ کا وسیلہ لاکر اپنی اس ضرورت کو لے کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا۔ تاکہ میری ضرورت پوری ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے جاہ عالی کا وسیلہ حق ہے۔

(۲) آپ کو دور سے پکارنا اور ندا دینا بھی حق ہے۔

منکرین وسیلہ کے لئے یہ روایت بھی تازیانۂ عبرت ہے۔ یہ حدیث بخاری نے "تاریخ کبیر" میں، ترمذی نے "جامع دعوات" میں، ابن ماجہ نے "سنن" صلاۃ الحاجۃ میں روایت کی ہے ـــ اور ساتھ ہی ابن ماجہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کی ہے۔ نسائی نے "عمل الیوم واللیلۃ" میں، ابونعیم نے "معرفۃ الصحابۃ" میں، بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں اور ان کے سوا اور بھی کئی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں

میں یہ روایت نقل کی ہے — اس کے علاوہ تقریباً پندرہ حفاظ و محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ متاخرین کے علاوہ ان محدثین میں حضرات قابل ذکر ہیں، ترمذی، ابن حبان، حاکم، طبرانی، ابو نعیم بیہقی اور منذری — ترمذی کی سند اس طرح ہے (ج ۲، ص: ۱۹۷، مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبة عن ابی جعفر عن عمارة بن خزیمة بن ثابت عن عثمان بن حنیف (الحدیث)

ترمذی نے اس حدیث کو صحیح حسن غریب بتایا ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ہمیں صرف ابو جعفر خطمی کے واسطے سے پہنچی ہے۔ ابو جعفر کے بارے میں ترمذی کے کسی نسخہ میں "وَهُوَ غَيْرُ الخطمی" اور کسی میں "لَيْسَ هُوَ الخطمی" کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اور یہ سب ناقلوں کے تصرفات ہیں۔ کیونکہ امام ترمذی کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ "فلاں نہیں" اور اس کی تفصیل سے وضاحت نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابو جعفر جنہوں نے عمارہ سے روایت کی ہے یہ عمیر بن یزید خطمی ہی ہیں جو اصلاً مدنی ثانیاً بصری ہیں۔ جیسا کہ رجال کی مشہور مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

اور ابو جعفر رازی متوفی ۱۶۰ھ جو شعبہ کے شائخ میں سے ایک ہیں انہوں نے عمارہ متوفی ۱۰۵ھ کا زمانہ قطعاً نہیں پایا — اس لئے کہ ابو جعفر رازی کا سفر حجاز، عمارہ کی وفات کے ۹ سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ اور شعبہ اپنی روایتوں میں قوی اور قابل اعتبار ہیں۔

ساتھ ہی طبرانی وغیرہ کے نزدیک حدیث کے دیگر واسطے بھی اصل سند سے ہی اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ ابو جعفر وہی خطمی ہیں جو متفقہ طور پر ثقہ ہیں

اس حدیث کی سند بحوالہ طبرانی "شفاء السقام" از: تقی سبکی میں مذکور ہے۔

ترمذی کی سند کے سارے ہی راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ اور ترمذی کی اس حدیث کو غریب کہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سند میں عثمان بن عمر بروایت شعبہ منفرد ہیں — اور ابو جعفر بروایت عمارہ بھی منفرد ہیں حالانکہ یہ دونوں ہی راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ اور ایسی کتنی ہی صحیح حدیثیں ہیں، جن کے سلسلۂ رواۃ میں کہیں کوئی راوی منفرد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" میں بھی یہ انفراد پایا جاتا ہے — اسی حدیث کو امام ترمذی نے "حسن" بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو جعفر اور عثمان بن عمر کے بعد اس کے واسطے متعدد ہیں۔ اسی کو ترمذی نے صحیح بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راویوں میں صحت کے اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں۔

(۴) حضرت عثمان بن حنیف کی حدیث جس میں ایک شخص کو نماز حاجت کے ساتھ مذکورہ دعا کی تعلیم دی گئی ہے اس شخص کو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک کام تھا۔ اس نے وہی دعا کی اور اس کا کام ہوگیا۔

اس مقام پر جس نکتہ کی نشاندہی کرنی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صحابی نے دعائے حاجت کی حدیث سے یہی سمجھا کہ یہ دعا نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اور یہ ہے حضور کی رحلت کے بعد آپ کو پکارنا اور ندا کرنا۔ اور یہ ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل — طبرانی نے "معجم کبیر" میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور کئی واسطوں سے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے

اسی طرح ابو الحسن ہیثمی نے مجمع الزوائد میں

اس کا ذکر کرنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے' اور ان سے پہلے منذری "الترغیب" میں اور ان سے پہلے ابو الحسن مقدسی' اسی حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کر چکے ہیں۔ ابو نعیم نے بھی "المعرفۃ" میں اور بیہقی نے بھی دو واسطوں سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور ان کی دونوں ہی سندیں صحیح ہیں۔

(۵) وسیلہ کی احادیث میں فاطمہ بنت اسد کی حدیث بھی ہے۔ جس میں خود رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرماتے ہوئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ۔

تیرے نبی کے اور مجھ سے پہلے
انبیاء کے وسیلہ سے۔

ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ طبرانی نے "کبیر" اور "اوسط" میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہیں۔ جن کو ابنِ حبان اور حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے ان کے علاوہ سارے ہی راوی صحیح بخاری کے رواۃ سے ہیں۔

اس حدیث میں وفات پانے والے انبیائے سابقین علیہم السلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ
قَالَ يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ
مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ۔

حضرت آدم علیہم السلام نے لغزش کے بعد بارگاہِ خدا میں عرض کیا اے میرے پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مجھے بخش دے۔

حاکم نے "مستدرک" میں یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے مزید فرمایا۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی یہ پہلی حدیث میں نے ذکر کی ہے۔ تقی سبکی نے "شفاء السقام" میں اس کی پوری سند ذکر کی ہے۔ طبرانی نے "اوسط" اور "صغیر" میں اس روایت کی تخریج کی ہے۔ اور ان کی دونوں روایتوں میں بعض ایسے راوی پائے جاتے ہیں جن سے ہیثمی واقف نہیں۔

ہاں! عبد الرحمٰن بن زید کو امام مالک نے اور ان کی متابعت میں کچھ اور حضرات نے ضعیف قرار

دیا ہے۔ پھر بھی ان پر کذب کی تہمت نہیں' بلکہ ان پر صرف وہم کا الزام ہے۔

اور ایسے راویوں کی روایتیں چھان بین کے بعد قبول کر لی جاتی ہیں۔ حاکم نے ایسا ہی کیا ہے انہوں نے دیکھا کہ اس حدیث کو امام مالک نے خود قبول فرمایا جیسا کہ ابنِ حمید امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ابو جعفر منصور سے فرمایا:

هُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ
اَبِيْكَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارا
بھی وسیلہ ہیں، اور تمہارے باپ حضرت
آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔
اب جب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کو بطور وسیلہ
پیش کر دیا تو عبدالرحمٰن راوی کے اوپر سے وہم اور
فتنۂ حفظ کا الزام ختم ہو گیا۔ کیونکہ دوسرے
الزام دینے والوں نے امام مالک کی تبعیت ہی میں
الزام دیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن زید
ایسے محدث نہیں، جن کی روایت مطلقاً مسترد کر دی
جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام
نے "الام" اور مسند میں ان کی روایت کردہ حدیث
سے (فضائل ہی نہیں) بلکہ احکام میں استدلال کیا
ہے۔ ایسی صورت میں حاکم نے مذکورہ حدیث
کو اگر صحیح قرار دیا تو وہ باعث ملامت نہیں۔ یہ حدیث
بلاشک وشبہ صحیح ہے۔ ہاں! جن کے سینے فضائل
مصطفیٰ سے تنگ ہوں وہ تو اس کی صحت سے انکار
ہی کرتے رہیں گے۔
امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذکورہ ارشاد
قاضی عیاض نے "اَلشِّفَا بِتَعْرِيْفِ حُقُوْقِ
الْمُصْطَفٰى" میں عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
(۱) اس روایت کی سند میں جو ابن حمید
مذکور ہیں وہ محمد بن حمید رازی ہیں، یہی راجح ہے، وہ
نہیں جو امام تقی الدین سبکی کا گمان ہے لیکن ان
رازی کا حال ایسا نہیں جیسا کہ شمس بن عبدالہادی
نے تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ شمس بن عبدالہادی
نے ان کے ساتھ ناروا سلوک یہ کیا ہے کہ ان پر جو
تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کر دی ہیں اور ان
کی تعریفوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔
ابن عبدالہادی ان تین میں سے ایک ہیں جو
عالم شباب میں ابن تیمیہ سے ملے اور ان سے فریب
خوردہ ہو کر راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ جو دلائل ان
کے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف پڑتے ہیں ان میں یہ صاحب
"جرح" کا ذکر کرتے ہیں۔ اور تعدیل کو گول
کر جاتے ہیں۔
یہ محمد بن حمید وہ ہیں جن سے ابو داؤد، ترمذی
ابن ماجہ، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث
نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن ابو خیثمہ بیان کرتے
ہیں۔ رازی کے بارے میں ابن معین سے پوچھا گیا
تو انہوں نے فرمایا ثقہ اور دانشمند ہیں۔ ان سے
استناد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
امام احمد نے فرمایا: "رَی" میں اس وقت
تک علم ہو گا جب تک محمد بن حمید ہوں گے۔ ابن حمید
وہ ہیں جن کی صاغانی اور ذہلی نے بھی تعریفیں کی
ہیں۔ خلیلی "الارشاد" میں رقمطراز ہیں۔ ابن حمید
علم حدیث کے عالم اور حافظ ہیں۔ احمد اور یحییٰ نے
ان کو پسند کیا۔ امام بخاری نے فرمایا "فیہ نظر"۔
لیکن اس جیسی حدیث کے سلسلے میں وہ متہم نہیں۔
لمبی عمر پا کر ۲۴۸ھ میں رحلت فرمائی۔ امام مالک
رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت ان کی عمر پندرہ
سال سے کم نہ تھی۔ جبکہ یہ لوگ اپنے امام کی "مسند"
میں پانچ سال کے راوی کی روایت بھی قبول کرتے
نظر آتے ہیں۔
(۲) یعقوب بن اسحاق کے بارے میں خطیب
نے تاریخ میں کہا "لا بأس به" ان میں کوئی
حرج نہیں۔
(۳) ابو الحسن عبداللہ بن محمد بن منتاب،
اسماعیل قاضی کے بڑے اصحاب میں سے ایک ہیں
ان کو تقریباً ۳۰۰ھ میں مقتدر نے مدینہ کا قاضی
مقرر کیا تھا۔ اور اس زمانہ میں غیر ثقہ عالم مدینہ
منورہ کا قاضی نہیں ہو سکتا تھا۔
(۴) اور ان کے شاگرد محمد بن احمد بن فرج

کی سمعانی نے "الانساب" میں ذکر جزاری کے تحت توثیق کی ہے۔ ابن اثیر نے "اللباب" میں اس توثیق کو برقرار رکھا ہے۔

(۵) ابوالحسن فہری بھی یقیناً ثقہ ہیں۔ "العبر" از ذہبی میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

(۶) ابن دہاث ابن عبدالبر کے ثقہ مشائخ میں سے ایک ہیں۔ "صلہ" ابن بشکوال مطبوعہ مادریہ میں ان کا تذکرہ مرقوم ہے۔ راویوں کے جو تذکرے ہم نے اوپر پیش کئے ہیں، تقریباً اسی انداز سے سبکی نے "شفاء السقام" میں قلمبند کیا ہے۔

ابن عبدالہادی اس حدیث کے قبول کرنے سے صرف اسلئے انکار کرتے ہیں کہ یہ روایت ان کے شیخ ابن تیمیہ کے تفردات کے خلاف پڑتی ہے۔

ابن مختلب کے اس حدیث کے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ قاضی اسماعیل مالکی کی "مبسوط" میں جو کچھ ہے اس کی تردید کر سکیں جو ابن وہب بروایت مالک کے خلاف ہے۔ شیخ اسماعیل عراق کے ہیں اور اہل مدینہ اور اہل مصر عراقیوں سے زیادہ امام مالک کے مسائل سے آگاہ ہیں ساتھ ہی اسماعیل نے امام مالک تک کی سند کا ذکر بھی نہ کیا بلکہ اسے مرسلاً بیان کر دیا ہے۔ مگر چوں کہ یہ ابن عبدالہادی کی خواہش کے مطابق ہے۔ اس لئے انہوں نے بلا چون و چرا قبول کر لیا ہے اور ابن عبدالہادی ان کی مدح سرائی میں اس قدر رطب اللسان ہیں، جیسے ان کی تعریف سند سے بے نیاز کر دے گی۔ ایسا لگتا ہے قاضی اسماعیل کے بارے میں داؤد اصبہانی نے جو ریمارک پیش کیا ہے اس پر ان کی نگاہ نہیں پڑی۔

ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ وسیلۂ آدم کے سلسلہ کی ایک ہی روایت نہیں بلکہ اس سلسلہ کی متعدد روایتیں اور بھی موجود ہیں، جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں ہم یہاں ان کی تفصیلات میں اس لئے جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ مذکورہ احادیث سنجیدہ اور غیر متعصب ذہن کے لئے کافی ہیں۔

(۷) ابن ماجہ نے اپنی سنن کے "باب المشی الی الصلاۃ" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ (الحدیث)

جو شخص نماز کے ارادے سے گھر سے نکلے پھر یہ کہے اے اللہ سوال کرنے والوں کا جو تیرے اوپر حق ہے اس کے وسیلے سے میں سوال کرتا ہوں۔

شہاب بوصیری "مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ" میں فرماتے ہیں۔ اس سند کے راوی ضعیف ہیں ـــــ مثلاً عطیہ، عوفی، فضیل بن مرزوق اور فضل بن موفق، یہ تینوں ضعیف ہیں۔ لیکن ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے واسطے سے حدیث روایت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رزین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے ابن منیع نے بھی اپنی "مسند" میں اس طرح یہ حدیث بیان کی ہے۔

حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوقٍ

اس کے بعد پوری سند اور پوری روایت ذکر کی ہے ـــــ

علاء الدین مغلطائی "الاعلام شرح ابن ماجہ" میں فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ابونعیم، فضل ابن دکین نے "کتاب الصلوٰۃ" میں فضیل بن مرزوق سے انہوں نے عطیہ سے عطیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے عطیہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت میں تنہا

نہیں، بلکہ ابو الصدیق بھی عبد الحکم بن ذکوان کی روایت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور وہ ابنِ حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اگرچہ ابو الفرج نے اپنی "علل" میں ان پر تنقید کی ہے۔ اور ابنِ سنی نے "عمل الیوم واللیلۃ" میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے ــــ

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ۔

اس سند میں نہ عطیہ ہیں، نہ ابنِ مرزوق، اور نہ ہی ابنِ موفق ہیں ــــ جس سے ظاہر ہوگیا کہ عطیہ ابنِ مرزوق، اور ابنِ موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس کی دوسری تائیدات بھی موجود ہیں ــــ علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابنِ مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں ــــ اسی طرح فضل بن دکین، ابن فضیل اور سلیمان بن حیان وغیرہم نے بھی ابنِ مرزوق سے روایت کی ہے۔ عطیہ پہ تشیع کا الزام ہے۔ لیکن امام ترمذی نے ان کی کچھ روایتوں کو حسن قرار دیا ہے ــــ ابنِ معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں۔ ابن سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں ــــ ابنِ عدی نے فرمایا ہے ان کی روایتیں صالح ہیں۔ اور حضرت ابو سعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں۔ خصوصاً جبکہ اس روایت میں متابعت بھی ہے۔ اور امام مسلم کے نزدیک ابنِ مرزوق کی توثیق کا پلہ بھاری ہے کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلال رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بھی وارد ہوئی ہے ــــ اس لئے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایۂ اعتبار اور درجۂ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہوگا۔ کیوں کہ یہاں متابعات اور شواہد کثرت سے پائے جا رہے ہیں۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ جرح کو تعدیل پر ترجیح ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ قول ضعیف ہے۔ ثانیاً وہ بھی جرح کو تعدیل پر اس وقت ترجیح دیتے ہیں، جب دونوں میں اس طرح تعارض ہو کہ دونوں کا پلہ بالکل برابر ہو۔ اس لئے جرح کی ترجیح کا معاملہ ثابت کرنے کے لئے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہاں جرح و تعدیل دونوں بالکل ہم پلہ ہیں ــــ اس کے بغیر مطلقاً جرح کی تقدیم کا فیصلہ صادر کرنا بہت دور کی بات ہے۔ اور زیرِ بحث حدیث کو تو حافظ عراقی نے تخریج احادیث احیاء، اور حافظ ابن حجر نے 'امالی الاذکار' میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔ اس لئے اہلِ بدعت کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ مذکورہ اصول کا سہارا لے کر ان ثابت شدہ احادیث کو مسترد کرنے کی جسارت کریں، جو ایسے راویوں سے مروی ہوں، جن کو محدثین کرام نے معتبر اور ثقہ قرار دیا ہے۔ کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک ان راویوں کے ثقہ ہونے ہی کے فیصلہ کو ترجیح حاصل تھی۔ زیرِ بحث حدیث کو محدث عراقی نے "تخریج احیاء العلوم" میں اور محدث ابن حجر نے "امالی الاذکار" میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔

حدیث مذکورہ میں حق سائلین کے وسیلے سے دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور خدا سے سوال کرنے والوں میں خاص مقبول بندے بھی ہیں اور عام مسلمان بھی، اس لئے اس حدیث پاک سے عام مسلمین اور خاص مقبولانِ بارگاہ دونوں ہی سے وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

وسیلہ کے بعض منکرین اس حدیث سے

متعلق یہ کہتے ہیں کہ "اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ" کے اندر "بحق" میں جو "با" ہے وہ توسل کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ یہ وہ "با" ہے جو "سَأَلَ" کے مفعول ثانی پہ آتی ہے۔

ان کے جواب میں عرض ہے کہ سوال دو معنیٰ میں آتا ہے۔ (۱) پوچھنا، دریافت کرنا (۲) مانگنا طلب کرنا، عطا و بخشش چاہنا۔ سوال کے دو مفعولوں میں سے ایک پر جو "با" آتی ہے وہ اس وقت ہوا کرتی ہے جب سوال پوچھنے اور دریافت کرنے کے معنیٰ میں ہو۔ جیسے قرآن میں ہے۔

فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ؕ

تو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ۔

سوال جب مانگنے اور دعا کرنے کے معنیٰ میں ہو تو "با" متوسّل بہ پر (اس پر جس سے وسیلہ لیا جائے) داخل ہوتی ہے جیسا کہ خود ماثورہ دعاؤں سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے اور اگر خواہی نخواہی یہاں بھی یہی کہا جائے کہ "با" مفعول ثانی پر داخل ہے تو حدیث کے الفاظ مذکورہ کا معنیٰ کیا ہوگا؟ "اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ" کا معنیٰ اگر یہ ہیں کہ "اَسْئَلُكَ اِجَابَةَ الْمُسْئَلِيْنَ" یعنی میں تجھ سے سائلوں کی اجابت اور قبولِ دعا کا سوال کرتا ہوں۔ تو عرض یہ ہے کہ "حق" کا معنیٰ اجابت اور قبولیت ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ "حق سائلین" سے مراد مَا يستحقه الخ۔

ما يستحقه السائلون المتضرعون فضلاً من الله وسبحانه.

خدا کے فضل و کرم سے یہ فروتنی و عاجزی کرنے والے سائل جس چیز کے مستحق ہوں وہی حق سائلین ہے۔

جب یہ ثابت ہے کہ حق کا معنیٰ قبول و اجابت نہیں تو "بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ" "اَسْئَلُكَ" کا مفعول ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور کون جو اس باختہ یہ بکواس کر سکتا ہے کہ نماز کو جانے والا یہ شخص سارے عام و خاص سائلانِ بارگاہِ الٰہی کا حق خود وصول کرنا چاہتا ہے، اور اللہ سے اس کا سوال کر رہا ہے منکرین وسیلہ کے خیالِ فاسد کی حقیقت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب بعد کے الفاظ بھی پیشِ نظر ہوں، اس جملہ کے بعد اس پر یہ جملہ معطوف ہے۔ "وَ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا الخ" کیا یہاں بھی وہ کہیں گے کہ بندہ دعا کر رہا ہے کہ میں اپنے اس چلنے کا حق مانگتا ہوں؛

منکرین اپنے خیال فاسد کی تائید کے لئے مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ سوال ہے تو کوئی مسئول و مطلوب ہونا ضروری ہے۔ اور حق سائلین کے علاوہ حدیث میں اور کچھ مذکور ہی نہیں، جسے سوال کا مطلوب بنایا جا سکے۔ اس لئے وہی مطلوب ہے۔

ان کی یہ بات سخت مضحکہ خیز اور نہایت خندہ انگیز ہے گویا ان کو "اَنْ تُعِيْذَنِيْ مِنَ النَّارِ" نظر ہی نہیں آتا۔ حق سائلین اور اپنی پیادہ روی کے وسیلہ سے وہ یہی تو سوال کر رہا ہے کہ "مجھے دوزخ سے پناہ دے، میرے گناہوں کو بخش دے۔" یہ صراحت حدیث میں موجود ہے۔ اور "اَسْئَلُكَ" کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید کے لئے فعل کی تکرار کوئی نادر چیز نہیں۔ کلام عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ تو فعلِ اخیر سے جو مطلوب ہے وہی پہلے دونوں فعلوں سے بھی مطلوب ہے بالفرض یہ افعال تاکید والے نہ ہوتے تو بھی یہی مفعول اخیر سب کا مفعول بن جاتا۔ اور تمام افعال کا اسے معمول بنانے میں تنازع ہوتا، جو نحو اور زبان کا معروف قاعدہ ہے۔ الحاصل اس مفعولِ اخیر

سے سابقہ افعال کا تعلق بہر تقدیر معتبر اور ملحوظ ہے۔

وسیلہ لینے کو ناجائز بنانے کے لئے کچھ لوگ یہ خیالِ فاسد قائم کرتے ہیں کہ غیر خدا کو بارگاہ خدا کے لئے وسیلہ بنانا غیر اللہ کی قسم کھانے کے مرادف ہے۔ اور غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے اس لئے توسل بھی حرام ہے۔

اس خیال کے تحت توسل کی تردید کرنے والے درحقیقت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تردید کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ خود سرکار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنار نے ہی تو توسل کے یہ الفاظ اور صیغے تعلیم فرمائے ہیں اور غیر خدا سے وسیلہ لیتے ہوئے دعا اپنی امت کو بتائی ہے۔ سرکار کے بنائے ہوئے کلمات اور دعاؤں میں اشخاص کا وسیلہ موجود ہے۔۔۔ افسوس کہ ان منکرین کو توسل اور قسم کے عظیم تفاوت کی بھی تمیز نہیں۔ کہاں غیر خدا کو بارگاہِ خدا میں وسیلہ بنانا، اور کہاں غیر خدا کی قسم کھانا!

اِس مقام پر ہم استعانت اور استغاثہ کے موضوع پر بھی مختصر گفتگو کرتے چلیں، تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ موضوع بھی وسیلہ سے گہرا ربط رکھتا ہے بخاری کی حدیث شفاعت کے الفاظ یہ ہیں۔

اِسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰی ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

حشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے پھر حضرت موسیٰ سے پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کریں گے،

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ توسل کے سلسلہ میں اِستغاثہ (فریاد خواہی) کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

رہی طبرانی کی روایت لَایُسْتَغَاثُ بِیْ کے الفاظ، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں۔ ہم نے "الاشفاق" میں ان کا حال تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتی۔

اب رہا یہ حدیث "وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ" ایک تو اس حدیث کی تمام سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے دوسرے یہ کہ اس کا حقیقی اور مجازی معنیٰ یہ ہوگا۔

عِنْدَ اسْتِعَانَتِکَ بِاَیِّ مُسْتَعَانٍ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ۔

کسی بھی مُستعان سے مدد لینے کے وقت، خدا سے مدد طلب کرو۔

اِس معنیٰ کے تحت حدیث پاک سے استعانت کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مُستعانِ حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ اور صاحبِ ایمان کی شان یہی تو ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مُسَبِّبُ الاسباب کو نہیں بھولتا۔

یہ دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے بارش کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لیا تو "اَللّٰھُمَّ فَاسْقِنَا" کے الفاظ کہنا نہ بھولے" اور یہی اسلامی ادب ہے۔ اگر حدیث کا یہ معنیٰ نہ لیا جائے تو معنیٰ مجازی لینا ہوگا۔ اور متعدد آیات و احادیث کے خلاف ہوگا، ساتھ ہی حدیث کا لفظ اِذَا (جب) کُلَّمَا (جب جب) کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ اہلِ منطق کے نزدیک یہ شرطیہ مہملہ کے الفاظ سے ہے۔ اس کے مطابق خصم کے لئے اس سے دلیل قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس پر مزید یہ کہ خطاب بھی واحد کے لئے ہے یعنی ایک صحابی خاص کو مخاطب کر کے سرکار نے یہ فرمایا ہے۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ خاص لوگوں کے لئے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایک خاص بندہ میں

ایسے مقربان بارگاہِ الٰہی کے لئے بہتر یہی ہے کہ یہ حضرات مُسَبِّبُ الاسباب اللہ سے مدد مانگا کریں۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○

ہم تجھ سے ہی مدد مانگیں۔

یہ استعانت آیت کے سیاق و سباق کے مطابق عبادت اور ہدایت کے سلسلہ میں ہے۔ رب تعالےٰ سے مناجات کے دوران یہی مناسب بھی ہے اگر اس کا عام اور مطلق معنیٰ لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ بندہ کسی بھی کام میں کسی بھی غیرِ خدا سے مدد نہ لے، جب کہ ہر شخص ہزارہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے، اس لئے آیت کے معنی مطلق کو لے کر اگر مطلقًا استعانت کو شرک کہیں تو تقریبًا سارے بندگانِ خدا کو مشرک قرار دینا اور اسبابِ دنیا کو معطل و بیکار کرنا لازم آئے گا۔

ہمارے ایک مخلص دوست صاحبِ تصانیفِ مفیدہ علامہ شیخ محمد حسنین عدوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ بحث موضوع وسیلہ پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور ان میں فکرِ ابنِ تیمیہ سے متاثر افراد کے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ ان کا اندازِ بیان بھی خوب ہے اور تحقیق بھی خوب ہے۔ ان کا مقامِ علم بالاتفاق ان لوگوں کے شیوخ المشائخ سے بھی درجوں بلند ہے۔

اصحابِ قبور میں قوتِ سماعت قوتِ ادراک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے کی خاصی تفصیل محدث عبدالحیٔ لکھنوی نے "تذکرۃ الراشد" میں رقم کی ہے۔

رہی یہ روایت "وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ" محققین کے نزدیک اس آیت میں اصحابِ قبور سے مراد مشرکین ہیں — اس مقام پر بعض دیگر تحقیقات بھی ہیں۔ لہٰذا کسی کو کسی طرح کے مغالطے میں نہ آنا چاہیئے۔

مذکورہ آیات و احادیث سے بالکل روشن ہو گیا کہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہلِ ایمان کو مشرک گردانا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہے بعض عوام جو توسل و زیارت کے آداب کما حقہٗ ملحوظ نہیں رکھتے ایسوں کے لئے اہلِ علم پر فرض ہے کہ ان کو متانت و سنجیدگی سے سمجھائیں۔ صدیوں سے امت توسل و زیارت پر کاربند رہی۔ اس کے انکار کی بدعت ابنِ تیمیہ حرانی نے پھیلائی اُس وقت کے علماء نے اس بدعت کا قلع قمع کر دیا تھا، اس پر بھرپور نکیر کی، اور متعدد تحقیقی رد بھی لکھے — لیکن ابن تیمیہ کی بلاؤں سے بے خبر اس سے متاثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جا رہا ہے —— تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے، اور اس تفسیر میں تصرف کرنے والے ان کے بیٹے نے اس موضوع پر بعض غلط بحثیں لکھ ڈالی ہیں۔ مذکورہ دلائل ان کی تردید کے لئے کافی ہیں۔

یہ دونوں ہی باپ بیٹے بعض مسائل میں اضطراب و انتشار کا شکار نظر آتے ہیں یہ ان کے اپنے پڑوسیوں اور اپنے بعض اساتذہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے یہاں ان سب باتوں کی تفصیل کا موقع نہیں۔

خیر الخلق محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے وسیلہ لینے میں امتِ مسلمہ کا دستور کیا رہا ہے اس کی تفصیل کے لئے امام ابو عبد اللہ بن نعمان محمد بن موسیٰ تلمسانی مالکی متوفی ۶۸۳ھ کی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام" کا مطالعہ کیا جائے — یہ کتاب دار الکتب المصریۃ کے نوادرات سے ہے

یہ تحریر انصاف پسندوں کے لئے کافی ہے۔

وسیلہ

نسبت تعظیم

پاسبانِ ملت مولانا مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (قرآن)

(ترجمہ) رسول اللہ جو عطا فرمائیں اسے لے لو۔ اور جن چیزوں سے روک دیں اس سے رُک جاؤ۔

کچھ نام نہاد مدعیان اسلام کا یہ کھوکھلا نعرہ ہے کہ ہمیں جو لینا ہوگا خدا سے لیں گے۔ اور خدا یہ فرماتا ہے کہ تمہیں وہی لینا پڑے گا جو میرے مصطفےٰ تمہیں دیں گے۔

گویا جو آیت میں نے پیش کی ہے وہ ان کی برہنہ پشت پر تازیانہ عبرت ہے اور مکروہ چہرے پر تیکھی طمانچہ۔

معلوم ہوا میرے سرکار خدا اور بندوں کے درمیان ایک وسیلہ ہیں اب اسی کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

خدائے قدیر ارشاد فرماتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے مصطفےٰ جو کچھ تم لوگوں کو دیں اسے لے لو اور جن چیزوں سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

کہنے کے لئے بظاہر کتاب اللہ کا ایک مختصر ٹکڑا ہے لیکن خداوند قدوس نے اسی مختصر سے ٹکڑے میں ہمارے قانون زندگی کو سمو دیا ہے اور اسی اتنے ہی حصے میں ہمارے دستورِ حیات کو سمیٹ دیا ہے۔

یہ انسانی کتاب نہیں آسمانی اور منزل من السماء کتاب ہے۔ اس میں امثال و نظائر کا پھیلاؤ بھی ہے اور قانون کا ایجاز و اختصار بھی ویسے ہم اور آپ بھی کسی کی تعریف میں بولتے ہیں کہ فلاں خطیب کا کیا کہنا، ایسا دادو بیان مقرر کہ اس نے سمندر کو کوزہ میں بھر دیا۔ لیکن یہ اردو زبان کی کہاوت اور ضرب المثل ہے۔ مگر میں نے جو آیت پیش کی ہے وہ اس کہاوت کی منہ بولتی مثال ہے۔ ہم اس کی تفصیل آگے عرض کریں گے سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ میرے مصطفےٰ جو دیں اسے ہم لے لیں اور وہ جن چیزوں سے روک دیں ہم اس

سے رک جائیں۔

اگر مسلمان کو یہ قانون یاد رہ جائے تو اس کا قدم کبھی ڈگمگا نہیں سکتا، نہ ہی وہ پھسلے اور نہ وہ گرے مثلاً اگر وہ کسی چیز کو پینا چاہتا ہے اور ہونٹوں کے قریب آتے آتے اسے یاد آجائے کہ میں اسے پینے تو جا رہا ہوں کہیں رسول خدا نے اسے حرام تو نہیں فرمایا۔ اب اسے وہ پی نہیں سکتا۔ اس کا ضمیر نفرت و ملامت کرے گا۔ ہاتھوں سے پھینک دے گا۔ اگر وہ کسی چیز کو کھانے جا رہا ہے مگر اسے یہ خیال آجائے کہ میں اسے کھانے تو جا رہا ہوں کہیں میرے سرکار نے اسے حرام تو نہیں کہا؟ بس وہ نوالہ اب حلق سے نیچے نہیں اتر سکتا۔ اسے اگل دے گا پھینک دے گا۔ ایسے ہی وہ اگر کسی طرف بڑھتا جا رہا ہے کہیں آقائے دو جہاں نے وہاں جانے سے روکا تو نہیں۔ اب یہ قانون اس کے پاؤں کی بیڑی بن جائے گا۔ قانون کا احترام اور اس کی عظمت آہنی زنجیروں میں جکڑ دیں گے۔ اب وہ ایک قدم بھی آگے نہیں کھسک سکتا۔

بس معلوم ہوا ہمیں وہ لینا ہے جو میرے سرکار ہمیں دیں اور ان چیزوں سے آنکھیں پھیر لینی ہے، دامن سمیٹ لینا ہے، کترا کے گذر جانا ہے جن چیزوں سے سرکار نے ہمیں روک دیا ہے۔

میں نے ابھی ایک بات آپ سے عرض کی تھی کہ اردو ادیب تو صرف بولتا ہے کہ سمندر کو کوزے میں بھر دیا لیکن اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے خواجہ نے عملاً اسے کر کے بھی دکھا دیا۔ آپ کو یاد ہوگا جب سلطان ہند غریب نواز اجمیر شریف تشریف لائے۔ تو انہیں اہلاً و سہلاً نہیں کہا گیا۔ ان کا پرتپاک خیر مقدم نہیں ہوا۔ بلکہ طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور نوع بنوع امتحانات لیے گئے۔ لیکن میرے غریب نواز کو ہر میدان میں فتح و نصرت اور بالادستی حاصل رہی۔

عہد جاہلیت کے فراعنہ اپنی نت نئی ترکیبوں سے زیر کرنا چاہتے تھے مگر اللہ کا برگزیدہ بندہ اپنی حکمت عملی اور قوت باطنی سے اس کی ایسی کاٹ کر دیتا کہ ان کا ہر طلسم تار عنکبوت سے کمتر ثابت ہوتا۔

اس عہد کے راجپوت اسے برداشت نہیں کر پا رہے تھے کہ ہم صنم پرستوں کے بیچ یہ نماز روزے اور مصلی و تسبیح والا کیسے آگیا۔ ایک مقدس درواز کے قدسی صفات مہمان کے ساتھ ظالموں سے جو کچھ بھی ہو سکا وہ سب کر دکھایا۔ لیکن غریب نواز کے پائے استقامت میں جنبش تک نہ آئی وہ ایسے ہی جمے رہے جیسے کوہ ہمالہ اور تارا گڑھ کا پہاڑ زمین کی چھاتی پر جما ہوا ہے۔ آلام و مصائب کے پہاڑ توڑے گئے ہر چند کوشش کی گئی کہ یہ پردیسی یہاں سے بھاگ کھڑا ہو لیکن غریب نواز بہت خاموشی سے عملاً انہیں بتاتے رہے کہ اگر بھاگنا ہی مقصود ہوتا تو یہاں میں آتا ہی کیوں؟ اسے مستقبل ہی بتائے گا کہ ہمارا بوریا بستر گول ہوتا ہے یا تمہارا۔

دریا کوزے میں

چنانچہ اس نے ترکش کا آخری تیر پھینکا۔ اور غریب نواز و معتقدین پر "اناساگر" کا پانی بند کر دیا۔ متوسلین نے عرض کیا اب تو جور و جفا اور ظلم و ستم کی حد ہو گئی۔ ظالموں نے اناساگر کے پانی پر پہرہ بٹھا دیا ہے ہم اب اس کی ایک بوند تک نہیں پا سکتے۔ گویا میدان کربلا اپنی تاریخ کو پھر دہرانا چاہتا ہے۔ اللہ کے ولی سلطان ہند نے فرمایا یہ چھاگل لو اور اناساگر کا پانی اس میں بھر لاؤ۔

اگر آج کا مرید ہوتا تو جاتا نہیں، پیر سے مناظرہ کرتا۔ حضور! کہاں اناساگر، جو کہنے میں ساگر اور دیکھنے میں جھیل معلوم ہوتا ہے بھلا اس کا پانی اس میں کیسے آسکتا ہے لیکن وہ پندرہویں صدی

کا مرید نہیں تھا بلکہ نگاہِ خواجہ کا پروردہ تھا۔ اس نے درسگاہ خواجہ میں تربیت پائی تھی۔ جن کی ایک نگاہِ کرم چور کو سلطان، محکوم کو حاکم اور وہی نگاہِ عتاب راجہ کو پرجا بنا دے، جو آن کی آن میں انسانیت کی کایا پلٹ دے حکم پاتے ہی مرید نے چھاگل اٹھائی۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ بھیجنے والا چھاگل بھی دیکھ رہا ہے اور ساگر بھی۔

لہٰذا وہ انا ساگر کے قریب پہنچا اور انا ساگر کی بوند بوند قطرہ، قطرہ چھاگل میں بھر لایا۔ اب ساگر ساگر نہ رہا بلکہ چٹیل میدان بن گیا۔

اب اجمیر والوں کی آنکھ کھلی، دن میں تارے نظر آنے لگے پاؤں تلے کی زمین کھسک گئی۔ تب غریب نواز نے اپنی خاموش اداؤں میں سمجھایا کہ ہمارا تمہارا تو یہی فرق ہے کہ تم پانی کو تلاش کرتے ہو اور پانی مجھے تلاش کرتا ہے۔ آنکھیں کھولو۔ ہوش میں آؤ۔ دیکھو کہ تم کس سے آنکھیں ملانا چاہتے ہو۔

میں نے یہی تو عرض کیا تھا کہ اُردو ادیب صرف بولتا ہے کہ سمندر کو کوزے میں بھر دیا۔ مگر میرے غریب نواز نے اسے "عملاً" کر کے دکھا دیا۔

مجھے معاً ایک بات سطح زمین پر ابھر آئی کہ کوئی نیا تخیل، نیا نکتہ اور نئی دریافت ہو۔ لہٰذا مجھے اجازت دیجئے کہ وہ بات عرض کی جائے۔

انا ساگر کو کوزے میں بھر تو لیا گیا مگر یہ صرف چلتا پھرتا واقعہ ہی نہیں ہے بلکہ معاندین کے ایک اہم سوال کا مسکت اور دنداں شکن جواب ہے بہت ہی گوش سے سُن لیجئے کہ سوال کربلا پر تھا اور جواب اجمیر سے مل رہا ہے۔

اب میں آپ کی توجہ چاہتا ہوں، ذہن و فکر کی بھرپور توانائیوں سے آنے والی گفتگو کو سماعت فرمائیں۔

حسین مظلوم تھے مجبور نہیں

ہمارا یہ کہنا ہے کہ سید الشہداء، نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، سیدی سرکار امام عالی مقام میدانِ کربلا میں "مظلوم" تھے مگر مجبور نہیں تھے، اگر پانی کے ارادے سے کربلا کی زمین پر اپنی ایڑیوں کی ٹھوکر مار دیتے تو ندیاں بہہ جاتیں، چشمے اُبل پڑتے میدان نینوا جل تھل ہو جاتا۔ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا۔ وہ محض ولی نہیں ولی گر تھے اگر وہ کسی مردِ مسلمان پر اپنی نگاہِ کرم و نظر عنایت اٹھا دیتے تو ولی بنا دیتے۔ اسی لئے تو حضرت نیاز بریلوی نے فرمایا ہے ؎

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین ابنِ علی جانِ اولیاء

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ درسگاہ نبوت میں حسین کو صرف پڑھایا ہی نہیں گیا پلایا بھی گیا ہے

واضح رہنا چاہیئے کہ میرے سرکار پڑھاتے بھی تھے اور پلاتے بھی تھے۔ اس عنوان پر میری ایک مستقل تقریر ہے۔ "درسگاہ اور خانقاہ" درسگاہ میں پڑھایا جاتا ہے اور خانقاہ میں پلایا جاتا ہے یعنی ایک عالم ظاہر کسی طالب علم کو جو علم پندرہ برس میں دیتا ہے اللہ کا ولی اگر اسی علم کو کسی کو دینا چاہے تو آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے اور سینے میں انڈیل دیتا ہے چونکہ درس گاہ میں پڑھایا جاتا ہے اور خانقاہ میں پلایا جاتا ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ حسین کو صرف پڑھایا نہیں گیا بلکہ علم ظاہر و علم باطن پلایا بھی گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کا یہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک بار آقائے دو جہاں نے چند صحابۂ کرام کو تبلیغ اسلام کے لئے فرمایا کہ تم فلاں جگہ جاؤ تم فلاں جگہ جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ صحابۂ کرام نے انتہائی ادب و احترام سے عرض کیا یا رسول اللہ! حکم سر آنکھوں پر لیکن سرکار ہمیں جہاں بھیج رہے ہیں ہم وہاں کی زبان نہیں جانتے اس جانے کا حاصل کیا ہوگا۔ ع

زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

مگر یہ حضرات رات کو سوئے اور صبح جب اٹھے تو جسے جہاں جانا تھا اسے وہاں کی زبان معلوم ہو چکی تھی۔ اس پر وہ قابو پا چکے تھے۔

یہی میرا مدعا ہے کہ سرکار پڑھاتے بھی تھے اور پلاتے بھی تھے۔ اس کو پڑھانا نہیں کہا جاتا اس کو پلانا کہتے ہیں۔

اب آئیے اصل مقصد پر۔ میں یہی تو کہہ رہا تھا کہ سرکار امام حسین ولی بھی تھے اور ولی گر بھی تھے۔ انہیں صرف پڑھایا ہی نہیں گیا بلکہ پلایا بھی گیا۔ صرف درس گاہ نبوت ہی میں نہیں درس گاہِ مرتضےٰ اور تربیت گاہِ فاطمہ الزہرا سبھوں میں بھی ان کی تعلیم ہوئی ہے۔ متن درگاہِ مصطفےٰ ہے اور مرتضےٰ و بتول زہرا اس کے شروح و حواشی ہیں۔ ایسے متن کے لئے ایسے ہی حاشیہ نگاروں کی ضرورت تھی پھر کیا کہنا اس متعلم کا جس کے معلم مصطفےٰ ہوں اور حاشیہ نگار مرتضےٰ و فاطمہ ہوں۔

اسے علم سفینہ نہیں بلکہ علم سینہ کہا جاتا ہے گویا حسین کو پڑھایا ہی نہیں جا رہا ہے بلکہ پلایا بھی جا رہا ہے پھر کیا کہنا ان پلانے والوں کا جس نے اپنے کو علم کا شہر کہا اور علی کو اس کا دروازہ۔ خیال تو فرمائیے۔ بات کہاں سے کہاں تک پہونچی۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا اب خیال فرمائیے بات کہاں سے کہاں پہنچی جو خود براہ راست مصطفےٰ، مرتضےٰ، اور سیدہ فاطمہ سے لے رہا ہو اس کی وسعتِ علم کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ نہ تو دینے والے میں کوئی کمی اور نہ ہی لینے والوں میں کوئی پڑھا رہا ہے اور کوئی پڑھ رہا ہے۔ کوئی پلا رہا ہے کوئی سیراب ہو رہا ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے جس کی ایک نگاہِ نبوت نے سیدنا ابوبکر کو صدیق۔ سیدنا عمر کو فاروق سیدنا عثمان کو غنی و سخی اور سیدنا علی کو ولی بنایا ہو آج کیا کچھ حسین کو دیا ہوگا۔ ہم سوچتے سوچتے ختم ہو جائیں مگر اس لینے اور دینے کی تہ تک نہ پہنچ سکیں۔

اللہ اکبر! کیا کہنا حسین کے علو مرتبت کا جس نے مصطفےٰ کی گود میں معرفتِ حق حاصل

کی ہو۔ اور سیدنا علی کے کاندھوں سے کائنات کی بلندی کو دیکھا اور چھوا ہو۔ اور حضرت سیدہ فاطمہ کی چادر میں سمٹی ہوئی پوری کائنات کا مطالعہ کیا ہو۔

کوئی بد باطن اور آنکھ کا اندھا ہی کہہ سکے گا کہ حسین ولی نہیں تھے یا پھر وہ کربلا میں مجبور تھے۔

آؤ دیکھو کہ حسین کو کیسے پلایا جاتا تھا کبھی کبھی انتہائے محبت و پیار میں سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنی زبان مبارک کو ہونٹوں سے باہر کر دیتے اور حسین اس کو چوسا کرتے۔

مجھے کہہ لینے دیجئے کہ ایک ظاہر بیں آنکھ تو صرف یہ دیکھ رہی ہے کہ نواسہ رسول، نانا کی زبان چوس رہا ہے مگر ایک حق نگر، حق شناس آنکھ اس کے سوا یہ بھی دیکھ رہی ہے زبان کون چوس رہا ہے کس کی زبان اور کون سی زبان چوس رہا ہے۔

ذہن و فکر پر دباؤ ڈالیے اور میرے جملے پر غور کیجئے کس کی زبان اور کون سی زبان ہے، کبھی بولے تو قرآن بن جائے اور کبھی گویا ہو تو حدیث کا سرمایہ مل جائے۔ گویا اسی ایک زبان سے دونوں چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ اسی نوک زبان سے قرآن بھی ہے اور اسی زبان سے حدیث بھی۔ لہٰذا اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ خالی زبان نہیں چوسی جا رہی ہے بلکہ اس کے پردے میں حکمت قرآن اور رموز احادیث پلائے جا رہے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اب تو یقین ہو گیا ہو گا کہ امام حسین صرف ولی نہیں ولی گر تھے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ کربلا میں حسین مظلوم تھے مجبور نہیں تھے اگر وہ چاہتے تو ایڑیوں کی ٹھوکر سے میدان کربلا کو جل تھل کر دیتے۔

سوال کربلا کا جواب اجمیر سے

اس تفصیل میں کہیں میرا عنوان بھول نہ جائیے گا کہ سوال کربلا پر ہے اور جواب اجمیر سے مل رہا ہے لہٰذا پھر اسی نقطۂ آغاز پر آ جائیے کہ امام کربلا میں مظلوم تھے مجبور نہیں تھے۔

ایک سوال: جب میں یہ کہتا ہوں کہ حسین مجبور نہیں تھے بلکہ مظلوم تھے تو ہمارا معاند دشمن حسین سوال کرتا ہے کہ اگر حسین مجبور نہیں تھے تو علی اصغر کے لئے پانی کیوں نہ منگوایا۔ چھ مہینے کے بچے کا چہرہ اترا ہوا ہے ہونٹوں پر خشکی اور پپڑی ہے، آنکھ کے ڈھیلے ابھر رہے ہیں گلے میں کانٹے پڑ گئے ہیں۔ اور مجبور نہ ہوتے ہوئے بھی حسین پانی نہ منگا سکے۔

جواب: یہی تو وہ مقام ہے جہاں پہنچانے جا رہے ہیں چونکہ امام حقیقت آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں یہاں کرامت کا مظاہرہ کرنے نہیں آیا۔ اگر کوئی کرامت دکھائی اور اس کی مدد سے کام لیا تو بات ہی کیا رہ گئی۔ زیادہ سے زیادہ باب کرامت میں دو چار کرامتوں کا مزید اضافہ ہو جائے گا۔

امام حسین کو یقین تھا کہ نانا جان کی امت پر تو یہ پہلی کربلا ہے ابھی نہ جانے کہاں کہاں دانہ پانی بند کیا جائے گا۔ اگر آج میں نے کرامت سے کام لیا اور پھر کہیں یہی حالات پیدا ہوئے تو یہ امت مسلمہ کلیجہ مسوس کر رہ جائے گی۔ اور یہ سوچ کر اس کی ہمت پست ہو جائے گی کہ ہم میں کوئی حسین کرامت والا نہیں۔ لہٰذا یہ معرکہ کیسے سر کیا جائے؟

حسین اس یقین واثق کے ساتھ میدان کربلا میں ڈٹے ہوئے ہیں مادی طاقتوں کے سامنے مادی جنگ کی جائے گی. لہٰذا علی الرغم کھلے بند یہ کہہ دیا ؎

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

حسین کرامت والے ہیں مگر آپ کرامت دکھا نہیں رہے ہیں کہ انہیں قوم کو دستورِ حیات اور اصولِ زندگی دینا ہے۔ یعنی اے لوگو! اگر تم جینے کا ڈھنگ سیکھنا چاہتے ہو تو حسین کو فاطمہ کی آنگن میں دیکھنا اور اگر مرنے کا سلیقہ سیکھنا ہے تو حسین کو کربلا میں دیکھنا۔ میں تمہیں موت و زندگی دونوں کا سبق پڑھانے آیا ہوں۔

لیکن ہمارا معاند بہت ہی ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ ہماری اس بات پر مطمئن نہیں ہوتا۔ گلے کی رگیں پھلا کر کہتا ہے ہم یہ نہیں جانتے ہم تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر امام حسین کرامت والے تھے تو علی اصغر اور خیمہ کے دوسرے اعزا و اقرباء کے لئے "پانی" کیوں نہ منگایا۔

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ میں نے یہی تو کہا تھا کہ سوال کربلا پر ہے اور جواب اجمیر سے دیا جا رہا ہے۔

اے نادانو! میرے غریب نواز نے اناساگر کا پانی منگا کر کیا بتایا۔ یہی تو بتایا کہ اولاد حسین میں ہوں وہ میرے باپ دادا ہی تو ہیں اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے. لہٰذا تم کربلا ہی کو مت دیکھو! اجمیر بھی دیکھو کہ جب ان کا بیٹا پوتا ایسی کرامت والا ہو سکتا ہے تو ان کے اجداد و امجاد کی کرامتوں کا کیا عالم ہوگا لیکن ہمارا حریف نہ ماننے کی قسم کھائے بیٹھا ہے وہ کہتا ہے ہمیں منطق و فلسفہ کی بھول بھلیاں نہیں

چاہیئے، ہم تو آنکھوں کا مشاہدہ چاہتے ہیں لہٰذا بات وہ کہو جو کلیجے میں اتر جائے۔

لہٰذا اے دوستو! ہمارے حریف کو آواز دو میں اب وہ بات کہنے جا رہا ہوں کہ ذہنوں کے زنگ آلود تالے ٹوٹ جائیں گے۔

اب میں آپ کے انصاف کا طلب گار ہوں. ہمارے حریف سے کہہ دیجئے کہ وہ پانی منگانا ہی مت دیکھے بلکہ یہ بھی دیکھے کہ حسین کے سامنے کون ہے اور خواجہ کے سامنے کون؟ تو اب مجھے عرض کر لینے دیجئے کہ حسین کے سامنے یہ (داڑھی پر ہاتھ پھیر کے) یعنی داڑھی والے اور خواجہ کے سامنے وہ ہیں (سر پہ ہاتھ پھیر کے) یعنی ایڈیٹیل

دلے لہٰذا معلوم ہونا چاہیئے کہ کرامت ایریل
والوں کو دکھائی جاتی ہے۔ داڑھی والوں سے
کو نہیں۔

سیدنا حسین پر تو یہی جلال طاری تھا کہ
نانا کا کلمہ بھی پڑھتا ہے اور کرامت بھی دیکھنا چاہتا
ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ سوال کربلا پر
تھا اور جواب اجمیر سے مل رہا ہے۔ معذرت
کے ساتھ۔

بات بہت پھیل گئی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ
رسول اللہ جو دیں اسے لے لو اور سرکار جس سے
منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔ اب ہمیں غور یہ کرنا
ہے کہ رسول خدا نے ہمیں کیا دیا اور ہم نے کیا لیا
وہ کیا دیں اور ہم کیا لیں۔ کیا وہ درہم و دینار دیں
تو ہم لے لیں وہ زر، زمین دیں تو ہم لے لیں، باغ
باغیچہ دیں تو ہم لے لیں وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے دینے سے پہلے یہ سوچنا پڑے گا
کہ منصب نبوت کیا ہے، منصب رسالت کیا ہے،
کیا دے رسول اپنی قوم کو، اور کیا دینے آیا ہے
نبی اس لئے مبعوث نہیں کیا جاتا۔ پھر وہی سوال
باقی رہ گیا پھر ہم کیا لیں۔

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ نبی جس چیز کو
فرض کہے تم اسے فرض کہو۔ جسے واجب کہیں اسے
واجب کہو، جسے حلال کہیں اسے حلال کہو، جسے حرام
کہیں اسے حرام کہو، جسے جائز کہیں اسے جائز کہو،
جسے ناجائز کہیں اسے ناجائز کہو، جسے مکروہ کہیں
اسے مکروہ کہو، جسے تنزیہی کہیں اسے تنزیہی کہو جسے
تحریمی کہیں اسے تحریمی کہو جسے مباح کہیں اسے مباح کہو جسے
مستحب و مستحسن کہیں اسے مستحب و مستحسن کہو، جسے
شرک کہیں اسے شرک کہو، جسے بدعت کہیں اسے
بدعت کہو۔

اس طرح کے احکام اوامر و نواہی، اصول و
ضوابط خواہ وہ معاش سے متعلق ہوں یا معاد
سے کسی سے بھی متعلق ہوں ہم اس میں رسول اللہ
کے حکم کے پابند ہیں۔ گویا شریعت محمدی کے احکام
کے یہ وہ کھنکھناتے سکے ہیں جسے تم من مانی استعمال
نہیں کر سکتے، شرک وہیں بولو جہاں مصطفیٰ بلوانا چاہیں
اور بدعت ضلالت اسے کہو جسے مصطفیٰ کہلوانا
چاہیں۔ اب آپ اس اجمال کی تفصیل میں آجائیے۔

مزارات کی حاضری اعتراض و جواب

یعنی اگر کوئی خواجہ غریب نواز کی قبر اطہر پر
نہیں جانا چاہتا تو اپنے نہ جانے کی دلیل میں وہ یہ
کہہ سکتا ہے کہ میرے آقاؤں نے مجھے روکا ہے میری
کتابوں نے مجھ پر پابندی لگائی ہے، میرے مولویوں
نے مجھے منع کیا ہے میرا نفس اور میرا ضمیر انکار
کرتا ہے نہ جانے کی دلیل میں یہ ساری باتیں کہہ
سکتے ہیں مگر شرک و بدعت نہیں بول سکتے۔ یعنی
شرک وہیں بولو جہاں رسول خدا بلوانا چاہیں اور بدعت
وہیں کہو جہاں مصطفیٰ کہلوانا چاہیں۔ یہ تمہاری تجوری
کا خانہ ساز سکہ نہیں ہے کہ اسے جہاں چاہو
استعمال کرلو۔

کچھ آج ایسے لوگ بھی ہیں جو اولیائے کرام
کے مزاروں پر نہ تو خود جاتے ہیں اور نہ ہی کسی کو
جانے دینا چاہتے ہیں جہاں دیکھئے وہ شرک و
بدعت کا پشتارہ لئے بیٹھے ہیں۔ شرک و بدعت کی
تفصیل بحث تو آپ اسی عنوان کے تحت سماعت
فرمائیے گا۔ آج میں ان گرہوں کو کھول دینا چاہتا
ہوں جو مزارات کی حاضری سے متعلق ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ یہ ذہن نشیں کرلیں
کہ مزارات پر جاتے تو ہم لوگ ہیں مگر حاشیہ یہ
لگاتے ہیں۔ گویا کتاب ہماری اور ترجمہ آنجناب کر
رہے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تم ہوٹلوں میں ہمارے

خلاف بولتے ہو، قہوہ خانوں میں ہماری غیبت کرتے ہو، چوراہے پر ہمارے خلاف زہر افشانی کرتے ہو، کوچہ و بازار میں ہمارے اوپر طعنہ کستے ہو، اٹھتے بیٹھتے ہمیں قبر بجوا کہتے ہو اس کے باوجود تمہارا کہنا ہے کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کہتے آخر اس الزام تراشی، بہتان بندی، غلط بیانی اور بد زبانی کے بعد تم اور کیا کرنا چاہتے ہو؟ کیا چوراہے کی جنگ لڑنا چاہتے ہو یا ہاتھا پائی کرنا چاہتے ہو؟ اور جہاں تمہارا بس چلتا ہے وہاں یہ بھی ہو رہا ہے کہیں شرم و غیرت آنی چاہیئے۔ خالص عقیدے اور علمی مسائل کو تم نے اپنی چرب زبانی اور قوتِ بازو کی آزمائش گاہ میں ڈال دیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ فرائض و واجبات کی حیثیت نہیں رکھتے بعض فروعی مسائل ہیں اور تم نے انہیں اس قدر اچھال دیا کہ قوم دو دھڑوں میں بٹ گئی اور ہماری اکائی دوئی سے بدل گئی، آج ان ہی مسائل کا ہر جگہ رونا رویا جا رہا ہے ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

اے نادانو! انصاف و دیانت کا گلا مت گھونٹو ان تمام خرافات اور الزام تراشیوں کے بعد تم یہ کہہ کر گزر جانا چاہتے ہو کہ ہم تو کچھ نہیں کہتے ؎

بڑے پاک دامن بڑے نیک طینت
ریاض آپ کو کچھ نہیں جانتے ہیں

ہمارا مطالبہ: ہمارا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم تمہاری نظر میں "قبر بجوا" ہیں تو اسے گلی کوچے میں کہنے کے بجائے خود ہم سے کیوں نہیں کہتے۔ ایک بہت ہی سادہ شعر سطح ذہن پر ابھر آیا ہے سماعت فرمائیں ؎

غیر والے سے کہا تم نے غیر والے سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

یہ کیا بات ہوئی کہ ہماری بات غیروں سے کہو اور ہم سے نہ کہو لہٰذا جب بات آ ہی گئی ہے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان کی شکایات و اعتراضات پر ایک فیصلہ کن گفتگو کر لی جائے تاکہ ذہن میں کوئی چبھتا ہوا کانٹا نہ رہ جائے۔ اب ہم تدریجاً اپنے معمولات کا سرسری جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

> ہم نے رسول اللہ کو حضرت آمنہ کی قبر پر دیکھا، شہدائے احد کی قبروں پر دیکھا۔ حضرت عائشہ نے سرکار دوجہاں کی قبر انور پر اور صدیق اکبر و فاروق اعظم کی قبر پر حاضری دی۔ امام شافعی نے امام اعظم کے قبر پر حاضری دی۔ سرکار نے فرمایا جس نے میری قبر پر حاضری دی اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔

ایک نئی بحث کا آغاز

قبر کی حاضری اور دیگر مراسم

قبر کی حاضری، ایصال ثواب، چادر اور پھول ڈالنا، مدد مانگنا، چادر چومنا وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک قبروں کی حاضری کا مسئلہ ہے یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ انہیں برقرار رکھی جائیں"۔ پر اسی گفتگو کی تفصیل ہے جو اس عنوان کے تحت آچکی ہے۔
آپ اسے ملاحظہ فرمائیں اس میں اچھے خاصے اشارات ملیں گے جس میں میں نے یہ واضح کیا ہے ہم نے رسول اللہ کو حضرت آمنہ کی قبر پر دیکھا۔ ہم نے سرکار دو عالم کو شہدائے احد کی قبروں پر دیکھا ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ رسول اللہ کی قبر انور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی قبر اطہر پر حاضری دی۔ سید احمد کبیر رفاعی نے حاضری دی۔ حضرت امام شافعی نے حضرت امام اعظم کی قبر پر حاضری دی۔ سرکار خواجہ غریب نواز نے داتا گنج بخش لاہوری کی قبر پر حاضری دی خود سرکار نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری قبر پر حاضری نہ دی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ سرکار نے یہ بھی فرمایا جس نے میری قبر اطہر پر حاضری دی اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔
لہٰذا اس مقام پر سمجھنے کے لئے یہ اشارات کافی ہیں۔ اب اس پر ہمیں گفتگو کرنا نہیں ہے۔

مغالطہ

چومنا اور پوجنا

ان کا سب سے بڑا فریب اور مغالطہ یہ ہے کہ یہ "چومنے" کو "پوجنا" کہتے ہیں۔ خود میرا معمول ہے کہ جب میں غریب نواز کے آستانہ پر حاضری دیتا ہوں تو میں حاضری میں بلند دروازہ جو نظام حیدر آباد دکن کی غلامی کی نشانی ہے میں اس کا پہلا زینہ چومتا ہوں اور یہ رات کے اندھیرے اور کالی کوٹھری میں نہیں، بلکہ لاکھوں لاکھ کے مجمع میں، میں نے چوما۔ اور انہوں نے کہا پوجا۔
اب ان سے دریافت کیجئے اگر اس طرح کے چومنے کا نام پوجنا رکھ دیا جائے تو اس دنیا میں کوئی مسلمان مل سکے گا؟
واحسرتا! مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کا جذبہ اس قدر اپنے حدود سے متجاوز کر چکا ہے کہ اس نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی کہ حق و ناحق کا امتیاز جاتا رہا۔ اس لئے مجھے کہنے دیجئے کہ پوجنا اور ہے چومنا اور ہے۔ پوجنا وہاں بولا جاتا ہے جہاں کسی کو معبود سمجھ کر حاضری دی جائے خوش عقیدہ سنی مسلمان ہر چند کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتا ہے مگر وہ صاحب مزار کو اللہ نہیں کہتا بلکہ اللہ والا کہتا ہے وہ ان کو خدا نہیں کہتا بلکہ محبوب خدا کہتا ہے وہ بزرگان دین کے کشف و کرامات اور ریاضت و مجاہدات کا قائل ہے مگر وہ ان کو اللہ کی مخلوق اور بندہ ہی کہتا ہے۔ وہ انہیں ہرگز ہرگز اللہ اور خدا نہیں کہتا۔ عقیدے کی اس صراحت کے باوجود چومنے کو پوجنا کہنا اسے تعصب، تنگ نظری دل دشمنی، الزام تراشی اور حقائق سے چشم پوشی نہ کہا جائے تو کہا کیا جائے؟
ع آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے!
یہ تو ایسا کوئی سر پھرا ہی ہو گا جو یہ کہے کہ بندہ نہیں خدا لیٹا ہوا ہے۔ یہ عقیدہ تو مسلمانوں کو ماں کی گود میں ہی مل جاتا ہے کہ اللہ حیّ و قیوم ہے۔ ہمیشہ سے ہے، آج ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ اللہ کی موت نہیں جب موت نہیں تو اس کی قبر نہیں۔ جب قبر نہیں تو اس کی چادر نہیں۔ معلوم ہوا قبر اور چادر یہ خدا کے لئے ہے ہی نہیں بلکہ ہے تو یہ محبوب خدا کے لئے ہے۔
اتنی واضح صراحت کے بعد بھی پوجنے اور

چومنے کا فرق نہ سمجھا جائے تو اسکے علاوہ اور کیا کہئے ؎

یارب نہ وہ سمجھیں ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

میں نے دہلیز کو چوما، چوکھٹ کو چوما، چادر چوما اس کو انہوں نے پوجنے سے تعبیر کیا میں نقصان کا طلبگار ہوں اگر اس چومنے کا نام پوجنا رکھ دیا جائے تو حجرِ اسود بھی چوما جاتا ہے، غلافِ کعبہ بھی چوما جاتا ہے، قرآن کا جزدان بھی چوما جاتا ہے انہیں کے چومنے والے سب کے سب پجاری ہیں اور مشرک ہیں؟ بتلائیں؟؟

ایک بات یہیں واضح کر دی جائے تاکہ پوجنے اور چومنے کا فرق نمایاں ہو جائے۔

اسلام کا دورِ آغاز دیکھئے کہ رسولِ خدا نے اللہ کے گھر سے تین سو ساٹھ پتھروں کو نکال پھینکا۔ یہ سب پتھر ہی تو تھے لیکن اسی گھر میں ایک پتھر کو نصب کر دیا جسے چوما جاتا ہے۔ اب اس فرق کو واضح کیجئے کہ دونوں پتھر ہی تو ہیں مگر ایک کو نکالا گیا اور دوسرے کو جمایا گیا، نصب کر دیا گیا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو پتھر پوجا جاتا تھا اسے نکال دیا گیا۔ اور جو چوما جاتا تھا اسے جما دیا گیا جب اللہ کے گھر میں پتھر چوما جائے اور اسے پوجنا نہ کہا جائے تو غریب نواز کی چوکھٹ اور دہلیز چومنے کو پوجنا کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟

چادر چومنا

خوش عقیدہ مسلمان نماز فجر کی ادائیگی کے بعد قرآن کی تلاوت کرنا چاہتا ہے تو پہلے تلاوت نہیں کرتا بلکہ اسے چومتا ہے تب وہ چومتا ہے تو ہونٹ کس پر پڑتا ہے۔ آخر جزدان ہی پر تو! یہ کپڑا ہی تو ہے۔؟ تو کیا مسلمانوں کو کپڑا چومنے کا ہیضہ ہو گیا ہے؟

اگر ایسی بات ہوتی کہ ہمارا مزاج کپڑا ہی چومنے کا ہوتا تو کلاتھ مرچنٹ کے یہاں آتے اور خوب کپڑے چومتے، اپنی شیروانی چومی جاتی، اپنا دامن چوما جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جزدان کو کپڑا سمجھ کر نہیں چوم رہا ہے بلکہ نسبتِ قرآن کو چوم رہا ہے بس ایسے ہی جو مسلمان اللہ کے ولی کی قبر کی چادر چوم رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ کم خواب و مخمل سمجھ کر چوم رہا ہے بلکہ نسبتِ ولایت اور نسبتِ خواص کو چوم رہا ہے کسی کمتر اور چھوٹی شئی کو جب کسی بڑی شئے سے نسبت ہو جاتی ہے تو اس میں بھی بڑائی آجاتی ہے۔

نسبت کی بحث

تعظیم، نسبت، بوسہ

نسبت بذاتِ خود نہ تو حسن ہے نہ قبیح نسبت کی اچھائی، برائی منسوب الیہ کے اعتبار سے ہے جیسے زمان، مکان نہ فی نفسہ حسن ہیں اور نہ قبیح مثلاً جمعہ کا دن افضل ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن ہے اور دوشنبہ سب سے افضل ہے چونکہ سرکار کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور ہم دوشنبہ کو روزہ رکھیں حضور نے فرمایا ہاں، چونکہ ولدت فیہ میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔ ایسے ہی زمین کا وہ حصہ جس سے سرکار کا جسدِ اطہر لگا ہے وہ کائنات

کے ہر حصہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۲) سیدنا امام مالک جو اکابر محدثین سے ہیں جن کو حضور نے بطور پیشین گوئی اعلم مدینہ فرمایا ہے۔ وہ ایک مرتبہ علماء فضلا کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ ایک کچی اور پرانی دیوار کو دیکھ کر آپ نے بوسہ دیا لوگوں کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ اس دیوار کی قدامت اور پرانا پن یہ بتلاتا ہے کہ ممکن ہے ادھر سے میرے سرکار کا گزر ہوا ہو اور سرکار نے اپنا دست کرم اس پر رکھ دیا ہو۔ اس لئے اس کو نسبت ہے میرے سرکار سے۔

(۳) حضرت علامہ جامی علیہ الرحمہ کا مدینہ کی سرزمین پر پیشاب و پاخانہ نہ کرنا اور جواب میں یہ فرمانا کہ کہیں اس مقام پر میرے سرکار کا قدم ناز زندگی مبارک میں نہ پڑ گیا ہو۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاں سرکار کا قدم ناز پڑ جائے وہاں پیشاب پاخانہ کیا جائے۔ حضرت جامی نے سرکار کا قدم نہ دیکھا تھا پھر بھی تعظیم کی یعنی صرف قدم کا تصور تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی تعظیم کے لئے دیکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ تصور بھی انسان کو واجب التعظیم بنا دیتا ہے مثلاً کعبہ کی تعظیم ہر شخص پر واجب ہے خواہ دیکھے یا نہ دیکھے اس لئے کہ سرکار نے فرمایا ہے، کہ کوئی بول و براز کے وقت نہ استقبال قبلہ کرے اور نہ تو استدبار قبلہ۔ یہ حکم دیکھنے یا نہ دیکھنے سے متعلق نہیں ہے جو لوگ تعظیم کا دار و مدار دیکھنے پر کرتے ہیں۔ ان کی بنا پر وہی تعظیم کرے جو دیکھے صرف مکہ کے وہ لوگ جو کعبہ کی چہار دیواری دیکھیں لہٰذا قیام، میلاد میں یہ کہنا کہ کیا تم رسول کو دیکھتے ہو؟ یہ بے عقلی کی دلیل اور خلاف اصول بات ہو۔

(۴) حضرت سیدنا ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ نے ایک شخص کو قتل کا حکم دے دیا۔ صرف اس لئے کہ آپ دستر خوان پر بیٹھے تھے اور کدو شریف تناول فرما رہے تھے جو سرکار کی محبوب ترین غذا ہے۔ آنے والے نے کہا لا احب القرع میں کدو کو پسند نہیں کرتا۔ کدو کے محبوب و پسندیدہ ہونے پر قتل کا حکم کیوں دیا گیا۔ صرف اس لئے کہ کدو حضور کو پسند ہے کدو کو سرکار سے نسبت ہے "قرع" عربی زبان میں لمبے سفید کدو کو کہتے ہیں جس کو ہماری زبان میں لوکی اور کدو دونوں کہتے ہیں۔

(۵) ہدایہ جلد ثالث باب الکراہیۃ کے حاشیہ پر عبد اللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ عرب کے بدو یعنی صحرا نشین جنگل کے رہنے والے جس وقت مدینہ پاک کے طرف سفر کرتے جہاں سے سرحد مدینہ شروع ہو جاتی وہاں کی کنکریوں کو لے کر چومتے اور بوسہ دیتے۔

بدویوں سے لوگوں نے دریافت کیا یہ تم کیا کر رہے ہو۔ کنکر اور پتھر چوم رہے ہو۔ فوراً ان جنگل کے رہنے والوں نے جواب دیا یہ کنکر، کنکر سمجھ کر نہیں چوما جا رہا ہے بلکہ یہاں سے مدینہ کی سرحد شروع ہو گئی ہے۔ یہاں کے ایک ایک ذرہ کو نسبت ہے، میرے سرکار سے اس لئے، یہاں کا ایک ایک ذرہ اس قابل ہے کہ بوسہ دیا جائے چوما جائے۔

(۶) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے آئے تو حجر اسود کے مقابل کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو پتھر ہے اور بہت چوما نہیں جاتا مگر ذرا ہی دیر کے بعد حجر اسود سے لپٹ گئے، بوسہ دیا۔ فرمایا کیا کروں تجھے نسبت ہے میرے سرکار سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

(۷) سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرمارہے تھے درمیان وعظ میں متعدد بار کھڑے ہو گئے۔ وعظ کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ کھڑے ہونے کی کیا وجہ تھی۔ تو آپ نے فرمایا خاندانِ اہلبیت کا ایک چھوٹا سا بچہ کھیل رہا تھا جب وہ ادھر سے گزرتا تھا تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہ کیوں صرف اس لئے کہ نسبت ہے سرکار سے۔

(۸) جزدان میں لپٹا ہوا قرآن کریم جب ہاتھوں میں لیا جاتا ہے فوراً ہماری نگاہِ عقیدت بوسہ دیتی ہے کیوں، کیا اس لئے کہ ٹیری کاٹ جرمن کے کارخانہ سے بن کر آیا ہے یا اس لئے کہ یہ چھینٹ احمد آباد کے کارخانہ کی بنی ہوئی ہے یا اس لئے کہ یہ سوت بنارس میں تیار ہوا ہے صرف اس لئے کہ وہ کپڑا اس قرآن سے لپٹ گیا ہے جو لایا ہوا ہے محمد رسول اللہ کا۔ نسبت پیدا کر لی ہے قرآنِ مصطفےٰ سے۔

(۹) جزدان ہٹا کر دفتی چومتے ہیں صرف اس لئے کہ لپٹ گئی ہے قرآنِ مصطفےٰ سے۔

(۱۰) ایسے ہی ایک انسان خواجہ غریب نواز و شہنشاہِ بغداد کے دربارِ اقدس میں حاضر ہوتا ہے تو مزار مبارک کی چادر کو چومتا ہے، بوسہ دیتا ہے حسین و خوبصورت و قیمتی کپڑا سمجھ کر نہیں صرف اس لئے کہ اس کو شہنشاہِ بغداد و سلطان الہند سے تعلق ہو گیا ہے یہ ثمرہ ہے نسبت کا۔

نکتہ:۔ یہ تو دو نگاہوں کا فرق ہے کہ کس کی نگاہ صرف خواجہ کے روضۂ مبارک کی اینٹ اور پتھر دیکھتی ہے اور کس کی حقیقت شناس نگاہ کنکر و پتھر کو چوم کر خواجہ کی روحانیت کو دیکھتی ہے یہ تو نگاہ کا فرق ہے۔

(۱۱) ادائیگی مستحب کے لئے محبت کی ضرورت ہے۔ محبت خود ایک مستقل قانون ہے اس کو دوسرے قانون کی حاجت نہیں ہے فرائض و واجبات اور سنن کے لئے مار پیٹ دھمکی کی ضرورت پڑتی ہے مگر مستحب کے لئے صرف محبت کی ضرورت ہے۔

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا۔

عقیدۂ توسّل

قرآن و حدیث کی روشنی میں

حضرت مولانا حضور احمد منظری خطیب جامع مسجد شاہجہاں پور

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات احکم الحاکمین ہے۔ تمام تر حاکمیت اور کبریائی اسی کے لئے زیبا ہے۔ ایک تنہا اسی کی حکومت ہے جو کائنات کے ایک ایک ذرے پر جاری و ساری ہے۔ وہی ایک ایسا ازلی و ابدی آقا ہے جس کا دربار تمام درباروں سے زیادہ پروقار، بارعب اور جاہ و حشمت والا ہے۔ وہ ایسا رحیم و کریم ہے جس کے رحم و کرم کی بارش سے پرستارانِ معبودانِ باطل بھی محروم نہیں۔ ہاں اس رحیمی و کریمی کے ساتھ ہی ایسا قہار و جبار بھی ہے کہ اس کی شانِ حاکمیت کے آگے اس سرائے فانی کے جلیل القدر شہنشاہوں کو بھی چون و چرا کی جرأت نہیں جس کے قہر و غضب کا تصور اقلیم روحانیت کے تاجداروں کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ ایسے حاکم مطلق ایسے لافانی اور ابدی آقا ایسے خدائے قہار و جبار کی بارگاہ میں باریابی کی سعادت کے لئے، عرض مدعا کے لئے، حاجات کی برآری کے لئے ایک بندۂ ناچیز، ایک عبد خاطی، ایک غلام ناتواں، وسیلہ نہ تلاش کرے تو پھر چارۂ کار ہی کیا ہے اور یہ تلاش وسیلہ تو خود اسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے حکم کی عملی شکل ہے۔ اسی تعمیلِ حکم کا نام تو اطاعتِ خداوندی اور توحید پرستی ہے۔

رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی، عرض مدعا اور حوائج و مقاصد کے حصول کی غرض سے اعمال انبیاء و مرسلین اور صالحین علیہم السلام کو وسیلہ بنانا عقلاً قیاساً اور نقلاً تو ثابت ہے ہی۔ اس پر خلافت راشدہ سے لے کر اب تک صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ و فقہا، علماء و مشائخ اور تمام خوش عقیدہ مسلمانوں کا عمل بھی رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب بھی مسلمانوں پر خشک سالی یا ایسی کوئی بھی آسمانی بلا نازل ہوئی ہے۔ تو انہوں نے انبیاء و مرسلین و صالحین علیہم السلام کے وسیلہ سے دعائیں مانگی ہیں۔ اور انہیں کامیابی ملی ہے۔

مگر اب ایک طبقہ مصر ہے کہ صرف اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنایا جائے۔ کسی نبی یا ولی کی ذات کو وسیلہ بنانا نعوذ باللہ شرک اور بنانے والا مشرک ہے۔

زیر نظر مضمون جو وسیلہ کے جواز و اثبات میں ہے اہل نظر کے لیے ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔ اور وہ بڑی ہی آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ توسل کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) توسل بالعمل

(۲) توسل بالذات

توسل بالعمل:۔ یعنی حاجات و مقاصد کی برآری کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا بالاتفاق جائز اور مشروع ہے اور اس کے ثبوت

میں دونوں ہی فریق "حدیث الغار" کو بطور سند پیش کرتے ہیں ـــ جب قسم اول کا جواز ہر دو فریق کو مسلم ہے تو پھر اس پر بحث و مذاکرہ سعی لاحاصل ہوگا۔ اس لئے توسل بالعمل سے صرف نظر کرتے ہوئے ساری توجہ توسل بالذات کے بحث و جواز کی طرف مرکوز کی جارہی ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ زیر نظر مضمون حضرت علامہ مفتی عبد القیوم صاحب ہزاروی مدظلہ العالی کے رسالہ نافعہ "التوسل" مطبوعہ ترکی سے استفادہ کرکے سپرد قلم کیا گیا ہے۔ لیکن اہل نظر سے لجنیاً درخواست ہے کہ اگر اس میں کہیں کوئی لغزش نظر آئے تو میری طرف سے جانیں اور اس کی تصحیح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

توسل کی لغوی تعریف

التوسل لغۃً جعل الشیٔ وسیلۃ وسببا لحصول المقصد۔

ترجمہ:۔ لغت میں توسل کے معنی ہیں کسی چیز کو مقصد کے حصول کے لئے وسیلہ اور سبب بنانا۔

توسل کی اصطلاحی تعریف

فی اصطلاح الشرع جعل الشیٔ الذی لہ عند اللہ قدر و منزلۃ وسیلۃ لاجابۃ الدعاء فمالہ قدر و منزلۃ عند اللہ فالتوسل بہ جائز و حسن ذاتا کان او عملا صالحا ٥

ترجمہ:۔ اصطلاح شرع میں توسل کے معنی ہیں اجابت دعاء کے لئے اس چیز کو وسیلہ بنانا جو اللہ کے نزدیک قدر و مرتبہ والی ہو۔ پس ہر وہ چیز جو اللہ کے نزدیک قدر و منزلت والی ہو اس کو وسیلہ بنانا جائز اور مستحسن ہے خواہ وہ چیز ذات ہو یا عمل صالح۔

اس اصطلاحی تعریف سے ہی اس امر کی بخوبی صراحت ہو جاتی ہے کہ توسل صرف عمل صالح ہی سے جائز نہیں بلکہ ذات سے بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت والی ہو۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے بڑھ کر کون لوگ بلند درجات و مراتب والے ہیں۔ اور ان سارے انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں ہمارے آقا و مولیٰ سرور کائنات فخر موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت اور عظمت و فضیلت والے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ آپ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کیا۔ آپ کے سر اقدس پر تاج شفاعت رکھا۔ عرش کی بلندیوں پر آپ کو ہم کلامی اور قربت خاص کا شرف بخشا۔ آپ کی تعظیم و توقیر اور اطاعت و اتباع کو ساری امت مسلمہ کے لئے لازم قرار دیا طہٰ و یٰسین اور مدثر و مزمل کے القاب حمیدہ سے نوازا۔

رسولٌ من انفسکم

"لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رءوفٌ رحیم ٥ فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم"

صدق اللہ العظیم — التوبۃ ۱۲۸، ۱۲۹

بلکہ آپ کو ساری کائنات کا ملجا وماویٰ اور جامع الصفات بنایا۔ جب سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوبیت و افضلیت مسلم الثبوت ہے تو پھر حصول مقاصد کے لئے بارگاہِ خداوندی میں آپ کو بالخصوص اور دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام اولیاء کرام اور صالحین امت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وسیلہ بنانا بلاشبہ جائز، مشروع اور عین اسلامی عمل ہے۔

وسیلہ اور قرآن

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (مائدہ)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ (کنز الایمان)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے۔

"وہی شاملۃ للذوات والاعمال لان الوسیلۃ کل ما یتوسل بہ ای یتقرب بہ الی اللہ"

(تفسیر کشاف، زمخشری م ۵۳۸ھ)

ترجمہ: یعنی وسیلہ ذات اور اعمال دونوں کو شامل ہے اس لئے کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہو سکے۔

بالعموم مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ وسیلے سے مراد قربت ہے اور قربت یا تو مقرب اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی قریب کرنے والا ہے اور مقرب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو یہاں مراد نہیں لہٰذا لامحالہ قربت بمعنی مقرب کی نسبت اس سبب کی طرف کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی کا ذریعہ بن سکے اور یا تو قربت، مقرب اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی وہ چیز جسے اللہ کی بارگاہ میں قرب نصیب ہو چکا ہے پس قربت دونوں معنی میں ذات اور عمل دونوں کو شامل ہے اس لئے کہ دونوں ہی قرب الی اللہ کا سبب اور مقرب بارگاہِ خداوندی ہوتے ہیں۔ یوں بھی زیر نظر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مطلقاً وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم دیا ہے۔ پھر اس کو بغیر کسی مستند اور قابل قبول دلیل کے محض عمل صالح کے ساتھ مقید کرنا، توسل بالذات کے اعتقاد کو کفر و شرک بتلانا نیز اس کے معتقد کو کافر و مشرک قرار دینا کہاں تک روا، درست اور مبنی بر انصاف ہے؟

"وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔"

ترجمہ:۔ اور وہ (یہود) اس سے پہلے اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ (کنز الایمان)

تفسیر:۔ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے قبل یہود اپنی حاجتوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے۔ دعا اس طرح کرتے تھے: "اللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ" یعنی یارب! ہمیں نبی امی کے صدقے میں فتح و نصرت عطا فرما۔

(خزائن العرفان)

حاکم نے مستدرک میں، ابونعیم نے دلائل النبوت میں، ابن جریر نے تفسیر ابن جریر میں، مجاہد نے تفسیر مجاہد میں زمخشری نے تفسیر کشاف میں، فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں اور سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) زیر نظر آیت مبارکہ کی الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ یوں تفسیر کی ہے۔

"کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ قبل مبعثہ۔"

ترجمہ: یہود اوس و خزرج پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے ان کی بعثت سے قبل فتح کی دعا مانگتے تھے۔

زیر نظر آیت کو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اقدس واطہر کو ان کی بعثت سے قبل وسیلہ بنانے کے باب میں ناقابل تردید ثبوت اور دلیل کا درجہ حاصل ہے۔ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ تفاسیر مذکورہ سے ظاہر ہے۔ یہود اپنی حاجتوں کے لئے جنگوں

میں دشمن پر فتحیابی کے لئے وجملہ مقاصد جلیلہ کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور اس وسیلہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے دامن مراد کو گوہر مراد سے بھر دیا کرتا تھا۔ یہود کا یہ فعل اس وقت کا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث نہ فرمائے گئے تھے اور نہ ہی قرآن حکیم نازل کیا گیا تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ اگلی امتیں بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو اجابت دعا اور حصولِ مقاصد و حاجات کے لئے وسیلہ بنایا کرتی تھیں۔ اور اس کو جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل تصور کرتے تھے۔

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ"

(بنی اسرائیل)

ترجمہ: وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

(کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں حضرت عزیر علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان مقبول بندوں کی طرف اشارہ ہے۔ جنہیں کفار و مشرکین پوجتے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی جہالت و ضلالت کا راز طشت از بام فرمایا کہ تم جنہیں پوجتے ہو جو خود اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کے متلاشی ہیں۔ خوب اچھی طرح جان لو کہ وہ ہستیاں ہرگز عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، جو خود بارگاہِ خداوندی میں باریابی و رسائی کے لئے نیز مقاصد و حاجات کی برآری کے لئے وسیلہ ڈھونڈتی ہیں، لائق عبادت تو صرف وحدہٗ لاشریک ہے جو بندوں کی دعاؤں کو سننے اور قبول فرمانے والا ہے۔

زیر نظر آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ خود اللہ تعالےٰ کے مقبول بندوں کی بھی یہ سنت رہی ہے کہ وہ کرامت و فضیلت زہد و اتقاء اور فضل و کمال میں اپنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔

احکم الحاکمین کے ان ارشادات عالیہ سے روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک طرف جہاں اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے وہیں انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے۔

وسیلہ اور حدیث

اجابت دعاء، حصولِ مقاصد، آفاتِ سماوی سے نجات اور بارگاہ رب العزت میں تقرب و رسائی کے لئے اللہ کے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وسیلہ بنانا جس طرح قرآن حکیم سے ثابت ہے اسی طرح حدیث سنت اور اجماع صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور ایسا ثابت ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی چون و چرا، قیل و قال اور اگر مگر کی گنجائش نہیں۔

حدیث اعمیٰ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا ایسا تیر بہدف نسخہ ہے کہ جس کے استعمال سے چشم زدن میں مرادیں پوری ہو جاتی ہیں، چنانچہ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک نابینا صحابی کو آپ کے وسیلہ سے دعا کرنے سے فوراً بینائی کی دولت نصیب ہو گئی۔ مکمل حدیث پیش خدمت ہے۔

"حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملتجیانہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ میری

قُلْ أَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

(اے محبوب تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر)

عافیت وبینائی کے واسطے دعا فرما دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو دعا کر دوں اور تم چاہو تو صبر کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ دعا فرما دیجئے۔ اس پر آپ نے اسے حکم دیا کہ خوب اچھی طرح وضو کرو۔ دو رکعت نماز ادا کرو اور پھر اس طرح دعا کرو۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ"

(سنن ابن ماجہ باب صلوۃ الحاجہ ص۹۹)۔

ترجمہ: اے اللہ! بیشک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اے محمد! بیشک میں اپنی اس حاجت میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔ تاکہ وہ حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ تو میرے لئے انہیں شفیع بنا دے۔

"طبرانی کی روایت میں ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پس خدا کی قسم ہم جدا نہیں ہوئے اور نہ حدیث بیان ہوئے زیادہ عرصہ گزرا کہ وہ نابینا شخص داخل ہوا، اس حالت میں کہ اس کی بینائی واپس آچکی تھی۔ گویا وہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں۔"

اس حدیث کو پندرہ سے زائد محدثین کرام نے اپنی اپنی مستند کتابوں میں جگہ دی ہے اور تقریباً سبھی محدثین کرام نے اس حدیث کو حسن و صحیح بتایا ہے۔ جن میں امام ترمذی، امام بخاری، امام مسلم، اور امام اسحٰق رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں۔ اگر بالفرض اس حدیث میں کسی قسم کا ضعف اور سقم ہوتا تو اتنے سارے محدثین کرام اس حدیث کو بغیر جرح و تنقید کے نقل کر دیتے؟ قطعاً ایسا ممکن نہ تھا۔ بہرکیف! اس حدیث پاک سے واضح طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ توسل بالذات جائز ہے اس لئے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو دعائے حاجت میں اپنی ذات شریفہ کو وسیلہ بنانے کا حکم فرمایا۔ اگر ذات کو وسیلہ بنانا مشروع نہ ہوتا بلکہ کفر و شرک ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اس دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے نابینا صحابی کو اپنی ذات شریفہ کو وسیلہ بنانے کا حکم کیوں فرماتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ نابینا صحابی کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو دعا تعلیم فرمائی ایسا نہیں ہے کہ اس کی تاثیر صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی کے ساتھ مخصوص تھی جیسا کہ بعض منکرین وسیلہ کا گمان ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد اس پر عمل پیرا نہ ہوتے۔

قصہ حضرت عثمان بن حنیف

مشہور محدث علامہ طبرانی نے اپنی کتاب معجم میں روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ کے پاس اپنی ایک ضرورت لے کر حاضر ہوتا تھا لیکن آپ امور خلافت میں اس درجہ منہمک ہوتے تھے کہ اس کے حال کی طرف متوجہ نہ ہو پاتے تھے خلیفۂ وقت کی اس بے التفاتی سے وہ شخص کبیدہ خاطر ہو کر ایک روز حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے شکایت کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے اس سے فرمایا کہ خوب اچھی طرح وضو کرو اور مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرو پھر اس طرح دعا مانگو۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَيَقْضِي۔"

اور پھر اپنی حاجت ذکر کرو۔ اس شخص نے جاکر آپ کی تعلیم پر عمل کیا اور پھر شام کو دار الخلافہ کی طرف چل پڑا۔ جب وہ شخص خلیفۂ سوم کے دروازے پر پہونچا تو دربان نے اس کا ہاتھ تھام کر بلا تاخیر خلیفۂ وقت کے روبرو پیش کر دیا۔ آپ نے اسے اپنے روبرو فرش پر بٹھایا اور اس سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس شخص نے اپنی حاجت پوری فرمادی اور فرمایا کہ تونے اپنی حاجت بیان کرنے میں کافی تاخیر کی۔ آئندہ جب بھی کوئی حاجت پیش آئے میرے پاس لے کر آؤ۔ وہ شخص ہنسی خوشی وہاں سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور بولا اللہ آپ کو جزائے خیر دے جب تک آپ نے امیر المومنین سے گفتگو نہ فرمائی میری طرف توجہ نہ فرمائی تھی اور نہ میری ضرورت پوری کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا۔ میں نے ان سے تمہارے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔

اس واقعہ کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، منذری نے الترغیب والترہیب میں، حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں، محمد عبد الرحمٰن نے تحفۃ الاحوذی میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الجامع الصغیر وخصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔ اتنے سارے مستند ومعتمد محدثین ومفسرین کا اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرنا اس کی صداقت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ لہٰذا اس واقعہ سے یہ بات سامنے آگئی کہ اعمیٰ کو تعلیم دی گئی دعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاثیر صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک مخصوص نہ تھی۔ اگر مخصوص ہوتی تو پھر حضرت عثمان بن حنیف حاجتی شخص کو اسی راز میں دعا کی تلقین نہ کرتے اور نہ ہی اس کا خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا۔

حضرت عباس کا وسیلہ

اوپر ذکر کی گئی۔ حدیثِ اعمیٰ اور قصہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو یہ ثابت ہو کر وسیلہ بنانا جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں مؤثر اور جائز تھا اسی طرح آپ کے وصال فرما جانے کے بعد بھی مؤثر اور جائز ہے۔ اب ذیل میں ایک ایسی حدیث پاک تحریر کی جارہی ہے جس میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائے استسقاء میں وسیلہ دیا گیا ہے۔ حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تھے تو حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ۔" یعنی اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اس وقت تو ہم کو بارش سے سیراب فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں لہٰذا تو ہم کو سیراب فرمادے۔ تو لوگ سیراب کردیئے جاتے تھے۔ (بخاری باب الاستسقاء ص ۱۳۷)

حضرت علامہ عینی نے تحریر فرمایا ہے کہ ابو صالح کی روایت

کردہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ منبر پر کھڑا کیا اور پہلے خود اس طرح دعا مانگی۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَجَّہُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّكَ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ"

ترجمہ: "اے اللہ ہم سب تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں لہذا تو ہم لوگوں کو بارش سے سیراب فرمادے اور ہم کو ناامید نہ فرما۔"

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوالفضل! آپ بھی دعا مانگئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح دعا مانگی۔

"اَللّٰھُمَّ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْكَ بِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّكَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا"

ترجمہ: "یا اللہ! ہر بلا گناہوں کے باعث ہی اتاری جاتی ہے اور بغیر توبہ کے کوئی بلا دفع نہیں کی جاتی۔ ساری قوم میرے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوئی ہے کیونکہ مجھکو تیرے نبی سے ایک خاص تعلق ہے۔ یہ ہمارے گناہگار ہاتھ اور ہماری توبہ کرنے والی پیشانیاں تیرے حضور میں حاضر ہیں لہذا تو ہم لوگوں کو سیراب فرمادے۔"

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے بعد پہاڑوں کی طرح بدلیاں ہر چہار طرف سے آگئیں اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ زمین سیراب ہوکر سرسبز و شاداب ہوگئی۔

(حاشیہ بخاری ص ۱۳۷)

حضرت یزید بن اسود جبرشی کا وسیلہ

ابن سعد نے طبقات میں جلد نمبر ۷ صفحہ نمبر ۴۴۴ پر ابوالیمانی سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق استسقاء کے واسطے نکلے۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے تو کہا کہ یزید بن اسود جبرشی کہاں ہیں۔! راوی نے کہا کہ پس لوگوں نے انہیں آواز دی تو وہ آگے تشریف لائے اور امیر معاویہ نے انہیں منبر پر چڑھنے کے لئے کہا وہ منبر پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی۔

"اَللّٰھُمَّ نَسْتَشْفِعُ اِلَیْكَ الْیَوْمَ بِخَیْرِنَا وَاَفْضَلِنَا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَشْفِعُ اِلَیْكَ بِیَزِیْدِ بْنِ الْاَسْوَدِ الْجَرْشِیِّ"

ترجمہ: "یا اللہ ہم تیری بارگاہ میں سب سے افضل اور بہتر کو شفیع بنا رہے ہیں۔ یا اللہ! ہم تیری بارگاہ میں یزید بن اسود جبرشی کو شفیع بنا رہے ہیں۔"

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن اسود جبرشی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے یزید! آپ اپنے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں بلند کیجئے۔ پس یزید بن اسود جبرشی رضی اللہ عنہ نے اور حاضرین نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی۔ دعا کرتے ہی مغرب سے بادل اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چھا گئے۔ پھر ہم ایسا سیراب ہوئے کہ قریب تھا کہ لوگ (جل تھل ہو جانے کے باعث) اپنے گھروں کو نہ پہونچتے۔

اس واقعہ کو ابواسحاق ابراہیم بن محمد شیرازی نے المہذب میں، امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات اور شرح مہذب میں، محمد بن عبدالرحمن نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کیا ہے۔ یہ سارے علمائے کرام اپنے اپنے وقت کے عظیم و جلیل امام اور مرجع خلائق تھے۔ ان کا اس واقعہ پر اعتماد واقعہ کی صداقت کا بین ثبوت ہے ان روایات و واقعات سے پتہ چلا کہ بوقت دعا بارگاہ رب العزت میں انبیاء علیہم السلام اور اس کے برگزیدہ و مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل ہے اور اس پر صحابہ کرام تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا اجماع اس لئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جماعت صحابہ کی موجودگی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی جماعت

کے روبرو حضرت یزید اسود جرشی رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا۔ اگر صالحین کو وسیلہ بنانا جائز نہ ہوتا یا یہ کہ شرک وکفر ہوتا۔ جیسا کہ منکرین کا عقیدہ ہے تو صحابہ کرام کا دونوں حضرات کے اس طرز عمل پر خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔

ان کا خاموش رہنا توسل بالذات کے اثبات وجواز کا بین ثبوت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی سنت

سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ اے اللہ! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری لغزش معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا۔ جبکہ میں نے ابھی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پیدا ابھی نہیں فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا! الٰہ العالمین! جب تو نے مجھکو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے جسد خاکی میں روح ڈالی اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایوں پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا۔ اس طرح میں نے جان لیا کہ وہ ذات جس کے نام کو تونے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے وہ تیرے نزدیک مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم تونے سچ کہا، بیشک میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اپنی مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تونے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے دعا کی ہے تو میں تیری لغزش کو معاف کرتا ہوں۔ اے آدم! سن لو! اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں کسی چیز کو پیدا نہ فرماتا۔ (المستدرک کتاب التاریخ جلد ۲، ص ۶۱۵)

اقوال سلف اور وسیلہ

اسلاف کرام کے اقوال وارشادات اس باب میں بے حد وبے شمار ہیں۔ بہت سے صفحات گزشتہ میں مذکور ہو چکے ہیں جو قلب واذہان کی بند کھڑکیوں کو قبولیت حق کے لئے کھول دینے کے لئے کافی ہیں تاہم چند ایسی مایۂ ناز، بلند پایہ اور بلند قامت ہستیوں کے اقوال وارشادات مزید لکھے جاتے ہیں، جو پوری ملت اسلامیہ کے نزدیک اپنے فضل وکمال، زہد وتقویٰ اور کشف وکرامات کے باعث واجب الاحترام اور لائق تعظیم وتوقیر ہیں۔

خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم متوفی ۴۰ھ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی۔ آپ کے دعا مانگتے ہی آسمان پر بادل چھاگئے اور موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابو طالب ہوتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچتی۔ کون ہے جو ہمیں ان کا قول سنائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! کیا آپ کا قصد ان کے اس شعر سے ہے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِّلْاَرَامِلِ

ترجمہ: وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست!

یہ سن کر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے چمک اٹھا۔" (الجامع ج ۱، ص ۱۳۷)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۱۷۹ھ

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شفاء میں اسناد صحیح کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ جب عباسی خلیفہ منصور حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر روضۂ پاک کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس نے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال

کیا کرے ابو عبداللہ! میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں یا کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر؟ آپ نے فرمایا: اے خلیفہ تم اپنے چہرے کو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کیسے پھیر سکتے ہو جبکہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ لہذا تم روضہ مقدسہ کی طرف رُخ کرکے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مغفرت کی دعا مانگو اور ان کو بارگاہِ الٰہی میں اپنا شفیع بناؤ۔ تو خداوند کریم ان کے وسیلہ سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ (شفاء السقام صفحہ ۱۵۶)

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵۰ھ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند کے کتاب الحج میں نافع سے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سنت یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آؤ اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کر لو اور اپنا چہرہ قبر انور کی طرف پھیر لو پھر کہو: السلام علیکم ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت امام کمال الدین ہمام حنفی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶۱ھ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی حاجت پیش کرے، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرے اور اس طرح عرض کرے۔

"یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ
یَارَسُوْلَ اللّٰہ اَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہ"

ترجمہ: یارسول اللہ! میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور یارسول اللہ! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناتا ہوں۔ (فتح القدیر جلد ۲، صفحہ ۳۳۶)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰۴ھ

حافظ ابو بکر خطیب بغدادی — رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب التاریخ کی جلد نمبر ۱ کے صفحہ نمبر ۱۲۳ پر بسند صحیح کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ:

"امام شافعی رضی اللہ عنہ جن دنوں بغداد میں ہوتے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے مزار پر تشریف لاتے، زیارت کرتے سلام کرتے پھر قضائے حاجات کے واسطے آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا کرتے۔"

حضرت امام شافعی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتے تھے۔ وہ آپ کے مزار پر تشریف لاتے، زیارت کرتے، سلام کرتے پھر آپ کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہ میں دعا کرتے

اس واقعہ کو علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۳ھ) نے بھی اپنی کتاب الخیرات الحسان میں صفحہ نمبر ۶۹ پر نقل کیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنی تصنیف لطیف الصواعق المحرقہ میں صفحہ نمبر ۱۸۰ پر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ شعر بھی نقل کیا ہے جس میں آپ نے اہل بیت نبوت کو وسیلہ بنایا ہے۔

آلُ النَّبِیِّ ذَرِیْعَتِیْ وَھُمْ وَسِیْلَتِیْ
اَرْجُوْا بِھِمْ اُعْطٰی غَدًا بِیَدِ الْیَمِیْنِ صَحِیْفَتِیْ

ترجمہ: آل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کے وسیلے سے کل بروز قیامت میرا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴۱ھ

حضرت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۰ھ) نے شواہد الحق میں ص ۱۶۶ پر یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا تو آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کو آپ کے اس فعل پر تعجب ہوا تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ لوگوں کے لئے سورج کی طرح ہیں اور بدن کے لئے عافیت کی طرح۔"

حضرت امام نووی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۷۶ھ

آپ کتاب الاذکار کے باب الاذکار فی الاستسقاء میں رقمطراز ہیں کہ:

"مستحب ہے کہ جب لوگوں میں کوئی شخص صلاح و تقویٰ میں مشہور ہو تو اس کے وسیلے سے بارش سے سیراب ہونے کی دعا کریں اور کہیں کہ اِنَّا نَسْتَسْقِیْ وَنَسْتَشْفِعُ اِلَیْکَ بِعَبْدِکَ فُلَانٍ۔ یعنی اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے فلاں بندے کے وسیلے سے بارش سے سیراب ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعائے استسقاء فرمائی۔"

حرفِ آخر

قرآن کریم، حدیث و سنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں کو وسیلہ بنانا قطعاً جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو ایسا عقیدہ رکھے تو یقیناً اس کا ایمان بحمدہ تعالیٰ کامل ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک اس کے اعمال مقبول و محمود ہیں اس لئے کہ وہ اپنے اعتقاد و اعمال میں اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطیع و فرماں بردار ہے اور قرآن کریم کے مطابق جس نے اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کی، وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اور ایسے ہی وہ شخص بلاشبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین رضی اللہ عنہم کے راستے پر رہے جس پر رب کائنات نے انعام و اکرام فرمایا اور اس میں قطعاً کسی قیل و قال کی گنجائش نہیں کہ جو شخص ایسی مقدس جماعت کے راستے پر گامزن ہو وہ صدق و صواب پر ہے؛ کیونکہ یہی حق و ایمان کا معیار ہے اور وہ شخص جس نے کہا کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی مقدس ذاتوں کو وسیلہ بنانا شرک ہے اور اس کا معتقد مشرک ہے تو اس نے اللہ کی، اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تکذیب کی اس لئے کہ شرک اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک ماننے یا اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا نام ہے اور توسل نہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے افعال سے بلکہ یہ خاص بندوں کی خصوصیات سے ہے اور جس کا حق ہونا ناقابلِ تردید حقائق و شواہد اور دلائل و براہین سے ثابت ہو چکا ہے۔ مگر — آہ! وہ کیسے عقل کے یتیم، نورِ بصیرت سے محروم، شعورِ ایمانی سے بے بہرہ اور ازلی تیرہ بختی کا شکار ہیں جو سورج سے بھی زیادہ روشن و تابناک صداقت کو تسلیم کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ اور اپنے اس عقیدۂ باطلہ پر کہ "عقیدۂ توسل بالذات شرک ہے" قائم ہیں اور اس بات پر مُصِر ہیں کہ صرف اعمالِ صالحہ ہی کو وسیلہ بنایا جائے۔

اور اللہ رب العزت کے وہ عظیم المرتبت، جلیل القدر بندے جن کی مقبولیت و محبوبیت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے ان کو وسیلہ بنائے جانے کو شرک ٹھہرایا جائے؟ یہی وہ مقام ہے جب یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

آپ فرما دیجئے، بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، وہ اللہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، نہیں، کوئی معبود سوائے اس کے، وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے، جو خود ایمان لایا ہے، اللہ پر، اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو، اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ (پ۹، الاعراف، ۱۵۸)

قرآن کریم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کے لئے اپنی بعثت رسالت عامہ کا اعلان فرما دیجئے، اور پھر دعوت عام دی، خدا پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر ایمان لانے کی، ان کی اتباع و پیروی کی، کہ ہدایت و کامرانی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

یعنی جو نبی پچھلوں کی طرح، کسی خاص دور اور مخصوص قوم کا ہادی و رہبر نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات اور فلاح و بہبود، اسی کے دامن سے وابستہ ہے، اس اعتبار سے اس کی ذمہ داریاں بہت زیادہ، اور دائرہ بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کی بڑی خوبی (مجبوری نہیں) یہ ہے، کہ وہ "امی" ہے، نبی بھی ہے، "امی" بھی ہے، بات بڑی عجیب سی ہے کیونکہ، نبی کے، معنی خبر دینے والا "نباء" سے بنا ہے، جس کے معنی "خبر" ہے، قرآن کریم میں ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۝ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کیا، وہ، اس بڑی اور اہم، خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، جس میں، وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں (پ۳۰، النباء، ۱-۲-۳)

پس معنی کا، مقتضی یہ ہے کہ، نبی علم والا ہو، نبی، امی کیسے ہو سکتا ہے، یہ تو تضاد ہے،

نیز نبی کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے وہ قوم کا رہبر، رہنما، ہوتا ہے، قوم کو، احکام الٰہی بتاتا، پیغام الٰہی سناتا، حکمت و دانش کی باتیں سکھاتا ہے، انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی تعلیم دیتا ہے، نبی کی بتائی ہوئی ہر بات پر عمل کرنا قوم کے لئے لازمی ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول، مگر اسی لئے، کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے (پ ۵، النساء، ۶۴) پس منصب نبوت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نبی علم والا ہو، جبکہ وہ نبی جس کی ذمہ داریاں، دیگر انبیاء سے بہت زیادہ ہیں، ان کی رسالت عام ہے، سب کے سردار بھی ہیں، اور آخر بھی، کہ اب ان کے بعد کوئی نہیں آنے والا، دروازۂ نبوت بند ہو چکا ہے، اب تو قیامت تک آنے والوں کو صرف انہیں کی بات ماننی ہے انہیں پر ایمان ذریعۂ نجات ہوگا۔ انہیں کی اتباع و پیروی سے کامیابی و کامرانی ہے۔ امن و سکون کی زندگی انہیں کے دامن سے وابستہ ہے۔ خدا تک رسائی کا یہی واحد سہارا ہیں لیکن عجب بات ہے "امی" ہیں۔

امی کے معنی "ان پڑھ" کے ہیں۔ "ام" سے بنا ہے جس کے معنی اصل کے ہیں۔ امی یعنی وہ شخص جو اپنی اصل پر رہا، جیسا پیدا ہوا وہ ویسا ہی رہا نہ دنیا کے استادوں سے کچھ سیکھا نہ کتابوں سے پڑھا ان پڑھ ہی آیا، ویسا ہی رہا، ویسا ہی گیا اہل عرب اکثر ان پڑھ ہی تو تھے جن میں یہ نبی امی مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (پ ۲۸، الجمعۃ ۲) وہی اللہ جس نے امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا۔ "امیین" کا نبی بھی "امی" تو وہ ان پڑھوں کی راہنمائی کیسے کرے گا۔ انہیں تو نور علم کی ضرورت ہے کہ وہ تاریکی سے نکل سکیں پس نبی کا امی ہونا بڑا ہی عجیب ہے۔

واقعی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم "امی" ہی ہیں کون انکار کر سکتا ہے، قرآن نے اعلان کیا ہے، متعدد بار آپ کو "امی" کہا ہے، جب بھیجنے والا ہی امی کہتا ہے تو ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں مکہ کا بچہ بچہ جانتا ہے اور مانتا ہے کہ عبداللہ کا یتیم بیٹا، آمنہ کا جگر گوشہ، عبدالمطلب کا پوتا ابو طالب کا بھتیجہ جو قریشی ہے، ہاشمی ہے باپ اور ماں دونوں ہی کی طرف سے، اعلیٰ خاندان والا اچھی نسل والا ہے لیکن "امی" ہے کبھی کسی نے ان کو مدرسہ و مکتب جاتے نہ دیکھا۔

مکہ میں فصحاء اور اہل زبان کم نہ تھے لیکن کسی نے نہ کہا کہ آج کا نبی کل تک ہمارا شاگرد تھا، کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے استاد ہونے کا دعویٰ کرتا، سب نے مانا کہ وہ "امی" ہیں نہ لکھ سکتے ہیں نہ پڑھ سکتے ہیں۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کلام الٰہی سنا تو انکار کیا، حکمت و دانش کی باتیں سنیں تو مجنون و دیوانہ کہا اس ہی لئے کہ امی سے کون ایسی باتوں کی توقع کر سکتا ہے۔

ہم ہرگز انکار نہیں کرتے، مانتے ہیں و فخر کے ساتھ مانتے ہیں کہ جس کی غلامی کا ہمیں شرف حاصل ہے وہ "امی" ہے، لاکھوں سلام ہو نبی ہاشمی امی لقب پر۔

ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کا "امی" ہونا بڑا عجیب ہے کہ یہ ان کا معجزہ ہے، اگر عجیب نہ ہوتا تو معجزہ کیسے ہوتا، پھر منکرین کو ان کی تلاوت آیات تعلیم کتاب و حکمت پر حیرت کیسے ہوتی۔

ہے بلاشبہ ان کا اُمی ہونا بہت ہی عجیب ہے۔ بہت بڑا معجزہ ہے۔ دلائل نبوت میں سے ایک اہم دلیل ہے جس نے اس کو سمجھ لیا اس کے لیے ایمان قبول کرنا مشکل نہ رہا۔

ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اُمی ہونا ان پڑھ ہونا کوئی خوبی نہیں مدح نہیں عیب ہے لیکن اُمیین کے لیئے رسول کے لیئے نہیں ہر گز نہیں۔ یہ قاعدہ کلیہ غلط ہے کہ ایک عیب سب ہی کے لیئے عیب ہو۔ دھوکا دینا کتنا بڑا عیب ہے لیکن مجاہد کے لیئے نہیں دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیئے یہی عیب مجاہد کا کمال ہے، کسی کو قتل کرنا تکلیف پہونچانا بلاشبہ عیب ہے لیکن قاتل کو قتل کرنا چور کے ہاتھ کاٹ دینا، مجرم کو سزا دینا ہر گز عیب نہیں پس ہر عیب سب کے لیے عیب نہیں۔

اُمی ہونا ضرور عیب ہے لیکن میرے رسول کے لیے نہیں۔ کیا تکبر عیب نہیں، بہت بڑا عیب ہے متکبر کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ خدا تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔

قِيلَ ادْخُلُوٓا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ٥

انھیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے کہ تم سب ہمیشہ اسی میں رہوگے، پس مغروروں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔

(پ ۲۴، الزمر، ۷۲)

کتنا بڑا عیب ہے تکبر لیکن صرف انسانوں کے لیئے خدا کے لیئے نہیں، اس کی خوبی ہے۔ اس ہی کی شایان شان ہے، جیسا کہ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
اللّٰهُ تَعَالٰى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ
إِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا
أَدْخَلْتُهُ النَّارَ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبر میری چادر ہے اور بڑائی میرا تہبند۔ جس نے کسی ایک کو بھی ان میں سے چھینا چاہا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ (مسلم)

متکبر ہونا ہمارے لیئے یقیناً عیب ہے، لیکن خدا کے اسمائے حُسنیٰ میں ایک نام متکبر ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ
الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ (پ ۲۸، الحشر ۲۳)

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا متکبر ہے۔

پس اُمی ہونا عیب ہے، لیکن عام انسانوں کے لیئے رسول کے لیئے ہر گز نہیں، رسول کے تو عین شایان شان ہے کیونکہ منصب رسالت کی ذمہ داریاں اتنی دشوار ہیں کہ ان کو دنیا والوں سے علم حاصل کر کے پورا نہیں کیا جاسکتا اس کے لیئے تو وسیع علم ناگزیر ہے۔

مقام نبوت کوئی ایسا مرتبہ یا عہدہ نہیں جو انسان کو اپنی کوشش وکاوش یا محنت سے حاصل ہوتا ہو، نہ ہی اس کی بنیاد علم التقویٰ یا پرہیزگاری ہے بلکہ یہ خالصتاً خدائی عطیہ ہے جس کے لیئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی عالم ارواح میں ایسی روحوں کو منتخب ومتعین فرمادیا جن کو مقام نبوت دینا مقصود تھا حتی کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کرانے ان کی عظمت کو اجاگر کرنے اور ان کی قیادت وسیادت منوانے کا عہد بھی تمام انبیا کرام علیہم السلام سے عالم ارواح میں لیا گیا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا
اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ

وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (پ۳، آل عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے، جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی تمہارے پاس ہو تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ اٹھا لیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کر لیا فرمایا تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کے لیے مقررہ دور میں اس کی مخصوص اُمت کی طرف مبعوث فرماتا رہا، یہاں تک کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان کے بعد نہ کوئی آیا نہ آسکتا ہے۔ نہ وہاں کوئی باقی رہا جو آئے اور جس کو زندہ واپس بلا لیا وہ اپنی عمر طبعی پوری کرنے اور خدا کی قدرت کا کرشمہ دکھانے ضرور آئے گا لیکن نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ سید الانبیا کے اُمتی کی حیثیت سے، انہیں کا کلمہ پڑھتے ہوئے آئے گا، انہیں کے دین کی خدمت کرتے ہوئے آئے گا اور اس عہد کی تکمیل کا شرف حاصل کرے گا جو اس نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عالم ارواح میں کیا تھا۔ وہ واحد انسان ہے جس کو نبی اور سید الانبیاء کا اُمتی ہونے کا شرف ملا۔

غرض یہ کہ نبوت انسان کا اپنا حاصل کردہ منصب نہیں جس کی عظیم ذمہ داریاں انسان کے اپنے حاصل کردہ علم سے پوری ہو سکیں، یہ تو خدائی عطیہ ہے اس کے لیے خدائی صلاحیتوں کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کو مبعوث فرمانے سے پہلے ہی ان کی ضرورت کے مطابق تمام صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں یہاں تک کہ کوئی نبی کسی اعتبار سے اُمتی کا محتاج نہ رہا اور نہ ہی وہ کسی صلاحیت میں اُمتی سے کسی بھی طرح کم رہا کہ نبوت کے اعلیٰ منصب کے شایانِ شان نہیں۔

بلاشبہ نبی کا اُمی ہونا عجب بات ہے لیکن عیب ہرگز نہیں کہ اگر نبی کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے نبوت عطا فرمانے والا رب علم عطا نہ فرماتا تو اُمی ہونا ضرور عیب ہوتا، لیکن رب نے تو نبی پر یہ کرم فرمایا کہ اسے اس دنیا کے ناقص علم والے استادوں اور کتابوں سے بے نیاز کر کے اُمی ہی رکھا لیکن خود ایسا علم عطا فرمایا کہ ہر نبی اپنی اُمت کا معلم بنا۔ ایسا معلم کہ کسی نبی کے علم کا مقابلہ اس کا کوئی اُمتی نہ کر سکا، ایسا معلم کہ علم کا نور صرف نبی ہی کی تعلیم کے ساتھ خاص ہو گیا کہ جس نے بھی مدرسۂ نبی کو چھوڑ کر دنیا والوں سے علم حاصل کیا وہ بھٹکتے ہی رہے، منزل نہ پا سکے اس ہی لئے نبی کی اتباع و پیروی ذریعۂ ہدایت قرار پائی۔

> **نبی کا اُمّی ہونا**
> عیب نہیں بلکہ اُمّیت میں شانِ عظمت مخفی ہے۔ رب نے نبی کو دنیا کے ناقص علم والے اُستادوں اور کتابوں سے بے نیاز رکھا رب نے انہیں ایسا علم عطا فرمایا کہ ہر نبی اپنی اُمّت کا معلّم بنا۔

بہرکیف سُنتِ الٰہیہ یہ قائم ہوئی کہ اُس نے اپنے ہر نبی کو دنیا کے استادوں اور کتابوں سے آزاد اور الفاظ و حروف کی پہچان و تحریر سے بے نیاز کر کے اس

کی ضرورت اور مرتبہ کے مطابق خود ہی علم عطا فرما دیا، پس لفظ نبی کے معنی کا اقتضا بھی پورا ہو گیا اور منصب نبوت کے تقاضہ کی بھی تکمیل ہو گئی اور نبی امی ہی رہا، کیسا قابل تعریف و مدح ہے نبی کا امی ہونا عیب ہرگز نہیں ہر نبی کو اس ہی سے علم ملا جس سے تاج نبوت ملا لیکن میرے رسول النبی الامی کی بات ہی نرالی ہے نہ کسی کو ان جیسی نبوت ملی نہ ان جیسا علم نبوت ایسی کہ جس کا دائرہ اولین و آخرین تمام نوع انسان کا احاطہ کیئے ہوئے تو علم ایسا کہ اس کی کنہ و تہہ کا پتہ لگا لینا کسی امتی کے بس کی بات نہیں بس دینے والے نے جتنا بتا دیا ہمیں اتنا ہی پتہ ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ (پ ۵، النساء، ۱۱۳)

ہے کوئی دنیا کا استاد جو استاد دے سکے بھیجنے والے نے استاد دیا کہ امی نے پچھلوں کا حال بھی بتا دیا اگلوں کا بھی، جو ہو چکا اس کو بھی جان لیا اور جو ہونے والا ہے گا وہ بھی معلوم ہو گیا، وہ آسمانوں کے اوپر کی باتیں بھی جان گئے اور زمین کے نیچے کی بھی، اُمی ہیں لیکن کوئی جھجک نہیں کہ معلم ہونے کا دعویٰ کریں۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا.

بے شک میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اُمی بھی اور معلم بھی کوئی حیرت نہیں جس نے بھیجا اسی نے سکھایا، اس نے گوارہ نہ فرمایا کہ اس کا بھیجا ہوا کسی کا شاگرد کہلائے، دوسروں سے علم کی بھیک مانگ کر نبوت کی اہم ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے نبی کو کسی بھی معاملہ میں دنیا والوں کا محتاج نہ بنایا۔

دشمن کا ڈر ہوتا ہے تو لوگ کیسے محافظین کے محتاج ہوتے، نہ جانے کس کس کی پناہ تلاش کرتے اور کیسی کیسی حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہوں، ... آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دشمنوں کی یلغار کس پر ہوئی لیکن بھیجنے والے نے کسی کا محتاج نہ کیا، خود اعلان فرمایا

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.

اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں سے۔

(پ ۶، المائدہ، ۶۷)

لوگوں نے کیا کچھ نہ کیا اور کیا کچھ نہ چاہا، لیکن بھیجنے والے نے ایسی حفاظت کی کہ بال بیکا نہ کر سکے، ہجرت کی شب جب چاروں طرف سے گھرا ہو چکا تو کس نے حفاظت کی، غار ثور کے منہ پر دشمن آ کھڑے ہوئے تو ان کے منہ کس نے پھیرے، غزوۂ اُحد میں دشمن ٹوٹ پڑے تو کس نے بچایا۔ کیا میرے نبی نے مدد کے لیئے کبھی کسی کو پکارا، انھوں نے تو پہاڑوں کے فرشتے کی پیش کش کو قبول نہ کیا وہ کسی کے محتاج کیوں ہوں، بھیجنے والا جو ان کا کفیل ہے وہ ہمارا بھی کفیل ہے کوئی شک نہیں لیکن واسطوں اور وسیلوں سے، نبی کا کفیل بلا واسطہ، بلا وسیلہ، نبی تو واسطہ اور وسیلہ بننے، سہارا دینے آیا، واسطہ وسیلہ لینے اور سہارا مانگنے نہیں۔

پس حصول علم میں وہ کسی کا محتاج کیوں رہے، بھیجنے والے نے امی ہی رکھا اور خود استاد یا کہ کوئی اور کیا دیتا، نبی کو دینے کے لیئے کسی کے پاس کیا رکھا ہے۔ سب تو اس کے در کے بھکاری ہیں، شاہ ہو یا گدا سب ہی نبی سے مانگتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُعْطِىْ وَاَنَا قَاسِمٌ.

اللہ دیتا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

نہ دینے والے کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہ بانٹنے والے کے، وہ دیتا ہے یہ بانٹتے ہیں۔ سب ان سے ہی مانگیں، جو چاہیں مانگیں یہ دیں گے، دینے ہی کے لیئے تو آئے ہیں، بھیجنے والے نے اپنے علم کا بھی ان پر کھول

دیا ہے، ہر قسم کا علم دیا ہے دنیا کا بھی، دین کا بھی، دنیا کی کامیابی چاہو تو ان کے علم سے رہنمائی حاصل کرو، آخرت کی نجات چاہو تو انھیں کے علم سے استفادہ کرو۔

اب جو علم کا متلاشی ہے، آئے اس امی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں علم سیکھے، ایسا علم جس کا نور کبھی نہ بجھنے پائے، ایسا علم جس سے کائنات کے سارے حجاب اٹھ جائیں، سارا عالم روشن ہو جائے، دنیا کی ساری عظمتیں سمٹ کر قدموں میں آپڑیں، آخرت کی نجات کی ضمانت مل جائے۔ جسے نور علم لینا ہے آئے وہ اس امی کے قدموں میں، غریب ہو تو امیر ہو جائے، غلام ہو تو آقا بن جائے، غیر مہذب مرکز تہذیب بن جائے، بدو حکمراں بن جائے امی ہو تو معلم بن جائے۔ بڑی تاثیر ہے اس امی کی تعلیم میں

امی امیوں میں مبعوث ہوا تو جاہلوں نے اس کو امی ہی جانا، اس نے خدا کی آیات سنائیں تو انھوں نے انکار کیا، اس نے حکمت و دانش کی باتیں بتائیں تو انھوں نے مجنون و دیوانہ کہا، اس نے ان درندہ صفتوں کو مہذب انسان بنانا چاہا تو انھوں نے اینٹ و پتھر سے جواب دیا۔

لیکن نبی امی جو معلم بن کر آیا تھا وہ بارہ سال تک مصائب و آلام سے پر، ناسازگار ماحول میں تعلیم دیتا رہا، ظلم و ستم کرنے والے تھک جاتے، پر وہ ایک دن نہ تھکا، کیسے تھکتا، نہ تو اس نے دنیا والوں سے علم حاصل کیا تھا اور نہ ہی وہ دنیا کے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم دیتا تھا۔ اس نے جس سے علم لیا بس اس ہی کی رضا کے لیے وہ اپنا کام کرتا رہا اور پھر اس ہی نے مدد کی جب مدد کا دروازہ کھلا تو خوب مدد ہوئی۔ اس معلم کے مکتب میں علم کے پیاسے آنے شروع ہوئے، ایک نوجوان نے پہل کی، آگے بڑھ کر شمع علم تھاما تو وہی علم کا دروازہ بنا

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔

میں شہر علم اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

پھر اس مکتب امی میں خوش نصیب داخل ہوتے ہی رہے ہے۔ شمع علم نے انھیں ایسا منور کیا کہ ہمیشہ کے لیے چمکتے دمکتے تارے بن گئے۔

اصحابی کالنجوم۔

میرے صحابہ چمکتے تارے ہیں۔

اور چند ہی دن گزرے، مبتدی امی انتہا کو پہونچے اور امت مسلمہ کے مقتدیٰ قرار پائے۔

تاریخ شاہد ہے، احادیث کے اوراق ناطق ہیں کہ اس معلم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے لوگوں کو کیسا بنا دیا، جو کچھ نہ تھے انھیں کیا کچھ نہ کر دیا۔ حبشی غلام بلال رضی اللہ عنہ نے مؤذن اول بن کر اللہ اکبر کی صدا ایسی بلند کی کہ آج تک گونج رہی ہے اور کوئی قوت نہیں جو قیامت تک بلال کی اس آواز کو دبا سکے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے سب سے بڑے مفسر قرار پائے، ۸۴۸ احادیث کے راوی ہوئے، علم و حکمت کا ایک عظیم پہاڑ تھے کوفہ میں قیام کے دوران اہل کوفہ کے ہر گھر میں شمع علم کو ایسا روشن کیا کہ کوفہ نور سے چمک اٹھا اور اہل علم کی بستی بن گیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایسے محدث کہ کوئی ان کی روایت حدیث کا مقابلہ نہ کر سکا۔ جب کسی صحابی کو کسی حدیث میں شک ہوتا تو ابوہریرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تسلی کر لیتے آپ نے کل ۵۳۶۴ احادیث بیان کیں، شاید ہی حدیث کی کسی کتاب کا کوئی ورق ہو جو ابوہریرہ کے نام سے خالی ہے۔

حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم نبی امی کے خلفا قرار پائے جنھوں نے اپنے ادوار میں صرف امور خلافت ہی کو بحسن و خوبی انجام نہ دیا بلکہ دنیا کو حکومت کرنے اور ملک کا نظم و نسق چلانے کا ڈھنگ سکھا گئے۔ ہر کوئی جانتا اور مانتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی مملکت کے حدود کتنے وسیع و عریض تھے، آج تک کسی ملک کے حدود فاروق اعظم کی مملکت اسلامیہ کا مقابلہ نہ کر سکے، آج کی دنیا کے یہ چھوٹے چھوٹے ملک کیسی بدامنی اور بدحالی کا شکار ہیں۔ وسائل

جو بھی نبی اُمی کے دربار میں حاضر ہوا۔ علم نبوت سے فیض یاب ہوا چنانچہ صدیق اکبر و فاروق اعظم کا صدق و عدل تاریخ اسلام میں آفتاب و ماہتاب کی مانند جگمگا رہا ہے۔

کی کمی نہیں پھر بھی حکام کے بس میں کچھ بھی نہیں، رابطہ کے لیے آلات کی کمی نہیں پھر بھی حکام کو اپنی قوم کی خبر نہیں، وہ کیا جانیں کون بھوکا سویا، کون سوتا مر گیا، انھیں کیا خبر کس کی دولت لٹ گئی، کس کی عزت و آبرو پر ڈاکہ پڑ گیا، یہ حکام تو بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے پڑھ کر آئے ہیں انھوں نے کتنے استادوں سے پڑھا اور نہ جانے کتنی کتابوں کا مطالعہ کر ڈالا لیکن کیا کیا اور کر بھی کیا سکتے ہیں، استاد بھی ناقص، خود بھی ناقص، اگر کسی کو کچھ بننا تھا تو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوتا، ان کے علم سے فیضیاب ہوتا تو بن جاتا، ایسے ہی جیسے فاروق اعظم بن گئے۔ دیکھو وہ کیسے بنے کہ مسجد نبوی کے فرش پر بیٹھے دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر حکومت کر رہے ہیں، کیا مجال کہیں کچھ ہو جائے اور کچھ ہو تو اس کی خبر امیر المومنین کو نہ ہو، اگر رات کی تاریکی ہیں کوئی دودھ میں پانی ملائے تو عمر جان لیں، اگر بھوک سے کسی کے بچے بلبلائیں تو عمر کو پتہ چل جائے اگر لشکر اسلام کا سردار ذرا غلطی کرے تو امیر المومنین اس کو متنبہ کر دیں۔ رنگ نسل، زبان و مذہب کی تفریق کے باوجود پوری قوم کو اللہ کی رسی میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ نہ معاشی بدحالی ہے، نہ سیاسی افراتفری، بس امن ہے سکون ہے سب آرام کی نیند سوتے ہیں اور محنت کی روزی کھاتے ہیں۔

غرض یہ کہ جو اس مکتب میں آیا وہ کیا کچھ نہ بنا، بننے والے بعد میں بھی بنتے رہے اور قیامت تک بنتے رہیں گے، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل، امام ابو یوسف، امام بخاری، امام غزالی اور نہ جانے کون کون، تاریخ اسلام قابل فخر مقدس ہستیوں کے ناموں سے بھری پڑی ہے، یہ سب کچھ تھے یا نہیں، ضرور تھے، کوئی انکار نہیں کر سکتا، سب ان کا احترام کرتے ہیں، سب ان کے گن گاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کیسے بنے، سوچتے تو ضرور وہیں پہونچتے جہاں یہ سب بنے، افسوس ہم ہی نہ بنے اور نہ بن سکتے ہیں۔ کیسے بن سکتے ہیں، ہمیں تو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے نفرت ہے ہم تو ان مدرسوں کو حقیر جانتے ہیں، جو آج بھی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے گہوارہ ہیں، ہم تو ان لوگوں کو خوار سمجھنے لگے جو آج بھی علم نبوی کے وارث ہیں، ہم تو ان کی صحبت میں بیٹھنا یا اپنے بچوں کو ان سے پڑھوانا کسر شان سمجھتے ہیں تو ہم کیا بن سکتے ہیں۔ ہم تو مغربیت زدہ یونیورسٹیوں ہی کو مرکز علم مانتے ہیں، ہم مغربی تہذیب کی تقلید ہی کو اپنی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ہم غیروں کے در سے بھیک مانگنا اپنے شایان شان سمجھنے لگے تو ہم کیا بن سکتے ہیں۔ جو خود کو نہ بنا سکے وہ ہمیں کیا بنائیں گے۔ یقین کیجیے ہمیں ترقی کی منزل تک وہی پہونچا سکتا ہے جس نے امیوں کو بام عروج پر پہونچا دیا امن و سکون کی زندگی اسی کی تعلیمات سے نصیب ہو سکتی ہے جس نے جاہلوں، ظالموں، لٹیروں اور ڈاکوؤں کو امن و سکون سے رہنے کا ڈھنگ سکھا دیا

کبھی سوچا ہم نے کہ چالیس برس سے ہم مسلمانوں کی آبادی میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں

مصلحتوں اور حکمتوں پر غور کر رہے ہیں، تدبیریں تلاش کر رہے ہیں۔ حصول منزل کے لیئے نہ جانے قوم کے کتنے وسائل صرف کر چکے ہیں۔ لیکن اب تک نشان منزل نظر نہ آیا کیوں کیا ہمارا حال امیوں سے بھی زیادہ بدتر ہو گیا، جنھوں نے صرف تیئس سال میں اسلامی زندگی کو قبول کر لیا تھا! دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی عملی صورت پیش کر دی تھی سب سے بڑی اسلامی حکومت قائم کر کے دنیا کے سارے نظاموں اور ازموں کو جھوٹا باطل ثابت کر دکھایا تھا اور ہم ہیں کہ دنیا کو ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت کا نمونہ نہیں دکھا پا رہے ہیں۔ کیوں؟ صرف اور صرف اس لیئے کہ ہم اسلامی حکومت کے نفاذ کا ذمہ دار صرف اس طبقہ کو سمجھ بیٹھے ہیں جو اقتدار میں ہے اور ہم پر حکومت کر رہا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دوسرے نظاموں اور ازموں کی طرح حکومت کے ایوانوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے گھروں سے نافذ ہوتا ہے۔

بلا شبہ اسلامی نظام ہماری منزل ہے لیکن اس منزل کو ہم ہرگز نہیں پا سکتے جب تک ہم انفرادی طور پر اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کریں۔ اور ہماری انفرادی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے علم رسول کے وارث علما کو اپنا معلم تسلیم کریں، جب ہمارے گھروں میں شمع علم روشن ہوگی تو ہمارے محلے شہر اور پورا ملک خود نور سے چمک اٹھے گا اور وہ عزت و عظمت، جاہ و جلال، امن و سکون ہمارے قدموں میں ہوگا جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے فیضیاب ہونے والوں کا مقدر ہے۔

غرض یہ کہ کائنات کو علم کے نور سے روشن کرنے والا امی ہے جس کی تعلیمات آج بھی مینارۂ رشد و ہدایت ہیں۔ دیکھیئے تو اس نے کیسی کیسی گر کی باتیں سکھائیں وہ فرماتے ہیں۔

• تم میں سے مجھے وہ شخص پیارا ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔

• بد خلق، بد خو اور سخت گو شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔

• اللہ فحش بکنے والے بیہودہ گو کو اپنا دشمن سمجھتا ہے

• کسی نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو، خواہ یہی ہو کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔

• رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

• وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، ہمارے بڑوں کی عزت و توقیر نہ کرے اور برائی سے منع نہ کرے۔

• ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا سبب ہوگا۔

• بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

• اہل ایمان میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کی عادت سب سے اچھی ہو اور وہ اپنے گھر والوں پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔

• بہترین دوست خدا کے نزدیک وہ ہے جو اپنے دوستوں کے لیئے بہترین ہو اور بہترین پڑوسی خدا کے نزدیک وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہترین ہو۔

• ایک سوراخ سے مومن کو دو بار نہیں کاٹا جاتا۔

• مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر۔

• فحش جس چیز میں ہوگا اسے عیب دار کر دے گا اور حیا جس چیز میں ہوتی اسے زینت دے گی۔

• مسلمان پر لعنت بھیجنا اسے قتل کر دینے کے مانند ہے اور مسلمان پر کفر کا الزام لگانا بھی اسے قتل کر دینے کے مانند ہے۔

• بہترین عمل خدا کے واسطے محبت اور خدا کے واسطے مخالفت ہے۔

• ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا بہت بڑا جہاد ہے

• جس نے اپنے مسلمان بھائی کو جان بوجھ کر ایسی بات کا مشورہ دیا جو اس کے لیئے مفید نہ ہو اس نے

بد دیانتی کی۔

• جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

• فقیر جنت میں امیروں سے پانچ سو برس پہلے جو قیامت کا آدھا دن ہوگا، داخل ہوں گے۔

• انسان کی عادتوں میں سے دو بہت بری عادتیں ہیں، ایک انتہا درجہ کا بخل، دوسری بزدلی۔

• جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس سے رحمت کے فرشتے ایک میل دور ہو جاتے ہیں اس بدبو کی وجہ سے جو جھوٹ سے پھیلتی ہے۔

• تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

• سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی ناحق آبرو ریزی ہے۔

• جو مسلمان مجھ سے اس بات کا وعدہ کرے کہ وہ اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان والی چیز اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز کی حفاظت کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

• وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو تعصب پر آمادہ کرے، اور نہ وہ ہماری جماعت میں ہے جو تعصب کی وجہ سے لڑے، اور نہ وہ ہماری جماعت میں ہے جو تعصب کی حالت میں مرے۔

• بے حیائی ہر چیز کو بھدا کر دیتی ہے اور حیا ہر چیز کو زینت دیتی ہے۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چند ارشادات بطور نمونہ پیش کیے گئے جو آپ کی مؤثر تعلیم کا اندازہ لگا لینے کے لیے کافی ہیں۔ کیسی کیسی حکمت و دانش کی باتیں وہ بتاتے ہیں، یہی وہ تعلیم ہے جن پر عمل کرنے والوں نے عزت و عظمت بھی پائی اور امن و سکون کی زندگی بھی اور قیامت تک آنے والے مسلمان جب بھی اس نبی اُمی کی باتوں پر عمل پیرا ہوں تو آپ کی تعلیم ان کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے، فداہ ابی و امی

مسلمان کو ترقی کی راہ صرف عبادات کی ظاہری پابندی سے نہیں ملتی بلکہ اس کے لیے اسلامی معاشرے کی تعمیر ضروری ہے۔ بد اخلاقی، بدکرداری، بے حیائی، بدگمانی، بدگوئی، ترش روئی، الزام تراشی، رشوت ستانی، بداعتمادی، باہمی منافرت، صوبائی و لسانی عصبیت، حسد، کینہ، بغض، غیبت، بخل اور دولت سے محبت، سود خوری، تجارت و معاملات میں مکر و فریب اور بدعہدی، حکومت و اقتدار کی ہوس، غیروں کی تقلید اور ان کی تہذیب کو پسند کرنے کا رجحان، اپنے اسلاف کی باتوں کو حقیر اور غیروں کی باتوں کو مؤقر جاننا یہ اور اس قسم کے تمام عیوب معاشرے کے لیے کینسر سے زیادہ مہلک ہیں کہ اگر مسلمان ان میں مبتلا ہو جائیں تو ان سے اسلامی معاشرے کی تعمیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ عیوب ہم میں موجود ہیں یا نہیں اس کا اندازہ تو ہر شخص اپنی صحت دیکھ کر یا اپنے گریبان میں جھانک کر کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ان امراض کا علاج نہ تو ان حکماء، دانشوروں، فلسفیوں کے پاس ہے اور نہ ہی مغربی انداز کی درس گاہوں اور یونیورسٹیوں میں ہے نہ دنیا کے قانون ان بیماریوں سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں

جبل احد

الروضۃ الشریفۃ
سید الشہداء
سیدنا امیر حمزہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور نہ حکام کی تدبیریں اور سخت سزائیں جرائم کا خاتمہ کر سکتی ہیں۔

معاشرے کے ان زہریلے مہلک کیڑوں کو ختم کرنے کا بس واحد ذریعہ اس نبی امی کی تعلیم کو اپنانا ہے جو امیوں میں معلم بنا کر بھیجا گیا۔ جس نے ان امیوں کو چند ہی دن میں معلمین کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا جس نے تخریب کاروں کو تعمیر معاشرے کا ڈھنگ سکھادیا، اس کی تعلیم ہمیں بھی ہلاکت و بربادی سے نجات دلائے گی۔ اس قابل بنائے گی کہ ہم اپنے معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھال سکیں اور امن وسکون کی زندگی بسر کرسکیں۔

پس عید میلاد النبی سے بہتر کون سا موقع ہوسکتا ہے کہ ہم نبی امی کی پیدائش پر اظہار مسرت کرتے ہوئے نور نبی کے ظہور کی خوشی میں اپنے گھروں پر چراغاں کرتے ہوئے ایک عہد کریں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹنے نہ پائے، ایک ناطہ جوڑیں ایسا جو کبھی نہ چھوٹنے پائے کہ

"اے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے یوم پیدائش کے مقدس موقع پر ہم آپ سے عہد کرتے ہیں اپنے دلوں کو آپ کے نور علم سے چمکانے کا ہم ناطہ جوڑتے ہیں، آپ سے آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا۔

پس اے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہماری دستگیری و رہبری فرمایئے کہ ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق اور اس ناطہ کو مضبوط کرنے کی قوت نصیب ہو کہ آپ ہی کمزوروں بے سہاروں کا سہارا ہیں۔

لَعَلَّ رَحْمَۃَ رَبِّیْ حِیْنَ یَقْسِمُھَا
تَاْتِیْ عَلٰی حَسْبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقِسَمِ
رحمت حق ہوگی جب تقسیم مجھ کو ہے امید
مرے عصیاں سے سوا ہوگا مرے رب کا کرم

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

فرمان خداوندی وارشاد نبوی یقیناً ہدایت وصراط مستقیم ہے اس پر جو شخص ایمان لاکر ثابت قدم رہے گا وہ یقیناً مومن ہے۔ اس لئے کہ نجات ابدی و سعادت سرمدی ہے اگرچہ مدعیان اسلام کے تمام فرقے قرآن وحدیث پر ایمان وعمل کے دعویدار ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث پر پورے طور پر ایمان رکھنے والا سواد اعظم صرف اہل سنت وجماعت ہے اس لئے صرف اسی کو کامل نجات ہے باقی سب فرقے ناری ہیں اس کو دلیل یقینی قطعی سے جاننے کے لئے مقدمات ذیل کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

۱۔ قرآن مجید وحدیث شریف بلا استثنا تمام جن وانس کے لئے ہادی یعنی رہنما ہیں۔ ہر شخص کے لئے مشعل ہدایت ہیں جو شخص اپنے ارادہ سے ایمان لاکر ان کی روشنی میں چلے گا نجات پائے گا۔ یہ نہیں کہ قرآن و حدیث کے ذمہ بالجبر منزل مقصود تک پہنچانا ضروری ہے۔

۲۔ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کی یعنی جمیع ضروریات دین کی دل سے تصدیق کرنا اور تسلیم کرنا شریعت میں ایمان ہے۔ زبان سے اقرار اجرائے احکام دنیوی کے لئے شرط ہے کمافی شرح العقائد وغیرہ۔

۳۔ قرآن وحدیث پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ پورے قرآن وحدیث کو مانے اگر کسی ایک آیت یا حدیث متواتر کا انکار کرے تو وہ قرآن وحدیث کا ماننے والا نہیں۔

۴۔ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا صحیح مطلب وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے بیان فرمایا اسی مطلب پر ایمان لانا ضروری ہے اس کے خلاف کوئی دوسرے معنی اپنی رائے سے گڑھنا گمراہی ہے۔

۵۔ ہدایت پانے کی استعداد جن وانس کے ہر ہر فرد میں موجود ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو خداوند تعالیٰ نے اس پر قدرت دی ہے کہ وہ اپنے قصد وارادے سے ایمان لائے پس جس نے اپنے قصد وارادہ کو کام میں لاکر سر نیاز جھکا دیا وہ ہدایت پاگیا اور جس نے سرکشی کی وہ گمراہ ہوا۔ اس میں قرآن وحدیث ورہنمایان دین متین کا کوئی قصور نہیں اسی گمراہ کا قصور ہے کہ خدا کی دی ہوئی قدرت کو کام میں نہ لیا اور اپنے ارادے سے گمراہی اختیار کی۔

۶۔ ہر دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل ضروری ہے دعویٰ بلا دلیل قبول نہیں۔ دلیل وہ ہے جو نفس الامر میں دعوے

کی مثبت۔ نہ ہو نہ یہ کی مدعی جو کچھ کہدے وہی اس کے دعویٰ کے ثبوت میں کافی مان لیا جائے۔

۷۔ مدعیانِ اسلام کے تمام فرقوں میں صرف ایک فرقہ ناجی باقی تمام ناری ہیں ایسی صورت ہیں اگر ناجی فرقہ کو ممتاز نہ کر دیا جاتا تو دین کا نقصان بلکہ سخت گمراہی تھی اس لئے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرقہ ناجیہ کو دریافت کیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" یعنی نجات پانے والا وہ گروہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر قائم ہے دوسری حدیث میں فرمایا۔ "وھی الجماعۃ" وہ ناجی گروہ بڑی جماعت ہے۔

اگرچہ ان مقدمات یقینیہ مسلمہ میں غور کرنے سے صاحب علم و عقل سوال کے تمام پہلو حل کر سکتا ہے اور یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے باقی تمام فرقے ناری ہیں۔ لیکن تسہیل کے لئے کچھ تفصیل کی جاتی ہے وھو المعین۔

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبلیغ اسلام کی اور تمام مخلوق خدا کو دین حق کی دعوت دی تو اس آواز کو سن کر بہت سے بدقسمتوں نے اس کی ہدایت سے اپنی آنکھیں بند کر کے صاف انکار کر دیا اور بہت سے بدنصیبوں نے ظاہر میں اقرار بھی کیا تو دل سے نہیں۔ پہلا گروہ کفار و مجاہدین دوسرا منافقین کہلایا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ منافقین اسلام کے دعویدار تھے زبان سے کلمہ پڑھتے قسمیں کھا کھا کر حضور کی رسالت کی شہادت دیتے لیکن قرآن مجید نے ان کو جھوٹا بتایا اور ان کا اقرار کرنا قسمیں کھانا معتبر نہ مانا۔ (کما قال اللہ تعالیٰ اذا جاءک المنافقون قالو نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكذبون)

لہٰذا معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھنا اور اپنے ایمان و اسلام کا اقرار کرنا خواہ قسمیں کھا کر کیوں نہ ہو وہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک دل سے نہ مانے مومن نہیں ہو سکتا۔ دل سے ماننا جبھی معتبر ہو سکتا ہے کہ اس اقرار کے ساتھ اس میں کوئی وجہ کفر نہ پائی جائے۔

اور جن خوش قسمت ہستیوں نے ظاہر و باطن میں دل سے مانا وہ گروہ مومنین کے لقب سے ملقب ہوا۔ اسی کو "یا ایها الذین آمنوا" کے خطاب سے مخاطب فرمایا اسی کے لئے قرآن مجید میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ وہی گروہ دین حق اور صراط مستقیم پر قائم ہے۔

صدر اول یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات ظاہری اور عہد صحابہ میں یہ ماننے والی جماعت عقائد صحیحہ و اعتقادات حقہ پر قائم رہی اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک قائم رہے گی جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا۔

"لا يزال من امتى امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتى امر الله وهم على ذلك"

مگر اہل حق کے پردہ میں ایمان کے دعویدار بن کر بہت سے فرقے جو حقیقت میں مومن نہیں پیدا ہونے والے تھے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر دی تا کہ اہل حق ان سے باخبر رہیں ان کے جال میں نہ آویں فرمایا

"وتفترق امتى على ثلث وسبعين ملة كلهم فى النار الا ملة واحدة قالو

هي يارسول الله قال ما انا عليه واصحابي
رواه الترمذی۔ وفی روایة احمد وابی داؤد
عن معاویة سبعون فی النار وواحدة
فی الجنة وهی الجماعة۔

یعنی میری امت اجابت جو مجھ کو نبی مانے اور قبلہ رو نماز پڑھے وہ تہتر فرقے ہو جائیگی سب فرقے دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔

کما قال الشیخ فی اشعة اللمعات فی تفسیر ھذا الحدیث وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة۔ وجدا می شوند امت من آنها کہ ایمان آوردہ اند و روئے بقبلہ دارند ہر ہفتادو سہ مذہب در اصول عقائد۔ کلهم فی النار ہر ایشاں مستحق در آمدن دوزخ باشند بجہت سوئے اعتقاد انتہی۔

صحابہ نے اعتراض کیا یا رسول اللہ نجات پانے والی جماعت کون ہے۔ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ احمد و ابو داؤد کی روایت میں فرمایا وہ جنتی گروہ بڑی جماعت ہے حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مدعیان اسلام کے تہتر فرقے ہو جائیں گے بہتر دوزخی اور ایک جنتی وہ جنتی فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر قائم رہنے والا ہے اور وہ بڑی جماعت ہے ۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا۔

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ
شذ فی النار۔

یعنی بڑی جماعت کا اتباع کرو کیونکہ جو بڑی جماعت سے علیحدہ ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

عہد صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک باوجود یہ کہ یہ تمام فرقے ظہور میں آئے لیکن ہر قرن و ہر زمانے میں بڑی جماعت وہی رہی جس پر صحابہ و تابعین و تبع تابعین ائمہ مجتہدین علمائے معتمدین اولیائے کاملین قائم رہے وہی مذہب اہل سنت و جماعت کا ہے۔ آج بھی بفضل اللہ و بکرم حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل سنت و جماعت کی وہ بڑی جماعت ہے کہ تمام دنیا کے مدعیان اسلام کے کل فرقے جمع کر لئے جائیں تب بھی اس کی تعداد کو نہ پہنچ سکیں چہ جائیکہ فرداً فرداً اس کا مقابلہ کر سکیں۔

لہذا دونوں حدیثوں سے صاف نتیجہ نکلا کہ نجات پانے والا گروہ سواد اعظم صرف اہل سنت و جماعت ہے باقی تمام فرقے مثلاً دیوبندی، غیر مقلد، قادیانی، نیچری وغیرہ سب کے سب دوزخی۔

مگر افسوس صد افسوس کہ یہ حدیث کریم کی اس تصریح کے باوجود آنکھیں بند کر کے لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنی اپنی ٹولیاں الگ الگ بنا کر جہنم میں جا رہے ہیں مذہب اہل سنت و جماعت قبول کر کے نجات پانے والی جماعت میں شریک نہیں ہوتے یہ ان کی محرومی و بدقسمتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہدایت دے

بہر حال ارشاد نبوی کے مطابق صدیوں کے بعد یہ گمراہ فرقے پیدا ہوئے جو اسلام کے دعویدار قرآن و حدیث پر ایمان و عمل کے مدعی قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے والے، اپنے کو بڑا پکا سچا مسلمان کہنے والے مگر ان سب نے وہ مذہب حق جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے چھوڑ کر اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چلنیں اور "من شذ شذ فی النار" کے مصداق نے اور آیات قرآنیہ و احادیث مشہورہ کے خلاف عقیدے گڑھے اور جن عقائد پر صحابہ کرام و تابعین عظام کی جماعت قائم رہی ان کا خلاف کیا اپنے عقائد باطلہ اور مذاہب فاسدہ کاسدہ کی ترویج کے لئے فلاسفہ کے دامن میں چنگل مارا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اپنا گروہ بڑھانے کے لئے قرآن و حدیث کا نام لیتے رہے ہم قرآن و حدیث کے ماننے والے ہیں۔ ورنہ قرآن و حدیث کا ماننے والا تو صرف مسلمان ہو سکتا ہے جو صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا

پیرو ہو وہی عقائد مانتا ہو۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث کے صحیح معنی سمجھنے والے اور ماننے والے وہی حضرات ہیں کیونکہ ان کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قرآن و حدیث کی تعلیم فرمائی۔ تو جو صحابہ کرام کی جماعت کے خلاف عقیدہ رکھے وہ قرآن کا ماننے والا کیسے ہو سکتا ہے صرف زبانی دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

ان فرق باطلہ کے بطلان کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا مورث صدر اول کے بعد ہی ان کے عقائد صحابۂ کرام کی جماعت کے خلاف ہیں باوجود اس کے ان سب نے آیات قرآنیہ واحادیث صریحہ شہیرہ کا خلاف کیا ہے اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ فرق اسلامیہ آٹھ ہیں۔ معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجیہ، نجاریہ، جبریہ، مشبہہ، ناجیہ، معتزلہ کے بیس فرقے ہیں، شیعہ کے بائیس، اور خوارج کے بیس، مرجیہ کے پانچ نجاریہ کے تین، جبر و مشبہہ کا ایک ایک فرقہ۔ یہ بہتر فرقے ہیں اور تہترواں ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے وکذا فی المواقف۔

ان میں بہتر فرقے گمراہ ہیں جن میں پہلا فرقہ معتزلہ کلا جو صحابہ کے بعد تابعین کے زمانے میں پیدا ہوا اس نے کفر و ایمان کے درمیان ایک فرق نکالا اور کہا۔

"من ارتکب الکبیرۃ فھو لیس بمومن ولا کافر"

یعنی جو شخص گناہ کبیرہ کرے گا وہ نہ مومن ہے نہ کافر۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو جماعت حقہ سے خارج کر دیا اور فرمایا "قد اعتزل عنا" بے شک وہ ہم سے علیحدہ ہو گیا۔ فرقے نے عاصی کو دوزخ میں اور مطیع کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب دیا صفات الٰہی کا انکار کر دیا۔ اس گندے عقیدے پر فخر کرتے ہوئے اپنا نام اصحاب العدل والتوحید رکھا۔ افعال کا خالق بندوں کو ماننا جو آیۂ "واللہ خلقکم وما تعملون" کے خلاف ہے۔ ایصال ثواب کے منکر ہوئے اسی وقت سے عقیدے گڑھے جو قرآن و حدیث و جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ہیں۔

لہٰذا یہ فرقہ مع اپنی تمام شاخوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج فرقہ ناریہ ہوا۔

فرقہ شیعہ نے قرآن مجید ناتمام و غیر محفوظ مانا جس سے آیت کریمہ "نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کا انکار ہوتا ہے۔ خلافت اصحاب ثلثہ یعنی صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے منکر ہوئے جو امت کا اجماع ہے اسی طرح ان کے بہت سے گندے عقیدے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی مع اپنے تمام شعبوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہوا۔

فرقہ خارجیہ نے یہ عقیدہ گڑھا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے مومن کافر ہو جاتا ہے اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہو سکتی یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اس سے آیت کریمہ "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء" کا انکار ہوتا ہے اسی طرح اور بھی بہت سے گندے عقیدے ہیں اور یہ فرقہ بھی مع اپنے تمام فرقوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہوا۔

فرقہ مرجیہ نے اہل سنت و جماعت کے خلاف یہ عقیدہ تراشا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا۔ یعنی گناہ کبیرہ پر مواخذہ نہیں یہ آیت کریمہ "ومن یعمل سوء یجز بہ" کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ بھی مع اپنی جماعت کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہوا۔

اسی طرح نجاریہ، جبریہ، مشبہہ اپنے عقائد خبیثہ کی بنا پر جماعت حقہ سے نکل کر فرق ناریہ میں شامل ہوئے

آج کل ہندوستان میں جو گمراہ فرقے مثلاً دیوبندی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی، وغیرہ ہیں یہ انھیں گمراہ فرقوں کی شاخیں ہیں۔ اور ان کے گندے عقیدے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں۔ اگرچہ یہ اپنے مذہب کی ترویج میں آیات واحادیث ضرور پیش کرتے ہیں مگر

آیات و احادیث کے وہ معنی گڑھتے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم و تصریح و تخصیص کے خلاف ہیں۔ مثلاً آیت "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" کا معنی ختم زمانی خود حضور نے فرمایا "لا نبی بعدی" یعنی میرے خاتم النبیین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہی معنی ختم زمانی صحابہ سے منقول اسی پر امت کا اجماع۔ لیکن قادیانی دجال اور دیوبندی کذاب نے آیت کا معنی ختم ذاتی گڑھے چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب (تحذیر الناس) میں اسی معنی ختم زمانی کو عوام کا خیال بتایا اور صاف لکھ دیا کہ۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے تحذیر الناس ص۳۔

اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام اکابرین امت کو عوام بتایا اور خود اہل فہم بنا اور اس آیت کو ختم ذاتی پر محمول کر کے حضور کے بعد نبوت کا دروازہ کھول دیا چنانچہ قادیانی قاسم نانوتوی کی اس کمائی کو لے اڑا اور نبی بن بیٹھا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو جانوروں پاگلوں سے تشبیہ دی اور اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں لکھ دیا۔

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمر بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔ حفظ الایمان ص۸۔

مولوی رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھی جو دیوبندیوں کے پیشوا ہیں انھوں نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں خداوند قدوس کے جھوٹ بولنے کو ممکن ماننا پرانا عقیدہ بتایا اور لکھ دیا کہ

امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔ براہین قاطعہ ص۲۔

اسی اپنی براہین قاطعہ میں صفحہ ۵۱ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو شیطان ملعون کے علم سے گھٹایا۔ شیطان مردود کے لئے وسعت علم قرآن و حدیث سے ثابت مانی حضور کے لئے اسی کا انکار کیا حضور کے لئے پوری زمین کا علم شرک خالص بتایا اور اسی کو شیطان کے لئے قرآن و حدیث سے ثابت مانا۔ عبارت یہ ہے۔

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ انتہی براہین قاطعہ ص۵۱۔

اس کے علاوہ قادیانی دجال و دیوبندیوں کے ہزاروں گندے عقیدے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جن کی تشہیر ہو چکی ہے وہ سب جماعت صحابہ و تابعین کے خلاف ہیں۔ لہٰذا یہ اہل سنت و جماعت سے خارج ہو کر ناریہ میں داخل ہوئے۔

قادیانی اور دیوبندیوں کے کفر پر علماء مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ نے فتوے دیئے جس کی تفصیل فتاویٰ "حسام الحرمین" شریف میں مذکور ہے۔ غیر مقلدین عقائد میں دیوبندیوں کے شریک ہیں۔ "تقویۃ الایمان" جو کفریات کا مجموعہ ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مع ہذا تقلید شخصی کو جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ شرک سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جماعت حقہ اہل سنت سے خارج ہو کر فرقہ ناریہ ہوئے۔

نیچری عذاب قبر و حشر اجساد و جنت و دوزخ کے منکر ہیں۔ معجزات انبیا کرام علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے عقائد فاسدہ اس مذہب حق کے خلاف ہیں جس پر صحابہ و تابعین کی جماعت گزری۔ لہذا یہ فرقہ بھی اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔

البتہ یہ تمام فرق باطلہ مدعیان اسلام اپنی اپنی حقانیت کا شور مچاتے اور اپنے مذاہب باطلہ کے لئے قرآن و حدیث پڑھتے اور آیات و احادیث دلیل میں پیش کرتے ہیں مگر کیا کسی دعوے پر صرف کوئی آیت یا حدیث کا پڑھ دینا کافی ہے اس سے وہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا اگر ایسا ہے تو ہر شخص ہر روز بتعداد آیات قرآن مجید کم از کم چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ دعوے ثابت کر لیا کرے نہیں نہیں ہرگز نہیں قرآن و حدیث سے کسی دعوے کے ثابت کرنے کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ آیت و حدیث کا جو مطلب اس نے بیان کیا ہے وہ تعلیم محمدی و تعلیم صحابہ و تابعین کے فرمان کے خلاف تو نہیں۔ اگر وہ ان دین پرور حضرات کے ارشادات کے مطابق ہے تو مقبول اور مخالف ہے تو مردود۔ اور اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ یہ کتنے فرق باطلہ ہیں سب آیات و احادیث کا مطلب خلاف تعلیم صحابہ و تابعین و سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین لیتے ہیں بلکہ ان کے اقوال و عقاید آیات قرآنیہ صریحہ کے معارض ہیں۔

لہٰذا نتیجہ ہوا یہ ہر قرآن و حدیث کے ماننے والے ہرگز نہیں بلکہ صرف زبانی دعویدار ہیں جس کا ہرگز اعتبار نہیں۔

تنبیہ کفر دے دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت کا خلاف کیا جائے تمام احادیث کا انکار کیا جائے۔ بلکہ کسی ایک آیت کا خلاف بھی کفر دے دینے کے لئے کافی ہے اگرچہ باقی تمام قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہو۔

لہٰذا یہ فرق باطلہ اگرچہ بعض عقائد و اعمال میں اہل سنت و جماعت سے متفق بھی ہوں لیکن چونکہ ان کے بعض گندے اقوال و عقائد بعض آیات و احادیث و عقائد سلف صالحین کے خلاف ہیں اس لئے وہ بددین و گمراہ فرق ناریہ میں شمار ہیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کا ماننے والا وہی گروہ ہے جس کے جمیع عقائد صحابہ و تابعین سلف صالحین کے مطابق ہوں اور وہ گروہ صرف اہل سنت و جماعت ہے کیونکہ یہ گروہ وہی عقائد رکھتا ہے اسی مذہب کا پیرو ہے جس پر صحابہ کرام و تابعین عظام ائمہ دین، علمائے معتمدین، اولیائے کاملین، سلف صالحین قائم رہے۔ اس کے سوا باقی تمام فرقے ناری ہیں اگر اس پر بھی کوئی بددین ہٹ دھرمی ضدی زمانے اور منہ زوری کرے تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیث و تفسیر، علم کلام و فقہ، و تصوف و سیر و تواریخ کی تمام معتبر کتابیں سب کے سب جمع کرو۔ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے عقائد تلاش کرو تمام کتابوں میں ان کے وہی عقائد ہیں جو اس وقت اہل سنت و جماعت کے عقائد ہیں اور کسی گمراہ فرقہ مذکورہ بالا کی ان میں ہرگز ہرگز تائید نہیں مل سکتی۔

لہٰذا احادیث کریمہ میں جو ناجی فرقہ کی علامت بیان فرمائی ہیں۔

"ما انا علیہ واصحابی وھم الجماعۃ السواد الاعظم" ان کا مصداق یقیناً حتماً یقیناً صرف ایک فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے۔ لہٰذا یہی ناجی ہے۔ کما فصل الشیخ فی اشعۃ اللمعات واللہ الھادی الی سبیل الرشاد وھو الموفق السداد وھو اعلم علمہ اتم واحکم

علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ العلی القدیر السمیع البصیر الفعال لما یرید، واکمل الصلوٰۃ واجمل التحیات علیٰ خیر خلق اللہ وافضل رسلہ سیدنا ومولانا محمد المصطفیٰ الذی ارسلہ ربہ رحمۃ للعالمین، وبعثہ شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہ ذوی الکرامات والبرکات السامیہ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا کی ہیں (۱) قوت نظریہ۔ اس کا کمال یہ ہے کہ حقائق کو اس طرح پہچانا جائے جس طرح وہ واقع میں ہیں (۲) قوت عملیہ۔ اس کا کمال یہ ہے کہ افعال کو اس طرح ادا کیا جائے جس طرح انہیں ادا کرنے کا حق ہے۔ دین اور فلسفہ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ ان دو قوتوں کی تکمیل کر کے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کی جائے اور مبدا و معاد (خالق کائنات اور آخرت کی معرفت حاصل کی جائے فرق یہ ہے کہ عقل دین میں ہدایت ربانی کی پیروی کرتی ہے اور فلسفہ میں خواہش نفس کی۔

مبدا و معاد کی معرفت کے دو طریقے ہیں (۱) نظر واستدلال (۲) ریاضت و مجاہدہ۔ پہلے طریقے کو اختیار کرنے والے کسی ملت اور دین کے پیروکار ہیں تو انہیں متکلمین کہا جاتا ہے اور اگر کسی ملت کے پیروکار نہیں تو انہیں حکماء مشائیہ کہا جاتا ہے جیسے ارسطو، فارابی اور ابن سینا۔ دوسرے طریقے پر چلنے والے اگر شریعت کے موافق ہیں تو وہ صوفیہ ہیں۔ ورنہ وہ حکماء اشراقیہ ہیں۔ جیسے افلاطون اور شیخ شہاب الدین مقتول (۱)

افلاطون کے شاگرد تین طرح کے تھے۔

(۱) اشراقیہ: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی عقلوں کو نفسانی کثافتوں سے اس قدر پاک کر لیا تھا کہ

وہ الفاظ اور اشارات کے بغیر براہِ راست افلاطون کے دماغ سے انوارِ حکمت حاصل کرتے تھے (جسے آج کی اصطلاح میں ٹیلی پیتھی کہا جاتا ہے)

(۲) رواقیہ:- وہ شاگرد تھے جو افلاطون کی مجلس میں حاضر ہو کر اس سے حکمت کا درس لیتے تھے۔ اور اس کے الفاظ اور اشارات سے استفادہ کرتے تھے۔

(۳) مشائیہ:- جب افلاطون سوار ہو کر چلتا تو یہ لوگ اس کے ہم رکاب چلتے اور حکمت کا استفادہ کرتے تھے (۲)

اس تفصیل کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتِ نظریہ عطا فرمائی ہے تو اسے فکر و نظر سے جلا ملتی ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے اس کے ادراکات میں ترقی واقع ہوتی ہے۔ حقائق واقعیہ اس پر منکشف ہوتی ہیں۔ اس میں شریعت کی پیروی کرنے یا نہ کرنے والے کی کوئی تخصیص نہیں۔ البتہ حقائق واقعیہ تک رسائی ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو وحی الٰہی اور سنتِ نبوی کی اتباع کرتے ہیں ان کے لئے عالم غیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ آئندہ ہونے والے واقعات ان پر ظاہر کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نیند بلکہ بیداری میں بھی ملائکہ اور ارواحِ انبیاء علیہم السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد طریقت کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ صوفیائے کرام ہی اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے ہیں ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا راستہ صحیح ترین راستہ ہے اور ان کے اخلاق پاکیزہ ترین اخلاق ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت کے نور سے مستفاد ہیں، اور روئے زمین پر نورِ نبوت کے علاوہ کوئی نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں اور اسی نکتہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

"صوفیاء کرام ہی ہیں جو بیداری میں ملائکہ اور ارواحِ انبیاء کی زیارت کرتے ہیں ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں، پھر حال صورتوں اور مثالوں کی زیارت سے ترقی کر کے ان مقامات تک پہنچتا ہے جن کے بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔" (۳)

راقم نے اس موضوع کی مناسبت سے چند حوالے "مدینۃ العلم" کے آخر میں نقل کئے ہیں، موقع کی مناسبت سے اس جگہ ان کا نقل کر دینا موجب بصیرت و اطمینان ہوگا۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اپنے رب کے پاس رات گزارتے ہیں، وہ ہمیں کھلاتا اور پلاتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو عالم غیب کے حالات کا زیادہ علم ہوگا اس کے دل میں کمزوری کم اور طاقت زیادہ ہوگی۔ اسی طرح جب بندہ طاعتوں پر مداومت کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کے کان اور آنکھیں ہوتا ہوں، تو جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور کان بن جائے تو وہ قریب اور دور سے سنے گا اور جب وہ نور بینائی بن جائے تو وہ قریب اور دور کو دیکھے گا۔ (۴)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ

وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی' اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ "بے شک اس میں فراست والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔
یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اس جگہ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ فراست کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم فراستِ ایمانیہ ہے اس کا سبب وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک خیال اس تیزی سے دل پر وارد ہوتا ہے جیسے شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ فراست فریسۃ ہی سے مشتق ہے۔ یہ فراست ایمان کی قوت کے مطابق ہوگی جس کا ایمان قوی تر ہوگا اس کی فراست بھی تیز ہوگی حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فراستِ نفس کو حاصل ہونے والا کشف اور غیب کا مشاہدہ ہے اور ایمان کے مقامات میں سے ہے"۔ (۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے عروج وکمال اور علوم کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں ایک تجلی کے بعد دوسری تجلی کو عبور کرتے ہوئے اصلِ تجلیات اسمِ رحمٰن تک پہنچ گیا جب اسم رحمن میری ذات میں اترا اور جلوہ گر ہوا تو میں نے ہر مقام' ہر علم' ہر کمال دیکھا جو پہلے انسانی فرد کو حاصل ہوا میں اس آدم کی بات نہیں کرتا بلکہ پہلے آدم سے لے کر آخر زمانہ تک پائے جانے والے آخری انسان تک جتنے علوم وکمالات حاصل ہوئے خواہ اس دنیا میں یا قبر میں روز حساب یا جنت میں' میں نے ان سب کا اس طرح احاطہ کر لیا کہ ان میں کوئی تصادم نہیں (اس کے کچھ بعد فرماتے ہیں) میں نے افلاک' معادن' درختوں' چارپایوں' فرشتوں' جنوں' لوح وقلم' حضرت اسرافیل اور جو کچھ موجود ہو چکا ہے سب کے کمالات کا کامل اور مکمل احاطہ کر لیا۔ (۶)

غیر مقلدین اور دیوبندیوں کے امام شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

"قطب زمانہ حضرت عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں:

"ایک ولی مغرب میں ہو اور وہ سوڈان یا بصرہ کے ولی سے کلام کرنا چاہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ اس سے اس طرح کلام کرے گا جیسے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے کلام کر رہا ہو' اور جب تیسرا ان سے کلام کرنا چاہے گا تو وہ بھی کلام کرے گا۔ اسی طرح چوتھا یہاں تک کہ تمام اولیاء کرام کی جماعت کو دیکھو گے جن میں سے ہر ایک الگ الگ خطے میں ہے اور وہ اس طرح گفتگو کر رہے ہوں گے جیسے ایک جگہ اکٹھے ہوں"۔ (۷)

اسی طرح جب اولیاء کرام کے دل غفلت کے زنگ اور ماسوی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے پاک ہو جاتے ہیں تو وہ خطیرۃ القدس کے لئے آئینوں کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں مثلاً جب خطیرۃ القدس میں کسی چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اکثر صالحین اس کے واقع ہونے سے پہلے اسے نیند یا بیداری میں دیکھ لیتے ہیں"۔ (۸)

دیوبندی مکتب فکر کے علامہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:
"اولیاء کرام اس جہان میں اشیاء کے موجود ہونے سے پہلے جو کچھ دیکھتے ہیں ان کے لئے بھی ایک قسم کا وجود ہے، جیسے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مدرسہ کے پاس سے گزر ہوا، ہوا کا ایک جھونکا آیا تو فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں" تو وہاں سے حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی پیدا ہوئے اور جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم یمن سے اللہ تعالیٰ کی خوشبو محسوس کرتے ہیں"۔ تو وہاں سے حضرت اویس قرنی پیدا ہوئے"۔(۹)

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

آئینہ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ گردد احوال ملک دارا

"تیرے پاس آئینہ سکندر اور جام جمشید موجود ہے۔ اس میں دیکھ تو سہی تجھ پر ملک دارا کے حالات منکشف ہو جائیں گے"۔

اس مقام پر پہنچ کر چند لمحوں کے لئے آپ کو ایک بار پھر پیچھے لے جانا چاہتا ہوں۔ ترمذی شریف کی حدیث کے مطابق بندۂ مومن (ولی) اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، اور امام رازی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور کسی کی بینائی بن جائے تو وہ قریب و بعید چیزوں کو دیکھتا ہے، اور بقول شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی جب دل کا زنگ دور ہو جائے اور ماسوی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے پاک ہو جائے تو وہ خطیرۃ القدس (عالم بالا) کے لئے آئینہ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کی جھلک اس میں دکھائی دیتی ہے، یہی بات کشمیری صاحب نے کہی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تو خود اپنے بارے میں بیان کیا کہ میں یکے بعد دیگرے تجلیات کو طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا کہ جو کچھ معرض وجود میں آچکا ہے۔ اس میں سے ہر ایک کے کمالات کا میں نے مکمل احاطہ کر لیا۔

اب خود آپ ہی سوچئے کہ جب ایک ولی کی روحانی اور علمی پرواز کا یہ عالم ہے اور وسعتِ مشاہدہ کا یہ حال ہے تو اولیائے کاملین، شہداء، صدیقین، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، پھر انبیاء کرام اور خصوصاً انبیاء و رسل کے امام اور تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کے علم اور مشاہدہ کی وسعت کا کیا عالم ہوگا!

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوتِ مشاہدہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر قوتوں کی طرح قوتِ مشاہدہ بھی بے مثل عطا فرمائی ہے۔ آج سائنسی ترقی کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں میل دور ہونے والی نقل و حرکت ریڈار کی اسکرین پر دیکھی جا سکتی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بات نہیں ہے؛ کہ تحت الثریٰ سے لے کر عرش تک تمام مخلوقات اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ کا امکان ثابت کرنے کے لئے آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر سے استدلال کرنے والوں کو اس وقت یہ آیتِ مبارکہ کیوں بھول جاتی ہے!

چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر نماز اور رکوع کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِیْ کَمَا اَرَاکُمْ (۱۰)

"بیشک ہم تمہیں پیچھے سے دیکھتے ہیں
جیسے کہ تمہیں (آگے سے) دیکھتے ہیں"

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ پچھلی صفوں میں ایک شخص نے صحیح طور پر نماز ادا نہیں کی۔ سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے فلاں! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ تو نہیں دیکھتا کہ نماز کس طرح پڑھتا ہے!

اِنَّکُمْ تُرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ
شَیْئٌ مِمَّا تَصْنَعُوْنَ، وَاللّٰہِ اِنِّیْ
اَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ
یَدَیَّ، رَوَاہُ اَحْمَدُ۔ (۱۱)

"تمہارا گمان یہ ہے کہ تم جو کچھ کرتے
ہو اس میں سے کوئی چیز ہم سے مخفی رہتی
ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! آگے کی طرح ہم
پیچھے سے بھی دیکھتے ہیں"

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا گمان ہے کہ ہماری توجہ صرف اس طرف ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم پر نہ تو تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ ہی رکوع، ہم تمہیں پشت کے پیچھے (بھی) دیکھتے ہیں"۔ (۱۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پشت کے پیچھے کھڑے ہونے والے افراد کو ہی نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کے دلوں کی کیفیات بھی ملاحظہ فرماتے تھے کیونکہ خشوع، دل کی کیفیت کا نام ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ (۱۳)

۵۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم اس وقت اپنے
حوض کو دیکھ رہے ہیں"۔ (۱۴)

۶۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو ہم دیکھ
رہے ہیں۔ ہم تمہارے گھروں میں بارش کی
طرح فتنوں کے واقع ہونے کے مقامات
دیکھ رہے ہیں"۔ (۱۵)

مستقبل میں آنے والے فتنوں کو ملاحظہ فرمایا:

۷۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھانے کے بعد خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:

"جو چیز بھی ہم نے نہیں دیکھی تھی
یہاں تک کہ جنت اور دوزخ، وہ ہم نے
اس جگہ دیکھ لی"۔ (۱۶)

۸۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کی وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضور! آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔ (۱۷)

۹۔ حضرت ثوبان فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دیا تو ہم نے اس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو دیکھا"۔ (۱۸)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ.(۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرمادیا۔ تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔"

"فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا" جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر فعل مضارع ہے۔ اور ایسا جملہ اسمیہ دوام تجددی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو دوام تجددی کے ساتھ ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ نظر کی یہ وسعت دنیا کی زندگی میں تھی تو عالم آخرت جو دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے اس میں نظر کی وسعت کا کیا عالم ہوگا!

امام غزالی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ دنیا کی نسبت آخرت کی وسعت کا وہی حال ہے جو رحم مادر کی تاریکی کی نسبت دنیا کی وسعت کا حال ہے۔"(۲۰)

علامہ زرقانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا" تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا کو اس طرح ظاہر ومنکشف کردیا کہ اس میں جو کچھ ہے سب کا ہم نے احاطہ کرلیا "كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ" یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آپ نے حقیقۃً دیکھا اور اس احتمال کو دور کردیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔(۲۱)

سوال: کنزالعمال (۶/۹۵) میں ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، ضعیف حدیث سے تو عمل سے متعلق بھی احکام ثابت نہیں ہوتے، حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ کیسے ثابت ہوگا؟

جواب: اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تین ائمہ محدثین نے روایت کیا (۱) امام نعیم بن حماد (م ۲۲۸ھ)۔ (۲) امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) (۳) امام ابونعیم احمد بن عبداللہ (م ۴۳۰ھ) کنزالعمال میں صرف امام نعیم بن حماد کی روایت ذکر کرکے کہا گیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، باقی دو سندوں کے بارے میں ضعف کا حکم نہیں لگایا گیا۔ (۲۲) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی ایک سند ضعیف ہے باقی دو سندیں ضعیف نہیں ہیں، حدیث ضعیف تعدد طرق سے قوت حاصل کرکے حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے بھی ضعیف نہ رہی بلکہ ترقی کرکے درجہ حسن کو پہنچ گئی ہے۔

(۲) اس حدیث کا ضعیف ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارے لئے مضر نہیں، کیونکہ عقیدۂ حاضر وناظر جن دلائل و آیات و احادیث سے ثابت ہے ان کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جارہا ہے۔ پیش نظر حدیث ہمارے عقیدہ کی بنیادی اور مرکزی دلیل نہیں۔ بلکہ تائیدی دلیل ہے۔

(۱۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو وہ تاریک رات میں دس فرسخ (تیس میل) کے فاصلے پر پتھر پر چلنے والی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے (۲۳) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر صفاتی تجلی ڈالی تھی اس سے دیکھنے سے بینائی اس

قدر تیز ہو گئی کہ تیس میل کے فاصلے پر رات کی تاریکی میں چلنے والی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذات باری تعالیٰ کے دیدار سے نوازا گیا۔ آپ کے بارے میں ارشاد ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، آپ کی وسعت نظر کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟"

مشاہدہ اعمال:۔ امام عبداللہ قرطبی باب ماجاء فی شہادۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی امتہ" میں فرماتے ہیں:

"ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک انصاری نے منہال ابن عمرو سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر دن صبح شام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے، تو آپ انہیں ان کی علامتوں اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔ اسی لئے آپ ان کے بارے میں گواہی دیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (۲۳)

علامہ ابن کثیر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ ایک تابعی کا قول ہے اور منقطع ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک مبہم شخص ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ نیز یہ کہ یہ سعید بن مسیب کا قول ہے اسے انہوں نے مرفوعاً بیان نہیں کیا۔

تاہم امام قرطبی نے اسے قبول کیا ہے اور اسے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر پیر اور جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں، انبیاء کرام آباء اور ماؤں کے سامنے جمعہ کے دن پیش کئے جاتے ہیں، امام قرطبی نے فرمایا کہ ان روایات میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہر دن اعمال کا پیش کیا جانا آپ کی خصوصیت ہو اور جمعہ کے دن دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی آپ کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔" (۲۴)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"علماء امت کے مذاہب اور اختلافات کی کثرت کے باوجود کسی ایک شخص کا بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاز کے شائبہ اور تاویل کے وہم کے بغیر حقیقی حیات کے ساتھ دائم و باقی اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں۔" (۲۵)

روح اعظم کی کائنات میں جلوہ گری

عقیدۂ حاضر و ناظر:۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کی بشریت مطہرہ اور جسم خاص ہر جگہ ہر شخص کے سامنے موجود ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم اپنے مقام رفیع پر فائز ہونے کے باوجود تمام کائنات کو ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کی اعتبار سے بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں۔ اور اولیائے کرام بیداری میں آپ کے جمالِ اقدس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی انہیں نظرِ رحمت وعنایت سے ... ور محظوظ فرماتے ہیں۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے غلاموں کے سامنے ہونا، سرکار کے حاضر ہونے کے معنیٰ ہیں اور انہیں اپنی نظرِ مبارک سے دیکھنا حضور کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے۔

یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ عقیدہ ظنیہ اور از قبیل فضائل ہے اس کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ دلائل ظنیہ بھی مفید مقصد ہیں۔ آئندہ صفحات میں یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور ارشادات سلف و خلف سے پیش کیا جاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ نظر اور مشاہدہ کا بیان کسی قدر گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا۔ (الاحزاب ۳۳/۱۵)

"اے غیب کی خبریں دینے والے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر"

علامہ ابو السعود (م ۹۵۱ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اے نبی! ہم نے تمہیں ان لوگوں پر شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر بھیجا جن کی طرف آپ مبعوث ہیں۔ آپ ان کے احوال و اعمال کا مشاہدہ اور نگرانی کرتے ہیں۔ آپ ان سے صادر ہونے والی تصدیق و تکذیب اور ہدایت و ضلالت کے بارے میں گواہی حاصل کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کے حق میں یا ان کے خلاف جو گواہی آپ دیں گے مقبول ہوگی۔ (۲۶)

علامہ سلیمان جمل نے الفتوحات الالٰہیہ (ج ۳ ص ۴۴۲) اور علامہ سید محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی (ج ۲۲ ص ۴۵) میں یہی تفسیر کی ہے۔

امام محی السنۃ علاء الدین خازن رحمۃ اللہ تعالےٰ (م ۷۴۱ھ) نے ایک تفسیر یہ بیان کی ہے۔

شَاهِدًا عَلَى الْخَلْقِ كُلِّهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲۷)

"آپ قیامت کے دن تمام مخلوق پر گواہ ہوں گے"

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام ہر مومن و کافر کو شامل ہے۔ لہٰذا امتِ دعوت میں ہر مومن و کافر داخل ہے، البتہ امتِ اجابت میں صرف وہ خوش قسمت افراد داخل ہیں جو حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے۔ آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں عَلٰى مَنْ بُعِثْتَ اِلَيْهِمْ (جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا) اور عَلَى الْخَلْقِ كُلِّهِمْ کہہ کر حضرات مفسرین نے اشارہ کیا ہے کہ آپ صرف اہلِ ایمان کے ہی نہیں بلکہ کافروں کے احوال بھی مشاہدہ فرما رہے ہیں، اسی لئے آپ مومنوں کے حق میں اور کافروں کے خلاف گواہی دیں گے۔

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

"بعض اکابر صوفیہ نے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بندوں کے اعمال پر آگاہ کیا اور آپ نے انہیں دیکھا، اسی لئے آپ کو شاہد کہا گیا۔ مولانا جلال الدین

رومی قدس سرہٗ نے فرمایا:

در نظر بودش مقامات العباد
زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد (۲۸)

"بندوں کے مقامات آپ کی نظر میں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا"

امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے فرمان شَاهِدًا میں کئی احتمال ہیں (پہلا احتمال یہ ہے کہ) آپ قیامت کے دن مخلوق پر گواہی دینے والے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (رسول تم پر گواہ ہوں گے اور نگہبان) اس بنا پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد بنا کر بھیجے گئے ہیں یعنی آپ گواہ بنتے ہیں اور آخرت میں آپ شہید ہوں گے یعنی اس گواہی کو ادا کریں گے جس کے آپ حامل بنے تھے"۔ (۲۹)

علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مطلب یہ ہے کہ اس ظاہر و باطن میں آپ کی سنت کی حقیقی پیروی کی جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ آپ موجودات کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں آپ ہی محبوب ازلی ہیں، باقی تمام مخلوق آپ کے تابع ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کے شاہد ہیں اور عدم سے وجود کی طرف نکالی جانے والی تمام ارواح، نفوس، اجرام و ارکان، اجسام و اجساد، معدنیات، نباتات، حیوانات، فرشتوں، جنات، شیاطین اور انسانوں وغیرہ کے شاہد ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار عجائب صنعت اور غرائب قدرت میں سے جس چیز کا ادراک مخلوق کے لئے ممکن ہو وہ آپ کے مشاہدے سے خارج نہ رہے آپ کو ایسا شاہدہ عطا کیا کہ کوئی دوسرا اس میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا سَيَكُوْنُ (ہم نے جان لیا وہ سب جو ہو چکا اور جو ہوگا) کیونکہ آپ نے سب کا مشاہدہ کیا۔ اور ایک لمحہ بھی غائب نہیں رہے، آپ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش ملاحظہ فرمائی اسی لئے فرمایا: ہم اس وقت بھی نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے، یعنی ہم پیدا کئے گئے تھے اور جانتے تھے کہ ہم نبی ہیں اور ہمارے لئے نبوت کا حکم کیا گیا ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم اور ان کی روح ابھی پیدا نہیں کی گئی تھی۔ آپ نے ان کی پیدائش، اعزاز و اکرام کا مشاہدہ کیا اور خلاف ورزی کی بنا پر جنت سے نکالا جانا ملاحظہ فرمایا۔

آپ نے ابلیس کی پیدائش دیکھی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے

کے سبب اس پر جو کچھ گزرا، اسے مردود درگاہ
اور ملعون قرار دیا گیا، سب کچھ ملاحظہ فرمایا
ایک حکم کی مخالفت کی بنا پر اس کی طویل
عبادت اور وسیع علم رائیگاں گیا۔
انبیاء و رسل اور ان کی امتوں پر وارد ہونے
والے حالات کے علوم آپ کو حاصل ہیں۔" (۳۰)

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
(البقرۃ ۲/۱۴۳) "اور یہ رسول تمہارے
گواہ (اور حاضر و ناظر ہیں)۔"

علامہ اسمٰعیل حقی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نور نبوت کے ذریعہ ہر دیندار کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس کے دین کا مرتبہ کیا ہے، اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس حجاب کو بھی جانتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کمال دین سے روک دیا گیا ہے۔ پس آپ امتیوں کے گناہ، ان کے ایمان کی حقیقت ان کے اعمال، نیکیوں برائیوں اور اخلاص و نفاق وغیرہ کو جانتے ہیں۔" (۳۱)

علامہ امام ابن الحاج فرماتے ہیں:
"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ ان کے احوال نیتوں، عزائم اور خیالات کو جانتے ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی حیات مبارکہ اور وصال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ آپ پر عیاں ہے اور اس میں کچھ اخفاء نہیں ہے۔" (۳۲)

۳۔ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔
(النساء ۴/۴۱)

ان آیات مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد اور شہید کہا گیا ہے۔ ان دونوں کا مصدر شہود اور شہادت ہے۔ آیئے دیکھیں کہ علماء لغت اور ائمہ دین نے اس کا کیا معنی بیان کیا ہے؟

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:
اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ الْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ إِمَّا بِالْبَصَرِ أَوْ بِالْبَصِيْرَةِ..... وَالشَّهَادَةُ قَوْلٌ صَادِرٌ عَنْ عِلْمٍ حَصَلَ بِمُشَاهَدَةِ بَصِيْرَةٍ أَوْ بَصَرٍ..... وَأَمَّا الشَّهِيْدُ فَقَدْ يُقَالُ لِلشَّاهِدِ وَالْمُشَاهِدِ لِلشَّيْءِ..... وَكَذَا قَوْلُهُ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا (۳۳)

"شہود اور شہادۃ کا معنی مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔ مشاہدہ آنکھ سے ہو یا بصیرت سے۔ شہادت اس قول کو کہتے ہیں جو آنکھ یا بصیرت کے مشاہدہ سے حاصل ہونے والے علم کی بناء پر صادر ہو، رہا شہید تو وہ گواہ اور شے کا مشاہدہ کرنے والے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہی معنیٰ ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کیا حال ہوگا! جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔"

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں:
"شہادت، مشاہدہ اور شہود کا معنیٰ

دیکھتا ہے، جب تم کسی چیز کو دیکھو تو تم کہتے ہو شَهِدْتُ كَذَا (میں نے فلاں چیز دیکھی) چونکہ آنکھ کے دیکھنے اور دل کے پہچاننے میں شدید مناسبت ہے، اس دل کی معرفت اور پہچان کو بھی مشاہدہ اور شہود بھی کہا جاتا ہے۔"

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

"شہادت کی تین شرطیں ہیں جن کے بغیر وہ مکمل نہیں ہوتی، (۱) حاضر ہونا (۲) جو کچھ دیکھا ہے اسے محفوظ رکھنا (۳) گواہی کا ادا کرنا۔"

امام ابوالقاسم قشیری (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں:

"وَمَعْنَى الشَّاهِدِ الْحَاضِرُ فَكُلُّ مَا هُوَ حَاضِرٌ قَلْبَكَ فَهُوَ شَاهِدٌ لَكَ۔ (۳۶)

قرآن پاک سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد ہیں اور شاہد کا بمعنی حاضر ہے جیسے کہ امام قشیری نے فرمایا، امام اصفہانی کے مطابق شہادت کا معنی حضور مع المشاہدۃ ہے، خواہ مشاہدہ سر کی آنکھوں سے ہو یا دل کی بصیرت سے، کہنے دیجئے کہ قرآن پاک کی آیات سے ثابت ہو گیا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حاضر و ناظر بنایا ہے۔ اس عقیدے کو اپنی نادانی کی بنا پر کوئی شخص نہیں مانتا تو بے شک نہ مانے لیکن اسے شرک قرار دینے کا کوئی قطعاً جواز نہیں ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس کی نسبت سے حاضر و ناظر ہیں؟ اس سے پہلے مستند تفاسیر کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ امام رازی اور امام خازن نے فرمایا کہ آپ قیامت کے دن تمام مخلوق پر گواہ ہوں گے، امام ابوسعود نے فرمایا جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے جو امام رازی نے بیان کیا کیونکہ حدیث شریف میں ہے أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ (۳۷) ہم تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

مخالفین کہتے ہیں کہ شاہد اور شہید کے الفاظ دوسرے لوگوں کے لئے بھی وارد ہوئے ہیں، کیا آپ انہیں بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح حاضر و ناظر مانیں گے؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر شاہد اپنی شہادت کے دائرۂ کار تک حاضر و ناظر رہتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو تمام امت اور تمام مخلوق کے شاہد ہیں، کوئی ایسا شاہد نہیں پیش کیا جا سکتا جس کی شہادت کا دائرہ اتنا وسیع ہو، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح کسی کو حاضر و ناظر ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب ۳۳/۶)

علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

(اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى) اى اَحَقُّ وَاَقْرَبُ اِلَيْهِمْ (مِنْ اَنْفُسِهِمْ) (۳۸)

نبی ان کی جانوں کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کے زیادہ قریب ہیں۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے:

"پیغمبر نزدیک تر است بمومناں از ذات ہائے ایشاں" (۳۹)

"پیغمبر مومنوں کے زیادہ قریب ہیں ان کی ذوات سے بھی"

دیوبندی مکتب فکر کے پہلے امام محمد قاسم نانوتوی کہتے ہیں:

"اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ جس کے معنی یہ ہیں کہ نبی نزدیک ہے مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے یعنی ان کی جانیں ان سے اتنی نزدیک

نہیں جتنا نبی ان سے نزدیک ہے۔ اصل معنیٰ اولیٰ کے اقرب ہیں۔" (۴۰)

اللہ اکبر! عقیدۂ حاضر و ناظر کی کتنی کھلی تائید اور ترجمانی ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص نہ مانے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟

کیا یہ قرب صرف صحابۂ کرام سے خاص تھا یا قیامت تک آنے والے تمام مومنوں کو شامل ہے؟ اس سلسلے میں امام بخاری کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ خود کریں:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَ اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ

"ہم دُنیا اور آخرت میں دوسرے تمام لوگوں کی نسبت ہر مومن کے زیادہ قریب ہیں۔"

۲۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (الانبیاء ۲۱/۱۰۷)

"اے حبیب! ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے۔"

یہ بھی ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ (المدثر ۷۴/۳۱)

"اور تیرے رب کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔"

ان آیات کے پیش نظر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے شمار ہیں اور ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب کے لئے رحمت ہیں، یہ تعلق سمجھنے کے لئے درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات پر اُنکی قابلیتوں کے مطابق جو فیضِ الٰہی وارد ہوتا ہے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فیض کا واسطہ ہیں۔ اسی لئے آپ کا نور سب سے اوّل پیدا کیا گیا۔ حدیث میں ہے اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور ہم تقسیم کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں صوفیاءِ کرام کا کلام کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔" (۴۱)

علامہ اسمٰعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) تفسیر عرائس البیان کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

"اے دانشور! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا، پھر عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک تمام مخلوقات کو آپ کے نور کی ایک جزء سے پیدا فرمایا۔ پس آپ کو وجود اور شہود کی طرف بھیجنا ہر موجود کے لئے رحمت ہے۔ لہٰذا آپ کا موجود ہونا مخلوق کا ہونا ہے، اور آپ کا موجود ہونا وجودِ مخلوق اور تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے، پس آپ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی سمجھا دیا کہ تمام مخلوق فضائے قدرت میں بے رُوح صورت کی طرح پڑی ہوئی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور اقدس

تشریف لائے تو عالم آپ کے وجود مسعود کی بدولت زندہ ہو گیا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوقات کی روح ہیں۔ (۴۲)

احادیث مبارکہ

پہلی حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص نماز پڑھے تو کہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔
فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ (۴۳)

• تمام عبادات قولیہ، فعلیہ اور مالیہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام۔

جب تم یہ کلمات کہو گے تو اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان میں رہنے والے ہر نیک بندے کو پہنچیں گے۔

غور کیجئے کہ نماز پڑھنے والا شرق و غرب، بحر و بر، زمین یا فضا جہاں بھی نماز پڑھے، اس کے لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنی تمام عبادتوں کا ہدیہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے کے بعد بصیغۂ خطاب اور ندا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ہدیۂ سلام پیش کرے۔

یہ خیال ہرگز نہ کیا جائے کہ ہمارا اسلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں پہنچتا۔ محض خیالی صورت سامنے رکھ کر سلام عرض کیا جا رہا ہے کیونکہ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث مذکور کے مطابق جب ہر نیک بندے کو سلام پہنچتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں نہیں پہنچتا!

اس جگہ سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ روشِ کلام کے مطابق غائب کا صیغہ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ لانا چاہیے تھا، خطاب کا صیغہ (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ) کیوں لایا گیا ہے؟ علامہ طیبی نے جواب دیا کہ ہم ان کلمات طیبہ کی پیروی کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو سکھائے۔

دوسرا جواب یہ ہے جسے علامہ بدرالدین عینی علامہ ابن حجر عسقلانی اور دیگر شارحین حدیث نے نقل کیا، حسب ذیل ہے:

• ارباب معرفت کے طریقے پر کہا جاسکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ذریعے ملکوت کا دروازہ کھولنے کی درخواست کی تو انہیں حی لایموت کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ مناجات کی بدولت ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، انہیں آگاہ کیا گیا کہ یہ سعادت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی کی برکت سے ہے۔ اچانک انہوں نے توجہ کی تو پتہ چلا کہ اَلْحَبِيْبُ فِيْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ محبوب کریم رب کی بارگاہ میں حاضر ہیں تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہتے ہوئے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (۴۴)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی مذکورہ بالا تقریر کے بعد فرماتے ہیں:

"میرے والد علام اور استاذ جلیل (علامہ عبد الحلیم لکھنوی) اپنے رسالہ نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن" میں فرماتے ہیں کہ التحیات میں صیغۂ خطاب (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ) لانے کا راز یہ ہے کہ گویا حقیقتِ محمدیہ ہر وجود میں جاری و ساری اور ہر بندے کے باطن میں حاضر ہے۔ اس حالت کا کامل طور پر انکشاف نماز کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا محلِ خطاب ہو گیا۔(۴۵)

دراصل یہ روحانیت کا مسئلہ ہے، جس شخص کا روحانیت کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ ہو، جسے معرفت کے ساتھ کوئی علاقہ ہی نہ ہو، جو شخص بصیرت سے یکسر محروم ہو وہ اس مسئلے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارا روئے سخن بھی ان کی طرف نہیں ہے، ہمارا تو خطاب ہی اُن لوگوں سے ہے جو اولیاء کرام اور انبیاء عظام کی رُوحانی عظمتوں کو ماننے والے ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ تمام احوال و واقعات میں مومنوں کے پیشِ نظر اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، خصوصاً عبادت کی حالت میں اور بالخصوص، اس کے آخر میں نورانیت اور انکشاف کا وجود ان احوال میں بہت زیادہ اور نہایت قوی ہوتا ہے۔

بعض عارفوں نے فرمایا کہ یہ خطاب اس بنا پر ہے کہ حقیقتِ محمدیہ موجودات کے ذرّوں اور افرادِ ممکنات میں جاری و ساری ہے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ رہے، تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور اور فیض یاب ہو۔" (۴۶)

لطف کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کے امام اور پیشوا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے مسک الختام شرح بلوغ المرام، ج ۱، ص ۲۴۴ میں بعینہٖ یہی عبارت درج کی ہے۔ اس مقام پر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر ہم غیر مقلدین سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ عقیدۂ حاضر و ناظر کی بنا پر، بریلویوں کو تم مشرک کہتے ہو، کیا ان کے ساتھ نواب بھوپالی کو بھی زمرۂ مشرکین میں کر دو گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

اس جگہ مخالفین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ تشہد سے حاضر و ناظر کے عقیدہ پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں یہ التحیات پڑھا کرتے تھے آپ کے وصال کے بعد ہم اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھنے لگے اس کا جواب حضرت ملا علی قاری کی زبانی سنئے وہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"حضرت عبد اللہ بن مسعود کا یہ فرمانا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہرہ میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھا کرتے تھے، جب آپ کا وصال مبارک ہو گیا تو ہم اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہتے تھے۔ یہ امام ابو عوانہ کی روایت ہے امام بخاری کی روایت اس سے زیادہ صحیح ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ ان کے شاگرد راوی نے جو کچھ سمجھا

وہ بیان کر دیا۔
امام بخاری کی روایت میں ہے فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ یعنی عَلَی النَّبِیِّ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم نے کہا اَلسَّلَامُ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر (لفظ یعنی بتا رہا ہے کہ بعد میں کسی نے وضاحت کی ہے ۱۲ قادری) اس قول میں دو احتمال ہیں (۱) یہ کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بصیغۂ خطاب سلام کرتے تھے، اسی طرح وصال کے بعد کہتے رہے (۲) ہم نے خطاب چھوڑ دیا تھا جب لفظوں میں متعدد احتمال ہیں تو دلالت (قطعی) نہ رہی اسی طرح علامہ ابن حجر نے فرمایا۔" (۴۷)

علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) اپنے والد ماجد علامہ عبدالحلیم لکھنوی کے حوالے سے اس روایت کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

"یہ روایت دوسری روایات کے مخالف ہے جن میں یہ کلمات نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تبدیلی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کی بنا پر نہیں ہے، کیونکہ ابن مسعود نے فرمایا ہم نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَی۔" (۴۸)

یہی سبب ہے کہ جمہور صحابۂ کرام اور ائمۂ اربعہ نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہی تشہد پڑھتے رہے ہیں جس میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ہے۔

دوسرا اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام عرض ہی نہیں کرتے، ہم تو واقعۂ معراج کی حکایت اور نقل کرتے ہوئے یہ کلمات ادا کرتے ہیں اور بس، لہٰذا ہم پر عقیدۂ حاضر و ناظر ماننا لازم نہیں آتا۔

اس اشکال کے کئی جواب ہیں۔

۱۔ جس روایت کی بنا پر التحیات کے سلام کو واقعۂ معراج کی حکایت کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں دیوبندی مکتبِ فکر کے مولوی انور شاہ کشمیری صاحب کہتے ہیں کہ "مجھے اس کی سند نہیں ملی۔" (۴۹)

۲۔ جب التحیات میں حکایت اور نقل ہی مقصود ہے تو اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ بھی بطور حکایت ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے سے اعراض کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیۂ عبادات بھی پیش نہ ہو سکا۔ امام احمد رضا بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

۳۔ ابھی بخاری شریف کی حدیث گذری ہے کہ جب تم یہ کلمات کہتے ہو تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو سلام پہنچ جاتا ہے۔ اب اگر آپ کے قول کے مطابق سلام کہا ہی نہیں گیا، محض واقعۂ معراج کی حکایت اور نقل کی گئی ہے تو ہر بندۂ صالح کو سلام پہنچنے کا کیا مطلب؟ ماننا پڑے گا کہ ہر نمازی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے اور پیش کرتا ہے۔ اسی کو انشاءِ سلام کہتے ہیں۔

۴۔ ہمارے فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ انشاءِ سلام کا ارادہ ہونا چاہیے نہ کہ حکایت کا۔

درمختار میں ہے:

"نمازی تشہد کے الفاظ سے ان معانی کا قصد کرے جو ان الفاظ سے مراد ہے اور یہ قصد بطور انشاء ہو گویا

وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفے پیش کر رہا ہے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر، اپنی ذات پر اور اولیاء اللہ پر سلام پیش کر رہا ہے۔ اخبار اور حکایت سلام کی نیت ہرگز نہ کرے۔" (۵۰)

دوسری حدیث:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں۔

"مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ (۵۱)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں:

"تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا۔"؟

وجہ استدلال یہ ہے کہ "ہذا" اسم اشارہ ہے۔ اور اسماء اشارہ کا حقیقی استعمال محسوس اشارہ کے لئے ہوتا ہے مولانا جامی کافیہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

"اسماء اشارہ وہ اسماء ہیں جن کی وضع اس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتی ہے جس کی طرف اعضاء اور جوارح کے ساتھ محسوس اشارہ کیا جائے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ میں محسوس اشارہ نہیں ہے اس جگہ اسم اشارہ کا استعمال مجازاً ہے" (۵۱)

علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں: ذَا لِلْقَرِیْبِ "ذا کے ساتھ قریب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقت پر عمل ہو سکے مجاز ساقط اور ناقابلِ اعتبار ہوگا۔

حدیث میں وارد کلمات "ہذا الرجل" سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبر والے کے سامنے قریب اور محسوس ہوتے ہیں، کیونکہ "ہذا" اسم اشارہ کا حقیقی معنی یہی ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ معلوم ذہنی کی طرف اشارہ ہے، انہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ اس جگہ ایسا قرینہ پایا گیا ہے۔ جو حقیقت کے مراد لینے سے مانع ہے (ودونہ خرط القتاد) ہمیں بتایا جائے کہ وہ قرینہ کونسا ہے؟ جب کہ حقیقت کے مراد لینے کے لئے تو کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہے۔

معترض کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بیک وقت ہزاروں افراد مرتے ہیں اور زیرِ زمین دفن ہوتے ہیں۔ سب کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور سب سے یہی سوال ہوتا ہے کہ تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا۔؟ ایک صاحب کہنے لگے کہ میت کے سامنے سے پردے اٹھا دئے جاتے ہیں اس لئے اسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ راقم نے ان سے گذارش کی کہ اُمتی کے سامنے سے تو عملاً پردے اُٹھا دئے گئے: لیکن اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کونسا مانع ہے کہ آپ کے سامنے سے پردے نہیں اٹھائے جا سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُمتی کے سامنے سے پردے اُٹھ سکتے ہیں۔ نبی کے سامنے سے نہیں اُٹھ سکتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام علامہ علی نور الدین حلبی صاحبِ سیرتِ حلبیہ (م ۱۰۴۴ھ) فرماتے ہیں:

"دو فرشتے قبر والے کو کہتے ہیں کہ تو اس شخصیت کے بارے میں کیا کہتا ہے! (مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟) اور اسم اشارہ کا اصل اور حقیقی معنی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صرف حاضر کی طرف اشارہ کیا

جاتا ہے بعض علماء کا یہ کہنا کہ ممکن ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذہناً حاضر ہوں تو اس بات کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے انہیں حقیقت کے چھوڑنے اور مجاز کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم شریف (شخصِ کریم) کے ساتھ حاضر ہوں۔" (۵۳)

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت

امام بخاری، مسلم اور ابو داؤد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ۔ (۵۴)

"جس نے خواب میں ہماری زیارت کی وہ عنقریب بیداری میں ہماری زیارت کرے گا۔ اور شیطان ہماری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔"

بیداری میں زیارت سے مراد کیا ہے؟ آخرت میں یا دنیا میں۔ دنیا میں زیارت مراد ہو تو یہ آپ کی حیاتِ ظاہرہ کے ساتھ خاص ہے یا بعد والوں کو بھی شامل ہے؟ پھر کیا یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جسے خواب میں زیارت ہوئی یا ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن میں قابلیت اور سنت کی پیروی پائی جائے؟ اس سلسلے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں: امام ابو محمد ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ الفاظ سے عموم معلوم ہوتا ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخصیص کے بغیر تخصیص کرتا ہے وہ سینہ زوری کا مرتکب ہے۔

امام جلال الدین سیوطی، امام ابن ابی جمرہ کا یہ قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وعدہ شریفہ پورا کرنے کے لئے خواب میں دیدار سے مشرف ہونے والوں کو بیداری میں دولتِ دیدار عطا کی جاتی ہے اگرچہ ایک مرتبہ ہی ہو۔ عوام الناس کو یہ دولتِ گراں مایہ دنیا سے رخصت ہوتے حاصل ہوتی ہے، وہ حضرات جو پابندِ سنت ہوں انہیں ان کی کوشش اور سنت کی حفاظت کے مطابق زندگی بھر بکثرت یا کبھی کبھی زیارت حاصل ہوتی ہے، سنتِ مطہرہ کی خلاف ورزی اس سلسلے میں بڑی رکاوٹ ہے۔" (۵۵)

امام مسلم حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے سلام کہا جاتا تھا میں نے گرم لوہے کے ساتھ داغ لگایا تو یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور جب یہ عمل ترک کیا تو سلام کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔ علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں فرمایا: فرشتے انہیں سلام کہتے تھے جب انہوں نے بیماری کی وجہ سے گرم لوہے سے علاج کیا تو فرشتوں نے سلام کہنا چھوڑ دیا کیونکہ گرم لوہے سے داغ لگانا توکل، تسلیم، صبر اور اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنے کے خلاف ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ داغ لگانا ناجائز ہے ہاں یہ توکل کے خلاف ہے جو اسباب کے اختیار کرنے کے مقابلے میں بلند درجہ ہے۔ (۵۶) اس سے معلوم ہوا کہ سنت کی خلاف ورزی برکات وکرامات کے حاصل کرنے کی

راہ میں رکاوٹ ہے۔

امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) چند احادیث کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"مجموعی طور پر ان احادیث کے پیش نظر یہ بات یقینی ہے کہ انبیاء کرام کی وفات کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب کر دئیے گئے ہیں اور ہم ان کا ادراک نہیں کرتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں، یہی حال فرشتوں کا ہے کیونکہ وہ زندہ اور موجود ہیں لیکن ہم میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھتا سوائے اولیائے کرام کے جنہیں اللہ تعالیٰ اس کرامت کے ساتھ خاص کرتا ہے"۔ (۵۷)

قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں:

"نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار صفتِ معلومہ کے ساتھ ہو تو یہ حقیقی ادراک ہے اور اگر اس سے مختلف صفت کے ساتھ ہو تو یہ مثال کا ادراک ہے (علامہ سیوطی فرماتے ہیں یہ بہت عمدہ بات ہے) آپ کی ذاتِ اقدس کا روح اور جسم کے ساتھ دیدار محال نہیں ہے، کیونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام زندہ ہیں۔ وصال کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئی ہیں۔ انہیں قبروں سے نکلنے اور علوی، اور سفلی جہان میں تصرف کی اجازت دی گئی ہے"۔ (۵۸)

جو لوگ اس دنیا میں ہیں وہ عالم ملک اور عالم شہادت میں ہیں اور جو اس دنیا سے رحلت کر گئے ہیں وہ عالم غیب اور عالم ملکوت میں ہیں۔ جانے والے ہمیں دکھائی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں:

"انہیں ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے، انہیں ایک دوسری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے جو ہر انسان کے دل میں پیدا کی گئی ہے۔ لیکن انسان نے اس پر شہوات نفسانیہ اور دنیاوی مشاغل کے پردے ڈال رکھے ہیں، جب تک دل کی آنکھ سے یہ پردہ دور نہیں ہوتا اس وقت تک عالم ملکوت کی کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا۔ چونکہ انبیائے کرام کی آنکھوں سے یہ پردہ دور ہوتا ہے، اس لئے انہوں نے ضرور عالم ملکوت اور اس کے عجائب کا مشاہدہ کیا ہے مُردے عالم ملکوت میں ہیں ان کا بھی مشاہدہ کیا اور خبر دی۔۔۔۔ ایسا مشاہدہ صرف انبیائے کرام کے لئے ہو سکتا ہے ان اولیاء کرام کے لئے جن کا درجہ انبیاء کرام کے قریب ہے"۔ (۵۹)

بہت سے خوش قسمت حضرات کو خواب میں یا بیداری میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

خواب میں زیارت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ میری طرف توجہ نہیں فرما رہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا کیا حال ہے؟ (کہ آپ میری طرف توجہ نہیں فرما رہے) میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم روزہ کی حالت میں بوسہ نہیں لیتے؟ عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں روزے کی حالت میں کسی عورت کا بوسہ نہیں لوں گا۔

ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ صحابی نے) مادہ کے سال (۱۸ھ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر خشک سالی کی شکایت کی۔ انہیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے حکم دیا کہ عمر کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کو لے کر آبادی سے نکلو اور بارش کی دعا مانگو۔ (۶۰)

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، یعنی خواب میں، آپ کے سر اقدس اور داڑھی مبارک کے بال گرد آلود تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ فرمایا: ہم ابھی حسین کی شہادت پر حاضر ہوتے تھے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت فرمایا اور کہا کہ حدیث غریب ہے۔ (۶۱)

بیداری میں زیارت

امام عماد الدین اسمٰعیل بن ہبۃ اللہ، اپنی تصنیف مزیل الشبہات فی اثبات الکرامات میں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محاصرہ کے دنوں میں فرمایا: مجھے اس کھڑکی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا: ان لوگوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے؟ عرض کی! جی ہاں یا رسول اللہ؛ فرمایا: انہوں نے تمہیں پیاس میں مبتلا کر دیا ہے؟ عرض کی جی ہاں۔ آپ نے ایک ڈول لٹکایا جس میں پانی تھا، میں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ یہاں تک کہ میں اس کی ٹھنڈک اپنے سینے اور دونوں کندھوں کے درمیان محسوس کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا: اگر چاہو تو ان کے خلاف تمہیں مدد دی جائے اور اگر چاہو تو ہمارے پاس افطار کرو۔ میں نے آپ کے پاس افطار کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ اسی دن شہید کر دئے گئے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور ہے اور کتب حدیث میں سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے امام حارث بن اسامہ نے یہ حدیث اپنی مسند میں اور دیگر ائمہ نے بھی بیان کی ہے۔ امام عماد الدین نے اسے بیداری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ (۶۲)

امام ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ (میرا گمان ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ۱۲سیوطی) کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، انہیں یہ حدیث یاد آئی (کہ جسے خواب میں زیارت ہوتی وہ بیداری میں بھی زیارت کرے گا) اور اس بارے میں غور و فکر کرتے رہے پھر ایک ام المومنین (میرا گمان ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲سیوطی) کے پاس حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا۔ ام المومنین نے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ لاکر دکھایا صحابی کہتے ہیں کہ میں نے آئینہ دیکھا تو مجھے اپنی صورت نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ دکھائی دی۔ (۶۳)

شیخ سراج الدین بن ملقن، طبقات الاولیاء میں فرماتے ہیں:

شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا مجھے ظہر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا: بیٹا گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ عرض کیا ابا جان! میں عجمی ہوں، فصحائے بغداد کے سامنے گفتگو کیسے کروں؟ فرمایا: منہ کھولو، میں نے منہ کھولا تو آپ نے سات مرتبہ لعابِ دہن عطا فرمایا اور حکم فرمایا کہ لوگوں سے خطاب کرو۔ اور اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ سے دعوت دو۔ میں نماز ظہر پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مخلوقِ خدا بڑی تعداد میں حاضر تھی۔ مجھ پر اضطراب طاری ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس میں میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں بیٹے: خطاب

کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کیسے خطاب کروں؟ میری طبیعت پر تو ہیجان طاری ہے فرمایا مُنہ کھولو تو میں نے مُنہ کھولا، آپ نے مجھے چھ مرتبہ لعاب دہن عطا فرمایا: میں نے پوچھا کہ آپ نے سات کی تعداد کیوں نہیں پوری کی؟ تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر۔ (۶۴)

طبقات الاولیاء میں شیخ خلیفہ بن موسیٰ نہر ملکی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: انہیں خواب اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بکثرت زیارت ہوتی تھی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان کے اکثر افعال خواب یا بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کئے گئے تھے۔ ایک رات انہیں سترہ مرتبہ زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ان ہی مواقع میں سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "خلیفہ ہم سے تنگ نہ ہو بہت سے اولیاء ہمارے دیدار کی حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہوگئے" (۶۵)

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ لطائف المنن میں فرماتے ہیں: ایک شخص نے شیخ ابوالعباس مرسی سے عرض کیا: جناب آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمائیں کیونکہ آپ نے بہت سے شہر دیکھے ہیں اور بہت سے اللہ والوں سے ملاقات کی ہے انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے مصافحہ نہیں کیا۔

شیخ ابوالعباس مرسی نے فرمایا:

"اگر ایک لمحہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے غائب ہوجائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں (۶۶)

علامہ آلوسی البغدادی فرماتے ہیں:

"ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روحانی ملاقات ہو، اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کاملین کو بیداری میں آپ کی زیارت حاصل ہوئی اور انہوں نے استفادہ کیا۔ (۶۷)

حضرت سید احمد کبیر رفاعی حج کرنے گئے تو حجرۂ مبارکہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے:

فِي حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِي كُنْتُ أُرْسِلُهَا
تُقَبِّلُ الْأَرْضَ عَنِّي وَهِيَ نَائِبَتِي
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ يَمِيْنَكَ كَيْ تَحْظٰى بِهَا شَفَتِي

"میں دوری کی حالت میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا، وہ میری نیابت میں زمین بوسی کیا کرتی تھی۔ اور یہ جسمانی دولت ہے۔ میں جسمانی طور پر حاضر ہوں آپ ہاتھ بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ اس سے فیضیاب ہوں"

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"یہ حالت ایک مدت تک رہی۔ پھر اتفاقاً ایک ولی کے مزار شریف کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اس معاملے میں اس صاحب مزار بزرگ کو میں نے اپنا مددگار بنایا۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوگئی اور معاملے کی حقیقت منکشف کردی۔ حضرت خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح انور روح افزا ہوئی اور میرے غمگین دل کو تسلی دی" (۶۹)

ایک دوسرا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اتفاقاً آج صبح حلقۂ مراقبہ کے دوران کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والتسلیمات روحانیوں کی صورت میں تشریف لائے اور اس روحانی ملاقات میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ہم روحیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ وہ اجسام کی صورت میں متشکل ہو کر جسمانی حرکات و سکنات اور عبادات ادا کرتی ہیں جو اجسام ادا کیا کرتے ہیں۔" (۱۶)

دیوبندی مکتب فکر کے شیخ الحدیث محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے جسے اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا فرمائے جیسے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ انہیں بائیس مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور انہوں نے آپ سے کئی حدیثوں کے بارے میں دریافت کیا۔ اور آپ کے صحیح قرار دینے پر ان احادیث کو صحیح قرار دیا۔" (۱۷)

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے بھی لکھا ہے کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی انہوں نے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے بخاری شریف پڑھی۔ ان کے نام بھی گنوائے۔ ان میں سے ایک حنفی تھا۔ انہوں نے وہ دعا بھی لکھی جو ختم بخاری کے موقع پر فرمائی۔

مولوی انور شاہ کشمیری صاحب کہتے ہیں:

"اَلرُّؤْیَۃُ مُتَحَقِّقَۃٌ وَ اِنْکَارُھَا جَھْلٌ" (۲)

"بحالت بیداری زیارت زیادہ محقق ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کی تو آپ کی روح انور کو ظاہر و عیاں دیکھا، فقط عالم ارواح میں نہیں بلکہ جو اس کے قریب عالم مثال ہیں، تب مجھے معلوم ہوا کہ عوام الناس جو نمازوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر ہونے اور لوگوں کی امامت کرانے کا ذکر کرتے ہیں، اس کی بنیاد یہی دقیقہ ہے۔" (۳)

محدث دہلوی مزید فرماتے ہیں:

"پھر میں روضۂ عالیہ مقدسہ کی طرف چند بار متوجہ ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لطافت کے بعد دوسری لطافت میں ظہور فرمایا، کبھی محض عظمت و ہیبت کی صورت میں اور کبھی جذب، محبت، انس اور انشراح کی صورت میں اور کبھی سریان کی صورت میں، یہاں تک کہ میں خیال کرتا تھا کہ تمام فضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس سے بھری ہوئی ہے اور روح مبارک فضا میں تیز ہوا کی طرح موجزن ہے۔" (۴)

امام احمد رضا بریلوی دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے لئے گئے تو روضۂ مقدسہ کے سامنے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھتے رہے اور یہ آرزو دل میں لئے حاضر رہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرم فرمائیں گے اور بیداری کی حالت میں شرف زیارت سے

مشرف فرمائیں گے پہلی رات آرزو پوری نہ ہوئی تو بے قراری کے عالم میں ایک نعت لکھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہۂ عالیہ میں عرض کر کے باادب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور سر کی آنکھوں سے بحالتِ بیداری رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

راقم کے مرشدِ گرامی حضرت شیخ المشائخ اخند زادہ سیف الرحمن پیرارچی مدظلہ العالی نے بیان کیا کہ ساڑھے تین سال تک ہر محفلِ ذکر میں مجھے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی رہی۔

علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ مبارکہ "تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک" میں متعدد احادیث اور آثار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ان نقول اور احادیث کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں، اور اطراف زمین اور ملکوت اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں، تصرف اور سیر فرماتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی حالت مقدسہ میں ہیں جس پر وصال سے پہلے تھے، آپ کی کوئی چیز تبدیل نہیں ہوئی۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح فرشتے غائب کر دیئے گئے ہیں حالانکہ وہ اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا اعزاز عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب دور کر دیتا ہے اور وہ بندہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی حالت میں دیکھ لیتا ہے جس پر آپ واقع ہیں اس دیدار سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور مثال کے دیدار کی تخصیص کا بھی کوئی امر داعی نہیں ہے۔" (۷۵)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے بھی یہ عبارت لفظ بلفظ نقل کی ہے۔ (۷۶)

شخصِ واحد متعدد مقامات میں

ایک شخص کا متعدد مقامات میں دیکھا جانا نہ صرف ممکن ہے بلکہ بالفعل واقع ہے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) درمیان کے پردے اٹھا دیئے جائیں اور ایک شخص ایک جگہ ہوتے ہوئے کئی جگہ سے دیکھا جائے۔

(۲) ایک شخص موجود تو ایک جگہ ہے اس کی تصویریں کئی جگہ دکھائی جائیں۔ جیسے ٹی وی میں ہوتا ہے۔ حاضر و ناظر کا مسئلہ سمجھنے کے لئے ٹی وی بہت معاون ہو سکتا ہے بلکہ اب تو ایسا ٹیلیفون آگیا ہے کہ آپس میں گفتگو بھی ہو رہی ہے اور ایک دوسرے کی تصویر بھی دکھائی دے رہی ہے جو چیز آلات کے ذریعہ سے واقع ہو رہی ہو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہوگی؟ یقیناً ہوگی۔ تو استبعاد کیوں؟

(۳) اللہ تعالیٰ شخص واحد کے لئے متعدد اجسام مثالیہ مسخر فرما دیتا ہے ان میں متصرف اور انہیں کنٹرول کرنے والی ایک ہی روح ہوتی ہے۔ اس سے وہ کنٹرول جزئی

لازم نہیں آئے گا جسے مناطقہ محال کہتے ہیں. کیونکہ وحدت اور تعداد کا مدار رُوح پر ہے. جب رُوح ایک ہے تو وہ ایک ہی شخص کہلائے گا چاہے اجسام مختلف ہی ہوں۔

سب سے پہلے ایک حدیث ملاحظہ ہو. جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بطورِ خرقِ عادت ایک شخص کے متعدد اجسام ہو سکتے ہیں۔

حضرت قُرّہ مُزَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کو اپنے بیٹے سے شدید محبت تھی. قضاء الٰہی سے ان کا بیٹا فوت ہو گیا. نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

اَمَا تُحِبُّ اَنْ لَّا تَاْتِيَ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ اِلَّا وَجَدْتَهٗ يَنْتَظِرُكَ.

"کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازے پر بھی جاؤ اپنے بیٹے کو وہاں انتظار کرتے پاؤ؟"

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ اس کے لئے خاص ہے یا ہم سب کے لئے؟ فرمایا: تم سب کے لئے ہے. (۷۷)

حضرت مُلّا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بطورِ خرقِ عادت، مکتسب اجسام متعدد ہوتے ہیں کیونکہ صحابی کا بیٹا جنت کے ہر دروازے پر موجود ہوگا. (۷۸)

حضرت عَمرو بن دینار جلیل القدر تابعی اور محدثین کے امام ہیں. حضرت ابن عباس، ابن عمر اور حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں. امام شعبہ، سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری ایسے عظیم محدّث ان کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"جب گھر میں کوئی شخص نہ ہو تو کہو اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

حضرت مُلّا علی قاری اس ارشاد کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ انور مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے."

علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

"انسانی روحیں جب مقدس ہو جاتی ہیں تو کبھی اپنے بدنوں سے جدا ہو کر اپنے بدنوں کی صورتوں یا دوسری صورتوں میں ظاہر ہو کر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح کہ وہ کبھی حضرت دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جاتی ہیں اور ان کا اپنے اصلی بدنوں کے ساتھ ایک قسم کا تعلق بھی باقی رہتا ہے جس کی بنا پر روحوں کے افعال ان جسموں سے صادر ہوتے ہیں۔

"جیسے کہ بعض اولیاء قدست اسرارہم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات میں دیکھے جاتے ہیں اور یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ ان کی روحیں اعلیٰ درجے کا تجرد اور تقدس حاصل کر لیتی ہیں، لہٰذا وہ خود ایک شکل کے ساتھ ایک جگہ ظاہر ہوتی ہیں اور ان کا اصلی بدن دوسری جگہ ہوتا ہے.

لَا تَقُلْ دَارُهَا بِشَرْقِيِّ نَجْدٍ
كُلُّ نَجْدٍ لِلْعَامِرِيَّةِ دَارُ.

"تم یہ نہ کہو کہ محبوبہ کا گھر نجد کے مشرقی حصے میں ہے، بلکہ تمام نجد (محبوبہ) عامریہ کا گھر ہے."

علامہ سید محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی مزید فرماتے ہیں:۔

"یہ امر اکابر صوفیہ کے نزدیک ثابت اور مشہور ہے اور طی مسافت سے الگ چیز ہے جو شخص ان دونوں کمالوں (طی مسافت اور متعدد مقامات پر موجود ہونے) کا انکار کرتا ہے، اس کا انکار ایسی سینہ زوری ہے جو کسی جاہل یا معاند ہی سے ظاہر ہو سکتی ہے"

علامہ تفتازانی نے ابن مقاتل ایسے بعض فقہاء اہلسنت پر تعجب کا اظہار کیا ہے جنہوں نے اس شخص پر کفر کا حکم لگایا جو اس روایت کو مانتا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادہم کو ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو بصرہ میں دیکھا اور اسی دن مکہ مکرمہ میں بھی دیکھے گئے، انہوں نے کفر کا یہ فتویٰ اس گمان کی بنا پر دیا کہ بیک وقت کئی جگہوں پر موجود ہونا بڑے معجزات کی جنس سے ہے اور اسے بطورِ کرامت ولی کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ ہم اہل سنت کے نزدیک نبی کا ہر معجزہ ولی کے لئے بطورِ کرامت ولی کے لئے ثابت ہو سکتا ہے۔ سوائے اس معجزہ کے جس کے بارے میں دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ ولی سے صادر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً قرآن پاک کی کسی سورۃ کی مثل کا لانا۔

متعدد محققین نے بعد از وصال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحِ اقدس کے متشکل ہو کر ظاہر ہونے کو ثابت کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیک وقت متعدد مقامات پر زیارت کی جاتی ہے باوجودیکہ آپ اپنی قبرِ انور میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام اس سے پہلے گذر چکا ہے" (۸۱)

اس کے بعد علامہ آلوسی آسمانوں پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے ساتھ ملاقات کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"ان انبیاء کی قبریں زمین میں ہیں اور کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ انہیں زمین سے آسمانوں پر منتقل کر دیا گیا تھا" (۸۲)

کہنا پڑے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں بھی جلوہ فرما تھے اور آسمانوں پر بھی جلوہ فرما تھے۔

ائمہ مجتہدین کے ارشادات

یہ مسئلہ از قبیل واردات و مشاہدات ہے، یا تو انسان خود روحانیت کے اس مقام پر فائز ہو کر انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی زیارت سے بہرہ ور ہو یا پھر شریعت و طریقت کے جامع علماء دین کے بیانات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ ایسا شخص جسے خود دکھائی نہ دیتا ہو اور بینائی والوں کی بات ماننے کے لئے بھی تیار نہ ہو اسے کھلی آنکھوں سے نظر آنے والے سورج کے وجود کا بھی قائل نہیں کیا جا سکتا۔

آئیے دیکھیں کہ مستند علمائے امت اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں:

"انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں متعدد مقامات میں تشریف لے جانا عقلاً جائز ہے جیسے کہ اس بارے میں خبر صادق وارد ہے" (۸۳)

امام حجۃ الاسلام غزالی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ ارواحِ صحابہ کے ساتھ جہان کے جس حصے میں چاہیں تشریف لے جائیں" (۸۴)

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ اہل بدعت وہوا جو کرامات کا انکار کرتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ انہوں نے نہ تو خود اپنی ذات سے کرامات کا صدور دیکھا اور نہ ہی اپنے مقتداؤں سے کرامت نام کی کوئی چیز صادر ہوتے ہوئے دیکھی۔ جن کا گمان یہ ہے کہ ہم بھی کچھ

ہیں۔ حالانکہ انہوں نے عبادات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے میں بڑی کوشش کی چنانچہ یہ لوگ اصحاب کرامات اولیاء اللہ پر نکتہ چینی میں مصروف ہوئے ان کی کھال ادھیڑ دی اور ان کے گوشت چبائے۔ انہیں جاہل صوفیاء کا نام دیا اور انہیں بدقسمتی قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"تعجب تو بعض اہل سنت فقہاء سے ہے حضرت ابراہیم بن ادھم کے بارے میں مروی ہے کہ لوگوں نے ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو انہیں بصرہ میں دیکھا، اور اسی دن انہیں مکہ مکرمہ میں دیکھا گیا۔ ان بعض سنی فقہاء نے کہا کہ جو اس کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھے کافر ہے۔ اور انصاف وہ ہے جو امام نسفی نے بیان کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ بعض اولیاء کی زیارت کرتا ہے، کیا اس طرح کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا۔ اہل سنت کے نزدیک بطور کرامت، خلاف عادت کا واقع ہونا جائز ہے (۸۵)

(یعنی اسی طرح ایک شخص کا دو جگہ ہونا بھی بطور کرامت جائز ہے۔

یہی بات علامہ محمود بن اسرائیل الشہیر بابن قاضی سماونہ نے فرمائی، وہ فرماتے ہیں:

"ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر اور جاہل نہیں کہنا چاہیئے، کیونکہ یہ کرامت ہے معجزہ نہیں ہے، معجزہ میں چیلنج ضروری ہے، اس جگہ چیلنج نہیں ہے، لہٰذا معجزہ بھی نہیں ہے۔ اہل سنت کے نزدیک کرامت جائز ہے"۔ (۸۶)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"اولیائے کرام سے بعید نہیں ہے ان کے لئے زمین لپیٹ دی گئی ہے اور انہیں متعدد اجسام حاصل ہوئے ہیں لوگوں نے ان اجسام کو ایک آن میں مختلف جگہوں پر پایا ہے"۔ (۸۷)

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

"معراج کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم (شخص) ایک آن میں دو جگہ حاضر ہو گیا جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد آدم کے نیک بخت افراد میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ جب آپ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے جیسے کہ اس سے پہلے گزرا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے ساتھ جمع ہوئے بے شک وہ انبیاء کرام زمین میں اپنی قبروں میں بھی تشریف فرما ہیں اور آسمانوں پر بھی جلوہ افروز ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا کہ ہم نے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو دیکھا یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی روح کو دیکھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو اور مراجعت فرمائی۔ حالانکہ وہ بعینہ زمین پر اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جیسے کہ (مسلم شریف) کی حدیث میں وارد ہوا ہے

پس اب وہ شخص جو کہتا ہے کہ ایک

جسم دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا اس حدیث پر تیرا ایمان کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہیئے، اور اگر تو عالم ہے تو اعتراض نہ کر کیونکہ علم تجھے روکتا ہے، تجھے حقیقتِ حال کا علم نہیں ہے حقیقۃً یہ علم اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

تم یہ تاویل بھی نہیں کر سکتے کہ جو انبیاء کرام زمین میں ہیں وہ ان انبیاء کے مغایر ہیں جو آسمان میں ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، اسی طرح دوسرے انبیاء کرام جنہیں آپ نے آسمانوں میں دیکھا، تو نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کو موسیٰ فرمایا اگر وہ بعینہٖ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ ہوں تو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسیٰ ہیں جھوٹ ہوگا۔" (۸۸)

(نعوذ باللہ من ذلک)

امام شعرانی مزید فرماتے ہیں:

"پھر معترض اولیاء کرام کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کا منکر ہے حالانکہ حضرت قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ جن صورتوں سے چاہتے تھے موصوف ہو کر مختلف مقامات پر فائز ہوتے تھے اور جس صورت میں آپ کو پکارا جاتا تھا جواب دیتے تھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" (۸۹)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"جسے دیکھا جاتا ہے وہ یا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحِ مبارک ہے جو تجرّد اور تقدس میں تمام روحوں سے زیادہ کامل ہے اس طرح کہ وہ روحِ مبارک ایسی صورت کے ساتھ متکیف اور ظاہر ہوئی جسے اس رویت کے ساتھ دیکھا گیا ہے جب کہ اس روحِ انور کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جسمِ مبارک کے ساتھ بھی برقرار ہے جو قبر مبارک میں زندہ ہے، جیسے کہ بعض محققین نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت دحیہ کلبی یا کسی دوسرے شخص کی صورت میں ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ (بیک وقت دونوں جگہ موجود تھے)

یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجرد اور مقدس روح متعلق ہے اور کوئی چیز اس امر سے مانع نہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثالی اجسام بے شمار ہو جائیں اور روحِ مقدس کا ہر ایک کے ساتھ تعلق ہو۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں اور تحائف ان میں سے ہر جسم کے لئے، اور یہ تعلق ایسا ہی ہے جیسے ایک روح کا ایک جسم کے اجزا سے ہوتا ہے۔

اس بیان سے اس قول کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے جو شیخ صفی الدین منصور اور شیخ عبد الغفار نے حضرت شیخ ابو العباس طنجی سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے آسمان، زمین اور عرش و کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا

ہوا دیکھا۔

نیز اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد لوگ دور دراز مقامات پر ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟ اس بیان کے ہوتے ہوئے اس جواب کی ضرورت نہیں رہتی جس کی طرف بعض بزرگوں نے اشارہ کیا ہے اس سے اس دیدار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

كَالشَّمْسِ فِيْ كَبِدِ السَّمَآءِ وَضَوْءُهَا
يَغْشَى الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَّ مَغَارِبًا

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان کے وسط میں پائے جانے والے سورج کی طرح ہیں جس کی روشنی مشرق اور مغرب کے شہروں کو ڈھانپ رہی ہے۔" (۹۰)

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

"جب جنات کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہو کر عجیب و غریب کام کر لیتے ہیں اگر کاملین کی روحوں کو یہ قدرت عطا فرما دیں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور دوسرے بدن کی کیا حاجت ہے؟

اسی سلسلے کی کڑی وہ واقعات ہیں جو بعض اولیاء کرام سے منقول ہیں کہ وہ ایک ہی آن میں متعدد مقامات میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام انجام دیتے ہیں اس جگہ بھی ان کے لطائف مختلف اجسام کی صورت میں متجسم ہو جاتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔

اسی طرح اس بزرگ کا واقعہ ہے جو ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں گئے اس کے باوجود ایک جماعت مکہ مکرمہ سے آتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم نے اس بزرگ کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ان سے یہ یہ باتیں ہوئی ہیں۔ ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ ہم نے انہیں روم میں دیکھا ہے تیسری جماعت نے انہیں بغداد میں دیکھا۔

یہ سب اس بزرگ کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بزرگ کو ان تشکلات کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور وصال یافتہ بزرگوں سے خوف اور ہلاکت کے مقامات میں امداد طلب کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتیں حاضر ہوتی ہیں اور ان سے مصیبت دور کرتی ہیں۔ بعض اوقات ان بزرگوں کو مصیبت دور کرنے کی اطلاع ہوتی ہے اور بعض اوقات ان بزرگوں کو مصیبت دور کرنے کی اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ بھی دراصل ان بزرگوں کے لطائف متشکل ہوتے ہیں اور یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔

چنانچہ ہزار افراد ایک ہی رات خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مختلف صورتوں میں زیارت کرتے ہیں اور بہت سے فائدے حاصل کرتے ہیں یہ سب

آپ کی صفات اور آپ کے لطائف ہوتے ہیں جو مثالی صورتوں سے متشکل ہوتے رہیں۔

اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے فوائد حاصل کرتے ہیں، اور پیرانِ کرام ان کی مشکلات حل کرتے ہیں۔" (۹۱)

امام علامہ شیخ علی نورالدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) صاحب سیرت حلبیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے: تَعْرِيفُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ وَالْإِيْمَانِ بِأَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوْا مِنْهُ مَكَانٌ وَّلَا زَمَانٌ۔ (اہل اسلام کو بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی زمانہ اور کوئی جگہ خالی نہیں ہے) ـــــ ہر جگہ آپ کی جلوہ گری ہے ـــــ یہ رسالہ امام علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے جواہر البحار کی دوسری جلد (ص ۱۱۱ سے ۱۲۵ تک نقل کر دیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی جو علماء دیوبند کے بھی پیر و مرشد ہیں، فرماتے ہیں:

"البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیئے، اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں، کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات سے بعید نہیں ہے" (۹۲)

یاد رہے کہ یہ کتاب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی مصدقہ ہے۔

علامہ سید محمد علوی مالکی مکی اپنی معرکۃ الآراء تصنیف الذخائر المحمدیہ میں فرماتے ہیں:

"حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی روحانیت ہر مکان میں حاضر ہے۔ آپ کی روحانیت خیر اور فضیلت کے مقامات اور محفلوں میں حاضر ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ روح بحیثیت روح کے برزخ میں مقید نہیں ہے بلکہ آزاد ہے اور ملکوت الٰہی میں سیر کرتی ہے.... برزخ میں رُوح کے آزاد ہونے اور سیر کرنے کی دلیل، حدیث صحیح میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: مومن کی رُوح ایک پرندے پر ہے جہاں چاہتی ہے سیر کرتی ہے' یہ حدیث امام مالک نے روایت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوح، تمام رُوحوں سے زیادہ کامل ہے اس لئے حاضر اور شاہد ہونے میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے۔" (۹۳)

غیر مقلدین کے امام نواب وحیدالزمان، صحاح ستہ کے مترجم کہتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں کہ بیان سابق سے وہ شبہ دُور ہو جاتا ہے جسے کم فہم لوگ پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ صالحین کی قبروں کی زیارت کر کے ان کی روحوں سے فیوض و برکات، دل کی ٹھنڈک اور انوار کس طرح حاصل کئے جا سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی روح اعلیٰ علیین میں ہیں۔ جواب یہ ہے کہ روح از قبیل اجسام نہیں ہے اجسام کی یہ صفت ہے کہ جب وہ ایک مکان میں ہوں تو دوسرے مکان میں موجود نہیں ہو سکتے (بخلاف رُوح کے کہ وہ دو مکانوں میں موجود ہو سکتی ہے) اور اگر مان لیا جائے کہ رُوح ایک ہی مکان میں موجود ہو سکتی ہے تو اس کی تیز رفتاری کی بنا پر اس

کے لئے آسمان کی طرف چڑھنا پھر وہاں سے اترنا اور زائر کی طرف متوجہ ہونا پلک جھپکنے کی بات ہے۔" (۹۴)

دو سطروں کے بعد انہوں نے تصریح کردی ہے کہ:

"روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور ایک وقت میں دو جگہوں پر موجود ہو سکتی ہے۔"

"البریلویت" کے مصنف کی قساوت اور غلط بیانی

گزشتہ صفحات میں قرآن و حدیث اور ارشادات ائمہ کی روشنی میں مسئلہ حاضر و ناظر مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے اگر زحمت نہ ہو تو ان ائمہ کرام کے اسماء مبارکہ پر ایک نظر ڈال لیجئے:

حضرت عبداللہ ابن عمر، امام المحدثین حضرت عمر بن دینار، امام بیہقی، امام غزالی امام رازی، امام قرطبی، امام علاء الدین خازن امام ابن الحاج، امام راغب اصفہانی علامہ بدرالدین عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی، امام جلال الدین سیوطی، امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت ملا علی قاری، امام عبدالوہاب شعرانی، علامہ سید محمود آلوسی بغدادی، علامہ اسمٰعیل حقی، شیخ علی نورالدین حلبی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، علامہ عبدالحی لکھنوی، علامہ سید محمد علوی مالکی مکی وغیرہم

ایک طرف ان حضرات کے اسماء پیش نظر رکھئے اور دوسری طرف شقاوت قلبی کا یہ مظاہرہ بھی دیکھئے ظہیر لکھتے ہیں:

"یہ عقائد ہیں خرافات اور بدعت میں مبتلا مشرکوں کے جنہیں پاک و ہند کے علاوہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں شیطان نے گمراہ اور اغوا کیا ہے۔" (۹۵)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ غیر مقلدین بریلویت کی آڑ لیکر دنیا بھر کے مسلمانوں اور تمت اسلامیہ کے مسلم اور مقتدر ائمہ کرام کو اہل بدعت اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ ان سے کوئی شخص اتنا ہی پوچھے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو تو تم بھی مانتے ہو کیا انہیں بھی مشرکین کی فہرست میں شامل کروگے؟ نیز کیا نواب صدیق حسن خاں کو بھی مشرکین کی صف میں کھڑا کروگے؟ جو یہ کہتے ہیں:

"بعض عارفوں نے فرمایا کہ یہ خطاب (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ) اس بنا پر ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرول افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔" (۹۶)

نواب وحید الزماں کے بارے میں کیا کہو گے؟ جو کہتے ہیں:

"روح از قبیل اجسام نہیں ہے اجسام کی یہ صفت ہے کہ جب وہ ایک مکان میں ہوں تو دوسرے مکان میں موجود نہیں ہو سکتے۔" (۹۷)

کیا اس عبارت کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ روح ایک سے زائد جگہوں پر موجود ہو سکتی ہے؟ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے؟

بریلوی اہلسنت کا علامتی نشان

احسان الٰہی ظہیر کے فتووں اور سب و شتم کا تمام

تر رخ علماء اہلسنت وجماعت کی طرف ہے۔ البتہ مصلحت کے پیش نظر وہ انہیں بریلوی کا نام دیتے ہیں اور درج ذیل سطور میں اہلسنت وجماعت کے وہ ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جنہیں ظہیر صاحب نے بریلویوں کے کھاتے میں ڈال دیا ہے اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اہل سنت اور بریلوی کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھتے ہیں۔

۱۔ امام علامہ شیخ علی نور الدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کے نام کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"اہل اسلام وایمان کو بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے"

ملاحظہ ہو جواہر البحار جلد دوم (عربی) ص ۱۱۱ — ۱۲۵)

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ عالیہ پر حاضر ہوئے تو انہیں کشف میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ ان کا بیان ہے:

"یہاں تک کہ میں خیال کرتا تھا کہ تمام فضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس سے بھری ہوئی ہے"۔ (۹۸)

۳۔ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

"یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجرد اور مقدس روح متعلق ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے حد وحساب مثالی اجسام بن جائیں"۔ (۹۹)

۴۔ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"اولیائے کرام سے بعید نہیں ہے ان کے لئے زمین لپیٹ دی گئی ہے اور انہیں متعدد (مثالی) اجسام حاصل ہیں جنہیں ایک آن میں مختلف جگہوں پر پایا گیا ہے"۔ (۱۰۰)

۵۔ حضرت عمرو بن دینار کا ارشاد ہے کہ جب آدمی خالی گھر میں داخل ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ۔ حضرت ملا علی قاری اس کی شرح میں بیان کرتے ہیں:

"اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے"۔ (۱۰۱)

۶۔ امام علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ مبارکہ انباء الاذکیاء میں فرماتے ہیں کہ عالم برزخ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ مصروفیات اس طرح کی ہیں:

"اپنی امت کے اعمال ملاحظہ فرماتے ہیں۔ ان کے گناہوں کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں ان کی مصیبتوں کے دور ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ زمین کے اطراف میں برکت عطا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ امت کے ولی کے فوت ہونے پر اس کے جنازہ پر تشریف لیجاتے ہیں برزخ میں آپ کی بعض مصروفیات یہ ہیں جیسے کہ اس سلسلے میں احادیث اور آثار وارد ہیں"۔ (۱۰۲)

۷۔ حضرت علامہ اسمٰعیل حقی مفسر فرماتے ہیں:

"آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ملاحظہ فرمائی.... آپ نے ان کی پیدائش، اعزاز واکرام کا مشاہدہ کیا اور خلاف ورزی کی بنا پر جنت سے نکالا جانا ملاحظہ فرمایا"۔ (۱۰۳)

یہ پوری عبارت گذشتہ صفحات میں پیش کی جاچکی ہے۔

۸۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس امت کے بہت سے

کاملین کو بیداری میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے آپ سے استفادہ کیا۔" (۱۰۴)

۹۔ امام علامہ جلال الدین سیوطی، پھر علامہ سید محمود آلوسی اور علامہ عمر بن سعید الفوتی الطوری فرماتے ہیں:

"ان نقول اور احادیث کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور اطراف زمین اور ملکوت اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں تصرف اور سیر فرماتے ہیں۔ (۱۰۵) (پوری عبارت اس سے پہلے گذر چکی ہے ۱۲ قادری)

۱۰۔ امام ابن الحاج، پھر امام قسطلانی فرماتے ہیں:

"نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو ملاحظہ فرماتے ہیں، ان کے احوال، نیتوں، عزائم اور خیالات کو جانتے ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی حیاتِ مبارکہ اور وصال میں کوئی فرق نہیں۔ (۱۰۶)

۱۱۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارواح صحابہ سمیت تمام عالم میں سیر کرنے کا اختیار ہے۔ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کی زیارت کی ہے۔" (۱۰۷)

ایک مغالطہ

گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ نظریۂ حاضر و ناظر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت اور خاص جسم اقدس کے اعتبار سے نہیں بلکہ نورانیت اور روحانیت کے اعتبار سے ہے۔ احسان الٰہی ظہیر نے اس نکتے کو نہیں سمجھا اور یہ اعتراض کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرۂ شریفہ میں تشریف فرما ہوتے تھے اور صحابۂ کرام مسجد میں آپ کا انتظار کیا کرتے تھے اسی طرح فلاں جگہ ہوتے تھے اور فلاں جگہ نہیں ہوتے تھے وغیر ذلک (۱۰۸)

اسی طرح اس نظریے کو قرآن پاک کے خلاف قرار دیتے ہوئے متعدد آیات پیش کی ہیں ۔۔۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ (القصص ۲۸/۴۵)

"اور آپ طور کے کنارے پر نہ تھے۔"

اور یہ نہ سمجھا کہ یہ سب کچھ خاص جسم اقدس کے اعتبار سے تھا ورنہ آپ کی روحانیت ہر جگہ جلوہ گر ہے۔

مشہور مفسر علامہ احمد بن محمد صاوی (م ۱۲۴۱ھ) اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"یہ دشمن پر حجت قائم کرنے کے لئے عالم جسمانی کے پیش نظر ہے۔ روحانی عالم کے اعتبار سے تو آپ ہر رسول کی رسالت کے لئے اور جو کچھ آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسم شریف کے ظاہر ہونے تک واقع ہوا سب کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن اہل عناد سے یہ بات نہیں کی جائے گی۔" (۱۱۰)

امام احمد رضا سنی، حنفی، بریلوی فرماتے ہیں:

"جو شخص ایسے مسئلہ کو جو قرآن و حدیث صحیح و ارشادات علماء سے ثابت ہے کفر کہے وہ اپنے اسلام کی خیر لے۔" (۱۱۱)

حوالہ جات

۱۔ عبد النبی احمد نگری، القاضی: دستور العلماء (طبع بیروت) ج ۱، ص ۱۷،

۲۔ ایضاً: ج ۲، ص ۱۴۴

۳۔ عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، امام الحاوی للفتاویٰ (طبع بیروت) ج ۲ ص ۲۵۷۔

ب۔ محمد بن محمد غزالی، امام، کتاب المنقذ من الضلال (طبع ترکیا) ص ۳۲۔۳۳۔

۴۔ محمد بن عمر بن حسین، رازی، امام: تفسیر کبیر (المطبعۃ البھیۃ، مصر) ج ۲۱ ص ۹۱۔
۵۔ علی بن سلطان محمد قاری، علامہ: شرح الفقہ الاکبر (مصطفےٰ البابی، مصر) ص ۸۰۔
۶۔ ولی اللہ دہلوی، شاہ: التفہیمات (حیدرآباد سندھ) ج ۲ ص ۸۹ - ۹۰۔
۷۔ احمد بن المبارک، علامہ: الابریز (مصطفی البابی، مصر) ص ۱۷۔
۸۔ محمد اسمٰعیل دہلوی: صراط مستقیم فارسی (طبع لاہور) ص ۲۷۔
۹۔ محمد انور شاہ کشمیری: فیض الباری (مطبعۃ حجازی قاہرہ) ج ۱ ص ۱۸۳۔
۱۰۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف (رشیدیہ، دہلی) ج ۱ ص ۵۹)
۱۱۔ محمد بن عبداللہ الخطیب، امام: مشکوٰۃ المصابیح (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۵۵۰۔
۱۲۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری، ج ۱ ص ۵۹۔
۱۳۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام: خصائص کبریٰ۔ (مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد) ج ۱ ص ۹۱۔
۱۴۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۹۔
۱۵۔ ایضاً: ج ۱ ص ۲۵۲۔
۱۶۔ ایضاً: ج ۱ ص ۱۰
۱۷۔ ایضاً، ج ۱ ص ۲۳۲
۱۸۔ مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم (رشیدیہ دہلی) ج ۲ ص ۳۹۔
۱۹۔ علی متقی امام: کنزالعمال (طبع حلب) ج ۱۱ ص ۳۷۸۔
۲۰۔ محمد بن محمد غزالی، امام: احیاء علوم الدین (دارالمعرفۃ بیروت) ج ۴ ص ۴۹۰
۲۱۔ محمد بن عبدالباقی زرقانی، علامہ: زرقانی علی المواہب (المطبع القدیم) ج ۷، ص ۳۴۴۔
۲۲۔ علی المتقی برہان پوری، علامہ: کنزالعمال (مکتبۃ التراث الاسلامی، حلب) ج ۱۱ ص ۴۲۰۔
۲۳۔ محمود آلوسی: علامہ سید: روح المعانی، ج ۹ ص ۲۵
۲۴۔ محمد بن احمد القرطبی، امام: التذکرۃ (المکتبۃ التوفیقیۃ) ص ۳۳۹۔
ب۔ ایضاً: الجامع لاحکام القرآن (طبع بیروت) ج ۵ ص ۱۹۸۔
۲۵۔ اسمٰعیل بن کثیر القرشی، تفسیر ابن کثیر (عیسی البابی، مصر) ج ۱ ص ۴۹۹۔
۲۶۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مکتوبات برحاشیہ اخبار الاخیار (طبع سکھر) ص ۱۵۵۔
۲۷۔ محمد بن محمد العمادی، ابوالسعود امام: تفسیر ابوالسعود (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۷ ص ۴۲۔
۲۸۔ علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن: تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل (مصطفےٰ البابی مصر) ج ۵ ص ۲۶۶۔
۲۹۔ محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی، ج ۲۲ ص ۵۱۔
۳۰۔ محمد بن عمر بن حسین الرازی، امام: تفسیر کبیر (مطبعۃ بہیہ، مصر) ج ۲۵ ص ۲۱۶۔
۳۱۔ اسمٰعیل حقی، امام: روح البیان (داراحیاء التراث العربی، بیروت) ج ۹ ص ۱۸۔
۳۲۔ ا۔ اسمٰعیل حقی، امام: روح البیان ج ۱ ص ۲۴۸۔
ب۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، علامہ شاہ: تفسیر عزیزی فارسی (طبع دہلی) ج ۱ ص ۵۱۸۔
۳۳۔ ابن الحاج امام: المدخل (دارالکتاب العربی بیروت) ج ۱ ص ۲۵۲۔
ب۔ احمد بن محمد القسطلانی، امام: مواہب لدنیہ مع الزرقانی (طبع مصر ۱۲۹۲ھ) ج ۸ ص ۳۴۸۔
۳۴۔ حسین بن محمد الملقب بالراغب اصفہانی: المفردات (نور محمد، کراچی) ص ۳۹۹ - ۴۰۰۔
۳۵۔ محمد بن عمر بن حسین رازی، امام: تفسیر کبیر (المطبعۃ المصریۃ) ج ۴ ص ۱۱۳ - ۱۱۴۔

۳۶۔ محمد بن احمد القرطبی، امام : التذکرۃ (المکتبۃ التوفیقیۃ) ص ۱۸۳۔

۳۷۔ عبدالکریم بن ہوازن ابوالقاسم، امام : الرسالۃ القشیریۃ (مصطفےٰ البابی، مصر) ص ۷۴۔

۳۸۔ مسلم بن الحجاج القشیری، امام : صحیح مسلم شریف (طبع کراچی) ج ۱ ص ۱۹۹۔

۳۹۔ محمود آلوسی، علامہ سید : روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۵۱

۴۰۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ۱ ص ۱۸۔

۴۱۔ محمد قاسم نانوتوی : آب حیات ص ۵۸۔

ب۔ ایضاً : تحذیر الناس، ص ۱۰

۴۲۔ محمود آلوسی، علامہ سید : روح المعانی، ج ۷، ص ۱۵۰

۴۳۔ اسمٰعیل حقی، علامہ امام : تفسیر روح البیان (طبع بیروت) ج ۵ ص ۵۲۸۔

ب۔ روزبہان، علامہ شیخ : تفسیر عرائس البیان (نول کشور، لکھنؤ) ج ۲ ص ۵۲۔

۴۴۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام : بخاری شریف (رشیدیہ، دہلی) ج ۱ ص ۱۱۵۔

۴۵۔ محمود بن احمد عینی، بدرالدین علامہ، عمدۃ القاری (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۶ ص ۱۱۱۔

ب۔ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، علامہ : فتح الباری (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۲ ص ۲۵۰۔

ج۔ محمد بن عبدالباقی زرقانی، علامہ : شرح مواہب لدنیہ، ج ۷، ص ۳۷۷۔۷۸۔

د۔ ایضاً : زرقانی علی المؤطا (المکتبۃ التجاریۃ مصر) ج ۱ ص ۱۹۰۔

ہ۔ محمد بن عبدالحئی لکھنوی، علامہ : السعایہ فی کشف شرح الوقایۃ (سہیل اکیڈمی لاہور) ج ۲ ص ۲۲۷۔

۴۶۔ محمد عبدالحئی لکھنوی، علامہ : السعایۃ ج ۲ ص ۲۲۸

۴۷۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اشعۃ اللمعات فارسی (نوریہ رضویہ سکھر) ج ۱ ص ۴۱۰۔

ب۔ نورالحق محدث دہلوی، علامہ : تیسیر القاری شرح صحیح بخاری (مطبع علوی، لکھنؤ) ج ۱ ص ۱۷۲۔۷۳۔

۴۸۔ علی بن سلطان محمد القاری، امام : المرقاۃ (مکتبہ امدادیہ، ملتان) ج ۲ ص ۲۴۲)

۴۹۔ محمد عبدالحئی لکھنوی، علامہ : السعایۃ ج ۲ ص ۲۴

۵۰۔ محمد انور شاہ کشمیری : عرف الشذی (مکتبہ الرحیمیہ، دیوبند) ص ۱۳۹۔

۵۱۔ : درمختار، ج ۱ ص ۴۷۶۔

۵۲۔ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام : صحیح بخاری شریف (رشیدیہ دہلی) ج ۱ ص ۱۰۴۔

۵۳۔

۵۴۔ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ : جواہر البحار (مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۲ ص ۱۱۹۔

۵۵۔ محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام : صحیح بخاری (مجتبائی دہلی) ج ۲ ص ۱۰۳۵۔

۵۶۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام : الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ج ۲ ص ۲۵۶۔

۵۷۔ ایضاً ص ۲۵۷

۵۸۔ محمد بن احمد القرطبی، امام : التذکرۃ (المکتبۃ التجاریۃ) ص ۱۹۱۔

۵۹۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام : الحاوی ج ۲ ص ۲۶۳۔

۶۰۔ محمد بن محمد غزالی، امام : احیاء علوم الدین (دارالمعرفۃ، بیروت) ج ۴ ص ۵۰۶۔

۶۱۔ احمد بن تیمیہ، علامہ : اقتضاء الصراط المستقیم (طبع لاہور) ص ۳۷۳۔

۶۲۔ محمد بن عبداللہ الخطیب، امام : مشکوٰۃ المصابیح (طبع کراچی) ص ۵۷۰۔

۶۳۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام : الحاوی للفتاوی

ان الدین عند اللہ الاسلام

ج ۲ ص ۲۶۴۔

۶۴۔ ایضاً ص ۲۵۶۔

۶۵۔ محمود آلوسی، سید علامہ : روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۲ ص ۳۵۔

۶۶۔ ایضاً ص ۳۵-۳۶۔

۶۷۔ ایضاً ص ۳۶۔

۶۸۔ ایضاً ص ۳۵

۶۹۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام : الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱۔

۷۰۔ احمد سرہندی، امام ربانی شیخ : مکتوبات امام ربانی فارسی، دفتر اول مکتوب ۲۲۰۔

۷۱۔ ایضاً : دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۸۲۔

۷۲۔ محمد انور شاہ کشمیری : فیض الباری (مطبعۃ حجازی قاہرہ) ج ۱ ص ۲۰۴۔

۷۳۔ ظفرالدین بہاری، ملک العلماء : حیات اعلیٰحضرت (مکتبہ رضویہ کراچی) ج ۱ ص ۴۴۔

۷۴۔ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ : فیوض الحرمین (محمد سعید کراچی) ص ۸۲۔

۷۵۔ ایضاً ص ۸۲۔

۷۶۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام : الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ج ۲ ص ۲۶۵

۷۷۔ محمد محمود آلوسی، علامہ سید : روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۲ ص ۳۷۔

۷۸۔ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، امام : مشکوٰۃ المصابیح (رشیدیہ دہلی) ص ۵۱۲)

۷۹۔ علی بن سلطان محمد القاری، علامہ : مرقاۃ المفاتیح (امدادیہ ملتان) ج ۴ ص ۱۰۹۔

۸۰۔ ایضاً : شرح شفاء (مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ) ج ۳ ص ۶۴۳۔

۸۱۔ محمود آلوسی، علامہ سید : روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۳ ص ۱۳۔

۸۲۔ ایضاً ص ۱۴۔

۸۳۔ ایضاً

۸۴۔ علی بن سلطان محمد القاری، علامہ : مرقاۃ المفاتیح (مکتبہ امدادیہ، ملتان) ج ۳ ص ۲۴۱)

۸۵۔ اسمٰعیل حقی، امام : روح البیان، ج ۱۰ ص ۹۹۔

۸۶۔ مسعود بن عمر تفتازانی، علامہ : شرح مقاصد (مکتبہ مدینہ، لاہور) ج ۲ ص ۲۰۴۔

۸۷۔ محمود بن اسرائیل، قاضی : جامع الفصولین (مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ) ج ۲ ص ۳۳۲۔

۸۸۔ علی بن سلطان محمد القاری، علامہ : مرقاۃ المفاتیح (طبع ملتان) ج ۴ ص ۳۱۔

۸۹۔ عبدالوہاب شعرانی، امام : الیواقیت الجواہر (مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۲ ص ۳۶۔

۹۰۔ ایضاً " "

۹۱۔ محمود آلوسی، علامہ سید : روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵

۹۲۔ احمد سرہندی، امام ربانی : مکتوبات امام ربانی فارسی (رؤف اکیڈمی لاہور) دفتر دوم، حصہ ہفتم، ص ۱۰۔

۹۳۔ محمد امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا الحاج : شمائم امدادیہ (قومی پریس، لکھنؤ) ص ۹۳۔

۹۴۔ محمد بن علوی مالکی، علامہ سید : الذخائر المحمدیہ (مطبعۃ حسان، قاہرہ) ص ۲۵۹۔

۹۵۔ وحیدالزمان، نواب : ہدیۃ المہدی (اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ) ص ۶۳۔

۹۶۔ ظہیر : البریلویہ عربی ص ۱۱۲۔

انبیاء کرام بے گناہ اور معصوم ہیں

مولانا یٰسین اختر مصباحی مدیر الحجاز
مہتمم ادارہ القلم دہلی

اہلِ ایمان کے نزدیک عصمتِ انبیاء و مرسلین کا عقیدہ مسلّم اور نہایت مشہور و معروف جس کا ذکر سبھی کتبِ عقائد و کلام میں موجود ہے۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جزء اوّل میں تفصیل کے ساتھ اس پر کئی ایک دلائل قائم فرمائے ہیں اور یہ ایسا واضح مسئلہ ہے جس پر خامہ فرسائی کی یہاں کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ فقہ اکبر، عقائد نسفی، شفا، قاضی عیاض، مدارج النبوۃ، روح البیان وغیرہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔
"جمہور اہل سنت کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عمداً یا سہواً گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیب دیتی ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔"[۱]

عصمت انبیاء سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افادات ہیں۔
"بیشک جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم قبل و بعد بعثت عمداً اور سہواً کفر و ضلالت سے باجماع اہل سنت معصوم ہیں۔ اور نہ صرف ذنوب سے بلکہ ہر اس امر سے جو باعثِ نفرتِ خلق و ننگ و عار و بدنامی ہو۔ اور مذہب صحیح و حق معتمد ہو۔ صغائر سے بھی باجماع اہل سنت معصوم ہیں۔" (ملخصاً)[۲]

قرآن حکیم میں رب غافر و قدیر نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا ہے اور ذنب جس کا اردو زبان میں لغوی معنی جرم، قصور اور گناہ ہے اس کی وجہ سے اردو مترجمین قرآن اختلاف و تضاد کا شکار ہوئے، بیشتر حضرات نے گناہ، خطا یا قصور

کا ترجمہ کیا ہے۔ جن میں فتح محمد جالندھری، محمود الحسن دیوبندی، اشرف علی تھانوی، ابوالاعلیٰ مودودی، عبدالماجد دریابادی، اور وحید الدین خاں سرفہرست ہیں۔

ان کے ان ترجموں کی وجہ سے اردو داں اہل ایمان کے قلوب کو ٹھیس پہنچ رہی ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ معتمد مفسرین و علما کرام کی تحریروں کی روشنی میں ایسے تراجم کا جائزہ لیا جائے اور حقیقت حال کو عقائد و تفاسیر معتبرہ کی روشنی میں واضح و مبرہن کر دیا جائے۔ لہٰذا آپ اس سلسلے میں دو متعلقہ آیات اور ان کے وہ تراجم پہلے ملاحظہ فرمالیں جن میں صحیح اور راجح تفسیر کی خصوصی رعایت کی گئی ہے اور عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بظاہر بھی کسی طرح کی آنچ نہیں آنے دی گئی ہے۔

۱۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (سورۂ محمد۔ آیت ۱۹)

"اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

(کنزالایمان از حضرت مولانا احمد رضا بریلوی)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں۔ "یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان کے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔" (خزائن العرفان)

مولانا محمد کرم شاہ ازہری نے مذکورہ آیت کریمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے۔ (ضیاء القرآن جلد چہارم)

اور خود اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں۔

۱۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَنْ يَقَعَ مِنْكَ ذَنْبٌ

یعنی آپ اس بات سے اللہ کی مغفرت طلب کریں کہ آپ سے گناہ سرزد ہو میں نے ترجمہ اس کے مطابق کیا ہے۔

۲۔ اَسْتَغْفِرْ لِيَعْصِمَكَ مِنَ الذُّنُوْبِ

یعنی استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

(ضیاء القرآن جلد چہارم)

۲۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ۔ (سورۂ فتح۔ آیت ۱،۲)

بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کرے

(کنزالایمان از حضرت مولانا احمد رضا بریلوی)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں۔ اور تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے۔

(خازن و روح البیان)۔ خزائن العرفان)

حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ بیشک ہم نے فتح دے دی تمہیں روشن فتح، تاکہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ جو پہلے ہوئے تمہارے اور جو پچھلے ہیں اور پوری فرمادے اپنی نعمت تم پر۔ (معارف القرآن)

حضرت مولانا محمد کرم شاہ ازہری نے آیت مذکورہ کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔ اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر

(ضیاء القرآن جلد چہارم)

یہاں ذنب بمعنی الزام کی تائید کے سلسلے میں مولانا کرم شاہ ازہری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوتِ حق دو تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ

(الشعرآء آیت ۱۴)

ترجمہ! انھوں نے مجھ پر الزام قتل لگا رکھا ہے۔ پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس آیت میں ذنب کا معنی گناہ نہیں بلکہ الزام ہے کیوں کہ آپ نے اپنے اور اپنے امتی کے بچاؤ کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا اور نہ عام طور پر مکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔

ان آیات کے سیاق وسباق کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موضوع اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غَفَرَ کا معنی چھپا دینا' دور کر دینا۔ مَاتَقَدَّمَ سے مراد ہجرت سے پہلے اور مَاتَأَخَّرَ سے مراد ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفار آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں اس فتح مبین سے وہ سارے نیست ونابود ہو جائیں گے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

(ضیاء القرآن جلد چہارم)

ماضی قریب کے ایک عرب عالم اُستاد محمد مصطفےٰ' امراغی (متوفی ۱۹۴۵ء) سورۂ محمد میں ذنب کی نسبت امت کی طرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں — (اَسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ) المراد به الامة ؎۳ اس سے مراد آپ کی اُمت ہے۔

یہی بات عاشقِ رسول علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء بیروت) بھی فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ہر طرح کے گناہ سے معصوم ہیں۔ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ' قصداً ہو یا سہواً۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا
لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔ علامہ (تقی الدین) سبکی نے فرمایا میں نے جب اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کیا تو مجھے ایک ہی بات نظر آئی اور وہ یہ کہ اس کے اندر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ہے۔ کسی گناہ کا وجود ہی نہیں۔

مذکورہ آیت سے مراد ہے کہ اللہ نے چاہا کہ بندوں پر جتنے اخروی انعامات ہوئے ہیں وہ ایک آیت میں جمع کر دیئے جائیں۔ الخ ؎۴

اور دورِ حاضر میں حجاز مقدس کے شیخ الاسلام سید محمد بن علوی مالکی مکی زیر آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ تحریر فرماتے ہیں۔ میری نظر میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دینا اور آپ کا اللہ کے حضور ہر وقت بخشش طلب کرنا آپ کا کمال تواضع ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ کامل زندگی کے اقرار' اللہ سے حاجت مندی' فضل خداوندی سے مستغنی نہ ہونے' اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر گھمنڈ نہ کرنے کا درجۂ کمال ہے۔ اور یوں لگتا ہے کہ جیسے بزبان حال یہ کہہ رہے ہوں کہ میں اللہ کی بارگاہ سے نعمتوں' درجاتِ بلند اور اعلیٰ مقامات پانے کے باوجود مسلسل اس کے حضور فضل طلب کرتے رہنے میں مشغول رہوں گا۔ اس کی وسعتوں کی طرف بڑھوں گا۔ اس کے دروازے پہ کھڑا رہوں گا۔ بھلائی کے کاموں میں لگا رہوں گا۔ اور اس کی فیاضیوں کی طرف سبقت کروں گا ؎۵

ذنب کی تفسیر کے سلسلے میں راقم سطور نے تفسیر خازن' تفسیر مدارک' تفسیر معالم التنزیل' تفسیر کبیر' تفسیر جلالین وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ زیر آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ تفسیر خازن میں ہے۔

امر اللہ عزوجل نبیہ صلی اللہ علیہ

وسلم بالاستغفار مع انہ مغفور لہ لیستن بہ امتہ ولیعقل وابہ فی ذالک.... وقیل فی معنی الآیۃ استغفر لذنبک ای ذنوب اہل بیتک (وللمومنین والمومنٰت) یعنی من غیر اہل بیتہ [6]

ترجمہ! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت سے نوازے ہوئے ہے اس کے باوجود آپ کو استغفار کا حکم صرف اس لئے دے رہا ہے کہ آپ کی امت آپ کے طریقہ استغفار کو اپنائے۔

آیت واستغفر لذنبک کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل بیت و دیگر افراد کے گناہوں کی مغفرت طلب کرو۔

ماتقدم من ذنبک کے سلسلے میں جلالین شریف کے اندر یہ کہا گیا ہے۔ ھو مؤول لعصمۃ الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام بالدلیل العقلی القاطع من الذنوب واللام للعلۃ الغائیۃ فمدخولہا مسبب لا سبب [7]

ذنب کی یہاں تاویل کی جائے گی کیونکہ دلیل قطعی سے انبیاء کرام کا معصوم عن الخطا ہونا ثابت ہے۔ لام یہاں علت غائی کے لئے ہے اور وہ مسبب پر داخل ہے سبب پر نہیں۔

شیخ احمد صادی فرماتے ہیں۔

ای اسناد الذنب لہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤول لما بأن المراد ذنوب امتک او ھو من حسنات الابرار سیئات المقربین [8]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی جو نسبت ہوئی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ یا تو امت کے گناہ اس سے حسنات الابرار سیئات المقربین مراد ہیں۔

ذنب کی نسبت رسول اللہ کی طرف کرنے سے آپ کے دامن عصمت پہ کوئی داغ نہ آئے۔ اس کے لئے مفسرین نے متعدد جوابات دیے ہیں۔ مثلاً۔

ذنب سے مراد خلافِ اولیٰ ہے۔ وہ فعل نہ گناہ صغیرہ ہے نہ خلاف اولیٰ لیکن عظمت ومنزلت رسول کے پیش نظر اسے ذنب کہہ دیا گیا۔ غفر بمعنی چھپانا۔ اللہ نے آپ کا اس طرح تحفظ کیا ہے کہ آپ معصوم ہیں نہ پہلے کوئی گناہ ہوا نہ بعد میں ہوگا۔ بالفرض سہواً بھی کوئی بات آپ سے ہو جاتی تو اللہ اسے معاف کر دیتا آپ کو تو مغفرت عام حاصل ہے۔

سہو ونسیان سے متعلق سید محمد بن علوی مالکی مکی ایک بڑی فیصلہ کن بات کہتے ہیں۔ اکثر علماء امت آپ کے ان غیر تبلیغی امور دینیہ اور افکار قلبیہ میں آپ سے سہو ونسیان کے سرزد ہو جانے کے قائل ہیں۔ جن کی پیروی کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ مگر ان امور میں بھی آپ سے بار بار اور مسلسل سہو ہو جانے کو جائز نہیں سمجھا گیا۔ کبھی کبھی ایسا ہو جائے تو اس کے ہونے پر اتفاق ہے۔

عارفین اور اہل قلوب ومقاماتِ صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ آپ سے کسی قسم کا سہو صادر نہ ہو رضی اللہ عنہم (الانسان الکامل)

مغفرت ذنب سے متعلق محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔

فالناس امتہ من آدم الی یوم القیمۃ فبشرہ اللہ بالمغفرۃ لما تقدم من ذنوب الناس وما تأخر منہم فکان ھو المخاطب والمقصود الناس فیغفر اللہ للکل [9]

زمانۂ حضرت سے یوم قیامت تک پیدا ہونے والے سبھی انسان آپ کی امت ہیں۔ اسی لئے اللہ نے سبھی انسانوں (اہل ایمان) کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت

دی. مخاطب تو آپ ہیں مگر مقصود دوسرے
لوگ ہیں، اور اللہ سب کی مغفرت فرمائیگا۔
اس سے پہلے فرما چکے ہیں۔

وقد ثبتت عصمته فليس له ذنب
يغفر، فلم يبق اضافة الذنب
اليه الا ان يكون هو المخاطب
والقصد امته ؎

آپ کی عصمت متحقق ہے اس لئے آپ کا
کوئی ایسا گناہ ہو ہی نہیں سکتا جس کی
بخشش کی جائے۔ اس لئے سوائے اس
کے کوئی چارہ نہیں کہ آپ کی طرف جو اضافتِ
ذنب ہے اسے یہ سمجھا جائے کہ مخاطب تو
آپ ہیں مگر مقصود آپ کی امت ہے۔

جن مفسرین و مترجمین قرآن نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ
مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ میں ذنب سے ذنب
امت مراد لیا ہے اور لک ضمیر خطاب کے ساتھ لام کو برائے
تعلیل مانا ہے ان کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے امام
احمد رضا فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں۔

اللام فی لک للتعليل والاضافة
الذنب لادنیٰ ملابسة ای ليغفر
الله بسببك وبجاهك ما تقدم
من ذنوب اهلك ومعاصيهم الخ ؎

لک کے اندر لام برائے تعلیل ہے اور
ذنب کی اضافت محض ادنیٰ ملابست کی
وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ کے
سبب سے اور آپ کی عظمت مقام کی
وجہ سے آپ کے اہل خانہ کے ذنوب و
معاصی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیگا الخ
(جملہ اہل ایمان جو اگلے پچھلے ہیں ان سب کی مغفرت آپ کے
سبب سے ہوگی)

اس سلسلے میں مولانا سعیدی کیا کہتے ہیں؟

احادیث میں مغفرتِ ذنب کی مراد

معروف عالم مولانا غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث
دار العلوم نعیمیہ کراچی نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام
نے اس آیت سے یہ مراد لیا ہے کہ اس آیت میں آپ کی
مغفرت کا اعلان ہے اور امت کی مغفرت مراد نہیں
اور صحابہ کرام نے آپ کے سامنے یہ مطلب بیان کیا اور
آپ نے اس مطلب کی توثیق کر دی اس سے اس آیت سے
امت کی مغفرت مراد لینا صحیح نہیں ہے۔" ؎

اس کے بعد مولانا سعیدی نے چار حدیثیں پیش کی
ہیں۔ جنھیں ہم انھیں کے ترجمہ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔
پہلی اور چوتھی حدیث مکمل اور دوسری و تیسری حدیث
کا ضروری حصہ یہاں منقول ہے۔

۱۔ عن عائشة قالت كان رسول الله
صلى الله عليه وسلم اذا امرهم
من الاعمال ما يطيقون قالوا انا لسنا
كهيئتك يا رسول الله. ان الله قد
غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر
فيغضب حتى يعرف الغضب فى وجهه.
ثم يقول ان اتقاكم واعلمكم بالله انا
(صحیح بخاری جلد اول ص ۷ مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب
صحابہ کو کسی عمل کا حکم دیتے تو ایسے عمل
کا حکم دیتے جس کو وہ آسانی سے کر سکیں
(یعنی مشکل اور دشوار عبادتوں کا حکم
نہ دیتے) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ
کی مثل نہیں، لاریب اللہ تعالیٰ نے
آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت

کردی ہے (یعنی آپ کے لئے تو قلیل عبادت کافی ہیں ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے حتی کہ آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور فرمایا تم سب سے زیادہ متقی اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔ (لہذا مجھ سے زیادہ عبادت کی کوشش مت کرو۔)

۲۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ نے ایک صحابی کے سلسلے میں روایت کی کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا آپ نے جواب عنایت فرمایا تو انھوں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ قد غفر اللہ لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما واللہ انی لاتقاکم واخشاکم له۔

(ص ۳۵۲ صحیح مسلم اول مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

یا رسول اللہ! اللہ تعالی نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت کردی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: سنو خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرنے والا ہوں۔

۳۔ حضرت عائشہ نے ایک صحابی کے سلسلے میں روایت کی کہ انھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا آپ نے جواب عنایت فرمایا تو انھوں نے عرض کیا،

لست مثلنا یا رسول اللہ قد غفر اللہ لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔ فقال واللہ انی لارجو ان اکون اخشاکم للہ واعلمکم بما اتقی۔

جمہور محدثین نے اس امر پر متفق ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لئے بھی قبل نبوت و بعد نبوت کسی کبیرہ یا صغیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ سہواً یا عمداً حضور سے کبھی کوئی گناہ صادر نہ ہوا۔

(ص ۵۱/۲ صحیح مسلم جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

یا رسول اللہ آپ ہماری مثل کب ہیں؟ لاریب اللہ تعالی نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کو معاف کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا قسم بخدا! مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے ان کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

۴۔ عن المغیرۃ قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ۔ فقیل له لما تصنع هذا وقد غفر اللہ لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً۔ (بخاری و مسلم)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اسقدر قیام کیا کہ پاؤں مبارک میں ورم آگیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے اگلے

اور پچھلے ذنب کی مغفرت کردی گئی ہے۔
آپ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔
علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ پہلی حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔
واضح ہو کہ جمہور مفسرین و محدثین و ائمۂ دین اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں آیت لاینال عہدی الظلمین کے تحت لکھا ہے کہ

لاخلاف لاحد فی ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لم یرتکب صغیرۃ ولا کبیرۃ طرفۃ عین قبل الوحی و بعدہ۔ کماذکرہ ابوحنیفۃ فی الفقہ الاکبر۔

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لئے بھی قبل نبوت و بعد نبوت کسی صغیرہ وکبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا جیسا کہ فقہ اکبر میں سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے۔

نیز علامہ قاضی عیاض، ابواسحق و علامہ تقی الدین سبکی و دیگر علماء وائمۂ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام سے کوئی گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سہواً ہو یا عمداً صادر نہیں ہوا۔ چنانچہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کے کمال نے متعدد معنیٰ لئے ہیں۔

۱۔ علامہ سبکی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اس معنیٰ کی تحسین و تعریف کی کہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی۔ بلکہ ازراہ تکریم و تشریف یہ فرمایا گیا کہ اگر کسی گناہ کا امکان بھی فرض کرلیا جائے تو وہ بھی بخش دیا گیا وہ کہتے ہیں مقصود کلام اثبات ذنب یا اس کا غفران نہیں بلکہ اس سے مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

۲۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ازلی و ابدی طور پر گناہوں سے پاک و منزہ ہیں۔

۳۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کے صدقہ میں اُمت کی بخشش کا اعلان ہے۔ (عینی جلد اول ص ۱۹۵)

بعض نے کہا کہ ذنب سے مراد اولیٰ ہے یعنی افضل کے بجائے فاضل کو اختیار کرنا۔ اور یہ بات انبیا کی جلالت شان کی وجہ سے ان کے حق میں گویا ذنب ہے۔ اس آیت میں اسی کی بخشش کا اعلان ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (عینی جلد اول ص ۱۹۵)

۴۔ علامہ قاضی عیاض نے لفظ مغفرت کو تنزیہ از عیوب کے معنیٰ میں لیا ہے۔ الخ ۱۳

چند سطروں کے بعد لفظ ذنب کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

اب آیت کے لفظ ذنب پر غور کیجئے۔

معصیاۃ اس نافرمانی کو کہتے ہیں جس میں قصد و ارادہ ہو۔ المعصیۃ عدول عن الحکمۃ انحراف من الطاعۃ مخالفۃ الامر۔

خطا صواب کی ضد ہے اس کے معنیٰ نادرست کے ہیں۔ اور ذنب: جس کے معنیٰ جرم ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذنب بفتح و سکون ثانی کے معنیٰ بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر وہ الزام جو کسی پر لگایا جائے۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ آئے ہیں۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ

انھوں نے مجھ پر الزام لگایا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔

یہاں ذنب بمعنیٰ الزام ہے اور غفر کے معنیٰ مٹانے

اور چھپنے کے آئے ہیں۔ لہذا جب آیت مذکورہ بالا میں
لفظ معصیت نہیں آیا ہے تو ایسی صورت میں کیا ضروری
ہے کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ کے لیے جائیں۔
پس اس تشریح کی روشنی میں ذنب کے معنی الزام
کے ہیں۔ غفر کے معنی مٹانے کے۔ ماتقدم سے مراد وہ الزامات
ہیں جو کفار نے حضور علیہ السلام پر قبل ہجرت لگائے
یعنی یہ کاہن ہیں، شاعر و ساحر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور
ماتأخر سے مراد وہ اتہامات ہیں جو انھوں نے حضور
علیہ السلام پر بعد از نبوت لگائے کہ یہ فسادی ہیں،
مکہ کو اجاڑنے والے اور بھائی بھائی میں جدائی ڈالتے
ہیں وغیرہ وغیرہ۔ (معاذ اللہ)....

آیت کی یہ توجیہہ نہایت ہی نفیس ہے۔ اور
اس توجیہہ پر فتح مبین اور مغفرت ذنب کے درمیان
نہایت نفیس مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ آیت کا
مفہوم یہ ہے۔

ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اس کے ذریعہ
اللہ نے آپ کے لیے پہلے اور پچھلے الزامات و اتہامات
کو مٹا دیا۔ [۱۲]

علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اس حدیث کا
ترجمہ کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے
آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بعد بھی گناہ سے محفوظ رکھا"
اور تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحابہ نے اپنے شوق
عبادت سے عرض کیا کہ آپ تو معصوم ہیں۔ ہم معصوم
نہیں اس لئے ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔ اس پر
آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ تم سے زیادہ اللہ کو جاننے
والا اور اس سے ڈرنے والا میں ہوں۔ پھر آپ نے ذنب کا
معنی گناہ اور الزام دونوں بتا کر اس کی تحقیق کی۔
اور آخر میں لکھا۔ ص ۵۸ قسطلانی میں ہے۔

ای حال بینک وبین الذنوب فلا
تاتیتها لان الغفر الستر۔
یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اور گناہوں کے
درمیان حائل ہو گیا۔ اس لئے آپ سے
گناہ صادر نہ ہوا۔ [۱۳]

خلاصۂ تفاسیر

پیش کردہ قدیم و جدید تفاسیر و تشریحات کا خلاصہ اس طرح
کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے خلاف اولیٰ
عمل کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔

۲۔ بظاہر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا
ہے مگر در حقیقت اُمت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے اس
کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے اُمت کے
اگلے پچھلے گناہوں کی بشارت دی گئی ہے۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قبل ہجرت و بعد ہجرت
عائد ہونے والے الزامات کو مٹا دینے کی بشارت دی
گئی ہے۔

جن جن علماء و مفسرین نے ان کی تفاسیر سے
جو تفسیر اختیار کی ہے اسے اپنے نزدیک انھوں نے بہتر
سمجھا اور اس کے دلائل بھی دیئے ہیں۔

مذکورہ چار احادیث کا مطلب

لیغفر لک اللہ

مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کی مذکورہ تفاسیر میں
جو جس کے نزدیک بہتر ہے اس کے مطابق اس کے نزدیک
ان احادیث کا مطلب بھی ہوگا۔ مثلاً

جس مفسر و مترجمین کے نزدیک اس آیت کا یہ
معنی ہوگا کہ۔ "تاکہ اللہ آپ کے سبب آپ کی امت
کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے"۔ وہ یہ مطلب بتائے گا کہ
صحابۂ کرام کی مراد یہ ہے کہ یا رسول اللہ آپ کی اللہ کے
نزدیک تو وہ رفعت و منزلت ہے کہ اس نے آپ کے
صدقے میں آپ کی اُمت کے گناہ بخش دینے کی بشارت
دے دی۔ اس نے آپ کی بات ہی کیا۔ فکر اور تشویش
تو ہم امتیوں کو ہونی چاہیے۔ ان کے اس خیال کا جواب

حضور نے اس طرح دیا کہ میں تو تم سے زیادہ اس کو جاننے والا اس سے ڈرنے والا ہوں۔ اور کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں کہ اس نے میرے اوپر اتنا انعام و اکرام فرمایا کہ میری وجہ سے میری امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے۔ جذبۂ احسان شناسی و شکر گزاری اس نے مجھے تو اس کی تم سب سے زیادہ ہی عبادت کی وجہ سے کرنی ہے۔

مولانا سعیدی کا اس تفسیر و تشریح پر یہ اعتراض کرنا کہ
"دنیا میں مغفرت کی بشارت کا حصول اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جو تمام نبیوں اور رسولوں میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا اور یہ آپ کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور اس تقدیر پر یہ آپ کی فضیلت نہیں رہتی بلکہ آپ کے اگلوں پچھلوں کو یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا میں ان کی مغفرت کی نوید سنادی گئی۔"[2]

یہ کوئی مستحکم عقلی خدشہ نہیں۔ کیونکہ حضور کی صرف یہی ایک فضیلت و خصوصیت نہیں بلکہ وہ بے شمار فضائل و خصوصیات کے حامل ہیں۔ اور کیا عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس دنیا ہی میں مغفرت کی نوید نہیں سنادی گئی؟

اور جس کو بھی نوید مغفرت ملی کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں نہیں ملی؟ تو مرکز خصوصیت و مرجع فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی ہوئی۔

اسی طرح مولانا سعیدی کا یہ سوال کہ۔
اگر اگلوں پچھلوں اور امت کی مغفرت کر دی گئی ہے تو کیا اگلوں پچھلوں اور امت سے ان کی بداعمالیوں کا محاسبہ اور مواخذہ اور ان میں سے بعض کو عتاب اور عذاب نہیں ہوگا؟ . . . . اور اگر یہ مطلب بیان کیا جائے گا کہ انجام کار ان کی مغفرت ہو جائے گی اور وہ سزا بھگت کر جنت میں چلے جائیں گے تو یہ کوئی ایسی فضیلت کی بات نہیں ہوئی جو آپ کی بدولت اور آپ کے سبب سے اگلوں پچھلوں اور امت کو حاصل ہو۔ کیونکہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہو اس کی بہر حال نجات ہو جائے گی۔[3]

اس کا جواب یہ ہے کہ اگلوں پچھلوں کا حساب و کتاب اور ان کی نجات و مغفرت پہلے یا بعد میں ہوگی یہ سب رحمتِ خداوندی پر موقوف ہے۔ جیسا کہ انبیاء و مرسلین و صلحائے امت کی شفاعت کا معاملہ ہے کہ وہ اسے جب اور جس طرح چاہے گا قبول فرمائے گا۔ اور خود حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے نزدیک مقبول الشفاعۃ ہیں ان کی شفاعت بھی رحمتِ خداوندی پر موقوف ہوگی۔ لہٰذا عام اذہان ہی اس سوال سے کچھ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اہل علم پہلی ہی نظر میں اسے بے وزن قرار دیں گے۔

عقلاً مخدوش یا حِسّاً مخبوط

مذکورہ چاروں خلاصۂ تفاسیر میں سے نمبر۳ کے بارے میں مولانا سعیدی کا یہ غیر فطری اور غیر سنجیدہ تبصرہ کہ "یہ تفسیر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور عقلاً بھی مخدوش ہے۔"[1]

جس جارحانہ تیور کا آئینہ دار ہے اسے موجودہ دور کے وہ جمہور اہل سنت جو امام اہل سنت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، محدث اعظم سید محمد جیلانی کچھوچھوی و دیگر مقدم علماء و مفسرین جنھوں نے اس تفسیر کو اختیار کیا یا مختلف تفاسیر کے ساتھ ایک تفسیر کے طور پر اسے بھی نقل کیا مثلاً علامہ بدر الدین عینی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، علامہ صاوی، محی الدین ابن عربی، علامہ سبکی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان پر کتنا زبردست اور نار وا حملہ ہے۔ ان کا کوئی غیرت مند عقیدت کیش "عقلاً مخدوش" جیسے سخت ریمارک کا پلٹ کر یہ جواب دے سکتا ہے کہ اس کا قائل خود "حِسّاً مخبوط" ہے۔ اس لئے کسی پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اس کا جواب اور انجام بھی اچھی طرح

سوچ لینا چاہیے۔

ایسے دور میں جب کہ "تحفظ توحید" کے نام پر "تنقیص رسالت" کی شر انگیز مہم چلائی جا رہی ہو کیا یہ بات عقلی طور پر قابل قبول نہیں کہ ترجمۂ قرآن کے اندر اس کی احتیاط برتی جائے کہ کسی جدید مؤحد کو بارگاہِ رسالت میں انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکے؟

واضح رہے کہ مولوی سرفراز گکھڑوی نے "تنقیدِ متین" نامی اپنی کتاب میں جب کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (از امام احمد رضا فاضل بریلوی) اور خزائن العرفان فی تفسیر القرآن (از صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی) پر لغو و مہمل اعتراضات کیے تو مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے توضیح البیان کے نام سے ایک وقیع کتاب لکھ کر ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا اور وہ اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور راقم الحروف چونکہ صدر الافاضل کے مسلک سے وابستہ ہے اور نعیمی سلسلہ سے مستفیض ہے لہٰذا اس سلسلہ کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے میری بھی ذمہ داری تھی کہ اس کتاب کے جواب میں قلم اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے حضرت صدر الافاضل کی معنوی امداد سے اس کتاب کا جواب لکھنا شروع کیا اور انھیں کی روحانی اعانت سے یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچی۔[۱۹]

مولانا سعیدی کنز الایمان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی کارنامے یوں تو ان گنت اور بے شمار ہیں، لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمۂ قرآن کو حاصل ہے وہ اسی کا حصہ ہے، یہ ترجمہ تمام تفاسیر معتبرہ کا خلاصہ ہے۔ آسان اور سادہ عبارت کی صورت میں حقائق و معارف کے خزینے سمو کر رکھ دیے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پر جو بظاہر اعتراضات ہونے ہیں ترجمہ کی خوبی سے وہ دور ہو جاتے ہیں اس ترجمہ میں رازی کی موشگافیاں ہیں غزالی کا تصوف ہے، جامی کی وارفتگی ہے۔ نعمان کا تفقہ ہے۔ آلوسی کی ژرف بینی ہے۔[۲۰]

اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھ کر قاری کے دل میں جو تاثر پیدا ہوتا ہے اس کی عکاسی کرتے ہوئے مولانا سعیدی لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ کا سچا شیدائی اور آپ کا صادق امتی جب اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھتا ہے تو نعت رسالت کی شمیم سے دماغ مہک اٹھتا ہے۔ پیمانۂ دل محبت رسالت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ روح جھوم جاتی ہے۔ اور رگ و پے میں عشق رسول خون بنکر دوڑنے لگتا ہے۔[۲۱]

یہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کہہ کر ہم مولانا سعیدی کے

خوبصورت تعمیر

انہیں گرانقدر تاثرات کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقت فہمی اور حقیقت نگاری کی توفیق عطا فرماتے ہوئے مسلک عشق و عرفان پہ قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

حواشی

۱۔ ص ۱۱۶۔ الایمان اُردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور جنوری ۱۹۸۰ء

۲۔ ص ۲۱۸۔ احکام شریعت حصہ سوم ملخصاً نذیر پبلشر اُردو بازار لاہور۔

۳۔ ص ۲۸۵۔ تفسیر المراغی جزر ۲۶ مطبوعہ مصر۔

۴۔ ترجمہ جواہر البحار جزء اوّل از علامہ نبہانی۔

۵۔ ص ۱۷۲ الانسان الکامل از سید علوی مالکی ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور۔

۶۔ تفسیر خازن ص ۱۳۹ نعمانی کتب خانہ لاہور۔

۷۔ ص ۱۵۷ جلالین۔ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۸۔ ص ۸۰ تفسیر صاوی جلد ۴ طبع مصر۔

۹۔ ص ۱۳۹۔ جلد دوم الفتوحات المکیہ۔ دار صادر بیروت۔

۱۰۔ ص ۱۳۸۔ الفتوحات المکیہ جلد دوم۔

۱۱۔ الفیوضات الملکیہ ص ۴۴ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی۔

۱۲۔ ص ۹۸ کتاب الصیام شرح مسلم جلد ثالث تحریر غلام رسول سعیدی۔ فرید بک اسٹال اُردو بازار لاہور طبع اوّل ۱۹۸۹ء

۱۳۔ ص ۱۶۱ فیوض الباری فی شرح البخاری کتاب الایمان حصہ اوّل۔ مکتبہ رضوان لاہور۔

۱۴۔ ص ۱۴۳ فیوض الباری حصہ اوّل۔

۱۵۔ ص ۲۷۷ نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد اوّل برکاتی پبلشرز۔ کھارادر کراچی۔

۱۶۔ ص ۱۰ شرح صحیح مسلم جلد ثالث از غلام رسول سعیدی

۱۷۔ ص ۱۰۰ شرح صحیح مسلم جلد ثالث۔

۱۸۔ ص ۹۸ شرح صحیح مسلم جلد ثالث۔

۱۹۔ ص ۳۳ توضیح البیان از مولانا غلام رسول سعیدی۔ طبع جنوری ۱۹۸۱ء۔ حامد اینڈ کمپنی اُردو بازار لاہور۔

۲۰۔ ص ۲۷ توضیح البیان

۲۱۔ ص ۳۲ توضیح البیان۔

نبی کے لئے گمراہی محال ہے

از قلم حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب شیخ الحدیث
دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى اور تمھیں تمہارے رب نے اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی (ترجمۂ رضویہ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مجدد دین وملت حضرت مولانا امام احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ ترجمہ عربی لغت، شریعت، و عقائد اہلسنت کے بالکل مطابق و تفاسیر قرآن کا عطر تحقیق و نچوڑ ہے۔

تمام اہل حق کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں یعنی شرک و کفر و گمراہی اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت وغیرہ یا صفات ذمیمہ سے ان کا متصف ہونا اور ہر گناہ کبیرہ کا قصداً یا سہواً اور ہر گناہ صغیرہ کا قصداً ان سے صادر ہونا قبل نبوت و بعد نبوت شرعاً محال ہے — اب ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ پڑھیئے "اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی یعنی گمراہ پایا پھر ہدایت دی" مودودی نے جہاں بہت کفریات بکے ہیں وہاں مذکورہ بالا آیت کریمہ کا اس کا ایک کفری ترجمہ بھی ہے۔ یہ ترجمہ عربی لغت و شریعت و عقائد حقہ اہلسنت وجماعت اور تمام اہل حق کے عقیدۂ متفقہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف: غلط و باطل و گمراہ کن ہے اور حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ جو اوپر ذکر کیا گیا حق و صواب نور و عرفان عین ایمان صحیح ترجمۂ قرآن ہے۔ بات مکمل طریقہ سے محقق اس وقت ہوگی جبکہ پہلے لفظ ضالاً کی تحقیق ہو جائے۔ ضال اسم فاعل ہے۔ اس کا مصدر ہے ضلال و ضلالت۔ اس کے اصلی حروف ہیں ضلل۔ ض اور دو لام۔ اس کا ماضی ہے ضَلَّ مضارع ہے یَضِلُّ۔ مصدر ضلال و ضلالت کا اصلی لغوی معنی ہے گم ہونا۔ اصول تفسیر میں ایک کتاب ہے مختارات یہ ایک مصری عالم کی تصنیف ہے اس کتاب میں مصنف نے لکھا ہے کہ جب زیادہ دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دیا جاتا ہے تو عربی زبان میں کہتے ہیں ضَلَّ الماءُ فی اللبن پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ انسان کا گم ہونا دو طرح ہوتا ہے ایک اپنے گم ہونا اس کو بے خودی کہتے ہیں۔ اور دوسرے راستے سے گم ہونا اس کو گمراہی کہتے ہیں۔ تو ضلال و ضلالت کے دو معنی ہوئے ۱ بے خودی ۲ گمراہی۔ جب مصدر کے دو معنی ہوئے تو ضالٌ اسم فاعل کے بھی دو معنی ہوں گے ایک بے خود دوسرا گمراہ اور جب لفظ کے ایک سے زیادہ معنی موضوع لہ ہوں اس کو لفظ مشترک کہتے ہیں اور لفظ مشترک جب کسی

جگہ استعمال کیا گیا تو وہاں اس کا ایک ہی معنی مراد ہوگا جس پر قرینہ قائم ہو —— قرائن میں سے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جب ایک معنی محال ہو تو دوسرا معنی مرادہونا متعین ہے۔
اب آیئے اسی اصل معلوم اور اسی قانون معروف و مشہور پر آیت کریمہ میں لفظ ضَالًّا کی تفسیر و تاویل کی بات کی جائے اور جو معنی مراد ہے اس کا بیان و اظہار کیا جائے اللہ تعالیٰ و تقدس نے اپنے محبوب کو مخاطب فرماکر فرمایا وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى اور اے محبوب آپ کو آپ کے رب نے اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ وَوَجَدَكَ میں کاف خطاب سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ آپ ہی کے لئے ضَالًّا فرمایا گیا۔ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ نبی کے لئے گمراہ ہونا محال ہے اسلئے آیت میں ضَالًّا سے گمراہ مراد لینا محال ہوگیا لہذا دوسرا معنی خود رفتہ مراد لینا متعین ہوگیا۔ امام اہلسنت اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت علیہ الرحمۃ نے یہی معنی اپنے ترجمہ کنز الایمان میں بیان فرمایا ہے —— اب رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس وجہ سے بے خود تھے تو اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ غار حرا میں پہلی وحی اقْرَاْ الخ آنے کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ایک روایت ۴۰ دن ایک روایت میں تین سال وحی رک جانے کی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتظار و شوق وحی و ہمکلامی رب کی خاطر بے قرار ہوگئے بے قراری اس قدر بڑھی کہ حضور نے خود فرمایا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ کوئی مجھ کو خودکشی کرنے والا کہے گا تو اپنے کو کسی پہاڑی کے اوپر سے نیچے ڈال کر ہلاک کر ڈالوں۔ اور اسی بے قراری کی حالت میں کفار آپ کو طعنہ بھی مارتے کہ معاذ اللہ محمد کے رب نے محمد کو چھوڑ دیا اور مکروہ جانا —— بہر حال جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مدت تک وحی نہ آنے کے سبب خود رفتہ و بے خود ہو گئے تو اللہ عزوجل نے پھر وحی کا سلسلہ پھر شروع فرماکر آپ کی بے خودی اور وارفتگی کو دور فرمادیا۔ قرآن کی تفسیر اگر قرآن سے ہو۔ تو یہ بہت عظیم و جلیل نہایت مستند و معتمد تفسیر ہوتی ہے سورۂ یوسف میں بھی حضرت یعقوب

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

علیہ السلام کے لئے لفظ ضلال بے خودی کے معنی میں آیا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا مصر سے کنعان لایا جا رہا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں لڑکوں پوتوں سے فرمایا کہ میں اپنے گم شدہ بیٹے یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پا رہا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے تو لڑکوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ اپنی پرانی خود رفتگی میں ہیں جو ایسی بات کہہ رہے ہیں —— اس آیت میں بھی ضَلَال سے گمراہی مراد لینا محال ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں گمراہی سے پاک ہیں اور سیاق و سباق کے قرینہ سے بھی بے خودی کا ہی معنی مراد لینا متعین۔ ہم وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى سے پہلے کی آیتوں کا ترجمہ بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ خوب اچھی طرح یہ بات واضح ہو جائے کہ یہاں گمراہ معنی مراد لینا سیاق کلام کے بھی خلاف ہے —— رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰى وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى

عن امیر المومنین ابی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى

فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ

رواہ إماما المحدثین ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن المغیرۃ البخاری وابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم

ترجمہ :۔ چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے۔ یا قسم آپ کے چہرۂ پُرنور کی اور زلف دوتا کی کہ تمہیں تمہارے رب نے نہیں چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے ۔۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی ۔

شان نزول :۔ چند روز وحی نہ آئی تو کفار نے بطریق طعن کہا کہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور مکروہ جانا اس پر سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی۔ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی تسکین خاطر فرمایا اور اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اپنے محبوب پر کیں اور کفار کے طعن کا جواب تھا یا کہ میں نے وحی کا سلسلہ کچھ دن بند کر کے اپنے محبوب کو نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ یہ تو محب اور محبوب کے درمیان محبت کا ایک انداز اور ایک شان تھی کہ محب حقیقی نے محبوب حقیقی کے ساتھ پیغام رسانی کا سلسلہ بند کر دیا تاکہ اپنے محبوب کی فرط محبت اور بے قراری کو لوگوں پر ظاہر فرمائے ۔ جیسے بلا تشبیہ دنیا میں ایک محب اپنے محبوب کو خط لکھنا۔ پیغام رسانی کرنا کبھی بند کر دیتا ہے تاکہ اپنے محبوب کی بے قراری و خود رفتگی کو دیکھے اور یہ بندش محبت کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ چھوڑنے اور ناپسند کرنے کے سبب ۔۔ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ غلط، باطل ترجمہ کفر و طغیان ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ حق صحیح اسلام و ایمان اور نور عرفان ہے ۔

ضرورتِ نبوّت

غزالئ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ ملتان

اس میں شک نہیں کہ انسان میں جسمانیت، حیوانیت اور ملکیت سب کچھ موجود ہے۔ جسم کے متعلقات ومناسبات جسمانیت کے لیئے ضروری ہے۔ جیسے زمان ومکان، تشکل وتناہی، ہیئت ومقدار وغیرہ اور حیوانیت کے لوازمات وملحقات حیوانیت کے لیئے لازم ہیں، جیسے کھانا پینا اور اس کے متعلقات۔ اسی طرح ملکیت کے مصحات ومتعلقات کا ملکیت کے لیئے ہونا ضروری ہے۔ جیسے تسبیح وتحمید لیکن جس طرح جسمانیت وحیوانیت وملکیت تینوں انسان کے اردگرد گھومتی ہیں اسی طرح ان کے جملہ ضروریات ومناسبات بھی ضروریات ومناسبات انسانیہ کے آس پاس گردش کرتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ انسان کل کائنات کے حقائق لطیفہ کا مجموعہ ہے اور سب مخلوقات انسان کی خادم اور انسان سب کا مخدوم ہے۔ لہٰذا کل مخلوقات انسان کی ضروریات کی خادم اور انسانی ضروریات سب کی مخدوم ہیں۔ گویا کل کائنات کی ضروریات ضروریات انسانیہ کے محور پر گھوم رہی ہیں۔ دنیائے انسانیت کا یہ عظیم الشان نظام دامن نبوت سے وابستہ ہے یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہِ نبوت سے قائم نہیں ہوا۔ وہ حیوانیت اور بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے۔

ضرورتِ نبوّت پر پہلی دلیل

مقصد تخلیق کے حصول کا موقوف علیہ ہمیشہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ انسان معرفتِ الٰہیہ کے لیئے پیدا کیا گیا ہے اور خدا کی معرفت کا حاصل ہونا نبوت ورسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیئے نبوت ورسالت کا وجود انسان کے لیئے ضروری ہے۔ منکرین نبوت کا یہ کہنا علم وعقل کی روشنی میں قطعی باطل ہے کہ جب انسان کے پاس حواس اور عقل دونوں موجود ہیں تو اُسے نبوت ورسالت کی کوئی ضرورت نہیں۔" خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیئے یہ حواس کافی ہیں نہ عقل؛ جن لوگوں نے خدا کی معرفت کے لیے حواس کو کافی سمجھا وہ محسوسات ومظاہر کائنات کی پرستش میں مبتلا ہوگئے اور جنھوں نے عقل پر اعتماد کیا ان میں اکثر لوگ خدا کے منکر ہوگئے اور جو صریح انکار کی جرأت نہ کرسکے انہوں نے ذات وصفات کے مسائل میں ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ معرفت کی راہوں سے بہت دور جا پڑے اور عقل نارسا کی وادیوں میں بھٹک کر ظنون واوہام کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا۔ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ

رہا یہ امر کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی معرفت ضروری ہے یا نہیں تو یہ ایک علیحدہ موضوع ہے یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ موضوع کا وجود صانع کے وجود کی دلیل ہے اور مصنوع کی تخلیق کسی حکمت و مقصد کے بغیر نہیں ہوتی اور کسی مصنوع کی حکمت تخلیق کا فوت ہو جانا اس مخلوق کے عبث ہونے کو مستلزم ہے۔ انسان کے اوصاف و خواص اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے خالق کا مظہر ہے۔ اب اگر وہ اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی نہ پہچانے تو اس نے خود اپنے وجود کو عبث قرار دیا۔ اور اگر پہچانے تو وہ ذات باری تعالیٰ کا مظہر ہے لہٰذا اپنے آپ کو صحیح معنوں میں پہچاننا دراصل اپنے خالق کو پہچاننا ہے جیسا کہ مشہور ہے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" لہٰذا ثابت ہو گیا کہ معرفت خداوندی کے بغیر انسان کا وجود عبث ہے اور اگر انسان چاہتا ہے کہ میرا وجود عبث نہ ہو تو معرفت الٰہیہ کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔

ضرورت نبوت پر دوسری دلیل

قانون فطرت ہے کہ ہر نوع کے مدرکات کو معلوم کرنے کے لئے ادراک عطا کیا گیا ہے مثلاً مبصرات کو جاننے کے لئے ادراک بصری اور مسموعات کے لئے ادراک سمعی۔ علیٰ ہٰذا القیاس پانچوں حواس کو لیجئے ہر نوع محسوس کے لئے اسی نوع کا حاسہ ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد معقولات کا وجود ہے جنہیں معلوم کرنے کے لئے عقل عطا فرمائی۔ نیز ادراک انسانی کی تگ و دو حواس و عقل سے آگے نہ تھی مگر اس کی ضروریات کا تعلق ان دونوں سے آگے تھا جسے عالم غیب کہا جاتا ہے۔ جب تک اس عالم تک کسی کی رسائی نہ ہو اس مقام کے ساتھ متعلقہ انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ نبوت جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے "اطلاع علی الغیب" ہی کا نام ہے۔ لہٰذا انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لئے نبوت کا ہونا ضروری ہے۔

ضرورت نبوت پر تیسری دلیل

ادراک ہے اور اس سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے ازالہ کے لئے عقل کا اس پر حاکم ہونا ضروری ہے مگر جب عقل بھی ٹھوکر کھائے تو اس کا ازالہ نہ عقل کر سکتی ہے نہ حواس کیونکہ حواس عقل کے محکوم ہیں اور عقل بحیثیت عقل ہونے کے مساوی ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ عقل پر ایسی چیز کو حاکم تسلیم کیا جائے جو غلطی سے پاک ہے۔ اور وہ نبوت ہے کیوں کہ نبوت ہی غلطی سے مبرا ہے۔ لہٰذا اختلاف عقل کی مضرتوں سے بچنے کے لئے نبوۃ کو ماننا ضروری ہے۔ نبوت کا غلطی سے پاک ہونا ہی عصمت نبوت کا مفہوم ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ "عصمۃ" لوازم نبوت سے ہے اس مقام پر زلات انبیاء علیہم السلام سے وہم پیدا کرنا درست نہیں۔

استدراک: شاید اس بیان کی روشنی میں ضرورت نبوت کے ساتھ اجرائے نبوت کا شبہ پیدا کر لیا جائے اس لئے گزارش ہے کہ ضرورت نبوت سے اجرائے نبوت ہرگز لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ نوع انسانی اپنی حیات کے منازل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہونچ گئی تھی کہ اس کے لئے جو نظام مقرر کیا جائے قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لئے وہی قابل عمل ہو چنانچہ ارشاد فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" میں نے آج تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے تمہارے

دین اسلام کو پسند کر لیا۔ یہ ارشاد خداوندی منکرین ختم نبوت کے اس شبہ کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت محمدیہ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے۔ جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبوت و رسالت محمدیہ ہی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا مقصود نہیں ضرورت نبوت کے ایسے اجراء نبوت کو لازم سمجھنا اکمال دین کے منافی ہے۔ ضرورت نبوت کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرتے چلیں۔ تاکہ عصمت و نبوت کا باہمی تعلق اور زیادہ ہو جائے۔

بعثت انبیاء کی حکمتیں

قرآن کریم میں بعثت انبیاء علیہم السلام کی حکمتیں بکثرت آیات میں بیان کی گئی ہیں جن میں بعض حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

(پ ۵۔ سورۃ نساء)

۲۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ

(پ ۷۔ سورۃ انعام)

۳۔ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (پ ۲۲۔ سورۃ احزاب)

۴۔ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ ۵ سورۃ نساء)

۵۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔

(پ ۴۔ سورہ آل عمران)

ضرورت نبوت کے ضمن میں جن امور کو ہم نے بیان کیا ہے یہ آیات مبارکہ روز روشن کی طرح ان کی تائید کرتی ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے متعلق حسب ذیل حکمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرانا۔

(۲) عالم غیب سے متعلق آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا۔

(۳) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نجات کا اُخروی اور سعادت ابدی کے لئے شرط ہونا۔

(۴) اطاعت رسول کا اطاعت خداوندی ہونا تاکہ بندوں کے لئے طاعت الٰہی کی راہ متعین ہو جائے۔

(۵) آیات الٰہیہ کو تلاوت کرنا۔

(۶) ایمان والوں کا ظاہر و باطن پاک کرنا۔

(۷) کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینا۔

بیان سابق کی تفصیلات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اگر نبوت اور رسالت کے ان مناصب و بعثت انبیاء علیہم السلام پر غور کیا جائے تو یقیناً عصمت نبوت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ کم از کم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہ کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسی عدالت پر بٹھانا۔ ان پڑھ آدمی کو علم و حکمت کی نوشتگاہوں کا کام سونپنا۔ کسی بدکار فاسق و فاجر کو عفیفات کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے متعین کرنا۔ بیمار و ناتواں کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا۔ گم کردہ راہ سے ہدایت طلب کرنا۔ کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ ان کی انجام دہی کا منصب انبیاء علیہم السلام کو سونپ دے؟ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں۔ جن کا ہونا ان کے لئے ضروری تھا۔ اور یہی عصمت کا مفہوم ہے جس کے بغیر نبوۃ ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج۔

اسلامی عقائد میں عقیدۂ رسالت نہایت اہمیت کا حامل ہے حتی کہ کوئی شخص رسول کو مانے بغیر خدا کو مان لے تو اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہے اگر مقام رسالت کی ادنیٰ بے ادبی ہو جائے تو عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی سطح پر لے آئے تو وہ ورطۂ شرک میں گر جاتا ہے۔ الحاد اور دہریت نے یہ شبہات پیدا کر دیئے کہ نبی کی کیا ضرورت ہے۔ وصال خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکز ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس نہیں ہو سکتے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ نبوت سے متعلق تمام اہم حقائق دلائل کے ساتھ مختصراً پیش کر دیئے جائیں تاکہ ایک عام انسان کو مقام رسول سے آگہی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ضرورت نبوت

انسان حواس و خرد کا مالک ہے نظر و فکر کی استعداد رکھتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہے۔ فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صالح حیات کا کوئی لمحہ اعانت وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا ہے۔ علماء اسلام نے ضرورت نبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں بعض ان میں یہ ہے۔

(۱) واقعات عالم اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جن لوگوں نے نبی اور رسول کے بغیر خالق کو تلاش کیا وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ کسی نے آگ کی پوجا کی اور کسی نے گئو ماتا کی۔ کوئی بت پرستی کا شکار ہوا۔ اور کوئی کواکب پرستی کا۔ لہٰذا تاریخ اور تجربے سے یہ ثابت ہے کہ نبی اور رسول کے بغیر انسان خدا کی

کا صحیح تصور نہیں پا سکتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ذات مبدأ فیاض ہے اور انسانی اکتساب فیض کرنے والا ہے اور افادہ و استفادہ کے لئے ضرور ہے کہ مفید اور مستفیض کے درمیان کوئی نہ کوئی مناسبت ہو جبکہ واجب اور ممکن اور قدیم اور حادث کے درمیان کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ تھی تو افاضہ و استفاضہ کیسے ہو سکتا تھا۔ فیض دینے والا خالق قادر اور لینے والی مخلوق عاجز تھی۔ تو اس کی رحمت نے چاہا کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جو عام بندوں اور خدا کے درمیان برزخ کی شان رکھتی ہو جس کی ایک صفت اللہ سے واصل اور دوسری بندوں میں شامل ہو۔ تاکہ وہ پہلی حیثیت سے خدا سے فیض لے اور دوسری حیثیت سے بندوں کو فیض دے اور اس مخلوق کا نام اس نے نبی و رسول رکھا۔

(۳) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خارج اور ظاہر کے ادراک کے لئے حواس کو پیدا کیا اور معانی اور بواطن کے ادراک کیلئے عقل کو پیدا کیا اسی طرح غیب کے ادراک کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو پیدا فرمایا اور جس طرح صورت کا بغیر حواس کے اور معنی کا بغیر عقل کے انسان کی سمجھ میں آنا محال ہے۔ اسی طرح غیب کا ادراک بغیر نبوت کے ناممکن ہے۔ حشر و نشر جنت و دوزخ حساب و کتاب اور دوسرے امور جن کا تعلق غیب سے ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو غیب الغیب ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی ہم نبی کی وساطت کے بغیر نہیں جان سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری اس ضرورت کے سبب نبی اور رسول کو پیدا فرمایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ لیکن یہ آنکھ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ خارجی نور اس کا معاون نہ ہو۔ اس طرح عقل کو اللہ تعالیٰ نے معرفت ذات کے لئے پیدا فرمایا ہے لیکن عقل اس وقت تک ذاتِ الٰہی کی معرفت نہیں پا سکتی۔ جب تک کہ آفتابِ نبوت اس کا معاون نہ ہو۔

(۵) بسا اوقات حواس غلطی کر جاتے ہیں۔ مثلاً متحرک سواری میں بیٹھے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا۔ لیکن بعض اوقات عقل بھی مغالطہ کھا جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ عقل کی اصلاح کے لئے بھی کسی ہادی کو پیدا کیا جاتا۔ اور جو حقیقت عقل کی اصلاح کرنے والی ہے وہی نبوت ہے۔

(۶) انسان طبعی طور پر شہوت اور غضب سے مغلوب ہوتا ہے اور عام طور پر دنیا میں منہمک اور آخرت سے غافل ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ کوئی شخص اپنی تعلیم سے اس میں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت پیدا کرے۔ عذاب کی وعید سے خوف خدا اور ثواب کی ترغیب سے شوق وصال پیدا کرے۔ اس ضرورت کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

(۷) انسان مصنوعات کی رہنمائی سے عقل کے ذریعے اگر صانع کا عرفان حاصل بھی کر لے تب بھی اس کے احکام کی تفصیلات کو عقل محض سے نہیں جان سکتا۔ اور تفصیل احکام میں وہ نبی کا محتاج ہے تو اپنے احکام کی تفصیل بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

(۸) اگر اللہ تعالیٰ فقط کتاب نازل کر دیتا اور نبی پیدا نہ کرتا تو عرفانِ ذات کے لئے یہ بھی ناکافی تھا۔ کیونکہ کتاب فقط احکام کا علم دیتی ہے اس کی تشریح نہیں کرتی۔ نبی کے بغیر عقل انسانی ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔ پس اللہ نے نبی بھیج کر عقل انسانی پر کرم فرمایا کہ وہ احکام کی تشریح نبوت کی زبان سے پا سکے۔

(۹) اگر ہمارے سامنے احکام ہوتے تو ممکن تھا کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ احکام انسانی ــــــ

کے لیے قابل عمل نہیں۔ اس لیے نبی ان احکام پر عمل کر کے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ احکام دشوار نہیں۔ قابل عمل ہیں۔ وجود نبوت کے بغیر ان احکام کے لائق عمل ہونے کی کوئی سند نہیں ہے۔

۱۰۔ کتاب سے فقط احکام کا علم حاصل ہوتا ہے ان پر عمل کرنے کا طریقہ اور نمونہ صرف نبی کی ذات سے ملتا ہے نبی صرف حامل کتاب نہیں ہوتا۔ مجسم کتاب ہوتا ہے۔ اس کی سیرت اور کردار عبارت کتاب کی اور عبارت کتاب اس کی سیرت اور کردار کی تعبیر ہوتی ہے۔

حقیقت نبوّت

اصطلاح شرح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کے پاس بھیجا ہو۔ اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔ ہر نبی کے لیے معجزہ ضروری ہے، اولاً تو اس لیے کہ نبوت صادقہ اور کاذبہ کے درمیان فارق صرف معجزہ ہے اللہ تعالےٰ جھوٹے نبی کے صدق پر کوئی خارق عادت ظاہر نہیں فرماتا۔ اب اگر سچے نبی کے صدق پر بھی کوئی امر خارق ظاہر نہ کیا جائے تو سچے اور جھوٹے نبی کے درمیان امتیاز نہ ہو سکے گا اور یہ مقصد بعثت کے منافی ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ بخاری شریف میں ہے کہ "انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا۔ مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لیے کافی تھیں"۔

علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اتری ــــ عام ازیں کہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ شخص ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔ اس جگہ ایک شبہ ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کے پاس جب وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے۔ امام رازی نے نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے اظہار کے لیے امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے نبی کے سامنے معجزہ لاتا ہے اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے ہمیں ایک وصف دیا ہے جس کی وجہ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس وصف کے ساتھ ایک اور وصف بھی دیا ہے جس سے اس کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین میں امتیاز ہو جاتا ہے[1] ہم چونکہ صرف حواس اور عقل سے ادراک کرتے ہیں اس لیے ہم پر فقط وہی امور منکشف اور متمیز ہوتے ہیں جو حواس اور عقل کے دائرہ میں ہیں اور نبی حواس کے علاوہ ایک اور صفت سے بھی ادراک کرتا ہے جس سے اس امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں اس لیے فرشتہ کی لائی ہوئی وحی اس کے نزدیک ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر اور آفتاب سے زیادہ صاف اور یقینی ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کی کتنی صورتیں ہیں اس کا کسی عدد متعین میں انحصار تو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ علماء کرام نے تتبع اور تلاش سے جس قدر صورتوں کو معلوم کیا ہے وہ یہ ہیں۔

ا۔ خواب کے ذریعے کوئی حکم دیا جائے جس طرح حضرت ابراہیم کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں

ب۔ گھنٹی کی آواز کی طرح وحی محسوس ہو۔

ج نبی کے دل میں کوئی بات القاء کی جائے۔

د جبرائیل نبی سے کسی معروف انسان کی شکل میں آ کر کلام کرے جیسا کہ جبرائیل نے دحیہ کلبی کی شکل میں آ کر حضور سے گفتگو کی۔ . . . . .

ہ جبرائیل کسی غیر معروف انسان کی شکل میں آ کر کلام کیا کریں جیسے جبرائیل نے اعرابی کی شکل میں حضور سے گفت گو کی۔ . . . . . .

---

[1] ان له صفة بها تتم له الانفعال الخارقة للعادات كما ان لنا صفة بها تتم الحركات المقرونة بارادتنا واختيارنا وهي القدرة (احياء العلوم ج ۴ ص ۱۹۰)

و جبرائیل اپنی اصلی شکل میں آکر ہمکلام ہو جیسے حضور سے جبرائیل نے اصلی شکل میں آکر باتیں کیں۔

ز اللہ تعالیٰ پردہ کی اوٹ سے کلام کرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا۔

ح اللہ تعالیٰ نبی سے بیداری میں بے واسطہ کلام کرے جیسے حضور سے شب معراج میں کلام فرمایا۔

ط اللہ تعالیٰ رسول سے اس کی نیند میں کلام فرمائے جیسے معراج منامی کے واقعات ہیں۔

ی اسرافیل کے ذریعے وحی کی جائے جیسے بعثت سے پہلے اسرافیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ (بروایت شعبی)

ک نیند میں نبی فرشتوں کا کلام سُنے اور ایسے متعدد واقعات ہیں۔

اعجاز نبوت

معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں بعض متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور بعض مبتدعین نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ جس طرح لکھتے وقت کاتب کے ہاتھ میں قلم بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔ ایسی طرح اظہار معجزہ کے وقت نبی بھی بے اختیار اور بے بس ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ معجزے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو نبی کا فعل ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن لگا کر حضرت ابوقتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگا دینا یا سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑ دینا معجزہ کی یہ قسم نبی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو نبی کا فعل نہ ہو۔ لیکن اس کا کسی وجہ سے نبی کے ساتھ تعلق ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگنا یہ معجزے ہیں۔ لیکن ان کے اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار کا دخل نہ تھا۔

جو معجزہ نبی کا فعل ہوتا ہے اس کا اختیاری ہونا ایسا ہی ہے جس طرح ہمارے افعال ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں کہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کاسب ہم ہیں اس طرح جو معجزات انبیاء علیہم السلام کے افعال ہیں۔ ان کا خالق اللہ ہے اور اس کے کاسب انبیاء علیہم السلام ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس سے ہمیں حرکات اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے۔ اس طرح انبیاء کی ایک صفت ہوتی ہے جس کے سبب معجزات ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اور میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں کہ صحیح ترین بات یہی ہے کہ معجزہ انبیاء کا مقدور ہوتا ہے [1]

منصب نبوت

نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا۔ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہٰذا نبی زمین پر خدا کا نائب مطلق اور خلیفہ علی الاطلاق بن کر آتا ہے۔ نبی کا قول اللہ کا قول، نبی کا فعل اللہ کا فعل اور نبی کی مرضی اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول سے بیعت کی اس نے اللہ سے بیعت کرلی۔ اسی وجہ سے ابن تیمیہ نے کہا وقد اقامه الله مقام نفسه فی امره ونهیه واخباره وبیانه [2] اللہ تعالیٰ نے نبی کو امر و نہی اور خبر و بیان میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔

---

[1] ان نفس هذه الحركة معجزة من جهة كونها خارقة للعادة ومخلوقة دان كانت مقدورة للنبی الله تعالیٰ وهو الاصح (شرح مواقف ص ۶۶۶)

[2] الصارم المسلول

نبی قوانین کا واضع اور احکام کا شارع ہوتا ہے۔

اس کا امر خدا کا امر اور اس کی نہی خدا کی نہی ہوتی ہے نبی کے حکم دینے کے بعد امت کے لئے عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔ اور نبی کے فیصلہ کے بعد اس سے اختلاف تو کجا اس کو ناگوار سمجھنے سے بھی انسان مسلمان نہیں رہتا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ آپ کے رب کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ کا حکم نہ مان لے اور آپ کا کیا ہوا فیصلہ اسے ناگوار بھی نہ ہو۔ حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو ان صریح احکام کے باوجود منصب نبوت کو مرکز ملت کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مرکز ملت یا سربراہ مملکت سے نفاق رکھنے کے سبب تو کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے جب کہ نبی سے نفاق رکھنے کی وجہ سے تو کوئی شخص مسلمان نہیں رہتا[1]۔ کیا مرکز ملت کے فیصلہ کو ناگوار سمجھنے سے آدمی دین سے نکل جاتا ہے۔ حالانکہ نبی کا فیصلہ جس کو پسند نہ ہو وہ کافر ہو جاتا ہے[2]۔ مرکز ملت کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ جس چیز کو چاہے حلال کہے اور جس کو چاہے حرام کر دے اس کے برخلاف نبی کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے[3]۔ مرکز ملت کے اقوال و افعال حجت شرعیہ نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس نبی کا ہر قول اور ہر فعل شرعی ہے نبی کا ہر وقت وحی سے رابطہ قائم رہتا ہے اس لئے اس کی ہر بات مستند ہوتی ہے اور مرکز ملت کی ہر استقامت پر کوئی سند نہیں ہوتی[4]۔

انکار حدیث کی بنیاد اس امر پر ہے کہ نبی کی حیثیت مرکز ملت کے مساوی ہے جس طرح ایک سربراہ مملکت کے احکام اس کے دور حکومت میں نافذ ہوتے ہیں۔ قیامت تک لاگو نہیں ہوتے۔ اسی طرح نبی کی احادیث بھی اپنے وقت میں حجت تھیں، قیامت تک کے لئے سند نہیں ہیں اور اب جب یہ ظاہر ہو گیا کہ نبی کو مرکز ملت پر قیاس کرنا قطعاً باطل اور فاسد ہے تو احادیث نبویہ کا حجت ہونا بھی بے غبار ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اللہ کی کتاب کا معلم اور شارح بن کر آتا ہے۔ نبی کی تعلیم سے آیات کے معانی متعین ہوتے ہیں اور احادیث رسول سے صرف نظر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ الغرض نبی کتاب کا شارح، ایمان کا مبنیٰ اور اللہ کا نائب ہوتا ہے اور مرکز ملت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

علوم نبوت

نبی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہوتا ہے۔ افراد امت کے ایمان اور نفاق اور حسنات و سیئات سے واقف ہوتا ہے۔ شہادت اور غیب پر یکساں نظر رکھتا ہے۔ امام غزالی حقیقت نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں عقل سے آگے ادراک کا ایک اور ذریعہ ہے۔ جہاں سے ایک اور آنکھ کھلتی ہے اس آنکھ سے نبی غیب کے آئندہ ہونے والے واقعات کو اور دوسرے ان حقائق کو دیکھ لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی[5]۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

غیب کی دو قسمیں ہیں۔ غیب اضافی اور غیب مطلق

---

[1] اذا جآءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون

[2] ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما

[3] يحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث۔

[4] ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

غیب اضافی وہ ہے جو سب کے لیے غیب نہ ہو بعض سے غائب اور بعض پر ظاہر ہو جس طرح صورت اور رنگ غیب ہیں لیکن اندھے کے لیے، بینا کے لیے نہیں اسی طرح جن اور ملائکہ جنت اور دوزخ غائب ہیں لیکن انسانوں کے لئے، فرشتوں کے لیے نہیں۔ اور بھوک اور پیاس، شہوت وغضب فرشتوں کے لیے غیب ہیں انسانوں کے لیے نہیں۔ پس یہ تمام صورتیں غیب اضافی کی ہیں اور جو چیز تمام مخلوقات کی نظر سے غیب ہو، وہ غیب مطلق ہے اور اس غیب پر اللہ صرف اپنے نبی اور رسول کو مطلع کرتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم یوں تو عام انسانوں کو بھی ہوتا ہے اور فرشتوں کو بھی لیکن جو غیب نبی کے ساتھ مختص ہے وہ سب سے خاص اور منفرد غیب ہے اور وہی اس آیت کریمہ کا منشأ ہے۔ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ اللہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوا ان لوگوں کے جن پر اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو علم دیا ہے اس کا ذکر یوں فرماتا ہے انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔ شیطان اور اس کی ذریات روئے زمین کے تمام بنی آدم کو دیکھتی ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ نبی کا علم شیطان سے زیادہ ہو۔ ورنہ شیطان علم کے اعتبار سے نبی پر غالب ہوگا۔ اور یہ سراسر باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لاغلبن انا ورسلی۔ میں اور میرے رسول غالب ہیں ثانیاً۔ اس لیے کہ جب شیطان نبی پر غالب ہوا تو جس طرح وہ دوسروں کو گمراہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح نبی کو گمراہ کرنے پر قادر ہوگا۔ حالانکہ شیطان نے خدا کے سامنے خود اعتراف کیا کہ فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔ اے رب تیری عزت وجلال کی قسم میں سب لوگوں کو گمراہ کردوں گا ماسوا تیرے مخلص بندوں کے۔ پس ضروری ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تمام روئے زمین کے بنی آدم کا علم عطا فرمایا ہے — حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو شیطان کے لیے روئے زمین کا علم مانتے ہیں اور نبی کے لیے پس دیوار کا علم بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھلائیں۔

امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں تحت الثریٰ سے عرش عظیم تک کوئی حقیقت نہیں تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کو دکھلا دیا۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ شیطان کا علم علوم نبوت کی عظمتوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر شیطان روئے زمین کے بنی آدم کو دیکھتا ہے تو نبی کی نظر میں فرش سے عرش تک کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی اور شیطان تو کجا فرشتوں کا

ؒ وراء العقل طور آخر تنفتح فیہ عین اخرٰی یبصر بالغیب وما سیکون فی المستقبل امور اخر العقل معزول عنھا المنقذ من الضلال ص ۵۳

علم بھی نبی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔ مخلوقات میں آخری مرتبہ نبی کا ہوتا ہے جس پر تمام حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ اور ایک جگہ لکھتے ہیں نبی کی ایک صفت ہے جس سے وہ نیند یا بیداری میں آئندہ ہونے والے واقعات کو غیب سے جان لیتا ہے اور اس صفت سے وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اور غیب کے امور کو دیکھ لیتا ہے

ان لہ صفۃ بہا یدرک ما سیکون فی الغیب اما فی الیقظۃ او فی المنام اذ بہا یطالع اللوح المحفوظ فیری ما فیہ من الغیب۔

لوح محفوظ کے علوم کا احاطہ کر لینا غیب مطلق کو جان لینا اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہونا اگرچہ یہ بھی علوم نبوت کی عظیم اقسام ہیں۔ لیکن نبوت کا اصل کمال اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے ثمرات کے عارف ہوتے ہیں اور دنیا میں ہونے والے ہر واقعہ اور حادثہ کا ربط اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتے ہیں انہیں پتہ ہوتا ہے فلاں واقعہ فلاں صفت کا ثمرہ ہے۔ وہ صفات شناسائے ربوبیت ہوتے ہیں۔ اور آنے والے حوادث کا رخ ابروئے الوہیت سے پہچان لیتے ہیں۔

استصواب

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے علوم میں ایسا ہی عموم اور شمول ہوتا ہے تو علم کے باوجود حضرت آدم نے دانہ گندم کیوں کھایا۔ جب حضرت یعقوب کو علم تھا کہ حضرت یوسف کنویں میں سلامت ہیں تو ان کے غم میں کیوں روتے رہے۔ جب حضور کو علم تھا کہ کفار کی دعوت پر ستر قاریوں کو بھیجنا۔ بالآخر کفار کے ہاتھوں ان کی شہادت کا سبب ہوگا تو آپ نے انھیں کیوں بھیجا۔ جواباً گزارش ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر غفلت یا نسیان زائلے ثانیاً۔ عرض یہ ہے کہ ان مثالوں سے علم کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ حضرت آدم کو یقیناً علم تھا کہ دانہ گندم سبب مواخذہ ہے۔ لیکن انھوں نے بھول کر کھایا اور حضرت یعقوب کو قطعاً معلوم تھا کہ حضرت یوسف سلامت ہیں اور ان سے ملاقات ہوگی۔ کیوں کہ ان کے خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی مگر غلبۂ محبت کے باعث وہ خود فراموشی کے عالم میں تھے اور فراق یوسف کے صدمے سے روتے رہتے تھے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کی خباثتوں کے علم کے باوجود صحابہ کرام کو بھیجنا متعدد حکمتوں کے سبب تھا۔ ایک یہ کہ حضور یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ قتل کے خوف سے تبلیغ دین نہیں ہونی چاہیئے۔ دوسری یہ کہ حضور نے علم کے باوجود قضا وقدر کی موافقت کے لیئے صحابہ کو بھیجا۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ اگر حضور کفار کی دعوت پر قاریوں کو نہ بھیجتے تو کل حشر کے دن کفار اللہ کے سامنے حضور کے خلاف استغاثہ کرتے کہ ہم نے طلب ہدایت کے لیئے مبلغ مانگتے تھے۔ تیرے نبی نے ان کو نہیں بھیجا۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ حضور نے باوجود علم کے صحابہ کو بھیج کر ان کے لیے شہادت کی سعادت کا موقع فراہم کیا جس کے لیئے وہ ترستے رہتے تھے اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ قاریوں کے بھیجنے پر اعتراض اس شخص کے ذہن میں ہوگا جس کا مطمح نظر دنیا کے سوا کچھ نہ ہو۔ ورنہ سچے مسلمان کے لیئے شہادت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور خوف شہادت سے تبلیغ کو چھوڑ دینا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی۔

جن جزوی واقعات سے منکرین کمالات نبوت انبیاء علیہم السلام کے علوم کی نفی کرتے ہیں ان سب کا یہی حال ہوتا ہے یا وہاں نفس علم کے باوجود بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لیئے مثلاً تعلیم دین اور تکمیل شریعت کی خاطر اللہ تعالیٰ بعض چیزوں سے نبی کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور ایسا علم جس پر کسی حال میں

غفلت اور نسیان نہ آ سکے، صرف اللہ تعالیٰ کے علم لازوال میں ہی ممکن ہے۔

عصمت نبوّت

نبی کا ایک مرکزی وصف عصمت ہے اسی وصف کی اساس پر شریعت تعمیر ہوتی ہے اور اگر نبوت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر دیا جائے تو اس کے لائے ہوئے دین کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ میر سیّد شریف جرجانی نے شرح مواقف اور سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں عصمت کی جو تعریف کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں کے تمام مفاسد اور نیکیوں کے تمام فوائد پر نظر رکھنے کی وجہ سے نبی کو ایک ایسا ملکہ فاضلہ اور وصف راسخ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معصیت پر قدرت کے باوجود اس سے بچا رہتا ہے اور جوں جوں ان کے سینہ پر وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے اس لئے اس کا رابطہ قوی ہوتا ہے۔ اس وصف کا رنگ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

عقلی اور نقلی دلائل سے علماء اسلام نے عصمت انبیاء کے ثبوت پر متعدد دلائل فراہم کئے ہیں۔ بعض ازاں یہ ہیں۔

۱۔ نبی کے تمام افعال و اقوال دلیل شرعی ہوتے ہیں۔ اگر اس کے اقوال و افعال میں معصیت آ جائے تو ان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

۲۔ نبی کے صدق پر معجزہ دلیل ہوتا ہے۔ اگر نبی جھوٹ بولے تو معجزہ سے اعتماد ساقط ہو جائیگا

۳۔ اگر نبی فاسق ہو تو اس کی پیروی حرام ہو گی۔ حالانکہ امت پر نبی کی پیروی واجب ہے

۴۔ خدا کے شدید غضب کی بات، اور بہت ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ انسان وہ بات کہے جسے خود نہ کرتا ہو اب اگر نبی کا اپنا دامن شر سے آلودہ ہو اور وہ لوگوں کو خیر کی تلقین کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کا مستحق ہو گا حالانکہ اللہ نبی سے زیادہ کسی پر راضی نہیں ہوتا من ارتضی من رسول جن پر اللہ راضی ہے وہ اس کے رسول ہیں۔

۵۔ اگر انبیاء میں فسق ہوتا تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوتی۔ حالانکہ ان کی گواہی کا قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی ذات گواہ ہوتے ہیں۔

۶۔ قرآن حکیم میں انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کل من الصالحین یہ سب نیک ہیں۔

۷۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے انھم عند نا لمن المصطفین الاخیار۔ یہ ہمارے نزدیک اخیار اور پسندیدہ ہیں۔

۸۔ شیطان نے بھی خدا کے سامنے اعتراف کیا کہ انبیاء کو گمراہ نہ کر سکے گا۔ لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔

۹۔ انبیاء فرشتوں سے برتر ہیں اور جب فرشتے معصوم ہیں تو انبیاء کی عصمت بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے۔

۱۰۔ العیاذ باللہ اگر انبیاء گنہگار ہوتے تو مستحق عذاب ہوتے۔ حالانکہ انبیاء نہ صرف یہ کہ خود عذاب سے بری ہوں گے بلکہ ان کی شفاعت سے ہم جیسے لاکھوں گنہگار نجات پائیں گے۔

بعثت سے قبل اور بعد نبی سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔ نہ سہواً نہ عمداً۔ البتہ نسیان اور اجتہادی خطا نبی کے حق میں جائز ہے۔ قرآن حکیم میں جن زلات انبیاء کا ذکر ہے وہ سب اسی قبیل سے ہیں اور انبیاء کا ان پر استغفار کرنا محض ان کی تواضع اور انکساری ہے۔

خصائص نبوّت

انبیاء علیہم السلام جسمانی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔ امام

غزالی فرماتے ہیں۔ نبی کی حقیقت کو نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ امام رازی علیمی سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کی حقیقت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بشریت کے جس قالب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کا مرکز بنانے کے لئے منتخب کر لیا ہو وہ عام لوگوں کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کی آنکھوں میں ایسی صفت رکھتا ہے جس سے وہ غیب و شہادت دونوں کو دیکھ سکے۔ اس کے دل کو ایسی استعداد عطا کرتا ہے جس سے وہ بارِ وحی کا متحمل ہو سکے۔ اور اس کی فکر کو وہ جرأت دیتا ہے۔ جس سے وہ صفاتِ الٰہیہ پر کمند پھینک سکے۔

ذیل میں ہم نبی کے حواسِ خمسہ کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ نبی عام لوگوں کی مثل نہیں ہوتا۔

باصرہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے فرش تا عرش حقائق دیکھے۔ حضور نے فرمایا میں تمہیں سامنے اور پس پشت یکساں دیکھتا ہوں۔ ایک مرتبہ فرمایا میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب دیکھ لئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھا۔

سامعہ: نبی وحی کو سنتا ہے۔ جنات اور فرشتوں کی آواز سنتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے مسافت بعیدہ سے چیونٹی کی آواز سن لی اور حضور نے بے پردہ خدا کا کلام سنا۔

شامہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کوسوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو ان کے کرتے سے سونگھ لی۔

ذائقہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ چکھ کر اس میں ملا ہوا زہر معلوم کر لیا۔

لامسہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بدن چھوتے ہی آگ گلزار ہو گئی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی علیمی سے نبی کے چھیالیس خواص نقل کئے ہیں۔ ہم ان سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

ا نبی اللہ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے
ب فرشتوں، جنوں اور غیب کو دیکھ لیتا ہے۔
ج حیوانات، نباتات اور جمادات سے ہمکلام ہوتا ہے۔
د ماضی اور مستقبل کے واقعات کو جانتا ہے
ھ اس کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کا کیا ہوا فیصلہ خطا سے محفوظ ہوتا ہے۔
و نبی دلوں کے حال پر مطلع ہوتا ہے۔ نبی کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل کرتا ہے اور صرف قوانین کا واضع ہی نہیں ہوتا بلکہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ بنا کر جاتا ہے جو اس کے لائے ہوئے دین کی مکمل تعبیر ہوتا ہے اس کی نگاہ سے مزاج بدل جاتے ہیں۔ فطرتیں پلٹ جاتی ہیں وہ راہزنوں کو راہبر اور خائنوں کو امانت دار اور بت پرستوں کو بت شکن بنا دیتا ہے۔ شر بھی نبی کے دامن میں آجائے تو خیر بن کر نکلتا ہے۔ بحر و بر اس کے تابع اور عناصر مسخر ہوتے ہیں۔ دریا اس کے لئے رستہ چھوڑ دیتا ہے اور درخت اس کے علم پر جڑوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔

الوہیت اور نبوت

نبی اپنے تمام کمالات کے باوصف بندہ ہوتا ہے اور ہر قدم پر اللہ کی نصرت اور اس کی رحمت کا محتاج ہوتا ہے نہ نبی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم ـــــــ سے کوئی نسبت ہوتی ہے۔ نہ اس کی قدرت کو اللہ کی قدرت سے کوئی علاقہ ہوتا ہے۔ ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہوتی اور ایک رائی کے دانہ پر بھی قدرت میں خدا اور نبی میں کوئی مساوات نہیں ہوتی۔ نبی کا جو کمال بھی ہوتا ہے۔ وہ خدا کا دیا ہوا مستعار اور جائز الزوال ہوتا ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ کا ہر وصف ذاتی قدیم اور لازوال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کبھی غافل نہیں ہوتا اور نبی کی توجہ بسا اوقات بعض چیزوں سے ہٹ جاتی ہے خدا اور رسول میں اگرچہ قدم وحدوث اور اصل واستعارہ کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن یہ فرق چونکہ عقلی اور نظری ہے اور عام ذہنی سطح سے بلند ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کو ایسے احوال وعوارض میں مبتلا کرتا ہے جس سے اس کے کمالات کا حادث اور مستعار ہونا عام لوگوں کو بھی محسوس اور معلوم ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متعدد مرتبہ نبی پر غفلت طاری کرتا ہے تاکہ نبی کے وسیع علم کو دیکھ کر عام آدمی نبی کے علم پر اللہ تعالیٰ کے علم کا دھوکا نہ کھاسکے۔ اسی طرح عصمت کے باوصف بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی کو نسیان یا اجتہادی خطا کے عارضہ سے ممنوعہ کاموں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ نبی کی معصومیت ایک عام انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نزاہت کاملہ سے مشتبہ نہ ہو جائے اور یونہی کو تسخیر کائنات کی قدرت دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نبی کو درد اور تکلیف اور دوسرے عوارض بشریہ میں مبتلا کرتا ہے تاکہ کوئی شخص نبی کی قدرت پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور اس کی طاقت پر اللہ تعالیٰ کا دھوکا نہ کھاسکے۔

مقام نبوت اللہ تعالیٰ کا نبی مخلوق میں سب سے بلند ہوتا ہے سالہا سال سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اور عرصہ دراز سے تسبیح کرنے والے فرشتوں کے سامنے جب پہلا نبی آیا تو سارے فرشتے اس کے حضور سجدے میں گر گئے آدم اور ملائکہ کی پہلی ملاقات سے ہی ظاہر ہو گیا کہ جس مقام پر فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے۔
وہاں سے علوم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا اَنۡبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ ہٰۤؤُلَآءِ (مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ) تو انہوں

> **فرشتوں کے سامنے جب پہلا نبی آیا تمام فرشتے سجدے میں گر گئے۔ جس مقام پر فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے علوم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔**

نے جواب میں کہا لا علم لنا الا ما علمتنا (تیرے دیئے ہوئے علم کے سوا ہمارے پاس اور کوئی علم نہیں) اور یہ کہہ کر انہوں نے انکے علم کے مقابلہ میں اپنا علم بھی ثابت کر لیا اور جب عرصہ محشر میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھے گا ماذا اجبتم یعنی جب تم نے مخلوق کو حق کی دعوت دی، تو انہوں نے کیا کہا تو وہ سب یک زبان ہو کر عرض کریں گے لا علم لنا انك انت علام الغیوب اے اللہ تیرے بیکراں علم کے سامنے ہمارا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کمال ادب بھی ہے کہ سورج کے سامنے چراغ کو نہ لایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلہ میں اپنے علم کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ صمدیت کے ادب واحترام میں جو اخیار کا مقام ہے وہاں فرشتوں کا تصور بھی نہیں جا سکتا۔

انبیاء کرام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ایک حیثیت سے ان کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوتا ہے اور دوسری

حیثیت سے وہ امت سے متعلق ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ ایک وقت وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر سے قافلہ کی روانگی سے پہلے کنعان میں بیٹھ کر فرماتے انی لا جد ریح یوسف (میں (حضرت) یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں) اور ایک وقت وہ ہے کہ گھر کے قریب کنویں میں حضرت یوسف (علیہ السلام) گرے ہوئے ہیں اور آپ کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ ہوں تو کائنات کی کسی اور شئے کی طرف ان کا التفات نہیں ہوتا اور جب مخلوق کی طرف متوجہ ہوں تو کوئی چیز ان سے مخفی نہیں رہتی۔

نبی چونکہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اس لئے اسکا اصل مقام اللہ تعالیٰ کی ذات میں انہماک اور اسکا صفات میں استغراق ہوتا ہے، وہ اپنی فطرت اور مزاج سے اللہ تعالیٰ کے جلووں میں کھویا رہتا ہے۔ نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اسکی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے وہ اسی کی تجلیات میں محو رہتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ مخلوق کی ہدایت مقصود ہوتی ہے۔ اسلئے وہ فرشتوں کو بھیج کر نبی کو اسی عالم محویت سے ہٹاتا ہے اور مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ پیارے تم تو منزل رسیدہ ہو ذرا اس امت کو بھی مقام آشنا کر دو، جس محویت اور انہماک سے تمہیں دیکھتے ہو اس دید کا کچھ حصہ امت کو بھی عطا کر دو، انکو پنجۂ ابلیس میں اسیر لوگوں کو ضلالت کے ماروں کو صراط مستقیم دکھا دو، یہ مخلوق اپنی بدکاریوں کے سبب جہنم کے کنارے آپہنچی ہے اسے آگ میں گرنے سے بچالو، اپنی انقلاب آفریں نظروں سے کام لو اور اس معاشرہ کو بدل ڈالو بت پرستی کے متوالوں کو توحید کا رسیا کر دو اور ایسی کام کرنے والوں کو فرشتوں کی پاکیزگی کر دو،

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل کہ زید موحّد مسلمان جو خدا کو خدا اور رسول کو رسول جانتا ہے، نماز کے بعد اور دیگر اوقات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بکلمۂ یا ندا کرتا اور اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ یَا رَسُوْلَ اللہ کہا کرتا ہے، یہ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور جو لوگ اسے اس کلمہ کی وجہ سے کافر و مشرک کہیں ان کا کیا حکم ہے ؟ بَیِّنُوْا بِالْکِتَابِ تُوْجَرُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا۔

الجواب

کلمات مذکورہ بے شک جائز ہیں جن کے جواز میں کلام نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا ضال مضل، جسے اس مسئلے کے متعلق قدرے تفصیل دیکھنی ہو۔ شفاء السقام امام علّام بقیۃ المجتہدین الکرام تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی و مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری و شرح مواہب علامہ زرقانی و مطالع المسرات علامہ فاسی و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ علامہ قاری و لمعات و اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ و جذب القلوب الی دیار المحبوب و مدارج النبوۃ، تصانیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی و افضل القریٰ شرح ام القریٰ امام ابن حجر مکی وغیرہا کتب و کلام علمائے کرام و فضلائے عظام علیہم رحمۃ العزیز العلّام کی طرف رجوع لائے۔ یا

فقیر کا رسالہ "اَلْاِهْلَالُ بِفَیْضِ الْاَوْلِیَاءِ بَعْدَ الْوِصَالِ" مطالعہ کرے۔

یہاں فقیر بقدرِ ضرورت چند کلمات اجمالی لکھتا ہے۔ حدیث صحیح مذیل بطراز گرانبہائے تصحیح جسے امام نسائی و امام ترمذی و ابن ماجہ و حاکم و بیہقی و امام الائمہ ابن خزیمہ و امام ابو القاسم طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم نے بر شرطِ بخاری و مسلم صحیح کہا اور امام عبد العظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد و تنقیح نے ان کی تصحیح کو مسلم و مقرر رکھا جس میں حضور اقدس سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ لہ"

"الٰہی! میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں، یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو، الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما"

امام طبرانی کی معجم میں یوں ہے۔

اِنَّ رَجُلًا كَانَ یَخْتَلِفُ اِلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِیْ حَاجَةٍ لَهٗ وَكَانَ عُثْمَانُ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهِ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ حَاجَتِهٖ فَلَقِیَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَشَكٰى ذٰلِكَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ عُثْمٰنُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِئْتِ الْمِیْضَاءَ فَتَوَضَّاْ ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِیْهِ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فَیَقْضِیْ حَاجَتِیْ وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ وَرُحْ اِلَیَّ اَرُوْحُ مَعَكَ۔

فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهٗ ثُمَّ اَتٰى بَابَ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَجَاءَ الْبَوَّابُ حَتّٰى اَخَذَهٗ بِیَدِهٖ فَاَدْخَلَهٗ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَاَجْلَسَهٗ مَعَهٗ عَلَى الطِّنْفِسَةِ وَقَالَ حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهٗ فَقَضَاهَا ثُمَّ قَالَ مَا ذَكَرْتَ حَاجَتَكَ حَتّٰى كَانَتْ هٰذِهِ السَّاعَةُ وَقَالَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَائْتِنَا ثُمَّ اِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَقِیَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ لَهٗ جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْرًا مَا كَانَ یَنْظُرُ فِیْ حَاجَتِیْ وَلَا یَلْتَفِتُ اِلَیَّ حَتّٰى كَلَّمْتَهٗ فِیَّ فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمْتُهٗ وَلٰكِنْ شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَتَاهُ رَجُلٌ ضَرِیْرٌ فَشَكَا اِلَیْهِ ذَهَابَ بَصَرِهٖ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِئْتِ الْمِیْضَاءَ فَتَوَضَّاْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ ادْعُ بِهٰذِهِ الدَّعَوَاتِ فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ

لہ ابو عیسیٰ ترمذی : ترمذی شریف
محمد بن یزید قزوینی : ابن ماجہ شریف
امام حاکم : مستدرک
ابو بکر محمد بن اسحٰق : صحیح ابن خزیمہ

بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضُرٌّ قَطُّ ۔۔۔۔"
یعنی ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کیطرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے۔
اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی، انھوں نے فرمایا وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر دعا مانگ! الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے اور اپنی حاجت ذکر کر، پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔
حاجت مند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لااقل کبار تابعین سے تھے) یوہیں کیا، پھر آستان خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا، مطلب پوچھا، عرض کیا، فوراً روا فرمایا اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان نہ کیا، پھر فرمایا۔ جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔

یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملے اور کہا اللہ تعالےٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تو تمہارے معاملہ میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا، حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا نابینائی کی شکایت کی، حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت پڑھے پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے۔
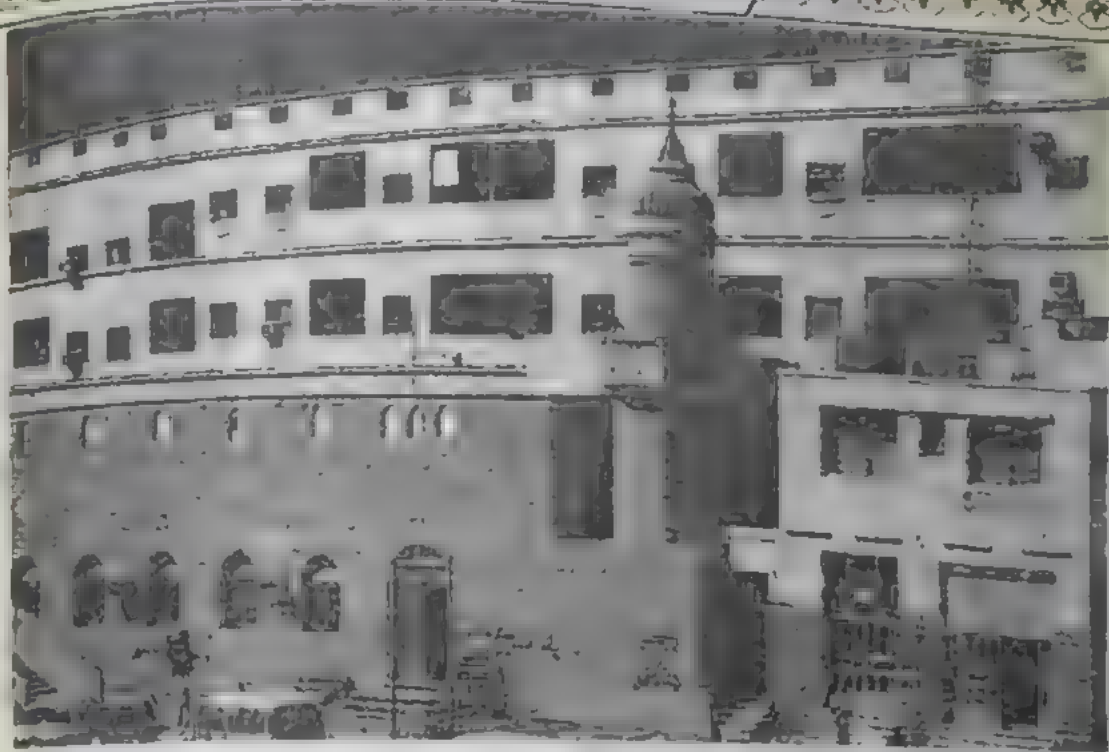
مطبع مجتبائی کمپنی اردو بازار دہلی: ج ۲ ص ۱۹۷
: احیاء التراث العربی : ج ۱ ۔ ص ۴۱۴
دار الفکر بیروت : ج ۱ ۔ ص ۵۱۹
امام طبرانی ا معجم صغیر : ص ۔ ۱۰۳

غوثِ اعظم کا وظیفہ

جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف دفع ہو۔ اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر نداء کرے وہ سختی دور ہو۔ اور جو کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے۔ اور جو دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیر کر درود پاک پڑھے۔ اور مجھے یاد کرے پھر عراق کی طرف گیارہ قدم چلے ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے بفضلہ تعالیٰ اس کی وہ حاجت روا ہو۔

(بہجۃ الاسرار شریف)

مسجدِ جن (مکۃ مکرمہ) یہ مسجد شارع عزہ پر سوق معلیٰ میں جنت المعلیٰ کے قریب ہے اس مسجد کا نام مسجد بیعت اور مسجد حرس بھی ہے۔ یہاں سرکار دو عالم ﷺ نے جنوں سے بیعت لی تھی پہلے یہ کھلا میدان تھا اب خوبصورت مسجد تعمیر کر دی گئی ہے دیگر مقامات مقدسہ کی طرح یہ مسجد بھی حضور ﷺ کے کرم سے فضیلتوں کا مرکز ہو گئی ہے۔

باتیں ہی کر رہے تھے وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا نہ تھا۔"

امام طبرانی پھر امام منذری فرماتے ہیں والحدیث صحیح امام بخاری کتاب الادب المفرد میں اور امام ابن السنی و امام ابنِ بشکوال روایت کرتے ہیں۔

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا خَدِرَتْ رِجْلُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ فَصَاحَ یَا مُحَمَّدَاہُ فَانْتَشَرَتْ۔ [1]

"یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، حضرت نے باآواز بلند کہا یا محمداہ! فوراً کھل گیا۔"

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الاذکار میں اس کا مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کسی آدمی کا پاؤں سو گیا۔ تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا تو اس شخص کو یاد کر جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے، تو اس نے یا محمداہ کہا، اچھا ہو گیا۔ [2] اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اوروں سے بھی مروی ہوا۔ اہل مدینہ میں قدیم سے اس یا محمداہ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الادب مطبوعہ مکتبہ ص ۱۵۰
ولفظ البخاری ص۱۴۳ خدرت رجل ابن عمر فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمداہ
[2] امام نووی، کتاب الاذکار، مطبع مکتبہ دار التعاون، مکہ۔ ص۔ ۱۳۵

علامہ شہاب الدین مصری نسیم الریاض شرح شفا، امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔[1]

هٰذَا اِسْمًا تَعَاهَدَهُ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ[2]

حضرت بلال بن الحارث مزنی سے قحط عام الرمادہ میں کہ بعد خلافت فاروقی ۱۸ھ میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزینہ نے درخواست کی، کہ ہم مرے جاتے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجیے، فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے۔ انہوں نے اصرار کیا، آخر ذبح کی کھینچی تو نری سرخ ہڈی نکلی، یہ دیکھ کر بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ندا کی یا محمداہ! پھر حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی ذَکَرَهُ فِی الْکَامِلِ[3]

امام مجتہد فقیہ اجل عبد الرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلۂ تبع تابعین و اکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں، سر پر بلند ٹوپی رکھتے جس میں لکھا تھا محمد یا منصور! اور ظاہر ہے کہ اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَيْنِ[4] ہشیم بن جمیل انطاکی کہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں، انہیں امام اجل کے نسبت فرماتے ہیں۔

رَاَيْتُ وَعَلٰی رَاْسِهٖ قَلَنْسُوَةٌ اَطْوَلُ مِنْ ذِرَاعٍ مَكْتُوْبٌ فِيْهَا مُحَمَّدٌ يَا مَنْصُوْرُ[5] ذَكَرَهُ فِيْ تَهْذِيْبِ التَّهْذِيْبِ وَغَيْرِهٖ[6]

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاوے میں ہے۔

سُئِلَ عَمَّا يَقَعُ مِنَ الْعَامَّةِ مِنْ قَوْلِهِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ يَا شَيْخُ فُلَانٍ وَنَحْوُ ذٰلِكَ مِنَ الْاِسْتِغَاثَةِ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ وَهَلْ لِلْمَشَائِخِ اِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ اَمْ لَا؟ فَاَجَابَ بِمَا نَصُّهٗ اَنَّ الْاِسْتِغَاثَةَ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الصَّالِحِيْنَ جَائِزَةٌ وَلِلْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ اِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ الخ[7]

یعنی ان سے استفتار ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین سے فریاد کرتے اور یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبد القادر جیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء و مرسلین و اولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔"

علامہ خیر الدین رملی، استاذ صاحب درمختار فتاوی خیریہ میں فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُمْ يَا شَيْخُ عَبْدَ الْقَادِرِ نِدَاءٌ فَمَا الْمُوْجِبُ لِحُرْمَتِهٖ[8]

"لوگوں کا کہنا کہ یا شیخ عبد القادر یہ ایک ندا ہے، پھر اس کی حرمت کا کیا سبب ہے؟"

---

[1] شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض، دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۴۵۵۔ [2] ابن اثیر، تاریخ کامل، دار الصادر، بیروت ج ۲۔ ص ۵۵۶۔ [3] (ترجمہ، یا محمداہ کہنا اہل مدینہ کا معمول تھا۔ [4] قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ [5] ابو عبد اللہ محمد بن احمد، میزان الاعتدال، دار المعرفۃ للطباعۃ، بیروت ج ۲ ص ۵۷۴۔ [6] (ترجمہ) میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ہاتھ سے پھر لمبی ٹوپی رکھتے تھے جس میں لکھا تھا "محمداہ یا منصور"۔ [7] الشیخ حسن العدوی الحمزاوی مشارق الانوار، المکتبۃ الاشرفیۃ مصر، ص ۵۹۔ [8] علامہ خیر الدین رملی، فتاوی خیریہ (مطبوعہ ارگ بازار قندھار، افغانستان) ج ۲ ص ۲۸۲۔

سیدی جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:۔

سُئِلْتُ عَمَّنْ يَقُوْلُ فِيْ حَالِ الشَّدَائِدِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ يَا عَلِيُّ اَوْ يَا شَيْخ عَبْدَ الْقَادِرِ مَثَلًا هَلْ هُوَ جَائِزٌ شَرْعًا اَمْ لَا ـــ؟ اَجَبْتُ نَعَمْ الْاِسْتِغَاثَةُ بِالْاَنْبِيَاءِ وَنِدَاءُهُمْ وَالتَّوَسُّلُ بِهِمْ اَمْرٌ مَشْرُوْعٌ وَشَيْئٌ مَرْغُوْبٌ لَا يُنْكِرُهٗ اِلَّا مُكَابِرٌ اَوْ مُعَانِدٌ وَقَدْ حُرِمَ بَرَكَةَ الْاَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ

الخ۔

یعنی مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو مصیبت کے وقت میں کہتا ہے یا رسول اللہ یا علی یا یا شیخ عبد القادر مثلاً، آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا ہاں اولیاء سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا۔ اور ان کے ساتھ توسل کرنا شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحب عناد اور بے شک وہ اولیاء کرام کی برکت سے محروم ہے۔"

امام ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں تین اولیاء عظام کا عظیم الشان واقعہ بسندِ مسلسل روایت کیا کہ وہ تین بھائی سوارانِ دلاور ساکنان شام تھے کہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے۔

فَاَسَرَهُ الرُّوْمُ مَرَّةً فَقَالَ لَهُمُ الْمَلِكُ اِنِّيْ اَجْعَلُ فِيْكُمُ الْمُلْكَ وَاُزَوِّجُكُمْ بَنَاتِيْ وَتَدْخُلُوْنَ فِي النَّصْرَانِيَّةِ فَاَبَوْا وَقَالُوْا يَا مُحَمَّدَاهُ"

یعنی ایک بار نصاریٰ روم انہیں قید کر کے لے گئے، بادشاہ نے کہا میں تمہیں سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تمہیں بیاہ دوں گا تم نصرانی ہو جاؤ، انھوں نے نہ مانا اور ندا کی یا محمداہ"

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر دو صاحبوں کو اس میں ڈال دیا، تیسرے کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچا لیا، وہ دونوں چھ مہینے کے بعد مع ایک جماعت ملائکہ کے بیداری میں ان کے پاس آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے انہوں نے حال پوچھا، فرمایا:۔

مَا كَانَتْ اِلَّا الْغَطْسَةُ الَّتِيْ رَاَيْتَ حَتّٰى خَرَجْنَا فِي الْفِرْدَوْسِ۔

"بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا اس کے بعد ہم جنتِ اعلیٰ میں تھے"

امام فرماتے ہیں:۔

كَانُوْا مَشْهُوْرِيْنَ بِذٰلِكَ مَعْرُوْفِيْنَ بِالشَّامِ فِي الزَّمَنِ الْاَوَّلِ۔

"یہ حضرات زمانہ سلف میں شام میں

مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف "
پھر فرمایا شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے
لکھے ازانجملہ یہ بیت ہے ؎

سَيُعْطِي الصَّادِقِيْنَ بِفَضْلِ صِدْقٍ
نَجَاةً فِي الْحَيٰوةِ وَفِي الْمَمَاتِ [1]

"قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں
کو ان کے سچ کی برکت سے حیات و موت
میں نجات بخشے گا "

یہ واقعہ عجیب نفیس و روح پرور ہے، بہ خیال
تطویل اسے مختصر کر گیا، تمام و کمال امام جلال الدین
سیوطی کی شرح الصدور میں ہے مَنْ شَاءَ فَلْيَرْجِعْ
اِلَيْهِ یہاں مقصود اس قدر ہے کہ مصیبت میں — یا
رسول اللہ! کہنا شرک ہے تو مشرک کی مغفرت و
شہادت کیسی اور جنت الفردوس میں جگہ پانی، کیا
معنٰی اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر
معقول؟ اور ان ائمۂ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول
اور ان کی شہادت و ولایت کس وجہ سے مسلم رکھی
اور وہ مردان خدا خود بھی سلف صالح میں تھے کہ واقعہ
شہر طرسوس کی آبادی سے پہلے کا ہے کَمَا ذَكَرَهٗ
فِي الرِّوَايَةِ نَفْسِهَا اور طرسوس ایک ثغر ہے یعنی
دارالاسلام کی سرحد کا شہر جسے خلیفہ ہارون رشید
نے آباد کیا کَمَا ذَكَرَهُ الْاِمَامُ السُّيُوْطِيُّ فِي
تَارِيْخِ الْخُلَفَاءِ [2]

ہارون رشید کا زمانہ زمانۂ تابعین و تبع
تابعین تھا تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے
لا اقل تبع تابعین سے تھے وَاللّٰهُ الْهَادِيْ۔

حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

مَنِ اسْتَغَاثَ بِيْ فِيْ كُرْبَةٍ كُشِفَتْ
عَنْهُ وَمَنْ نَادٰى بِاسْمِيْ فِيْ شِدَّةٍ
فُرِّجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِيْ
اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ حَاجَةٍ
قُضِيَتْ لَهٗ وَمَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ
يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ
سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ اِحْدٰى عَشَرَةَ
مَرَّةً ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ
السَّلَامِ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَيَذْكُرُنِيْ
ثُمَّ يَخْطُوْ اِلٰى جِهَةِ الْعِرَاقِ
اِحْدٰى عَشَرَةَ خُطْوَةً يَذْكُرُ
فِيْهَا اِسْمِيْ وَيَذْكُرُ حَاجَتَهٗ
فَاِنَّهَا تُقْضٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ [3]

"یعنی جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے
وہ تکلیف دفع ہو اور جو کسی سختی میں میرا
نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو اور جو
کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مجھ
سے توسل کرے وہ حاجت برآئے اور
جو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں
بعد فاتحہ کے سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے
پھر سلام پھیر کر نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم پر درود بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر
عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے، ان
میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد
کرے، اس کی وہ حاجت روا ہو۔ اللہ
کے اذن سے "۔

اکابر علمائے کرام و اولیائے عظام مثل

---

[1] جلال الدین سیوطی، امام : شرح الصدور : مطبوعہ خلافت اکیڈمی، سوات۔ ص ۸۹/۹۰ (بحوالہ عیون الحکایات)
[2] علامہ سیوطی فرماتے ہیں طرسوس کی تعمیر ابو سلم نے کی : شرح الصدور، عربی۔ ص ۸۹ ۱۲ ... قادری
[3] امام ابوالحسن نور الدین علی : بہجۃ الاسرار : مطبوعہ مکتبہ مصطفٰی البابی مصر۔ ص ۱۰۲

امام ابو الحسن نور الدین علی بن جریر لخمی شطنوفی و امام عبداللہ بن اسعد یافعی مکی، مولانا علی قاری مکی صاحب مرقاۃ شرح مشکوۃ و مولینا ابو المعالی محمد مسلمی قادری و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دھلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اپنی تصانیف جلیلہ بہجۃ الاسرار و خلاصۃ المفاخر و نزہۃ الخاطر و تحفۂ قادریہ و زبدۃ الآثار وغیرہا میں یہ کلمات رحمت آیات حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰے عنہ سے نقل و روایت فرماتے ہیں:۔

یہ امام ابو الحسن نور الدین علی مصنف بہجۃ الاسرار شریف، اعاظم علماء و ائمۂ قرأت و اکابر اولیاء و سادات طریقت سے ہیں، حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰے عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں، امام اجل حضرت ابو صالح نصر قدس سرہ سے فیض حاصل کیا، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابو بکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہٗ سے انہوں نے اپنے والد ماجد حضور پُر نور سید السادات غوث اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ سے، شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں۔ یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم و شریف و مشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالم معروف و مشہور اور ان کے احوال شریفہ[1] کتابوں میں مذکور و مسطور ہے[2]

امام شمس الدین ذہبی کہ علم حدیث و اسماء الرجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار اس جناب کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کے مداح لکھے،

امام محدث محمد بن محمد بن الجزری مصنف حصن حصین اس کے سلسلۂ تلامذہ میں ہیں، انہوں نے یہ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند و اجازت حاصل کی[3]

ان سب باتوں کی تفصیل اور اس نماز مبارک کا دلائل شرعیہ و اقوال و افعال علماء و اولیاء سے جلیل فقیر غفر اللہ تعالٰے لہ کے رسالہ "اَنْہَارُ الْاَنْوَارِ مِنْ یَمِّ صَلٰوۃِ الْاَسْرَارِ" میں ہے۔

نَعَلَیْکَ بِہَا تَجِدُ فِیْہَا مَا یَشْفِی الصُّدُوْرَ وَیَکْشِفُ الْعَمٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ الربانی کتاب مستطاب لواقع الانوار فی طبقات الاخیار میں فرماتے ہیں:۔

سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لئے جاتے تھے، ان کے جانور کا پاؤں پھسلا، بآواز پکارا یا سیدی محمد یا غمری، ادھر ابن عمر حاکم صعید کو بحکم سلطان چقمق قید کئے لئے جاتے تھے، ابن عمر نے فقیر کا ندا کرنا سنا، پوچھا یہ سیدی محمد کون ہیں؟ کہا میرے شیخ، کہا میں ذلیل بھی کہتا ہوں یَا سَیِّدِیْ مُحَمَّدُ یَا غَمْرِیُّ لَاحِظْنِیْ اے میرے سردار اے محمد غمری مجھ پر نظر عنایت کرو، ان کا یہ کہنا کہ حضرت سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالٰے عنہ تشریف لائے اور مدد فرمائی کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں

---

[1] امام جلال الدین سیوطی نے ان جناب کو الامام الاوحد لکھا یعنی امام یکتا بے نظیر۔ ۱۲

[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : زبدۃ الآثار، فارسی ردبکسلنگ کمپنی، بمبئی ۱۳۰۴ھ ص ۲

[3] ایضاً ص ۲

کی جان پر بن گئی، مجبوراً ابنِ عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا [1]

اسی میں ہے :-

سیدی شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرۂ خلوت میں وضو فرما رہے تھے ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہو گئی حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے، جب تک وہ پہلی واپس آئے۔ ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع اور ہدایا کے حاضر لایا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے، جب چور میرے سینہ پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا، میں نے اپنے دل میں کہا یاسیدی محمد یا حنفی! اسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آکر اس کے سینہ پر لگی کہ غش کھا کر الٹا ہو گیا اور مجھے بہ برکت حضرت اللہ عز وجل نے نجات بخشی [2]

اسی میں ہے :-

ولیِ ممدوح قدس سرہٗ کی زوجہ مقدسہ بیماری سے قریب مرگ ہوئیں تو وہ یوں ندا کرتی تھیں یاسیدی أحمد یا بدوی خاطرک معی اے میرے سردار اے احمد بدوی، حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہے، ایک دن حضرت سیدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کب تک مجھے پکارے گی اور مجھ سے فریاد کرے گی تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحب تمکین (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے اور جو کسی ولی کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے ہم اس کی ندا پر اجابت نہیں کرتے، یوں کہہ یاسیدی یا حنفی! کہ یہ کہے گی تو اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے گا ان بی بی نے یونہی کہا، صبح کو خاصی تندرست اٹھیں، گویا کبھی مرض نہ تھا [3]

اسی میں ہے :-

حضرتِ ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرضِ موت میں فرماتے تھے۔

مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ إِلَى قَبْرِيْ وَيَطْلُبُ حَاجَتَهُ أَقْضِهَا لَهُ فَإِنَّ مَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ غَيْرُ ذِرَاعٍ مِنْ تُرَابٍ وَكُلُّ رَجُلٍ يَحْجُبُهُ عَنْ أَصْحَابِهِ ذِرَاعٌ مِنْ تُرَابٍ فَلَيْسَ بِرَجُلٍ [4]

"جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر حاضر ہو کر حاجت مانگے، میں روا فرما دونگا کہ مجھ میں، تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی ہی تو حائل ہے اور جس مرد کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کر دے وہ مرد کاہے کا؟"

---

[1] عبدالوہاب شعرانی امام، طبقات الکبریٰ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر۔ ج ۲۔ ص ۹۴

[2] ایضاً " " " "

[3،4] ایضاً " " " "

اسی طرح حضرت سیدی محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا۔

كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ اَنَا مِنَ الْمُتَصَرِّفِيْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَمَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ فَلْيَاْتِ اِلٰى قُبَالَةِ وَجْهِيْ وَ يَذْكُرُهَا اِلَيَّ اَقْضِهَا لَهٗ [1]

فرمایا کرتے تھے، میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے ہیں جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس چہرہ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر مجھ سے اپنی حاجت کہے، میں روا فرما دونگا۔"

اسی میں ہے!۔

مروی ہوا ایک بار حضرت سیدی مدین بن احمد اشمونی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وضو فرماتے ہیں ایک کھڑاؤں بلادِ مشرق کی طرف پھینکی، سال بھر کے بعد ایک شخص حاضر ہوئے اور وہ کھڑاؤں ان کے پاس تھی، انہوں نے حال عرض کیا کہ جنگل میں ایک بد وضع نے ان کی صاحبزادی پر دست درازی چاہی، لڑکی کو اس وقت اپنے باپ کے پیر و مرشد حضرت سیدی مدین کا نام معلوم نہ تھا، یوں ندا کی یَا شَیْخَ اَبِیْ لَاحِظْنِیْ! اے میرے باپ کے پیر مجھے بچائیے۔ یہ ندا کرتے ہی وہ کھڑاؤں آئی، لڑکی نے نجات پائی، وہ کھڑاؤں ان کی اولاد میں اب تک موجود ہے [2]

اسی میں سیدی موسیٰ ابو عمران رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں!۔

كَانَ اِذَا نَادَاهُ مُرِيْدُهٗ اَجَابَهٗ مِنْ مَسِيْرَةِ سَنَةٍ اَوْ اَكْثَرَ [3]

"جب ان کا مرید جہاں کہیں سے ندا کرتا، جواب دیتے اگرچہ سال بھر کی راہ پر ہوتا یا اس سے بھی زائد۔"

حضرت شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی 'اخبار الاخیار شریف' میں ذکر مبارک حضرت سید اجل شیخ بہاء الحق والدین بن ابراہیم وعطاء اللہ الانصاری القادری الشطاری الحسینی رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں حضرت ممدوح کے رسالہ مبارکہ شطاریہ سے نقل فرماتے ہیں!۔

ذکر کشف ارواح یا محمد یا احمد! درو دو طریق ست، یک طریق آنست یا احمد را در راست بگوید و یا محمد را در چپا بگوید و در دل ضرب کند یا رسول اللہ! طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راستا گوید و چپا یا محمد و در دل وہم کند یا مصطفےٰ۔ دیگر ذکر یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ شش طرفی ذکر کند کشف جمیع ارواح شود دیگر اسمائے ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند یا جبرئیل، یا میکائیل یا اسرافیل یا عزرائیل چہار ضربی، دیگر ذکر اسم شیخ یعنی بگوید۔ یا

---

[1] عبد الوہاب شعرانی امام! — طبقات الکبرےٰ — ج ۲ — ص ۹۴

[2] — ج ۲ — ص ۱۰۲

[3] — ج ۲ — ص ۲۱

شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید کہ حرف ندا ررا از
دل بجنبد طرف راستا بر دو لفظ شیخ را در
دل مزب کند۔" [1]
حضرت سیدی نورالدین عبد الرحمٰن مولانا
جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں
حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلی کے حالات
میں لکھتے ہیں کہ مولانا روح اللہ روحہ نے قریب
انتقال ارشاد فرمایا:۔
"از رفتن من غمناک مشوید کہ نور منصور
رحمۃ اللہ تعالٰی بعد از صد و پنجاہ سال
بر روح شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ
تعالٰی تجلی کردہ مرشد او شد۔"
اور فرمایا:۔
"در ہر حالتے کہ باشید مرا یاد کنید تا من
شمارا ممد باشم در ہر لباسے کہ باشم۔"
اور فرمایا:۔
"در عالم مارا دو تعلق ست یکے بہ بدن
بشمار و چوں بہ عنایت حق سبحانہٗ و
تعالٰی فرد و مجرد شوم و عالم تجرید و
تفرید روئے نماید آں تعلق نیز از آں
شما خواہد بود۔" [2]
شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اطیب
النغم فی مدح سید العرب والعجم میں لکھتے ہیں:۔
وَصَلَّی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا خَیْرَ خَلْقِہٖ
وَیَا خَیْرَ مَامُوْلٍ وَیَا خَیْرَ وَاہِبٍ
وَیَا خَیْرَ مَنْ یُرْجٰی لِکَشْفِ رَزِیَّۃٍ
وَمَنْ جُوْدُہٗ قَدْ فَاقَ جُوْدَ السَّحَائِبِ
وَاَنْتَ مُجِیْرِیْ مِنْ ھُجُوْمِ مُلِمَّۃٍ
اِذَا اَنْشَبَتْ فِی الْقَلْبِ شَرَّ الْمَخَالِبِ
اور خود اس کی شرح و ترجمہ میں کہتے ہیں:۔
"(فصل یازدہم) در ابتہال بجناب آں
حضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمت
فرستد بر تو خدائے تعالٰی اے بہترین خلق
خدا! و اے بہترین کسیکہ امید داشتہ
شود! اے بہترین عطا کنندہ و اے
بہترین کسیکہ امید داشتہ باشد برائے
ازالۂ مصیبتے و اے بہترین کسیکہ سخاوت
او زیادہ است از باران بار ہا گواہی میدہم
کہ تو پناہ دہندۂ منی از ہجوم کردن مصیبتے
وقتیکہ بخلاند در دل بد ترین چنگال ہا را۔" [3]
اسی کے شروع میں لکھتے ہیں:۔
"ذکر بعض حوادث زماں کہ دراں حوادث
لابد ست از استمداد بروح آنحضرت صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔" [4]
اسی کی فصل اول میں لکھتے ہیں:۔
"بہ نظر نے آید مرا مگر آنحضرت صلے اللہ تعالٰی
علیہ وسلم کہ جائے دست زدن اندوہگین ست
در ہر شدتے" [5]
یہی شاہ صاحب مدحیہ ھمزیہ میں لکھتے ہیں:۔
یُنَادِیْ ضَارِعًا بِخُضُوْعِ قَلْبٍ

---

[1] شاہ عبدالحق محدث دہلوی : اخبار الاخیار مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔ ص ۲۰۵
[2] عبدالرحمٰن جامی، مولانا : نفحات الانس (اردو) مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔ ص ۵۰۲
[3] ولی اللہ محدث دہلوی شاہ : اطیب النغم (مجتبائی دہلی) - ص ۲۲
[4] ایضاً ص ۲
[5] ایضاً ص ۴

وَذُلِّ وَابْتِهَالٍ وَالْتِجَاءٍ
رَسُولَ اللّٰہِ یَا خَیْرَ الْبَرَایَا
نَوَالَكَ اَبْتَغِیْ یَوْمَ الْقَضَاءِ
اِذَا مَا حَلَّ خَطْبٌ مُدْلَهِمٌّ
فَاَنْتَ الْحِصْنُ مِنْ كُلِّ الْبَلَاءِ
اِلَیْكَ تَوَجُّهِیْ وَبِكَ اسْتِنَادِیْ
وَفِیْكَ مَطَامِعِیْ وَبِكَ ارْتِجَائِیْ

اور خود ہی اس کی شرح و ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"فصل ششم، در مخاطبہ جناب عالی علیہ علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات و التسلیمات بندار کند زار و خوار شدہ شکستہ دل و اظہار بے قدری خود و برا اخلاص در مناجات و بہ پناہ گرفتن بایں طریق کہ اے رسول خدا اے بہترین مخلوقات عطائے ترا خواہم روز فیصل کردن وقتے کہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی پس توئی پناہ از ہر بلا بسوئے تست رو آوردن من و بہ تست پناہ گرفتن من و در تست امید داشتن من اھ ملخصا" [1]

یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں قضائے حاجت کے لیے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل کرتے ہیں۔

"اول دو رکعت نفل بعد ازاں یکصد و یازدہ بار درود بعد ازاں یکصد و یازدہ بار کلمۂ تمجید و یک صد و یازدہ بار شَیْئًا لِلّٰہِ یَا شَیْخ عَبْدَ الْقَادِرْ جِیْلَانِیْ " [2]

اسی انتباہ سے ثابت کہ یہی شاہ صاحب اور ان کے شیخ استاذ حدیث مولانا طاہر مدنی جن کی خدمت میں مدتوں رہ کر شاہ صاحب نے حدیث پڑھی اور ان کے شیخ و استاذ و والد مولینا ابراہیم کردی اور ان کے استاذ مولینا قشاشی اور ان کے استاذ مولینا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے استاذ الاستاذ مولینا احمد نخلی، کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل اور شاہ صاحب کے پیر و مرشد شیخ محمد سعید لاہوری جنہیں انتباہ میں "شیخ معمر ثقہ" کہا اور اعیان مشائخ طریقت سے گنا اور ان کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور ان کے شیخ مولینا عبد الملک اور ان کے مرشد شیخ بایزید ثانی اور شیخ شناوی کے پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی اور ان دونوں صاحبوں کے پیر و مرشد مولینا وجیہ الدین علوی شارح ہدایہ و شرح وقایہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہم رحمۃ الملک الباری۔

یہ سب اکابر ناد علی کی سندیں لیتے اللہ اپنے تلامذہ و مستفیدین کی اجازتیں دیتے اور یا علی یا علی کا وظیفہ کرتے وللہ الحجۃ السامیۃ

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دھلوی : اطیب النغم مطبوعہ مجتبائی، دھلی ص ۲۲

[2] نوٹ: الانتباہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں سلاسل طریقت بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے حصہ میں فقہ و حدیث کی سندیں بیان کی گئی ہیں، دوسرا حصہ مکتبہ سلفیہ لاہور نے وصاف النبی کے نام سے شائع کیا تھا، ناشر نے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ اس حصہ کا ایک باب نہیں مل سکا اور وہ کچھ ضروری بھی نہ تھا، غالباً یہ حوالہ اسی "غیر ضروری" حصہ میں قلم زد ہو گیا ہے ۱۲ شرف قادری

جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسالہ انہار الانوار
ومِن یم حیاۃ المُوات فی بیانِ سَمَاعِ الاَمْوات کی طرف
رجوع کرے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین
میں حضرت ارفع واعلیٰ امام العلماء نظام الاولیاء
حضرت سیدی احمد زروق مغربی قدس سرہ استاذ
امام شمس الدین لقانی وامام شہاب الدین
قسطلانی شارح صحیح بخاری کی مدح عظیم لکھی کہ
وہ جناب ابدال سبعہ و محققین صوفیہ سے ہیں،
شریعت وحقیقت کے جامع، باوصف علوِ باطن
ان کی تصانیف علوم ظاہری میں بھی نافع و مفید
وبکثرت ہیں، اکابر علماء فخر کرتے تھے کہ ہم ایسے
جلیل القدر عالم وعارف کے شاگرد ہیں یہاں
تک کہ لکھا:۔

«بالجملہ مرد جلیل القدر است کہ مرتبہ کمال اوفوق
الذکر است»

پھر اس جناب جلالت مآب کے کلام پاک
سے دو بیتیں نقل کیں کہ فرماتے ہیں:۔

اَنَا لِمُرِیْدِیْ جَامِعٌ لِشَتَاتِہٖ
اِذَا مَا سَطَا جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَکْبَتِہٖ
وَاِنْ کُنْتَ فِیْ ضَیْقٍ وَّکَرْبٍ وَّوَحْشَۃٍ
فَنَادِ بِیَا زَرُّوْقُ اٰتِ بِسُرْعَتِہٖ [1]

یعنی میں اپنے مرید کی پریشانیوں
میں جمعیت بخشنے والا ہوں جب ستم
زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی
کرے اور تو اگر تنگی وتکلیف ووحشت
میں ہو تو یوں ندا کر یا زروق میں فوراً
آموجود ہوں گا۔

علامہ زیادی پھر علامہ اجہوری صاحب
تصانیف کثیرہ مشہورہ پھر علامہ داؤدی محشی
شرح منہج پھر علامہ شامی صاحب ردالمحتار
حاشیہ درالمختار گم شدہ چیز ملنے کیلئے فرماتے
ہیں کہ بلندی پر جاکر حضرت سیدی احمد بن
علوان یمنی قدس سرہ کے لئے فاتحہ پڑھے پھر
انہیں ندا کرے کہ یا سیدی احمد یا ابن علوان،
شامی مشہور و معروف کتاب ہے، فقیر نے اس
کے حاشیہ کی یہ عبارت اپنے رسالہ حیاۃ الموات
کے ہامش تکملہ پر ذکر کی [2]۔

غرض یہ صحابۂ کرام سے اس وقت تک کے
اس قدر ائمہ واولیاء وعلماء ہیں جن کے اقوال
فقیر نے ایک ساعت قلیلہ میں جمع کئے۔ اب
مشرک کہنے والوں سے صاف صاف پوچھنا
چاہیئے، کہ عثمان بن حنیف و عبداللہ بن عباس
وعبداللہ بن عمر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
سے لیکر شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب
اور ان کے اساتذہ و مشائخ تک سب کو کافر
ومشرک کہتے ہو یا نہیں؟ اگر انکار کریں تو الحمد
للہ ہدایت پائی اور حق واضح ہو گیا اور بے
دھڑک ان سب پر کفر و شرک کا فتویٰ جاری
کریں، تو ان سے اتنا کہئے کہ اللہ تمہیں ہدایت
کرے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو کسے کہا اور کیا کچھ
کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور جان
لیجئے کہ جس مذہب کی بناء پر صحابہ سے لے کر
اب تک کے اکابر سب معاذ اللہ مشرک و کافر
ٹھہریں وہ مذہب خدا و رسول کو کسقدر دشمن ہوگا

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحدثین ، مطبوعہ سعید کمپنی، کراچی ص ۳۲۵
[2] ابن عابدین الشامی، علامہ ، ردالمحتار مطبوعہ مطبع دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر ج۲ ص ۳۵۵

صحیح حدیثوں میں آیا کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہے اور بہت ائمۂ دین نے مطلقاً اس پر فتوے دیا جس کی تفصیل فقیر نے اپنے رسالہ النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید میں ذکر کی۔ ہم اگرچہ بحکم احتیاط تکفیر نہ کریں تاہم اس قدر کلام نہیں کہ ایک گروہ ائمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یارسول اللہ و یاعلی و یاحسین و یاغوث الثقلین کہنے والے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں، خود کافر ہیں تو ان پر لازم کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔ درمختار میں ہے مَا فِیْہِ خِلَافٌ یُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَۃِ وَتَجْدِیْدِ النِّکَاحِ۔

فائدہ :۔ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا کرنے کے عمدہ دلائل سے "التحیات" ہے جسے ہر نمازی ہر نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ "سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں"۔

اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسے ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں ادا ہے نہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ندا، حاشا وکلا شریعت مطہرہ نے نماز میں کوئی ذکر ایسا نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنے مراد نہ ہوں، نہیں نہیں، بلکہ قطعاً یہی درکار ہے کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ سے حمد الٰہی کا قصد رکھے۔ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اس کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ فتاوٰے عالمگیری میں شرح قدوری سے ہے :۔

لَا بُدَّ اَنْ یَّقْصُدَ بِاَلْفَاظِ التَّشَھُّدِ مَعَانِیْھَا الَّتِیْ وُضِعَتْ لَھَا مِنْ عِنْدِہٖ کَاَنَّہٗ یُحَیِّی اللّٰہَ تَعَالٰی وَیُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی نَفْسِہٖ وَعَلٰی اَوْلِیَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ [1]

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے :۔

(وَیَقْصُدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَھُّدِ) مَعَانِیْھَا مُرَادَۃً لَّہٗ عَلٰی وَجْہِ (الْاِنْشَاءِ) کَاَنَّہٗ یُحَیِّی اللّٰہَ تَعَالٰی وَیُسَلِّمُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی نَفْسِہٖ وَاَوْلِیَآءِہٖ (لَا الْاِخْبَارِ) عَنْ ذٰلِکَ ذَکَرَہٗ فِی الْمُجْتَبٰی [2]

---

[1] فتاوٰے عالمگیری مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ج ۱، ص ۷۲

[2] تنویر الابصار مع درّ و ردالمحتار مطبوعہ بیروت ج ۱، ص ۳۴۲

محمد عبدالباقی زرقانی شرح مواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، ج ۵، ص ۳۲۸

علامہ حسن شرنبلانی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں :-

یَقْصِدُ مَعَانِیَہٗ مُرَادَہٗ لَہٗ عَلٰی اَنَّہٗ یُنْشِئُہَا تَحِیَّۃً وَسَلَامًا مِنْہُ [1]

اسی طرح بہت علماء نے تصریح فرمائی اس پر بعض سفہائے منکرین یہ عذر گڑھتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام پہنچانے پر ملائکہ مقرر ہیں تو ان میں ندا جائز اور ان کے ماورا میں ناجائز حالانکہ یہ سخت جہالت بے مزہ ہے، قطع نظر بہت اعتراضوں سے جو اس پر وارد ہوتے ہیں، ان ہوش مندوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ صرف درود و سلام ہی نہیں بلکہ امت کے تمام اقوال افعال و اعمال روزانہ دو وقت سرکار عرش وقار حضور سید الابرار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں عرض کیے جاتے ہیں۔ احادیث کثیرہ میں تصریح ہے کہ مطلقاً اعمال حسنہ و سیئہ سب حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور یونہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور والدین و اعزا و اقارب سب پر عرض اعمال ہوتی ہے۔ فقیر نے اپنے رسالہ سلطنت المصطفےٰ فی ملکوت کل الوریٰ میں وہ سب حدیثیں جمع کیں، یہاں اسی قدر بس ہے کہ امام اجل عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے راوی۔

لَیْسَ مِنْ یَوْمٍ اِلَّا وَتُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْمَالُ اُمَّتِہٖ غُدْوَۃً وَعَشِیًّا فَیَعْرِفُہُمْ بِسِیْمَاھُمْ وَاَعْمَالِہِمْ [2]

یعنی "کوئی دن ایسا نہیں جس میں سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر اعمال امت ہر صبح و شام پیش نہ کیے جاتے ہوں تو حضور کا اپنے امتیوں کو پہچانتا ان کی علامت اور ان کے اعمال دونوں وجہ سے ہے" (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وشرف وکرم)

فقیر غفر اللہ تعالےٰ لہ بتوفیق اللہ عزوجل اس مسئلے میں ایک کتاب مبسوط لکھ سکتا ہے مگر منصف کے لیے اس قدر وافی اور خدا ہدایت دے تو ایک حرف کافی ہے۔

اِکْفِنَا شَرَّ الْمُضِلِّیْنَ یَا کَافِیْ وَصَلَّی اللّٰہُ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الشَّافِیْ وَاٰلِہٖ حُمَاۃِ الدِّیْنِ الصَّافِیْ اٰمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

کتبہ
عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفےٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبد المصطفےٰ احمد رضا خاں

---

[1] حسن شرنبلانی، علامہ، مراقی الفلاح مع شرح الطحطاوی (مطبعۃ الازہریہ، مصر) ص ۱۶۵

[2] محمد عبد الباقی زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ (دار المعرفۃ، بیروت) ۵، ص ۳۳۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ
اَمَّا بَعْدُ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کا رابطہ

مسلمانوں کو حضور سید عالم، فخر موجودات، نبی رحمت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات سے جو شغف اور تعلق روحانی ہے۔ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

عہد صحابہ رضی اللہ علیہم سے آجتک مسلمان اپنے اس خصوصی کردار میں ممتاز رہے ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم اپنے رہنما سے وہ عشق اور شیفتگی نہیں رکھتی جو اہل اسلام کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے مسلمان دل و جان سے ان پر شیدا اور مجازی معنی میں نہیں حقیقی معنی میں ان کا کلمہ پڑھتے ہیں، ان کو اپنے روحانی کرب و اضطراب کا مسیحا تصور کرتے ہیں اور جسمانی درد و الم کا مرہم سمجھتے ہیں۔ خلوت و تنہائی ہو یا جلوۃ و انجمن، مسرت ہو یا رنج و محن وہ ہر عالم میں ان کو پکارتے ہیں اور ان کے نام کا نعرہ لگاتے ہیں، انھیں تصور میں اپنے پاس پاتے ہیں تو انہیں خطاب کرتے ہیں اور ان سے التجا اور فریاد کرتے ہیں۔

اور اس عالم میں چودہ صدیوں کے دبیز پردے، ہزاروں میل کی مسافتیں، شجر و حجر، بحر و بر، موت و حیات اور شہود و غیاب کے حجاب ہیچ اور درماندہ ہوتے ہیں کہ ؎ بعد منزل نہ بود در سفر روحانی۔ یا

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت
نگاہوں سے غائب اور دل میں پوشیدہ
میں تجھکو علی الاعلان دیکھ رہا ہوں تم کو بھیج رہا ہوں

شرک نظر آیا

جب کہ بعض حضرات کو اس خطاب و ندا استغاثہ

وفریاد سے سخت وحشت ہوتی ہے وہ اس کو اسلام کی تعلیمات کے سخت خلاف بلکہ شرک وکفر تک کہا کرتے ہیں۔

اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ خطاب کے سلسلہ میں عام گمان یہ ہے کہ جو سامنے ہو اسی کو ہم پکاریں اور جس کو دیکھ رہے ہوں اسی کو خطاب کریں اور آواز دیں حالانکہ یہ کلیہ نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً۔

ندار وخطاب کا اصول

حقیقت امر یہ ہے کہ جس شخص کو یہ بھروسہ ہو کہ میرا مخاطب میرے خطاب وندار کو سنتا ہے یا اس سے مطلع ہو جائے گا وہ بلا جھجک اس کو قریب اور دور اور غیبت وحضور سے پکارے گا۔ خواہ اس طرح کہ اس کی آواز میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اپنی آواز دور دراز پہنچا سکے۔ خواہ اس طرح کہ سننے والے کے کان میں اتنی طاقت ہو کہ وہ دُور دراز کی آواز سن سکتا ہو خواہ اس طرح کہ اس کا پیغام کوئی لیجا کر مخاطب تک پہنچا دے۔

ان تینوں ہی صورتوں کی مثالیں عالم روحانیت اور عالم محسوسات دونوں ہی میں موجود ہیں (۱) ہر آدمی روزانہ اپنے رشتہ داروں دوستوں اور ملنے والوں کو سیکڑوں خطوط، ساری دنیا کے بے شمار مقامات پر روانہ کرتا ہے اور ٹھیک اسی طرح خطاب کرتا ہے۔ جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہے ہوں اسی اعتماد پر کہ ڈاک کا محکمہ اس کو مخاطب تک پہنچا دے گا

عالم الرمادمیں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خط

عالم الرماد میں جب کہ مدینہ مقدسہ اور اس کے ماحول کو ایک بھیانک قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مصر میں اپنے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا۔

امّا بعد فلعمری یا عمر تبالی اذا اشبعت انت ومن معك ان اهلك انا ومن معی فیا غوثاه فیا غوثاه فیا غوثاه۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد اے عمرو جب تم اور تمہارے ساتھی آسودہ حال ہیں تو تمہیں اس کی پرواہ نہیں کہ میں اور میرے ساتھی ہلاک ہو جائیں فوراً مدد کو پہنچو فوراً مدد کو پہنچو۔

عالم مادیات میں یہ تیسری صورت کی مثال ہوئی کہ پیغام رسانی پر اعتماد کرکے خطاب وندار ہوئی۔

(۲) انسان کے گلے سے آواز کی جو لہریں نکلتی ہیں اتنی نحیف وناتواں ہوتی ہیں کہ فرلانگ دو فرلانگ بھی ان کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

ریڈیو اور ندائے غیر اللہ

لیکن جب انہیں لہروں کو "ریڈیو اسٹیشن" برقی اور ریڈیائی لہروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تو ان میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ ہوا کے دوش پر سوار سارے عالم میں گردش کرتی رہتی ہے۔ اور پوری فضا ان سے معمور رہتی ہے لیکن پھر انہیں لہروں کو ہوا کی لہروں میں تبدیل ہو کر ہمارے کانوں کی سماعت کے لائق ہونے کے لیے "ریڈیو سیٹ" کی مقناطیسی طاقت درکار ہوتی ہے جس سے ہم ان بکھری ہوئی آوازوں کو گرفتار کرتے اور سنتے ہیں۔

اس انتظام کے بعد ایک آدمی دنیا کے انتہائی کناروں سے دوسرے کنارے کے انسانوں کو

خطاب کرتا ہے۔ بلکہ سارے عالم کے انسانوں کو پکارتا ہے اور انھیں اپنا پیغام سناتا ہے۔ جیسے وہ قریب بیٹھ کر اس کا ایک ایک لفظ سن رہے ہیں اس مثال کو اگر "ریڈیو اسٹیشن" کی طرف سے دیکھئے تو ہماری بیان کی ہوئی صورتوں میں پہلی صورت کی مثال ہے کہ ایک شخص نے اپنی آواز اتنی طاقت در بنائی ہے کہ ایک جگہ سے بیٹھ کر سارے عالم کو اپنی آواز پہنچا سکے اور اگر "ریڈیو سیٹ" کی طرف سے مشاہدہ کیا جائے تو یہ اس امر کی مثال ہے کہ ایک شخص نے "مقناطیسی" طاقت کی مدد سے اپنے کان اتنے طاقتور بنالیے ہیں کہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہ کر پوری دنیا کی آواز سن سکے۔ اسی لیے "ریڈیو اسٹیشن" سے بولنے والے کو اس امر کا کوئی استعجاب نہیں کہ میں اتنی دور دراز کے لوگوں کو خطاب کررہا ہوں نہ سننے والے ہی حیرت وانکار کرتے ہیں کہ۔ یہ ہمیں اتنی دور سے آواز کیوں دے رہا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ندائے غائبانہ

(۱) عالم روحانیت میں پہلی صورت کی مثال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جس میں آپ نے مسجد نبوی کے ممبر سے سیکڑوں میل دور لڑتے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مقام "نہاوند" میں خطاب کیا جسے امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے حسب ذیل الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

اخرج البیھقی وابونعیم کلا ھمافی دلائل النبوۃ واللالکائی فی شرح السنہ وابن العربی فی کراسات الاولیاء والخطیب رواہ مالک عن نافع عن ابن عمر قال وجھہ عمر جیشاورأس علیہ رجلا یدعی ساریۃ فبینا عمر یخطب جعل ینادی یا ساریۃ الجبل ثلاثا ثم قدم رسول الجیش سالہ عمر فقال یا امیرالمؤمنین ھزمنا فبینا نحن کذلک اذ سمعنا صوتا ینادی یا ساریۃ الجبل ثلاثا واسندنا ظھورنا الی الجبل نھزھم اللہ قال قیل لعمر انک کنت یفتح بذلک وذالک الجبل الذی کان ساریۃ عندہ بنھاوند من ارض العجم قال ابن حجر فی الاصابۃ اسنادہ حسن۔

(تاریخ الخلفاء ص۸۵)

"بیہقی اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ اور الکائی نے شرح السنہ ابن عربی نے کرامات اولیاء میں اور خطیب نے مالک انہوں نے نافع انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ، ایک لشکر پر ساریہ کو امیر بنا کر روانہ کیا تو ایک دفعہ حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے کہ پکارنے لگے "اے ساریہ پہاڑ" تین بار پکارا کچھ دنوں کے بعد ساریہ کے پاس سے قاصد آیا اور اس نے بیان کیا کہ ہم شکست کھا رہے تھے کہ ہم نے ایک آواز تین بار سنی کہ اے ساریہ "پہاڑ"، تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے کرلیا اور اللہ نے دشمنوں کو شکست دے دی تب

لوگوں نے حضرت عمر سے کہا اسی لئے اس روز آپ ساریہ کو چیخ چیخ کر بلا رہے تھے اور وہ پہاڑ تو بہت دور عجم کے شہروں میں تھا ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے۔"

غوث پاک کا صدائے غائبانہ سننا اور مدد کو پہنچنا

(۲) اور دوسری صورت کی مثال وہ روایت ہے جس کو امام ابوالحسن نورالدین علی ابن یوسف نے اپنی کتاب بہجۃ الاسرار میں مندرجہ ذیل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اخبرنا ابو العفاف موسیٰ بن عثمان البقاعی بالقاھرہ ۶۶۲ھ قال اخبرنا والدی بدمشق قال اخبرنا الشیخان ابوعمرو عثمان الصریفینی وابو محمد عبد الحق الحریمی ببغداد ۵۵۹ھ قال کنا بین یدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ بمدرسۃ یوم الاحد ثالث صفر ۵۵۵ھ

"ہم ابوالعفاف موسیٰ بن عثمان نے قاہرہ میں ۶۶۲ھ میں بتایا کہ ان کے والد نے دمشق میں یہ خبر دی تھی کہ مجھ سے یہ واقعہ دو بزرگوں ابو عمر عثمان اور ابو محمد عبد الحق ۵۵۹ھ میں بغداد میں بیان کیا کہ ہم دونوں غوث پاک رضی اللہ عنہ کے مدرسے میں ۵۵۵ھ میں صفر کی تیسری تاریخ اتوار کے دن حاضر تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔"

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عجم کے کسی دور دراز علاقہ میں کسی جنگل کے اندر ایک قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اس وقت قافلہ والوں نے آپس میں مشورہ کیا۔

قلنا لو تذکرنا الشیخ عبد القادر فی ھذا الوقت ونذرنا لہ شیئا ان سلمنا۔

(بھجۃ الاسرار)

"ہم نے کہا اگر ہم اس وقت غوث پاک کو یاد کرتے اور اگر اس بلاء سے سالم و محفوظ رہتے تو انہیں کچھ نذر کرتے یہ آپ نے اتنی دیر بغداد میں رہ کر ان کی فریاد سن لی اور اپنی کھڑاؤں ان کی سرکوبی کے لیے فضا میں اچھال دی اور ہیبتناک نعرہ مارا جس کی آواز اس جنگل میں سنی گئی۔ کھڑاؤں نے وہاں پہنچ کر ڈاکوؤں کے سردار کو مار ڈالا اور ڈاکوؤں نے ڈر کر لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔

اس تاریخی واقعہ میں دونوں صورتوں کی مثالیں ہیں۔ آپ نے اس مظلوم کی آواز اتنے دور سے سن لی اور اپنی آواز اتنی دور جنگل میں پہنچا دی۔

اس عالم کی آواز برزخ میں پہنچتی ہے

(۳) رہ گئی تیسری صورت کی مثال کہ روحانی ذریعہ سے کوئی کسی کی بات دوسرے تک پہنچائے تو یہ اتنی واضح ہے کہ صرف مسلمان کے لیے ہی نہیں کافروں تک کے لیے اس کا ذکر احادیث کریمہ میں آیا ہے۔

ومامن میت یموت فیقوم

باکیھو نیقول واجبلاہ واسیداً ونحو ذلک الا وکل اللہ بہ ملکین یلھزانہ ویقولان اھکذا کنت
(مشکوٰۃ ص۱۴۲)

"کافر کے مرنے کے بعد جب اس کے رشتہ دار اس کو واجبلاہ واسیداہ کہہ کر روتے ہیں تو اللہ پاک دو فرشتے اس پر مقرر فرماتا ہے جو اس کو ٹھونگے مار مار کر کہتے ہیں کیا ایسا ہی سردار اور پہاڑ تھا"

الغرض ! عالم مادیات ہو یا عالم روحانیات ہر جگہ اطلاع و آگاہی اور ندا و خطاب کی یہ تینوں قسمیں جاری وساری، متداول اور معمول بہا ہیں جس کا انکار زیادتی مکابرہ ہے، نری ہٹ دھرمی اور تعصب ہے۔ اب صرف یہ واضح کرنا رہ گیا ہے کہ خاص بارگاہ رسالت جناب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم میں بھی اطلاع و آگاہی کے یہ تینوں طریقے وقوع پذیر اور معمول بہا ہیں یا نہیں تو الحمد للہ کہ احادیث کریمہ میں انکی تفاصیل بھی موجود ہیں اور مشہور مقبول ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر فرمائی۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔
(شفائے قاضی عیاض ج۲ص۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دور ونزدیک سے اپنے اُمتی کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹیوں کی آواز سُنی اللہ والے خدائی طاقت سے دیکھتے سنتے اور مدد فرماتے ہیں یا رسول اللہ پکارنا شرک نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔

وعن الحسن عنہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث ما کنتم فصلوا فان صلوتکم تبلغنی (ص۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی آپ نے فرمایا جو بھی مجھ کو سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں "

"حضرت حسن آپ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا صلے اللہ علیہ وسلم نے تم جہاں ہو وہیں سے مجھے درود بھیجو کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے"

ان احادیث کریمہ میں اس امر سے قطع نظر کہ رد روح سے حدیث نبوی میں کیا مراد ہے! یہ امر بالکل واضح ہے کہ حضور ہر سلام کرنے والے کا جواب دیتے ہیں قریب سے سلام کرے یا دور

ہے، بلند آواز سے سلام کرے یا پست آواز سے اور درود و سلام ان کی بارگاہ عظمت میں پہنچتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ خود سن لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے پہنچاتے ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک درود و سلام پہنچائے جاتے ہیں

عن ابن مسعود ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون عن امتی السلام (ص ۲۹)

عن ابن عباس لیس احد من امۃ محمد یسلم علیہ الا بلغہ (ص ۵)

وعن ابن شہاب بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اکثروا من الصلوٰۃ علی فی اللیلۃ الزہراء والیوم الازہر فانہما یؤدیان عنکم وان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء وما من مسلم یسلم علی الا حملہا ملک حتی یؤدیہا الی ویسمیہ حتی انہ لیقول ان فلانا یقول کذا وکذا (ص ۵)

"حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے عالم میں گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام میری بارگاہ تک پہنچاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جو فرد بھی آپ پر سلام بھیجتا ہے تو وہ آپ پر پیش کیا جاتا ہے"

" امام زہری نے اپنی بلاغات میں حضور کا یہ قول ذکر کیا کہ سرکار نے فرمایا کہ روشن دنوں اور منور راتوں میں مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارے درود مجھ تک پہنچائے جاتے ہیں اور زمین پیغمبروں کے جسم نہیں کھاتی اور جو مسلمان بھی مجھے سلام کرتا ہے فرشتے اسے میری بارگاہ عالی تک پہنچاتے ہیں اور اس کا نام لے کہتے ہیں یا رسول اللہ آپ کے فلاں غلام نے بارگاہ رفعت میں یہ یہ عرض کی ہے"

ان احادیث کریمہ میں سا کئی امور گردوح ایمان " میں بالیدگی پیدا کرنے والے ہیں۔ لیکن خاص ہمارے موضوع سے متعلق تو یہ مژدۂ جاں نواز ہے کہ فرشتوں کی ایک پوری فوج اس خدمت پر مامور ہے کہ پوری دنیا کے غلاموں کا سلام اس بارگاہ عظمت و رفعت میں نام لے کر پیش کرے۔ اللہ اللہ اس بزم عالی میں اور ہم سوختہ سامانوں کا ذکر وہ بھی نام بنام۔

ع مجھ سے بہتر ہے کہ میرا ذکر اس محفل سے ہے۔

پاس والوں کا سلام خود سنتے ہیں

جاں می دہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنیں حرفے گر از ما می رود

ذکر ابوبکر بن شیبۃ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بلغتہ (ص ۲۹)

وعن سلیمان بن سحیم رأیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی النوم فقلت یا رسول اللہ ہؤلاء الذین یاتونکم

يسلمونك عليك اتفقه سلامهم قال نعم وارد عليهم۔

(ص ۵)

"ابن شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے اس کا سلام خود سنتا ہوں اور جو دور سے سلام کرے اس کا سلام پہنچایا جاتا ہے۔"

"سلیمان بن سحیم سے روایت ہے کہ میں نے حضور جانِ نور صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کی یا رسول اللہ جو لوگ آپ کی جناب مقدس میں حاضر ہو کر سلام کرتے ہیں تو کیا آپ ان کے سلام سے آگاہ ہوتے ہیں فرمایا کہ ہاں اور میں جواب بھی دیتا ہوں۔"

ہر چند کہ آخر الذکر حدیث منامی ہے۔ لیکن اس میں کوئی امر "احادیث قولی" اور "اقوال مسندہ" کے خلاف نہیں اس لئے یہ بھی رویائے صادقہ اور مبشرات نبوۃ میں داخل ہے اور ان روایتوں میں اس امر کی تفصیل ہے۔ کہ پاس والوں کا سلام خود سنتے ہیں اور قبول فرماتے ہیں اور دور والوں کا سلام فرشتوں کے ذریعہ پیش ہوتا ہے۔

اہل محبت کا سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں

اسمع صلاۃ اهل محبتی این ما کان (مطالع المسرات)

"میں اپنے اہل محبت کا سلام خود سنتا ہوں وہ جہاں کہیں ہوں۔"

اس حدیث مقدس میں عاشقان مصطفےٰ اور شیدایان کوئے مدینہ کے لئے ایک بشارت جاں نواز ہے جس پر ہر چاہنے والے کا جی قربان ہونے کو چاہے کہ مجھے چاہنے والے جہاں سے بھی مجھے درود و سلام کریں میں خود بھی سنتا ہوں۔

القصہ ہماری مذکورہ بالا گذارشات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ خطاب و نداء کا دارومدار اس امر پر ہے کہ مخاطب ہمارے خطاب اور ہماری نداء سے مطلع ہو اور ان حدیثوں سے یہ امر واضح ہوا کہ حضور سید المرسلین، رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہر سلام کرنے والے کے سلام سے نہ صرف آگاہ ہوتے ہیں بلکہ سب کا جواب دیتے ہیں پس اس مسئلہ میں اب کون سا شبہ رہ جاتا ہے؟ کہ ہم ان کو اخلاص وعقیدت، عشق و محبت کے جذبات صادقہ سے دنیا کے جس کونے سے چاہیں پکار سکتے ہیں اور صدا دے سکتے ہیں بلاشبہ ہماری آواز میں اتنی طاقت نہیں کہ ہماری کمزور صدائیں مدینہ پہنچیں لیکن انکی رحمت نے صدا دی ہے کہ میں سب سے باخبر ہوں اور اہل محبت کی آواز ہر جگہ سے سنتا ہوں۔

ہند میں بیٹھکر دے رہا ہوں ندا ہے یقین سن رہے ہیں رب مصطفےٰ
یہ سلامت رہے عشق کا رابطہ میں نے مانا مدینہ بہت دور ہے

ندائے یا رسول اللہ نصوص کی روشنی میں

اوراق سابقہ کی تشریحات سے "مسئلہ ندائے یا رسول اللہ" دن کے اُجالے میں آ گیا اور امر حق واضح ہو گیا۔ لیکن آئندہ اوراق میں ہم خاص "ندائے یا رسول اللہ" شرع مطہرہ کی واضح نصوص پیش کر رہے ہیں تاکہ شکوک و شبہات کا کوئی تار بھی لگا نہ رہے آسانی کے خیال سے ہم نے اس مسئلہ کو مندرجہ ذیل عنوانوں میں تقسیم

کی ہے۔

١۔ ندائے مطلق جو کسی قید وزمانہ کے ساتھ مقید ہو
٢۔ عہد رسالت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب رہ کر خطاب یارسول اللہ۔
٣۔ عہد رسالت میں دور سے ندائے یارسول اللہ
٤۔ پردہ فرمانے کے بعد قبر انور کے پاس ندائے یارسول اللہ۔
٥۔ بعد وصال دور سے یارسول اللہ کا خطاب۔

ندائے مطلق

اب بالتفصیل ہر ایک کے بارے میں تصریحات شرع ملاحظہ ہوں۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (پ۱۸ سورہ نور)

"اے مسلمانو! رسول اللہ کو ایسا نہ پکارو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو"

آیت سے متعلق مندرجہ ذیل تفاسیر میں حسب ذیل تشریحات ہیں۔

١۔ حدثنی الحرث قال حدثنا الحسن قال حدثنا ورقاء عن ابی نجیح عن مجاهد کدعاء بعضکم بعضا قال امرهم ان یدعوا یارسول اللہ فی لین وتواضع ولا تقولوا یا محمد فی تجهم۔

(ابن جریر طبری جلدی ۱۸ ص۱۳۳)

"ہم سے حارث نے اور ان سے حسن نے اور ان سے ورقاء نے اور وہ ابونجیح اور وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ آیت شریفہ کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ حضور کو یارسول اللہ کہہ کر نرمی اور تواضع سے پکاریں یا محمد کہہ کر ترشی اور تلخی سے آواز نہ دیں۔"

وعن سعید بن جبیر لا تنادوا باسمه ولا تقولوا یا محمد ولکن یا نبی اللہ یارسول اللہ مع التوقیر والتعظیم والصوت المخفض (تفسیر نیشاپوری ص۱۳۱)

"سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ حضور کا نام لے کر ندا نہ کرو اور یا محمد نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ یارسول اللہ کہو ساتھ ہی تعظیم و توقیر بھی ہو اور آواز بھی نرم و پست ہو"

بان تقولوا یا محمد بل قولوا یارسول اللہ یا نبی اللہ فی لین وتواضع وخفض صوت۔

(جلالین ص۲۹۲)

"یا محمد نہ کہو بلکہ یارسول اللہ یا نبی اللہ کہو نرمی و تواضع ہو آواز میٹھی ہو۔"

قیل لا تجعلوا نداءہ وتسمیته کنداء بعضکم بعضا باسمه و رفع الصوت به والنداء وراء الحجرات ولکن بلقبه المعظم مثل یا نبی اللہ یارسول اللہ مع التوقیر والتواضع وخفض الصوت۔

(بیضاوی تفاسیر اربعہ ص۲۳۶)

قیل لا تدعوا باسمه کما یدعوا بعضکم بعضا یا محمد یا عبد اللہ ولکن فخموہ و عظموہ وشرفوہ تقولوا یا نبی اللہ یارسول اللہ فی لین وتواضع (تفسیر خازن ص۲۳۶)

"کہا گیا کہ رسول اللہ کا پکارنا اور ان کا

نام لینا آپس میں ایک دوسرے کے پکار
اور نام لینے کی طرح مت کرو کہ نام لیکر
سخت آواز میں حجرہ شریف کے پیچھے
ہی سے پکارو لیکن حضور کے لقب کے
ساتھ جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہکر
تعظیم اور توقیر و تواضع کے ساتھ نرم آواز
سے نہ پکارو حضور کا نام لے کر جیسے آپس
میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو جیسے
یا محمد یا عبداللہ بلکہ آپ کی تعظیم توقیر
کرو ان کو معظم و مکرم رکھو! اور نرمی اور
تواضع سے یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہو۔"

لا تجعلوا تسمیتہ وندائہ کما
یسمی بعضکم بعضا وینادیہ
باسمہ الذی سماہ ابوہ فلا
تقولوا یا محمد ولکن یا نبی
اللہ یا رسول اللہ مع التعظیم
والتوقیر والصوت المخفوض

(مدارک ص۳۳۳)

"حضور کے نام لینے اور ان کے پکارنے
کو آپس کے نام لینے اور پکارنے کی طرح
نہ کرو کہ باپ کے رکھے ہوئے نام سے
خطاب کرتے ہو تو یا محمد نہ کہو یا نبی اللہ
یا رسول اللہ تعظیم و توقیر اور نرم آواز
کے ساتھ ندا دو۔"

ای لا تدعوا الرسول باسمہ
یا محمد کما یدعو بعضکم بعضا و
لکن عظموہ وشرفوہ فقولوا
لہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ و
یا ابا القاسم۔

(تفسیر ابن عباس ص۳۳۳)

"رسول اللہ کو یا محمد کہہ کر نہ پکارو جیسا کہ
آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو
آپ کی تعظیم و توقیر کرو اور یا نبی اللہ
اور یا رسول اللہ اور یا ابا القاسم۔"

اخرج ابن ابی حاتم وابن
مردویہ وابونعیم فی الدلائل
عن ابن عباس قال کانوا یقولون
یا محمد یا ابا القاسم فنہاہم
اللہ عن ذلک بقولہ سبحانہ
لا تجعلوا عظاما لنبیہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقالوا یا نبی
اللہ یا رسول اللہ وروی نحو
ہذا من قتادۃ والحسن وسعید
بن جبیر ومجاہد۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۱۸ ص۲۲۵)

"ابن ابی حاتم نے اور ابن مردویہ اور
ابونعیم نے دلائل میں ابن عباس رضی
اللہ عنہ سے روایت کی کہ لوگ حضور کو
یا محمد یا ابا القاسم کہتے تو اللہ پاک نے لوگوں
کو اس سے روک دیا یہ آیت نازل فرما
کر کہ اس میں حضور کی تعظیم ملحوظ ہے تو
یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہنا چاہیئے اور
ائمہ تفسیر میں قتادہ حسن، سعید بن
جبیر اور مجاہد کا یہ قول مروی ہے۔"

او لا تجعلوا ندائہ کندا
بعضکم بعضا باسمہ ورفع
الصوت بہ مثل یا محمد یا
احمد ولکن بلقبہ مثل یا رسول
اللہ یا نبی اللہ۔

(تفسیر احمدی ص۳۳۳)

"ان کا پکارنا آپس کے پکارنے کی طرح
نہیں کہ نام لے کر چلا کر یا محمد یا احمد

کہو لیکن حضور کا لقب یاد کرو۔ جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ۔

اما قولہ تعالٰی لا تجعلوا الآیۃ ففیہ وجوھًا احدھا وھو اختیار المبرد والقفال لا تجعلوا امرہٗ ایاکم ودعاءہ لکم کما یکون من بعضکم لبعض اذا کان امرہ فرضا لازمًا ثانیھا لا تنادوا کما ینادی بعضکم بعضا یا محمد لکن قولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ عن سعید بن جبیر وثالثھا لا ترفعوا اصواتکم فی دعائہ من ابن عباس رابعھا احذروا دعاء الرسول علیکم اذا استخطتموہ۔

(تفسیر کبیر جلد ۲۴ ص۳)

"آیت کریمہ لَا تجعلو کا چار مطلب ہے (۱) یہ مبرد اور قفال نے پسند کیا ہے رسول اللہ کا حکم آپس میں ایکدوسرے کے حکم کی طرح نہ سمجھو ان کا حکم فرض اور ضروری ہے (۲) یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے حضور کو آپس میں ایکدوسرے کی طرح یا محمد کہہ کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہو (۳) حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو یہ ابن عباس کی روایت ہے (۴) حضور تم سے خفا ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں اور اس کو آپس میں ایک دوسرے کی دعا کی طرح ہلکا نہ سمجھو کہ ان کی دعا مقبول ہے)

مذکورہ بالا دس مفسرین کی تشریحات کی روشنی میں اس آیت کریمہ سے سب سے پہلی اور ہمارے موضوع کے لحاظ سے اہم بات تو یہی ثابت ہوئی کہ خاص لفظ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پکارنے کا حکم اس آیت میں موجود ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ پکارنے میں

نمازی نماز میں التحیات پڑھے تو السلام علیک ایہا النبی پر تصور کرے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس کے قلب میں موجود ہیں اور سلام سُن رہے ہیں ایسا تصور نہ کرنے پر نماز باطل ہو جائے گی (امام غزالی)

ادب واحترام ملحوظ رہے اور تعظیم و توقیر کا خیال رہے۔

تیسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ وہ سامنے ہوں تو آواز بلند نہ ہو۔

اور یہ بھی امر آیت کے مفہوم سے خارج نہیں کہ خود حضور کی بارگاہ میں رہ کر بھی یہ خطاب کیا جاسکتا ہے اور ان کی بارگاہ سے دور رہ کر بھی ان کے عہد گرامی میں بھی یہ ندا جائز تھی اور آج کے زمانہ میں بھی کیونکہ آیت میں نہ کسی عہد کی تخصیص ہے نہ کسی شخص کی نہ غیبت کا ذکر ہے نہ شہود کا۔ اس لیئے آیت کے عموم میں سبھی

صورتیں داخل ہیں اور سب جائز ہوں گی۔

ایک شبہہ کا ازالہ

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ خیال ہو کہ صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جو روایت کی ہے اس میں تشریح ہے کہ لوگ حضور کے زمانے میں آپ کا نام لے کر پکارتے تھے تو انھیں اس طرز خطاب سے روکنے اور خطاب کا طریقہ سکھلانے کے لئے۔ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس لئے یہ حکم اسی زمانہ اور انھیں لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔

لیکن ہر خادم علم اور محب قرآن پر یہ امر روشن ہے کہ ایسا خیال کرنا صحیح نہیں کہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ آیت کی شان نزول خاص ہوتی ہے اور حکم عام ہوتا ہے سب کے لئے ہوتا ہے اور ہر وقت کے لئے ہوتا ہے اور یہاں تو لفظ بھی عام ہے پھر اس آیت گرامی میں تو ائمہ تفسیر کی تشریحات نے ہمارے لئے تائید مزید پیدا کر دی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت میں مذکور لفظ دعا کے تین معانی لغت میں آتے ہیں حکم، ادعا، پکارنا آیت مذکورہ میں لفظ دعا سے اس کے تین معنی میں سے کوئی ایک معنی مراد لئے جاتے لیکن ائمہ تفسیر نے تینوں ہی معانی مراد لئے کہ اس آیت میں دعا اپنے پہلے معنی میں بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور دوسرے اور تیسرے معانی میں بھی اور سبھی صحیح اور درست اور ائمہ تفسیر سے مروی و منقول ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر کی عبارت منقولہ سے ظاہر ہے۔

پس اگر ایک لفظ اپنے چند معانی میں عام ہو سکتا ہے تو ایک ہی معنی کی چند کیفیات اور متعدد حالتیں مراد لینا کیوں جائز نہ ہوگا؟ مثلاً آیت مذکورہ بالا کے تین معانی میں سے ایک معنی پکارنا ہے اور حکم قرآن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دینا ہو تو ایسے مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو پس بحکم قرآن ان تمام طریقوں سے رسول اللہ کو پکارنا منع ہوا جو آپس میں خطاب کا طریقہ ہے جب کہ اس طریقہ میں حضور کی کسر شان ہو اور ان تمام طریقوں سے پکارنا جائز ہے جو آپس میں پکارنے کے طریقے نہیں ہیں بشرطیکہ اس میں حضور کی اہانت اور کسر شان کا کوئی پہلو نہ ہو تو آپس میں ہم ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہیں اس طرح پکارنا منع اور لقب محمود کے ساتھ یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا جائز جیسا کہ تمام تفاسیر کے حوالہ سے ہم نے ذکر کیا اور ہمارے آپسی پکار کا ایک طریقہ یہ بھی تو ہے کہ ہم قریب ہی سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں دور سے نہیں تو اس طرح بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پکار سکتے ہیں جب کہ آپ ہم سے دور ہوں اور یہ بھی تو آپسی پکار کا ایک طریقہ ہے کہ ایک دوسرے کو پکارنا زندگی تک ہی محدود ہے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وصال بھی پکارا جا سکتا ہے کہ یہ سب پکارنا آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے علاوہ ہے جس کی اجازت قرآن عظیم نے دی ہے۔

ندائے مطلق احادیث کریمہ کی روشنی میں

امام بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

اذا جلس احدکم فی الصلوٰۃ فلیقل التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد

اللہ الصالحین۔
(مشکوٰۃ ص۸۵)

"جب تم میں سے کوئی نماز میں قعدہ کرے تو کہے تحیات اللہ کے لئے ہیں نمازیں اللہ کے لئے ہیں اور طیبات بھی سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر"

واضح ہو کہ یہ حدیث گرامی بھی عہد صحابہ سے لے کر اختتام دنیا تک ہر قرن اور ہر زمانہ کے لیے سلمانوں کو ایک عام حکم ہے کہ خاص نماز میں تمام دنیا کے کسی گوشہ سے بھی رات و دن میں پانچ مرتبہ اپنے پیغمبر اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کو پکاریں "اے نبی" اور ان پر سلام عرض کریں پس جب عین عبادت الٰہی اور نماز پنجگانہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پکارنا سلام کرنا شرک نہیں ہوا تو نماز سے باہر تو بدرجہ اولیٰ شرک نہ ہوگا اور شرعاً محمود و مستحسن ہوگا۔

ایک شبہہ کا ازالہ

یہاں بھی بعض حضرات کو یہ وسوسہ لاحق ہوتا ہے کہ نماز کے قعدہ میں مسلمان رسول اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اے نبی کہہ کر خود خطاب نہیں کرتا بلکہ اس مخاطبہ کی نقل اور حکایت کرتا ہے جو معراج میں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور ان کے پروردگار میں ہوا تھا اس لئے ہم ائمہ اعلام اور اساطین اسلام کی تشریحات سے اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ نماز کا یہ خطاب صرف حکایت اور نقل ہی نہیں ہے خاص نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ سمجھ کر خطاب کرنا ہے۔ کہ وہ سن رہے ہیں اور جواب دیں گے چنانچہ درمختار جو فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب ہے اس میں تحریر ہے۔

یقصد بالفاظ التشھد معانیھا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء کانہ یحیی اللہ ویسلم علی نبیہ وعلی نفسہ واولیائہ۔

(در مختار جلد اول ص۳۵۰)

"الفاظ تشہد سے اس کے معنی مراد لے یعنی وہ خود رب العالمین کو تحیتہ بھیج رہا ہے اور اپنے پیغمبر کو سلام کر رہا ہے اور مسلمان اور اولیاء کرام کو بھی۔"

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ فرماتے ہیں۔

وبعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آں حضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ از ایں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تا بانوار قرب واسرار معرفت متنور وفائز گردد۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص۴۰۱)

"اور کچھ عرفاء کہتے ہیں کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذروں اور ممکنات کے افراد میں ساری ہے پس آنحضرت مصلیوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں تو مصلیوں کو چاہیئے کہ اس معنی سے غافل نہ رہیں اور قرب کے انوار اور معرفت کے بھید سے روشن اور کامیاب ہوں۔"

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

واحضر فی قلبک النبی صلی اللہ

علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ویصدق املک فی انہ یبلغہ ویرد ما ھو دلی منہ۔

(احیاء العلوم جلد اول صفحہ)

"اپنے دل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر کرو اور کہو کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو اور یہ بھی امید رکھے کہ سلام حضور تک پہنچ رہا ہے اور وہ مناسب جواب دے رہے ہیں۔"

عہد رسالت میں قریب سے ندا آئے یا رسول اللہ

اس امر کے ثبوت کے لئے یہ بتا دینا کافی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز خطاب ہی یہی تھا کبھی کچھ عرض کرنا ہو تو یا رسول اللہ کچھ طلب کرنا ہو تو یا رسول اللہ کسی کا جواب دینا ہو تو یا رسول اللہ اسلام کرنا ہو تو یا رسول اللہ الغرض صحابہ کرام نے آیت شریف لا تجعلوا الآیۃ کے حکم کو اپنا حرز جان بنا لیا تھا اور عام طور سے سرکار ابد قرار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اسی طرح خطاب کرتے تھے۔

ہم نے اس نقطہ نظر سے بخاری شریف کا ایک سرسری جائزہ لیا تو صرف دو پاروں میں چون بار آپ کا نام نامی اسی ادب و احترام سے خطاب یا رسول اللہ کے ساتھ مذکور ہوا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف ایک کتاب بخاری میں لگ بھگ آٹھ سو مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو لفظ "یا" کے ساتھ مخاطب کیا گیا اور ندا دی گئی اسی سے دیگر کتب احادیث اور صحابہ کرام کے ایک عام طرز عمل کا اندازہ ہو سکتا ہے بلکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ انسان ہی نہیں شجر و حجر، خشک و تر کا بھی انداز خطاب یہی تھا۔

عن برۃ بنت ابی تجراۃ قالت ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین اراد اللہ کرامتہ وابتداءہ بالنبوۃ کان اذا خرج لحاجتہ ابعد حتی لا یری بیتا ویفضی الشعاب وبطون الاودیہ فلا یمر بحجر ولا شجر الا قالت السلام علیک یا رسول اللہ وکان یلتفت عن یمینہ وشمالہ وخلفہ فلا یری احدا۔

(مستدرک للحاکم جلد ۳ صفحہ)

"برہ بنت ابی تجراہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے پروردگار نے جب نبوۃ سے سرفراز فرمانا چاہا اور نبوت کی ابتدا ہوئی تو آپ قضائے حاجت کے لئے آبادی سے دور چلے جاتے۔ اور گھاٹیوں اور وادیوں سے گزرتے تو کسی درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتا سلام ہو آپ پر یا رسول اللہ آپ آگے پیچھے، دائیں دیکھتے تو کسی کو نہ پاتے۔"

عہد رسالت میں دور سے صدا آئے یا رسول اللہ

(علیہ الصلوٰۃ والسلام)

یہ حدیث شریف امام نسائی، امام ترمذی ابن ماجہ نے تخریج کی اور امام بیہقی اور حاکم نے روایت کی اور اس کی تصحیح اس طرح دو اماموں

اس حدیث کو صحیح کہا اور صحاح ستہ میں سے تین کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے۔

عن عثمان بن حنیف ان اعمی قال یارسول اللہ ادع اللہ ان یکشف لی عن بصری قال فانطلق فتوضاء ثم صل رکعتین ثم قل اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبی محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربہ ان یکشف عن بصری اللھم شفعہ فی قال فرجع وقد کشف اللہ عن بصرہ

(شفائے قاضی عیاض جلد ا [illegible])

"عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اندھے نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یارسول اللہ آپ اللہ پاک سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھ کھول دے آپ نے فرمایا جاؤ وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا مانگو اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے "نبی رحمت کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں اے محمد میں آپ کو آپ کے رب کی بارگاہ میں وسیلہ سے لاتا ہوں کہ میری آنکھ کھل جائے یا اللہ ان کی سفارش میرے بارے میں قبول فرمائے تو وہ اسی حال میں لوٹا کہ آنکھ روشن ہو گئی۔"

ابن ماجہ نے اپنی سنن کے باب الصلوٰۃ الحاجۃ میں یہ حدیث ذکر کرکے یہ تحریر کیا قال اسحاق ھذا حدیث صحیح، ابو اسحاق کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کی سندی امام ابوالحسن محمد ابن الہادی حنفی ہے۔

فیہ جواز النداء باسمہ فی مقام التشفع بہ لان المقام یودی بہ من التعظیم ما یودی ذکرہ بالقلب وفیہ احضارہ فی اثناء الدعاء والخطاب معہ فیہ جائز کاحضارہ فی اثناء الصلوٰۃ والخطاب فیہ۔

(ابن ماجہ جلد اول [illegible])

"حدیث مذکور میں حضور اکرم کے نام سے ندا جائز ہے جب کہ حضور سے سفارش کا مقام ہو کیونکہ اس طرح مقام حضور کو تعظیم کے اس مرتبہ پر پہنچا دیگا جس پر قلب سے ذکر کرنے پر پہنچا دے گا۔ اسی طرح دعا اور حضور سے خطاب کے درمیان حضور کو حاضر کرنے کا جواز معلوم ہوا جس طرح نماز کے درمیان سے خطاب میں حاضر کرنا جائز ہے"۔

اس حدیث عظیم وجلیل صحیح درجیح کا سیاق وسباق اور اس کے متعدد الفاظ مثلاً انطلق جا اور ثم رجع پکار پکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ یہ دعا دور سے پڑھ کر اپنی حاجت روائی کی درخواست کی گئی۔ نماز پڑھ کر حضور کے پاس آکر "یا محمد انی اتوجہ بک" نہیں کہا گیا اور عہد صحابہ سے اب تک علماء اس حدیث کا یہی مطلب سمجھتے ہیں جیسا کہ صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف سے اس کے بعد تشریح نقل کی جاتی ہے کہ نہ صرف عالم غیب میں بلکہ حضور کے وصال کے بعد بھی انہوں نے ایک شخص کو دیا محمد انی

التوجه بك الی ربك "پڑھنے کی تلقین کی

بعد وصال قبر انور کے پاس خطاب

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال من السنۃ ان تاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ یجعل ظہرک الی القبلۃ واستقبل القبر بوجہک ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (مسند امام اعظم ص۱۰۳)

"حضرت ابو حنیفہ نافع اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آئے۔ پیٹھ قبلہ کی طرف کرے۔ اور رخ قبر انور کی طرف پھر کہے سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت "

ثم یقول فی موقفہ السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ ثم یسأل النبی الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ۔ (فتح القدیر جلد اول ص۱۰۰)

"مواجہ اقدس میں کھڑے ہو کر کہے السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا خیر خلق اللہ، سلام ہو آپ پر اے سب مخلوق سے اچھے اور منتخب پھر رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرے کہ یا رسول اللہ میں آپ کی شفاعت کا خواستگار ہوں "

ثم یقول السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اشہد انک رسول اللہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ۔ (قاضی خان جلد اول ص۲۸۱)

> غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے لیکن مسلمان یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا ولی اللہ کہہ کر پکارتے ہیں اس لئے اسے شرک ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

"اور پھر کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کی رحمت و برکت میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے رسالت پہنچائی امانت ادا کی اور امت کی خیر خواہی کی "

ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ و یمثل صورتہ الکریمۃ البہیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ ویسمع کلامہ ثم یقول السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واشہد انک رسول اللہ قد بلغت الرسالۃ و ادیت الامانۃ و نصحت الامۃ۔ (عالمگیری جلد اول ص۲۶۱)

"وہ اور اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کی صورت پاک کا تصور جمائے گویا کہ حضور قبر میں لیٹے ہوئے اس کا کلام سن رہے ہیں پھر کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے رسالت کا حق ادا کیا اور امانت پہنچائی اور امت کی خیر خواہی کی۔"

ثم ینھض متوجھا الی قبر الشریف مستدبرا القبلة محاذیا لراس النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجہ الاکرم ولاحظا نظرة السعید الیک وسماعہ کلامک ورده علیک سلامک وتامینہ علی دعائک وتقول السلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ الخ

(مراقی الفلاح ص۴۳۵)

"پھر قبلہ کی طرف پشت اور قبر انور کی طرف رخ کر کے حضور کے سر مبارک کے مقابل کھڑا ہو کہ ان کی نگاہ تجھ پر پڑ رہی ہے وہ تیرا کلام سن رہے ہیں اور تیری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں اور زائر تو یوں کہہ کہ سلام ہو آپ پر اے میرے سردار یا رسول اللہ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کے حبیب۔"

وان یاتی قبر الکریم فیسلم و یدعوا ویسأل لہ ان یوصلہ الی اھلہ سالما ویقول غیر مودع یا رسول اللہ ویجتھد فی خروج الدمع فانہ امارات القبول۔ (شامی جلد ۲ ص۲۶۳)

"حضور کی قبر انور پر آ کر سلام کرے دعا کرے، اور اللہ سے یہ التجا کرے کہ اپنے گھر والوں میں صحیح وسالم واپس ہو اور کہے یا رسول اللہ اور اس بات کی کوشش کرے کہ کچھ آنسو نکل پڑیں کہ یہ دعا کے قبولیت کی علامت ہے۔"

یقین داند کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم از حضور وے وقیام او در زیارت حاضر و آگاہ است وبصورت معتدل بصفت حیا ووقار سلام گوید السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ آخر عبارت کہ در رسائل زیارت نوشتہ است۔

(جذب القلوب ص۱۲۸)

"اور اس بات کا یقین رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زائر کی زیارت اور زیارت کے لیے اس کے کھڑے ہونے سے آگاہ ہیں اور نرم آواز میں حیا اور وقار کے ساتھ سلام کہے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ سلام کے آخری صیغہ تک جو زیارت کی کتابوں میں تحریر ہے۔"

ویقول السلام علیک یا رسول اللہ

(احیاء العلوم للغزالی جلد اول ص۱۲۸)

"اور السلام علیک یا رسول اللہ کہے۔"

آثار صحابہ، نصوص فقہیہ اور اعیان اسلام کی یہ عبارتیں نمونۃً ذکر کی گئی ہیں جن کی باتفاق یہی حکم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر غایت خشوع وحضور اطمینان وسکینہ کے ساتھ "یا رسول اللہ" یا نبی

اللہ، یا خیر خلق اللہ کہہ کر ندا کرے سلام عرض کرے پھر کوئی کہتا ہے یہ سمجھو گویا سرکار لیٹے ہوئے تمہارا سلام سن رہے ہیں کوئی کہہ رہا ہے بس تو انہیں کی طرف متوجہ رہ اور ان کی نگاہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ۔ کوئی کہتا ہے تو یہ دیکھ کر تیرا سلام سُن رہے ہیں، جواب دے رہے ہیں، تیری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے تو یقین کر کہ وہ تیری زیارت، تیرے حضور، تیرے قیام سے آگاہ ہیں جاز ہیں مختلف ہیں مشار سب کا ایک ہے کہ حضور سید الرسل، رسول رب العالمین کے قبر انور پر حاضر ہو کر "یا نبی سلام علیک" کہنے والے سے باخبر ہیں اور حاضری بارگاہ عزت پناہ کا یہ طریقہ ندا و خطاب ہی طریقہ مسلو کہ فی الدین ہے۔

بعد وصال دور سے خطاب

اس حدیث کو طبرانی اور ابو نعیم، ابن مندہ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب من عاش بعد موت میں ذکر کیا ہے اور شرح شفائے ملا علی قاری جلد اول ص ۴۳۹ کے الفاظ یہ ہیں۔

وذکر من نعمان بن بشیر ان زید ابن خارجۃ خر میتا فی ازقۃ المدینۃ فرفع وسجی اذ سمعوہ بین العشائین والنساء یصرخن حولہ یقول انصتوا انصتوا فحسر عن وجھہ فقال محمد الرسول اللہ النبی الامی وخاتم النبیین کان ذالک فی کتاب اول ثم قال السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم عاد میتا۔

(شفاء جلد اول ص ۱۳۸)

"حضرت نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن خارجہ یک بیک مدینہ شریف کی کسی گلی میں گرے اور روح پرواز کر گئی اٹھا کر گھر لائے گئے اور کپڑے سے ڈھک دیئے گئے مغرب اور عشاء کے درمیان اس حالت میں کہ عورتیں ان کے اردگرد رو رہی تھیں یہ سنا گیا کہ وہ کہہ رہے ہیں چپ رہو، چپ رہو، پھر چادر الٹ دی اور بولے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نبی، امی خاتم النبیین ہیں یہ پہلی کتاب میں مذکور ہے پھر بولے سچ کہا سچ کہا پھر ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا پھر کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر مردہ ہو گئے۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح شفاء میں اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے:

اعلم ان صاحب الاستیعاب ذکر فی زید بن خارجۃ انہ ھو الذی تکلم بعد الموت لا یختلفون فی ذالک قال الذھبی ھو الصحیح۔

(شرح شفائے اول ص ۶۵۰)

"صاحب استیعاب نے زید بن خارجہ کے بارے میں فرمایا کہ موت کے بعد کلام کرنے والے یہی ہیں اس میں اختلاف نہیں اور امام ذہبی نے فرمایا یہ صحیح ہے۔"

ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان فی حاجۃ لہ وکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلقی عثمان بن حنیف فشکی ذالک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف ایت المیضاۃ فتوضا ثم ایت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قال اللھم

انی اسئلك واتوجه الیك بنبینا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فیقضی حاجتی وتذکر حاجتك۔
معجم الطبرانی۔
(بحوالہ انوار الانتباہ ص۳۳)

"ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی ضرورت سے بار بار حاضر ہوتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کیطرف متوجہ نہ ہوئے اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مل کر یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے اس سے کہا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا مانگو اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب میں اپنے نبی محمد نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے رجوع ہوتا ہوں۔ یا محمد میں آپکے ذریعہ اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں پس میری یہ حاجت پوری کی جائے اور اپنی ضرورت کا ذکر کر دینا۔"

اس کے بعد حدیث میں پوری تفصیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس عمل کے بعد اس شخص کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ اس کی ضرورت پوری کی اس آدمی نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے دوبارہ ملاقات کی اور شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری سفارش حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دی جس کے نتیجہ میں وہ پوری توجہ سے ملے اور حاجت برآری فرمائی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا میں نے سفارش تو نہیں کی مگر میں نے دیکھا کہ حضور ایک نابینا کو یہ دعا بتا رہے تھے تو میں نے تم کو یہ دعا بتا دی اور مولا تعالے نے اس کی برکت سے تمہارا یہ کام پورا کر دیا۔ امام طبرانی اور امام منذری فرماتے ہیں والحدیث صحیح اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بعد وصال دوسرے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پکارنے کا جواز اسی حدیث سے فراہم کیا جبھی تو ایک ضرورت مند کو اسی حدیث کے حوالے سے یہ دعا تلقین فرمائی۔

حضرت ابو عبیدہ اللہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن ضمرۃ رضی اللہ عنہ کو قنسرین کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں دشمنوں کے پانچ ہزار لشکر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابھی مسلمان اس پر غلبہ بھی نہ پا سکے تھے کہ تازہ دم پانچ ہزار دشمنوں کا دستہ کمک بن کر پہنچ گیا اور مسلمان بڑی مصیبت میں پھنس گئے اس وقت نہایت بیقراری میں حضرت کعب ابن ضمرہ رضی اللہ عنہ نے پکارا۔

یا محمد یا محمد * یا نصر اللہ انزل
یا معشر المسلمین اثبتوا انما ھی
الساعۃ وانتم الاعلون۔
(فتوح الشام ص۱۹۰)

"یا رسول اللہ یا رسول اللہ اے اللہ کی مدد اترآ اے مسلمانوں کے گروہ ثابت قدم رہو یہ سختی کوئی دم بھر کی ہے ——— پھر تمہیں غالب ہو گے۔"

خیال فرمائیے کہاں شام اور کہاں مدینہ منورہ کی قبر پُر انوار مگر ایک صحابی رسول ہے کہ موت کے قدموں کی دھمک محسوس کر کے، مصیبتوں کی آندھیوں کے بیچ اپنے آقا اپنے حبیب اپنے فریاد رس اور اپنے رحمۃ اللعالمین کو پکار رہا ہے پکے کہا ہے۔ امام بوصیری نے

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ سواك
عند حلول الحادث العمم قال اھل
بیت من مزینۃ لھا جھرو ھو

بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ قد هلكنا فاذبح لنا شاة قال ليس فيهن شئ فلم يزالوا به حتى ذبح فسلخ عن عظم احمر فنادى يا محمداه فادى فى المنام ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتاه فقال البشروا بالحيات۔

(کامل لابن اثیر جلد ۲ ص ۲۰۲)

"اے ساری مخلوق سے افضل میں کس کی پناہ لوں سوائے آپ کے مصائب کی گھنگھور گھٹاؤں میں کون ہے قبیلہ مزینہ کے گھرانے والوں نے اپنے سربراہ سے کہا۔ قحط کی شدت سے ہم لوگ تباہ ہو گئے۔ آپ ہمارے لئے ایک بکری ذبح کیجئے۔ سربراہ جو بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے کہنے لگے بکریوں میں کچھ نہیں رہ گیا ہے ان لوگوں نے ضد کی تو آپ نے ایک بکری ذبح کی کھال اتاری تو سرخ رنگ کی ہڈی نظر آئی یہ منظر دیکھکر آپ چیخ اٹھے یا محمداہ خواب میں حضور تشریف لائے فرمایا خوشخبری ہو فراخ سالی آرہی ہے۔"

اس حدیث کو امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا امام ابن سنی اور امام بشکوان نے بھی روایت کیا۔

روى ان عبد الله بن عمر خدرت رجله فقيل له اذكر احب الرجل اليك فصاح يا محمداه فانتشرت۔ (شفاء جلد ۲ ص ۲۰)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سو گیا کسی نے ان سے کہا آپ کو جو سب سے پیارا ہو اس کو یاد کرو آپ نے چیخ کر صدا لگائی یا محمداہ تو پاؤں کھل گیا۔"

سبحان اللہ مشورہ تو یاد کرنے کا دیا گیا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چیخ پڑے نعرۂ یا محمد لگایا کیوں نہ ہو ؎

یا محمد پکارا جو منجدھار میں خود ہی موجوں نے ساحل پہ پہنچا دیا
جو سمجھتا نہیں ان کو مختار کل وہ اگر ڈوب جائے تو میں کیا کروں

مذکورہ بالا عنوان بعد وصال دور سے خطاب کے تحت ذکر کئے گئے آثار میں پہلا اور دوسرا واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک کا ہے۔ اور تیسرا اور چوتھا بلکہ پانچواں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس کا ہے پھر پہلا واقعہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے مکان کا ہے۔ دوسرا بھی ظاہر ہی ہے کہ قبر انور سے دور اور مواجہ اقدس سے الگ تھلگ ہی کا ہے اور تیسرا واقعہ تو حجاز مقدس سے منزلوں دور حدود شام کا ہے چوتھا واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کا ہے الغرض یہ سب واقعات بعد وصال اور مزار پر انوار سے دور بلکہ دور دراز سے خطاب و ندا کے ہیں جو نمونۃً ذکر کئے گئے تحقیق و تلاش کے بعد اور بہت سی شہادتیں فراہم ہو سکتی ہیں۔

پس کیا اب بھی کسی کو ندائے یا رسول اللہ میں شبہہ ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے بعد بھی کوئی اس کو شرک کہنے کی جرات کر سکتا ہے؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی عبداللہ بن عمر، بلال بن حارث، کعب بن ضمرہ وغیرہ صحابۂ کرام کو مشرک کہنے کا حوصلہ رکھے۔

ندائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی تسلسل

یہاں تک ہم نے جو عرض کیا ہے اس کے پہلے ٹکڑے میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسئلہ ندائے یا رسول اللہ عقل و شعور کے خلاف نہیں۔ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں سارے انسانوں کا عمل یہ فیصلہ دیتا ہے کہ خطاب و ندا کا دار و مدار حاضر

This mosque is situated near Masjid-e jinn. Here, the prophet (peace on him) installed the flag of victory after conquest of Makkah

وغائب پر نہیں مطلع ہونے اور آگاہی پا جانے پر ہے اور چونکہ احادیث وآثار کی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم احوال امت پر مطلع ہیں اس لئے انھیں پورے خطۂ ارضی میں کہیں سے بھی پکارنے میں عقلاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

دوسرے ٹکڑے میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ مجوزین کے پاس صرف عقلی دلائل اور قیاسی مفروضے ہی نہیں ہیں جس کی بنا پر وہ صدائے یارسول اللہ بلند کرتے ہیں بلکہ خاص نقلی شواہد کی روشنی میں بھی یہ مسئلہ قرآن وحدیث آثار وعمل صحابہ کی گرانقدر شہادتوں سے پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے۔ ایک آدمی عقل سے بالکل آنکھیں بند بھی کرلے تو نقلی دلائل کی روشنی میں خاص لفظ یارسول اللہ کے ساتھ ندا کا ثبوت اپنی تمام تفصیلات حاضر وغائب اور دور ونزدیک کے ساتھ ثابت اور واضح پس یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ یہ کہا جائے کہ غیر خدا کے لئے لفظ یا کا استعمال ہی شرک ہے۔

اب مذکورہ بالا عنوان کے تحت ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دلائل عقل ونقل سے قطع نظر اس مسئلہ کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے چودہ سو سال کی اس طویل مدت میں امت مسلمہ کے معاشرے میں ندائے یارسول اللہ کی جڑیں اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں کہ اسلام ومسلمانوں کو اس سے الگ کرنے کی ہر کوشش سے پہلے اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں تبدیلی کرنی ہوگی۔ اور رہنمایان اسلام کی فہرست کو از سرنو ترتیب دینا ہوگا۔ کیونکہ علماء وصلحاء ائمہ ومجتہدین صحابہ وتابعین، مفتی وقاضی، خواص وعوام، شعراء وخطباء الغرض طبقات اسلامی میں سے کون سا طبقہ ہے جو اس ندائے دلنواز سے خالی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ صرف شاعرانہ ذوق اور عشق ومحبت کے غلبۂ شوق میں لوگوں نے یہ نعرے لگائے ہوں اور درد وفراق میں ڈوب کر یہ عاشقانہ خطاب کیا ہو صاف صاف استغاثہ وامداد بھی ہے اور ندائے فریاد بھی حد تو یہ ہے کہ اوراد ووظائف میں بھی یہ نغمہ وندا موجود ہے۔ تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

عہد صحابہ میں ندائے یارسول اللہ

صح ان ابن عمر کان اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ یا ابا بکر السلام علیک یا ابتاہ۔

(خلاصۃ الوفا ص۳ شفا جلد ۲ ص۸)

"یہ بات درجۂ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی سفر سے آتے حضور کی قبر انور پر حاضر ہو کر کہتے سلام ہو آپ یا رسول اللہ سلام ہو آپ پر یا ابا بکر سلام ہو آپ پر اے میرے باپ۔"

وصال کے بعد ایک اعرابی نے مزار انور پر کھڑے ہو کر عرض کیا

یا خیر من دفنت فی القاع اعظمہ
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

(خلاصۃ الوفا ص۵ شفاء السقام ص۶)

"اے ان سب کے افضل جنہیں زمین میں دفن کیا گیا اور جن کی خوشبو سے برابر زمین اور ٹیلے سب خوشبودار ہو گئے میری جان اس قبر پر جس میں آپ ساکن ہیں اس میں پاک دامنی ہے اس میں بخشش ہے اسی میں کرم ہے۔"

آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ آپ کے درد فراق میں کہتی ہیں

الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا وکنت بنا برا ولم تک جافیا فلو ان رب الناس ابقی محمدا سررنا ولکن امرہ کان ماضیا۔ (بحوالہ انوار ساطعہ ص۲۲)

"یا رسول اللہ آپ ہی ہماری امیدوں کی آماجگاہ تھے اور آپ ہم پر مہربان تھے اور ہمارے ساتھ سختی کرنے والے نہ تھے اگر اللہ تبارک و تعالیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھتا ہم خوش ہوتے مگر حکم الٰہی تو ہو چکا تھا۔"

دربار رسالت کے سرکاری شاعر حضرت حسان بن ثابت آپ کے فراق میں کہتے ہیں

ما بال عینک لا تنام کانما کحلت مآقیها بکحل الارمد جزعا علی المهدی اصبح ثاویا یا خیر من وطی الحصی لا تبعد یوما یقیك الترب لهفی لیتنی غیبت قبلك فی بقیع الغرقد۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص۶۶۹)

"تیری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے جو سو ہی نہیں پا رہی ہیں اس کے گوشوں میں بے خوابی کا سرمہ لگا دیا گیا ہے یہ گھبرائی ہوئی ہے اس ہادی پر جسے قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اے ان سب میں بہترین جو نامانوس راستوں پر چلے جس دن مٹی نے آپ کو اپنے دامن میں محفوظ کیا۔ اے کاش آپ سے پہلے ہی میں مٹی میں دفن کر دیا گیا ہوتا۔"

عہد تابعین میں ندائے یا رسول اللہ

عن علقمۃ قال اذا دخلت المسجد اقول السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (شفا جلد ۲ ص۸۹)

"حضرت عبداللہ ابن مسعود کے شاگرد و رشید حضرت علقمہ کہتے ہیں میں جب مسجد نبوی شریف میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا

ہوں سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔"

عن محمد بن سیرین کان الناس یقولون اذا دخلوا المسجد صلی اللہ علیہ وسلم وملئکتہ علی محمد السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(شفا جلد ۲ ص۶۷)

"جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے اللہ اور اس کے فرشتے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔"

یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں ہے۔ یہاں ہم کامل ابن اثیر کے حوالے سے تحریر کر رہے ہیں۔

فاجتازو بھم علی الحسین واصحابہ صرعی فصاح النساء ولطمن خدود ھن وصاحت زینب اختہ محمداہ صلی علیک ملئکۃ السماء ھذا الحسین بالعراء مرمل بالدماء مقطع الاعضاء وبناتک سبایا وذریتک مقتلۃ تسفی علیھا الصباء۔

(کامل ابن اثیر جلد ۴ ص۸۱)

"جب کربلا کے قیدیوں کو لے کے چلے تو حضرت امام عالی مقام اور ان کے شہید ساتھیوں کے بے گور و کفن لاشوں پر ان کا گذر ہوا۔ تو عورتوں کی چیخ نکل گئی اور اضطراب میں منہ پیٹ لیا اس وقت زینب بنت علی نے اپنے نانا کو صدا دی یا محمداہ آپ پر آسمان کے فرشتے درود پڑھیں یہ حسین ویرانے میں پڑے ہیں خون میں لتھڑے ہیں۔ اعضاء پارہ پارہ اور آپ کی لڑکیاں قید ہیں آپ کی ذریت مقتول پڑی ہیں جس پر ہوا خاک دھول اڑا رہی ہے۔"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

یا سید السادات جئتک قاصدا ارجو رضاک واحتمی بحماک و اللہ یا خیر الخلائق ان لی قلبا مشوقا لایروم سواک۔

(بحوالہ فیصلہ حق و باطل ص۳۲)

"اے سید السادات میں آپ کا قصد و ارادہ کر کے آیا ہوں میں آپ کی رضا تلاش کرتا ہوں اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم اے سب میں اچھے میرا ہر شوق دل آپ کے سوا کسی اور کا قصد ہی نہیں کرتا۔"

عہد تبع تابعین میں ندائے یارسول اللہ

امام جوزی نے کتاب العیون اور امام سیوطی نے شرح الصدور میں نقل فرمایا ہے۔

ان ثلثۃ اخوۃ من الشام کانوا یغزون وکانوا فرسانا شجعانا فاسرھم الروم مرۃ فقال لھم الملک انی اجعل فیکم الملک و ازواجکم بناتی وتدخلون فی دین النصرانیۃ فابوا وقالوا یا محمداہ فامر الملک بثلاثۃ قدور نصب فیھا الزیت ثم اوقد تحتھا ثلاثۃ ایام یعرضون فی کل یوم

علی تلاعی القدور بن عون الی
دین النصرانیۃ فیابون فالقی
الاکبر فی القدر ثم الثانی۔
(شرح الصدور ص۸۹)

وہ شام کے تین بھائی غزوہ کرتے تھے اور بہادر شہسوار تھے رومیوں نے انہیں قید کر لیا۔ بادشاہ نے انہیں لالچ دلائی میں تمہیں جاگیر بھی دوں گا اور اپنی لڑکیوں سے شادی بھی کر دوں گا شرط یہ ہے کہ عیسائیت قبول کر لو۔ ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا اور یا محمداہ کا نعرہ مارا تو بادشاہ نے مایوس ہو کر تین برتنوں میں تیل گرم کرنے کا حکم دیا اور ہر دن ان بھائیوں کو یہ منظر دکھایا جاتا تیسرے روز بڑے بھائی پھر منجھلے بھائی کو تیل کے کھولتے ہوئے برتن میں ڈال دیا گیا۔"

واقعہ کا بقیہ حصہ اس طرح ہے کہ تیسرے کی سفارش ایک درباری نے کی کہ میں اس کو راہ راست پر لاؤں گا۔ اس نے یہ کام اپنی ایک حسین وجمیل ناکتخدا لڑکی کے سپرد کیا مگر وہ اس نوجوان کی عبادت وریاضت اور اس لڑکی کی طرف عدم توجہ سے متاثر ہوئی اور مسلمان ہو کر اس کے ساتھ فرار کا منصوبہ بنایا اور دونوں اس میں کامیاب ہو گئے، دو دن چھ مہینے کے بعد ایک روز عالم بیداری میں وہ دونوں شہید بھائی فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آئے اور اس لڑکی کا نکاح اس چھوٹے بھائی سے کر دیا۔

مجدد مائۃ حاضرہ مولینا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ واقعہ شہر طرطوس کی آبادی سے پہلے کا ہے کما ذکرہ فی الروائت نفسہا اور طرطوس ایک سرحدی شہر ہے جسے خلیفہ ہارون الرشید نے آباد کیا کما ذکرہ السیوطی فی تاریخ الخلفاء ہارون رشید کا زمانہ تابعین اور تبع تابعین کا ہے تو یہ تینوں شہدائے کرام لا اقل تبع تابعین سے تھے واللہ الہادی (انوار الانتباہ ص۲۰)

اس تاریخی واقعہ سے کئی امر ثابت ہوئے۔

(۱) تبع تابعین میں سے تین شہیدوں نے مصیبت کے وقت یا محمداہ کا نعرہ مارا (۲) کم از کم امام جوزی اور امام جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو ثابت اور برقرار رکھ کر مصیبت کے وقت یا رسول اللہ کے نعرے کے جواز کی تائید کی۔

مولانا روم کے استاذ و پیر مولانا شمس فرماتے ہیں۔

عہد مابعد میں ندائے یارسول اللہ

یارسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلال پاک و بے ہمتا توئی

یارسول اللہ آپ ہی اپنے خالق کے خاص حبیب آپ خدائے پاک اور بے مثل کے برگزیدہ ہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

خرابم در غم ہجر جمالت یارسول اللہ جمال خود نمارمے بجان زار وشیدا کن بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما بہ لطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن۔

(اخبار الاخیار ص۲۲۳)

در یارسول اللہ آپ کے جمال کی جدائی کے غم میں برباد ہو گیا اپنا جمال دکھایئے اور اس جان زار پر رحم کیجیے یارسول اللہ جس صورت سے بھی ہو کرم فرمایئے اپنی مہربانی سے اس گروہ بے ساماں کے اسباب فراہم فرمایئے۔

عارف باللہ عالم حق آگاہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں

زمہجوری برآمد جان عالم ترحم یانبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی ز محروماں چرا فارغ نشینی
تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

"جدائی سے دنیا کی جان نکل گئی اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں محروموں سے آپ کیوں فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ رحمت الٰہی کا دل ہیں یہی بہتر ہے کہ کبھی کبھی خشک لب والوں کے حال پر ایک نگاہ کرم ڈالیئے۔"

ایونان فارسی کے رکن اعظم، دریائے معرفت کے شناور اور علم ظاہری کے بحر ذخار حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے ز قدر رفیعت بدرگاہ حے
کہ باشند مشتے گدایان خیل بمہمان دارالسلام از طفیل
چہ وصف کند سعدی ناتمام علیک الصلوٰۃ ای نبی والسلام

"خداوند قدوس کی بارگاہ رفیع میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس میں سے اے میرے سردار کیا ہوگی (کچھ نہ ہوگی) اگر تھوڑے سے آپ کی جماعت کے بھکاری آپ کے طفیل میں آپ کے مہمان خانہ جنت میں داخل ہو جائیں آپ کی تعریف سعدی جو ناقص ہے کیا کر سکتا ہے پس آپ پر بیشمار درود ہوں اے نبی اور سلام ہو۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں

ینادی ضارع بخضوع قلب
وذل وابتہال والتجاء
رسول اللہ یا خیر البرایا
نوالک ابتغی یوم القضاء

"ایک مصیبت زدہ فریادی آپ کو دل فرومائگی کے ساتھ پکار رہا ہے اور گڑگڑا کر التجا کر رہا ہے اے اللہ کے رسول اے سب مخلوق میں افضل میں آپ کا انعام اور نوازش قیامت کے دن چاہتا ہوں"

بہرکیف! مندرجہ بالا حوالجات اور حقائق و معلومات کے اجالے میں بخوبی واضح ہو گیا کہ مسئلہ یارسول اللہ کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اور عہد صحابہ سے لے کر اس وقت ہر زمانے اور ہر قرن میں ندائے یارسول اللہ کی گونج سنائی دیتی ہے۔ یہاں ہم نے ہر عہد کے صرف چند حوالے ہی بطور نمونہ پیش کیے ہے ان کے علاوہ بہت سے واقعات و حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر قلم زد کیے جا رہے ہیں۔

اب یہ اور بات ہے کہ آج کا نام نہاد مسلمان اور خود ساختہ توحید کا متوالا اسلام کی اس چودہ سو سالہ تاریخ کو ملیامیٹ کرنے کے لیے کمربستہ ہو اور عامۃ المسلمین کو جادۂ حق سے ہٹانے کے لئے نئے فتنے جگائے اور علماء و صلحاء ائمہ و مجتہدین، صحابہ و تابعین، مفتی و قاضی، خواص و عام، خطباء اور مختلف طبقات اسلامی کو شرک و کافر کہنے کی جرأت کرے۔

حضرت علامہ مولنا ارشد القادری (جمشید پور)

توحید کے بعد دوسری صفت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام پر منکشف کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کئے گئے وہ آخرت پر یقین رکھنا تھا کیونکہ دین کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے جس کی عبادت کی جانی چاہئیے اور دوسرا بنیادی اصول آخرت پر یقین رکھنا ہے جیسے سورۃ البقرہ ۲ کی پہلی ہی آیت میں علی الترتیب اس طرح فرمایا گیا ہے کہ،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں) اور وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (اور آخرت پر یقین رکھیں) وہ ایسے ہی لوگوں کو ان ہی آیات میں مُتَّقِیْنَ (ڈر والے) کے لقب سے نوازا گیا ہے

اور بلند مرتبہ کتاب (قرآن) ایسے ہی ڈر والوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی گئی ہے۔

خدائے تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو اگر کلمۂ حق بلند کرنے کے لئے منتخب کیا تو منتخب کئے جانے کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (قدرت اور علم والے) تھے بلکہ جیسا خود خدائے تعالیٰ سورۃ ص ۳۸ کے رکوع ۴ میں فرماتا ہے کہ ان چیدہ بندوں کو منتخب کئے جانے کی وجہ ان کی یہ خالص صفت تھی کہ وہ "دار آخرت" کو یاد رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی یاد دلاتے تھے۔ ارشاد ہے۔

اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں

کو۔ بیشک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا (اِنَّا اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ) کہ وہ اس گھر کی یاد ہے (ذِکْرَی الدَّار)۔

جب کوئی اللہ اور اس کی قدرت اور حکمت پر ایمان لے آتا ہے تو وہ ایسا سہارا تھام لیتا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور وہ نتیجتاً فلاح کا حقدار بن کر اس چیز کو لیتا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا جا رہا ہے یعنی آخرت کی کامیابی۔ دین میں عقیدۂ آخرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا گیا ہے۔

• اس (اللہ) کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام بھلا:

(سورۃ الکہف ۱۸۔ رکوع ۵)

دین اسلام میں عقیدۂ آخرت کی اسی اہمیت کی وجہ کر روز جزا کو برحق ماننا ایک مومن کی صفات میں دیگر صفات کے ساتھ لازمی سی چیز قرار دی گئی ہے چنانچہ ایک موقعہ پر ان کی اس صفت کو اس طرح فرمایا گیا ہے۔

• اور وہ جو انصاف کا دن سچ جانتے ہیں وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ (سورۃ المعارج ۷۰۔ رکوع ۱)

آخرت کے انکار کے بعد خدا کو ماننا دین اسلام میں کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ آخرت کو مستبعد سمجھنا صرف آخرت ہی کا انکار نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور حکمت کا بھی انکار ہے کم ظرف لوگ جنہیں دنیا میں کچھ شان و شوکت حاصل ہو جاتی ہے ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ انہیں اسی دنیا میں جنت نصیب ہو چکی ہے اور اب وہ کون سی جنت ہے جسے حاصل کرنے کی وہ فکر کریں۔ ایسی ہی مثال خدا نے سورۃ الکہف ۱۸ کے رکوع ۵ میں دو مردوں کی دی ہے جن میں ایک کو اس نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے جو کھجوروں سے ڈھانپ دیئے گئے تھے اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی گئی تھی دونوں باغوں کے بیچ میں خدا نے نہر بھی بہا دی تھی اور وہ پھل بھی خوب دیتے تھے۔ ایک روز یہ شخص اپنے ساتھی سے بولا کہ:

میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں۔ اپنے باغ (جنت) میں گیا اور اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا بولا، مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو۔ اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو، اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھیر گیا بھی (وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ) تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

اس کے ساتھی نے اس سے الٹ پھیر کرتے ہوئے جواب دیا۔

• کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نتھرے پانی کی بوند سے پھر تجھے ٹھیک مرد کیا۔ لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں، اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں (جن تک) گیا ہوتا تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ

ہمارے وجود کو مرحلہ وار چار عالموں سے گذرنا پڑتا ہے۔ دو عالم سے تو ہم گذر گئے۔ یہ دنیا تیسرا عالم ہے۔ اور چوتھے عالم میں ہم مرنے کے بعد قدم رکھیں گے۔!

ہیں کچھ زور نہیں، مگر اللہ کی مدد کا۔ اگر تو
مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا تو
قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے
اچھا دے اور تیرے باغ پر آسمان سے
بجلیاں اتارے تو وہ چٹ پر میدان ہو کر
رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں دھنس
جائے پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے"۔
خدا نے اسے اس کفر کا بدلہ یہ دیا کہ :۔
"اور اس کے پھل گھیر لئے گئے تو اپنے
ہاتھ مارتا رہ گیا اس لاگت پر جو اس باغ
میں خرچ کی تھی اور وہ اپنے ٹیلوں پر گرا ہوا
تھا اور کہہ رہا ہے ہائے کاش میں نے اپنے
رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا۔ اور اس کے
پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے
اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلا لینے کے قابل تھا۔
یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے،
اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسے
ماننے کا انجام سب سے بھلا"۔
اس شخص کے یہ کہنے سے کہ وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ
اِلٰی رَبِّیْ" ظاہر ہے کہ وہ خدا کے وجود کا قائل تھا مگر
آخرت کا قائل نہ تھا۔ اس لئے اس کے ساتھی نے اسے
کفر باللہ کا مجرم قرار دیا۔ ان ساری آیات اور مکالمہ سے
دین میں عقیدۂ آخرت کی اہمیت کا یہ نکتہ سامنے آتا
ہے کہ کفر باللہ محض ہستی باری کے انکار کا نام ہی نہیں ہے
بلکہ تکبر اور نخوت و غرور اور انکار آخرت بھی اللہ سے کفر
ہی ہے۔ جس نے یہ سمجھا کہ میری دولت اور شان و شوکت
کسی کا عطیہ نہیں بلکہ میری قوت و قابلیت کا نتیجہ ہے۔
اور میری دولت لازوال ہے کوئی اس کو مجھ سے چھیننے
والا نہیں اور کسی کے سامنے مجھے حساب دینا نہیں، وہ
اگر خدا کو مانتا بھی ہے تو محض ایک وجود کی حیثیت سے
مانتا ہے۔ اپنے مالک اور آقا اور فرمانروا کی حیثیت
سے نہیں مانتا۔ حالانکہ ایمان باللہ اسی حیثیت سے
خدا ماننا ہے نہ کہ محض ایک موجود ہستی کی حیثیت سے۔

قیامت کا وقوع عقل اور انصاف کا تقاضا
ہے کیونکہ جب خدا نے انسان کو عقل و تمیز اور تصرف
کے اختیارات دے رکھے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے
اعمال و افعال سے بھی باخبر رہے گا اور یہ دیکھے گا کہ
اس کی زمین میں اس نے ان اختیارات کو کیسے استعمال
کیا۔ قیامت برپا کئے بغیر خدا کی حکمت کے تقاضے پورے
نہیں ہو سکتے اور ایک حکیم سے بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں
کو پورا نہ کرے اسی لئے فرمایا کہ۔

"(یہ قیامت اس لئے برپا کی جائے گی کہ)
تا کہ صلہ دے (اللہ) انہیں جو ایمان لائے
اور اچھے کام کئے۔ یہ ہیں جن کے لئے بخشش
ہے اور عزت کی روزی"۔

(سورۃ السبا ۳۴۔ رکوع ۱)

قیامت برپا کیا جانا صرف عقل ہی کا تقاضا نہیں
بلکہ اخلاق کا تقاضا بھی ہے۔ ہر زمانے میں انسان کے مختلف
طریقوں میں اس معاملہ میں اختلافات رہے ہیں اور ہر ایک
نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک اخلاقی
رویہ اختیار کیا ہے آخر کوئی وقت تو ہونا چاہئے جبکہ ان
سب کا اخلاقی نتیجہ صلہ یا سزا کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس دنیا کا
نظام اگر صحیح اور مکمل اخلاقی نتائج کے ظہور کا متحمل نہیں ہے
تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہئے جہاں یہ نتائج ظاہر
ہو سکیں۔

جب منکرین اور کافرین علم حاصل کرنے کے لئے نہیں
بلکہ طنز اور تمسخر کے طور پر لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جس
قیامت کے آنے کی یہ پیغمبر (رسول اللہ) خبر دے رہے ہیں
وہ تو آتی ہی نہیں تو خدا نے رسول اللہ سے کہا کہ:
"تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم
بے شک ضرور تم پر آئے گی، غیب جاننے
والا (عٰلِمِ الْغَیْبِ) اس سے غائب نہیں

ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں
اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر ایک
صاف بتانے والی کتاب میں ہے۔
(سورۃ السبا ۳۴۔ رکوع ۱)

پروردگار کی قسم کھاتے ہوئے اس کے لئے "عالم الغیب" کی صفت استعمال کرنے سے خود بخود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا آنا تو یقینی ہے مگر اس کے آنے کا وقت "عالم الغیب" کے سوا کسی کو معلوم نہیں قیامت کے حقیقی ہونے کو خدا نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے یہ کہہ کر کہ جس طرح "آج" کے بعد "کل" کا آنا لابدی ہے اسی طرح آخرت کا بھی وقوع پذیر ہونا لازمی ہے اور اسی لئے خدا نے اس روزِ آخر کے لئے انسان کو تیاری کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر
جان دیکھے کہ کل کے لئے کیا آگے بھیجا۔
اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کو تمہارے
کاموں کی خبر ہے اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ
کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا
کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں، وہی فاسق ہیں۔
دوزخ والے اور جنت والے برابر ہیں جنت
والے ہی مراد کو پہنچے"
(سورۃ الحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

"بے شک قیامت آنے والی ہے،
قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ
ہر جان اپنی کوشش کے پیچھے چلا۔ پھر تو
ہلاک ہو جائے۔" (سورۃ طٰہٰ ۲۰ رکوع ۱)۔

"اور یہ کہ وہ مردے جلائے گا اور
یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس کے لئے
کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں
اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں
ہیں۔" (سورۃ الحج ۲۲۔ رکوع ۱)

جہاں تک دوبارہ زندہ کئے جانے کا سوال ہے منکرین اس کا مذاق "قصۂ پارینہ" کہہ کر اڑاتے تھے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے فرمایا۔

"انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے
بولے کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی اور ہڈیاں
ہو جائیں کیا پھر نکالے جائیں گے بے شک
یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے باپ دادا کو
دیا گیا، یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں
(أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ)۔
(سورۃ المومنون ۲۳، رکوع ۵)

خدائے تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کئے جانے کی وجہ بھی انہیں بتائی جس کا براہ راست تعلق عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے سے ہے۔ فرمایا۔

"یہ ہے تمہارا اللہ تمہارا رب تو اس کی
بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے، اسی کی
طرف تم سب کو پھرنا ہے، اللہ کا سچا وعدہ، بیشک
وہ پہلی بار بناتا ہے، پھر فنا کے بعد دوبارہ
بنائے گا، کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے
کام کئے انصاف کا صلہ دے، اور کافروں
کے لئے پینے کو کھولتا پانی، اور دردناک
عذاب بدلا ان کے کفر کا" سورۃ یونس ۱۰
رکوع ۱)

منکرین اگر کبھی سنجیدگی سے بھی قیامت کے یقینی ہونے پر رسول اللہ کی طرف مخاطب ہوتے تھے، تب بھی طنزیہ انداز ہی میں استفسار کرتے تھے کہ۔

"اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر
تم سچے ہو" (سورۃ الملک ۶۷۔ رکوع ۲)
"تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب
کو ٹھہری ہے" (سورۃ الاعراف ۷، رکوع ۲۳)
"تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ
کب کے لئے ٹھہری ہوئی ہے"

(سورہ عبس ۸۰، رکوع ۲)

ان سوالات کا جواب انہیں بار بار دیا جاتا رہا چند جوابات درج ذیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوائے گئے۔

"تم فرماؤ اس کا (قیامت کب کو ٹھہری ہے) علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں تم پر نہ آئے گی، مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔"

(سورۃ الاعراف ۷، رکوع ۲۳)

"تمہیں اس قیامت کب کو ٹھہری ہے کے بیان سے کیا تعلق۔ تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے۔ تم تو فقط اسے ڈرنے والے ہو جو اس سے ڈرے۔"

(سورۃ النازعات ۷۹، رکوع ۲)

اس وقت کو مخفی اس لئے رکھا گیا ہے کہ آزمائش کا مدعا پورا ہو سکے اور جب یہ ساعت منتظرہ آئے تو ہر شخص کو جس نے دنیا میں جیسی سعی کی ہے اس کا اسے ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جا سکے۔

فیصلہ کی گھڑی کو دور سمجھ لینا انسان کی سب سے بڑی بھول ہے کیوں کہ انسان کی ہر سانس آخری سانس ہو سکتی ہے آخرت پر یقین رکھنے اور نہ رکھنے والوں کا نفسیاتی تجزیہ خدا نے اس طرح پیش کیا ہے۔

"اور تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہی ہو۔ اس کی جلدی مچا رہے ہیں وہ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جنہیں اس پر ایمان ہے وہ اس سے ڈر رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہے سنتے ہو بے شک جو قیامت میں شک کرتے ہیں ضرور دور کی گمراہی میں ہیں۔"

(سورۃ الشوریٰ ۴۲، رکوع ۲)

مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں سب سے زیادہ جس چیز کا مذاق منکرین نے اڑایا وہ آخرت کے وجوب سے تھا اور وہ اس بات پر صرف حیرانی اور تعجب کا ہی اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ اسے بالکل بعید از عقل و امکان سمجھ کر اسے ناقابلِ یقین ہی نہیں بلکہ ناقابلِ تصور سمجھتے تھے مگر چوں کہ آخرت کے عقیدے کو مانے بغیر انسان کا طرز فکر سنجیدہ نہیں ہو سکتا خیر و شر کے معاملے میں اس کا معیار اقدار بدل نہیں سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اسلام کی راہ پر نہیں چل سکتا اس لئے مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی سورتوں میں زیادہ تر روز آخرت کا عقیدہ دلوں میں بٹھانے میں صرف کیا گیا اور اس انداز میں کیا گیا کہ توحید کا تصور بھی خود بخود ذہن نشیں ہوتا چلا جاتا ہے۔

انکارِ آخرت وہ چیز ہے جو کسی شخص، گروہ یا قوم کو مجرم بنائے بغیر نہیں رہتی۔ اخلاق کی خرابی اس کا لازمی نتیجہ ہے اور تاریخ انسانی شاہد ہے کہ زندگی کے اس نظریے کو جس قوم نے اختیار کیا ہے وہ آخر کار تباہ ہو کر رہی آخرت سے انکار در اصل خدا اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے اور آخرت سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدۂ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مانع سمجھتے ہیں جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگیٔ نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بروز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

"وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کوتک ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے ہیں تو وہ بھٹک رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور یہی آخرت

ہیں سب سے بڑھ کر نقصان میں"۔
(سورۃ النمل ۲۷۔ رکوع ۱)

"یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلاتے ہم نے اس کے لئے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ"۔ سورۃ الفرقان ۲۵ رکوع ۲۔

نماز کا پابند ہونا یا نہ ہونا بھی قرآن کی رو سے علی الترتیب آخرت پر یقین رکھنے یا نہ رکھنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا۔

• اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ اور بے شک نماز ضرور ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔ جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اس کی طرف پھرنا"۔
(سورۃ البقرہ ۲ رکوع ۵)

انسان کا انفرادی رویہ اور انسانی گروہوں کا اجتماعی رویہ کبھی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک یہ شعور اور یہ یقین انسانی سیرت کی بنیاد میں پیوست نہ ہو کہ ہم کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اگر عقیدۂ آخرت حقیقتاً نفس الامری کے مطابق نہ ہوتا اور اس کا انکار حقیقت کے خلاف نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اقرار کے یہ نتائج ایک لزومی شان کے ساتھ ہمارے تجربے میں آتے ایک ہی چیز سے پیہم صحیح نتائج کا برآمد ہونا اور اس کے عدم کے نتائج کا پیہم غلط ہو جانا بس اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ وہ چیز بجائے خود صحیح ہے۔ آخرت کو ماننے سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا کہ:

• اس قرآن سے وہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت میں ہی اوندھایا جانا ہو"
(سورۃ الذاریات ۵۱۔ رکوع ۱)

جب مومنین میدان حشر سے جنت کی طرف لے

مادیت پرستی کے اس دور میں ہمارے افکار و اعمال پر اب مذہب کی گرفت دن بدن ڈھیلی پڑتی جارہی ہے۔ آخرت کی باز پرس کا خطرہ اب ایک تصور موہوم ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ مذہب کی بنیاد ہی عقیدۂ آخرت پر ہے

ISTIQAMAT DIGEST

جائے جا رہے ہوں گے اور آخرت سے انکار کرنے والے جن کے متعلق دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے تو روشنی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی اس لئے کہ:

• جس دن (روز حشر) اللہ رسوا نہ کریگا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے"۔۔۔۔۔۔
(سورۃ التحریم ۶۶۔ رکوع ۲)

اس وقت اہل ایمان پر حقیقت کی کیفیت طاری ہوگی اور اس وقت بھی انہیں اپنے قصوروں اور کوتاہیوں کا احساس کر کے یہ اندیشہ لاحق ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی نہ چھن جائے اس لئے وہ دعا کریں گے کہ:

"اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے اور ہمیں بخش دے بیشک تجھے ہر چیز پر قدرت ہے۔"

(سورۃ التحریم ۶۶۔ رکوع ۲)

قیامت کی گھڑی آکر رہے گی اس لئے بھی کہ

"ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے"

(سورۃ القصص ۲۸۔ رکوع ۹)

"وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔"

(سورۃ الحدید ۵۷۔ رکوع ۱)

الٰہی آیات کی ترجمانی اقبال نے بال جبریل کی نظم مسجد قرطبہ کے اس شعر میں کی ہے کہ ؎

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

عقیدۂ آخرت پر عقلی دلائل

مادیت پرستی کے اس دور میں واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارے افکار و اعمال پر اب مذہب کی گرفت دن بہ دن ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کی باز پرس کا خطرہ اب ایک تصور موہوم ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ غور فرمایئے تو مذہب کی بنیاد ہی عقیدۂ آخرت پر ہے۔

عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین دل میں راسخ ہو جائے کہ ہم مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور خدا کے سامنے ہمیں اپنی زندگی کے سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اپنے عمل کے اعتبار سے جزا و سزا دونوں طرح کے نتائج کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی یوم الحساب کا نام مذہب اسلام کی زبان میں قیامت ہے۔

اگر آخرت کا یہ اعتقاد دلوں سے نکل جائے تو مذہب کی پابندی کا سوال ہی بے معنی ہو کر رہ جائے آخر کوئی آدمی کیوں رمضان کے مہینے میں سارا دن اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھے۔ ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں کیوں کوئی اپنے گرم لحاف سے نکل کر مسجد کی طرف، اپنے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت کیوں کوئی زکوٰۃ کے نام پر غریبوں میں لٹائے۔ خواہش نفس اور قدرت و اختیار کے باوجود کیوں کوئی ایسی بہت ساری چیزوں سے منہ موڑے جسے مذہب نے ممنوع قرار دیا ہے یہ ساری مشقتیں اور تکلیفیں صرف اسی لئے تو گوارا کرلی جاتی ہیں کہ ان کے پیچھے یا تو عذاب کا خطرہ لاحق ہے یا پھر دائمی آسائش و راحت کا تصور مذہب کی ہدایات پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے یہ دو محرکات ہیں جو دل کے ارادوں پر حکومت کرتے ہیں دوسرے لفظوں میں اسی عقیدے کا نام ایمان بالغیب ہے یعنی اپنی آنکھ سے دیکھے اور اپنے کان سے سنے بغیر اُن حقائق کا اپنے مشاہدہ سے بھی بڑھ کر یقین کیا جائے جنکی خبر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

آدمی اپنی سرشت کے اعتبار سے چونکہ مشاہدات پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے اس لئے بہت سے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جب ہم بالکل سڑ گل جائیں گے اور جب ہمارا جسم مٹی کا غبار بن کر ہر طرف بکھر جائے گا تو ان حالات میں ہم دوبارہ کیونکر زندہ کئے جا سکیں گے؟ عقیدۂ آخرت کے سوال پر الحاد و

تشکیک کا دروازہ بند کرنے کے لئے ہم شدت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسے عقلی دلائل سے اتنا مسلم کر دیا جائے کہ عقل غلط اندیش بھی سر جھکا لے اور یہ الزام بھی رفع ہو جائے کہ اندھی تقلید کے علاوہ عقیدۂ آخرت کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے۔

پہلی دلیل

اپنی بات کا آغاز ہم مشاہدہ سے کرتے ہیں کہ انسانی معلومات کا سب سے پہلا ذریعہ مشاہدہ ہی ہے۔ چوبیس ہزار میل کی گولائی والی یہ زمین، آسمان کی بلندیوں سے گلے ملتے ہوئے پہاڑوں کی یہ قطار اور بے پایاں وسعتوں میں پھیلا ہوا سمندروں کا یہ لہراتا ہوا خطہ! یہ ساری چیزیں ہم سے سوال کرتی ہیں کہ ہمیں کس نے پیدا کیا؟

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان ساری چیزوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک نے پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد دوسرا سوال اٹھتا ہے کہ زمین کس چیز سے بنائی گئی پانی کا مادۂ تخلیق کیا تھا اور پہاڑوں کا وجود کس چیز کے ذریعہ عمل میں آیا۔ اگر اپنی حماقت سے کسی چیز کا نام لے لیا گیا تو پھر اس چیز کے بارے میں اسی طرح کا سوال اٹھے گا اور سوالات کا یہ سلسلہ لامتناہی رہے گا جب تک کہ یہ سچی بات کہہ نہ دی جائے کہ خداوند قدیر نے ان ساری چیزوں کو بغیر کسی مادہ کے صرف اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

قدرت سے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اس کے لئے لفظ کُن (یعنی ہو جا) فرما دیا اور وہ چیز خدا کی مرضی کے مطابق وجود میں آگئی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے

إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اسے کلمہ دیتا ہے کہ تو ہو جا۔ تو وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اتنی بڑی زمین اور اتنا بڑا آسمان خداوند قدیر نے بغیر کسی مادہ سے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تو یہ بات عقل کو بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ اس خدائے حی و قدیر کے لئے سڑے گلے مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے؟

قرآن حکیم نے عقیدۂ آخرت کے سلسلے میں اس طرح کے شبہے کا جواب جتنی بلاغت کے ساتھ دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک گستاخ کافر نے ایک بوسیدہ ہڈی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ کیا سڑی گلی ہڈی دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ
قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝
قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ
مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ (یٰس)

اور اس نے ہمارے خلاف ایک مثل گڑھی اور اپنی تخلیق کا واقعہ بھول گیا (دوبارہ زندہ کئے جانے کے عقیدے پر اعتراض کرتے ہوئے) کہا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب میں فرما دیجئے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اُسے وجود بخشا تھا۔ اور وہ اپنی ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔

انسانی دنیا کا یہ دستور سامنے رکھئے تو جواب کی بلاغت اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی کہ کام پہلی بار مشکل ہوتا ہے دوسری بار تو بالکل آسان ہو جاتا ہے لیکن جو کام خدا کے لئے پہلی بار بھی مشکل نہیں تھا وہ دوسری بار کیونکر مشکل ہو جائے گا۔

دوسری دلیل

اس عالم ہستی میں انسان کی آمد پر آپ غور کریں گے تو آپ پر یہ راز کھلے گا کہ انسان اچانک یہاں نہیں آگیا بلکہ اس عالم میں قدم رکھنے سے پہلے کئی عالم سے وہ گذر چکا تھا۔ پہلا عالم "عالم ارواح" ہے جہاں اسکی روح موجود تھی۔

اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ استقرار حمل کے کچھ عرصہ بعد جب بچے کے جسم میں روح داخل ہوتی ہے اور وہ

ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے وہ روح کہاں تھی یا کہاں سے آئی۔ وہ جہاں بھی موجود ہو یا جہاں سے بھی آئی ہو اسی عالم کا نام عالم ارواح ہے۔

اب عالم ارواح کے بعد دوسرا عالم ہے "شکم مادر" جسے عالم ارحام بھی کہا جاتا ہے۔ اس عالم میں بھی انسان کو کم وبیش نو مہینے رہنا پڑتا ہے۔ ایک منٹ رک کر ذرا قدرت کا یہ حیرت انگیز انتظام دیکھئے کہ ایک جیتی بھرتی قبر میں نو مہینے تک ایک بچہ زندہ رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی کے لئے جتنے اسباب کی ضرورت ہے وہ سارے اسباب بچے کو وہاں فراہم کئے جاتے ہیں۔

شکم مادر سے باہر آجانے کے بعد اگر ساری دنیا کے اطباء وحکماء چاہیں کہ پیٹ چاک کرکے پھر بچے کو دوبارہ اسی جگہ منتقل کردیں تو یقین ہے کہ ایک منٹ بھی وہاں زندہ نہیں رہ سکے گا۔ یہیں سے خدا اور بندوں کے انتظام کا فرق سمجھ میں آجاتا ہے کہ جو چیز بندوں کے لئے ناممکن ہے وہ خدا کی قدرت کے سامنے ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہر عالم کا ماحول اور تقاضا الگ الگ ہے۔ ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں کیا جاسکتا۔

اتنی تفصیل کے بعد کہنا یہ ہے کہ عالم دنیا میں آنے سے پہلے اگر انسان کو مرحلہ وار دو عالم سے گزرنا پڑتا ہے تو عالم دنیا کے بعد بھی اگر کوئی چوتھا عالم مان لیا جائے تو اس میں کیا عقلی قباحت ہے اسی چوتھے عالم کا نام ہم عالم آخرت رکھتے ہیں۔ اگر اسی نام سے اختلاف ہے تو کوئی اور نام رکھ لیا جائے لیکن ایک چوتھا عالم کو ہر حال ماننا ہی پڑے گا کیوں کہ مرنے کے بعد جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہی سوال یہاں بھی اٹھے گا کہ نکل کر وہ کہاں گئی؟ وہ جہاں بھی گئی ہو اسی کا نام عالم آخرت ہے۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے وجود کو مرحلہ وار چار عالموں سے گذرنا پڑتا ہے۔ دو عالم سے تو ہم گذر چکے ہیں یہ دنیا تیسرا عالم ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور چوتھے عالم میں مرنے کے بعد قدم رکھیں گے۔

تیسری دلیل

جس طرح زمین و آسمان کا وجود کسی بالاتر ہستی کی مشیت کا نتیجہ ہے اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی قدرت سے ہوتی ہے اور وہی اس کارخانۂ ہستی کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہے وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ وہی زمین سے دانے اگاتا ہے اور وہی انسانی زندگی کے لئے سارے اسباب فراہم کرتا ہے۔

اسی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور عقل وفہم کی نعمت سے آراستہ کرکے خیر وشر اور صحیح وغلط میں امتیاز کرنے کی قوت عطا فرمائی۔ اس کائنات میں انسان کا مقام جتنا بلند ہے اسی اعتبار سے اس پر ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں بہت سے فرائض کا اسے پابند کیا گیا ہے اور بہت سی چیزوں سے اسے روک دیا گیا ہے۔ فرائض کی پابندی کرنے والوں کو انعام وجزا کی بشارت دی گئی ہے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا کا خوف دلایا گیا۔ جس خدا نے انسانوں کو پیدا کیا انہیں پالا۔ اور جگہ جگہ بے شمار نعمتوں کے دسترخوان ان کے لئے بچھائے، اور بے پایاں رحمت وکرم کے ساتھ قدم قدم پر ان کی نازبرداری کی اسے قطعاً حق پہنچتا ہے کہ نافرمانوں کو وہ سزا دے اور اطاعت شعاروں کو خلعت اکرام سے نہال کرے۔

ان حالات میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زندگی بھر کے اعمال کا محاسبہ کرنے کے لئے حساب وکتاب کا ایک دن مقرر کیا جائے۔ تاکہ اطاعت شعاروں کا انعام واکرام سے نوازا جائے اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ اگر فیصلہ کا کوئی دن مقرر نہ ہو تو جزا وسزا کا قانون بے معنی ہو کر رہ جائے۔

اب یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ فیصلہ کا جو دن مقرر کیا گیا ہے اس کا نام قیامت کا دن ہے اور وہ عالم آخرت میں پیش آئے گا۔

چوتھی دلیل عقیدۂ آخرت کے منکرین کے پاس سب سے مضبوط

دلیل یہ ہے کہ عالم دنیا کے علاوہ بھی اگر کوئی اور عالم ہے تو وہ ہماری آنکھوں سے نظر کیوں نہیں آتا اور اُس عالم کی آواز ہمارے کانوں تک کیوں نہیں پہنچی۔

اس مقام پر ذرا جہل کی فطرت کی ہم آہنگی دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے گمراہوں لوگوں نے بھی یہی کہا تھا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے
جب تک ہم خدا کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے۔

لیکن یہ نادان اس بات کو نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ نہ ہونا اُس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور کسی آواز کو اپنے کانوں نہ سن سکنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ آواز کا وجود ہی نہیں ہے۔

آج کے مشینی دور میں اس کی بہت سی زندہ مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثال کے طور پر کسی بھی ریڈیو اسٹیشن سے جو آواز نشر کی جاتی ہے وہ ریڈیائی لہروں کے ذریعہ فضا میں ہر طرف پھیل جاتی ہے اس کی لہریں ہمارے کانوں کے قریب سے گزرتی رہتی ہیں لیکن آواز سنائی نہیں دیتی لیکن جیسے ہی ہم ریڈیو آن کرتے ہیں فضا میں تیرنے والی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرانے لگتی ہے۔

بالکل اسی طرح ٹیلی ویژن سنٹر سے روشنی کی لہروں کے دوش پر جو تصویریں ٹیلی کاسٹ کی جاتی ہیں وہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذرتی رہتی ہیں لیکن ہمیں فضا میں کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا اور جیسے ہی ہم ٹیلی ویژن بکس کا بٹن دباتے ہیں اسکرین پر ساری تصویریں ہمیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی طرح کسی کے پھیپھڑے کا سیاہ دھبہ ہمیں باہر سے نظر نہیں آتا لیکن ایکسرے مشین نہ صرف یہ کہ اُس دھبے کو دیکھ لیتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی دکھا دیتی ہے۔

ان ساری مثالوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ موجود ہونے کے باوجود بہت سی چیزوں کے دیکھنے اور سننے سے ہم صرف اس لئے قاصر رہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے مشاہدہ کے لئے ذرائع نہیں ہیں۔ نہ آنکھوں میں اس کے لئے قوت بصارت ہے اور نہ کانوں میں اس کے لئے قوت سماعت ہے اس لئے اصل سوال مشاہدہ کے فقدان کا نہیں بلکہ ذرائع کے فقدان کا ہے۔

اور ایسا اس لئے ہے کہ جس نے ہمیں آنکھیں عطا کی ہیں ہمیں کان مرحمت فرمائے ہیں اس نے بصارت وسماعت کی قوتوں کے لئے حدیں بھی مقرر کر دی ہیں ہم اپنی آنکھوں سے مصری کی ڈلی تو دیکھ لیتے ہیں لیکن اس کی مٹھاس نہیں دیکھ سکتے اسی طرح آنکھیں صرف مادی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں مصری کی مٹھاس اور سنکھیا کا زہر چونکہ ایک معنوی حقیقت ہے اس لئے آنکھوں میں اس کے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں دی گئی ہے۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اس عالم کی معنوی حقیقت کو دیکھنے کی قوت ہماری آنکھوں میں نہیں ہے تو وہ عالم آخرت کا تعلق عالم غیب سے ہے اسے ہماری آنکھیں کیونکر دیکھ سکتی ہیں۔

البتہ خدا نے اپنے جن مقرب بندوں کو غیبی قوت ادراک سے سرفراز کیا ہے وہ اسی دنیا میں غیبی حقیقتوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

حدیثوں میں اس طرح کی روایتیں کثرت سے ملتی ہیں کہ حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی زمین پر کھڑے ہو کر جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا ہے جہاں تک

بیان کیا گیا ہے حضور نے چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر جنت سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لیں لیکن پھر خیال کچھ آیا اور ہاتھ کھینچ لیا۔

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہی خدائے ذوالجلال کی وحی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے حضور بے تکلف انہیں دیکھتے تھے اور براہ راست ان کی آواز سنتے تھے۔ حالانکہ حضرت جبرئیل امین عالم دنیا کی نہیں عالم غیب کی ہستی ہیں۔

یہ روایت بھی حدیثوں میں موجود ہے کہ قبرستانوں سے گزرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کا بھی مشاہدہ فرما لیتے تھے کہ عالم برزخ میں کسی مردے کا کیا حال ہے حالانکہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب کا سارا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ ان ساری بحثوں سے یہ بات بھی طرح ثابت ہو گئی کہ عالم آخرت کے حقائق اپنی جگہ پر موجود ہیں کمی جو کچھ ہے وہ ہمارے اندر ہے کہ ان کے مشاہدے کے لئے روح میں جس لطافت کی ضرورت ہے وہ ہر انسان کو میسر نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ عالم آخرت کا تصور انسان کی فطرت میں اس طرح ودیعت کر دیا گیا ہے کہ عہد قدیم سے دنیا کی ساری اقوام کسی نہ کسی شکل میں مرنے کے بعد جزا و سزا کے عقیدہ سے منسلک رہی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مرنے کے بعد سب کے یہاں مردے کی نجات و مغفرت کے لئے کچھ نہ کچھ مذہبی رسوم ضرور ادا کئے جاتے ہیں اس کے لئے چاہے طریقے مختلف ہوں لیکن تصور تو مشترک ہے۔

آپ مختلف زبانوں کی لغات کا تفصیلی جائزہ لیں تو جنت سے دوزخ کے ہم معنی الفاظ آپ کو ہر زبان میں مل جائیں گے۔ اور یہ اصول اہل زبان کے درمیان مسلم ہے کہ ہر زبان میں اسی مفہوم کے لئے الفاظ وضع کئے جاتے جو اہل زبان کے تصور میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ بحث کے اس رخ سے بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عالم آخرت کا تصور صرف اہل اسلام ہی کے عقیدے میں نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کی فطرت اسی عقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔

چند مخصوص طبقات اور چند مخصوص عہد کے لوگوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فکر و اعتقاد کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے لیکن نسل انسانی کے یوم آغاز سے لے کر آج تک بلا تفریق ساری دنیا کے انسانوں پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا کہ آخرت کے تصور کو اپنے مذہبی عقائد کی فہرست میں شامل کر کے وہ فریب مسلسل کا شکار رہے۔ خاص طور پر ان حالات میں جب کہ عقیدۂ آخرت کی تعلیم دینے والوں میں وہ انبیاء و مرسلین بھی ہیں جن کی شخصیتیں نہ صرف اہل اسلام میں بلکہ اقوام عالم میں بھی مسلم الثبوت اور عزت و شرف کی حامل ہیں۔ اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اپنے حلقے میں مذہبی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے ہیں۔

اس لئے کہنے دیا جائے کہ اگر تاریخ کے ہر دور کے سارے انسانوں کو ہم جھوٹا قرار دے دیں تو پھر اس دنیا میں کون سچا رہ جائے گا!

اپنے مضمون کے آخری مرحلے سے گزرتے ہوئے یہ فقرہ ضرور چسپت کروں گا کہ عقیدۂ آخرت کی تکذیب کرنے والا صرف کسی ایک طبقے کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ ابتداء سے لے کر آج تک ہر عہد کے سارے انسانوں کو وہ جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی ہوشمند انسان اس جارحانہ انداز فکر سے ہرگز اتفاق نہیں کرے گا۔

روح کے بنیادی تقاضے

مفکر اسلام
علامہ سید محمد اشرف کلیم اشرفی جیلانی
ایم۔ اے
ولیعہد
آستانۂ احمدیہ اشرفیہ
جائس شریف
ضلع رائے بریلی

یہ دور علم ودانش، تحقیق وایجاد، راحت وآسائش اور سائنس کے عروج وارتقار کا دور ہے۔ ماہرین سائنس نے نت نئی ایجادات کے انبار لگا دیئے ہیں۔ الیکٹرانک ٹیکنالوجی نے تو خوبصورت، دیدہ زیب، کارآمد اور مختصر مشینوں اور دیگر اشیاء، آرائش وآسائش کا سیلاب جاری کر دیا مگر مثل مشہور ہے - "SCIENCE IS A GOOD SERVANT BUT THE WORST MASTER.

سائنس ایک اچھا خادم ہے مگر بدترین آقا۔

یہی مقام افسوس ہے کہ مادیت کے غلبہ کے اس پرآشوب دور میں بندے اپنے نخوت علم ودانش، غرور تحقیق وایجاد میں اپنے اصل آقا کو فراموش کر گیا۔ اپنے خالق اپنے مالک اپنے رب اپنے رزاق سے غافل ہی نہیں ہو گیا بلکہ ان کا وجود ترک کر بیٹھا اور دنیا ہی سب کچھ سمجھ لیا

فلسفۂ جدیدہ اور سائنس نے واجب الوجود اور خالق حقیقی سے رشتہ منقطع کر لیا جو عالم اسباب کا مسبب ہے جوہری توانائی اور مادی قوتوں کے دریافت کرنے والے یہ بھول گئے کہ مادہ اور جوہر میں خفیہ توانائی بھی پیدا کرنے والا وہی قادر مطلق ہے Omni Potent Lord • ہے۔ ممکنات سے واجب الوجود کا رشتہ منقطع ہونا تھا کہ فتنہ وفساد ذہنوں میں سرایت کرنے لگا۔ خود غرضی مفاد پرستی اخلاقی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فکر وخرد کی تمام تر توانائیاں مادی فروغ اور جسم کے تقاضوں کی تکمیل میں مصروف کار اور مرتکز ہو گئیں۔ امر رب، روح کے سائنس داں منکر ہونے لگے اور جسمانی ومادی اور دنیوی زندگی کو ہی خوشگوار بنانا انسانی نصب العین بن گیا۔ جسم اور اس کے تقاضے ہی

سرمایۂ حیات بن گئے۔ روح اور اس کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ علم و دانش، تحقیق و ایجاد کی ساری صلاحیتیں جسمانی آسائشات کی فراہمی میں مصروف ہو گئیں۔ روح جو اصل حیات ہے۔ روح جس کے دم سے رونق حیات ہے روح جس کی ساری جلوہ سامانیاں ہیں روح جس کے دم سے ہی جسم میں حرارت ہے۔ حرکت ہے۔ قوت ہے۔ احساس ہے۔ جذبہ اور سرگرمی کی ساری قوتیں ہیں۔ روح جس کی بدولت آنکھ میں قوت بصارت ہے، کان میں قوت سماعت ہے۔ زبان میں گویائی اور طلاقت ہے۔ فکر و شعور، تحقیق و ایجاد کی قوت ہے روح جس کے دم سے ہی جسم کی ساری بہار ہے۔ اس سے اہل مادہ یکسر غافل ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میں خلا پیدا ہونے لگا۔ بے چینی و بیقراری بڑھنے لگی، سکون جاتا رہا۔ انتشار کے قدم بڑھتے رہے فتنہ و فساد کا بازار اور گرم ہونے لگا۔ بے حیائی و بے ستری عام ہونے لگی۔ گناہوں کا سیلاب امنڈ پڑا۔ انسانی قدریں پامال ہونے لگیں۔ انسانیت زوال پذیر ہونے لگی۔ سماج کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ جسم کے سہ گانہ تقاضے (۱) روٹی (۲) کپڑا (۳) اور مکان کے گرد طواف ہونے لگا۔ روحانی تقاضے فراموش کر دیئے گئے روح ناتواں ہونے لگی۔ کرب و اضطراب میں مبتلا ہونے لگی۔ اخلاقی اور روحانی بیماری عام ہونے لگی، مصلحین قوم کی آنکھیں کھلیں تو عروج و ارتقار کے اس مادی دور میں ہر سمت ظلمتیں تیرتی نظر آئیں انسان حیوانیت سے قریب تر ہوتا گیا۔ خود غرضی اور مطلب پرستی کا عفریت اپنے پنجۂ ظلم و استبداد کو بڑھاتا گیا۔ انسانی حقوق کی علمبرداری کے دعویدار انسانی قدروں کا گلا گھونٹنے لگے ویتنام، افغانستان اور بوسینا کے دل دوز واقعات اور جگر خراش و کرب انگیز سانحات ہونے لگے۔ عراق کی مقدس سرزمین میں منوں بارود اتار دیئے گئے۔ ہزاروں بچے یتیم کر دیئے گئے خواتین بیوہ ہو گئیں، کنواریاں اجلے دردِ زہ سے تڑپ اٹھیں مگر مادہ پرستوں، روح اور روحانیت کے باغیوں کو رحم نہ آیا۔ یہ سچ ہے کہ جسم کے بنیادی تقاضے تین ہیں روٹی، کپڑا اور مکان۔ مگر جسم فانی کے لئے ایجادات کے انبار لگا دینے والوں نے بیمار روح کے لئے کوئی شفاخانہ کھولا؟ کوئی میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ MEDICAL RESEARCH INSTITUTE قائم کیا روح کے لئے کوئی ٹیبلیٹ کوئی ٹانک بنایا؟ کوئی کلینک CLINIC کوئی ہاسپیٹل کوئی میڈیکل کالج کوئی نرسنگ ہوم کھولا؟

آج مادہ پرست سائنس داں اپنی ایجادات اور تحقیقات نیز فطرت کے سربستہ رازوں کے انکشافات

اگر ہم
روح کو شفا بخشنا چاہتے
ہیں تو پختہ اور غیر متزلزل
ایمان لاکر
اپنا سینہ
تعظیم رسول کا مدینہ بنائیں
اور عظمت رسول کے
سایہ میں عبادت کی لذت اور
قرب الٰہی کی دولت حاصل
کریں!

پر نازاں ہیں حق تو یہ ہے کہ یہ ان کے لئے مقام شرم ہے کہ جسم جو فانی ہے اس کے لئے سب کچھ اور روح جو باقی ہے اور اصل ہے اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔

آیئے اب نسخۂ شفا کتاب ہدایت قرآن عظیم کلام الٰہی کی طرف رجوع کریں جو اس خالق و مالک علیم و خبیر کا کلام ہے جس نے جسم کو پیدا کیا اور روح کی بھی تخلیق کی اور جس نے انسانی ہدایت، اصلاح و فلاح اور عروج و ارتقار کے لئے اپنے محبوب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو

مبعوث فرمایا اور ساری کائنات کو ان کے قدم نازِ رسالت سے وابستہ کر دیا۔ جنہیں جسم کا بھی نبی بنایا اور روح کا بھی، جسم کا بھی ہادی بنایا اور روح کا بھی اور جس نے اپنے محبوب روح اعظم روح کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین نمونۂ عمل بنایا۔ جس نے روح کے بنیادی تقاضے روحانی توانائی اور روحانی ارتقاء کے لئے خود بیان فرمائے کہ اگر جسم کے بنیادی تقاضے تین ہیں تو روح کے بنیادی تقاضے بھی تین ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا

یعنی روح کے بھی تین تقاضے ہیں۔ (۱) ایمان (۲) تعظیم رسول (۳) عبادت (نماز)

اگر ہم روح کو شفا بخشنا چاہتے ہیں، اس کا کرب دور کرنا چاہتے ہیں، روحانی عروج و ارتقاء، سرفرازی و سربلندی چاہتے ہیں تو پختہ اور غیر متزلزل ایمان لاکر اپنا سینہ تعظیم رسول کا مدینہ بنائیں اور عظمت رسول کے سائے میں عبادت کی لذت اور قربِ الٰہی کی دولت حاصل کریں۔

اگر مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے فرمایا

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

تو بیسویں صدی کے اوائل کا دہریہ منکر خدا، غیر روحانی ادیب و مفکر انگریزی ادب کی انقلابی شخصیت جارج برنارڈ شا ——— George Bernard Shaw. کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔

"I HAVE STUDIED THE LIFE OF PROPHET IF ARABIA. THE WONDERFUL MAN. IF A MAN LIKE HIM WERE TO ASSUME THE DICTATORSHIP OF THE MODERN WORLD. HE WOULD SUCCEED IN SOLVING ITS PROBLEMS IN A WAY THAT WOULD BRING IT THE MUCH NEEDED PEACE AND HAPPINESS."

روضہ مبارک حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ

میں نے پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے ایک حیرت انگیز شخصیت کے مالک انسان اگر دورِ جدید کا زمامِ اقتدار ان جیسے ہاتھوں میں آجائے تو وہ دورِ جدید کے سارے مسائل کو اس طرح حل کرسکیں گے جس سے عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت امن و مسرت حاصل ہو۔

نورانیت مصطفیٰ

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب (کراچی)

کیا فرماتے ہیں علماء کرام بابت اس مسئلہ کے قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چالیس سال کی ہوئی تب نبی ہوئے یا اس سے پہلے بھی نبی تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے کس نور سے پیدا فرمایا اور فرشتے کس نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ بینوا و توجروا مع الدلائل

(مسائل گلستان)

الجواب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ اَفْضَلِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

جاننا چاہیئے اے میرے بھائیو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مجسم ہونا اور آپ کے نور مقدس کا ساری کائنات سے قبل پیدا ہونا اور ساری کائنات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہونا اور سرور کائنات کا تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پہلے وصف نبوت سے موصوف ہونا اور آپ کا بے مثال و بے نظیر بشر ہونا قرآن و حدیث نبویہ اور اقوالِ علماء کرام سے ثابت ہے جیسا کہ رب تعالیٰ قرآن مجید سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔

تحقیق آئے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔

اس آیت مقدسہ میں نور سے مراد تمام مفسرین کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لی ہے جیسا کہ خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی قدس سرہٗ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

قد جاءکم من اللہ نور عظیم وھو نور الانوار النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم۔

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور عظیم آیا۔ وہ تمام نوروں کے نور نبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

انتھیٰ اور اس طرح علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ

علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قد جاءکم من اللہ نور یعنی بالنور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

انتہی اور اسی طرح حافظ عبدالرزاق علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت یارسول اللہ بابی انت وام اخبرنی عن اول شیئ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ الی آخرہٖ مواہب الدنیہ۔

ج اول ص۹

اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری و سائر مکنونات علوی و سفلی ازاں نور و ازاں جوہر پاک پیدا شدہ مدارج النبوہ جلد دوم ص۲)

ترجمہ: جان لے کہ تمام کائنات میں اوّل مخلوقات اور کائنات کے ظاہر ہونے اور کائنات اور حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وسیلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی یعنی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ اوّل ما خلق اللہ نوری اور تمام کائنات بلندی و پستی اسی نور اور اسی جوہر پاک سے پیدا ہوئے ہیں۔

اسی طرح حضرت علامہ شیخ عبدالحمید بن محمد علی قدس سرہٗ کتاب انوار السنیہ شرح الدرر البہیہ میں فرماتے ہیں:

نقد وردان ذات النبی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی پیدائش سے قبل نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بتایئے کہ تمام اشیاء کے پیدا ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تمام مخلوق کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

اور اسی طرح حضرت خاتم المحدثین فی دیار ہند علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں بدانکہ

صلی اللہ علیہ وسلم کانت نورا حتی انہ لم یظہر لہ ظل فی الشمس وجمیع الانوار الحسیۃ والمعنویۃ المتفرقۃ فی العالم العلوی والسفلی وکل الاشیاء مخلوقۃ من نورہ صلی اللہ علیہ وسلم فالنور المحمدی ہو اصل المخلوقات کلہا کما یدل علیہ الحدیث المشہور المروی عن جابر بن عبد اللہ الانصاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ کتاب
الانوار السنیۃ ص۱۳

ترجمہ: پس تحقیق احادیث میں
وارد ہوا ہے کہ ذات نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی نور ہے۔ یہاں تک کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا سایہ
سورج کی دھوپ میں ظاہر نہیں ہوتا تھا
اور تمام انوار حسیہ و معنویہ وہ جو کائنات
علوی اور سفلی میں متفرق ہیں اور دیگر
تمام اشیاء نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
سے مخلوق ہیں۔ پس نور محمدی صلی اللہ
علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل ہیں جیسا
کہ دلالت کرتی ہے اس باب پر حدیث
مشہور جو سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری
صحابی سے مروی ہے۔

اور اسی طرح حضرت شیخ علی القاری مکی
کتاب الشفاء کی شرح میں فرماتے ہیں۔

عن جعفر بن محمد الصادق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ ای المقسم
بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وقال جعفر ھو قلب محمد صلی
اللہ علیہ وسلم اقول بل ھو
صلی اللہ علیہ وسلم بقلبہ و
قالبہ نور یستنار منہ الانوار
و یستضاء منہ الاسرار وقد ورد
اللھم اجعلنی نورا وقد سماہ
اللہ تعالیٰ نورا علی ما تقدم الخ
شرح الشفاء لعلی القاری علی
حاشیۃ نسیم الریاض ج۱۔ ص۱۲۰

سیدنا جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ
سے روایت ہے کہ سورۃ نجم میں جس
کی رب تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے وہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور
آپ کا قلب شریف ہے اور علی القاری
فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کا قلب اور سارا جسم ہی نور ہے
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے
تمام انوار روشنی پاتے ہیں اور تمام اسرار
روشن ہوتے ہیں اور تحقیق وارد ہوا ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے
تھے کہ اے اللہ مجھے نور مجسم بنائیے اور
اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا جیسا کہ پہلے
گزر چکا ہے۔ اور اسی طرح ام المومنین
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
روایت ہے۔

قالت دخل علیھا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مسرورا تبرق
اسادیر وجھہ رواہ بخاری۔
ج۱۔ ص۵۰۲

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز خوشی کی
حالت میں گھر میں داخل ہوئے تو سرکار
صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مقدس بجلی کی طرح
چمک رہا تھا۔

اور اسی طرح محدث کبیر حضرت شیخ محمد بن قاسم
جسوس شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں۔

وروی ابن المبارک وابن
جوزی عن ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنھما انہ صلی اللہ علیہ وسلم
لم یقم مع الشمس قط الا غلب
ضوئہ ضوء الشمس ولم یقم مع

سراج قط الاغلب ضوئہ ضوء
السراج وبھذا لم یظھر لہ صلی اللہ
علیہ وسلم ظل فقد ذکر ابن سبع
فی الشفاء ونقلہ القاضی عیاض
فی لشفاء انہ لا ظل لشخصہ فی
شمس ولا قمر وھو صلی اللہ علیہ
وسلم النور المنیر ولا یقال کیف
ہذا تامع انہ صلی اللہ علیہ وسلم
بشر کما نطق بہ القرآن لانا نقول
لیست بشریتہ کبشریۃ غیرہ فھو
بشر لیس کالبشر کما ان الیاقوۃ
حجر لا کالحجر۔ الخ الفوائد
الجلیلہ علی الشمائل الترمذی

ج ۱۔ ص ۳۶

حضرت ابن المبارک اور ابن جوزی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی کہ تحقیق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سورج اور چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو سایہ نہ تھا۔ اور تحقیق ذکر کیا ابن سبع نے شفا میں اور اس سے امام قاضی عیاض نے اپنی کتاب کتاب الشفاء میں نقل فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کو سورج کی دھوپ اور چاند تک سایہ نہ تھا وہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نور اور روشنی عطا کرنے والے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جیسا کہ قرآن مجید نے بھی حضور کو بشر فرمایا ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں پس وہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں ولیکن نہیں ہیں مثل عام بشر کے جس طرح یاقوت پتھر ہے ولیکن عام پتھروں کی طرح پتھر نہیں ہے۔

اور اسی طرح حدیث صحیحہ سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال و بے نظیر ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لست مثلکم وفی روایۃ
عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
قال صلی اللہ علیہ وسلم انی لست
کھیئکم وفی روایۃ عن ابی سعید
الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قال صلی اللہ علیہ وسلم لست
کاحد منکم وفی روایت عن
ابی ھریرۃ قال صلی اللہ علیہ
وسلم ایکم مثلی (بخاری)

ج ۱۔ ص ۲۶۳

ان حدیثوں کا مجموعی طور پر مفہوم یہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم جیسا بشر نہیں ہوں اور تم لوگوں میں وہ کون ہے جو مجھ جیسا ہو سکے۔ لہٰذا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور بزرگان دین کے اقوال سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم ہیں اور آپ کے نور کو رب تعالیٰ نے اپنے ذاتی نور کے فیضان سے پیدا فرمایا ہے اور آپ کا نور تمام کائنات کا اصل ہے اور دیگر ساری مخلوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔

اور یہ امر بھی ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نورانیت اور بشریت دونوں کمالات کے جامع

ہیں اور آپ کا بشر ہونا آپ کے نور مجسم ہونے کے منافی نہیں اور آپ بشریت کے اعتبار سے بھی بے مثال اور بے نظیر بشر ہیں اور جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود اعلان فرمائیں کہ تم جیسا نہیں ہوں اور اعلان فرمائیں کہ تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہو تو اس کے باوجود اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر تصور کر کے بشر کہے تو اس کے بے ادب اور گستاخ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ رب تعالیٰ محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

بین الروح والجسد رواہ الترمذی قال حدیث حسن صحیح غریب مواھب الدنیہ۔ ج اوّل ص۶

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے فرمایا کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کب سے آپ کے لئے نبوت ثابت ہوئی ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جب سے آدم علیہ السلام درمیان روح اور جسد کے تھے۔

اور اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے بھی قبل صفت نبوت سے متصف ہونا اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح اور فرشتوں کا مربی اور فائض ہونا اور احادیث صحیحہ اور بزرگان دین کے اقوال سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے۔

قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم

اور اسی طرح حضرت میسرہ صحابی سے روایت ہے۔

قال قلت یارسول اللہ متی کنت نبیا قال وآدم بین الروح و جسد رواہ احمد والبخاری فی التاریخ والحاکم وصححہ وقال حافظ سندہ قوی مواھب المدنیہ ج ۱۔ ص۶

حضرت میسرہ صحابی نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب

سے آپ نبی ہیں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سے حضرت آدم علیہ السلام درمیان روح اور جسد کے تھے۔

اور حدیث اول کی شرح میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

بہر تقدیر مراد قبل از تخلیق آدم است واگرچہ در علم الٰہی نبوت تمام انبیاء ثابت وکائن بود ولیکن نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ومعلوم بود درمیان ملائکہ وارواح ونبوت ایشان مکنون ومستور بود بلکہ میگویند کہ روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در آں عالم مربی ارواح انبیاء ومفیض علوم الٰہیہ بود بر ایشاں چنانکہ در نشاۃ دنیا مبعوث مرسل بود بر جمیع بنی آدم پس وے صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل بود در آں عالم بالفعل در خارج نہ در علم الٰہی فقط
مدارج النبوت ج ۲۔ صفحہ ۳۔

ترجمہ: بہر تقدیر مراد اس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہے یعنی آپ وصف نبوۃ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی متصف تھے) اور علم الٰہی میں اگرچہ تمام انبیاء کرام کی نبوت ثابت اور ہونے والی تھی ولیکن نبوت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ملائکہ اور تمام ارواح میں ظاہر معلوم تھی اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اس وقت مستور تھی بلکہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس اس عالم ارواح میں انبیاء کرام کی ارواح کا مربی اور ان پر علوم الٰہیہ کا مفیض تھا، جیسا کہ دنیا کی پیدائش میں تمام بنی آدم کی طرف مبعوث مرسل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں بالفعل خارج میں ہی مرسل تھے نہ کہ فقط علم الٰہی میں انتھیٰ اھ اسی طرح امام قسطلانی شارح بخاری ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ووصف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنبوۃ فی ذالک الوقت ینبغی ان یفھم منہ انہ امر ثابت لہ فی ذالک الوقت ولو کان المراد بذالک مجرد العلم بما سیصیر فی المستقبل لم یکن لہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیۃ بانہ نبی وآدم بین الروح والجسد لان جمیع الانبیاء یعلم اللہ تعالیٰ بنبوتھم فی ذالک الوقت وقبلہ فلا بد من خصوصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاجلھا اخبر بھذا الخبر اعلاما لامتہ لیعرفوا قدرہ عند اللہ تعالیٰ۔ الخ مواھب اللدنیہ۔
ج اوّل ص۶

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت وصف نبوت سے موصوف ہونے سے معلوم کرنا چاہیئے کہ تحقیق یہ امر اس وقت سے آپ کے لئے ثابت تھا۔ اگر اس سے مراد علم الٰہی میں آپ کے لئے نبوت کا ثبوت ہوتا تو اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا خصوصیت ہوتی۔ علم الٰہی میں تو انبیاء کرام کے لئے نبوت ثابت ہے اس وقت اور اس سے پہلے بھی پس ضروری ہے حضور اکرم کے لئے خصوصیت تا جس

کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی امت کو خبر دی ہو اپنی شان
پہچاننے کے لئے۔ انتہیٰ۔
اور بعض علماء کا ان احادیث سے حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم الٰہی میں تعین نبوت کا مراد
لینا باطل ہے جس کو علماء محققین نے رد فرمایا ہے جیسا کہ
محدث کبیر حضرت علامہ الغماری الحسنی فرماتے ہیں؛

والمراد بھا الاخبار بوجوب
نبوتہ ای ثبوتھا الروح الشریفۃ
المخلوقۃ قبل الارواح۔ غیر ان
بعض العلماء ذکر ان المراد بھذا
الحدیث وما فی معناہ ثبوت نبوتہ
فی علمہ وتقدیرہ وان المعنی کنت
نبیا فی تقدیر اللہ تعالیٰ وآدم
بین الروح والجسد وکذالک
قال فی حدیث کنت اول النبیین
فی الخلق ان المراد فی الخلق التقدیر
لا الایجاد ای کنت اولھم فی التقدیر
ھذا حاصل ما ذکرہ وھو باطل
بوجوہ الاول ان نبوۃ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ثابتۃ فی
علم اللہ وتقدیرہ منذ الازل
فتخصیصھا بوقت کون آدم
بین الروح والجسد لغو یجب تنزیہ
الحدیث عنہ۔ الخ الاحادیث
المنتقاۃ فی فضائل رسول اللہ ﷺ

ان احادیث سے مراد اپنے روح
شریف کے لئے وصف نبوت سے متصف
ہونے کی خبر دینا ہے جو تمام ارواح سے
پہلے ہی مخلوق تھا اور جن علماء نے علم
الٰہی میں حضور اکرم کے لئے وصف نبوۃ

محمد رسول اللہ
لا الٰہ الا اللہ

کا تعین مراد لیا ہے۔ وہ قول چند وجوہ
سے باطل ہے۔ اس قول کے بطلان کی
ایک وجہ تو یہ ہے کہ تحقیق حضور انور صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت علم الٰہی میں تو ازل سے
ثابت ہے۔ پھر اس کو آدم علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے درمیان روح اور جسد کے
ہونے کے وقت سے ثابت کرنے میں
کیا فائدہ لہٰذا یہ بات لغو ہے اور حدیث
کو ایسی لغویات سے پاک کرنا واجب
ہے۔ انتہیٰ۔
پھر یہی علامہ آگے فرماتے ہیں:
وحاصل المعنیٰ ان اللہ تعالیٰ
افاض علی روح نبیہ الشریفۃ او
حقیقۃ المحمدیۃ وصف النبوۃ
فی وقت کان آدم لایزال طریحا
علی الارض قبل نفخ الروح فیہ
واضافۃ النبوۃ فی ھذا الوقت

تستلزم تقدم خلقه علی غیرہ
كما هو الظاهر الخ الاحاديث
المنتقاة في فضائل رسول الله ﷺ.
ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق
اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو اس وقت وصفِ نبوت سے فائز
فرمایا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام
درمیان روح اور جسد کے تھے اور اس
وقت سے آپ کا وصف نبوت سے فائز
ہونا تمام انبیاء کرام کی خلقت سے آپ
کی خلقت کے تقدم کو لازم ہے۔ انتھیٰ۔
لہٰذا ان احادیث اور علماء محققین کے اقوال
سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ ایک تو آپ کا تمام انبیاء
کرام سے خلقت کے اعتبار سے مقدم ہونا اور دوسرا
آپ کا تمام انبیاء کرام سے پہلے ہی وصف نبوت سے
موصوف ہو کر تمام انبیاء کرام کے ارواح اور فرشتوں
کا مربی ہونا۔ تیسرا فائدہ یہ کہ ان احادیث اور بزرگان
دین کے اقوال سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم محض بشر نہ تھے بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
نورانیت اور بشریت دونوں کمالات کے جامع تھے
وہ اس لئے کہ بشریت کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام
سے ہوئی ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس
وقت بادشاہ اور نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام والصلوٰۃ
کا اب تک وجود بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ امام
قسطلانی رحمۃ اللہ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

الا بابی من كان ملكا وسيدا
وآدم بين الماء والطين واقف.

خبردار میرا باپ قربان ہو اس
ذاتِ مقدس پر جو کہ آپ اس وقت
سردار بادشاہ تھے جب کہ حضرت آدم
علیہ السلام درمیان پانی اور مٹی کے تھے۔

نور و بشر کا فلسفہ

حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم
لوگوں میں کون ہے میرا
مثل۔ مصطفےٰ نور ہیں اور ساری
کائنات آپ ہی کے نور سے پیدا ہوئی۔

پس اے میرے بھائیو قرآن و سنت و بزرگان
دین کے اقوال کی روشنی میں یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور ہیں اور آپ کا نور تمام
کائنات کا اصل ہے اور آپ تمام انبیاء کرام سے
قبل وصفِ نبوت سے موصوف تھے یہی عقیدہ سلف
صالحین کا ہے اور اس عقیدے کے جو خلاف ہیں
وہ گمراہ ہیں اور مسلکِ اہلسنت بریلوی کے جتنے بھی
مخالف گروہ ہیں وہ سب گمراہ فرقے ہیں۔ مسلمانوں
پر لازم ہے کہ ان گمراہ فرقوں کے شر سے اپنا ایمان
بچائیں اور رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے محبوب کا
ادب اور محبت عطا فرمائے اور سلف صالحین کے
عقیدے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
خير خلقه ونور عرشه سيدنا محمد
وعلیٰ آله واصحابه واتباعه اجمعين

ہمارے معاشرے میں اب طلاق کا رواج کچھ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے جہاں غصہ آیا اور طلاق دے دی، پھر ایک دو دی جائیں تب بھی معاملہ ہاتھ میں رہتا ہے مگر جانتے ہیں کہ بالکل تعلق اُسی وقت ختم ہوگا جب تین طلاقیں دی جائیں اس لئے تین دیتے ہیں پھر فوراً ہی ندامت ہوتی ہے، اب علماء کی طرف رجوع کرنے سے قبل بڈھے بڑھیوں سے مسئلہ دریافت ہوتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کچھ بہرحال پھر کسی نہ کسی طرح علماء تک پہنچتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح بیوی ان کے پاس حسب سابق رہے، علماء سے کہتے ہیں کچھ گنجائش نکالئے، مگر یہ معلوم نہیں کہ تمام دنیا کے علماء مل کر بھی شریعت کے احکام میں سے کسی حکم کا نقطہ بھی اِدھر سے اُدھر نہیں کر سکتے، کبھی یہ کہتے ہیں کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لیا جائے تو کیسا ہے؟ بڑا افسوس ہے آج اپنی ضرورت کے تحت اپنے امام کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے تو کل خدانخواستہ اپنی غرض سے مذہب تبدیل کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کر دیں گے، پھر چاروں اماموں میں سے کوئی بھی نہیں کہتا کہ تین طلاقوں کے بعد بھی بیوی حسب سابق بیوی رہ سکتی ہے، کبھی غیر مقلدوں کی مسجد سے فتویٰ لے آتے ہیں، غرض چاہتے ہیں مذہب کا نام لے کر یا فتویٰ کا سہارا لے کر حرام کو حلال کر لیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے، یہ اولاد کا معاملہ ہے، اور پھر تمام نسب کا معاملہ ہے جب دو لفظوں سے ایک اجنبی عورت آپ کی بیوی بن گئی، تو تین لفظوں سے اگر زوجیت سے خارج ہو جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے.

مسلمان بھائیو!

نماز روزہ اور دوسری عبادات میں ہماری کوتاہیاں ظاہر ہیں فدارا کم از کم ایسے گناہوں سے ضرور بچیئے جن میں خدانخواستہ اگر آپ مبتلا ہو گئے تو تمام زندگی بلکہ اس کے بعد بھی آپ گناہوں کے دریا میں غرق رہیں گے، اپنے غصہ کو شرعی حدود میں رکھئے اور تین طلاقیں دینے سے بچیئے، اس مختصر رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت بھی واقع ہو جائیں گی، یہی فیصلہ قرآن، حدیث، صحابہ اور اُمت کے اتفاق سے ثابت ہے، اس کے خلاف سب غلط ہے، بحث میں مخالفین کے صرف اُن دلائل کا رد کیا

گیا ہے جن پر انہیں بہت گھمنڈ ہے اور جو عام طور پر وہ استعمال کرتے ہیں، ظاہر ہے اس موضوع پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ بالخصوص مبسوط، فتح القدیر، بدائع الصنائع فتاویٰ اعلیٰحضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کا فیصلہ ہی کر دیا ہے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ مسلمان بھائی اس رسالہ کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور اپنے بہت سے بھائیوں کو ایک بڑی مصیبت اور عظیم گناہ میں پھنس جانے سے بچانے میں مدد کریں گے۔

طلاق کے چند ضروری مسائل

اللہ کے نزدیک تمام حلال چیزوں میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے، اس لئے شیطان کو اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے بلا عذر شرعی طلاق دینا ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے دیدی تو ہو جائے گی۔

(۱) طلاق کے لئے شرط ہے کہ شوہر عاقل بالغ ہو۔

(۲) نشہ کی حالت میں طلاق دیدی تو ہو جائے گی۔

(۳) عورت کسی حالت میں ہو اس پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

(۴) اگر عورت نابالغہ یا مجنونہ ہے تب بھی طلاق ہو جائے گی۔

(۵) اسی طرح اگر عورت حاملہ ہے یا حیض میں ہے طلاق ہو جائے گی۔ اگر مذاق، غصہ میں، یا کسی کے کہنے سے طلاق دی تب بھی ہو جائے گی۔

(۶) اگر اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر غلطی سے طلاق کا لفظ نکل گیا تو بھی طلاق ہو جائے گی۔

(۷) طلاق کے واقع ہونے میں گواہوں کی ضرورت نہیں۔

(۸) تحریری طلاق دی تو بھی ہو جائے گی، خواہ خود تحریر لکھی ہو یا کسی سے لکھوائی ہو، یا کسی نے خود لکھدی اور شوہر نے اس کو پڑھ کر دستخط کر دیئے۔ یا ان پڑھ نے نشان انگوٹھا لگا دیا۔

طلاق کا صحیح طریقہ

زندگی میں ایسے مواقع بھی آسکتے ہیں جب میاں بیوی کے لئے ایک ساتھ رہنا اور نباہ کرنا ممکن نہ رہ جائے، ایسی صورت میں طلاق کے ذریعے ازدواجی سلسلہ منقطع کیا جاسکتا ہے لیکن چونکہ معاملہ بہت اہم ہے اس لئے اسلام نے اس کا طریقہ نہایت درجہ مصلحت سے لبریز وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ مرد، پاکی کے زمانہ میں (وہ پاکی کا دور جس میں صحبت نہ کی ہو) ایک طلاق رجعی دے یہاں تک کہ عدت گذر جائے پھر دوسرے پاکی کے زمانے میں ایک طلاق اور دیدی جائے، پھر تیسری پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق اور دیدی جائے۔ اتنا طویل عمل اس لئے رکھا گیا ہے کہ انسان کو سوچنے سمجھنے کا کافی وقت مل جائے۔

تین طلاقوں کا مسئلہ

آجکل عموماً مرد کو جب غصہ آتا ہے وہ اپنی بیوی سے اس قسم کے الفاظ کہہ دیتا ہے جا میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں، بلکہ کبھی کبھی تو تین سے زائد طلاقیں بھی دی جاتی ہیں، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ لوگ تین طلاقیں اسی لئے دیتے ہیں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بیوی سے اس سے کم میں پیچھا نہیں چھوٹ سکتا ہے بعد میں جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف بہانہ سازی، دروغ گوئی اور حرام شدہ چیز کو حلال کرنے کی سعی لاحاصل ہوتی ہے اگر کسی مولوی سے غلط بیانی کرکے حلال لکھوا بھی لیا ہے، تو حقیقت پھر بھی اپنی جگہ برقرار رہے گی تمام زندگی حرام کاری ہوگی اور اولاد در اولاد اس گناہ کے ناپاک اثرات چلتے رہیں گے۔

تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

قرآن کریم آیت نمبر (۱)
الطلاقُ مرّتٰن فامسَاكٌ بمعروفٍ
اَو تَسْرِيْحٌ باحسَانٍ (البقرہ ۲۲۹)
طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو اچھے طریقہ
سے روک لینا ہے یا اچھائی کے ساتھ
(بیوی) چھوڑ دینا ہے۔

تفسیر کبیر اور دوسری تفاسیر میں ہے کہ یہ آیت اس موقعہ پر نازل ہوئی جب اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے شکایت کی کہ میرا شوہر مجھ کو طلاقیں دیتا رہتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے آپ نے یہ واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (امام محمد، فخر الدین رازی تفسیر کبیر ص ۲۴۷۔ ج ۲)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے دو مرتبہ ہے (گویا جو مقصود ہے وہ حق ہے رجوع کا بیان ہے نہ یہ کہ طلاق علیحدہ علیحدہ دینا لازم ہے) دو طلاق کے بعد اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو رجوع کر لیا جائے، اور اگر یہ سلسلہ مزید چلنا ممکن نہ ہو تو پھر تیسری طلاق بھی دیدی جائے۔

چنانچہ مشہور مفسر ابو بکر الجصاص اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قد ذکرت فی معناہ وجوہٌ احدھا
انہ بیان للطلاق الذی تثبت
معہ الرجعۃ والثانی انہ بیان
لطلاق السنۃ۔

(ابو بکر الجصاص احکام القرآن ج ۱)

اس آیت کے معانی میں مختلف وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا ذکر ہے جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ طلاق سنت کا طریقہ ہے۔

ابو بکر جصاص نے اور تاویلات بھی لکھی ہیں لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ مفسرین قوی اور ضعیف اپنوں اور غیروں سبھی کے اقوال نقل کرتے ہیں اصل قدر و قیمت ائمہ مذہب کے اقوال ہی کی ہے، لہٰذا کسی مفسر کی طرز بحث سے خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہم حنفی بھی یہی کہتے ہیں کہ طلاق متفرق طور پر دی جانی چاہیئے یہی سنت طریق ہے لیکن اس کا مطلب یہ کہاں سے ہوا کہ اگر کوئی مسنون طریقہ اختیار نہ کرے تو وہ فعل جو ایک عاقل و بالغ سے صادر ہو رہا ہے اور بالکل صریح ہے، واقع ہی نہ ہو؟ ہاں سنت طریق ترک کرنے کا گناہ ہوگا، ہماری شریعت میں لاتعداد احکام ایسے ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے مسنون طریقے بتائے گئے ہیں، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ان کاموں کو مسنون طریقہ پر ادا نہ کرے تب بھی وہ ادا ہو جائیں گے اگرچہ ترک سنت کا گناہ رہے گا۔

عام طور پر مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ طلاق متفرق طور پر دینا چاہیئے نہ یہ کہ تین طلاقوں کے دینے کی ممانعت کی گئی ہے، تو اس قدر میں ہم بھی متفق ہیں۔

ایک سوال

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یکدم دو طلاقیں دے تو کیا واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو دلائل سے ثابت کیجئے، اور اگر دو طلاقیں یکدم واقع ہو سکتی ہیں تو تین کیوں واقع نہیں ہو سکتی ہیں۔

آیت (۲) وللمطلّقات متاعٌ
بالمعروف۔
اور طلاق دی گئی عورتوں کے لئے
رواج کے مطابق سامان ہے۔

آیت (۳) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ
اور اگر تم ان کو صحبت سے پہلے طلاق دے دو۔

آیت (۴) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ۔

اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر اُن کو طلاق دو۔

ان آیات میں اور ان ہی جیسی آیات میں طلاق اور اس کے احکام کا ذکر ہے مگر یہ کہیں نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی گئیں ہوں یا یکدم، جب دونوں امور کا مذکور نہیں تو اس کو قواعد کے مطابق عام ہی رہنا چاہیئے۔

احادیث شریفہ

احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، خواہ یکدم دی جائیں یا کہ علیحدہ علیحدہ۔

حدیث ۱ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی تھی، پھر آپ نے یہ سوچا کہ دو حیضوں میں دو طلاقیں مزید دے دیں، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقع کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اللہ تعالے نے تم کو یہ حکم تو نہیں دیا ہے، تم نے خلاف سنت کیا، سنت طریقہ یہ ہے کہ تم ہر طہر میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دو، چنانچہ آپ نے مجھے رجوع کا حکم دیا (کیونکہ ایک ہی طلاق دی تھی) اور فرمایا کہ جب پاک ہو جائے تو تم اس کو طلاق دے دینا، یا روک رکھنا، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لئے پھر حلال ہو جاتی؟ آپ نے فرمایا نہیں اور یہ گناہ کی بات ہوتی۔

(قاضی محمد ثناء اللہ تفسیر مظہری ص ۳۵۱ ج ۱)

سند حدیث

اس حدیث کو دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، بیہقی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں عطار خراسانی نے کچھ زیادات کی ہیں جن میں ان کا کوئی متابع نہیں اور چونکہ وہ ضعیف ہیں اس لئے ان کی زیادات غیر متابعہ مقبول نہ ہوں گی۔ مگر خدا بھلا کرے علامہ ابن ہمام کا کہ انہوں نے متابعت ثابت کر دی اور فرمایا کہ رزیق نے اس روایت کی متابعت کی ہے اور طبرانی نے بھی اسے روایت کیا ہے (فتح القدیر)

غیر مقلدین جو اہل حدیث کہلاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دے دی تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی رجوع کرا دیا تھا۔ یہ عجب اہلحدیث ہیں کہ صحیح حدیثوں کو مانتے ہی نہیں ان سے زیادہ اچھے اہلحدیث تو وہ ہوئے جو اپنے اوپر اہلحدیث کا لیبل نہیں لگاتے ہیں، اور حدیثوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

مسلم شریف کے شارح جلیل القدر محدث اسی حدیث کی بابت فرماتے ہیں۔

اما حدیث ابن عمر فالروایات الصحیحۃ التی ذکرھا مسلم وغیرہ انہ طلقھا واحدۃ

(ابوزکریا نواوی شرح مسلم ص ۴۷۸ جلد ۱)

ابن عمر کے واقعہ میں صحیح روایات جن کو امام مسلم وغیرہ نے ذکر کیا ہے یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک ہی طلاق دی تھی۔

امام بخاری نے تو بخاری شریف میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے۔ جس کا نام ہے: "باب من اجاز الطلاق الثلث"
یعنی اس باب میں ان لوگوں کے لئے دلائل

ہیں جو تین طلاقوں کو واقع قرار دیتے ہیں، حیرت ہے کہ اہلحدیث صاحبان اس سلسلے میں امام بخاری تک کو اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ وہ اور موقعوں پر ان کا ذکر بڑے زور شور سے کرتے ہیں۔

حدیث ۲: صحیح بخاری شریف میں ہے کہ: نَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا ہے، چنانچہ اس کے بعد میاں بیوی میں جدائی کرادی گئی (بخاری مسلم ص۴۸۹ جلد اول) ظاہر ہے اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ واقع نہ ہوئیں اور کبھی بھی آپ ایک لغو کام کے ہوتے ہوئے خاموش نہ رہتے۔

سَنَد: اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں اس حدیث کو بخاری ص ۱۹، جز دوم اور مسلم کے علاوہ نسائی اور ابوداؤد وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔

حدیث ۳: صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

اِنَّ رجلا طَلَّقَ اِمْرَاتَهٗ ثَلٰثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فسُئِل النبی صلی الله علیه وسلم اَتَحِلُّ لِلاَوَّلِ قَالَ لَا حَتّٰی يَذُوقَ عسیلتها کما ذاق الاوّل۔

(بخاری ص ۹۱، ج ۲)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اُس نے دوسرے شخص سے شادی کرلی اُس نے بھی طلاق دے دی پھر آپ سے دریافت کیا گیا کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال؟ آپ نے فرمایا نہیں، تاوقتیکہ پہلے شوہر کی طرح دوسرا بھی اس سے صحبت نہ کرے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو اب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے بلا حلالہ شرعیہ حلال نہیں ہوتی، یہ فتویٰ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ہے۔ اس میں یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی تھیں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ تفصیل معلوم نہیں کی اگر یہ ضروری ہوتا تو حضور ضرور اُن سے یہ تفصیل معلوم کرتے کہ الگ الگ طلاقیں دیں یا ایک بار۔

حدیث (۴) طلق رجل امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها ثم بدا له ان ینکحها فجاء یستفتی قال فذهبت معه فسال اباهریرة وابن عباس فقال لا ینکحها حتی تنکح زوجا غیره فقال انما کان الطلاق ایاها واحدة قال ابن عباس ارسلت من یدک ما کان لک من فضل (موطا امام محمد ص ۲۵۹)

مخالفین کا استدلال اور اس کا جواب

وہ حضرات جن کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوجاتی ہے عام طور پر مندرجہ ذیل احادیث پیش کرتے ہیں۔

حدیث ۱: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی نشست میں تین طلاقیں دے دیں، پھر اُن کو اس کا شدید صدمہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا تم نے کیسے طلاق دی تھی، وہ بولے میں نے اُن کو تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا کیا ایک ہی نشست میں؟ وہ بولے، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، بے شک یہ ایک ہی ہے، اگر تم چاہو تو رجوع کرلو، چنانچہ آپ نے رجوع کرلیا۔ (احمد)

جواب: اس حدیث کے بارے میں صحاح

ستہ میں سے ایک کتاب کے مصنف جلیل القدر محدث ابوداؤد فرماتے ہیں۔

حدیث نافع بن عجیر و عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ فردھا الیہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم اصح لان ولد الرجل و اھلہ اعلم بہ ان رکانہ طلق امرأتہ البتۃ فجعلھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم واحدۃ۔

(ابوداؤد شریف ص ۲۱۹)

نافع بن عجیر اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی روایت اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کرادیا زیادہ صحیح ہے (یعنی ابن عباس کی حدیث کی بہ نسبت) کیونکہ انسان کی اولاد اور گھر والے ہی ایسے معاملات کی زیادہ خبر رکھتے ہیں لہٰذا بے شک رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام ابوداؤد کا استدلال بالکل عقل کے عین مطابق ہے طلاق ایک گھریلو واقعہ ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ابن عباس کی بہ نسبت خود رکانہ کے بیٹے، پوتے اس معاملہ پر زیادہ صحیح روشنی ڈال سکتے تھے، عربی کا مشہور مقولہ ہے:۔ صاحب البیت ادری بما فیہ یعنی گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، چنانچہ انہوں نے بیان کر دیا کہ یہ طلاق البتہ تھی، لفظ البتہ کنایات میں سے ہے اس سے ایک طلاق کا ارادہ کرنا درست ہے، رہی ابن عباس کی روایت تو وہ انہوں نے اپنی فہم کے مطابق البتہ کو بمعنی ثلاث کے لیتے ہوئے روایت کر دی ہوگی، چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن حجر نے اس توجیہ کو معقول قرار دیا ہے۔

(علامہ حجر، فتح الباری)

علاوہ ازیں ابن عباس والی روایت میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہیں جو حدیث میں ضعیف ہیں، اور پھر سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ خود اپنی روایت کے خلاف موجود ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکے کے پاس تھا اسی اثنا میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں ابن عباس قدرے خاموش ہوئے تو میں سمجھا کہ اب یہ اس کو رجوع کا حکم دیں گے (کیونکہ ان کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے) پھر وہ بولے تم لوگ احمقانہ باتیں کرتے ہو (یعنی بیک وقت تین طلاقیں دیتے ہو) پھر کہتے ہو اے ابن عباس، اے ابن عباس!

ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو حمید اعرج نے مجاہد سے، شعبہ نے عمرو بن مرہ عن سعید بن جبیر، ایوب نے اور ابن جریج نے عکرمہ بن خالد عن سعید بن جبیر، اور ابن جریج نے عمرو بن دینار سے ان سب نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے تین طلاقوں کو واقع مانا۔ یعنی یہ کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (ابوداؤد شریف ص ۲۱۸، ج ۱)

جب ایک شخص خود ہی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ صادر کر رہا ہے تو کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں کہ یا تو اس نے روایت سے رجوع کر لیا، کیونکہ روایت اس کی اپنی فہم سے تھی، یا اس نے اس کی کوئی تاویل کی بہرحال جب خود ابن عباس کا فتویٰ بھی ہے کہ بیک وقت دی جانے والی تین طلاقیں

نافذ ہیں تو اب جھگڑا کیا رہ گیا؟ اسی روایت میں "طلق امرأته ثلاثا" کے لفظ موجود ہیں، جو متفقہ طور پر بیک وقت تین طلاقوں کے لئے مستعمل ہیں، اس سے پتہ چلا کہ دوسرے مقامات پر ان الفاظ کو علیحدہ علیحدہ تین طلاقوں پر محمول کرنا تکلف ہے۔

حدیث ۲ دوسری روایت غیر مقلدین پیش کرتے ہیں۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم (مسلم ص ۴۷۸ ج ۱۔ ابوداؤد ص ۲۱۸ ج ۲)

ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاق ایک تھیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک لوگوں نے اس کام میں جلدی کی جس میں ان کے لئے مہلت تھی، کاش ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں پھر آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔

یہی حدیث طاؤس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو الصہبا نے ابن عباس سے دریافت کیا اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وثلاثا من امارة عمر فقال ابن عباس نعم (مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

ترجمہ:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کے زمانۂ خلافت کے تین سال تک تین طلاقوں کو ایک ہی کر دیا جاتا تھا تو ابن عباس نے فرمایا ہاں۔

ان ہی ابو الصہبا نے ابن عباس سے کہا۔

هات من هناتك الم یکن الطلاق الثلاث علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر واحدة فقال قد کان ذالك فلما کان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم۔

(مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

لائیے اپنی عجیب باتوں سے کیا تین طلاقیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ابوبکر کے عہد میں ایک نہ تھیں، وہ بولے بیشک ایسا ہی تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگ پے در پے طلاقیں دینے لگے تو آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔

یہ ہے وہ روایت جس سے غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں تین طلاقیں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں لہٰذا اب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

جواب یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ یہ مسئلہ معمولی نوعیت کا نہیں حلال و حرام کا مسئلہ ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کی شان یہ ہے کہ حق عمر کی زبان پر جاری ہوتا تھا، جو آپ کے دل میں آتا وہ وحی بن کر نازل ہوتا، جن کی پیروی کا خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی سنت کو بدل دیں؟ اور حلال کو حرام قرار دے دیں؟ اور پھر صرف حضرت عمر ہی کا معاملہ نہیں، حضرت عثمان حضرت علی عشرہ مبشرہ، اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ

رضی اللہ عنہم حضرت عمر کے اتنے اہم فیصلے پر متفق ہو گئے برائے نام اختلاف نہیں کیا، اور نہ کسی نے یہ کہا کہ اے عمر تم کو سنت رسول اور سنت ابوبکر بدلنے کا کیا حق ہے؟ حالانکہ اس زمانہ میں خلیفہ کی ذات تنقید سے بالاتر نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لمبے کرتے کا واقعہ مشہور ہے، کئی مسائل میں اپنے دوسرے صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کر لیا تھا، کیا یہ سب کچھ اس امر کی واضح دلیل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سنت رسول اللہ اور سنت ابوبکر کے مطابق ہی تھا کیونکہ وہ حضرات منشار رسول کو بہ نسبت ہماری زائد سمجھتے تھے، اور ہماری بہ نسبت عمل پر بھی زائد حریص تھے، اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں ایک طرف تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کا اجماع اور اتفاق (جو یقیناً منشار رسول کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے) اور دوسری طرف غیر مقلدین کے چند مولوی صاحبان کا دعوائے حدیث دانی ہے، اب مسلمان خود فیصلہ کر لیں انہیں کس کی بات ماننا ہے؟

آئیے اب ذرا محدثین نے اس روایت کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امام نوادی شارح صحیح ابن عباس کی اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذه الرواية لابی داؤد
ضعيفة رواه ايوب السختيانی
عن قوم مجهولين عن طاؤس عن
ابن عباس فلا يحتج بها۔

ابوداؤد کی یہ روایت ضعیف ہے
اسے ایوب سختیانی نے مجہول لوگوں سے
طاؤس سے ابن عباس سے روایت کیا ہے
لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

(۲) اس حدیث میں ابن عباس تین طلاقوں کا حکم نہیں بیان کر رہے ہیں، بلکہ محض ایک واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں کہ لوگ پہلے زمانہ میں آج کل کی طرح تین طلاقیں نہیں دیتے تھے بلکہ ایک ہی دیا کرتے، حدیث کے الفاظ اس سلسلے میں بہت واضح ہیں۔ انما الثلاث تجعل واحدة۔ یعنی تین طلاقیں جو آجکل دی جا رہی ہیں (کیونکہ الف لام عہد کا ہے) ان کے بجائے ایک ہی دی جاتی تھی، قرآن کریم میں بہت مقامات پر جعل اس معنی میں مستعمل ہوا ہے جیسے :۔

أَجَعَلَ الآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا۔ کیا اس نے کئی معبودوں کو ایک کر دیا ہے؟ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ مثلاً سو پچاس معبود بول کر ایک معبود مراد لیا ہے، بلکہ مقصد واضح ہے کہ باطل معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود برحق کا اعتقاد کیا ہے، لہٰذا لوگوں کا یہ کہنا کہ جب حضور کے زمانہ میں تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں تو ایک کس چیز کو کہا جاتا تھا، درست نہیں۔

(۳) علامہ نوادی فرماتے ہیں، اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ابتدا میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے "انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق" کہتا اور اس کی مراد اس سے نہ تو تاکید کی ہوتی اور نہ استیناف، بلکہ مطلق کہہ دیتا، تو ایک ہی طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیا جاتا تھا، کیونکہ وہ حضرات اس سے عام طور پر استیناف مراد نہیں لیتے تھے بلکہ تاکید کا ارادہ کرتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس لفظ کا استعمال بہت ہو گیا اور لوگ عام طور پر اس سے استیناف کا ارادہ کرنے لگے تو اس کو غالب پر محمول کرتے ہوئے تین طلاقوں کا حکم کیا جانے لگا۔ اور دوسرے جوابات بھی ہیں جو مبسوط کتب میں درج ہیں۔

چاروں اماموں کا فیصلہ

بعض لوگ سوچتے ہیں کہ کسی دوسرے امام کے

مسلک پر ایسے وقت عمل کر لینا چاہیے، مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کی اکثریت ان چار اماموں کی مقلد ہے، ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل، اور ان چاروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے۔
(شرح نووی علی مسلم ص ۴۷۸)

یکدم تین طلاقیں دینا بُری بات ہے

طلاق کا صحیح اور مسنون طریقہ ہم بتا چکے ہیں یکدم تین طلاقیں دینے سے طلاقیں واقع ہو جائیں گی مگر یہ گناہ کی بات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ:

اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتى قام رجل وقال يارسول الله الا اقتله۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں یکدم دیں، آپ سخت ناراضگی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جاتا ہے! یہاں تک کہ ایک صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر دوں؟

ضروری گذارش

بعض دوستوں کا خیال ہے کہ عورتوں کے مصائب اور اُن کی تکالیف دیکھتے ہوئے اس مسئلے میں کچھ لچک

تمام دُنیا کے مسلمانوں کی اکثریت چاروں امام کی مقلد ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی امام مالک، امام احمد بن حنبل، ان چاروں اماموں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے۔
(شرح نووی علی مسلم ص ۴۷۸)

اور گنجائش پیدا کرنی چاہیئے، میں خود شدت سے اس امر کا قائل ہوں کہ فروع میں جہاں تک ممکن ہو اہل حضرات اجتہاد فرمائیں اور مسلمانوں کے لئے یُسر کی راہیں تلاش کریں، لیکن اس کے لئے کچھ شرائط ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسئلہ نیا ہو تو اس پر کچھ بحث و تمحیص ہو سکتی ہے اور آسان سے آسان راہ تلاش کی جا سکتی ہے لیکن جس مسئلہ کا فیصلہ ہو چکا ہو، صحابہ تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین فیصلہ دے چکے ہوں اور اُمت مسلمہ کی بڑی اکثریت اس فیصلہ کو تسلیم کر چکی ہو تو اب اس میں مزید کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

رہے وہ مصائب جو طلاق کے بعد طرفین کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں، ضروری ہے کہ لوگوں کو اس مصیبت میں پڑنے سے پہلے ہی مطلع کر دیا جائے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب دنیاوی قوانین جو خود انسانوں نے بنائے ہیں ان کے مطابق سخت سے سخت سزائیں موجود ہیں اور نافذ ہیں اُن پر کچھ اعتراض نہیں ہوتا، تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قانون سے مجرمین کو تکلیف پہنچتی ہے اس پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے، اگر یہی رجحان

(۱) تو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا تحفظ بھی ناممکن ہو جائے گا۔

نوٹ: قارئین واضح ہو کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہونے کے سلسلے میں علماء دیوبند بھی متفق ہیں ان سے بھی فتویٰ حاصل کرکے شامل اشاعت کر دیا گیا ہے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:-

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس کے مسئلہ کہ زید اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں اگر تین طلاق دے تو کیا حکم ہے آیا طلاق ہوگی یا نہیں؟

(۲) نیز بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں ایک ہی ہوگی۔

برائے کرم مسئلہ کا جواب مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

سائل: سید شاہ تراب الحق قادری، ۲ اپریل ۱۹۸۱ء

الجواب باسمہ تعالیٰ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت ایک کلمہ میں تین طلاقیں دے، تو تینوں طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور اگر تین طلاقیں بیک وقت تین کلمات میں دیں تو پھر بھی تینوں واقع ہوں گی۔ اگر بیوی مدخول بہا ہو، اسی پر سلف صالحین کا اجماع ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری جلد ۹ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور یہی مذہب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جس کو حافظ نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے۔

قرآن کریم سے بھی یہی مفہوم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو طلاقوں کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ——

فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ = فاء تعقیب مع الموصل کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تیسری طلاق اگر دو طلاقوں کے بعد متصل ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو کر بغیر حلالہ کے کوئی صورت تحلیل کی نہیں ہے۔ قرآن سے یہی مسئلہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے اور اسی پر امام نووی نے شرح مسلم ص ۴۷۸ جلد ۲ پر ائمہ اربعہ اور سلف وخلف کا اجماع نقل کیا ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے۔

عن عائشۃ ان رجلا طلق امرأتہ ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتھا کما ذاق الاول، بخاری ص ۷۹۱/۲

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی اس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا پہلے خاوند کے لئے حلال ہو سکتی ہے؟ آنحضور نے فرمایا کہ نہیں جب تک دوسرا خاوند اس سے لطف اندوز نہ ہو جیسا پہلا خاوند لطف اندوز ہوا تھا۔

اسی قسم کی ایک اور روایت بھی حضرت عائشہ سے موجود ہے سنن کبریٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں ہے، یہی مذہب عبداللہ بن عباس کا ہے جس کو سنن کبریٰ ص ۵۴۲ جلد ۷ میں نقل کیا ہے۔

مسند امام احمد میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اسی عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کیا۔ اور اس نے اس کو طلاق قبل الدخول دی۔ تو کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہے، آپ نے فرمایا نہیں جب تک شوہر ثانی شوہر اول کی طرح مباشرت نہ کرے۔

"تفسیر ابن کثیر"

سنن بیہقی میں سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ

عائشہ خثعمیہ حضرت حسن بن علی کی زوجیت میں تھیں، جب حضرت علی شہید ہوئے، تو خثعمیہ نے حضرت حسن کو خلافت کی مبارکباد دی۔

حضرت حسن کو یہ بات ناگوار گذری کہ کیا آپ کو حضرت علی کی شہادت سے خوشی ہوئی۔ ڈرانے لگے۔ اذھبی فانت طالق ثلاثا

حضرت حسن نے اس کا بقیہ مہر اور زائد دس ہزار درہم بھیج دئیے، عائشہ خثعمیہ کو صدمہ ہوا حضرت حسن نے فرمایا کہ اگر میں اپنے جد امجد کا یہ قول نہ سنتا تو رجوع کرتا وہ قول یہ ہے جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے حیض کے وقت یا اور کسی طرح تو وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور بھی بہت سے روایات ہیں جن کے نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

۲۔ اس مسئلہ میں بعض مدعیان حدیث نے دوسرا مسلک اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ تین طلاقیں بیک وقت ایک ہوتی ہے، جن کا استدلال اس حدیث سے ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے راوی حضرت طاؤس ہیں، وہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا حالانکہ ان کو سمجھنے کا وقت حاصل تھا۔ ہم کیوں تینوں کو ان پر نافذ نہ کریں چنانچہ حضرت عمر نے تینوں نافذ کیں۔

"مسلم"

اس روایت کے بہت سے معقول جوابات دیئے گئے ہیں، جن میں سب سے آسان جواب یہ ہے کہ یہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے جس کو انت طالق، انت طالق۔ انت طالق کہا جائے تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے، پھر جب لوگوں نے مدخول بہا کو بھی کہنا شروع کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تینوں نافذ ہوں گی، نیز قاضی شوکانی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ طاؤس کی روایت اپنے دوسرے ساتھیوں کے خلاف ہے، کیونکہ وہ اس کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ نیل الاولی۔ (۱) یا یہ روایت منسوخ ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے یا پہلے زمانے کے لوگ تثلیث تاکید کے لئے کرتے تھے بعد میں تاسیس کرتے ہوئے بھی تاکید ظاہر کی تو حضرت عمر نے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے تاکید کو کالعدم بنایا۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ گمان کرنا کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کیا نہایت بعید اور حضرت عمر کی شان اتباع سے کوسوں دور ہے۔

تین طلاق پر علماء دیوبند کا اتفاق

ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہو جاتی ہے علماء دیوبند کا اس پر اتفاق ہے فتویٰ ہذا کی روشنی میں متبعین دیوبند کو سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔

فقط واللہ اعلم

کتبہ رضاء الحق عفا اللہ عنہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

۴ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت

میں تین طلاق دی تو کیا حکم ہے؟ آیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

نیز بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہوگی" برائے کرم مسئلہ کا جواب مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں

سائل: شاہ تراب الحق قادری

الجواب

(تلخیص فتویٰ دار العلوم کراچی)

قرآنی آیات، احادیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق اور اجماع چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو تینوں واقع ہو جائیں گی، چاہے ایک ہی لفظ میں تین طلاق دے یا الگ الگ کر کے تین طلاق دے (ہر حالت میں تین طلاق واقع ہوں گی) البتہ عورت اگر مدخولہ بہا ہو تو الگ الگ کہنے کی صورت میں صرف پہلی طلاق واقع ہوگی، اور اس سے وہ بائن ہو جائے گی اور باقی دو لغو ہو جائیں گی.

اس مسئلہ میں چند غیر مقلدین کے علاوہ جن میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور ان کے متبعین شامل ہیں جمہور کی کسی نے بھی مخالفت نہیں کی اور مخالفت کیونکر کرتے، جب کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا اور آپ کے بعد صحابۂ کرام کا اس پر اجماع رہا ہے.

جو حضرات ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہونے کے قائل ہیں ان کے پاس ایک بھی صحیح مرفوع روایت موجود نہیں ہے جو ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک طلاق ہونے پر دلالت کرنے والی ہو، اس کے برخلاف ذخیرۂ احادیث میں عہد رسالت کے متعدد واقعات موجود ہیں، جن سے ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تین ہی طلاق واقع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جمہور امت کے ساتھ منسلک رہنے کی توفیق عطا فرمائے.

واللہ اعلم بالصواب

احقر عبد الشکور کشمیری

دار الافتاء دار العلوم کراچی ۲۳؍۶؍۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، دار الافتاء، دار العلوم کراچی

نور و بشر کا تحقیقی فلسفہ

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ
— اعلیٰحضرت

از خطیب الہند حضرت علامہ مولٰنا
عبید اللہ خانصاحب اعظمی
(ممبر پارلیمنٹ)

فلسفۂ بشریت

دھوکے میں آنہ جائے کہیں فکر و آگہی
آقائے کائنات لباسِ بشر میں ہے

قرآن نے مصطفےٰ جانِ عالم کی بشریت کے سلسلہ میں ہمیں کیا سبق عطا فرمایا ہے۔ ہم مصطفےٰ جانِ عالم کو کس طرح پہچانیں اور کیسے ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کریں۔

قرآن نے ارشاد فرمایا: قل انما انا بشر مثلکم اے نبی آپ ارشاد فرما دیجئے لوگو! میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔

مصطفےٰ جانِ عالم کی زبان سے جب ہم نے سنا کہ وہ ہماری ہی طرح ایک بشر ہیں تو ہم پر ایک عجیب کشمکش کا عالم طاری ہوا ایک طرف ہم سنتے ہیں نبی نور ہیں دوسری طرف سے آواز آتی ہے نبی ہماری ہی طرح ایک بشر ہیں۔ نبی کی ذات ہر جگہ موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ کوئی ایک رائے پر متفق نہیں ہے۔ ایسی صورت میں آئیے ہم قرآن سے پوچھیں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ہمیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے۔ قرآن ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں رخِ مصطفےٰ کی صحیح جھلک دکھائی دیتی ہے جس میں ان کے خدوخال صاف نظر آتے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ نبی اپنی کتاب ہی کے ذریعہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ مصطفےٰ جانِ عالم اپنے پروردگار کی بارگاہ سے حسن کے پیکر بن کر آئے تھے اور قاعدہ ہے کہ ہر شخص اپنے محبوب کو پرکشش انداز میں پیش کرتا ہے۔ آؤ دیکھیں خدا نے اپنے محبوب کو دنیا والوں کے سامنے کس طرح پیش کیا ہے۔

پروردگارِ عالم! تو نے اپنے نبی کے بارے میں جہاں کہیں بھی آگہی دی ہے نہایت وضاحت کے ساتھ نبی کی ذات کو پیش کیا ہے لیکن کہیں بھی تو نے اپنے طور پر نبی کو بشر نہیں کہا بلکہ اگر ضرورت پیش آگئی ہے تو نبی ہی سے تو نے کہلوایا ہے کہ وہ بشر ہیں اگر تو اپنے طور پر اعلان فرما دیتا کہ نبی بشر ہیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔ رسول کے بارے میں تو نے جو کچھ کہا قوم اس سے متفق ہے کہیں کوئی اختلاف نہیں ہر مکتبۂ فکر کے ماننے والے تیری بات تسلیم کرتے ہیں تو نے نبی کو یٰسین کہا تمام عالم اسلام نبی کو یٰسین کہہ رہا ہے تو نے نبی کو طٰہٰ کہا نبی کے طٰہٰ ہونے میں سبھی متفق ہیں تو نے نبی کو سراجا منیرا کہا کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔ لیکن نبی کی بشریت ہی ایک ایسا موضوع

ہے جہاں سے اختلافات شروع ہوتے ہیں اس لئے اے پروردگار! تو ہی بتادے کہ نبی کی بشریت کو ہم کس طرح تسلیم کریں۔ ان کی آدمیت کو ہم کس طرح جانیں۔ ان کی انسانیت پر ہم کس طرح ایمان لائیں؟ نبی کی بشریت کے بارے میں ہمارا کیا تصور ہونا چاہیے۔ ہم نبی کے بارے میں کون سا موقف اختیار کریں؟

مصطفےٰ چہرے مہرے کے ساتھ مکہ میں قدم رنجہ ہوئے تھے آمنہ کی گود میں کائنات کا مالک و مختار تشریف لایا تھا۔ دعائے خلیل مستجاب ہوئی تھی نوید مسیحا نے کالبد انسانی اختیار کرلیا تھا آدم کی آدمیت ایک پیکر میں ڈھل گئی تھی۔ اے خدا! ہم دنیا والے جب اپنے محبوب کی تعریف یا تعارف پیش کرتے ہیں تو اپنی تمام ازجیاں، ساری صلاحیتیں تمام زور قلم اسے خوب سے خوب تر ثابت کرنے میں صرف کر ڈالتے ہیں۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تونے کس انداز سے اپنے محبوب کی تصویر کشی کی ہے قرآن نے کس طرح تیرے محبوب کا مرقع پیش کیا ہے۔ قرآن نے کہتا ہے۔ مصطفےٰ کا چہرہ "وَالضُّحٰی" ہے زلفیں "وَاللَّیۡلِ اِذَا سَجٰی" ہیں۔ آنکھیں "مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی" ہیں۔ زبان "وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی" ہے۔ سرور کونین کا مقام "وَلِیۡ قَدَمٌ لِیۡ" ہے مصطفےٰ کا زمانے میں تشریف لانا "وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی" ہے ان کے سینے کی بات آئی تو قرآن نے کہا "اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ" عظمت و وقار کی بات آئی قرآن نے کہا "وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ" ہم نے پوچھا مصطفےٰ کا اخلاق کیسا۔ قرآن نے کہا "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ" ہم نے کہا مصطفےٰ کے رحم و کرم کا ضابطہ قرآن نے کہا "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" ہم نے پوچھا نوع انسانی کی حیثیت سے معاشرے میں مصطفےٰ کا مقام؟ قرآن کہہ رہا ہے "یٰسٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ" ہم نے پوچھا ان کے دست ناز کیسے؟ قرآن کہہ رہا ہے "یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ" ہم نے پوچھا ذات مصطفوی کی حقیقت؟ قرآن نے کہا "قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ" ہم نے پوچھا مصطفےٰ جان عالم کے قدم ناز کا مقام رفعت قرآن نے کہا "لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ"

کھائی قرآں نے خاکِ گذر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ایک بات پوچھوں؟ یہ باتیں جو ابھی میں نے کہی ہیں ان تمام باتوں سے کسی کو اختلاف ہے؟ کسی کو نہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا اے معبود! تیرا ہر فرمان مسلمان کہلانے والے انسان کے لئے سند ہے۔ اے مالک کائنات اگر ایک مرتبہ تونے نبی کو بشر کہہ دیا ہوتا تو جس طرح نبی کے یٰسٓ ہونے پر سبھی متفق ہیں ان کے طٰہٰ ہونے کو ہر کوئی تسلیم کر رہا ہے۔ ان کے رحمۃ للعالمین ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح بشر ہونے میں لوگوں کا اتفاق ہو جاتا۔ اے پالن ہار! جب تو نور کہہ سکتا تھا تو بشر بھی کہہ سکتا تھا۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ تونے نور کہا اور بشر نہیں کہا یٰسٓ کہا بشر نہیں کہا طٰہٰ کہا بشر نہیں کہا۔ سرور کائنات کو آخر تونے بشر کیوں نہیں کہا زبان نبوت ہی سے کیوں کہلوایا اے واعظو! ایک بات اور ذہن میں رکھو: شخصیتوں

کا تعارف ہمیشہ تین طریقوں سے ہوا کرتا ہے یا تو شخصیتیں خود اپنا تعارف کراتی ہیں۔ یا ان سے چھوٹا ان کا تعارف پیش کرتا ہے یا پھر ان سے بڑا ان کا تعارف کراتا ہے چھوٹا جب تعارف کراتا ہے تو مبالغہ سے کام لیتا ہے بڑا جب تعارف کراتا ہے تو ازراہ شفقت ان کی صرف خوبیوں ہی کو گناتا ہے کمزوریوں کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے لیکن شخصیتیں جب خود اپنا تعارف کراتی ہیں تو وہ تواضع و انکسار کی بنا پر اپنی قابلیت چھپاتی ہیں۔ اپنی خوبیوں کو اپنے اعلیٰ جوہروں کو ظاہر نہیں کرتیں۔ ان پر پردے ڈال دیتی ہیں۔ اس لیے کسی بھی شخصیت کا اصلی روپ صحیح چہرہ مہرہ ہم اسی وقت جان سکتے ہیں جب تعارف کرانے والا مبالغہ سے بھی کام نہ لے۔ شفقتوں کی بنا پر تصویر کا غلط رخ بھی پیش نہ کرے۔ اور انکسار کی بنا پر خوبیوں کو پیش کرنے میں بخل بھی نہ کرے سرور کونین سے زمانے نے پوچھا" تم کون ہو؟ تمہارا بیمار تو تمہیں مسیحائے کائنات کہہ رہا ہے تمہارا دردمند تو تمہیں چارہ ساز دردمنداں کہہ رہا ہے دنیائے دلفگاراں کہہ رہا ہے تمہارا چاہنے والا تمہیں نیر کائنات کہہ رہا ہے فخر شش جہات کہہ رہا ہے تم رحمت ہو تم رؤف ہو، تم رحیم ہو تم کریم ہو اے مصطفیٰ سچ بتاؤ تم کیا ہو؟ ہم تمہیں کیا سمجھیں ہم تمہیں کیا کہیں؟ ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

زمانہ کے اس استفسار پر کہ آپ کون ہیں سرور عالم نے فرمایا وہ بشر ہیں ہماری ہی طرح آدمی ہیں آدمی ہی کی طرح انسان ہیں۔ انسان ہی کی طرح لوگو! سچ بتاؤ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے تمہاری تشفی ہو گئی، کیا تم مطمئن ہو گئے؟ تم ان انگلیوں کو اپنے جیسی انگلیاں کہدو گے جو اٹھ جائیں تو چاند اپنا کلیجہ چاک کر ڈالے تم ان آنکھوں کو اپنے جیسی آنکھیں کہنے کے لئے تیار ہو جو اشارہ کر دیں تو ڈوبا ہوا سورج واپس پلٹ آئے تم ان قدمہائے ناز کو اپنے جیسا کہنے کی ہمت رکھتے ہو جو پتھر پر پڑ جائیں تو وہ موم بن کر پگھل جائے اور کف پا کو اپنے کلیجہ میں اتار لے؟

نبی کی ذات ہمارے لیے ایک معمہ بنی ہوئی تھی ہماری عقل بھی متحیر تھی اور ہماری فراست کو بھی پالا مار گیا تھا ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا آخر ہم نے نبی کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کے لئے عالم انسانیت کا سراغ لگانا شروع کیا سراغ کبھی کبھی علم کے ذریعہ لگایا جاتا ہے کبھی اس مقصد کے لئے آدمی عقل کو اپنا رہنما بناتا ہے کبھی عشق کی جنوں خیز وادی میں اتر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے چھوٹا جب تعارف کراتا ہے تو مبالغہ آرائی کرتا ہے بڑا تعارف کراتا ہے تو مصلحت سے کام لیتا ہے شخصیتیں جب اپنا تعارف کراتی ہیں تو مقام چھوٹ جاتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ بڑا اگر کسی ذات کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو اس کا کہنا سند بن جایا کرتا ہے عوام اس پر یقین و اعتماد کی بنیادیں قائم کرتے ہیں اس لئے بڑے کی ذمہ داری ہے کہ محتاط ہو کر گفتگو کرے خدا سب سے بڑا ہے اور ہر عیب ہر نقص سے پاک ہے ظاہر ہے ہم اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ جب اس نے کسی کی تعریف کی ہوگی تو کذب بیان سے کام لیا ہوگا مبالغہ آرائی کی ہوگی۔ تو چلو ہم خدا ہی سے کیوں نہ پوچھ لیں اے خدا! تو ہی بتادے مصطفیٰ کیا ہیں! لگے ہاتھ یہ بھی بتا دے کہ تو نے مصطفیٰ کو بہت کچھ کہا۔ ایک سے ایک خطابات دیئے۔ ایک سے ایک لقب سے نوازا۔ تو نے سب کچھ کہا مصطفیٰ کو بشر کیوں نہیں کہا؟ اگر گوش حقیقت نیوش ہے تو عرش کی بلندیوں سے اترنے والی آواز سماعت فرمایئے۔ اے لوگو! ہم مصطفیٰ سے بڑے ہماری ہر بات ان کیلئے اور تمام کائنات کے لئے سند۔ ہم نے نبی کو رحمت للعالمین کہا تاکہ یہ سند بن جائے۔ ہم نے ان کو حامل خلق عظیم کہا تاکہ یہ سند ہو جائے ہم نے ان کو صاحب لطف

عیم کہاتا کہ سند بن جائے اگر ہم ان کو بشر کہہ دیتے تو ان کی بشریت بھی مستند ہو جاتی حضرات آپ جانتے ہیں کہ بشریت کا کیا عالم ہے آدمیت بھول چوک، خطا اور نسیان سے مرکب وجود ہی کا نام ہے بشر جھوٹ بولنے کا بھی ریکارڈ قائم کرتا ہے اور سچ بولنے میں بھی انفرادیت پیدا کر لیتا ہے کبھی آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹتا ہے کبھی اوپر چڑھتا ہے کبھی نیچے اترتا ہے بشر علم کا مالک ہوتا ہے بشر علم سے بے خبر ہوتا ہے بشر عقل سلیم رکھنے والا ہوتا ہے بشر عقل سے بے بہرہ ہوتا ہے اس کے ایک دو طریقہ کار تو نہیں. کبھی عزت کے ماحول سے گذرتا ہے کبھی دولت کی چھاؤں میں زندگی گذارتا ہے جب برائیوں پر آتا ہے تو شیطان کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے جب نیکیاں کرنے لگتا ہے تو فرشتے بھی اس پر رشک کرنے لگتے ہیں بشر کبھی چاند سے آنکھیں لڑاتا ہے کبھی سورج کی کرنوں کو مسخر کرنے کی بات کرتا ہے کبھی ستاروں پر کمند ڈالتا ہے کبھی سمندر کے کلیجے کو مسلتا ہوا چلتا ہے کبھی آندھیوں سے لڑتا ہے طوفان سے کھیلتا ہے اور کبھی فضاؤں میں پرواز کرتا ہے خلاؤں میں دوڑتا ہے لیکن جب انسانیت کی سطح بلند سے ذرا نیچے کھسکتا ہے تو وہ ساری چیزیں جو اسی کی چاکری اور خدمت گذاری کے لئے پیدا کی گئی ہیں انہیں بھی وہ اپنا خدا بنانے سے نہیں چوکتا- وہ کیڑے مکوڑے، سانپ بچھو تک کو اپنا خدا بنا لیتا ہے- چاند سورج اور ستارے بھی اس کے معبود بن جاتے ہیں وہ ان کے سامنے بھی ماتھا ٹیکتا اور پیشانی رگڑتا ہے وہ درختوں کو بھی اپنا معبود سمجھتا ہے وہ پتھروں کو بھی اپنا مسجود بنا لیتا ہے وہ آگ کو بھی پوجتا ہے پانی کو بھی غرض کائنات کی کوئی شئے ایسی نہیں جس کو یہ بشر خدائی کا درجہ نہیں دیتا، یہی بشر جب خیر کی طرف مائل ہوتا ہے تو ابوبکر صدیق بنتا ہے عمر فاروق بنتا ہے عثمان غنی اور حیدر کرار بنتا ہے حسن مجتبیٰ اور حسین اعظم بنتا ہے یہی بشر غوث اعظم بنتا ہے خواجہ غریب نواز بنتا ہے امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند بنتا ہے لیکن جب مائل بہ شر ہوتا ہے جب اس پر شیطنت غالب آتی ہے تو پھر فرعون بنتا ہے نمرود اور شداد بنتا ہے. ابوجہل اور ابولہب بنتا ہے یزید پلید اور زیاد بدنہاد بنتا ہے. میں آپ سے پوچھتا ہوں آخر مصطفےٰ کی بشریت کا کونسا رخ متعین کیا جائے ان کی آدمیت کو ہم کس حیثیت سے جانیں پروردگار عالم نے جو کچھ کہا وہ ہمارے لئے سند ہے اس لئے تمام سندوں کو بے سند چھوڑ دیئے اور ہمیں کہنے دیجئے ؎

دھوکہ میں آنہ جائے کہیں فکر و آگہی
آقائے کائنات لباس بشر میں ہے

سرور عالم کی بشریت کا پس منظر کیا ہے سرور عالم کی آدمیت کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ ذرا ایک حیثیت سے اور سمجھئے بشر، آگ، پانی، ہوا اور مٹی سے بنا ہے انہی چار چیزوں کی باہمی ترکیب سے ایک وجود تیار ہوا جسے ہم نے انسان کہا- آدمی کے لئے مٹی بھی ضروری، پانی بھی ضروری آگ بھی ضروری- آدمی ان چاروں کا محتاج ہے ان چاروں کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا- ہوا اگر ساتھ چھوڑ دے اس کی ہوا نکل جائے گی پانی اگر ساتھ چھوڑ دے تو اس کا پانی مر جائے گا مٹی اگر ساتھ چھوڑ دے تو آدمی کے لئے خاک بسر ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں آگ اگر ساتھ چھوڑ دے تو زندگی کی ساری حرارت سرد پڑ جائے اور آدمی ایک لاشہ بے جان ہو کر رہ جائے- اس لئے کہ انسان چاروں چیزوں کا محتاج ہے- یہی چار چیزیں اس کے اجزائے ترکیبی ہیں. مگر اے لوگو! جب ان چار چیزوں کی بنیاد پر تمہاری تخلیق ہوئی جب یہ چار چیزیں تمہاری تخلیق کے لئے مایۂ خمیر بنیں تو پھر ان چاروں کی تخلیق بھی تو کسی کی بنیاد پر ہوئی ہوگی. یہ چیزیں بھی تو کسی کے طفیل پیدا ہوئی ہوں گی- ان کی تخلیق کے لئے بھی تو کوئی مال مسالہ چاہئے- ان کا خمیر بھی تو کسی مٹی سے تیار کیا گیا ہوگا ان کا ہیولیٰ بھی تو کسی میٹریل سے بنایا گیا ہوگا. مٹی سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے آگ سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے ہوا سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے- پانی سے جو پیدا ہوا وہ بشر

ہے مگر مٹی سے پہلے اگر کوئی وجود ہوا تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ پانی سے پہلے اگر کوئی وجود ہوا تو اس کو کیا کہیں گے آپ؟ آگ اور ہوا سے پہلے اگر کوئی وجود ہوا تو اس کو کیا کہا جائے گا؟ آپ آدمیت کے نقطۂ آغاز کا ذرا جائزہ لیں آدمیت کی ابتدا حضرت آدم سے ہوتی ہے ہم آدمی کہلاتے ہیں اسی لئے کہ حضرتِ آدم کی اولاد ہیں ہمیں بشر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم سے ہماری نسل چلی ہے اب ذرا حضرتِ آدم سے پوچھئے اے ابوالبشر، اے فخرِ آدمیت، اے مبدأ انسانیت! آپ بتلائیے کہ آپ سے ہمارے نبی کا کیا رشتہ ہے؟ تو وہ کہیں گے ؎

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میری نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

اے لوگو! ظاہر میں جو میری نخل میں ہے وہی میری اصل ہے یعنی گلشن کائنات کی اولین فصل بہاری کا نام مصطفےٰ جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو اب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جو آدم کی آدمیت سے پہلے ہو وہ بشر کیسے کہلائیگا مصطفےٰ خود فرما رہے ہیں، جب آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے میں اس وقت بارگاہِ احدیت میں سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔ کی تسبیح پڑھ رہا تھا۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ جب آدم عالم وجود میں بھی نہیں آئے تھے یعنی چاند کی چاندنی سے پہلے مصطفےٰ کا وجود، سورج کی روشنی سے پہلے مصطفےٰ کا وجود سطح سمندر پر مچھلیوں کے کھیل کود سے پہلے مصطفےٰ کا وجود غنچوں کی چٹک سے پہلے مصطفےٰ کا وجود۔ پھولوں کی مہک سے پہلے مصطفےٰ کا وجود، شاخوں کی لچک سے پہلے مصطفےٰ کا وجود۔ ہیرے کی چمک سے پہلے مصطفےٰ کا وجود۔ آسمان کے نیلگوں شامیانے سے پہلے مصطفےٰ کا وجود، زمین کے فرش زمردیں سے پہلے مصطفےٰ کا وجود، عالم رنگ و بو سے پہلے مصطفےٰ کا وجود۔ غرض تمام موجودات سے پہلے سرکار گرامی وقار کی ذات گرامی آسمانی وجود پر جلوہ

جب نبی کو خدا بنانے کی تمام تیاریاں مکمّل کر لی گئیں مولیٰ عز و جل نے فرمایا۔ اے میرے حبیب آپ اپنی بشریت کا اعلان کر دیجئے کہ میں خدا نہیں ہوں تمہارا خدا تو وہی معبود برحق اللہ عز و جل ہے۔

افگنی کر رہی تھی ؎

تو اصل وجود آدمی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

یہ کائنات آپ ہی کے سبب ظہور پذیر ہوئی۔ یہ دنیا آپ ہی کے لئے معرض وجود میں لائی گئی، لولاک لما خلقت الدنیا ؎

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین کائنات

یہ دنیا آج بھی اپنی بقا کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے اس کائنات کی زیب و زینت، زیبائش و آرائش آج بھی صرف اور صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے ؎

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت یا ان کی بشریت کو سمجھنے کے لئے ہمارے پاس کون سے ذرائع ہیں ہم کیسے ان کے بارے میں آگہی حاصل کر سکتے ہیں جبکہ بڑے بڑوں نے اس مقام پر سپر ڈال دیا ہے اور اپنی نارسائی اور بیچارگی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ہیں ؎

بیدل آں گوہر نایاب سراغ
بحقیقت کہ پرسیدن نیست
عکس افتادہ در آئینہ ہوش
گل تواں گفت ولے چیدن نیست

غالب بھی ذات رسالت کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکے ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے زبان کھولی۔ لیکن پھر بھی بدلا ہوا لہجہ بھی بدلی ہوئی ہے

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو سمجھنے کے لئے میں آپ سے کہوں گا کہ وقت کی کشاکش میں الجھنے کے بجائے چلو وہیں جہاں سے زندگی کا سراغ ملتا ہے چلو وہیں جہاں سے چشمۂ حیات پھوٹتا ہے چلو وہیں جہاں سے آب حیات کی نہریں رواں ہوتی ہیں چلو وہیں جہاں زندگی کی نمود ہوئی ہے چلو وہیں جہاں سے زندگی کو رعنائی و برنائی ملی ہے چلو وہیں جہاں زندگی جواں سال ہوئی ہے چلو وہیں جہاں زندگی کو پرواز عطا ہوا ہے چلو وہیں جہاں بلال کے عشق کو آسودگی ملی تھی۔ چلو وہیں جہاں صہیب کی فطرت کو تابندگی ملی تھی چلو وہیں جہاں سلمان کی زندگی کو درخشندگی عطا ہوئی تھی چلو وہیں جہاں ابوبکر صدیق صداقت کے علمبردار بنائے گئے تھے جہاں عمر فاروق عدالت کے تاجور بنائے گئے تھے جہاں عثمان غنی کو سخاوت کا جذبۂ بے پناہ ودیعت ہوا تھا جہاں حیدر کرار کو شجاعت کا طرۂ امتیاز عطا ہوا تھا۔ آؤ ذرا ہم اس ماحول کا بھی جائزہ لیں جہاں نبی کو بشر کہنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ آؤ ہم اس پس منظر کو بھی دیکھیں جس میں نبی نے "انا بشر مثلکم" کا اعلان فرمایا تھا۔

نبی پر ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب ان کے سامنے دولت ہاتھ باندھے ہوئے آئی تھی جب ان کے گلے کا ہار بننے کے لئے عورت کو تیار کیا گیا تھا جب ان کے سامنے حکومت پیش کی گئی تھی یہاں پر میں ارباب نظر کی توجہ چاہوں گا جب بھی زمانہ نے کسی ذہن کو بدلنا چاہا ہے یا دولت کے ذریعہ یا عورت کے ذریعہ یا حکومت کے ذریعہ نظریات دولت کے نام پر بکے ہیں نظریات عورت کے نام پر بکے ہیں نظریات حکومت کے نام پر بکے ہیں سچائیوں کا انہی تین بنیادوں پر سودا ہوا ہے تلواریں جب بھی بے نیام ہوئی ہیں ان کی چمک دمک کے پیچھے یا تو حسن مسکرا رہا تھا۔ یا دولت یا حکومت آج یہی دولت نبی کے نظریات کو خریدنے آئی تھی یہی عورت نبی کے نظریات کا سودا کرنے چلی تھی حکومت کی پیش کش نے نبی کو بدلنا چاہا تھا لیکن میرے مصطفےٰ نے صاف کہہ دیا اے نادانو! تم دولت سے مجھے نہیں خرید سکتے، تم عورت سے مجھے نہیں خرید سکتے تم حکومت دیکر مجھے نہیں حاصل کر سکتے یہ دولت، یہ عورت اور حکومت کیا ہے اگر تم ایک ہاتھ میں سورج دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لیکر آ جاؤ، پھر بھی تم مجھ کو نہیں پاسکتے میری ساری تگ و دو دولت، عورت اور حکومت حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے میں دنیا میں دولت حاصل کرنے نہیں آیا میں عورت کو زینت آغوش کرنے کے لئے نہیں آیا۔ میں حکومت حاصل کر کے عیش کرنے کے لئے نہیں آیا۔ میں اس لئے آیا ہوں تاکہ انسان کو اس کے صحیح مقام و منصب سے آگاہ کر دوں آدمی کو اس کی قدر و قیمت بتاؤں اور

آدمیت کے مجد و شرف سے اسے خبردار کردوں میں اس لئے آیا ہوں تاکہ معاشرے کی نئے مہرے سے تعمیر و تشکیل کردوں میں فکر و نظر میں بھی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہوں اور وجدان و شعور میں بھی میں تقدیس خیال اور تطہیر فکر کے ساتھ ساتھ ذہنیتوں کو بھی صحت مند بنانا چاہتا ہوں میں نظریات و خیالات کی بھی اوور ہالنگ کروں گا اور جذبات و احساسات پر بھی اپنی گرفت رکھوں گا۔

• حضرات! ایک بات اور آپ اپنے ذہن میں رکھیں جب تک کوئی شخصیت خاموش رہتی ہے اس پر کوئی تبصرہ نہیں ہوتا۔ اس کے نشانات قدم گنے نہیں جاتے۔ اسکی

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ابو جہل بھلا اس قلب ماہیت کو کیسے برداشت کرسکتا تھا اس کی شر پسند طبیعت اس تبدیلی کو کیسے گوارہ کرسکتی تھی۔ فوراً سامنے آیا اے محمد سنا ہے تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟" میرے مصطفےٰ نے فرمایا ہاں ہاں میں نبی ہوں بے شک میں نبی ہوں کہا اچھا اگر آپ نبی ہیں تو بتا دیجئے میری بند مٹھی میں کیا ہے؟" معلوم ہوا جب تک دعویٰ نہیں ہوتا دلیل طلب نہیں کی جاتی جہاں دعویٰ کیا دلیل طلب کی گئی جیسا دعویٰ ویسی ہی دلیل مصطفےٰ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابو جہل بند مٹھی لیکر آگیا میں پوچھتا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

حیثیت متعین نہیں کی جاتی لیکن جیسے ہی وہ زبان کھولتی ہے اس پر تبصرہ شروع ہو جاتا ہے نبی جب تک خاموش تھے زمانہ ان کی اچھائیوں کو گا رہا تھا۔ ان کی سچائیوں پر سر دھن رہا تھا جیسے ہی نبی نے اپنے مشن کا اعلان کیا کل تک جو نبی کو صادق اور امین کہہ رہا تھا۔ کل تک جو ان کو سچا کہہ رہا تھا، اچھا کہہ رہا تھا اب وہی مجنوں کہنے لگا۔ اب وہی دیوانہ کہنے لگا اب وہی ساحر اور جادوگر کہنے لگا نبی نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ مکہ کی دھرتی پر زلزلہ آگیا۔ کفر کے کنگن ٹوٹ گئے۔ شرک کے ماتھے سے بندیا اتر گئی۔ گمراہی کی دیوی بیوہ ہوگئی۔ اس کا سہاگ لٹ گیا۔ جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے مطلع رسالت کی ایسی کرن پھوٹی کہ تمام گرد و پیش مطلع انوار ہو گیا اور اب عالم یہ ہو گیا کہ؎

ہوں نبوت کو بند مٹھی سے کیا تعلق؟ نبی نے کب دعویٰ کیا تھا کہ وہ لال بجھکڑ ہیں انہوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا تھا، ان سے ویسی ہی دلیل طلب کی جانی چاہیے تھی ایک عربی کے طالب علم سے سنسکرت کا کوئی سوال کیا جائے تو یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہو گی؟ سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالنے والے کو اگر آپ کشتی لڑنے کی دعوت دیں گھڑی سازی میں مہارت رکھنے والے سے اگر آپ شیروانی سینے کا مطالبہ کریں تو دنیا آپ کی عقل و دانش کا مذاق اڑائے گی نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابو جہل بند مٹھی لیکر آگیا۔ اگر آپ ابو جہل سے پوچھیں گے" ابے! میرے نبی کا تیری بند مٹھی سے کیا تعلق؟ تو وہ کہے گا نبی عرب کا لفظ ہے۔ میں عربی الاصل ہوں اہل زبان ہوں میں جانتا ہوں نبی کے لغوی معنی کیا ہیں نبی اسی کو کہتے ہیں جو

غیب جانے جو غیب بتائے جس کو ڈھکی چھپی باتوں کا علم ہو۔ جیسے ہی ابو جہل نے سوال کیا بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے میرے آقا نے فرمایا اے ابو جہل! میں بتاؤں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے یا اسی سے کہلوادوں کہ میں کون ہوں" اب ذرا ہم گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں پہونچکر اپنے آقا سے عرض کریں اے سرکار! آپ نے اس ظالم کو یہ کیوں نہ بتا دیا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں کنکری ہی سے کیوں اپنی نبوت کی شہادت دلوا رہے ہیں؟" جواب میں سرکار ارشاد فرمائینگے ابو جہل بڑا عیار تھا۔ اگر میں اُسے بتا دیتا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں تو وہ کہہ سکتا تھا لگتا ہے جس جگہ میں کنکریاں لے رہا تھا آپ کہیں سے دیکھ رہے تھے اس لئے میں نے اس کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ کنکری ابو جہل کی بند مٹھی میں تھی اس نے ایمانی جوش میں ابو جہل کو للکارا۔ ہم تیری مٹھی میں بند ہیں تو تو سمجھتا ہے کہ حق کی آواز ہمارے منہ سے نہیں نکلے گی سُن اے ابو جہل! وجود کو گرفتار کیا جاسکتا ہے خیالات کو نہیں۔ ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جاسکتی ہیں ذہن و فکر کو پابہ زنجیر نہیں کیا جاسکتا ہم تیری قید میں ضرور ہیں مگر بولی مصطفےٰ کی بولیں گے کلمہ مصطفےٰ کا پڑھیں گے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جیسے ہی کنکریوں نے کلمہ پڑھا۔ جیسے ہی کنکریوں نے رسالت کی گواہی دی ابو جہل نے جھنجھلا کر نبی کے قدموں پر کنکریاں پٹک دیں اور نبی کو ساحر، جادوگر کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

ذرا ٹھہرئیے۔ یہاں پر میں آپ کو ایک ذہن دینا چاہتا ہوں کنکری دشمن کی قید میں تھی لیکن حق و صداقت کی بولی بول کر نہ صرف دشمن کی قید سے آزاد ہو گئی بلکہ محبوب کے قدموں میں آگئی مسلمان بھی اگر حق و صداقت کو اپنا شعار بنالیں تو آج بھی قید دشمن سے رہائی پاسکتے ہیں۔ ؎

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا نبی انسانیت کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں نبی معاشرے کو سدھارنا چاہتے ہیں اور کفر ان کے خلاف محاذ بنا رہا ہے محمد جادوگر ہیں ان کی آنکھوں میں مقناطیسیت ہے زبان میں شیرینی ہے رس گھولتے ہوئے الفاظ ہیں کھنکتا ہوا لب ولہجہ ہے۔ دلوں کی وادیوں میں اتر جانے والی روانی ہے۔ وہ جادو جانتے ہیں۔ جو ان سے ملتا ہے انہی کا ہو جاتا ہے جس کو وہ ایک نظر دیکھ لیتے ہیں وہ انہی کی زبان بولنے لگتا ہے دیکھو نا اب اس سے بڑا جادو اور کیا ہوگا کہ انہوں نے کنکریوں سے بھی کلمہ پڑھوا لیا نبی اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں کفر مخالفت کرتا چل رہا ہے نبی ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر میں لگے ہیں اور کفر ان کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ نبی جادوگر ہیں۔ نبی ساحر ہیں۔

میں آپ کو بتاؤں؟ پروپیگنڈہ وقت کی سب سے بڑی طاقت ہے پروپیگنڈے سے خیالات بدلتے ہیں اس سے فکر بدلتی ہے زاویہ نگاہ بدلتا ہے اچھائی برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور برائی ایک پسندیدہ شے بن جاتی ہے نبی کے خلاف پروپیگنڈہ ہوا جادوگر ہیں۔ کنکریوں سے کلمہ پڑھوالیا۔ اس پروپیگنڈے سے کچھ لوگوں کو نبی کی صداقت کا یقین ہو گیا وہ ایمان لے آئے۔ انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ کچھ لوگوں کو نبی کو جانچنے اور پرکھنے کا خیال پیدا ہوا وہ نبی کو آزمانے کے لئے آگے رکانہ پہلوان بھی انہی لوگوں میں تھا جو نبوت کا امتحان لینا چاہتے تھے رکانہ اکڑتا ہوا نبی کے سامنے آیا۔ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اگر آپ سچے ہیں تو مجھ سے کشتی لڑ کر دکھایئے۔ میں ایک ہزار نوجوانوں کی طاقت کا تنہا مالک ہوں اونٹ کی کچی کھال پر اگر پاؤں جما کر کھڑا ہو جاؤں اور سو جوان بھی اسے کھینچنا چاہیں تو نہیں کھینچ سکیں گے کھال کے ریشے ریشے الگ ہو جائیں گے مگر میں ذرا سا بھی ٹس سے مس نہیں ہونگا۔ میں آپ کو کشتی کے لئے چیلنج دیتا ہوں اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ کو نبی تسلیم کر لوں گا" میرے نبی نے اس کا چیلنج بھی منظور کر لیا۔ مجھے پھر لوچھنے دیجیے" اے رکانہ! نبی نے کب دعویٰ کیا تھا

وہ کشتی کے فن میں ماہر ہیں۔ انہوں نے کب پہلوانی کی تھی کب داؤں پیچ کھیلے تھے کب ڈنڈ بیٹھک کی تھی۔ نبوت اور طاقت سے کیا تعلق نبوت اور پہلوانی کا کیا جوڑ؟ رکانہ کا جواب سنئے! اے لوگو! عربی میں نے کسی دارالعلوم میں رہکر نہیں سیکھی۔ میں عرب نژاد ہوں عربی میری مادری زبان ہے یہ زبان میں نے آغوشِ مادری میں سیکھی تھی۔ میں جانتا ہوں نبی کسے کہتے ہیں نبی لمبے سے لمبے ہوتا ہے پیرم پادر کو نبی کہتے ہیں نبی صاحب اختیار ہوتا ہے نبی صاحب اقتدار ہوتا ہے نبی طاقت کا مالک ہوا کرتا ہے وہ مجبور محض نہیں ہوتا۔ نبی نے رکانہ کا چیلنج منظور کر لیا۔ کشتی ہوئی۔ نبی اوپر رکانہ نیچے اس نے کہا دھوکا ہوا۔ ایک چانس اور دیجئے پھر کشتی ہوئی۔ نتیجہ یہ آمد ہوا۔ رکانہ نیچے نبی اوپر۔ اس نے کہا پھر دھوکہ ہوا۔ اس مرتبہ فائنل چانس دیجئے۔ مصطفےٰ جو کائنات میں نبی بن کر تشریف لائے تھے مصطفےٰ جو غالب ہونے کے لئے ہی آئے تھے۔ مصطفےٰ جو کائنات کا خزانہ لیکر آئے تھے کیسے مغلوب ہوتے؟ تیسری مرتبہ بھی رکانہ کو پچھاڑ دیا۔ رکانہ کا زیر ہونا تھا کہ دنیائے عرب میں ہلچل مچ گئی لو غضب ہو گیا اب اس سے بڑی ساحری اور کیا ہوگی کہ رکانہ جیسا پہلوان بھی زیر ہو گیا۔ رکانہ پر بھی ان کا داؤں چل گیا۔ پروپیگنڈے کی مہم تیز کر دی گئی۔ نبی جادوگر ہیں۔ نبی ساحری کرتے ہیں نبی جادو جگاتے ہیں۔

نبی کے پاس ایک اور قافلہ آگیا۔ اس نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو وہ سامنے کے درخت کو اپنی بارگاہ میں بلا لیجئے۔ اگر وہ آپ کے پاس آگیا اور کلمہ پڑھ لیا تو ہم سب کے سب آپ کا کلمہ پڑھ لیں گے۔ ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ کے حبیب نے فرمایا اے لوگو! مجھے کہاں زحمت دو گے۔ تم خود ہی اس درخت کے پاس چلے جاؤ کہنا چلو تمہارے نبی تمہیں بلا رہے ہیں نبی کی شوکت اقتدار کا کرشمہ ملاحظہ فرمائیے کفر نے کہا چل تجھے تیرے نبی بلا رہے ہیں درخت پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی فرطِ مسرت سے جھوم گیا پھر ایک انگڑائی لیکر پورب کی طرف جھکا تو پچھم کی تنیں بھی اکھڑ گئیں، شمال کی طرف جھکا تو جنوب کی تنیں اکھڑ گئیں

اب نبی کی بارگاہ میں جھومتا ہوا آرہا ہے۔ اس موقع پر کچھ کہنے دیجئے کہ شجر نے تو پہچان لیا میرے نبی کو مگر بشر ابھی تک پہچاننے کی منزل میں ہے سرور کونین کی بارگاہ میں شجر حاضر آیا اور اس نے بزبان فصیح کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علماء فرماتے ہیں۔ نبی نے درخت کو خزاں میں بلایا تھا۔ اگر بہار کے موسم میں بلایا ہوتا تو پھل لیکے حاضر ہوتا پھول لیکے حاضر ہوتا۔ درخت کے کلمہ پڑھتے ہی حق واضح ہو چکا تھا۔ بہت سارے لوگ ایمان لے آئے۔ لیکن ابوجہل نے کہنا شروع کیا، بتاؤ! یہ جادو نہیں تو کیا ہے کہ درخت بھی ان کے زیر فرمان ہیں اب تو نباتات پر بھی حکمرانی کرنے لگے ہیں۔ اب تو نباتات بھی ان کے تابع فرمان ہوتے جا رہے ہیں۔ کفر نے اپنی مہم اور تیز کر دی۔ ابوجہل نے دارالندوہ میں ایک ہنگامی میٹنگ طلب کر لی۔ جب سب لوگ حاضر ہو گئے تو ابوجہل کھڑا ہوا۔ اس نے پورے ہاؤس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے لوگو! اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ہر کوشش ناکام ہو چکی۔ اسلام کی جڑیں دن بدن اور گہری ہوتی جا رہی ہیں لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں محمد ایسا جادوگر ہے کہ جس پر ایک نگاہ ڈال دیتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے جو محمد کی آواز سن لیتا ہے وہ بھی اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے زمین کے چپہ چپہ پر اس کی حکومت ہوتی جا رہی ہے ایسا لگتا ہے جیسے یہاں کی ہر چیز اسی کے دائرہ اختیار میں ہو۔ اس کی قوت کی کارفرمائی ہر جگہ نظر آتی ہے اس کے اقتدار کے کرشمے ہر جگہ دیکھے جا رہے ہیں اس کے جادو نے ہر چیز کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے زمین کو بھی، مکین کو بھی زمان کو بھی مکان کو بھی۔ اب اس کی جادوگری کا راز افشا کرنے کی ضرورت ہے اب دنیا کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ محمد نبی نہیں ہیں، وہ جادوگر ہیں اور جادو ہی کے زور سے ہر چیز پر اثر انداز ہو رہے ہیں جادو ہی کے زیر اثر پوری دنیا کو مسخر کرتے جا رہے ہیں اے لوگو! نبی کو شکست دینے کی بس ایک ہی صورت ہے ان سے مطالبہ کرو کہ اگر وہ نبی ہیں تو انگلیوں کے اشارے سے چاند کے دو

ٹکڑے کرکے دکھائیں۔ دوستو! یقین کرو جادو کی طاقت ساری دنیا پر قبضہ جا سکتی ہے اس کا عمل دخل فضاؤں میں بھی ہو سکتا ہے لیکن کرۂ نار سے اوپر وہ نہیں جا سکتا۔ اسکی پرواز بس کرۂ نار ہی تک ہے سن لو! اگر تم نے محمد سے یہ مطالبہ کر دیا تو ان کی نبوت کا سارا بھرم کھل جائے گا۔"

ابو جہل کی اس تجویز سے سبھوں نے اتفاق کیا۔ دوسرے دن مکہ کی پوری آبادی جبل بو قبیس کے گرد سمٹ آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا اور ان سے کہا گیا اگر آپ نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیجئے ہم آپ کو نبی مان لیں گے اللہ کے حبیب نے یک نظر چاند کو دیکھا چاند نے اپنا کلیجہ چاک کر دیا۔ آدھا چاند ادھر آدھا ادھر۔ شق القمر کا معجزہ دیکھتے ہی عرب کے اکثر دانشور ایمان لے آئے۔ ابو جہل چیختا رہا۔ لوگو! دھوکہ مت کھاؤ۔ یہ نبوت نہیں ہے یہ جادو کا کمال ہے چاند کے دو ٹکڑے نہیں ہوا لیکن ہمیں ایسا لگ رہا ہے جیسے چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہو۔ یہی جادوئی کرشمہ ہے۔ یہی جادو کا کمال ہے۔ لیکن منصف مزاج شخصیتوں نے فیصلہ کیا۔ یہ جادو نہیں ہے یہ طلسماتی کرشمہ نہیں ہے یہ نبوت ہے ابو جہل بکواس کر رہا ہے وہ کچھ کہہ رہا ہے کسی عناد کی بنیاد پر کہہ رہا ہے جب کفر نے دیکھا کہ اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر رہا ہے نبی کی نبوت تسلیم کی جا رہی ہے حق واضح ہو چکا ہے اور اسلام میں لوگ قطار اندر قطار داخل ہو رہے ہیں تو اس نے ایک دوسرا پینترا بدلا۔ تب اس نے ایک اور ہی چال چلی۔ اس نے اعلان کرنا شروع کر دیا لوگو! بھلا ایک بشر میں یہ دم خم کہاں کہ انگلیوں کے اشارے سے چاند کے بھی دو ٹکڑے کر دے۔ کنکریوں سے بھی کلمہ پڑھوا لے۔ درختوں سے بھی اطاعت کرا لے لوگو! محمد بشر ہرگز نہیں ہیں محمد کے روپ میں ہمارا خدا ہی ہمارے سامنے آ گیا ہے بلکہ یوں کہو کہ محمد دراصل خدا ہیں جو کالبد انسانی میں ہمارے درمیان آ گئے ہیں جس نے بشری پیکر میں جلوہ نمائی کی ہے جنھوں نے آدمی کا لباس اختیار کرکے ہماری زمین پر تشریف ارزانی کی ہے اس لئے اے لوگو! محمد کو نبی ماننے کے بجائے کیوں نہ ہم اسے خدا ہی تسلیم کر لیں۔

جب نبی کو خدا بنانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں تو غیرت حق کو حرکت ہوئی۔ جبرئیل کو حکم ہوا۔ جبریل جاؤ میرے حبیب کو میرا یہ پیغام جا کے سنا دو اور زمیوں کے دو چار معجزے دیکھ کر ان کی امتیں ان کو خدا کی بیٹا کہہ چکی ہیں۔ اے میرے حبیب! آپ کو بھی زمانہ خدا کہنے جا رہا ہے اس لئے آپ اعلان فرما دیجئے۔ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آپ کہہ دیجئے میں خدا نہیں ہوں میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں تم جسے پوجا چاہتے ہو تم جس کی عبادت کرنی چاہتے ہو وہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔

نبی کی حقیقت نور ہے لیکن نبی نے وحدانیت کے تصور اور عقیدے کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا زمانہ مصطفےٰ کو خدا کہنے جا رہا تھا نبی نے زمانہ کے اس تصور خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔

یہی ہے فلسفۂ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
خدا کے بعد سبھی کچھ کہو خدا نہ کہو

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے میں آپ کو ایک ذہن دے رہا ہوں ؎

محمد مصطفےٰ کو آفتاب پر ضیا کہئے
نبی کے حسن و صورت کو جمال حق نما کہئے
حقیقت ہے اگر آئینۂ ذات خدا کہئے
خدا کہنا نہیں جائز مگر نور خدا کہئے

اِقَامَۃُ الْقِیَامَۃ عَلٰی طَاعِنِ الْقِیَامِ لِنَبِیِّ تِہَامَۃ

اَلْجَزَاءُ الْمُہَیَّا لِغَلْمَۃِ کَنْہَیَا

ہر دو رسائل

از: اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ

اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت اس قدر دلآویز ہے کہ جس پہلو سے انہیں دیکھا جائے اسی اعتبار سے ہدیۂ دل پیش کرنے کو جی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کم و بیش پچاس علوم میں وہ بیمثال بصیرت عطا فرمائی تھی کہ آپ کے معاصرین کو ان علوم میں سے بعض میں بھی اس بصیرت کا عشر عشیر حاصل نہ تھا آپ کی ایک ہزار کے لگ بھگ بلند پایہ تصنیفات خصوصاً فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدوں کو دیکھ کر آپ کی جلالت علمی دقت نظری نکتہ آفرینی، قوت استدلال، قرآن و حدیث اور کتب سلف پر گہری نظر کا اعتراف کرنے پر ہر موافق و مخالف مجبور ہو جاتا ہے آپ کے فضل و کمال علمی کا سکہ عرب و عجم کے علماء نے تسلیم کیا آپ نے تمام عمر دین متین کی خدمت میں صرف کر دی۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کی ابتداء میں آپ کے علم و فضل کا آفتاب نصف النہار کو پہنچکر پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا تھا پھر اس کی روشنی بڑھتی رہی آپ کی پوری زندگی اتباع و حب مصطفےٰ سے عبارت تھی انہی وجوہ کی بناء پر علماء حق نے آپ کو موجودہ صدی کا مجدد برحق تسلیم کیا صرف تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں فتویٰ نویسی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا اور آخر عمر تک اسے سرانجام دیا حق گوئی و بیباکی آپ کا شیوہ تھا۔ دوسری دفعہ حج بیت اللہ کو گئے تو وہاں حکومت کی جانب سے متعین خطیب نے خطبہ میں پڑھا وارض عن اعمام نبیک الا طائب حمزۃ والعباس وابی طالب۔ اے اللہ تو اپنے نبی کے پاکیزہ چچوں حمزہ عباس اور ابی طالب سے راضی ہو یعنی ابو طالب کا بھی ذکر تھا۔ یہ ایک نئی بدعت واضح طور پر جانب حکومت سے تھی اعلیحضرت قدس سرہٗ نے سنتے ہی بلند آواز سے کہا اللّٰہم ہٰذا منکر، اے اللہ یہ ناپسند بات ہے، حدیث شریف میں ہے کہ کوئی بُرا کام دیکھو تو ہاتھ سے منع کر دو ہوسکے تو زبان سے روکو یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانو اعلیحضرت نے دوسرے حکم پر بخوبی عمل کیا جبکہ وہاں کے علماء میں سے کسی نے بھی اس کا نوٹس نہ لیا (ملفوظ شریف حصہ دوم) حب مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو گویا آپ کے رگ و پے میں

رہی ہوتی تھی وعظ و نصیحت کی آخری مجلس کی گفتگو کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں۔
جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔
(وصایا شریف)

اسی حبِ صادق کا اثر تھا کہ آپ نے ساری زندگی میں کبھی گستاخ بارگاہِ رسالت کی حمایت نہ کی بلکہ اپنے قلم تلوار کو ان کے خلاف پوری قوت سے استعمال کیا تاکہ وہ لوگ مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا کر اپنا دل خوش کریں اتنی دیر تو میرے آقا و مولیٰ کی شان میں گستاخی نہ کریں گے"۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ذاتی معاملات میں رواداری یقیناً اچھی چیز ہے لیکن محبوب کے بارے میں توہین و بے ادبی کو دیکھ سنکر خاموش رہنا قانونِ محبت کی رو سے ایسا جرم ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا وہ محبوب بھی کیسا؟ جو نازش کائنات ہو۔ انبیاء کا امام ہو اور جس کے نام عرش سے محبت کے سلام و پیام آتے ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اعلیحضرت کے نزدیک محبوب خدا سرورِ ہر دوسرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا دم بھرتے ہوئے کسی جاہ و حشم کے مالک تاجدار کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہ تھا چنانچہ ایک دفعہ ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ شریف یوپی کے نواب کی مدح میں شعراء نے قصیدے لکھے کچھ لوگوں نے آپ سے بھی قصیدہ مدحیہ لکھنے کی گذارش کی آپ نے نواب صاحب کی شان میں قصیدہ لکھنے کی بجائے اس ذات ستودہ صفات کی تعریف میں نعت شریف لکھی کہ خود خدا نے بھی جن کی تعریف فرمائی ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے

کروں مدح اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیحضرت کی ولادت باسعادت دس شوال ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ بریلی شریف محلہ جسولی میں ہوئی آپ عمر بھر حب مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شراب طہور پلا کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ جمعہ مبارکہ کے دن ادھر مؤذن نے "حی علی الفلاح" کہا ادھر آپ کے چہرۂ انور پر نور کا ایک شعلہ لپکا اور آپ فوز و فلاح کے عطا کرنے والے رب کریم کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلَیہ راجعون۔

محمد عبد الحکیم شرف لاہوری ۲۰ محرم ۱۳۹۰ھ

مسئلہ از ریاست مصطفیٰ آباد عرف رامپور مرسلہ ریضمن ہوا الاکبرہ ۱۲۹۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد میں قیام وقت ذکر ولادت حضرت خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کیسا ہے بعض لوگ اس قیام سے انکار بحث خالص" رکھتے ہیں اور اسے بدیں وجہ کہ قرون ثلٰثہ میں نہ تھا بدعت سئیہ و حرام سمجھتے اور کہتے ہیں ہمیں صحابہ و تابعین کی سند چاہیئے ورنہ ہم نہیں مانتے ان کے اقوال کا حال کیا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

الحمد للہ الذی باذنہ تقوم السماء والصلوٰۃ والسلام علی من قامت بہ ارکان الشریعۃ الغراء سیدنا و مولانا محمد الذی قامت فی مولدہ ملٰئکۃ العلیا و علی آلہ و صحبہ القائمین بآداب تعظیمہ فی الصبح والمساء واشہد ان لا الٰہ الا اللہ

وَحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ختم الانبیاء صلوٰت اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیہم ما قامت بتسبیح القیام اشجار الغبراء وسجدت للحی القیوم نجوم الخضراء امین قال القائم ببعض الضراعۃ الی صاحب المقام المحمود والشفاعۃ عبد المصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ لہٗ واقام مقام السلف الکرام البررۃ العملۃ امین۔

(اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب)

ــ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے۔ ۱۲ حشمت علی رضوی۔

الجواب

یہاں دو مقام واجب الاعلام ہیں۔ اوّلاً اس قیام کا اپنے طور پر کتب وفتاوی علماء قدست اسرارہم سے حکم بیان کرنا، جس سے بعونہ تعالیٰ موافقین کے لئے ایضاح حق وازاحت باطل ہو اور منصب فتوے اپنے حق کو واصل ہو۔ ثانیاً اس مغالطہ کا جواب دینا جو بالفاظ متقاربہ تمام اکابر واصاغر مانعین میں رائج کہ یہ فعل قرون ثلٰثہ میں نہ تھا، تو بدعت ضلالت ہوا۔ اس میں کچھ خوبی ہوتی تو وہ وہی کرتے۔ اس فعل اور اس کے امثال امور نزاعیہ میں حضرات منکرین کی غایت سعی اسی قدر ہے۔ جس کی بناء پر اہل سنت وسواد اعظم ملت وہزاران ائمہ شریعت وطریقت کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوف خدا وترس روز جزا دل میں نہیں لاتے۔ مقام اثنا اگرچہ استیعاب مناظرہ کی جا نہیں مگر ایسی جگہ ترک کلی بھی چنداں زیبا نہیں۔ لہذا فقیر مقام دوم میں چند اجمالی کلمے حاضر کرے گا، جن کے مبانی دیکھیئے تو حرفے چند اور معانی سمجھئے تو بس جامع وبلند و اللہ التوفیق۔ فی کل حین وعلیہ التوکل وبہ نستعین والحمد للہ رب العٰلمین۔

اللہ عزوجل نے شریعت عزا بیضا زہرا عامہ تامہ کاملہ شاملہ آتاری اور بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے لئے ہمارا دین کامل فرمادیا اور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرمادی، قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (ترجمہ) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی من بہ انعم علینا فی الدنیا والدین وبہ ینعم انشاء تعالیٰ فی الاٰخرۃ الی ابد الابدین۔ الحمد للہ ہماری شریعت مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حسبنا کتاب اللہ ہمیں قرآن عظیم بس ہے۔ مگر قرآن عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا عام کو نامقدور ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے۔ اوّل ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (ترجمہ) جو کچھ تمہیں رسول دیں، وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اقول تو صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لئے ہے تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے۔ یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے؛۔ ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیئٍ ۔ (ترجمہ) اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری، جس میں ہر شے، ہر چیز، ہر موجود کا روشن بیان ہے۔" مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی ولہذا فرمایا؛ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ (ترجمہ) اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن مجید نے ہر چیز روشن فرمادی، اس میں سے جس قدر امت کے بتانے کو ہے، وہ تم ان پر روشن فرمادو۔

لہٰذا کریمۂ اولیٰ میں نزلنا علیک فرمایا جو خالص حضور کی نسبت ہے اور آیۃ کریمہ ثانیہ میں نزل الیہم فرمایا جو نسبت بہ امت ہے۔

دوم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (ترجمہ) علم والوں سے پوچھو جو تمہیں نہ معلوم ہو۔ حوادث غیر متناہی ہیں احادیث میں ہر جزئیہ کے لئے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی تو ان کا حفظ وضبط نا مقدور ہوتا پھر جو مدارج عالیہ مجتہدین کے لئے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے نیز اختلاف ائمہ کی وسعت نصیب نہ ہوتی لہٰذا حدیث نے بھی جزئیات معدودہ سے کلیات حاویۂ مسائل نامحدودہ کی طرف اشعار فرمایا اس کی تفصیل و تفریع وتاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی اور احاطہ تصریح نامتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل وتفصیل مجمل وتقیید مرسل باقی رکھی جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشائخ کرام وعلمائے اعلام کرتے چلے آتے ہر زمانہ کے حوادث تازہ کے احکام اس زمانہ کے علمائے کرام حاملان فقہ حاملان اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ حتی یأتی امر اللہ وھم علی ذالک درمختار میں ہے ولا یخلو الوجود عمن یمیز ھٰذا حقیقۃ لا ظنا وعلی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز براءۃ لذمتہ۔ ترجمہ: زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر نہ محض گمان سے اس کی تمیز رکھیں اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے کہ بری الذمہ ہو۔

جزم بذالک اخذا مما رواہ البخاری من قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین الحق حتی یأتی امر اللہ قولہ وعلی من لم یمیز عبر بعلی المفیدۃ للوجوب للامر فی قولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

شارح علامہ نے اس پر جزم فرمایا اس حدیث سے لے کر جو صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لئے واجب کہا کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا ہے کہ علماء سے پوچھو اگر تمہیں نہ معلوم ہو۔

ہر اجمال کی تفصیل مستحسن فعل ہے

امام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہٗ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعہ الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

ما فصل عالم ما اجمل فی کلام من قبلہ من الادوار الا للنور المتصل من الشارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فالمنۃ فی ذالک حقیقۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی ھو صاحب الشرع لانہ ھو الذی اعلی العلماء تلک المادۃ التی فصلوا بہا ما اجمل فی کلامہ

كما ان المنة بعده لكل دور على من تحته فلو قدر ان اهل دور تعدوا من فوقهم الى الدور الذى قبله لانقطعت وصلتهم بالشارع ولم يهتدوا لايضاح مشكل ولا تفصيل مجمل وتامل يا اخى لولا ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فصل بشريعته ما اجمل فى القرآن لبقى القرآن على اجماله كما ان الائمة المجتهدين لو لم يفصلوا ما اجمل فى السنة لبقيت السنة على اجمالها وهكذا الى عصرنا هذا فلولا ان حقيقة الاجمال سارية فى العالم كله ما شرحت الكتب ولا ترجمت ولا وضع العلماء على الشروح حواشى كالشروح للشروح۔

جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانہ کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے تو حقیقۃ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے کہ انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی یوں ہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگر فرض کیا جاوے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلوں پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفصیل پر قادر نہ ہوں گے برادرم غور کر اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن کریم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی اسی طرح ہمارے زمانے تک۔ تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کئے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرحیں لکھی جاتیں نہ ترجمے ہوتے نہ علما شرحوں کی شرحیں حواشی لکھتے۔

اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ ونوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل وواقعات تصنیف فرمائی گئیں۔ پھر متون وشروح وحواشی وفتاویٰ وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافے کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے نصاب الاحتساب اور فتاویٰ عالمگیری سلطان عالمگیر انار اللہ تعالیٰ برہانہ کی تصنیف ہیں ان میں بہت سی ایسے جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع نہ ہوئے تھے اور کتب نوازل وواقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم وصاحبین کا نص لاؤ تو وہ یا احمق مجنون ہے یا گمراہ مفتون۔ پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاویٰ اسعدیہ فتاویٰ حامدیہ وطحطاوی علی الدر وطحطاوی علی مراقی الفلاح

وعقود الدریہ و رد المحتار و رسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے۔ دو اوّل کے سوا یہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاوی شاہ عبد العزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل و اربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ و تابعین ائمہ تو بہت بالا ہیں عالمگیری ورد المحتار تک کہیں دکھا سکتے ہیں اب ان کے بھی بعد ریل تار برقی لوٹ، منی آرڈر، فوٹو گراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یا امام ابو حنیفہ نہیں ہدایہ و در مختار یا یہی نہیں عالمگیری و طحطاوی ورد المحتار یا سب جانے دو شاہ عبد العزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ تو اسے مجنون سے بہتر اور کیا لفظ کہا جا سکتا ہے ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتمد جانیں اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ و تابعین کی سند مانگیں۔

خطبہ میں ذکر خلفا مستحب ہے

خطبہ میں ذکر عمین شریفین حادث ہے مگر جب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی در مختار میں ہے مندب ذکر الخلفاء الراشدين والعمين ترجمہ، خطبہ میں چاروں خلفائے کرام اور دونوں عم کریم سید الانام علیہ ثم علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوب میں اس لئے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفائے کرام کا ذکر نہ کیا تھا سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔

اذان سے قبل و بعد صلوٰۃ وسلام

اذان کے بعد حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے۔ در مختار میں ہے۔

التسليم بعد الاذان حدث في ربيع الآخر سنة سبع مائة واحدى وثمانين في عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث في الكل الا المغرب ثم فيها مرتين فهو بدعة حسنة۔

اذان کے بعد صلاۃ بعہد ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشا شب دوشنبہ میں حادث ہوا پھر اذان جمعہ کے بعد بھی صلاۃ کہی گئی پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد پھر مغرب میں بھی دو بار کہنی شروع اور یہ تو پیدا باتوں سے ہے جو شرعاً مستحب ہیں۔

محدثات حسنہ کا استحباب

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے اس وقت کے علمائے معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے مجلس میلاد مبارک و قیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ و

تابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگی ان پر انہیں علمائے کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانے میں ان کا وجود تھا جیسے مجلس مبارک کے لئے امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی و امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی و امام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر رحمہم اللہ تعالےٰ جن کے نام وکلام کی تصریح بارہا کردی گئی یونہی مسئلہ قیام میں ان علمائے کرام کی سند لی جائے گی جن کا ذکر شریف آتا ہے وباللہ التوفیق. بحمد اللہ تعالےٰ موافقین اہل حق وانصاف ودین کے لئے یہ کافی ہوگا. رہا مخالفین کا نہ ماننا ان کی پرواہ کیا. وہ اور ہی کسے مانتے ہیں کہ ان علمائے کرام کو مانیں ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم وجملہ ائمہ دین پر منہ آتے اور اپنے مہمل اوہام واوہام کے آگے ان کے اجتہادات عالیہ کو باطل بتاتے اور ان کے ماننے والوں کو معاذ اللہ مشرک و گمراہ ٹھہراتے ہیں جو ان میں بظاہر نام تقلید لیتے ہیں وہ بھی غیر مقلدین کی طرح اپنے اہوائے باطلہ کے سامنے قرآن وحدیث کی تو سنتے نہیں پھر ائمہ کی کیا گنتی ان کے منہ سے تقلید امام اور ان کے سب کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض تسکین عوام ہے کہ کھلا منکر نہ جان لیں.

ورنہ حالت وہ ہے جو ان کے مذہبی قرآن تقویۃ الایمان سے ظاہر کہ جو کہے اللہ ورسول نے دولت مند کردیا وہ مشرک حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے اغنٰہم اللہ ورسولہ من فضلہ. اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے دولت مند کردیا، محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک حالانکہ خود قرآن حمید فرماتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب سیدتنا مریم کے پاس آئے کیا کہا یہ کہ انما انا رسول ربک لاھب لکِ غلٰما زکیا. میں تو تمہارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں) حضرت محمد بخش نام شرک ہوا حالانکہ وہ معنی عطا میں بھی متعین نہیں بخش بہرہ وحصہ کو بھی کہتے ہیں تو جبریئل کی صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں دین اسمٰعیلی میں کیسے مشرک نہ ہوں گے اور قرآن کریم کہ اس شرک وہابیت کو ذکر فرما کر مقرر رکھتا ہے کیوں نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے اس کی مثالیں بہت ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیا نہ سید الانبیاء نہ جبرئیل امین نہ خود رب العٰلمین جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالےٰ علی الحبیب وعلیہم وسلم یہ بحث فقیر کے اور رسائل میں مفصل ملے گی یہاں تو کہنا اتنا ہے کہ مخالفین کے نہ ماننے کی پرواہ کیا ہے انہوں نے اور کسے مانا ہے کہ علما ہی کو مانیں گے لہٰذا اس مقام اول میں روئے سخن موافقین اہل حق ویقین کی طرف کریں واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین وصلی اللہ تعالیٰ علےٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وابنہٖ وحزبہٖ اجمعین آمین.

قیام بوقت ذکر ولادت آنحضرت صدیوں سے معمول بھا ہے

مولیٰ عزوجل توفیق دے تو یہاں منصب غیر متعصب کے لئے اس قدر کافی کہ یہ فعل مبارک یعنی قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والسلام صدہا سال سے بلادِ دار الاسلام میں رائج ومعمول اور اکابر ائمہ وعلماء میں مقرر ومقبول شرع میں اس سے منع مفقود اور بے منع شرع منع مردود ان الحکم الا للہ وانما الحرام ماحرم اللہ وماسکت عنہ نعفو من اللہ

علی الخصوص حرمین طیبین مکہ معظمہ مدینہ منورہ صلی اللہ تعالیٰ علی منورہما و بارک وسلم کہ مبدؔ و مرجع دین و ایمان ہیں وہاں کے اکابر علماء و مفتیان مذاہب اربعہ مدتہا مدت سے اس فعل کے فاعل و عامل و قائل و قابل ہیں ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا بلکہ بلاشبہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا، علامہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیرت مبارکہ انسان العیون میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعت حسنہ ہے اور ارشاد فرماتے ہیں۔ قد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من عالم الامۃ ومقتدی الائمۃ دینا وورعا تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ وتابعہ علی ذالک مشائخ الاسلام فی عصرہ فقد حکی بعضھم ان الامام السبکی اجتمع عندہ جمع کثیر من علماء عصرہ فانشد فیہ قول الصرصری فی مدحہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

قلیل لمدح المصطفی الخط بالذ ھب	علی فضۃ من خط احسن من کتب
وان ینھض الاشراف عند سماعہ	قیاما صفوفا او جثیا علی الرکب

فسند ذلک قام الامام السبکی وجمیع من فی المجلس فحصل انس کثیرۃ بذلک المجلس ویکفی ذلک فی الاقتداء۔ ترجمہ: بے شک وقت ذکر نام پاک حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پایا گیا جو اس امت مرحومہ کے عالم اور دین و تقویٰ میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر انکے معاصرین ائمہ کرام مشائخ اسلام نے ان کی متابعت کی بعض علماء یعنی ان ہی امام اجل کے صاحبزادے

امام شیخ الاسلام ابو نصر عبد الوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مدح مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے یہ بھی تھوڑا ہی ہے کہ جو سب سے اچھا خوشنویس ہو اس کے ہاتھ سے چاندی کے پتر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے اور جو لوگ شرف دینی رکھتے ہیں وہ ان کی نعت سنکر صف باندھ کر سرو قد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی و جملہ علمائے کرام حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایا اور اس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔ علامہ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قدر پیروی کے لئے کفایت کرتا ہے۔

اقول یہ امام صرصری صاحب قصیدۂ نعتیہ وہ ہیں جنہیں علامہ محمد بن علی شامی مستند مانعین نے سبل الہدیٰ والرشاد میں اپنے زمانہ کا حسان اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محب صادق فرمایا اور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی قدس سرہٗ الشریف کی جلالت شان و رفعت مکان تو آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے یہاں تک کہ مانعین کے پیشوا مولوی نذیر حسین اپنے ایک مہری فتوے میں ان کا بالا جماع امام جلیل و مجتہد کبیر ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس زمانہ کے اعیان علماء و مشائخ اسلام کا ان کے ساتھ اس پر موافقت فرمانا بحمد اللہ تعالیٰ متبعین سلف صالحین کے لئے ایک کافی سند ہے آخر نہ دیکھا کہ علامہ حلبی نے ارشاد فرمایا اس قدر اقتدار کے لئے

بس ہے۔

عالم کامل عارف باللہ سید سند مولانا سید جعفر برزنجی قدس سرہ العزیز جن کا رسالہ عقد الجوہر نے مولد النبی الازہر صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرمین محترمین و دیگر بلاد دار الاسلام میں رائج ہے اور سند مانعین مولانا رفیع الدین نے تاریخ الحرمین میں اس رسالے اور ان مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثنا لکھی ہے اپنے اسی رسالہ مبارکہ میں فرماتے ہیں۔

قد استحسن القیام عند ذکر ولادتہ الشریفۃ ائمۃ ذو روایۃ ودرایۃ فطوبیٰ لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غایۃ مرامہ۔

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن کہا ہے جو صاحب روایت و درایت تھے تو شادمانی اس کے لئے جس کی نہایت مقصود و مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

ذکر ولادت کے وقت قیام باعث ثواب کثیر و فضل کبیر ہے

فاضل اجل سیدی جعفر بن اسماعیل بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح الکوکب الازہر علی عقد الجوہر میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔ فقیہ محدث مولنا عثمن بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ اثبات قیام میں فرماتے ہیں۔

القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم امر لا شک فی استحبابہ واستحسانہ وندبہ یحصل لفاعلہ من الثواب الاوفر الخیر الاکبر لانہ تعظیم ای تعظیم للنبی الکریم ذی الخلق العظیم الذی اخرجنا اللہ بہ من ظلمات الکفر الی الایمان وخلصنا اللہ بہ من نار الجہل الی جنات المعارف والایقان فتعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیہ مسارعۃ الی رضاء رب العلمین واظہار اقوی شعائر الدین ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ومن یعظم حرمت اللہ فہو خیر لہ عند ربہ۔

قرارت مولد شریف میں ذکر ولادت سید المرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بے شک مستحب و مستحسن و مندوب ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر و فضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی تعظیم ہے ان نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ الصلاۃ والسلام کی جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہمیں ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچا کر بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العلمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی

ترین شعائر دین کا آشکار کرنا اور جو تعظیم
کرے شعائر خدا کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری
سے ہے اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں
کی تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے
یہاں بہتر ہے۔
پھر بعد نقل دلائل فرمایا ہے۔

فاستفید من مجموع ما ذکرنا
استحباب القیام له صلی الله تعالی
علیه وسلم عند ذکر ولادته لما
فی ذالک من التعظیم له صلی الله
تعالی علیه وسلم لا یقال القیام
عند ذکرنا ولادته صلی الله تعالی
علیه وسلم بدعته لانا نقول
لیس کل بدعته مذمومة کما
اجاب بذالک الامام المحقق
الولی ابو زرعة العراقی حین سئل
عن نعل المولد امستحب او مکروه
وهل ورد فیه شیئ او فصل به
من یقتدی به فاجاب بقوله
الولیمة واطعام الطعام مستحب
کل وقت فکیف اذا انضم الی
ذلک السرور بظهور نور النبوة فی
هذا الشهر الشریف فلا نعلم
ذالک عن السلف ولا یلزم من
کونه بدعته کونه مکروها فکم
من بدعة مستحبة بل واجبة
اذا لم تنضم بذالک مفسدة
والله الموفق۔

یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ
ذکر ولادت شریف کے وقت قیام مستحب
ہے کہ اس میں نبی صلے اللہ تعالے علیہ
وسلم کی تعظیم ہے کوئی یہ نہ کہے کہ یہ قیام
تو بدعت ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ
ہر بدعت بُری نہیں ہوتی جیسا کہ یہی جواب
دیا امام محقق ولی ابو ذرعہ عراقی نے جب
ان سے مجلس میلاد کو پوچھا گیا تھا کہ مستحب
ہے یا مکروہ اور اس میں کچھ وارد ہوا
ہے یا کسی پیشوا نے کی ہے تو جواب میں
فرمایا ولیمہ کھانا اور کھلانا ہر وقت
مستحب ہے پھر اس صورت کا کیا پوچھنا
جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارک میں
ظہور نور نبوت کی خوشی مل جائے اور
ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں نہ بدعت
ہونے سے کراہت لازم کہ بہتری بدعتیں
مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب انکے
ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو اور اللہ تعالے
توفیق دینے والا ہے۔
پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

قد اجتمعت الامة المحمدیة
من اهل السُنة والجماعة علی
استحسان القیام المذکور وقد
قال صلے الله تعالی علیه وسلم لا
تجتمع امتی علی الضلالة۔

بے شک امت مصطفےٰ صلی اللہ تعالے
علیہ وسلم سے اہلسنت وجماعت کا اجماع
و اتفاق ہے کہ یہ قیام مستحسن ہے اور بے
شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں
میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔
امام علامہ مدائنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جرت عادة القوم بقیام الناس انا

انتہی المداح الی ذکر مولدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار السرور والتعظیم الخ نقلہ المولیٰ الدمیاطی۔

یعنی عادت قوم کی جاری ہے کہ جب مدح خواں ذکر میلاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بدعت مستحبہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش پر خوشی اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہے۔

علامہ ابو زید اپنے رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں استحسن القیام عند ذکر الولادۃ۔ ترجمہ۔ ذکر ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے) خاتمۃ المحدثین زین الحرمین الکرم مولانا سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی اپنی کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں۔

من تعظیمہ صلے اللہ علیہ وسلم الفرح بلیلۃ ولادتہ وقراءۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم واطعام الطعام وغیر ذلک مما لیتاد الناس فعلہ من انواع البرنان ذلک کل من تعظیمہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وقد افردت مسئلۃ المولد وما یتعلق بہا بالتالیف واعتنی بذلک کثیر من العلماء فالفوا فی ذلک مصنفات مشحونۃ بالادلۃ والبراھین فلا حاجۃ لنا الی الاطالۃ بذلک۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے ہے حضور کی شب ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت اقدس کے وقت کھڑا ہوا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اور ان کے سوا اور نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں کہ یہ سب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم سے ہیں اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اور اس کے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علمائے دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل و براہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

ذکرِ ولادت پر قیام کو سلف صالحین نے مستحسن کہا ہے

شیخ مشائخنا خاتمۃ المحققین امام العلماء سید المدرسین مفتی الحنفیہ بمکۃ المحمیہ سیدنا و برکتنا علامہ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاوے میں ارشاد فرماتے ہیں القیام عند ذکر مولدہ الاعطر صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم استحسنہ جمع من السلف فہو بدعۃ حسنۃ۔ ترجمہ:۔ ذکر مولد اعطر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا تو وہ بدعت حسنہ ہے) پھر علامہ انباری کی مورد الظمآن سے نقل فرماتے ہیں قام الامام السبکی وجمیع من بالمجلس ویکفے بمثل ذلک فی الاقتداء اھ ملخصًا ترجمہ:۔ امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس نے قیام کیا اور اس قدر اقتدا کے لئے بس ہے) الفتاوے۔ مولانا جمال عمر

قدس سرہٗ کے اس فتوے پر موافقت فرمائی. مولانا صدیق بن عبدالرحمٰن کمال مدرس مسجد حرام اور حضرت علامۃ الوریٰ علم الہدیٰ مولانا وشیخنا وبرکتنا سید سند احمد زین دحلان شافعی اور مولانا محمد بن محمد کتبی مکی اور مولانا حسین بن ابراہیم مکی مالکی مفتی مالکیہ وغیرہم اکابر علمائے نفعنا الی اللہ تعالیٰ بعلومہم آمین یہی مولانا حسین دوسری جگہ فرماتے ہیں. استحسنہ کثیر من العلماء وھو حسن لما یجب علینا تعظیمہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. ترجمہ اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا اور وہ حسن ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم واجب)

ذکر ولادت کی محفل میں رُوحِ محمدی موجود ہوتی ہے

مولانا محمد بن یحیٰ حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ یحضر روحانیۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعند ذلک یجب التعظیم والقیام۔ ترجمہ ہاں ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام ضرور ہے کہ روح اقدس حضور اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس وقت تعظیم و قیام لازم ہوا۔ **قولہ** رحمہ اللہ تعالیٰ یجب القیام الخ **اقول** اراد التاکد فی محل الادب کقول القائل لحبیبہ حقک واجب علیّ وھو من المحاورات الشائعۃ بینھم کما لا یخفی علی من تتبع کلماتھم واما حضور روحانیتہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلی ما فصل وفقہ ابی ومولائی مقدام العلماء الکرام فی کتابہ اذاقۃ الاثام واللہ تعالیٰ اعلم مولٰنا عبداللہ بن محمد مفتی حنفیہ فرماتے ہیں استحسنہ کثیرون

ترجمہ، اسے بہت سے علماء نے مستحسن رکھا ہے. شیخ مشائخنا مولانا الامام الاجل الفقیہ المحدث سراج العلماء عبداللہ سراج مکی مفتی حنفیہ فرماتے تو ارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ والحکام من غیر نکیر منکر ورد راد ولھذا کان حسنا ومن یستحق التعظیم غیرہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویکفی اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن ترجمہ۔ یہ قیام مشہور اماموں میں برابر متوارث چلا آتا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برقرار رکھا اور کسی نے رد و انکار نہ کیا لہٰذا مستحب ٹھہرا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جس چیز کو اہلِ اسلام نیک سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی نیک ہے اسی طرح مفتی عمر بن ابی بکر شافعی نے اس کے استحباب واستحسان پر تصریح فرمائی. فتوائے علمائے حرمین محترمین جس پر مفتی مکہ معظمہ مولانا محمد بن حسین کتبی حنفی اور رئیس العلماء شیخ المدرسین مولٰنا جمال حنفی اور مفتی مالکیہ مولانا حسین ابراہیم مکی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مولانا محمد بن محمد غرب شافعی اور مولانا عبدالکریم بن عبدالحکیم حنفی مدنی اور فقیہ جلیل مولانا عبدالجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ منورہ اور مولانا ابراہیم بن محمد خیار حسینی شافعی مدنی کی مہریں ہیں اور اصل فتوی مزین بخطوط ومواہیر علمائے محرمین فقیر نے بچشم خود دیکھا اور مدتوں فقیر کے پاس رہا جس میں اکثر مسائل متنازع فیہا پر بحث فرمائی ہے اور بدلائل باہرہ مذہب وہابیت کو سراسر مردود و باطل ٹھہرایا ہے.

قیام کو حرام و ممنوع کہنا محققین کے نزدیک فاسد ہے

اس میں دربارۂ قیام مذکورہ اما قیام اہل الاسلام عند ذکر ولادتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی ذلک المحفل اشاعۃ للتعظیم واظہار الاحترام فقد صرح فی انسان العیون المشہور بالسیرۃ الحلبیۃ باستحسانہ کذلک وقال العلامۃ البرزنجی فی رسالۃ المولد قد استحسن القیام عند ذکر المولد الشریف ائمۃ ذو روایۃ و رویۃ فطوبی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ انتہا بلفظہ اما الحکم بحرمۃ ذلک التعظیم ومنعہ بدلیل عدم ذکرہ بالخصوص فی السنۃ فہو فاسد عند جمہور المحققین قال فی عین العلم والاسرار بالمساعد فیما لم ینہ عنہ وصار معتادا بعد عصرہم حسن وان کان بدعۃ الخ اقول والدلیل علی ہذا ماروی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا وموقوفا ماراہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خالقوا الناس باخلاقہم رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین وقال الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء الادب الخامس موافقۃ القوم فی القیام اذا قام واحد منہم فی وجد صادق من غیر ریاء اوتکلف اوقام باختیار من غیر وجد فلابد من الموافقۃ وذلک من ادب الصحبۃ ولکل قوم رسم ولابد من مخالقۃ الناس باخلاقہم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقا فیہا حسن العشرۃ وطیب القلب وقول القائل ان ذلک بدعۃ لم یکن فی الصحابۃ فلیس کلما یحکم باباحۃ منقولا من الصحابۃ وانما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ مامورا بہا ولم ینقل النہی عن شئی من ہذا وکذلک سائر انواع المساعدات اذا قصد بہا تطییب القلب واصطلح علیہا جماعۃ فالاحسن المساعدۃ علیہا الا فیما ورد نہی لایقبل التاویل انتہی کلام الامام حجۃ الاسلام باختصار المرام۔

یعنی ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت اس محفل میں اہل اسلام کا اشاعت تعظیم و اظہار احترام کے لئے قیام کرنا بتصریح انسان العیون مشہور بہ سیرت حلبیہ مستحسن ہے اور علامہ برزنجی رسالہ مولد میں فرماتے ہیں قیام وقت ذکر مولد شریف ائمۂ ذو روایت و درایت کے نزدیک مستحب ہے تو خوشی ہو اسے جس کی غایت مراد و مرام تعظیم حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے انتہی۔ اور اس تعظیم کو بدیں وجہ کہ اس خصوصیت کے ساتھ حدیث

میں مذکور نہیں حرام وممنوع کہنا جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے عین العلم میں فرماتے ہیں جس چیز سے شرعاً میں نہی نہ آئی اور بعد زمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی اس میں موافقت کرکے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ چیز بدعت ہو الخ میں کہتا ہوں اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور خود ان کے قول سے مروی ہوئی کہ اہلِ اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام حجۃ الاسلام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے قیام میں جب کوئی ان میں سے سچے وجد میں بے نمائش وتکلف یا بلا وجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین ان کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں کہ یہ آداب صحبت سے ہے اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا خصوصاً جب ان عادتوں میں اچھا برتاؤ اور دلوں کی خوشنودی ہو اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ بدعت ہے صحابہ سے ثابت نہیں تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا حکم دیا جائے وہ صحابہ سے منقول ہو بُری وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کا کاٹ کرے اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی اور ایسے ہی سب مساعدین جب ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت نے اس پر اتفاق کر لیا ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے مگر ان باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد کہ باختصار منقول ہوا انتہیٰ۔

علمائے مدینہ کے نزدیک بھی قیام وذکر ولادت مستحب ہے

آخر روضۃ النعیم میں جو فتاویٰ علمائے کرام مطبوع ہوئے ان میں فتوائے حضرات علمائے مدینہ منورہ میں بعد اثبات حسن وخوبی محفل میلاد شریف مذکور۔

والحاصل ان ما یصنع من الدلائم فی المولد الشریف وقراءۃ بحضرۃ المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادۃ الرسول الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورش ماء الورد والعاء البخور وتزیین المکان وقراءۃ شیئ من القراٰن والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واظہار الفرح والسرور فلا شبہۃ فی انہ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ شریفۃ مستحسنۃ اذ لیس کل بدعۃ حراما بل قد تکون واجبۃ

كنصب الادلة للرد على الفرق
الضالة وتعلم النحو وسائر العلوم
المعينة على فهم الكتاب والسنة
كما ينبغي ومندوبة كبناء الربط
والمدارس ومباحة كالتوسع في
المآكل والمشارب اللذيذة والثياب
كما في شرح المناوي على جامع الصغير
عن تهذيب النووي فلا ينكرها الا
مبتدع لا استماع لقوله بل على
حاكم الاسلام ان يعزره والله
تعالى اعلم۔

یعنی علامہ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں وہیے کرنا اور حال ولادت اقدس رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور گلاب چھڑکنا اور خوشبو سلگانا اور مکان آراستہ کرنا اور کچھ قرآن اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور فرحت و سرور کا ظاہر کرنا بے شک بدعت حسنہ ہے مستحب اور فضیلت شریف مستحسنہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رد کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن و حدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے قائم کرنا اور کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیسے کہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیا تو ان امور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا اسکی بات سننا نہ چاہیئے بلکہ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزا دے واللہ تعالیٰ اعلم انتہی۔

علماء مکہ کے نزدیک میلاد و قیام مستحب ہے

اس فتوے پر مولانا عبد الجبار وابراہیم بن خیار وغیرہا تیئس علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علمائے مکہ معظمہ میں میلاد و قیام کا استحباب علمائے سلف سے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

فالمنكر لهذا مبتدع بدعة سيئة
مذمومة لانكاره على شيئ حسن
عند الله والمسلمين كما جاء في
حديث ابن مسعود رضي الله
تعالى عنه قال ما رآه المسلمون
حسنا فهو عند الله حسن المراد
من المسلمين ههنا الذين كملوا
الاسلام كالعلماء العاملين وعلماء
العرب والمصر والشام والروم
والاندلس كلهم رآه حسنا من
زمان السلف الى الآن فصار
الاجماع والامر الذي ثبت باجماع
الامة فهو حق ليس بضلال قال
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم لا تجتمع امتي على الضلالة
فعلى حاكم الشريعة تعزير المنكر
والله تعالى اعلم۔

پس مجلس و قیام کا منکر بدعتی ہے اور اس منکر کی بدعت سیئہ مذمومہ کہ اس نے ایسی چیز پر انکار کیا جو خدا و

اہل اسلام کے نزدیک نیک تھی جیسا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے اور یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں جیسے علمائے باعمل اور مجلس و قیام کو علمائے عرب و مصر و شام و روم و اندلس نے سلف سے آج تک مستحسن جانا تو اجماع ہوگیا اور جو امر اجماع امت سے ثابت ہو وہ حق ہے گمراہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرتی پس حاکم شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزا دے واللہ تعالیٰ اعلم انتہی۔

اس فتوے پر حضرت سید العلماء احمد دحلان مفتی شافعیہ و جناب مستطاب شیخنا و برکتنا سراج الفضلاء مولانا عبدالرحمن سراج مفتی حنفیہ و مولانا حسن مفتی حنبلیہ و مولانا محمد شرقی مفتی مالکیہ وغیرہم بیتالیس علما کی مہریں ہیں۔

ذکر میلاد و قیام علماء جدہ کے نزدیک بھی مستحب ہے

فتوائے علمائے جدہ میں مجیب اول مولانا ناصر بن علی بن احمد مجلس میلاد اور اس میں قیام و تعیین یوم و زمین مکان و استعمال خوشبو و قرأت قرآن و اظہار سرور و اطعام طعام کی نسبت فرماتے ہیں۔

بهذه الصورة المجموعة من الاشياء المذكورة بدعة حسنة مستحبة شرعا لا ينكرها الا من في قلبه شعبة من شعب النفاق والبغض له صلى الله تعالى عليه وسلم وكيف يسوغ له ذلك مع قوله تعالى ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب.

جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعاً بدعت حسنہ مستحب ہے جس کا انکار کرے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت ہے اور انکار اسے کیونکر روا ہوگا۔ حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری ہے۔

مولانا عباس بن جعفر بن صادق فرماتے ہیں۔

ما اجاب به الشيخ العلامة فهو الصواب لا يخالفه الا اهل النفاق وما في السؤال كله حسن كيف لا وقد قصد بذلك تعظيم المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم لا حرمنا الله تعالى من زيارته في الدنيا ولا من شفاعته في الاخرى ومن انكر من ذلك فهو محروم منهما.

شیخ علامہ ناصر بن احمد بن علی نے جو جواب دیا وہی حق ہے اس کا خلاف ذکریں گے مگر منافقین اور جو کچھ سوال میں مذکور ہے سب حسن ہے اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیا میں اور نہ ان کی شفاعت سے آخرت میں اور جو اس سے انکار کرے گا دونوں

دونوں سے محروم ہے۔

ولادت و معجزات کا ذکر کرنا اور سننا سنّت ہے

مولانا احمد نفت صاحب لکھتے ہیں:

اعلم ان ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وما وقع من معجزاتہ والحضور لسماعہ سنۃ بلاشک وریب لکن معھذہ الصورۃ المجموعۃ من الاشیاء المذکورۃ کما ھو المعمول فی الحرمین الشریفین وجمیع دیار العرب بدعۃ حسنۃ مستحبۃ ثیاب فاعلھا ویعاقب منکرھا ومانعھا۔

شیخ علامہ ناصر بن احمد بن علی نے جو جواب دیا وہی حق ہے اس کا خلاف نہ کریں گے مگر منافقین اور جو کچھ سوال میں مذکور ہے سب حسن ہے اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اللہ تعالٰی ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیا میں اور نہ ان کی شفاعت سے آخرت میں اور جو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے۔

ولادت و معجزات کا ذکر کرنا اور سننا سنّت ہے

مولانا احمد نفت صاحب لکھتے ہیں۔

اعلم ان ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وما وقع من معجزاتہ والحضور لسماعہ سنۃ بلاشک وریب لکن معھذہ الصورۃ المجموعۃ من الاشیاء المذکورۃ کما ھو المعمول فی الحرمین الشریفین وجمیع دیار العرب بدعۃ حسنۃ مستحبۃ ثیاب فاعلھا ویعاقب منکرھا ومانعھا۔

جان تو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت و معجزات کا ذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بے شک سنت ہے مگر بہ ہیئت مجموعی جس میں قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیسا کہ حرمین شریفین اور تمام دیار عرب کا معمول ہے یہ بدعت حسنہ مستحبہ ہے جس کے کرنے والے کو ثواب اور منکر و مانع پر عذاب۔

مولانا محمد بن سلیمن لکھتے ہیں۔

نعم اصل ذکر المولد الشریف وسماعہ سنۃ وبھذہ الکیفیۃ المجموعۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ عظیمۃ مقبولۃ عند اللہ تعالٰی کما جاء فی اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن والمسلمون من زمان السلف الی الان من اھل العلم والعرفان کلھم رأوہ حسنا بلا نقصان فلا ینکرہ ولا یمنعہ من ذلک الامانع الخیر والاحسان وذالک عمل الشیطان۔

ہاں اصل ذکر مولد شریف اور اس کا سننا سنت ہے اور اس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے بدعت حسنہ مستحبہ اور بڑی فضیلت پسندیدہ

ہے کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے۔ اور مسلمان سلف سے آج تک علماء اولیاء سب سے مستحسن بلا نقصان سمجھتے آئے تو اس سے منع و انکار نہ کرے گا مگر وہ کہ خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہوگا اور یہ کام شیطان کا ہے

مولانا احمد حبلس لکھتے ہیں۔

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ علی المصطفیٰ نعم ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومعجزاتہ وحلیۃ والحضور لسماعہ وتزیین المکان ورش ماء الورد والبخور بالعود وتعیین الیوم والقیام عند ذکر ولادتہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واطعام الطعام وتقسیم التمر وقراءۃ شیٔ من القرآن کلہا مستحبۃ بلا شک وریب واللہ تعالیٰ اعلم بالغیب۔

خدا کو حمد ہے اور وہ کافی ہے اور مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود۔ ہاں ولادت ومعجزات وحلیہ شریفہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکانا اور اگربتی سلگانا اور دن مقرر کرنا اور ذکر ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھنا سب بلا شک وشبہ مستحب ہے۔

ذکر میلاد وقیام کے استحباب پر علماء عرب مصر شام و روم اور اندلس متفق ہیں

مولانا محمد صالح لکھتے ہیں۔

امۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من العرب والمصر والشام والروم والاندلس وجمیع بلاد الاسلام مجتمع ومتفق علی استحبابہ واستحسانہ.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت عرب و مصر و شام و روم و اندلس و تمام بلاد اسلام سے اس کے استحباب استحسان پر اجماع و اتفاق کئے ہوئے ہے اور اسی طرح احمد بن عثمان واحمد بن عجلان ومحمد صدقہ وعبد الرحیم بن محمود زبیدی نے لکھا اور تصدیق کیا۔

فتوائے علمائے جدیدہ میں مولانا یحییٰ بن مکرم فرماتے ہیں۔ الفت فی ذالک العلماء وحثوا علی فعلہ فقالوا لاینکرھا الامبتدع فعلی حاکم الشریعۃ ان یعزرہ۔ ترجمہ: علماء نے اس بارے میں کتاب تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دی اور فرمایا اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی تو حاکم شرع پر اس کی تعزیر لازم مولانا علی شامی فرماتے ہیں۔ لا ینکر ھذا الا من طبع اللہ علی قلبہ وقد نص علماء السنۃ علی ان ھذا من المستحسن المثاب علیہ وردوا الرد الحسن علی منکرہ الخ۔ ترجمہ: اس کا انکار نہ کرے گا۔ مگر وہ جس کے دل پر خدا نے مہر کردی اور بے شک علمائے اہل سنت نے تصریح فرمائی کہ یہ مستحسن وکار ثواب ہے اور منکر کا خوب رد فرمایا ہے. مولانا علی بن عبد اللہ لکھتے ہیں۔

لایشک فیہ الا مبتدع یلیق بہ التعزیر۔ ترجمہ: اس میں شک نہیں کرے گا سوائے بدعتی کے جو قابل سزا ہوگا۔ مولانا علی طحان لکھتے ہیں۔ قراءۃ المولد الشریف والقیام فیہ مستحب ومن انکر ذلک فہو جحود لا یعرف مراتب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ترجمہ: مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں) مولانا محمد بن داؤد عبدالرحمن لکھتے ہیں۔ مستحب یثاب فاعلہ ولا ینکرہ الا مبتدع ترجمہ: مستحب ہے کرنے والا ثواب پائے گا اور منکر بدعتی) مولانا محمد بن عبداللہ لکھتے ہیں۔ قراءۃ المولد الشریف والقیام عند ذکر ولادتہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وکل شئی فی السوال حسن بتعظیم المصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن یستحق التعظیم غیرہ۔ ترجمہ: مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب بسبب تعظیم مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حسن ہیں اور حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے مولانا احمد بن محمد بن عمیل لکھتے ہیں ھو الثواب اللائق بتعظیم المصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فعلی حاکم الشریعۃ المطہرۃ زجر من انکر وتعزیر۔ ترجمہ۔ یہی حق ہے اور تعظیم مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناسب پس حاکم شریعت مطہرہ پر لازم کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے مولانا عبدالرحمن بن حضرمی لکھتے ہیں۔ استحسنوا القیام تعظیما لہ اذا جاء ذکر مولدہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وما صار تعظیما لہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فوجب علینا اداؤہ والقیام بہ ولا ینکر ما ذکرنا الا مبتدع مخالف عن طریق اھل السنۃ والجماعۃ لا استماع ولا اصغاء لکلامہ وعلے حاکم الاسلام تعزیرہ۔ ترجمہ: علماء نے وقت ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ٹھہری تو اس کا ادا کرنا اور بجا لانا ہم پر واجب ہو گیا اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی مخالف طریقۂ اہل سنت وجماعت جس کی بات نہ سننے کے قابل نہ توجہ کے لائق اور حاکم اسلام پر اس کی تعزیر واجب ہے۔

ذکر میلاد و قیام کے استحباب پر سو سے زائد علماء کی تصریح

بالجملہ سردست اس قدر کتب و فتاوے و افعال و اقوال علماء ائمہ سے اس قیام مبارک کا استحسان و استحباب کی سند صریح حاضر ہے جس میں سو سے زائد علماء ائمہ کی تحقیق و تصدیق روشن و ظاہر اور رسالہ غایۃ المرام میں علمائے ہند کے بھی فتوے چھپے ہیں جن پر پچاس سے زائد مہر و دستخط ہیں اب منصف بالضاف کرے آیا اس قدر علمائے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ و حدیدہ و روم و شام و مصر و دمیاط و یمن و زبید و بصرہ و غرموط و حلب و حبش و برزنج و برسا و کرد و داغستان و اندلس و ہند کا اتفاق قابل قبول ارباب عقول نہ ہو گا یا معاذ اللہ یہ عمائد شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب مبتدع و بدمذہب اور ایک بدعت ضلالت کے مستحب و مستحسن ماننے والے ٹھہر گئے تعصب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات این و آں سے رہائی دیجئے اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے کہ گویا یہ سینکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے اور

کے حضور مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب نے یک زبان ہو کر بلند آواز فرمایا ہے بیشک مستحب ہے وہ کون ہے جو اسے منع کرتا ہے ذرا ہمارے سامنے آئے اس وقت ان کی شوکت و جبروت کو خیال کیجئے اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھیئے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ اور یوں تو ؎

چو شیراں برفتند از مرغزار
زند روبہ لنگ لاف شکار

سواد اعظم کی اتباع لازمی ہے

جسے چاہئے کہد یجئے کہ وہ کیا تھے ہم ان کی کب مانتے ہیں ان کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے یہ بھی نہ سہی بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیان مسئلہ میں غلط وخطا ہو جائے تو نقل و روایت میں تو معاذ اللہ کذب و افترا نہ کریں گے اب اوپر کی عبارتیں دیکھئے کہ کتنے علمائے اہل سنت و جماعت و علمائے بلاد دار الاسلام کا اس فعل کے استحباب و استحسان پر اجماع نقل کیا ہے کیا اجماع اہلسنت بھی پایۂ قبول سے ساقط اور ہنوز دلیل و سند کی حاجت باقی ہے اچھا یہ بھی جانے دو اور ان چند ہندیوں کا خلاف کہ وہ بھی جب یہاں کسی طرح کا دینی بندوبست و انتظام نہ رہا اور ہر ایک کو جو منہ میں آئے بک دینے کا اختیار ملا وقت و موقع پا کر بہک اٹھے ہیں فارق اجماع جانو تاہم ہماری طرف سواد اعظم میں تو شک نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار۔ ترجمہ: بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا اور فرماتے ہیں انما یا کل الذئب القیامیۃ ترجمہ: بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے دور ہوتی ہے)

انصاف کیجئے تو حضرت امام اجل محقق اعظم سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علماء و اعیان قضاۃ و مشائخ و اسلام کا قیام ہی مسلمانوں کے لئے حجت کافیہ تھا جس کے بعد اور سند کی احتیاج نہ تھی جیسا کہ علامہ جلیل علی بن برہان حلبی و علامہ انباری وغیرہما علما نے تصریح فرمائی نہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ قیام تمام بلاد دار الاسلام کے خواص و عوام میں صدہا سال سے شائع و ذائع رہے اور ہزار ہا علما و اولیا اس پر اتفاق و اجماع فرمائیں جب بھی آپ صاحبوں کے نزدیک لائق تسلیم نہ ہو صد حیف ہزار افسوس کہ قرنہا قرن سے علمائے امت محمدیہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم سب معاذ اللہ بدعتی و غلط گو و غلط کار ٹھہریں اور کچے پکے شتی بنیں تو یہ چند ہی ہندی جنہیں اس ملک میں احکام اسلام جاری نہ ہونے نے ڈھیلی باگ کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے مجمل تحقیق استحباب قیام پر صرف ایک دلیل کی اس کے سوا دلائل متکاثرہ و حجج باہرہ و براہین قاہرہ قرآن و حدیث و اصول و قواعد شرع سے اس پر قائم ہیں جن کی تفصیل و توضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل و تفضیح بطرز بدیع و نہج بہیج حضرت حجۃ الخلف بقیۃ السلف تاج العلماء راس الکملا سیدی و مولائے خدمت والد ماجد حضرت مولانا مولوی محمد نقی علیخاں صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی نے رسالہ مستطابہ اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام میں بما لا مزید علیہ بیان فرمائی جسے تحقیق بے عدیل و تدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو اسے مژدہ دیجئے کہ اس پاک مبارک رسالہ کے مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو رہا ہے کہ یہ

قیام ذکر ولادت شریفہ کے وقت کیوں ہے اس کی وجہ نہایت روشن اولاً صدہا سال سے علمائے کرام وبلاد دارالسلام میں یونہی معمول تھا ثانیاً ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مثل ذات اقدس کے ہے اور صور تعظیم سے ایک صورت قیام بھی ہے اور یہ صورت قدوم معظم بجا لائی جاتی ہے اور ذکر ولادت حضور سید المعظمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم۔

میاں نذیر حسین دہلوی اور ملا مجتہد دہلوی کا تعاقب

ہمارے فرقہ اہل سنت وجماعت پر رحمت الٰہیہ کی تمامی ہے کہ اس مسئلے میں بہت منکرین کو اپنے گھر بھی جائے دست وپا زدن باقی نہیں وہ بزور زبان قیام کو بدعت وناجائز کہتے جاتے ہیں مگر ان کے امام ومولا ومرشد وآقا مجتہد الطائفہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کہ آج وہابیہ ہندوستان کے سردسردار اور ان کے یہاں لقب شیخ الکل فی الکل کے سزاوار ہیں جن کی نسبت وہابیت ہند کی ناک طائفہ بھر کے بڑے متکلم بے باک کشور توہب کے افسر فوجی میاں بشیر الدین صاحب قنوجی نے اپنے رسالہ مخالفت مجلس وقیام مسمّٰے بہ غایۃ الکلام میں لکھا زبدۃ المحققین وعمدۃ المحدثین مولانا سید نذیر حسین شاہجہان آبادی از اولیائے عصر واکابر علمائے این زمان است الی آخر الہذیان۔ یہ حضرت من حیث لاشعر جواز واستحباب قیام تسلیم فرما چکے امام اجل عالم الامہ کاشف الغمہ سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور ان کے حضار مجلس کا نعت وذکر حضور اصطفٰا علیہ افضل التحیۃ والثنا سنکر قیام فرمانا تو ہم اوپر ثابت کر آتے اور اس سے ملا مجتہد دہلوی بھی انکار نہیں کر سکتے کہ خود اسی مسئلہ میں ان کے امام مستند علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سبل الہدیٰ والرشاد میں یہ حکایت نقل فرمائی اب سنئے کہ مجتہد بہادر اپنے ایک دستخطی مہری مصدقہ فتوے میں کہ فقیر کے پاس اصلی موجود ہے کیا کچھ تسلیم فرماتے ہیں ان امام ہمام کی نسبت لکھا ہے "تقی الدین سبکی کے اجتہاد پر علماء کا اجماع ہے امام علامہ مجتہد ابن حجر مکی ان کی تعریف میں فرماتے ہیں الامام المجمع علے جلالۃ واجتہادہ یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ امام تقی الدین کا مجتہد ہونا ان تیرہ صدی کے مجتہد کو مقبول ہے اور اسی فتوے میں ہے" جب ایک امام صحیح الاجتہاد نے ایک کام کیا تو ضرور ہے کہ اس کا اجتہاد اس کی طرف مؤدی ہوا اور اجتہاد مجتہد بے شک حجت شرعیہ ہے۔

اب کیا کلام رہا کہ اس قیام کے جواز پر حجت شرعیہ قائم اور سنئے اسی فتوے میں ہے" جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہو سکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا جو کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے کہ مجتہد چاہے اگلا ہو یا پچھلا وہ تو مظہر حکم خدا ہے نہ مثبت" اب تو ماننا پڑے گا کہ جو شخص قیام کو بدعت ضلالت کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے اور سنئے تمام طائفہ جو ایسی جگہ اس خبط پر ناز کرتا تھا کہ یہ قیام حادث ہے اور حدیث میں محدثات کی مذمت وارد مجتہد صاحب نے یہ دروازہ بھی بند کر دیا کہ اسی فتوے میں ہے خدا نے مجتہدوں کو اس لئے بنایا ہے کہ جو واقعہ تازہ پیدا ہو اس کا ان اماموں پر طعن بعینہ قرآن وحدیث پر طعن ہے اور ایسی جگہ حدیث من احدث الخ پڑھنا اول تو جھوٹ

دوسرے کتاب بے محل لہٰذا اس مقام کا زیادہ احقاق و اکمال اور دلائل مانعین کا ازہاق و ابطال فقیر غفراللہ تعالیٰ کے رسالہ الصارم الالٰہی علی عمائد المشرب الواہی کی پر محمول کہ رد فتوائے مولوی نذیر حسین دہلوی میں زیر قصد تالیف ہے وہاں انشاء اللہ العزیز فیض الٰہی کے طور سے بندہ اذل ارذل کے لئے کار فرمائے عنایت و اعانت ہو گا کہ جو کچھ لکھا جائے گا محض اقرار و اعتراف عمائد فرقہ سے مثبت ہو گا۔ واللہ الموفق والمعین ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس مقام کی شرح و تفصیل

مقام دوم

مقتضی نہایت اطناب و تطویل کہ اگر اس کا ایک حصہ بیان میں آئے تو کتاب مستقل ہو جائے معہذا ہمارے علمائے عرب و عجم مجدہ اللہ تعالیٰ اس سے فارغ ہو چکے کوئی دقیقہ احقاق حق و ابطال کا اٹھا نہ رکھا علی الخصوص حضرت حامی السنن ماحی الفتن حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سیدی و مولائی خدمت والدم قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں وہ تحقیقات بدیعہ و تدقیقات منیعہ ارشاد فرمائیں جن کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حق کے لئے نہیں مگر غایت انجلا و بیان اور باطل کو نصیب نہیں مگر موت بے امان والحمد للہ رب العٰلمین لہٰذا فقیر یہاں چند اجمالی نکتوں پر بر سبیل اشارہ و ایجاز اکتفا کرتا ہے اگر اسی قدر چشم انصاف میں پسند آیا فبہا ورنہ انشاء اللہ تعالیٰ فقیر تفصیل و تکمیل کے لئے حاضر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نہی کی دلیل شرعی نہ ہو تو وہ مباح ہے

نکتہ ا۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق وہی تو ممنوع و مذموم ہے باقی سب چیزیں جائز و مباح رہیں گی خاص ان کا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص جس فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و مستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فہو مما عفا عنہ۔ ترجمہ: حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرما دیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں مرقاۃ میں فرماتے ہیں فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔ شیخ محقق شرح میں فرماتے ہیں "وایں دلیل ست بر آنکہ اصل در اشیاء اباحت ست"۔

نصر کتاب الحجۃ میں فرماتے ہیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال ان اللہ عز وجل خلقکم
وھو اعلم بضعفکم نبعث الیکم
رسولا من انفسکم وانزل علیکم
کتابا وحد لکم فیہ حدود ا امرکم
ان لا تعتدوھا وفرض فرائض

امركم ان تتبعوها وحرم حرمات
نهاكم ان تنتهكوها وترك اشياء
لم يدعها نسيانا فلا تتكلفوها
وانما تركها رحمة لكم
بے شک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیا
اور وہ تمہاری ناتوانی جانتا ہے تو تم میں
تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا اور تم پر
ایک کتاب اتاری اور اس میں تمہارے
لئے کچھ حدیں باندھیں اور تمہیں حکم دیا کہ
ان سے نہ بڑھو اور کچھ فرض کئے اور تمہیں
حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں
حرام فرمائیں اور تمہیں ان کی بے حرمتی سے
منع فرمایا اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑ دیں
کہ بھول کر نہ چھوڑیں ان میں تکلف نہ کرو
اور اس نے تو تم پر رحمت ہی کے لئے
انہیں چھوڑا ہے۔

از خود کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہنا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی فرماتے
ہیں ليس الاحتياط فى الافتراء على الله تعالىٰ باثبات الحرمة او الكراهة الذين لابد لهما من دليل بل فى الاباحة التى هى الاصل۔ ترجمہ۔
یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر
خدا پر افترا کر دو کہ حرمت و کراہت کے لئے تو دلیل
درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے
کہ اصل وہی ہے۔ مولانا علی قاری رسالہ اقتدا بالمخالف
میں فرماتے ہیں من المعلوم ان الاصل فى كل مسئلة هو الصحة واما القول بالفساد او الكراهة
فيحتاج الى حجة من الكتاب او السنة او اجماع الامة۔ ترجمہ۔ یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں
صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا
ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل
قائم کی جائے اور اس کے سوا بہت آیات واحادیث
سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف وخلف کے
کلام میں اس کی تصریح موجود یہاں تک کہ میاں نذیر
حسین صاحب دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری و دستخطی
میں ہے "اور مدہوش بے عقل خدا و رسول نے ناجائز
کہاں کہا ہے الخ" اھ ملخصا۔

پس مجلس میلاد و قیام وغیرہما بہت امور متنازع
فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت
نہیں شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے
دلیل ہے تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم
مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے ہاں تم جو ناجائز
وممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا اور رسول نے ان چیزوں
کو کہاں ناجائز فرمایا اگر ثبوت نہ دو اور ان شاء اللہ
تعالیٰ ہرگز نہ دے سکوگے تو اقرار کرو کہ تم نے شرع
مطہر پر افتراء کیا۔ ان الذين يفترون على الله
الكذب لا يفلحون سبحٰن الله الٹا سند کا
مطالبہ ہم سے۔

ہر خصوصیت کا ثبوت شرعی ضروری نہیں

نکتہ۔ عموم و اطلاق سے استدلال زمانۂ صحابۂ
کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں
شائع وضائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود
فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات
واقع ہوگی ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت
خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے مثلاً مطلق

ذکر الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرعاً سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا محتاج دلیل ہے مسلم الثبوت میں ہے شاع و ذاع احتجاجہم سلفا وخلفا بالعمومات من غیر نکیر اسی میں ہے العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے یعمل بہ ان یجری فی کل ماصدق علیہ المطلق۔ یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے "جب عام و مطلق چھوڑا تو یقیناً اپنے عموم و اطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابہ کرام سے آج تک بلا نکیر رائج ہے۔

ذکرِ رسول عین ذکرِ الٰہی ہے

اب سنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرعاً مطلقاً ثابت قال اللہ تعالیٰ اُذکروا اللہ ذکراً کثیراً (خدا کو یاد کرو بہت یاد کرو) اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء اللہ و اولیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یاد عین خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ اللہ کے ولی ہیں معہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد مجالس و محافل میں یوں ہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک و تعالیٰ نے انہیں یہ مراتب بخشے یہ کمال عطا فرمائے اب چاہے اسے نعت سمجھ لو یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ہیں جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے ایسے درجے دیئے اس وقت یہ کلام کریمہ ورفع بعضہم درجٰت کی قبیل سے ہوگا چاہے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے اس وقت یہ کلام کریمہ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ و کریمہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ کے طور پر ہو جائے گا حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ (اور بلند کیا ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر) امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں اس آیۃ کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی یعنی حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کر سکتا کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے پس بحکم اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن و محمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد و صلاۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقہ کے لئے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی ہاں جو کوئی ان طرق کو ممنوع کہے وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے اسی طرح نعمت الٰہیہ کے بیان و اظہار کا ہمیں مطلق حکم دیا گیا قال تعالیٰ واما بنعمۃ ربک فحدث (اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو) اور ولادت اقدس حضور صاحب لولاک صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اس کے خوب بیان و اظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا اور بیان و اظہار مجمع میں بخوبی ہوگا تو ضرور چاہیئے کہ جس قدر ہو سکے لوگ جمع کئے جائیں

اور انہیں ذکر ولادت باسعادت سنایا جائے اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔

نبی کی تعظیم بہر طریق محمود ہے

علی ہذا القیاس نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم مطلقًا ثابت قال تعالیٰ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ ترجمہ۔ اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو) وقال تعالےٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ ترجمہ۔ جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بے شک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے وقال تعالیٰ ومن یعظم حرمٰت اللہ فذلک خیرلہ عند ربہ۔ ترجمہ۔ جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کیلئے اس کے رب کے یہاں) پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقہ سے کی جائے گی حسن ومحمود ہی رہے گی اور خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی بُرائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا۔ جیسے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا اسی لئے امام علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں تعظیم النبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالےٰ فی الالوہیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارہم۔ یعنی نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالےٰ نے نور بخشا ہے) پس یہ قیام کہ وقت ذکر ولادت شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم و اکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجا لاتے ہیں بے شک حسن ومحمود ٹھہرے گا تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی بُرائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں وانی لہم ذلک۔ تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین و تبع تابعین تو درکنار خود قرآن عظیم سے مجلس و قیام کی خوبی ثابت ہے والحمد للہ رب العٰلمین۔

نکتہ ۳۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک کسی فعل کے لئے رخصت یا ممانعت ماننا اس پر موقوف کہ قرآن وحدیث میں خاص اس کا نام لے کر جائز کیا یا منع کیا ہو یا اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ کسی عام یا مطلق مامور بہ یا عام یا مطلق منہی عنہ کے تحت میں داخل ہونا کفایت کرتا ہے بر تقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس و قیام مجلس کے نام کے ساتھ قرآن وحدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ۔ بر تقدیر ثانی کیا وجہ کہ ہم سے خصوصیت خاصہ کا ثبوت مانگتے ہو اور باآنکہ یہ افعال اطلاقات ذکر و تحدیث و تعظیم و توقیر کے تحت میں داخل ہیں جائز نہیں مانتے۔

کسی فعل کی اچھائی یا بُرائی زمانہ پر موقوف نہیں

نکتہ ۴۔ حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار کہ قرن و زمانہ کو حاکم شرعی بنایا ہے جو نئی بات کہ قرآن وحدیث میں بایں ہیئت کذائی نہیں اس کا ذکر نہیں جب فلاں زمانہ میں ہو تو ضلالت و گمراہی حالانکہ شرعًا وعقلًا کسی طرح زمانہ کو احکام

شرع یا کسی فعل کی تحسین و تقبیح پر قابو نہیں نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانہ میں ہو برا ہے آخر بلوائے مصر و واقعہ کربلا و حادثہ حرہ و بدعات خوارج و شناعات روافض و خباثات نواصب و خرافات معتزلہ وغیرہا امور شنیعہ زمانہ صحابہ و تابعین میں حادث ہوئے مگر معاذاللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے اور بنائے مدارس و تصنیف کتب و تدوین علوم و رد مبتدعین و تعلیم و تعلم نحو و صرف و طرق اذکار و صور اشغال، اولیائے سلاسل قدست اسرارہم وغیرہا امور حسنہ ان کے بعد شائع ہوتے گر عیاذا باللہ اسی وجہ سے بد نہیں قرار پا سکتے اس کا مدار نفس فعل کے وقبح پر ہے جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن و حدیث سے ثابت وہ بے شک بیع ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو جمہور محققین ائمہ و علماء نے اس قاعدہ کی تصریح فرمائی۔

اگرچہ منکرین براہ سینہ زوری نہ مانیں امام ولی الدین ابو ذرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ کسی چیز کا نو پیدا ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب کہ ان کے ساتھ کوئی مفسدہ شرعیہ نہ ہو اسی طرح امام علامہ مرشد ملت حکیم امت سیدنا و مولانا حجۃ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی اوپر مذکور ہے کہ صحابہ سے منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رد کرے اور کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں" اینہمہ اگرچہ بدعت ست واز صحابہ و تابعین نقل نہ کردہ اند لیکن نہ ہرچہ بدعت بود نہ شاید کہ بسیاری بدعت نکو باشد پس بدعتیکہ مذموم ست آنچہ مخالف سنت باشد" امام بیہقی وغیرہ علمائے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

المحدثات من الامور ضربان احدھما ما احدث مما یخالف کتابا او سنۃ او اثرا او اجماعا فھذہ البدعۃ الضلالۃ والثانی ما احدث من الخیر ولا خلاف فیہ لواحد من ھذہ وھی غیر مذمومۃ۔

نو پیدا باتیں دو قسم ہیں ایک وہ کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف نکالی جائیں یہ تو بدعت گمراہی ہے دوسرے اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں والبدعۃ ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فھی حسنۃ وان کانت تندرج تحت مستقبح فھی مستقبحۃ والا فمن قسم المباح۔ ترجمہ: بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے) اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی اب مجلس و قیام وغیرہا امور متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ تھے لہٰذا ممنوع ہیں محض باطل ہو گیا۔ ہاں اس وقت ممنوع ہو سکتے ہیں جب تم کوئی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعاً کوئی برائی ہے ورنہ اگر کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے شرعاً محمود ہو جاتا ہے

کمانی بحر الرائق وغیرہ۔ کیوں کیسے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ ان افعال کی سند زمانہ صحابہ تابعین تبع تابعین سے مانگنا کس قدر نادانی جہالت تھا والحمد للہ۔

اکابر امت جس کو مستحسن کہیں وہ مستحسن ہے

نکتہ ۵۔ بڑی مستند ان حضرات کی حدیث خیر القرون قرنی ہے اس میں بحمد اللہ ان کے مطلب کی بو بھی نہیں حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر دوسرا پھر تیسرا اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن پروری اور خواہی نخواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہو جائیگا اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا اگرچہ کسی اصل شرعی یا عام مطلق ماثور کے تحت میں داخل ہو شنیع و مذموم ٹھہرے گا جو اس کے ثبوت کا دعویٰ رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے سے عزیزو یہ تو بالبداہۃ باطل کہ زمانۂ صحابہ وتابعین میں شر مطلقاً نہ تھا نہ ان کے بعد خیر مطلقاً رہی ہاں اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خدا ترس متقی پرہیزگار تھے بعد کو فتنے فساد پھیلتے گئے پھر یہ کن میں انہی لوگوں میں علم و محبت اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے ورنہ علمائے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ منبع و مجمع خیر رہے ہیں۔

مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا کم لوگ جاہل رہتے اور جو جاہل تھے وہ علماء کے فرمانبردار اس لئے شر و فساد کو کم دخل ملتا کہ دین متین دامن علم سے وابستہ ہے اس کے بعد علم کم ہوتا گیا جہل نے فروغ پایا جاہلوں نے سرکشی و خودسری اختیار کی لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا اب یہیں نہ دیکھیے کہ صدہا سال سے علمائے دین مجلس و قیام کو مستحب و مستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے انہیں سرتابیوں نے اس زمانہ کو زمانۂ شر بنا دیا تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں زمانۂ مابعد کے جہال کی طرف راجع ہیں ان سے کون سا استدلال کرتا ہے نہ ہمارا یہ عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقاً محمود ہو جائے گی کلام علما میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابر امت مستحب و مستحسن کہیں وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہر شر نہیں ہوتے والحمد للہ رب العلمین۔

محدثات حسنہ ہر زمانے میں حسن ہیں

نکتہ ۶۔ اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اس کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے محدثات خیر ٹھہریں اور مابعد کے شر تو اکثر زمانۂ صحابہ وتابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھئے۔

اخرج الحاکم وصححہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنی بنو المصطلق الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالوا سل لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی من ندفع صدقاتنا بعدک فقال الی ابی بکر قالوا فان حدث بابی بکر حدث قال من قال الی عمر قالوا فان حدث بعمر حدث فقال الی عثمن قالوا فان حدث بعثمان حدث فقال ان حدث بعثمن حدث فتبا لکم الدھر تباہ اھملخصا۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
مجھے بنی مصطلق نے حضور سرور عالم
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس
میں بھیجا کر حضور سے پوچھوں حضور کے
بعد ہم اپنے اموال زکوٰۃ کسے دیں
فرمایا ابوبکر کو کہا اگر ابوبکر کو کوئی
حادثہ پیش آئے فرمایا عمر کو. عرض کی
اگر عمر کو کچھ حادثہ واقع ہو فرمایا عثمٰن کو
کہا اگر عثمان کو کوئی حادثہ مونہہ دکھائے
فرمایا اگر عثمان کا بھی واقعہ ہو تو خرابی
ہے تمہارے لئے ہمیشہ بھر خرابی ہے.

واخرج ابو نعیم فی الحلیۃ والطبرانی
عن سہل بن ابی حثمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی
حدیث طویل قال صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اذا اتی علی ابی بکر اجلہ وعمر وعثمٰن اجلہ
فان استطعت ان تموت فمت. ترجمہ: نبی صلے اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب انتقال فرماؤں میں اور
ابوبکر وعمر وعثمان تو اگر تجھ سے ہوسکے کہ مرجائے تو
مرجانا) واخرج ابو نعیم ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال اذا انا مت وابوبکر وعمر وعثمان
فان استطعت ان تموت فمت. ترجمہ: حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب انتقال فرماؤں
میں اور ابوبکر وعمر وعثمان تو اگر تجھ سے ہوسکے کہ مرجائے
تو مرجانا (واخرج الطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ
بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ قال قال رسول اللہ
صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ویحک اذا مات عمر
فان استطعت ان تموت فمت. ترجمہ: رسول
اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس
جب عمر مرجائے تو اگر مرسکے تو مرجانا حسنہ الامام جلال الدین
فی الحدیث.

تقصہ اب تمہارے طور پر چاہیئے کہ زمانہ پاک
حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ صرف
زمانہ شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما تک خیر رہے پھر
جو کچھ حادث ہوا اگرچہ عین خلافت حقہ راشدہ سیدنا
و مولانا امیر المومنین علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ میں
وہ معاذ اللہ سب شر وقبیح و مذموم و بدعت ضلالت
قرار پائے خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے
اور مزہ یہ کہ ان احادیث کے مقابل حدیث خیر القرون
کبھی نہیں لاسکتے کہ تمہارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل
دہلوی کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر شاہ
ولی اللہ صاحب دہلوی انہیں احادیث اور ان کے
امثال پر نظر کرکے حدیث خیر القرون کے معنی ہی کچھ
اور بتا گئے ہیں دیکھئے" ازالۃ الخفاء" میں کیا کچھ فرمایا
ہے حدیث خیر القرون ذکر کرکے لکھتے ہیں:۔

بنائے استدلال بر توجیہ صحیحی
ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست
قرن اول از زمانہ ہجرت آں حضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تا زمان وفات
وی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قرن ثانی از
ابتدائی خلافت صدیق تا وفات حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما و
قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ
تعالیٰ عنہ و ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال
بودہ است قرن در لغت قوم متقاربین
فی السن بعد ازاں قومی را کہ در ریاست
وخلافت مقترن باشند قرن گفتہ شد
چوں خلیفہ دیگر باشد و وزرائی حضور
دیگر و امرائے امصار دیگر و روسائی
جیوش دیگر و معربیان دیگر و زمیان دیگر
تفاوت قرن ہم میرسد"۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"قرن اوّل زمان آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بود از ہجرت تا وفات و قرن ثانی زمانہ شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلافہا پدید آمدہ فتنہا ظاہر گردیدند"۔

بالجملہ اس قدر میں تو شک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے تمہارا استدلال یقیناً ساقط والحمد للہ رب العلمین۔

علماء امت کے بارش کی مانند ہیں

نکتہ ۷۔ اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کا موجب ہو کہ اس کے محدثات خیر قرار پائیں تو بسم اللہ وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ امام ترمذی نے بسند حسن حضرت انس اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر و سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بنظر کثرت طرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ ترجمہ: میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔ شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں۔ "کنایہ است از بودن ہمہ امت خیر چنانکہ مطر ہمہ نافعست"۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی کہ لا تزال طائفۃ من امتی قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم او خالفھم حتی یأتی امر اللہ وھم ظاھرون علی الناس۔ ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا انہیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انہیں چھوڑے گا یا ان کا خلاف کرے گا یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئیگا اس حال میں کہ وہ لوگوں پہ غالب ہوں گے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔

"گمان مبر کہ در زمان شر در ہمہ کس شریر بودہ اند و عنایتہائے الٰہی در تہذیب نفوس بیکار افتاد بلکہ اینجا اسرار عجیب است ؎

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند
در ہر زمانہ طائفہ را مہبط انوار و برکات ساختہ اند"۔)

کہئے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علمائے و عرفائے مابعد میں بلحاظ اصول و عموم و اطلاق شائع ہوئے والحمد للہ۔

کسی چیز کے حسن ہونے کا مدار زمانہ پر موقوف نہیں

نکتہ ۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے محاورات و مکالمات کو دیکھئے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پہ مدار خیریت و شریت نہیں دیکھئے بہت نئی باتیں کہ زمانہ پاک حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہ تھیں ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انہیں برا کہتے اور نہایت تشدد و انکار فرماتے اور بہت تازہ باتیں حادث ہوئیں کہ ان کو بدعت و محدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر و حسن بتلاتے۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں —

"نعمت البدعۃ ھذہ"۔ ترجمہ: کیا اچھی بدعت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چاشت

کی نسبت فرماتے ہیں:۔ انها البدعة ونعمت البدعة وانها لمن احسن ما احدثه الناس، ترجمہ بیشک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بے شک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں) سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں احدثتم قیام رمضان فدوموا علیہ ما فعلتم ولا تترکوا۔ ترجمہ:۔ تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کئے جاؤ اور کبھی نہ چھوڑنا۔ دیکھو یہاں تو صحابہ کرام نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کیا اور انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد میں یک شخص کو تثویب کہتے سنکر اپنے غلام سے فرمایا اخرج بنا من عند هذا المبتدع۔ ترجمہ:۔ نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے، سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو نماز میں بسم اللہ باواز پڑھتے سنکر فرمایا۔ ای بنی محدث ایاک والحدث۔ ترجمہ:۔ اے میرے بیٹے یہ نو پیدا بات ہے بچ نئی باتوں سے) یہ فعل بھی اس زمانہ میں واقع ہوئے تھے انہیں بدعت سیئہ مذمومہ ٹھہرایا۔

تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا بلکہ نفس فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہ زمانہ تابعین و تبع تابعین میں رائج رہا اپنے زمانہ کی بعض نو پیدا چیزوں کو منع کرتے بعض کو جائز رکھتے اور اس منع و اجازت کے لئے آخر کوئی معیار تھی اور وہ نہ تھی مگر نفس فعل کی بھلائی برائی تو باتفاق صحابہ و تابعین قاعدۂ شرعیہ وہی قرار پایا کہ حسن حسن ہے اگرچہ نیا ہوا اور قبیح قبیح ہے گو پرانا ہو پھر ان کے بعد یہ اصل کیونکر بدل سکتی ہے ہماری شرع بحمداللہ ابدی ہے جو قاعدے اس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے معاذاللہ زید و عمرو کا قانون تو ہے ہی نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔

ہر نیا کام فی نفسہ اچھا ہونا چاہیے

نکتہ ۹۔ یہ اعتراض کہ پیشوائے دین نے تو یہ فعل کیا ہی نہیں ہم کیونکر کریں زمانۂ صحابہ ہی میں بار بار رد ہو چکا اور بفرمان جلیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سیدنا فاروق اعظم وغیرہما صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرار پا چکا کہ بات کا فی نفسہ نیک ہونا چاہیے اگرچہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو صحیح بخاری شریف میں ہے۔

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنه قال ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اری ان تأمر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال عمر هذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلك ورأیت فی ذلك الذی رأی عمر قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فتتبع القرآن واجمعه

ثم والله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی به من جمع القرآن قال قلت لابی بکر کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال هو والله خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر فتتبعت القرآن واجمعه الحدیث۔

جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یونہی لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت قرآن جاتا رہے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کرو گے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے اس معاملہ میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے میرا سینہ اس امر کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رائے سے موافق ہوگئی پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر جمع قرآن کا حکم دیا انہیں بھی وہی شبہہ گزرا اور عرض کی بھلا آپ ایسی بات کیوں کر کرتے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کی صدیق اکبر نے وہی جواب دیا کہ خدا کی قسم بات تو بھلائی کی ہے پھر دونوں صاحبوں میں بحث ہوتی رہی یہاں تک کہ ان کی رائے بھی شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے کے ساتھ موافق ہوئی اور انہوں نے قرآن عظیم جمع کیا۔

دیکھو جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہوتا تو تب پچھلے زمانہ میں ہوگا ہم صحابہ ہیں ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے بلکہ یہی جواب فرمایا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ اب غضب کی بات ہے کہ ان حضرات کو سودا اچھلے اور جو بات کہ صحابہ کرام میں طے ہو چکی پھر اکھیڑیں۔

اسلاف کی محبت و تعظیم سراسر خیر ہے

نکتہ ۱۰۔ جو اعتراض ہم پر کرتے ہیں کہ تم کیا صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت و تعظیم میں زیادہ ہو کر کچھ انہوں نے نہ کیا تم کرتے ہو لطف یہ ہے کہ

بعینہ وہی اعتراض اگر قابل تسلیم ہو تو تبع تابعین پر باعتبار تابعین اور تابعین پر باعتبار صحابہ اور صحابہ پر باعتبار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارد مثلاً جس فعل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ و تابعین کسی نے نہ کیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہو تو تم اسے بدعت نہیں کہتے ہم کہتے ہیں اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ و تابعین ہی کرتے تبع تابعین کیا ان سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں جو انہوں نے نہ کیا یہ کریں گے اسی طرح تابعین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہو اس پر وارد ہوگا کہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کیوں نہ کرتے تابعین کچھ ان سے بڑھ کر ٹھہرے علیٰ ہٰذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ نے کیں ان میں بھی تمہاری طرح کہا جائیگا۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ان کی خوبی نہ معلوم ہوئی یا صحابہ کو افعال خیر کی طرف زیادہ توجہ تھی غرض یہ بات ان مدہوشوں نے ایسی کہی جس کی بنار پر عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ تمام صحابہ و تابعین بھی بدعتی ٹھہرے جاتے ہیں مگر اصل وہی ہے کہ نہ کرنا اور بات ہے اور منع کرنا اور چیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا تو صحابہ کو کون مانع ہے کہ اسے نہ کریں اور صحابہ نہ کریں تو تابعین کو کون عائق وہ نہ کریں تو تبع تابعین پر الزام نہیں وہ نہ کریں تو ہم پر مضائقہ نہیں بس اتنا ہونا چاہیئے کہ شرع کے نزدیک وہ کام برا نہ ہو عجب لطف ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کا قطعاً نہ کرنا تو حجت نہ ہوا اور تبع تابعین کو باوجود ان سب کے نہ کرنے کی اجازت ملی مگر تم میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ بھی نہ کریں تو اب کچھ لوں کے لئے راستہ بند ہو گیا۔ اس بے عقلی کی کچھ بھی حد ہے۔

اس سے تو اپنے یہاں کے ایک بڑے امام نواب صدیق حسن خان شوہر ریاست بھوپال ہی کا مذہب اختیار کر لو تو بہت اعتراضوں سے بچو کہ انہوں نے بے دھڑک فرما دیا جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا سب بدعت و گمراہی ہے اب چاہے صحابہ کریں خواہ تابعین کوئی ہو بدعتی ہے یہاں تک کہ بوجہ ترویج تراویح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو معاذ اللہ گمراہ ٹھہرا دیا اور اعدائے دین کے پیر و مرشد عبد اللہ ابن سبا کی روح مقبوح کو بہت خوش کیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجلس و قیام کا انکار کرتے کرتے کہاں تک نوبت پہنچی اللہ تعالےٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھے آمین۔

نکتہ ۱۱۔ امام علامہ احمد بن قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں الفعل یدل علے الجواز وعدم الفعل لا یدل علے المنع۔ (ترجمہ کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی) شاہ عبد العزیز صاحب مغفور تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں "نکردن چیزے دیگر ست و منع فرمودن چیزے دیگر" الخ ملخصاً۔ تمہاری جہالت کہ تم نے کسی فعل کے نہ کرنے کو اس فعل سے ممانعت سمجھ رکھا ہے۔

اصحاب رسول اعلاء کلمۃ اللہ کی مصروفیات کے

باعث امور جزئیہ وردِ شبہات پر توجہ نہ دے سکے

نکتہ ۱۲۔ سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست حقیقۃ الامر یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کو اعلائے کلمۃ اللہ وحفظ بیضۂ اسلام و نشر دین متین بقتل و قہر کافرین و اصلاح بلاد و عباد و اطفائے آتش فساد و اشاعت

فرائض وحدود البتہ واصلاح ذات البین ومحافظت اصول ایمان وحفظ وروایت حدیث وغیرہا امور کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی لہٰذا یہ امور جزئیہ مستحبہ تو کیا معنے بلکہ تاسیس قواعد واصول وتفریع جزئیات وفروع وتصنیف وتدوین علوم ونظم دلائل حق ورد شبہات اہل بدعت وغیرہا امور عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرما سکے جب بفضل اللہ تعالیٰ ان کے زور بازو نے دین الٰہی کی بنیاد مستحکم کر دی اور مشارق ومغارب میں ملت حنفیہ کی جڑ جم گئی۔

اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تخت وبخت ساز گار پا کر بیخ دین جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم لئے اور باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کر کے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے اب تو بے خلش جھجھ واندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں علماء واولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لئے تھالے بنیں خواہان دین وملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر بازیاں فرمائیں یہاں تک کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں سہانے پتوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا والحمد للہ رب العٰلمین اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے کہ یہ ٹہنیاں جو اب پھوٹیں جب کہاں تھیں۔ یہ پتیاں جو اب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں۔ یہ پتلی پتلی ڈالیاں جو اب جھومتی ہیں نو پیدا ہیں یہ ننھی ننھی کلیاں جو اب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا بھلا غور کرنے کی بات ہے۔

ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگ گئی اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھر گئے اور لاکھوں روپے کا مال اسباب بھی تھا اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا اپنی جان پر کھیل نہ کیا اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا یہ اور چند بے خرد بھی دیکھ رہے تھے اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی یہاں نرا مال ہی مال تھا کھڑے ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہو گیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم تو احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے مگر بے وقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا برا جان کر چھوڑا تھا اللہ تعالیٰ کسی کو اوندھی سمجھ نہ دے۔ آمین

آج کے بیشمار امور قرون ثلاثہ میں نہ تھے

نکتہ ۱۳۔ ہم نے مانا کہ جو کچھ قرون ثلاثہ میں نہ تھا سب منع ہے اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں یہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے ماہوار چندہ لینا اور طلبہ کے لئے مطبع نول کشور سے فیصدی دس روپے کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور تخصیص روز جمعہ بعد از نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا دعوتیں اڑانا مناظروں کے لئے چیلنج اور جلسے مقرر کرنا مخالفین کے رد میں کتابیں لکھوانا، چھپوانا۔ واعظوں کا شہر بشہر گشت لگانا۔ صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ سب اکابر واصاغر طائفہ میں بلانکیر رائج ہیں قرون ثلٰثہ میں کب تھیں اور ان پیشوایان فرقہ جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا جو

دو دو روپے نذرانہ لے کر مسئلوں پر مہر کریں مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتویٰ ج کو جائیں تو حمایت کے لئے کمشنر دلی و کمشنر بمبئی کی چٹھیاں ضرور ہوں شاید یہ باتیں قرون ثلثہ میں تھیں یا تمہارے لئے پروانہ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پہ کچھ مواخذہ نہیں یا یہ نکتہ چینیاں انہیں باتوں میں ہیں جنہیں تعظیم و محبت حضور سرور دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ ہو باقی سب حلال و شیر مادر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی الاکبر۔

حضور اکرم کا ادب بہر طریق محمود ہے

نکتہ ۱۴۔ واجب الحفظ۔ افسوس کیا الٹا زمانہ ہے امور تعظیم و ادب میں سلف صالح سے آج تک برابر ائمہ دین کا یہی ادب رہا ہے کہ ورود و عدم ورود خصوصیات پہ نظر نہ کی بلکہ تصریحاً قاعدہ کلیہ بتایا کل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔ ترجمہ: جس بات کو نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے کما صرح بہ الامام المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس سیدی کمال الملۃ والدین محمد فی فتح القدیر و تلمیذہ الشیخ رحمۃ اللہ السندی فی المنسک المتوسط واتبعہ الفاضل القاری فی المسلک المتقسط واثرہ فی العالمگیریہ وغیرھا اور امام ابن حجر کا قول گزرا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر طرح بہتر ہے جب تک کہ الوہیت الٰہیہ میں شریک نہ ہو اسی لئے سلفاً و خلفاً جس مسلمان نے کسی نئے طریقے سے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب کیا اس ایجاد کو علما نے اس کے مدائح میں شمار کیا نہ یہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہرا دیا یہ بلا انہیں مدعیان دین والدہ میں پھیلی کہ ہر بات پر پوچھتے ہیں فلاں نے کب کیں فلاں نے کب کیں حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جو فلاں نے کیں نہ فلاں نے مگر یہ بھی طرق تعظیم نبی کریم علیہ و علے آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے گھٹانے مٹانے کے لئے ایک حیلہ نکال کر زبان سے بکتے جاتے ہیں ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور بلطائف حیل جہاں تک بن پڑے امور محبت و تعظیم میں کلام کرتے جائیں آخر ان کا امام اکبر تقویۃ الایمان میں تصریح کر چکا کہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعریف ایسے کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں سے کمی کرو یہ ایمان ہے یہ دین اور یہ موئی ہے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ خیر بات بڑھتی ہے مطلب پر آیئے ہاں تو اگر میں ان امور کا استیعاب کروں جو دربارۂ آداب و تعظیم حادث ہوتے گئے اور اس احداث کو علماء نے موجد کے مدائح سے گنا تو ایک دفتر طویل ہو تا ہے لہٰذا چند مثالوں پر اقتصار کرتا ہوں۔

مثال ۱۔ سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باآنکہ مثل سیدنا عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتباع سلف و صحابہ کرام کا احداث میں نہایت ہی اہتمام رکھتے تھے اس پر ان کے ایمان و محبت کا تقاضا ہوا کہ ادب حدیث خوانی میں وہ وہ باتیں ایجاد فرمائیں جو صحابہ و تابعین سے ہرگز منقول نہ ہوئیں اور وہ ایجاد تمام علماء کے نزدیک امام مالک کے فضائل جلیلہ سے ٹھہرا اور ان کی غایت ادب و محبت پر دلیل قرار پایا امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ شفا شریف میں لکھتے ہیں۔

قال مطرف کان اذا اتی الناس

مالکا خرجت الیہم جاریۃ فتقول

لہم یقول لکم الشیخ تریدون

الحدیث او المسائل فان قالوا المسائل

خرج الیہم وان قالوا الحدیث دخل

مغتسلہ واغتسل وتطیب ولبس ثیابا جدیدۃ ولبس ساجۃ وتعمم ووضع علیٰ راسہ رداءۃ وتلقی لہ منصۃ فیخرج فیجلس علیہا وعلیہ الخشوع ولایزال یلتجر بالعود حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال غیرہ ولم یکن یجلس علیٰ تلک المنصۃ الا اذا حدث عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ابن ابی اویس فقیل لمالک فی ذلک فقال احب ان اعظم حدیث رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا احدث بہ الا علیٰ طہارۃ متمکنا۔

یعنی جب لوگ مالک بن انس کے پاس علم حاصل کرنے آتے ایک کنیز آکر پوچھتی شیخ تم سے فرماتے ہیں تم حدیث سیکھنے آئے ہو یا فقہ ومسائل اگر انہوں نے جواب دیا فقہ و مسائل جب تو آپ تشریف لے آتے اور اگر کہا حدیث تو پہلے غسل فرماتے خوشبو لگاتے نئے کپڑے پہنتے طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے چادر سر مبارک پر رکھتے انکے لئے ایک تخت مثل تخت عروس بچھایا جاتا اس وقت باہر تشریف لاتے اور نہایت خشوع وخضوع اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے تھے اگر سلگاتے اور اس تخت پر اسی وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا ہوتی حضرت سے اس کا سبب پوچھا گیا فرمایا میں دوست رکھتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کروں اور میں حدیث نہیں بیان کرتا جب تک وضو کرکے خوب سکون ووقار کیساتھ نہ بیٹھ لوں۔

مثال ۲:۔ اسی میں ہے کان مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یرکب دابۃ بالمدینۃ وکان یقول استحیی من اللہ تعالیٰ ان اطا تربۃ فیہا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحافر دابۃ۔ ترجمہ: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے خدا تعالیٰ سے کہ جس زمین میں حضور سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوں اسے جانور کے سم سے روندوں۔

مثال ۳:۔ اسی میں ہے وقد حکی ابو عبد الرحمٰن السلمی عن احمد بن فضلویہ الزاہد وکان من الغزاۃ الرماۃ انہ قال مامست القوس بیدی الا علیٰ طہارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ۔ ترجمہ:۔ امام ابو عبد الرحمٰن سلمی احمد بن فضلویہ زاہد غازی تیرانداز سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کمان بے وضو ہاتھ سے نہ چھوئی جب سے سنا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کمان دست اقدس میں لی ہے۔

مثال ۴:۔ امام ابن حاج مالکی کہ مستندین مانعین سے ہیں اور احداث کی ممانعت میں نہایت تصلب رکھتے ہیں مدخل میں فرماتے ہیں وتقدمت حکایۃ بعضہم انہ جاور بمکۃ اربعین سنۃ ولم یبل فی الحرم ولم یضطجع فمثل ہذا یستحب لہ المجاورۃ او یؤمر بہا۔ ترجمہ بعض صالحین چالیس برس مکہ معظمہ کے مجاور رہے اور کبھی حرم محترم میں پیشاب نہ کیا نہ لیٹے ابن حاج کہتے ہیں ایسے شخص کو مجاورت مستحب ہے یا یوں کہئے کہ اسے مجاورت کا حکم دیا جائے گا۔

مثال ۵:۔ اسی میں ہے۔

وقد جاء بعضہم الیٰ زیارۃ صلے اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم فلم یدخل المدینۃ بل زار من خارجہا ادبا منہ رحمہ اللہ تعالیٰ مع نبیہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقیل لہ الا تدخل فقال امثلی یدخل بلد سید الکونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا احد نفسی تقدر علے ذالک او کما قال۔

بعض صالحین زیارت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوئے تو شہر میں نہ گئے بلکہ باہر سے زیارت کرلی اور یہ ادب تھا اس مرحوم کا اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس پر کسی نے کہا اندر نہیں چلتے کہا کیا مجھ سا داخل ہو سید الکونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر میں میں اپنے میں اتنی قدرت نہیں پاتا ہوں۔

مثال ۶:۔ اسی میں ہے۔

قد قال لی سیدی ابو محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لما ان دخل مسجد المدینۃ ما جلست فی المسجد الا الجلوس فی الصلوۃ او کلاما ھذا معناہ وما زلت واقفا ھناک حتی رحل الرکب۔

یعنی مجھ سے میرے سردار ابو محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں مسجد مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جب تک رہا مسجد شریف میں قعدہ نماز کے سوا نہ بیٹھا اور برابر حضور میں کھڑا رہا جب تک قافلے نے کوچ کیا۔

مثال ۷: بداسکے متصل انہیں امام سے نقل کرتے ہیں۔

ولم اخرج الی بقیع ولا غیرہ ولم از غیرہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان قد خطر لی ان اخرج الی بقیع الغرقد فقلت الی این اذھب ھذا باب اللہ تعالیٰ المفتوح للسائلین والطالبین والمنکسرین والمضطرین والفقراء والمساکین ولیس ثم من یقصد مثلہ فمن عمل علے ھذا ظفر ونجح بالمامول والمطلوب او کما قال۔

میں حضور کی چھوڑ کر نہ بقیع کو گیا نہ کہیں اور گیا نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی زیارت کی اور ایک دفعہ میرے دل میں آیا تھا کہ زیارت بقیع کو جاؤں پھر میں نے کہا کہاں جاؤنگا یہ ہے اللہ کا دروازہ کھلا ہوا سائلوں اور مانگنے والوں اور دل شکستوں اور بے چاروں اور مسکینوں کیلئے اور وہاں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کون ہے جس کا قصد کیا جائے۔ فرماتے ہیں پس جو کوئی اس پر عمل کریگا ظفر پائیگا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا۔

امام مالک مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے خدا تعالیٰ سے کہ جس زمین میں میرے آقا جلوہ فرما ہوں اُسے میں جانور کے سُم سے روندوں۔

اب فقیر سرکار قادریہ غفر اللہ تعالیٰ لہ بھی اس فتوے کو انہیں مبارک لفظوں پر ختم کرتا ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کریگا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ اور اپنے رب کریم تبارک و تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہے کہ یہ فتویٰ نہ صرف مسئلہ قیام ہی میں بیان کافی و برہان شافی ہو بلکہ بحول اللہ تعالیٰ اکثر مسائل نزاعیہ میں قول فیصل قرار پائے اور جسے خدا چاہے اسکے لئے شاہراہ تحقیق پر مشعل ہدایت ہو جائے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلے اللہ تعالیٰ علٰے خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ اٰمین اٰمین اٰمین۔

****

مسلک شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

مسلک شیخ کی روشنی میں

علامہ عبد الحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد! اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک وکفر اور گمراہی سے نکالنے کے لئے انبیاء کرام بھیجے گئے۔ فکر انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، امور آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں کیں لیکن وہ اپنے وابستگان دامن کو دولت یقین فراہم نہ کرسکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے چند کلمات نے سامعین کو وہ تیقن عطا کیا جس کی بناء پر وہ جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کرگئے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ البتہ پیغمبرانہ جدو جہد اور مشن کو جاری رکھنے کے لئے امت مسلمہ کے جلیل القدر افراد آگے بڑھے، انہوں نے امت کے دعوت وارشاد کا کام پورے ولولے اور لگن سے کیا، بلکہ دین متین کے مقدس چہرے سے گرد وغبار صاف کرنے میں تمام صلاحیتیں بھی صرف کردیں۔ انہی جلیل القدر شخصیات میں سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہیں۔

پاسبان دین مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علوم دینیہ کے نامور مبلغ اور ناشر، دینی حمیت و غیرت کے پیکر، امام المحدثین، شیخ محقق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دینی اور ملی کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت کی حیات مبارکہ کا مختصر تذکرہ پیش کردیا جائے۔

حیات مبارکہ

امام اہلسنت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بمقام

شہر دہلی ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء و اجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند و بالا مناصب پر فائز رہے۔ بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت ان کے ہمراہ تھی۔ ۂ آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین دہلوی شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔ ۂ

حضرت شیخ نے تکملۂ اخبار الاخیار میں ان کے متعدد ملفوظات نقل کئے ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

(۱) مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لئے کام کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کر سکیں۔ کام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، مخلوق سے کیا کام؟

(۲) جب دیکھا جاتا ہے کہ علماء اور فضلاء جاہ و عزت اور کثرت اسباب کے حاصل کرنے اور مال و دولت کے جمع کرنے میں مخلوق خدا کے ساتھ الجھے رہتے ہیں، اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور اکابر میں سے نہیں ہوں۔

(۳) (شیخ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والد گرامی نے کئی دفعہ فرمایا) کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق دوسری جانب ہے تو قبول کر لینا، ورنہ دو تین بار کہنا اگر نہ مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہ بھی ہو سکتا ہے، جھگڑا کس بات کا!

(۴) اگر تمہیں اپنے پیر اور استاد سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو وہ کیا کام کرے گا۔ فائدہ بزرگوں کی عقیدت، محبت اور پیروی میں ہے تم جو جنگ کر رہے ہو وہ اپنے نفس کے لئے ہے نہ کہ بزرگوں کے لئے۔

(۵) طریقت کے بہت معاملات ہیں، جنہیں اس راہ کے اصحاب ہمت ادا کرتے ہیں۔ حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے ساتھ ہے ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے۔

دست در کار و دل با یار

شیخ محقق نے صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا بلکہ ان پر عمل پیرا رہے۔

شیخ سیف الدین دہلوی، ۲ شعبان ۹۹۰ھ کو پاس انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمت حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

تحصیل علم

شیخ محقق کو اللہ تعالٰے نے ابتدا ہی سے علم سلیم اور فہم و دانش کا وافر حصہ عطا فرمایا حافظہ حیرت انگیز حد تک قوی تھا۔ خود فرماتے ہیں:

"دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔" ۂ

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھر پور توجہ دی، دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا پھر شیخ عبد الحق علوم دینیہ حاصل کرنے لگے۔ جب عربی نصاب اور منطق و کلام تک پہنچے تو ماوراء النہر کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے اور سات آٹھ سال دن رات محنت کر کے علوم دینیہ حاصل کئے شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے۔ ذوق و شوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ

ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھنے اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔ اپنی محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"اگر آنا ذوق و شوق مولا تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا تو معاملہ کہاں تک پہنچتا۔" ۷

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دوران سبق عجیب عجیب نکتے اور مفید باتیں ذہن میں آتیں اساتذہ کے سامنے پیش کرتے تو وہ کہتے:

"ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔" ۸

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے درجہ علوم سے فارغ ہوگئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کرلیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق ۹۹۶ھ/۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز مقدس پہنچے۔ ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک وہاں قیام کیا۔ اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکۂ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسی اثنا میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ۲۲ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش ہائے بے پایاں سے فیضیاب ہوئے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں:

"اس فقیر حقیر نے حضرت بشیر نذیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو انعام و اکرام کی بشارتیں پائی ہیں ان کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔" ۹

بیعت و خلافت

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بے حد شوق تھا جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا یہ شوق بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداءً والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، پھر ان کے ایما پر سلسلہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م ۱۰۰۱ھ/۱۶۰۰ء) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمۃ سے بیعت کی۔ ارشاد و سلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انہیں چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔

شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو باوجودیکہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت و خلافت رکھتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں تعارف کامل حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے محمد صادق ہمدانی نے "کلمات الصادقین" میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر یہ بیعت کی تھی۔ ۱۰

تصانیف

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیات مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا، ان کی تصانیف دنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ فنی اعتبار سے ان کی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں:

(۱) تفسیر (۲) تجوید (۳) حدیث (۴) عقائد (۵) فقہ (۶) تصوف (۷) اخلاق (۸) اعمال (۹) منطق (۱۰) تاریخ (۱۱) سیر (۱۲) نحو (۱۳) ذاتی حالات (۱۴) خطبات (۱۵) مکاتیب (۱۶) اشعار ۱۱

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کی تعداد ساٹھ ہے۔ چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ شریف کا فارسی ترجمہ اور شرح، چار جلدوں پر مشتمل ہے، اردو میں اس کے ترجمہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، چنانچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دو

جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا۔ ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمہ لگا۔ راقم نے ترجمہ کی چوتھی اور پانچویں جلد مکمل کر لی ہے، تو جمہ کی دو جلدیں مزید ہوں گی۔ یہ سب کام فرید بک سٹال لاہور کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

۲۔ لمعات فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) مشکوٰۃ شریف کی عربی شرح جس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

۳۔ شرح السعادت (فارسی)

۴۔ مدارج النبوۃ (فارسی) سیرت طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب۔

۵۔ اخبار الاخیار (؛) ہندوستان کے علماء اور مشائخ کا مستند تذکرہ۔

کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ الاکمال، امام ولی الدین صاحب مشکوٰۃ کی تصنیف اور مشکوٰۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام

پیر عبدالغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ ان میں ایک رسالہ ضرب الاقدام بھی ہے، اس کی ابتداء میں لکھا ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام من تصنیف
زبدۃ المحققین شیخ عبدالحق دہلوی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوٰۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

شیخ محقق نے اپنی طویل زندگی دین اسلام کے تحفظ اور مسلک اہلسنت وجماعت کی شاندار ترجمانی میں صرف کی۔

۶۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی) تاریخ مدینہ کے نام سے اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۷۔ زبدۃ الاسرار (عربی) مناقب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، تلخیص بہجۃ الاسرار۔

۸۔ شرح فتوح الغیب (فارسی) سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف مبارک فتوح الغیب کی شرح۔

۹۔ زبدۃ الآثار (فارسی) زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات۔

۱۰۔ تکمیل الایمان (فارسی) اسلامی عقائد اور مسلک اہل سنت وجماعت۔

۱۱۔ ماثبت بالسنۃ (عربی) بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات کتاب وسنت اور طریق اسلاف کی روشنی میں

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبیر احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف میں الاکمال فی اسماء الرجال،

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء کو آسمان علم ومعرفت کا نیر درخشاں، حدیث نبویہ کا عظیم شارح، دین اسلام اور مقام مصطفیٰ کا محافظ اور مسلک اہل سنت کا پاسبان دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو کر دہلی کے ایک گوشے میں محو استراحت ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ۔

شیخ محقق کی دینی اور علمی خدمات

حضرت شیخ محقق نے اپنی طویل زندگی دین اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے میں صرف کر دی۔ دین متین کے خلاف اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی موثر سرکوبی کی مسلک اہل سنت وجماعت کی شاندار ترجمانی کی۔

اس دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی جس کا آغاز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے سے متعلق

تھا' بعد ازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک جا پہنچا کہ دین اسلام کے قطعی عقیدے ختم نبوت سے ٹکرا گیا۔ اس تحریک کا بانی سید محمد جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا مجھے بھی حاصل ہو گیا ہے' فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالۃً تھے اور یہاں تبعاً ہیں۔ اتباع رسول اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اُمتی نبی کی مثل ہو گیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی' حضرت علی متقی اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"اگر سولہویں اور سترہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا۔

تصور امام' عقیدۂ مہدیت' نظریۂ الفی (یعنی دین اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے ۱۲ ق ن) دین الٰہی یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ کو کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔

شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ ...

یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مقام کی پوری پوری وضاحت کر دی! [12]

فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے' فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ اسے شیخ سے کتنی عقیدت و محبت تھی' شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربار اکبری میں بڑے سے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کر سکتے

تھے' لیکن انہوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور ان کے فقر و غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمت اسلام پر حرف آئے' فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراط مستقیم سے بھٹک گیا تو اس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اسے ملنا پسند نہ کیا۔

"فہرس التوالیف" میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا' غیرت ایمانی کا لہو ان کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتاز روزگار تھا' لیکن افسوس کہ اس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگا لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت اور دین والوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے اگر وہ مومن ہیں۔" [13]

علم حدیث کی تشریح اور ترویج

علم حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علوم دینیہ خصوصاً علم حدیث کی شمع روشن کی' انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا تو ہندوستان کی فضائیں قال اللہ اور قال الرسول کی دلنواز صداؤں سے گونج اٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے' ان کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

شیخ نور الحق بن شیخ محقق (متوفی ۹ شوال ۱۰۷۳ھ) نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح تیسیر القاری

کے نام سے فارسی میں لکھی۔ انداز وہی ہے جو شیخ محقق کے اشعۃ اللمعات میں ہے۔ شرح شمائل ترمذی، لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ نور الحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ نے شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے لکھی۔ شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدین نے حصن حصین کی شرح فارسی میں لکھی، حافظ محمد فخر الدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمد، دہلی میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام محمد کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ نے مؤطا امام مالک کی شرح، شرح مجلی بحل اسرار المؤطا دو جلدوں میں لکھی۔ اس کے علاوہ شرح شمائل ترمذی لکھی۔ شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ نور الایمان اور رسالہ اصول الایمان لکھا۔[16]

غرض یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علوم دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جس وقت مسند تدریس بچھائی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انھوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا۔ گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئیں ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔ یہ سب شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا اثر تھا۔"[17]

شیخ محقق کی دینی خدمات کے بارے میں چند تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ محقق کے تذکرے کا آغاز ان کلمات سے کیا ہے۔

"وہ صوری اور معنوی کمال کے جامع اور جمال نبوی کے عاشق صادق تھے۔ انھیں شریعت کا عظیم حصہ ملا۔ مؤرخین میں سے کسی نے اجمالاً اور کسی نے تفصیلاً ان کا تذکرہ کیا ہے۔ دہلی میں واقع ان کے مزار کے گنبد میں ایک پتھر پر ان کے مختصر حالات فارسی میں لکھے گئے ہیں، میں ان کا عربی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔"[18]

● مولوی فقیر محمد جہلمی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"باون سال کی عمر میں ظاہر و باطن کی جمعیت سے کیفیت (قدرت) حاصل کر کے تکمیل فرزندان و طالبان میں مشغول ہوئے۔ اور نشر علوم خصوصاً علم شریف حدیث میں ایسی طرز سے جو ولایت عجم میں کسی کو علمائے متقدمین و متاخرین سے حاصل ہوا تھا ممتاز و مستثنیٰ ہوئے اور فنون علمیہ خصوصاً فن حدیث میں کتب معتبرہ تصنیف کیں جن پر علمائے زمانہ فخر کرتے

اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہل دانش خواص و عام دل و جان سے ان کے خریدار ہیں۔ [۱۹]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں علم حدیث نہیں تھا بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علما مثلاً شیخ عبدالحق ترک دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اور ان جیسے دوسرے علما پر اسی علم کا فیضان کیا۔ شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا۔ پھر یہ منصب ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق متوفی ۱۰۸۳ھ نے سنبھالا۔" (ترجمہ) [۲۰]

شیخ محقق کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"شیخ کی تمام تصانیف علما کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں۔ علما انھیں شوق سے پڑھتے ہیں اور واقعی اس لائق ہیں۔ ان کی عبارات میں قوت، فصاحت اور سلاست ہے۔ کان انھیں محبوب رکھتے ہیں اور دل لطف اندوز ہوتے ہیں۔" (ترجمہ) [۲۱]

مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں،

"آپ کی فضیلت اور تنقید حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کر سکتا مگر وہ جس کو اللہ انصاف سے اندھا کر دے یا تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ دے۔ اعاذنا اللہ منہا۔" [۲۲]

عقائد

اہل سنت و جماعت کے عقائد، کتب کلام مثلاً شرح عقائد، تمہید ابوشکور سالمی، المعتقد المنتقد، اور تکمیل الایمان، وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ دور آخر میں کچھ مسائل کو نزاعی بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں، ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

شیخ محقق کو حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری والہانہ عقیدت و محبت تھی جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیے۔ مدینہ منورہ کے احترام کے پیش نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے۔ [۲۳] سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کا قلم حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے۔

شیخ محقق نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ثنایش گو دلے چوں نیست ایں فالش نہ تو ممکن
بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکتفا کن
مخواں او را خدا از بہر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن
خواہم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ
جمال خود نما مے بجان زار شیدا کن
جہاں تاریک شد از ظلم سیاہ کاراں
بیا و عالمے را روشن از نور تجلے کن

• نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہو، لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے اس لئے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

• حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو، اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو

تحریر کردہ۔

• یارسول اللہ: آپ کے جمال اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دیدار عطا فرمائیں اور محبت صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

• سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہوگئی ہے آپ تشریف لائیں اور نور تجلی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہوگئی اور زار و قطار رونے لگے۔ خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انہیں چار مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔" ۲۴

علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث شریف میں ہے "فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" شیخ محقق اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

• "پس میں نے جان لیا وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہوگیا۔" ۲۵

مدارج النبوۃ، کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

• نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذات الٰہی کی تمام شانوں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام، افعال و آثار کے اسماء کے جاننے والے اور تمام ظاہر و باطن اور اول و آخر علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ۔ کا مصداق ہیں۔" ۲۶

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

• "حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکنے تک جو کچھ دنیا میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نصر من اللہ وفتح قریب

شیخ محقق نے اپنی مایۂ ناز تصانیف میں میلاد، فاتحہ، حیات النبی، حاضر و ناظر توسل، اختیار و تصرف، زیارت قبور، سماع موتی، شفاعتِ کبریٰ، علم غیب، جسم بے سایہ اور عشقِ مصطفےٰ جیسے اہلسنت کے عقائدِ صحیحہ پر بے مثال دلائل پیش کئے ہیں۔

ISTIQAMAT DIGEST

منکشف کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہوگئے آپ نے بعض احوال کی خبر صحابۂ کرام کو بھی دی۔" ۲۷

ان تصریحات سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کے تمام احوال اور ذاتِ باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا۔ اسی وسیع تر علم کو علم ماکان وما یکون کہا جاتا ہے۔

اختیار و تصرف

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا۔ سَلْ (مانگ) حضرت شیخ محقق نے اس کی شرح میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

قدرت واختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے۔

"یہ مطلقاً فرمایا مانگو کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے جو چاہیں، جسے چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

"دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا حصہ ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔"

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دنیا و آخرت کی آرزو رکھتا ہے تو ان کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر۔ ۲۸

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں،

• "جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احاطۂ قدرت و تصرف میں تھے۔" ۲۹

حاضر و ناظر

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضۂ مقدسہ میں تشریف فرما بعطاء الٰہی تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں۔

• "اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہ اُس جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثال کے ذریعے تشریف لے جائیں، خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ اس کا احتمال ہے، جب کہ ہر حال میں روضۂ مبارک کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے۔" ۳۰

سلوک اقرب السبل فرماتے ہیں،

• "علمائے امت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقتِ حیات سے قائم و باقی ہیں، اور اعمال امت پر حاضر و ناظر، طالبان حقیقت اور بارگاہِ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لئے فیض رساں اور مربی ہیں۔" ۳۱

اس کے علاوہ مدارج النبوۃ، فارسی، ج ۱، ص ۶۲۱ اور اشعۃ اللمعات، فارسی، ج ۱، ص ۴۱۲ پر بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ —— جسمِ بے سایہ ——

مدارج النبوۃ، میں فرماتے ہیں، "نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے کثافت و نجاست ہے، دھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا گیا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا... چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ ۳۲

دیدار الٰہی

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں،

"مختار یہ ہے کہ دنیا میں

بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں ہے، ہاں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے شب معراج واقع ہے۔" ۳۳

حیاتِ انبیاءِ کرام واولیاءِ عظام

مدارج میں فرماتے ہیں:
• "انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات علماءِ ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی، شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے۔ ان کی زندگی معنوی اور اخروی ہے اور انبیاءِ کرام کی زندگی حسی اور دنیاوی ہے۔ اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں۔" ۳۴

نیز ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات، فارسی ج ۱، ص ۵۷۴

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:۔
• "بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاءِ کرام کو پایا کہ وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے یا اس سے زیادہ۔" ۳۵

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:
• "انبیاءِ کرام حیاتِ حقیقی دنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیاتِ اخروی معنوی سے زندہ ہیں۔" ۳۶

سماعِ موتیٰ

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:
"تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لئے جاننے اور سننے والے اور محرکات ثابت ہیں۔" ۳۷

زیارتِ قبور

"تمام مومنوں کی قبروں اور روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بنا پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام اوقات میں زیارت مستحب ہے۔" ۳۸

زیارتِ روضۂ انور

جذب القلوب میں ہے:
"حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت افضل سنتوں اور مؤکد مستحبات میں سے ہے۔ اس پر علمائے دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے۔" ۳۹

توسل اور استعانت

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:۔
"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیاء کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے، اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں توسل ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور دیگر انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد، جب دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسل جائز ہے تو سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ بلکہ اس حدیث کی بنا پر بعد از وصال اولیاءِ کرام سے توسل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے۔ ہاں اگر حضور سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے تو قیاس درست نہ ہوگا۔ مگر دلیل کہاں ہے۔" ۴۰

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:
• "امام غزالی نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان کے

وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی۔" [۴۱]

اشعۃ اللمعات فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:

"منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہو گیا کیونکہ ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے۔ اور ان کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بُت پرست قرار دیتا ہے۔ اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔" [۴۲]

شفاعت

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گنہگاروں نے دنیا میں اہل طاعت و تقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہوگی تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور ان کی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے۔" [۴۳]

امام ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے ۱۔ انبیاء ۲۔ پھر علماء ۳۔ پھر شہداء، اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"ان تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت و کرامت کی زیادتی کی بناء پر ہے ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لئے شفاعت ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں۔ خواہ گناہوں کی بخشش کے لئے ہو یا درجات کی بلندی کے لئے۔ اور شفاعت کا انکار بدعت اور گمراہی ہے جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔" [۴۴]

محفل میلاد

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

"ابولہب نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھالیا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس جگہ میلاد منانے والوں کے لئے دلیل ہے۔ جو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ ابولہب جو کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت پر خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے صرف کرنے پر جزا دی گئی، مسلمان جو محبت اور سرور سے مالامال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام کا پیدا کردہ بدعتوں مثلاً گانے، حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقہ اتباع محرومیت کا سبب نہ ہو۔" [۴۵]

ایصال ثواب

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

"مُردوں کے لئے زندوں کی دعائیں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہل قبور کے لئے عظیم نفع ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں۔ نماز جنازہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" [۴۶]

اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات' فارسی' ج ۱' ص ۷۹۷ ملاحظہ ہو۔

عُرس 'ماثبت من السنۃ' میں فرماتے ہیں:
"مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیا' کرام بارگاہِ عزت اور مقامات مقدس میں پہنچتے ہیں اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی اُمید کی جاتی ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جنھیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔"[۷۷]

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا شیخ محقق فرماتے ہیں:
"آخر زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے' اس لئے مشائخ اور اولیائ کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت کو دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنانِ دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں۔ ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے' بہت سے اعمال' افعال اور طریقے ایسے ہیں جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کئے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیئے گئے۔"[۷۸]

قادریت حضرت شیخ محقق کو اگرچہ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت و خلافت حاصل تھی لیکن ان پر نسبتِ قادریت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نسبت ہی کو اپنے لئے طرۂ امتیاز قرار دیتے تھے۔ فتوح الغیب کی فارسی میں شرح لکھی تو احتراماً اس کی ابتداء میں اپنا نام نہیں لکھا۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"اس احقر کے نام کے ذکر کی کیا حیثیت اور مجال ہے' کہ اس جگہ ذکر کیا جا سکے۔"[۷۹]
اخبار الاخیار میں متعدد ہندوستان کے مشائخ کرام کا تذکرہ ہے۔ لیکن شیخ محقق کا حسن عقیدت دیکھئے کہ انھوں نے سب سے پہلے سیدنا غوثِ اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی کا تذکرہ کیا ہے۔

> حضرت شیخ محدث دہلوی پر نسبت قادریت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے طرۂ امتیاز قرار دیتے تھے۔

مسلک شیخ محقق مسلک اہل سنت و جماعت کے امام ہیں۔ ان کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات وہی ہیں جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مسلک امام ربانی طبع لاہور' از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی۔ یہی معمولات و عقائد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاں ملتے ہیں۔ القول الجلی کی بازیافت' از حکیم سید محمود احمد برکاتی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ مقالہ رضا اکیڈمی لاہور

نے حال ہی میں طبع کیا ہے۔ علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں تاہم وہ اپنے مکتب فکر کا تعلق ان سے قائم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مولوی انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے مولوی انظر شاہ کشمیری، استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں:۔

"ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیئے۔ غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں۔ شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں انہیں تو جانے دیجئے، ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ تک معروف ومتداول رہی۔ اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل ووقیع نہیں رہے تاہم حدیث وقرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبد الحق مرحوم کا بھی بہر حال حصہ ہے۔

پھر یہ رائے بھی بدل گئی۔ اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی نیز حضرت شیخ عبد الحق مرحوم کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ: "شامی اور شیخ عبد الحق پر بعض مسائل میں بدعت وسنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا۔ بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں جنھیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔"[۵۱]

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لئے شیخ محقق کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

"شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ "مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"[۵۲]

حالانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ

"ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ"[۵۳]

"اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔"

علاوہ ازیں شیخ نے یہ بات بطور حکایت نقل کی ہے، روایت ہرگز نہیں کی، حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بریلی بدایوں خیر آباد اور رامپور کے علماء یعنی علماء اہل سنت ہی شیخ محقق کے جانشین اور ان کے مسلک کے امین ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی ایک جگہ چند اکابر ملت اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں:

"شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہ عارف نبیہ مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت وعظمائے امت قَدَّسَنَا اللّٰہ تعالیٰ بِاَسْرَارِھِمْ وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِھِمْ وَاَنْوَارِھِمْ۔"[۵۴]

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام، امام اہل سنت، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی تربت انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، ان کی اولاد امجاد اور تمام اہل سنت وجماعت کو ان کے علمی ورثے کی حفاظت اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کی تصانیف مبارکہ کے ذریعے احناف کے باہمی اختلافات کا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔ بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔

اللہ تعالیٰ شیخ قدس سرہٗ کی تربت انور پر بیشمار رحمتیں نازل فرمائے اور اللہ کی اولاد و امجاد و خلفاء کو اہلسنت وجماعت کے علمی ورثے کی حفاظت و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حواشی

(۱) محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء۔ چودھویں صدی کے مجدد اعظم (جامع اثر یہ بارگہ ...)
(۲) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، تکملہ اخبار الاخیار (طبع مجتبائی، دہلی) ص ۲۸۹۔
(۳) خلیق احمد نظامی۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ندوۃ مصنفین، دہلی، ص ۶۶،۸۷۔
(۴) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، تکملہ اخبار الاخیار فارسی، مجتبائی، دہلی ص ۲۹۲،۳۔
(۵) ایضاً ص ۳۰۰۔
(۶) نہر سے نہر جیحون مراد ہے۔ ماوراء النہر سے مراد وہ شہر ہیں جو اس نہر کے شمال میں واقع ہیں مثلاً بخارا سمرقند، نسف، سنجاب، خجند، خوارزم اور کاشغر وغیرہ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔
(۷) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اخبار الاخیار فارسی۔ ص ۳۰۲۔
(۸) ایضاً۔ ص ۳۰۲۔
(۹) ایضاً۔ ص ۳۰۴۔
(۱۰) خلیق احمد نظامی۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۴
(۱۱) ایضاً۔ ص ۱۶۰۔
(۱۲) خلیق احمد نظامی، پروفیسر۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۷۲
(۱۳) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق۔ رسالہ ضرب الاقدام رسالہ نامی گرامی اسلامی۔ ص ۲۷۔
(۱۴) خلیق احمد نظامی، پروفیسر۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص ۳۰۲۔
(۱۵) . . ص ۳۴۳
(۱۶) . . ص ۲۵۹،۲۴۴
(۱۷) . . ص ۳۴
(۱۸) غلام علی آزاد بلگرامی، علامہ سید۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان طبع حیدرآباد دکن ۱۳۰۳ھ، ص ۵۲۔
(۱۹) فقیر محمد جہلمی۔ مولوی، حدائق الحنفیہ مکتبہ حسن سہیل، لاہور، ص ۴۳۰۔
(۲۰) صدیق حسن خان بھوپالی۔ الحطہ (طبع لاہور) ص ۱۴۰
(۲۱) ایضاً ص ۲۱۴۔
(۲۲) فقیر محمد جہلمی، مولوی۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۳۱
(۲۳) خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص ۱۱۲۔
(۲۴) ایضاً . ص ۱۱۸ - ۱۱۹۔

نوٹ: جناب نظامی صاحب نے شیخ پر فلسفہ و منطق کا شمار کیا ہے، حالانکہ فلسفہ میں ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

اسلام آباد (پاکستان) میں یونیورسٹی کیمپس کی عالیشان مسجد

(۲۵) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ۱، ص ۳۳۳۔

(۲۶) ایضاً۔ مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ج ۱، ص ۲

(۲۷) ایضاً: ص ۱۴۴

(۲۸) ایضاً: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۳۹۶

(۲۹) ایضاً: : ج ۱، ص ۳۲۴۔

(۳۰) ایضاً: : ج ۲، ص ۴۵۰

(۳۱) ایضاً: سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل (بر اخبار الاخیار)، ص ۵۵

(۳۲) ایضاً: مدارج النبوت فارسی، ج ۱، ص ۱۱۸۔

(۳۳) ایضاً: اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱، ص ۳۴۴

(۳۴) ایضاً: مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۴۷۴۔

(۳۵) ایضاً: جذب القلوب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۲۱۳۔

(۳۶) ایضاً: اشعۃ اللمعات، ج ۲، ص ۴۰۲۔

(۳۷) ایضاً: جذب القلوب فارسی (نولکشور لکھنؤ) ص ۲۰۱۔

(۳۸) ایضاً: : ص ۲۰۶۔

(۳۹) ایضاً: : ص ۲۱۰

(۴۰) ایضاً: : ص ۲۲۱۔

(۴۱) ایضاً: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۷۱۵۔

(۴۲) ایضاً: : ج ۳، ص ۴۰۲۔

(۴۳) ایضاً: : ج ۴، ص ۴۰۵۔

(۴۴) ایضاً: : ج ۴، ص ۴۰۸۔

(۴۵) ایضاً: مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۱۹۔

(۴۶) ایضاً: تکمیل الایمان فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۷۷، ۷۶۔

(۴۷) ایضاً: ماثبت من السنۃ عربی، اردو (طبع لاہور) ص ۲۴۲۔

(۴۸) ایضاً: شرح سفر السعادۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ص ۲۶۲۔

(۴۹) ایضاً: شرح فتوح الغیب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۳۲۴۔

(۵۰) چاند کے چہرے پر گرد و غبار ڈالنے والی بات ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

(۵۱) نظر شاہ کشمیری، مولوی: فٹ نوٹ، ماہنامہ البلاغ (شمارہ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ) ص ۴۹۔

(۵۲) خلیل احمد انبیٹھوی: براہین قاطعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند) ص ۵۵۔

(۵۳) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (سکھر) ج ۱، ص ۵۲۔ امام احمد رضا بریلوی،

(۵۴) : مجموعہ رسائل حصہ دوم۔ (مدینہ پبلشنگ کمپنی) ص ۱۰۹۔

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ بحکم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور سب سے پہلے آپ ہی کے نور کی تخلیق ہوئی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "فیض الحرمین" صہ ۹۷ پر نقل فرمایا۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ماخلق اللہ نوری۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔"

اور بسبب اس کے چونکہ آپ کی بشریت نورانی بشریت ہے۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے آپ کا سایہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے نقل فرمایا کہ "نور حق کے غلبہ کے باعث آپ کی بشریت اصلاً نہ رہی اور آپ کا سایہ زمین پر نہ گرتا تھا۔"
(تفسیر عزیزی سورت والضحیٰ صہ ۲۲۶)

حوالہ مذکورہ

سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند ارجمند کے عقیدہ کے مطابق۔

اولاً: اول ماخلق اللہ نوری۔ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان و بلا تنقید آپ کی حدیث صحیح ہے۔ اور اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب نے اسے نقل کیا۔ اور اس کی دلیل دی ہے۔

ثانیاً شاہ صاحبان کے مسلک کے مطابق چونکہ بحکم حدیث آپ نور ہیں۔ اور نور حق کے غلبہ کے باعث آپ کی بشریت اصلاً نہیں رہی اس لئے آپ کا سایہ نہ تھا۔ جب کہ شاہ ولی اللہ سے جھوٹی عقیدت رکھنے والے نورانیت کا انکار کرتے اور عامی بشریت کی رٹ لگاتے ہیں

تصویر کا دوسرا رخ

شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہما) کا مسلک مبارک مدلل طور پر پڑھنے کے بعد آئیے۔ اب اس کے برعکس دیوبندی وہابی مسلک ملاحظہ

فرمائیے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث مولوی محمد سرفراز گکھڑوی نے اپنے دیوبندی وہابی عقیدہ کے تحت لکھا ہے کہ۔۔۔ "اصل میں سایہ نہ ہونے اور نور کا مسئلہ اہل بدعت نے شیعہ سے لیا ہے"۔
(کتاب تنقید متین ص ۱۲۱-۱۱۳)

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ کے محاورے کے تحت غور فرمائیے کہ دیوبندیوں کے صدر الصدور نے ڈنکے کی چوٹ کس طرح حدیث نبوی اور شاہ صاحبان کے عقیدۂ نور اور سایہ نہ ہونے کی تردید و تکذیب کی ہے۔ اور شاہ صاحبان کو عقیدۂ نور اور سایہ نہ ہونے کے مسئلہ میں شیعہ کا پیروکار اور اہل بدعت بنا دیا ہے۔

حالانکہ شاہ ولی اللہ اور بالخصوص شاہ عبدالعزیز صاحب نے شیعہ شنیعہ کا جس مردانگی سے رد اور مسلکِ اہل سنت کا تحفظ فرمایا ہے کوئی جاہل واجہل تو انھیں شیعہ کا پیروکار قرار دے سکتا ہے۔ مگر کوئی صاحبِ علم ان پر ایسی بہتان تراشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ والعیاذ باللہ۔

کیا یہ صراحۃً دھاندلی اور فراڈ نہیں کہ ایک طرف تو وہ شاہ ولی اللہ کے نام پر مخلوق خدا کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر دوسری طرف ان کی نور دشمنی اور شاہ ولی اللہ کی مخالفت کا یہ عالم ہے۔ کہ نہ صرف عقیدۂ نور اور سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کی پیروی قرار دیتے ہیں۔ ے

ناطقہ سر بگریباں ہے۔ اسے کیا کہیے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے

خوفناک انکشاف شاہ ولی اللہ صاحب کی طرح ان سے پہلے کے جلیل القدر بزرگ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہ صرف حدیثِ نبوی اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی کو نقل کیا ہے بلکہ صراحۃً اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔
(مدارج النبوت ج ۲ ص ۲)

• چنانچہ حضرت شیخ پر اعتماد کرتے ہوئے امام دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی تردید حدیث کی بجائے بدیں الفاظ سے نقل کیا ہے۔ کہ "شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اول ما خلق اللہ نوری کو نقل کیا ہے۔ کہ اس کی کچھ اصل ہے"۔
(فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۴)

لیکن مولوی سرفراز گکھڑوی کے استاذ و شیخ مولوی حسین علی واں بھچروی نے فارسی میں اور گکھڑوی صاحب کے بھائی عبدالحمید سواتی نے اردو میں حدیث نبوی و نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں تحریف و خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے بدیں الفاظ "مدارج النبوت و فتاویٰ رشیدیہ" پر ظلم ڈھایا ہے "کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ" میں لکھا ہے۔ کہ حضرت شیخ عبدالحق نے لکھا ہے۔ "اس روایت کی کوئی اصل نہیں"۔ (شیخ عبدالحق نوشتہ کہ ایں راہ ہیچ اصلے نیست) تحفۂ ابراہیمیہ ص ۱۵۹۔

اللہ اکبر مسلمانو! یہ ہے۔ ان دیوبندیوں کا اخلاق و کردار۔ کہ مصداق ع
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

• ان لوگوں کو حدیث نبوی و نور محمدی پر ایمان لانے کی تو توفیق نہیں۔ مگر الٹا "مدارج النبوت و فتاویٰ رشیدیہ" میں تحریف کر کے اپنی مسخ شدہ ذہنیت کے تحت حدیث پاک کی صحت و اصلیت کو مسخ کر کے مثبت کو منفی اور ہاں کو نہ بنا دیا۔

• اس واردات کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ تو خوف خدا محسوس کیا۔ اور نہ نبی پاک کی حیا آئی۔ نہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرم کی۔

مقام غور ہے۔ کہ جس حدیث نبوی کو شیخ محقق و شاہ ولی اللہ جیسے محدث

بلا انکار و جرح ایسی صحت و ذمہ داری کے ساتھ نقل کریں۔ اس میں شک و شبہ کی کیا گنجائش ہے۔ اور اس کے باوجود اگر کسی کی بدنصیبی آڑے آئے۔ اور وہ نہیں مانتا تو نہ مانے۔ مگر کسی کو ایسی علمی ڈکیتی اور کتبِ سلف میں تحریف و تبدیلی کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اور یہ سب کچھ شانِ رسالت کے انکار و حدیث نبوی و نورِ محمدی کی دشمنی اور مسلک شاہ ولی اللہ کی مخالفت کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

محفلِ میلاد

کتاب "فیض الحرمین" میں شاہ ولی اللہ صاحب نے خود اپنا واقعہ لکھا ہے۔ کہ "میں مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک (جائے ولادت باسعادت) میں یوم میلاد شریف پر حاضر تھا۔ اور لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے تھے۔ اور بیان کرتے تھے وہ معجزے جو آپ کے وقتِ ولادت ظاہر ہوئے تھے۔ اور وہ مشاہدات جو اعلانِ نبوت سے پہلے ہوئے تھے۔ تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے۔"

(الخ ص۲۷ عربی مع اردو)

معلوم ہوا

کہ محفل میلاد بدعت و ظلمت نہیں۔ بلکہ موجبِ برکت و نورانیت ہے۔ جس کا خود شاہ صاحب نے مشاہدہ کیا۔ نیز یہ کہ یوم میلاد منانا اور محافل و اجلاس کی تقاریب کا انعقاد کرنا شاہ صاحب کے نزدیک حرام و بدعت نہیں تھا۔ ورنہ آپ ہرگز محفل میلاد میں یوم میلاد پر شرکت نہ کرتے۔ یہی نہیں۔ بلکہ خود اہل مکہ مکرمہ بھی یوم میلاد کے قائل و عامل تھے۔

عرس مبارک

حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم (رحمۃ اللہ علیہما) فرماتے تھے۔ کہ میں نے خواجہ بیرنگ کے ایک ایسے خلیفہ کو دیکھا۔ جو انتہائی جلیل القدر بزرگ تھے۔ اور تقریب عرس مناتے تھے میں بھی کئی مرتبہ ان کے عرس مبارک میں شامل ہوا عرس میں تبرک بھی تقسیم کرتے تھے۔

(انفاس العارفین ص۸۲ ملخصاً)

معلوم ہوا

کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے والد بزرگوار بزرگوں کے عرس و تبرک کے بھی قائل و عامل تھے۔ اور عرس مبارک کو بدعت کہنے کے بجائے اس میں شمولیت فرماتے تھے۔ اور عرس کرنے والوں کو بزرگ جانتے اور ان کی تعریف کرتے تھے۔

متفرق متنازعہ مسائل

(حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف و تصریحات کی روشنی میں)

جاننا چاہیے۔

کہ • حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ عالم اسلام و دنیائے علم و فضل کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ اور اہل سنت کے ایک عظیم علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

• آپ حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی کے فرزند ارجمند اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہم) کے والد ماجد ہیں۔

• شاہ عبدالرحیم ایک صاحبِ حضوری بزرگ تھے۔ جن کی جلالت علمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن پانچ سو جلیل القدر علماء و فقہاء نے شہرۂ آفاق "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کیا۔ آپ اُن بزرگوں میں شامل تھے۔

• اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے علمی مقام کا اندازہ۔

• حضرت علامہ فضل حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے آپ کے سرکاوردہ شاگردوں کے علم و فضل سے ہو سکتا ہے۔

• اس پس منظر میں اور پیش منظر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت بذات خود محتاج تعارف نہیں رہتی۔ آپ کی تصانیف اور ہر دور میں تلامذہ کے تسلسل کا فیضان بہت جامع وہمہ گیر ہے۔ اور پاک و ہند کا شاید ہی کوئی فارغ التحصیل وسند یافتہ عالم ہو جس کی سند آپ تک نہ پہنچی ہو۔ چاہے وہ عالم کسی بھی مکتب فکر سے متعلق کیوں نہ ہو۔

• یہی وجہ ہے کہ تمام مکاتب فکر آپ کی شخصیت کے معترف اور آپ کے علم وفضل کے قدر دان ہیں۔ اور اپنے علمی سلسلہ اپنی تصانیف میں آپ کو بطور سند وحوالہ پیش کرتے اور آپ کی ذات کو حجت گردانتے ہیں

• مگر اس تمام صورت حال کے باوجود یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ دیوبندی وہابی مکتب فکر نے اپنے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی (مصنف تقویۃ الایمان) کی ناجائز تائید و حمایت میں شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی نجدی وہابی ظاہر کرنے کے لیے "تحفۃ الموحدین" اور "البلاغ المبین" جیسی نجدی عقائد پر مشتمل منظرت کتب کو آپ کی طرف منسوب کیا۔ آپ کی تصانیف میں تحریف والحاق کا ارتکاب کیا۔ اور ان میں قطع و برید کر کے آپ کی عبارات سے غلط تاثر دینے کی کوشش کی۔

• جس کی تفصیل کے لیے مترجم قصیدہ اطیب النغم (مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور) ہفت روزہ "الہام" بہاولپور کے "شاہ ولی اللہ نمبر" اور فقیر کی تصنیف "دیوبندی حقائق" کا مطالعہ کریں۔

• بہر حال ہمیں ثابت کرنا ہے کہ مسلک شاہ ولی اللہ مسلک اہل سنت ہے۔ اور دیوبندی مودودی وہابی اسمٰعیل اور تقویۃ الایمانی مسلک شاہ ولی اللہ کے مسلک کے بالکل مخالف بلکہ ان کے مسلک سے بغاوت ہے اور ان کے متعلق غلط تاثر دینا نہایت ہی مذموم حرکت ہے۔

الاعتصام کی شہادت

چنانچہ غیر مقلدین کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور نے بھی بدیں الفاظ اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ کہ "شاہ ولی اللہ صاحب کا جو حصہ تصوف سے متعلق ہے۔ اس میں ایسا مواد ملتا ہے۔ جس سے بریلوی کی خاص تائید ہوتی ہے۔" (تقدیم انفاس العارفین صت اردو)

مذکورہ تمہید کے بعد متفرق طور پر شاہ ولی اللہ کے عقائد و مسائل کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو ان کا مسلک کیا ہے۔ اور موجودہ مکاتب فکر میں کون ان سے موافق ومتفق ہے۔ اور کون نہیں۔

مجسم ثبوت

شاہ صاحب کا مسلک ان کی تصانیف "اطیب النغم۔ انفاس العارفین۔ در ثمین۔ فیوض الحرمین والقول الجمیل وغیرہ سے ظاہر وثابت ہے اور بذات خود ان کا تولد وجود اہل مزارات محبوبان خدا، اصحاب قبر کی زندگی تکلم و تصرف، علم غیب ما فی الارحام وما فی الصدور و فیضان قبر کا مجسم ثبوت ہے۔ جیساکہ آپ نے لکھا ہے۔ کہ میرے والد شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی قبر کی زیارت کو گئے۔ تو شیخ نے قبر سے ان کے ساتھ کلام فرمایا اور انہیں بیٹا (یعنی شاہ ولی اللہ) پیدا ہونے کی بشارت دی۔ اور اپنے نام پر قطب الدین نام رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر جب میری پیدائش ہوئی تو والد صاحب نے بھول کر ولی اللہ نام رکھ دیا۔ مگر جب یاد آئی تو قطب الدین نام رکھا۔" (تفہیمات الٰہیہ صت ۱۸۵)

• شاہ ولی اللہ نے "انفاس العارفین" صت ۱۱ میں اسی واقعہ کے سلسلے میں مزید لکھا ہے۔ کہ "والد ماجد نے فرمایا۔ جب شیخ قطب الدین کی روح مبارک نے ظاہر ہو کر بیٹے کی بشارت دی۔ تو میں نے سوچا۔ کہ

شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے کیونکہ اس وقت زوجہ کی عمر کے لحاظ سے اولاد کا ہونا ناممکن ہے۔ لیکن آپ فوراً میرے اس وہم پر مطلع ہو گئے اور فرمایا" میرا مقصد پوتا نہیں بلکہ یہ فرزند خود تمہارا ہوگا۔ چنانچہ عرصہ بعد دوسرے نکاح کا خیال پیدا ہوا۔ اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوئے۔"
(ملخصاً)

بنظر انصاف۔ ملاحظہ فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے تولد کے واقعہ مذکورہ کو نظر انداز کرنا اور منگھڑت کتب و جعلی عبارات سے ان کے مسلک کے خلاف غلط تاثر دینا کتنا قابلِ مذمت ہے۔ اور سنئے!

شانِ اولیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔

یعنی "میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔
(تفہیمات ج ۲ ص ۹۶، فیوض الحرمین ص ۳۴)

نورِ محمدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔

"سب مخلوقات سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔"

پھر نورِ محمدی کے واسطے سے دیگر حقائق کا ظہور ہوا۔ پس روحِ محمدی نبی الانبیاء ہے۔ جس کے واسطے سے ارواحِ انبیاء کو علوم معارف حاصل ہوئے۔ (فیوض الحرمین ص ۹)

حدیثِ لولاک

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔

یعنی فرمایا گیا۔ "اگر آپ نہ ہوتے تو افلاک نہ ہوتے۔"

آپ ہی ہیں جن کے لئے میں نے پیدا کیا۔ جو بھی پیدا کیا آپ نہ ہوتے تو علویات و سفلیات نہ ہوتے۔ آپ کتنے حسین ہیں۔ آپ کتنے جمیل ہیں۔ آپ کے لئے میری قدرت کا ظہور ہوا۔ آپ آپ ہیں آپ جیسا کوئی محبوب نہیں ہے۔"
(فیوض الحرمین ص ۲۲)

حیاتِ انبیاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک انبیاء مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں۔ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور حج کرتے ہیں۔"
(فیوض الحرمین ص ۲۸)

حاضر و ناظر

"میں جب بھی آپ کی قبر کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ کو حاضر و ظاہر دیکھا

• میں نے آپ کی روح کو ظاہر و عیاں دیکھا۔ اور معلوم کیا کہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ حضور نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور امامت فرماتے ہیں۔ اور اس طرح حاضر و ناظر کے متعلق اور بھی اس قسم کی جو باتیں کرتے ہیں۔ وہ یہی نکتہ ہے (ایسا ممکن ہے)

• بعض مرتبہ میں نے دیکھا۔ کہ تمام فضا آنحضرت کی روحِ مقدس سے بھری ہوئی ہے۔ اور روحِ مبارک اس میں تیز ہوا کی طرح موجیں مار رہی ہے۔

• نیز مجھ کو معلوم ہوا۔ کہ آپ کا خاصہ ہے۔ روح کو صورتِ جسم میں کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اپنا منہ مبارک ان کی طرف فرماتے ہیں۔۔۔۔ جیسا کہ یہ مشہور شعر ہے۔ کہ (ترجمہ) پہلوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ بلندی پر رہے گا غروب نہیں ہوگا۔
(فیوض الحرمین ص ۲۷-۳۰)

• جبرئیل خود اپنی جگہ (سدرۃ المنتہیٰ پر) قائم ہے مگر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بصورت دحیہ کلبی حاضر ہوتا ہے۔
(انفاس العارفین ص ۲۳۴)

جبکہ شانِ محمدی اس سے بالاتر ہے۔

علم غیب

عنایت ازلی کی وجہ سے نبوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہر نبی کو آنے والے

عظیم واقعات کا طوفانوں اور قیامت وغیرہ کے آثار و قرائن سے مطلع کرتا رہتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ نبوت عالم النفس اور عام آفاق میں حکماً تدبیر عالم و مصلح کائنات کے رموز و اسرار پر محتوی و مشتمل ہوتی ہے۔

• انسانی روح میں ایک قوت پوشیدہ ہوتی ہے۔ جسے لوح غیب کہتے ہیں جب نبی اس سے علوم (غیب) حاصل کرتا ہے تو اسے فرشتہ وحی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

(انفاس العارفین صـ ۱۰۲-۲۳۴)

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اوتیت علم الاولین والآخرین۔
"مجھے اولین و آخرین کا علم عطا کیا گیا ہے۔"

• "تحقیق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مشارق و مغارب دکھائے گئے اور ان کی کنجیاں بھی عطا کی گئیں۔"
(التفہیمات ج۲ صـ ۲۸۸)

• "جو ہوا جو ہوگا۔ اور جو غائب ہے۔ آپ کو سب کا علم تام ہے۔"
(مصفیٰ ج۲ صـ ۲۹۶)

صلوٰۃ وسلام اور نداء یارسول اللہ

• "جب صبح کی نماز پڑھے۔ تو سلام پھیرنے کے بعد" اوراد فتحیہ" کا وظیفہ کرے۔ جو کہ چودہ سو اولیاء کرام کے متبرک کلام کا مجموعہ ہے۔ (اس مجموعہ میں ۱۷ صیغوں کے ساتھ درود شریف بصیغۂ نداء مذکور ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا خلیل اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یانبی اللہ) جو شخص یہ اوراد حضوری و پابندی کے ساتھ پڑھے گا۔ وہ چودہ سو اولیاء کرام کی ولادت کا فیض پائے گا۔"

(انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صـ ۲۲)

استمداد و استغاثہ

"میں نے عرض کی یارسول اللہ۔ اللہ کی عطا سے ہمیں بھی عطا فرمائیں۔ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اور ہم خیرات لینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ ۔ ۔ پس آپ نے میری عظیم اجمالی مدد فرمائی۔ نیز مجھے بتایا کہ میں آئندہ اپنی حاجات میں سے کیسے مدد طلب کروں۔"

(فیوض الحرمین صـ ۲۹)

• مصیبت و سختی کے وقت جب میں نے تلاش کیا۔ کہ کیا کوئی ناصر و مددگار ہے۔ جس کی میں پناہ لوں تو میں نے سوائے حبیب پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی کو نہ پایا۔

• آپ باعتبار فراخی سینہ و بخشش کے تمام مخلوق سے زیادہ سخی ہیں۔ اور ہر طالب و سائل کے لئے آپ کا دست کرم سب سے زیادہ کشادہ ہے۔

• اے رسول خدا۔ اے بہترین خلق بروز حشر میں تیری عطا چاہتا ہوں آپ کی ذات ہر بلاء سے پناہ کا قلعہ ہے۔

• جب مصیبت ہجوم کرکے آجائے تو آپ ہی مجھے پناہ دینے اور بچانے والے ہیں۔

• "آپ ہی کی طرف میری توجہ ہے۔ آپ ہی سے پناہ چاہتا ہوں اور آپ ہی سے امید رکھتا ہوں۔"

(قصیدہ اطیب النغم ملخصاً)

مختارِ کُل

آپ نے عالم غیب کی مدد سے کئی بار بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ اور پیاسوں کو پانی پلایا۔ (حالانکہ ظاہری سامان و اسباب موجود نہ تھے۔)

• کئی قریب الموت مریضوں کو آپ کی دعا نے صحت یاب کردیا۔

• ام معبد کی خستہ حال بکری نے آپ کے لئے بہت دودھ دیا۔

• سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔

• جس کا ہاتھ آپ کے دست مبارک کو چھو گیا۔ اس سے خوشبو مہک اٹھی۔ اور جس کے سر پر ہاتھ پھیرا

اس کے بالوں میں بڑھاپا نہ اُتر سکا۔

• اللہ نے آپ کو دکھا دیا۔ جہاں تک زمین کے مشارق و مغارب میں آپ کی بادشاہی پہنچے گی۔

• پتھروں سنگریزوں اور گونگوں نے آپ سے کلام کیا۔

• کھجور کا پُرانا تنا آپ کے فراق میں رو دیا۔

• آپ کے پاس چودھویں رات کا چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ اور یہ معجزہ عجیب ترین ہونے کے باوجود آپ کی شان اعجازیہ کے لحاظ سے کوئی زیادہ عجیب و غریب نہیں۔ (اس لئے کہ آپ کی شان اعجازی اس سے بھی بہت زیادہ ہے) (قصیدہ اطیب النغم)

• بروز حشر عام لوگ آپ کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔" (مصطفیٰ ج ۳ ص ۲۸۵)

وسیلۂ نبی

"مجھے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا جس کے دامن کو پکڑ کر کوئی غمزدہ مصیبت کے وقت پناہ لے سکے۔ اور ہر توبہ کرنے والا حصولِ مغفرت کے لئے جہاں حاضر ہو سکے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

(ترجمہ) یعنی جب لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس حاضر ہوں۔ اور اللہ سے استغفار کریں۔ اور رسول ان کے لئے شفاعت فرمائے۔ تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (قصیدہ اطیب النغم)

وسیلۂ ولی

رسالہ "اصول ولایت" میں ہے۔ کہ آیہ کریمہ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔

میں جو فرمایا ہے کہ "ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔" اس میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد اور شیخ طریقت کی طلب ہے۔ اور وصال محبوب کی راہیں اس سے کھلتی ہیں۔" (انفاس العارفین ص ۳۳۵ القول الجمیل ص ۲)

تبرکات

"میرے والد نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ بحالت بیماری مجھے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا۔ بیٹا کیا حال ہے؟ پھر صحت کی بشارت دی۔ اور داڑھی مبارک کے دو بال عطا فرمائے۔ جب بیدار ہوئے تو بیماری غائب تھی اور موئے مبارک پاس تھے جن میں سے والد صاحب نے ایک مجھے عطا کیا۔" (درثمین ص ۸)

• اس واقعہ میں علم غیب حاضر و ناظر اور تصرف و تبرک کا واضح ثبوت ہے۔

والدین کریمین

• حضور کے والدین بہترین بندگان خدا میں سے ہیں۔ جنھیں رب تعالیٰ نے خواب میں آپ کے وجود کمال کی بشارت دی۔" (تفہیمات ج ۲ ص ۹۱)

ظاہر ہے کہ خیار و بہترین بندگان خدا وہی ہو سکتے ہیں۔ جو ایمان دار و نیکوکار ہوں نہ کہ کافر و مشرک (والعیاذ باللہ)۔

عبدالرسول نام

خلیفہ ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سید عبدالرسول مخلص مرید دمرد درویش تھے۔

• شیخ عبدالنبی مقتدا طریقہ احسنیہ تھے۔ (انتباہ ص ۵)

شیخ یونس کو عبدالنبی نام سے اس لئے پکارا جاتا کہ وہ لوگوں کو مسجد میں بٹھاتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوٰۃ پڑھواتے تھے۔ (انفاس العارفین ص ۱۰۹-۱۰۰-۳۲۷)

معلوم ہوا کہ عبدالرسول، عبدالنبی نام شرک و بدعت نہیں۔ بلکہ شاہ ولی اللہ کے بقول

بزرگان دین کے اسماء میں سے ہیں۔ (رحمۃ اللہ علیہم)

درود شریف

"میں مکہ معظمہ میں بروز ولادت باسعادت (۱۲ ربیع الاول کو) مولد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر تھا دیکھا کہ لوگ آپ پر درود شریف پڑھ رہے تھے اور موقع ولادت و قبل بعثت کے معجزات بیان کر رہے تھے۔ پس میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے۔۔۔ میں نے تامل کیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں۔ جو ایسے مشاہد و مجالس پر مقرر ہیں۔ نیز میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ انوار رحمت سے ملے ہوئے ہیں۔" (فیوض الحرمین ص۲۷)

• میرے والد ماجد نے بتایا۔ کہ میں مولد شریف کے ایام میں نبی پاک کے ہدیہ کے لئے کھانا پکوایا کرتا تھا ایک سال کچھ پاس نہ تھا۔ کہ کھانا پکواسکوں پس میں نے (میلاد کی خوشی میں تبرکاً) بھنے ہوئے چنے ہی لوگوں میں تقسیم کردیئے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ وہی چنے آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بہت شاد و بشاش ہیں۔ (در ثمین ص۹۔ انفاس العارفین ص۱۱)

عرس مبارک

والد ماجد فرماتے تھے۔ کہ میں نے خواجہ بزرگ کے خلیفہ جلیل القدر، ذرانی بزرگ شیخ نعمت اللہ کو دیکھا۔ جو عرس مناتے تھے اور چھ سات سال کی عمر میں میں بھی عرس میں حاضر ہوتا تھا۔ وہ عرس میں تبرک کے لئے بہت چھوٹی روٹیاں تقسیم کرتے تھے۔

(انفاس العارفین ص۸۲)

• اعراس مشائخ کی پابندی۔ زیارت قبور کی ہمیشگی۔ فاتحہ خوانی کا التزام ان کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ دینا اور ان کے آثار و اولاد و متبعین کی تعظیم کرنا معمولات میں سے ہے۔ (ہمعات ص۵۸)

ختم شریف

والد ماجد نے فرمایا۔ "میں شیخ عبد الاحد (مجدد الف ثانی کے پوتے) کے گھر گیا۔ تو وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔

• (حضرت شیخ محمد) خواجگان میں مشغول ہوگئے اور فراغت کے بعد فرمانے لگے۔ یہ دعا قبول ہوگئی ہے۔ (انفاس العارفین ص۱۲۵، ۲۶)

• جمعرات کو غوث الثقلین کی فاتحہ پڑھنے کے بعد وظائف شروع کرے۔ (ملخصاً۔ انتباہ ص۲۵)

گیارہویں شریف

مرزا مظہر جان جاناں (علیہ الرحمۃ) نے فرمایا۔ "میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرات اولیاء اللہ مع خواجہ نقشبند و حضرت جنید (رحمۃ اللہ علیہم) حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے استقبال کے لئے گئے۔ اور آپ مع اویس قرنی تشریف لائے۔ اور پھر یہ سب حضرات ایک نورانی حجرے میں داخل ہوئے۔ میں نے دریافت کیا۔ تو ایک بزرگ نے فرمایا۔ "امروز عرس حضرت غوث الثقلین است بتقریب عرس تشریف بروند" یعنی آج غوث الثقلین کا عرس (گیارہویں شریف) ہے۔ اس تقریب میں تشریف لے گئے ہیں۔" (ملخصاً کلمات طیبات ص۹۰ از شاہ ولی اللہ دہلوی)

گیارہویں شریف کی کتنی عظیم نسبت کا بیان ہے۔

لغیر اللہ

بعض لوگ عرس و گیارہویں کے خلاف یہ تاثر دیتے ہیں۔ کہ چونکہ اس میں غیر اللہ کا نام آگیا ہے۔ اس لئے آیت وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت یہ حرام ہے۔ حالانکہ شاہ ولی اللہ نے اس کے ترجمہ میں فرمایا کہ "آنچہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شد۔" (پ۲ ص۲۵ پ۶ ص۱۲۹)

معلوم ہوا

کہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت وہ جانور حرام ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ نہ کہ عرس و ختم گیارہویں وغیرہ جس میں دعائے خیر و ایصال ثواب کے لئے نسبت کی جاتی ہے۔ جو اولیاء کرام اہل سنت کا معمول ہے۔

غوث الاعظم

شاہ ولی اللہ نے غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) کو شیخ اعظم اور

غوث اعظم لکھا ہے۔ (تفہیمات ص۳۲-۱۰۸ ج ۲)

اور بحوالہ "الانتباہ" غوث الثقلین کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے۔ یعنی جن و انسانوں کے غوث اور سب سے بڑے غوث یعنی فریاد رس۔

• مزید لکھا ہے کہ "آپ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے اور اختیار استعمال فرماتے ہیں (ہمعات ص۶۱)

• "غوث اعظم نے (اپنے مقام و تصرف و اختیار کے متعلق) تفاخرہ کلمات کبریائیہ کے ساتھ کلام فرمایا ہے۔ اور آپ سے تسخیر عالم کا ظہور رہوا ہے۔" (جیسا کہ قصیدہ غوثیہ وغیرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔)

(ہمعات ص۸۳ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

تقلید ائمہ

مذاہب اربعہ سے وابستگی کی تاکید اور ان کے ترک یا ان سے خروج کی شدید ممانعت کے بیان میں۔ جان لے کہ تحقیق مذاہب اربعہ سے وابستگی میں عظیم مصلحت ہے۔ اور ان کے چھوڑنے میں بڑا فساد و بگاڑ ہے۔ ... بحکم حدیث اِتَّبِعُوا السَّوادَ الاَعظمَ۔ ان مذاہب حقہ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔ اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے (جو کہ فرمان رسالت اور حدیث مذکور کے خلاف ہے)

(کتاب عقد الجید ص۵۵،۵۶)

• ان (مذاہب کے) چار اماموں کے علم نے سارے جہاں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی، امام احمد اور کوئی امام و عالم ان کا ہمسایہ نہیں ہے) (مصفی ج ۱ ص۶)

طلاق ثلاثہ

"اگر ایک کلمہ میں تین یا تین سے زیادہ طلاق دے تو تین ہی واقع ہو جائیں گی۔ (مصفی ص۴۹ ج ۲)

• قنیہ فتاوی اعتمادیہ اور فتاوی سمرقندیہ میں ہے۔ کہ جو مفتی (بغیر حلالہ) مطلقہ ثلاثہ کا پہلے خاوند سے نکاح کا فتویٰ دے وہ مطلقہ ہی رہے گی۔ (حلال نہیں ہوگی) اور مفتی کو سزا دی جائے گی۔" (عقد الجید ص۱۳۰-۱۳۱)

۲۰ تراویح

"۲۰ تراویح اور تین وتر حنفیہ شافعیہ کا مذہب ہے۔ اور محلی نے امام بیہقی سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور ۲۰ تراویح کے تعین کا راز حضرات صحابہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی فراست منورہ نے دریافت فرمایا۔ (ملخصاً مصفی شرح مؤطا ج ۱ ص۱۷۷ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۸ ج ۲)

حرف آخر

الحمد للہ اختصار کے باوجود حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ و مسلک ان کی تصانیف کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ جو اہل علم و انصاف کے لئے قابل توجہ ہے جس کی روشنی میں بلا تعصب سُنی وہابی مسلک کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اور اختلافات کو سمیٹا جا سکتا ہے۔ یہ مسلک دور اختلافات سے دو صدی سے زائد عرصہ پہلے کا ہے۔

نوٹ۔ اگر شاہ صاحب کی کوئی عبارت اس مسلک و عقیدہ کے خلاف پیش کی جائے۔ تو اس کی تاویل ہوگی یا وہ انفرادی رائے ہوگی۔ یا پھر جعلی و الحاقی۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول زیارت موئے مبارک

حضرت نے فرمایا کہ "قدیم طریقے کے موافق ۱۲ ربیع الاول کو میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ نیاز تقسیم کی۔ اور آپ کے بال مبارک کی زیارت کرائی۔ تلاوت کلام پاک کے دوران میں ملاءِ اعلیٰ کا ورود ہوا (فرشتے نازل ہوئے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح نے اس فقیر اور اس سے محبت کرنے والوں کی طرف بہت التفات فرمائی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ملاءِ اعلیٰ (فرشتوں کی ٹولی) اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت نیاز مندی اور عاجزی کی بنا پر بلندی کی طرف بڑھ رہی ہے (اوپر اٹھ رہی ہے) اور اس کی کیفیت کی برکتیں اور اس کی لپٹیں نازل ہو رہی ہیں۔" (شاہ ولی اللہ)

(القول الجلی صہ۷۴ مترجم صہ۹۸)

اس ملفوظ سے صاف طور پر ثابت ہے کہ

● خاص ۱۲ ربیع الاول کو شاہ ولی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ اور نذر و نیاز دلوایا کرتے تھے اور یہ آپ کا پرانا طریقہ تھا۔

● اور نیک بخت حاضرین کو موئے مبارک از بس مکرم و مقدس کی زیارت کراتے تھے۔ اور شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

● تاریخ کی تعین کی وجہ سے کراہت تو درکنار، آپ کو برکات اور انوار نظر آتے تھے آپ حاضرین مجلس کے درجات بلند ہوتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اسی طرح آپ نے رسالہ "الدرالثمین" کے صہ۹ حدیث ۲۲ میں اپنے والد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کا بیان نقل کیا ہے۔ کہ "میں ایام مولود میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے میلاد کا کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ پاس نہ تھا۔ کچھ بھنے چنے تھے۔ ان کو میں نے تقسیم کیا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بھنے چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ شاد اور بشاش ہیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ اور آپ کے والد بزرگوار پابندی کے ساتھ میلاد مبارک کے دن خوشی کا کھانا اور شیرینی تقسیم کیا کرتے تھے اور یہی حضرت شاہ عبدالعزیز اور آپ کے شاگردوں کا طریقہ رہا۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

یہ موئے مبارک

شاہ عبدالرحیم کو عطا ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اس کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ کہ والد صاحب فرماتے تھے۔ کہ "ایک بار بیماری کے تسلسل سے میری حالت غیر ہوگئی۔ اسی حالت میں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور مجھے آغوش میں لے لیا اور ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے۔ بیدار ہونے پر میں نے دو موئے مبارک تکئے کے نیچے پائے اور بیماری اور نقاہت بھی زائل ہوگئی۔" شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا کیا تھا۔ اور ایک شاہ اہل اللہ کو، شاہ اہل اللہ اسے پھلت لے گئے تھے اور وہاں اب تک شاہ محمد عاشق کے اخلاف کے پاس ہے۔ شاہ ولی اللہ کے ہاں اس موئے مبارک کی سالانہ زیارت کرائی جاتی تھی۔

(الدرالثمین از شاہ ولی اللہ صہ۶ انفاس العارفین صہ[illegible])

ایمان و انصاف

کی روح سے غور فرمائیں کہ مسلک شاہ ولی اللہ کی مطابقت اور موافقت۔ مسلک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے ساتھ ہے یا پناہ بخدا دیوبندی وہابی مسلک کے ساتھ اس قدر تصریحات کے باوجود دیوبندی وہابی مولوی اپنا ناطہ شاہ ولی اللہ سے۔ اور ان کا ناطہ اپنے ساتھ جوڑیں تو یہ سراسر ظلم۔ دھوکہ اور فراڈ نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ خاص ۱۲ ربیع الاول کو تقریب میلاد شریف نیاز و شیرینی کی تقسیم و تبرک موئے مبارک کی زیارت کا اہتمام اور میلاد شریف میں انوار و برکات کا مشاہدہ اور زندہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی و نظر التفات شاہ عبدالرحیم کی سخت بیماری میں ان کے پاس آپ کی جلوہ گری و موئے مبارک عطا فرمانا اور ان کا فوراً صحت یاب ہونا۔ ان سب امور کی دیوبندی وہابی مذہب و "تقویۃ الایمانی" دھرم سے آخر کون سی مناسبت ہے؟

فاتحہ عاشورا

حضرت (ولی اللہ) نے فرمایا۔ "عاشورا کے ایام میں حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی طرف سے مکرر ارشاد ہوا کہ ان حضرات کی فاتحہ دلائی جائے۔ چنانچہ ایک دن شیرینی منگوائی گئی اور قرآن مجید کا ختم کر کے فاتحہ دلائی گئی اور حضرات ائمہ اطہار کی ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔" پھر حضرت نے ارشاد کیا "جب حضرات ائمہ اہل بیت اطہار کی ارواح طیبہ میں گہری

نظر ڈالی گئی تو حضرت امام جعفر صادق کی مبارک روح میں ایک خاص قسم کا امتیاز، تمکنت اور عظمت نظر آئی۔

• آپ کے بعد یہ مبارک نسبت اسی کیفیت پر رہی اور پھر اسی نسبت مبارکہ کی شوکت و عظمت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی دوسرے میں نظر نہیں آتی۔

(القول الجلی فی ذکر آثار الولی صہ ۱۰۵)

• آپ کے صاحبزادے و جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی تاحیات محرم میں مجلس ذکر شہادت حسنین کرنے کے پابند رہے جس میں صحیح و مستند روایات بیان فرماتے تھے اور کثیر مجمع ہوتا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک ہزار تک لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

(فتاوی عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

• نیز واقعہ شہادت کربلا کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب "سر الشہادتین" بھی مشہور و معروف ہے۔

نوٹ: ۔ صہ ۱۱-۱۲ کے یہ حوالہ جات کتاب "القول الجلی کی بازیافت" سے اخذ کیے گئے ہیں۔ جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دو سال قبل کی مستند ترین سوانحیات "القول الجلی فی ذکر آثار الولی" کی تحقیق و تفصیل اور مسلک شاہ ولی اللہ کے اظہار و بیان پر مشتمل ہے۔

لمحۂ فکریہ فاتحہ عاشورا کے حوالہ مذکورہ کو دوبارہ پڑھیں۔ اور روز روشن کی سنیت افروز اور نجدیت و دیوبندیت سوز عقیدہ و مسلک شاہ ولی اللہ کو ذہن نشین فرمائیں۔ کہ ان کے عقیدہ و مسلک کے مطابق۔

• نہ صرف انبیاء (علیہم السلام) بلکہ ائمہ کرام بھی زندہ ہیں۔ ان کی طرف سے ایام عاشوراء میں شاہ ولی اللہ کو فاتحہ دلانے کا ارشاد ہوتا ہے۔ اور تعمیل ارشاد پر ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔

• کیا اس میں بعد از وصال علم غیب و حیات و تصرفات کا ثبوت نہیں ہے۔

• اور کیا اس میں یوم عاشورا جیسے ایام منانا اور بالخصوص اس موقع پر ختم شریف و فاتحہ دلانے کی دلیل نہیں ہے۔

• مزید برآں امام جعفر صادق اور سیدنا عبدالقادر جیلانی کی شوکت و عظمت کا بیان اور آپ کو غوث اعظم (بہت بڑے فریادرس) لکھنا۔ کیا یہ سنی مسلک کی تائید اور دیوبندی وہابی مذہب کی تردید کے لیے کافی نہیں ہے۔

• علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ کے شہزادہ و جانشین شاہ عبدالعزیز جیسے جلیل القدر مفسر و محدث کا ذکر حسین کے لیے مجلس شہادت قائم کرنا اور اس سلسلہ میں مستقل کتاب "سر الشہادتین" شائع کرنا "سنی مسلک" کی حقانیت کا ثبوت اور دیوبندی وہابی مذہب کے باطل ہونے کی دستاویز نہیں ہے؟ اس لئے کہ فاتحہ عاشورا کا سارا بیان سنی بریلوی مسلک کا معمول ہے۔ **جبکہ** ۔ دیوبندی وہابی کے مطابق ایام محرم میں "سر الشہادتین" کا پڑھنا منع ہے۔ ۔ ذکر شہادت کا ایام عشرہ محرم میں کرنا بمشابہت روافض کے منع ہے۔ محرم میں ذکر شہادت حسنین کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاوی رشیدیہ صہ ۲۷۴-۲۳۵)

مزید لکھا ہے کہ "مرثیہ شہیدان کربلا کا جلا دینا یا دفن کرنا ضروری ہے۔ اور لکھا ہندوؤں کے سودی روپیے کے پیاؤ (سبیل) سے پانی پینا مضائقہ نہیں۔"

(فتاوی رشیدیہ صہ ۲۷۴-۲۷۰)

حکایات شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت شاہ

ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ایک مسلمہ علمی شخصیت ہیں۔ اور ایک عظیم علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ علماء "اہل حدیث و دیوبند" کے بھی مستند و معتمد علیہ ہیں۔ بلکہ ان حضرات نے تو آپ کو اپنے اکابر میں شمار کیا ہے اور اپنا سرکردہ تسلیم کیا ہے۔ ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ کے بعض علمی و تحقیقی اور تاریخی و روحانی جواہر پارے "حکایات شاہ ولی اللہ" کے عنوان سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ تمام اہل علم و انصاف اور بالخصوص علماء "اہل حدیث و دیوبند" سے اپیل ہے۔ کہ وہ اپنے "تقویۃ الایمانی" مسلک کا شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک و تحقیقات سے موازنہ کر کے اپنے دیوبندی وہابی مسلک پر نظر ثانی کریں واللہ الہادی والموفق۔

(۱) یہی فقیر سعدی ہے

"حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ "ایک دفعہ درس سے واپسی پر میرا ایک لمبے کوچے سے گزر ہوا۔ اس وقت میں خوب ذوق میں سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا۔ کہ ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سرِ عشق ہر کہ بخوانی بطالت است
سعدی بشو لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است

اتفاق کی بات ہے کہ (خط کشیدہ) چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اُتر گیا۔ یاد نہ رہا۔ اچانک ایک فقیر منش پیرمرد نمودار ہوا۔ اور اس نے مجھے لقمہ دیا کہ چوتھا مصرعہ یہ ہے

ع علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است

میں نے کہا۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔ آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے۔ پھر میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کئے۔ مسکراتے ہوئے فرمایا کیا یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں یہ بطور ہدیہ و شکریہ پیش کر رہا ہوں۔ فرمایا میں پان استعمال نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر انھوں نے (لمبا) قدم اٹھایا اور کوچہ کے آخر میں رکھا۔ میں نے جان لیا کہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جایئے تاکہ فاتحہ تو پڑھ لیا کروں۔ فرمایا یہی فقیر سعدی ہے۔"

(انفاس العارفین فارسی ص۲۲ اردو ص۱۲)

(۲) چیونٹی کے خیالات

شیخ ابوالرضا محمد کا ایک خادم کسی بُری عادت میں مبتلا تھا۔ اور تنبیہ فرمانے کے باوجود عادت بد سے باز نہ آیا۔ بالآخر اسے تنہائی میں بلا کر فرمایا شاید تو سمجھتا ہے۔ کہ ہم تیری کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا۔ اگر زمین نچلے (ساتویں) طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں سو خیالات ہیں تو ان میں سے ۹۹ خیالات کو میں جانتا ہوں۔ یہ سن کر خادم نے اپنی بُرائی سے توبہ کی۔

(انفاس العارفین فارسی ص۹۲ اردو ص۲۰۵)

(۳) فراست مومن

حضرت والد ماجد بارہہ کے علاقہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگ بیماروں کے قارورے لائے۔ آپ نے سب کے لئے فوراً نسخے تجویز کر دیئے مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی موجود تھا۔ ایک بیمار کے قارورے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرض کی۔ حضرت اس کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں۔ ہنس کر فرمایا یہ ایک عورت کا قارورہ ہے۔ جس کا نام یہ ہے۔ ہاتھ ایسے ہیں۔ کردار یہ ہے۔ اور اس کی بیماری کا سبب یہ ہے۔ ہندو نے یہ سب سُن کر عرض کی۔ کہ حضرت طب میں یہ مسئلہ کہاں ہے؟ فرمایا یہ طب کی بات نہیں۔ یہ تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی سچی فراست ہے۔

(انفاس العارفین ص۱۲۵)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی اپنے شعر کی یاد دہانی کے لیے جلوہ گری و چیونٹی کے ۹۹ خیالات کے علم و فراستِ مومن کی حکایات کے بعد مزید ملاحظہ ہو۔

(۴) نیاز قبول

"میر ابوالعلیٰ اکبرآبادی" حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار پر انوار کی طرف متوجہ رہنے لگے۔ اور بارگاہ خواجہ کی عنایات اور فیوض سے بہرہ ور ہوئے۔ مروی ہے کہ میر ابوالعلیٰ کے اہل خانہ نے ان کے فرزند میر نور العلیٰ کے عارضہ علالت کے سبب ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز مزار خواجہ پر بھجوائی تھی۔ حضرت میر کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ ایک دن صاحب مزار کی طرف متوجہ تھے۔ کہ مزار سے ندا آئی "تمہارے فرزند کی صحت کے لیے تمہارے گھر سے یہ کچھ نیاز آئی ہے۔ اور اہل خانہ نے دوسرے فرزند کے لیے بھی التجا کی ہے۔ نیاز قبول اور التجا مبذول ہے۔"

(انفاس العارفین ص ۶۹)

(۵) گھر میں جلوہ گری

والد ماجد نے فرمایا۔ کہ "حضرت خواجہ معین الدین کو میں نے دیکھا۔ کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ایک چراغ روشن ہے۔ لیکن اس چراغ کی بتی حرکت کی محتاج تھی۔ تاکہ تازہ ہوکر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انہوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عطا فرمائی۔ اور اس واقعہ کی تعبیر بھی اجازت طریقہ تھی۔ (ص ۱۰۸)

(۶) مہمان نوازی

"حافظ شیرازی نے فرمایا۔

ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

اور عملاً ثبوت بھی خود ہی مہیا فرما دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز میرے والد حضرت شاہ ولی اللہ کے روبرو ایک شخص نے اپنا حال بیان کیا۔ کہ میں ایک دفعہ بطور سیاحت شیراز گیا اور خواجہ حافظ شیرازی کے مزار پر حاضری دی۔ بوقت شام لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ میں مسافر تھا۔ اسی جگہ قیام کیا اور کہا۔ اے خواجہ حافظ! آج میں آپ کا مہمان ہوں اور میرے پاس زاد راہ بھی نہیں۔ پھر شب یا اس سے زیادہ گزرا ہوگا۔ کہ دیکھا۔ ایک شخص کے سر پر خوان ہے۔ اور دوسرے آدمی کے ہاتھ میں مشعل ہے اور وہ میری طرف چلے آ رہے ہیں۔ پہلے تو میں خوفزدہ ہوا۔ آخر دل کڑا کرکے انتظار کرنے لگا۔ جب قریب آئے تو آواز دی کہ۔ حافظ کا مہمان کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ میں سویا ہوا تھا۔ کہ حافظ صاحب کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ "ایک شخص ہمارا مہمان ہے۔ بھوکا ہے۔ اور زاد راہ بھی نہیں رکھتا۔" میں طعام تقسیم کر چکا تھا۔ تلاش کے بعد جو کچھ ملا حاضر ہے۔ اور یہ پانچ اشرفیاں زاد راہ ہے۔"

(دیوان حافظ کے اردو ترجمہ کے مقدمے سے ماخوذ)

قصۂ مودودی و گکھڑوی

اہل علم و انصاف کی توجہ کے لئے گزارش ہے۔ کہ

• ایک طرف حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے والد ماجد کے مسلک اور ان کی حکایات و واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اِدھر کوئی صاحبِ دل اور اہل روحانیت ہو۔

• تو بفضلہ تعالیٰ ادھر عالم برزخ میں اولیائے کرام و محبوبانِ خدا کی ارواح مبارکہ سے مافوق الاسباب تعلقات مکالمات نذر و نیاز قضاء حاجات و استمداد و التجا میں نہ کوئی رکاوٹ ہے۔ اور نہ ہی یہ چیز توحید کے خلاف اور شرک کا ارتکاب ہے۔ گویا صورتِ حال یہ ہے کہ ع

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

مگر • مولوی مودودی و مولوی سرفراز گکھڑوی دیوبندی کے پیش نظر حکایات و مسلک شاہ ولی اللہ کے برعکس

بڑی بد دیانتی کے ساتھ انہی شاہ ولی اللہ کے نام سے لکھا ہے۔ کہ "جو لوگ (مُردوں سے) حاجتیں طلب کرنے کے لئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر پر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں۔ کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کمتر ہے۔"

(تجدید و احیاء دین از مودودی ص۴۲)

اور بقول گکھڑوی

"جو شخص اجمیر میں خواجہ چشتی کی قبر پر سالار مسعود کی قبر پر یا ان کی مانند کسی اور قبر پر اس لئے گیا کہ وہاں دعا کرے گا۔ اور اس کی دعا وہاں قبول ہوگی۔ تو اس نے ایسا گناہ کیا۔ کہ جو گناہ قتل اور زنا سے بھی بدترین گناہ ہے۔"

(راہ سنت ص۱۶۲ بحوالہ تفہیمات)

ایک طرف

ہماری پیش کردہ خواجہ اجمیری کے نام سے صریح حکایات و مسلک شاہ ولی اللہ صاف و شفاف طور پر آپ کے سامنے ہے اور دوسری طرف خواجہ اجمیری کے متعلق مودودی و گکھڑوی کی نقل کردہ عبارت ہے۔ جو مذکورہ حکایات شاہ ولی اللہ سے صریح طور پر متصادم ہے۔ اور انفاس العارفین در ثمین۔ قول جمیل۔ فیض الحرمین اور اطیب النغم وغیرہ تفہیمات میں محفوظ و منقول مسلک شاہ ولی اللہ کا حوالہ دینے کی بجائے یک طرفہ طور پر تفہیمات کی متنازعہ عبارت نقل کرنا مودودی و گکھڑوی کی صریح بد دیانتی محبوبان خدا سے دشمنی اور اپنی جہالت و نجدی ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ اس لئے کہ یہ متنازعہ عبارت اسمٰعیلی وہابی ذہنیت کی الحاقی عبارت ہے۔ جو ہرگز لائق اعتبار نہیں۔ اب یہ ہر شخص کی دیانت و انصاف پر موقوف ہے۔ کہ وہ زیر بحث متنازعہ عبارت قبول کرے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ حکایات و متفقہ تصانیف کو غلط قرار دے۔

● اور یا پھر انہیں تسلیم کرے اور تحریف شدہ متنازعہ الحاقی عبارت پر لاحول پڑھے۔

● مگر اس ایک متنازعہ الحاقی عبارت کا مسترد کرنا ہی بہتر و قرین انصاف ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو قبول کر کے شاہ صاحب کی متفقہ تصانیف و مذکورہ مدلل حکایات کو مسترد کیا جائے۔

● البتہ اس کے لئے خدا خوفی علم و انصاف اور امانت و دیانت کا ہونا اہم شرط ہے ؎

مجھ میں نکتۂ توحید آتو سکتا ہے مگر
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

(اور سنئے!)

(۷) تھانوی کی شہادت

خلیفۂ تھانوی مولوی محمد حسن دیوبندی بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے بقول مولوی اشرف علی تھانوی نے فرمایا۔ کہ "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے جاتے تھے ایک بار ان کو خیال ہوا۔ معلوم نہیں حضرت کی روح کو اس کی اطلاع ہوتی ہے یا نہیں پس ان کی روح نے متمثل ہو کر شاہ صاحب سے مخاطب اور یہ شعر نظامی کا پڑھا ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
"من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"

(رسالہ انوار العلوم لاہور فروری ۵۳ء)

ذرا سوچئے

صاحب مزار کا دل کے خیال پر مطلع ہونا۔ اور تصرف ایسا کہ روح کا متمثل و مجسم ہو کر کلام و خطاب کرنا اور شعر سنانا اور شعر بھی ایسا کہ جس کا معنی و خلاصہ یہ ہے کہ "مجھ صاحب مزار کو اپنی طرح زندہ سمجھو" اگر تو جسم و تن کے ساتھ آئے گا۔ تو میں روح و جان کے ساتھ آؤں گا۔ (استقبال ملاقات کروں گا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ

۱۴۰۶

ولا تكونوا كالذين نسوا الله فانساهم انفسهم

(۸) روحانی کلیہ وضابطہ

حضرت شیخ محمد کے مرید سید علی نے بیان کیا۔ میں شراب نوشی کا مرتکب تھا۔ اور کسی بھی بُرے فعل سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ جب حضرت شیخ قریہ سرائے میں تشریف لائے۔ تو میں بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام بُرے امور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ توبہ کرکے آپ سے بیعت ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد سفر کابل کا اتفاق ہوا۔ تو میں نے عرض کی۔ میرا ارادہ تھا کہ کچھ وقت آپ کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوتا۔ مگر قسمت کابل لے جارہی ہے۔ اس پر فرمایا ؎

گر در یمنی چو بامنی پیش منی
در پیش منی چو بے منی در یمنی

(یعنی۔ اگر میرے ساتھ تمہارا تعلق صحیح ہے تو تم یمن میں رہ کر بھی میرے پاس ہو۔ اور اگر تعلق نہیں۔ تو بظاہر میرے پاس رہ کر بھی یمن میں ہو) پھر کابل میں جب ایک مرتبہ میں بدکاری میں مبتلا ہوا تو عین اس وقت صورت شیخ سامنے آگئی اور دیو شہوت غائب ہوا۔
(الفاس)

سبحان اللہ۔ کیا روحانی کلیہ ہے جب غلاموں کا یہ حال ہے تو آقا کی کیا شان ہوگی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مسلک مجدد الف ثانی

علامہ میاں جمیل شرقپوری

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ، شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے جو سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگ تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے۔ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر گیلانی محبوب سبحانی سرکار بغداد رحمۃ اللہ علیہ کا فیض قادریہ و خرقہ غوثیہ حاصل کیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو حج و زیارت مدینہ منورہ کا بہت شوق تھا چونکہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ضعیف العمر تھے ان کی خدمت حج و زیارت میں مانع آئی۔ ۲۱ برس کی عمر میں مزید علوم و معارف سے بہرہ ور ہو کر سرہند شریف آئے اور مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ سید رضی الدین محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ سید محمد باقی باللہ

عجائب بسیار از روزگار او وقائع او مشاہدہ نمود، بآں ماند کہ چراغے شود کہ عالم ہا از و روشن گردد، الحمد للہ تعالیٰ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ۔

(مقامات امام ربانی ص۱۱)

ترجمہ:۔ شیخ احمد سرہند کے رہنے والے ہیں وہ کثیر العلم اور قوی العلم ہیں۔ فقیر نے چند روز ان (شیخ مجدد) سے مجلس کی ہے۔ اس دوران ان سے بہت سے عجائبات دیکھنے میں آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چراغ کی طرح روشن ہوں گے جن سے جہان روشن ہوں گے۔ الحمد للہ کہ ان کے احوال کاملہ نے مجھے اس امر کا یقین دلا دیا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے تو مخلوق خدا اطراف و اکناف سے آکر حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگی اور بڑے بڑے عمال و حکام آپ کے مرید ہو گئے۔

عہد اکبری اور دین الٰہی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت اکبر کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اکبر کے گرد ملا مبارک کے فرزند ابوالفضل اور فیضی کچھ پنڈت اور دیگر مذاہب کے لوگ اکٹھے ہو گئے اور اس کے مشیر بن گئے۔ ان مشیروں نے اکبر کو بڑے غلط راستہ پر ڈال دیا اور ایک نئے مذہب کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ ان مشیروں کے ایما پر مختلف مذاہب کے چند اصولوں کے مجموعہ کا نام دین الٰہی مقرر کیا گیا۔ دین الٰہی میں پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا۔ جنیو پہنے جاتے مسجد اور مندر کا رتبہ ایک قرار دیا گیا۔ بادشاہ کو خدا کا اوتار کہا جانے لگا۔ اور اس کے لئے سجدہ تعظیم روا رکھا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی اور دین الٰہی کی مخالفت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔ فتنہ دین الٰہی شب و روز ترقی پر تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ان گمراہ کن حالات میں کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ حضرت مجدد نے رام اور رحیم ایک " کے نظریے کی واشگاف انداز میں مخالفت کی اور فرمایا کہ، ملت ماجد اگانہ است۔ حضرت نے دین الٰہی کا رد کیا اور فتویٰ صادر فرمایا۔ کہ سجدہ تعظیم ناجائز ہے۔ مسلمانوں کے لئے بارگاہ ایزدی کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا ممنوع ہے۔

دربار جہانگیری میں تشریف آوری

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر سلطنت کے تخت پر بیٹھا وہ بھی باپ کے نقش قدم پر تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ حق میں شب و روز مشغول تھے۔ حضرت کا حلقۂ ارادت روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہا تھا۔

جہانگیر کے درباریوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جہانگیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے اور اکسانے لگے کہ یہ شخص تیری سلطنت کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ سجدۂ تعظیم کو ناجائز کہتا ہے وہ دن دور نہیں جب تیری سلطنت پر قابض ہو جائے گا۔ یہ اپنے ہمنواؤں کی فوج تیار کر رہا ہے چنانچہ جہانگیر نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں بلایا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ دربار جہانگیری میں تشریف لائے حضرت مجدد نے مسنون طریقہ پر السلام علیکم کہا۔
جہانگیر نے آداب شاہانہ اور سجدۂ تعظیم کا مطالبہ کیا اس پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے فاروقی خون نے جوش مارا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ایک گمراہی ہے کہ انسان کسی انسان کو سجدہ کرے۔ میرا سر بارگاہِ صمدیت کے سوا کسی غیر کے آگے نہیں جھک سکتا۔ جہانگیر یہ صدائے حق سن کر بہت گھبرایا۔ کہ یہ معاملہ کسی طرح نپٹ جائے میری بات بھی رہ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے حواریوں سے مل کر یہ تجویز کیا کہ میں فلاں کمرے میں بیٹھتا ہوں اور حضرت کو اس کھڑکی سے گذار کر اندر لایا جائے۔ حضرت تو محض گزرنے کے لئے جھکیں گے میری بات بھی اس بہانے سے بن جائے گی۔

جہانگیر کے عمال حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو مقررہ کھڑکی کے پاس لے گئے اور اندر گزرنے کو کہا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ معاملہ کو جان گئے۔ حضرت نے گزرنے کے لئے پہلے اپنا ایک پاؤں گزارا پھر دوسرا۔ اس طرح حضرت اندر تشریف لے گئے۔ جہانگیر کو حضرت کے پاؤں دکھائی دیئے۔ اس کو اس نے اپنی ہتک تصور کیا اور طیش میں آکر اس کی پاداش میں حضرت کو قید کرنے کا حکم دیا۔

گوالیار کا قلعہ اور ایامِ اسارت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا جو کہ حکومت کے باغیوں کے لئے مشہور تھا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جیل میں ہزاروں گمراہوں کے لئے رشد و ہدایت کا مینار ثابت ہوئے۔ حضرت کے فیوض و برکات سے ہزاروں فاسق فاجر متبع سنت ہو گئے اور ہزاروں غیر مسلم مسلمان بن گئے۔

نتائج

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے حضرت مجدد

الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کے اثرات کو نہایت جامعیت سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"جہانگیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ آگئے۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔

اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے۔ شاہ جہاں اگرچہ ایک پارسا سنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل، برداشت نہیں کرتا تھا۔ تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا۔

اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشان نصرت تھا"

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی

جہانگیر کی بیٹی کو خواب میں سرکار دو جہاں حضور پر نور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہانگیر کی بیٹی کو فرمایا کہ ہم تمہارے باپ سے ناراض ہیں کہ اس نے ہمارے ایک مقرب، نور نظر، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو قید کر رکھا ہے۔

جہانگیر نے جب یہ خواب سنا تو بہت متاثر ہوا جہانگیر نے حضرت مجدد سے اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کی معافی چاہی اور حضرت کی رہائی کے احکام صادر کیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک جیل سے باہر نہ آؤں گا جب تک میری یہ شرائط منظور نہ کی جائیں۔ تمام مسمار شدہ مساجد کی از سر نو تعمیر کی جائے۔ کفار سے شریعت محمدیہ کے مطابق جزیہ لیا جائے۔ مسلمانوں سے ذبیحہ گاؤ کی پابندی ہٹالی جائے۔ دربار میں سجدۂ تعظیم بند کیا جائے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تمام شرائط مان لی گئیں اور حضرت جیل سے باہر تشریف لے آئے۔

وفات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے چند ماہ قبل یہ فرمانا شروع کر دیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں ۶۳ سال جلوہ افروز رہے پھر ان کا غلام اس عمر سے زیادہ کس طرح رہ سکتا ہے۔

حضرت عبادات و ریاضات کی وجہ سے بیمار ہو گئے۔ ضیق النفس کا شدید حملہ ہوا لیکن اس بیماری میں بھی حضرت کے معمولات اور عبادات میں فرق نہ آیا۔

وفات سے ایک روز قبل اپنے اہل خانہ اور خدام سے فرمایا کہ آج کی رات میری آخری رات ہے چنانچہ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء کو ظہر کے بعد ۶۳ برس کی عمر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی واصل بحق ہو گئے۔

صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد انا الیہ راجعون

حیات انبیاء علیہم السلام

الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند و حضرت حضرت پیغامبر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز می گذارد و ہماں لحظہ چوں بآسمان رسیدند حضرت کلیم را آنجا یافتند معاملۂ ایں موطن عجائب و غرائب دارد

دریں ایام چوں بتقریب فرزندی اعظمی مرحومی نظر براں موطن بسیار کردہ می شود و اسرار غریبہ بظہور می آید کہ اگر شمہ ازاں در گفت آید باعث فتنہا گردد۔ ہر چند سقف جنت عرش مجید است اما قبر نیز روضہ ایست از ریاض جنت۔ ہر چند عقل کوتاہ اندیش در تصور آں عاجز باشد چشم دیگر است کہ تماشائے ایں اعجوبہا می نماید مجر د ایمان اگرچہ بعد الانبیاء اتقیٰ ''نجی است اما رفع کلم طیبہ مربوط بعمل صالح است دیگر یحتمل از موت گناہ کبیرہ است در رنگ فرار یوم زحف و کسیکہ در زمین و با باکسبر بماند و ہم بمیرد از شہدار است و از فتنہ قبر مامون است او آنکہ نماید و بمیرد از عاز یان است۔

ان قال لی مت مت سمعا وطاعۃ
وقلت لداعی الموت اھلا ومرحبا

(از دفتر دوم حصہ ششم ص۲۳ مکتوب ۱۱۰)

ترجمہ:- آپ نے سنا ہوگا کہ انبیاء قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام معراج کی رات جب موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب آپ آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو وہاں پایا۔ اس مقام کے معاملات نہایت عجیب و غریب ہیں۔ آج کل چونکہ فرزند اعظم مرحوم کی تقریب پر اس مقام کی طرف بہت نظر کی جاتی ہے اسلئے نہایت عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں اگر ان کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا جائے تو بڑے بڑے فتنے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اگر جنت کا چھت عرش مجید ہے لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

عقل کوتاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے وہ اور ہی آنکھ ہے جو اس قسم کی عجوبہ باتوں

کو دیکھتی ہے مجروایمان اگرچہ جہاں دنیں سے نجات دینے والا ہے۔ مگر کلمۂ طیبہ کا بلند ہونا بھی عمل صالح پر موقوف ہے اور وبائی موت سے بھاگنا یوم زحف یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگنے کی طرح گناہ کبیرہ ہے جو کوئی دبا والی زمین (علاقہ) میں صبر کے ساتھ قیام کرے اور پھر مرجائے شہدار میں سے ہے۔

گر وہ کہے کہ مرجا مرجاؤں میں خوشی سے
پیک اجل سے کہہ دوں آجائیں تیرے صدقے

مکتوب شریف کی روسے

فقراء کی خدمت

التفات ارسال داشتہ بودند رسید محبت فقراء و توجہ باین طائفہ از اجل نعم خداوندیست جل سلطانہ از حضرت حق سبحانہ تعالیٰ استقامت برآں مسئول و مرجواست نیاز یکہ بدرویشاں فرستادہ بودند نیز وصول یافت فاتحہ سلامت خواندہ شد (دفتر اول حصہ سوم مکتوب ۱۴۳ صفحہ ۳۰)

ترجمہ:۔ مکتوب جو توجہ کی بنا پر ارسال کیا تھا پہنچا فقراء کی محبت اور اس گروہ سے توجہ رکھنا خدائے تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے حق سبحانہ تعالیٰ اس پر استقامت عطا فرمائے۔ وہ نیاز جو درویشوں کے لئے بھیجی گئی وہ بھی وصول ہوئی جس کے لئے حمد و ثنا کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریق

درویشانے کہ قدم راسخ در شریعت دارند واز عالم حقیقت بنگ ستناسا اند از ایشاں ہمتے باید طلب نمود و مدد سے باید جست تا عنایت حق سبحانہ از دریچہ ایشاں ظاہر شدہ تمام بجانب جناب قدس خود تعالیٰ جذب نماید و مخالفت را در وے گنجائش نماند تا سر موئے راہ مخالفت شریعت کشادہ است محل خطر است تمام سبل مخالفت را باید مسدود ساخت ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا ✿ تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ (دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۲۷ صفحہ ۶۹)

ترجمہ:۔ وہ درویش جو شریعت حقہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں اور عالم حقیقت سے بخوبی واقف ہیں ان سے اعانت طلب کرنی چاہیے اور تاکہ حق تعالیٰ کی عنایت ان کے طفیل اپنی طرف کھینچ لے اور کسی مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ اگر شریعت کی مخالفت کا راستہ بال برابر بھی کھلا رہے تو خطرہ کا مقام ہے۔ مخالفت کے تمام راستوں کو بند کرنا چاہیے ؎

اطاعت ہو نہ جب تک مصطفیٰ کی
کبھی حاصل نہ ہو دولت صفا کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہوئے

بایدو انست کہ خلق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت با وندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشأ عنصری از نور حق جل وعلیٰ مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ خلقت من نور اللہ ۔ ودیگراں راایں دولت میسر نشدہ است (دفتر سوم حصہ نہم ۵۵ مکتوب ۱۰۰)

ترجمہ:۔ جاننا چاہیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش دیگر افراد کی طرح نہیں کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (میری تخلیق اللہ کے نور سے ہوئی) کسی دوسرے شخص کو یہ سعادت میسر نہیں ہوئی

آپ معراج بدنی سے مشرف ہوئے

حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از طلب رویت زخم لن ترانی خوردہ بیہوش افتاد و ازاں طلب تائب گشت و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است و بہترین موجودات اولین و آخرین با وجود آنکہ بدولت معراج بدنی مشرف شد از عرش و کرسی درگذشت و از مکان و زمان بالا رفت (دفتر اول حصہ پنجم ص۱۰۱ مکتوب ۲۷۲)

ترجمہ:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طلب دیدار کے بعد لن ترانی کا زخم کھا کر (جواب پاکر) بے ہوش ہو گئے اور اس طلب سے تائب ہوئے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رب العالمین کے محبوب اور تمام موجودات اولین و آخرین میں بہترین ہیں باوجود اس کے کہ جسمانی معراج سے مشرف ہوئے بلکہ عرش و کرسی سے گزر کر حدود زمان و مکان سے بھی آگے تشریف لے گئے

حضور کو بشر کہنے والے مجدد کی نظر میں

محجوبان کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را بشر گفتند و دیگر رنگ سایر بشر تصور نمودند ناچار منکر آمدند و صاحب دولتاں کہ او را علیہ الصلوٰۃ والسلام بعنوان رسالت و رحمت عالمیاں دانستند و از سائر ناس ممتاز دیدند بدولت ایمان مشرف گشتند و از اہل نجات آمدند۔ (دفتر سوم حصہ ہشتم ص۱۴۵ مکتوب ۱۲۰)

ترجمہ:۔ جن عقل کے اندھوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا بالآخر منکر ہو گئے۔ اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی سعادت سے مشرف ہو گئے اور نجات پانے والوں میں شامل ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق کا ایمان

ازیں تحقیق کہ ایں فقیر باظہار آں موفق شدہ است اعتراضات مخالفاں کہ بر عدم زیادتی و نقصان ایمان نمودہ اند زائل گشت و ایمان عامۂ مومناں در جمیع وجوہ مثل ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نشد زیرا کہ ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کہ تمام متجلی و نورانی است ثمرات و نتائج باضعاف زیادہ دارد از ایمان عامۂ مومناں کہ ظلمت و کدورت دارد و علیٰ تفاوت درجاتہم و ہمچنیں ایمان ابی بکر رضی اللہ عنہ کہ در وزن زیادہ از ایمان ایں امت است باعتبار انجلاء نورانیت باید دانست و زیادتی را راجع بصفات کاملہ باید ساخت یعنی کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات با عامہ در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است و آنکہ صفات کاملہ ندارد گویا ازاں نوع خارج است و از خواص و فضائل آں نوع محروم باوجود ایں تفاوت در نفس انسانیت زیادتی و نقصان راہ نمی یابد نمی تواں گفت کہ انسانیت قابل زیادتی و نقصان است۔ واللہ سبحانہ ملہم للصواب۔ (دفتر اول حصہ چہارم ص۱۲۸ مکتوب ۲۶۶)

ترجمہ:۔ اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کیے ہیں زائل ہو گئے۔ اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کی طرح نہ ہوا۔ کیونکہ انبیاء کا ایمان جو کامل طور پر متجلی اور نورانی ہے۔ عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے موجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے۔ کئی گنا زیادہ ثمرات و نتائج رکھتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے انجلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے اور زیادتی کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیئے کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والسلام نفس انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب متحد ہیں. تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں صفات کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل و خواص سے محروم ہے لیکن باوجود اس تفاوت کے نفس انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے۔ واللہ سبحانہ الملہم للصواب۔

فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما

حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ است کہ ابوبکر و عمر ہر دو افضل ایں امت اند کسیکہ مرا بر ایشاں فضل دہد مفتری است و او را تازیانہ زنم چنانچہ مفتری را زنند و منازعات و محاربات کہ در میان اصحاب خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات واقع شدہ است بر محامل نیک محمول باید داشت (دفتر سوم حصہ ہشتم ص۳۸ مکتوب ۱۷)

ترجمہ :۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیئے۔

خلفائے اربعہ کی فضیلت انکی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے

افضلیت حضرات خلفائے اربعہ بترتیب خلافت ایشاں ست چہ اجماع اہل حق است کہ افضل بشر بعد پیغامبراں صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین حضرت صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دفتر سوم مکتوب ۱۷)

ترجمہ :۔ حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے کیونکہ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ۔

افضلیت شیخین پر تفصیلی تبصرہ

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذو النورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی ابن ابی طالب است رضی اللہ عنہ و افضلیت ایشاں بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است، شیخ ابو الحسن اشعری کہ رئیس اہلسنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است انکار نہ کند۔ افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب حضرت امیر کرم اللہ وجہہ می فرماید کسیکہ مرا بر ابی بکر و عمر فضل بدہد مفتری ست

اور اتازیانہ زنم چنانکہ مفتری را زنند (دفتر دوم حصہ ہفتم صفحہ ۱۴۲ مکتوب ۶۷)

ترجمہ: ۔ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگواراں کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کا رئیس ہے۔ فرماتا ہے کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے۔ وہ مفتری ہے۔ میں اس کو اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگاتے ہیں۔

بزرگوں کی دعا سے قضا بدل جاتی ہے

حضرت قبلہ گاہی آقدس سرہٗ می فرمودند کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ در بعضے از رسائل خود نوشتہ اند کہ در قضائے مبرم ہیچکس را مجال نیست کہ تبدیل بدہد مگر مرا اگر خواہم آنجا ہم تصرف بکنم و ازیں سخن تعجب بسیار می کردند و استبعاد می فرمودند۔ و ایں نقل مدت ہا در خزینہ ذہن ایں فقیر بود تا آنکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بایں دولت عظمیٰ مشرف ساخت حقیقت حال منکشف گشت۔ (دفتر اول حصہ سوم صفحہ ۱۲۴ مکتوب ۲۱۷)

ترجمہ: ۔ حضرت قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں تصرف کر دوں میں اس بات پر بہت تعجب کیا کرتا تھا کہ آپ کا فرمان بعید از فہم تھا اور بہت مدت تک یہ خیال فقیر کے ذہن میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔ اور حقیقت حال منکشف ہوئی۔

تصورِ شیخ

اگر در وقت ذکر گفتن صورت پیر بے تکلف ظاہر شود آں را نیز بقلب باید برد و در قلب نگاہ داشتہ ذکر باید گفت می دانی کہ پیر کیست؟ پیر آنکس است کہ از و طریق وصول بجناب قدس خداوندی جل شانہٗ استفادہ نمائی و مدد ہا و اعانت ہا دریں طریق یابی مجرد کلاہ و دامنے و شجرہ کہ عرف شدہ است در حقیقت از پیری و مریدی خارج است و داخل رسوم و عادات مگر آنکہ جامہ تبرک از شیخ کامل و مکمل بدست آری و با عتقاد و اخلاص باو زندگانی نمائی احتمال ثمرات و نتائج دریں صورت نیز قوی است۔

(دفتر اول حصہ سوم صفحہ ۲ مکتوب ۱۶)

ترجمہ: ۔ اگر ذکر کے وقت شیخ کا تصور بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہیئے اور قلب پر نگاہ رکھ کر ذکر کرنا چاہیئے۔ تو جانتا ہے پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تو خدا تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف پہنچنے کا راستہ سیکھے اور اس راستے میں تو اس سے اعانت حاصل کرے صرف کلاہ و دامن اور شجرہ پر نظر رکھنا جو آج کل معروف ہے پیری و مریدی کی حقیقت سے خارج ہے البتہ یہ رسم و عادت میں داخل ہے ہاں اگر شیخ کامل سے کوئی کپڑا بطور تبرک مل جائے تو اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اسے پہن کر زندگی بسر کرنی چاہیئے ایسی صورت میں بے شمار فوائد و ثمرات کے حاصل ہونے کی قوی توقع ہے۔

نماز کی حالت میں شیخ کا تصور بیساختہ آنا

خواجہ محمد اشرف ورزشِ نسبت رابطہ را نوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است کہ در صلوٰۃ آں را مسجود خود می داند و می بیند و اگر فرضاً نفی می کند منتفی نمی گردد محبت اطوار ایں دولت تمنائے طلاب است یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدا جمیع کمالات او را جذب نماید رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند۔ ظہور ایں قسم دولت سعادت منداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحبِ رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند نہ در رنگ جماعہ بیدولت کہ خود را مستغنی دانند و قبلۂ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند (دفتر دوم حصہ ششم صفحہ ۶۷ مکتوب ۳۰)

ترجمہ: خواجہ محمد اشرف نے لکھا تھا کہ رابطہ کی نسبت یہاں تک غالب ہو گئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہوں اگر بالفرض اس کو دور بھی کرنا چاہتا ہوں تو نہیں ہو سکتا۔

اے محبِ محترم! طالبانِ حق اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ ایسے حال والا شخص کامل مناسبت کی استعداد رکھتا ہے اور شیخ مقتدا کی قلیل صحبت سے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے رابطہ کی نفی کرتے ہو رابطہ مسجود الیہ ہے نہ مسجود لہ۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے اس قسم کی دولت سعادت مندوں کو میسر ہوتی ہے تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ سمجھیں اور تمام اوقات اسی طرف متوجہ رہیں نہ ان بدبخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی جانتے ہیں اور توجہ کے مرکز کو اپنے شیخ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں۔

عرس مبارک

در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہ بحضرت دہلی رسیدہ بخاطر داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسند دریں اثنا خبر کوچ منتشر گشت بضرورت توقف نمودہ چند کلمہ نامربوط تصدیع دہ گشت اگر در حضور است و اگر در غیبت بہمگی ہمت خواہاں سلامتی ایشاں است از آنچہ نباید و نشاید و در بعضے اوقات غلبۂ خیر اندیشی بر آں می آرد کہ ملکۂ ایشاں را اختیار کردہ از آنچہ لائق عتبۂ علیۂ ایشاں نباشد بتاکید و مبالغہ مانع آید و در مجلس شریف تا اہلاں را نگذارد و امامی داند کہ جمیع آرزوہا میسر نیست بضرورت بدعائے ظہر الغیب رطب اللسان است شاید کہ در معرض قبول افتد حضرت احرار قدس سرہٗ در بزرگی و کلانی خود می فرمودند کہ ہر چند کفر است کہ کسے چناں کلاں شود کہ اگر برہم شود ہمہ عالم برہم شود اماں چہ تواں کرد کہ مارا بے ما کلاں ساختہ اند امر وزآں قسم بزرگے و کلانے نزدیک است کہ در مادہ جناب شما صادق آید چہ رفاہیت خلائق است و بالعکس ازیں جاست کہ نزد مردم دعا خیر شما در رنگ نزول مطر است (دفتر اول حصہ چہارم صفحہ ۲۳ و ۲۴ مکتوب ۱۳۲)

ترجمہ: حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عرس شریف کے دنوں میں دہلی حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں بھی پہنچے۔ اسی اثنا میں روانگی کی خبر پھیل گئی اس لیے توقف کر کے چند نامربوط کلموں سے آپ کو تکلیف دی ہے۔ فقیر خواہ حضور میں ہو یا غیر حاضر ہو ہر دم آپ کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نامناسب اور نالائق امر سے سلامت رکھے۔ بعض اوقات آپ کی خیر خواہی کا فیصلہ اس بات پر لاتا ہے کہ ان کی دلیری کو اختیار کر کے ان چیزوں سے جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق

نہیں، تاکید و مبالغہ کے ساتھ آپ کو ان سے منع کرے اور مجلس شریف میں نااہلوں کو نہ رہنے دے لیکن جانتا ہے کہ امیدیں حاصل نہیں ہوتیں ناچار آپ کے حق میں غائبانہ دعا سے تر زبان ہے شاید قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہر چند یہ کفر ہے کہ کوئی ایسا بڑا ہو جائے کہ اگر برہم ہو جائے تو تمام جہان برہم ہو جائے لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو ہماری مرضی کے بغیر بڑا بنایا ہے آج اس قسم کی بزرگی اور کلانی نزدیک ہے کہ آپ کی جناب کے بارے میں صادق آئے کیوں کہ آپ کی خوشحالی سے خلقت کی خوشحالی ہے اور خلقت کی خوشحالی آپ کی خوشحالی ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک آپ کی دعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے۔

ایصال ثواب کا صحیح تصور

ایضاً پرسیدہ بودند کہ ختم کلام اللہ کردن و نماز نفل گزاردن و تسبیح و تہلیل کردن و ثواب آں را بوالدین یا باستاد یا باخوان دادن بہتر ست یا بکسے ندادن بہتر بدانند کہ دادن بہتر ست کہ ہم نفع بغیر ست و ہم نفع بخود و در نا دادن نفع مخصوص بخود ست و نیز شاید بطفیل دیگراں آں عمل را قبول فرمایند والسلام (دفتر دوم حصہ ہفتم ص۶۳ مکتوب ۶۳)

ترجمہ:۔ نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ ختم اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا نہیں واضح ہو کہ بارگاہ الٰہی میں بخشنا ہی بہتر ہے کیوں کہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور ان کا بھی اور عجب نہیں کہ یہ عمل صالح دوسروں کے طفیل ہی قبول ہو جائے۔

ایصال ثواب کا مجددی طریق

بیش ازیں بچند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت مخصوص بروحانیات مطہرہ اہل عبا می ساخت و بآں سرور حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرت امامین را ضم می کرد علیہم الصلوات و التسلیمات شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضر ست علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فقیر بر ایشاں عرض سلام می کند متوجہ فقیر نمی شوند و روبجانب دیگر دارند دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانۂ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستند در خانۂ عائشہ فرستد ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہل بیت اند شریک می ساخت و بجمیع اہل بیت توسل می نمود (دفتر دوم حصہ ششم ص۵۵ مکتوب ۳۶)

ترجمہ:۔ چند سال پیشتر فقیر کا یہ طریق تھا کہ جب طعام پکاتا اور اس کا ثواب اہل عبا کی ارواح پاک کو نذر کر دیا کرتا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو شامل کر لیتا۔ ایک رات فقیر نے عالم خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں فقیر نے سلام نیاز عرض کیا تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ چہرہ مبارک پھیر لیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجا کرے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ آنحضور کی توجہ نہ فرمانے کا باعث یہ تھا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک طعام نہ کرتا تھا بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام امہات المومنین کو جو اہل بیت میں شریک کر لیتا اور تمام اہل بیت کو اپنے لئے وسیلہ بناتا۔

امام ربانی سیدنا غوث الاعظم کی بارگاہ میں

اما آں قدر خوارق کہ از حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ ظاہر گشتہ است از ہیچ کدام آنہا ظہور نیافتہ آخر الامر حضرت حق سبحانہٗ سر ایں معما را ظاہر ساخت معلوم فرمود کہ عروج ایشاں از اکثر بلند تر واقع شدہ است و در جناب نزول تا مقام روح فرود آمدہ اند کہ از عالم اسباب بلند تر ست (دفتر اول حصہ سوم صفحہ ۱۲ مکتوب ۲۱۶)

ترجمہ:۔ مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئے ہیں ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حق تعالےٰ نے اس معمہ کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقام روح تک نیچے اترے ہیں جو نسبت اس مقام کی عالم اسباب سے بلند تر ہے۔

سیرتِ شہ لولاک کا بیان باعثِ سعادت اور وسیلۂ نجات ہے

محبت فقرار وارتباط با اوشاں نتیجہ آنست نمیداند کہ ایں مقصر بسیر و برگ در جواب آں چہ نویسد مگر آنکہ فقرۂ چند بعبارت عربی ماثور در فضائل جد بزرگوار ایشاں کہ خیر العرب است بنویسد علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوۃ اتمہا ومن التحیات اکملہا و آں سعادت نامہ را وسیلۂ نجات اخروی خود سازد ورنہ آنکہ مداحی او علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نماید بلکہ مقولۂ خود بآں ستاید شعر ے

ما ان مدحت محمداً بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

فاقول وباللہ سبحانہ العصمۃ و التوفیق ان محمداً رسول اللہ سید ولد آدم واکثر الناس تبعایوم القیمۃ واکرم الاولین والآخرین عند اللہ واول من ینشق عنہ القبر واول شافع واول مشفع واول من یقرع باب الجنۃ فیفتح لہ وحامل لواء الحمد یوم القیامۃ تحتہ آدم ومن دونہ وھو الذی قال علیہ الصلوۃ والسلام نحن الآخرون ونحن السابقون یوم القیامۃ وانی قائل قولا غیر فخر وانا حبیب اللہ وانا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فریقین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا وانا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدھم اذا وفدوا وانا مبشرھم اذا ایئسوا والکرامۃ ومفاتیح الجنۃ یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی وانا خطیبھم اذا انصتوا وانا شفیعھم اذا یئسوا وانا اکرم ولد آدم علیٰ ربی یطوف علی الف خادم کانھم بیض مکنون واذا کان یوم القیامۃ کنت انا امام

النبیین وصاحب شفاعتهم غیر
فخر لولاه ما خلق الله سبحانه الحق
ولما اظهر الربوبیة وکان نبیا
وآدم بین الماء والطین شعر

نماند بعصیاں کسے در گرد
کہ دارد چنیں سید پیشرو

پس ناچار مصدقان ایں چنیں پیغمبر سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام خیر الامم باشند خیر امت اخرجت نقد وقت ایشاں است ومکذبان او علیہ الصلوٰۃ والسلام بدترین بنی آدم "الاعراب اشد کفرا ونفاقا"۔ بشان حال ایشاں تا کدام صاحب دولت را باتباع سنت سنیہ او بنوازند ومتابعت شریعت رضیہ او سرفراز سازند امروز امر قلیل را کہ مقرون بتصدیق حقیقت دین او است علیہ الصلوٰۃ والسلام بعمل کثیر برمیدارند اصحاب کہف ایں ہمہ درجات کہ یافتند بواسطہ یک حسنہ است وآں ہجرت بود از دشمنانِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نور یقین ایمانی در وقت استیلاء معاندان مثلاً سپاہیان در وقت غلبہ دشمنان واستیلاء مخالفان اگر اندک تردد می کنند آں قدر نمایاں می شود واعتبار می گردد کہ در وقت امن اضعاف آں در حیز اعتبار نمی آید وایضا چوں آں سرور محبوب رب العالمین است متابعان او بواسطہ متابعت بمرتبہ محبوبیت می رسند چہ محب در ہر کہ از شمائل واخلاق محبوب خود می بیند آں کس را محبوب خود می دارد مخالفاں را از ایں جا قیاس باید کرد۔ شعر

محمد عربی کآبروئے ہر دو سرا است
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر اوست

اگر ہجرت ظاہری میسر نہ شود ہجرت باطنی رابکمال سعی می باید داشت بایشاں بے ایشاں میباید بود لعل الله یحدث بعد ذالک امرا ہو سیم نوروز رسیدہ است کہ دراں ایام اہالی آں معاملہ را در تفرقہ می دارد بعد از مضی آں ہنگامہ اگر ارادۂ خداوندی جل سلطانہٗ مساعدت نمود امیدوار است کہ شرفِ ملاقات گرامی میسر شود زیادہ اطناب موجب الملال است۔

ثبتکم الله سبحانه علی جادة آبائکم الکرام السلام علیکم وعلیهم الی یوم القیامة۔ (دفتر اول مکتوب ۴۴)

ترجمہ: آپ فقراء کے ساتھ ملتے جلتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ بے سر و سامان فقیر نہیں جانتا کہ اس کے جواب میں کیا لکھے سوائے اس کے کہ چند فقرے عربی عبارت میں جو آپ کے بزرگوار خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ماثور ہیں لکھے اور اس سعادت نامہ کو آخری نجات کا وسیلہ بنائے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرے بلکہ اپنے کلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے آراستہ کرے۔ ترجمہ

پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے عصمت اور توفیق ہے

تحقیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں اور قیامت کے دن لوگوں کی نسبت زیادہ پیروکاروں والے ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین وآخرین سے بزرگ ہیں اور پہلے ہیں جو قبر سے نکلیں گے اور اول ہیں جو شفاعت کریں گے۔ اور اول ہیں جن کی شفاعت قبول ہوگی اور اول ہیں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے دروازہ کھول دے گا۔ اور قیامت کے دن لواء حمد کے اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے آدم اور باقی انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور وہ ذات

مبارک ہیں جنہوں نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی آخرین ہیں اور ہم ہی آگے بڑھنے والے اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا کہ میں اللہ کا دوست ہوں اور پیغمبروں کا پیش رو ہوں اور فخر نہیں اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور فخر نہیں اور میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا اور پھر ان کو دو گروہ بنایا اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں بنایا اور مجھے ان میں سے اچھے گروہ میں کیا پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں بنایا پھر ان لوگوں کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بہتر گھر والوں میں پیدا کیا پس میں از روئے نفس اور گھر کے ان سب سے بہتر ہوں اور میں سب لوگوں سے اول نکلوں گا جب وہ قبروں سے نکالے جائیں گے۔ اور میں ان کا رہنما ہوں جب کہ وہ گروہ گروہ بنائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ خاموش کرائے جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں جب وہ روکے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہو جائیں گے۔ اور کرامت اور جنت کی چابیاں لواء حمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولادِ آدم سے بزرگ ہوں۔ ہزار خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار موتیوں کی طرح ہونگے اور جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہونگا اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا اور آپ نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے۔

جس کے راہنما اور پیشوا ایسے نبی ہوں گے وہ گناہ کے عوض نہ بچ جائے گا۔ پس ناچار ایسے پیغمبر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہیں کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ان کے حال کے مصداق ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والے سب بنی آدم سے بدتر ہیں۔ الاعراب اشد کفرا و نفاقا ان کے احوال کا نشان ہے دیکھئے کس صاحب نصیب کو حضور کی سنت سنیہ کی تابعداری سے نوازش کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ شریعت کی متابعت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی حقیقت کو تصدیق کرنے کے بعد تھوڑا سا عمل بجالانا عمل کثیر برابر ہے۔

اصحاب کہف نے اتنا بڑا درجہ صرف ایک ہی نیکی کے باعث حاصل کیا اور وہ نور ایمانی کے ساتھ دشمنوں کے غلبہ کے وقت خدائے تعالیٰ کے دشمنوں سے ہجرت کر جانا تھا۔ مثلاً سپاہی دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا سا بھی تردد کرے تو اس قدر نمایاں ہوتا ہے کہ اس کا اعتبار ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اور اس سے کئی گنا اعتبار میں نہیں آسکتا اور نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے محبوب ہیں تو حضور کے تابعدار بھی آپ کی تابعداری کے باعث محبوبیت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محب اور عاشق اس آدمی کو بھی جس میں اپنے محبوب کی عادتیں اور خصلتیں دیکھتا ہے اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

وسیلہ دو جہاں کی آبرو کا میں نبی سرور
پڑے خاک اس کے سر پر جو نہیں ہے خاک اس در پر

اگر ہجرت ظاہری میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ خلقت کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیئے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی امر پیدا کر دے گا۔ موسم نوروز آ گیا ہے اور معلوم ہے کہ

ان دونوں میں وہاں کے رہنے والے معاملے کو پراگندہ رکھتے ہیں۔ اس ہنگامہ کے گزر جانے کے بعد اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو امید ہے کہ آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔

یثبتکم اللہ سبحانہ علیٰ جادۃ اٰبائکم الکرام السلام علیکم وعلیھم الیٰ یوم القیامۃ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ باپ دادوں کے طریق پر ثابت قدم رکھے اور ان پر قیامت تک سلام ہو۔

حقیقت محمدی اور شانِ لولاک

حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ حقیقۃ الحقائق است آخر در آخر کار بعد از طی مراتب ظلال بریں فقیر منکشف گشتہ است تعین ظہوری است کہ مبدأ ظہورات و منشأ خلق مخلوقات است در حدیث قدسی کہ مشہور است آمدہ است کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔

اول چیزیکہ ازاں گنجینہ مخفی بر منصۂ شہود آمد حب بودہ است کہ سبب خلق خلائق گشتہ اگر ایں حب نمی بود در ایجاد نمی کشود عالم در عدم راسخ و مستقر می بود سر حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک را کہ در شان خاتم الرسل واقع است علیہم الصلوات والتسلیمات ایں جا باید جست و حقیقت لولاک لما اظہرت الربوبیۃ را دریں مقام باید طلبید۔ (دفتر سوم حصہ نہم ص۱۲ مکتوب ۱۲۲)

ترجمہ:۔ حقیقت محمدی جو حقیقت الحقائق ہے مراتب ظلال طے کرنے کے بعد آخر کار اس فقیر پہ ظاہر ہوئی ہے محبت کا تعین اور ظہور ہے جو تمام مظاہر کی مبدا اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے جیسے حدیث قدسی میں ہے میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا۔ اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے ظاہر ہوئی محبت ہے کہ جو مخلوق کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتے۔ حدیث قدسی (اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو، آسمان پیدا نہ کئے جاتے جو حضرت ختم الرسل کی شان میں آئی ہے) کا بھید بھی اسی میں ڈھونڈھنا چاہیے اور اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا کہ حقیقت کو اسی مقام پر طلب کرنا چاہیے۔

حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تصور

حقیقت محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کہ ظہور اول است وحقیقت الحقائق ست باں معنی کہ حقائق دیگر چہ حقائق انبیاء کرام وچہ حقائق ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا انظلال اند مر او را واو اصل حقائق است قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اول ما خلق اللہ نوری وقال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام خلقت من نور اللہ والمؤمنون من نوری پس ناچار ایں حقیقت واسطہ بود درمیان سائر حقائق و درمیان حق جل وعلا ووصول بمطلوب احدے را بے توسط او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام محال باشد

فھو نبی الانبیاء والمرسلین وارسالہ رحمۃ للعالمین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ازیں جاست کہ انبیاء اولو العزم باوجود اصالت تبعیت او می خواہند بآرزو داخل امتان او می گردند کما ورد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات (دفتر سوم حصہ نہم ص۱۲ مکتوب ۱۲۲)

ترجمہ:۔ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ظہور

اول میں سب سے بڑی حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تمام حقائق کیا انبیاء کرام علیہم السلام اور کیا ملائکہ عظام کے حقائق سب اس کے اظلال کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کا اصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا اور فرمایا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے، پس یہی حقیقت باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے بھی نبی ہیں اور آپ کا تشریف لانا جہان کے لئے رحمت ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت کے آپ کی اتباع طلب کرتے رہے اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو کرتے رہے جیساکہ حدیث میں وارد ہے

اولیاء اللہ کے لطائف کی وسعتیں

آنچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ در یک آن در امکنہ متعددہ حاضر می گردند۔ وافعال متباینہ در وقوع می آیند اینجا نیز لطائف ایشاں متجسد باجساد مختلف اند متشکل باشکال متباینہ و ہمچنیں عزیزیکہ مثلاً در ہندوستان توطن دارد از آں دیار بر نیامدہ است جمعے از حضرت مکہ مکرمہ می آیند و می گویند کہ آں عزیز را در حرم کعبہ دیدہ ایم و چناں و چنیں درمیان ما و آں عزیز گذشتہ است و جمعے دیگر نقل می کنند کہ ما او را در روم دیدہ ایم و جمعے دیگر در بغداد او را دیدہ اند۔ ایں ہمہ تشکل لطائف آں عزیز است باشکال مختلفہ (دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۸ صفحہ ۲۵-۲۴۰)

ترجمہ:۔ جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آئے ہیں یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر جاتے ہیں۔ اسی طرح اس عزیز کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے وطن سے باہر نہیں نکلا۔ بعض حضرات مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں، اور بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں۔ یہ سب عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔

عقائد مجدد مقبول رسالت مآب تھے

و آں رسالہ بالتماس بعضے یاراں میسر شدہ التماس نمودہ بودند کہ نصائح بنویسد کہ در طریقہ نافع باشد و بمقتضائے آں زندگانی کردہ شود الحق (الی آخرہ)

(دفتر اول حصہ اول مکتوب ۱۶ صفحہ ۳۵)

ترجمہ:۔ اور یہ رسالہ بعض یاروں کی التماس سے لکھا گیا ہے۔ یاروں نے التماس کی تھی کہ ایسی نصیحت لکھی جاویں جو طریقت میں نفع دیں اور ان کے موافق زندگی بسر کی جاوے واقعی رسالہ بے نظیر اور برکتوں والا ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بہت سے مشائخ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اس رسالہ کو اپنے مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں اور اپنے کمال کرم سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کو دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اعتقاد حاصل کرنے چاہئیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے ان علوم سے سعادت حاصل کی ہے وہ نورانی اور ممتاز اور عزیز الوجود ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔

حاصل کلام اسی مجلس میں اس خاکسار کو اس واقعہ کے شائع کرنے کا حکم فرمایا۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب جام نور کلکتہ

ہمارے یہاں حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے متعلق بحث چھڑی ہوئی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔ ایک بشر ہونے کی حیثیت سے جب حضور کے ساتھ سارے بشری لوازمات موجود تھے تو جسم کا سایہ بھی بشری خصوصیات سے ہے اس کے نہ ہونے کا تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شاعروں کے استعارات کو لوگوں نے عقیدہ بنالیا ہے۔ روایات میں بھی کوئی ایسی قابل اعتماد صراحت موجود نہیں ہے کہ حضور کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا۔

از راہ کرم اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈال کر صحیح مسلک سے روشناس کریں۔ (سائل:۔ ریاض الاسلام بجنور۔ یوپی

جواب نامہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ پر مبسوط بحث فرمائی ہے[1] اور مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ عوام کا اختراع نہیں ہے بلکہ ائمہ سلف کی تصریحات اور روایات کے نصوص سے ثابت ہے۔

عزیزم! آج کے فتنہ آشوب دور میں ذہن وفکر کا الحاد جتنا بھی سر چڑھ جائے کم ہے۔ آپ سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں احادیث کے دلائل طلب کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ ہی کے ملک میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو سرے سے احادیث ہی کو نہیں مانتا اور یہ انکار صرف انکار کی حد تک نہیں ہے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ انکار کے پیچھے دلائل کے انبار موجود ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے احکام کی بنا صرف قرآن پر ہے۔ احادیث کا مجموعہ قطعاً اعتماد کے قابل نہیں ہے۔ کل اس پر بھی بحث چھڑ سکتی ہے۔ اور دلائل کے سہارے سے احادیث کا انکار کر کے بھی ایک شخص مسلم معاشرہ سے اپنا مذہبی تعلق برقرار رکھ سکتا ہے۔

پس ایسے گمراہ کن اور غیر یقینی حالات میں سلامتی کا بجز اس کے اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ اسلاف کی اصابت رائے پر بھرپور اعتماد کرنا چاہیے۔ فکری الحاد

---

[1] اس موضوع پر اعلیحضرت قدس سرہٗ کی تین کتابیں ہیں اور تینوں مطبوعہ ہیں (۱) قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام (۲) نفی الفیئ عمن بنورہٖ انار کل شیئ (۳) ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان۔ ۱۲ م ع نعمانی

اور غور و ذہانت کے طوفان میں بہہ گئے تو ایک تنکا بھی سلامت نہیں رہ جائیگا۔ ابھی تو صاحبِ جسم رسول ہی کا مسئلہ ہے۔ بدمست شرابیوں کی طرح بہکنے کا یہی انداز رہا تو ایک دن اصل "رسول" ہی کا مسئلہ ہماری مجلسوں میں زیر بحث آجائے گا۔ احادیث کا مقام اعتبار مجروح ہو جانے کے بعد قرآن کی بنیاد ڈھنے میں کتنی دیر لگتی ہے ــــــــــ؟

اس لیے مغرب زدہ ملحدین کا شیوہ اختیار کرنے کے بجائے ہمیں یقین و اعتماد کرنے والے اخلاص پیشہ مومنین کا رُخ اپنانا چاہیے۔

اب آپ ذیل میں اپنے سوال سے متعلق چند اشارات ملاحظہ فرمائیں۔

سب سے پہلے نقل و روایت کے اعتبار سے جسم رسول کے سایہ نہ ہونے کے عقیدے کا جائزہ لیجیے۔

احادیث

(الف) امام الحدیث حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نوادر الاصول میں حضرت ذکوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

عَنْ ذَكْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِيْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ [1]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ مبارک نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا تھا نہ چاندنی میں۔

(ب) سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

لَمْ يَكُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَّلَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَهَا وَلَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَهٗ [2]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا نہ سورج کی دھوپ میں نہ چراغ کی روشنی میں۔ سرکار کا نور سورج اور چراغ کے نور پر غالب رہتا تھا۔

(ج) امام نسفی تفسیر مدارک شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں۔

قَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ اللّٰهَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّكَ عَلَى الْاَرْضِ لِئَلَّا يَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ الظِّلِّ [3]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ خدا عز و جل نے آپ کا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا تاکہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ پڑ جائے۔

(د) حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ شریف میں ابن سبع سے یہ روایت نقل فرمائی۔

قَالَ ابْنُ سَبُعٍ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ ظِلَّهٗ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى الْاَرْضِ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا اِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا يُنْظَرُ لَهٗ ظِلٌّ۔

---

[1] الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص۶۸ (از نفی الظل، علامہ کاظمی) زرقانی علی المواہب ج ۴ ص۲۲۰ جمع الوسائل للقاری ج ۱ ص۱۷۶ نعمانی غفر لہٗ [2] المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ مطبوعۃ مصر ص۳۰ کذا فی الزرقانی علی المواہب ج ۴ ص۲۲۰ مطبوعہ مصر [3] مدارک شریف ج ۲ ص۱۰۳ مطبوعہ مصر قدیم اسی کے مثل مدارج النبوۃ فارسی لکھنؤ ج ۱ ص۱۶ اور مدارج النبوۃ ج ۲ ص۱۶۱ میں ہے۔

قَالَ بَعْضُهُمْ وَيَشْهَدُ لَهُ حَدِيْثُ قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُعَائِهِ فَاجْعَلْنِي نُوْرًا[1]

ابن سبع نے کہا کہ یہ بھی حضور لامع النور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ سرکار کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ نور تھے۔ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں جب چلتے تھے تو سایہ نظر نہیں آتا تھا بعض ائمہ نے کہا ہے کہ اس واقعہ پر حضور کی وہ حدیث شاہد ہے جس میں حضور کی یہ دعا منقول ہے کہ پروردگار مجھے نور بنا دے۔

نمونے کے طور پر یہ چار حدیثیں اس دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ سرکار کے جسم پاک کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ محض بے بنیاد نہیں ہے۔ اس کی جڑیں روایات و احادیث کی تہہ میں ہیں۔

ہو سکتا ہے مذکورہ بالا حدیثوں پر کسی کو کلام ہو اور وہ انہیں فنی نقطہ نظر سے قابل استناد نہ سمجھتا ہو ویسے ہم کسی کے خیال پر پابندی نہیں لگا سکتے لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ آج کے اہل علم معلومات کی وسعت، نور ایمان کی فراست، انشراح صدر، اخلاص نیت اور طہارت و دیانت کے اعتبار سے بزرگان سلف کے مقابلے میں کسی طرح بھی ترجیح کے قابل نہیں ہو سکتے۔ جب کہ ہر دور کے ائمہ اسلاف نے ان روایات کی روشنی میں اس عقیدے کی توثیق کی ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا چنانچہ ذیل میں چند مشاہیر کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

ائمہ سلف کا مذہب

(۱) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ ارشاد فرماتے ہیں

لَمْ يَقَعْ ظِلُّهُ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا يُرَى لَهُ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ قَالَ ابْنُ سَبُعٍ لِأَنَّهُ كَانَ نُوْرًا قَالَ رَزِيْنٌ فَغَلَبَهُ أَنْوَارُهُ۔

(انموذج اللبیب)

حضور جان نور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور نہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں سایہ نظر آتا تھا ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نور تھے رزین نے کہا کہ حضور کا نور سب پر غالب تھا۔

(۲) امام الزمان قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

وَمَا ذُكِرَ مِنْ أَنَّهُ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهِ فِي شَمْسٍ وَلَا فِي قَمَرٍ لِأَنَّهُ كَانَ نُوْرًا۔ وَأَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى جَسَدِهٖ وَلَا ثِيَابِهٖ[2]

یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہیں پڑتا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نور تھے۔

(۳) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

مَا جَرَّ بِظِلِّ أَحْمَدَ أَذْيَالٌ
فِي الْأَرْضِ كَرَامَةً كَمَا قَدْ قَالُوْا
هٰذَا عَجَبٌ وَكَمْ بِهٖ مِنْ عَجَبٍ
وَالنَّاسُ بِظِلِّهٖ جَمِيْعًا قَالُوْا
وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِأَنَّهُ النُّوْرُ الْمُبِيْنُ
وَكَوْنُهُ بَشَرًا لَا يُنَافِيْهِ[3]

---

[1] خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۲۸ ن [2] شفاء قاضی عیاض ج ۱ ص ۲۴۲ و ۲۴۳ – [3] نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۱۹ مصری۔

عظمت و احترام کے باعث حضور کے سایہ جسم کا دامن زمین پر رگڑتا ہوا نہیں چلتا تھا۔ حالانکہ حضور ہی کے سایۂ کرم میں سارے انسان چین کی نیند سوتے ہیں۔ اس سے حیرت انگیز بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس امر کے ثبوت کے لیے قرآن کی یہ شہادت کافی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور مبین ہیں اور حضور کا بشر ہونا سایہ نہ ہونے کے منافی نہیں ہے۔

④ امام علامہ احمد قسطلانی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں

قَالَ لَمْ يَكُنْ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ وَقَالَ ابْنُ سَبُعٍ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُورًا فَكَانَ إِذَا مَشَى فِي الشَّمْسِ أَوِ الْقَمَرِ لَا يَظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ (المواهب اللدنية)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا نہ ماہتاب کی چاندنی میں ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نور تھے اسی لیے چاندنی اور دھوپ میں چلتے تھے تو جسم پاک کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

⑤ علامہ حسین ابن محمد دیار بکری ارشاد فرماتے ہیں

لَمْ يَقَعْ ظِلُّهُ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا يُرَى لَهُ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ (کتاب الخمیس النوع الرابع)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں پڑتا تھا نہ چاند کی چاندنی میں۔

⑥ امام علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

وَمِمَّا يُؤَيِّدُ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَارَ نُورًا أَنَّهُ كَانَ إِذَا مَشَى فِي الشَّمْسِ أَوِ الْقَمَرِ لَا يَظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ لِأَنَّهُ لَا يَظْهَرُ إِلَّا الْكَثِيفِ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَلَّصَهُ اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ سَائِرِ الْكَثَافَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ وَصَيَّرَهُ نُورًا صِرْفًا لَا يَظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ أَصْلًا (افضل القریٰ ص)

اس بات کی تائید میں کہ حضور سراپا نور تھے اس واقعہ کا اظہار کافی ہے کہ حضور کے جسم پاک کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں۔ اس لیے کہ سایہ کثیف چیز کا ہوتا ہے اور خدائے پاک نے حضور کو تمام جسمانی کثافتوں سے پاک کرکے انہیں نور محض بنا دیا تھا۔ اسی لیے ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

⑦ علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

لَمْ يَكُنْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ يَظْهَرُ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ (فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ ص۵)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا نہ ماہتاب کی چاندنی میں

⑧ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں

نبود مر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۲۱)

حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا نہ ماہتاب کی چاندنی میں۔

⑨ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

اورا صلے اللہ علیہ وسلم سایہ نبود در عالم شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است۔ چوں سایہ ترے از وے صلے اللہ علیہ وسلم در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد۔ (مکتوبات ج ۳ ص ۱۸۷ مطبوعہ لکھنؤ)

۱؎ ایضاح ۲ ص۱۸۷ و ص۲۸۵، ن

حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم شہادت میں ہر چیز سے اس کا سایہ لطیف ہوتا ہے اور سرکار کی شان یہ ہے کہ کائنات میں ان سے زیادہ کوئی لطیف چیز نہیں پھر حضور کا سایہ کیونکر پڑ سکتا ہے۔

⑩ صاحب مجمع البحار علامہ شیخ محمد طاہر ارشاد فرماتے ہیں

مِنْ اَسْمَائِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النُّوْرُ قِیْلَ مِنْ خَصَائِصِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا یَظْهَرُ لَہٗ ظِلٌّ[1] (زبدۃ شرح شفاء[1])

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے نور بھی ایک نام ہے اور اس کی خصوصیت ہے کہ حضور کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا اور نہ چاندنی میں۔

⑪ امام راغب اصفہانی ؒ ۵۰۲ھ ارشاد فرماتے ہیں

رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا مَشٰی لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ[2]

مروی ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم چلتے آپ کا سایہ نہ ہوتا۔

⑫ صاحب سیرت الحلبیہ معروف سیرت شامی فرماتے ہیں

اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا یَکُوْنُ لَہٗ ظِلٌّ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا[3]

حضور جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ آپ نور تھے۔

⑬ امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمتہ (م ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں

لَقَدْ نَزَّہَ الرَّحْمٰنُ ظِلَّکَ اَنْ یُّرٰی عَلَی الْاَرْضِ مُلْقًی فَانْطَوٰی لِمَزِیَّۃٍ[4]

خدائے رحمٰن نے آپ کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے سے پاک فرمایا اور پامالی سے بچنے کے لئے آپ کی عظمت و فضیلت کے سبب اس کو لپیٹ دیا کہ دکھائی نہ دے۔

⑭ علامہ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) ارشاد فرماتے ہیں

کہ حضور کو سایہ نہ تھا نہ سورج کی روشنی میں چلتے وقت اور نہ چاند کی[5]

⑮ امام شیخ احمد مناوی بھی یہی فرماتے ہیں[6]

⑯ امام العارفین مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں

چوں فناش از فقیر پیرایہ شود
او محمد وار بے سایہ شود

(مثنوی معنوی دفتر پنجم)

جب فقر کی منزل میں درویش فنا کا لباس پہن لیتا ہے تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کا سایہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔

⑰ حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ

اس کی شرح میں فرماتے ہیں"

"در مصرعہ ثانی اشارہ بہ معجزۂ آں سرور صلے اللہ علیہ وسلم کہ آں سرور را سایہ نمی افتاد"

یعنی دوسرے مصرعہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور کا سایہ نہیں تھا

---

[1] مجمع بحار الانوار مطبوعہ نولکشور لکھنؤ جلد سوم ص ۲۰۳۔ [2] المفردات للراغب الاصفہانی ص ۳۱۷-۱۔ [3] سیرت حلبیہ مطبوعہ مصر ص ۲۲ بہج ۲۔ [4] سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۹۴۔ [5] جمع الوسائل جلد ۱ ص ۱۷۶۔ [6] شرح الشمائل للمناوی جلد ۱ ص ۴۷

(۱۸) امام المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہما الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں

از خصوصیاتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را در بدن مبارکش دادہ بودند کہ سایۂ ایشاں بر زمین نمی افتاد[1]

جو خصوصیتیں نبی اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن مبارک میں عطا کی گئیں تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

(۱۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (صاحب مالابد منہ) فرماتے ہیں

می گویند کہ رسول خدا را سایہ نہ بود[2]

اولیائے امت فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

مشاہیر امت کے اقتباسات پھر ایک بار غور سے پڑھ جایئے۔ بات سرسری طور پر نہیں کہہ دی گئی ہے۔ آگے پیچھے عقل ونقل کے دلائل کا انبار بھی ہے منکرین کے پاس سب سے بڑی دلیل بشریت کا پیکر ہے یہ استدلال بھی مذکورہ بالا اکابرین اسلام کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ اپنی عبارتوں میں اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود صراحت کرتے ہیں۔ کہ حضور کے جسم انور کا سایہ نہیں تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ بے خبری میں نہیں ہے۔ بھر پور معلومات کے اجالے میں ہے۔

کیا اس کے بعد بھی اس الزام کے لیے گنجائش رہ جاتی ہے؟ کہ جسم پاک کے سایہ نہ ہونے کا تصور جواہل ذہن کا اختراع ہے۔ ملت کے ان اساطین کو اگر عوام کی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے تو اس الزام کے قبول کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔

ویسے پرآشوب دلوں کا اطمینان ہمارے اختیار میں نہیں ہے لیکن کم از کم مذکورہ بالا احادیث اور روایات کی روشنی میں لازماً اتنا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جسم پاک کا سایہ نہ ہونے کے متعلق عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے ۔۔۔ اثبات کے صرف دلائل ہی نہیں قابل اعتماد ہستیوں کا تعامل بھی ہے سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں عہد صحابہ سے لے کر دور اخیر تک کی یہ مربوط مسلسل اور متوارث شہادتیں عصر حاضر کے چند خبطی انسانوں کے انکار پر ہرگز مجروح نہیں کی جا سکتیں۔ مذہبی قدروں کی پامالی کا اس سے زیادہ دردناک ماتم اور کیا ہو سکتا ہے کہ شہرستان جہالت کا ہر خاک روب رازی وغزالی کی مسند سے بات کرتا ہے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ تحت الثریٰ میں دھنسی ہوئی بنیادوں کو ہلانے کی کوشش میں خود اپنے ہی ذہن کی بنیاد ہل جاتی ہے ۔۔۔ خدائے قدیر دور جدید کے شر وفتنہ سے سادہ لوح مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

یہاں تک نقل وروایات کی حیثیت سے مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ آگے "بشریت" کے استدلال کا بھر پور جائزہ لیا جائے گا۔

منکرین کا استدلال

سرکار رسالت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم انور کے سایہ نہ ہونے کے انکار میں منکرین کی طرف سے جو دلیل انتہائی شد ومد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ وہ سرکار کی "بشریت" ہے۔

منکرین کا ذہن اور ان کے استدلال کا رخ سمجھنے کے لئے ایک پرجوش ممبر کی دلیل ملاحظہ فرمایئے۔

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۱۹ ن

[2] تذکرۃ الموتیٰ والقبور ص ۱۳

* جو شخص یہ کہتا ہے کہ سایہ کثیف کا ہوتا ہے اور آپ کی ذات سر سے پاؤں تک نور ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ حضور نے طائف میں پتھر اور غزوۂ احد میں زخم کھائے ہیں۔

قمقمے سے نکلنے والی روشنی یا چاندنی سے نکھرتی ہوئی فضا میں آپ پتھر چلایئے کیا نور کے جسم سے خون پھوٹ نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ کثیف چیز کی چوٹ ہی چیز پر پڑتی ہے نہ کہ لطیف پر۔ ماہنامہ تجلی دیوبند، حاصل مطالعہ نمبر ۲۹

ذرا گہرائی میں اتر کر سوچئے۔ روحانی قدروں اور معجزات کے انکار میں یورپ کے مادہ پرست ملحدین جس رخ پر سوچتے ہیں اس میں اس اندازِ فکر میں کیا فرق ہے۔

طبعی قانون ان کے یہاں بھی دماغ کے صنم خانے کا سب سے بڑا بت ہے اور منکرین نے بھی اسی قانون کو اپنا قبلۂ فکر بنایا ہے۔ ایمان و اعتقاد کا رشتہ ٹوٹ سکتا ہے۔ طبعی قانون بھلا کیونکر ٹوٹے گا۔ تاریخ و سیر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور نے طائف میں پتھر اور غزوۂ احد میں زخم کھائے ہیں۔ طبعی قانون نے یہ بتایا کہ کثیف چیز کی چوٹ کثیف ہی چیز پر پڑتی ہے۔ نہ لطیف پر۔ اس لئے معاذ اللہ حضور کے جسم پاک کا کثیف ہونا ضروری ہے۔ اور جب وہ کثیف ٹھہرا تو اس کا سایہ بھی لازمی ہے۔

طبعی قانون کی بنیاد پر سایہ نہ ہونے کے انکار میں سوچنے کا یہ انداز اگر حق بجانب قرار دیا جائے تو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک سایہ نہ ہونے کا عقیدہ ہی نہیں۔ انبیاء کے سارے معجزات سے انکار کیا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضاء سے روشنی پھوٹنے کا عقیدہ قرآن سے ثابت ہے وہاں بھی اس طرح کا سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ عام طبعی قانون کے مطابق روشنی یا چراغ سے پھوٹتی ہے یا کسی لطیف شئے سے۔

یونہی جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے وہاں بھی یہ عقلی معارضہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ سوکھی ہوئی رگوں، بجھے ہوئے دل اور ٹھنڈی لاش میں زندگی کی واپسی عادۃً اور طبعاً نہیں ہے۔ اس لئے معاذ اللہ یہ عقیدہ سر تا سر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ یقین اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ ان کی مٹھی میں لوہا موم کی طرح پگھل جاتا تھا یہاں بھی طبعی قانون کی دیوار حائل کیجئے کہ لوہا کو پگھلانے کے لئے جتنی حرارت کی ضرورت ہے وہ صرف آگ بہم پہنچا سکتی ہے۔ جسم انسانی میں اتنی حرارت کی موجودگی طبعاً ناممکن ہے۔ اس لئے معاذ اللہ یہ عقیدہ بھی خلاف واقعہ ہے۔

یونہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ محتاج ثبوت نہیں ہے کہ دہکتے ہوئے انگاروں اور ابلتے ہوئے شعلوں میں انہیں ڈال دیا گیا لیکن آگ کے سمندر سے وہ بال بال بچ کر نکل آئے۔

یہاں بھی طبعی قانون کا سکہ رائج کیجئے کہ دہکتے ہوئے شعلوں میں ڈوب کر کسی بشری جسم کا محفوظ نکل آنا عقل و عادت دونوں کے خلاف ہے اس لئے معاذ اللہ یہ عقیدہ بھی کسی فرضی داستان کی طرح قطعاً خلاف واقعہ ہے۔

یہاں تک خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث کی کتابوں میں اس طرح کے

بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ سرکار کے اشارے پر درخت جھومتے جاتے، زمین کا سینہ شق کرتے، اپنے تنوں کے بل پر چلتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ اور اشارہ پاکر پھر اپنی اصل حالت پر لوٹ جایا کرتے تھے۔

یہاں بھی قیاس کی تنگ بندی لڑایئے۔ کہ درختوں کا بات سمجھنا، چلنا پھر واپس ہو جانا اور جڑ چھوڑ دینے کے باوجود شاداب رہنا قانون طبعی کے خلاف ہے۔ اس لیے معاذاللہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔

اور اُستنِ حنانہ کا واقعہ تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے کہ ایک چوب خشک سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مس ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ اس میں زندگی کا شعور پیدا ہو گیا بلکہ اس کے اندر عشق کا سوز و گداز جگ اٹھا۔ اور غم زدہ انسانوں کی طرح ہجر رسول میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہاں بھی عقل بدمست کی رہنمائی میں زبان طعن دراز کیجیے۔ کہ طبعی قانون کی رو سے ایک سوکھی ہوئی لکڑی میں انسانی زندگی کا فروغ کبھی منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے معاذاللہ یہ واقعہ بھی سرتاسر فرضی اور بے بنیاد ہے

اسی طرح سرکار رسالت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کے متعلق عام طور پر احادیث کی کتابوں میں یہ روایات موجود ہیں کہ حضور کے جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ حضور کا پسینہ مشک و عنبر کی طرح خوشبو سے معطر رہا کرتا تھا۔ اپنے سے طویل القامت انسانوں کی بھیڑ میں بھی حضور سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ پھر اسی بشری جسم کے ساتھ حضور شب معراج میں فضائے بسیط سے گذرے، آسمانوں پر گئے۔۔ جنتوں کی سیر فرمائی۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے حجاب عظمت طے کرکے لامکاں میں پہنچے اور تجلیات الٰہی کا ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے تاروں کی چھاؤں میں بخیر و عافیت واپس لوٹ آئے۔

عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر معاذاللہ انکار کر دیجیے ان تمام روایات کا بھی۔ ان میں سے کون سی ایسی بات ہے جو طبعی قانون کے تحت بشر کے عام حالات سے مطابقت رکھتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ان ساری باتوں کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ انبیاء کے معجزات ہیں اور معجزات خدا کی بے پایاں قدرت کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان واقعات کو تسلیم کر لینے میں کوئی عقل اور طبعی استحالہ نہیں ہے۔

اس جواب کی صحت تسلیم۔ لیکن پھر سوال کیا جا سکتا ہے کہ خدا کی وسیع قدرت صرف اس بات سے عاجز ہے کہ اس کے محبوب سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہ ہو۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں جو دلائل ہم نے پہلے پیش کیے ہیں تھوڑی دیر کے لیے ان سے قطع نظر بھی کر لیں، جب بھی صرف اس بنیاد پر اس عقیدے کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا ہونا عقلاً اور طبعاً ناممکن ہے۔

واضح رہے کہ معجزات کے ذکر سے ہمارا مدعا صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ جب ان امور کے واقع ہونے میں طبعی قانون کا سسٹم مانع نہیں ہے تو صرف جسم پاک کے سایہ نہ ہونے کی بحث میں طبعی قانون کو انکار کی بنیاد کیوں بنایا جاتا ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ حضور کا سراپا نور ہونا سایہ نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ سایہ نہ ہونے کی توجیہ ہے دلیل تو دراصل وہ روایات ہیں جو احادیث کی کتابوں میں بالکل اسی طرح منقول ہیں جس طرح دیگر معجزات کی روایتیں نقل کی گئی ہیں

فتنہ آشوب اور باطل نژاد ذہن کا یہ بھی بہت بڑا مغالطہ ہے کہ چونکہ حضور زخمی ہوئے۔ جسم پاک سے لہو ٹپکا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ معاذ اللہ حضور کا جسم نوری نہیں تھا۔ کثیف تھا۔ اور جب کثیف تھا۔ تو اس کا سایہ پڑنا ضروری تھا۔

سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضور کے زخمی ہونے اور سایہ نہ ہونے میں تضاد کیا ہے؟ جسم واحد سے متضاد کیفیتوں کا ظہور ہونا ناممکن کب ہے! مثال کے طور پر عام انسانوں کا جسم متضاد عناصر کا مجموعہ ہے۔ اور ہر عنصر کا ظہور بہ یک وقت ہوتا رہتا ہے۔ پس عنصر آتش کی کیفیت کا ظہور دیکھ کر اگر کوئی عنصر آب کی موجودگی کا انکار کرتا ہے تو اسے پاگل پن کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم جہاں سراپا نور تھے وہاں یہ عقیدہ بھی امر واقعہ ہے کہ حضور بشر بھی تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جسم پاک سے نوری اور بشری دونوں کیفیتوں کا ظہور ہوتا رہا۔

چنانچہ سرکار کے جسم پاک سے لہو ٹپکا جب سرکار کو کھانے پینے کی اشتہا ہوئی۔ جب ازدواجی زندگی سے ہم کنار ہوئے۔ جب کبر سنی میں ضعف اور نقاہت لاحق ہوئی اور جب جسم پاک کو علالت پیش آئی تو اس وقت بشریت کے اوصاف کا ظہور تھا

لیکن جب سرکار نے کئی مہینے تک بغیر افطار کے مسلسل روزے رکھے اور کسی طرح کی جسمانی نقاہت نہیں پیدا ہوئی۔ جب سرکار نے اندھیری رات میں اپنے گاؤں واپس لوٹتے وقت ایک صحابی کو کھجور کی شاخ دست کرم سے مس کر کے عنایت فرمائی اور کچھ دور چلنے کے بعد وہ چراغ کی طرح روشن ہو گئی جب ہجرت کی رات محاصرہ کئے ہوئے قاتلوں کی پلکوں کے نیچے سے حضور باہر نکل آئے اور کوئی نہیں دیکھ سکا۔ جب سرکار نے ایک حبشی غلام کے سیاہ چہرے کو اپنی نظر کی تجلی سے اجلا بنا دیا۔ جب جسم پاک کے ساتھ حضور نے شب معراج ملکوت اعلیٰ کی سیر فرمائی اور سدرۃ المنتہیٰ کے اس خطے سے آگے نکل گئے جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ جب حضور پس پشت کی چیزوں کو اسی طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح سامنے کی چیزوں کو کوئی دیکھتا ہے تو اس وقت نورانیت و قدوسیت کے اوصاف کا ظہور تھا۔

حاصل بحث یہ کہ جس آن میں حضور کا پیکر ظہور، بشری تھا اسی آن میں سرکار نور بھی تھے۔ سرکار کی دونوں حیثیتوں میں کوئی عقلی اور شرعی منافات نہیں ہے۔ اور جب جسم پاک کی دو حیثیتیں تھیں تو دونوں طرح کے اوصاف کا ظہور دیکھ کر سرکار کی بشریت کا انکار غلط ہے۔ بالکل اسی طرح بشریت کے مظاہرہ دیکھ کر سرکار کی نورانیت کا انکار بھی صحیح نہیں ہے۔ مسلک حق دونوں حیثیتوں کا جامع اور دونوں جہتوں پر مشتمل ہے۔

آخری بات

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

حضور جان نور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کا سایہ نہ ہونے پر گذشتہ اوراق میں حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے جو عقلی و نقلی دلائل پیش فرمائے ہیں وہ ایک اسلامی الفکر اور صحیح الایمان شخص کیلئے بجائے خود اطمینان بخش بھی ہیں اور روح افزا بھی حضور سرکار رسالت مآب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی معجزانہ فضیلت اور پیغمبرانہ قوت و مزیت کا اعتراف کر لینے کے بعد یہ مسئلہ خود ہی آسانی سے مومن کی قلب کی

گہرائی میں جگہ پالیتا ہے۔ مگر بعض ذہنوں پر شخصیت پرستی اور گروہی عصبیت کا ایسا تسلط ہوتا ہے کہ جب تک ان کی جماعت کے کسی عالم کا قول نہ نقل کیا جائے۔ اطمینان خاطر نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں ایسے ہی منکرین کے ضیافت طبع اور ذہن دوزی کے لیے انہیں کے گھر کی چند شہادتیں پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ اگر ان کے ذہن کا کانٹا نہ بھی نکل سکے تو کم از کم دعوت فکر ضرور ہو۔

(۱) رشید احمد گنگوہی پیشوائے اہل دیوبند کی تحریر ملاحظہ ہو۔

"وحق تعالیٰ آنجناب سلام علیہ را نور فرمود۔ بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند۔ وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند"

امداد السلوک مطبوعہ بلالی دخانی پریس ساڈھورہ ص ۸۵، ۸۶۔"

یعنی حق تعالیٰ نے حضور کو نور فرمایا اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے۔

(۲) اشرف علی تھانوی دیوبندی کا بیان یہ ہے۔

"یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں۔"

(میلاد النبی جلد ۳، المربع فی الرجا ص ۷۵)

دوسری جگہ نہایت واضح الفاظ میں یوں ہے۔

"یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سراپا نور ہی نور تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی اس لیے آپ کے سایہ نہ تھا۔ کیونکہ سایہ کے لیے ظلمت لازمی ہے۔"

(شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ ص ۳۹ بحوالہ الذکر الجمیل از مولانا محمد شفیع اکاڑوی)

(۳) مفتی دیوبند جناب مفتی عزیز الرحمٰن کے قلم کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو۔

سوال ۱۳۶۲؍ وہ حدیث کون سی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا۔

الجواب:۔ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ واقع ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔"

اَخْرَجَ الْحَكِيْمُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ ذَكْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِي الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ الخ۔

اور تواریخ حبیب الٰہ میں مفتی عنایت احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کا بدن نور تھا اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا، مولوی حاجی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے اس قطعہ میں۔

پیغمبر ما نداشت سایہ
تا شک بہ دل یقین نیفتد
یعنی ہر کس کہ پیرو داست
پیداست کہ پا زمیں نیفتد

(عزیز الفتاوٰی جلد ۶ ص ۲۰۲) [1]

امید کہ اب ہر منصف مزاج مسئلہ کی پوری نوعیت سے واقف ہو گیا ہوگا۔ اور کسی منکر کو بھی انکار کی مجال نہ ہوگی۔

وَهُوَ اللّٰهُ يَهْدِىْ اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ۔

۱؎ بحوالہ نفی الظل والفیٔ از علامہ احمد سعید کاظمی و محمد نور از مولانا ماشاء اللہ تابش قصوری۔

قمر التمام فی نفی الظل عن سیّد الانام

از۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرّہ العزیز
تلخیص از:۔ مولانا قمر الحسن صاحب بستوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ تھا یا نہیں۔ بیّنوا وتوجروا۔

الجواب

وَمِنَ اللّٰہِ تَوْفِیْقُ الصِّدْقِ وَالصَّوَابِ. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَی السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ الشَّارِقِ وَالْقَمَرِ الزَّاھِرِ الْبَارِقِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بیشک اس مہر سپہر اصطفا ماہ منیر اجتبا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا۔ اور یہ امر احادیث واقوال علمار کرام سے ثابت اکابر ائمہ و جہابذ فضلا کہ آج کے مدعیان خامکار کو انکی شاگردی بلکہ ان کے کلام کو سمجھنے کی لیاقت نہیں۔ خلفاً وسلفاً دائمًا اپنے تصانیف میں اس معنی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائل باہرہ وحجج قاہرہ جن پر مفتی عقل وقاضی نقل نے باہم اتفاق کرکے ان کے تاسیس وتشیید کی آج تک کسی عالم دین سے ان کا انکار منقول نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین میں ابتداع اور نیا مذہب اختراع اور ہوائے نفس کا اتباع کیا اور بہ بسبب اس سوء ورنجش کے جو ان کے دلوں میں اس رؤف رحیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تھی ان کے محو فضائل ورد معجزات کی فکر میں پڑے۔ حتیٰ کہ معجزہ شق القمر جو بخاری ومسلم کی احادیث صحیحہ بلکہ خود قرآن عظیم ووحی حکیم کی شہادت حقہ اور اہل سنت وجماعت کے اجماع سے ثابت ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی یا دنیوی سمجھا ہے۔

فقیر کا یہ دعویٰ اس شخص کے نزدیک تو بدیہی ہے جو خدمت حدیث وسیر میں رہا اور اس راہ میں روش علمار کو مشاہدہ کیا مگر واقفوں کے افہام اور منکروں کے الزام کیلئے چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔

اوّلاً..... جسم اقدس ولباس انفس پر مکھی نہ بیٹھنا۔ علامہ ابن سبع نے خصائص میں ذکر فرمایا علمار نے تصریح کی اس کا راوی معلوم نہ ہوا۔ اور باوجود اس کے بلانکیر اپنی کتابوں میں اس کا ذکر فرماتے آئے۔ شفائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔

كَانَ الذُّبَابُ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَلَا ثِيَابِهٖ۔ آپ کے بدن مبارک اور لباس اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں۔

بَابٌ ذَكَرَ الْقَاضِي عِيَاضٌ فِي الشِّفَاءِ وَالْعِرَاقِيُّ فِي مَوْلِدِهٖ اِنَّ مِنْ خَصَائِصِهٖ صلی اللہ تعالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ لَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ الذُّبَابُ وَذَكَرَهُ ابْنُ السَّبُعِ فِي الْخَصَائِصِ بِلَفْظِ اِنَّهٗ لَمْ يَقَعْ عَلٰى ثِيَابِهٖ ذُبَابٌ قَطُّ وَزَادَ اَنَّ مِنْ خَصَائِصِهٖ اَنَّ الْقَمْلَ لَمْ يَكُنْ تُؤْذِيْهِ ـــ ذکر کیا قاضی عیاض نے شفار میں اور عراقی

نے میلاد میں کہ حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی خاصیتوں میں سے ہے کہ ان کے اوپر مکھی نہیں واقع ہوتی تھی اور اس کو ابن سبع نے خصائص میں اس لفظ سے ذکر کیا کہ ان کے لباس پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور ان کی خصائص سے اتنا زیادہ کیا کہ جوں نے آپ کو ایذا نہ دی شیخ ملا علی قاری شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں۔

ونقل الفخر الرازی اَنَّ الذباب کان لا یقع علی ثیابہ وان البعوض لا یَمُتَصُّ دَمَہٗ ط

اور فخر الدین رازی نے نقل کیاہے کہ ان کے لباس شریف پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور مچھر نہ تو ان کا خون شریف چوستے تھے۔

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں علماء کا قول کہ اس کا راوی نہ معلوم ہوا نقل کیا اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ ایک کرامت ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا کیا اور اپنے نتائج افکار سے ایک رباعی لکھی کہ اس میں بھی اس خاصہ کی تصریح ہے اور بعض علماء عجم نے اسی بنا پر کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سب حروف بے نقطہ ہونے میں ایک لطیفہ لکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ لہٰذا یہ کلمہ پاک بھی نقطوں سے محفوظ رہا۔ وہ شبیہ مکھیوں کے ہیں۔

وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف و احسن وہ انسان ہیں مگر ارواح ملائکہ سے ہزار درجہ لطیف۔ وہ خود فرماتے ہیں لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ میں تم جیسا نہیں۔ رواہ الشیخان۔ وَیُرْوٰی لَسْتُ كَهَیْئَتِكُمْ میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔ وَیُرْوٰی اَیُّكُمْ مِثْلِیْ تم میں کون مجھ جیسا ہے آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا آپ کا

بشر ہونا نور درخشندہ ہونا منافی نہیں کہ اگر سمجھے تو وہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہیں۔ پھر اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کے سایہ ہوتا ہے ان کا بھی ہوگا۔ تو ثبوت سایہ کا قائل ہونا عقل ایمان سے کس درجہ دور پڑتا ہے۔

اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ بَلْ هُوَ یَاقُوْتٌ بَیْنَ الْحَجَرِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

(ہوشیار محمد بشر ہیں عام بشر کی طرح نہیں بلکہ وہ اس طرح ہیں جیسے پتھروں کے درمیان یاقوت ہوتاہے۔

اقول :- احادیث صحیحہ سے ثابت کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین حضور رسالت میں نہایت ادب و وقار سے سر جھکائے ہوئے آنکھیں نیچی کیے بیٹھتے۔ رعب و جلال سلطانی ان کے قلوب صافیہ پر ایسا مستوی ہوتا کہ اوپر نگاہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ اسی وجہ سے حلیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد نہیں کہ وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھ سکتے تھے۔ بلکہ نظر اوپر نہ اٹھاتے ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربار اقدس کی حضوری ان کے نزدیک ملك السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا سامنا۔ جب ملازمت والا حاصل ہوتی۔ قلب ان کے خوف خدا سے ممتلی اور گردنیں خم اور آنکھیں نیچی اور آوازیں پست اور اعضاء ساکن ہو جاتے۔ ایسی حالت میں نظر ایں وآں کی طرف کب ہو سکتی ہے جو سایہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے اور بالفرض اگر ایسے سراپا ادب، ہمہ تن تعظیم، لوگوں کی نگاہ اپنے بادشاہ عرش پایہ گاہ کی طرف بے غرض فہم نہ ہوگی۔ اس حالت میں نفس کو اس حالت کی طرف

توجہ ہوگی مثلاً نظارۂ جمال باکمال یا حضور کا مطالعہ افعال داعمال تاکہ خود ان کا اتباع کریں۔ اور غائبین تک روایت پہنچائیں کہ وہ حاملان شریعت تھے اور راویان ملت اور حاضری دربار اقدس سے غرض اعظم ان کی وہی تھی۔ پس جب نگاہ اس رعب وہیبت اور اس ضرورت وحاجت کے ساتھ اٹھی تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں اِدھر اُدھر دھیان نہیں جائیگا کہ قامت اقدس کا سایہ نہیں نظر نہ آیا۔

اے عزیز! زیادہ خوض بیکار ہے تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر اگر کسی مقام پر عالم رعب و ہیبت میں تیرا گذر ہو۔ وہاں جو کچھ پیش نگاہ آتا ہے اسے بھی اچھی طرح ادراک کامل نہیں کر سکتا۔ نہ امر معدوم کی طرف خیال کیا جاتا ہے۔ کہ مثلاً اگر تجھے کسی والیٔ ملک سے ایسی ضرورت شدید پیش آئے جس کی فکر تجھے دنیا وما فیہا پر مقدم ہو۔ اور اس کے دربار تک رسائی کرکے اپنا عرض حال کرے تو تجھے اول تو رعب سلطانی دوسرے اس ضرورت کی طرف قلب کی نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو وہاں دیواروں میں سنگ موسیٰ تھا یا سنگ مرمر اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سُرخ ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کو سایہ تھا یا نہ تھا تو اگرچہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لئے ظل ہے ہاں کہدے مگر اپنے معائنہ سے جواب نہ دے سکے گا۔ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اول روز ملازمت سے تا آخر حیات جو کیفیت رعب وہیبت کی طاری رہی ہماری عقول ناقصہ اس کے مقدار کے ادراک سے ہی عاجز ہیں

پھر ان کی نظر اِدھر اُدھر اٹھ سکتی اور چپ و راست دیکھ سکتی کہ سایہ کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی۔

اقول:۔ غالب اوقات صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم ہوتا اور حضور ان کے پیچھے چلتے۔ ترمذی نے شمائل کی حدیث طویل میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ یَسُوْقُ الصَّحَابَۃ یعنی حضور والا اصحابہ کو آگے چلاتے۔

امام احمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالے عنہما سے روایت کیا۔

مَا قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یطاء عَقِبَہٗ رَجُلَانِ۔ حاصل یہ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ دو آدمی بھی حضور کے پیچھے چلے ہوں۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالے عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یمشون امامہ ویکون ظھرہ لِلْمَلٰئِکَۃِ ؛ اصحاب نبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم آگے چلتے اور پشت اقدس فرشتوں کے لیئے چھوڑتے۔

دارمی نے باسناد صحیح مرفوعاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَلُّوْا ظَھْرِیْ لِلْمَلٰئِکَۃِ میری پیٹھ فرشتوں کے لیئے چھوڑ دو۔

بالجملہ ہماری اس تقریر سے جو بالکل وجدانیات پر مشتمل ہے کوئی شخص اگر مکابرہ نہ کرے تو بالیقین اس کا دل ان سب کیفیات کے صدق پر گواہی دے۔۔ بخوبی ثابت ہو گیا کہ ظاہراً اکثر صحابہ کرام کا خیال اس طرف نہ گیا اور اس معجزہ کی انہیں اطلاع نہ ہوئی۔ اور اگر بر سبیل تنزل ثابت و مبرہن ہو جانا نہ مانے تو ان تقریروں

کی بنا پر تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم اطلاق کا احتمال قوی ہے۔ قوت بھی جانے دو اتنا ہی سہی کہ شک واقع ہو گیا۔ پھر بھی استدلال منکر کہ اگر ایسا ہوتا تو مثل حدیث ستون حنانہ مشہور و مستفیض ہوتا کب باقی رہا خصم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم شہرت بہ سبب عدم اطلاع کے ہو۔

مقدمہ ثالثہ ہماری تنقیح و تحقیق سابق سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل کسی کو اس معجزہ پر اطلاع نہ ہو اور کوئی اسے روایت نہ کرے صغیر السن بچوں کو بعض اوقات اس قسم کی جرأتیں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اسی طریقہ سے جو ذکر کیا گیا ادراک کر سکتے ہیں اسی سبب سے اکثر احادیث حلیہ شریفہ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مشتہر ہو گئیں۔ نہ اکابر صحابہ سے علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض کے اندر ترجمہ ابن ابی ہالہ میں یہ فرماتے ہیں۔

وَكَانَ رَبِيبُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَا الْفَاطِمَةِ وَ خَالَ الْحَسَنَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فَكَانَ لِصِغَرِهٖ يَتَّسِعُ مِنَ النَّظَرِ لِوَجْهِهٖ لِكَوْنِهٖ عِنْدَهٗ دَاخِلَ بَيْتِهٖ فَلِذَا اشْتهر وصف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَسَلَّمَ عنہ دون غیرہ من کبار الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم فانہم لکبرہم کانوا یہابون اطالۃ النظر الیہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فاحاط بہ نظرہ احاطۃ الھالۃ بالقمر والاکمام بالثمر۔

اور حضور کے سوتیلے صاحبزادے اور حضرت فاطمہ کے بھائی اور حضرات حسنین کے ماموں صغیر سنی کی وجہ سے حضور کو جی بھر کر نگاہ جما کر دیکھتے کیونکہ وہ حضور کے خانہ مبارک میں داخل ہوا کرتے تھے۔ تو اسی وجہ سے حضور کے اوصاف انہیں کے ذریعہ مشتہر ہوئے نہ ان کے علاوہ علاوہ بڑے بڑے صحابہ کبار سے اس لئے کہ وہ لوگ کبر سنی کی وجہ سے حضور کے روئے انور پر تا دیر نگاہیں جمانے سے مرعوب ہو جاتے تھے تو ان کی نگاہ نے حضور کے روئے انور کا احاطہ چاند کے ہالے اور پھل کے غلاف کی طرح سے کیا۔ مبارکباد دی ہے اس کو جو کچھ کہدیا۔

مقدمہ رابعہ صحابہ کرام میں ہزاروں ایسے ہیں جنہیں طول صحبت نصیب نہ ہوا اور بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے سوائے مجامع عظیم کے شرف زیارت نہ پایا۔ غیر مدینہ کے گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور عرصہ قلیلہ میں واپس جاتے ایسی صورت اور مجمع کی کثرت میں موقع سایہ پر نظر اور اس کے ساتھ عدم سایہ کی طرف خیال جانا کیا ضرور۔ ظاہر ہے کہ مجمع میں سایہ ایک کا دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا۔ اور کسی شخص خاص کی نسبت امتیاز کرنا اس کیلئے ممکن ہے یا نہیں، دشوار ہوتا ہے ــــــ

نامِ مصطفیٰ پر انگوٹھوں کا بوسہ

از : مولانا سید محمد حسینی مصباحی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ رائچور (کرناٹک) و چیف ایڈیٹر ماہنامہ "سنی آواز" دار العلوم امجدیہ (ناگپور)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنے کو فرقۂ وہابیہ کا عام طبقہ ناجائز وحرام وبدعت سمجھتا ہے۔ انگوٹھوں کے چومنے پر جب حدیث شریف پیش کی جاتے تو وہ فوراً کہدیگا یہ حدیث صحیح نہیں ہے صحیح نہیں ہے کہکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ غلط ہے۔ یہ فرقہ صحیح غلط کے مقابل بولتا ہے ــــ وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں، تبلیغی جماعت والوں کے پاس ہر وہ چیز جس سے کہ فضائل انبیاء واولیاء اور معمولات اہل سنت کا ثبوت ملے اس کا رد وانکار کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے کہ کسی بھی حدیث پاک کو صحیح نہیں ہے کہکر عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ غلط ہے۔ ان کے بہکانے کی وجہ سے عوام نے بھی یہی سمجھ لیا ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

"محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ غلط و باطل ہے۔ بلکہ ان کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت اور دشوار اور موانع وعوائق کثیر وبسیار، حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر بحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں یعنی اس درجے کو نہ پہنچی اس سے دوسرے درجے کی حدیث کو حسن کہتے ہیں یہ بآنکہ صحیح نہیں پھر اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی فقط اتنا ہوتا کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبہ سے جھکا ہوتا ہے اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہیں یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پوری لیاقت رکھتی ہے وہی علماء جو اسے صحیح نہیں کہتے برابر اس پر اعتماد فرماتے ہیں اور احکام حلال وحرام میں حجت بتاتے ہیں"

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲، صفحہ [illegible])

ہر علم وفن میں کچھ اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ جس علم کی بات کی جاتی ہے اسی علم کی روشنی میں اس کی اصطلاح کا معنی مراد لیا جائے گا۔ علم صرف کا مبتدی طالب علم جانتا ہے کہ اصطلاح صرف میں صحیح ہفت اقسام کی قسموں سے ایک قسم ہے۔ اگر کسی علم صرف کے پڑھنے والے طالب علم نے عربی کے کسی کلمے کو دیکھکر یہ کہدیا کہ یہ

صحیح نہیں ہے تو شاید وہابی دیوبندی جیسا احمق دشمن دین نہ بھی سمجھے گا کہ یہ کلمہ صحیح نہیں ہے تو غلط ہوگا۔ اس احمق سے وہ طالب علم کہے گا کہ ہفت اقسام میں سے ایک قسم صحیح ہے اس میں اس کی نفی ہے نہ کہ یہ کلمہ غلط ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ اگر یہ کلمہ صحیح نہیں ہے تو ہفت اقسام میں سے امثال، یا مضاعت، یا لفیف، یا ناقص، یا مہموز یا اجوف میں سے کوئی ایک ہوگا، اصطلاح صرف میں صحیح کہا گیا تو اس کا معنی و مفہوم اسی زبان میں مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح حدیث کی اصطلاح میں صحیح ایک اعلیٰ قسم کی اصطلاح ہے۔ اگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے تو حدیث کی اصطلاح میں کسی دوسری قسم کی حدیث مراد لی جائے گی نہ کہ اس حدیث کا غلط ہے" کہکر انکار کیا جائے گا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

"دوسرا درجہ احکام کا ہے۔ کہ ان کے لئے اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہئے (احکام بیان کرنے کے لئے، جمہور علما یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے، تیسرا درجہ فضائل کا ہے یہاں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے"

(فتاوی رضویہ جلد ۲)

وہابی، دیوبندی، مودودی وغیرہ گمراہ بدمذہب جس حدیث سے فضائل کا ثبوت ہو یا معمولات اہل سنت کا حق ہونا ثابت ہو اس حدیث کا صحیح نہیں ہے کہکر انکار کردیگا یا مرے دل سے اقرار کرے گا تو یہ کہدے گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ضعیف ہے کہکر عوام کو یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ قابل استناد نہیں بلکہ غلط ہے۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں احادیث ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ ان قسموں کے اعتبار سے مسائل کا اخراج و ثبوت ہوتا ہے، حدیث کا من حیث الحدیث ہونے میں کوئی کلام نہیں، اختلاف رُواۃ کی وجہ سے قسمیں ہوتی ہیں، حدیث ہونے سے بھلا کون انکار کرے گا۔ مسائل کے اخراج میں یقیناً تواتر اور اس کے ہم پلہ احادیث کو ہی ترجیح دی جائے گی اور یہی فقہاء کرام کا بھی اصول ہے۔ جہاں فضائل کا بیان ہوگا حدیث ضعیف پر بھی عمل کیا جائے گا جیسا کہ مذکورہ بالا حوالہ میں اعلیٰ حضرت نے ذکر فرمایا۔

نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنا فضائل میں داخل ہے۔ اس پر عمل باعث اجر و ثواب ہوگا فضائل میں سے کسی امر کا ثبوت اگرچہ ضعیف حدیث سے ہو اور اس پر اجماع ہو یقیناً یہ حجت شرعیہ میں سے ایک حجت ہے۔ علماء نے ضعیف حدیث کو فضائل میں معتبر مستند مانا ہے، سیر و فضائل میں آپ دیکھیں گے کہ ان کی بنیاد ہی ضعیف احادیث ہیں۔ چونکہ یہ احادیث ضعیف ہیں اس لئے ان کو نظر انداز کیا جائے تو سیر و مناقب و فضائل کے بہت سارے باب ادھورے رہ جائیں گے۔ وہابیہ، دیوبندیہ کا یہ دستور رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے فضائل و مناقب کا جہاں جہاں سے ثبوت ملتا ہے۔ اس پر جرح و قدح کرکے عوام کے سامنے اس درجے پر لاکر رکھ دیں کہ لوگ حدیث ضعیف کا نام سنتے ہی بے وقعت سمجھیں اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دیں وہابیہ شاتمان رسول کو اور ان کے ہمنواؤں کو آگاہ ہونا چاہئے طُرق رواۃ کے اعتبار سے احادیث کی جو قسمیں کہلائیں ان میں ایک قسم ضعیف ہے۔ حدیث ضعیف پر عمل میں بھی ثواب ہے۔ چنانچہ امام اجل حضرت ابو طالب محمد بن علی مکی قدس سرہٗ قوۃ القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں

"فی فضائل الاعمال وتفضیل الاصحاب متقبلۃ" محتملۃ علی کل حال مقاطیعها ومراسیلها لا تعارض ولا ترد کذالک کان السلف یفعلون"۔ یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مُرسل نہ ان کی مخالفت کیجائے نہ انہیں رد کریں ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔"

(بحوالہ فتاوی رضویہ جلد ۲، صفحہ ۵۴۲)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا فعل مستحسن اور محبت رسول کی علامت ہے اس کے ناجائز وحرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں؛ البتہ اس کے جواز پر متعدد احادیث موجود ہیں۔

نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنا اگرچہ حدیث ضعیف سے ثابت ہے چونکہ یہ فضائل کے باب میں ہے۔ یقیناً معتبر ہے اور جو چیز حدیث ضعیف سے ثابت ہو اس کی مخالفت نہ کی جائے گی یہی سواد اعظم امت کا اصول ہے اس کے برعکس وہابی، دیوبندی، مودودی غیر مقلد (اہل حدیث) کو چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عناد و دشمنی ہے وہ نہیں چاہے گا کہ انبیاء و اولیاء کی فضیلت ثابت ہو۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

"حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف ملکر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں بلکہ اگر ضعف غایت شدت قوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث، درجہ حسن تک پہنچی ہے اور مثل صحیح خود احکام حلال وحرام میں حجت ہو جاتی ہے۔"

(بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲، ص ۴۰۳)

اکابر علماء وجمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو بھی کثرت طرق کی وجہ سے حجت مانا ہے وہ مثل حدیث کے دلیل بن جاتی ہے۔ مرقات میں ہے۔

"تعدد الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن یعنی متعدد روایتوں سے آنا حدیث ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲، ص ۴۰۳)

حدیث ضعیف کو فضائل میں خاص اہمیت حاصل ہے امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

"قد احتج جمہور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ والحقوہ بالصحیح تارۃ وبالحسن اخری وھذا النوع من الضعیف یوجد کثیر فی الکتاب السنن الکبری للبیہقی التی الفہا بقصد الاحتجاج لاقوال الایمہ وافعال اصحابہم۔ بیشک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرت طرق سے حجت مانا اور اسے کبھی صحیح اور کبھی حسن سے ملحق کیا اس قسم کی ضعیف حدیثیں امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انہوں نے مجتہدین واصحاب ائمہ کے مذاہب پر دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا۔ امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں درباره حدیث توسّعوا العیال یوم عاشورا امام بیہقی سے ناقل ھذہ الاسانید وان کانت ضعیفۃ لکنہا اذا ضم بعضہا الی بعض احدثت قوۃ ــ یہ سندیں اگرچہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں ملکر قوت پیدا کریں گی، امام جلیل جلال الدین سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں۔ المتروک والمنکر اذا تعدد طرقہ ارتقی الی درجۃ الضعیف الغریب بل ربما ارتقی الی الحسن ـ یعنی متروک یا منکر سخت قوی الضعیف ہیں یہ بھی تعدد طرق سے ضعیف غریب بلکہ حسن کے درجے تک ترقی کرتی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۴۰۳/۴۰۴)

سوادِ اعظم امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنا اگرچہ ضعیف حدیث سے ثابت ہے لیکن اس کے راویوں نے اس کو مختلف طرق سے روایت کیا اور اس پر ائمہ و مجتہدین و فقہاء محدثین و اکابرین علماء امت کا اس کے جائز و مستحسن ہونے پر اتفاق قوی دلیل ہے۔ جواز کے لئے صرف اجماعِ امت ہی کافی تھا اور اس پر حدیث ضعیف کے مختلف طرق سے روایت نے اس کے جائز ہونے کو اور بھی مضبوط کر دیا اس کے رد و منع میں کوئی حدیث وارد نہیں اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل چاہئے۔

حضور اکرم نورِ مجسم شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا یہ فعل مستحسن شروع دورِ اسلام سے رائج ہے اس پر ہر دور میں عمل رہا ہے۔ اس کے ناجائز و حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں اس کے برخلاف جائز و مستحسن ہونے پر دلائل کثیرہ وارد ہیں اگر کسی امر کے جائز ہونے پر کوئی دلیل نہ بھی ہو تو اس کے منع و حرام ہونے پر کسی دلیل شرعی کا نہ ہونا خود جواز کے لئے کافی ہے اور کوئی کسی جائز فعل کو ناجائز بتائے ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ جائز سمجھنے والوں کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں مگر نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنے کے جواز میں احادیث و اقوالِ فقہ و ارشادات علماء سلف صالحین کا ئل قدیم موجود ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

" حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر و ریحانۂ رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسن اور حضرت نقیب اولیاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا ابو العباس خضر علی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعاً الصلاۃ والسلام وغیرہم اکابرین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علامہ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع رموز شرح نقایہ مختصر الوقایہ و فتاویٰ صوفیہ وکنز العباد و ردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتب فقہ میں اس فعل کے استحباب و استحسان کی صاف تصریح آئی "

(فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۴۲۹)

مذکورہ بالا ارشاد اعلیٰ حضرت سے ثابت ہوا کہ نام پاک رسالت کو سنکر انگوٹھوں کو چومنا خاص طور پر حضرت سیدنا صدیق اکبر اور ریحانۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل رہا ہے اور خلفاء راشدین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے قول پر عمل کرنا امت کیلئے محمود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت، اسی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال مبارکہ کے حجت شرعیہ ہونے پر ارشاد فرماتے ہیں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن اور دوسری چیز میرے اہل بیت یعنی اگر تم نے ان دونوں بھاری چیزوں پر تمسک کیا کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ امت میں کیسے کیسے فقہاء و علماء و اولیاء کا اس پر عمل رہا ہے مذکورہ بالا حوالوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اس پر منیر العینین نامی دلائل و براہین سے جکڑا ہوا رسالہ تصنیف فرما کر امت پر احسان فرمایا اس سے چند دلائل نقل کئے جاتے ہیں۔

" مسح العينين بباطن انملتي السبابتين بعد تقبيلهما عند سماع قول المؤذن اشهد ان محمدًا رسول الله مع قوله اشهد ان محمد عبده ورسوله رضيتُ بالله ربًا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى الله تعالى عليه وسلم نبيًا ذكره الديلمي في مسند الفردوس من حديث ابي بكرٍ الصديق رضي الله تعالى عنه لما سمع قول المؤذن اشهد ان محمدًا رسول الله قال هذا وقبل باطن الانملتين السبابتين

ومسح عبنیه فقال صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم من فعل مثل مافعل خلیلی فقد حلت علیه شفاعتی۔

یعنی موذن سے اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر انگشتان شہادت کے پورے جانب باطن سے چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیا اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا جب اس جناب نے موذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے سنا یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا اس پر میری شفاعت حلال ہوجائے۔"

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فعل مستحسن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ بجائے منع فرمانے کے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو ایسا کرے گا اس پر میری شفاعت واجب ہوجائے گی اس سے بڑھکر اور کونسا ثبوت چاہیئے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

"ایسے ہی وہ حدیث کہ حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر رادیسی صوفی نے اپنی کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ میں ایسی سند سے جس میں مجاہیل ہیں اور منقطع بھی ہے حضرت سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص موذن سے اشہد ان محمدًا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سنکر مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں نہ دکھیں۔

پھر فرمایا ـــــ فقیہ بن البابا بجائی سے روایت کی کہ وہ اپنا حال بیان کرتے تھے۔ ایک بار ہوا چلی ایک کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی نکالتے تھک گئے ہرگز نہ نکلی اور نہایت سخت درد پہنچایا انہوں نے موذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے یہی کیا فورًا نکل گئی راد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اتنی بات کیا چیز ہے پھر فرمایا۔

(ترجمہ) شمس الدین محمد بن صالح مدنی مدینہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے کہ سلف صالح میں تھے نقل کیا کہ میں نے انھیں فرماتے سنا جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سنکر کلمہ کی انگلی اور انگوٹھا ملائے اور انھیں بوسہ دیکر آنکھوں سے لگائے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں ـــــ

پھر فرمایا ـــــ ابن صالح فرماتے ہیں میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سنا کہ بعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور ان کی روایت میں یوں ہے کہ آنکھوں میں کرتے وقت یہ درود عرض کرے صلی اللہ تعالیٰ علیك یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی اور صاحبوں یعنی شیخ امجد وفقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم نے یہ عمل ان دونوں صاحبوں سے سنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دکھیں اور اور امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا ـــــ

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۳۶۲ تا ص ۳۶۴)
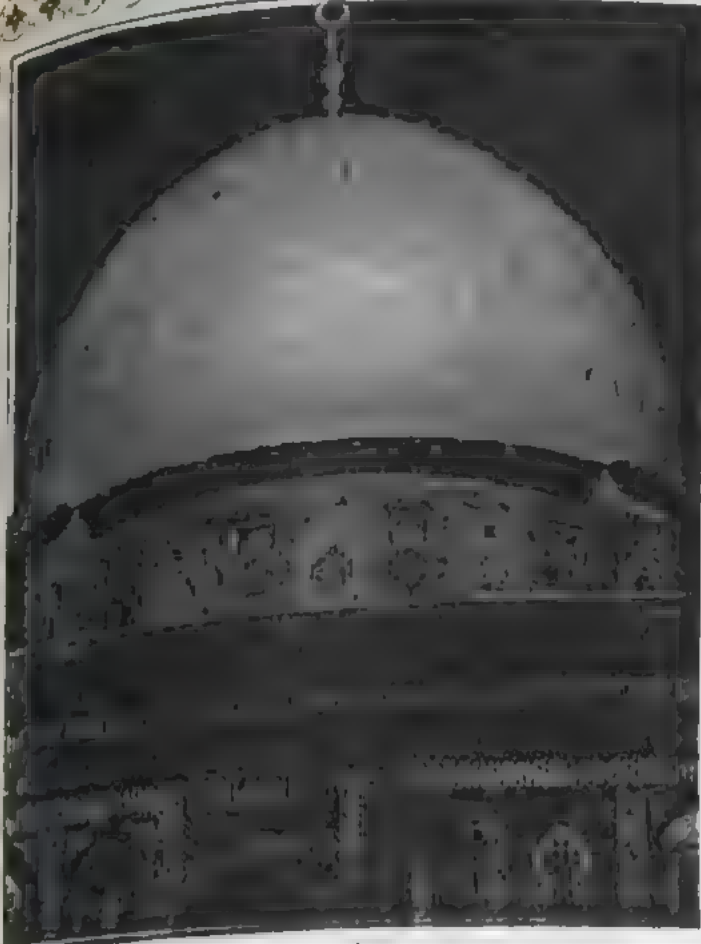
سلف صالحین اور اکابر اولیاء و ائمہ و فقہاء سے زیادہ دین کی نزاکتوں کو کون سمجھنے والا ہو سکتا ہے ؟ انہیں سلف صالحین و ائمہ و اولیاء و علماء و فقہا کا وجود اور ان کا عمل خود اسلام تھا۔ حرام و ناجائز و بدعت کی تعریف ان سے زیادہ کون جاننے والا ہو سکتا ہے۔ وہابیہ دیوبندیہ کا نام پاک رسالت سنکر انگوٹھوں کے چومنے کو بریلوی بدعت کہکر اس کی تحقیر کرنا کتنی بڑی حماقت ہے اس جائز و مستحسن امر کو اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے رائج نہیں فرمایا اور نہ اس کے موجد اعلیٰ حضرت ہیں۔ سب سے پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے انگوٹھوں کو چوما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آپ کو دعائیں دیں اس کے بعد تابعین ، تبع تابعین ائمہ دین و اولیاء سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو جائز و مستحسن جانا اور اس پر عمل کیا۔ اکابر امت میں کیسے کیسے جلیل القدر ائمہ و فقہاء نے اس پر عمل کیا ملاحظہ فرمائیں۔

"امام مدنی فرماتے ہیں فقیہ محمد بن سعید خولانی سے مروی کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص موذن کو اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنکر یہ دعا پڑھے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے نہ کبھی اندھا ہو نہ آنکھیں دکھیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۲۸۵)

"طاوسی فرماتے ہیں کہ انہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی بصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ جو شخص موذن سے کلمہ شہادت سنکر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دعا پڑھتی ہے۔

اللھم احفظ حدقتی ونورھما

ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونورھما اندھا نہ شرح نقایہ میں ہے واعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ الثانیۃ صلی اللہ تعالیٰ علیک یارسول اللہ عند الثانیۃ منھا قرۃ عینی یارسول اللہ ثم یقال اللھم متعنی فانہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم یکون لہ قائدا الی الجنۃ کذا فی کنز العباد یعنی خبردار ہو بے شک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشہد ان محمد رسول اللہ سنے اور صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہے اور دوسری بار قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر انگوٹھوں پر رکھکر

مانچسٹر

کی

جامع مسجد

اور

اسلامک

کلچرل سینٹر

JAMIA MOSQUE & ISLAMIC

CULTURAL CENTRE

Park Road

Manchester 14.

بجے اللھم متعنی بالسمع والبصر کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد میں ہے علامہ شامی قدس سرہٗ السامی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں ونحوہ فی الفتاوی الصوفیہ یعنی اسی طرح امام علامہ یوسف بن عمر صاحب جامع المضمرات شرح قدوری قدس سرہما نے فتاوی صوفیہ میں فرمایا۔ شیخ مشائخنا خاتم المحققین سید العلماء الحنفیہ بمکۃ المحمیہ مولانا جمال بن عبد اللہ عمر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف سنکر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ اذان میں حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سنکر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے ہمارے مشائخ مذہب نے متعدد کتابوں میں اس کے جائز بلکہ مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ (فتاوی رضویہ ص۲۵۵ تا ص۲۸۶)

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام۔ تابعین، تبع تابعین ائمہ دین فقہا و محدثین اولیاء و علماء امت کا اس کے جائز و مستحسن باعث اجر و ثواب ہونے پر اتفاق ہے۔ اہل سنت اسی پر عامل پیرا ہیں۔ وصل اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ و اہل بیتہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین ــــ

حضور پر نور شفیع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سننے کے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز و مستحب اور بہت ہی باعث رحمت و برکت ہے۔ اس کے جواز پر دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ اور ممانعت پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ چند دلائل ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔

وَفِیْ قَصَصِ الْاَنْبِیَآءِ وَغَیْرِهَا اَنَّ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ كَانَ فِی الْجَنَّةِ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ هُوَ مِنْ صُلْبِكَ وَيَظْهَرُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَسَاَلَ لِقَاءَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ كَانَ فِی الْجَنَّةِ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ فَجَعَلَ اللّٰهُ النُّوْرَ الْمُحَمَّدِیَّ فِیْ اِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ مِنْ یَدِهِ الْیُمْنٰی فَسَبَّحَ ذٰلِكَ النُّوْرُ فَلِذٰلِكَ سُمِّیَتْ تِلْكَ الْاِصْبَعُ مُسَبِّحَةً كَمَا فِی الرَّوْضِ الْفَائِقِ اَوْ اَظْهَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی جَمَالَ حَبِیْبِهٖ فِیْ صَفَاءِ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ مِثْلَ الْمِرْاٰةِ فَقَبَّلَ اٰدَمُ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ وَمَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْهِ فَصَارَ اَصْلًا لِذُرِّیَّتِهٖ فَلَمَّا اَخْبَرَ جِبْرِیْلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنْ

آنکھیں تیری ہونگی نہ ہرگز خراب

اے اخی اے عاشقِ محبوبِ حق
جب سُنے تو نامِ پاکِ مصطفےٰ
پڑھ درود اُن پر بصیغہ خطاب
ہونگے محشر میں شفیع وہ بالیقیں
جس نے کی تعظیم سُنکے اُنکا نام
اُنکی تعظیم مومنوں پر فرض ہے
اے خدا اے بے نیاز و کارساز
رحم کُن بہرِ حبیبِ مصطفےٰ
یارسول اللہ حبیبِ حق توئی
رحمۃ للعالمیں شانِ شُما
یک نظر بر ایں کمینہ اے کریم

اے نثارِ طالب و مطلوبِ حق
چوم انگوٹھے اور آنکھوں سے لگا
آنکھیں تیری ہونگی نہ ہرگز خراب
پھر خدا دیگا تجھے خلدِ بریں
آتشِ دوزخ ہوئی اُسپر حرام
جو نہ مانے اُسکے دل میں مرض ہے
اے کریمِ من شہِ بندہ نواز
از کرم تو عفو کُن جرم و خطا
حق توئی بیشک توئی بر حق توئی
رحم کُن بر حالِ من بہرِ خدا
کُن طلب سوئے مدینہ اے کریم

اے شفیعِ من کرم بر ایں غلام
صد ہزاراں الصلوٰۃ والسلام

(المؤلف)

سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ
نَقَبَّلَ ظُفُرَیْ اِبْهَامَیْهِ وَ
مَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْهِ لَمْ یَعْمَ
اَبَدًا۔ (روح البیان ص ۶۴۹)

ترجمہ:۔ قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمہارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے داہنے ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چمکایا تو اس نور نے اللہ کی تسبیح پڑھی، اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا جیساکہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے جمال محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ ظاہر فرمایا تو حضرت آدم نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جب جبریل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سُنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چُوم کر آنکھوں سے لگائے وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(۲) اسی تفسیر روح البیان میں ہے کہ:۔

در محیط آوردہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بمسجد در آمد و نزدیک ستون بنشست و صدیق رضی اللہ عنہ در برابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود چوں گفت اشہد ان محمد رسول اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ چوں بلال رضی اللہ عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ یا ابابکر ہر کہ بکند چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید و قدیم اورا اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطاء۔

ترجمہ:۔ محیط میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے برابر بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اذان دینا شروع کی جب انھوں نے اشہد ان محمدؐ رسول اللہ کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور کہا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ جب حضرت بلال اذان دے چکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اے ابوبکر جو شخص ایسا کرے جیسا کہ تم نے کیا ہے خدا تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیگا۔

(۳) وحضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بمسجد در آمد در دہۂ محرم و بعد از انکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گرفت و ابوبکر رضی اللہ عنہ بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد و گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ و چوں بلال رضی اللہ عنہ از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ ای ابابکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتنی از روئے شوق بلقائے من وکند آنچہ تو کردی خدائے در گذارد گناہان ویرا انچہ باشد نو دکہنہ خطا و عمد نہاں و آشکارا۔

(تفسیر روح البیان ص ۶۴۸/۴)

ترجمہ:۔ اور حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی اللہ ان کے درجات بلند کرے اپنی کتاب قوت القلوب میں ابن عیینہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے محرم کی دسویں تاریخ کو مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اذان میں حضور کا نام سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور کہا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر جو شخص تمہاری طرح میرا نام سنکر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے خدا تبارک وتعالیٰ اس کے تمام نئے و پرانے، ظاہر و باطن گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

(۴) علامہ امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ دیلمی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں

(المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ)

ترجمہ: جب مؤذن کو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے سنا تو یہی کہا اور اپنی انگشتان شہادت کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اس پیارے دوست کی طرح کرے گا میری شفاعت اس کے لئے حلال ہو گئی۔

(۵) یہی امام سخاوی حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی کی کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ (المقاصد الحسنۃ)

ترجمہ، جو شخص مؤذن سے اشہد ان محمد رسول اللہ سنکر کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

(۶) یہی امام سخاوی فقیہ محمد بن سعید خولانی رحمۃ اللہ علیہ

روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

مَن قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَقُرَّةِ عَيْنِي مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقَبِّلُ إِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ (المقاصد الحسنة)

"جو شخص مؤذن سے اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر کہے مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے، وہ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی دکھیں گی۔"

(۷) یہی امام سخاوی، شمس الدین امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نے حضرت مجد مصری کو جو کاملین صالحین میں سے تھے، فرماتے سنا کہ:

مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ ذِكْرَهُ فِي الْأَذَانِ وَجَمَعَ إِصْبَعَيْهِ الْمُسَبِّحَةَ وَالْإِبْهَامَ وَقَبَّلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمَدْ أَبَدًا۔ (المقاصد الحسنة)

"جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سن کر درود بھیجے اور کلمہ کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر ان کو بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے، اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔"

(۸) یہی امام سخاوی، انہی امام محمد بن صالح کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، عراق کے بہت سے مشائخ سے مروی ہوا ہے کہ جب انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرے، تو یہ درود شریف پڑھے، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَا حَبِيبَ قَلْبِي وَيَا نُورَ بَصَرِي وَيَا قُرَّةَ عَيْنِي۔ ان شاء اللہ کبھی آنکھیں نہ دکھیں گی اور یہ مجرب ہے۔ اس کے بعد امام مذکور فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ سنا ہے، یہ مبارک عمل کرتا ہوں، آج تک میری آنکھیں نہ دکھی ہیں اور ان شاء اللہ نہ دکھیں گی۔ (المقاصد الحسنة)

(۹) یہی امام سخاوی امام طاؤس سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ حدیث سے یہ حدیث مبارکہ سنی، فرمایا:

مَنْ قَبَّلَ عِنْدَ سَمَاعِهِ مِنَ الْمُؤَذِّنِ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ ظُفْرَيْ إِبْهَامَيْهِ وَمَسَحَهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ وَقَالَ عِنْدَ الْمَسِّ اللّٰهُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَيَّ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتَيْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُوْرِهِمَا لَمْ يَعْمَ (المقاصد الحسنة)

"جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر مسے اور یہ پڑھے اللّٰهُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَيَّ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتَيْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُوْرِهِمَا، وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔"

(المقاصد الحسنة)

(۱۰) شرح نقایہ میں ہے:

وَاعْلَمْ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ثُمَّ يُقَالُ اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْإِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ لَهُ قَائِدًا إِلَى الْجَنَّةِ۔

"جان لو کہ بیشک اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ، دوسری شہادت کے سننے پر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چوم) کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔"

(۱۱) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار شرح در مختار میں یہی عبارت لکھ کر فرماتے ہیں۔ كذا في كنز العباد قهستاني ونحوه في الفتاوى الصوفية وفي كتاب الفردوس من قبّل ظفري إبهاميه عند سماع أشهد أن محمدًا رسول الله في الأذان أنا قائده ومدخله في صفوف الجنة وتمامه في حواشي البحر للرملي۔

(رد المحتار شرح در مختار ص۲۰۳)

"ایسا ہی کنز العباد امام قہستانی میں اور اسی کی مثل فتاوی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا، اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔"

(۱۲) رئیس الفقہاء الحنفیہ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مراقی الفلاح میں یہی عبارت اور دیلمی کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی مرفوع حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:۔

وكذا روي عن الخضر عليه السلام وبمثله يعمل في الفضائل۔

"اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے بھی روایت کیا گیا ہے اور فضائل اعمال میں ان احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔"

(۱۳) علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل فرماتے ہیں:۔

إعلم أنه يستحب عند سماع الأولى من الشهادة الثانية صلى الله عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية قرة عيني بك يا رسول الله ثم يقال اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الإبهامين على العينين فإنه صلى الله عليه وسلم يكون قائدًا له إلى الجنة۔

(تفسیر روح البیان ص۲۲۹)

"جان لو بلاشبہ! اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے سننے پر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چوم کر) اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے، اللہم متعنی بالسمع والبصر، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لیجائیں گے۔"

(۱۴) شافعی مذہب کی مشہور کتاب "اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین" کے ص۲۴۷ اور مالکی مذہب کی مشہور کتاب۔

(۱۵) کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی" کے ص۱۶۹ پر ہے کہ جب اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سنے تو درود شریف پڑھے۔

ثم يقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد أبدًا۔

"پھر انگوٹھے چومے اور ان کو آنکھوں پر رکھے تو نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔"

(۱۶) شیخ المشائخ، رئیس المحققین، سید العلماء الحنفیہ بمکۃ المکرمہ مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ:

سئلت عن تقبيل الإبهامين ووضعهما على العينين عند ذكر اسمه صلى الله عليه وسلم في الأذان هل هو جائز أم لا أجبت بما نصه نعم تقبيل الإبهامين ووضعهما على العينين عند ذكر اسمه صلى الله عليه وسلم في الأذان جائز بل هو مستحب صرح به مشائخنا۔

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص۱۲)

"مجھ سے سوال ہوا کہ میں اذان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ذکر کے

وقت انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ ہمارے مشائخ مذہب نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔"

(۱۰) الشیخ العالم المفسر العلامہ نور الدین الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سن کر انگوٹھے چوما کرتا تھا، پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں بیمار ہو گئیں۔

فَرَأَيْتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَ تَرَكْتَ مَسْحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْأَذَانِ إِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَبْرَأَ عَيْنَاكَ فَعُدْ إِلَى الْمَسْحِ فَاسْتَيْقَظْتُ وَمَسَحْتُ فَبَرِئْتُ وَلَمْ يَعُدْ مَرَضُهُمَا إِلَى الْآنِ ۔

(منہج السلامہ فی تقبیل الابہامین فی الاقامہ ص۲)

"تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا تو نے اذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیا اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہو جائیں تو وہ عمل پھر شروع کر دے۔ پس میں بیدار ہوا اور یہ عمل شروع کر دیا تو میری آنکھیں درست ہو گئیں اور اب تک وہ مرض نہیں لوٹا"

(۱۸) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، جس نے دو سو برس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گنوائے۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو مزبلہ (جہاں نجاست وغیرہ ڈالی جاتی ہے) میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اس کو وہاں سے اٹھاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار، بنی اسرائیل اس کے نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا یہ ٹھیک ہے۔

اِلَّا اِنَّهُ كَانَ كُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرَاةَ وَنَظَرَ اِلَى اسْمِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَهُ وَوَضَعَهُ عَلَى

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

عَيْنَيْهِ وَصَلَّى عَلَيْهِ فَشَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ وَغَفَرْتُ ذُنُوْبَهُ وَزَوَّجْتُهُ سَبْعِيْنَ حُوْرًا ۔

حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ص۴۲ وسیرۃ حلبیہ ص۸۳

"مگر اس کی عادت تھی کہ جب وہ توراۃ کو کھولتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کو دیکھتا تو اس نام کو دیکھ کر آنکھوں سے لگا لیتا اور درود بھیجتا۔ پس میں نے اس کا یہ حق مانا، اور اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔"

(۱۹) سید العارفین حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:۔

بود در انجیل نام مصطفےٰ ❊ آں سر پیغمبراں بحر صفا

"انجیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام درج تھا ـــــ وہ مصطفیٰ جو پیغمبروں کے سردار اور بحر صفا ہیں۔"

بود ذکر حلیہ ہا و شکل او ❊ بود ذکر غزو و صوم و اکل او

"نیز آپ کے اوصافِ جسمانیہ شکل و شمائل، جہاد کرنے، روزہ رکھنے اور کھانے پینے کا حال بھی درج تھا۔"

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب ❊ چوں رسیدندے بداں نام و خطاب!

بوسہ دادندے بداں نام شریف ❊ رو نہادندے بداں وصفِ لطیف

"عیسائیوں کی ایک جماعت جب اس نام پاک اور خطاب مبارک پر پہنچتی تو وہ لوگ

بغرضِ ثواب اس نام شریف کو بوسہ دیتے اور
اس ذکر مبارک پر بطور تعظیم منہ رکھ دیتے۔"

نسل ایشاں نیز ہم بسیار شد ※ نور احمد ناصر آمد یار شد
"اس تعظیم کی بدولت) ان کی نسل بہت
بڑھ گئی اور حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک
(ہر مرحلے میں) ان کا مددگار اور ساتھی بن گیا۔"

واں گروہ دیگر از نصرانیاں ※ نام احمد داشتندے مستہاں
"اور ان نصرانیوں کا وہ دوسرا گروہ احمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بے قدری
کیا کرتا تھا۔"

مستہاں خوار گشتند آں فریق ※ گشتہ محروم از خود و شرط طریق
"وہ لوگ ذلیل و خوار ہو گئے، اپنی ہستی
سے بھی محروم ہو گئے (کہ قتل کئے گئے) اور
مذہب سے بھی محروم ہو گئے، یعنی عقائد خراب ہو گئے۔"

نام احمد چوں چنیں یاری کند ※ تاکہ نورش چوں مددگاری کند
"جب حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
نام مبارک ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ
کا نور پاک کس قدر مدد کر سکتا ہے۔"

نام احمد چوں حصارے شد حصین ※ تا چہ باشد ذات آں روح الامین
"جب حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام
مبارک ہی حفاظت کے لئے مضبوط قلعہ ہے تو
اس روح الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک
کیسی ہوگی؟" (مثنوی اول، دفتر اول)

شبہ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ ان میں ایک بھی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ چنانچہ محدثین نے ان احادیث کو لکھ کر فرمایا: لَا یصح فِی المرفوع لہٰذا احادیث ضعیفہ سے کس طرح ایک شرعی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے۔

اس کے متعلق صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ محدثین کرام کا کسی حدیث کے متعلق فرمانا کہ صحیح نہیں، اس کے یہ معنیٰ نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ صحت کے اس اعلیٰ درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجۂ صحت کہتے ہیں۔ یاد رکھئے! اصطلاحِ محدثین میں حدیث کا سب سے اعلیٰ درجہ صحیح اور سب سے بدتر موضوع ہے، اور وسط میں بہت سے اقسام ہیں جو درجہ بدرجہ مرتب ہیں۔ صحیح کے بعد حسن کا درجہ ہے۔ لہٰذا نفیٔ صحت نفیٔ حسن کو مستلزم نہیں۔ بلکہ اگر ضعیف بھی ہو تو فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف بالاجماع مقبول ہے اور ان احادیث کے متعلق محدثین کا لا یصح فی المرفوع یعنی یہ تمام احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو کر صحیح ثابت نہیں ہوئیں۔ فرمانا ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں۔

(۲۰) چنانچہ علامہ امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَاِذَا ثَبَتَ رَفْعُہٗ اِلَی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فَیَکْفِیْ لِلْعَمَلِ بِہٖ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ

(موضوعات کبیر ص۲۳)

"میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا
رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت
ہے تو عمل کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں تم پر لازم
کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین
کی سنت۔"

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے، کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک اس کا رفع ثابت ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ چنانچہ مخالفین کے سردار مولوی خلیل احمد انبیٹھوی و مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں:

"جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو، خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے۔" (براہین قاطعہ ص۲)

ثابت ہوا کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا سنت ہے۔ کیونکہ ملا علی قاری کی عبارت سے قرونِ ثلاثہ میں اس کی اصل متحقق ہو گئی۔ پھر اس کو بدعت وغیرہ کہنا جہالت اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

★★★★★

فقہی مسالک کی تقلید

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

معلوم ہونا چاہیئے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں لوگ فقہ کے ایک معین مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے ابوطالب مکی اپنی کتاب "قوت القلوب" میں لکھتے ہیں:-

"یہ کتابیں اور رسائل کے مجموعے بعد کی چیزیں ہیں۔ لوگوں کے اقوال بیان کرنا، ایک خاص شخص کے فقہی مذہب پر فتویٰ دینا، ہر چیز میں اس کے مذہب پر اعتماد کرنا پہلے اور دوسرے قرن عہد قدیم میں لوگوں کا یہ معمول نہ تھا۔ بلکہ اس دور میں لوگوں کے دو طبقے تھے ایک علماء کا طبقہ اور دوسرا عوام کا طبقہ۔

عوام کا یہ حال تھا کہ متفق علیہ مسائل میں، جن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر یا جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہ تھا، وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ وہ وضو اور غسل کی کیفیت اور نماز و روزہ وغیرہ کے احکام اپنے باپ دادوں یا اپنے شہروں کے معلمین سے سیکھتے تھے۔ اور اسی پر چلتے تھے جب ان کو کوئی نادر و غیر معمولی واقعہ پیش آتا تو جس مفتی کو پاتے بغیر کسی فقہی مذہب کے تعین کے، اس سے فتویٰ پوچھتے۔

ابن ہمام نے اپنے رسالے "التحریر" کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ایک بار ایک مفتی سے فتویٰ لیتے اور دوسری بار کسی دوسرے سے فتویٰ لیتے اور اس میں کسی مفتی کا التزام نہ کرتے۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کے دو درجے تھے ایک وہ عالم جنہوں نے قرآن، سنت اور آثار کے تتبع و جستجو میں اتنی محنت و کوشش کی کہ ان کو بالقوۃ جسے بالفعل ہی سمجھیئے، ایسا ملکہ حاصل ہو گیا کہ وہ لوگوں میں مفتی بن سکتے تھے۔ یعنی لوگوں کو جو واقعات پیش آتے تھے ان میں اکثر کے بارے میں وہ فتویٰ دے سکتے تھے اور وہ امور جن کے متعلق وہ جواب دیتے، زیادہ ہوتے تھے ان امور سے جن کی نسبت وہ توقف کرتے۔ یہ لوگ مجتہد مطلق کے نام سے مختص تھے۔

دوسرے وہ عالم تھے جن کو قرآن و سنن کی اتنی معرفت حاصل تھی جس سے وہ فقہ کے اصول اور اس کے بنیادی مسائل کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ

جان سکتے تھے۔ بعض (جزوی) ایسے مسائل تھے جن میں انہیں دلائل کے ذریعے ایک واضح اور غالب رائے حاصل ہو جاتی تھی اور بعض کے متعلق وہ توقف کرتے۔ ان آخر الذکر مسائل کے بارے میں وہ علمائے مشورہ کرنے کے محتاج ہوتے۔ کیونکہ ان کے متعلق کسی واضح اور غالب رائے تک پہنچنے کے لئے ان کے پاس پوری طرح وہ وسائل نہیں تھے جو مجتہد مطلق کے پاس تھے۔ چنانچہ یہ علماء بعض مسائل میں مجتہد تھے اور بعض میں غیر مجتہد۔

صحابہ اور تابعین سے یہ چیز تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو کوئی حدیث پہنچتی تو وہ کسی شرط کا خیال کئے بغیر اس پر عمل کرتے۔ لیکن دو صدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہد کے مذاہب کو اختیار کرنے کا رجحان ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ ان میں بہت کم ایسے تھے جو کسی خاص معین مجتہد کے مذہب کے پابند نہ ہوتے۔ یہ اس زمانے میں ایک امر واجب ہو گیا۔

(ابتدائی دو صدیوں میں کسی معین فقہی مذہب کو اختیار کرنے کا دستور نہ تھا۔ تیسری صدی میں کسی نہ کسی معین فقہی مذہب کو اختیار کرنا عام ہو گیا اور اس کے زمانے میں یہ چیز ایک امر واجب قرار پائی) اگر تم مجھ سے پوچھو کہ ایک زمانے میں ایک چیز غیر واجب ہے تو دوسرے زمانے میں کس طرح واجب ہو سکتی ہے جبکہ شریعت تو ایک ہی ہے۔ چنانچہ تمہارا یہ قول کہ مجتہد مستقل کی اقتدا پہلے واجب نہ تھی پھر واجب ہو گئی تناقض کا حامل ہے۔ اس کے جواب میں میرا کہنا یہ ہے کہ واجب اصلی تو یہ ہے کہ امت میں ایک ایسا شخص ہو جو فروعی احکام کی ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت رکھتا ہو۔ اس پر سب اہل حق کا اتفاق ہے۔

(قاعدہ یہ ہے کہ) جس بات پر واجب موقوف ہوتا ہے وہ بات بھی واجب ہوتی ہے۔ جب واجب کے متعدد طریقے ہوں تو ان میں سے کسی نہ کسی طریقے کا تعین کئے بغیر حاصل کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور جب اس کا ایک ہی طریق ہو تو خاص اس طریق کا حاصل کرنا واجب ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب آدمی سخت بھوک میں مبتلا ہو، اس کی وجہ سے اسے ہلاک ہونے کا ڈر ہو اور بھوک کو دور کرنے کے چند طریقے ہوں، جیسے کھانا خریدنا جنگل سے پھل توڑ لینا اور ایسی چیز کا شکار کرنا جو غذا کا کام دے۔ اس صورت میں بھوک کو دور کرنے کے ان متعدد طریقوں میں سے کسی بھی غیر معین طریقے پر عمل کرنا واجب ہوگا لیکن اگر وہ آدمی ایسی جگہ بھوک میں مبتلا ہوتا ہے جہاں نہ شکار ہے نہ پھل تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ مال خرچ کرے اور کھانا خریدے۔

(جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، واجب اصلی تو یہ ہے کہ امت میں ایک ایسا شخص ہو جو فروعی احکام کی ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت رکھتا ہو) سلف کے اس واجب اصلی کو حاصل کرنے کے متعدد طریقے تھے اور اس بارے میں کسی ایک طریقے کا تعین ان کے لئے واجب نہ تھا۔ پھر سوائے ایک طریقے کے باقی سب طریقے بند ہو گئے چنانچہ یہ مخصوص طریقہ ان پر واجب ہو گیا۔

ایک دوسری مثال یہ ہے کہ اسلاف احادیث لکھا نہیں کرتے تھے آج احادیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ آج ان کتب حدیث کی معرفت کے بغیر حدیثوں کی روایت کی اور کوئی صورت نہیں۔ اسی طرح سلف کا علم نحو اور لغت میں اشتغال نہ تھا اس لئے کہ ان کی زبان عربی تھی اور انہیں ان فنون کی حاجت نہ تھی۔ لیکن آج ہمارے اس زمانے میں عربی لغت کی معرفت واجب ہو گئی ہے کیونکہ اولین عربوں کے زمانے کو گزرے عرصہ دراز ہو گیا ہے۔

الغرض ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس کی تائید میں بہت سے شواہد ہیں اسی پر ایک معین امام کی تقلید کے واجب ہونے کو قیاس کرنا چاہیے۔ اور ایک معین

امام کی تقلید کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر جب ایک جاہل شخص ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور وہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی عالم نہیں، اور نہ ان مذاہب فقہ کی وہاں کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے فقہی مذہب کی تقلید کرے۔ اس سے باہر جانا اس کے لئے حرام ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے آپ کو دائرۂ شریعت ہی سے باہر نکال دے گا اور بے کار اور مہمل بن کر رہ جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر وہ حرمین میں ہو تو چونکہ وہاں اسے تمام مذاہب فقہ کی معرفت میسر ہوگی۔ اس لئے یہ کافی نہیں کہ وہ کسی غیر ثقہ ظنی بات پر عمل کرے۔ نہ وہ عوام کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات قبول کرے اور نہ کسی غیر مشہور کتاب سے کوئی قول لے۔ یہ سب باتیں کنز الدقائق کی شرح نہر الفائق میں مذکور ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ پہلوں نے اصول فقہ پر زیادہ گفتگو نہیں کی اور جب امام شافعی پیدا ہوئے تو انہوں نے اس موضوع پر کافی و شافی بحث کی، مفید بحث کی اور بڑی اچھی بحث کی۔

میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلوں میں سے ہر ایک کے پاس اپنے ہی شہر کی حدیث جمع کی ہوئی تھی اور ان کے علاوہ دوسرے شہروں کی احادیث اس کے پاس جمع نہیں تھیں۔ جب اس کے خاص شہر کی احادیث کی دلیلوں میں اس کے سامنے کوئی تعارض واقع ہوتا تو وہ اپنی سمجھ اور فراست کے مطابق اس تعارض کا فیصلہ کرتا۔ جب امام شافعی کا زمانہ آیا تو تمام شہروں کی احادیث یکجا جمع ہو گئیں۔ اور اس کی وجہ سے ان مختلف شہروں کی احادیث اور ان کے فقہاء کے اختیار کردہ اقوال میں دو طرح کا تعارض پیدا ہو گیا۔

ایک تو تعارض تھا مختلف شہروں کی احادیث میں۔ دوسرا تعارض تھا ایک ہی شہر کی احادیث کے

ایک جاہل شخص ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی، حنبلی عالم نہیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے فقہی مذہب کی تقلید کرے۔ اس سے باہر جانا اس کے لئے حرام ہوگا اور وہ بے کار و مہمل بنکر رہ جائیگا۔

(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

درمیان۔ وہ یوں کہ ہر شخص اپنے شیخ کی رائے کی جو اس نے اپنی سمجھ اور فراست سے قائم کی ہوتی حمایت کرتا۔ اس سے رخنہ بہت وسیع ہو گیا۔ بہت سے گروہ وجود میں آ گئے اور ہر طرف سے اختلافات نے لوگوں پر اس طرح یلغار کر دی کہ اس کا کسی کو سان گمان نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ حیران و پریشان ہو کر رہ گئے۔ اور انہوں نے اپنے سامنے کوئی راہ نہ پائی۔

(یہ حالات تھے) جب لوگوں کو ان کے رب کی طرف سے مدد پہونچی چنانچہ امام شافعی کو باہم اختلاف رکھنے والی حدیثوں میں تطبیق کرنے کے قواعد القاء کئے گئے اور انہوں نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے ایک دروازہ کھولا اور وہ کیا ہی اچھا دروازہ تھا۔

(ماخوذ ملخص الانصاف فی بیان سبب الاختلاف)

فقہ کے مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ فقہ کے ان چار مذاہب

کو اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان تمام کے تمام سے اعراض و روگردانی میں بہت بڑا فساد ہے ہم اس بات کی یہاں کئی وجوہ سے وضاحت کرتے ہیں۔

اول یہ کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کو جاننے کے لئے سلف پر اعتماد کرتی ہے چنانچہ تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر، اسی طرح ہر طبقے میں علماء نے اپنے پہلے علماء پر اعتماد کیا، اور خود عقل اس طریقہ کار کے حسن و خوبی پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ شریعت کی معرفت صرف نقل اور استنباط ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اب نقل کے صحیح اور درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ استنباط کرنے والا پہلوں کے مذہب کو جانے تاکہ وہ ان کے اقوال کے دائرہ سے باہر نہ نکلے۔ ورنہ وہ اجماع کے خلاف [illegible] جائے گا۔ اس لئے اسے چاہیئے کہ وہ پہلوں کے مذاہب پر اپنے اقوال کی بنا رکھے اور اس سے پہلے جو گزر گئے ہیں ان سے استنباط میں مدد لے۔

جب شریعت کی معرفت کے لئے نقل کے سلسلے میں سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا طے ہو گیا تو یہ ضروری ہوا کہ سلف کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا جائے یا سند صحیح سے مروی ہوں یا وہ مشہور کتابوں میں مدون ہوں پھر یہ بھی ضروری ہوا کہ ان اقوال پر اس طرح بحث ہو چکی ہو کہ ان میں جو کئی ایک احتمالات ہوں ان میں سے راجح احتمال کا تعین ہو گیا ہو، ان کے بعض مقامات میں جو عمومی تعبیریں ہوں ان میں تطبیق دے دی گئی ہو اور وہ اقوال جن احکام پر متضمن ہیں ان کی علتیں بیان ہو چکی ہوں۔ اگر سلف سے مروی اقوال ان مراحل سے نہیں گزرے تو ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ہوگا۔

بعد کے زمانوں میں فقہ کے مذاہب اربعہ کے علاوہ اور کوئی ایسا مذہب نہیں جو ان صفات کا حامل ہو ماسوا مذہب امامیہ اور زیدیہ کے اور وہ اہل بدعت ہیں جن کے اقوال پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

> سواد اعظم (بڑے گروہ) کی پیروی کرو۔ اور چونکہ یہ چار مذاہب فقہ حق و صداقت پر مبنی ہیں تو ان چاروں کی پیروی کرنی سواد اعظم کی پیروی ہے اور انکے دائرہ سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔
>
> (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

فقہ کے مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کو اختیار کرنے پر زور دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

سواد اعظم (بڑے گروہ) کی پیروی کرو اور چونکہ ان چار مذاہب فقہ کے علاوہ باقی فقہ کے تمام مذاہب ختم ہو گئے ہیں تو ان چاروں کی پیروی کرنی سواد اعظم کی پیروی کرنا ہے اور ان کے دائرہ سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب لمبا زمانہ گزر گیا عرصہ دراز ہو گیا اور امانت و دیانت نہ رہی تو ان حالات میں جور پیشہ قاضیوں اور اپنی خواہشات کے بندے مفتیوں میں سے جو علماء سوء تھے ان کے اقوال پر اعتماد کرنا جائز نہ رہا۔۔۔ چنانچہ جب ہم نے علماء کو دیکھا کہ وہ مذہب سلف پر ثابت قدم ہیں۔ تو ظن غالب یہ ہوا کہ وہ علماء سلف کے اقوال سے جو تخریجات یا کتاب و سنت سے جو استنباط کریں گے ان میں ان کی تصدیق کی جائے گی۔ اور جب ہم نے ان میں یہ بات نہ دیکھی تو پھر ان کے اقوال پر اعتماد کہاں؟

(ماخوذ و ملخص عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید)

فقہ کی ضرورت

(علامہ ظہیر علی زیدی)

آج کل جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں احیائے دین کے نام سے مختلف تحریکات چل رہی ہیں۔ جو دین کا احیا اپنی عقل اپنی خواہش، اور عصر حاضر کے تباہ کن رجحانات سے ہم آہنگی کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث کا نام لے کر علوم فقہ کی تمام کتابوں کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح اپنی عقلیت پسند آزاد رائے سے جدید ماحول کی مطابقت کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اسلام ہر زمانے میں جاری خرابیوں کی اصلاح کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے آیا ہے۔ ورنہ اس پر قدامت پرستی کا الزام آجائے گا۔ ان کے نزدیک علوم فقہ کا ہزار سالہ انمول ذخیرہ اب پرانا اور بے کار ہو چکا ہے۔ جو صرف اس زمانے کے لئے تھا آج کے حالات میں اس سے کام نہیں چل سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام میں بڑی لچک ہے۔ گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہر زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام مختلف ادوار میں غلط سماجی دھاروں کو موڑنے کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کی رو میں ساتھ بہہ جانے کے لئے آیا ہے۔ بہر حال موجودہ دور میں احیائے دین کے دعویداروں کا رجحان بغیر علم و معرفت آزادی رائے اور اجتہاد عقلی کی طرف ہے ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علوم فقہ موجودہ دور کے مسائل کو حل نہیں کر سکتے ــــــ؟

کیا ان علوم کو حاصل کئے بغیر، ان میں مہارت حاصل کئے بغیر قرآن و حدیث سے مسائل کا استخراج و استنباط کر سکتے ہیں اور کیا وہ لوگ جو تفسیر اور اصول تفسیر، فقہ و اصول فقہ کے علم سے کوئی حظ نہیں رکھتے براہ راست قرآن و حدیث سے احکام شرعیہ کا استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ادلہ شرعیہ جن سے استنباط کیا جاتا ہے۔ چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، ان سب میں اول اور اعلیٰ قرآن کریم ہے۔ جو تقیہ دین کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک منزل من اللہ، آخری آسمانی کتاب ہے۔ جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تیئیس سال کی مدت میں بواسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اس میں عقائد ہیں احکام ہیں قصص ہیں اور امثال، اس میں آیات محکمات ہیں قرآن پاک کے صحیح معانی و مطالب کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً آیات کی شان نزول کا علم، ناسخ و منسوخ کا علم، مقدم و مؤخر آیات کا علم، لغات قرآن کریم کی مصطلحات کا علم، آیات کے باہمی تعلق کا علم، عربی زبان، علم صرف و نحو، فصاحت و بلاغت معانی و بیان کا علم، محاورات زبان عربی پر عبور اور اصول تفسیر سے واقفیت حقیقت و مجاز استعارات و کنایات وغیرہا کا علم جب تک قرآن پاک سے متعلق جملہ علوم پر دسترس نہ ہوگی اس کے

صحیح مفاہیم و معانی اور مطالب تک رسائی ممکن نہیں۔ قرآن کریم کے تراجم کا مطالعہ کرکے یا ان تراجم کے ساتھ تشریح پڑھ کر یہ تصور قائم کرلینا کہ قرآن سمجھنے کے اہل ہوگئے سخت نادانی اور غلط اندیشی ہے۔ قرآن کریم کے تراجم اس کی عبارات کے لفظی معنی کو کس حد تک واضح کرتے ہیں۔ لیکن اس کے مفاہیم و مطالب کے ادنیٰ حق کو بھی ادا نہیں کرتے۔ قرآن پاک نے اپنے وصف میں خود بیان فرمایا ہے۔

"یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً" ـــــ بہتیروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے یعنی اس کا انکار کرکے بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ اس کی تصدیق کرکے اور اس پر ایمان لاکر اسی مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ بہت لوگ غلط مطلب نکال کر گمراہ ہوتے ہیں اور بہت لوگ اس سے صحیح مفہوم و مطلب سمجھ کر ہدایت پاتے ہیں۔ لہٰذا ترجمہ قرآن پڑھ کر اپنی ناقص عقل سے بے علمی کے ساتھ قرآن کا مطلب بیان کرنے سے سخت گمراہی کا اندیشہ ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ پر اکتفا کیا جائے۔ اور اس کے صحیح مفاہیم و مطالب اس کی صحیح تشریحات معلوم کرنے کے لئے اہل علم کی طرف رجوع کیا جائے کہ قرآن پاک یہی حکم دیتا ہے فرماتا ہے۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون،

جاننے والوں سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے۔ مقتضیٰ یہی ہے کہ بغیر علم اپنی عقل سے قرآن کے مفہوم و مطالب کو بیان نہ کیا جائے ورنہ ہلاکت دین و ایمان کا سخت اندیشہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

من قال فی القرآن برائہ فلیتبوا مقعدہ من النار"

یعنی تفسیر بالرائے کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بعینہٖ یہی حال حدیث شریف کا بھی ہے وہ قول یا فعل جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یا عمل کیا یا کسی صحابی نے کوئی عمل کیا، اور آپ نے پسند فرمایا یہ سب حدیث کہلاتے ہیں۔ احادیث کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ جن میں احادیث احکام کی تعداد تین ہزار ہے۔ ایک ہی شئے کے حکم کے بارے میں متضاد صحیح احادیث موجود ہیں۔ جن سے مختلف و متضاد احکام ثابت ہوتے ہیں۔ احادیث میں بھی حقیقت و مجاز استعارات وکنایات محکم و متشابہ، ظاہر مئوّل مفسر، خاص، عام اور مشترک وغیرہ ہیں ان ہی میں تقدم و تاخر زمانی بھی ہے۔ ان کے علاوہ احادیث کے درجات ہیں اور اقسام ہیں جب تک ان احادیث پر عبور نہ ہو تقدم و تاخیر، ناسخ و منسوخ اور محاورات عربی کا علم نہ ہو یا یہ نہ معلوم ہو کہ کس قسم کی حدیث ثبوت کا افادہ کرتی ہے۔ کس قسم کی احادیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور کس قسم کی احادیث سے استحباب، اباحت یا حرمت، وکراہت وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ جب تک علم حدیث سے متعلق ان ضروری امور کا علم نہ ہو تو محض چند احادیث یاد کرلینے، ان کا ترجمہ پڑھ لینے اور ان سے اخذ کئے ہوئے فقہی احکام معلوم کرلینے سے کوئی شخص اس حیثیت میں آجاتا کہ وہ احادیث سے براہ راست احکام و مسائل نکالنے کا دعویٰ کرنے لگے۔

ایسے لوگ اپنی ناقص عقل کو قرآن وحدیث کی تشریح و تعبیر میں اپنا راہ نما بناتے ہیں اور عوام کے لئے غلط اندازِ فکر اور گمراہی کے دروازے کھولتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود صحیح رستہ نہیں پاتے بلکہ دوسروں کو بھی غلط راستے کی طرف لیجاتے ہیں۔

اس مختصر تمہید سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے بنیادی علوم کی ضرورت ہے۔ ان پر عبور حاصل کئے بغیر قرآن وحدیث سے براہ راست مسائل شرعیہ کا استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں علوم فقہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جن کو ائمہ فقہا اور مجتہدین نے بڑی مبسوط و مدلل مباحث میں بیان فرمادیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے
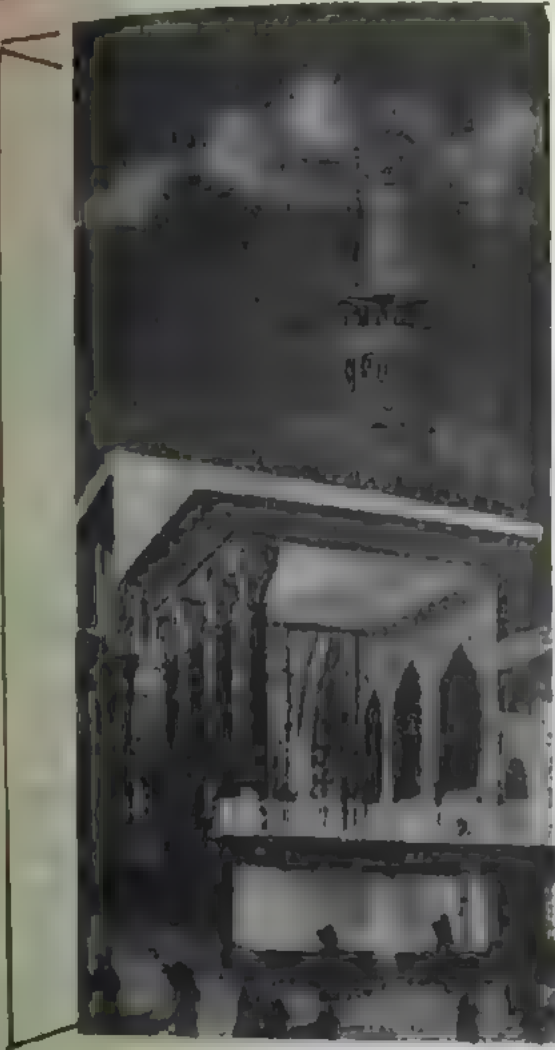
علم فقہ اور علم اصول فقہ کی تعریف سمجھ لی جائے تاکہ اس کے ساتھ ایک ذہنی تعلق قائم ہو جائے۔ اس کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت ملا احمد جیون استاد اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"ھو العلم باحکام الشریعۃ العلمیۃ عن ادلتھا التفصیلیہ" (نور الانوار)

یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننے کو علم فقہ کہتے ہیں۔ علم اصول فقہ کی تعریف وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ھو علم یبحث فیہ حسن اثبات الادلۃ للاحکام" (نور الانوار)

یعنی علم اصول فقہ وہ علم ہے جس میں احکام شرعیہ کو دلائل سے ثابت کرنے پر بحث کی جاتی ہے۔ جواز یا عدم جواز شریعت کا ہر حکم کسی نہ کسی علت اور دلیل کے ساتھ ہے ان تمام احکام کو دلیل سے جاننا علم فقہ ہے اور ادلہ شرعیہ کون کون سے ہیں؟ اور احکام شرعیہ کو ان دلائل سے کس طرح ثابت کیا جاتا ہے؟ اس قسم کے مباحث کا علم، علم اصول فقہ ہے اس لیے ائمہ فقہ نے ادلہ شرعیہ سے بھی بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ متفق علیہ ادلہ شرعیہ تین ہیں۔ قرآن، حدیث اور اجماع امت، چوتھے درجے میں قیاس ہے۔ اور اس کے بالمقابل ایک قسم استحسان ہے، اور آخری درجہ میں استصواب حال، ان میں سے ہر ایک کو انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلی دلیل احکام الٰہی قرآن مجید ہے۔ جو بقیہ ادلہ شرعیہ کی بھی اصل بنیاد ہے۔

قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اس نے اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس کے بارے میں فرمایا۔

ونزلنا علیک القرآن تبیانا لکل شئی وھدی وبشریٰ للمومنین۔

اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور ہدایت اور رحمت اور بشارت، مسلمانوں کو قرآن پاک میں ہر شئے کا بیان ہے اور اس میں ہر شئے کا بیان ہونا بھی چاہیئے تھا اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل بھی اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔ بغیر اس کے نہ دین کی تکمیل کا دعویٰ صحیح ثابت ہو سکتا ہے اور نہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا۔ اور نہ قرآن پاک کا آخری کتاب ہونا۔ درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر قیامت تک پیدا ہونے والے نئے مسائل اور نئی ضرورتوں کا حل اس میں موجود نہ ہوگا۔ تو نئی کتاب اور نئے رسول و نبی کی ضرورت بھی باقی رہے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن پاک "تبیانا لکل شئی" ہو قرآن کریم کا یہ دعویٰ

کہ تبیانا لکل شئی" ہے اور یہ فرمانا۔

"ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"

"کوئی خشک و تر نہیں کہ کتاب مبین میں موجود نہ ہو"

نیز اس کا دستور حیات ہونا اور انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والی ہر ضرورت کے لئے قیامت تک اس کا کافی ہونا یہ سب تفصیلی دلیل اور ثبوت کا متقاضی ہے۔ اور وہ صرف علوم فقہیہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ ان تمام دعاوی کا مکمل و مدلل ثبوت فراہم کرتے ہیں بلکہ بالتفصیل ان کے ہر پہلو سے بحث کرتے ہیں اور ان کو حقیقت ثابتہ کی حیثیت میں لاتے ہیں۔ بلاشبہ یہی وہ علم ہے جس نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دستوری وقانونی زبان کو سمجھنے کا ملکہ پیدا کیا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے الفاظ وعبارات سے صحیح مفاہم ومطالب اخذ کرنے کے اصول مرتب فرمائے جن کے بغیر قرآن پاک کی ایک آیت کا بھی صحیح مفہوم اخذ کرنا اُمت کے لئے ممکن نہ تھا اور نہ احادیث شریفہ کے حقیقی معانی ومطالب کا ادراک کیا جاسکتا تھا۔ علما'' فقہ واصول نے قرآن کریم کے الفاظ ومعانی اور انداز بیان میں سے ایک ایک چیز کا بغور مطالعہ کیا اور خلوص وللہیت کے ساتھ ان پر عبور کامل اور مہارت تامہ حاصل کی پھر ان کی مختلف عبارات سے تقسیم کی اور فرمایا کہ الفاظ قرآن یا خاص ہیں یا عام' یا مشترک ہیں یا مؤول اور معانی کے اعتبار سے ظاہر' نص' مفسر' یا محکم اور ان کے بالمقابل خفی مشکل مجمل اور متشابہ میں منقسم ہیں پھر ان الفاظ ومعانی کو وجوہ استعمال کے اعتبار سے حقیقت' مجاز' صریح اور کنایہ میں تقسیم کیا اور ان طریقوں کو بھی دریافت کیا جن کے ذریعہ قرآن وحدیث کے الفاظ وعبارات کے مفہوم ومراد پر واقفیت حاصل ہوسکے ان کو بھی چار قسموں میں محصور کردیا۔ عبارۃ النص' اشارۃ النص' دلالۃ النص اور اقتضاء النص'۔ اس طرح یہ کل بیس اقسام ہوئیں۔ ان بیس میں سے ہر ایک کے مواضع ومعانی ترتیب ان کے احکام معرفت کے طریقوں کی وضاحت فرمائی۔

حتیٰ کہ انھوں نے قرآن مجید میں استعمال ہونیوالے حروف عطف حروف عطف جارہ' حروف شرط' اسمائے ظروف نیز اطلاقات جمع مذکر وجمع مؤنث پر کی تو۔ ضیحی مباحث بیان فرمائے۔ یہ سب کچھ کلام الٰہی قرآن مجید سے متعلق امور ہیں۔ جن کا تفصیلی علم ہر فقیہ ومجتہد کو ہونا ضروری ہے بایں ہمہ فقہائے مجتہدین نے قرآن وحدیث کا بہ امعان نظر مطالعہ کرنے کے بعد احکام شرعیہ کی اقسام معلوم فرمائیں۔ جو فرض' واجب' مستحب' مباح' حرام اور مکروہ تحریمی میں منقسم ہیں۔ ان کے استدلال کے جملہ طرق معلوم کئے۔ قرآن کی جملہ آیات خصوصاً آیات احکام میں سے ایک ایک آیت کو بغور دیکھا اور اس امر کی وضاحت کی کہ احکام شرعیہ کے مخاطب فی الحقیقت کون لوگ ہیں۔ نیز یہ کہ مدار تکلیف عقل ہے اور وہ عقل جو مدار تکلیف ہے۔ وہ عمر بلوغ سے شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی ثابت کیا کہ احکام شرعیہ الٰہیہ کے خطاب کی اہمیت کی بنیاد بھی صحت عقل اور کمال عقل ہے۔ اس اہلیت کی دو قسمیں ہیں۔ اہلیت وجوب' اور اہلیت ادار۔ یعنی یہ کہ انسان کی وہ کون سی حالت ہے۔ جس میں احکام وجوب ہوتا ہے۔ اور وہ کون کی حالت ہے جس میں احکام کی ادائیگی کی اہلیت ہوتی ہے۔ اور وہ کون سی حالتیں ہیں جن میں وجوب ادا ساقط ہوجاتا ہے۔

اور وہ کون سی حالتیں ہیں جن میں احکام کا نفس وجوب ہی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اس تفصیل کے بغیر کسی نفس پر احکام شرعیہ کو لازم وضروری قرار نہیں دیا جاسکتا شریعت کی اصطلاح میں جو شخص احکام قرآن کے خطاب کا اہل ہے۔ اسے مکلف کہتے ہیں۔ مکلف کی دو قسمیں ہیں امت دعوت اور امت اجابت وہ لوگ جو اسلام کے مخاطب ہیں امت دعوت کہلاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول کرلیا اور عمل بالاحکام کے مخاطب ہیں۔ امت اجابت میں داخل ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں۔

"یا ایہا الناس"

ان الفاظ سے خطاب ہے۔ اس سے مراد بالخصوص امت دعوت ہے جیسے
"یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا"
اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔
یا جیسے۔
"یا ایہا الناس اعبدوا ربکم"
اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو اس کے برخلاف قرآن میں جس جگہ۔
"یا ایہا الذین آمنوا"
کے الفاظ سے خطاب ہے۔ اس سے مراد اجابت ہے
"یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام"
اے ایمان والو! روزے تم پر لکھ دیئے گئے۔ جیسے۔
"یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ"
اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو وغیرہ قرآن کریم کی بہت سی آیات احکام اور الفاظ خطاب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ احکام ایک نوزائیدہ بچہ سے لے کر جوان بوڑھے مرد، عورت مجنوں، دیوانے اور صاحب عقل و دانش سب ہی کے لئے ہیں۔ لیکن فقہائے ائمہ نے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مخاطب جب تک خطاب کا اہل نہ ہو مکلف نہیں اس لئے مکلف ہونے کے لئے اہلیت خطاب ضروری ہے۔ اور وہ ہے اس کی عقل کا کامل ہونا جس کے ذریعہ مکلف کو فہم خطاب قدرت کاملہ کے ساتھ اسے عمل پر بھی قدرت کاملہ ہو تو پھر احکام الٰہیہ پر عمل واجب و ضروری ہوتا ہے۔ بہر نوع یہ بحث تو مکلف کی ذات اور اس کے احوال سے متعلق ہے۔ اور اس میں مزید تفصیلات ہیں۔ دوسری بحث خود احکام اور آیات احکام سے متعلق ہے۔ ائمہ فقہ نے قرآن پاک اور حدیث شریف کی روشنی میں اس امر کی وضاحت فرمائی۔ کہ احکام کی ابتدائی دو قسمیں ہیں عزیمت اور رخصت پھر عزیمت کی اقسام ہیں۔ فرض، واجب، سنت، مستحب حرام، مکروہ، تحریمی، مکروہ تنزیہی وغیرہ ہیں۔ اس کے ساتھ دوسری قسم رخصت، اور اس کی انواع کو بھی واضح فرمایا ائمہ فقہا نے اس نکتہ کی بھی وضاحت فرمادی کہ قرآن کریم اور حدیث پاک میں احکام کے لئے بالعموم صیغۂ امر ہی استعمال کیا گیا ہے۔ جن کا مقتضیٰ وجوب ہی ہے پھر بھی ہر حکم کی نوعیت جداگانہ ہے انھوں نے فرمایا کہ اگرچہ صیغۂ امر استعمال کیا گیا ہے ہر جگہ اس سے وجوب اور فرضیت ثابت نہیں ہوتی انھوں نے بڑی تحقیق کے بعد یہ انکشاف کیا کہ صیغۂ امر سولہ معنی میں استعمال ہوتا ہے قرآن پاک کی آیات ہی سے اس کا ثبوت دیا۔ لہذا اگرچہ صیغۂ امر سے حقیقتاً وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر قرینہ اس کے خلاف قائم ہو تو وہاں صیغہ امر سے مقام کے مناسب معنی مراد ہوں گے۔ اور مقام کی مناسبت کی معرفت مجتہدین کے دینی کمال اور شہادت پر موقوف ہے۔ اگر یہ حضرات اس حقیقت کا انکشاف نہ فرمادیتے تو قرآن و حدیث کا ہر حکم جہاں صیغہ امر استعمال کیا گیا ہے فرض ہی قرار پاتا۔ واجب، سنت، مستحب، اور مندوب کچھ نہ ہوتا نہ عزیمت و رخصت کا سوال پیدا ہوتا۔

ائمہ فقہا نے یہ بھی تحقیق فرمائی کہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں حکم کس جگہ عام ہے۔ اور کس جگہ خاص۔ نیز یہ کہ کسی حکم کا شان نزول اگرچہ خاص ہو مگر حکم ہمیشہ عام ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ اس حکم کو خاص قرار نہ دے۔

قرآن کریم اور حدیث پاک میں بہت سے مقامات پر بظاہر نظر تعارض و تضاد سا محسوس ہوتا ہے۔ گو فی الواقع نہیں ہے مجتہدین فقہ نے اس تعارض و تضاد میں مطابقت پیدا فرمائی اور ان کو حل کرنے کے طرق بیان فرمائے۔ قرآن کریم کی آیات ناسخ و منسوخ میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کریم کی کون سی آیات ناسخ کون سی منسوخ۔ کون سی آیات منسوخ التلاوت اور اس کا حکم باقی ہے۔ اور کون سی آیت حکم اور تلاوت دونوں اعتبار سے منسوخ ہے۔ اور کون سی آیت منسوخ الحکم ہے اور اس کی تلاوت باقی رکھی گئی ہے۔

اس قسم کے مباحث حدیث وسنت کے بارے میں بھی ہیں قرآن کریم کے لفظ ومعنی، انداز بیان اور طریق استدلال سے متعلق جو اقسام وہاں بیان کئے گئے۔ ان سب کا نفاذ حدیث وسنت میں ہوگا۔ ان کے علاوہ احادیث میں کچھ اور تفصیلات بھی ہیں۔ حدیث واحد مشہور اور متواتر ہوتی ہے۔ پھر یہ بحث کہ کون سی حجت ہے اور کوئی سی حدیث حجت نہیں کسی راوی کی حدیث حجت ہوتی ہے اور کسی کی نہیں۔ ہر راوی کی حدیث حجت نہیں ہوتی۔ اس کی حجت کے لیے بھی شرائط ہیں۔ اور ہر محل میں بھی ہر حدیث حجت نہیں ہوتی۔ عقوبات، عبادات، حقوق العباد اور اس کی ہر سہ اقسام میں سے ہر ایک کے لیے حجت حدیث کی جداگانہ شرائط ہیں۔ ان کے علاوہ نفس خبر اور اس کی اقسام سے متعلق مباحث ہیں۔ ان مباحث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کون سی حدیث اور خبر صرف اس وقت قابل قبول ہے۔ جب وہ بلفظ روایت کی جائے۔ اور کون سی حدیث اور خبر میں روایت بالمعنی بھی قابل قبول ہے۔ نیز یہ کہ روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کی اجازت کے لئے راوی میں کس قسم کے شرائط کا ہونا ضروری ہے کہ یہ تمام مباحث حدیث وسنت سے متعلق ہیں اور ائمہ مجتہدین نے ان کو مبسوط، مفصل اور مدلل بیان فرمایا ہے۔ قرآن وحدیث کے بعد ادلہ شرعیہ میں اجماع امت کا درجہ ہے اجماع امت کی تعریف ہے کہ ہم عصر جمیع مجتہدین صالحین کا کسی مسئلہ میں متفق الرائے ہو جانا۔ لہٰذا اجماع کا اہل ہونے کے لئے اجتہاد صالح ہونا ضروری ہے۔ اور نفسانی خواہشات اور فسق سے مبرا ہونا ضروری ہے تمام مجتہدین فقہ کے لئے ان جملہ مسائل کا علم ضروری ہے جس پر اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔

اجماع امت سے کیا مراد ہے۔ کیا اجماع امت ممکن ہے۔ کیا بے علم اور کم علم مسلمانوں کا اجماع معتبر ہو سکتا ہے۔ اجماع کی کتنی قسمیں ہیں۔ اجماع کی حجت کا ثبوت ان تمام امور کو بھی اصول فقہ ہی تفصیلاً بیان کرتا ہے۔

ادلہ شرعیہ میں چوتھی قسم قیاس ہے کتب اصول فقہ میں قیاس کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

القیاس هو فی الشرع تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلة۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ علت مشترکہ کی بنیاد پر اس کا حکم فرع کے لیے ثابت کرنا۔ جیسے شراب کا حکم حرمت ہے اور اس کی علت سکر ہے۔ یہ علت مشترکہ ہے۔ لہٰذا حرمت کا حکم اس کے لئے بھی ثابت ہے۔ جس میں سکر کا مادہ ہوگا۔ قیاس ایک حجت شرعی ہے اس پر عقلی ونقلی مبسوط دلائل ہیں تاہم ائمہ مجتہدین کے سوا علمائے سابقین میں قیاس

فقہ اسلامی

قوانین اسلام کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ روم برلن، پیرس، برٹش، اور پاپائے اعظم کے کتب خانوں میں فقہ کی کتابوں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے جو ہزاروں علمائے اسلام کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہیں۔

کے حجت شرعی ہونے میں اختلاف رہا۔ لیکن آج کے دور میں علماء کا کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جو قیاس سے کام نہ لیتا ہو۔ اس کی حجت اور دلیل شرعی ہونے کو تسلیم کر چکے ہیں۔ لیکن قیاس سے استدلال کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے شرائط سخت ہیں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ قیاس صرف ان مسائل میں ہو سکتا ہے۔ جن کا حکم قرآن وسنت میں نہ ملے اور وہ مسائل اجماع سے بھی ثابت نہ ہوں دوسرے یہ کہ قیاس صرف اس مسئلہ میں کیا جا سکتا ہے۔ جس کا حکم کسی نص سے محض اس مسئلہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ جیسے

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو آدمیوں کی شہادت کے مساوی قرار دیا یہ مسئلہ صرف خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خاص ہے
تیسرے یہ کہ قیاس کرنے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ اصل مسئلہ کا حکم خلاف ورزی قیاس ہے۔ تو پھر اس پر قیاس کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے روزہ کی حالت میں سہواً کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہ حکم خلاف قیاس ہے۔ قیاس تو اس کا مقتضی ہے کہ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے خواہ وہ سہواً ہی ہو۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہواً کھا لینے کی صورت میں اس کا روزہ باقی رکھا۔ جو کہ خلاف قیاس ہے۔ لہٰذا یہ حکم صرف اسی حالت میں محدود رہے گا۔ اس پر کسی دوسرے مسائل کو قیاس نہیں کیا جاسکتا
چوتھی شرط یہ ہے کہ اصل مسئلہ کے لئے نص سے جو حکم شرعی ثابت ہو، بعینہ وہی حکم فرع کے لئے ثابت کیا جائے جب کہ فرع وجود علت میں اصل کی نظیر ہو۔
خلاصہ کلام یہ کہ قیاس کی بنیادیں چار ہیں۔ اصل[1] فرع، علت، اور حکم[4] ان کے بغیر قیاس وجود میں نہیں آسکتا۔

غرض قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط و استخراج کے لئے ان تمام ادلہ شرعیہ اور ان سے متعلق مباحث کا تفصیلی علم ضروری ہے۔ ان ادلہ شرعیہ کی روشنی میں بہت بڑی تعداد قواعد فقہیہ کی ہے۔ جن کا علم فقیہ کے لئے ضروری ہے۔ ان پر عبور حاصل کئے بغیر فتویٰ کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں۔

علامہ شہاب الدین القرافی متوفی ۶۸۴ھ نے اپنی کتاب انوار البروق فی انوار الفروق میں اسلامی شریعت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔
اسلامی شریعت چند اصول و فروع پر مشتمل ہے اس کے اصول کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول اصول الفقہ اور قسم دوم وہ قواعد کلیہ فقہیہ ہیں جن کی تعداد کثیر ہیں۔ اور وہ شریعت کے اسرار و رموز سمجھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ ملی کے ماتحت بے شمار فروعی مسائل ہیں۔ یہ قواعد کلیہ فقہ میں بہت اہم اور مفید ہیں۔ اور فقیہ جس قدر ان قواعد کا احاطہ کرے گا۔ اسی درجہ اس کی قدر و منزلت بڑھے گی۔ اور فقہ کی عظمت نمایاں ہوگی۔ ان ہی قواعد کے ذریعہ فتوی کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں اور ان ہی کی بدولت اہل علم کی ایک دوسرے پر فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ علما کا یہ قدیم مقولہ ہے۔ جو اصول فقہ کو پیش نظر رکھے وہ منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اور جو قواعد کلیہ فقہیہ کو سامنے رکھے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکتا ہے۔
علامہ قرافی نے جن قواعد کلیہ فقہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اگر ان کا بالاستیعاب عرق ریز مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علما، فقہا، اور مجتہدین کرام کے دینی افکار کتنے عمیق اور ان کا مطالعہ علوم دینیہ میں کتنا وسیع اور بلند تھا۔ اور انھوں نے دین میں مہارت و کمال حاصل کرنے اور دین کی خدمت کرنے میں کتنی محنت اور جد و جہد کی ہے جس کے نتیجے میں مسائل فقہیہ کا عظیم الشان ذخیرہ وجود میں آیا۔ جس میں ہر جدید مسئلہ کے لئے خواہ وہ کتنا ہی نیا ہو کہیں نہ کہیں کوئی جزئیہ ضرور مل جاتا ہے بلاشبہ ان قواعد کے مطالعہ اور مجتہدین کی اس عظیم و مخلصانہ جد و جہد کے علم سے شریعت اسلامیہ کے جاہ و جلال اس کے وسعت و کمال اس کی ہمہ گیری اور قرآن پاک کے

"تبیانا لکل شیئ"

ہونے کا یقین کامل حاصل ہوسکتا ہے۔ بہ نظر اختصار مشتے نمونہ از خروارے
ہم یہاں چند قوانین بیان کریں گے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ضروری بات یہ ہے کہ یہ قواعد کلیہ صرف اسی وقت استعمال ہوں گے جب ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل سے وہ حکم ثابت نہ ہوا ہو
(۱) نص شرعی کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں۔
(۲) الاصل فی الاشیاء اباحۃ
یعنی ہر شے اصل میں مباح ہے جب تک اس کے

عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو۔

(۳) ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن
یعنی جسے دیندار و ذی علم مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت تراویح میں ختم قرآن کے وقت تقسیم شیرینی آتی ہے اور محافل میلاد النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انعقاد بھی آجاتا ہے۔ کہ ساری دنیا کے صحیح العقیدہ سنی علماء اس کو صدیوں سے مستحسن سمجھتے اور کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور ملک میں مسلمانوں کا اس پر عمل بھی جاری ہے۔

(۴) "الیقین لایزول بالشک"
یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی نے وضو کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شک ہوا کہ معلوم نہیں کہ وضو باقی ہے، یا ٹوٹ گیا تو اس اصول کے ماتحت اس کا وضو باقی ہے۔

(۵) "الحدود تندرئ بالشبہات"
حدود شرعیہ شک و شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی قاعدے کے ماتحت شک کا فائدہ ملزم کو ملتا ہے۔

(۶) "اذا ابتلیت ببلیتین فاختر اھونھما"
جب دو خرابیوں میں پھنس جائے تو کمتر کو اختیار کرلے۔

(۷) "لاضرر ولاضرار"
نہ نقصان اٹھاؤ، نہ نقصان پہونچاؤ۔

(۸) "الضرورات تبیح المحظورات"
ضرورت ممنوع شئے کو جائز کردیتی ہے یہاں ضرورت سے شرعی ضرورت ہے۔

(۹) اذا اجتمع الحرام والحلال غلب حکم الحرام
یعنی جب حرام اور حلال اکٹھے ہو جائیں تو حرمت کا حکم غالب ہوگا۔ اس قاعدہ کی رو سے وہ پانی حرام ہوگا جس میں شراب کا ایک قطرہ بھی پڑ جائے۔

ایک معلم کلب یعنی تربیت یافتہ شکاری کتا دوسرے غیر تربیت یافتہ کتے کے ساتھ مل کر شکار کرلے تو وہ شکار بغیر ذبح کے جائز نہ ہوگا۔ اگر بغیر ذبح کے مرگیا تو حرام ہوگا۔

فقہ میں ایسے قواعد کلیہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم چیز ان قواعد کا صحیح طریقہ استعمال ہے اور ان مواقع و موانع کی معرفت جہاں ان کا استعمال کیا جائے۔ مثال کے طور پر یہ قاعدہ کہ "ضرورت ممنوع چیز کو مباح کردیتی ہے۔ اس قاعدہ کو اس وقت تک کسی جگہ استعمال نہیں کیا جاسکتا جب تک ضرورت شرعیہ صحیحہ کا علم نہ ہو یا جیسے یہ قاعدہ کہ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔ جب تک اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو" اس قاعدے کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ فقیہ کو اس امر کا پورا پورا علم ہو کہ اس مسئلہ خاص میں عدم جواز کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ بہرحال ان تمام قواعد فقہیہ کی تمام تر بنیاد قرآن کریم اور حدیث پاک ہیں۔ ان دونوں سے یہ تمام قواعد وسیع مطالعہ مہارت علم اور تعمق نظر سے نہایت اعلیٰ مقدس مقاصد کے ساتھ اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ صرف مجتہدین ہیں، جنھوں نے خالصاً لوجہ اللہ اپنی پوری پوری زندگیاں اللہ جل وعلا اور اس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے لئے وقف کردیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے فقہی مسائل کا وہ عظیم الشان ذخیرہ مرتب فرمادیا جو ہر زمانہ کی مقتضیات کی کفالت کرتا رہے گا۔ یہ ہر کس وناکس بے بس کی بات نہ تھی، نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے جب کہ علم کمال کا فقدان ہوگیا ہے۔ تجدید و احیائے دین کے علمبرداروں کا تو یہ حال ہے کہ فقہاء مجتہدین کی تصنیفات کے ناموں کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتے۔

ان تمام تفصیلات سے میرا مقصد دو باتوں کی وضاحت کرنا ہے۔ اول یہ کہ کس طرح قرون اولیٰ میں مجتہدین صالحین نے علوم فقہیہ کو مرتب فرمایا کہ خالصاً

لوجہ اللہ دین کی خدمت کی۔ قرآن کریم اور احادیث سے متعلق علوم کی تدوین میں کئی صدیاں درکار ہوئیں۔ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ قرآن کی تفاسیر لکھی گئیں جن میں سے بعض بعض تفسیریں ایک ایک ہزار جلدوں میں ہیں۔ اس طرح احادیث کو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں جمع کیا گیا۔ اور مختلف انداز پر ان کو مرتب فرمایا۔ اور احادیث اور شرح احادیث میں ہزاروں کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کے علم اصول فقہ وجود میں آیا۔ تب کہیں صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور کے بعد علمائے امت اس قابل ہوئے انھیں قرآن و حدیث سے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کا سلیقہ آیا۔ اس لئے ان ائمہ فقہ نے بڑی محنت و کاوشوں سے ادلہ شرعیہ کا تعین کیا اور اس سے بے شمار فقہی جزئیات و مسائل بیان فرمائے۔ اور کثیر تعداد میں قواعد کلیہ فقہیہ بھی مرتب فرمائے اور ان کی روشنی میں بھی لاتعداد مسائل بیان فرمائے۔ اس طرح انھوں نے فقہ کا اتنا عظیم ذخیرہ جمع کر دیا کہ وہ رہتی دنیا تک کام دیتا رہے گا۔ آج علم کی ناقدری کا یہ عالم ہے کہ عوام کو تو جانے دیجئے، خواص اور اخص الخواص تک ان تمام کتابوں کے نام سے بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ اور افسوس صد افسوس ان کتابوں کا پڑھنا تو درکنار ان کے اوراق گننے والے بھی نہیں ملتے۔ کشف وغیرہم نے ان میں سے بہت سی کتابوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ شریعت اسلامیہ کا ایک عظیم الشان کام ایک ہزار سال قبل ہوا جب سے اب تک کے طویل زمانہ میں نہ معلوم کتنے انقلاب آئے۔ تہذیبیں بدل گئیں، اخلاقی قدروں میں انقلاب آگیا۔ سیکڑوں حکومتیں بنیں۔ بگڑیں اور مٹ گئیں۔ طرح طرح کے نظریات، عقائد اور مذاہب پیدا ہوئے اس دوران لاتعداد مسائل ابھر کر آئے۔ ان گنت شرعی ضرورتیں پیش آئیں اور ہر دور کے علما، فقہ و مفتیانِ کرام ان تمام جدید مسائل اور نئے نئے تقاضوں کا حل فقہ کے اس عظیم ذخیرہ سے حل کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ فقہ کا یہ ذخیرہ پرانا ہو چکا ہے اور یہ اُسی زمانہ کی ضرورت کے مطابق تھا۔

اب یہ عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اس لئے ہمیں براہِ راست قرآن و حدیث سے رابطہ پیدا کرنا چاہئے حالانکہ ان فقہاء میں اپنے زمانے کے بے مثل و یگانۂ روزگار علمائے کاملین تھے۔ جو صاحب علم کے ساتھ صاحب تقویٰ بھی تھے۔ جن کے علم کا شہرہ ملک اور بیرون ملک، غیر مسلم ممالک میں تھا۔ فقہائے بغداد، فقہائے مصر و شام، فقہائے سمرقند و بخارا، فقہائے ہند و پاکستان ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت فقہا میں سے بیشتر صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ ان مشہور و معروف فقہا میں فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین ہیں۔ جو اپنے زمانے کے منفرد و بے مثل علما میں سے تھے۔ ان ہی میں علامہ ابن عابدین المعروف بہ علامہ شامی ہیں جن کی مایہ ناز فقہ کی کتاب "رد المحتار" اس وقت بھی دنیائے اسلام میں معتمد و مستند ہے۔ خود ہندوستان میں اس چودھویں صدی اور اس سے کچھ پہلے بڑے بڑے متبحر علمائے دین گزرے ہیں۔ فقہاء دلی، فقہائے فرنگی محلی فقہائے جونپور، علمائے بدایوں، علمائے بریلی اور علمائے مسلک دیوبند ہم میں سے اکثر صاحب تصنیف و تالیف ہیں، اور صاحب فتویٰ ہیں۔ چودھویں صدی کے نصف اول میں قابل ذکر مولانا عبدالحی فرنگی محلی ہیں۔ جو صاحب تصنیف کثیرہ ہیں۔ اسی دور کے ایک متبحر عالم، فقیہ بے بدل حضرت مولانا احمد رضا صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کے عظیم تفقہ فی الدین کا ہر مسلک کے علما کو اعتراف ہے۔ جن کی تصانیف ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ یہ صاحب فتویٰ ہیں۔ ان کا فتاویٰ رضویہ بارہ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور کئی ہزار بڑی تقطیع کے صفحات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے بڑے سے بڑے پیچیدہ مسئلہ پر بڑے محققانہ مباحث کئے ہیں۔ علمائے عرب و عجم نے ان کی مہارتِ فقہ کو تسلیم کیا ہے۔ ان سب کے زمانہ میں عصر نو کے نئے نئے تقاضے ابھرے جنگ آزادی کے مسائل پیدا ہوئے۔ نئی تہذیب اور نئے تمدن

کے مسائل پیش آئے۔ مگر وہ ان سب مسائل کو فقہ کے اسی عظیم ذخیرہ ہی سے حل کرتے رہے۔ جو ہزار سال قبل مجتہدین کرام اور ائمہ فقہ نے قرآن مجید اور احادیث پاک کی روشنی میں بڑی جاں فشانی کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ جس سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ فقہ کا یہ عظیم کامل اور جامع ذخیرہ رہتی دنیا تک کام آتا رہے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا علم اور اس پر عبور حاصل کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے فقہ کے اس ذخیرہ کا علم حاصل نہ کیا وہی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس میں دورِ حاضر کے مسائل کے متعلق احکام موجود نہیں ہیں۔ اس طرح کی بات دو طرح کے لوگ کہتے ہیں ایک وہ طبقہ جو اجتہاد اور تقلید کو مانتا ہی نہیں اور دوسرا وہ طبقہ جو اپنی لاعلمی اور نادانی سے ایسا کہنے لگا ہے۔ حالانکہ وہ اجتہاد کے بھی قائل ہیں۔ اور تقلید بھی کرتے ہیں۔ دونوں طبقوں سے میری گزارش ہے کہ وہ صدق دل سے فقہ کا علم حاصل کریں۔ خلوص کے ساتھ محنت و جدوجہد سے فقہاء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ عقلیت پسندی اور سہل پسندی کا راستہ چھوڑ محنت اور لگن کے ساتھ اللہ کے دین کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیں اور اپنی زندگی ان میں لگائیں تب ان کی نگاہ میں فقہ کی اہمیت و عظمت پیدا ہوگی۔ پھر وہ یقیناً اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور حقیقت حال روشن ہو جائے گی۔

فقہ اسلامی کے بارے میں ہم یہاں بین الاقوامی شہرت کے مالک محقق قانون دانوں کی کچھ آراء نقل کرتے ہیں جن سے فقہ اسلامی کی عظمت کا اندازہ ہو سکے گا۔

سلیم باز جو لبنان کے مشہور عالم اور قانون داں تسلیم کئے گئے ہیں 'مجلۃ الاحکام الشرعیہ' میں رقمطراز ہیں۔ 'میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ کے ذریعہ انسان کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ خواہ وہ کاروباری معاملات

> خدانخواستہ فقہ کو نظرانداز کیا گیا تو نماز، روزہ، زکاۃ، حج کی موجودہ شکلیں باقی نہ رہ سکیں گی ہر شخص تجدید دین کی نئی راہ کھولے گا۔ قرآن و حدیث کی نئی نئی تشریح، وتفسیریں ہوں گی ـــــ اسلام اور قانونِ اسلام بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اور معلومات ہوں یا دوسرے مقدمات سب کا حل اس میں موجود ہے۔ فقہ اسلامی کی کتابوں کا وسیع ذخیرہ نہ صرف مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے، بلکہ ہالینڈ کے شہر سیڈن، روم، برلن، پیرس، برٹش میوزیم، نیز بکنگھم محل بھی پاپائے اعظم کے کتب خانے میں فقہ کی کتابوں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان کتب خانوں میں جو کتابیں ہیں وہ ہزاروں علمائے اسلام کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ کتابوں کا وسیع ذخیرہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ فقہ اسلامی و شریعت میں انسان کی تمام ضروریات اور مسائل و احکام کا حل موجود ہے۔ اور ہر معاملہ میں کسی نہ کسی فقیہ اور عالم کا قول ان کتابوں میں مل سکتا ہے......

وائنا یونیورسٹی کے لاء کالج کے پرنسپل پروفیسر شیرل نے ۱۹۲۷ء کی قانون کانفرنس میں کہا تھا۔ عام انسانیت کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امی ہونے کے باوجود ایسی شریعت تیرہ سو سال پہلے پیش کی کہ اگر اہل مغرب دو ہزار سال کے بعد بھی اس کی اونچی چوٹی پر
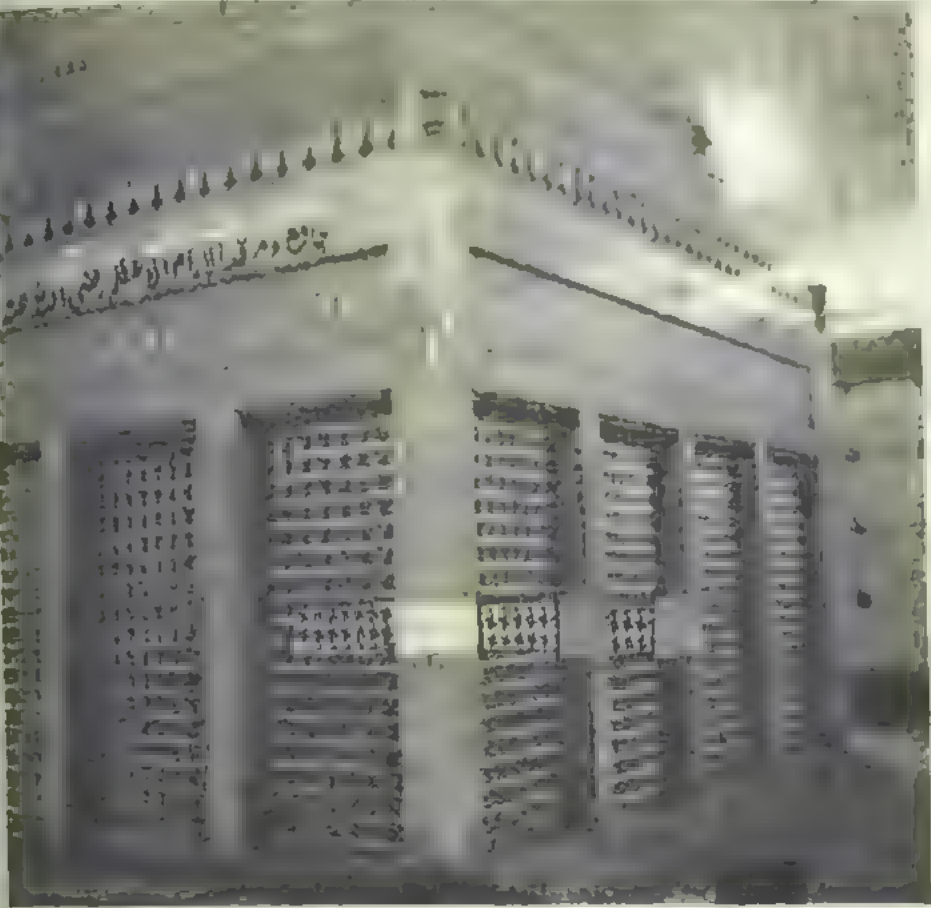
پہنچ جائیں تو ہم اپنے آپ کو سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھیں گے۔ "مجلہ الازھر"

پروفیسر وہیری نے ایک ترک ادیب کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ "تمہاری فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تم نے کیوں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانون نظام فقہ اسلامی سے اخذ نہیں کئے۔

فرانسیسی پروفیسر لامبیری کی رائے ہے کہ جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں وہ غیر فانی خزانہ اور لازوال سرچشمہ ہیں جنھیں مسلمانوں کی غفلت اور بے توجہی سے زمانہ نے پوشیدہ کر دیا ہے۔

عظیم خطرہ۔ احیائے دین کے دعویداروں کا یہ پروپیگنڈہ کہ فقہ کا یہ ذخیرہ اس زمانے کی ضرورت کے مطابق تھا۔ آج کے دور میں یہ نئے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اس لئے ہمیں براہ راست قرآن و حدیث سے رابطہ پیدا کرنا چاہیئے۔ دراصل ایک عظیم خطرہ کا سگنل ہے۔ اگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں تو تصور کیجیے کہ دین کی شکل وصورت کیا ہوگی، مذہبی تعلیمات شدید ترین انتشار اور بحران سے دوچار ہو جائیں گی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کی موجودہ شکلیں باقی نہ رہ سکیں گی کہ یہ بھی فقہ کے اس پرانے ذخیرہ سے وابستہ ہیں، غرض کہ دین کا کوئی مسئلہ اپنی جگہ باقی نہ رہ سکے گا۔ پھر ہر شخص براہ راست قرآن و حدیث سے رابطہ پیدا کر لینے کا دعویدار بنے گا اور تجدید دین کی ہی نئی راہیں کھولے گا۔ اور قرآن وحدیث کی نئی نئی تشریح و تعبیر اور تفسیریں ہوں گی اور دینی تعلیمات کی تراش و خراش کے لئے من مانے نئے نئے ڈھانچے بنائے جائیں گے جن میں قرآن وحدیث کے نام پر اپنی عقل ناقص رائے کو دخیل کیا جائے گا۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

مسئلہ تقلید

مولانا محمد ناظم علی خاں قادری

تقلید کے جائز ہونے پر تمام اُمت کا اجماع ہے

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو رووُں، سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے دل میں خیال آتا ہے۔ کئے دن تقلید کے نام پر ایک نہ ایک فتنے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ مذہب اسلام پر مخالفین کے کس قدر حملے ہو رہے ہیں احاطہ قلم اور وسعت تحریر سے باہر ہے روئے زمین پر کچھ ایسے بھی ہیں جو غیر مقلد کے نام سے موسوم تو ہیں لیکن حقیقت تقلید اور اس کی ماہیت سے بہرہ و آگہی نہیں رکھتے اس لئے وہ اہل تقلید کو بدعتی اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے تقلید کے معنیٰ لغوی کی طرف صرف نظر کیا اور اس کے منقول عرفی سے اخذ معنیٰ میں صرف نظر اور یہ ہنگامہ بپا رکھا کہ تقلید تو کہتے ہیں کسی کی غلامی کا قلادہ گردن میں ڈال لینا۔ کاش وہ اس حقیقت کی اطلاع یابی کے لئے ذرا بھی طبع سلیم اور فکر قویم پر زور دیتے تو وہ اس قسم کے بیباکانہ کلمات سے گریز کرتے۔ پہلے انھیں حقیقت تقلید پر غور کر کے یہ پتہ اور سراغ لگانا تھا کہ تقلید کیا ہے، تقلید کسے کہتے ہیں تقلید کا حیات انسانی اور بشری زندگی سے کیا تعلق و رشتہ ہے کیا یہ جدید ایجاد و اختراع ہے یا دور رسالت اور عہد صحابہ سے ہے مآخذ شرع میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نہیں۔ اس سارے گوشوں اور پیچیدہ پہلوؤں پر نظر و فکر کرنا تھی۔ پھر کسی قول یا تحریر کی طرف اقدام کی ضرورت تھی۔ ایک محرر اور اسپیکر کی یہ ذمہ داری اور ملی فریضہ ہے کہ مذہبی مسائل میں تعصب و نفس پرستی سے کام نہ لے۔ تقلید کا معنیٰ لغوی اگرچہ کسی کی غلامی کا قلادہ گردن میں ڈال لینا ہے لیکن اس کا منقول عرفی کچھ اور ہے جو رموز و اسرار کا جامع ہے اگر صرف اس کے لغوی معنیٰ پر نظر رکھی جائے اور معنیٰ عرفی سے قطع نظر کر لیا جائے تو یقیناً یہ شبہات حاشیۂ ذہن پر آسکتے ہیں۔ عقل انسانی محوِ حیرت ہو سکتی ہے سب سے پہلے اقسام تقلید اور اس کی صورتوں کو واضح کر دوں۔ تاکہ حقیقت تقلید واضح ہو جائے اور مقصد اقرب الی الذہن اور اسہل الی الفہم ہو۔

تقلید کی دو قسمیں ہیں ایک تقلید مطلق اور ایک تقلید شخصی اول اسکو کہتے ہیں کہ فہم مسائل اور سہل قضا کے لئے کسی ایک عالم کو مخصوص و متعین نہ کیا جائے بلکہ اسے اختیار ہے اگر کسی مسئلے میں کسی ایک عالم کا مسلک اختیار کیا ہے۔ تو دوسرے میں اس کا مسلک اختیار نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کے علاوہ غیر کی اقتدا

اور پیروی کر سکتا ہے یہ تو ہے تقلید مطلق۔ لیکن تقلید شخصی اس کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا الٹ اور مخالف ہے کیونکہ تقلید شخصی میں انسان خود مختار نہیں رہتا ہے بلکہ اُسے کسی عالم کا مکلف و پابند ہونا پڑتا ہے اگر کسی قضیہ میں صعوبت پیش آئے تو اسی ایک عالم کی طرف رجوع کرے اور اسی کی تقلید و اقتدا کرے کیونکہ انسانی زندگی میں بہت سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جو لاینحل ہوتے ہیں قرآن کی آیات مجمل و مشکل بھی ہیں اس میں کچھ آیات قیضیہ ہیں بعض آیات بعض سے متعارض بھی ہیں صورت تطبیق اور طریقہ اندفاع اسے معلوم نہیں اسے تردد و اشتباہ پیدا ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں انسان محض اپنے ذہن و فکر اور عقل خالص ہی سے کام نہ لے بلکہ کسی متبحر عالم و مجتہد کی اقتدا اور پیروی کرے اس کی طرف راہ و سبیل تلاش کرے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ ہے تقلید شخصی جو عہد رسالت اور دور صحابہ سے ہے۔ نیز اس پر اجماع امت ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت سے صاف واضح ہے جو انھوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں رقم فرمایا ہے کہ

"یہ چار مسلک جو مدون ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں ان کی تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اور اس میں مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ نہیں سکتیں۔ بالخصوص اس زمانے میں جب کہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں خواہش پرستی لوگوں کی گھٹی میں پڑ چکی ہے اور ہر ایک صاحب اپنی رائے پر گھمنڈ کرنے لگا ہے۔"

عبارت مذکورہ بالا سے یہ امر غیر مخفی اور نمایاں طور پر ثابت ہے کہ تقلید کوئی جدید ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے اہل تقلید کو بدعتی اور مشرک کہنا بے بنیاد ہے جو حقائق واقعہ سے بے بہرہ لوگوں کا طریقہ ہے کوئی صاحب الرائے اور عدل پرور اس قسم کی دریدہ دہنی سے کام نہیں لے سکتا کیونکہ جس چیز پر آیات قرآنیہ اور احادیث متوافرہ ثابت ہوں جو صحابہ اور کبار تابعین کا لائحہ عمل اور آئین حیات رہا ہو جس کی حقانیت روشن و نمایاں ہو اس کی حقانیت کا منکر اور حقیقت واقعہ سے برگشتہ وہی ہو سکتا ہے۔ جس کے عقل و خرد پر پردہ پڑ چکا ہو حق بات سمجھ میں نہ آتی ہو کیونکہ تقلید شخصی کے بغیر حیات انسانی عبث و بیکار نظر آتی ہے سفینۂ زندگی ساحل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے اس مسئلہ کو قرآن حکیم میں خوب خوب واضح فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا۔

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے جو بات میں کاوش کرتے ہیں۔

قرآن کی اس آیت سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ اہل سنت استنباط اور تخریج احکام بھی کر سکتے ہیں اسی حقیقت کو یہ آیت مبارکہ بھی واضح کر رہی ہے کہ:

واتبع سبیل من اناب الی۔

کہ میری طرف رجوع لانے والوں کی پیروی اور ان کا اتباع کرو۔

یہ نہیں فرمایا کہ واتبع سبیلی کہ میری طرف راہ اتباع ڈھونڈھو کیونکہ یہ ایک دشوار گزار امر ہے جو قدرت انسانی سے بالاتر اور طاقت انسانی سے ماوراء ہے اللہ نے اس کے لئے اپنے بندگان خاص کو مخصوص فرمایا ہے جو قضیہ لاینحل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرتے ہیں تعارض و تناقض اور تردد و اشتباہ میں صورت

توفیق اور طریقہ اندفاع ڈھونڈھ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ قرآن کی آیت مسطورہ بالا میں صیغۂ امر (دال علی الوجوب) اور خصوص لفظ مَنْ حقیقت تقلید شخصی اور اس کے وجوب کو خوب خوب واضح کر رہا ہے حضرت حذیفہ الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی اس روایت سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کب تک تم لوگوں میں رہوں گا۔ لہٰذا میرے بعد ان دولوں شخصوں کی پیروی کرنا حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ انسان تقلید شخصی کا محتاج ہے۔ تقلید شخصی حق ہے۔ یہ عہد رسالت سے ہے اس پر صحابہ نے کوئی چوں چرا نہ کیا۔ کیونکہ تقلید شخصی ایک ضروری شئے تھی اور امر لابدی تھا انسان اس کے بغیر بلا راس و قدم کے نظر آتا ہے۔ رسول پاک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس غیب کی خبر رکھ رہے تھے کہ میرے بعد کچھ ایسے تراثیم پیدا ہوں گے جو بے سروپا ہوں گے انسانی زندگی کے لئے ہلاکت خیز اور ذلت آمیز راہیں ڈھونڈیں گے اس لئے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ میرے بعد ان دولوں کی اقتدا کرنا اہل علم پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اقتدا اور تقلید میں کون سا رشتہ ہے نسبت متبائینہ ہے یا متساویہ متلازمہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے بعد پیش آنے والا واقعہ ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اہل یمن کے لئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید واجب کر دی۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو قاضیٔ یمن بنا کر بھیجا تو اس وقت آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ سے دریافت کیا کہ معاذ! اگر کوئی قضیہ پیش آ جائے تو کیسے قضا قائم کروگے تو آپ نے عرض کیا کہ کتاب و سنت کے مطابق پھر میرے آقا نے پوچھا۔ معاذ اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے تو عرض کیا۔ اجتہد برائی (یعنی اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا) اور تلاش حق میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرط مسرت سے) اپنا دست اقدس میرے سینہ پر مارا اور فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضٰی بہ رسولہ

"حمد ہے اس ذات کی جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق بخشی۔ جس پر اس کا رسول راضی ہے۔"

یہ مسئلہ اس سے خوب خوب واضح ہو جاتا ہے کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام فقہاؤ صحابہ میں صرف حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف قضا کے لئے منتخب فرمایا اور صرف کتاب و سنت ہی نہیں بلکہ اپنی قوت اجتہاد اور وسعت استنباط سے بھی قضا مشکلہ کے حل کی اجازت عطا فرمائی۔ اور یہ قضا اہل یمن کے لئے لازم کر دیا تقلید شخصی کا مسئلہ کس قدر بے غبار اور محکم ہے کہ ذرا بھی قوت فکر پر زور دیا جائے تو مسئلہ واضح ہو جائے۔ لیکن معاندین حق جو عداوت دین میں حقیقت بدیہہ غیر خفیہ پر طالب و برہان و دلیل ہیں اور نہ ماننے کی قسم کھائے ہوئے ہیں۔ خدا ایسے بد باطن اور کوتاہ فہم لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ اور فہم حق کے لئے طبع سلیم اور فکر قویم بخشے۔ تعصب و عناد تعسف و نفسانیت اور تحکم ہٹ دھرمی سے دور رکھے آمین۔

بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ صلاۃ وسلامًا الی یوم الیقین۔

دین ہمہ اوست

از قلم

شیخ طریقت علامہ الحاج سید شاہ **نعیم اشرف** اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ احمدیہ جائس شریف ضلع رائے بریلی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وسلم علٰی سید الانبیاء و اشرف الرسل وعلٰی آلہ واصحابہ سفن الھدیٰ ونجوم السبل۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ !
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ڈاکٹر اقبال صاحب فاضل العلوم مستغرب فارسی عربی کے رمز شناس مستشرق مفکر عصر اظہار و بیان کے نابغۂ روزگار شاعر و ادیب ہیں انہوں نے نہایت جامع انداز میں بتا دیا ہے کہ دین کہاں سے کہاں تک ہے اور دین میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر و نفوذ کیا اور کتنا ہے۔

ناقابلِ تردید بات ہے کہ جملہ ادیان و ملل اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مالک ایک اور صرف ایک ہے جو مختلف زبانوں میں جدا جدا لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سچی بات ہے کہ نبی مرسل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے وحدانیت خالصہ کو دنیا فراموش کر چکی تھی ثنویت پرستی، تثلیث پرستی بے شمار خداؤں کی پرستش کا سکہ پوری دنیا میں چل رہا تھا فاران کی چوٹیوں سے نور مبین نے طلوع ہو کر پوری دنیا سے وحدانیت خالصہ کو منوالیا اب نور و ظلمت، حق و باطل خیر و شر اور ایمان و کفر میں امتیاز لاالٰہ الا اللہ نہیں ہے بلکہ محمد رسول اللہ ہے۔

مردم شماری کے مسلمانوں نے ۷۲ فرقے نکال لیے ہیں الگ الگ ناموں سے اپنی شناخت بنالی ہے خوبصورت اور بدصورت استدلال کے ہتھیار سب کے ہاتھوں میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے زمین پر انگلی سے ایک سیدھی لکیر بنائی

اور اس میں دونوں طرف چھوٹی چھوٹی شاخیں نکال دیں اور فرمایا کہ یہ سیدھی لکیر صراط مستقیم ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں باطل پسند لوگوں کی ہیں۔ یہ حدیث بھی ایک میزان ہے، معیار ہے محک ہے۔

ایک دو یا چند خوبیوں کا نام اسلام نہیں ہے بلکہ جاں نثارانہ خود سپردگی، کامل اہتمام عظمت، علم و عقل سے بلند تر محبت کا ہمہ وقتی مظاہرہ اور مکمل اتباع رسول، مگر صرف نماز اور داڑھی کی اتباع نہیں بلکہ پورے نظام اخلاق نبوی کی اتباع جن جماعتوں نے آج یا کبھی بھی استخفاف مقام نبوت کیا ہے وہ کوئی چھوٹی لکیر ضرور بن گئی ہے یہ بے شبہ بات ہے چاہے وہ قلمکار رشدی ہو صاحب دستار مولوی یا نبوت کی کرسی بچھانے والا کسی مدرسہ کا بانی ہو یا کرسی پر بیٹھ جانے والا قادیانی۔ خروج مع اپنے فروع کے، تشیع مع اپنے تمام انواع کے، فلسفے کے بوجھ سے دبے ہوئے دہریت پسند اہل علم شبلی سے نظام معتزلی تک سب کے سب صراط مستقیم سے پھسل کر چھوٹی چھوٹی لکیریں بنانے والی جماعتیں ہیں۔

علماء سوء کی نشاندہی میری ذمہ داری نہیں علماء حق میں اس صدی کے چند مشاہیر کے نام پیش خدمت ہیں۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا مجدد ملت، صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب اشرفی مرادآبادی، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رضوی اعظمی، ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری رضوی، حضرت مولانا انوار اللہ شاہ قادری حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہم۔

ابھی چند سال قبل رخصت ہونے والے مقتدر و مقتدا علماء حق حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب نوری شہزادۂ اعلیٰ حضرت بریلوی، حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھہ شریف، امام النحو صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی اشرفی میرٹھی، حضرت حافظ ملت علامہ عبد العزیز صاحب اشرفی قادری محدث مبارکپوری، حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب قادری اشرفی رئیس اعظم اڑیسہ، حضرت علامہ مفتی محمد رفاقت حسین صاحب اشرفی، شمس العلماء حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب اشرفی، حضرت علامہ سلیمان صاحب اشرفی بھاگلپوری، حضرت مولانا کوثر صاحب قادری بنارسی ذنب اہل بیت، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

موجودہ مشاہیر علماء اہلسنت میں حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب، ناظم تعلیمات نظامیہ حیدرآباد حضرت علامہ پاشا قادری و دیگر متبحر علماء مدرسہ نظامیہ نیز علماء عظام و مشائخ کرام حیدرآباد و صوبہ جات دکن، حضرت مفتی عبد المنان صاحب، حضرت مفتی عبد الجلیل صاحب اشرفی، حضرت مولانا غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی، حضرت خواجہ مظفر رضوی، حضرت مولانا مفتی ثناء اللہ محمد میاں صاحب مظہری دہلوی، حضرت علامہ مفتی اشفاق نعیمی اشرفی رضوی جودھپور، شمس العلماء حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب حبیبی الہ آبادی (جن کا ابھی ابھی چند روز قبل انتقال ہو گیا) حضرت مولانا معین الدین خاں صاحب اعظمی حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی، حضرت علامہ سید حامد اشرف اشرفی جیلانی بمبئی، حضرت مولانا نصیر الدین اشرفی کشن گنج، حضرت مولانا عبید القادری صاحب و دیگر علماء ربانیین باندہ شریف، مولانا اختر رضا صاحب ازہری بریلوی (نبیرۂ اعلیٰ حضرت)، مولانا ضیاء المصطفےٰ صاحب قادری شہزادۂ صدر الشریعہ گھوسی، مولانا عبید الرحمٰن صاحب سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور، الحمد للہ کہ میرے خلف اکبر و ولی عہد مولانا الحاج سید محمد اشرف کلیم اشرفی جیلانی ایم اے بھی اسی ممتاز صف علماء میں نمایاں نظر آتے ہیں ان کے علاوہ بھی کچھ اور بھی مایۂ افتخار قابل ذکر شخصیتیں ہیں عجلت اور تنگی وقت کی وجہ سے تحریر میں نہ آسکیں کیونکہ یہ مضمون قلم برداشتہ لکھنا پڑا۔

دعاگو

سید نعیم اشرف جیلانی سجادہ نشین جائس

واقعۂ افک

اُم المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی

مولانا محمد تحسین رضا قادری نیپنا جپوری
محمد نگر شکلا گنج گنگا گھاٹ اناؤ یوپی۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ؏۱.

ترجمہ۔ تو تمہارا پردہ کھول دیتا بیشک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہیں میں کی ایک جماعت ہے۔ اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ان میں ہر شخص کے لئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا۔ اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا۔ اس کے لئے بڑا عذاب ہے ؏۲۔

"غزوۂ مریسیع"

اس کا دوسرا نام "غزوۂ بنی المصطلق" بھی ہے "مریسیع" ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے آٹھ منزل دور ہے قبیلۂ خزاعہ کا ایک خاندان۔ "بنو المصطلق" یہاں آباد تھا۔ اور اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار تھا۔ اس نے بھی مدینہ پر فوج کشی کے لئے لشکر جمع کیا تھا۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو ۲ر شعبان ۵ھ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اس غزوہ میں حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھیں جب حارث بن ضرار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہو گئی تو اس پر ایسی دہشت سوار ہو گئی کہ وہ اور اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ مگر خود مریسیع کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور جم کر مسلمانوں پر تیر برسانے لیکن جب مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر حملہ کیا تو دس کفار مارے گئے اور ایک مسلمان بھی شہادت سے سرفراز ہوئے باقی تمام کفار گرفتار ہوئے جن کی تعداد سات سو سے

کے پیش نظر کل کا ایک جزاور دفتر کا ایک حرف تحریر کیا جا رہا ہے. شاید آپ کے لئے نفع بخش ہو اور زیادتی علم کا سبب بنے لیکن یاد رہے۔

"لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ"

(اسے باوضو ہی چھوئیں)

(سورۂ واقعہ آیت ۷۹)

مطالعہ کے وقت باوضو رہیں، تنہائی ہو، موانع سے احتراز کریں زبان کے ساتھ ساتھ دل بھی حاضر رہے. ممکن ہے معانی کی دلہن نقاب الٹ دے اور مقصود کا محبوب جلوہ بار ہو۔

"اَيَّدَكَ اللّٰهُ بِرُوْحٍ مِّنْهُ"

(اللہ اپنی طرف کی روح سے تمہاری تائید فرمائے)

مرشدِ کامل کی ضرورت

جب کسی سالک کو سلوک راہِ آخرت کی توفیق سے مشرف کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو

"يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ"

(اللہ جسے چاہتا ہے اپنے اپنے نور کی راہ بتاتا ہے. (قرآن سورۂ نور آیت ۳۵)

کی ہدایت کا نور اس کے دل میں اتر جاتا ہے گمراہی کی آلائش باہر آجاتی ہے خیال دنیا دل سے نکل جاتا ہے اور آخرت کی طلب اس کے سینہ میں تیز تر ہو جاتی ہے ہاتھ سے توبہ کی لگام پکڑ کے تلے پیر ندامت کے رکاب میں رکھتا ہے، اور استغفار کی سواری پر سوار ہو کر معاصی کو پس پشت ڈالنے اور قبلۂ اطاعت کی جانب متوجہ ہونے کا عزم محکم کر لیتا ہے. ایسی صورتِ حال میں جواں مرد کے لئے ضرورت ہے ایک ایسے راہ دیدہ، کمال یافتہ، قطبِ وقت اور مقتدائے زماں کی جن کی خدمت کا وہ التزام کرے ان کے دامن دولت کو مضبوطی سے تھامے تاکہ وہ اسے شیطانی و نفسانی مکروفریب سے آگاہ کریں اور ایک ماہر حکیم کی طرح اس کے روحانی امراض کا علاج شروع فرمائیں. مرض کے مطابق پرہیز بتائیں، برداشت کے مطابق دوائیں دیں جیسا کہ اس دور میں فقیر کے شیخ و مخدوم ہیں.

مَتَّعَنَا اللّٰهُ بِطُوْلِ بَقَائِهٖ

(اللہ ان کے طول وحیات ہمیں نفع عطا فرمائے)

بقا بادا جو عمر نوح بل پیش
کہ شاد ست از ورت بیگانہ خویش

نوح کی عمر ملے بلکہ زیادہ اس سے
اپنے بیگانے سبھی شاد ہیں تیرے دم سے

کیونکہ جب سالک راہ آخرت پر سفر کے لئے پورے طور پر آمادہ ہو جاتا ہے تو شیطان اور خود اس بیچارہ کا نفس لئیم اس پر ان گنت حملے کرتے ہیں اور ہر نوع قطع راہ کی کوشش کرتے ہیں اگر مرشد نہ ہو تو جلد ہی ہلاک ہو جائے

—— اور ——

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

(اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں) (قرآن سورۂ کہف آیت ۱۰۴)

کے زمرہ میں داخل ہو۔

شیطانی و نفسانی حملے

(۱) سالک کو ارتکاب معاصی کے لئے ورغلاتے ہیں. برائیوں کو اچھائیوں کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اس کی طبیعت میں مخلوقات کی لذت بڑھا کر کہتے ہیں. اللہ غفور و رحیم ہے، توبہ ممکن ہے.

فَاَدْ تَعَهٗ فِى طُوْلِ الْاَمَلِ.

(تو اسے طول آرزو میں مبتلا کر دیا.)

سو جاؤ، کھاؤ پیو تاکہ عبادت کی قوت پیدا ہو اپنی بیوی سے تکمیل شہوت کرو تاکہ اس کا حق ادا ہو. نیک اولاد وجود میں آئیں الغرض اس کے دیوار قت عزیز میں اس طرح رخنہ اندازی کرکے اس کی خواہشات کو پھیلا دیتے ہیں.

(۲) دوسرے حملے میں بھی مایوسی ہو تو نفس اور اہل و عیال کو سامنے لاتے ہیں، کہتے ہیں بے کار مشقت میں نہ پڑو. تکلیف مت اٹھاؤ. پانچ وقت کے فرائض ادا کرو،

سایہ کو زمین پر نہیں پڑنے دیا کہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑ سکے۔ تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب یہ گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ کی زوجۂ محترمہ کے ساتھ ایسے قبیح فعل کا مرتکب ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ آپ کے نعلین اقدس میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو خبر دی کہ آپ اپنی نعلین اقدس کو اُتار دیں اس لئے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا معاذ اللہ ایسی ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما دیتا کہ "آپ کو اپنی زوجیت سے نکال دیں"۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سُنی۔ تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی بتا اگر حضرت صفوان بن معطل کی جگہ میں ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم پاک کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا۔ کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں رسول پاک کی بیوی ہوتی تو بخدا میں کبھی بھی ایسی خیانت نہ کرتی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو مجھ سے لاکھ درجے بہتر ہیں اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو بدرجہا تم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کریں گے[۶]۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں حضرت علی اور اُسامہ رضی اللہ عنہما سے جب مشورہ طلب فرمایا۔ تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ کہا۔ اَھْلُکَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا۔ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم انھیں پاک جانتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں ڈالی ہے۔ عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ اور آپ ان کے بارے میں ان کی لونڈی "حضرت بریرہ" سے پوچھ لیں وہ آپ سے بالکل سچ کہدے گی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ابھی وہ کمسن ہیں وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آکر کھا ڈالتی ہے!۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجۂ مقدسہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مثل تھیں۔ تو انھوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَاللہُ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا۔ میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں تو حضرت بی بی عائشہ کو بہت اچھی جانتی ہوں[۷]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا۔ یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے دل آزاری کی ہے۔ وَاللہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا۔ خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو ہر طرح اچھا جانتا ہوں۔ وَلَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلَّا خَیْرًا۔ اور ان لوگوں (منافقوں) نے اس بہتان میں، ایک ایسے مرد (صفوان ابن معطل) کا ذکر کیا ہے۔ جس کو میں بالکل اچھا ہی جانتا ہوں[۸]۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بر سرِ منبر اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما دونوں کی برأت و طہارت اور عفت و پاک دامنی کا پورا پورا علم اور یقین تھا۔ اور وحی نازل ہونے سے پہلے ہی آپ کو معلوم تھا کہ منافق جھوٹے اور ام المومنین پاک دامن ہیں ورنہ آپ بر سرِ منبر قسم کھا کر ان دونوں کی

خوبیوں کا مجمع عام میں ہرگز اعلان نہ فرماتے۔ قبل سے اعلان عام نہ فرمانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اپنی بیوی کی پاک دامنی کا اپنی زبان سے اعلان کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب منافقین نے بے حد شور و غوغا کیا تو اللہ کے رسول نے منبر پہ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس کے باوجود سرکار کو اعلان عام کے لئے وحی الٰہی کا انتظار رہا جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے آتے ہی بیمار ہو کر صاحب فراش ہو گئی تھیں۔ اس لئے وہ اس بہتان تراشی سے بالکل ہی بے خبر تھیں۔ جب انھیں مرض سے کچھ افاقہ ہوا تو ایک رات حضرت ام مسطح صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رفع حاجت کے لئے صحرا میں تشریف لے گئیں۔ ان کی زبانی سنا۔ حضرت صدیقہ نے اس دلخراش اور روح فرسا خبر کو سنا جس سے انھیں قلبی اذیت ہوئی اور وہ شدت رنج و غم سے نڈھال ہو گئیں اس طرح ان کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ دن رات بلک بلک کر روتی رہیں آخر جب یہ صدمہ جانکاہ برداشت نہ ہو سکا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی والدہ (ام رومان) کے گھر چلی گئیں لہٰذا اس منحوس خبر کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے تسلی و تشفی دی۔ مگر حضرت عائشہ برابر روتی ہی رہیں۔ ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ! تمہارے بارے میں اس قسم کی خبر اڑائی گئی ہے۔ اگر تم پاک دامن ہو اور یہ خبر جھوٹی ہے تو عن قریب خداوند تعالیٰ تمہاری براءت کا بذریعہ وحی اعلان فرمادے گا ورنہ تم توبہ و استغفار کر لو۔ کیونکہ جب کوئی بندہ خدا سے توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں۔ اور انھوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دیں۔ صدیق اکبر نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں؟ پھر انھوں نے ماں سے جواب دینے کی درخواست کی تو ان کی ماں نے بھی یہی کہا۔ پھر خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ لوگوں نے مجھ سے متعلق بے بنیاد بات اڑائی ہے اور لوگ مشکوک ہو رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس کو سچ سمجھ چکے ہیں اس صورت میں اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک دامن ہوں تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں اس برائی کا اقرار کر لوں تو سب مان لیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری اور پاک دامن ہوں اس وقت میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے۔ لہٰذا میں بھی وہی کہتی ہوں جو انھوں نے کہا تھا یعنی۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ۔ یہ کہتی ہوئی انھوں نے کروٹ بدل کر منہ پھیر لیا۔

حضرت عائشہ کی پاکی پر نزول وحی

اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس تہمت سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت کو ظاہر فرما دے گا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سن کر ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ آپ پر نزول وحی کے وقت کی بے چینی شروع ہو گئی اور باوجود یہ کہ شدید سردی کا وقت تھا مگر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگے نزول وحی کے بعد ہنستے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! تم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد کرو۔ کہ اس نے تمہاری براءت اور پاک دامنی کا اعلان فرما دیا اور پھر
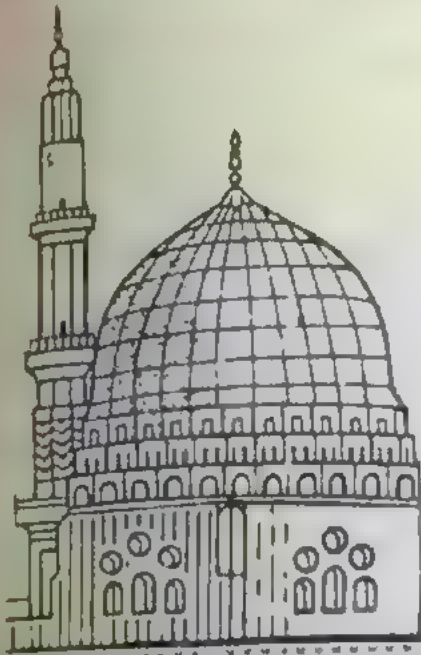
آپ نے قرآن مجید کی سورۂ نور میں سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ جو۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے شروع ہوکر وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ پر ختم ہوتی ہے[۹]

ان آیات کے نازل ہوجانے کے بعد منافقوں کا منھ فق ہوگیا اور حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس طرح چمک اٹھا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا روشن ہوگئی[۱۰]

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک خطبہ پڑھا اور سورۂ نور کی آیتیں تلاوت فرماکر مجمع عام میں سُنادیں۔ اور تہمت لگانے والوں میں سے حضرت حسان بن ثابت و حضرت مسطح بن اثاثہ و حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ان چاروں کو حد قذف کی سزا میں اَسّی اَسّی دُرّے مارے گئے[۱۱]

اَقُوْلُ۔ اسی سال یعنی ۶ھ حد قذف (کسی پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا) اور لعان و ظہار کے احکام نازل ہوئے۔ (فقیر قادری غفرلہٗ)

شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاک دامنی قطعی اور یقینی ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اور اگر کوئی اس میں ذرا بھی شک کرے تو وہ کافر ہے[۱۲]

نیز دوسرے تمام فقہاء امت کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت عائشہ کی فضیلت اور خصوصیات

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ[۱۳]

اے نبی کی بیوی (حضرت عائشہ) تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو[۱۴]

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواج مطہرات کے اندر ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے اور دو ہزار دو سو دس حدیثیں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواج مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواج مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

۲۔ میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے میری براءت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔

۴۔ نکاح سے قبل حضرت جبریل امین نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھادی تھی۔ اور آپ مسلسل تین رات مجھے خواب میں ملاحظہ فرماتے رہے۔

۵۔ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں سے پانی لے کر غسل کیا کرتے تھے یہ شرف

میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

۶۔ حضور اقدس نماز تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی ہوئی رہتی تھی امہات المؤمنین میں سے کوئی بھی حضور کی اس کریمانہ محبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔

۷۔ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ یہ وہ اعزاز خداوندی ہے جو میرے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ازوج مطہرات کو حاصل نہیں ہوا۔

۸۔ وفات اقدس کے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لئے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سر انور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری باری کے دن وفات پائی۔

۱۰۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور خاص میرے گھر میں بنی ۱۵

حوالے جات

۱۔ سورۂ نور پ ۱۸۔ ع ۷۔
۲۔ ترجمہ کنز الایمان ص ۵۲۱ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۳ ۳۔ زرقانی شریف ج ۳ ص ۶ تا ۵۸
۴۔ سیرۃ المصطفیٰ ص ۲۳۷
۵۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۴
۶۔ مدارک التنزیل مصری ج ۲ ص ۱۲۴ تا ۱۲۵
۷۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۶ باب حدیث الافک۔
۸۔ 〃 〃 ج ۲ ص ۵۹۵
۹۔ سیرت المصطفیٰ ص ۲۴۲ و بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۵، ۹۶
۱۰۔ 〃 〃 〃
۱۱۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۳
۱۲۔ حاشیہ بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۵
۱۳۔ قرآن شریف پ ۲۲ سورۂ احزاب۔
۱۴۔ ترجمہ کنز الایمان ص ۶۷۳ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۳۱
۱۵۔ زرقانی شریف ص ۲۲۳ جلد ۳ فقط واللہ اعلم

ثبوت و دلائل
شافعِ محشر

از
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
بریلوی قدس سرہ

استفتاء:۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفیع ہونا کس حدیث سے ثابت ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ البصیر السمیع والصلاۃ والسلام علی البشیر الشفیع وعلیٰ آلہ وصحبہ کل سار و مطیع۔

سبحان اللہ ایسے سوال سن کر کتنا تعجب آتا ہے کہ مسلمان و مدعیانِ سنیت اور ایسے واضح عقائد میں شک کی آفت یہ بھی قرب قیامت کی ایک علامت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احادیث شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو کسی طرح چھپ سکیں بیسیوں صحابہ، صدہا تابعین، ہزارہا محدثین ان کے راوی حدیث کی ہر گونہ کتابیں صحاح، سنن، مسانید، معاجم، جوامع مصنفات ان سے مالامال اہلسنت کا ہر متنفس یہاں تک کہ زنان و اطفال بلکہ دہقانی جہال بھی اس عقیدے سے آگاہ۔ خدا کا دیدار محمد کی شفاعت ایک ایک بچے کی زبان پر جاری، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم۔

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ "سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ" میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع وتلخیص کی یہاں بہ نہایت اجمال صرف چالیس حدیثوں کی طرف اشارت اور ان سے پہلے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہوں۔

آیتِ اولیٰ:۔ قال اللہ تعالیٰ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودًا ۵	قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں بھیجے

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور شفیع المذنبین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی مقام محمود کیا چیز ہے فرمایا هو الشفاعة وہ شفاعت ہے۔

آیت ثانیہ :- قال اللہ تعالیٰ

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ	اور قریب ہے کہ تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی جب یہ آیت اتری حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذن لا ارضیٰ و واحد من امتی فی النار	یعنی اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ

طبرانی معجم اوسط اور بزار مسند میں اس جناب مولی المسلمین

حضور توں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ اور شفاعت کا ہے کا نام ہے

آیت رابعہ :- قال اللہ تعالیٰ

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ	اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہوں پھر خدا سے استغفار کریں
واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما	اور رسول ان کی بخشش مانگے تو بیشک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ گناہ کرکے اس نبی کی سرکار میں حاضر ہو اور اس سے درخواست شفاعت کرو۔ محبوب تمہاری شفاعت فرمائے گا تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے۔

آیت خامسہ :- قال اللہ تعالیٰ

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو تمہاری بات سنی جائے گی۔ اور مانگو تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے (حدیث)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اشفع لامتی حتیٰ ینادینی ربی ارضیت یا محمد فاقول ای رب رضیت۔	میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب پکارے گا اے محمد تو راضی ہوا میں عرض کروں گا اے رب میرے میں راضی ہوا۔

آیت ثالثہ :- قال اللہ تعالیٰ

واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات	اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مردوں اور

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رءوسھم	جب ان منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہاری مغفرت مانگیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔

اس آیت میں منافقوں کا حال بد مآل ارشاد ہوا کہ وہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت نہیں چاہتے پھر جو آج نہیں چاہتے وہ کل نہ پائیں گے اور جو کل نہ پائیں گے وہ کل نہ پائیں گے۔ اللہ دنیا و آخرت میں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے ؎

حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے
منکر آج ان سے التجا نہ کرے

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ شفیع المذنبین وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔

الاحادیث

شفاعت کبریٰ کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا کہ عرصات محشر میں وہ طویل دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے اور سروں پر آفتاب اور دوزخ نزدیک اس دن سورج میں دس برس کامل کی گرمی جمع کریں گے اور سروں سے کچھ ہی فاصلے پر لاکر رکھیں گے۔ پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے گرمی وہ قیامت کی کہ اللہ بچائے بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہوکر اوپر چڑھے گا یہاں تک کہ گلے گلے سے بھی اونچا ہوگا۔ جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں لوگ اس میں غوطے کھائیں گے گھبرا کر دل حلق تک آجائیں گے لوگ ان عظیم آفتوں میں جان سے تنگ آکر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے۔ آدم و نوح خلیل وکلیم ومسیح علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہوکر جواب صاف سنیں گے۔ سب انبیاء فرمائیں گے ہمارا یہ مرتبہ نہیں ہم اس لائق نہیں ہم سے یہ کام نہ نکلے گا نفسی نفسی تم اور کسی کے پاس جاؤ یہاں تک کہ سب کے بعد حضور پرنور خاتم النبیین سید الاولین والآخرین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا لہا انا لہا فرمائیں گے یعنی میں ہوں شفاعت کے لئے میں ہوں شفاعت کے لئے پھر اپنے رب کریم جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سجدہ کریں گے۔ ان کا رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

یا محمد ارفع رأسك	اے محمد اپنا سر اٹھاؤ اور عرض
وقل تسمع وسل	کرو تمہاری بات سنی جائیگی
تعطہ واشفع تشفع	اور مانگو تمہیں عطا ہوگا اور

شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے یہی مقام محمود ہوگا جہاں تمام اولین وآخرین میں حضور کی تعریف وحمد وثنا کا غل پڑ جائے گا۔ اور موافق ومخالف سب پر کھل جائے گا۔ بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں اور ملک عظیم جل جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولیٰ کے لئے ہے کسی کے لئے نہیں والحمد للہ رب العٰلمین۔

اسی کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے مطابق لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ پہلے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں اور وہاں سے محروم پھر کر ان کی خدمت میں حاضر آئیں تاکہ سب جان لیں کہ منصب شفاعت اسی سرکار کا خاصہ ہے دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

یہ حدیثیں صحیح بخاری وصحیح مسلم تمام کتابوں میں مذکور اور اہل اسلام میں معروف ومشہور ہیں ذکر کی حاجت نہیں کہ بہت طویل ہیں۔ شک لانے والا اگر دو حرف بھی پڑھا ہو تو مشکوٰۃ شریف کا اردو میں ترجمہ منگا کر دیکھ لے یا کسی مسلمان سے کہے کہ پڑھ کر سنا دے اور انہیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ شفاعت کرنے کے بعد حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخشش گناہگاران کے لئے بار بار شفاعت فرمائیں گے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ وہی کلمات فرمائے گا اور حضور ہر مرتبہ بے شمار بندگان خدا کو نجات بخشیں گے میں ان مشہور حدیثوں کے سوا ایک اربعین یعنی چالیس حدیثیں اور لکھتا ہوں جو گوش عوام تک کم پہنچی ہوں جن سے مسلمان کا ایمان ترقی پائے منکر کا دل آتش غیظ میں جل جائے بالخصوص جن سے اس ناپاک تحریف کا رد شریف ہو جو بعض بددینوں، خدا نا ترسوں، ناحق کوشوں، باطل کیشوں نے معنی شفاعت میں کیں اور انکار شفاعت کے چہرہ نجس چھپانے کو ایک جھوٹی

میری شفاعت ان گنہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں روئے زمین پر جسقدر پیڑ پتھر ہیں میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت کروں گا۔ میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے کلمۂ توحید پڑھا۔ (خلاصۂ احادیث)

صورت نام کی شفاعت دل سے گڑھی ان حدیثوں سے واضح ہوگا کہ ہمارے آقائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت کے لئے متعین ہیں انہیں کی سرکار بیکس پناہ ہے انہیں کے در سے بے یاروں کا نباہ ہے نہ جس طرح ایک بدمذہب کہتا ہے کہ جس کو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنادے گا۔ یہ حدیثیں ظاہر کریں گی کہ ہمیں خدا اور رسول نے کان کھول کر شفیع کا پیارا نام بتا دیا اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ یہ بات گول رکھی ہو جیسے ایک بدبخت کہتا ہے کہ اسی کے اختیار پر چھوڑ دیجئے جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کردے۔ یہ حدیثیں مژدہ جانفزا دیں گی کہ حضور کی شفاعت نہ اس کے لئے ہے جس سے اتفاقاً گناہ ہوگیا ہو اور وہ اس پر ہر وقت نادم و پشیمان و ترسال و لرزاں ہے جس طرح ایک دزد باطن کہتا ہے کہ چور پر تو چوری ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا سو اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے۔ نہیں نہیں ان کے رب کی قسم جس نے انہیں شفیع للمذنبین کیا ان کی شفاعت ہم جیسے روسیاہوں پر گناہوں سیہ کاروں ستمگاروں کے لئے ہے جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے جن کے نام سے گناہ بھی ننگ و عار رکھتا ہے ؏

ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

وحسبنا اللہ تعالیٰ و نعم الوکیل والصلوٰۃ والسلام علی الشفیع الجمیل وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ بالوف التبجیل والحمد للہ رب العلمین۔

حدیث نمبر ۱ و ۲۔

امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

خیرت بین الشفاعۃ — اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا
وبین ان یدخل شطر — کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری
امتی الجنۃ فاخترت — آدھی امت جنت میں جائے
الشفاعۃ لانھا اعم — میں نے شفاعت لی کہ وہ
واکفیٰ اترونھا للمؤمنین — زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے
المتقین لا ولکنھا — والی ہے کیا تم یہ سمجھ لئے ہو
للمذنبین الخطائین — کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں

کے لئے ہے نہیں بلکہ وہ ان گناہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔

اللھم صل وسلم وبارک علیہ والحمد للہ رب العلمین۔

حدیث نمبر ۳

ابن عدی حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

شفاعتی للھالکین — میری شفاعت ان امتیوں

من امتی	کے لئے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔

حق ہے اے شفیع میرے میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔

حدیث نمبر ۴ تا ۸

ابوداؤد و ترمذی و ابن حبان و حاکم و بیہقی بافادۂ تصحیح حضرت انس بن مالک اور ترمذی و ابن ماجہ ابن حبان و حاکم حضرت جابر بن عبداللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور خطیب بغدادی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی	میری شفاعت میری امت میں ان کے لئے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم والحمد للہ رب العلمین۔

حدیث نمبر ۹

ابوبکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابودردار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا۔

شفاعتی لاھل الذنوب من امتی	میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لئے ہے۔

ابودردار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی

وان زنی وان سرق	اگرچہ زانی اور چور ہو

فرمایا:

وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی الدرداء	اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابودردار کے۔

حدیث نمبر ۱۰ و ۱۱۔

طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی لاشفع یوم القیامۃ لاکثر مما علی وجہ الارض من حجر ومدر	یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا۔

حدیث نمبر ۱۲۔

بخاری مسلم بیہقی حاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی واللفظ للہذین حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی لمن شہد ان لا الہ الا اللہ مخلصا یصدق لسانہ قلبہ۔	میری شفاعت ہر کلمہ گو کیلئے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

حدیث نمبر ۱۳۔

احمد طبرانی و بزار حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انہا اوسع لہم ھی لمن مات ولا یشرک باللہ شیئا۔	شفاعت تیں امت کیلئے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

حدیث نمبر ۱۴۔

طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اتی جھنم فاضرب	میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر

مابہا فیفتح لی نا ادخلہا فاحمد اللہ محامد ما احمدہ احد قبلی مثلہ ولا یحمدہ احد بعدی مثلہ ثم اخرج منہا من قال لا الٰہ الا اللہ ملخصا۔

تشریف لے جاؤں گا وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لونگا جس نے خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔

* * * * * * *

حدیث نمبر ۱۵

حاکم بافادہ تصحیح اور طبرانی و بیہقی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

یوضع للانبیاء منابر من ذھب فیجلسون علیہا ویبقی امتی لبدی نا قول یارب امتی امتی فیقول اللہ یا محمد وما ترید ان اضع بامتک فاقول یارب عجل حسابھم فما ازال حتی اعطی قد بعثت بھم الی النار و حتی ان مالکا خازن النار فیقول یا محمد ما ترکت لغضب ربک فی امتک من

انبیاء کے لیے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی رہے گا کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا بلکہ اپنے رب کے حضور سرو قد کھڑا ہوں گا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیجدے اور میری امت میرے بعد رہ جائے پھر عرض کروں گا اے رب میرے میری امت میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد تیری کیا مرضی ہے میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں۔ عرض کروں گا اے رب میرے ان کا حساب جلد

بقیہ

* * * * * فرما دے پس میں شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ * * * * * مجھے ان کی رہائی کی چٹھیاں ملیں گی جنہیں دوزخ بھیج * * * * * چکے تھے یہاں تک کہ مالک * * * * * داروغہ دوزخ عرض کریگا * * * * * اے محمد آپ نے اپنی امت میں * * * * * رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا

اللھم صل وسلم وبارک علیہ والحمد للہ رب العلمین۔

حدیث نمبر ۱۶ تا ۲۱

بخاری و مسلم و نسائی حضرت جابر بن عبد اللہ اور احمد بسند حسن اور بخاری تاریخ میں اور بزار طبرانی و بیہقی و ابو نعیم حضرت عبد اللہ بن عباس اور احمد بسند حسن و بزار بسند جید و دارمی و ابن شیبہ و ابو یعلی و ابو نعیم و بیہقی حضرت ابوذر اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حضرت ابو سعید خدری اور کبیر میں حضرت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن شیبہ و طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ———

واللفظ لجابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واعطیت مالم یعطین احد قبلی الی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واعطیت الشفاعۃ۔

ان چھوؤں حدیثوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں شفیع مقرر کر دیا گیا اور شفاعت خاص مجھ کو عطا ہوئی میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب نہ ملا۔

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳

ابن عباس و ابو سعید و ابو موسیٰ سے انہیں کے قول میں وہ مضمون بھی ہے جو احمد و بخاری و مسلم نے انس اور

شیخین نے ابوہریرہ سے روایت کیا رضی اللہ عنہم اجمعین کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان لکل نبی دعوات قد دعا بها فی امته واستجیب له وهذا اللفظ لانس ولفظ ابی سعید لیس من نبی الا وقد اعطی له رجعنا الی لفظ انس والالفاظ الباقین کمثله

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری تبارک وتعالیٰ سے ملتی ہے کہ جو چاہو مانگ لو بیشک دیا جائے گا۔ تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلوٰۃ والسلام سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کر چکے

معنی قال وانی اختبأت دعوتی شفاعة لامتی یوم القیامة زاد ابو موسیٰ جعلتها لمن مات من امتی لا یشرك بالله شیئا

اور میں نے آخرت کے لئے اٹھا رکھی وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لئے قیامت کے دن۔ میں نے اسے اپنی ساری امت کے لئے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

اللهم ارزقنا بجاهه عندك آمین

اللہ اکبر! اے گنہگاران امت کیا تم نے اپنے مالک ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کمال رافت و رحمت اپنے حال پر نہ دیکھی کہ بارگاہِ الٰہی عز جلالہ سے تین سوال حضور کو ملے کہ جو چاہو مانگ لو عطا ہوگا۔ حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لئے نہ رکھا سب تمہارے ہی کام میں صرف فرما دیئے۔ دو سوال دنیا میں کئے وہ بھی تمہارے ہی واسطے تیسرا آخرت کو اٹھا رکھا وہ تمہاری اس عظیم حاجت کے لئے جب اس مہربان مولیٰ رؤف و رحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا بگڑی بنانے والا نہ ہوگا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حق فرمایا حضرت حق عز وجل نے

عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم ۰ واللہ العظیم قسم اس کی جس نے انہیں آپ پر مہربان کیا کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں جس قدر وہ اپنے ایک امتی پر مہربان ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الٰہی تو ہمارا عجز وضعف اور ان کے حقوق عظیم کی عظمت جانتا ہے اے قادر! اے واحد! اے ماجد! ہماری طرف سے ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی ہوں اور ان کی رحمتوں کو مکافی اللهم صل وسلم وبارك علیه وعلی آله وصحبه قدر رأفته ورحمته بامته وقدر رأفتك ورحمتك به آمین آمین اله الحق آمین۔

سبحان اللہ امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر اتا ہے افعال محبت کا بدعت نام اجلال وادب پر شرک

کے احکام - انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۰ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۰

حدیث نمبر ۲۴

صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے میں نے دو بار تو دنیا میں عرض کرلی اللھم اغفر لامتی اللھم اغفر لامتی الٰہی میری امت کی مغفرت فرما الٰہی میری امت کی مغفرت فرما۔

واخرت الثالثۃ لیوم یرغب الی فیہ الخلق حتی ابراھیم۔
اور تیسری عرض اس دن کیلئے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیازمند ہوگی
یہانتک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وصل وسلم وبارک علیہ والحمد للہ رب العٰلمین

حدیث نمبر ۲۵

بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسریٰ اپنے رب سے عرض کی کہ تو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے رب عزمجدہٗ نے فرمایا

اعطیتک خیرا من ذالک الی قولہ خبأت شفاعتک ولم اخبأھا لنبی غیرک۔
میں نے تجھے عطا فرمایا جو ان سب سے بہتر ہے میں نے تیرے لئے شفاعت چھپا رکھی اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی

حدیث نمبر ۲۶

ابی شیبہ و ترمذی بافادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

واذا کان یوم القیٰمۃ
قیامت کے دن میں انبیاء

اطلبوا العلم ولو کان بالصین

کنت امام النبیین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر۔
کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا۔

حدیث نمبر ۲۷ تا ۴۰

ابن منیع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

شفاعتی یوم القیامۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا
میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا

منکر سکین اس حدیث متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کرکے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اللھم انک تعلم انک ھدیت فامنا بشفاعۃ حبیبک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاجعلنا من اھلھا فی الدنیا والاٰخرۃ یا اھل التقویٰ واھل المغفرۃ واجعل اشرف صلوٰتک وانمی برکاتک وازکی تحیاتک علی ھذا الحبیب المجتبیٰ والشفیع المرتجی وعلی اٰلہ وصحبہ دائما ابدا اٰمین اٰمین یا ارحم الراحمین والحمد للہ رب العٰلمین ۰

ترجمہ :۔ مولانا محمد اصغر فاروقی

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ علامہ شمس الدین خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ میں النبی سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ سے حق تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر خصوصی رحمت نازل فرمائی جائے اور ملائکہ بھی آپ کے لئے دعا کرتے ہیں۔ صلوٰۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار کا اظہار ہے۔ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف و توصیف کرنا ہے۔ اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ بارگاہ نبوت میں دعا کرتے رہیں۔ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ یعنی ان کے لئے رحمت کی دعا کرو۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سلام وثنا کے تحائف پیش کرو۔ جہاں تک ممکن ہو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور برتری بیان کی جائے۔ مدح وثنا کی کثرت کی جائے اور حسن اتباع سے جن باتوں کا آپ حکم فرمائیں۔ اسے بجا لایا جائے اور اِنہی زبانوں سے آپ کی ذات گرامی پر سلام بھیجا جائے۔ سلام میں تاکید کے لئے مصدر کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے لیکن صلوٰۃ میں مصدر کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ صلوٰۃ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یعنی اللہ اور فرشتوں سے مؤکد تھی اور سلام حضور کی امت کے لئے خاص تھا

حضرت امام بیضاوی کی تشریح

حضرت امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شرف کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اور آپ کی شان رفعت کا بیان ہے یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! تم بھی اس بات کی کوشش کرو کہ حضور کی ذات والاصفات کی برتری کو بیان کیا جائے۔ تمہارے لئے یہ بات زیادہ بہتر ہے اور کہو اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا) اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ، پھر کہا ان احکام پر عمل کرو اور فرماں بردار بن جاؤ۔ یہ آیت فی الجملہ حضور کی ذات گرامی پر صلوٰۃ وسلام کے وجوب پر دلالت کرتی ہے چنانچہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک لیا جائے۔ آپ کی ذات والاصفات پر درود پاک پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور حافظ سخاوی نے فرمایا۔ اور انہوں نے ابن عبدالبر سے بیان کیا کہ حضرات علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر مسلمان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اسی آیۃ کریمہ کی رو سے فرض ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی بھر میں ایک بار درود

پڑھنے کے وجوب میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ سنت مؤکدہ کی طرح نہایت ضروری ہے۔ اس سے پہلے ابن عطیہ رضی اللہ عنہ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا ہر حال میں سنت ہے۔ جسے کسی صورت میں بھی ترک نہیں کیا سکتا۔ اس نیک کام سے وہی شخص غفلت کر سکتا ہے جس میں نیکی کی رمق باقی نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز کے آخری تشہد میں درود پاک پڑھنا واجب ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ اور آپ کے شاگردوں کے نزدیک بھی یہی بات درست ہے لیکن بعض حضرات نے بلا تقیین کثرت سے درود پاک پڑھنا واجب قرار دیا ہے۔

امام طحاوی رضی اللہ عنہ کی رائے

امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک ایمان دار کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے یا آپ کا نام گرامی زبان پر لائے تو آپ کی ذات گرامی پر درود شریف ضرور بالضرور پڑھے۔ امام حلیمی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ایمان کا ایک حصہ ہے۔ آپ کی تعظیم کا مقام محبت سے بلند تر ہے۔ اندریں حالات ہم پر لازم ہے کہ آپ کے ساتھ محبت کریں اور تعظیم بجا لائیں۔ یہ محبت اور عزت بیٹے کی والد، غلام کی آقا کے تمام احترام و اعزاز سے بلند و بالا ہے۔ یہی مقصد ہے قرآن کریم کی آیات کا اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوئے ہیں۔

حافظ سیوطی کا بیان

حافظ سیوطی دُرِّ منثور میں لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو مبارکباد دیتے تھے عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کی یہ روایت مختلف تفاسیر اور احادیث میں منقول ہے کہ وہ ایک بار کعب بن عجرہ سے ملے۔ انہوں نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسا تحفہ دینا چاہتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ میں نے کہا ضرور، مجھے ایسا تحفہ دیجئے آپ نے فرمایا کہ جب اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، آیت نازل ہوئی تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ کو سلام عرض کرتے رہتے ہیں۔ مگر آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجی جائے۔ آپ نے فرمایا کہو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ بعض دوسری روایت میں ان الفاظ کو کمی و بیشی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

علامہ قسطلانی کا قول

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح بخاری اور کتاب مواہب الدنیہ میں عارف ربانی ابی محمد المرجانی سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما صلیت اور کما بارکت علی ابراہیم فرمایا ہے لیکن کما صلیت علی موسیٰ نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجلی جلالی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلوہ خداوندی سے بیہوش ہو کر گر پڑے اور خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تجلی جمالی تھی۔ محبت اور خلت جمالی آثار میں سے ہوا کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے درود اس طرح بھیجا کرو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات جمالی پر موزوں ہے۔ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برابری کی دلیل نہیں ہے کیونکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کو ایسی تجلی کے حصول کی دعا کا سبق دیں۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔ حدیث پاک کا تقاضا محض مشارکت فی الوصف ہے ورود تجلی جانی میں ہے۔ مراتب میں برابری کا تقاضا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں مقربوں پر یہ تجلی جانی ان کے مراتب اور مقامات کے مطابق وارد فرماتا ہے۔ اگرچہ دونوں تجلی کے وصف میں مشترک ہیں۔ لیکن وہ ہر شخصیت پر علیحدہ علیحدہ مقام و تزکیہ کے لحاظ سے تجلی ڈالتا ہے ان مراتب و مقامات کے حدود کا تعین تو اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہیں بلند و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مطلوب صلوٰۃ بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ سے اعلیٰ اور برتر ہوگی۔

امام نووی نے بھی اسی موضوع کی تائید میں ایک لطیف بات فرمائی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کی تشبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بہت خوب ہے۔ باوجودیکہ آپ کی ذات سیدنا ابراہیم سے بہت افضل ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تشبیہ اصل صلوٰۃ کی اصل صلوٰۃ کے ساتھ ہے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبی المکرم میں کہتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم اور آپ کی مومن آل کو اس لیے ترجیح دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے برکت اور رحمت کو ان کے علاوہ کسی قوم میں یکجا نہیں فرمایا۔ سورہ ہود میں فرمایا

آپ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

درود پاک تمام اعمال سے افضل ہے

علامہ احمد بن المبارک اپنی کتاب الابریز جو ان کے شیخ غوث الزماں بحر العرفان سیدنا عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ کے گیارہویں باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت دباغ سے اس قول کے بارے میں فرماتے سنا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک ہر ایک شخص سے قطعی طور پر قبول ہے آپ نے فرمایا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ نبی پاک پر درود تمام اعمال سے افضل ہے اور یہ ان ملائکہ کا ذکر ہے۔ جو اطراف جنت میں رہتے ہیں اور جب وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود پاک پڑھتے ہیں تو اس کی برکت سے جنت کشادہ ہو جاتی ہے۔ وہ مسلسل ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور جنت مسلسل بڑھتی رہتی ہے وہ چلتے رہتے ہیں جنت ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہتی ہے۔ جنت کشادگی اس وقت نہیں رکتی جب تک فرشتے تسبیح پڑھنا شروع نہیں کرتے اور یہ فرشتے اس وقت تسبیح پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ جنت پر اپنی تجلی ڈالتا ہے۔ جونہی اللہ کی تجلی پڑتی ہے۔ ملائکہ دیکھتے ہیں اور تسبیح بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تسبیح سنتے ہی جنت ٹھہر جاتی ہے اور اپنے باشندوں کے ساتھ قرار پاتی ہے اگر یہ ملائکہ اپنی پیدائش کے وقت سے صرف تسبیح پر اکتفا کرتے تو آج تک جنت کبھی کشادہ نہ ہوتی اور وہ جوں کی توں ہی رہتی۔ یہ کشادگی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی برکات سے ہے۔

درود کی قبولیت کی شرط

درود پاک کی یقینی قبولیت پاکیزہ ذات اور طاہر قلب سے ہوتی ہے جب انسان اپنی تمام بیماریوں بخل۔ حسد۔ ریا اور عُجب وغیرہ سے مبرا ہو جاتا ہے تو وہ پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ بیماریاں بیشمار ہیں۔ پاکیزہ ذات اور طاہر قلب ان میں سے ایک بیماری بھی قبول نہیں کرتا۔ احادیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ مَنْ قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ سے مراد یہی پاکیزگی ہے۔ جب ذات اور دل طاہر ہو تو ایسی بات صرف اس کی ذات کے لئے کہی جا سکتی ہے اور اس کا قائل خاص اللہ کے لئے کہتا ہے۔ ابن المبارک فرماتے ہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سے جنت بڑھتی ہے تسبیح اور اذکار سے نہیں بڑھتی اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ جنت کی اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے وہ اس کی طرف بچے کے باپ کی طرف مخلوق کی رغبت کرنے کی طرح بڑھتی ہے۔ جب وہ آپ کا ذکر سنتی ہے۔ خوش ہوتی اور اس کی طرف اڑتی چلی جاتی ہے کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض و برکت حاصل کرتی ہے اور وہ فرشتے جو

اس کے درو دیوار اور اطراف میں ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور ان پر درود میں مصروف ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنت ان کی طرف رجوع کرتی اور ان کی طرف جاتی ہے وہ تمام اطراف میں ہوتے ہیں۔ جنت بھی تمام اطراف سے کشادہ ہوتی جاتی ہے۔ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور ممانعت نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جنت دنیا کی طرف نکل آتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی جہاں بھی آپ تشریف لے جاتے اور جہاں آپ رات بسر کرتے وہ بھی وہاں ہی رات گزارتی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے سے روک دیا تاکہ آپ کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل ہو، شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت جنت میں داخل ہوں گے، جنت دیکھ کر خوش ہوگی اور ان کے لئے کشادہ ہوجائے گی اور اسے بے پناہ خوشی و مسرت حاصل ہوگی۔ (مختصراً تقدیم وتاخیر کے ساتھ)

درود پاک حضور کی خصوصیات سے ہے

شیخ رحمۃ اللہ نے حافظ سخاوی اور انہوں نے فاکہانی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ آپ کی خصوصیات میں سے ہے دوسرے انبیاء کو یہ بات حاصل نہیں جہاں تک علم کا تعلق ہے۔ قرآن اور دوسری کتابوں میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کے لئے موجود نہیں یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے جس کے ساتھ انبیاء میں سے اللہ نے آپ کو ہی مختص کیا ہے ابوعثمان الواعظ امام سہل بن محمد بن سلیمان سے بیان کرتے ہیں کہ یہ شرف جس کے ساتھ اللہ تبارک تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الآیۃ کے ساتھ مشرف فرمایا آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے انہیں سجدہ کرنے کے حکم سے زیادہ اہم اور جامع ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس شرف میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ شریک ہو دوسری طرف خود اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے اور درود پڑھنے میں شریک ملائکہ ہوئی پھر آپ پر فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کی خبر دی ہے۔ وہ شرف جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے صادر ہو وہ اس شرف سے زیادہ بلیغ ہے جس کے ساتھ صرف ملائکہ مختص ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نہ ہو حافظ نے کہا اور واحدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت اصمعی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے مہدی کو بصرہ کے منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے کام کا حکم دیا ہے۔ جس کی ابتداء اس نے خود کی اور ملائکہ قدس نے ثنا کی بس اس نے اپنے نبی کو شرف بخشتے ہوئے اور اس کی تکریم کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

انبیاء میں سے اس امر کے لئے آپ کو ترجیح دی اور لوگوں میں سے تمہیں اس چیز کا تحفہ دیا اور اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ اور آپ پر بکثرت صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہو۔ سخاوی نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعظیم وتکریم کا اظہار ہے جو دوسری آیات میں نہیں ہے اور علامہ ابن حجر کی کتاب جوہر المنظم میں ہے کہ بیہقی نے ابن فدیک سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک فاضل سے بوقت ملاقات سنا۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر یہ آیت تلاوت کرے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ الآیہ پھر کہے صلی اللہ علی محمد وسلم اور ایک روایت میں ہے کہ صلی اللہ علیک یا محمد (مترجم) فرشتہ اسے جواب میں کہتا ہے کہ صلی اللہ علیک یا فلان لم تسقط لک الیوم حاجۃ اور فرمایا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے کے جواز کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہمارے آئمہ نے اس کی حرمت کی تصریح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اور آپ کو یا نبی اللہ یا رسول اللہ کی مانند الفاظ سے پکارا جائے گا اور یہ حدیث صحیح اس کے معارض نہیں ہے کہ ایک نابینا

صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے صحت دے۔ آپ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ دعا مانگے "اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ الیٰ ربی فی حاجتی لیقضٰی اللھم شفعہ فی" پس وہ اس حال میں اٹھا کہ اس کی بصارت لوٹ آئی تھی یہ حدیث اس کے لئے معارض نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صاحب حق ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں تعلیم فرمائیں اور دوسرے اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اسلاف نے اس دعا کو اپنی حاجات میں آپ کی وفات کے بعد استعمال کیا ہے اور بعض صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ضرورت مند کو سکھائی اس نے اس کے مطابق عمل کیا تو اس کی حاجت پوری ہو گئی۔ ابن حجر نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل استغاثہ تشفع اور توجہ یا دوسروں کے ساتھ انبیاء اور اسی طرح اولیاء کے ساتھ توسل وغیرہ میں کوئی فرق نہیں علامہ سبکی نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔

تنبیہات

درود اور سلام میں فرق شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ تعظیم کے ساتھ پیوستہ رحمت ہے اور غیر پر مطلق رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے صلوٰۃ مطلق دعا ہے اس معاملہ میں فرشتے اور انسان میں کوئی فرق نہیں۔ امیر و ر حبان نے اسی طرح تحقیق کی ہے اور ابن حجر کی عبارت ان کی کتاب الجواہر المنظم میں یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا معنیٰ اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ تعظیم سے پیوستہ رحمت ہے اور فرشتوں اور انسانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا سوال لیکن اسلام سے مراد عیوب و نقائص سے محفوظ رہنا ہے اور ایسے ہر نقص سے مبرا ذکر کیا ہے۔ پس آپ کی یہ دعوت زمانہ کے ساتھ ساتھ بلند سے بلند تر ہوتی رہے گی اور امت بڑھتی رہے گی اور آپ کا ذکر بلند تر ہوتا رہے گا اور فرمایا کہ صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پیش کرنا مکروہ ہے جیسا کہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سے نقل کیا ہے کیونکہ آیت میں دونوں کے متعلق حکم وارد ہوا ہے اور خطیب پر علامہ بیجری کے حاشیہ میں ہے کہ اس کا موقع و محل شارع علیہ السلام سے جہاں وارد ہے اس کے علاوہ ہے جیسے درود ابراہیمی ہے پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس مقام پر بھی مکروہ ہے۔ مذکورہ کتاب میں علامہ ابن حجر نے ایک دوسرے مقام پر برکت کی شرح فرمائی ہے کہ برکت خیر و کرامت کی زیادتی اور اس کا بڑھتے رہنا ہے اور عیب سے پاک ہونا ہے اور مزید کہا کہ اس کا ہمیشہ قائم رہنا ہے چنانچہ بارک علیٰ محمد کا معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کو پوری پوری بھلائی دے اور آن کے ذکر اور شریعت کو ہمیشہ رکھ آپ کے متبعین کو بڑھا انہیں آپ کی یمن و کرامت سے حصہ دے کر۔ بایں طور کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ان کے حق میں قبول فرما اور انہیں جنت میں داخل کر اور بارک علیٰ آلہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ انہیں وہ بھلائی عطا فرما جو ان کے مناسب ہو اور اس بھلائی کو ان کے ساتھ ہمیشہ رکھ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بکر قیشری سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ، شرف و کرامت کی زیادتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسروں پر رحمت ہے فرمایا اس

> **اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو سونے کے قلم اور نور کے صفحات پر ہر درود پڑھنے والے کا عمل خیر تحریر کرتے ہیں ـــــ**

نظر ہوے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی مسلمانوں میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کہا:۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔

اور اس سورۃ میں اس سے پہلے کہا:۔

ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰئِکَتُہٗ۔

فرمایا اور یہ بات معلوم ہے کہ جو مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لائق ہے وہ اس سے بلند ہے۔ جو دوسروں کے لیے مناسب ہے۔ علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں کہا ہے کہ ابن عربی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا فائدہ اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ جو آپ پر درود بھیجتا ہے کیونکہ یہ بات اس کے عقیدہ اور نیت کے خلوص، اظہار محبت، اطاعت پر ہمیشگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کریمہ کے احترام پر دلالت کرتی ہے اور علامہ قسطلانی نے اپنے شیخ سخاوی سے انہوں نے دو جلیل آئمہ حلیمی اور عزالدین بن عبدالسلام سے نقل کیا ہے کہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہماری طرف سے آپ کے لیے شفاعت نہیں ہے کیونکہ ہم جیسا آپ جیسے کی شفاعت نہیں کر سکتا لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیں اس شخص کا بدلہ دینے کا حکم دیا ہے۔ جو ہم پر احسان کرے اور انعام کرے پس اگر ہم اس کا بدلے دینے سے عاجز ہوں تو کم از کم دعا کے ذریعہ اس کا بدلہ دیں گے پس جب اس نے ہمارے عجز کو دیکھا تو ہمیں آپ پر درود بھیجنے کی ہدایت فرمائی تاکہ ہماری صلوٰۃ آپ کے احسانات کا بدلہ ہو سکے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان سے افضل کسی کا احسان نہیں ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام مرجانی نے کہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا فائدہ چونکہ تیری ہی طرف لوٹتا ہے اس لیے درحقیقت تو اپنی ہی ذات کے لیے دعا کرتا ہے۔ ایک اور عالم نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے آن کی محبت آپ کے حق کو ادا کرنا، آپ کی توقیر و تعظیم اور اس کی ہمیشگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرنے کے باب سے ہے اور آپ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کیونکہ آپ کے عظیم انعامات ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دوزخ کی آگ سے نجات جنت میں داخل ہونے آسان اسباب کے ذریعہ کامیابی کا حصول ہر حیثیت سعادت حاصل کرنے اور ہمارے بلا حجاب بلند مناقب اور عمدہ مراتب میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب الجواہر المنظم میں کہا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہم درود بھیجتے ہیں اور خدا تعالیٰ جو درود بھیجتا ہے دس مرتبہ یا سو مرتبہ بھیجتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو ارشاد ہے کہ وہ صلوٰۃ بھیجیں اس کا معنیٰ پوچھا گیا اور یہ کہ آپ اس سے راحت محسوس کرتے ہیں۔ پس آپ نے جواب دیا جس کا خلاصہ معناً کچھ زیادتی کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور آپ پر درود پڑھنے والوں پر صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی اقسام کی مہربانیوں عمدہ انعامات و احسانات جو آپ کے لائق ہیں اور صلوٰۃ بھیجنے والوں پر جو ان کے لائق ہیں اسے سرفراز فرماتا ہے لیکن ہمارا اور فرشتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔ اس کا معنیٰ کمالات کو حاصل کرنے کا سوال ہے اور آپ کو انہیں عطا کرنے میں رغبت ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے درود شریف بھیجنے کی فرمائش۔ تو یہ تین اور کی وجہ سے ہے ایک یہ کہ دعائیں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول کا سبب ہوتی ہیں خصوصاً مجمع کثیر میں جب کہ وہ نفس و خواہشات سے خالی ہوں تو وہ ملاء اسفل کے ملائکہ کی روحانیات کے ساتھ متحد ہو جاتی ہیں کیونکہ ان میں مشابہت ہوتی ہے۔ جو خواہشات کی کدورتوں سے صفائی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اسی لیے اس قسم کا مجمع ہو تو اس کی دعا کم ہی خطا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے نماز استسقاء وغیرہ میں جماعت کثیر کو بلایا جاتا ہے۔

درود سے حضور کریم کو راحت ملتی ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت

کی طرف کے درود آنے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور فخر حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنّی اُبَاھِی بِکُم الاُمَم،

میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ جس طرح ایک عالم اپنی زندگی میں اپنے ان شاگردوں کی کثرت تعداد پر فخر کرتا اور خوش ہوتا ہے جن کی فلاح و ہدایت اس کی وجہ سے مکمل ہوئی اور اس سے ان کی محبت و احترام درست ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو نیکیوں پر تحریص دلانا مقصود ہے بلکہ بہت سی ایسی نیکیاں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تجدید ایمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، عنایات و اعزازات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے طلب کرنا، یوم آخرت پر ایمان کیونکہ وہ اکثر کرامات کے حصول کا مقام ہے، آل و اصحاب اور صالحین کا ذکر پاک جو نزول رحمت کا باعث ہے اللہ تعالیٰ کی تکریم و تعظیم اور اس کی جانب نسبت کی وجہ سے علاوہ ازیں بندوں کا اللہ کے ساتھ محبت کا اظہار اور دعا میں عجز و انکساری اور پھر اس چیز کا اقرار کہ جملہ امور کی مالک اللہ کی ذات ہے اور اس بات پر ایمان کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قدر و منزلت میں اگرچہ اس قدر بلند و بالا ہیں کہ مخلوقات میں سے ان کے مقام تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا پھر بھی وہ اللہ کے عبد اور اس کی رحمت و فضل کے طالب ہیں۔

درود پاک پر علماء کا اجماع

امام نووی نے کہا ہے کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے پر علماء کا اجماع ہے اور اسی طرح تمام انبیاء اور ملائکہ پر مستقلاً صلوٰۃ بھیجنے کے جواز اور استحباب پر اکابر اسلام کا اجماع ہے لیکن انبیاء کے علاوہ غیر نبی پر صلوٰۃ وسلام اکثر کے نزدیک حرام ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے اور صحیح وہی ہے جس پر اکثریت ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی کی مانند ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں ان کے شعار سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس میں قابل اعتماد یہ بات ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ سلف کی زبان میں صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے جس طرح عزوجل کا لفظ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے چنانچہ جس طرح محمد عزوجل نہیں کہا جاتا اگرچہ آپ عزیز اور جلیل ہیں ابوبکر یا علی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جا سکتا اگرچہ معناً یہ بات درست ہے، علماء کا انبیاء کے ساتھ تبعاً غیر انبیاء کے ساتھ صلوٰۃ کے لفظ کے جواز پر اتفاق ہے۔ پس اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَتْبَاعِھِمْ۔ کیونکہ اس کے متعلق صحیح حدیث وارد ہے اور ہمیں اس کا تشہد میں حکم دیا گیا ہے اور سلف ہمیشہ سے خارج نماز میں بھی استعمال کرتے آئے ہیں۔

سلام کا اطلاق

سلام کے متعلق ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد الجوینی نے کہا ہے کہ وہ صلوٰۃ کے معنی میں ہی ہے۔ پس اسے غائب میں استعمال نہیں کیا جائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تنہا دوسروں پر استعمال نہیں کیا جائے گا پس علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا اس حکم میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں لیکن حاضر کے لیے اس کے ساتھ خطاب کیا جائے گا، کہا جائے گا، سلام علیک یا سلام علیکم یا السلام علیک یا علیکم اور اس پر اجماع ہے۔ فرمایا، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد تمام علماء اور اخیار کے لیے رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ کا استعمال مستحب ہے بعض علماء کا رضی اللہ عنہ، کو صحابہ کے ساتھ اور رحمۃ اللہ کو ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ مختص کرنے کے ساتھ موافقت نہیں کی جا سکتی۔ فرمایا اور لقمان اور مریم نبی نہیں تھے جب ان کا ذکر کیا جائے تو زیادہ راجح یہ ہے کہ رضی اللہ عنہ یا عنہا کہا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ انبیاء پر صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ یا علیہما وسلم کہا جائے۔ اور اگر علیہ السلام یا علیہما السلام کہا تو ظاہر یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں۔

واٰلہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معنیٰ

علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب الجوہر المنظم میں کہا ہے کہ یہاں آل یعنی ان پر صلوٰۃ میں امام شافعی رحمۃ اللہ اور جمہور کے نزدیک

آل سے مراد وہ ہیں جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مسلمان ہیں۔ اور کہا گیا ہے اس سے آپ کی ازواج اور عرف فاطمہ رضی اللہ عنہا وعنہم کی اولاد مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ علی، عباس جعفر، عقیل اور حمزہ رضی اللہ عنہم کی اولاد مراد ہے اور بعض نے اس قول میں بڑی تفصیل بیان کی ہے اور کہا گیا ہے کہ تمام قریش ہیں اور کہا گیا ہے کہ تمام امت اجابت ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کا اسی طرف رجحان ہے اور ازہری اور بعض شافعیہ نے اسے اختیار کیا ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی ہے لیکن قاضی حسین وغیرہ نے متقی لوگوں کو مخصوص کیا اور اسے اس لیے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ ان پر صلوٰۃ سے مراد مطلق رحمت ہے اور یہ غیر اتقیاء کو بھی عام ہے اور حدیث آل محمد کل تقی کی سند بہت ہی کمزور ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ضعیف سند سے روایت کی گئی ہے تشہد نماز کے علاوہ ان کے ساتھ صحابہ کرام پر صلوٰۃ پہلے قیاس کے مطابق ہے کیونکہ وہ اس آل سے افضل ہے آل نہیں پس ابن عبد السلام رحمۃ اللہ کا یہ قول الاولیٰ الاقتصاد علی الطوارد ضعیف ہے اور عارف باللہ سیدی شیخ عبد الغنی نابلی نے غوث ربانی سیدی عبد القادر جیلانی کی شرح الصلوات المحمدیہ کے آغاز میں اس قول وعلیٰ آل محمد کے ضمن میں کہا ہے یعنی وہ جو اُن کی طرف راجع ہونے یا اتباع کے ساتھ قیامت تک مراد ہیں اور وہ عارف کامل روحانی اور جسمانی طور پر ہیں اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو روحانی و جسمانی طور پر عارف کامل ہوں۔

دوسری فصل

فضائل درود پاک

اس فصل میں وہ احادیث بیان کی جا رہی ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت کے متعلق ہیں۔ یہ امر کے صیغہ سے وارد ہوتی ہیں اور وہ احادیث ہیں جن میں تعداد کا ذکر ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے" اور وہ احادیث جو اس کے مناسب ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بہا عشرا۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اللہ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ "مسلم"

اور فرمایا: مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا مجھ پر درود و سلام بھیجنا تمہارے لیے پاکیزگی کا باعث ہے اور دگنا چوگنا اجر ملتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، تم مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، اللہ تعالیٰ تم پر صلوٰۃ بھیجے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قبر کو عید نہ بنا ؤ، مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، تم جہاں کہیں بھی ہو تمہاری صلوٰۃ مجھے پہنچ جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جس جگہ بھی ہو مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں، اور فرمایا: جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے مجھے اس کا درود پہنچتا ہے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ پر درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جبرائیل علیہ السلام سے ملا، اس نے مجھے کہا میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے انہوں نے کہا یا محمد! آپ پر جو صلوٰۃ بھیجتا ہے اس پر میں درود بھیجوں گا اور جس پر فرشتے درود بھیجیں وہ جنتی ہوتا ہے"۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے لوگوں کی باتیں سننے کی طاقت دی ہے۔ بعد از وصال وہ میری قبر پر کھڑا رہے گا جو بھی سچے دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے گا۔ وہ کہے گا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ ایک کے بدلے دس مرتبہ اس شخص پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور جب تک وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے، فرشتے اس پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں

درود پڑھنے والوں پر فرشتے درود پڑھتے ہیں

حضرت ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ کے چہرہ سے ایسی چیز مشاہدہ کی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، میں نے عرض کی تو فرمایا مجھے کوئی ممانعت تو نہیں، ابھی جبرائیل گئے ہیں۔ میرے رب سے خوشخبری لائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ میں آپ کو اس بات کی خوشخبری سناؤں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی آپ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجیں گے اور فرمایا جو شخص مجھ پر دس بار صلوٰۃ پڑھے گا۔ اللہ اس پر سو بار صلوٰۃ بھیجے گا اور جو شخص مجھ پہ سو بار درود بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر آگ اور نفاق سے نجات لکھ دے گا اور قیامت کے روز اسے شہداء کے ساتھ ٹھہرائے گا جب بھی میرا ذکر کیا جائے مجھ پر بکثرت درود پڑھو یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے اور فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ اور جو شخص مجھ پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر سو بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اور جو شخص مجھ پر سو بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ اس پر ہزار بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اور جو شخص مجھ پر ہزار بار درود بھیجتا ہے اللہ اس کے جسم پر آگ کو حرام کر دیتا ہے اور اسے دنیا کی زندگی اور آخرت میں حساب کے وقت ایمان پر قائم رکھتا ہے اور مجھ پہ صلوٰۃ اس کے لیے قیامت کے روز پانچ سو سال مسافت کے پل پر نور بن کر آتی ہے اور ہر صلوٰۃ کے بدلے جو اس نے مجھ پر پڑھی اللہ اسے جنت میں آتے ہی محل عطا فرمائے گا، یہ کم ہو یا زیادہ، اور ایک روایت میں ہے کہ جو مجھ پر ہزار بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ جنت کے دروازہ پر وہ میرے کندھے کے ساتھ کندھا ملائے ہوگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں سے جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا۔ دس گناہ معاف کرے گا، دس درجات بلند کرے گا۔

درود پڑھنے والے پر انعامات الٰہی کی بارش

اور ایک روایت میں ہے میری امت میں سے جو شخص خلوص دل سے درود بھیجے اللہ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے۔ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے ستر بار اس پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اور امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص مجھ پر ایک دن میں ہزار بار صلوٰۃ بھیجے گا۔ اسے اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا گھر نہ دیکھ لے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص مجھ پر روزانہ سو بار درود شریف بھیجے گا اللہ اس کی سو حاجات پوری کرے گا جن میں سب سے زیادہ آسان اس کا آگ سے نجات پانا ہے۔

حافظ سخاوی نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہٗ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر اللہ کا ذکر بھول جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے سوا کوئی نیکی کا کام نہ کرتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ جل وعلا فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر دس بار درود شریف بھیجے گا وہ میری ناراضگی سے محفوظ رہنے کا حقدار ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی کاہل رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے ابا کاہل رضی اللہ عنہ! جو شخص مجھ پر روزانہ تین بار دن میں اور تین بار رات کو درود شریف محبت اور شوق سے پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے رات اور دن کے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک قیراط اجر لکھ دیتا ہے اور قیراط احد پہاڑ کی طرح ہے اور آپ نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، فرشتے اس وقت تک اس پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ درود بھیجتا ہے۔ پس انسان کو اختیار ہے کہ کم پڑھے یا زیادہ ابو غسان مدنی نے روایت کیا ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دن میں سو بار درود بھیجا وہ ایسا ہے گویا اس نے

دن رات عبادت میں گزارے، اور امام شعرانی نے اپنی کتاب لواقع الانوار میں کہا ہے کہ میں نے سیدی علی الخواص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کے بندے پر صلوٰۃ میں عدد کو دخل نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی صلوٰۃ کے لئے ابتداء اور انتہا نہیں ہے عدد بندے کے مرتبہ کے اعتبار سے داخل ہوا ہے، کیونکہ وہ زمانہ کے ساتھ مقید اور محصور ہے۔ پس حق سبحانہ، وتعالیٰ بندے کی شکل کے لئے نزول کرتا ہے اور خبر دی کہ وہ ہر بار اپنے بندے پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ فافہم۔ ہمارے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بندہ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے یہ نہیں کہتا کہ اے اللہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں کیونکہ بندہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ کو نہیں جانتا تو اللہ کا مرتبہ بطریق اولیٰ معلوم نہیں ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی تعداد ہمارے سوال کے اعتبار سے ہے کہ ان پر صلوٰۃ بھیجے پس ہمارا ہر سوال ایک بار شمار ہوگا

درود پاک پڑھنے والے کا درندے بھی احترام کرتے ہیں

عارف ابن عباد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المفاخر العلیۃ فی الماٰثر الشاذلیہ میں کہا ہے کہ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں اپنے ایک سفر میں تھا ایک رات میں نے اسی جگہ گزاری جہاں درندے بکثرت تھے، درندے میرے درپے آزار تھے میں ایک ونچے ٹیلے پر بیٹھ گیا اور کہا خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھونگا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ جب اللہ مجھ پر صلوٰۃ بھیجے گا تو میں رات اللہ کی حفاظت میں گزاروں گا فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا تو رات میں کسی چیز سے نہ ڈرا۔

درود پاک اذکار کا جامع ہے

عارف باللہ تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری نے اپنی کتاب تاج العروس الحاوی تہذیب النفوس میں کہا ہے۔ جو شخص موت کے قریب ہو اور وہ مافات کی تلافی کرنا چاہے کہ اذکار جامعہ کا ذکر کرے جب وہ ایسا کرے گا تو اس کی تھوڑی عمر لمبی ہو جائے گی۔ جیسے سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ اسی طرح وہ شخص جس کی بہت سی نمازیں اور روزے فوت ہوئے ہوں اسے چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے کیونکہ اگر تو نے تمام زندگی تمام عبادات کے ساتھ گزاری ہو خدا تعالیٰ نے ایک بار تجھ پر صلوٰۃ بھیج دی تو وہ ایک صلوٰۃ تیری تمام عمر کی تمام عبادات سے بڑھ جائے گی کیونکہ تو اپنی وسعت کے مطابق صلوٰۃ بھیجتا ہے اور وہ اپنی ربوبیت کے اعتبار سے بھیجتا ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ ایک صلوٰۃ ہو تو اس کی کیا کیفیت ہوگی جب وہ ایک کے بدلے دس بار صلوٰۃ بھیجے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے وہ کس قدر عمدہ زندگی ہوگی جبکہ تو نے اللہ کے ذکر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے میں صرف کرے۔

درود مطلوب خداوندی ہے

شیخ فرماتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس پر ہمارا رب ایک بار صلوٰۃ بھیجے تو وہ اسے دنیا و آخرت کے غم کو کافی ہوتا ہے، اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ حضرت امام فاکہانی رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اولین و آخرین کے مطلوب کی غایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صلوٰۃ ہے، اور یہ انھیں کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ اگر عاقل سے کہا جائے کہ تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے، تمام مخلوق کی نیکیاں تیرے نامۂ اعمال میں ہوں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر صلوٰۃ تو وہ اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کے علاوہ کسی چیز کو پسند نہیں کرے گا۔ نیز اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور تمام فرشتے ہمیشہ صلوٰۃ بھیجتے رہیں اور وہ وہی ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجے اور یہ بات مومن کبھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

بکثرت درود شریف نہ بھیجے اور غافل رہے۔

تیسری فصل

وہ احادیث جن میں جمعرات اور جمعہ کے دن میں درود شریف پڑھنے کی رغبت دلائی گئی ہے اور اس کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

جمعہ اور جمعرات کو درود پاک پڑھنے کی ترغیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ پر جمعہ کے دن اور اس کی رات بکثرت درود شریف بھیجا کرو۔ پس جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے روز بکثرت صلوٰۃ بھیجو کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا روئے زمین پر جو بھی مسلمان آپ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا میں اور میرے فرشتے اس پر دس بار درود بھیجیں گے۔

فرمایا جمعہ کے روز مجھ پر بکثرت درود بھیجو کیونکہ وہ بہت مشہور ہے ملائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی فرمایا بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

نیز فرمایا مجھ پر جمعہ کے روز بکثرت درود بھیجا کرو کیونکہ میری امت کا درود ہر جمعہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جو شخص سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوتا ہے وہ ان میں سے مرتبہ میں میرے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

نیز فرمایا تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی میں انہوں نے وفات پائی۔ اسی روز صور پھونکا جائے گا اور اسی روز مردے اٹھائے جائیں گے۔ پس اس روز مجھ پر درود بھیجو بے شک تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے ہمارے درود کیسے پیش کئے جائیں گے آپ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

فرمایا جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو جس شخص نے ایسا کیا میں قیامت کے روز اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

فرمایا جس شخص نے مجھ پر جمعہ کے روز سو بار درود شریف پڑھا تو اس کے اسی سال کے گناہ معاف کئے گئے! جس شخص نے جمعہ کے روز مجھ پر ہزار بار درود پڑھا وہ اس وقت تک نہیں مرے گا۔ جب تک وہ اپنا ٹھکانا جنت میں نہ دیکھ لے گا۔

فرمایا جو شخص جمعہ کے روز مجھ پر درود بھیجے گا وہ اس کے لیے قیامت کے روز شفیع ہوگا۔ فرمایا جو شخص مجھ پر جمعہ کے روز اسی بار درود پڑھے گا تو اس کے اسی سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے کہا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر درود کیسے پڑھیں فرمایا کہو اللھم صل علی محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی۔

فرمایا جس شخص نے جمعہ کے روز عصر کی نماز پڑھی پھر اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی بار اس نے کہا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا تو اس کے اسی سال کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اسی سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں ہر ایک خاص نور سے پیدا کئے گئے ہیں وہ صرف جمعہ کے دن اور اس کی رات کو ہی اترتے ہیں ان کے ہاتھوں میں سونے کی قلمیں اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں، وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہی لکھتے ہیں۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت درود

کو ہر حال میں دوست رکھتا ہوں اور میں جمعہ کے دن اور رات زیادہ پسند کرتا ہوں اور ابن حجر نے اپنی ایک کتاب میں بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے روز اور جمعہ کی رات کو سورۃ کہف کے سوا قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہونے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے کیونکہ سورہ کہف کے جمعہ کے دن رات کے اندر پڑھنے کے متعلق صحیح حدیث میں تصریح کی گئی ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے کہا ہے۔ اور نقل میں حجۃ ہیں اور غالباً انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جمعہ کے دن اور رات کو بکثرت درود پڑھنے کی رغبت دلانے والی اکثر روایات سے اخذ کیا ہے۔ علامہ قسطلانی کی مواہب الدنیہ میں اس کے متعلق تصریح ہے اگر تو یہ کہے کہ جمعہ کے دن اور رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف پڑھنے میں کیا حکمت ہے تو ابن قیم نے اس کا جواب دیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوموں کے سردار ہیں اور جمعہ کا دن سید الایام ہے، پس آپ پر اس میں درود شریف پڑھنے کو وہ فضیلت حاصل ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ وہ آپ ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے اس کے ساتھ دنیا اور آخرت کی بھلائی جمع کردی ہے اور سب سے بڑا اعزاز وہ ہے آپ کو جمعہ کے روز حاصل ہوتا ہے۔ جمعہ ہی میں آپ کا آپ پر درود پڑھنے والوں کا جنت میں داخلہ ہوگا اور وہ دن ان کے لیے یوم المزید ہوگا۔ جب جنت میں داخل ہوں گے اور دنیا میں ان کے لیے جمعہ یوم عید ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ انھیں ان کی حاجات اور ضروریات کا نفع دے گا پھر کسی کا سوال رد نہیں کیا جائے گا ان سب چیزوں کو وہ جانتے ہیں اور اس کے سبب سے جو کچھ انھیں حاصل ہے آپ ہی کے ذریعہ سے ہے۔ پس آپ کے شکرانہ، حمد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو ادا کرنے کے لیے یہ بات ہے کم از کم کہ اس دن اور رات میں آپ پر بکثرت درود شریف پڑھیں۔

حضور نے فرمایا جمعہ کے روز جو مجھ پر اسی بار درود پڑھے گا اس کے اسی سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ رب جل جلالہ نے فرمایا جو میرے مصطفیٰ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس پر دس بار درود شریف بھیجے گا۔

چوتھی فصل

درود پاک کی کثرت

وہ احادیث جن میں بکثرت درود شریف پڑھنے کی ترغیب ہے اور اس سے متعلق اقوال بیان کیے جائیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ قبر میں سب سے پہلے میرے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر درود قیامت کے روز پل صراط کی تاریکی کے وقت نور ہوگا پس مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔

نیز فرمایا جسے یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حال میں ملے کہ وہ اس سے راضی ہو تو اسے چاہیے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرے۔

کثرت درود کا نسخہ حاجت روائی ہے

نیز فرمایا جس پر کوئی حاجت سخت ہو جائے۔ سے چاہیے کہ وہ مجھ پر بکثرت درود پڑھے کیونکہ یہ غم واندوہ اور مصائب و کرب کو رد کردیتا ہے اور

رزق میں ترقی اور حاجات کو پورا کرتا ہے۔

فرمایا جس پر کوئی تنگی آجائے اسے چاہیئے کہ وہ مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھے کیونکہ یہ عقدے حل کرتا اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے زیادہ قیامت کے روز اس کے احوال سے نجات یافتہ وہ شخص ہوگا۔ جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں میں اس کے لیے کافی ہوگا۔ مسلمانوں کو اس کا حکم اس لئے دیا تاکہ انھیں ثابت رکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حوض کوثر پر مجھے ایسی اقوام ملیں گی جنہیں میں کثرت صلوٰۃ ہی کے سبب سے پہچانوں گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جنت میں سب سے زیادہ حوریں اس شخص کی ہوں گی۔ جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا۔

درود حضور کی قربت کا سبب ہے

نیز فرمایا میرے سب سے زیادہ قریب قیامت کے روز وہ شخص ہوگا۔ جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا۔ فرمایا قیامت کے روز جس دن اس سایہ کے بغیر کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تین اشخاص اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا، وہ شخص جو میری امت کے کسی شخص کی پریشانی کو دور کرے دوسرا میری سنت کو زندہ کرے تیسرا مجھ پر بکثرت درود پڑھنے والا

اور امام ابی القاسم القشیری کے رسالہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تجھ میں دس ہزار کان پیدا کئے یہاں تک کہ تو نے میرا کلام سنا اور دس ہزار زبانیں پیدا کیں یہاں تک کہ تو مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوگا جب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے گا۔

شیخ نے دلائل پر اپنی شرح میں اس کے شارح قاسی اور جمل سے اور مختصر بخاری کے حاشیہ پر شنوانی سے اور

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں نقل کیا ہے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اگر میری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا تو میں گنہگار کو پلک جھپکنے کی مہلت نہ دیتا میرے کلیم! اگر لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والا کوئی نہ ہوتا تو جہنم کو دنیا پر بہا دیتا، اے موسیٰ علیہ السلام جب تو مساکین سے ملا تو ان سے ایسا ہی سوال کر جیسا کہ اغنیاء کو سوال کرتا ہے، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اپنے ہر عمل کو جو تو نے کیا ہے مٹی کے نیچے دبا دے، اے موسیٰ! تو پسند کرتا ہے کہ قیامت کے روز تو پیاسا نہ ہو۔ عرض کیا الٰہی ہاں فرمایا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود پڑھا کرو۔

درود پاک کی یہودی پر برکات

سخاوی نے کہا ہے اور بعض لغبار میں روایت کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا ایک شخص تھا جب وہ مرگیا تو اسے پھینک دیا گیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے غسل دو اور اس پر نماز پڑھو بے شک میں نے سے بخش دیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ تو نے اسے کیوں بخش دیا ہے۔ جواب آیا کہ وہ ایک روز تورات پڑھ رہا تھا اس میں اس کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر نظر پڑی تو آپ پر اس نے درود پڑھا اس وجہ سے میں نے اسے بخش دیا۔

ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر جاتی تو کھڑے ہوتے پھر فرماتے، یا ایھا الناس اذکروا اللہ جاءت الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ۔

اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ موت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ آرہی ہے ابی بن کعب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر بکثرت درود پڑھتا ہوں، میں رات کا کتنا حصہ آپ پر درود پڑھوں، فرمایا جس قدر تو چاہے اور اگر زیادہ

کرے تو تیرے لیے بہتر ہے عرض کیا دو ثلث، فرمایا جس قدر تو چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے عرض کیا میں تمام رات درود شریف ہی پڑھتا رہوں فرمایا تب یہ تیری تمام ضروریات کو کافی ہوگا۔ اور طبقات امام شعرانی نے ابی المواہب شاذلی رضی اللہ عنہ کے حالات میں درج کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بن کعب کے اس قول کہ نکم اجعل لک من صلاتی کا کیا معنی ہے، فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے بتائے کہ اس کا میرے نامۂ اعمال میں اس کے علاوہ کیا ثواب ہوگا اور شیخ نے حافظ سخاوی عن ابن ابی حجلہ عن ابی خطیب سے نقل کیا ہے کہ ایک نیک آدمی نے اسے بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کی کثرت طاعون کو دور کرتی ہے۔ اور امام شعرانی نے کشف الغمہ میں بیان کیا ہے کہ بعض علماء رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ کم سے کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود ہر رات سات سو بار اور دن سات سو بار ہے اور ایک اور عالم نے کہا ہے کہ کم از کم کثرت روزانہ ساڑھے تین سو بار دن اور ساڑھے تین سو بار ہر رات ہے۔ امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ" میں کہا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا عہد لیا کہ ہم آپ پر دن رات بکثرت درود وسلام پڑھا کریں گے اور اپنے بھائیوں کے سامنے اس کا اجر و ثواب بیان کرتے رہیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہار محبت کے لئے انھیں پوری ترغیب دیں گے، اور یہ کہ ہم اسے ہر دن اور رات صبح اور شام ہزار سے دس ہزار بار تک اپنا وظیفہ بنائیں گے تو یہ بزرگ ترین عمل ہوگا۔ پھر فرمایا درود شریف پڑھنے والے کے لیے طہارت قلب اور حضوری مع اللہ ضروری ہے کیونکہ یہ رکوع و سجود والی نماز کی طرح اللہ کے ساتھ مناجات ہے اگرچہ اس کی صحت کے لئے طہارت شرط نہیں ہے۔ پھر فرمایا، جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے جس نے اس پر عمل کیا اس کے لیے اجر عظیم ہوگا۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل کیا جاتا ہے زیادہ بہتر ہے،

اور عالم وجود میں ایسا کوئی نہیں جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند دنیا و آخرت کے بست و کشاد کے لیے بنایا ہو پس جو شخص آپ کی خدمت صدق و محبت اور خلوص سے کرتا ہے۔ ظالم لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے جھک جاتی ہیں اور تمام اہل ایمان اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ جیسا کہ تو اس شخص کو دیکھتا ہے۔ جو دنیاوی بادشاہوں کا مقرب ہوتا ہے اور وہ شخص جو آقا کی خدمت کرتا ہے دوسرے غلام اس کی خدمت کرتے ہیں۔

شیخ نورالدین شعرانی کا روزانہ وظیفہ دس ہزار تھا اور شیخ احمد روادگی روزانہ چالیس ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے، مجھے ایک بار انھوں نے فرمایا، ہمارا طریق، ہے کہ ہم نہایت کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بیداری میں آپ ہمارے ساتھ بیٹھتے اور ہم آپ کے ساتھ صحابہ کی مانند مجلس کرتے اور آپ سے اپنے دین کے متعلق پوچھتے ہیں، اور ان احادیث کے متعلق جنہیں حفاظ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے وہ ہمارے پاس ہوتی ہیں، اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جب تک ہماری یہ کیفیت نہ ہو ہم بکثرت درود پڑھنے والے نہیں ہوتے، اے میرے بھائی! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ بارگاہ خداوندی میں پہنچنے کا قریب ترین راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے جس شخص نے خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہیں کی اس کے باوجود اس نے بارگاہ خداوندی میں داخل ہونا چاہا اس نے ناممکن کی خواہش کی اور بارگاہ خداوندی کا حجاب اسے داخل نہیں ہونے دیتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب سے جہالت کی وجہ سے ہے۔ اس کا حکم اس دیہاتی کی طرح ہے جو سلطان سے بغیر واسطہ کے ملنا چاہے فافہم اے میرے بھائی! تیرے لئے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت کثرت سے درود پڑھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و اعزاز میں زبانیہ متعرض نہیں

ہوگا، قصور کے باوجود آپ کی حمایت نے وہ نفع پہنچایا ہے جو ایسے اعمال صالحہ کی کثرت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند نہیں تھے وہ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور قسم بخدا! لوگوں کے مجمع میں سے ہر صادق کا مقصد اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت ہی ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف میں بھی اس کی محبت ہی ہوتی ہے۔ ابتدائی عہود میں ہم نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی صحبت کے لیے عظیم صفائی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی کے لائق ہوجائے اور وہ شخص جس کی بری فطرت ہو جس کے دنیا اور آخرت میں ظہور سے شرماتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لائق نہیں ہوتا اگرچہ اس نے جن وانس کی سی عبادت بھی کی ہوئی ہو جیسا کہ منافقین کی صحبت کوئی نفع نہیں دیتی اور اسی طرح سے کفار کا قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اس سے نفع اندوز نہیں ہوتے کیونکہ اس کے احکام پر ان کا ایمان نہیں ہوتا ثعلبی نے کتاب العرائس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوہ قاف کے پیچھے مخلوق ہے۔ جس کی تعداد خدا ہی جانتا ہے ان کی عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف ہی بھیجنا ہے (مختصراً)

درود سے زیارت رسول

علامہ شیخ احمد بن المبارک نے الابریز میں اپنے شیخ غوث الزماں سیدنا عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب میں لکھا ہے کہ سیدنا خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے آغاز کار میں آپ کو ایک وظیفہ دیا کہ روزانہ سات ہزار بار

"اَللّٰهُمَّ يَارَبِّ بِجَاهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

پڑھا کرے آپ نے اس وظیفہ پر ہمیشگی کی مذکورہ کتاب میں متعدد جگہ ذکر کیا ہے کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں ملتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل پوچھتے اور آپ ایسے جوابات دیتے جو آئمہ علماء کے بیان کے مطابق ہوتے باوجودیکہ عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ، بظاہر پڑھے ہوئے نہیں تھے، سیدی عبدالغنی نابلسی نے سیدی شیخ عبدالقادر الگیلانی رضی اللہ عنہا کی شرح صلوات میں "افتحنا بمشاهدة صلى الله عليه وسلم" کے ساتھ کہا ہے یعنی دنیا میں بیداری کے عالم میں آپ کی رؤیت اور دیدار ہے اور حضرت امام جلال الدین سیوطی علامہ علیہ الرحمۃ کا اس موضوع پر ایک رسالہ ہے جس کا انہوں نے "انارۃ الحلك في جواز رؤية النبيّ والملك" نام رکھا ہے،

میں مدینہ منورہ میں ماہ رمضان ۱۳۰۸ھ جبکہ میں وہاں مجاور حق محمود الکروی رحمتہ سے ملا میں ان کے ساتھ حجرہ نبویہ کے دروازہ کے پاس بیٹھتا تھا، وہ مجھے بتاتے تھے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور کبھی حجرہ کی طرف آنے کو انہیں کہا جاتا کہ آنحضرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے ہیں اور ان سے میں اپنے والد کی قبر کے نزدیک میرے اور میرے والد کے شیخ شمس محمد بن ابی الحمائل نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے پھر اپنا سر آپ کے دامن میں رکھا کرتے اور فرماتے قال النبي صلى الله عليه وسلم فيه كذا پس وہ اسی طرح ہوا جیسے آپ نے خبر دی کبھی بھی اس کے خلاف نہیں ہوا" اس کے انکار سے بچو کیونکہ یہ خطرناک زہر ہے، اور نابلسی سید عبدالغنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ نہ تو عجیب بات ہے اور نہ ہی انوکھی کیونکہ موتی کی ارواح نہ تو مطلقاً فنا ہوتی ہیں اور نہ کبھی فنا ہوگی لیکن جب وہ خاکی عنصری اجسام سے مفارقت اختیار کرتی ہیں تو وہ مختلف اشکال میں متشکل ہوتی ہیں جیسا کہ روح الامین جبرائیل علیہ السلام کا اعرابی اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں متشکل ہونا جو کہ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ جب یہ بات عامۃ الناس کی ارواح میں ہے جن کی ارواح طبقات اور حقوق میں محبوس ہیں کہ وہ اس حال میں فوت ہوئے کہ وہ ان کے ذمہ رہ گئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كل نفس بما كسبت رهينة الا اصحاب اليمين

تو پھر تیرا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلام علیہم اجمعین کے متعلق کیا

خیال ہے اور یاد رکھو موت ارواح کے فنا کرنے کا حکم نام نہیں گرچہ ان کے اجسام بوسیدہ ہو جائیں۔

قبر کے سوالات کی کیفیت

اہل سنت وجماعت کے مذہب میں قبر کا سوال حق ہے۔ اسی طرح اس کی نعمتیں اور عذاب حق ہے سوال اور نعمتیں عالم برزخ میں ہی ہوتی ہیں، عالم دنیا میں نہیں ہوتیں اور عالم آخرت کا دروازہ قبر ہے اور قبر میں صرف عالم ہوتے ہیں کیونکہ قبور عالم دنیا سے تعلق رکھتی ہیں، اور ارواح موتی عالم برزخ

میں حیاۃ امر یہ سے زندہ ہوتی ہیں۔ اجسام دنیا میں اپنی ارواح کے ذریعہ ہی زندہ ہوتے ہیں۔ جب وہ ان میں تصرف سے معزول ہو گئیں اجسام کو موت آ گئی لیکن ارواح اسی طرح زندہ ہیں جیسے وہ پہلے زندہ تھیں موت تو صرف ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال ہے۔ پس ارواح مکلفہ جو اپنے گناہوں کی وجہ سے محبوس نہ ہوں وہ عالم برزخ میں خوش ہوتی ہیں وہ اپنے صورتوں اور لباس میں ہوتی ہیں اور دنیا میں اس شخص کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں۔ جس پر اللہ ظاہر کرنا چاہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے انبیاء اولیا اور صالحین کی ارواح ظاہر ہوتی ہیں یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کسی مومن کو شک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ قواعد اسلام اور اصول احکام پر مبنی ہے اور اس میں صرف بدعتی، گمراہ اور ظاہر عقل وفہم کے ضدی لوگ ہی انکار کرتے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور جندی نے شرح نصوص میں ذکر کیا ہے، کہ شیخ اکبر اپنی موت کے بعد اپنے گھر آتے تھے اور اپنے بیٹے کی والدہ سے ملتے اور کہتے، تیرا کیا حال ہے، تو کیسے ہے وہ اسے حال بتاتی اور وہ اس کی سچائی میں شک نہیں کرتے تھے۔

درود وسیلہ شفاعت ہے

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں کہا ہے کہ اس ذات گرامی پر درود بھیجنے سے کونسا وسیلہ زیادہ شفیع ہے۔ جس پر اللہ اور اس کے ملائکہ صلوٰۃ بھیجیں اور اسے دنیا اور آخرت میں قربت عظیمہ سے مختص کیا ہو، پس آپ پر درود بھیجنا سب سے بڑا نور ہے یہ وہ تجارت ہے جس میں نقصان نہیں اور یہ اولیاء اللہ کا صبح وشام دیکھنا ہے پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے پر ثابت قدم رہنا چاہیے اس سے گمراہی دور ہو گی اور اعمال کا تزکیہ ہوگا، اور تو اعلیٰ مقاصد حاصل کرے گا اور تیرا قلبی نور بڑھے گا اور اپنے رب کی رضا حاصل کرے گا۔ خوف اور دہشت کے دن احوال سے مانوس رہے گا، صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً۔

فضائل درود شریف

از قلم
حضرت اقدس علامہ
نقی علیخاں
صاحب
علیہ الرحمۃ والرضوان
(والد ماجد اعلحضرت قدس سرہ)

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٭

"بیشک خدا اور فرشتے اس کے درود بھیجتے ہیں خاص نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو اس پر اور سلام بھیجو" سلام کہہ کر "اِنَّ" واسطے تحقیق اور تقریر معنی جملہ کے آتا ہے لیکن اس جگہ تاکید و تقریر کی حاجت نہیں اس لئے کہ وہ ان کا مخاطب کے مقابلے میں ہوتی ہے اور یہاں خطاب اہل ایمان سے ہے پس دخول ان کا اور جملہ ہونا مسند کا محض واسطے اہتمام شان اس حکم کے ہے اور فعلیت جملہ کی واسطے افادۂ تجدد کے ہے کہ روز بروز رحمت و عنایت پروردگار تقدس و تعالیٰ کی ان کے حال پر طرح طرح سے زیادہ ہوتی ہے اور آپ کے کمالات کو یوماً فیوماً ترقی ہے وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی اور صیغہ ماضی کا باوجود اس کے کہ تحقیق اور وقوع پر دلالت کرتا ہے واسطے استمرار کے ترک ہوا۔ علاوہ بریں صیغہ مضارع اس آیت میں زیادتی ترغیب و تشویق کا فائدہ بخشتا ہے کہ صیغہ ماضی سے حاصل نہیں۔

حدیث میں آیا ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے گناہ اس کے بخشے جائیں پس کس قدر فائدہ حاصل ہوگا اس شخص کو کہ درود اس کے درود ملائکہ یا صلوٰۃ خدا سے موافق ہو جائے اور ذکر فرشتوں کا پھر اضافت ان کی خدا کی طرف بلکہ اس کلام کی تقدیم امر پر ای فائدہ کے لئے ہے کہ اگر بادشاہ اپنی رعایا اور لشکر کو کسی کام کا حکم دیتا ہے اور لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ فقط ایک بار تعمیل اس حکم کی واجب ہے اور پھر ہم مختار ہیں تو اکثر لوگ اس میں دوسری بار کاہلی کرتے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ تمام مقربان بادشاہی اکثر اس کام میں مشغول رہتے ہیں اور اسے بادشاہ کی خوشنودی کا سبب سمجھتے ہیں بلکہ خود بادشاہ بہ نفس نفیس اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شوق و رغبت اور بڑائی اور عظمت اس کی سب کے دل میں زیادہ ہو جاتی ہے اور اسے عزت اور سعادت جانتے ہیں۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں تقدیم اس جملہ کی امر پر درود کی فضیلت پر صاف صریح دلالت کرتی ہے کہ ہر عبادت میں ابتدائً امر ہوا مگر اس امر میں پہلے اپنے اور فرشتوں کے فعل سے خبر دی پھر

مسلمانوں کو حکم کیا۔ اور اللہ ذات جامع جمیع کمالات کا اور بعض کے نزدیک اسم اعظم ہے۔ علماء کہتے ہیں لفظ اللہ اصل میں الالٰہ تھا ہمزہ حذف کرکے اس کے عوض لام تعریف کا لائے اور الٰہ دراصل ولاہ تھا کہ مشتق ہے ولہ بمعنی حیرت سے پس نصیب بندے کا اس نام پاک سے یہ ہے کہ آپ کو بحر حیرت میں غرق کرے۔

اے عزیز! راہ مولیٰ سراسر حیرت بلکہ حیرت در حیرت ہے جس نے اس میں قدم رکھا آپ کو اور تمام عالم کو گم کیا۔ بلکہ اس راہ میں راہ کو دیکھنا بھی گمراہی ہے۔ جو نہیں جانتا وہ سب کچھ کہتا ہے اور جو جانتا ہے کچھ نہیں جانتا اور جو کبھی وقت جانتا ہے تو زبان پر نہیں لاتا۔ مَنْ عَرَفَ اللہَ کَلَّ لِسَانُہٗ۔

اور جس طرح راہِ معرفت اس کی عبارت واشارات سے ورار ہے اسی طرح عجائب و غرائب و نکات و لطائف اس کے نام نامی کے بھی احاطۂ تحریر و تقریر سے زیادہ ہیں باقی رہا لفظ "اللھم" کہ ثنا و دعا خصوصاً درود کے شروع میں اکثر وارد ہوتا ہے۔ اصل اس کی نزدیک خلیل اور سیبویہ اور بصیر میں کہ یا اللہ ہے حرف ندا محذوف ہوا اور عوض اس کی میم مشدد لے آیا۔ شیخ الشیوخ حسن بصری کہتے ہیں۔ اللھم، سب دعاؤں کا مجموعہ ہے اور نضر بن شمیل کہتے ہیں، جس نے اللھم کہا گویا تمام اسماء الٰہی کے ساتھ خدا کو یاد کیا اور بعض اسکے اسم اعظم جانتے ہیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

قولہ عزوجل وَمَلٰٓئِکَتَہٗ ملائکہ کھانے پینے اور سونے سے منزہ ہیں نہ مرد ہیں نہ عورت جس کام پر خدائے تعالیٰ نے انہیں مقرر کر دیا اس پر قائم ہیں اور طرح طرح کی شکلیں بنا سکتے ہیں خدا کی تسبیح اور یاد سے جیتے ہیں شمار ان کا سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ مگر مستدرک میں ابن عمر سے اس قدر وارد ہوا کہ تمام مخلوق دس حصے ہے ایک حصہ باقی خلق نو حصے فرشتے۔ اور طبرانی نے جابر سے اور طبری نے ام المومنین عائشہ سے روایت کی ہے کہ ساتوں آسمان میں ایک ہتھیلی برابر جگہ بھی فرشتے سے خالی نہیں ہے

قولہ عزوجل یُصَلُّوْنَ: لفظ صلوٰۃ لغت میں بمعنی دعاء اور عرف شرع میں بمعنی نماز اور درود کے آتا ہے اور مناسبت دعا اور درود میں ظاہر ہے کہ دعا تحصیل مقصد کے لئے داعی ہے واقع ہوتی ہے اور مصلی بھی صلوٰۃ سے جمیع مقاصد جمیلہ اور مطالب جلیلہ ظاہراً اور باطناً جمع کرنا چاہتا ہے اور کبھی یہ لفظ بمعنی رحمت استغفار، مغفرت اور ثنا کے بھی آیا ہے۔ اور آیت میں ان سب معنی کے تفسیر کیا گیا ہے۔

قولہ عَلَی النَّبِیِّ: لفظ علیٰ دعاء کے صلے میں واسطے ضرر کے آتا ہے اور رحمت اور صلوٰۃ کے ساتھ فائدہ لام کا بخشتا ہے اور لام عہد کا ہے کہ آپ وصف نبوت میں مشہور و معہود ہیں یا واسطے جنس کے ہے اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے اور اس جگہ اس لفظ کے اختیار میں باوجود اس کے کہ مرتبہ خاص یعنی رسالت بھی قطعاً و یقیناً آپ کے لئے ثابت ہے، ایک فائدہ جلیلہ ہے کہ جب ایسی نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ آپ کی نبوت کے مقابل ہے تو کمالات مرتبۂ رسالت کے کہ نبوت سے بہت بلند و بالا ہے کس درجہ اشرف و اعلیٰ ہوں گے۔ ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

قولہ جل شانہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ لفظ اس امت مرحومہ کے خصائص سے ہے اور ان کے کمال فضل و بزرگی اور درود کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کرتا ہے کہ خود خالق حقیقی درود پڑھنے والوں کے ایمان کی گواہی دیتا ہے اور ان کو

ایمان والے کہتا ہے اور یہ بھی سمجھاتا ہے کہ درود پڑھنا ایمان کا مقتضی ہے اس لیے کہ جب کسی سے کوئی بات طلب کرتے ہیں تو اسے مناسب و مقتضی مطلوب کے ساتھ متصف کر کے خطاب کرتے ہیں جیسے معرکہ جنگ و جدل میں سپاہیوں سے کہتے ہیں اے بہادرو! وقت جاں بازی اور جرأت کا ہے۔ اور سخی سے تحریص بغاوت کے وقت کہتے ہیں اے کریم یہ موقع دینے کا ہے۔

قولہ تعالیٰ صَلُّوا عَلَیْہِ اس جگہ کئی بحثیں ہیں۔

بحث اوّل:۔ درود واجب ہے یا مستحب اور برتقدیر وجوب واجب ہے حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کہتے ہیں امر اس آیت میں بالاجماع وجوب پر محمول ہے اور طبری نے استحباب پر اجماع کا دعویٰ کیا قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ مراد طبری کی یہ ہے کہ ایک مرتبے سے زیادہ مستحب ہے۔ ورنہ قول اس کا خلاف ہے۔ کہ اجماع وجوب پر منعقد ہے۔

بحث ثانی:۔ شیخ عزیز الدین ابن عبدالسلام فرماتے ہیں ہماری صلوٰۃ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی شفاعت نہیں بلکہ ہمیں حکم ہے کہ حق ہر شخص کا ادا کریں اور حقوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر اس قدر نہیں کہ تمام عمر میں ایک شمہ ادا کر سکیں پس خدا کی تعلیم سے اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ الٰہی تیرے حبیب کے حقوق اور احسانات کا بدلہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا تو ہی اپنے فضل و کرم سے ان کو جزائے خیر دے اور اپنی رحمت کاملہ اس جناب پر نازل فرما۔

اے سید انام درود جناب تو
ورد زبان ماست مہ و سال صبح و شام
نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم ما ز دور
در دست ما ہمیں صلوٰۃ ست والسلام

تنبیہ:۔ حضرت احدیت کی اس امت پر کمال عنایت ہے کہ پیغمبر کی تعظیم کا طریقہ انھیں سکھا دیا۔ تاکہ وہ اپنی زبان کو ادائے شکر نبوی اور تعظیم محمدی سے قاصر سمجھ کر جناب احدیت کی طرف رجوع کریں۔ اور یہود و نصاریٰ کی طرح عقل کو دخل دے کر ورطہ افراط و ضلالت میں نہ پڑیں اور یہ تقریر ایک قوی شبہ کو بھی دفع کرتی ہے کہ ظاہراً امر دلالت کرتا ہے۔ ہم درود بھیجیں اور صلّین یا نصلّی علیٰ محمد کہیں تقدیر دفع کی یہ ہے کہ ہم درود بھیجنے سے عاجز ہیں اس لئے حوالہ بخدا کرتے ہیں کہ تو اپنے بندوں کی طرف سے ان پر درود نازل فرما۔ پس ہر چند بندہ بنفسہٖ اس حکم کے ساتھ قیام نہیں کرتا لیکن قیام بہ دعا و طلب کہ انتہائے امکان و قدرت ہے قائم مقام بنفسہٖ کا ہے اور اس قدر تعلق امر کے لئے کفایت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مصلّی درحقیقت خدا ہے۔ اور نسبت صلوٰۃ بندے کی طرف مجازاً ہے بمعنی سوال و طلب صلوٰۃ کے خدا سے اور یہی معنی اس سے مطلوب ہیں کہ اس سے زیادہ قدرت نہیں رکھتا اور تکلیف قدر وسعت سے زیادہ نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

بحث ثالث:۔ درود پڑھنا ہر وقت اور ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر قدم اور ہر سانس کے ساتھ یہاں تک کہ راہ اور نہانے کی حالت میں جائز بلکہ مستحب ہے مگر اوقات مخصوصہ ہیں کہ جن کی خصوصیت اس امر شریف کے ساتھ کتابوں سے ثابت ہے۔ اور رعایت آداب کے افضل اور بہتر ہے اور آداب یہ ہیں کہ بدن اور کپڑے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک کر کے اور خوشبو لگا کر یا پاس رکھ کر باوضو رو بہ قبلہ دو زانو بیٹھے اور بہ کمال خشوع و خضوع دل کو جناب احدیت اور حضرت رسالت کی طرف متوجہ کرے اور نام جناب باری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہ کمال تعظیم

زبان پر لائے اور معنی کلمات درود کے سمجھتا جائے جب کلمہ غیبت پہ پہنچے بہ سبب گناہوں اور آلودگی کے آپ کو درگاہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور جانے اور جب کلمہ خطاب پہ آئے خس و خاشاک کی طرح وہاں حاضر سمجھے اور تصور اس صورت پاک کا کہ آخر عمر میں تھی۔ ذہن میں جمائے اور امتثال امر الٰہی اور ادائے حق نبوی کا قصد کرے معاذاللہ اپنا احسان نہ سمجھے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنم
منت شناس ز دکہ بخدمت بداشت

بلکہ اپنے اس درود پڑھنے اور اس کی جناب کی طرف متوجہ ہونے کو حضرت کی عنایت تصور کرے ؎

بلبل زادب پا ننہند در صف گلزار
تا گل بہ طلب گاری او در لب نکشاید

اور اسے اپنی اصلاح اور فلاح کا عمدہ سبب جانے اور پڑھنے کے لئے بوقت معین ایک عدد متعین کرے۔ اور حتی الوسع اسے فوت نہ ہونے دے اگر احیاناً فوت ہو جائے دوسرے وقت پڑھ لے اور بعد ختم کے دعا اپنے مقاصد و مطالب خصوصاً اس وظیفہ کی بہ کمال الحاح و انکسار مانگے کہ امید اجابت ہے۔ اللھم وفقنا کذلک ولما تحب وترضیٰ وجعل آخرتنا وعاقبہ امرنا خیرا من الاولیٰ

بحث رابع:۔ ہر چند یہ کرامت اور پیغمبروں کو بھی استقلالاً اور غیر انبیاء کو طبعاً حاصل ہے لیکن بہ اعتبار کمیت و کیفیت کے اس جناب سے ایک طرح کی خصوصیت رکھتی ہے کہ نہ اس قدر کثرت اس کی اوروں کو حاصل اور نہ ایسی کامل رحمت الٰہی پر نازل اور نہ کسی کے درود پڑھنے پر مصلی کے واسطے اس قدر فوائد مرتبت اور نہ جناب احدیت کو کسی کے درود کا اہتمام منظور۔ ازل سے پروردگار نے تقدس و تعالیٰ نے اس جناب پر بڑے درجے کی

کامل رحمت اپنی نازل فرمائی اور حضرت موسیٰ جیسے پیغمبر اولوالعزم کو حکم کیا اگر تجھے میری نزدیکی مطلوب ہے تو محمد پر درود بہت بھیجا کر اور اسے امام البشر حوا کا مہر مقرر کر کے ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا مہر حوا کا یہی ہے۔ کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دس بار درود بھیجے اور بڑے بڑے مقرب فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں اور ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک اور ستر ہزار شام سے صبح تک اسی کام پر مقرر ہیں کہ آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر درود پڑھتے رہیں اور مسلمانوں کو اپنے اور فرشتوں کے درود بھیجنے سے خبر دے کر ارشاد ہوتا ہے اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو تمام مسلمان بہ امتثال امر الٰہی اپنی مجلسوں اور منبروں اور عبادت گاہوں اور خلوت خانوں بلکہ بعض چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے رات دن درود پڑھتے ہیں
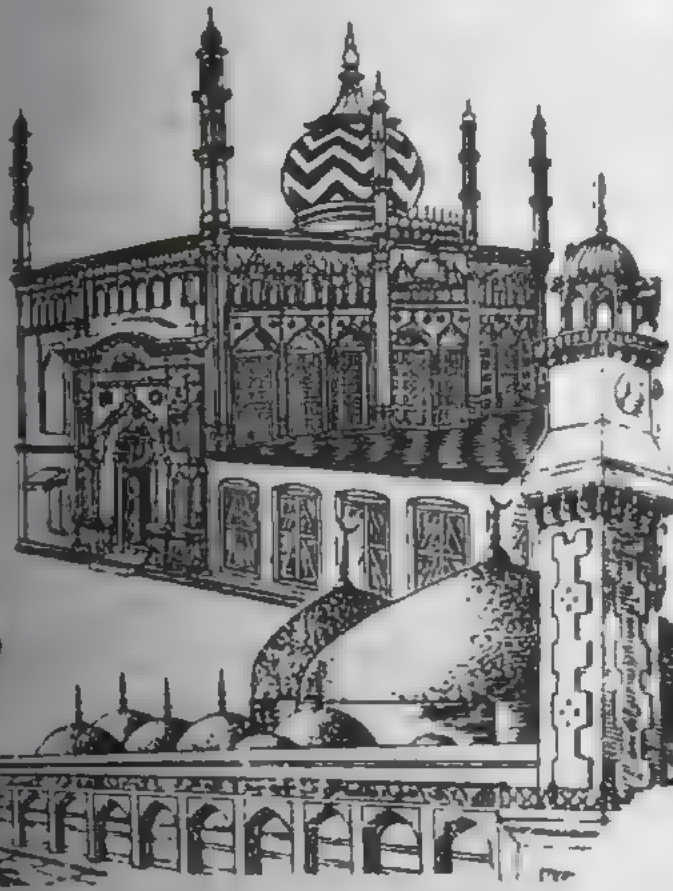
یہاں تک کہ عمدہ طاعات اور افضل عبادات یعنی نماز میں پانچوں وقت پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ امام شافعی کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں واجب ہے اور اللھم صل علی محمد (الی آخرۃ)

کما صلیت علی ابراھیم میں نفس صلوٰۃ تشبیہ مطلوب ہے نہ کیفیت وکمیت اس کی مانند کیفیت وکمیت صلوٰۃ ابراہیم کے کہ با قاعدہ علم بیان دونوں صلوٰۃ میں مساوات یا ترجیح صلوٰۃ ابراہیمی کے صلوٰۃ محمدی پر لازم آئی جیسے کریمہ

(انا ارسلنا الیک کما ارسلنا الی نوح میں تشبیہ نفس رسالت محمدی کے ساتھ نفس رسالت نوح علیہ السلام کی ہے نہ اس کی کیفیت کی کیفیت رسالت نوح علیہ السلام کے ساتھ بلکہ کہہ سکتے ہیں جس طرح سجدہ فرشتوں کا ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ہوا مگر درحقیقت قبلہ ان کا نور محمدی تھا۔ کہ آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ اسی طرح اگرچہ ظاہر میں ابراہیم علیہ السلام مورد اس کرامت کے ہوئے لیکن حقیقت میں نور محمدی ہے کہ ان کی بھی پشت میں موجود تھا۔ اور استقلال حضرت انبیاء کا اس کرامت میں کہ اوروں پر ان کے نام کے ساتھ اور ان پر بے ذکر نام کسی دوسرے کے جائز ہے۔ منافی اس تقریر کا نہیں اس لئے کہ آپ کی ذات مجمع کمالات اس استقلال کا واسطہ ہو سکتی ہے۔ جیسے مرتبہ نبوت کا ان کو استقلالاً حاصل مگر آپ اس مرتبہ میں اصل ہیں۔ کما صرح بہ الامام الاجل حجۃ الاسلام محمد بن الغزالی نور اللہ مرقدہ۔

بہر حال یہ امر بخوبی ثابت ہوا کہ کمال اس کرامت کا اور کثرت اس کی آپ کے لئے مخصوص ہے کوئی نبی ولی اس میں شریک نہیں۔

قولہ عزا سمہ وسلموا تسلیما، سلام بھی وجوب و استحباب میں مانند صلوٰۃ کے ہے۔ جو درود کو واجب کرتا ہے۔ وہ سلام کو بھی واجب کہتا ہے اس لئے کہ ایک آیت میں ایک طرح سے دونوں کے ساتھ امر وارد ہے اگر درود میں جملہ و متقدمہ کے ساتھ تاکید کی ہے سلام بہ لفظ تسلیما موکد ہے ارباب تحقیق فرماتے ہیں سلام تحیت جس کا جواب واجب ہے۔ وہ ہر شخص کے لئے مگر سلام دعا کہ قریب بمعنی صلوٰۃ کے ہے انبیاء علیہم السلام پر حالت حیات ظاہری میں اور بعد اس کے اگرچہ مسلم ان کی قبر شریف کے قریب نہ ہو جائز ہے بہ خلاف اوروں کے کہ ان پر بعد از وصال سوا وقت زیارت قبر کی استقلالاً جائز نہیں۔ کما اشارتہ اللہ الشیخ تقی الدین السبکی کذا فی الدر المنثور لابن الحجر المکی۔

عقیدۂ توحید و رسالت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا
انتظار القادری نوری (شاہجہانپوری)

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ایمان کامل کے دو جزو ہیں۔

(۱) **عقائد:**۔ جن کا تعلق انسانی دل سے ہے۔

(۲) **اعمال:**۔ جن کا صدور جوارح اور اعضاء سے ہوتا ہے مگر ایمان کے ہر دو اجزاء میں جزو اول یعنی عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اعمال جو ایمانِ کامل کے لئے ثانوی درجہ رکھتے ہیں ان کی حیثیت فروعی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب اس بات کو بھی بخوبی سمجھ لیا جائے کہ صحتِ عقائد ہی پر دل کی طہارت کا انحصار ہے۔ اور اسی لئے بغیر عقیدۂ صحیحہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اگر آپ درستیٔ عقیدہ و اعمال صالحہ کو سمجھنے کے لئے الاعمال بالنیات (حدیث کو مشعل راہ بنا کر غور فرمائیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ اس نسخۂ کیمیا میں بھی اعمالِ صالحہ کی بنیاد نیتِ خیر پر رکھ کر واضح طور پر نشاندہی فرمادی گئی ہے کہ عمل کے حسن و قبح کا مدار نیت کے خیر و شر پر ہی منحصر ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ نیت کا تعلق قلب انسانی سے ہے۔ اس لئے اگر قلب وساوسِ شیطانی اور فاسد ارادوں سے پاک ہے تو اخلاصِ نیت کی بنیاد پر وہ اعمال بھی مبارک و مسعود ہوں گے اور اگر خدانخواستہ قلب میں فاسد و ناپاک ارادے کروٹیں لے رہے ہیں تو ان ارادوں کی بنیاد پر اعضاء و جوارح سے سرزد ہونے والے اعمال نامبارک نامسعود قرار دیئے جائیں گے۔

لہٰذا مذکورہ بالا فرمانِ مصطفےٰ کی روشنی میں اس کی اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ کسی عمل کے ظاہری خد و خال کے حسن و جمال پر اس کی صحت کا مدار نہیں بلکہ اس عمل کے پیچھے جو جذبہ، جو ارادہ، جو مقصد اور جو نیت کارفرما ہے وہی اس عمل کے محرکات ہیں۔ اور بالفاظ دیگر اگر وہ ارادے صحت مند عقائد سے

مربوط ہیں تو یقیناً وہ اعمال سراسر خیر ہوں گے ورنہ فسادِ نیت کی بنا پر بظاہر خوب تر دکھائی دینے والے اعمال بھی نامقبول ہو کر مردودِ بارگاہِ خداوندی قرار دئیے جائیں گے۔ تو پتہ چلا کہ اعمالِ صالحہ کی عمارت کے لئے عقائدِ صحیحہ کی بنیاد ضروری ہے۔

اس اجمال کی تفصیل میں نہ جا کر یہاں اس نقطہ کو بخوبی سمجھ لیا جائے کہ مذاہب اربعہ کا اختلاف عقائد میں نہیں بلکہ مذاہب میں ہے اور اختلاف مذاہب کے باوجود ہم عقیدگی کی بنیاد پر چاروں مذاہب ایک ہیں اور سب اہل سنت و جماعت کہلاتے ہیں۔ مگر عقائد میں اختلاف ہی کی بنیاد پر وہ فرقے جو نئے ناموں سے اپنی پہچان بنا کر جنم لیتے رہے ہیں دعوتِ عمل کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے باوجود اپنے باطل اور گمراہ کن عقائد کی بنیاد پر اہل سنت وجماعت سے خارج ہو کر خارج از اسلام قرار دئیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت نے درستئ اعمال کی اہمیت کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ صحتِ عقائد ہے اور اسی لئے اہل سنت کے نزدیک عقائد میں عقیدۂ توحید ورسالت بہت اہم ہیں۔

اسلام کی بنیاد توحید ورسالت کے عقیدہ پر قائم ہے اور ان دونوں امور کی صحت ہی اصل ایمان کی صحت ہے۔ اگر آپ تفکرِ قرآن کی بصیرت کو بروئے کار لا کر عقیدۂ توحید کے مضمرات کا بغور مطالعہ کریں تو بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

چنانچہ اہل سنت وجماعت کا عقیدۂ توحید جس پر قرآن حکیم دلالت کرتا ہے یہ ہے کہ عالم میں جمیع موجودات توحید باری پر دلائل ہیں اور اُن دلائل کے علم سے توحیدِ خداوندی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی امر مسلّم ہے کہ جتنا جتنا یہ علم و ادراک زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل سے کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس کم دلائل کا علم نقصانِ توحید کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِىْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ.

علامہ علی قاری نے اس آیت مبارکہ کے جو معنی بیان فرمائے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے۔

"جیسا کہ آپ کو زمین و آسمان کے عجائبات دکھائے ہیں اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو آسمان و زمین کے علوم دیتے تھے تا کہ وہ اپنے مولیٰ تعالیٰ پر استدلال قائم کریں۔"

مذکورہ بالا آیۃ کریمہ کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ زمین و آسمان میں جمیع موجودات عرفانِ خداوندِ حی و قیوم کے دلائل ہیں اور اُن اشیاء کے علم پر توحید باری تعالیٰ کی تکمیل کا انحصار ہے۔

ملا علی قاری اور دیگر شراح حدیث نے مذکورہ بالا آیۃ کریمہ پر بحث کرتے ہوئے ایک ایمان افروز نکتہ بیان فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور رویۃ کو "مشبہ بہ" اور خلیل علیہ السلام کے علم و اراءۃ کو "مشبہ" سے تعبیر فرمایا اور یہ امر مسلم ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں اقویٰ ہوتا ہے۔"

تمثیل کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ "زید شیر کی طرح بہادر ہے" تو اس جملہ میں "شیر" "مشبہ بہ" اور زید "مشبہ" اور بہادر "وجہ شبہ" ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جس چیز سے مشابہت قائم کی جائے گی وہ چیز مشبہ سے قوی تر ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیۃ کریمہ کا معنی ہوگا کہ حضور علیہ السلام کا علم و رویۃ حضرت ابراہیم

خلیل اللہ علیہ السلام کے علم ورویۃ سے اقویٰ ہے۔ اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے شراح حدیث نے اس کا جواب یہ دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں خلیل علیہ السلام کو پہلے ارأۃ ہوئی اور بعد میں ایقان۔ اور جس حدیث مبارکہ میں حبیب علیہ السلام کا ذکر ہے اس میں رویۃ باری عزاسمہ مقدم اور علم جمیع ما فی السموات والارض مؤخر ہے۔ تو حاصل کلام یہ کہ حبیب علیہ السلام نے مؤثر اور خالق سے اثر قبول فرماکر مخلوق کی طرف استقال فرمایا اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معاملہ برعکس ہے۔"

قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدۂ توحید پر اجمالی بحث کی گئی۔ اور مذکورہ بالا بحث سے یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ اگر کسی بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرلیا جائے کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے تو ایسا فاسد و باطل عقیدہ اس امر کو مستلزم ہوگا کہ اس نبی کا عقیدۂ توحید ناقص ہے (نعوذ باللہ) چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ کفری عقیدہ ہو کہ عالم ماکان ومایکون صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا علم نہیں ــــ اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توحید ہی مکمل نہیں تو پھر دنیا میں کسی کی بھی توحید مکمل نہیں ہوسکتی ــــ لیکن اہل بدعت وضلالت نے اپنے عقیدۂ توحید کی بنیاد ہی یہ قرار دی ہے کہ ہمارا نبی وہ ہے جس کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں۔ اور پھر مستزاد یہ کہ نبی کی توحید کامل کے لئے نبی کے علم کے بارے میں گمراہ کن عقیدہ اختراع کیا گیا کہ شیطان لعین کی وسعت علمی تو نص قطعی سے ثابت ہے لیکن افضل الانبیاء کے وسعت علم پر کوئی دلیل نہیں، جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ابلیس مردود کی توحید انبیاء علیہم السلام کی توحید سے اکمل ہے (نعوذ باللہ من ہٰذہ الخرافات) ایں چہ بوالعجبی است۔

یہاں تک تو اسلام کی اساس اول یعنی عقیدۂ توحید پر گفتگو کی گئی جس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عقیدۂ توحید میں اہل بدعت وضلالت نے کتنی ٹھوکریں کھائی ہیں اور اس بنیادِ اسلام کو غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اب ایمان مکمل کے جزو ثانی عقیدۂ رسالت پر اجمالی بحث کی جائے گی تاکہ اس سلسلہ میں بھی اہل ضلالت نے جو غلط اور گمراہ کن نظریات پیش کئے ہیں ان سے بھی اچھی طرح واقفیت ہوسکے مگر آگے بڑھنے سے پیشتر عقیدۂ توحید ہی کے سلسلہ میں کچھ ضروری گزارشات کا پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ اہل ضلالت نے عقیدۂ رسالت سمجھنے میں جو ٹھوکریں کھائی ہیں وہ تو اپنی جگہ مسلم ہیں مگر توحید پرستی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود شانِ باری عزاسمہٗ میں جو گستاخیاں کی ہیں وہ ان کے فاسد عقائد کے تابوت میں آخری کیل کے سوا کچھ اور نہیں۔

اسلام کا بچہ بچہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شرائطِ اسلام پانچ ہیں۔

کلمۂ طیبہ۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج۔

جن میں کلمۂ طیبہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کلمۂ طیبہ کا زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق اس کلمہ کی شرط میں شامل ہے۔ اور باقی ماندہ چاروں شرائط ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور ان چاروں کا تعلق عبادات سے ہے جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا کہ عقیدۂ وعمل دونوں کو ملا کر مکمل اسلام کہلائے گا جس میں عقیدہ اصل اور عمل فرع اور عقیدہ کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا تعلق اعضاء وجوارح سے ہے۔ تفصیل میں نہ جاکر میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ان شرائطِ اسلام میں اولین شرط کلمۂ طیبہ کو سمجھ لیا جائے کیونکہ اس کلمۂ مبارکہ میں توحید

اور رسالت دونوں کی وضاحت موجود ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے دو جزو ہیں جن میں جزو اول اقرار توحید اور جزو ثانی میں رسالت کا اقرار ہے۔ لیکن اگر آپ اس کلمہ کے اول جزو لا الٰہ الا اللہ کے حقیقی تقاضے اور مطالبات پر غور فرمائیں تو آپ اس میں ایک عجیب و غریب نکتہ پائیں گے اور وہ نکتہ عقیدۂ رسالت کی ترجمانی کرتا ہوا پائیں گے۔

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے لفظی معنی تو بس اسقدر ہیں کہ "نہیں ہے کوئی الٰہ مگر اللہ" اور اگر اس مجمل کی وضاحت کر دی جائے تو خداوند کریم کی ذات و صفات کے اقرار کے ساتھ اس کو معبود تسلیم کرنا اور پھر اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا ہے لیکن ـــ اس اقرار توحید میں جو روح کارفرما ہے وہ یہ کہ بندہ رضائے الٰہی میں اپنی مرضی کو ختم کر دے اور یہی وہ لطیف نکتہ ہے جو عقیدۂ توحید کی جان ہے اور پھر یہی وہ نازک مقام بھی ہے جہاں عقل کے پرستاروں نے بے شمار ٹھوکریں کھائی ہیں۔ کیونکہ۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اہلسنت وجماعت کے علاوہ مختلف عقائد رکھنے والے مدعین اسلام فرقے جنہوں نے اپنے عقیدۂ توحید کا محدود دائرہ خدا کو معبود گردان کر فقط اس کے سامنے سجدہ ریزی کو اپنے عقیدۂ توحید کا کمال سمجھا۔ مگر اسلام کا ایک سیدائی معبود حقیقی کے سامنے سجدہ ریزی کی روح پر در لذتوں میں ڈوب کر اپنے عقیدۂ توحید کی بنیاد رضائے الٰہی پر قائم کرتا ہے۔ اور اس کے عقیدۂ توحید کا کمال تو یہ ہوتا ہے کہ معبود حقیقی جس کے سامنے جھکنے کا حکم دے وہ اس کے سامنے بے چون و چرا جھک جاتا ہے۔ اور یہی جذبہ لا الٰہ الا اللہ کا مقتضی بھی ہے۔ ایک سچا مومن کبھی یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ میں اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ میں اس کی برتری کیوں تسلیم کروں؟ وہ تو مجھ ہی جیسا ایک بشر ہے یا پھر اکڑ کر کہدے خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔ میں تو اس سے افضل ہوں بس یہی وہ مقام آزمائش ہے جہاں توحید کے پرستاروں کا امتحان لیا جاتا ہے اور جہاں لاکھ سجدہ ریزی کے باوجود عزازیل ابلیس لعین بنا دیا جاتا ہے۔ تو پتہ چلا کہ عقیدۂ توحید کا کمال یہ ہے کہ بندہ عقل و خرد سے بے نیاز ہو کر وارفتگئ عشق و محبت میں منزل رضا پر ثابت قدم رہے اور اس امتحان و آزمائش میں صحت و سلامتی کے ساتھ اس وادئ آزمائش سے گزر جائے۔ جہاں عزو تکبر کی بنیاد پر ہزاروں سال کی عبادتیں مردود کر دی جاتی ہیں۔

آپ غور فرمائیں کہ اگر عقیدۂ توحید صرف اس امر کا مقتضی ہوتا کہ خدا کو سجدہ کر لیا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا مطالبہ پورا ہو گیا۔ تب تو ابلیس لعین کو سب سے بڑا توحید پرست ماننا پڑے گا کیونکہ ابلیس نے سب سے زیادہ سجدہ ریزی کی تھی ـــ اور خدا کو سجدہ کرنے سے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ مگر ظالم اہل ضلالت کی مانند عقیدہ توحید میں پوشیدہ راز محبت کو نہ سمجھ سکا۔ کہ محبوب حقیقی جب اپنے محبوب کے سامنے جھکنے کا حکم دے تو بے چون و چرا خوشی خوشی جھک جایا جائے مگر ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔ انکار کیا اور اکڑ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ بس یہی وہ مقام ہے جہاں اہل بدعت و ضلالت عقیدۂ توحید میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا اقرار توحید بھی ناقص ہے اسی لئے مولانا فرماتے ہیں۔

آں کہ می بیند عزیزاں را بشر
داں کہ میراثِ ابلیس است آں نظر

مذکورہ بالا تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کے آگے جھکنا کچھ اتنا مشکل نہیں، ہاں مشکل تو یہ ہے کہ وہ جس کے آگے جھکائے اس کے آگے جھکا جائے۔ ابلیس یہ رازِ توحید نہ سمجھ سکا اور اسی آزمائش محبت میں مارا گیا۔ تو ثابت ہوا کہ رازِ توحید سراسر عشق و محبت ہے اور توحید خالص یہی ہے کہ اُس کے آگے اس طرح جھکا جائے کہ جہاں وہ جھکائے جھکتے چلے جائیے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور اسی عقیدۂ توحید میں پوشیدہ رازِ محبت کی آزمائش ازل میں رب کائنات نے انی جاعل فی الارض خلیفہ کے اعلان کے ساتھ فرمائی۔

سطور بالا میں عقیدۂ توحید پر اجمالی گفتگو کے بعد ضروری ہے کہ کلمۂ طیبہ کے جزءِ ثانی "محمد رسول اللہ" کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت مبارکہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا جو اعلان کر دیا ہے مقام رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وہی نشان دہی فرماتا ہے۔

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر خالق کائنات کو کیا ضرورت تھی کہ اُس نے اپنے خلیفہ کا اعلان فرمادیا۔؟ امر مسلمہ ہے کہ خلیفہ تو اس وقت مقرر کیا جاتا ہے کہ جب سلطنت کے انتظام و انصرام میں عجز پایا جائے۔ لیکن مولیٰ عز اسمہٗ ہر عجز و نقص سے پاک ہے اور اس کی قدرت کاملہ ہر شئے کو محیط۔ تو پھر خلیفہ کا تقرر چہ معنی دارد؟ اس اشکال کو حضرت علامہ بیضاوی نے اپنے حکیمانہ انداز میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایمان افروز پیمانوں میں ڈھال کر حل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے علاوہ جو بھی مخلوق ہے اس میں ظلمت اور کدورت ہے لہٰذا اس میں اتنی استعداد نہیں کہ وہ بلا واسطہ اللہ رب العزت سے اکتساب فیض کر سکے۔ اس بناء پر خلیفہ کی تخلیق ہوئی۔ علمائے کرام اہل سنت وجماعت اس کی مزید شراحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی۔؟ سوال قائم کرنے کے بعد خود جواب ارشاد فرماتے ہیں ـــــ "انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے اس میں ظلمت اور کدورت ہے اور اللہ تعالیٰ ظلمت و کدورت سے پاک و منزہ ہے۔ بلکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نقص و عیب محال ہے۔ اور یہ بھی کلیہ ہے کہ مستفیض اور مفیض میں مناسبت شرط ہے اور پھر یہ شرط عادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ پیدا فرمایا جو خود جہتیں ہیں۔ اور جو تجرد کی وجہ سے اللہ تعالےٰ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس ہی مناسبت کی بنیاد پر اللہ جل مجدہ سے استفادہ کرتا ہے اور تعلق بدنی کے لحاظ سے مخلوق کے مناسب ہے اور اس نسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ کرتی ہے۔"

وجہ خلافت کو سمجھ لینے کے بعد اس نکتۂ لطیف کو بطور تمثیل ذہن نشین کرنے کے لئے سطور ذیل میں وہ مبارک تقریر بھی سنئے جس کو علامہ بیضاوی نے انسانی بدن سے تمثیل دیکر کس خوبصورت انداز میں پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"مثلاً ہڈیاں گوشت سے خوراک حاصل کرتی ہیں اور گوشت اور ہڈیوں کے مابین مناسبت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا فرمایا۔ جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی سے

اور نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسبت رکھتی ہے اور ہڈیاں اسی نرم ہڈی کے واسطے سے اپنی خوراک گوشت سے حاصل کرتی ہیں۔ بس اسی طرح اللہ رب العزت اور مخلوق کے درمیان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واسطہ بنائے گئے ہیں اور جن کی شان ذوجہتین ہے۔ کیونکہ ان میں تجرد و نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت بھی۔" لہٰذا اس تقریر سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہونچی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی محض بشر۔ اہل بدعت وضلالت نے اس مقام پر ٹھوکر کھائی وہ نبی کی ظاہری شکل کو حقیقت سمجھ کر انا من نور اللہ کا انکار کر بیٹھے اور نبی کو اپنے طرح کا محض معمولی انسان قیاس کر کے توہین رسالت کے سنگین جرم کے مرتکب ہو گئے۔ بس جس طرح ان اہل ضلالت کو عقیدۂ توحید میں پوشیدہ رازِ محبت سے بے خبری کی بنیاد پر کلمہ طیبہ کے جزءِ اول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا حقیقی عرفان نصیب نہ ہو سکا بالکل اسی طرح اس کلمۂ ایمان کے جزءِ ثانی محمد رسول اللہ میں پوشیدہ کمال محبوبیت و جمال نورانیت کے عرفان و آگہی سے بھی محروم و نامراد رہ کر آپ کے مناصب جلیلہ اور مدارج علیہ کا انکار کر بیٹھے۔

جناب محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان محبوبیت کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت قاضی عیاض مالکی قدس سرہٗ کتاب الشفاء شریف میں تحریر فرماتے ہیں۔

" امام ابو الحسن نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔" فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس فضیلتِ عظمیٰ کے ساتھ نوازا گیا ہے اس سے کسی دوسرے کو مشرف نہیں فرمایا گیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیۃ مبارکہ میں مذکور ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۔ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔

" اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی فاسق ہیں۔"

بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے یہ عہد لے کہ اگر وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہوگا۔ اور بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کر کے اس بات کا عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفیٰ سے آگاہ کرتے اور حبیب پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے"۔ پھر اسی آیۃ کریمہ کی

وضاحت کے ذیل میں چند سطور ارشاد فرماتے ہیں۔" امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیۃ سے ہمارے آقا و مولیٰ کی دیگر انبیاء کرام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو آخری نبی ہونے کے باوجود آپ کا ذکر سب سے پہلے فرمایا ہے۔ یہ عہد (میثاق انبیاء) اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء کرام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی مانند نکال کر لیا تھا۔

امام اہل سنت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اسی میثاق انبیاء پر بحث کرتے ہوئے یہ ایمان افروز تقریر فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:" پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھہرایا ہے۔ اور طرح طرح سے موکد فرمایا ہے۔

اولاً:۔ انبیاء علیہم السلام معصومین ہیں، زنہار حکم الٰہی کے خلاف اُن سے محتمل نہیں۔ کافی تھا کہ رب تبارک و تعالیٰ بطریق امر انہیں ارشاد فرماتا، اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مگر اس قدر پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اُن سے عہد و پیمان لیا یہ عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد دوسرا پیمان تھا۔ جیسے کلمہ طیبہ میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ محمد رسول اللہ۔ تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوائے اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے پھر اس کے بعد رسالت محمدیہ پر ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وشرف و مجل وعظم۔

امام عشق و محبت علیہ الرحمۃ والرضوان اس میثاق انبیاء سے متعلق اپنے حکیمانہ انداز میں مزید بصیرت افروز نکات بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔!

ثانیاً:۔ اس عہد کو لام قسم سے مؤکد فرمایا۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں"۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ" شاید سوگند بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے"۔

ثالثاً:۔ نون تاکید۔

رابعاً:۔ وہ بھی ثقلیہ لاکر ثقل تاکید کو اور دوبالا فرمایا۔

خامساً:۔ یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء ابھی جواب بھی نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھا جاتا ہے "ءَاَقْرَرْتُمْ" کیا تم اس امر پر اقرار لاتے ہو؟ یعنی کمال تعجیل و تسجیل مقصود ہے۔

سادساً:۔ اس قدر پر بھی بس نہ فرمایا بلکہ ارشاد ہوا" وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ" خالی اقرار نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لے لو۔

سابعاً:۔ عَلَیْہِ یا عَلٰی ھٰذَا کی جگہ عَلٰی ذٰلِکُمْ فرمایا کہ بُعدِ اشارت دلیل عظمت ہو۔

ثامناً:۔ اور ترقی ہوئی کہ فَاشْھَدُوْا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ حالانکہ معاذ اللہ اقرار کرکے مکر جانا اُن پاک و مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔

تاسعاً:۔ کمال یہ ہے کہ فقط اُن کی گواہیوں پر اکتفا نہیں ہوئی بلکہ ارشاد فرمایا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ۔ میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

عاشراً:۔ سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم و جلیل تاکیدوں کے بعد باآنکہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی یہ سخت شدید تہدید بھی فرمادی گئی کہ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰالِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اب جو اس اقرار سے پھرے گا، فاسق ٹھہرے گا۔ اللہ اللہ یہ وہی اعتنائے تام و اہتمام تمام ہے جو باری

تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد فرماتا ہے۔

"جو اُن سے کہے گا میں اللہ کے سوا معبود ہوں" اُسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو۔ گویا ارشاد فرماتا ہے جس طرح ہمیں ایمان کے جزء اول لا الٰہ الا اللہ کا اہتمام ہے یونہی جزء دوم محمد رسول اللہ سے اعتنائے تام ہے۔ میں تمام جہان کا خدا کہ ملائکہ بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتدا کہ انبیاء و مرسلین بھی اُس کی بیعت و خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔ اس سے بڑھ کر حضور کی سیادت عامہ و فضیلت تامہ پر کونسی دلیل درکار ہے۔ وللہ الحجۃ البالغہ۔

(تجلی الیقین، مطبوعہ مُراد آباد، ص ۸ تا ۱۰)

مضمون کے اختتام پر ایمان و ایقان کے ضمن میں سیر حاصل گفتگو ----- اس حدیث مبارک کی بھی وضاحت کر دی جائے جس کا مفہوم نہ سمجھنے پر اہل ضلالت نے اپنی حرماں نصیبی کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔ اس حدیث مبارک کے متعلق جب امام اہل سنت سے معلوم کیا گیا تو آپ نے فلسفۂ لا الٰہ الا اللہ پر مندرجہ ذیل بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

سوال:۔ "حضور سرورِ کونین رحمت دارین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ اس حدیث مبارک سے غلط معنی اخذ کرتے ہوئے فرقۂ نیچری کے سرخیل ڈپٹی نذیر احمد نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ نجات کے لئے صرف لا الٰہ الا اللہ ہے ــــ محمد رسول اللہ کی کچھ حاجت نہیں" اس کے جواب میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی اس حدیث مبارکہ سے اقرار رسالت پر استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ارشاد:۔ "حدیث حق ہے اور زعم خبیث کفر۔ لا الٰہ الا اللہ کلمۂ طیبہ کا عَلَم ہے جس سے پورا کلمہ مُراد ہے۔ اگر کہئے الحمد سات بار کہو یا قل ھو اللہ گیارہ بار کہو۔ کیا اس سے صرف لفظ الحمد یا صرف قل ہو اللہ مراد ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ پوری سورتیں کہ اختصاراً جن کے نام یہ ہیں۔ کلمۂ طیبہ کا اختصار لا الٰہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نفی محض بلا استثناء تو معاذ اللہ کلمۂ کفر ہے لاجرم نصف کلمہ اس کا اختصار ہوا۔ یہ ایک ظاہر جواب ہے۔ اور میرے نزدیک تو حقیقت امر یہ ہے کہ بے شک صرف لا الٰہ الا اللہ سے فقط الفاظ مُراد نہیں بلکہ اس کے معنی کی تصدیق سچّے دل سے ایمان لانا کہ جس ذات جامع جمیع کمالات منزہ از جمیع عیوب و نقائص کا عَلَمِ پاک واقع میں اللہ ہے جس نے سچی کتابیں اُتاریں۔ سچے رسول بھیجے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل و خاتم النبیین کیا جس نے اللہ کو اس طرح پہچانا اُسی نے اللہ کو جانا، اسی نے لا الٰہ الا اللہ مانا اور جسے ضروریات دین سے کسی بات میں شک یا شبہ ہے اس نے ہرگز اللہ کو نہ جانا اور نہ لا الٰہ الا اللہ مانا۔ مثلاً جو شخص لا الٰہ الا اللہ پر ایمان کا دعویٰ رکھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ ایسے کی توحید کی گواہی دیتا ہے۔ ایسے کو اللہ سمجھا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ بھیجا اور وہ ہرگز اللہ نہیں۔ اس نے اپنے خیال میں ایک باطل تصور جما کر اس کا نام اللہ رکھا ہے۔ یہ اللہ پر مومن نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ مشرک ہے۔ اللہ یقیناً وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا

اختیاراتِ انبیاء و اولیاء

غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ (ملتان)

خدا کی وحدانیت

اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔ اس کا موجود ہونا اور ایک ہونا ایسا ہے کہ جاہلیت زدہ لوگوں کو اس کی تفصیل کی ضرورت ہو تو ہو ورنہ اس دور میں سلیم الفطرت انسان کے لئے محض اس مسئلہ کی طرف توجہ دلانا ہی کافی ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے "الاشیاء تعرف باضدادہا" ہر چیز اپنی ضد کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ مثلاً راحت کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو کبھی پریشان ہوا ہو۔ جس نے کبھی رنج و غم نہ پایا ہو وہ راحت کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا دن کا اندازہ رات کے بغیر نہیں لگایا جا سکتا اسی طرح ظلمت کے بغیر نور کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ باطل کا تصور اگر کسی کے سامنے نہ ہو تو وہ حق کی لذتوں سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو یہ نہ سمجھے کہ شرک کسے کہتے ہیں وہ توحید کو نہیں جان سکتا۔ جس طرح حق کی پہچان باطل کے تصور سے ہوتی ہے اسی طرح یقیناً توحید کا صحیح ادراک بھی تب ہو گا جب ہم سمجھیں کہ شرک کسے کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے توحید اور شرک کے حالات کو واضح طور پر بیان کیا اور لادینی کے تمام تصورات کو مٹا دیا۔ لیکن تعجب ہے کہ قرآن کریم کی تصریحات کے باوجود بھی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ لیکن یہ چیز الجھی ہوئی ان ہی لوگوں کے لئے ہے جن کے ذہن الجھے ہوئے ہیں۔

توحید کا معنیٰ

توحید کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا یعنی جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو اللہ نہ مانیں۔ اگر کوئی اللہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرتا ہے تو وہ ذات میں شرک کرتا ہے۔

علم، سمیع، بصیر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات اگر ان صفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائیں تو ہم مشرک ہوں گے۔

توحید اور شرک میں فرق

ہمیں توحید کا معنیٰ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ

کی ذات پاک کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ "علم" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر ہم کسی دوسرے کے لئے علم ثابت کر دیں تو کیا یہ شرک ہوگا؟ سمیع و بصیر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اگر ہم کسی دوسرے کے لئے سننے اور دیکھنے کی صفات ثابت کر دیں تو کیا یہ بھی شرک ہوگا؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے صفت حیات ثابت ہے۔ اگر ہم کسی دوسرے کو حیات کی صفت کا حامل کہیں تو کیا ہم مشرک ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ کی حیات اور انسانی حیات

اللہ تعالیٰ کی حیات پر تو سب کا ایمان ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صفت حیات دی ہے وہ سب اس صفت کے حامل ہیں پس ہم نے اپنے لئے بھی حیات کی صفت کو جانا اور اللہ تعالیٰ کے لئے بھی صفت حیات کو مانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حیات ہم اللہ تعالیٰ کے لئے مانتے ہیں وہ حیات نہ ہم اپنے لئے مانتے ہیں نہ کسی اور کے لئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی حیات دینے والا نہیں۔ ہماری حیات عارضی ہے اس کی دی ہوئی ہے، محدود اور فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیات عارضی نہیں، عطائی نہیں اور محدود بھی نہیں۔ پس جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حیات عارضی، عطائی اور محدود نہیں اور ہماری زندگی عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیات باقی ہے اور ہماری فانی، تو شرک ختم ہو گیا۔ یہی تصورات تمام مسائل میں پیش کرتے چلے جائیے بات واضح ہو جاتی ہے۔

قدرت خداوندی اور اختیار انسانی

سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کوئی قوت پیدا نہیں کی؟ اگر نہیں کی تو پھر پتھر اور انسان میں کیا فرق ہوگا؟

اللہ تعالیٰ قادر و مختار ہے اور انسان کی وہ قدرت اور اختیار جو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر پیدا کی، اس کی وجہ سے انسان بھی مختار ہوا کہ نہیں تو پھر اللہ بھی مختار اور بندہ بھی مختار۔ یہ کیا ہوا، سنئے اللہ تعالیٰ مختار ہونے میں محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار کسی سے عطا نہیں ہوا بلکہ ذاتی ہے اور بندہ مختار ہونے میں محتاج ہے۔

علم ایزدی اور علم انسانی

علم انسانیت کا زیور ہے۔ لیکن علم تو خدا کی صفت ہے تو کیا یہ شرک ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو علم اللہ تعالیٰ کا ہے وہ بندے کا نہیں اللہ تعالیٰ کا علم اپنا ہے، ہمارا علم اسی کا عطا کردہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر یعنی سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ تو اللہ تعالیٰ کی یہ تمام صفات بے نیاز و غنی ہو کر ہیں اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیاز مند ہو کر ہیں۔ کیوں کہ انہیں یہ صفات رب نے دیں اور وہ خود اور اس کی صفات رب کے قبضہ اور قدرت میں ہیں۔ الوہیت اور عبدیت کے درمیان یہی فرق ہے۔

اب شرک کا مطلب واضح ہو گیا کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی اپنی ہیں یعنی کسی کی عطا کردہ نہیں وہی کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ اور ان صفات سے شرک لازم نہیں آتا۔ جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بخشی ہیں۔ اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صفات نہ بخشی ہوں تو پھر نہ کوئی

سُننے والا ہو نہ دیکھنے والا ہو، نہ زندہ ہو، نہ کوئی علم والا ہو۔ پس ہم یہی کہیں گے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی و ابدی ہیں، بندے کی عارضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات بغیر کسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور انسان کے کمالات اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے ہیں۔

اگر ہم کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اختیار مانیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمع اور بصر مانیں تو شرک نہیں۔ کیوں کہ جب عطا کا تصور آیا تو شرک کی نفی ہو گئی۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہو گیا۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کا تصور آ گیا تو شرک ختم ہو گیا حالانکہ یہ بات نہیں کیونکہ مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ تم جو بُتوں کی پوجا کرتے ہو تو اُن کو کس نے پیدا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" وہ کہیں گے اللہ نے پیدا کیا"

معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے تصور کو مان لینے سے مقصد پورا نہ ہوا اور محض مخلوق کا تصور کرنا شرک سے بچنے کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا اور یہ ماننا کہ خدا کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے یہ بھی ضروری ہے۔

مشرکین کا اعتقاد

یہ درست ہے کہ مشرکوں نے اپنے باطل معبودوں کو مخلوق مانا لیکن جب مان لیا تو ان کو تسلیم کرنا چاہیئے تھا کہ مخلوق خالق کی محتاج ہے اور خالق کے وجود کے بغیر مخلوق کا وجود نہیں ہو سکتا اور مخلوق جس طرح پیدائش میں خالق کی محتاج ہے اسی طرح موت کے لئے بھی اسی کی محتاج ہے یہ اعتقاد ضروری تھا لیکن ان مشرکین نے کہا! یہ ٹھیک ہے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا لیکن پیدا کرنے کے بعد اُن کو الوہیت دے دی۔ لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اب ان کو اپنے حکم میں نہیں رکھا اور استقلال کی صفت ان کو دے دی کہ میرا حکم نہ بھی ہو تو تم کام کر سکتے ہو یہ تھا ان جاہلوں کا اعتقاد۔ حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ جو چیز مخلوق ہے وہ مستقل نہیں ہو سکتی۔

الوہیت عطائی نہیں ہو سکتی

اللہ تعالیٰ سب کچھ دے سکتا ہے مگر الوہیت نہیں دے سکتا کیونکہ الوہیت مستقل ہے اور عطائی چیز مستقل نہیں ہو سکتی۔ الوہیت استقلال ہی کے معنی میں ہے لیکن مشرکین کا تصور یہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ لات و منات وغیرہ ایسے زاہد و عابد لوگ تھے کہ اللہ نے کہا تمہاری عبادت کمال کو پہنچ گئی۔ اب میں تم پر یہ عنایت کرتا ہوں کہ تم آزاد ہو۔ میں تم پر نہ کچھ فرض کرتا ہوں اور نہ کوئی پابندی لگاتا ہوں پس اس طرح انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمام معبودوں کو الوہیت دے دی۔

مشرکین اور مؤمنین کے مابین بنیادی فرق یہی ہے کہ وہ غیر اللہ کے لئے عطائے الوہیت کے قائل تھے اور مومنین کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی الوہیت اور غنائے ذاتی کے قائل نہیں۔

ہر کام باذن اللہ عین توحید ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" (پ۳)

ترجمہ: کون ہے جو شفاعت کرے بغیر اذن خداوندی کے

پتہ چلا کہ بغیر اذن کے شفاعت کا اعتقاد شرک ہے اور اذن کے ساتھ عین توحید ہے

پس جب یہ عقیدہ آیا کہ

فلاں شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی حاجت پوری کرسکتا ہے تو شرک ہے اور جب اذن الٰہی کا عقیدہ آیا تو شرک ختم۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے کہا۔

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

(پ ۳، سورہ آل عمران آیت ۴۹)

ترجمہ: اور اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اب دیکھئے شفا دینا اور مردے کو زندہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس لحاظ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کاموں کا دعوےٰ کیا۔ لیکن آپ آگے فرماتے ہیں۔ باذن اللہ" یعنی میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہوں ——— پس جہاں اذن الٰہی ہونا توحید اور شرک کا بنیادی نکتہ ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ اگر آج کوئی یہ کہے کہ میں مادر زاد اندھوں کو اللہ کے اذن سے اچھا کردوں گا اور حالانکہ اسے اذن نہیں دیا گیا۔ تو اس کا یہ کہنا شرک تو نہ ہوگا کیونکہ اس نے خود اچھا کرنے کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ باذن اللہ کہا۔ لیکن بغیر اذن کے اذن کہنا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے، اور یہ خدا پر بہتان باندھنے والا جھوٹا کہلا سکتا ہے۔ اسے ہم کافر تو کہہ سکتے ہیں لیکن مشرک نہیں کہہ سکتے۔

اب کوئی اولیاء اللہ کو باذن اللہ حاجت روا کہے تو شرک تو ختم ہو گیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان کو اذن دیا ہے؟ اگر اذن دیا تو اس کی دلیل ہے؟

اس سوال میں مشرکین تو دونوں طرح سے پھنس گئے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر بتوں کو حاجت روا مانا۔ دوسرا یہ کہ اگر وہ اذن کے ساتھ حاجت روا مانتے بھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اذن دیا نہ تھا تو اس طرح بھی پھنس گئے۔ ایک تو یہ کہ حاجت روائی کے اہل نہ تھے اور ان کو حاجت روا مانا۔ دوسرا یہ کہ اذن الٰہی کا محتاج بھی نہ مانا۔ پس وہ کفر میں بھی مبتلا ہوئے اور شرک میں بھی۔

اب آیئے مومنین کی طرف کہ وہ شرک سے پاک ہیں کہ ان کے پاس باذن اللہ کا ثبوت ہے اور وہ باذن اللہ حاجت روا مانتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی اللہ نے ان کو اذن دیا ہے۔؟ اب خطرہ یہ ہے کہ ان پر کفر ثابت نہ ہو جائے کیونکہ کفر بھی تو مصیبت ہے۔ ہم کو یہ بتانا ہے کہ ہمارے اعتقاد میں نہ شرک کا شائبہ ہے اور نہ ہی کفر کا۔

لیکن اس سے پہلے ایک بنیادی بات کہہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو شرف انسانیت عطا فرمایا ہے۔ اس کے متعلق چند چیزیں قرآن و حدیث کی روشنی میں جلنے لائیں تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

مقصد تخلیق انسان اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ سورج اپنا کام کرتا ہے، درخت اپنا کام کرتے ہیں پانی، ہوا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اس کا بھی تو کوئی کام ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا

وَمَا خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(پ)

ترجمہ: ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے

اجازت مرحمت فرمائی ہوگی۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے بعد میں انبیاء کرام اولیاء کرام حفاظ اور شہداء بھی شفاعت کریں گے۔

لئے ہی پیدا کیا۔"
عبادت تب ہوتی ہے جب معرفت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا۔ اب خدا کی معرفت کا مفاد کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو کوئی جس قدر پہچانتا جائے گا یعنی جتنی معرفت ہوتی ہو جائے گی اسی قدر اللہ کا قرب اس کے نزدیک بڑھتا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ انسان کا مقصدِ حیات خدا کی معرفت ہے۔ اور معرفت کا نتیجہ قرب ہے۔ تو یوں کہیے کہ قربِ الٰہی انسانیت کا کمال ہوا۔ اب اس کمال کو ذرا تفصیل کی روشنی میں دیکھیں تو تمام مسائل حل ہو جائیں۔ آیئے اس قرب کے مفہوم، قرب کے انجام اور قرب کے معنیٰ کو دلائلِ شرعیہ میں تلاش کریں۔

حدیث قدسی:

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالىٰ قال من عادیٰ لی ولیا فقد اذنته بالحرب وما تقرب إلى عبدی بشیء احب الی مما افترضت عليه ومايزال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببه فاذا احببته فكنت سمعه الذی يسمع به وبصره الذی يبصر به ويده التی يبطش بها ورجله التی يمشی بها وان سالنی لاعطينه ولئن استعاذنی لاعيذنه"۔[1]

"اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر) فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں کے ذریعے بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں (تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں"۔

بعض لوگ اس حدیث کا یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرکے اس کا محبوب بن جاتا ہے تو پھر وہ اپنے کانوں سے کوئی ناجائز بات نہیں سنتا، اپنی آنکھوں سے خلاف حکم شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا، اپنے ہاتھ پاؤں سے خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتا۔

یہ معنیٰ بالکل غلط ہے اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس معنیٰ سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصے سے گناہ نہیں کرتا اور وہ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن اس معنیٰ کو جب الفاظ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے۔

تو حدیث شریف کا کوئی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا۔ کیونکہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو "

---

[1] بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۶۳ مطبوعہ مجتبائی، مشکوٰۃ ج ۱، کتاب الدعوات مطبوعہ مجیدی کانپور

محبوب بنا۔ اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (پ ۳)

ترجمہ: (آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر مقامِ محبوبیتِ خداوندی کا حصول ناممکن ہے۔

بندہ پہلے بُرے کاموں کو چھوڑتا ہے ان سے توبہ کرتا ہے، فرائض و نوافل ادا کرتا ہے تب وہ محبوب ہو جاتا ہے۔ محبوب ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس بندے کے کان ہو جاتا ہے جس سے پھر وہ سنتا ہے، اللہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اللہ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے، اللہ اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ سب محبوب بننے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بُرے کام بھی کرے اور محبوب بھی بن جائے۔ اور بعد میں بُرے کام چھوڑے۔[1]

تو بندہ جب اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمع، بصر اور قدرت کے انوار بندے کی سمع، بصر اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اس طرح یہ مقرب بندہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ یعنی یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نورِ سمع سے سنتا ہے، اسی کے نورِ بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نورِ قدرت سے تصرف کرتا ہے۔ نہ

خدا بندے میں حلول کرتا ہے نہ بندہ خدا ہو جاتا ہے بلکہ خدا کا یہ مقرب بندہ مظہرِ خدا ہو کر کمالِ انسانیت کے اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے جس کے لئے اسکی تخلیق ہوئی تھی۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آیتِ کریمہ "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کے معنیٰ یہی ہیں جن کا مصداق یہ عبدِ مقرب ہے۔ عبادت کے معنیٰ پامالی کے ہیں، عبدِ مقرب اپنی انانیت اور صفاتِ بشریت کو اپنے رب کی بارگاہ میں پامال یعنی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے ان کو فنا کر دیتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بندے میں اس کی اپنی صفاتِ عبدیت کی بجائے صفاتِ حق متجلی ہوتی ہیں اور انوارِ صفاتِ الٰہیہ سے وہ بندہ منور ہو جاتا ہے۔ جب قرآن سے ثابت ہے کہ درخت سے "انی انا اللہ" کی آواز آ سکتی ہے تو عبدِ مقرب کے لئے یہ کیونکر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ سمع و بصر کا مظہر نہ ہو سکے۔"

علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث قدسی کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وکذلک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت لہ سمعا وبصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعا لہ سمع القریب والبعید واذا صار ذلک النور بصرا الذی

[1] مولوی انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی تصنیف فیض الباری شرح بخاری جزو چہارم ص ۴۲۸ پر اس حدیث قدسی کے تحت یہی لکھا ہے۔

القریب والبعید واذا صار ذلک النور یداً لہ قدر علی التصرف فی الصعب والبعید والقریب انتہیٰ[1]

ترجمہ: (اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کر لیتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "کنت لہ سمعاً وبصراً" فرمایا ہے جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جائے تو یہ بندہ مشکل اور آسان دور اور قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔)

حدیث قدسی کی شرح میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مقرب بندہ کی شان میں جو کچھ لکھا ہے وہ عبد اور بشر سمجھتے ہوئے لکھا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس طرح ان صفاتِ عالیہ کا اس بندہ کے لئے ماننا اس کی عبدیت اور بشریت کے منافی نہیں۔

یہ انسانیت کا کمال ہے کہ بندہ صفاتِ خداوندی کا مظہر ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفت سمع کی تجلیاں اس کی سمع میں چمکنے لگیں گی تو یہ ہر قرب و بعید کی آواز کو سن لے گا۔ یہ اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ظل ہے، عکس ہے اور پرتو ہے۔ پرتو اور ظل غیر مستقل ہوتا ہے اور پرتو والا مستقل ہوتا ہے۔ پس اصل توحید تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کرے کہ خدا کی صفات کا آئینہ بن جائے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بصر کا نور جب اس کی بصر کے صیقل شدہ آئینے میں چمکے گا تو وہ ہر نزدیک اور دور کی چیز کو دیکھ لے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نور کے جلوے اس کے ہاتھ پاؤں، دل اور دماغ میں ظاہر ہوں گے تو یہ ہر آسان ہر مشکل اور ہر دور و نزدیک کی چیز پر قادر ہو جائے گا۔ اب بتایئے کہ جب مشکل بندے کی قدرت میں ہو گئی تو مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر خوب یاد رکھئے کہ خدا کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے ——— اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے کیونکہ بندہ اگر کسی کی کوئی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے کرتا ہے۔ اور اللہ کے اذن سے کرتا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ ہمارا یہ عقیدہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے والا ہے اب بتایئے کہ عین توحید کو لوگ شرک کہتے ہیں تو اسلام پھر کیا ہو گا؟

پس یہ ادراک، علم، سمع اور بصر جو ان مقربین بارگاہ الٰہی میں پائے جاتے ہیں اور جن میں دلیل موجود ہے ان میں آسان سے آسان کام پر بھی اولیاء اللہ کی قدرت ثابت ہو گئی اور مشکل و بعید چیزوں پر بھی ان کی قدرت ثابت ہو گئی اور دلیل قائم ہو گئی کہ یہ نفع پہنچانے والے ہیں اور بارگاہ رب العالمین میں دعائیں کر کے رب کو راضی کرنے کی صلاحیتیں رکھنے والے ہیں ان میں مشکل کشائی کی قدرتیں بھی ہیں — دور سے دیکھنے کی قدرتیں بھی ہیں، اور بعید کی آواز کو بھی سن سکتے ہیں۔

کفارِ مکہ تو خدا پر یہ بہتان باندھتے تھے کہ خدا نے ان پتھروں اور بتوں کو اختیار دے رکھا ہے اور اذن دے دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ اور جب ہم نے ان انبیاء و اولیاء پر اذن کی شرط لگائی تو شرک دور

[1] تفسیر کبیر سورۂ کہف صہ ۹۱ جلد ۲۱ (آیت ام حسبت ان اصحٰب الکہف)

ہو گیا اور جب ان کے اختیار کو ثابت کر دیا تو کفر بھی جاتا رہا ـــ

الحمد للہ! ہم باذن اللہ کا اعتقاد کرکے شرک سے پاک اور انبیاء و اولیاء کے اختیارات ثابت کرکے کفر سے بھی پاک ہیں۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو آیات قرآنی بتوں کے حق میں آئی ہیں اُن کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں اس طرح بھولے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں ـــ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجی گروہ کو ساری مخلوق سے بُرا جانتے تھے اور فرمایا کہ ان لوگوں نے طریقہ یہ بنا لیا ہے کہ جو آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔[1]

کسی محترم دوست نے ایک سوال پوچھا ہے۔ مناسب ہے کہ اس کے متعلق چند جملے عرض کر دوں تاکہ سابقہ مضمون نامکمل نہ رہے۔

سوال کمال انسانیت کا جو معیار کتاب و سنت کی روشنی میں ہمارے سامنے آیا وہ ٹھیک ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ اور مظہر تجلیات ربانی بن جائے۔ یہ بات زندگی میں تو ممکن ہے۔ لیکن مرنے کے بعد تو وہ صرف مٹی کا ایک ڈھیر ہے اس وقت اس کے کمالات [illegible] کرنا کہاں مناسب ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ [illegible] مورد تجلیات الٰہی ہے اور ابھی تک انسان کامل ہے۔ مرنے کے بعد تو یہ بات ختم ہو جانی چاہیئے۔ ان کا سُننا، دیکھنا قریب اور بعید کی آواز سُننا۔ نزدیک و دور کی اشیاء کو دیکھنا اور ان پر قدرت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر قرار پانا ختم ہو جانا چاہیئے کیونکہ جب موت آئی تو تمام کمالات ختم ہو گئے۔

جواب یہ بات ذہن میں اس لئے پیدا ہوئی کہ ہم نے انسانیت کے مفہوم کو نہ سمجھا ہم نے خیال کیا کہ یہ گوشت اور پوست ہی انسان ہے۔ یہ غلط ہے، یاد رکھئے کہ یہ مفہوم انسانیت، حقیقت انسانیت نہیں۔ حقیقت انسانیت وہ چیز ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ اور باقی رہتی ہے۔ یہ جسم اور روح جن کا مجموعہ ہمیں انسان نظر آتا ہے ان دونوں میں جو اصل حقیقت ہے وہ روح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جسم تو گل سڑ جاتا ہے۔ اگر جسم کو اصل حقیقت قرار دے دیا جائے تو پھر یہ تو مرنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل حقیقت تو روح ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔[2] وہ جنت کا باغ اور دوزخ کا گڑھا کس کے لئے ہے؟ یقین کیجئے اس روح کے لئے ہے۔ اجزائے جسمانی چاہے بکھرے ہوئے ہوں یا اکٹھے ہوں ان کا تعلق روح سے اس طرح ہوتا ہے جیسے سورج کا تعلق اشیاء سے ہے۔ اگر کہیں ریت کا ڈھیر پڑا ہو یا سنگلاخ زمین ہو یا گرد و غبار فضا میں ہو تو بھی سورج کی کرنوں کا تعلق اس سے ہے۔ اس طرح جسم کے ـــ اجزا پر روح کی شعاعیں پڑتی ہیں تو مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق اس سالم بدن یا جسم کے متفرق اجزاء سے ضرور ہوگا۔ البتہ روح کا تعلق جو بدن سے اب ہے وہ تعلق مرنے کے بعد اور روح کے بدن سے نکل جانے کے بعد بدل جائے گا۔

پس اصل حقیقت روح ہے جو آفتاب کی حیثیت رکھتی ہے اور جسم فانی ہے۔ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد بھی

---

[1] وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔ (بخاری شریف جلد دوم باب الخوارج صفحہ ۱۰۲۴) [2] شرح الصدور صفحہ ۶۳

جائے گا منتشر ہوجائے گا تو اس کا نظام بھی فانی ہے۔ ایک
مرتبہ کھانا کھایا پھر ضرورت ہوگئی۔ جسم کا کمال بھی فانی ہے۔
کئ طاقت ور انسان پیدا ہوئے لیکن جب موت آئی
تو ان کی انگلی بھی نہیں ہلتی لیکن روح باقی ہے تو اس
کی صفات بھی باقی ہیں اور اس کے کمالات بھی باقی ہیں۔
یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ روح بمنزلہ
آفتاب کے ہے۔ روح اگر خوش ہے تو جسم کے اجزاء
پر اچھے تاثرات دے گی اور اگر روح ناخوش ہے تو
وہ اپنا برا اور ناخوش اثر دے گی۔ لیکن ہم دیکھتے
ہیں کہ قبر میں کوئی گرمی یا عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی قبر
میں کوئی باغ وغیرہ نظر آتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ روح اگر خوش ہے تو
بدن پر خوشی کے اثرات وقف کرے گی اور اگر تکلیف
میں ہے تو بدن پر تکلیف کے اثرات چھوڑ دے گی لیکن
وہ خوشی یا تکلیف کے اثرات عالم برزخ میں ہوں گے
اور کسی کو نظر نہیں آئیں گے مثلاً کسی کے ذہن میں غمی
یا خوشی کے اثرات ہیں یا کسی کے سر میں درد ہے تو اس
کے سر کے عالم کو آپ کس طرح جان سکیں گے؟ درد
والے سر پر آپ ہاتھ رکھ دیں یا لاکھ آلات لگائے جائیں
تو کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ سر کے اندر درد ہے؟ ہلکا درد
ہے یا تیز درد ہے۔ وہ تو اسی کو پتہ ہے جس کو درد ہے
اسی طرح قبر میں جو مردہ یا مُردے کے اجزاء پڑے ہیں۔
یقیناً ان پر روح نے راحت یا رنج کے اثرات چھوڑے
ہیں، مگر وہ ہمیں معلوم نہیں ہوتے۔ مُردے کی تکلیف
کا اثر مردے کے اجزاء ہی کو محسوس ہوگا نہ کہ زمین
پر وہ اجزاء پڑے ہیں۔

ایک شخص عالم خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کے
مکان کو آگ لگ گئی ہے اس کی چارپائی جل رہی ہے۔
چیخ رہا ہے۔ آپ اس کو دیکھیں تو کیا آپ کو اس کی۔
چارپائی جلتی ہوئی نظر آئے گی؟ یقیناً نہیں۔ تو اسی طرح
عالم برزخ میں کافروں کو عذاب ہوتا ہے مگر ہمیں قبر

> اصل حقیقت روح ہے جو
> آفتاب کی حیثیت رکھتی ہے
> اور جسم فانی ہے کہ مرنے کے بعد پھٹ
> جائے گا تو اس کا نظام بھی فانی
> ہے۔ رُوح باقی ہے اُسے فنا نہیں
> رُوح اگر خوش ہے تو بدن پر خوشی
> کے اثرات وقف کریگی اور اگر
> تکلیف میں ہے تو بدن پر تکلیف کے اثرات
> مرتب کریگی۔

کے اندر عذاب گرمی اور آگ معلوم نہیں ہوتی۔

فشار قبر

حدیث شریف میں آتا ہے، مرنے
کے بعد جب انسان کو قبر میں دفن کیا
جاتا ہے۔ تو قبر تنگ ہوجاتی ہے۔ مومن ہو اس کو بھی
دباتی ہے اور کافر ہو اس کو بھی دباتی ہے۔ مومن کو
قبر کیوں دباتی ہے؟ یہ اس لئے کہ قبر تو آغوش مادر ہے
قبر کی آغوش میں مُردہ ایسے ہے جیسے ماں کی گود میں
بچہ۔ اُمّ ماں کو کہتے ہیں اور اصل کو بھی کہتے ہیں۔ بچے
کی اصل ماں ہے۔ اسی طرح تمام بنی آدم کی اصل زمین
ہے اور اصل ماں ہوتی ہے۔ پس ہم پیدا ہوئے
اور اپنے احوال میں مبتلا ہوگئے اور یہ ایسا ہے کہ جیسے
کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور آغوشِ مادر زمانہ ختم
ہونے پر وہ بازار، گلیوں میں جاتا ہے۔ اگر بچہ اچھا
ہے اور ماں اس کی خصلتوں سے خوش ہے اس صورت
میں ماں منتظر رہے گی کہ کب میرا بچہ آئے میرے سینے
سے لگے اور میرے دل کو ٹھنڈا کرے۔ لیکن اگر
بچہ بُرا ہے اس صورت میں ماں اس سے جلی بیٹھی ہے اور
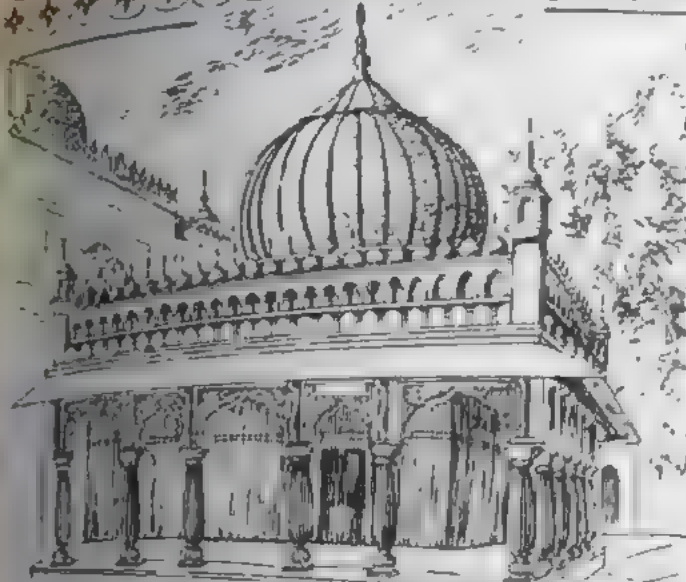
چاہتی ہے کہ وہ آئے اور میں اس کو سزا دوں۔ اسی طرح قبر ہر بنی آدم کے لئے منتظر ہے۔

ماں جب بچہ کو آغوش میں دبا کر پیار کرتی ہے تو اس بچہ کو کچھ نہ کچھ تکلیف تو ضرور ہوتی ہے لیکن بچہ اس تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتا۔ پس قبر جب مومن کو دباتی ہے تو مومن کو وہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

معلوم ہوا کہ اگر روح کو فانی قرار دیں تو یوں سمجھئے کہ قبر کا عذاب اور ثواب سب کچھ ختم اور حساب کتاب بھی نہ ہوا اور پھر حشر نشر کیسا؟ کیونکہ ثواب و عذاب تو روح کے لئے ہے اگر روح کو فانی مان لیں تو سارا دین ختم ہو کر رہ جائے۔

ہم نے ثابت کر دیا کہ روح باقی ہے اور جب روح باقی ہے تو حقیقت انسانیت اسی روح کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں دیں، جسم اور روح۔ ان میں جسم فانی ہے۔ اور روح باقی ہے پس فانی کے اثرات اور وصف بھی فانی۔ کیونکہ موصوف فانی ہو تو اس کی صفات بھی فانی ہوتی ہیں۔ لہٰذا بدن فانی تو بدن کے سب کمالات بھی فانی ہیں۔ اب بتائیے کہ مظہر تجلیات صفاتِ الٰہی اور آئینہ جمالِ رب ہونا یہ صفت روح کی ہے یا جسم کی؟ یقیناً یہ روح کی صفت ہے تو معلوم ہوا کہ موصوف جب باقی ہے تو اس کی صفت بھی باقی ہوگی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ نیکی کے کام ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اللہ کا ذکر ہے یہ روح کی غذا ہے۔ تو کیا مرنے کے بعد ایمان، نماز اور دوسری نیکیاں ختم ہو جائیں گی یا باقی رہیں گی؟ یقیناً باقی رہیں گی۔ تو بھائی مرنے کے بعد تمہاری تمام روحانی صفتیں باقی رہیں اور ولی کے مرنے کے بعد اس کے تمام روحانی کمالات ختم ہو جائیں یہ عجیب بات ہے۔ پس ان حضرات کی قبور کے اندر بھی روحانیت زندہ ہوتی ہے اور روحانی کمالات بھی باقی ہوتے ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی رسول نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا لیکن اس کو اسجگہ قبر ہونے کا علم نہ تھا کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کسی انسان کی قبر ہے اور اس میں سے سورۂ ملک (پ۲۹) پڑھنے کی آواز آ رہی ہے۔ جب وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام واقعہ بیان کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ ملک روکنے والی اور نجات دینے والی ہے اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے۔

اگر مرنے کے بعد قبر میں کوئی چیز باقی نہ ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی سے فرماتے کہ بھئی یہ تمہارا وہم ہے یا فرماتے کہ کوئی فرشتہ ہوگا یا کوئی جن تلاوت کر رہا ہوگا۔ قبر میں مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا اور کوئی تردید نہیں فرمائی۔

یہ تو عہد رسالت کا واقعہ ہے اب دورِ صحابہ کا واقعہ سنئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نہر کھودی گئی۔ تو اتفاقاً وہ نہر اسی راستے سے آئی جس میں احد کا قبرستان آتا تھا مزدور کام کر رہے تھے۔ ایک مزدور نے کھدائی کرتے ہوئے زمین میں پھاوڑا مارا تو اتفاقاً وہیں ایک شہید

دفن تھا۔ تو وہ پھاوڑا اس کے پاؤں کے انگوٹھے میں جا لگا اور خون جاری ہو گیا[2] یہ تو قبر میں حیات جسمانی کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد ان کے جسم میں بھی زندگی موجود ہے اور چہ جائیکہ روح جو ہے ہی باقی۔

زمانہ تابعین کا ایک واقعہ

امام ابونعیم "حلیۃ الاولیاء" میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت نقل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کو لحد میں اتارا تھا۔ جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر تو نے کسی مخلوق کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت فرما — اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرما دے[1]۔

امام بیہقی شعب الایمان میں اپنی سند سے قاضی نیشاپور ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صالح عورت کا انتقال ہو گیا۔ ایک کفن چور اس کے جنازہ کی نماز میں اس غرض سے شامل ہو گیا تاکہ ساتھ جا کر اس کی قبر کا پتہ لگائے۔ جب رات ہو گئی تو وہ قبرستان میں گیا اور اس عورت کی قبر کھود کر کفن کو ہاتھ ڈالا تو وہ خدا کی بندی بول اٹھی کہ سبحان اللہ! ایک جنتی شخص ایک جنتی عورت کا کفن چراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری اور ان تمام لوگوں کی مغفرت فرما دی۔ جنہوں نے میرے جنازے کی نماز پڑھی اور تو بھی ان میں شریک تھا۔ یہ سُن کر اس نے فوراً قبر پر مٹی ڈال دی اور سچے دل سے تائب ہو گیا[2]۔

پس ولیوں کا تو یہ حال ہے کہ چور جائے اور ولی بن کر آئے اب کوئی کہے کہ مرنے کے بعد ان کی کوئی روحانی طاقت نہیں تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ روح تو اپنے لوازمات کے ساتھ باقی ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ میرا بندہ جب میرا مقرب کلام کا اور اپنی صفات کو میری صفات کا آئینہ دار بنا دیا تو اب مجھ سے کچھ مانگے تو میں اس کو عطا کروں گا، وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دوں گا۔ یہ سب کمالات اس کی روح کے لئے ہیں اور جب تک روح چلے گی یہ سب باتیں بھی ساتھ چلیں گی۔ اس حدیث میں وقت کی کوئی قید نہیں مطلب یہ ہے کہ جب مانگے میں ضرور دوں گا۔ تو اب وہ چاہے دنیا میں مانگیں یا موت کے بعد کے جہان میں مانگیں یا آخرت میں مانگیں۔ وہ مانگ سکتے ہیں اور خدا ضرور دیتا ہے۔

ہم اولیاء اللہ کے مزارات پر اس لئے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ (ان سألنی لاعطینہ) اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتے ہیں تو میں ان کو ضرور دیتا ہوں تو کسی کے مزار پہ جا کر یہ کہنا کہ اے اللہ کے ولی خدا سے دعا کریں کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو کوئی قباحت نہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ ولی کے پاس جانے سے کچھ نہیں بنا تو اس ولی کا کچھ نہ بگاڑا بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو جھٹلایا۔

اب بات یہ ہے کہ کسی نے مزار پر جا کر کہا کہ اے اللہ کے ولی باذن اللہ ہمارا یہ کام کر دو۔ وہ کام نہ ہوا تو اولیاء اللہ کو بُرا کہنے لگے۔ دیکھئے

---

[1] ثابت بن اسلم بنانی بصری، تابعی ہیں۔ انہوں نے حضرت انس اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے۔ یہ چالیس سال حضرت انس کی صحبت میں رہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ایک دن اور ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ اور صائم الدہر تھے۔ ابوبکر المزنی کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے زیادہ عابد کسی کو نہیں پایا۔ ان کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی۔

[2] کشف النور عربی، علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹ مطبوعہ لاہور [3] شرح الصدور، علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) مطبوعہ کراچی ص ۲۵،

اللہ تعالیٰ تو کسی اذن کا محتاج نہیں وہ فرماتا ہے۔
"میرے بندو مجھ سے دعا مانگو میں قبول
کروں گا" (پ ۲۴)

اب دیکھئے ایک شخص کو پھانسی کا حکم ہو گیا ادھر تم دعا مانگتے ہو کہ اے اللہ اس کو پھانسی سے بچا لے۔ لیکن جب خدا نے تقدیر مبرم میں لکھ دیا تو وہ ضرور پھانسی چڑھے گا۔ آپ خدا کا کچھ بگاڑ کر دکھاؤ۔ وہ تو کہتا ہے تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔ اب یہاں تم خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تو اولیاء اللہ کا کیا بگاڑو گے وہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوا چلتے ہی نہیں۔"

جب زندہ لوگوں میں سے اہل خیر اور صالحین سے دعا کی درخواست جائز ہے۔ پھر جب یہ حضرات جن سے زندگی میں طلب دعا کرتے تھے وصال فرما جائیں اور برزخی حیات سے مشرف ہو جائیں تو ان سے اب طلب دعا میں کیا قباحت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی بزرگی، ان کا تقرب اور ان کی مبارک روحانیت پر تو موت نہیں آئی، موت تو صرف جسم پر ہے نہ کہ روح پر وہ تو زندہ ہے، اس کا شعور وادراک، قوت سماعت اور استجابت دعا بھی باقی ہے بلکہ ساری کرامتیں باقی ہیں۔ کیونکہ یہ اس کے روحانی کمالات ہیں اور روح فانی نہیں۔ اس لئے یہ کمالات بھی فانی نہیں۔

یہ تو تھی عالم دنیا اور عالم برزخ کی بات۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عالم آخرت میں بھی اولیائے کرام کا فائدہ ہوگا یا نہیں؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ آخرت میں بھی ان بزرگوں کا فائدہ ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے علماء حفاظ اور شہداء شفاعت کریں گے۔ حتیٰ کہ ایک بچہ بھی جس کے والدین مومن ہوں وہ ان کے لئے سفارش کرے گا۔

اگر انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے تو یہ شرک آخرت تک چلے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اب تو شرک ہے لیکن آخرت میں عین توحید ہو جائے کیونکہ شرک تو ہر زمانہ میں شرک ہی رہے گا۔ آخرت میں بھی کوئی غیر اللہ سے مدد مانگے تو شرک ہی ہوگا تو جناب یہ شرک تو قیامت تک چلے گا۔ کیوں کہ ہول محشر سے بڑھ کر تو کوئی قیامت نہیں ہوگی اور اس وقت تمام لوگوں کی نظر کسی اللہ کے بندے کو تلاش کرنے میں ہوگی۔ سب آپس میں کہیں گے کہ کوئی ایسی ہستی ڈھونڈو جو تمہاری شفاعت کرے۔

سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے کہ آپ ہماری شفاعت کریں۔ آدم علیہ السلام یہ نہیں فرمائیں گے کہ تم شرک کر رہے ہو، مجھ سے کیا مانگتے ہو، جاؤ خدا کے پاس۔ نہیں بلکہ وہ بھی غیر کی راہ کھائیں گے اور فرمائیں گے نفسی نفسی "اذہبوا الیٰ غیری"۔

دیکھئے کہ جب غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے تو قیامت کے دن جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، کیا وہ مشرک ہوں گے؟ یہاں تو پھر حضرت آدم علیہ السلام بھی نہیں بچتے وہ بھی ان کو خدا کا راستہ نہ بتائیں گے بلکہ کسی غیر کا راستہ بتائیں گے اور فرمائیں گے "اذہبوا الیٰ غیری" پس تمہارے فتویٰ کے رو سے تو (معاذ اللہ) حضرت آدم علیہ السلام بھی مشرک ہوتے۔ اور اس کے پاس جانے والے بھی مشرک ہوئے۔

تو جناب! آپ کے تمام فتوے غلط ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تو مشرک ہو نہیں سکتے۔ پھر سب لوگ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہنمائی سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، ہر ایک یہی کہے گا۔ "اذہبوا الیٰ غیری"۔ (بخاری شریف)

اب ان کو خیال آئے گا کہ چلو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں چلیں۔ جب وہاں پہنچیں گے تو آپ کی بارگاہ میں بھی وہی مدعا عرض کریں گے

جو دیگر انبیاء کرام کے حضور عرض کو چکے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمانے کے بعد یہ نہیں فرمائیں گے کہ بھئی تم تو پکے مشرک ہو فلاں فلاں نبی کے پاس گئے پھر میرے پاس آئے ہو، جاؤ خدا کے پاس، نہیں نہیں ایسا نہیں فرمائیں گے، بلکہ فرمائیں گے کہ آدم، نوح، ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام نے "نفسی نفسی" "اذہبوا الیٰ غیری" اس لئے کہا تھا کہ تم مجھ تک پہنچ جاؤ اور اس کام کے لئے تو میں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ ہی کو یہ اعزاز عطا فرمایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نفسی نفسی کہنے میں حکمت یہ ہے کہ جب سردار موجود ہو تو سردار کے ہوتے ہوئے اس کا کام نیچے والے نہیں کریں گے۔ کمشنر موجود ہو تو کمشنر کا کام ڈپٹی کمشنر نہ کرے گا۔ پس مطلب یہ تھا کہ تم سب کے پاس گھوم آؤ جو کام کوئی نہ کرے وہ میرا محبوب کرتا ہے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "انا لہا" کہ اس کام کے لئے تو میں ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں سر جھکا دیں گے۔ "فیقال یا محمد ارفع رأسک تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع" (حکم دیا جائے گا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ اور کہو آپ کی بات کی شنوائی ہوگی۔ اور جو مانگو عطا ہوگا اور شفاعت فرمائیے آپ کی شفاعت قبول ہوگی) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے پھر انبیاء و اولیاء اور مومنین کو شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہو جائے گی۔

دیکھئے اگر انبیاء و اولیاء کے پاس جانا اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے تو یہ شرک تو پھر آخر تک چلے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جو یہاں شرک سمجھتے ہیں وہ وہاں بھی نہیں جائیں گے اور جو جائیں گے نہیں تو شفاعت کیسے پائیں گے؟ کرنے والا تو سب کچھ خدا ہے، مگر خداوند کریم اپنے بندوں کا احترام کرتا ہے اور اعزاز بخشتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ولی کچھ نہیں ہوتے سب فراڈ ہے تو وہ بھی سن لیں۔ حدیث قدسی کے شروع ہی میں ہے کہ "من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب"۔ یعنی جس نے میرے ولی سے عداوت کی اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے۔

تو دوستو! اولیاء کرام نہ خدا کے شریک ہیں نہ ساجھی ہیں وہ تو خدا کے اذن اور حکم کے تابع ہیں معلوم ہوا "من دون اللہ" تو ایک تنکا بھی نہیں ہلا سکتا اور "باذن اللہ" سے مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ آپ جو لوگ "من دون اللہ" کی باتیں "باذن اللہ" پر چسپاں کرتے ہیں خدا ان کو ہدایت دے۔

اب ایک بات میری نظر میں ایسی باقی ہے جو اہل علم طبقہ کے لئے قابل تشریح ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے مقربین اور حضرات اولیاء کرام کے تصرفات بعد الوفات اور علم و ادراک بعد الممات کے قائل نہیں اور اس امر کو توحید کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کی طرف سے علی العموم یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آپ لوگ تو اولیاء اللہ کے علم و ادراک بعد الوفات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں صاف وارد ہے کہ انبیاء کرام کو موت کے بعد کوئی ادراک اور کوئی علم نہیں ہوتا اور جو انبیاء نہیں اولیاء ہیں ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اس شبہ کو کہ مرنے کے بعد اولیاء اللہ بے خبر ہوتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت سے مؤید کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اس آیت کا جواب دیتا ہوں تاکہ اس شبہ کا ازالہ ہو جائے۔ وہ آیت یہ ہے۔

اوکالذی مر علیٰ قریۃ وھی
خاویۃ علیٰ عروشہا قال
انی یحی ھذہ اللہ بعد
موتہا فاماتہ اللہ مائۃ

عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوماً او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام ۔
(پ۳ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۹)

ترجمہ " یا تمثیل اس شخص کے جو گذرا ایک بستی پر وہ اس حال میں تھی کہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل، کہنے لگا کیوں کر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک ہونے کے بعد، پس حالتِ موت میں رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک، پھر زندہ کیا اسے فرمایا کتنی مدت تو یہاں ٹھہرا رہا۔ اس نے عرض کی میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ ٹھہرا رہا ہے تو سو سال"۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ امثال بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ حضرت عزیر علیہ السلام جو ایک دراز گوش یا حمار شریف پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے اور کسی ایسے مقام سے گذرے جہاں عمارتیں گر چکی تھیں اور اس بستی کے کھنڈرات پڑے تھے۔ (مفسرین نے لکھا ہے کہ اس بستی سے مراد بیت المقدس ہے) جب آپ وہاں سے گزرے تو فرمانے لگے اے اللہ! تو ان کے مرنے کے بعد ان کو کس طرح زندہ فرمائے گا۔ اور کس طرح اٹھائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو سو سال تک حالت موت میں رکھا اور پھر ان کو اٹھایا اور فرمایا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے رہے انہوں نے جواب دیا میں تو ایک دن یا اس کا کچھ حصہ ٹھہرا رہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تو یہاں سو برس تک ٹھہرے رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہنے کے جواب میں بتایا اور ثابت کر دیا کہ ان پر سو برس تک موت طاری رہی۔ اب شبہ پیدا ہوا کہ اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ سو برس کی بجائے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ کیوں کہتے؟ پس معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد ان کو کوئی علم و ادراک نہ رہا تھا۔

جس آسان طریقہ سے یہ شبہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسی آسان اور سہل طریقہ سے اس شبہ کو دور کر دوں۔ تو سنیئے۔

سب سے پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ قرآن مجید میں حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر نہیں آیا بلکہ فرمایا "کالذی مرّ علی قریۃ" (مثل اس شخص کے جو گذرا ایک بستی پر) یہاں "الذی" کا لفظ آیا ہے اور "الذی" کی تفسیر میں کئی قول آئے ہیں۔ جن میں سے کوئی قول ایسا نہیں جس پر قطعیت کا حکم لگایا جا سکے۔ (قطعیت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح قرآن کا انکار کفر ہے وہ بھی کفر ہو) "الذی" سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک عزیر علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہ قول محض مفسرین کا قول ہے۔ پس یہاں قطعیت کا حکم نہیں آسکتا اس کے علاوہ تفاسیر میں چند اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ "الذی" سے مراد ایک کافر ہے (تفسیر بیضاوی) لہٰذا اگر ہم اس سے مراد ایک مرد کافر لیں تو اب جہاں ایک قول کافر کے بارے میں آئے وہاں عزیر علیہ السلام کو کیسے لائیں؟ کیونکہ ایسی بات سے قطعی طور پر کسی نبی کو متعین کرنا باطل ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ قول قابل سماعت نہیں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر "الذی" سے مراد عزیر علیہ السلام ہیں اور مرنے کے بعد ان کو کوئی علم نہیں تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ جس کو کسی بات کا علم نہ ہو اس سے کسی علم کی بات کا دریافت کرنا کیسے صحیح ہے۔ جماد، پتھر، اور مٹی کے اندر تو کوئی علم نہیں ہوتا اور جب وہ (معاذ اللہ) مٹی، پتھر ہیں تو کیا علم کی بات ان سے پوچھنا غلط نہیں؟ شاید آپ کہیں کہ خدا کی شان یہ ہے کہ خدا کوئی کام کرے تو خدا کے کام پر کوئی سوال نہیں کر سکتا کہ اللہ نے ایسا

کیوں کیا۔
میں عرض کروں گا کہ اگر آیت کا مطلب یہ لے لیا جائے تو خدا تعالیٰ کے کمال حکمت پر دھبہ آجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ خدا تعالے سب پر قادر ہے اور قاہر ہے۔ سب کو اپنی قدرت اور احاطہ میں لینے والا ہے، وہ جو چاہے کرے اور جو کرے گا حکمت کے تقاضے سے کرے گا۔ وہ کسی سے مقہور نہیں ہے۔ تو جو علم وادراک نہ رکھتا ہو اس سے علم کی بات پوچھنا حکمت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ اور وہ بات جو حکمت کے تقاضے کے خلاف ہو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا حماقت ہے۔ پس سوال اس سے کیا جا رہا ہے جو محل ادراک ہے اور علم رکھتا ہے۔

یہاں دو دو چیزیں ہیں۔ سائل اور مسئول عنہ سائل کا سوال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محل ادراک ہے یعنی ادراک والا ہے کیونکہ سوال کرنے والا حکمت کے تقاضوں سے دور نہیں۔ وہ علیم وخبیر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علیم وخبیر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جس سے سوال فرما رہا ہے وہ علم اور ادراک والا ہے۔

اگر عزیر علیہ السلام کو علم وادراک نہ ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وہ خاموش ہو جاتے یا کہتے کہ میں تو مرنے کے بعد مٹی پتھر اور جماد ہو گیا تھا۔ میں تو جب بتاؤں کہ مجھے کچھ علم ہو۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے مولا میں "یومًا اَوْ بعض یوم" یعنی ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے علم وادراک کا اعتراف کر رہے ہیں اور اس کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا سوال "کَمْ لَبِثْتَ" (کتنی دیر ٹھہرے) حکمت کے مطابق ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ان کو کوئی علم نہ ہوتا تو وہ یہ بات نہ کہتے۔ یہ دونوں باتیں دلیل ہیں کہ وہ محل ادراک ہیں۔

اب یہاں ایک شبہ پیدا ہو گیا کہ جو بات واقع میں تھی وہی بتاتے۔ علم معلوم کے مطابق ہونا چاہیئے لیکن یہاں ان کا علم تو معلوم کے خلاف ہے اور جو علم معلوم کے خلاف ہو وہاں تو لاعلمی پیدا ہو گئی۔ دیکھئے لوگوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا۔ جتنی گفتگو میں نے کی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو محل ادراک جان کر سوال کیا اور انہوں نے اپنے علم وادراک کو مان کر جواب دیا۔ یہ دونوں باتیں ذہن میں رکھ کر یہ بات سمجھئے،
اب اس جگہ "یومًا او بعض یوم" کی بنا پر شبہ یہ ہے کہ اگر واقعی ان کو علم تھا تو یومًا کے بعد اَوْ جو کہا اس سے تو شک معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ان کو شک تھا اور صحیح مدت کا علم نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے "اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ" میں بھی "اَوْ" موجود ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے۔ اب بتاؤ کیا یہاں بھی "اَوْ" شک کے لئے متعین ہو گا؟ نہیں! میں عرض کرتا ہوں کہ اَوْ ہمیشہ شک کے لئے نہیں آتا۔ یہاں اَوْ تاخیر کے لئے ہے۔ یعنی "اَوْ بعض یوم" سے مراد یوم تقرر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ میں اتنی دیر ٹھہرا کہ جو مدتِ قلیلہ تھی۔ اب اے مخاطب! تجھ کو اختیار ہے کہ اس مدت قلیلہ کو ایک دن اندازہ کرے یا ایک دن سے کم اور یہ دونوں مدت قلیلہ ہیں۔ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اے مولا! میں تو مدت قلیلہ ٹھہرا ہوں اب اس کا اندازہ تو "یومًا" سے لگالے یا "اوبعض یوم" سے۔ معلوم ہوا کہ محض مدت قلیل مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی جگہ "اَوْ" اس لحاظ سے استعمال کیا ہے کہ وہاں مخاطب کو اختیار دیا ہے کہ یہ بات ہے اب تو اس کو اس سے اندازہ کرلے یا اس سے۔
اب آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "بل لبثت مائۃ عام" (بلکہ تو ٹھہرا رہا ہے سو برس تک) اب پھر سوال

پیدا ہوگیا کہ "بل" تو ابطال کے آتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے "بل" کہہ کر عزیر علیہ السلام کے کلام کو باطل کر دیا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ قلیل مدت باطل ہے اور طویل مدت "مائۃ عام" یعنی سو برس صحیح ہے۔ پس اگر "مائۃ عام" صحیح ہے تو "یومًا او بعض یوم" غلط ہے۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام نے مدت قلیلہ کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ باطل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا کلام واقع کے مطابق نہیں ہے لہذا کذب ہوا، کیونکہ کلام کا واقع کے مطابق ہونا صدق ہے ————— اور کلام کا واقع کے مطابق نہ ہونا کذب ہے۔

اب اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو ان کا یہ قول باطل ہوا۔ یعنی واقع کے مطابق نہ ہوا اور یہی کذب ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام نے یہی کیا یعنی واقع کے مطابق نہ بتایا تو ان کا کلام سچا نہ رہا۔

لیکن نبی نہ تو قصداً جھوٹ بولتا ہے اور نہ بلا قصد جھوٹ بولتا ہے۔ لہذا صاف معلوم ہوا کہ آیت کے معنیٰ یہ نہیں ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف کذب منسوب ہوگیا، اور اور نبی جھوٹ بولتا نہیں کیونکہ جو جھوٹا ہو وہ نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ لہذا آیت کے معنیٰ غلط کئے گئے ہیں۔

پس اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک امر کو دو واقعوں کی صورت میں ظاہر کردے۔ اگر حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں تو یہ غلط ہے کیونکہ نبی جھوٹ نہیں بول سکتا اور اگر وہ جھوٹے نہیں تو پھر (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ کا قول جھوٹا ہوگا۔ یہ تو اور بھی زبردست مصیبت ہوگئی تو معلوم ہوا دونوں قول جھوٹے نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک امر کو دو واقعی صورتوں میں نمایاں کردے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدت تو سو برس کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سو برس کی مدت کو عزیر علیہ السلام کے لئے اتنا چھوٹا کرکے گذارا کہ ان کے لئے وہ "یومًا او بعض یوم" ہو کر گذرا۔ پس حضرت عزیر علیہ السلام کا علم اس واقعہ کے مطابق ہے جو ان پر گذرا اور اللہ جل جلالہٗ کا کلام اس واقع اور حقیقت کے مطابق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گذارا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا کلام بھی سچا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا کلام بھی سچا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک واضح اور روشن بات یہ ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا مگر اہل ایمان صلحاء و اولیاء اور شہداء کے لئے ایک وقت کی نماز سے بھی جلدی گزر جائے گا۔ قیامت میں اگر صالحین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے تو وہ اپنے تجربہ و مشاہدہ کے مطابق وقت کا اختصار بیان کریں گے اور اگر کفار و مشرکین سے دریافت کیا جائے تو وہ اپنا ماجرا بیان کریں گے۔ اور ہر ایک اپنے قول اور دعوے میں سچا ہوگا۔

اب بتائیے کہ جو اللہ پچاس ہزار برس کو ایک وقت کی نماز کے عرصہ میں تبدیل کر سکتا ہے، تو

بعض لوگوں

کی یہ عادت ہے کہ جو آیات قرآنی جنوں کے حق میں آئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں اس طرح بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ خارجیوں نے اپنا طریقہ بنا لیا ہے کہ جو آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں اُن کو مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔

(بخاری شریف)

کیا وہ سو برس کے عرصہ کو ایک دن یا دن کے کچھ حصے میں تبدیل نہیں کر سکتا؟ پس اللہ تعالیٰ کا کلام اس سل واقع کے مطابق ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا کلام ان کے علم کے مطابق ہے۔

اب دوسری مثال سنیئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی رات کے تھوڑے سے حصہ میں"۔
(پ ۱۵)

اب اندازہ لگائیے کہ وہ تھوڑا عرصہ کتنا ہے کہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جاتے ہیں اور اسی عرصہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے مصافحہ فرماتے ہیں۔ اسی مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔ پھر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر تشریف لے جانا۔ ابواب سے گزرنا وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا۔ بیت المعمور ملاحظہ فرمانا۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیل کا علیحدہ ہونا پھر رفرف پر جلوہ گر ہونا۔ پھر دریائے نور میں غوطہ زن ہونا اور پھر ظاہر ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حجابات عظمت کو مشاہدہ فرماتے ہوئے وہاں جانا جہاں نہ کوئی مکان ہے نہ زمان ہے پھر عرش عظیم پر جلوہ گر ہونا عرش سے اوپر جانا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے مشرف ہونا اور دیدار فرمانا پھر نمازیں لینا پھر نمازوں کی تعداد کم کرانے کے لئے بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور جانا۔ اب آپ بتائیں کہ ان سب کاموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتنا عرصہ تھا اور یہ کتنا وقت گزرا۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو سفر معراج کا یہ اتنا طویل عرصہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھارہ سال تک سیر فرماتے رہے لیکن دنیا کے لئے اتنا طویل تھا کہ جب تشریف لائے تو بستر گرم تھا، دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی اور وضو کا پانی چل رہا تھا۔ (روح المعانی پ۱۵)

پس ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے کہ ایک ہی وقت کو کسی کے لئے طویل کر دے اور کسی کے لئے کم کر دے۔ اسی طرح اولاً وہ واقع سو برس کا تھا لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے وہ قلیل کر دیا گیا۔ معلوم ہو گیا کہ "بل" کا ابطال اس واقعہ کے مطابق تھا جو کہ علم الٰہی میں تھا۔

اب میں اس ساری بحث کا فیصلہ قرآن کریم سے عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے ارشاد فرمایا:

"فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ
(پ ۳)

ترجمہ: "اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور پینے

(کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو"

یعنی انگور اور انجیر کے رس کو دیکھئے کہ ویسا ہی ہے اس سے بو تک نہیں آئی اور گدھے کے اعضا بکھر گئے اور ہڈیاں چمک رہی ہیں۔

(تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے جب سو برس کا عرصہ گزارا تو وہ سب کے لئے سو برس گذرنا چاہئے تھا یعنی کھانے پینے کی چیزوں پر بھی اور حمار پر بھی سو برس گزرتے۔ لیکن ہوا کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ بالکل متغیر نہیں ہوئے۔ ان میں ذرا فرق نہ آیا۔ اب غور کرو جو چیز جلد خراب ہوجانے والی تھی وہ بالکل نہ بدلی اور گدھا جو طاقتور ہوتا ہے۔ اس کی تمام ہڈیاں منتشر پڑی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا اے عزیر علیہ السلام میں نے یہ سو برس کا عرصہ تجھ پر "یوما او بعض یوم" کر کے گزارا جس طرح تیرے لئے یہ عرصہ تھوڑا کیا تیرے کھانے اور پینے کی چیزوں کے لئے بھی قلیل کر دیا تاکہ تیرے کھانے اور پینے کا تازہ ہونا تیرے "یوما او بعض یوم" کی دلیل ہو جائے۔ پس تیرے دعوٰی کی دلیل تو یہ طعام اور انگوروں کا رس رکھا ہے۔ اب میرے دعوے کی دلیل یہ ہے کہ تو اپنے حمار یعنی گدھے کی طرف دیکھ، سو برس میں اس کا جو حال ہونا چاہیئے وہی اس کا ہے۔ بس دونوں قول سچے ہیں۔

میں نے ایک ایک جز الگ کر کے بیان کر دیا۔ اب کوئی کانٹا نہیں ڈال سکتا۔ یہ دھوکہ میرے ساتھ بھی لیتہ (ضلع مظفر گڑھ) کے مناظرہ میں پیش آیا۔ میں نے جواب اسی طرح جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا۔ خدا گواہ کر کے کہتا ہوں کہ

اس جواب کے بعد حاضرین و ناظرین پر صمٌ بکمٌ کا منظر طاری تھا۔

تو دوستو! جس کو صاحب قرآن سے نسبت نہیں اس کو قرآن سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہ قرآن کی حقیقتیں تب کھلتی ہیں جب صاحب قرآن سے نسبت ہو۔

(وما علینا الا البلاغ المبین)

جمعہ کی اذان ثانی

مسجد کے اندر منبر کے سامنے اذان ثانی دینے کے عدم جواز پر اہم فتویٰ!

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

۱- جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر۔

۲- خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی۔

۳- فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا۔ اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں

۴- اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اس پر عمل لازم ہے۔ یا رسم و رواج پر۔ اور جو رسم و رواج حدیث شریف و احکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث و فقہ کا حکم ہے یا رسم و رواج پر اڑا رہنا۔

۵- نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و احکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات جو نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو۔

۶- مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث و فقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف' اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل اگرچہ خلاف شریعت و حدیث و فقہ ہوں۔

۷- سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا سنت مردہ۔ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے وہ مردہ قرار پائے گی۔

۸- علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ زندہ کریں اگر ہے تو۔ اس وقت ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے اگر یہ اعتراض ہو تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی۔

۹- جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں،

۱۰- جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہیئے جواب ارشاد فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے۔

عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر۔

یعنی۔ "جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے بھی ایسا ضرور فرماتے۔

۲۔ جواب اوّل سے واضح ہو گیا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ بعض صاحب جو بین یدیہ سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں بین یدیہ ہے اور ساتھ ہی علی باب المسجد ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چہرۂ نور کے مقابل مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی بس اسی قدر بین یدیہ کے لئے درکار ہے۔

۳۔ بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا۔ اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان طبع مصر جلد اول ص۷۸ لایؤذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ فتاویٰ خلاصہ قلمی ص۶۲ لایؤذن فی المسجد، مسجد کے اندر اذان نہ ہو خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان لایؤذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان نہ کہیں۔ فتاویٰ عالمگیری طبع مصر جلد اوّل ص۵۵ لایؤذن فی المسجد، مسجد کے اندر اذان کی جماعت سے۔ بحرالرائق طبع مصر جلد اوّل ص۲۶۹۔ لایؤذن فی المسجد، مسجد کے اندر اذان منع ہے۔ شرح نقایہ علامہ برجندی ص۸۴ فیہ شعار بانہ لایؤذن فی المسجد۔ امام صدرالشریعۃ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو۔ غنیہ شرح منیہ ص۳۵۷ الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ۔ اذان نہیں ہوتی مگر منارہ پر یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر۔ فتح القدیر طبع مصر جلد اوّل ص۱۷۱ قالوا لایؤذن فی المسجد، علمائے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے۔ ایضاً باب الجمعۃ ص۴۱۴ ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراہۃ الاذان فی داخلہ جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکر الٰہی ہے مسجد میں یعنی حدود مسجد میں۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر جلد اول ص۱۲۸ یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی نظم۔ امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے یہاں تک کہ اب زمانہ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل ص۲۴۵ میں لکھتے ہیں قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی مسجد کان او خارجہ والمسنون ھو الثانی یعنی بین یدیہ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے روبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنت یہی ہے کہ مسجد کے باہر جب وہ تصریح کر چکے کہ باہر ہی ہونا سنت ہے تو اندر ہونا خلاف سنت ہوا تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ چاہے سنت کے مطابق کرو چاہے سنت کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ بین یدیہ سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نخواہی مسجد کے اندر ہو غلط ہے اس کے معنی صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو ہو۔ اندر یا باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں

ہوتی لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضرور ہے کہ وہی معنی لئے جائیں جو سنت کے مطابق ہیں۔ بہر کیف اتنا ان کے کلام میں بھی صاف مصرح ہے کہ اذان ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنت ہے تو بلاشبہ مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت ہے وللہ الحمد۔

۴۔ ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اڑا رہنا، مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہیئے۔

۵۔ ظاہر ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و احکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے اسی سے بچنا چاہیئے نہ کہ سنت و حکم حدیث فقہ سے

۶۔ مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری طبع مصر ص۲۸۰ المطاف ہو ما کان فی زمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجدا۔ تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد و محل اذان تھا اور مسجد جب بڑھالی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہے گی و لہذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کر لیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان و فتاویٰ خلاصہ و فتاویٰ عالمگیریہ ص۲۰ یکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد الا ان یکون ثم موضع اعد لذلک ولا یصلی فیہ وہیں ہے لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو قدیمہ تترک کبئر زمزم۔ مکہ معظمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک بلند مکبرہ پر کہتے ہیں طریق ہٹنے کے تو یہ بھی خلاف ہوا اور وہ جن بین یدیہ وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے اس سے بھی رد ہو گیا کہ ہندی فہم وطریقہ خود ہی حرم محترم سے جدا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا۔ اگر قدیم ہے تو مثل منارہ

ہوا کہ وہ اذان کے لئے مستثنیٰ ہے جیسا کہ غنیہ سے گزرا اور اسی طرح خلاصہ و فتح القدیر و برجندی کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا مسجد سے باہر مسجد کے اندر نہ ہو۔ اس کی نظیر موضع وضو جاہ ہیں کہ قدیم سے جدا کر دیئے ہوں نہ اس میں حرج نہ اس میں کلام اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالائے طاق پہلے ہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے قطع صف بلاشبہ حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: من قطع صفا قطعہ اللہ جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کر دے۔ رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نیز علمائے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ کہ یہ مکبرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے یا جملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان دینا نہ ہوا اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے۔ اب ہمیں اصحال موذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جواب سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لیتا ہے یہ باآواز ہر نام پر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں۔ جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ باآواز دعا کرتے ہیں اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے۔ صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ درمختار و ردالمحتار جلد اوّل ص۸۵۹ اما ما یفعلہ المؤذن حال الخطبۃ من الترضی ونحوہ مکروہ اتفاقا۔ یعنی وہ جو یہ موذن خطبہ کے وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کہتے جاتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ یہی موذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علماء کا کیا اختیار علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر در کنار اس طرح تو

ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں۔ دیکھو فتح القدیر جلد اول ص ۲۲۳ و ۲۶۳ و در مختار و رد المحتار ص ۲۱۵ خود مفتی مدینہ منورہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں۔ دیکھو فتاوی اسعدیہ جلد اول ص ۸ آخر میں فرمایا ہے اما حرکات المکبرین وصنعهم فانا ابرؤ الی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ان مکبروں کی جو حرکتیں جو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف برائت کرتا ہوں۔ وہ اور اس سے بڑھ کر لفظ لکھا پھر کسی عاقل کے نزدیک ان کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے نہ وہ علما ہیں نہ علمائے زیر حکم۔

۷ - بے شک احادیث میں سنت زندہ کرنے کا حکم اور اس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اللہم ارزقنا رواہ السجزی فی الابانۃ والترمذی بلفظ من احب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجر من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورہم شیئا۔ جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ رواہ الترمذی و رواہ ابن ماجہ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ جو فسادات کے وقت میری سنت مضبوط تھامے ہے سو شہیدوں کا ثواب ملے۔ رواہ البیہقی فی الزہد۔ اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنت کی جائے گی جو مُردہ ہو گئی۔ اور سنت مُردہ جبھی ہوگی کہ اس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

۸ - احیائے سنت تو علماء کا خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لئے حکم عام ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اسی سنت کو زندہ کریں اور سو سو شہیدوں کا ثواب لیں۔ اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے یوں ہو تو کوئی سنت زندہ ہی نہ کر سکے۔ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی سنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہوئی نہ کہ اُلٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ و تابعین تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۹ - حوض کہ بانی مسجد نے قبل مسجدیت بنایا اگرچہ وسط مسجد میں ہو وہ اور اس کی فصیل ان احکام میں خارج مسجد ہے لانہ موضع اعد للوضوء کما تقدم۔

۱۰ - لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اسے گوشۂ محراب میں رکھ کر محاذات

ہو جائے گی۔ اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے تو اسے قیام مؤذن کے لائق تراشں کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

مسلمان بھائیو!

یہ دین ہے کوئی دنیوی جھگڑا نہیں۔ دیکھ لو کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

حضرات علمائے اہل سنت سے معروض!

حضرات احیائے سنت آپ کا کام ہے اس کا خیال نہ فرمائیے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا وہ بھی آپ ہی کا کرتا ہے آپ کے رب کا حکم ہے تعاونوا علی البر والتقوی اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں بے تکلف بیان حق فرمائیے اور اس وقت لازم ہے کہ ان دس سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں اور ان کے ساتھ ان پانچوں سوالوں کے بھی۔

۱۱۔ اشارت مرجوح ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے۔

۱۲۔ کیا محتمل صریح کا مقابل ہو سکتا ہے۔

۱۳۔ تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے خصوصاً استنباط بھی یا جس کا منشا بھی غلط

۱۴۔ حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے۔

۱۵۔ قرآن مجید کی تجوید فرض عین ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا سب ہندی علما اسے بجالاتے ہیں یا سو میں کتنے بینوا توجروا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حیات النبی

انبیائے کرام جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں

مولانا محمد شفیع اکاڑوی

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے اقدس کے حالات وکمالات اور خصوصاً معجزات کے پڑھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص ہمارے نبی کریم۔ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی وجسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور اعمال مبارکہ بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (قرآن پ۱۷)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے حبیب! مگر رحمت واسطے تمام جہانوں کے لئے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

ترجمہ:۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالموں کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیض الٰہی کا واسطہ ہیں اور اسی لئے آپ کا نور اول المخلوقات ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے اے جابر اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ معطی ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

یہی صاحب روح المعانی آگے چل کر فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور میرے نزدیک مسلک مختار یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، فرشتوں، انسانوں، اور جنات سب کے لئے رحمت ہیں اور اس امر میں جن وانس کے مومن وکافر کے مابین کوئی فرق نہیں اور رحمت ہر ایک کے حق میں الگ الگ اور متفاوت نوعیت رکھتی ہے۔ (روح المعانی پ۱۷ ص۹۰)

مخالفین کے سردار مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لئے ہیں۔ (آب حیات ص۱۶۶)

آیت وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور اسکی

تعبیری عبارات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت اور تمام عالم ممکنات کے لئے ہر قسم کے فیوض و برکات کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ یعنی جس طرح جڑ پورے درخت کی تمام شاخوں کی تازگی اور شگفتگی کا باعث ہوتی ہے اسی طرح آپ تمام عالمین کے لئے ہر قسم کے فیوض کا باعث ہیں۔ تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے مردہ ہو جائے اور شاخیں زندہ اور سرسبز و شاداب رہیں؟ جب یہ نہیں ہو سکتا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جن کی ذات مقدسہ تمام جہاں کے لئے رحمت اور اصل الاصول ہو وہ مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ زندہ ہیں اور تمام جہان کی زندگی کا واسطہ و وسیلہ ہیں ۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے
(اعلیٰحضرت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
ترجمہ:۔ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔
(قرآن پ۲ ع۳)

ترجمہ:۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کے متعلق ہرگز یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ شاد ہوتے ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور خوش ہو رہے ہیں سبب ان لوگوں کے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ (قرآن پ۴)

ان دونوں آیتوں سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ شہدا زندہ ہیں نہ ان کو زبان سے مردہ کہنا چاہئے اور نہ دل میں ان کو مردہ گمان کرنا چاہئے۔ ان کی زندگی کی کیفیت و حقیقت ہم اپنے حواس و عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا ہمیں کلام الٰہی پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ وہ زندہ ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اگر ہم ان کی حیات کا انکار کریں یا تاویلیں کریں گے تو یہ ہماری جہالت و حماقت اور کلام الٰہی پر ایمان و یقین نہ ہونے کی کھلی دلیل ہوگی کیونکہ حیات کا صحیح اور حقیقی مفہوم وہ نہیں ہوگا جو ہماری ناقص عقل اور محدود شعور نے سمجھا ہے۔ بلکہ وہ ہوگا جو خالق حیات نے اپنے صاف و صریح اعلان کے ذریعہ قرار دیا ہے۔ جب شہداء کی زندگی قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے تو انبیاء کرام اور صدیقین امت کی زندگی میں کیونکر شبہ کیا جا سکتا ہے جو بالاتفاق درجہ و مرتبہ میں شہداء سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ چنانچہ۔

ان آیات کے تحت غزالیٔ دوراں علامتہ العصر حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں۔

بظاہر یہ آیات کریمہ شہداء (غیر انبیاء) کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن در حقیقت انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل ہیں اس لئے کہ دلائل و واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام شہید ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں شہادت کا درجہ پایا اور من یقتل فی سبیل اللہ کے عموم میں بلاشبہ آپ داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یقتل " قتل سے ماخوذ ہے اور قتل کے معنی ہیں اماتت " یعنی مار ڈالنا۔ قتل اور اماتت کے معنی میں ایک باریک فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ امام راغب اصفہانی قتل کے معنی بیان کرتے ہوئے اس فرق کو ظاہر فرماتے ہیں ——
مفردات راغب میں ہے۔ (قتل) اَصْلُ الْقَتْلِ اِزَالَةُ الرُّوْحِ عَنِ الْجَسَدِ كَالْمَوْتِ لٰكِنْ اِذَا اعْتُبِرَ بِفِعْلِ الْمُتَوَلِّيْ لِذٰلِكَ يُقَالُ قَتْلٌ وَاِذَا اعْتُبِرَ بِفَوْتِ الْحَيَاةِ يُقَالُ مَوْتٌ ——
ترجمہ:۔ (قتل) قتل کے اصلی معنیٰ جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں۔ جیسے موت! لیکن جب متولی اور متصرف ازالہ کے فعل کا اعتبار کیا جائے تو قتل کہا جائے گا اور جب فوت حیات کا اعتبار

کیا جائے تو موت کہا جائے گا۔

قتل میں چونکہ فاعل کا فعل معتبر ہوتا ہے اور فعل کا اختیار عبد کے لئے بھی حاصل ہے اس لئے قتل کی اسناد عبد کی طرف صحیح ہے، اور عبد کو قاتل کہا جا سکتا ہے۔ بخلاف امات کے کہ اس میں فعل مذکور معتبر نہیں بلکہ فوت حیات کا اعتبار ہے اور عبد کا اختیار فعل سے متجاوز ہو کر فوت حیات تک نہیں پہونچتا۔ بندہ صرف اتنا کر سکتا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی فعل واقع کر دے۔ مثلاً کسی کو تلوار مار دے یا زہر کھلا دے۔ یا کسی کے بدن کے ٹکڑے کر دے مگر اس کے بدن سے حیات کا زائل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے متعلق ہے، اس لئے بندہ قاتل ہو سکتا ہے ممیت نہیں ہو سکتا۔ حیات کا فوت ہونا قدرت خداوندی سے ہی متعلق ہے۔ اسلئے امات کی اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے، ازالۂ حیات صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ممیت اسکے سوا کوئی نہیں۔

ہمارے اس بیان سے ناظرین کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا ہوگا اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "من یقتل" کے عموم میں داخل ہونا واللہ یعصمک من الناس کے منافی ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ان کی جانِ پاک کو لوگوں سے بچانے کا وعدہ فرما چکا تو اب انہیں کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے اور بغیر قتل ہوئے "من یقتل" میں آپ کا شامل ہونا ممکن نہیں۔

اس کے حل کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ قتل میں فعل فاعل کا اعتبار ہوتا ہے، اور امات میں فوت حیات کا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدۂ الٰہیہ کے الفاظ ہیں "واللہ یعصمک من الناس" اس میں نہ قتل کا لفظ ہے نہ موت کا، اس وعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے مار ڈالنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا، یعنی آپ کی ذات پاک کے لئے کوئی ایسا فعل نہ کر سکے گا، جس سے عادتاً علی الفور آپ کی موت واقع ہو جائے

انبیاء کرام اپنی قبروں میں حیات ہیں۔ اذان و اقامت کے ساتھ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔
کیونکہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے (ابن ماجہ)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور کسی شخص نے آپ کو مار ڈالنے کی قدرت نہ پائی۔

رہا یہ امر کہ "من یقتل" کے عموم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے داخل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل سے مراد وہ فعل ہے جو فوت حیات کا موجب ہو جائے۔ فعل قتل کا فوت حیات کیلئے موجب ہونا دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ایک عادتاً، دوسرے خارقاً للعادۃ، عادتاً فعل قتل سے علی الفور ازالۂ حیات ہو جاتا ہے، اور خارق عادت کے طور پر علی الفور ازالۂ حیات نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت طویلہ کے بعد ہی اس کا سبب موت ظاہر ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی قسم کے قتل سے بچا کر اپنے وعدے کو پورا فرما دیا۔ اور دوسری قسم کا فعل قتل آپ کے لئے بربنائے حکمت متعین کر دیا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "من یقتل" کے عموم میں داخل ہو کر شہادت کا مرتبہ پائیں اور کسی بے دین کے لئے آپ کو مردہ کہہ کر حیات نبوت کے انکار کی

مجال باقی نہ رہے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل امام بخاری، اور امام بیہقی کی وہ حدیث ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" میں نقل فرمائی ہے۔

ترجمہ:۔ امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر آلود لقمہ کھایا تھا میں اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ پس اب وہ وقت آپہنچا کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہو۔

(انباء الاذکیاء ص۱۳۹)

نیز امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور بیشک یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ایسی زہر ملائی ہوئی بکری کے گوشت کا ایک لقمہ تناول فرمایا جس کا زہر ایسا قاتل تھا کہ اس کے کھانے سے اس وقت علی الفور موت واقع ہو جائے یہاں تک کہ اس زہر کے اثر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بشر بن براء بن معرور اسی وقت فوت ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقی رہنا معجزہ ہو گیا وہ زہر آپ کو اکثر تکلیف دیتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اسی کے اثر سے آپ کی موت واقع ہوئی۔ (زرقانی ۳۱۳)

بخاری، بیہقی، سیوطی، اور زرقانی کی ان پیش کردہ روایات سے ہمارا دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے زہر دیا گیا اور اسی زہر سے آپ کی موت واقع ہوئی اگرچہ زہر دینے اور موت واقع ہونے میں تین سال کا وقفہ تھا۔ لیکن وفات شریف اسی زہر دینے کے فعل سے واقع ہوئی۔ اور تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باقی رہنا زہر دینے اور اس فعل قتل کی کمزوری کی بنا پر نہ تھا بلکہ خرق عادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر تھا۔ جیسا کہ ہم عبارات منقولہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی اور مستدرک میں حاکم نے اور دلائل النبوت میں بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نو مرتبہ قسم کھا کر یہ کہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے گئے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ایک بار بھی قسم کھا کر یہ کہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل نہیں کئے گئے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

(انباء الاذکیاء ص۱۴۱)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منعم علیہم کے چار گروہ قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین، اور ہر نعمت کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔ نبوت، صدیقیت اور صالحیت کے اوصاف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں پایا جانا سب کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب اگر وصف شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (ہمارے بیان کردہ دلائل کی روشنی میں) تسلیم نہ کیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کمال شہادت سے محروم رہے گی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے اور تمام کمالات و انعامات عالیہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل ہونے کے منافی و معارض ہے جو باطل محض اور دلائل کی روشنی میں مردود ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبوت و صدیقیت اور صالحیت کی طرح وصف شہادت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں بلاشبہ پایا جاتا ہے۔ عہد السواد (السعید، حیات النبی نمبر ص۱۱)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ترجمہ:۔ بلکہ حیات انبیاء حیات شہداء سے بہت

زیادہ قوی اور ظہور میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں بخلاف شہداء کے کہ انکی ازواج سے نکاح جائز ہے اور ایسے ہی صدیقین بھی حیات شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام شہداء سے کم ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی ترتیب اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرمایا مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ (تفسیر مظہری ص ۱۵۲/۱)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور انبیاء کرام حیات میں شہداء سے اولیٰ، اجل اور اعظم ہیں، اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی میں نبوت وشہادت دونوں وصفوں کو جمع فرمایا، تو انبیاء کرام بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

(الحاوی للفتاوی ص ۳۴۲/۲)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ میں حدیث صعقہ کے بیان میں اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ کہ موت محض نابود ہو جانے کا نام نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کا نام ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بے شک شہدا اپنے قتل اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں۔ کھاتے پیتے شاد و مسرور ہوتے ہیں اور یہی دنیا میں زندوں کی صفت ہے تو جب شہدا کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام زندہ ہونے میں ان سے بہت زیادہ افضل واولیٰ ہیں اور بے شک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ زمین انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کو نہیں کھاتی۔ اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام کے ساتھ جمع ہوئے اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ آپ ہر اس شخص کو سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ پر سلام بھیجے۔

اور اسی طرح وہ تمام امور جو موت سے منقطع ہو جاتے ہیں وہ انبیاء کو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ انکی موت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ ہم سے پردہ فرما جاتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اگرچہ وہ زندہ موجود ہوتے ہیں اور ان کا حال فرشتوں کا سا ہو جاتا ہے کہ فرشتے زندہ موجود ہوتے ہیں مگر انکو کوئی نہیں دیکھتا سوائے اسکے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاص فرمائے اپنے دلیوں میں سے۔

(الحاوی للفتاوی ص ۳۴۲/۲)

علامہ امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ترجمہ:۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہی حال تمام انبیاء کرام کا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان کی ازواج پر عدت نہیں۔ (کیونکہ وہ زندہ ہیں) اور بے شک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں (اگر کہا جائے کہ) وہ تو مردے ہیں اور دوسرے گھر میں ہیں، اور وہ گھر دار عمل نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کا حال شہدا کی طرح بلکہ ان سے افضل ہے اور شہدا زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ تو اگر وہ حج کریں اور نماز پڑھیں تو کیا بعید ہے

(زرقانی علی المواہب ص ۳۳۲/۵)

علامہ امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد بلاشک وشبہ حیات ہیں اور ایسے ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس حیات کے ساتھ جو شہداء کی حیات سے اکمل ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام شہداء کے سردار ہیں اور تمام شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرا علم میری وفات کے بعد ایسا

ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے۔ (وفاء الوفا ۳ ص ۱۳۵۲)

شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:- اور حیات انبیاء کرام حیات شہداء سے کامل تر ہے۔ (مدارج النبوت)

احادیث مبارکہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:- کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (فتح الباری)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:- کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ یہاں تک وہ اس سے فارغ ہو حضرت ابو درداء فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اور موت کے بعد؟ فرمایا اور موت کے بعد بھی پیش ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے زمین پر اجساد انبیاء کا کھانا حرام کر دیا ہے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق بھی دیا جاتا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۱۲۰ مطبوعہ مصر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:- جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور ہونے کی حالت میں مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:- جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر آخرت کی حاجتوں میں سے اور تیس دنیا کی حاجتوں میں سے۔ پھر اس درود پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں مجھ پر اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح تم پر ہدیے پیش کئے جاتے ہیں بے شک میرا علم میری وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے اور بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ فرشتہ درود پڑھنے والے کا نام اور اس کا نسب مجھے بتاتا ہے تو میں اسے ایک چمکتے ہوئے صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:- التہ تحقیق جنگ حرہ کے زمانہ میں میں

نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ان ایام میں کسی نماز کا وقت نہ آتا تھا مگر قبر انور سے میں اذان کی آواز سنتا تھا۔ (دلائل النبوۃ ابو نعیم ص۴۹۶)

حضرت سعید بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں نہ اذان ہوتی اور نہ اقامت۔

ترجمہ۔ اور سعید بن مسیب (رضی اللہ عنہ) مسجد سے نہ نکلے اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایک آواز سے جس کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے سنتے تھے (مشکوٰۃ شریف ص۵۴۵)

ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں۔

ترجمہ۔ کسی نماز کا وقت نہیں آتا تھا مگر میں (حضور کی) قبر انور سے اذان کی آواز سنتا پھر جماعت کھڑی ہو جاتی تو میں آگے بڑھتا (اور اسی نماز کے ساتھ) نماز پڑھتا اور میرے سوا مسجد میں کوئی اور نہیں تھا۔ (وفاء الوفاء ۹۴/۱)

علامہ امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ فتاوی رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔ (زرقانی علی المواہب ۳۳۲/۵)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ بے شک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیاء کرام اپنی قبروں میں اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بے شک انکی ارواح کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے اسی طرح قائم رہتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال کو زیادہ جانتا ہے۔ (شرح شفا شریف ص۱۴۲/۲)

یہی علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری تصنیف میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ یعنی اپنی قبر میں مقید و محصور ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ عالم سفلی اور عالم علوی میں سیر فرماتے ہیں کیونکہ شہداء کی ارواح جو مرتبہ میں انبیاء سے کم ہیں جب سبز پرندوں کے قالب میں جنت کے باغوں میں آزادی سے پھرتی ہیں پھر ان قنادیل تک سیر کیلئے جاتی ہیں جو عرش الہٰی کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ یہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان کی قبریں ان کے اجساد سے خالی ہیں۔ اور ان کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق نہیں۔ اور جو سلام انہیں کیا جاتا ہے وہ نہیں سنتے، تو ایسا ہی انبیاء کرام کے بارے میں آیا ہے کہ بے شک انبیاء کرام تلبیہ کہتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کرامات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ (جمع الوسائل ص۲/۱۳۸)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ بے شک انبیاء کرام نہیں مرتے اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص۲۸)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو درجہ بدرجہ جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ انشاء اللہ۔ (تفسیر مظہری ص۱/۱۵۰)

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بلا شک و شبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی و یقینی ابدی و دائمی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں۔ نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم و ضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل و اتم ہو۔ (زرقانی علی المواہب ص۳۴)

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصول شیخ الشافعیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ پر پہنچتا ہے۔

(الحاوی للفتاوی)

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدلل مبسوط بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا حاصل یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم و روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلاشبہ آپ جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر قبل از وفات تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بے شک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی رویت کے ساتھ کسی کو عزت و اکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر آپ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور رویت مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (الحاوی للفتاوی)

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و حیات انبیاء کرام متفق علیہ است ہیچ کس را درو خلافے نیست حیات جسمانی و دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔

ترجمہ:۔ اور انبیاء کرام کی حیات پر سب علماء کا اتفاق ہے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے، اور حیات جسمانی، دنیاوی اور حقیقی ہے نہ کہ روحانی اور معنوی۔

یہی شیخ محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

و باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقیست و بر اعمال امت حاضر و ناظر است۔ (مکاتیب شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار)

ترجمہ:۔ اس اختلاف و کثرت مذاہب کے باوجود جو علماء امت میں ہے اس مسئلہ میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ بے شائبہ مجاز و توہم تاویل زندہ دائم اور باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔

سید الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا بلکہ وہ حیات طبعی سے حیات اصلی و حقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔ جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق و حقیقت

کی ملازمت سے متصل ہوتا ہے اور وہ کفن اعلیٰ زندگی کے
ساتھ زندہ ہوگا۔ (تفسیر روح البیان ص)
دانائے رموز حقیقت مولانائے روم علیہ الرحمۃ القیوم
فرماتے ہیں ؎

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کل شیٔ ھالک نبود جزا

ترجمہ:۔ جو کوئی ہماری ذات میں فنا ہو جائے اسکو
کل شیٔ ہالک کی کلیت کے تحت ہلاکت کی سزا نہیں بھگتنی
پڑتی۔

زانکہ در الا ست او از لا گزشت
ہر کہ در الا ست او فانی نگشت

ترجمہ:۔ کیونکہ وہ الا وجہ کے ساتھ مستثنیٰ ہے وہ لا یعنی
ہلاکت سے گزر گیا جو شخص الا میں ہے وہ فانی فی اللہ ہو گیا۔
الحمدللہ ہم اہل سنت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ
مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ پر ایمان رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی روح اقدس کے قبض ہونے کے قائل ہیں مگر آپ کی
حیات کے منکر نہیں اس لئے کہ حیات کے معنی ہیں صفة مصححة
للعلم والقدرة والارادة (شرح عقائد) ایسی صفت جو علم و
قدرت، سمع و بصر اور ارادہ کو صحیح قرار دے۔ یعنی جس کی وجہ
سے علم و قدرت وغیرہ کا صحیح ہونا قرار پائے اس صفت کا نام
حیات ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت قبض روح
کی وجہ سے زائل نہیں ہوئی کیونکہ روح کا بدن میں ہونا سبب
حیات ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جو چیز سبب
کے ساتھ ہوتی ہے وہ بغیر سبب کے کر دے اور اس بات پر
بھی قادر ہے کہ سبب ہو اور چیز یعنی مسبب نہ ہونے دے بچہ
کے معرض وجود میں آنے کا سبب مرد و عورت ہیں مگر اللہ تعالیٰ
نے حضرت آدم و حوا اور عیسیٰ علیہم السلام کو بغیر اس سبب کے پیدا
فرمایا اور ہزاروں مرد و عورت موجود ہیں مگر اولاد نہیں ہوتی۔
یعنی سبب ہے مگر مسبب نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ اس بات پر قادر
ہے کہ روح جو حیات کا سبب ہے وہ نہ ہو اور حیات ہو اور اس پر بھی قادر
ہے کہ روح ہو اور حیات نہ ہو۔ چنانچہ کفار کے جسموں میں
روحیں ہیں اور حیات نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک
میں ان مردے گونگے، بہرے اور اندھے وغیرہ فرمایا اور انبیاء
و اولیاء کے جسموں میں روحیں قبض ہوئیں مگر حیات ہے اس
لئے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ان کو زندہ فرمایا گیا۔
جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ نیز ستون حنانہ کا رونا، اور پتھروں
کا کلمہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے تو جو خدا لکڑی اور پتھر
کے اندر بغیر روح کے حیات پیدا کر سکتا ہے وہ انبیاء و اولیاء
کے اندر نہیں کر سکتا؟۔

اور اگر بدن کے اندر روح کا ہونا ہی حیات مانا جائے تو پھر حی
وہ ہوگا جس کے بدن میں روح ہوگی۔ تو پھر خدا تعالیٰ کی حیات
ہرگز نہ ثابت ہو سکے گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بدن سے پاک ہے!۔
یاد رکھئے! ایک ہے موت عادی اور ایک ہے موت
حقیقی۔ اسی طرح ایک ہے حیات عادی اور ایک ہے حیات
حقیقی۔ بدن سے روح قبض ہونا موت عادی ہے موت حقیقی
نہیں۔ موت حقیقی عدم الحیات ہے۔ اور بدن کے اندر روح کا
کا ہونا حیات عادی ہے حیات حقیقی نہیں۔ حیات حقیقی بدن میں
اس صفت کا ہونا ہے جو علم و قدرت اور سمع و بصر کا سبب ہو۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بعد وفات بھی علم و
قدرت، سمع و بصر اور ارادہ ہے تو آپ حیات ہوئے اور یہ
حیات ایک آن کے لئے بھی زائل نہیں ہوئی اور آپ مردہ نہیں
ہوئے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ آپ ساری کائنات کے
اصل ہیں۔ اگر آپ معاذ اللہ مردہ ہو جائیں تو یہ جہان زندہ کیسے
رہ سکتا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے اور درخت
ہرا بھرا ہے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جان جہان
مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے۔ بلکہ جس طرح درخت کی سر
سبزی و شادابی جڑ کی بدولت ہوتی ہے اسی طرح ساری کائنات
کا وجود و زندگی آپ کی بدولت ہے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب مبارک اشیاء

احترام صحابہ کرام کی نظر میں

علامہ شاہ فضل [illegible] آبادی

صحابۂ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے کہ آپ کے رشتہ داروں، آپ کے ساز و سامان، آپ کی منازل ومجالس اور مدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ میں آپ کے کاشانہائے مبارکہ کی تعظیم کرتے۔ جس چیز کی آپ نے تعریف فرمائی یا جس چیز کی نسبت آپ کی طرف معروف ہوتی اس کی بھی تعظیم کرتے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے۔

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَاَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ،

"تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا، صحابۂ کرام آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے وہ نہیں چاہتے تھے، کہ آپ کے بال کسی صحابی کے ہاتھ کے علاوہ کہیں واقع ہوں۔"

وَرَاَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى مَقْعَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَهَا عَلٰى وَجْهِهٖ۔

"حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر پر ہاتھ رکھا پھر اسے اپنے چہرے پر پھیر لیا۔"

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں بال تھے، جب وہ بیٹھ کر انھیں کھولتے تو زمین تک پہنچ جاتے۔

فَقِيْلَ لَهٗ اَلَا تَحْلِقُهَا فَقَالَ لَمْ اَكُنْ بِالَّذِيْ اَحْلِقُهَا وَقَدْ مَسَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ۔

"حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا کہ آپ ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے؟ انھوں نے فرمایا، میں ان بالوں کو کیسے منڈوا لوں، جب کہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چھوا تھا؟"

وَكَانَتْ شَعَرَاتٌ مِنْ شَعْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ لَمْ يَشْهَدْ بِهَا قِتَالًا اِلَّا رُزِقَ النَّصْرَ۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں تھے۔ وہ اس ٹوپی کے ساتھ جس جنگ میں بھی گئے انہیں فتح و نصرت عطا کی گئی۔"

ہاں جب تابوت سکینہ جس میں آل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، اسی کی برکت سے بنی اسرائیل کو فتح وظفر حاصل ہوتی تھی تو اگر حضرت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی بدولت یہ برکت اور یہ اثر بلکہ اس سے ہزار بار درجہ زائد خیر و برکت حاصل ہو جائے تو کیا بعید ہے

وَكَانَتْ فِي قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ شَعَرَاتٌ مِنْ شَعْرِهٖ صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ قَلَنْسُوَةٌ فِي بَعْضِ حُرُوْبِهٖ فَشَدَّ عَلَيْهَا شِدَّةً أَنْكَرَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ قُتِلَ فِيْهَا فَقَالَ لَمْ أَفْعَلْهَا بِسَبَبِ الْقَلَنْسُوَةِ بَلْ مَا تَضَمَّنَتْهُ مِنْ شَعْرِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِئَلَّا أُسْلَبَ بَرَكَتَهَا وَتَقَعَ فِي أَيْدِي الْمُشْرِكِيْنَ۔

"حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال تھے، ایک جنگ میں وہ ٹوپی اتر گئی، حضرت خالد نے اسے حاصل کرنے کے لئے اتنا سخت حملہ کیا کہ صحابۂ کرام نے اس پر انکار کیا، کیونکہ اس حملے میں بہت سے افراد شہید ہو گئے تھے، حضرت خالد نے فرمایا! میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ اس لئے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی برکت مجھ سے چھین لی جائے اور وہ بال مشرکوں کے ہاتھ لگ جائیں۔"

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی تعظیم نہیں کرتا اور ان کی تعظیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور بے ادبی سے اس کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا اس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، اگرچہ آپ کی محبت کا دعویدار ہو اور اس بے باکی کی تاویل میں لاف و گزاف سے کام لیتا ہو۔ ان لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ایمان ہے وہ آپ کے ایک بال مبارک کے مقابل تمام دنیا کو ایک جَو کی اہمیت نہیں دیتے۔

[1] جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی نے حیات طیبہ میں شیخ نجدی کے بارے میں لکھا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں تھے وہ اس ٹوپی کے ساتھ جس جنگ میں گئے انہیں فتح و نصرت حاصل ہوئی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

لَشَعْرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال ہمیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اگرچہ دوست بچیزے نمی خرد مارا
بعالمے نفروشیم موئے از سر دوست

"اگرچہ دوست ہمیں کسی چیز کے بدلے نہیں خریدتا، ہم اس کے ایک بال کو پوری دنیا کے عوض میں بھی فروخت نہیں کرتے۔"

وَفِي الصَّحِيْحِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةً طَيَالِسَةً وَقَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا

"حدیث صحیح میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ملبوسات و تبرکات جو مصر و ترکی کے میوزیم میں محفوظ ہیں۔
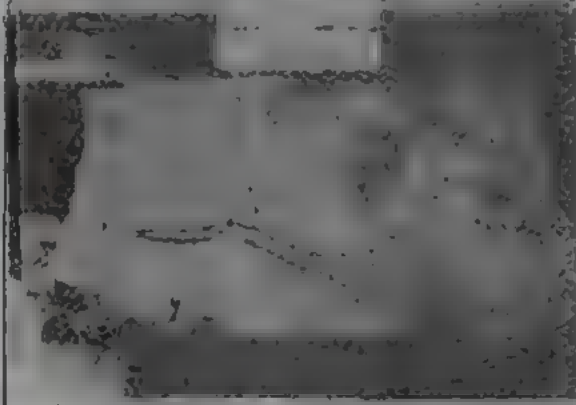
اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں اور صحابہ کرام کی تعظیم بلاشک وشبہ بطریق اولیٰ فرض عین ہے، چونکہ مبسوط کتابیں ان عقائد اور مقاصد پر مشتمل ہیں، اس لئے اس فتویٰ میں حوالات اور تفصیل کی ضرورت نہیں۔

علما سے مروی ہے کہ انھوں نے طیالسی جبہ نکالا اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے زیب تن فرماتے تھے، ہم اسے بیماریوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس سے شفا طلب کرتے ہیں۔"

حضرت قاضی ابوالفضل عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، کہ ابوالقاسم بن میمون نے فرمایا ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا ہم بیماریوں کے لئے اس میں پانی ڈالتے تھے، پس اس سے شفا طلب کرتے تھے۔

أَخَذَ جَهْجَاهُ الْغِفَارِيُّ قَضِيْبَ النَّبِيِّ مِنْ يَدِ عُثْمَانَ وَتَنَاوَلَهُ لِيَكْسِرَهُ عَلَى رُكْبَتِهِ فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ فَأَخَذَتْهُ الْأَكِلَةُ فَقَطَعَهَا وَمَاتَ قَبْلَ الْحَوْلِ۔

جہجاہ غفاری نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عصائے مبارک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لیا تاکہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے تو لوگوں نے بڑی شدت سے اسے منع کیا کہ اسے مت توڑنا، اسی وقت اس کے گھٹنے پر ایک زخم پیدا ہوا بعد ازاں اس نے گھٹنا کٹوا دیا اور سال گذرنے سے پہلے مر گیا۔

اس باب میں احادیث و آثار بکثرت ہیں، ان آثار صحیحہ اور نصوص صریحہ سے ثابت ہو گیا کہ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف رکھتی ہے، اور جو چیز آپ کے اعضاء اور قدموں سے مس ہو چکی ہے، اس کی تعظیم و تکریم تمام مسلمانوں پر عام ہوں یا خواص، واجب اور لازم ہے اور جو شخص ان اشیاء شریفہ کی توہین سے اپنی زبان آلودہ کرے یا ان کی اہانت کی علانیہ یا پوشیدہ، قول یا فعل سے کرے، اس نے ایمان کو برباد کیا اور حسن اعتقاد کی جگہ ارتداد کو اپنے دل میں رکھا، چنانچہ بعض ملعون اور بے دین زندیق کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نعلین قدم اس لائق ہے کہ اسے ایسی جگہ رکھا جائے کہ ہر کس و ناکس اس پر پاؤں رکھے یا کہتے ہیں کہ اگر ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس مل جائے تو ہم اسے پہننے کا کپڑا بنا لیں اور اگر آپ کے نعلین مبارک مل جائیں تو انھیں پاؤں میں پہن لیں، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک! یہ کفر، الحاد بے ایمانی اور ارتداد ہے، اس سے اور اس جیسے دیگر مہلکات سے اللہ تعالیٰ ہمیں پناہ عطا فرمائے۔
جس طرح ان تمام اشیاء کی تعظیم واجب اور فرض ہے،

میلادِ مصطفیٰ کی اہمیت

مولانا شاہ محی الدین لطافی اشرفی

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات ولادت کافی تفصیل کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا ہر مسلمان ان قرآنی میلاد ناموں کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ اور یقیناً اگر قرآن کریم کے بعد آسمان سے کسی نئی کتاب کے اترنے کی راہ کھلی ہوتی تو اس میں خاتم النبیین سید المرسلین نور رب العالمین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد نامہ تفصیل سے بیان کیا جاتا۔ لیکن پھر بھی قرآن کریم کی بعض سورتوں مثلاً سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح اور متفرق آیات کریمہ کے معانی میں اگر غور کیا جائے تو ان سورتوں اور آیات کے مختصر الفاظ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد نامہ کے بنیادی واقعات ہر صاحب نظر پر عیاں ہو جائینگے اور ان مختصر بنیادی واقعات کی تفصیل میں ان واقعات اور مشاہدات کے لئے کافی گنجائش ہے۔ جن کا ذکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد ناموں کی معتبر کتابوں میں کیا گیا ہے اس لئے میں یقین کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ و حضرت

عیسیٰ علیہما السلام کے میلاد ناموں کے ساتھ صاحب قرآن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد نامہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے۔

اگر کوئی ایمان کی بصیرت اور یقین کی نظر رکھنے والا چاہے تو مذکورہ بالا سورتوں اور قرآن کریم کی دوسری متفرق آیات کی روشنی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد نامہ مرتب کر سکتا ہے۔ انشاء اللہ کلیات یعنی بنیادی واقعات کی حد تک سب کچھ قرآن کریم میں مل جائے گا۔ صرف جزئی واقعات کی تفصیل میں روایتوں کی ضرورت ہوگی۔ اور ہر وہ شخص جس کے ایمان کی بصیرت مفقود نہیں ہے اور انکار کی ظلمت میں مبتلا نہیں ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد نامے پڑھنے اور پڑھانے کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی میں قائم کر دی ہے اور اسی بنا پر ہر زمانے میں مسلمان ان روایتوں کا ذکر جن کا تعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک سے ہے کسی نہ کسی شکل میں کرتے چلے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہ

آپ یہ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ نہ اسکو کسی نے جنا ہے اور نہ اس کا کوئی کفو یعنی خاندان و قبیلہ اور ہم جنس ہے۔

اس مختصر سورۂ شریفہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی خاص صفت بیان فرمائی ہے۔ جو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیے کہ گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں نے اکثر اسی معاملے میں ٹھوکر کھائی ہے کہ اپنے نبی کے کمالات و معجزات و مافوق الفطرت واقعات دیکھ کر ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی شان مبارک میں غلو کیا۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک تصور کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ "یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں"۔ قَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ "عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں"۔ اور یہ عقیدہ قائم کیا کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ "اللہ اور عیسیٰ اور مریم تینوں مل کر خدا ہیں۔ اللہ تین خداؤں میں تیسرا خدا ہے۔

اور جب کوئی امت اپنے نبی کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد عقائد اور اعمال کے فساد میں مبتلا ہو جاتی تھی تو پھر ان کی اصلاح کے لئے ایک دوسرا نبی بھیجا جاتا تھا۔ لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ اور اب اصلی و نقلی فرضی و جعلی۔ ظلی و بروزی کسی قسم کا کوئی نبی کبھی نہیں آسکتا ہے اور چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں۔ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات و معجزات آپ کی ذات مقدسہ میں جمع ہیں۔ اور ان کے علاوہ بے انتہا و بے شمار کمالات آپ کی ذات بابرکات میں جمع ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے جیسا کہ حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

انبیاء و مرسلین علیہم السلام جو کمالات و معجزات لے کر تشریف لائے وہ ان کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ملے۔ آپ کا وجود پاک سراپا کمالات و معجزات ہے۔ آپ کائنات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے مظہر کامل اور اللہ تعالیٰ اور اس کی کل مخلوقات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ حضرت علامہ بوصیری نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

عیسائیوں نے جو کچھ اپنے نبی کی شان میں کہا یعنی ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا تم اس کو چھوڑ دو۔ یعنی ایسا نہ کہو۔ اس کے علاوہ تم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جتنے کمالات بیان کرنا چاہو بیان کرو۔

حضرت سیدنا و مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد پاک پڑھنے کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قائم کر دی۔

محواں او زغداز بہر امر شرح و حفظ دیں
دگر بر وصف کس ی خواہی انذ دش الملاکن

شریعت کے حکم اور دین کی حفاظت کے لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو۔ اس کے علاوہ دوسری جو صفت بھی ان کی تعریف میں بیان کرنا چاہتے ہو، کرو۔

اس بنا پر شدید خطرہ تھا کہ جبکہ جزئی کمالات کا مشاہدہ کر کے گذشتہ امتیں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہو گئیں تو کلی کمالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ امت بھی جو خیر امت ہے، اور جسکو قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا ہے، شرک میں نہ مبتلا ہو جائے اور شرک ہی وہ گناہ عظیم ہے جس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قطعی واضح طور پر فرمادیا ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے" پھر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورہ نساء رکوع ۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہ بخشے گا۔ اور شرک کے علاوہ دوسرے تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا"

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شرک کا دروازہ بند کرنے اور اس بہترین امت کو اپنے نبی کی شان مبارک میں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کا ذکر فرمایا اور خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ اہتمام فرمایا کہ آپ اپنے یوم ولادت دوشنبہ کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اپنی مسجد شریف میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے منبر رکھوایا اور انھوں نے آپ کا میلاد نامہ بیان فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اور یقیناً شرک سے محفوظ رہنے کا بہترین اور واحد طریقہ صرف اور صرف میلاد نامہ کا پڑھنا اور پڑھانا، سننا اور سنانا ہے۔ اور یہ طریقہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کیا ہوا ہے۔

اس حقیقت کو بخوبی غور کر کے سمجھئے کہ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اس صفت خاص پر مسلمانوں کے دلوں میں یقین پیدا کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے، نہ اس کو کسی نے جنا ہے، نہ اس کا کوئی کفو خاندان وقبیلہ اور ہم جنس ہے پھر اپنے محبوب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد نامہ کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا۔ تاکہ اس عمل کے ذریعہ یہ علم ویقین تازہ ہوتا رہے کہ نور رب العالمین حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد حضرت عبداللہ کے پشت مبارک اور ایک عورت حضرت آمنہ خاتون کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بنی ہاشم اور آپ کا قبیلہ قریش ہے۔ لہذا بے انتہا وبے شمار کمالات ومعجزات اور غیر محدود فضائل واختیارات کے باوجود نہ آپ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کے کوئی رشتہ دار نہ قبیلہ نہ ہم جنس۔

اللہ تعالیٰ کے بالمقابل آپ کی حیثیت وہی ہے جو آپ نے خود بیان فرمائی ہے۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

"حقیقت صرف یہ ہے کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے"

یعنی کسی بھی مخلوق کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی شے نہیں ملتی ہے۔ بلکہ ہر مخلوق کو خزانۂ الٰہی سے جو شے بھی ملی اور ملتی ہے وہ آپ کے واسطے اور وسیلہ سے ملی اور ملتی ہے یہاں تک کہ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوت اور کمالات ومعجزات بھی آپ ہی کے وسیلے سے عطا ہوئے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واسطہ اور وسیلہ ہیں۔

اور میرے علم و یقین کے مطابق یہی عقیدہ و تصور حضرات محدثین دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے دل و دماغ میں بھی مضبوطی سے قائم تھا۔ ان مقدس حضرات کے ایمان افروز و پاکیزہ اشعار پڑھ کر اور سن کر اپنا ایمان تازہ کیجئے۔

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فَإِنْ جُرْتُمْ حَقِّي فَلِي غِيَاثٌ

بِبَابِ الْمُصْطَفٰى خَيْرِ الْأَنَامِ

اے لوگو! اگر تم لوگوں نے میرے اوپر ظلم کیا تو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کی صورت میں میرا فریادرس موجود ہے جو ساری مخلوق سے افضل ہے۔

إِلَيْهِ تَوَجُّهِي وَلَهُ اسْتِنَادِي

وَفِيهِ مَطَامِعِي وَبِهِ اعْتِصَامِي

"انھیں کی طرف میری توجہ ہے اور انھیں پر میرا اعتماد ہے۔ اور انھیں کی ذات پاک میری امیدوں کا مرکز ہے اور میں نے انھیں کا دامن تھاما ہے"

أَجِرْنِي سَيِّدِي مِنْ ضَيْمِ سُقْمٍ

أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ وَقْعِ الْحُسَامِ

"اے میرے آقا! مصیبت کے ظلم سے مجھے نجات دیجئے۔ جو مجھ پر تلوار سے زیادہ سخت ہے"

وَذِكْرُكَ سَيِّدِي حِرْزِي وَحِصْنِي ۞ أُبِيدُ بِهِ عَلَى الْجَيْشِ اللُّهَامِ

"اور اے میرے آقا! آپ کا ذکر میری پناہ اور میرا قلعہ ہے۔ اسی سے میں بڑے بڑے لشکروں کو تباہ کروں گا"

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يَا كَاشِفَ الضَّرَّاءِ مِنْ مُسْتَنْجِدٍ

يَا مُنْجِيًا فِي الْحَشْرِ مَنْ فَالْأَرَكْ

"اے فریادی کی مصیبتوں کو دور کرنے والے اے اپنے سے بست کرنے والے کو حشر میں نجات دینے والے"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مُعْتَصَمُ الْمَكْرُوبِ فِي كُلِّ غَمْرَةٍ

شرک سے حفاظت کرنیوالی واحد شئے صرف میلاد مبارک کا پڑھنا اور سننا ہے۔ اس کے علاوہ شرک سے بچانے والی کوئی دوسری شئے نہیں ہے۔

●

وَمُنْتَجِعُ الْغُفْرَانِ مِنْ كُلِّ تَائِبٍ

"اور ہر مصیبت میں مصیبت زدوں کا سہارا اور ہر توبہ کرنے والے کی مغفرت چاہنے والے"

مَلَاذُ عِبَادِ اللّٰهِ مَلْجَأُ خَوْفِهِمْ

إِذَا جَاءَ يَوْمٌ فِيهِ شَيْبُ الذَّوَائِبِ

"اس دن جب ہر جوانی پر بڑھاپا آجائے گا یعنی روز قیامت اللہ کے بندوں کی جائے پناہ اور ان کے خوف و ہراس کے ملجا و ماویٰ ہیں"

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری

بدرگاہش بیاد ہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دنیا و آخرت کی خیریت چاہتا ہے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو اور جو کچھ چاہتا ہے مانگ۔

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بہ ہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بہ لطف خود سروسامان ایں بے سروساماں کن

"جس طرح بھی ہو یا رسول اللہ کرم فرمائیے۔ اپنی مہربانی سے اس بے سروساماں کا سروسامان درست کیجئے۔"

بیا حقی مدہ تصدیع خدام جنابش را
کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

"اے حقی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے خادمین کو تکلیف نہ دے کیونکہ تیرے حالات حضور کو معلوم ہیں تو انھیں ظاہر کرے یا نہ کرے"

اور سراج الامہ امام الائمہ سیدنا و مولانا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات پر بھی یہی عقیدہ چھایا ہوا تھا۔ جیسا کہ فرمایا۔

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى
جُدْلِيْ بِجُوْدِكَ وَاَرْضِنِيْ بِرِضَاكَ

اے جن وانس سے بزرگ و برتر اور اے خزانۂ کائنات! مجھے اپنی بخشش سے نوازیئے۔ اور مجھے اپنی رضامندی عطا فرمائیے۔

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ
لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَ

"میں آپ کی بخشش کا طالب ہوں۔ کیونکہ کائنات میں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا کوئی نہیں"

اور سیدنا حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی اسی عقیدے میں محو تھے۔ جبکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خوش ہو کر فرمایا کہ کچھ مانگو تو انھوں نے عرض کی۔

اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ باب السجود)

"میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں"

اور غلام اس عقیدے پر کامل یقین کے ساتھ کیوں نہ قائم ہوں جب کہ آقائے کائنات خود ہی بلا شرط فرمائیں کہ کچھ مانگو

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حاصل یہ ہے کہ شرک سے حفاظت کرنے والی واحد شئی صرف اور صرف میلاد مبارک کا پڑھنا اور سننا ہے اور اس کے علاوہ شرک سے بچانے والی کوئی دوسری شئی نہیں ہے۔ کوئی شخص جب میلاد پڑھتا ہے اور سنتا ہے تو وہ شرک سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا علماء کرام و مفتیان دین کا کام ہے کہ عبادت کے لئے محرک و معاون شئے عبادت ہے۔ تو شرک سے محافظ شئی کی حیثیت کیا ہے؟ عبادت ہے یا نہیں؟۔

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حسین فاطمہ
قادری
ریل بازار کانپور

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسب نسب صورت و سیرت اخلاق و آداب کے بیان کا نام ہی میلاد شریف ہے اور اس کا جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے

دن منانا قوموں کی تاریخ میں بعض دن اپنی اہمیت وعظمت کی وجہ سے یادگار حیثیت حاصل کر لیتے ہیں پھر سال بہ سال ان ایام کو منایا جاتا ہے ان ایام میں ہونے والے واقعات پر خوشی یا غم کا اظہار ہوتا ہے۔ اُن واقعات سے جو بھی عبرتیں یا نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں اگر ان پر غور وفکر کیا جائے تو ماضی سے مستقبل کے لئے روشنی حاصل کی جاتی ہے حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا دن کسی ایک قوم کے لئے تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ تمام انسانیت کے لئے یادگار دن ہے۔

کیونکہ آپ کا ظہور صرف قریش یا اہل عرب کے لئے نہ تھا بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن۔

اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی دعوت عالمگیر تھی ارشادِ الٰہی ہے۔

نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔

حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب کو اپنے بندے پر نازل فرمایا تاکہ تمام جہان والوں کے لئے خدا کا ڈر سنانے والے ہوں۔

کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ تمام اقوام عالم کی گردنیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارِ احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔ دُنیا میں جہاں کہیں عدل و احسان، صدق و صفا، رحم و کرم، ہمدردی، غمخواری محبت و مودت، امن و آشتی، محنت و مشقت، ایثار قربانی جیسے اوصاف کریمہ پائے جاتے ہیں ان سب کا سلسلہ تعلیم محمدی سے ہی جا کر ملتا ہے۔

پس آج کا دن ایک یادگار دن ہے۔ ہم اسے قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق منائیں گے۔

قرآن کا حکم :-

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ -

اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے.

ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے. پس آپ کا ذکر کرنا اور آپ کی یاد منانا حکم خداوندی ہے.

حدیث شریف.

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اپنے میلاد پاک کو بیان فرمایا۔

• حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں. صحابہ بولے آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے بہتر لوگوں میں رکھا۔ پھر ان کے بھی دو حصے کئے مجھے اچھے حصہ میں رکھا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں رکھا پھر اُنکے خاندان بنائے اور مجھے اچھے خاندان سے کیا لہٰذا میں ان سب لوگوں میں خاندان کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب سیرت وصورت اخلاق اور آداب کے بیان کا نام ہی "میلاد شریف" ہے اسی چیز کو اہل سنت وجماعت قرآن وحدیث کی روشنی میں پورے احترام واہتمام سے منایا کرتے ہیں.

نعت خوانی

برہان حلبی روح السیر میں رقمطراز ہیں.

نبی کریم کی ولادت باسعادت کے دن بھلائی کا ارادہ کرنے والوں فرحت ومسرت کا اظہار کرنے والوں اور اُن سے محبت کرنے والوں کو یہی کافی ہے

کہ وہ نیک لوگوں' فقراء اور مساکین کو جمع کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کو کھانا کھلائیں اور انہیں صدقہ کریں اور اس سے زائد اگر چاہیں تو ایسے اشعار پڑھیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور تعریف ہو۔ اچھے کاموں کی ترغیب ہو. دلوں کو بھلائیوں پر برانگیختہ کرنا ہو اور بدعتوں اور برائیوں سے روکنا ہو. (روح السیر)

میلاد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں

علامہ احمد بن قسطلانی فرماتے ہیں.

میلاد شریف کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے منعقد کرنے والوں پر خدا کا فضل نازل ہوتا ہے.

اس کی مجرب خاصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ:

یہ پورے سال تک امن کا باعث ہوتا ہے اور اس سے مرادیں جلد پوری ہوتی ہیں.

(مواہب لدنیہ۔ زرقانی)

فاتحہ و ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی)

عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ بدنی، مالی، مرکب
جس کا تعلق بدن سے ہو جیسے تلاوتِ قرآن، تسبیح و تہلیل، دعا، و استغفار اور نماز و روزہ وغیرہ وہ بدنی عبادت ہے
جس کا تعلق مال سے ہو جیسے زکوٰۃ و صدقات اور خیرات وغیرہ وہ مالی عبادت کہلاتی ہے
اور جس کا تعلق دونوں سے ہو جیسے حج کہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر جسمانیت کے ساتھ حج کے ارکان بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کو مرکب عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسلمان ان عبادتوں میں سے اخلاص کے ساتھ جب کوئی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی کسی عبادت کا ثواب کسی دوسرے مسلمان کو پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ تو ثواب پہنچتا ہے اور نہ اس سے مُردوں کو کوئی نفع پہنچتا ہے۔ جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے اور اس سے مُردوں کو نفع بھی پہنچتا ہے۔

اگرچہ معتزلہ تو نہیں رہے لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھر ایسے چند افراد پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے معتزلہ کی طرح ایصال ثواب کا انکار کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ وہ قرآن و حدیث پر ایمان و عمل رکھنے کے مدعی ہیں۔ تعجب ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر ایمان و عمل رکھنے کے مدعی ہو کر ایصال ثواب اور اس کے مفید و نافع ہونے کے منکر کیسے ہو گئے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث پر ایمان و عمل کا دعویٰ اور ایصال ثواب کا انکار۔ یہ دونوں چیزیں تو ایسی ہیں جو کبھی جمع نہیں ہو سکتیں ایسے حضرات کو حسب ذیل دلائل میں گہری نظر سے غور کرنا چاہیئے۔

بدنی عبادات!

میت کے لئے دعا و استغفار کرنا

(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الدّعاءُ هو العبادة (ابوداؤد) دعاء عبادت ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعاءُ مخ العبادة (کنز العمال) دعار عبادت کا مغز ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ دعار عبادت بلکہ عبادت کا مغز ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین جاءُ امن بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (قرآن کریم پ۲۸)	وہ جو ان کے بعد آئے وہ یوں دعار کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے باایمان گذر چکے ہیں۔

فضول اور لغو کاموں کو بطور تعریف واستحسان بیان کرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ زندہ مسلمان کا مردہ مسلمانوں کیلئے دعائے بخشش کرنا مردوں کے عفو و بخشش اور رفع درجات کا موجب ہے۔

(۴) چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد نقل غیر واحد الاجماع علی ان الدعاء ینفع المیت ودلیلہ من القرآن قولہ تعالیٰ والذین جاءُو من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (شرح الصدور ص۱۲۷)	اور اس امر پر بہت سے علمار نے اجماع نقل کیا ہے کہ بیشک دعار میت کو نفع دیتی ہے اور اس کی دلیل قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے والذین جاءُو امن بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان

اگر کسی نیک بندے یا کسی بزرگ کے لئے دعائے بخشش کی جائے تو اس کے درجے بلند ہوتے ہیں اور گنہگار پر سے سختی اور عذاب دور ہو جاتا ہے۔

(حدیث)

غور فرمائیے! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس مبارک فعل کو بطور استحسان و تعریف بیان فرما رہا ہے کہ وہ بعد میں آنے والے مسلمان جہاں اپنے لئے دعائے بخشش کرتے ہیں وہاں اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعائے بخشش کرتے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔

جب ثابت ہو گیا کہ دعار عبادت ہے تو معلوم ہوا کہ زندوں کی عبادت یعنی دعار سے مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اگر یہ نہ مانا جائے تو پھر مسلمان کا اپنے متوفی بھائیوں کے لئے دعائے بخشش کرنا فضول اور لغو قرار پائے گا۔ اور پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ قرآن معاذ اللہ

(۵) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعار کا ذکر بھی بطور تعریف بیان فرماتا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وللمومنین یوم یقوم الحساب (قرآن کریم)	اے ہمارے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنین کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو

دیکھئے ابراہیم علیہ السلام اپنے متوفی والدین اور مسلمانوں کے لئے بخشش کی دعار فرما رہے ہیں۔ دعار عبادت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کی عبادت سے ان کے والدین اور مسلمانوں کو ضرور نفع ہو گا ورنہ حضرت ابراہیم کا دعار کرنا فضول

ٹھہرے گا۔ کیا یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر فضول کام کا مرتکب ہوا اور قرآن کریم نے فضول کام کا ذکر فرمایا۔؟ (معاذ اللہ)

(۶) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں اور اس کے ارد گرد ہیں وہ ہماری تسبیح و تحمید کے ساتھ ساتھ

ویستغفرون للذین آمنوا (قرآن)	مومنوں کے لئے دعائے بخشش بھی کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تحمید کے ساتھ مومنوں کے لئے دعائے بخشش بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے دعائے بخشش مانگنے والے فرشتے ہیں اور اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔ اگر ان کی دعا کا کوئی فائدہ مسلمانوں کے حق میں مرتب نہ ہو تو ان کا مسلمانوں کے حق میں دعا کرنا بیکار ہوگا اور فرشتے معصوم اور مامور من اللہ ہوتے ہیں ان کا کوئی کام بیکار اور بے فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فرشتوں کی عبادت یعنی دعائے بخشش کا فائدہ مسلمانوں کو ضرور پہنچے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک کی عبادت کا دوسرے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ تعالیٰ لیدخل الی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم (مشکوٰۃ ص۲۰۶)	مردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے اور جب اس کو کسی کی دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کی مثل اجر و رحمت عطا کرتا ہے اور بیشک زندوں کا تحفہ مردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کے لئے بخشش کی دعا مانگی جائے۔

اس حدیث سے مردہ کا دعائے بخشش کا منتظر ہونا اور زندوں کے ہدیئے دعائے بخشش کا اس کے لئے بہت ہی زیادہ مفید ہونا بخوبی ثابت ہے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ما من رجل مسلم یموت فیقوم علیٰ جنازتہ اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئا الا شفعھم اللہ فیہ (ابوداؤد شریف)	جس مسلمان کی نماز جنازہ پر ایسے چالیس مسلمان کھڑے ہو جائیں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت میت کے حق میں قبول فرماتا ہے یعنی بخش دیتا ہے۔

دیکھئے چالیس زندہ مسلمانوں کا شفاعت کرنا یعنی دعائے بخشش کرنا مردہ کے حق میں بخشش کا موجب ہوا۔

(۹) حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ما من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلاثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب (مشکوٰۃ ص۱۴۷)	جس مسلمان کی نماز جنازہ پر مسلمانوں کی تین صفیں ہو جائیں اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اسی لئے جنازہ پر تین صفیں کی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ صفیں بنانا اور نماز پڑھنا میت کا نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کا فعل ہے جو میت کے لئے باعث مغفرت ہوا۔

(۱۰) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضو

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ

یتبع الرجل یوم القیمۃ من الحسنات امثال الجبال فیقول انیٰ ھذا فیقال باستغفار ولدک لک۔
(الادب المفرد للبخاری صـ۹ و شرح الصدور صـ۱۲۷)

قیامت کے دن پہاڑوں جیسی نیکیاں انسان کے (اعمال سے) لاحق ہوں گی تو وہ کہے گا کہ یہ کہاں سے ہیں؟ تو فرمایا جائے گا یہ تمہاری اولاد کے استغفار کے سبب سے ہیں جو تمہارے لئے کیا گیا

(۱۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے ایک نیک بندے کا درجہ بلند فرمایا۔

فیقول یارب انّٰی لی ھذا؟ فیقول باستغفار ولدک لک (مشکوٰۃ صـ۲۰۶)

تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب میرا درجہ کیونکر بلند ہوا؟ ارشاد ہوا کہ تیرا بیٹا جو تیرے لئے دعائے بخشش مانگتا ہے اس کے سبب سے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی نیک بندے یا کسی بزرگ کے لئے دعائے بخشش کی جائے تو اس کے درجے بلند ہوجاتے ہیں اور گنہگار کے لئے کی جائے تو اس سے سختی اور عذاب دور ہوجاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امتی امۃ مرحومۃ تدخل قبورھا بذنوبھا وتخرج من قبورھا لاذنوب علیھا تمحص عنھا باستغفار المومنین
(شرح الصدور صـ۱۳۰)

میری امت امت مرحومہ ہے وہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور جب قبروں سے نکلے گی اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ مومنوں کے استغفار کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک وصاف کر دے گا۔

امت مرحومہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی لیکن جب قبروں سے باہر نکلے گی تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا، یہ فائدہ اسے ایصال ثواب وفاتحہ کی بدولت حاصل ہوگا۔
(احادیث)

(۱۳) مذہب حنفی کے عقائد کی مسلم کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے۔

وفی دعاء الاحیاء للاموات او صدقتھم عنھم نفع لھم خلافاً للمعتزلۃ

کہ زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا یا صدقہ وخیرات کرنا مردوں کے لئے نفع کا باعث ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں

(۱۴) امام اجل حضرت علامہ علی قاری صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

اتفق اھل السنۃ علی ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء
(شرح فقہ اکبر)

کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے

میت کے لئے نماز روزہ اور حج کرنا:

(۱۵) ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں اپنے والدین کے ساتھ جبکہ وہ زندہ تھے نیک سلوک کیا کرتا تھا اب ان کی وفات کے بعد میں ان کے ساتھ کیسے نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا۔

ان من البران تصلی لهما مع صلوتك وان تصوم لهما مع صيامك (شرح الصدور صفحہ ۱۲۹)

اب تیرا ان کے ساتھ نیکی کرنا یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی (نفلی) نماز پڑھ اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے بھی (نفلی) روزے رکھ۔

(۱۶) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک عورت آئی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں مر گئی ہے۔

انہ کان علیہا صوم شہر افاصوم عنہا قال صومی عنہا قالت انہا لم تحج قط افاحج عنہا قال حجی عنہا (مسلم کتاب الصوم، ابوداؤد کتاب الوصایا)

اور ایک ماہ کے روزے اس کے ذمے تھے کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں؟ فرمایا ہاں تو اس کی طرف سے روزے رکھ۔ اس نے کہا میری ماں نے کبھی حج بھی نہیں کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں فرمایا اسکی طرف سے حج بھی کرلو۔

ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متوفی کی طرف سے نماز، روزہ اور حج کرنے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے نماز روزہ اور حج کرنیوالے زندوں کی عبادت سے ان مردوں کو نفع پہنچے گا جن کے لئے وہ کی گئی۔ اگر زندوں کی عبادت سے مردوں کو نفع نہ پہنچتا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اجازت نہ دیتے بلکہ فرما دیتے کہ تمہاری عبادت سے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا لہٰذا ان کی طرف سے عبادت کرنا فضول ہے۔

(۱۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنہا قال حجی عنہا (بخاری شریف)

میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ بغیر حج کئے مر گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا تو اس کی طرف سے حج کر۔

دیکھئے ایک زندہ عورت پر واجب و ضروری تھا کہ وہ حج کرے لیکن جب وہ حج ترک کر کے مر گئی تو حج اس کے ذمہ تھا جس کی طرف سے وہ ماخوذ اور مستحق سزا تھی مگر جب اس کے زندہ وارث کے ادا کرنے سے اس کی طرف سے وہ حج ادا ہو گیا تو وہ مواخذہ اور سزا سے رہا ہو گئی پس معلوم ہوا کہ زندہ کے عمل سے مردہ کو نفع پہنچتا ہے بشرطیکہ اس کو نفع پہنچانے کی نیت سے کیا جائے۔

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من حج عن والدیہ بعد وفاتہما کتب اللہ لہ عتقا من النار وکان للمحجوج

جو شخص اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم سے آزادی لکھ دیتا ہے اور اس کو

منهما اجر حجة تامة من غير ان ينقص من اجورهما شئ قال صلی اللہ علیہ وسلم ما وصل ذو رحم رحمه بافضل من حجة يدخلها عليه بعد موته في قبره (شرح الصدور ص۱۲۹)

حج کامل کا ثواب ملتا ہے اور اس کے والدین کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل ترین صلہ رحمی میت کی طرف سے حج کرنا ہے۔

. . . .

. . . .

(۳۰) حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من حج عن ابويه ولم يحجا جزى عنهما وبشرت ارواحهما في السماء وكتب عند الله برا (شرح الصدور ص۱۲۹)

جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے جنہوں نے حج نہ کیا ہو تو یہ حج ان کی طرف سے کافی ہوگا اور ان کی ارواح کو آسمانوں میں بشارت دی جائے گی اور یہ شخص (حج کرنے والا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبردار لکھا جائے گا۔

(۳۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

من حج عن ميت فللذي حج عنه مثل اجره (شرح الصدور ص۱۲۹)

جو شخص میت کی طرف سے حج کرے تو میت اور حج کرنے والے دونوں کو پورا پورا ثواب ملے گا۔

(۳۲) مذہب حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ شریف میں ہے۔

ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة او صوما او غيرها عند اهل السنة والجماعة

کہ بیشک انسان اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے خواہ نماز کا ہو یا روزہ کا ہو یا صدقہ و خیرات وغیرہ کا ہو یہ اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے۔

(۳۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بعد از فراغ دوگانہ ثواب امیر سید علی ہمدانی بخواند (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ)

بعد از فراغت دوگانہ پڑھے اور اس کا ثواب میر سید علی ہمدانی کو بخشے۔

میت کے لئے قرآن وفاتحہ خوانی کرنا

(۳۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات وقال القرطبي في حديث اقرؤا على موتاكم يٰس هذا يحتمل ان تكون هذه القراة عند الميت في حال موته ويحتمل ان تكون عند قبره (شرح الصدور ص۱۳۰)

جو قبرستان میں داخل ہو اور سورہ یٰس پڑھے تو اللہ تعالیٰ تمام قبر والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور اس پڑھنے والے کو بقدر ان کی گنتی کے نیکیاں عطا فرماتا ہے اور علامہ قرطبی نے اس حدیث کے بارے میں (اکرم اپنے مردوں پر یٰس پڑھا کرو) فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس کی بھی محتمل ہے کہ یہ قرأت میت کے نزدیک اس حال میں ہو جب کہ وہ مر رہا ہو اور اس کی بھی محتمل ہے کہ اس کی قبر کے نزدیک ہو

(۳۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

من مر على المقابر وقرأ قل هو الله احد احدى عشرة مرة ثم

جو شخص قبروں پر گذرا اور اس نے سورۂ اخلاص کو گیارہ مرتبہ پڑھا پھر اس کا ثواب مردوں

وهب اجره للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات	کو بخشا تو اس کو مردوں کی تعداد کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

(دار قطنی اور مختار بحث قراۃ المیت باب الدفن شرح الصدور صفحہ ۱۳)

. . . .

(۲۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله احد و الهكم التكاثر ثم قال اللهم انی قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لاهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له الى الله تعالى	جو شخص قبرستان جائے پھر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد اور الہاکم التکاثر پڑھ کر کہے کہ اے اللہ جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا ہے اس کا ثواب میں نے ان قبروں والے مومنین اور مومنات کو بخشا تو وہ تمام مردے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لئے سفارش کرتے ہیں۔

(شرح الصدور صفحہ ۱۳)

(۲۷) امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كانت الانصار اذا مات لهم الميت اختلفوا الى قبره يقرؤن له القرآن	انصار کا طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی مرجاتا تو وہ بار بار ان کی قبر پر جاتے اور اس کے لئے قرآن پڑھتے۔

(شرح الصدور صفحہ ۱۳)

(۲۸) علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری، شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ

ان المسلمين ما زالوا فی كل عصر يقرؤن القرآن ويهدون ثوابه ولا ينكر ذلك منكر	مسلمان ہر زمانے میں قرآن پڑھ کر اس کا ثواب (مردوں کو) بخشتے رہے ہیں اور اس کا انکار منکر بھی نہیں کرتا۔ اور

صاحب قبر کو سلام کرو۔ قبرستان جاؤ تو فاتحہ پڑھو اور اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچاؤ۔ کیونکہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔ (حدیث)

فكان اجماعا عند اهل السنة والجماعة	اہل سنت و جماعت کا تو اس پر اجماع ہے۔

(۲۹) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اذا دخلتم المقابر فاقرؤا بفاتحة الكتاب والمعوذتين وقل هو الله احد واجعلوا ذلك لاهل المقابر فانه يصل اليهم	کہ جب تم مقابر یعنی قبرستان جاؤ تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور سورۂ اخلاص پڑھو اور ان کا ثواب اہل مقابر کو پہنچا دو کیونکہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔

(شرح الصدور صفحہ ۱۳)

. . . .

(۳۰) زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انی سألت الشافعی رحمه الله عن القراءة عند القبر فقال لا باس به	میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ قبر پر قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح الصدور صفحہ ۱۳)

درگاہ مقدس حضرت خواجہ امین الدین اعلیٰ ثالث رحمۃ اللہ علیہ انخبر شریف گلبرگہ

(۳۱) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یستحب لزائر القبور ان یقرأ ما تیسر من القرآن ویدعو لهم عقبها نص علیه الشافعی واتفق علیه الاصحاب وزاد فی موضع آخر وان ختموا القرآن علی القبر کان افضل (شرح الصدور صلا)

زائر قبور کے لئے مستحب یہ ہے کہ جتنا اس سے ہو سکے قرآن پڑھے اور اہل قبور کیلئے دعا کرے امام شافعی نے اس پر نص پیش کی ہے اور تمام شافعی حضرات اس پر متفق ہیں اور اگر قبر پر قرآن شریف ختم کیا جائے تو اور بھی افضل ہے۔

(۳۲) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

کان الشیخ عز الدین بن عبد السلام یفتی بانہ لا یصل الی المیت ثواب ما یقرأ لہ فلما توفی راٰہ بعض اصحابہ فقال لہ انک کنت تقول انہ لا یصل الی المیت ثواب ما یقرأ ویھدی الیہ فکیف الامر قال لہ کنت اقول ذالک فی دار الدنیا والاٰن فقد رجعت عنہ لما رأیت من کرم اللہ فی ذالک وانہ یصل الیہ ثواب ذالک (شرح الصدور ص۱۲۳)

شیخ عز الدین عبد السلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو قرآن خوانی کا ثواب نہیں پہنچتا جب وہ فوت ہوئے تو ان کے بعض اصحاب نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میت کو قرأت قرآن کا ثواب و ہدیہ نہیں پہنچتا یہ بات کیسی ہے؟ فرمایا دنیا میں تو ایسا ہی کہا کرتا تھا لیکن اب میں اس سے رجوع کر چکا ہوں کیونکہ میں نے یہاں آکر دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ثواب پہنچتا ہے۔

(۳۳) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

واما القراءۃ علی القبر فجزم بمشروعیتها اصحابنا وغیرهم (شرح الصدور ص۱۳۰)

اور رہا قبروں پر قرآن شریف پڑھنا تو اس کی مشروعیت پر ہمارے اصحاب اور ان کے سوا اور علماء نے جزم کیا ہے

(۳۴) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کبار میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی رات کو قبرستان میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں نور چمک رہا ہے میں نے خیال

دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے قبرستان والوں کو بخش دیا ہے۔ غیب سے آواز آئی۔ اے مالک بن دینار! یہ مسلمانوں کا تحفہ ہے جو انہوں نے قبر دل والوں کو بھیجا ہے۔ میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم ہے مجھے بتاؤ مسلمانوں نے کیا تحفہ بھیجا ہے؟

قال رجل من المؤمنین قام فی هذہ اللیلة فاسبغ الوضوء و صلی رکعتین وقرأ فیهما فاتحة الکتاب وقل یا ایها الکفرون وقل هو اللہ احد وقال اللهم انی قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المؤمنین فادخل اللہ علینا الضیاء والنور والفسحة والسرور فی المشرق والمغرب۔

اس نے کہا، ایک مومن مرد نے اس رات اس قبرستان میں قیام کیا تو اس نے وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور ان دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ احد پڑھا اور کہا اے اللہ! ان دو رکعتوں کا ثواب میں نے ان تمام قبروں والے مومنین کو بخشا پس اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ روشنی اور نور بھیجا ہے اور ہماری قبروں میں کشادگی و فرحت پیدا فرما دی ہے۔

قال مالک فلم ازل اقرأهما فی کل لیلة جمعة فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی مناقی یقول لی یا مالک بن دینار قد غفر اللہ لک بعدد النور الذی اهدیته الی امتی ولک ثواب ذالک

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں اس کے بعد میں ہمیشہ دو رکعتیں پڑھ کر ہر جمعرات میں مومنین کو بخشتا۔ ایک رات میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا اے مالک بن دینار بے شک اللہ نے تجھ کو بخش دیا جتنی مرتبہ تو نے میری امت کو نور کا ہدیہ بھیجا ہے اور اتنا ہی اللہ نے تیرے

ثم قال لی وبنی اللہ لک بیتا فی الجنة فی قصر یقال له المنیف قلت وما المنیف؟ قال المطل علی اهل الجنة (شرح الصدور ص ۱۲۸)

لئے ثواب کیا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں ایک مکان بنایا ہے جس کا نام منیف ہے میں نے عرض کیا منیف کیا ہے؟ فرمایا جس پر اہل جنت بھی جھانکیں۔

(۳۵) حضرت حماد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا اور وہیں ایک قبر پر اپنا سر رکھ کر سو گیا خواب میں میں نے دیکھا کہ اہل قبور حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟

قالوا لا! ولکن رجل من اخواننا قرأ قل هو اللہ احد وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة (شرح الصدور ص ۱۳۰)

انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہمارے ایک مسلمان بھائی نے سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشا ہے جس کو ہم ایک سال سے بانٹ رہے ہیں

(۳۶) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پس از آں سی صد و شصت مرتبہ سورۂ الم نشرح خوانند پس دعائے مذکور سی صد و شصت بار بخوانند پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا تعالیٰ سوال نمایند ہمیں طور ہر روز بخوانند باشند۔ انشاء اللہ تعالیٰ در ایام معدود مقصد بحصول انجامد۔ (انتباہ ص ۱۰۲)

اس کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ سورۂ الم نشرح لک پھر تین سو ساٹھ بار وہی دعا مذکورہ پڑھے پھر دس مرتبہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی سی شیرینی پر فاتحہ تمام خواجگان چشت کے نام سے پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے اسی طرح ہر روز کرے انشاء اللہ چند یوم میں مقصد آسانی سے حاصل ہوگا

(۳۷) یہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ویقرأ شیئا من القرآن لوالدیہ ثم لمشایخہ ولاستاذہ ثم لاصحابہ ولاخوانہ ولجمیع ارواح المومنین والمومنات
(انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص۱۱۶)

اور کچھ قرآن پڑھے اور والدین و پیر و استاد اور اپنے دوستوں اور بھائیوں اور سب مومنین اور مومنات کی ارواح طیبہ کو ثواب بخشے۔

(۳۸) حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ

آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں بایصال ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء (فتاویٰ عزیزی)

ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان کی قبروں سے برکت حاصل کرنا اور ایصال ثواب تلاوت قرآن دعاء خیر تقسیم طعام وشیرینی سے ان کی مدد کرنا بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔

میت کے لئے تسبیح وکلمہ پڑھنا۔

صالحین کی قبروں کی زیارت کرنا اور صاحب مزارات سے برکتیں حاصل کرنا نیز ایصال ثواب تلاوت قرآن دعاء خیر وتقسیم طعام وشیرینی سے انکی مدد کرنا جائز ہے (فتاویٰ عزیزی)

جمہور فقہاء حکم کردہ اند کہ ثواب قرأت قرآن واعتکاف بمیت می رسد وبہ قائل ابو حنیفہ ومالک واحمد و حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد گفتہ کہ از قدیم در شہر مسلمانان جمع می شوند وبرائے اموات قرآن مجید می خوانند پس اجماع شد
(تذکرۃ الموتیٰ والقبور)

تمام فقہاء کرام نے حکم کیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے اور اعتکاف کرنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے امام ابو حنیفہ وامام مالک وامام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور حافظ شمس الدین بن عبدالواحد نے فرمایا ہے کہ مسلمان قدیم سے شہر میں جمع ہو کر مردوں کے لئے قرآن خوانی کرتے ہیں پس اس پر اجماع ہے۔

(۳۹) شیخ المحدثین حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(۴۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان پر نماز جنازہ پڑھی پھر ان کو قبر میں اتار کر ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر وتسبیح پڑھنا شروع کر دی ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا دیر تک پڑھتے رہے۔

فقیل یارسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ (مشکوٰۃ ص۲۶)

تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تسبیح وتکبیر کیوں پڑھی؟ فرمایا اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی ہماری تسبیح وتکبیر کے سبب سے اللہ نے اس کو فراخ کر دیا ہے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا قبر پر تسبیح وتکبیر پڑھنا اور ان کی تسبیح وتکبیر سے صاحب قبر کو فائدہ پہنچنا اظہر من الشمس ہے اگر غور کیا جائے تو اس سے بعد از دفن قبر پر اذان دینے کا مسئلہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(۴۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک تو پیشاب کرنے کے وقت چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔

ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقها بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یارسول اللہ لم صنعت هذا ؟ فقال لعله ان یخفف عنهما مالم ییبسا (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص۴۲)

پھر آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور درمیان سے چیر کر اس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیئے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ جب تک یہ شاخیں ہری رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

اس حدیث میں یہ چند باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عالم برزخ کا حال بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

دوم یہ کہ وہ قبر والے اپنی زندگی میں جس گناہ کا ارتکاب کر کے گرفتار عذاب ہوئے تھے آپ کو اس کا بھی علم تھا۔

سوم یہ کہ آپ نے تر شاخیں قبر پر رکھ کر ان کو تخفیف عذاب کا باعث قرار دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ تخفیف عذاب کا باعث صرف وہ شاخیں تھیں یا کچھ اور۔ صرف شاخوں کو قرار دیا جائے تو سوکھنے کے بعد بھی شاخوں کا قبر پر ہونا باعث تخفیف عذاب ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ معلوم ہوا کہ تخفیف عذاب کا باعث صرف وہ شاخیں نہیں ہیں بلکہ ان کی وہ تسبیح ہے جو وہ پڑھتی ہیں کیونکہ وان من شئ الا یسبح بحمدہ (الآیۃ) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اور چونکہ شاخوں کا سوکھ جانا ان کی موت ہے اور موت سے تسبیح موقوف ہو گئی لہٰذا ثابت ہوا کہ تخفیف عذاب کا باعث شاخوں کی تسبیح تھی۔ جب شاخوں کی تسبیح باعث تخفیف عذاب قبر ہے تو بندوں کی تسبیح بھی یقیناً باعث تخفیف عذاب قبر ہے۔

نیز یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے کیونکہ کھجور کی تر شاخوں کی طرح تر وتازہ پھول وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاخیں اس لئے رکھیں کہ ان سے عذاب میں تخفیف ہو جائے تم جو اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول ڈالتے ہو معلوم ہوا کہ تم بھی ان کو گرفتار عذاب سمجھتے ہو۔ اس لئے پھول ڈالتے ہو کہ ان کے عذاب میں کمی ہو جائے۔

تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ تسبیح صرف ان لوگوں کو ہی مفید نہیں جو گرفتار عذاب ہوں بلکہ ان کو بھی مفید ہے جو غریق رحمت ہوں۔ اگر تسبیح گرفتار عذاب کے لئے تخفیف عذاب کا باعث ہے تو غریق رحمت کے لئے خوشی ومسرت اور رفع درجات کا باعث ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہ کرام اور بزرگان دین نے بوقت وفات وصیتیں کی ہیں کہ ہماری قبروں پر کھجور کی تر شاخیں رکھا کرنا۔ نامعلوم منکرین ان پاک لوگوں کے متعلق کیا گمان کریں گے؟

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر پر پھول اور خوشبو والی کوئی چیز رکھنا صاحب قبر کی روح کی مسرت کا باعث ہے اور یہ شرعاً ثابت ہے (فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص۳۳)

(۴۲) امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بیاران و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بر روحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق بر روحانیت مرحومہ ہمشیرہ ام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستاں دعا و فاتحہ مسئول است ۔

یاروں اور دوستوں کو کہہ دیں کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ مرحومی خواجہ محمد صادق کی روحانیت کے لئے اور ستر ہزار بار ان کی ہمشیرہ مرحومہ ام کلثوم کی روحانیت کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب ایک کی روح کو اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں ۔ دوستوں سے فاتحہ اور دعا کے لئے التماس ہے ۔

(مکتوبات شریف)

(۴۳) مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں ۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے ۔ اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی ۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان ہشاش بشاش ہے ۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں ۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی ۔ (تحذیر الناس)

مالی عبادات (میت کے لئے صدقہ و خیرات کرنا)

(۴۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں مر گئی ہے اور اس نے بوقت وفات کچھ وصیت نہیں کی

فہل لہا اجر ان تصدقت؟ قال نعم

اگر میں صدقہ کروں تو کیا اس کو ثواب پہنچے گا ۔ آپ نے فرمایا ۔ ہاں ۔

(مسلم کتاب الزکوٰۃ ۔ بخاری کتاب الوصایا ، موطا امام مالک ۔ ابوداؤد)

(۴۵) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے عرض کیا ۔

یارسول اللہ ھل ینفعہا ان اتصدق عنہا؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم فقال حائط کذا وکذا صدقۃ عنہا ۔

یارسول اللہ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع پہنچے گا ؟ آپ نے فرمایا ہاں پہنچے گا ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر میرا فلاں باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے ۔

(بخاری ، نسائی کتاب الوصایا ، موطا کتاب الاقضیہ)

(۴۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ماں مر گئی ہے

اینفعہا ان تصدقت عنہا قال نعم قال فان لی مخرافا واشہدک انی قد تصدقت عنہا

(ترمذی کتاب الزکوٰۃ)

اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع پہنچے گا آپ نے فرمایا ہاں پہنچے گا اس نے کہا میرا ایک باغ ہے اور میں آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اس کی طرف سے صدقہ کر دیا ۔

ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مرنے والے کے عزیزوں میں سے اگر کوئی صدقہ و خیرات اس نیت سے کرے کہ اس سے مردہ کو نفع پہنچے تو مردے کو یقیناً نفع پہنچتا ہے

(۴۷) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ! میری ماں مر گئی ہے ۔

فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال هذہ لام سعد — تو کون سا صدقہ افضل ہے (جو ماں کے لئے کروں)، فرمایا پانی تو حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔

(ابو داؤد کتاب الزکوۃ)

اس حدیث میں یہ بات نہایت ہی قابل غور ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی فرما رہے ہیں۔ ہذہ لام سعد۔ کہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے بنوایا گیا ہے۔

اس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ جس کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی صدقہ وخیرات کی جائے اگر اس صدقہ وخیرات اور نیاز پر مجازی طور پر اس کا نام لے لیا جائے یعنی یوں کہا جائے کہ یہ سبیل حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کے لئے ہے۔ یا یہ کھانا یا یہ نیاز صحابہ کبار یا اہل بیت اطہار یا غوث اعظم یا خواجہ غریب نواز کے لئے ہے تو ہرگز ہرگز اس سبیل کا پانی اور وہ کھانا و نیاز وغیرہ حرام نہ ہوگا ورنہ پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اس کنوئیں کا پانی حرام تھا حالانکہ اس کنوئیں کا پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد میں تابعین تبع تابعین اور اہل مدینہ نے پیا۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ ان سب مقدس حضرات نے حرام پانی پیا تھا؟ معاذ اللہ کوئی مسلمان تو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ جس کنوئیں کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے اس کنوئیں کا پانی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور صحابہ کرام کے نزدیک حلال و طیب ہے تو جس سبیل کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ امام حسین اور شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کے لئے ہے یا یہ نیاز وغیرہ فلاں کے لئے ہے تو وہ مسلمانوں کے نزدیک بھی حلال و طیب ہے۔

(۴۰) حضرت صالح بن درہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حج کے واسطے مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں ہمیں حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ ملے اور فرمایا تمہارے شہر بصرہ کے قریب ایک بستی ہے جس کا نام ابلہ ہے اس میں ایک مسجد عشار ہے لہٰذا تم میں سے کون میرے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ اس مسجد میں میرے واسطے دو یا چار رکعتیں پڑھے۔

ویقول هذہ لابی هریرۃ — اور کہے کہ یہ رکعتیں ابوہریرہ کے واسطے ہیں۔

(مشکوۃ ص ۴۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے شہداء کو اٹھائیگا جو شہدائے بدر کے ساتھ ہوں گے۔

اس حدیث میں غور فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی فرما رہے ہیں کہ میرے لئے نماز پڑھنا اور یوں کہنا "ہذہ لابی ہریرۃ" کہ یہ نماز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے ہے یعنی اس کا ثواب ابوہریرہ کیلئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ عبادت بدنی کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچایا جا سکتا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔

یہ بھی یاد رہے کہ نماز ایک خاص عبادت ہے جو حضرت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کے متعلق بھی فرمایا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ یوں کہنا کہ یہ ابوہریرہ کے لئے ہے معلوم ہوا کہ جس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو اس کا نام لے یعنی یوں کہے کہ یہ فلاں کے لئے ہے تو جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے یہ بھی معلوم ہوا

آستانہ

حضرت شاہ
پیر بہاءالدین
علیہ الرحمۃ
بازار گلبرگہ
(کرناٹک)

کردہ مقامات جو فضیلت و شرف رکھتے ہیں وہاں عبادت و نیکی کرنا بہت ہی باعث فضیلت اور اجر و ثواب ہے

(۴۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا تصدق احدکم بصدقۃ تطوعا فلیجعلہا عن ابویہ فیکون لہما اجرہما ولا ینتقص من اجرہ شیئا (طبرانی اوسط، شرح الصدور ص۱۲۹)	جب تم میں سے کوئی نفل صدقہ کرے تو چاہیئے کہ اپنے والدین کو ثواب پہنچائے پس اس صدقہ کا ثواب ان دونوں کے لئے بھی پورا ہوگا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۵۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے مرجانے کے بعد اس کے گھر والے اس کے لئے صدقہ وخیرات کرتے ہیں تو جبریل امین اس صدقہ وخیرات کو ایک نورانی طبق میں رکھ کر مرنے والے کی قبر پر لے جا کر کہتے ہیں۔

یاصاحب القبر العمیق ھذہ ھدیۃ اھداھا الیک اھلک فاقبلھا فتدخل علیہ فیفرح بھا ویستبشر ویحزن جیرانہ الذین لم یُھدیٰ الیھم شیئ (شرح الصدور ص۱۲۹)	اے گہری قبر والے یہ ہدیہ وتحفہ تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا تو اس کو قبول کر تو وہ قبر والا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور (دوسروں کو) خوشخبری دیتا ہے اس کے ہمسائے جن کی طرف ان کے گھر والوں کی طرف سے کوئی ہدیہ نہیں پہنچا غمگین وافسردہ ہوتے ہیں۔

(۵۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعائیں اور ان کی طرف سے صدقات وخیرات اور حج وغیرہ کرتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں مردوں کو پہنچتی ہیں ؟

فقال انہ یصل الیھم ویفرحون بہ کما یفرح احدکم بالھدیۃ ۔ (مسند امام احمد)	آپ نے فرمایا بیشک یہ چیزیں ان کو پہنچتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم ایک دوسرے کے ہدیے سے خوش ہوتے ہو۔

(۵۲) علامہ علاءالدین علی بن محمد البغدادی صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں۔

ان الصدقۃ عن	بلاشک وشبہ میت کی طرف سے

الیت تنفع المیت ویصلہ ثوابہا وھو اجماع العلماء

صدقہ دینا میت کے لئے نافع و مفید ہے اور اس صدقہ کا میت کو ثواب پہنچتا ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

(تفسیر خازن)

(۵۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وشیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورانند مضائقہ نیست جائز است واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود اغنیاء راہم خوردن جائز است۔

دودھ چاول (کھیر) کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکانے اور کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جائز ہے اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جائے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔

(زبدۃ النصائح ص ۱۳۲)

. . . .

(۵۴) شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرات امامین نمایند برآں قل وفاتحہ ودرود خواندن متبرک میشود وخوردن او بسیار خوب است

(فتاویٰ عزیزی)

وہ کھانا جو حضرات حسنین کی نیاز کے لئے پکایا جائے اور اس پر قل وفاتحہ ودرود پڑھا جائے وہ متبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔

(۵۵) مولوی اسمٰعیل دہلوی تقویۃ الایمان والے لکھتے ہیں

پس ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود وثواب آں بروح کسے از گزشتگاں برساند وطریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر ومستحسن ست ودر خوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہا وا عراس و نذر ونیاز اموات شک وشبہ نیست

(صراط مستقیم ص ۵۵)

پس ہر وہ عبادت جو مسلمان ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی روح کو پہنچائے اور اس کے لئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو یہ بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور رسوم میں فاتحہ پڑھنے عرس کرنے مردوں کی نذر ونیاز کرنے کی رسموں کی خوبی میں شک وشبہ نہیں ہے۔

. . . .

(۵۶) دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل است۔

(صراط مستقیم ص ۵۴)

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مردوں کو طعام اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہنچانا خوب نہیں ہے کیونکہ یہ بات بہتر اور افضل ہے۔

(۵۷) مولوی اشرف علی تھانوی کا ایصال ثواب کے متعلق فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال:۔ ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گزرتا ہے کہ اگر نیک عمل کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشا جائے تو بخشنے والے کے لئے کیا نفع ہوا البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے حضرت اس خدشہ کو رفع فرما دیں تو فدوی کو اطمینان ہوگا۔

جواب:۔ فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی عمرؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ اتصدق احدکم صدقۃ تطوعا فیجعلہا عن ابویہ فیکون لہما اجرہا ولا ینقص من اجرہ شیئا۔

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث من سن سنۃ حسنۃ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۲۹۹)

میت کے لئے قربانی و بردہ آزاد کرنا

(۵۸) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح کرکے

فرمایا۔

اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے اللہ اس کو میری اور میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما۔

(مسلم ابوداؤد کتاب الضحایا)

(۵۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح کر کے فرمایا۔

هذا عني وعمن لم يضح من امتي

یہ قربانی میری اور میری امت کے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔

(ابوداؤد کتاب الاضاحی)

(۶۰) حضرت حنش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو قربانیاں کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ آپ دو قربانیاں کیوں کرتے ہیں ؟ فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ایک قربانی ان کی طرف سے کیا کروں لہٰذا ایک اپنی اور ایک ان کی طرف سے کرتا ہوں۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہونچاتا ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی آل اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی ہے اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس پر عمل پیرا ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ زندہ کا عمل جو وفات پانے والے کے لئے کیا جائے وہ مفید ونافع ہے۔

(۶۱) حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اعتق عن ابی، وقد مات؟ قال نعم.

کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ فوت ہو چکا ہے کیا میں اس کی طرف سے بردہ آزاد کروں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں کر۔

(شرح الصدور ص۱۲۹)

(۶۲) حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان الحسن والحسین رضی اللہ عنهما كانا يعتقان عن علی بعد موته

کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما حضرت علی کی وفات کے بعد ان کی طرف سے بردے آزاد کیا کرتے تھے۔

(شرح الصدور ص۱۲۹)

صدقۂ جاریہ

(۶۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب انتقال کرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر سات چیزوں کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

اول یہ اگر اس نے کسی کو علم دین سکھایا تو اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا جب تک وہ علم دنیا میں جاری رہے گا۔

دوئم یہ کہ اس کی نیک اولاد ہو جو اس کے حق میں دعا کرتی رہے۔ **سوم** یہ کہ وہ قرآن شریف چھوڑ گیا ہو۔

چہارم یہ کہ اس نے مسجد بنوائی ہو۔ **پنجم** یہ کہ اس نے مسافروں کے آرام کے لئے مسافر خانہ بنوایا ہو۔ **ششم** یہ کہ اس نے کنواں یا نہر وغیرہ کھدوائی ہو **ھفتم** یہ کہ اس نے اپنی زندگی میں صدقہ دیا ہو تو یہ چیزیں جب تک موجود رہیں گی اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ (شرح الصدور)

ان دلائل حقہ سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ زندوں کی بدنی، مالی اور مرکب عبادت کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے اور اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے بشرطیکہ ثواب پہنچانے کی نیت ہو۔ یہ ایصال ثواب گناہگاروں کے لئے عفو وبخشش اور نیکوکاروں کے لئے رفع درجات اور خوشی ومسرت کا موجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ ثواب پہنچانے والے کو بھی پورا پورا اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین ۰

تیجہ، ساتہ، گیارہویں، چہلم، عرس یا برسی کرنا

جب آپ نے مسئلہ ایصال ثواب کو اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ گیارہویں، کونڈے، سبیل، تیجہ ساتہ، چہلم اور برسی وغیرہ یہ سب ایصال ثواب کے نام ہیں اور ایصال ثواب قرآن وحدیث سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو اب ان کے جائز ہونے میں کیا شبہ رہا۔

میت پر تین دن خاص کر سوگ کیا جاتا ہے بزرگوں نے فرمایا تین دن سوگ کیا ہے اب اٹھنے سے پہلے چند گھر کے افراد مل کر کچھ صدقہ کرو کچھ پڑھو اور اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا کر اٹھو اس کا نام سوئم یا تیجہ مشہور ہو گیا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

روز سوئم کثرت ہجوم مردم آنقدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ بشمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد وکلمہ را حصر نیست

کہ تیسرے دن لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی کلام اللہ ختم ہوئے بلکہ اس سے زیادہ بھی ہوئے ہوں گے اور کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں کہ کتنا پڑھا گیا

(ملفوظات عزیزی ص۵۵)

- - - - - - - - - -

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعًا فکانوا یستحبون ان یطعم عنھم تلک الایام

کہ بے شک مردے سات روز تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔

(شرح الصدور ص۴۳ ابو نعیم فی الحلیہ، امام احمد فی الزہد)

چنانچہ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وتصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت

اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے

مردے سات روز تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں۔
چنانچہ صحابۂ کرام طعام و فاتحہ میت کو نذر کیا کرتے تھے۔
(شرح الصدور)

روز (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ میت کی روح کو چالیس دن تک اپنے گھر اور مقامات سے خاص تعلق رہتا ہے جو بعد میں نہیں رہتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن پر چالیس روز تک زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ خدا تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جن سے کہ اس کے عمل چڑھتے تھے اور وہ کہ جن سے اس کی روزی اترتی تھی روتے رہتے ہیں (شرح الصدور ص۲۴)

اسی لئے بزرگانِ دین نے چالیسویں روز بھی ایصال ثواب کیا کہ اب چونکہ وہ خاص تعلق منقطع ہو جائے گا لہٰذا ہماری طرف سے روح کو کوئی ثواب پہنچ جائے تاکہ وہ خوش ہو اور ان سب کی اصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے دسویں اور چالیسویں دن اور چھٹے مہینے اور سال بھر کے بعد صدقہ دیا کذا فی الانوار الساطعہ معزیا الی مجموعۃ الروایات حاشیہ خزانۃ الروایات)

معلوم ہوا کہ یہ مروجہ تیجہ، ساتواں، چہلم اور گیارہویں وغیرہ در اصل ایصال ثواب کے نام ہیں اور یہ جائز ہیں ان کو بدعت سیئہ یا لغویات وغیرہ کہنا گمراہی ہے۔

کھانا آگے رکھ کر کلام الٰہی پڑھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو میری والدہ ام سلیم نے کھانا بطور تحفہ و ہدیہ پکایا اور میرے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ اس موقع پر یہی جو کچھ ہے اسے قبول فرمالیں۔

وہ کھانا لے کر میں آپ کے پاس پہنچا اور والدہ کا سلام و پیام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اے انس اسے رکھ دے اور فلاں فلاں کو بلا۔ میں بلاتا گیا یہاں تک کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے

فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیضع یدہ علی تلک الحیسۃ وتکلم بما شاء

تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کھانے پر اپنا دست مبارک رکھا اور جو چاہا پڑھا۔

بس پھر کیا تھا وہ کھانا اس قدر بابرکت ہوا کہ لوگ شکم سیر ہو گئے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا یہ جو باقی ہے اسے لے جا۔ میں نے جب اس بقیہ کھانے کو دیکھا تو اندازہ نہ کر سکا کہ جو میں لایا تھا وہ زیادہ تھا یا یہ زیادہ ہے۔
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۳۹)

دیکھئے اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا آگے رکھ کر اس پر جو چاہا پڑھا اور اس میں بہت زیادہ برکت ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کو بھوک نے بہت ستایا تو حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ لشکر اسلام سے بچا ہوا توشہ منگوا کر دعائے برکت فرمائیے۔

چنانچہ آپ نے دستر خوان بچھوا کر بچا ہوا کھانا منگوایا صحابۂ کرام میں سے کوئی مٹھی بھر کھجوریں کوئی روٹی کا ٹکڑا اور کوئی باقلا وغیرہ غرض کہ جو کچھ کسی کے پاس بچا کھچا تھا وہ لے آیا اور دستر خوان پر تھوڑی سی چیزیں جمع ہو گئیں۔

فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبرکۃ ثم قال خذوا فی اوعیتکم

تو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے برکت فرمائی پھر آپ نے فرمایا تم لوگ اپنے توشے دان بھر لو۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۸)

چنانچہ ان چیزوں میں اتنی برکت ہوئی کہ تمام لشکر اسلام نے اپنے توشہ دان بھر لیے اور پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا پھر بھی بچ رہا تو پھر فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔

اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنے کھانا رکھ کر دعائے برکت فرمانا ثابت ہے اگرچہ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں مگر بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ حضور نے کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھا بھی ہے اور دعا بھی فرمائی ہے۔

معلوم ہوا کہ کھانا آگے رکھ کر اس پر کلام پڑھنا اور دعا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لہٰذا جائز ہے۔

مسئلہ ایصال ثواب ہدیۂ ناظرین ہے امید ہے ناظرین حضرات ان دلائل حقہ کو بنظر غور دیکھنے کے بعد ایصال ثواب کی اہمیت کو سمجھیں گے اور ان لوگوں کی تنگ نظری اور مبلغ علم کا بھی اندازہ لگالیں گے جو فاتحہ خوانی کو لغویات یا بدعت سیئہ کہہ کر لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

فاتحہ خوانی اور ثواب رسانی کا طریقہ

ثواب پہنچانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس عبادت کا ثواب پہنچانا کسی کو منظور ہو تو اس عبادت سے فارغ ہو کر یوں کہے

کہ اے اللہ پاک اس عبادت کو قبول فرما اور اس کا ثواب بطفیل پنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں شخص کی روح کو پہنچا۔

عام طور پر فاتحہ خوانی یوں ہوتی ہے

پہلے کوئی سورہ یا کوئی رکوع پڑھ کر بعد میں ایک مرتبہ سورہ کافرون تین مرتبہ سورہ اخلاص ایک مرتبہ سورہ فلق ایک مرتبہ سورہ ناس پھر ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور پھر سورہ بقرہ کی پہلی آیتیں ھم المفلحون تک پڑھی جاتی ہیں پھر اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اللهم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وعلی اصحاب سیدنا ومولانا محمد وبارك وسلم

الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

الصلوۃ والسلام علیك یا حبیب اللہ۔ سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

پڑھ کر یوں دعا کی جاتی ہے۔

اے اللہ! اس کلام کا ثواب اور اگر کوئی شیرینی یا کھانا وغیرہ بھی ہو تو پھر بولیے اے اللہ اس پاک کلام اور اس کھانے یا شیرینی وغیرہ کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۃً وتحفۃً پیش کرکے پھر ان کے صدقے اور ان کی وساطت سے ان کی آل پاک اور ان کے اصحاب پاک اور ان کی ازواج مطہرات وتابعین وتبع تابعین اماموں عالموں بزرگوں اور جمیع مومنین و مومنات کی روحوں کو پہنچا کر خصوصاً فلاں کی روح کو ثواب پہنچا!

> حدیث پاک سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا آگے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھا۔ اور دعا فرمائی برکتیں حاصل کرنے اور میت کو ثواب پہنچانے کے لیے بزرگانِ دین نے طریقۂ فاتحہ کو رواج دیا جواز روئے شرع مطہرہ جائز و مستحسن ہے۔

مختصر کرنا ہو تو ایک بار سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جائے۔ زیادہ ثواب پہنچانا منظور ہو تو پہلے ایک بار یا چند بار کلام پاک پڑھا جائے یا جتنا ہو سکے پڑھ لیا جائے اور ثواب پہنچا دیا جائے۔

عوام میں اس کا نام ہے فاتحہ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آج فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے۔

فاتحہ نام تو ہے الحمد شریف کا چونکہ الحمد شریف اس وقت پڑھی جاتی ہے، اس لیے اس عمل کا نام فاتحہ مشہور ہو گیا۔ گویا تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہو گیا۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۴ رشعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جس وقت سے روح انسان کی جسم سے پرواز کرتی ہے بعد اس کے پھر بھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں اور کون کون دن روح اپنے مکان پر آیا کرتی ہے اور اگر آتی ہے تو منکر اس کا گنہگار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس گناہ میں شامل ہے۔

بینوا توجروا

الجواب

خاتم المحدثین شیخ محقق مولٰینا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:۔

مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم ہفت روز تصدق از میت نفع می کند اور ایے خلاف میاں اہل علم وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ خصوصاً آب وبعضے از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ ودعا ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانۂ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یانہ واللہ تعالیٰ اعلم۔" شیخ الاسلام کشف الغطا عالزم للموتی علی الاحیا فصل ہشتم میں فرماتے ہیں" در غرائب وخزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہائے خود را ہر شب جمعہ در روز عید و روز عاشورہ وشب برات پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندا می کنند ہر یکے بآواز بلند اندوہگیں اے اہل واولاد من ونزدیکان من مہربانی کنید برما بصدقہ الخ اسی میں ہے"شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست" اکثرے کا لفظ صحیح دلالت کرتا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں تو صاحب مأتہ مسائل کا مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ" ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند" کذب وافترا

ہے یا اجہل واجر اادر استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف مکتب ستہ پر قصر جیسا کہ صاحب مأتہ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید وسفہ بعید ہے حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے غیر عقائد وہ احکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے۔ ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں اور صحیح حدیث کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بین ومبرہن ہے۔ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون طرفہ یہ کہ خود صاحب مأتہ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگان خاندان دہلی جناب مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں تو وہ روایات غیر صحاح وروایات طبقہ رابعہ دران سے بھی نازل تر سے استناد کیا ہے جیسا کہ ان کے کتب ادنیٰ مطالعہ سے واضح ومبین ہے ولکن النجدیہ یحذون الحق وھم یعلمون امام اجل عبداللہ ابن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی وھذا لفظ ابن مبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی سجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض ویفسح فیھا بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قیدخانہ ہے جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس

کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زنداں میں تھا اب اس سے آزاد کردیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا ابوبکر کی روایت یوں ہے فاذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا۔ کہا گیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں کہا نعم اما المؤمنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت ہاں مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔ ابن المبارک کتاب الزاہد اور ابوبکر ابن ابی الدنیا وابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین۔ بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافر کی روحیں سجین میں مقید ہے ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے راوی قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلۃ تذھب حیث شاءت مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں رجح ابن البران ارواح الشھداء فی الجنۃ وارواح غیرھم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شاءت امام ابوعمر ابن عبد البر نے فرمایا راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔ علامہ مناوی تیسیر شرح جامع

صغیر میں فرماتے ہیں ان الروح اذا تخلصت من ھذا الھیکل وانفکت من القیود بالموت تجول الی حیث شاءت بے شک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموت میں لکھتے ہیں "ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند۔" خزانۃ الروایات میں ہے عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فجاؤا الی مقابرھم ثم جاؤا فی بیوتھم بعض علمائے محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتیں اور پھیلتی ہیں پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔ دستور القضاۃ مستند صاحب مائۃ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا الخ بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز شب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر درد ناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچو اے میرے عزیزو ہم پر صدقہ سے مہر کرو ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشورہ او لیلۃ النصف من الشعبان تأتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا الحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے۔ ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔ اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول۔ یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے احکام حلال و حرام کا ایسی جگہ ایسی دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اسقدر کثیر و وافر۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا زیر رثائے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلک سندا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام۔ یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔ باقی رہا ضلال حال کے شیخ الضلال گنگوہی کا براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں تو وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم میں مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کریے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لا امر اللہ بہ ان یوصل میں چار ورق سے زائد پر یہی اجوبہ اضحوکہ طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ کیا ہے سخت جہالت فاحشہ ہے اوّل اگر ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو اگرچہ اسے نفیاً و اثباتاً کسی طرح عقائد میں دخل ہے نافی یا مثبت کسی پر اس

نفی یا اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی محتمل نہ یہ سب باب عقائد سے داخل ٹھہرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جبتک متواتر نہ ہوں نامقبول ٹھیریں تو اولاً سیر و مغازی و مناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد و دریا برد ہو جائیں حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح در کنار ضعاف بھی مقبول ہیں سیرت انسان العیون میں ہے لایخفے ان السیر تجمع الصحیح والسقم والضعیف والبلاغ المرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع وقد قال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ملاحظہ ہو یہیں دیکھئے رتبۂ مذکور امیر المومنین کیا فضائل اعمال سے تھا وہ بھی باب علم سے ہے جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علما کی بے سند حکایتیں بھی کافی بتائی ثانیاً علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل و فضل عمل تو غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔ ثالثًا دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔ رابعًا عقائد و اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے کہ احکام حلال و حرام ہیں کیا اعتقاد حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شئے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لئے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود اور جب حلال و حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے بچیں کیوں۔ خامسًا بلکہ فضائل و اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم حالاں کہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے اس پر یہ ثواب جاننا یہ خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود سارا اسگلے صاحب نے اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع

> جمعرات، شب جمعہ، عیدین و شب برأت و محرم الحرام کی مقدس ساعتوں میں مومنین و صالحین کی روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں نیز اپنے متعلقین کو صدائیں دیتی ہیں

متصل السند مقبول رکھی تھی انہوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں جبتک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے "قدم عشق پیشتر بہتر" سابعًا ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھیے اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو ایک محض بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں حالانکہ شیخ قدس سرہ نے اسے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضًا ذکر کر کے صاف فرما دیا تھا کہ ایں سخن

اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جبتک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لئے بے اصل و بے سند و سرو پا حکایت مقبول و محمود اور پھر دعویٰ ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ کذالک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار۔ بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہئے اس کے لیے اتنی سندیں کافی و وافی۔ منکر اگر صرف انکار کرے یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے اور اگر دعوائے نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے۔ بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم و ستم۔ آنے کے بارے میں تو اتنی

کتب و علما کی عبارات اتنی روایات ہیں بھی نفی و انکار کے لیے کون سی روایت ہے کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل۔ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ صرف بربنائے ضعف مردود اور اپنی طرف روایت کا نام نہ نشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان۔ روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً و اثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا اور دعویٰ نفی کے لئے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود ولکن الوہابیۃ لایعقلون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

امین واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط

اعراس الاولیاء

مولانا عبدالحفیظ قادری

۱۔ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا لکن المومن اذا حضرہ الموت بشر برضوان اللہ وکرامۃ فلیس شیئ احب الیہ مما امامہ فاحب لقاء اللہ واحب اللہ لقائہ۔ متفق علیہ بندہ مومن کی وفات کا جب وقت قریب آتا ہے تو اس کو رضائے الٰہی اور کرامت کی بشارت دی جاتی ہے پس اس بشارت پاکیزہ آئندہ کی ہر چیز اس کے نزدیک محبوب ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب سمجھتا ہے اور خدا اس کی ملاقات کو محبوب سمجھتا ہے۔

۲۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا العبد المومن یستریح من نصب الدنیا واذاھا الی رحمۃ اللہ۔ بندہ مومن کا جب انتقال ہوتا ہے تو مصائب وتکالیف دنیا سے راحت ملتی ہے رحمت الٰہی پاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

۳۔ حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا تحفۃ المومن الموت (رواہ البیہقی) بندہ مومن کا تحفہ موت ہے حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا موت ایک ذریعہ ہے جس سے سعادتِ کبریٰ حاصل ہوتی ہے درجات عالیہ ملتے ہیں۔ انسان کو نعمتِ ابدی ہاتھ آتی ہے۔ موت ایک گھر سے دوسرے گھر چلا جانا ہے۔ ظاہر میں یہ موت اگرچہ فنا معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً یہ دوبارہ ولادت وپیدائش ہوتی ہے موت جنت کے دروازوں سے ایک دروازہ ہے اگر موت نہ ہو تو جنت کہاں ملے۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں۔ موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے کے لئے لطف ہے احسان ہے نعمت ہے۔ جس سے جنت اور خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور نے فرمایا کہ قبض روح کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اگر مرد صالح متقی ہے تو فرشتے کہتے ہیں۔ اے پاک جان جو پاک جسم میں تھی نکل اور راحت ورزق اور خدائے رحیم کی ملاقات سے خوش ہو۔ (رواہ ابن ماجہ) پس وہ روح نکلتی ہے اور ایسی خوشبو آتی ہے جیسے مشک یہاں تک کہ دست بدست تبرکاً۔

۵۔ تعظیماً اس کو لیتے ہوئے آسمان دنیا کے ایک دروازے تک لے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کتنی عمدہ خوشبو ہے جو زمین سے آئی۔ پھر ارواح مومنین کے پاس اس کو لاتے ہیں۔ تمام روحیں اس

کو دیکھ کر شاد ہوتی ہیں جس طرح کسی گئے ہوئے شخص کی واپسی پر اس کے گھر والے خوش ہوتے (رواہ احمد و نسائی) یہاں تک کہ خدا کے پاس لے جاتے ہیں۔

۹۔ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندہ کی کتاب علیین میں لکھو اور اس کو زمین کی طرف لوٹاؤ پھر اس کی روح اس کے جسم میں عود کرتی ہے اور منکر و نکیر اس سے سوال کرتے ہیں وہ سوالوں کا جواب دیتا ہے تو خدا کے جناب سے ندا ہوتی ہے صدق عبدی میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لئے جنتی فرش بچھاؤ، جنتی لباس پہناؤ دروازۂ جنت کھول دو پھر ایک شخص نہایت حسین عمدہ کپڑے پہنے عمدہ خوشبو والا اس کے پاس آکر کہتا ہے ابشر بالذی یسرک ھذا یومک الذی کنت توعد، جو چیز تجھے خوش کرے میں اس کی بشارت دیتا ہوں یہ وہ مبارک دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ اس قبر میں آنے والے سے سوال کرتا ہے تو کون ہے کہ تیرے چہرے سے آثار خیر ظاہر ہیں۔ وہ جواب دیتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں جو تو نے دنیا میں کیا ہے (رواہ احمد عن البرا بن عازب)

بندہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ میں اپنے بال بچوں کو جاکر خدا کی اس نعمت اور اس کے فضل و کرم کی خبر دے آؤں تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا احب اهله الیه ایسے عیش و عشرت، آرام و راحت کے ساتھ سو جاؤ جیسا کہ عروس دولہا سوتا ہے کہ اس کو اس کے محبوب کے سوا کوئی نہیں جگائے گا۔

(رواہ الترمذی عن ابی ھریرہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن کا وصال اس کے لئے باعث رنج و ملال سبب حزن و ملال نہیں وہ خدا سے ملنے کو محبوب سمجھتا ہے موت اس کے لئے تحفۂ الٰہیہ ہے۔ فرشتے اس کے وصال سے خوش ہوتے ہیں۔ ارواح مومنین اس سے مل کر شاد ہوتی ہیں۔ عمل صالح اس کو بشارت دیتا ہے۔ نعماء الٰہیہ سے فیضیاب ہوتا ہے۔ خدا کا قرب پاتا ہے۔ خدا کی جانب سے کامیابی و صداقت کا سہرا باندھا جاتا ہے۔ جنتی لباس عطا ہوتا ہے جنتی فرش بچھائے جاتے ہیں۔ رحمتوں، برکتوں اور رضائے الٰہی کی نچھاور کی جاتی ہے ہر آسمان کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ دوسرے آسمان تک اس کو پہونچاتے ہیں۔ اس جانے والے کی روح کو تبرکاً تعظیماً ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ ایک عروس، نوشہ ہوتا ہے۔ اور یہ سب اس کی برات اور سامان برات ہوتا ہے۔ اسی واسطے اس سے کہا جاتا ہے نم کنومة العروس۔ دولھا کی طرح عیش و عشرت سے یہاں کی زندگی گزارو اس عروس جنت کے یوم وصال کو عرس کہتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وھذا یوم عظیم یستحق التعظیم والفرح بہ لان الملئکة واھل عالم برزخ والجنان یفرحون و یتباشرون بموت الولی فیوم موته یوم عظیم یوم وفات عظمت والا دن ہے اس دن کی عظمت بجالانا چاہئے۔ اس دن فرحت و سرور منانا چاہئے اس لئے کہ جب کسی ولی کا دنیا سے وصال ہوتا ہے تو فرشتے اور عالم برزخ والے خوش ہوتے ہیں خوشیاں مناتے ہیں اور شادیاں رچاتے ہیں پس یہ دن نہایت مبارک اور عظمت و مرتبہ والا دن ہے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو اس دن خوشی منانی چاہئے اور اس عروس جنت کی شادی و عرس کرنا چاہئے

عرس کی حقیقت

تاریخ وفات جو ہر سال دورہ کرکے واپس

آتی ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اور کھانے کا ثواب صاحب عرس کی روح کو بخشنا بس یہ ہے حقیقت عرس باقی رہا وہ چیزیں جو مذموم و خلاف شرع ہیں وہ مذموم ہیں۔ جہاں ہو اور جس وقت ہوں اور جو چیز مستحسن و نیک ہے۔ وہ ہر وقت ہر جگہ مستحسن و نیک ہے کوئی امر مذموم و خلاف شرع حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب اور کھانے کا ثواب صاحب عرس و فاتحہ کو بخشنا ناجائز ہے۔

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ من مر علی المقبرۃ وقراء قل ھو اللہ احد احد عشر مرا ثم وھب من اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعد والاموات رواہ الدارقطنی۔

(۱) جو شخص مقبرہ پر گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھ کر مُردوں کو ایصال ثواب کرے تو جس قدر ان سب کو ثواب پہونچے گا۔ اسی قدر پڑھنے والے کو۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ہم اپنے مردوں کی جانب سے صدقہ کرتے ہیں حج کرتے ہیں۔ دعا کرتے ہیں۔ تو اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے یا نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ انہ لیصل الیھم ولیفرحون بہ کما یفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذا اھدیٰ الیہ رواہ ابو حفص الکبیر۔ بیشک ثواب ان کو پہونچتا ہے اور وہ اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تم کو خوشی ہوتی ہے جب تمہاری طرف ہدیۃً کوئی طباق بھیجے۔

(۳) عقاید نسفی میں ہے۔ دفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم۔ زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا ان کی طرف سے صدقہ کرنا مردوں کو مفید ہے۔

(۴) فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب ہدایہ شریف میں ہے۔ الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوماً او صدقۃ او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ضحی بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والآخر عن امتہ۔

قاعدہ اس باب میں یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا نماز ہو یا روزہ صدقہ ہو یا اور کوئی بڑا احسان دوسرے کو بخش سکتا ہے اور یہی مذہب اہلسنت وجماعت کا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور نے دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک کا ثواب اپنے تمام امت مسلمہ کو عطا فرمایا۔ یہ حضور آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ اپنے غلاموں کو یوں نوازتے ہیں!

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

حضور کی احادیث کریمہ کتب عقائد وفقہ سے یہ امر روشن ہو گیا کہ قرآن وطعام عبادات کا ثواب دوسرے کو بخشا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی ناجائز نہیں گیارہویں اور تمام اعراس میں یہی ہوتا ہے۔

تاریخ کی تعیین

سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں جب چاہیں کریں کوئی ممانعت نہیں۔ اس یوم معین میں عرس کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ کوئی اور لزوم۔ لیکن ہر فعل کی ایک غایت ہوتی ہے اگر وہ غایت قابل اعتبار ہو تسلیم کر لینا چاہئے۔ یوں تو گیارہویں شریف کے لئے کوئی خصوصیت نہیں۔ جب چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ہر مہینہ میں بھی کر سکتے ہیں۔ ہر دن میں بھی کر سکتے ہیں۔ مگر یوم وفات کو کچھ خصوصیت ہوتی ہے۔ جس
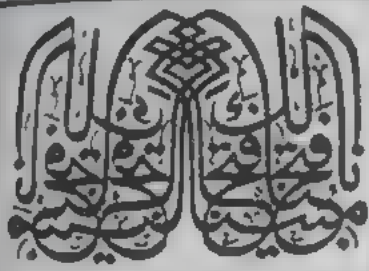
خصوصیات کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لحاظ فرمایا ہے۔ محدث ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ محمد ابن ابراہیم سے روایت فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول یقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم

تفسیر کبیر میں ہے۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ کان یاتی قبور الشھداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون (تصحیح المسائل)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبور شہداء پر ہر سال یوم شہادت کے حساب سے تشریف لاتے ان کے لئے استغفار فرماتے۔ معلوم ہوا کہ کوئی خصوصیت اس یوم وفات میں ضرور ہے۔

حضرت شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کتاب ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

وقد ذکر بعض المتاخرین من مشائخ المغرب ان الیوم الذی وصلوا الی جناب العزت وحظائر القدس یرجی فیہ من الخیر والبرکۃ والنوریۃ اکثر وافر من سائر الایام۔

مشائخ مغرب کے بعض متاخرین نے فرمایا ہے کہ وہ دن جس میں یہ حضرات درگاہ رب العزت میں پہونچے ہیں۔ اس میں خیر و برکت کی نورانیت کی بہت زیادہ امید ہوتی ہے۔ جو اور دنوں میں نہیں ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واما زیارۃ بعض الاولیاء فی یوم معلوم فلہ من الاسرار یظھرہ اللہ تعالیٰ من الولی المزار کرامۃ لہ فیقمر ذالک السر وبرکتہ الی الدھر وقد یکون ذالک الیوم انتقالہ من دار الفناء الی دار الثواب۔

بعض اولیاء کرام کی زیارت یوم معین میں خدا کے کسی بھید کے لئے جو ولی مزار سے کرامت ظاہر فرماتا ہے اور اس کی برکت آخر دہر تک رہتی ہے اور کبھی وہ دن یوم وصال ہوتا ہے۔ یوم وصال میں یہ خصوصیتیں ہیں جن کی بنا پر اس دن عرس کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین نبود اگر کسی این طور کند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات است (تصحیح المسائل شریف)

بہت سے آدمی جمع ہوں اور ختم کلام اللہ کریں اور فاتحہ شیرینی یا طعام پڑھ کر حاضرین کو تقسیم کریں۔ یہ صورت اگرچہ حضور کے زمانہ میں نہ تھی، اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اس میں کوئی قبیح امر نہیں بلکہ زندوں مردوں سب کا فائدہ ہے

خلافتِ معاویہ و یزید پر ایک تحقیقی نظر

بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل ابن جوزی رضی اللہ عنہم یزید پلید پر **لعنت** کے جواز کے قائل ہیں!

از قلم حضرت العلام مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

شمع خارجیت کے پروانوں اور لیلیٰ تجدد کے مجنونوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مقدس بارگاہوں میں دریدہ دہنی کا ثبوت دیکر سدا کے لئے کفر و ارتداد کو گلے لگا لیا اور جب انہیں دین حق سے خارج ہی کر دیا گیا تو صحابۂ کرام اور رسول علیہ السلام کے پیاروں کی بارگاہوں میں بھی سبّ و شتم کا بازار گرم کر دیا گیا۔ دین تو خدا نے لے ہی لیا تھا عقل بھی دین کے ساتھ رخصت ہو گئی اور تاریخی حقائق اور دنیا کے تمام انسانوں کو بھی جھٹلانے لگے۔ اور سارا زمانہ۔ مسلمان و کافر بھی جسے روشنی کہہ رہے ہیں یہ اندھیرا ثابت کرنے پر تل گئے

کئی سال قبل ایک امروہوی خارجی نے اپنے کفر و ارتداد کا ایک نیا روپ اس طرح ظاہر کیا تھا

(۱) خلافت علی صحیح نہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی کا قصاص نہیں لیا۔

(۲) یزید خلیفۂ برحق تھا۔ اور بڑا عابد و زاہد تھا۔

(۳) سیدنا امام عالیمقام حق پر نہیں تھے۔ (معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ)

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب مدظلہ نے اس بطلان کا زبردست رد کیا ہے اور خلافت مولیٰ علی و سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ عنہما کو برحق ثابت کیا ہے۔ اور یزید پلید کے فسق و بدکاری اور ظلم و غضب کو واضح کر دیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب موصوف کے مقالہ کی تلخیص ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ (ادارہ)

اسلام میں فتنوں کا آغاز سیدنا فاروق اعظم کی شہادت سے ہوا۔ ابن سبا کی ذریت نے سیدنا عثمان غنی کو شہید کیا۔ حضرت علی حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپس میں لڑایا اور کربلا کے میدان میں رسول اعظم کی آنکھوں کے تارے اور سیدہ زاہرہ کے جگر پارے سیدنا امام عالی مقام اور ان کی اولادوں، رفقاء وخدام کو تہ تیغ کیا۔

آج بھی ابن سبائی، خلافت معاویہ و یزید کی باتیں کر رہے ہیں۔ اور اسلام و تاریخ کی سچائی کو تیرگی کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔

خلافت حضرت علی برحق ہے

علامہ ابن حجر مکی، صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں
علم مما مران الحقیق بالخلافۃ بعد الائمۃ الثلثۃ هو الامام المرتضیٰ ...... (الخ صـ)

(ترجمہ) گذشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اہل حل عقد کے اجماع سے خلفاء ثلثہ کے بعد خلافت کے مستحق امام المرتضیٰ ولی مجتبیٰ حضرت علی ابن ابی طالب تھے۔ یہ اہل حل و عقد حضرات طلحہ، زبیر، ابو موسیٰ، ابن عباس، خزیمہ بن ثابت ابو الہیثم بن تیہان، محمد بن مسلمہ اور عمار بن یاسر ہیں۔

شرح مقاصد میں بعض متکلمین سے ہے کہ خلافت مرتضوی پر اجماع ہے۔ اس طرح کہ حضرت عمر کی مشاورتی کمیٹی میں باتفاق طے ہوا تھا کہ خلافت حضرت علی یا حضرت عثمان کے لئے ہے۔ اس سے ثابت کہ جب حضرت عثمان نہ ہوں تو خلافت حضرت علی کا حق ہے جبکہ عثمان نہ رہے تو حضرت علی اس کے مستحق اجماعا رہے۔

(۲) حضرت علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں رقمطراز ہیں (ترجمہ) حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے دن مدینہ طیبہ میں حضرت علی کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ مدینہ میں جتنے بھی صحابہ تھے۔ سب نے بیعت کی۔

(۳) حضرت امام ابو جعفر طبری اپنی کتاب "الریاض النضرۃ" میں اسی بات کی تائید کرتے ہیں اور اہل بدر و دیگر صحابہ کرام کی مولا علی کے ہاتھ پر بیعت کا حال لکھتے ہیں۔ (صـ۲۱۳ جلد ۲)

قصاص سیدنا عثمان کا معاملہ

حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کبھی انکار کیا نہ پہلو تہی کی۔ البتہ قانون اسلام کے مطابق چونکہ ورثاء عثمان غنی نے دعویٰ دائر نہ کیا اور نہ کوئی ثبوت پیش کیا لہٰذا مولیٰ علی بے ثبوت کس سے قصاص لیتے۔

جنگ صفین و جمل میں بھی حضرت علی

حدیث ۱: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکبار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا۔
"تقتلک الفئۃ الباغیۃ" تجھے خلیفہ برحق پر خروج کرنے والی جماعت قتل کرے گی۔

حضرت عمار جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ یہ سیدنا علی کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا علی کی خلافت برحق تھی۔ حضرت امام نووی نے حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو میں سیدنا علی کے لئے "حق و صواب" پر ہونا ثابت کیا ہے۔

حدیث ۲: (ترجمہ) اور تم میں وہ ہیں جنہیں اللہ عز وجل نے شیطان سے محفوظ رکھا اپنے نبی کے فرمان سے یعنی عمار۔

علامہ ابن حجر مکی نے اپنی تصنیف "تطہیر الجنان واللسان" میں لکھا ہے کہ:۔

حضرت علی سے الگ رہنے والے صحابہ کرام میں سے بعضوں پر حیثیں ظاہر ہوئیں تو وہ اس علیحدگی پر نادم تھے جیسا کہ گزر گیا انہیں میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ صـ۵۹

حدیث ۳: جنگ جمل میں جب دونوں فریق صف آرا ہو گئے تو حضرت علی نے حضرت زبیر کو بلایا انہیں

یاد دلایا۔ ایک بار عہد رسالت میں ہم دونوں فلاں جگہ ساتھ ساتھ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ اے زبیر! علی سے محبت کرتے ہو؟ عرض کی کیوں نہیں یہ میرے ماموں زاد بھائی و اسلامی برادر ہیں۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا۔ اے علی! بولو کیا تم بھی انہیں محبوب رکھتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پھوپھی زاد اور دینی بھائی کو کیوں نہ محبوب رکھوں گا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ اے زبیر! ایک دن تم ان کے مد مقابل ہوگے اور تم خطا پر ہوگے۔

حضرت زبیر نے اس کی تصدیق کی۔ فرمایا میں بھول گیا تھا اور صفیں پھاڑ کر میدان کارزار سے نکل گئے۔ (الریاض النضرہ صفحہ ۲۷۳ ج ۲، صواعق محرقہ صفحہ ۷۱) از حاکم و بیہقی۔

حدیث نمبر ۴! سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا:-

"تم میں سے کون سرخ اونٹ والی ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اس کے بعد اس کے گرداگرد لاشوں کے ڈھیر ہوں گے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۷۱ از بزار و ابونعیم)

چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے چلیں جب حواب پہنچیں تو کتوں نے بھونکنا شروع کردیا۔ حدیث یاد آئی۔ جگہ معلوم کی اور ارادہ فسخ فرمادیا مگر فتنہ پردازوں نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر کہدیا یہ حواب نہیں کسی نے غلط کہہ دیا ہے۔

حدیث نمبر ۵ حضور نے ارشاد فرمایا ہے:-

"اے اللہ! حق علی کے ساتھ رکھ جہاں بھی جائیں" (مشکوٰۃ)

احادیث کریمہ سے خوب واضح ہوگیا کہ خلافت حضرت علی حق تھی اور ان پر قصداً قصاص نہ لینے کا معاملہ قطعی باطل ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا

سیدنا امام احمد بن حنبل نے یزید کو کافر کہا اور اس پر لعنت کو جائز قرار دیا۔ علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی علیہ الرحمہ نے "شرح عقائد" میں یزید کو کافر و لعنتی کہا ہے جو خارجی ام حرام بنت ملحان کی حدیث سے یزید کو نیک اور مغفرت والا بتاتے ہیں وہ نری عیاری اور کذب سے کام لے کر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہیں۔

خلفاء کون ہیں؟ فرمایا۔ ابوبکر و عمر و عثمان و علی۔ حضرت امیر معاویہ کے بارے میں دریافت کرنے پر فرمایا حضرت علی کے زمانے میں حضرت علی سے زیادہ خلافت کا حقدار کوئی دوسرا نہیں تھا۔

حضرت امام نووی صحیح مسلم شریف شرح جلد دوم ص ۲۷۲ پر فرماتے ہیں:-

(ترجمہ) "حضرت عثمان کی خلافت اجماعاً صحیح ہے وہ ظلماً شہید کیے گئے۔

ان کے قاتل فاسق ہیں۔ ان کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوئے۔ انہیں کمینے چھوا ہوں، ادھر ادھر کے رذیل اور پچھلے درجہ کے لوگوں نے شہید کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی بالاجماع صحیح ہے۔ اپنے عہد میں وہ ہی خلیفہ تھے۔ کسی دوسرے کی خلافت نہیں تھی۔

یزید، باغی و بدکردار اور دشمن اسلام تھا

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی :۔ "میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوں گی... مروان نے کہا کہ ان پر خدا کی لعنت ہو۔ بہت بُرے لونڈے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں بتادوں کہ وہ فلاں بن فلاں ہیں۔ عمرو بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں شام اپنے دادا کے ساتھ جاتا تھا۔ میں نے نوخیز چھوکرے دیکھے۔ یہ انہیں میں ہوں گے۔ شاگردوں نے عرض کی کیا آپ خوب جانتے ہیں۔

حضرت عمرو بن یحییٰ نے مروان کو انہیں ملعون لونڈوں میں بتایا۔ انہوں نے بنی امیہ کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرایا۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں :۔

احداث نوخیز ہوں گے۔ ان کا پہلا یزید علیہ مایستحق ہے اور یہ عموماً سن رسیدہ بزرگوں کو شہروں کی امارت سے اتار کر اپنے کم عمر رشتہ داروں کو والی بناتا تھا۔

تمام شارحین بشمول ملا علی قاری اس پر متفق ہیں کہ غلمۃ قریش (قریش کے لونڈوں) میں یزید ضرور داخل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ اللعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"تعوذوا باللہ من راس الستین وامارۃ الصبیان"

(مشکوٰۃ ص ۳۲۳ جلد ۲)

" یعنی لوگو! ساٹھ سال کی ابتداء اور چھوکروں کے امیر ہونے سے خدا کی پناہ مانگو"

"امارۃ الصبیان" کی شرح میں ملا علی قاری رقمطراز ہیں :۔

(ترجمہ) " امارۃ الصبیان سے جاہل چھوکروں کی حکومت مراد ہے جیسے یزید بن معاویہ اور حکم بن مروان کی اولاد اور ان کی مثل ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں انہیں اپنے منبر پر کھیل کود کرتے ملاحظہ فرمایا ہے۔

سرکار کی ایک اور حدیث اس طرح ہے :۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں اور امام ابن حجر "صواعق محرقہ" میں شیخ محمد صبان اسعاف الراغبین میں مسند ابو یعلیٰ سے راوی۔

"لایزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیۃ یقال لہ یزید"

میری امت کا معاملہ برابر درست رہے گا یہاں تک کہ پہلا جو شخص اس میں رخنہ اندازی کرے گا وہ بنی امیہ کا ایک فرد یزید ہوگا۔

یہی حضرات مزید فرماتے ہیں :۔

"سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ یقال لہ یزید"۔
میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ پہلا شخص جو میری سنت بدلے گا بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہے۔

(ا) یزید کو امیر المومنین کہنے پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو بیس کوڑے لگوائے۔
(صواعق محرقہ، تاریخ الخلفاء)

(ب) یزید کے ہم عصر حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہما نے یزید کو ام ولد، لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کرنے والا، شرابی اور تارک نماز فرمایا ہے (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یزید پلید کے فسق و فجور، بغاوت و غصب وغیرہ پر حوالوں اور ثبوتوں کے ساتھ لکھا ہے۔

حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فوج کشی اور ان کی شہادت وغیرہ میں اسی پلید کا ہاتھ دکھایا ہے۔ یہی شیخ محقق علی الاطلاق "جذب القلوب" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت امام عالی مقام کی شہادت کے بعد سب سے شنیع اور قبیح جو واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں رونما ہوا واقعہ حرہ ہے۔

یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامیوں کے لشکر عظیم کے ساتھ اہل مدینہ سے لڑنے کے لئے بھیجا اور کہا کہ اگر اطاعت نہ کریں تو تین روز تک مدینہ تمہارے لئے مباح ہے۔ شامی درندوں نے حرم پاک میں گھس کر اس کی حرمت کو پامال کیا۔ ایک ہزار سات سو مہاجرین و انصار و صحابہ کرام و علمائے تابعین سات سو حفاظ اور دو ہزار عوام الناس کو ذبح کیا ہزاروں دوشیزگان حرم مصطفےٰ کی عصمت دری کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے۔ روضۂ جنت میں گھوڑے باندھے، لید و پیشاب سے اسے ناپاک کیا۔ تین روز تک مسجد نبوی اذان و نماز سے محروم رہی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک نوچی گئی۔ بچا وہ جس نے یزید کی بیعت کی۔

یزید کے باپ معاویہ نے جو خطبہ دیا وہ بھی یزید کی بدکرداری اور اسلام دشمنی کا ایک ثبوت ہے۔

(ترجمہ) "پھر میرے باپ کو خلعت دی گئی، وہ نالائق تھا، نواسۂ رسول سے لڑا اس کی عمر کم کر دی گئی، نسل تباہ کر دی گئی۔ وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو گیا۔ پھر رو کر کہا ہم سب پر زیادہ گراں اس کی بری موت اور برا ٹھکانا ہے۔ اس نے عترت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا، شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔
(صواعق ص ۱۳۴)

یزید پر لعنت

امام احمد بن حنبل، ابن جوزی۔ رضی اللہ عنہم وغیرہ یزید پر لعنت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے یزید کو کافر کہا، اس پر لعنت کو جائز فرمایا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی علیہ الرحمہ نے شرح عقائد میں یزید کو کافر و لعنتی کہا ہے۔

جو خارجی ام حرام بنت ملحان کی حدیث سے یزید کو نیک اور مغفرت والا بتاتے ہیں وہ نری عیاری

اور کذب سے کام لے کر اپنے اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہیں۔ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یزید یا قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہر ہر فرد کے مغفرت کی بشارت ہے۔ مغفور لہم کی بشارت انہیں لوگوں کو شامل ہے جو بوقت لشکر کشی مسلمان رہے ہوں اور دم آخر ایمان پر قائم رہے ہوں اگر کوئی اس جنگ کے بعد کافر ہو گیا تو باتفاق علماء اس بشارت کا مستحق نہیں۔

یزید کو امیر و خلیفہ، زاہد و عابد کہنے والے بھی لعنت کے مستحق ہیں۔ اور ایمان گنوا رہے ہیں یزید خود امروہوی صاحب کے قول سے بھی فاسق و فاجر ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت ابوالدرداء نے یزید کے ان کی لڑکی کو پیغام نکاح دینے پر یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس کے یہاں کام کے لئے خادمائیں ہیں۔ دراصل حضرت ابوالدرداء نے اشارہ کنایہ سے بتا دیا کہ وہ عیاش و زانی ہے اور خادمائیں اس کے تصرف میں رہتی ہیں لہٰذا ایسے بدکار کو بیٹی کون دے گا۔ آخر سیدنا ابوالدرداءؓ نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دے دی۔

حضرت امیر معاویہ کا خطبہ

حضرت امیر معاویہ نے اپنے ایک خطبہ میں یزید کی مذمت کرتے ہوئے کہا "یزید نالائق تھا۔ نواسۂ رسول سے لڑا۔ اس کی عمر کم کر دی گئی، نسل تباہ کر دی گئی۔ وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو گیا۔ اس کی بری موت اور برا ٹھکانہ ہے۔ اس نے عترت رسول کو قتل کیا، شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔" (صواعق ص ۱۳۴)

زخم کھانے کو تو آب تیغ پینے کو دیا!
خوب دعوت کی بلا کر دشمنانِ اہلبیت

خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ نے سیدنا امام عالی مقام کو دین اور دین پناہ کہا ہے۔ حق گو، جری اور توحید و اسلام کی بنیاد بتایا ہے یعنی دین و توحید کا دکھوا لا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی احادیث (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۰ و ص ۵۷۲) سے سیدنا امام عالیمقام کی شہادت و حقانیت ثابت ہے اور یہی حقانیت و شہادت یزید کے ظلم و بغاوت اور اس کے بطلان کے لئے دلیل ہے۔

امام عالیمقام حق پر تھے

خلافت امام عالی مقام کا حق تھا۔ انہوں نے یزید کی باطل خلافت کے خلاف جہاد کیا اور اسلام کو سرخرو کر دیا۔

حضرت امام عالی مقام نے اپنے خطبہ بر مقام بیضہ (کربلا کی شہادت سے قبل) میں اپنے اور حر کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ اس خطبہ میں آپ نے یزید کے کالے کرتوتوں کو بیان فرمایا جسے کوئی جھٹلا نہ سکا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

(ا) سیدہ ام سلمہ نے فرمایا کہ سرکار کو میں دیکھا کہ سر اقدس اور داڑھی مبارک گرد آلود ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابھی حسین کے مقتل میں تشریف فرما تھا۔

(ب) حضرت ابن عباس نے خواب میں سرکار کو بوقت دوپہر دیکھا کہ چہرہ پر گرد ہے۔ زلف معنبر بکھرے ہوئے ہیں، ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ سرکار نے فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جسے آج جمع کرتا رہا ہوں۔ ابن عباس نے یہ بھی فرمایا کہ یہ وقت خیال میں رکھا کہ حضرت حسین اس وقت شہید ہوئے۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین دہلوی قدس سرہ العزیز نے "تمہید امام ابو شکور سالمی" عقائد کی مستند کتاب خود بھی پڑھی ہے۔ اسی میں ہے کہ۔ "حسین حق پر تھے اور ظلماً شہید ہوئے ہیں"۔

اسی کتاب میں حضرت امیر معاویہ کو عالم عادل اور امام حق لکھا گیا ہے اور یزید کو شرابی اور فاسق و فاجر لکھا گیا ہے۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ:۔

ا:۔ "حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق ہے۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد یہی خلیفہ برحق تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص نہ لینے اور اس میں کسی قسم کا پہلو تہی کرنے کا الزام حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لگانا قطعاً درست نہیں"۔

۲:۔ یزید اپنے فسق و فجور اور دیگر وجوہ شرعیہ کی بناء پر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک یقیناً خلافت کا اہل نہیں تھا۔ اس کی خلافت شرعاً درست نہیں تھی۔

۳:۔ اس کے بالمقابل ریحانۂ رسول حضرت امام عالی مقام حق پر تھے اور انہیں اور ان کے رفقاء کا قتل کرنا ظلم عظیم تھا۔ یہ حضرات مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

خلافت مولیٰ علی
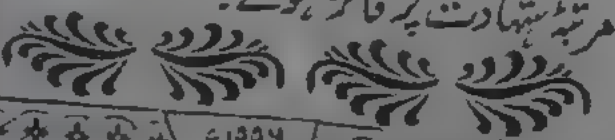
عقائدِ اسلامی کی روشنی میں

از بحر العلوم والفنون
حضرت علامہ مولٰنا مفتی
عبد المنان صاحب اعظمی

آج کل یکے بعد دیگرے دو نابکار کتابیں شائع ہوئیں "معاویہ ویزید" اور "اموی دورِ خلافت"۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے خدا سے ہدایت کے لئے دعا کی جائے۔ اور حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا جائے کہ خلافت معاویہ ویزید کے ساتھ ساتھ یہ روسیاہ کتاب بھی قانوناً ممنوع قرار دی جائے۔

محمود احمد عباسی کی ہمت بیرانہ لی (بقول ان کے سعادت مند بھتیجے کے) واقعی داد نہیں دی جا سکتی کہ انہوں نے کس چابک دستی سے اتحاد بین المسلمین کی جد وجہد کی ہے اور بزعمِ خویش عام مورخین اسلام کے غلو و تعصب کا پردہ چاک کرنے کی کامیاب کوشش میں خود تقدیسِ اسلام کی پاک چادر پارہ پارہ کرنی چاہی ہے اور حمایت یزید کے جوش میں خلافتِ امویہ کا وہ تاریک پس منظر تصنیف فرمایا ہے جس میں حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بالکل مجروح کر ڈالا۔

چنانچہ آپ نے شاہ ولی اللہ صاحب اور ابن تیمیہ کی عبارتوں کے ساتھ کچھ اپنی باتیں ملا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہی نہیں ہوئی، ان کی خلافت تو معاذ اللہ سبائیوں کی ساختہ و پرداختہ تھی ان کی بیعت پر تو اہل حل وعقد جمع بھی نہ ہوئے۔ خلافت وامامت بالخصوص مولائے کائنات کا مسئلہ خلافت اسلام کی ابتدائی صدیوں سے اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایک طے شدہ عقیدہ بنا ہوا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولائے کائنات کی خلافت کی دو حیثیتیں ہیں تاریخی، کلامی یعنی ایک تو اس کی تاریخی حیثیت کی اس کے بارے میں تاریخی روایتیں کیا ہیں طبری میں کیا ہے ابن اثیر نے کیا لکھا ہے مسعودی کی روایتوں میں کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے عقیدے کی یعنی مولیٰ کی خلافت کے بارے میں تمام اہلسنت وجماعت کا ایک متفقہ عقیدہ بھی ہے کہ اگر بالفرض دنیا سے تاریخ کی تمام کتابیں ناپید بھی ہو جائیں اور ہمارے پاس خلافت شیر خدا کے بارے میں

علم کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ رہ جائے تو صرف عقائد و کلام کی کی ہی کتابوں سے ہمارا یہ یقین مستحکم رہے گا۔ کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے کیونکہ ائمہ اہلسنت میں اس بارے میں دو رائیں ہیں ہی نہیں۔ اور عقائد کی ساری کتابیں اس باب میں متفق اللسان ہیں۔ اپنے اس مضمون میں ہم صرف اسی حیثیت سے نصوص پیش کریں گے کہ خلافت علی کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ کیا ہے اور عباسی صاحب اس سے پھر کر مسلمانوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ آئندہ اگر وقت نے ساتھ دیا تو اس کی تاریخ سے بحث کی جائے گی۔ پھر ایک مستقل مضمون میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش ہوگی۔ کہ ازالۃ الخفاء و منہاج السنۃ کی جو عبارتیں عباسی صاحب نے نقل کی ہیں ان میں کچھ تدلیس ہے فہم مطلب میں کوتاہی ہوگئی اور وہ عبارتیں قابل اعتنا بھی ہیں یا نہیں۔

خلافت کن کن طریقوں سے ثابت ہوتی ہے

المقصد الثالث فیما	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تثبت الامامۃ انما	یا امام سابق کی نص اور بیان کرنے
تثبت بالنص من	سے کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہوگا
الرسول ومن الامام	امامت ثابت ہو جاتی ہے اور
السابق وبیعۃ اہل	اہل حل وعقد کی بیعت سے
الحل والعقد عند	------------
اہل السنۃ و	------------
الجماعۃ (شرح مواقف	------------
ص ۳۲)	------------

الامامۃ تنعقد من وجہین احدہما باختیار اہل الحل والعقد و الثانی بعہد الامام من قبل (الاحکام السلطانیۃ ص ۱۱ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ)

وتنعقد الخلافۃ بوجوہ ببیعۃ اہل الحل والعقد من العلماء والرؤساء وامراء الاجناد ممن لہ رأی ونصیحۃ للمسلمین کما انعقدت خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ وبان یوصی الخلیفۃ الناس بہ کما انعقدت خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ او یجعل شوری بین قوم کان عند انعقاد خلافۃ

عثمان ثم علی رضی اللہ عنہ او۱: ستیلاء رجل جامع للشروط علی الناس۔
(حجۃ اللہ البالغۃ جلد دوم ص۱۵۰ شاہ ولی اللہ دہلوی)

امامت منعقد ہونے کے دو طریقے ہیں اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا اور گذشتہ امام کی وصیت کا موجود ہونا۔

خلافت چند طریقوں سے قائم ہوتی ہے اہل حل وعقد علماء ورؤسا اور سرداران قوم میں جو لوگ صاحب رائے اور مسلمانوں کے خیرخواہ ہوں۔ ان کی بیعت جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی اور اس طرح کہ خلیفہ لوگوں کو کسی کے بارے میں وصیت کر جائے جیسے حضرت عمر کی خلافت یا کسی قوم میں مجلس شوریٰ کے ذریعہ ہو جیسے حضرت عثمان بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت یا کوئی ایسا آدمی جو خلافت کے شرائط پر پورا اترتا ہو خود بخود لوگوں پر غالب آجائے۔

مذکورہ بالا کتابوں میں اول الذکر خالص عقائد کی کتاب ہے اور بقیہ دونوں کتابیں مسائل شرعیہ اور سیاست دونوں کی جامع شاہ صاحب نے انعقاد خلافت کی صرف ایک شق استیلاء کا اضافہ کیا ہے ورنہ انہیں دو وجہوں کو پھیلا کر بیان کر دیا ہے مثلاً علامہ ماوردی اور صاحب شرح مواقف نے جس چیز کو بیعۃ اہل الحل والعقد سے بیان کیا ہے اسی کو شاہ صاحب دو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ بیعت اہل حل وعقد اور شوریٰ قوم۔ خلاصہ یہ کہ نصب امام کے دو بنیادی طریقے ہیں رسول یا امام سابق کی کسی شخص کے بارے میں نص یا اہل حل وعقد کا اجماع اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت کا ثبوت ان دونوں طریقوں سے کسی طرق پر ہے یا نہیں۔ اس کے لئے ہم بلا تبصرہ مختلف عقائد وکلام نیز ائمہ اعلام کی کتابوں سے تصریحات نقل کرتے ہیں۔

شیر خدا کی امامت پر اہل حل وعقد کا اجماع ہے

ولما استشهد اتفق الناس على بيعة على رضى الله عنه (شرح مواقف ص۱۳۵)

افضل البشر بعد نبينا الصديق ثم الفاروق ثم عثمان ثم على المرتضى وخلافتهم على هذا الترتيب (عقائد نسفی)

ثم استشهد وترك الامر مهملاً فاجمع كبار المهاجرين والانصار على على والتمسوا منه قبول الخلافة وبايعوه لما كان افضل اهل عصره واولاهم بالخلافة وما وقع من المخالفات والمحاربات لم يكن من نزاع فى خلافة بل عن خطأ فى الاجتهاد۔
(شرح عقائد ص۱۱۹)

جیسا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر جمع ہوگئے۔

تمام لوگوں میں انبیاء کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر فاروق اس کے بعد حضرت عثمان غنی تب حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مرتبہ ہے اور خلافت بھی اسی ترتیب پر ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور خلافت کے بارے میں انہوں نے کوئی تصریح نہ فرمائی تو کبار مہاجرین و انصار نے جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گزارش کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کیونکہ اپنے زمانہ میں وہ سب سے افضل اور خلافت کے اہل تھے اور ان لوگوں میں باہم جو جنگیں اور مخالفتیں ہوئیں وہ خلافت کے بارے میں نہ تھیں وہ تو اجتہادی غلطی تھی۔

واما خلافة علی رضی اللہ عنہ فکانت من اتفاق الجماعة واجماع الصحابة لما روی عبد اللہ بن تبة عن محمد بن الحنفیہ قال کنت مع علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وعثمان بن عفان محصور فاتاہ رجل فقال ان امیر المومنین مقتول الساعة قال فقام علی رضی اللہ عنہ فاخذت لوسطہ خوفا علیہ فقال خل لا ام لك قال فاتی علی الدار وقد قتل عثمان رضی اللہ فاتی دارہ ودخلها فاغلق بابہ فاتاہ الناس فضربوا علیہ الباب فدخلوا علیہ فقالوا ان عثمان قد قتل ولا بد للناس من خلیفة ولا نعلم احدا احق بها منك فقال علی لا تریدوا نی فانی لکم وزیر خیر من امیر قالوا واللہ لا نعلم احدا احق بها منك قال رضی اللہ عنہ فان بیعتی لا تکون سرا ولکن اخرج الی المسجد فبایعہ الناس فکان اماما حقا الی ان قتل خلاف ما قالت الخوارج انہ لم یکن اماما قط تبا لهم۔

(غنیة الطالبین جلد اول ص۸۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابۂ کرام کے اجماع سے ثابت ہے کہ عبد اللہ بن تبہ نے محمد بن حنفیہ سے روایت کی کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے ایک آدمی نے آکر کہا حضور عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابھی ابھی شہید کر دیئے گئے حضرت علی نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کی کمر تھام لی کہ لوگ کہیں ان کو بھی تکلیف نہ پہونچائیں آپ نے فرمایا تیری ماں نہ رہے مجھے چھوڑ پھر اٹھ کر مقتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور پھر اپنے گھر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ لوگ آئے اور کہا حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اور خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اور آپ سے زیادہ اس کا کوئی اہل نہیں اس لئے آپ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے آپ نے کہا میں تمہاری بہ نسبت امیر کے وزیر اچھا رہوں گا اس لئے مجھے معذور رکھو جب لوگ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو آپ نے فرمایا میری بیعت علی الاعلان ہوگی پس آپ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کی اس لئے آپ برحق ہوئے اور وقت شہادت تک امام برحق رہے خوارج ان کے لئے بربادی ہو یا یہ کہتے ہیں کہ آپ کبھی خلیفہ تھے ہی نہیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں اگر یہ دیکھا جائے کہ اس روایت کی تاریخی حیثیت اتنی مضبوط ہے کہ خود حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کو اس پر اتنا اعتماد ہے کہ یہ روایت اپنی کتاب میں تخریج فرمائی

اور اسی بنیاد پر کہ مولا کی خلافت کے برحق ہونے کا فیصلہ فرمایا۔ اس سے قطع نظر ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ نے کان اماما حقاً فرمایا مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ عنہ
کان علی الحق فی قتالھم لانہ یعتقد صحۃ امامتہ
علی ابتیا اتفق اھل الحل
والعقد من الصحابۃ علی
امامتہ وخلافتہ۔
(غنیۃ الطالبین ص۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مقابل سے قتال میں حق پر تھے کیونکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حضرت علی کی خلافت کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ ہم نے بتایا کہ صحابہ میں اہل حل

وعقد آپ کے خلافت پر متفق تھے۔

فالنبوۃ انقضت بوفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلافۃ التی لا سیف فیہ انقضت بمقتل عثمان والخلافۃ بشھادۃ علی رضی اللہ عنہ وخلع الحسن۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۲۱۳)

نبوت حضور کے وصال سے ختم ہو گئی اور وہ خلافت جس میں تلوار نہ چلی شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور خلافت کا خاتمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور امام حسن کے خلافت چھوڑ دینے سے ہوا۔

قابل غور بات یہ امر ہے کہ اگر عباسی صاحب کا بیان صحیح ہے کہ ازالۃ الخفاء میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ خلافت حضرت علی کے لئے قائم نہ ہوئی تو حجۃ البالغہ میں جگہ جگہ ان کی خلافت کا اثبات کس طرح فرما رہے ہیں۔ گر

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

واما فی زمن علی رضی اللہ عنہ من نازعہ فقد قطع المشرع صلی اللہ علیہ وسلم طول کم الخلافۃ بقولہ علیہ السلام اذبویع للخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما والعجب کل العجب من حق واحد کیف ینقسم ضربین والخلافۃ لیست بجسم ینقسم ولا بعرض یتفرق ولا بجوھر یحد فکیف یوھب ویباع فیہ حدیث ھازم اول حکومۃ تجری فی المعاد بین علی ومعاویۃ فیحکم اللہ لعلی بالحق والباقون تحت المشیئۃ وقول المشرع صلی اللہ علیہ وسلم لعمار تقتلک فئۃ الباغیۃ فلا ینبغی للامام ان یکون باغیا ولا مامۃ لا تلیق لشخصین کما لا تلیق الربوبیۃ للاثنین۔

(سر العالمین للغزالی ص ۱۲)

حضرت علی اور ان کے مخالفین کے زمانہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر خلافت کی امید دوسرے لوگوں کے لئے منقطع کر دی کہ جب دو خلیفہ کے لئے بیعت کی جائے تو بعد والے کو قتل کر ڈالو اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ہی حق دو آدمیوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے خلافت نہ تو جسم ہے کہ بٹے نہ عرض کہ متفرق ہو نہ جوہر کہ اس کی حد بندی ہو تو اسے کس طرح بیچا جائے گا اور کس طرح ہبہ کیا جائے گا اور اس باب میں ایک حدیث قطع نزاع ہے سب سے پہلا فیصلہ جو قیامت کے دن ہوگا حضرت علی معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوگا تو خدا حضرت علی کے حق میں فیصلہ کرے گا اور بقیہ تحت مشیت الٰہی ہوں گے

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا تو امام باغی نہیں ہو سکتا پس امامت دو آدمیوں کے لئے نہیں ہو سکتی جس طرح ربوبیت دو کے لئے نہیں۔

اس عبارت میں کس وضاحت سے امام غزالی فرماتے ہیں۔ بیعت اولی حضرت علی کی تھی اور وہی حق ہے اس کے بعد دوسرے کی بیعت کا امکان ہی ختم ہے جیسا کہ حکم رسول ہے یوں ہی حدیث رسول ہے کہ حضرت عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا (باغی کے جو معنی بھی ہوں) پس جن لوگوں نے حضرت عمار کو قتل کیا امام حق ہوں گے؟

والذی یدل علی امامة علی رضی اللہ عنہ اتفاق اهل الحل والعقد علی امامته۔

(اصول معالم الدین للرازی ص۱۶۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی حقانیت پر اہل حل و عقد کا اتفاق دلالت کرتا ہے۔

والخلاف العاشر فی زمان علی رضی اللہ عنه بعد الاتفاق علیه وعقد البیعة له فاوله خروج طلحة والزبیر الی مکة ثم حمل عائشة الی البصرة ثم نصب القتال معه ویعرف ذالک بحرب الجمل والحق انهما رجعا وتابا

اذ ذکرهما امر فتذکرا (پھر چند سطر بعد) وبقاء الخلافة الی وقت الوفاة المشهورة۔

(ملل و نحل للشہرستانی جلد اول ص۲۶)

دسواں اختلاف حضرت رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان پر اتفاق کے بعد ہوا تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مکہ گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لیا بصرہ پہونچے اور حضرت علی کے ساتھ جنگ کی جس کو جنگ جمل کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات نے رجوع کیا ان لوگوں کو یہ بات یاد دلائی گئی تو نصیحت قبول کر لی اور مولا کی خلافت ان کے وفات کے وقت تک رہی یہ ایک امر مشہور ہے۔

پس ان تصریحات کی روشنی میں ایک لحظہ کے لئے بھی یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اہل سنت وجماعت میں امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی خلافت کے بارے میں کوئی ادنیٰ شبہ بھی کیا جا سکتا ہے اور جو شخص خلافت علی کے بارے میں یہ باور کرانا چاہے اس کا تعلق مذہب حق اہلسنت وجماعت سے بھی ہو سکتا ہے؟ ہاں اس سواد اعظم کا تیرہ صد سالہ عقیدہ تباہ کر دیا جائے اور پھر نئے سرے سے کوئی شریعت گڑھی جائے تو اور بات ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

جنگِ قسطنطنیہ اور یزید

حضرت مولانا
عبد الحق صاحب مصباحی سالکپوری

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی اور بیعت نہ کرنے ہی کے نتیجے میں کربلا کا خونی معرکہ عالم وجود میں آیا اور حضرت امام عالی مقام نے اپنی اور اپنے ساتھ بہتر رفقاء کی جان راہِ حق میں قربان کر دی اور اپنے مقدس خونوں سے شجرِ اسلام کی ایسی آبیاری فرمائی جس سے چمنستانِ اسلام تا قیامِ قیامت لہلہاتا رہے گا۔ انہیں شہدائے عظام کی قربانیوں کی بدولت اسلام اپنے صحیح خد و خال کے ساتھ باقی رہ گیا۔

لیکن افسوس آج ایسا پرفتن دور آگیا کہ بعض لوگ امام حسین کی شہادتِ عظمیٰ کی اہمیت ختم کرنے کے لیے اس ظالم شقی بدبخت یزید کو جس نے ہزاروں بے گناہ صحابۂ کرام و تابعین عظام کا قتلِ عام کیا اور مسجدِ نبوی اور کعبۃ اللہ شریف کی شدید ترین توہین کی اس کو جنتی اور بخشا بخشایا ہوا ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کا مقصد عوام الناس کو یہ تاثر دینا ہے کہ جب یزید ایسا سعید شخص تھا کہ اس کے گناہوں کی بخشش و مغفرت حدیث سے ثابت ہے تو امام حسین کو اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا ہرگز درست نہیں تھا اس وجہ سے ان کا اقدام ناجائز ہے۔ انہیں لوگوں کے خیالاتِ فاسدہ کے تار و پود کو بکھیرنے کے لیے زیرِ نظر مضمون کو نذرِ قرطاس کر رہا ہوں۔

پہلے آپ حضرات ان لوگوں کی مستدل حدیث جس سے یزید کی بخشش و مغفرت اور اس کے جنتی ہونے پر استدلال کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (بخاری جلد اول کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم ص ۴۱۰)

میری امت کا وہ لشکر بخش دیا جائے گا جو قیصر کے شہر پر سب سے پہلے حملہ کرے گا۔

بخاری شریف کے تمام شارحین اس پر متفق ہیں کہ اس حدیث میں مدینۂ قیصر سے مراد اس کا دار السلطنت قسطنطنیہ ہے اور اربابِ سیر و شارحینِ حدیث نے اس کی تصریح کی ہے کہ قسطنطنیہ پر جو پہلا لشکر حملہ آور ہوا تھا اس میں یزید بھی شریک تھا بلکہ بعض حضرات حتیٰ کہ علامہ احمد خطیب قسطلانی نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ یزید ہی اس کا سپہ سالار تھا وہ فرماتے ہیں:

وکان اول من غزا الی مدینة قیصر یزید بن معاویة ومعہ جماعة من سادات الصحابة کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بہا سنة اثنین وخمسین (سنہ ۵۲ من الہجرة)	اور جس نے سب سے پہلے مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا وہ یزید بن معاویہ تھا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابن عمر اور ابن عباس اور ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور ابو ایوب انصاری نے وہیں ۵۲ھ میں وفات پائی :

(قسطلانی جلد خامس ص۱۲۴)

اس حدیث کو سامنے رکھ کر اور ارباب سیر و شراح حدیث کی تصریحات کی روشنی میں بظاہر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یزید پلید بخشا بخشایا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت حال کچھ اس کے برعکس ہے۔ اس سربستہ راز سے نقاب کشائی کے لئے میرے مندرجہ ذیل مضمون کا بنظر غائر مطالعہ فرمائیں۔

جو حضرات علماء و محدثین اور ارباب سیر و اخبار قسطنطنیہ پر پہلا حملہ جو ہوا اس میں یزید کو شریک اور سپہ سالار مانتے ہیں ان حضرات کی تصریحات کے ہوتے ہوئے کچھ کہنے کی ہمت تو نہیں پڑتی مگر پھر بھی اس سلسلے میں اپنی معلومات ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اس بحث کے سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل گوشے ناظرین کی خدمت میں رکھتا ہوں۔

(۱) قسطنطنیہ پر حملہ کب ہوا؟
(۲) یزید اس میں شریک تھا یا نہیں، شریک تھا تو سپہ سالار تھا یا عام سپاہی؟
(۳) اس کی یہ شرکت بخوشی و رضا تھی یا بجبر و اکراہ؟
(۴) اگر شریک تھا تو اس حدیث میں وارد بشارت کا مستحق ہے یا نہیں؟

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کب ہوا اور یزید اس میں شریک تھا یا نہیں۔ اس سلسلے میں مورخین کے چار اقوال ہیں ۴۹ھ یا ۵۰ھ

روضۂ مبارکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلائے معلی (عراق)

یا ۵۲ھ یا ۵۵ھ۔ کامل ابن اثیر میں ۴۹ھ کے وقائع کے بیان میں ہے۔

فی ہذہ السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویة جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاة (۱۳۱/۳)	اس یعنی ۴۹ھ میں اور کہا گیا ۵۰ھ میں معاویہ نے ایک بھاری لشکر لڑائی کے لئے بلاد روم کی طرف بھیجا۔

بدایہ نہایہ ۴۹ھ کے وقائع میں ہے۔

فیہا غزا یزید ابن معاویة بلاد الروم حتی بلغ قسطنطنیة	اس یعنی ۴۹ھ میں یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں لڑائی کی

یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہنچ گیا۔
(ص ۳۲ ج ۸)

علامہ عینی شرح بخاری شریف میں فرماتے ہیں۔
وقال صاحب المرأۃ والاصح

ان یزید بن معاویۃ غزا فی سنۃ اثنین وخمسین الی القسطنطنیۃ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۹۸)	صاحب مرأۃ نے کہا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔

اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے۔

قال ابوزرعۃ الدمشقی غزا معاویۃ ابنہ یزید سنۃ خمس وخمسین۔ (جلد اول ص ۴۰۵)	ابوزرعہ دمشقی نے کہا کہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو ۵۵ھ میں لڑائی کے لئے بھیجا۔

ان سب کا قدر مشترک یہ نکلا کہ یزید جس جنگ قسطنطنیہ میں شریک ہوا تھا وہ ۴۹ھ لغایت ۵۵ھ میں ہوئی تھی خواہ سپہ سالار وہ رہا ہو خواہ سفیان بن عوف۔

لیکن رومیوں پر یہ پہلا حملہ نہیں تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر سولہ حملے کئے تھے اس کے لئے ملاحظہ ہو بدایہ نہایہ جلد ثامن ص ۱۳۳۔

لما قتل عثمان لم یکن للناس غزاۃ تغزون حتی کان عام الجماعۃ فاغزا معاویۃ ارض الروم ست عشرۃ غزوۃ تذھب سریۃ فی الصیف ویشتوا بالارض الروم ثم تقفل وتعقبھا اخری۔	حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جہاد بند رہا جب عام الجماعت آیا تو معاویہ نے سرزمین روم پر سولہ لڑائیاں کیں گرمی میں ایک لشکر جاتا اور جاڑے روم میں گذارتا اور جب وہ لوٹ آتا تو اس کے پیچھے دوسرا جاتا۔

کتب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں پر پہلا حملہ ۲۲ھ میں ہوا تھا۔ اسی بدایہ نہایہ میں ۴۲ھ کے وقائع میں لکھا ہے۔

فیہا غزا المسلمون اللان (البدایۃ والنہایۃ جلد ثامن ص ۱۲۷)	۴۲ھ میں مسلمانوں نے لان اور روم پر حملہ کیا۔

وعن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ رواہ الترمذی

ترجمہ

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں!

قسطنطنیہ پر پہلے حملے کا ایک سراغ یہ ملتا ہے کہ یہ ۴۳ھ میں حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ہوا تھا۔ اسی میں ہے۔

فیہا غزا بسر ابن ارطاۃ بلاد الروم فوغل فیہا حتی بلغ مدینۃ قسطنطنیۃ وشتی ببلادھم فیما زعم الواقدی وانکرہ غیر واحد	اسی یعنی ۴۳ھ میں بسر بن ارطاۃ نے بلاد روم پر حملہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ اور ان کے شہروں میں پھیل گئے جیسا کہ واقدی نے گمان کیا ان کے علاوہ اور لوگوں نے اس سے انکار کیا۔

یہ روایت یوں تو مجروح کر دی جاتی ہے کہ واقدی اس کے ساتھ منفرد ہیں دوسرے لوگ اس سے انکار کرتے ہیں۔ مگر صحاح ستہ کی مشہور و معروف کتاب ابوداؤد میں ابوعمران سے روایت ہے

غزونا من المدینۃ نرید القسطنطنیۃ وعلی الجماعۃ عبد الرحمن بن خالد بن الولید والروم ملصقوا ظھورھم بحائط المدینۃ فحمل رجل	ہم مدینہ سے قسطنطنیہ پر جہاد کے ارادے سے چلے اور سپہ سالار عبد الرحمن بن خالد بن ولید تھے رومی اپنی پیٹھ شہر پناہ سے ملائے ہوئے تھے۔ ایک صاحب

على العدو فقال الناس	نے دشمن پر حملہ کر دیا اس پر لوگوں
مه مه لا اله الا الله يلقى	نے کہا بس نہیں لا الٰہ الا اللہ یہ
بيديه الى التهلكة فقال	صاحب اپنے آپ کو ہلاکت میں
ابو ايوب انما نزلت هذه	ڈال رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت
الآية فينا معشر الانصار	ابو ایوب نے فرمایا کہ یہ آیت ہم
لما نصر الله نبيه صلى الله	انصار کے بارے میں نازل ہوئی
تعالى عليه وسلم واظهر	جب اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ
الاسلام قلنا نقيم في	وسلم کی مدد کی اور اسلام کو غالب
اموالنا ونصلحها فانزل	کر دیا تو ہم نے کہا کہ اب ہم اپنے
الله وانفقوا في سبيل الله	کاروبار میں لگ جائیں اسے
ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة	درست کر لیں اور جہاد چھوڑ
فالالقاء بايدينا الى التهلكة	دیں۔ تو اپنے آپ کو ہلاکت
ان نقيم في اموالنا ونصلحها	میں ڈالنا جہاد چھوڑنا ہے۔
وندع الجهاد قال ابو عمران	ابو عمران نے کہا کہ ابو ایوب
فلم يزل ابو ايوب يجاهد	راہ خدا میں جہاد کرتے رہے
في سبيل الله حتى دفن	یہاں تک کہ قسطنطنیہ
بالقسطنطنية (جلد اول باب	میں دفن ہوئے۔
جهاد في قوله عزوجل ولا تلقوا	
بايديكم الى التهلكة) ص۳۴۰	

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ایک لشکر نے حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی سرکردگی میں بھی قسطنطنیہ میں حملہ کیا تھا اور اس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ابو داؤد میں یہ نہیں ہے کہ یہ حملہ کس سنہ میں ہوا تھا۔ مگر جب یہ صراحت ہے کہ اس کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے تو اس کا پتہ لگا لینا بہت آسان ہو گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا وصال ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ہوا حوالہ کے لئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بدایہ نہایہ جلد ثامن ص۳۱ پر ۴۶ھ کے وقائع میں ہے

وقد ذكر ابن جرير ان	ابن جریر نے ذکر کیا کہ ایک مرد
رجلا يقال له ابن اثال	جس کا نام اثال ہے اس نے
سقاه شربة فيها سم فمات	(عبدالرحمٰن بن خالد) کو کوئی ایسی
	چیز پلا دی جس میں زہر تھا تو ان کا انتقال ہو گیا۔

(۲) کامل ابن اثیر جلد ثالث ص۲۲۹ پر ۴۶ھ کے وقائع میں ہے۔

فلما قدم عبدالرحمن من	عبدالرحمٰن بن خالد روم سے جب
الروم دس اليه ابن اثال	واپس ہوئے تو ابن اثال نے
شربة مسمومة فشربها	فریب دے کر کوئی ایسی چیز پینے کیلئے
فمات بحمص	دے دیا جس میں زہر ملا ہوا تھا
	جس کے سبب حمص میں انتقال ہو گیا۔

(۳) اسد الغابہ جلد ثالث ص۲۴۰ پر عبدالرحمٰن بن خالد کے ترجمہ میں یہ ہے کہ:۔

ثم ان عبد الرحمن مرض	عبدالرحمٰن بیمار ہوئے تو ابن
فدخل عليه ابن اثال النصراني	اثال نصرانی ان کے پاس آیا
فسقاه سما فمات وذالك	اور ان کو زہر پلا دیا جس کی وجہ
سنة سبع واربعين	سے انتقال ہو گیا اور یہ ۴۷ھ میں ہوا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب "الاستیعاب" میں بھی عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا ترجمہ موجود ہے لیکن انہوں نے سن وفات کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ عبدالرحمٰن بن خالد کا انتقال ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ہوا تو لامحالہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اس سے پہلے ماننا پڑے گا۔ اس کی تائید کامل ابن اثیر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد نے پہلا حملہ روم پر ۴۴ھ اور دوسرا حملہ ۴۶ھ میں کیا تھا۔

في هذه السنة دخل المسلمون	اسی سنہ میں (۴۴ھ) مسلمان
مع عبد الرحمن بن خالد بن	عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید
وليد بلاد الروم وشتوا بها	کے ساتھ بلاد روم میں داخل ہوئے
	اور پھیل گئے۔

۴۶ھ کے وقائع کے بیان میں یہ ہے۔

في هذه السنة كان مشتى	اسی ۴۶ھ میں مالک بن عبد

مالك بن عبد الله بارض الروم وقيل بل كان عبد الرحمن بن خالد بن الوليد وقيل بل كان مالك بن هبيرة السكوني وفيها انصرف عبد الرحمن بن خالد من بلاد الروم الى حمص ومات۔

(جلد ثالث ص۲۲۹)

اللہ کی سرکردگی میں اہل روم پر چڑھائی ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید کی اور کہا گیا ہے مالک بن ہبیرہ کی سرکردگی میں۔ اسی سال عبدالرحمن بن خالد بلاد روم سے لوٹے تو حمص میں ان کا انتقال ہو گیا۔

قیصر میں داخل نہیں ہوا۔ اور جب اس میں داخل نہیں ہوا تو اس بشارت کا بھی مستحق نہ ہوا ابوداؤد صحاح ستہ میں سے ہے اور یہ مسلم ہے کہ صحاح ستہ کی روایت عام کتب تاریخ کے مقابلے میں بہرحال قابل ترجیح ہے۔

اس پر ایک شبہ یہ ہے کہ کتب تواریخ میں موجود ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جہاد قسطنطنیہ میں شریک بھی تھے اور انہیں ایام میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں اور ان کا وصال سنہ ۵۲ھ میں ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سنہ وصال میں کثیر اختلاف ہے بدایہ نہایہ میں ص۵۹ پر لکھا ہے۔

بدایہ نہایہ ص۳۰ پر ہے۔

فيها شتى المسلمون

اس سال مسلمان اپنے امیر عبدالرحمن

ظالم شقی، بدبخت یزید جس نے ہزاروں بے گناہ صحابہ کرام وتابعین عظام کا قتل عام کیا اور مسجد نبوی اور کعبۃ اللہ کی توہین کی اسے جنتی کہنے والے اور امیر المومنین وعلیہ السلام لکھنے والے گمراہ ہیں۔

بلاد الروم مع اميرهم عبد الرحمن بن خالد بن الوليد وقيل كان اميرهم غيرهم۔

ابن خالد بن ولید کے ساتھ بلاد روم میں پھیل گئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان کا امیر کوئی اور تھا

اظہر یہی ہے کہ جس غزوے کا ذکر ابوداؤد میں ہے وہ بھی ۴۶ھ والا ہوگا اس میں یزید کی شرکت کا کوئی ذکر نہیں یہ گذر چکا کہ مورخین یزید کی شرکت جس جنگ میں بتاتے ہیں وہ ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۲ھ یا ۵۵ھ میں ہوئی تاریخ کے استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے اس ایک جنگ قسطنطنیہ کے یزید کسی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوا تو مورخین کے اجماع مؤلف سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت عبدالرحمن بن خالد نے قسطنطنیہ پر جو حملہ کیا تھا اس میں یزید شریک نہیں ہوا اور چونکہ بروایت صحیح یہی قسطنطنیہ پر بھی پہلا جہاد تھا۔ اس لئے یزید اول جیش من امتی یغزون مدینة

قال الواقدي مات ابو ايوب بارض الروم سنة اثنين وخمسين وقال ابو زرعة توفي سنة خمس وخمسين والاول اثبت۔

امام واقدی نے کہا کہ حضرت ابوایوب انصاری نے سرزمین روم میں سنہ ۵۲ھ میں وصال فرمایا ابوزرعہ دمشقی نے کہا کہ ۵۵ھ میں پہلی روایت اثبت ہے۔

اسی بدایہ نہایہ میں ص۴۲ پر ہے۔

فيها غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية وفيها توفي ابو ايوب الانصاري

اسی سنہ ۴۹ھ میں یزید نے بلاد روم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہونچ گیا۔ اور اسی میں ابوایوب انصاری کا وصال ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ اس غزوہ میں وصال نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد والے میں یعنی سنہ ۵۱ھ یا سنہ ۵۲ھ یا

سنہ ۵۳ھ میں ہوا۔

اصابہ اول ص۴۰۵ پر ہے۔

وتوفی فی غزاة القسطنطنیة	حضرت ابوایوب نے سنہ ۵۰ھ
سنة خمسین وقیل احدیٰ	میں جنگ قسطنطنیہ میں وصال
اثنتین وخمسین وھوالاکثر	فرمایا اور نیز کہا گیا سنہ ۵۱ھ
وقال ابوزرعة الدمشقی	یا سنہ ۵۲ھ میں اور سنہ ۵۲ھ ہی
اغزی معاویة ابنہ یزید	کا قول اکثر کا ہے ابوزرعہ دمشقی
سنة خمس وخمسین	نے کہا کہ معاویہ نے اپنے بیٹے

یزید کو سنہ ۵۵ھ میں لڑائی پر بھیجا تھا۔

عینی شرح بخاری میں ہے۔

مات القسطنطنیة غازیا	ان کا وصال سنہ ۵۰ھ میں اس
سنة خمسین	وقت ہوا جبکہ یہ قسطنطنیہ میں
(جلد ثانی ص۲۰۶)	جہاد کر رہے تھے۔

ان سب روایات پر نظر ڈالنے کے بعد آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔ ہم اگر تھوڑی سی تفصیل کردیں تو آپ کی الجھن ست بڑھ جائے گی مختصرا یہ عرض ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ ابوایوب انصاری جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے اس کا دو مطلب ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ اسی جنگ میں لڑتے رہے اور اسی میں شہید ہوئے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ قسطنطنیہ پر برابر جہاد کرتے رہے جو لشکر روم سے لڑنے کیلئے جاتا ہے تو یہ بھی جاتے یہاں تک کہ وہ وصال پا گئے اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے یہی دوسرا مطلب ظاہر ہے اور یہ مراد لینے کے بعد کوئی خلجان نہیں رہ جاتا اب آپ غور کریں کہ پہلا حملہ قسطنطنیہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی سرکردگی میں سنہ ۴۹ھ میں ہوا اس میں بھی شریک ہوئے پھر سنہ ۵۲ھ میں یزید گیا تو اس میں بھی شریک رہے اور اسی میں وصال ہوا۔ اب اس سلسلے کی ساری روایات منطبق ہوجاتی ہیں۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ قسطنطنیہ پر متعدد بار حملے ہوئے سنہ ۴۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالد کی زیر قیادت سنہ ۴۹ھ میں سفیان بن عوف کی ماتحتی میں سنہ ۵۲ھ میں یزید کی سرکردگی میں ان سب میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک ہوئے اور آخر میں سنہ ۵۲ھ میں وہیں وصال فرمایا۔

اگر ہماری اس تنقیح کو نہ مانیں تو اس باب میں اتنا تخاعف اور تعارض لازم آئے گا۔ کہ کسی طرح دور نہ ہوگا پھر لامحالہ یہ کرنا پڑے گا کہ کچھ روایات کو ناقابل اعتبار قرار دیا جائے گا اور جب یہ مرحلہ آجائے گا تو بہر حال ابوداؤد کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

یزید اس جنگ قسطنطنیہ میں سپہ سالار نہیں تھا ایک معمولی سپاہی تھا جیسا کہ ابھی کامل ابن اثیر سے آرہا ہے یزید قسطنطنیہ کی جنگ میں بخوشی و رضا نہیں شریک ہوا تھا بلکہ اس کے باپ حضرت امیر معاویہ نے سخت حکم دے کر بطور سزا اس کو بھیجا تھا۔ یہ سر مکتوم ابن اثیر کی زبان سے سنیئے۔ (جلد ثالث ص۱۳۱ پر ہے)

وفی ھذہ السنة	اس یعنی سنہ ۴۹ھ اور کہا گیا سنہ ۵۰ھ
وقیل سنة خمسین	میں معاویہ نے ایک بڑا لشکر
سیر معاویة جیشا کثیفا	بلاد روم کی جانب جنگ کیلئے
الی بلاد الروم للغزاة	بھیجا اس کا سپہ سالار سفیان
وجعل علیھم سفیان	بن عوف کو بنایا اپنے بیٹے یزید
ابن عوف وامر ابنہ	کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائے
یزید ابالغزاة معھم	تو وہ بیمار بن گیا اور عذر کردیا
فتثاقل واعتل فامسک	اس پر اس کے باپ رہ گئے
عنہ ابوہ فاصاب الناس	لوگوں کو بھوک اور سخت بیماری
فی غزاتھم جوع ومرض	لاحق ہوگئی یہ سن کر یزید نے
شدید فانشاء یزید	یہ اشعار پڑھے۔
یقول ۔ شعر	شعر:
ما ان ابالی بما لاقت جموعھم	مقام فرقدونہ میں لشکر پر کیا بلا
بالفرقدونة من حمی ومن موم	نازل ہوئی بخار آیا کہ سرسام میں
اذا اتکات علی الانماط مرتفقا	مبتلا ہوئے مجھے کچھ پرواہ نہیں
بدیر مران عندی ام کلثوم	جبکہ میں اونچی قالینوں پر دیر مران
(ام کلثوم امرأتہ فسلغ	(جگہ کا نام ہے) میں بیٹھا ہوں اور

معاویۃ شعرہ فی قسم — ام کلثوم میرے بغل میں ہے۔
علیہ فیلعفن بسفیان — ام کلثوم یزید کی بیوی تھی
فی ارض الروم لیصبہ — جب معاویہ نے یہ اشعار سنے
بما اصاب الناس فساد — تو یزید کو قسم دیا کہ ارض روم میں
ومعہ جمع کثیر اضافہم — جاکر سفیان کے ساتھ ہو جا تاکہ
الیہ ابوہ — تو بھی ان مصائب سے دوچار
ہو جن سے غازیان اسلام ہوئے اب مجبور ہو کر یزید گیا معاویہ نے اس کے ساتھ ایک بڑی جماعت کر دی۔

ناظرین غور کریں کہ باپ نے حکم دیا یزید نہیں مانا باپ کی حکم عدولی کتنا بڑا گناہ ہے وہ ظاہر ہے حدیث میں اس کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔

بیماری کا بہانہ بنایا یہ بھی بہ حکم حدیث ممنوع ہے۔

راہ خدا میں جان بکف مجاہدین پر مصیبت آئی تو یہ خوش ہوا مسلمانوں کی مصیبت پر خوش ہونا کتنی بری بات ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب جہاد سے جان چرانے اور عیش و عشرت میں پھنسے رہنے کی بنا پر ہوا۔ اور جبکہ حضرت امیر معاویہ کا حکم اتنا سخت آیا کہ اسے قسم دی تو یہ جانا بخوشی ہوا یا بہ جبر و اکراہ۔ یہ بتانے کی حاجت نہیں بلکہ وہی بات ہوئی جو منافقین کے بارے میں فرمایا گیا۔

اذا قاموا الی الصلوٰۃ — جب نماز کے لئے کھڑے
قاموا کسالیٰ — ہوتے ہیں تو ہارے جی سے
کھڑے ہوتے ہیں۔

اس طرح جنگ میں شرکت پر وہ کسی ثواب کا مستحق بھی نہ ہوگا چہ جائیکہ اس عظیم بشارت کا جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

کامل ابن اثیر کی اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس لشکر کے سپہ سالار سفیان بن عوف تھے یزید اسی میں شامل تھا سپہ سالار نہیں تھا بلکہ عام سپاہی کی طرح یا زیادہ سے زیادہ بعد میں جانے والے دستے کا سردار رہا ہو اور ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ یزید نے ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی بات

> یزید کو اچھا کہنے والے کسی دور میں پیدا نہیں ہوئے۔ یزید پلید بلا شبہ جہنمی تھا۔ قسطنطنیہ کی جنگ میں یزید کو شریک و سپہ سالار تسلیم کرنے والے غلط فہمی کا شکار ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اس سلسلے میں دو اختلاف بہت سخت ہیں ایک یہ کہ یہ جنگ کس سنہ میں ہوئی؟ اور اس کا سپہ سالار کون تھا۔ آپ سن چکے کہ کامل ابن اثیر یہ لکھ رہے ہیں کہ ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ہوئی اور اس کا سپہ سالار سفیان کو بنایا گیا۔

بدایہ نہایہ سے یہ ظاہر ہے کہ یہ جنگ ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں تو ہوئی مگر سپہ سالار یزید تھا۔

علامہ عینی صاحب مرآۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ واضح یہ ہے کہ یزید نے ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی اس سے ظاہر ہے کہ وہ سپہ سالار تھا مگر اس کے بعد علامہ عینی یہ لکھتے ہیں۔

قیل سیر معاویۃ جیشا — ایک قول یہ ہے کہ معاویہ نے
کثیفا مع سفیان ابن — ایک بہت بڑا لشکر سفیان بن
عوف الی القسطنطنیۃ — عوف کے ساتھ قسطنطنیہ
فاوغلوا البلاد وکان — بھیجا یہ دور تک گھس گئے۔
فی ذالک الجیش ابن — اس لشکر میں ابن عباس، ابن
عباس وابن عمر وابن — عمر، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری
الزبیر وابو ایوب الانصاری — بھی تھے بلکہ حضرت ابو ایوب
وتوفی ابو ایوب فی مدۃ — حصار کے زمانے ہی میں فوت
الحصار قلت الاظہر — ہو گئے میں کہتا ہوں اظہر یہ ہے

ان ھؤلاء السادات من الصحابة کانوا مع سفیان ھذا ولم یکونوا مع یزید ابن معاویة لانه لم یکن اھلہ ان یکون ھؤلاء السادات فی خدمتہ (جہاد باب ماقیل فی قتال الروم ص۱۹۸ و ص۱۹۹ جلد ۱۴ ھ)

کہ یہ سادات صحابہ سفیان کے ساتھ تھے یزید ابن معاویہ کے ساتھ نہیں تھے اس لئے کہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا کہ یہ حضرات اس کی ماتحتی میں رہتے

اس کے پہلے کچھ لکھ چکے ہیں کہ صاحب مرآۃ نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ یزید نے ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر جنگ کی۔ اب لکھتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ یہ اجلہ سادات صحابہ سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کے ساتھ نہیں تھے تو معلوم ہوا کہ سفیان نے الگ لشکر کشی کی تھی اور یزید نے الگ یزید کی لشکر کشی ۵۲ھ میں تھی اور یہ بھی ہے کہ ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں بھی قسطنطنیہ پر لشکر کشی ہوئی تو لامحالہ یہ وہی لشکر کشی ہے جو سفیان بن عوف کی سرکردگی میں ہوئی اب ۴۹ھ یا ۵۰ھ کی روایات منطبق ہو جاتی ہیں صرف ایک خلش رہ جاتی ہے۔ کہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ مدت حصار میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ اور بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ اسی وقت جبکہ سفیان محاصرہ کئے ہوئے تھے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ مگر بدایہ و نہایہ میں ہے کہ جب ابوایوب انصاری بیمار پڑے تو یزید ان کے پاس گیا اور انہوں نے وصیت کی کہ مجھے جہاں تک ہو سکے دشمن کی زمین میں لے جا کر دفن کرنا یزید نے نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس روایت کو جھٹلا دیں۔ اور یہی ابن کثیر اسی بدایہ و نہایہ میں لکھ چکے کہ اثبت یہ ہے کہ حضرت ابوایوب کا وصال ۵۲ھ میں ہوا۔ اور یہی علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بھی لکھا ہے۔

ان سب کی تنقیح کے لئے ہم نے اوپر یہ لکھا کہ حضرت ابوایوب انصاری قسطنطنیہ کی ہر جنگ میں شریک ہوئے اور وفات اس جنگ میں ہوئی جس کا سپہ سالار یزید تھا اب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت ابوایوب انصاری نے قسطنطنیہ کے جس محاصرہ میں وصال فرمایا اس فوج کا سپہ سالار یزید تھا۔

رہ گئی کامل ابن اثیر کی روایت تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ سفیان کی بھی فوج میں شریک ہوا مگر بحیثیت سپہ سالار نہیں بلکہ بحیثیت عام فوجی یا بحیثیت ایک ماتحت سردار کے۔

قرین قیاس بھی یہی ہے۔ آپ سوچیئے ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں یزید چوبیس سال کا نوخیز چھوکرا تھا جسے جنگ کا کوئی تجربہ نہیں اور نہ اس کی وقعت تھی ایک دم اسے اتنے اہم مورچے پر سپہ سالار بنا کر بھیجنا کسی طرح درست نہیں تھا خصوصاً جبکہ وہ عیش پسند تھا ایک بار اسے ایک ماہر کمانڈر کی ماتحتی میں بھیجا کہ اسے کچھ تجربات ہو جائیں پھر بعد میں سپہ سالار بنا کر بھیجا اب ساری روایات کے نوک پلک درست ہو جاتے ہیں۔

چلئے مان لیجئے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا وہی لشکر تھا جس میں یزید یا جس کا وہ سپہ سالار تھا اور یہ بھی مان لیجئے کہ وہ بخوشی و رضا بلکہ برغبت خالص فی سبیل اللہ اس جنگ میں شریک ہوا تھا تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد بھی کیا اس حدیث کی وجہ سے وہ جنتی ہے۔ اور اس جنگ کے بعد اس کے سارے کالے کرتوت معاف کر دیئے گئے؟

اس پر بحث سے پہلے اس نکتہ پر ہے کہ حدیث میں ہے "مغفور لہم" انہیں بخش دیا گیا یہ نہیں کہ ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس جنگ کے پہلے ان شرکاء نے جتنے گناہ کئے تھے سب بخش دیئے گئے یہ نہیں کہ اس کے بعد کھلی چھوٹ مل گئی کہ جو چاہیں کریں سب معاف ہے ایک جنگ قسطنطنیہ ہی نہیں بہت

ے اعمال خیر پہ مغفور لھم اور غفر لہ ما تقدم من ذنبہ آیا ہے کیا کسی میں ہمت ہے جو کہدے کہ ان اعمال کے بعد وہ کچھ بھی کرے سب معاف ہے۔ مثلاً فرمایا۔

من قرأ حم الدخان لیلۃ الجمعۃ اصبح مغفورا لہ (دارمی باب فضائل القرآن)

جس نے شب جمعہ میں سورۂ حٰمٓ الدخان پڑھی وہ اس حال میں صبح کرے گا کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

اور حضور نے ارشاد فرمایا۔

من غسل میتا رجع مغفورا لہ (مسند امام احمد)

جس نے کسی میت کو غسل دیا وہ اس حال میں لوٹےگا کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

جہاں جہاں کسی عمل خیر کے کرنے والوں کے لئے بشارت دی گئی ہے کہ فلاں فلاں کام کرنے سے اللہ عزوجل سارے گناہ بخش دے گا یا اس کی مغفرت ہو گئی اس سے مراد گناہ صغائر ہیں اور کبائر اور حقوق العباد وغیرہ بغیر توبہ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے بغیر ہرگز نہیں معاف ہوتے دلیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم (سورۂ نساء آیت ۳۱)

اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے۔

جلالین شریف میں اسی آیت کے تحت فرمایا الصغائر بالطاعات نیکیوں سے گناہ بخشے جانے سے مراد گناہ صغائر ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ معاف ہوتے ہیں کبائر اور حقوق

حضرت امیر معاویہ نے یزید کو جنگ قسطنطنیہ میں جانے کا حکم دیا یزید نے انکار کرتے ہوئے کہا:

”مجھے کچھ پرواہ نہیں جبکہ میں اونچی قالین پر دیر سراں میں بیٹھا ہوں اور ام کلثوم میرے بغل میں ہے“

احادیث کریمہ کا مطالعہ کرنے والے کے لئے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سیکڑوں مقامات پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے فلاں کام کیا اس کے گناہ بخش دیئے گئے صرف ایک مثال اور پیش کر رہا ہوں۔ ارشاد نبوی ہے۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری جلد اول کتاب الایمان)

جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے سارے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے جو ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

قرآن کریم یا حدیث شریف میں ان تمام مقامات پر

العباد نہیں۔

ایک اور شہرہ آفاق محدث علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہادت سنیں۔ ابھی رمضان کی راتوں میں قیام سے متعلق بخاری کے حوالے سے ایک حدیث نقل کر چکا ہوں اس کے تحت علامہ عینی رقمطراز ہیں۔

ظاھر الحدیث غفران الصغائر والکبائر وفضل اللہ واسع ولکن المشہور من مذاھب العلماء فی ھذا الحدیث وشبہہ کحدیث غفران الخطایا بالوضوء وبصوم

حدیث کا ظاہر اس بارے پر دلالت کر رہا ہے کہ گناہ صغیرہ و کبیرہ دونوں بخش دیئے جائیں گے اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے لیکن اس حدیث میں اور اس کے مثل جتنی حدیثیں ہیں جیسے

یوم عرفۃ ویوم عاشوراء ونحوہ ان المراد غفران الصغائر فقط کما فی حدیث الوضوء مالم یوت کبیرۃ ما اجتنبت الکبائر وقال النووی فی التخصیص نظر لکن اجمعوا علی ان الکبائر لا تسقط الا بالتوبۃ او بالحد (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۲۳۲)

وضو کرتے اور عرفہ و یوم عاشورا کے دن روزہ رکھنے سے گناہوں کے بخشے جانے کے بارے میں جو آیا ہے ان سے مراد صرف گناہ صغائر ہیں جیسا کہ حدیث وضو میں ہے کہ جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اور امام نووی نے کہا کہ تخصیص میں نظر ہے لیکن علماء نے اس بات پر اجماع کیا کہ کبائر بغیر توبہ اور حد کے نہیں معاف ہوتے ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ تخصیص میں نظر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث وضو میں "مالم یوت کبیرۃ" کی جو قید ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح وضو کرنے سے گناہ صغیرہ اسی وقت معاف ہوں گے جبکہ اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اگر گناہ کبیرہ کر لیا ہے تو صغیرہ بھی نہیں معاف ہوں گے (لہذا امام نووی اس ظاہری مطلب کے مراد ہونے پر فرما رہے ہیں کہ نظر ہے اس لئے کہ یہ معنی محتمل ضرور ہے لیکن سیاق حدیث کے منافی ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرمایا کہ مذہب اہلسنت یہی ہے کہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ کے نہیں معاف ہوں گے۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۲۱)

ہمارے ان دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اس قسم کے اعمال صالحہ سے گناہ صغائر معاف ہوتے ہیں کبائر اور حقوق العباد ہرگز نہیں بخشے جاتے ہیں۔

اور نعوذ باللہ انہیں یزیدیوں کی بات مان لی جائے گی کہ گناہ صغائر و کبائر سب معاف ہو جاتے ہیں تب تو نہ کچھ کرنے کی ضرورت اور نہ کسی گناہ یا برائی سے بچنے کی حاجت۔ شراب پیو، جوا کھیلو، بدکاری کرو، چوری کرو، ڈاکے ڈالو، قتل ناحق کرو، حرمین طیبین کی اینٹ سے اینٹ بجا دو، کعبہ جلا ڈالو، کھود کر پھینک ڈالو، مسجد نبوی میں غلاظت ڈالو سب معاف صرف کسی جمعہ کی رات میں سورہ دخان پڑھ لو سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے۔ اور اگر پڑھنا نہیں جانتے تو کسی مسلمان مردہ کو زندگی میں ایک بار نہلا دو زندگی بھر جو چاہو کرو سب معاف ہے۔ یزیدی جو جواب اس کا دیں گے وہی جواب اس حدیث "مغفور لہم" کا ہم دیں گے۔

مہلب نے صرف اتنی بات کہہ دی تھی کہ حدیث "مغفور لہم" سے معاویہ اور ان کے بیٹے یزید کے لئے منقبت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ امیر معاویہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے دریائی جنگ لڑی اور یزید نے مدینہ قیصر پر پہلا حملہ کیا تو اس پر علامہ عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ احمد خطیب قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یک زبان ہو کر مہلب کے قول کی تردید کی اور اس کو بنی امیہ کی حمایت بے جا پر محمول کیا۔ اس مقام پر ان تینوں شارحین بخاری کی عبارتیں تقریباً یکساں ہیں علامہ عینی کے الفاظ یہ ہیں۔

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر انتهی قلت ای منقبة كانت لیزید و حاله مشهور فان قلت قال صلی الله تعالی علیه وسلم فی حق هذا الجیش

مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دریائی جنگ لڑی اور ان کے بیٹے یزید کی بھی مدح نکلتی ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر دھاوا کیا۔ میں کہتا ہوں کہ یزید کی وہ کون سی منقبت تھی (جو قابل ذکر ہوتی) جبکہ اس کا حال (فسق و فجور) مشہور ہے اگر تم یہ کہو کہ نبی

معفور لهم قلت لا يلزم من دخوله في ذالك وان لا يخرج بدليل خاص اولا يختلف اهل العلم ان قوله صلى الله تعالى عليه وسلم معفور لهم مشروط بان يكون من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالك لم يدخل في ذالك العموم فدل على ان المراد معفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں مغفور لہم فرمایا ہے تو میں کہوں گا کہ اس عام میں داخل ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ کسی دلیل خاص سے نہ نکلے اس لئے کہ اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ ارشاد اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ اہل مغفرت سے ہوں یہانتک کہ کوئی اس جنگ کے شرکار میں سے مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم میں داخل نہیں رہے گا اس سے معلوم ہوا کہ ان شرکار میں سے مغفرت صرف انہیں کی ہوگی جن میں مغفرت کے شرائط پائے جاتے ہوں۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۸-۱۹۹)

اہل علم سے میں اس مقام پر خصوصی توجہ چاہوں گا کہ شارحین بخاری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یزید اس بشارت کے عموم میں داخل نہیں ہے اور داخل اسی وقت نہ ہوگا جبکہ وہ اہل مغفرت سے نہ ہوگا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ یزید کو اہل مغفرت سے نہیں مانتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ لوگ اسے مومن نہیں تسلیم کرتے کافر جانتے ہیں ورنہ اہل مغفرت سے نہ ہونے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور پھر اس عموم سے نہ نکل سکے گا۔ حالانکہ مذکورہ بالا محدثین یزید کو بشارت کے عموم سے نکالنے کے درپے ہیں۔ اگر عبارت کا مطلب وہی ہے جو ہم نے سمجھا ہے تو فبہا ورنہ کوئی صاحب بھی اس کا دوسرا مفہوم جو عبارت کے سیاق وسباق کے مناسب ہو بتائیں گے تو انشاء اللہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کیا جائے گا۔

یزید کے کارنامے سامنے رکھ کر ہر شخص یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ اہل مغفرت سے ہے؟

خصوصًا جبکہ حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ کافر تھا اور کافر کسی بھی عمل صالح پر لائق مغفرت نہیں ارشاد ہے۔

ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذالك لمن يشاء -

اللہ شرک نہیں بخشے گا اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔

(سورۂ نساء آیت ۱۱۶)

کافروں کے سارے اعمال لغو اور بیکار ہیں ارشاد ہے

عاملة ناصبة تصلى نارا حامية

کام کریں مشقت جھیلیں جائیں بھڑکتی آگ میں۔

(سورۂ غاشیہ آیت ۳،۴)

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ، اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ رواه الترمذی.

ترجمہ

روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن مرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے۔ حسین اسباط میں سے سبط ہیں۔

اقامت میں حیّ علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا ثبوت

ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں۔ اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

شکل اوّل: امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے۔ اور امام نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہوجائے مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) درمختار میں ہے:۔

"اذا اقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظہیریۃ۔"

یعنی فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کرلے۔

(۲) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔

"وان کان المؤذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون مالم یفرغ من الاقامۃ"

"یعنی اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہوجائے۔

(۳) فتح اللہ المعین حاشیہ کنز بلامسکین میں ہے۔

ترجمہ:۔ "یعنی (حیّ علی الفلاح) پہ کھڑا ہونا اس وقت ہے جب امام اور مؤذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں آکر کہہ رہا ہے تو علماء کا اجماع ہے کہ مقتدی کھڑے نہ ہوں جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہوجائے۔

اس تصریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکبر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا امام اور مکبر تو کھڑا ہو اور ہم بیٹھے رہیں یہ خلاف تعظیم مکبر ہے اس لئے ہم مکبر

کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جدت اور اجتہاد محض تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) جامع الرموز میں ہے۔

لوکان الامام موذنالم یقم القوم الاعند الفراغ وھذا اذا اقام فی المسجد۔

یعنی اگر امام خود مکبر ہو تو جب مسجد میں آکر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

(۵) بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔

• ترجمہ:۔ ہ (یعنی حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت ہے جب مؤذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

(۶، ۷) ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر امام ہی مکبر ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

شکل دوم:۔ امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے۔

" والا فقد قاموا اذا دخله کما فی المحیط۔

• یعنی اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آکر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دیا تھا تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے۔

(۳) فتح اللہ المعین میں ہے۔

" وان خارجہ قام کل صف ینتھی الیہ الامام "

یعنی اگر امام اور مؤذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر شروع کر دی تو جس جس صف کے سامنے امام گزرتا جائے وہ لوگ کھڑے ہو جائیں۔

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔

" وان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علی انھم لا یقومون مالم یدخل الامام فی المسجد "

یعنی اگر امام و مؤذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر کہنی شروع کر دی تو مقتدی اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۵) در مختار میں ہے۔

" وان خارجہ قام کل صف ینتھی الیہ۔ بحر "

اگر امام نے تکبیر خارج مسجد ہی سے شروع کر دی تو جیسے جیسے صفوں

کے سامنے امام آتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔

یہ بحرالرائق میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل سوم ۔ امام اور مؤذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آرہا ہے تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں نہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں اس وقت کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری و فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

"واذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الی انهم لا یقومون حتی یروه"

یعنی تکبیر شروع ہوئی اور امام مسجد میں نہیں تو جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ مقتدی جس وقت تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں۔

اور یہی حدیث بخاری و مسلم شریف سے ثابت ہے۔

عن ابی قتادہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔

جب اقامت کہی جائے (اور میں مسجد میں موجود نہ ہوں) تو تم لوگ کھڑے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

یہ مذہب متفق علیہ تمام ائمہ و علماء کا ہے۔

(۵) التعلیق المجد میں ہے۔

(ترجمہ) یعنی امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور یہی قول شافعی اور داؤد کا ہے۔

(۶) درمختار میں ہے۔

"وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیه"

یعنی تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے باہر ہے آگے کی طرف سے آرہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں۔

(۷) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما رأوا الامام۔

اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔

(۸) بدائع الصنائع میں ہے۔

پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ نہ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں"۔

اسی لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا امامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر۔

(ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ ۱۲م)

ردالمحتار میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ یعنی اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ ہے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آرہا ہے (تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی۔)

ایسا ہی علامہ حلبی شارح درمختار نے تحریر

ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اُسے چاہیئے کہ بیٹھ جائے کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے (عالمگیری)

(۹) تبیین الحقائق و شرنبلالیہ میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر امام مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں۔

شکل چہارم:۔ امام و مؤذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑے ہونے کا حکم نہیں۔

درمختار میں ہے

فرمایا ہے۔

(۴) فتاوی ہندیہ میں ہے۔

ترجمہ:۔ لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں اسی کی طرف شمس الائمہ حلوائی، سرخسی اور خواہر زادہ کا میلان ہے۔

(۵) بدائع الصنائع میں ہے۔

ترجمہ:۔ اور اگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی

کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو جائز ہے تو ان کے حق میں امام ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا۔

(۶) تبیین الحقائق میں ہے۔

ترجمہ: اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے مقتدی سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

(۷) شرنبلالیہ میں ہے۔

والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر۔

یعنی اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آرہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے۔

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے۔

فان لم یکن وقف کل صف انتھی الیہ الامام علی الاصح خلاصہ و فی الزیلعی وھو الاظھر۔

پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آرہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ یہ اظہر ہے۔

(۱۱) بحر الرائق میں ہے۔

والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر۔

یعنی اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے۔

(۱۲) طحطاوی حاشیۂ مراقی الفلاح۔

قولہ یقوم کل صف الخ وفی عبارۃ بعضھم فکلما جاوز صفا قام ذلک الصف۔

یعنی بعض فقہاء کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

شکل پنجم:۔ امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چکی بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے اس کو چاہیئے کہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہونچے تب وہ کھڑا ہو۔ اسی طرح مضمرات میں ہے۔

(۳) در مختار میں ہے۔

دخل المسجد و المؤذن

یقیم قعدہ الی قیام الامام فی مصلاہ۔
یعنی ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ مکبر تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلے پر کھڑا نہ ہو یہ بھی کھڑا نہ ہو۔

(۴) ردالمحتار میں ہے۔
ویکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔
یعنی اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہونچے اس وقت کھڑا ہو۔

(۵) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔
ترجمہ۔ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں۔ اور جب موذن نے تکبیر شروع کی اور ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہ قہستانی نے کہا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

(۶) وقایہ وجامع الرموز میں ہے۔
وفی الکلام ایماء الی انہ لو دخل المسجد احد عند الاقامۃ یقعد لکراھۃ القیام والانتظار کما فی المضمرات۔

اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔

(۹) فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔
دخل المسجد وھو یقیم یقعد ولا یقف قائما۔
کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور موذن تکبیر کہہ رہا ہے تو یہ آنے والا شخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے۔

(۱۰) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔
ترجمہ۔ یعنی امام اور قوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو۔ واللہ اعلم۔

شکل ششم:۔ امام ومقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موذن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ ومجتہدین کے پانچ قول ہیں۔
قول اول:۔ امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعت علماء کا یہ ہے کہ اس صورت میں

امام و مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبّر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علماء کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے۔

ترجمہ:۔ اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علماء نے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام و مقتدی کھڑے ہوں اور یہی قول امام ابی یوسف کا ہے۔

(۳) نووی و شرح مسلم میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی علمائے سلف اور ان کے بعد کے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علماء کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے کہ امام و مقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

(۴) التعلیق الممجد میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی علماء نے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمہور کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام و مقتدی کھڑے ہوں۔ یہی قول امام ابی یوسف کا ہے۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ مؤذن کی تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔ واللہ اعلم۔

قول دوم:۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔ ہر علم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چار دن بلکہ پورے دس سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے۔

وکان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبہ قال احمد۔

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہی

قول امام احمد کا ہے۔

(۲) عینی شرح بخاری میں ہے۔

وقال احمد اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ یقوم۔

امام احمد نے فرمایا کہ جب مؤذن قدقامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں۔

(۳) اسی میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قدقامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریمہ کہتا۔ محدث ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ اور قیس بن حازم اور حماد سے اس کو حکایت کیا۔

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قدقامت الصلوٰۃ کہتا۔ اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابو اسحاق اصحاب عبداللہ سے روایت کیا۔

(۷) مصنف میں ہے کہ:۔

ہشام یعنی ابن عروہ بھی قدقامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۸) عینی میں ہے۔

کرہ ھشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوٰۃ۔

یعنی مصنف میں ہے کہ ہشام یعنی

مقتدی کو چاہئے کہ جب تکبیر ہو رہی ہو وہ بیٹھ جائے۔ امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قدقامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو لوگ نماز شروع کریں (عینی شرح بخاری)

ابن عروہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہوا یہاں تک کہ مؤذن قدقامت الصلوٰۃ کہے۔ واللہ اعلم۔

قول سوم:۔ اسی کے قریب قریب امام زفر و حسن ابن زیاد کا قول ہے کہ:۔

جب مؤذن پہلی مرتبہ قدقامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے۔

ترجمہ:۔ امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قدقامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

(۲) بدائع الصنائع میں ہے۔

ترجمہ:۔ امام زفر و حسن ابن زیاد کے نزدیک پہلی مرتبہ قدقامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور

دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کہیں۔

(۴) ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے۔

وقال الحسن بن زیاد یقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف واذا قال ثانیا کبّرا۔

امام حسن ابن زیاد نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں۔

(۵) جامع الرموز میں ہے۔

وقال الحسن وزفر اذا قال قد قامت الصلوٰۃ مرۃ (۶) کما فی المحیط۔

امام حسن وزفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول چہارم:۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بھاری بھرکم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علماء اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

(۱) عون المعبود شرح ابو داؤد (۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن میں اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض بوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے۔

وقد اختلف السلف متیٰ یقوم الناس الی الصلوٰۃ فذهب مالك وجمهور العلماء الی انه لیس لقیامهم حد۔

یعنی سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ تو امام مالک اور جمہور علماء مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا وقت کوئی مقرر نہیں۔

اسی میں ہے۔

ولکن استحب عامتهم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامة۔

لیکن عام علماء مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے اسی وقت لوگ کھڑے ہو جائیں۔

اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ

اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ضعف و قوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔

قول پنجم:۔ امام الائمہ مالک الازمۃ امام اعظم ھمام اقدام امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کا ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے۔

وقال ابوحنیفۃ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال حیّ الصلوٰۃ۔

یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن "حیّ علی الصلوٰۃ" کہے اس وقت سب لوگ صف میں کھڑے ہو جائیں۔

اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح" کہے اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

وعن ابی حنیفۃ یقومون اذا قال حی علی الفلاح۔

امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔

بعض علماء نے قول اول کو راجح بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔ اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ در اصل یہ دو قول متعارض و متخالف نہیں ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ حیّ علی الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علی الفلاح کے ابتداء کے وقت کھڑے ہوں۔ تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتداء کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی میرے نزدیک وقایہ اور ان کے متبعین کے قول یقومون عند حی علی الصلوٰۃ" یعنی حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں اور محیط اور مضمرات اور ان دونوں کے ہم خیالوں کے قول عند حی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ ہم اول یعنی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو انتہا پر حمل کریں یعنی جب حیّ علی الفلاح کہہ لے۔ اور دوسرے قول یعنی حیّ علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتداء پر محمول کریں۔ تو دونوں قول متحد ہو جائیں۔

آگے فرماتے ہیں:۔

ھٰذا ما یعطیہ قول المضمرات یقوم اذا بلغ المؤذن حیّ علی الفلاح۔

یعنی یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن حیّ علی الفلاح پر پہنچے۔

(۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے۔

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حیّ علی الصلوٰۃ۔

یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور علماء کوفہ نے فرمایا کہ مؤذن جب حیّ علی الصلوٰۃ کہے اسوقت سب لوگ کھڑے ہوں۔

(۵) قسطلانی میں ہے۔

وعن ابی حنیفۃ انہ یقوم فی الصف عند حی علی الصلوٰۃ۔

یعنی امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں حیّ علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہوا۔

(۶) عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے۔

وعن ابی حنیفۃ یقومون اذا قال حیّ علی الفلاح۔

یعنی امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ حیّ علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔

(۷) بدائع الصنائع میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حیّ علی الفلاح کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں۔

(۸) تنویر الابصار میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حیّ علی الفلاح کہا جائے۔

(۹) ردالمحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یعنی ماتن کا یہ قول کہ امام و مقتدی حیّ علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ایسا ہی کنز، نورالایضاح، اصلاح ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام و مقتدی حیّ علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسماعیل نے اس کو شرح میں عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ، حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اسی پر متن ملتقی میں اعتماد کیا اور اول کو قیل سے تعبیر کیا لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا کہ امام اور قوم حیّ علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے تینوں امام اعظم، امام ابویوسف، امام محمد کے نزدیک۔

(۲۵) مراقی الفلاح میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی آداب و مستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حیّ علی الفلاح کہے اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے۔

(۲۶) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور کوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ قہستانی، اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

یعنی مسئلہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر یعنی محض رسم و رواج کی وجہ سے ابتدا ہی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ألا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون

(۲۹) مجمع الانہر میں ہے۔

واذا قال المؤذن فی الاقامة حی علی الصلوٰة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلثة۔

یعنی جس وقت مؤذن تکبیر میں حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔

(۳۰) محیط وہندیہ میں ہے۔

یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة وهو الصحیح۔

یعنی کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب مؤذن حی علی الفلاح کہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور یہی صحیح ہے۔

(۳۱) جامع الرموز میں ہے۔

یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰة ای قبیله لکن فی الاختیار اذا قال حی علی الصلوٰة وفی الاصل وغیره الاحب ان یقوموا فی الصف اذا قاله المؤذن۔

اور امام ومقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے کچھ پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب حی علی الصلوٰۃ کہے، اور اصل وغیرہ میں ہے محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔

(۳۲) فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

دخل المسجد وهو یقیم یقعد ولا یقف قائما۔

کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے، تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے۔

اس عبارت اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے (جو ص۲۶ میں گزری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والا شخص جو کھڑا ہے اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سنے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو کب جائز ہو سکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر تکبیر سنے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۳۳) عینی شرح کنز میں ہے۔

والخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای حین یقول المؤذن حی علی الفلاح۔

یعنی مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے۔

(۳۴) شرح الیاس میں ہے۔

یقوم الامام والقوم للصلوٰة

اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔
امام و مقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الفلاح کہے۔

(۳۵) مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔

قال ائمتنا ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ۔

ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔

(۳۶) مبسوط امام سرخسی میں ہے۔

فان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب لہم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب جانتا ہوں انکے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔

(۳۷) موطا امام محمد باب تسویۃ الصف میں ہے۔

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسوّوا الصفوف ویحاذوا بین المناکب فاذا اقام المؤذن الصلوٰۃ کبر الامام وھو قول ابی حنیفۃ۔

امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہیئے کہ جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہنے نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف باندھیں اور صفوں کو درست کریں مونڈھے سے مونڈھے ملاکر کھڑے ہوں اور مؤذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت و مدلل ہو گیا کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے قریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو اس وقت امام و مقتدی سب کو چاہیئے کہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں یہی مسئلہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا ہے پس حنفیوں کو چاہیئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہیئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کر دے کہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک مؤذن جس وقت تکبیر شروع کرے اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہیئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے اس وقت امام و مقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضمون ع

ایاز قدر خود بشناس

دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہیئے اور اگر رسم و رواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہیئے کہ پہلے ہندوستان و پاکستان یا سارے جہان سے۔ جہاں سے ہو سکے مستند علماء دین کے فتاویٰ منگالے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمۂ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی

ایسا فتویٰ نہیں پیش کر سکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۲) بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا "نبہا ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ" پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمہ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما ھنا عن المصنف، حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علی الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے کما ھنا عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔

ونص عبارتہ ھکذا و ابو یوسف احتج بحدیث عمر رضی اللہ عنہ فانہ بعد فراغ المؤذن من الاقامۃ کان یقوم فی المحراب۔

یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ مؤذن کے اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔

عینی شرح بخاری میں ہے۔

قال ابو حنیفۃ و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام لانہ امین الشرع وقد اخبر بقیامہا فیجب تصدیقہ واذا لم یکن الامام فی المسجد فذھب الجمھور الی انھم لا یقومون حتیٰ یروہ۔۔

یعنی امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو نہ دیکھ لیں۔

غرض کتب حدیث و شروح حدیث و کتب متون و شروح و حواشی و فتاویٰ فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام و مقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔ واللہ الھادی وھو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

****

مسئلہ تثویب

بعد اذان صدائے صلاۃ کا جواز

عارف باللہ حضرت مفتئ اعظم ہند مولانا الشاہ
محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب علیہ الرحمۃ والرضوان ، بریلی شریف

اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کو "تثویب" کہتے ہیں۔ اور یہ اعلام بعد اعلام ہے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے کتب فقہ و حدیث سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ اور اسے مستحسن بتایا ہے۔ مزید دلیل کے لئے حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ نے مفتی مکہ و محافظ کتب حرم محترم حضرت علامہ سید اسمٰعیل بن خلیل رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بزبان عربی بھی پیش کیا ہے جس پر مفتیانِ حرمین شریفین کی تصدیقات بھی ہیں۔ یہاں پر حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز کے رسالہ "القول العجیب فی اجوبۃ التثویب" کی تلخیص پیش کی جارہی ہے۔

(ادارہ)

تثویب کو بدعت سیئہ بتانے والا جھوٹا ہے

ہر بدعت بدعت سیئہ نہیں ہوتی بیشک یہ بدعت ہے بدعت حسنہ ہے جس کی تمام علمائے متاخرین نے تحسین فرمائی۔ ہم نے ۲۹ کتب کے حوالوں سے اس کا امر مستحسن ہونا ثابت کیا ہے۔

ہر وقت کی اذان کے بعد صلوٰۃ کا پکارنا جائز و مندوب و مستحسن ہے۔ مغرب کی اذان میں اعلام بعد اعلام کی ضرورت نہیں کہ لوگ اذان کے ساتھ ہی خود چلے آتے ہیں۔ اور اگر مغرب میں بھی کہیں تو حرج نہیں۔ یہ تثویب بلاد اسلامیہ اور خود مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں بھی جاری و ساری ہے زمانہ خلفائے راشدین میں ضرورت نہ تھی اسلئے اس وقت نہ ہوتی تھی۔ اور کسی امر کے جواز و استحسان کیلئے کیا یہ ضروری ہے کہ وہ زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا کم از کم تابعین کے زمانے میں پایا جاتا ہو۔ سید نا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن جسے مسلمان حسن جانیں وہ اللہ کے نزدیک حسن ہے تو کیا المسلمون سے وہی مسلمان مراد ہیں جو قرونِ

ثلثہ میں تھے بعد کے مسلمان جس کے حسن پر اتفاق کریں وہ اللہ کے نزدیک حسن نہ ہوگا۔

جب لوگوں پر ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ انہیں اعلام بعد اعلام اور دوبارہ تنبیہ کی حاجت ہوئی، اذان سن کر نماز کے لئے تیار ہو جانا اور مسجد میں اذان کے ساتھ آجانا بہت نادر ہوگیا تو متاخرین علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے "تثویب" کو جائز و مستحسن فرمادیا۔ درمختار میں ہے۔ یثوب بین الاذان والاقامۃ۔ الخ

رد المحتار میں ہے۔ کتنحنح ا دقامت قامت الخ

اسی طرح شامی میں عنایہ شرح ہدایہ سے، کفایہ ونہایہ شرح ہدایہ، ومختصر وقایہ ونہایہ ونقایہ وشرح النقایہ وفتاویٰ سراجیہ وفتح باب العنایہ وغنیہ شرح منیہ و فتاویٰ عالمگیریہ وفتاویٰ حجۃ ومدارج النبوۃ... وغیرہم میں ہے۔ ہمارے شہر میں تثویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے۔ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" اس سے دیابنہ چڑھتے ہیں اور جہاں یہ چڑھتے ہوں اور ان کا غلبہ ہو اور سنی ڈرتے ہوں تو اس وقت ترک کی اجازت ہوگی کیونکہ ترک نہ کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہے مگر بفضلہ تعالیٰ مزید ثواب کا مستحق ہوگا کہ الزام فتنہ ان مفتنوں دیابنہ ہی کے سر ہوگا۔ واللہ اعلم۔

دیابنہ مسلمانوں کو تثویب کے بدعت سیئہ ہونے کا یقین دلاکر ایک نیک کام سے روکتے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہوں نے ارشاد نہ سنا۔ "نعمت البدعۃ ھذہ" یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے

بالفرض اگر تسلیم کرلیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی تثویب کو بدعت سیئہ فرمایا تو اس وقت چونکہ حاجت نہ تھی اور لوگوں کو اس کا عادی بنانا تھا لیکن اب جبکہ لوگ غفلت میں پڑ گئے ہیں لہٰذا اس کی حاجت ہوئی اس وقت جو اس لحاظ سے سیئہ تھی اب اس لحاظ سے کیوں نہ حسنہ ٹھہرے گی۔

تثویب تعاون علی البر والتقویٰ ہے جو لوگ تثویب کہتے ہیں مستحق اجر و ثواب ہیں، کما حققناہ فی فتاوٰنا، جو لوگ منع کرتے ہیں وہ ذکر خیر و تذکر فرض سے روکتے ہیں۔ اور ایک مستحسن امر کو ناجائز کہہ کر سخت گنہگار ہوتے ہیں۔ اور من افتی بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار" کے نیچے آتے ہیں۔

مزارات مقدسہ اعلیٰحضرت ومفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ (بریلی شریف)

جب لوگوں پر غفلت طاری ہوگئی۔ اذان کے ساتھ مسجد میں آنا نادر ہوگیا تو متاخرین علمائے کرام نے "تثویب" کو جائز و مستحسن فرما دیا۔

ترجمہ: مولٰنا محمد مجاہد حسین رضوی
جامعہ اشرفیہ

صحائف السلوک

مُرشدِ کامل کی ضرورت

از: حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی

صحائف السلوک سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاؒ محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ خاص و جانشین حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فارسی ملفوظات کے مبارک مجموعہ کا نام ہے جو علم شریعت وطریقت کا ایک بحرِ بیکراں ہیں اور طالبانِ راہِ حق کے لئے نورِ ہدایت کا مقام رکھتے ہیں حضرت مولانا مجاہد حسین رضوی دامت برکاتہم نے ان ملفوظاتِ مبارکہ کا اُردو ترجمہ نہایت جامع انداز میں کیا ہے اس کے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ الہٖ وصحبہ الذین اقاموا الدین بعدہٖ امابعد

برادرِ دینی و محبِ یقینی خواجہ خیر الدین ادام اللہ تقواہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آلِ امجاد کے وسیلے سے اعمال خیر کی توفیق آپ کا رفیق بنے اور امورِ رضائے الٰہی میں منتظم ہوں۔

آں عزیز سے وعدہ تھا کہ چند باتیں "بنیَ الاِسلامُ علیٰ خَمسٍ" (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے) سے متعلق لکھی جائیں گی۔ یقیناً اس روز سے اب تک عزیز کو ایفائے عہد کی طلب رہی ہوگی، اگرچہ

اَلعُمرُ قَصِیرٌ وَالوَقتُ ضَیِّقٌ

(زندگی تھوڑی ہے وقت تنگ ہے)

مجھے مانع ہے فرصت کا موقع بھی نہیں تاہم،

"العِدَۃُ دَینٌ"

(وعدہ قرض ہوتا ہے)

زائد تھی۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں صحابہ کرام کے ہاتھ آئیں ۔ ؎۳

واقعۂ افک

اس غزوہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آنے لگے تو ایک منزل پر رات میں قیام کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بند ہودج میں سوار ہوکر سفر کرتی تھیں اور چند مخصوص آدمی اس ہودج کو اونٹ پر لادنے اور اُتارنے کے لئے مقرر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر کی روانگی سے کچھ پہلے لشکر سے باہر رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئیں جب واپس ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے وہ دوبارہ اس ہار کی تلاش میں لشکر سے باہر چلی گئیں اس مرتبہ واپسی میں کچھ دیر لگ گئی۔ اور لشکر روانہ ہوگیا آپ کا ہودج لادنے والوں نے یہ خیال کرکے کہ ام المومنین ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں۔ ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور پورا قافلہ منزل سے روانہ ہوگیا۔ جب حضرت عائشہ منزل پر واپس آئیں تو یہاں کوئی موجود نہ تھا تنہائی سے سخت گھبرائیں اندھیری رات میں اکیلے چلنا بھی خطرناک تھا اس لئے وہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب اگلی منزل پر لوگ مجھے نہ پائیں گے تو یقیناً میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ وہ لیٹے لیٹے سو گئیں۔ ایک صحابی جن کا نام صفوان بن معطل سُلمی رضی اللہ عنہ تھا وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے پیچھے اس خیال سے چلا کرتے تھے کہ لشکر کا گرا پڑا سامان اُٹھاتے چلیں۔ جب وہ اس منزل پر پہنچے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور چونکہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے وہ بارہا ام المومنین کو دیکھ چکے تھے اس لئے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انھیں مُردہ سمجھ کر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اس آواز سے وہ جاگ اُٹھیں حضرت صفوان بن معطل سُلمی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی اپنے اونٹ پر سوار کرلیا اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ ؎۴

منافقوں کے سردار عبداللہ ابن اُبی نے اس واقعہ کو حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا ذریعہ بنالیا۔ اور اس کی خوب خوب تشہیر کی کہ مدینہ طیبہ میں ہر چہار جانب افترا کا چرچا ہونے لگا۔ اور بعض مسلمان مثلاً حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے بھی اس تہمت کی تشہیر میں حصہ لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرانگیز تہمت سے بے حد رنج و صدمہ پہنچا اور مخلص صحابہ بھی رنجیدہ ہوئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچتے ہی سخت بیمار ہوگئیں۔ پردہ نشین تو تھیں ہی صاحب فراش ہوگئیں اور انھیں اس تہمت تراشی کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا پورا پورا علم و یقین تھا۔ اس لئے کہ نبی غیب داں ہوتا ہے مگر چونکہ معاملہ اپنی بیوی کا تھا اس لئے سرکار دو جہاں نے اپنی طرف سے اپنی بیوی کی برأت اور پاک دامنی کا اعلان اچھا نہیں سمجھا اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے۔ ہاں اس درمیان آپ اپنے مخلص اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے رہے تاکہ ان لوگوں کے خیالات کا پتہ چل سکے۔ ؎۵

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے تہمت کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ سکے جو نجاستوں پر بیٹھتی ہے تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو خداوند قدوس کب اور کیسے گوارا فرمائے گا کہ وہ آپ کی زوجیت سے وابستہ رہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے

سنت کی رعایت رکھو، باقی اہل وعیال متعلقین کے حقوق پامال نہ کرو کیونکہ

اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

(بے شک تمہارے نفس اور تمہارے اہل کا کام تم پر حق ہے)

(۳) تیسری وار بھی خالی چلی جائے تو کہتے ہیں۔ "نوافل زائد ہیں" اور اہل وعیال کا نفقہ فرض ہے اور نفل کی خاطر ترکِ فرض جائز نہیں نیز وہ عبادت جس کا نفع دوسروں تک پہنچے تمہارے اس نفل سے بہتر ہے جس کا تم تک محدود ہو۔

(۴) جب یہ بھی تدبیر بھی ناکام ہو جاتی ہے تو یہ خطرہ دلاتے ہیں کہ مفلس ہو جاؤ گے۔ اہل وعیال قرابت دار تم سے قطع تعلق کر لیں گے، اپنے، بیگانے سب کی نگاہ میں ذلیل ہو جاؤ گے۔

(۵) یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوا، تو اس کے اہل وعیال کو ورغلاتے ہیں کہ اس کا دامن تھامیں اور مہر ونفقہ کا پُر زور مطالبہ کریں۔

(۶) بیوی سے فراغت ہوتی ہے تو قرابت داروں کو والدین کو اس پر مسلط کرتے ہیں کہ والدین کی اطاعت کے بغیر تو چارہ نہیں۔

(۷) جب اس طرح بھی کام نہیں بنتا تو بلاوجہ مشقت بے وقت مجاہدہ کا مشورہ دیتے ہیں تاکہ عاجز ہو کر مقصود سے باز آجائے۔

(۸و۹) جب یہ داؤں بھی نہیں چلتا تو مخلوقات کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ اس کے معتقد ہو جائیں، ہاتھ پیر چومیں، روپے پیسے نذر کریں۔ اور اس بیچارہ کے دل میں حبِ جاہ اس طور پر داخل کر دیتے ہیں کہ اب تو تم منزل تک پہنچ گئے۔ مقصود کی تکمیل ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں غرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی ساری محنتیں ساری مشقتیں رائگاں چلی جاتی ہیں۔

اور اسی طرح بہر طور راہ سے ہٹا دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن اگر کسی شیخ کامل کی نگرانی میں ہو اور

اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ

(مرشد ایسی قوم میں یوں ہوتا ہے جیسے ایک نبی اپنی امت میں)

کے مطابق ان کے فرمان پر چلے، اپنے سارے اختیارات سارے ارادے اس کے سپرد کر دے تو عنقریب ان شاء اللہ منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا۔ یاد رہے کہ اس طرح کے شیخ کی صحبت بحکم نص وحدیث واجب ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (قرآن سورۂ توبہ آیت ۱۱۹)

اور فرمایا

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ

(اور اس کی راہ پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا) قرآن سورہ لقمان آیت ۱۵)

دونوں جانب امر ہے اور امر وجوب کا مقتضی ہے۔ میرے عزیز خاص وعام پر پوشیدہ نہیں ہے کہ منیبانِ صادق اور صادقانِ منیب یہی حضرات ہیں اور بیعت وصحبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فعل کی بنیاد پر مسنون ہے ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ

(جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں (قرآن سورہ فتح آیت ۱۰)

اور فرمایا

اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(جب وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے) سورہ فتح آیت ۱۸)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ

(یعنی شیخ اپنی قوم میں یوں ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں)
جیسے وہاں نبی کی صحبت اور ان کی فرمانبرداری واجب ہے ویسے ہی یہاں شیخ کی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

صحیفہ (۲) "دفاع"

برادر دینی کو خداداریں میں

اعزاز بخشے انجام امور بخیر ہوں۔ شیطانی و نفسانی حملوں کی کیفیت معلوم کرنے کے بعد یقیناً آپ کی خواہش ہوگی کہ دفاع کی صورتیں معرض تحریر میں آئیں۔ اگرچہ داعی اس منزل میں نہیں کہ علم کا یہ مرتبہ تیج کامل ہے پھر بھی آپ کے التماس کے پیش نظر چند باتیں حتی المقدور لکھی جارہی ہیں۔

(۱) گناہوں کا دفاع اس یقین کے ساتھ کرے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، خطرات سے باخبر ہے، آیت الٰہی

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

(بے شک کان آنکھ دل سب سے سوال ہونا ہے)

(بنی اسرائیل آیت ۳۶)

اور حدیث مقدس

إِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ

(اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

پر نظر ڈالے، زندگی کا بھروسہ چھوڑ دے۔ موت کو سر پر تصور کرے اور آرزو کم کرے، جب ان چیزوں پر مداومت ہوگی تو یقیناً شرم و خوف غالب آئیں گے اور دشمن مغلوب ہوگا۔

(۲) دوسرا حملہ حیوانی اور نفسانی خواہشات کا ہے

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَجْرِيْ مِنْ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ فَضَيِّقُوْا مَجَارِيَهٗ بِالْجُوْعِ وَالْعَطَشِ۔

مدت عمر متعین ہو چکی ہے۔ روزی تقسیم ہو چکی ترک و طلب کسب و منع سے کمی و زیادتی متصور نہیں نہ ہی روزی کا معاملہ کسی شرط سے مشروط ہے ایسی صورت میں کتنی اچھی بات ہے کہ زندگی طلب حق میں مصروف رہے۔

(بے شک شیطان انسان کے شریانوں میں دوڑتا ہے تو بھوک پیاس کے ذریعہ اس کی گزرگاہ تنگ کر دو)

کے معجون سے اس بیماری کا علاج کرے اور مُفرّح

مَنْ يَجُوْعُ يَرَانِيْ

(جو بھوک کو اپنائے گا اسے میری معرفت ہو جائیگی)

سے دل شاد رکھے۔

اَلْجُوْعُ وَالْعَطَشُ طَعَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ

(بھوک پیاس صدیقین کی خوراک ہے)

کے دسترخوان سے غذا حاصل کرے

اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ

(روزہ میرا ہے اور اس کی جزا میں ہوں)

کے کوثر سے پانی پیے تاکہ اس زحمت سے نجات پائے۔

(۳) اپنے اور اپنے متعلقین کی بربادی کا خوف۔

مَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

(اور جو اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہجرت کرتا ہوا نکلا پھر اسے موت نے آلیا تو

اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا)

(النساء آیت ۱۰۰)

سے دور کرے اور یقین رکھے کہ مدت عمر متعین ہے، روزی تقسیم ہو چکی ہے، ترک و طلب کسب و منع سے کمی و زیادتی متصور نہیں، نہ ہی روزی کا معاملہ کسی شرط سے مشروط ہے، ایسی صورت میں کتنی اچھی بات ہے کہ زندگی طلب حق میں مصروف رہے اور راہ آخرت طے کرتے ہوئے روزی ختم ہو جائے۔ تمہارے اہل و عیال، تمہارے متعلقین بھی تو اسی کے بندے ہیں، تمہاری اور ان کی روزی کا کفیل وہی ہے۔ ارشاد فرماتا ہے

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔

(اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔)

(سورۂ ہود آیت ۶)

نیز دوسرے مقام پر تفصیلی وعدہ فرمایا۔

نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ

(ہم تمہیں اور انھیں سب کو رزق دیں گے)

(سورۂ انعام آیت ۱۵۱)

تیسری جگہ بذریعہ قسم تاکید فرمائی۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ

(تو آسمان و زمین کے رب کی قسم بیشک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔ (سورۃ الذاریات آیت ۲۳)

اگر بایں ہمہ یقین نہ آئے تو مومن نہیں کافر ہو۔ یقین کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے سارے معاملات خدا کے سپرد کر دو۔ لطفِ خدا پر اعتماد رکھو، خود کو اور ساری مخلوقات کو معدوم سمجھو۔ میرے دوست ایک دل میں دو غم ایسے ہی نہیں سما سکتے جیسے دو تلواریں ایک میان میں۔

حسن گر عشق می ورزی چنیں، برجاں چنی لرزی
بیک دل در نمی گنجد غم جہاں و غم جاناں

اگر عشق تیرا ہے سچ حسن، غم جہاں دل سے نکال دے
کبھی ایک دل میں محال ہے غم دوست بھی غم جہاں بھی

دیکھو ایک بزرگ کیا فرماتے ہیں

لَوْ کَانَ الْبُرُّ بِالدُّرِّ وَالنَّاسُ کُلُّھُمْ عِیَالِیْ وَاللّٰہِ لَا اُبَالِیْ

(اگر گیہوں موتیوں کے بدلے ملے اور سارے انسان میرے عیال ہوں جب بھی مجھے کوئی پروا نہیں)

(۴) فرائض و سنن پہ اکتفا اور ترک نوافل کے جواب میں تم بولو

لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّیَدًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ۔

(بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی آنکھ، کان، ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں اب وہ مجھی سے سنتا ہے، مجھی سے دیکھتا ہے، مجھی سے بولتا ہے اور مجھی سے گرفت کرتا ہے) (بخاری)

قسم خدا کی یہ خبر، وہ آفتاب دولت ہے کہ اگر اس کا ایک ذرہ اپنی اور اپنی اولاد کی ہزاروں جان کے عوض میسر آ جائے جب بھی مفت ہے بلا عوض ہے۔ رہ گئی بات نفقہ کی تو بولو "پانچ وقت کی نماز ہی مجھ پر فرض ہے۔ مان لیا" لیکن نماز میں حضور تو فرض عین ہے کہ

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

(حضور قلب کے بغیر نماز کامل نہیں)

(حدیث)

اور حضوری پوری نماز میں ہونا چاہیے صرف بعض ہی میں نہیں

جیساکہ ہم صحیفۂ نمازمیں ان شاء اللہ تحریر کریں گے۔ الغرض حضور فرضِ عین اور لفقہ اہل فرض کفایہ اور اگر سبب کفایہ فرضِ عین میں مخل ہو تو ترکِ کفایہ واجب ہے۔ اور یہ بات کہ "متعدی عبادت" عبادت لازم" سے بہتر ہے یعنی وہ عبادت جس کا نفع دوسروں تک پہنچے اس نفلی عبادت سے بہتر ہے جس کا نفع اپنی ذات تک محدود ہو تو اس کے جواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سناؤ۔

سَيَأْتِي عَلَى أُمَّتِي زَمَانٌ لَا يَسْلَمُ لِذِي دِيْنٍ دِيْنَهُ إِلَّا مَنْ فَرَّ مِنْ شَاهِقٍ إِلَى شَاهِقٍ وَمِنْ قَرْيَةٍ إِلَى قَرْيَةٍ وَمِنْ حُجْرٍ إِلَى حُجْرٍ أَلَا فَمَنْ أَدْرَكَ ذَالِكَ الزَّمَانَ نَعْنِيهِ بِأَمْرِهِ الْخَاصَّتَه

(عنقریب میری امت ایک ایسے عہد سے دوچار ہوگی جس میں صرف اسی دیندار کا دین محفوظ رہے گا جو اپنے دین کے تحفظ کے لئے ایک پہاڑ کی چوٹی سے دوسرے پہاڑ کی چوٹی، ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں، ایک کھوہ سے دوسرے کھوہ کی طرف بھاگا پھرے گا خبردار جب یہ عہد کوئی پالے تو اس پر اپنے دین کا تحفظ فرض ہے۔ (حدیث)

اور قرآن سے سنو ارشاد فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ

(اے ایمان والو! اپنی فکر کرو)

(مائدہ آیت ۱۰۵)

(۵) جہاں یہ کہیں کہ بے مال و جاہ ذلیل و خوار ہو جاؤ گے وہیں

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

(اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہی کے لئے ہے)

(منافقون آیت ۸)

کی تلوار سے دشمن کے سر پر وار کرو۔

مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

(جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو اللہ ہی اس کے لئے کافی ہے) (طلاق آیت ۳)

کا تیر اس کے سینہ میں پیوست کر دو۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ

(کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟)

(الزمر آیت ۳۶)

کے خنجر سے اس کے شہ رگ کی خبر لو اور بولو ؎

اگر او تو ہستی چہ کم آید ہستی

ترجمہ اس کو دولت کی کمی کیا ہے؟ جسے تو مل جائے

شعر با دوست کنج فقر بہشت و بوستان
بے دوست خاک بر سر جاہ و تونگری

ترجمہ محبوب ہو بغل میں تو ہے کنج فقر خلد
محبوب کے بغیر ہے جاہ و غنا بھی خاک

(۶) اہل و عیال یا متعلقین اگر نفقہ وغیرہ کے لئے مزاحمت کریں تو

قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(آپ اپنی بیویوں سے کہئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے) (سورۂ احزاب آیت ۲۸ و ۲۹)

کے فرمان سے دفاع کرو۔ مہر باقی ہو تو بشرط امکان دے دو یا دلا دو۔ ورنہ بضرورت جنسی مفلسی اختیار کرو اور خلوت

تو تمہارے لئے ٹھیک ہی ہے۔ لیکن امید یہ ہے کہ جب سالک اس راہ میں صادق ہوگا تو اہل و عیال و جمیع متعلقین اس کی موافقت کریں گے اور بالآخر سب ہی اسی کی راہ پر چل پڑیں گے اس کی صحبت ان میں ضرور اثر انداز ہوگی۔

(۷) والدین کے احکام پر عرض کرے

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ
مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(اور اگر والدین تجھ سے کوشش کریں کہ
تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو
تو ان کا کہنا نہ مان) سورہ عنکبوت آیت ۸

جواں مرد! یہ حضرات دنیوی امور میں مشغولیت کا حکم دیں گے ورنہ یہیں شرکِ خفی پا لیا جائے گا کیونکہ لنظر در غیر شرک ہے۔ البتہ والدین کے ساتھ پوری نرمی اور ادب سے گفتگو کرے اور احکام الٰہی میں مستعد ہو جائے۔ اقربا نصیحت کریں تو کہے

نہ ہمراہی تو مرا راہ خویش گیر د برو
ترا سعادت باد مرا نگوں ساری
ترجمہ نہیں تم ہمسفر میرے چلو اور راہ لو اپنی
مبارک ہو تمہیں عزت مجھے خواری مبارک ہو

(۸) بے فائدہ مشقتوں نیز بے وقت ریاضت و مجاہدہ سے بچنے کے لئے شیخ کامل کی ضرورت ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے موانع ہیں جن کا علم صرف شیخ ہی کو ہوتا ہے بغیر اس کی تلقین کے معلوم نہیں ہو سکتے۔

(۹و۱۰) معتقدین کے اعتقادات اور ان کے جھکاؤ کو

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَیْسَ فِی الْوُجُوْدِ
اِلَّا اللّٰه

(قوت و طاقت خدا ہی کے لئے ہے۔ اللہ کے
سوا کوئی موجود نہیں)

کے ذریعہ دفاع کرے اپنے آپ کو اور مخلوقات کو سنگ و کلوخ شمار کرے اور یہ یقین جان لے کر

اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنے نور کی راہ بتاتا ہے (قرآن پاک) مرشد اپنی قوم میں یوں ہوتا ہے جیسے ایک نبی اپنی امت میں۔ مرشد راہِ حق میں قوم کا مصلح اور ہادی ہوتا ہے

لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا
نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً
وَّلَا نُشُوْرًا۔

(اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک
نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے نہ اٹھنے کا)
(سورۂ فرقان آیت ۳)

اور جو خود ایسا ہو وہ دوسروں کو کیا نفع پہنچا سکتا ہے۔ نیز یہ بات طے شدہ ہے کہ انجام و خاتمہ کا، یونہی عبادات کی قبولیت اور عدمِ قبولیت، کا کسی کو علم نہیں اور توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔

اس معنی کو خوب اچھی طرح دل نشیں کر لینا چاہیئے تاکہ بکریم خداوندی ان مصائب سے چھٹکارا پائے۔

جواں مرد اس راہِ طویل کے احوال و کوائف معرضِ تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتے۔ میں نے عرض کیا نا کہ شیخ کی ضرورت ہے وہی جیسا مناسب سمجھیں گے رہنمائی کریں گے

وَاللّٰهُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ فالحمد للہ رب
العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی
رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

تصوّرِ شیخ و مراقبہ

تصوّف کی بُنیاد ہے

مولانا قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ
(کراچی)

مراقبہ لغت میں نگرانی اور حفاظت کو کہتے ہیں۔ اور تصوف کی اصلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ بندہ کو ہر وقت اپنی تمام حرکات و سکنات میں اس بات کا شعور رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کا کوئی عمل اور کوئی حرکت اس کی نگرانی سے باہر نہیں ہے۔ عام طور سے لوگ گردن جھکا کر اور آنکھیں بند کر کے بیٹھنے کو مراقبہ سمجھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے مراقبہ ایک قلبی عمل ہے جو ہر وقت جاری رہتا ہے اور جاری رہنا چاہئے یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے۔ امام نووی نے پانچ آیتوں کے حوالے دیئے ہیں امام غزالی نے تین مزید آیات قرآنی نقل کی ہیں اور امام قشیری نے عام دستور کے مطابق ایک آیت پر اکتفا کیا ہے وہ آیت یہ ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا

اللہ ہر چیز پر نگراں ہے

شیخ الاسلام نے اس آیت کا اضافہ کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

یقین کرو اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کے دو حصے نقل کیے ہیں۔

(۱) اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

پھر کیا وہ جو ایک شخص کی کمائی پر نظر رکھتا ہے۔

(۲) اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى

یہ نہ جانا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

(۳) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُوْنَ

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں

وہ اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔

امام نووی نے ذیل کی آیتیں نقل کی ہیں۔

(۱) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ

اور اس زبردست رحیم پر توکل کرو جو اس وقت تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔

(۲) وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو۔

(۳) إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

(۴) إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ بے شک تیرا رب گھات میں لگا ہوا ہے۔

(۵) يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ

اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں میں چھپا رکھا ہے۔

ان آیتوں سے ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم، آنکھوں کی چوری اور دلوں کے ارادے، خیالات اور جذبات سب پر حاوی ہے اور دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنی امانتوں اور شہادتوں کی پوری رعایت حفاظت اور نگرانی کرتے ہیں۔

احادیث: بہت سی حدیثیں عمل مراقبہ کا ماخذ ہیں ہمارے بزرگوں نے سب سے پہلے حدیث جبرائیل علیہ السلام کا احسان سے متعلق یہ ٹکڑا نقل کیا ہے:

(۱) قال فاخبرني عن الاحسان قال ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك

جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے بتائیے ہوئے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ ضرور دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور یہ تصوف کا بہت بڑا ماخذ ہے اس میں ملاحظہ اور مراقبہ کا جو عمل بتایا گیا ہے اگر مخلصانہ اس کی تکمیل کی جائے تو مومن قرب رضائے الٰہی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو سکتا ہے۔

(۲) حضرت ابوذر غفاری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ سے ڈرو تم جہاں کہیں بھی ہو۔ برائی کے بعد نیکی کرو، برائی کے بعد سب سے مقدم نیکی تو بہ ہے۔) وہ اسے محو کر دے گی اور لوگوں کے درمیان اچھے اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرو

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر حضور کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا اے لڑکے میں تمہیں چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کے حق کی نگرانی کرو اور فکر مندی کے ساتھ اس کی رضا طلب کرتے رہو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے یعنی وہ اس کے صلے میں دنیا اور آخرت کی سختیوں اور مشقتوں سے تمہاری حفاظت کرے گا اور جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو، اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو اور یقین رکھو کہ تمام امت جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہونچانا چاہے تو وہ تمہیں صرف وہی نفع پہونچا سکتی ہے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور وہ جمع ہو کر تمہیں کچھ نقصان پہونچانا چاہیں تو صرف وہی نقصان پہونچا سکیں گے جو باری تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم لکھ کر اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں

حدیث نمبر ۲ کا پہلا ٹکڑا "اللہ سے ڈرو تم جہاں کہیں بھی ہو" مراقبے کا ماخذ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں پوری طرح شعور رہنا چاہئے کہ ہر جگہ اللہ

تمہیں دیکھ رہا ہے" حدیث نمبر ۳ بھی تعلیم کا پہلا جز مراقبے کا ماخذ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کسی جگہ خدا کو غائب نہ پاؤ گے اگر تم اس کے حق کی نگرانی کرتے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اور اس کا صلہ تمہیں ضرور ملے گا۔

حضرت ابن عباس کی اس حدیث کے بارے میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اسی لائق ہے کہ ہر مومن اس کو اپنے دل کے لیئے آئینہ بنالے تاکہ اس حدیث کے مضمون میں دل کی اچھائی برائی اور درستی و نادرستی کا ملاحظہ کرتا رہے، اس حدیث پر مخلصانہ عمل سے اسے دنیا و آخرت میں سلامتی اور عزت حاصل ہوگی۔

مراقبہ کے بارے میں صوفیہ کے اقوال

صوفیۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے عمل مراقبہ کو وہی اہمیت دی ہے جو دین میں اسے حاصل ہے بلکہ بعضوں نے تو بجا طور اس کو تصوف کی اصل قرار دیا ہے۔

(۱) جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہمارا معاملہ (علم تصوف) دو اصلوں پر مبنی ہے۔ یہ کہ تم اپنے اوپر یہ لازم کرلو کہ تمام کیفیات و حرکات میں اس کا لحاظ اور شعور رکھو گے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور دوسری یہ کہ تمہاری ظاہری اعمال و احوال پر شریعت کا علم لاوی ہو یعنی وہ شریعت کی ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔

(۲) ابن عطا سے پوچھا گیا طاعات میں سب سے افضل طاعت کون سی ہے؟ انہوں نے کہا ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مراقبہ سب سے افضل طاعت ہے

(۳) ابو نعمان مغربی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو حفص نے کہا کہ جب تم لوگوں کو نصیحت کرنے کے لیئے بیٹھو تو اپنے آپ اور اپنے نفس کو نصیحت کرو تاکہ لوگوں کو اس میں نفع ہو کیونکہ جب تمہاری نیت خالص ہو گی اور اصل مخاطب تمہاری اپنی ذات ہوگی تو بات دل سے نکلے گی اور دل سے نکلی ہوئی بات موثر ہوتی ہے۔ تمہیں یہ دھوکا نہ ہو کہ لوگ تمہارا وعظ سننے کے تمہارے پاس جمع ہوگئے ہیں، کیونکہ وہ تمہارے ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل کا رقیب نگراں ہے۔

واعظین کے لیے یہ کتنی اچھی تعلیم ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب عموماً علماء اور صوفیہ کے وعظ و پند کیوں بے اثر ہوگئے ہیں اصل یہ ہے کہ "ہر چہ از دل خیزد" والی بات غائب ہے تو پھر "بر دل ریزد" کا ظہور کیوں کر ہو۔

حدیث جبریل

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے بتایئے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ ضرور دیکھ رہا ہے۔

دو واقعات

(۱) روایت ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر سفر میں تھے۔ انہوں نے ایک جگہ ایک نوجوان لڑکے کو بکریاں چراتے ہوئے دیکھا وہ اتنی اچھی طرح بکریوں کی نگرانی کر رہا تھا کہ انہیں تعجب ہوا۔ انہوں نے جانچنا چاہا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر کے مطابق ہے یا نہیں؟ یعنی وہ عمدہ نگرانی محض عادتاً ہے یا اس کا تعلق دین سے ہے انہوں نے کہا تم اس ریوڑ میں سے کیا ایک بکری میرے

مسجدِ مَشعرِ الحَرام

مزدلفہ
یہ مسجد مزدلفہ میں واقع ہے عرفات سے مغرب کی نماز پڑھے بغیر حاجی مزدلفہ روانہ ہوتے ہیں مزدلفہ پہنچ کر مسجد مشعر الحرام کے قریب ٹھہر جاتے ہیں۔ رات کے وقت مغرب و عشاء کی نماز ساتھ پڑھتے ہیں یعنی مغرب کی نماز کے وقت ... دونوں نمازیں ادا کرتے ہیں۔

Masjid-e-Masha'ril Haram (Muzdalefah) During Hajj, pilgrims offer combined Maghrib and Isha prayers at Muzdalefah after departing from Arafat. This mosque is situated there.

ہاتھ بیچتے ہو! اس نے کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بکریوں کے مالک سے کہہ دینا کہ ایک بکری بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے یہ سن کر اس لڑکے نے کہا فَاَیْنَ اللّٰہُ! جناب اللہ کہاں غائب ہو گیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے اتنے خوش ہوئے کہ کتنی مدت تک اس واقعہ کو لوگوں کے درمیان بیان کرتے رہے اور اس کا یہ جملہ فَاَیْنَ اللّٰہ دہراتے رہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اس کے مالک سے وہ غلام اور ریوڑ خرید لیا، غلام کو آزاد کر دیا اور اسی کو اس ریوڑ کا مالک بنا دیا۔[11]

(۲) بعض مشائخ کے چند شاگرد تھے ان میں سے ایک کی طرف زیادہ توجہ دیتے دوسرے شاگردوں نے ان سے شکایت کی اور مزید شفقت و توجہ کا سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا آئندہ میں تمہیں اس کا سبب بتاؤں گا پھر ایک دن انہوں نے چند پرندے منگائے اور ہر شاگرد کو ایک پرندہ دے کر کہا اسے ایسی جگہ ذبح کر کے لے آؤ جہاں کوئی دوسرا نہ دیکھ رہا ہو، تمام شاگرد اپنا اپنا پرندہ ذبح کر کے لے آئے لیکن وہ شاگرد اپنا پرندہ زندہ واپس لایا انہوں نے دوسرے تمام شاگردوں کے سامنے اس سے پوچھا تم نے پرندہ کیوں ذبح نہ کیا؟ اس نے جواب دیا آپ کا حکم تھا کہ میں ایسی جگہ ذبح کروں جہاں کوئی دوسرا نہ دیکھ رہا ہو۔ میں نے ایسی کوئی جگہ نہ پائی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔ اب انہوں نے دوسرے شاگردوں سے کہا اس شاگرد کی طرف خاص توجہ کا سبب یہی ہے۔[18]

حوالہ جات:

[1] سورۃ الاحزاب ع ۶، [2] سورۃ النساء ع ۱، [3] سورۃ الرعد ع ۵، [4] سورۃ العلق [5] سورۃ المعارج ع ۱، [6] سورۃ الشعراء ع ۱۱۔ [7] سورۃ الحدید ع ۱ [8] سورۃ آل عمران ع ۱۔ [9] [10]
[11] مسلم شریف [12] ترمذی شریف [13] ایضاً [14] الرسالہ قشیریہ مع شرح ج ۳ ص ۹۷، [15] ایضاً [16] ایضاً، [17] الرسالۃ القشیریہ مع الشرح ج ۲ ص ۵۷ [18] الرسالۃ قشیریہ مع الشرح ج ۳ ص ۹۸۔

ہر قوم میں اظہار خوشی کے لئے کچھ نہ کچھ طریقے مروّج اور جاری ہیں اور اس کے اوقات بھی ہیں اس میں کسی قوم کی تخصیص نہیں ہے ہاں اس کے طریقے الگ الگ ہیں اصل میں اس کا تعلق انسانیت اور تہذیب و تمدن سے ہے ۔ کوئی بھی دو سنجیدہ انسان جب بھی آپس میں ان کی ملاقات ہوتی ہے تو ضرور وہ ایک دوسرے کو تحیت اور سلامی دیتے ہیں اور خیر خیریت دریافت کرتے ہیں چنانچہ اسلام میں بھی یہ طریقہ مروّج ہے کہ اسلام نے تحیت کا اتنا اچھا طریقہ بتایا کہ کسی بھی تہذیب و تمدن میں ایسا نہیں ہے اسی تحیت کا نام اسلام ہیں۔ سلام اور ہاتھ ملاکر اظہار خوشی کا نام مصافحہ ہے ۔ لیکن اسلامی سلام وہی ہے تو اسلامی طریقے پر کیا جائے اور اسلامی مصافحہ وہی ہے جو حسب ہدایت اسلام کیا جائے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا پارہ ۔ ۵ ۔ رکوع ۸ ترجمہ : ۔ اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہدو بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے ۔ کنز الایمان ۔

سلام کے مسائل :۔ سلام کرنا سنت ہے ۔ جواب دینا فرض ہے ۔ اور جواب میں افضل یہ ہے کہ سلام کہنے والے کے سلام پر کچھ بڑھائے مثلاً پہلا شخص السلام علیکم کہے تو دوسرا شخص وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور اگر پہلے نے ورحمۃ اللہ بھی کہا تھا تو یہ وبرکاتہ اور بڑھائے پس اس سے زیادہ سلام و جواب میں اور کوئی اضافہ نہیں ہے ۔ کافر ، گمراہ ، اور فاسق اور استنجا کرتے وقت مسلمانوں کو سلام نہ کریں ۔ جو شخص خطبہ یا تلاوت قرآن یا حدیث یا مذاکرۂ علم یا اذان یا تکبیر میں مشغول ہو ـــــ اس حال میں ان کو سلام نہ کیا جائے اور اگر کوئی سلام کرے تو ان پر جواب دینا لازم نہیں اور جو شخص شطرنج ۔ چوسر ۔ تاش وغیرہ کوئی ناجائز کھیل

کھیل رہا ہو یا گانے بجانے میں مشغول ہو یا پاخانہ یا غسل خانہ میں ہو یا بے عذر برہنہ ہو تو اسکو سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: — بہتر سواری والا۔ کمتر سواری والے کو۔ اور کمتر سواری والا پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹے بڑے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ کو سلام کریں۔ تفسیر خزائن العرفان ص ۱۴۶

مصافحہ: — سلام کے تحیت کے بعد جس کا نمبر آتا ہے وہ مصافحہ ہے، مصافحہ کرنے میں بھی آج کل لوگوں نے بہت سے تراش خراش اور نئے نئے طریقے نکال رکھے ہیں حالاں کہ وہ شرعی مصافحہ نہیں اور کچھ لوگ مصافحہ کرنے کو بدعت اور گمراہی کا سبب بھی قرار دیتے ہیں لہذا اوّلاً مصافحہ کے فضائل اور پھر مسائل ملاحظہ فرمایئے:

حدیث شریف (۱) امام احمد و ترمذی اور ابن ماجہ نے براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملکر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ہی ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اور امام ابو داؤد کی روایت میں یوں ہے کہ جب مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور استغفار کریں تو دونوں کی مغفرت ہو جائیگی

حدیث شریف (۲) حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا خراسانی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں مصافحہ کرو کہ دل کی کپٹ جاتی رہے گی۔ اور باہم ہدیہ کیا کرو محبت پیدا ہوگی اور عداوت نکل جائے گی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲

حدیث شریف: (۳) ابن بخار نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان اپنے بھائی مسلمان سے مصافحہ کرے اور کسی کے دل میں دوسرے کی عداوت نہ ہو تو ہاتھ جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ دونوں کے گزشتہ گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اپنے بھائی کی طرف نظر محبت سے دیکھے اور اس کے دل یا سینے میں عداوت نہ ہو تو نگاہ لوٹنے سے پہلے دونوں کے گزشتہ گناہ بخشدیئے جائیں گے۔

حدیث شریف: — (۴) امام احمد اور امام ترمذی نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ اس کی پیشانی پر یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھے کہ مزاج کیسا ہے؟ اور پوری تحیت یہ ہے کہ مصافحہ کیا جائے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲

مصافحہ کس طریقے سے کیا جائے؛ یہ بھی حدیث شریف ہی سے ملاحظہ فرمایئے۔ بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان میں ہوتا یعنی ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان میں ہوتا۔

مصافحہ کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ جو بیان کیا گیا — اور دوسرا طریقہ یہ ہے جو بعض فقہائے کرام نے بیان فرمایا اور اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ بھی حدیث شریف سے ثابت ہے: — وہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنا دایاں ہاتھ دوسرے کے دائیں ہاتھ سے اور بایاں بائیں سے ملائے اور انگوٹھے کو دبائے کہ انگوٹھے میں ایک ایسی رگ ہے جس کے پکڑنے اور دبانے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے —

طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۱ میں ہے وَهِيَ اِلْصَاقُ الْكَفِّ بِالْكَفِّ وَاِقْبَالُ الْوَجْهِ بِالْوَجْهِ فَاَخْذُ الْاَصَابِعِ لَيْسَ بِمُصَافَحَةٍ خِلَافًا لِلرَّوَافِضِ. یعنی مصافحہ کے معنی ہیں ایک کی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے ملانا اور چہرہ سے آمنا سامنا ہونا، — لہذا صرف انگلیوں کو چھو لینے کا نام مصافحہ نہیں ہے، رافضیوں اور

شیعہ لوگوں کا ہی طریقہ ہے کہ وہ لوگ صرف انگلیوں کو چھو لیتے ہیں لہٰذا ہم اہلسنت وجماعت کو رافضیوں کا خلاف کرنا چاہیئے۔ اور مسنون طریقے پر مصافحہ کرنا چاہیئے —

مصافحہ کب کیا جائے؟ — جب بھی دو مسلمان کی ملاقات ہو مصافحہ کرنا سنت ہے۔ نماز پنجوقتہ کے بعد بھی مصافحہ کرنا سنت ہے، نماز عصر و نماز فجر کے بعد بھی مصافحہ کرنا سنت ہے، جو لوگ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنے کو منع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں طحاوی صفحہ ۱۹۱ میں ہے وَالْمُصَافَحَةُ سُنَّةٌ فِی سَائِرِ الْاَوْقَاتِ یعنی مصافحہ کرنا سنت ہے تمام وقتوں میں اور تمام اوقات میں سے یہ دو وقت بھی ہیں۔

ردالمحتار صفحہ ۲۳۵ میں ہے اِعْلَمْ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ کُلِّ لِقَاءٍ وَاَمَّا اعْتَادَہُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافَحَةِ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَہٗ فِی الشَّرْعِ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْہِ وَلٰکِنْ لَا بَاْسَ بِہٖ فَاِنَّ اَصْلَ الْمُصَافَحَةِ سُنَّةٌ! یعنی جاننا چاہیئے کہ مصافحہ کرنا مستحب ہے ہر ملاقات کے وقت اور لیکن وہ جو لوگوں نے عادت بنالی ہے مصافحہ کرنے کی صرف نماز صبح کے بعد تو شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اس طریق پر اور لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کہ یہ اصل سے خارج نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو جملہ اعمال صالحہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے آمین ثم آمین! بجاہ حبیب الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از: محمد زین الدین غفرلہ النعیمی اشرفی قادری شیخ الحدیث دار العلوم حنفیہ سنیہ
اسلام پورہ مالیگاؤں: —

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دفن کے وقت قبر میں اذان کہی جاتی ہے۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل الاذان علم الایمان وسبب الایمان وسکینۃ الجنان ومناۃ الاحزان ومرضاۃ الرحمٰن والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ من رفع اللہ ذکرہ واعظم قدرہٗ فبذکرہ زان کل خطبۃ واذان وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ الذاکرین ایاہ مع ذکر مولاہ فی الحیوٰۃ والموت والوجدان والفوت وکل حین وان اشہد ان لا الٰہ الا اللہ الحنان والمنان وان محمداً عبدہٗ ورسولہ سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ اٰلہٖ صحبہٖ المرضیین لدیہ ما اُذِن اُذُن لصوت اذان قال فقیر عبد المصطفیٰ احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی سقاہ المجیب من کاس الحبیب عذابا وفراتا وجعلہ من الذین ہم اہل الایمان والصلوٰۃ والاذان احیاء واموات آمین الٰہ الحق آمین:۔

الجواب

بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی وعلامہ خیر الملۃ والدین رملی استاذِ صاحب درمختار علیہم رحمۃ الغفار

نے ان کا قول نقل کیا۔ اما المکی عفی فتاواہ وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیۃ البحر الرائق ومرض۔ حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے۔ ہرگز شرع مطہر سے اوس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہو سکتا۔ قائلانِ جواز کے لئے اسی قدر کافی۔ جو مدعی ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرے پھر بھی مقام تبرع میں آکر فقیر غفرلہ تعالیٰ بدلائل کثیرہ اس کی اصل شرع مطہرہ سے نکال سکتا ہے جنہیں بتاون مناظرہ اسانید سوال تصور کیجئے فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول

الیٰ ذری التحقیق۔ دلیل اول وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد و زن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا اور جواب میں بہکاتا ہے۔ والعیاذ بوجہہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں

ان المیت اذا سئل من ربک

تراءی له الشیطٰن فیشیر الی نفسه انی انا ربك فلهذا ورد سوال التثبیت له حین یسئل۔

یعنی جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسلئے حکم آیا کہ میت کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

ویؤیدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عند دفن المیت اللّٰھم اجرہ من الشیطٰن فلو لم یکن للشیطٰن هناك سبیل ما دعیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بذلك۔

یعنی وہ حدیثیں اس کی مؤید ہیں، جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا کیوں فرماتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اذن المؤذن ادبر الشیطٰن وله حصاص"

"جب مؤذن اذان کہتا ہے، شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا ہے۔"

صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا کہ جب شیطان کا کھٹکا ہو، فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائیگا۔

اخرجه الامام ابو القاسم سلیمٰن بن احمد الطبرانی فی اوسط معاجیمه عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

ہم نے اپنے رسالہ "نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا" ۱۳۰۷ھ میں اس مطلب پر بہت احادیث نقل کیں اور

جب ثابت ہولیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے، اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد کے مطابق شارع اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی، جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالامال۔

دلیل دوم: امام احمد و طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال لما دفن سعد بن معاذ (زاد فی روایه) وسوی علیه سبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وسبح الناس معه طویلاً ثم کبر وکبر الناس ثم قالوا یا رسول اللہ لم سبحت (زاد فی روایه) ثم کبرت قال لقد تضایق علی هذا الرجل الصالح قبرہ حتی فرج اللہ تعالیٰ عنه۔

"یعنی جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کردی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور اکرم کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر حضور اکرم اللہ اکبر، اللہ اکبر فرماتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا۔ اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔"

علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں، ای مازلت اکبر وتکبرون واسبح وتسبحون حتی فرجه اللہ۔
یعنی حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحن اللہ سبحن اللہ کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔ اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں سو ان کی زیادت نہ معاذ اللہ مضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید و مؤید ہے کہ رحمت الہیٰ اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔ دیکھو یہ بعینہ وہ مسلک نفیس ہے جو در بار تلبیہؑ اجلہ صحابۂ عظام مثل حضرت عمر امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت امام حسن مجتبیٰ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ملحوظ ہوا اور ہمارے ائمۂ کرام نے اختیار فرمایا۔ ہدایہ میں ہے:۔

لا ینبغی ان یخل بشیئ من ھذہ الکلمات لانّہ ھو المنقول فلا ینقص عنہ ولو زاد فیھا جاز لان المقصود الثناء اظہار العبودیۃ فلا یمنع من الزیادۃ علیہ اھ ملخصاہ

"یعنی ان کلمات میں کمی نہ چاہئے۔ یہی نبی اکرم تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہیں تو ان سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی بندگی کا ظاہر کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں۔"

فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ صفائح اللجین فی التصافح بکفی الیدین ۱۳۰۶ھ" وغیرہا رسائل میں اس مطلب کی قدرے تفصیل کی۔

دلیل سوم:۔ بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میت کے پاس حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ الا اللّٰہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔ حدیث متواتر میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللّٰہ

"اپنے مردے کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ۔"

رواہ احمد و مسلم و ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ھریرۃ وکالنسائی عن ام المومنین عائشۃ رضی اللہ عنھم اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالیٰ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بہلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقتاً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بے شک اذان میں یہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جوابِ نکیرین بتاتے ہیں۔ ان کے سوال تین ہیں۔ ۱: من ربک تیرا رب کون ہے! ۲: ما دینک تیرا دین کیا ہے؟ ۳: ما تقول فی حق ھذا الرجل تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ اب اذان کی ابتدا میں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ اور آخر میں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ سوال من ربک کا جواب سکھائیں گے ان کے سننے سے یاد آئے گا کہ میرا رب اللہ ہے اور اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ سوال ما کنت تقول فی حق ھذا الرجل کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح جواب ما دینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن و ستون ہے کہ الصلوٰۃ عماد الدین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعلیم ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا۔ اب یہ کلام سماع موتیٰ اور تلقین اموات کی طرف منجر ہوگا۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے خاص اس مسئلہ میں کتاب مبسوط مسمّیٰ بہ حیات الموات فی سماع الاموات ۱۳۰۵ھ" تحریر کر چکا جس میں بحمدہٖ

حدیثوں اور پونے چار سو اقوال ائمہ دین و علمائے کاملین و خود بزرگانِ منکرین سے ثابت کیا کہ مردوں کا سننا، دیکھنا سمجھنا قطعاً حق ہے اور اس پر اہلسنت وجماعت کا اجماع قائم اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر غبی جاہل یا معاند مبطل اور اسی کی چند فصول میں بحث تلقین بھی صاف کردی۔ یہاں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دلیل چہارم ابو یعلیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اطفئوا الحریق بالتکبیر "آگ کو تکبیر سے بجھاؤ"۔ ابن عدی حضرت عبداللہ بن عباس وہ اور ابن السنی و ابن عساکر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور پر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا رایتم الحریق فکبروا فانہ یطفئ النار "جب آگ دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو وہ آگ کو بجھا دیتا ہے علامہ مناوی تیسیری شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں فکبروا ای قولوا اللہ اکبر اللہ اکبر وکرروہ کثیرا مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے۔ لکھتے ہیں التکبیر علیٰ ھٰذا لاطفاء الغضب الالٰھی ولذا ورد استحباب التکبیر عند رؤیۃ الحریق "اب یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بجھانے کو ہے ولہٰذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری۔ وسیلۃ النجاۃ میں حیرت الفقہ سے منقول حکمت در تکبیر آنست بر اہل گورستان کہ رسول علیہ السلام فرمودہ است اذا رایتم الحریق فکبروا چو آتش بر جائے افتد و از دست شما بر نیاید کہ بنشانید تکبیر بگوید کہ آتش بہ برکت آں تکبیر فرو نشیند چوں عذاب قبر با تش است و دست شما باں نمیرسد تکبیر باید گفت تا مردگاں از آتش دوزخ خلاص یابند۔ یہاں سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا خود سنت ہے تو یہ اذان بھی قطعاً سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کا مانع سنیت نہ ہونا تقریر دلیل دوم سے ظاہر ہے۔

دلیل پنجم ابن ماجہ و بیہقی سعید بن مسیب سے راوی۔

قال حضرت ابن عمر فی جنازۃ فلما وضعھا فی اللحد قال بسم اللہ و فی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطٰن و من عذاب القبر ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

یعنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسے لحد میں رکھا کہا بسم اللہ و فی سبیل اللہ، جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے۔ پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا۔

امام ترمذی حکیم قدس سرہ الکریم بسند جید عمرو بن مرۃ تابعی سے روایت کرتے ہیں۔

کانوا یستحبون اذا وضع المیت فی اللحد ان یقولوا اللھم اعذہ من الشیطٰن الرجیم۔

یعنی صحابہ کرام یا تابعین عظام مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو لحد میں رکھا جائے تو دعا کریں الٰہی اسے شیطان رجیم سے پناہ دے۔

ابن ابی شیبہ استاذ امام بخاری و مسلم اپنے

مصنف میں خثیمہ سے راوی۔

کانوا یستحبون اذا دفنوا المیت ان یقولوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ اللّٰھم اجرہ من عذاب القبر وعذاب النار ومن شر شیطان الرجیم۔

مستحب جانتے تھے کہ جب میّت کو دفن کریں یوں کہیں اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ملت پر الٰہی اسے عذاب قبر وعذاب دوزخ وشیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

ان حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت معاذ باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اس کے دفع کی تدبیر سنت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیث سابقہ دلیل اول سے واضح کہ اذان دفع شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصودِ شارع کے مطابق اور اپنی نظیر شرعی سے موافق ہوئی۔

دلیل ششم ابوداؤد وحاکم وبیہقی امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ قال استغفروا لاخیکم وسلوا لہ بالتثبت فانہ الان یسأل۔ یعنی حضورِ اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جواب نکیرین میں ثابت ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال کان رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقف علی القبر بعد ماسوی علیہ فیقول اللّٰھم نزل بک صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظہرہ اللّٰھم تثبت عند المسئلۃ نطقہ وتبتلہ فی قبرہ لا طاقۃ لہ بہ۔

یعنی جب مردہ دفن ہو کر قبر درست ہو جاتی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے۔ الٰہی ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہوا اور دنیا اپنے پس پشت چھوڑ آیا۔ الٰہی سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب مردے کی قبر درست ہو جاتی حضور اقدس قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے۔ شیطان قبر میں داخل ہوتا ہے اذان دفع شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے۔

ان حدیثوں اور احادیث دلیل پنجم وغیرہ سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنّت ہے۔ امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہٗ دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانۂ شاہی پر میت کی شفاعت وعذر خواہی کے لئے حاضر ہوا اور اب قبر پر کھڑے ہو کر دعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے کہ اسے اس نئی جگہ کا

ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے نقلہ المولیٰ جلال الملۃ والدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الصدور اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحباب دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔ امام حاجری فرماتے ہیں۔

یستحب الوقوف بعد الدفن
قلیلاً والدعاء للمیت۔

مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر
کھڑے رہیں اور میت کے لئے دعا کریں۔

اسی طرح اذکار امام نووی وجوہرہ نیرہ ودر مختار وفتاوی عالمگیریہ وغیرہ اسفار میں ہے طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحٰق صاحب دہلوی نے مأۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے؟

فتح القدیر وبحر الرائق ونہر الفائق وفتاوے عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا سنت سے ثابت ہے اور براہ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دعا بلکہ بہترین دعا سے ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعا تو وہ بھی اسی سنت ثابت کی ایک فرد ہوئی پھر سنیت مطلق سے کراہت فرد پر استدلال عجیب تماشا ہے۔ مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کل دعاء ذکرٌ وکل ذکر دعاءٌ ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ افضل الدعاء الحمد للہ سب دعاؤں سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔ اخرجہ الترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم وصححہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحیحین میں ہے ایک سفر میں لوگوں نے باواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو انکم لا تدعون اصمّ ولا غائبًا انکم تدعون سمیعًا بصیرًا تم کسی بہرے یا غائب سے دعا نہیں کرتے سمیع بصیر سے دعا کرتے ہو دیکھو؛ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور خاص کلمہ اللہ اکبر کو دعا فرمایا تو اذان کے بھی ایک دعا اور فرد مسنون ہونے میں کیا شک رہا۔

دلیل ہفتم: یہ تو واضح ہو گیا کہ بعد دفن میت کے لئے دعا سنت ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں آداب دعا سے ہے کہ اس سے پہلے کوئی عمل صالح کرے۔ امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے۔

آداب الدعاء منہا تقدیم عمل
صالح وذکرہ عند الشدۃ۔ مرقد

علامہ علی قاری حرز ثمین میں فرماتے ہیں یہ ادب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ابو داؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی ثابت ہے اور شک نہیں کہ اذان بھی عمل صالح ہے تو دعا پر اس کی تقدیم مطابق مقصود سنت ہوئی۔

دلیل ہشتم: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ثنتان لا تردان الدعاء عند النداء وعند الباس۔ دو دعائیں رد نہیں ہوتیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں کفار سے لڑائی شروع ہو۔ اخرجہ ابو داؤد وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اذا نادی المنادی فتحت ابواب السماء واستجیب الدعاء جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔ اخرجہ ابو یعلی والحاکم عن ابی امامۃ الباہلی وابو داؤد الطیالسی وابو یعلی والضیاء فی المختارۃ بسند حسن عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اذان اسباب اجابت دعا سے ہے اور یہاں دعا شارع جل وعلی کو مقصود تو اس کے اسباب اجابت کی تحصیل قطعًا محمود۔

دلیل نہم:۔ حضور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں یغفر للموٴذن منتہیٰ اذانہ ویستغفر لہ کل رطب ویابس سمعہ اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے موٴذن کے لئے اتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر وخشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لئے استغفار کرتی ہے۔ اخرجہ الامام احمد بسند صحیح واللفظ لہ والبزار والطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونحوہ عند احمد وابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصدرہ عند احمد والنسائی بسند حسن جید عن البرآء بن عازب والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ ولہ فی الاوسط عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ پانچ حدیثیں ارشاد فرماتی ہیں کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بے شک مغفور کی دعا زیادہ قابلِ قبول واقرب باجابت ہے اور خود حدیث میں وارد کہ مغفوروں سے دعا منگوانی چاہیئے امام احمد مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفر لک قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفور لہ۔

جب تو حاجی سے ملے اسے سلام کر اور مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اس سے اپنے لئے استغفار کرا کہ وہ مغفور ہے۔ پس اگر اہل اسلام بعد دفن میت اپنے میں کسی بندۂ صالح سے اذان کہلوائیں تاکہ بحکم احادیث صحیحہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو پھر میت کے لئے دعا کرے کہ مغفور کی دعا میں زیادہ رجائے اجابت ہو تو کیا گناہ ہو بلکہ عین مقاصد شرع سے مطابق ہوا۔

دلیل دہم اذان ذکرِ الٰہی ہے اور ذکر الٰہی دافعِ عذاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما من شئی انجیٰ من عذاب اللہ من ذکر اللہ کوئی چیز ذکر خدا سے زیادہ عذاب خدا سے نجات بخشنے والی نہیں رواہ الامام احمد عن معاذ بن جبل وابن ابی الدنیا والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود اذان کی نسبت وارد جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے طبرانی معاجیم ثلاثہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا اذن فی قریۃ امنہا اللہ من عذابہ فی ذلک الیوم وشاہدہ عندہ فی الکبیر من حدیث معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور بے شک اپنے بھائی مسلمان کے لئے ایسا عمل کرنا جو عذاب سے منجی ہو شارع جل وعلا کو محبوب ومرغوب مولانا علی قاری رحمہ الباری شرح عین العلم میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے اور تسبیح ودعائے رحمت ومغفرت کرنے کی وصیت فرما کر لکھتے ہیں۔ فان الاذکار کلہا نافعۃ لہ فی تلک الدار کہ ذکر جس قدر ہیں سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں۔ امام بدر الدین محمود عینی شرح صحیح بخاری میں زیر باب "موعظۃ المحدث عند القبر" فرماتے ہیں: مصلحت المیت ان یجتمعوا عندہ القراءۃ القرآن والذکر فان المیت ینتفع بہ۔ میت کے لئے اس میں مصلحت ہے کہ مسلمان اس کی قبر کے پاس جا کر قرآن پڑھیں ذکر کریں کہ میت کو اس سے نفع ہوتا ہے! یارب مگر اذان ذکر محبوب نہیں یا مسلمان بھائی کو نفع پہنچانا مرغوب نہیں۔

دلیل یازدہم اذان ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم باعثِ نزولِ رحمت "اولاً" حضور کا ذکر عین ذکر خدا ہے امام ابن عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام

تفسیر قولہ تعالیٰ ورفعنا لک ذکرک میں فرماتے ہیں —
جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی
میں نے تمہیں اپنی یادوں سے ایک یاد کیا۔ جو تمہارا ذکر
کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے اور ذکر الٰہی بلاشبہ رحمت
اترنے کا باعث۔ سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح
حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں —
حفتہم الملآئکۃ وغشیتہم الرحمۃ ونزلت علیہم
السکینۃ: انہیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ڈھانپ
لیتی ہے اور ان پر سکینہ اور چین اترتا ہے۔ رواہ مسلم
والترمذی عن ابی ھریرۃ وابی سعید رضی اللہ تعالیٰ
عنہما تا نیا ہر محبوب خدا کا ذکر محل نزولِ رحمت
ہے امام سفیٰن بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں
عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ نیکوں کے ذکر کے
وقت رحمت الٰہی اترتی ہے۔ ابوجعفر بن حمدان نے ابو
عمرو بن نجید سے اسے بیان کر کے فرمایا۔ فرسول اللہ
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأس الصالحین تو رسول اللہ
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو سب صالحین کے سردار ہیں
پس بلاشبہ جہاں اذان ہوگی رحمت الٰہی اترے گی
اور بھائی مسلمان کے لئے وہ فعل جو باعثِ نزولِ رحمت
ہو شرع کو پسند ہے نہ کہ ممنوع۔

دلیل دوازدہم: خود ظاہر اور حدیثوں سے بھی
ثابت کہ مردے کو اس نئے مکان تنگ و تار میں سخت
وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ الامداد حسبی ان
ربی غفور رحیم اور اذان دافعِ وحشت و باعث
اطمینانِ خاطر ہے کہ وہ ذکر خدا ہے اور اللہ عزوجل
فرماتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سن لو
خدا کے ذکر سے چین پاتے ہیں دل۔ ابونعیم وابن عساکر
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور
سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ نزل آدم
بالھند واستوحش فنزل جبرئیل علیہ الصلوٰۃ
والسلام فنادی بالاذان الحدیث۔ جب آدم
علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے ہندوستان میں اترے
انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتر
کر اذان دی۔ پھر ہم اس غریب کی تسکینِ خاطر و دفعِ
توحش کو اذان دیں تو کیا برا کریں۔ حاشا بلکہ مسلمان
خصوصا ایسے بیکس کی اعانت حضرت حق عزوجل کو
نہایت پسند حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ
اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے
بھائی مسلمان کی مدد میں ہے۔ رواہ مسلم وابوداؤد
والترمذی وابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ
رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن
فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہا بہا کربۃ من
کرب یوم القیٰمۃ جو اپنے بھائی مسلمان کے کام میں ہو
اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں ہو۔ اور جو کسی مسلمان
کی تکلیف دور کرے اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت
کی صعوبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائے
رواہ الشیخان وابوداؤد عن ابن عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ۔

دلیل سیزدہم: مسند الفردوس میں حضرت
جناب امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ
تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ سے مروی قال رأنی النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم حزینا فقال یا ابن ابی
طالب انی اراک حزینا فمر بعض اھلک
یؤذن فی اذنک فانہ درء للھم یعنی مجھے
حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا
اور ارشاد فرمایا اے علی میں تجھے غمگین پاتا ہوں۔ اپنے
کسی گھر والے سے کہہ کر تیرے کان میں اذان کہے۔
اذان غم پریشانی کی دافع ہے۔ مولیٰ علی اور مولیٰ علی
تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے
فرمایا فجربتہ فوجدتہ کذالک "ہم نے اسے تجربہ
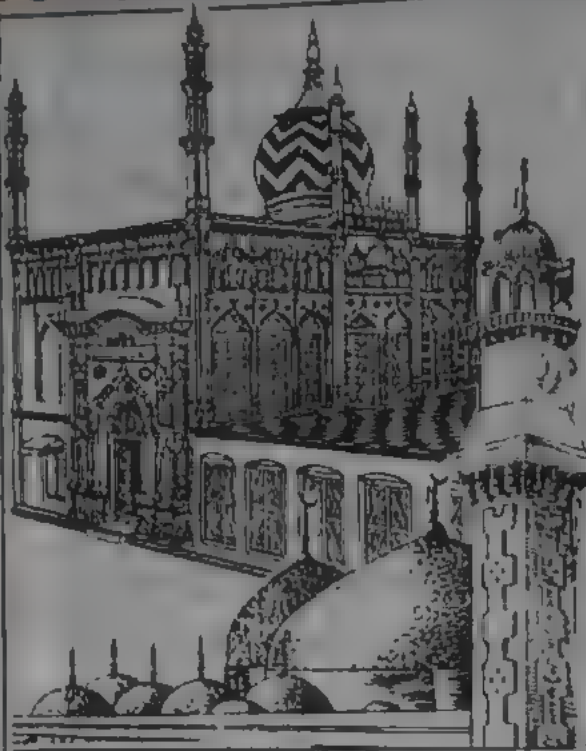
روضۂ مبارک اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ (بریلی شریف)

کیا تو ایسا ہی پایا۔ ذکرہ ابن حجر کما فی المرقاۃ اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میت اس وقت کیسے حزن وغم کی حالت میں ہوتا ہے۔ مگر وہ خاص عباد اللہ اکابر اولیاء اللہ جو مرگ کو دیکھ کر مرحبا بحبیب جاء علیٰ فاقتی۔ فرماتے ہیں تو اس کے دافع غم والم کے لئے اگر اذان سنائی جائے کیا محذورِ شرعی لازم آئے حاشا للہ! بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی معجم کبیر، معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ مسلمان کا خوش کرنا ہے۔ انہیں دونوں میں حضرت امام ابن الامام سیدنا حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان من موجبات المغفرۃ ادخالک السرور علی اخیک المسلم بے شک موجبات مغفرت سے ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا۔

دلیل چہاردہم: قال اللہ تعالیٰ یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً اے ایمان والو اللہ کا ذکر کرو، بکثرت ذکر کرنا؛ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنونٌ۔ اللہ کا ذکر اس درجہ بکثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔ اخرجہ احمد وابویعلیٰ وابن حبان والحاکم والبیہقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صححہ الحاکم وحسنہ الحافظ ابن حجر

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذکر اللہ عند کل شجر وحجر ہر سنگ وشجر کے پاس اللہ کا ذکر کر اخرجہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ لم یفرض اللہ علی عبادہ فریضۃ الا جعل لھا حداً معلوماً ثم عذر اھلھا فی حال العذر غیر الذکر فانہ لم یجعل لہ حداً ینتھی الیہ ولم یعذر احداً فی ترکہ الا مغلوباً علی عقلہ وامرھم بہ فی الاحوال کلھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی فرض مقرر نہ فرمایا مگر یہ کہ اس کے لئے ایک حد متعین کر دی۔ پھر عذر کی حالت میں لوگوں کو اس سے معذور رکھا۔ سوا ذکر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کوئی حد مقرر نہ رکھی جس پر

انتہا ہو اور نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا مگر وہ جس کی عقل سلامت نہ رہے اور بندوں کو تمام احوال میں ذکر کا حکم دیا۔ ان کے شاگرد امام مجاہد فرماتے ہیں۔ الذکر الکثیر ان لا ینتاھی ابداً۔ "ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہو" اذکر ھما فی المعالم وغیرھا تو ذکر الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب و مرغوب و مطلوب و مندوب ہے جس سے ہر گز ممانعت نہیں ہو سکتی۔ جب تک خصوصیت خاصہ کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعاً ذکر خدا ہے پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہم ہر سنگ و درخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں۔ تو مومن کے پتھر کیا اس حکم سے خارج ہیں۔ خصوصاً بعد دفن ذکرِ خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بہ تصریح ائمہ دین مستحب و لہٰذا امام اجل ابو سلیمان خطابی دربارۂ تلقین فرماتے ہیں لا نجد لہ حدیثا مشھورا ولا باس بہ اذ لیس فیہ الا ذکر اللہ تعالٰی الیٰ قولہ وکل ذلک حسن۔ "ہم اس میں کوئی حدیث مشہور نہیں پاتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے مگر خدا کا ذکر اور یہ سب کچھ محمود ہے۔

دلیل پانزدہم: امام اجل ابو زکریا نووی شارح صحیح مسلم کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔ یستحب ان یقعد عند القبر بعد الفراغ ساعۃ قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمہ ویشتغل القاعدون بتلاوۃ القراٰن والدعاء للمیت والوعظ والحکایات لاھل الخیر والصالحین مستحب یہ ہے کہ دفن سے فارغ ہو کر ایک ساعت قبر کے پاس بیٹھیں اتنی دیر کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لئے دعا اور وعظ و نصیحت اور نیک بندوں کے ذکر و حکایت میں مشغول رہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ لمعات شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فقیر نے دلیل ششم ذکر کی فرماتے ہیں۔ قد سمعت عن بعض العلماء انہ یستحب ذکر مسئلۃ من المسائل الفقہیۃ "یعنی بہ تحقیق میں نے بعض علماء سے سنا کہ دفن کے بعد قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہ کا ذکر مستحب ہے۔" اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ میں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں "کہ باعث نزولِ رحمت است" اور فرماتے ہیں "مناسب حال ذکر مسئلہ فرائض است" اور فرماتے ہیں کہ اگر ختم قرآن کنند اولیٰ و افضل باشد"۔ جب علماء کرام نے حکایاتِ اہلِ خیر و تذکرہ صالحین و ختم قرآن و بیان مسئلہ فقہیہ و ذکرِ فرائض کو مستحب ٹھہرایا حالانکہ ان میں بالخصوص کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ وہ صرف وہی کہ میت کو نزولِ رحمت کی حاجت اور ان امور نزولِ رحمت تو اذان کہ بشہادت احادیث موجب نزولِ رحمت و دفع عذاب ہے کیونکہ جائز بلکہ مستحب نہ ہوگی۔

بحمد اللہ! یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئیں۔ مناظر منصف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراجِ فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلہ علمائے اہلِ سنت و جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں مذکور مگر فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے تکمیل ترتیب و تسجیل تقریب سے ہر مقدمۂ منفردہ کو دلیل کامل کو ہر مذکورِ ضمنی کو مقصود مستقل کر دیا۔ والحمد للہ رب العالمین بایں ہمہ ع لاشک ان الفضل للمتقدم ہم پر ان اکابر کا شکر واجب جنہوں نے اپنی تلاش و کوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کر دیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کر دیا۔ جزاھم اللہ عنا

وعن الاسلام والسنة خير جزاء وشكر مساعيهم الجميلة فی حماية الملة الغراء ونکاية الفتنة العوراء وهنا هم بفضل رسول نبی علی حمید رضی یوم القضاء وصلی الله تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه الاطائب الکرماء آمین۔

تنبیہاتِ جلیلہ۔

تنبیہ اوّل: ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمت رحمتِ الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں انشاء اللہ الرحمٰن اس میت اور ان احیاء کے کتنے منافع ہیں سات فائدے میت کے لئے۔

(۱) بحولہ تعالیٰ شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔
(۲) بدولت تکبیر عذابِ نار سے امان۔
(۳) جوابِ سوالات کا یاد آجانا۔
(۴) ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔
(۵) برکتِ ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزولِ رحمت۔
(۶) بدولت اذان دفعِ وحشت۔
(۷) زوالِ غم وحصولِ سرور و فرحت۔

اور پندرہ احیاء کے لئے، سات تو یہی سات منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا۔ کہ ہر نفع رسانی جدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم از کم دس نیکیاں، پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

(۸) میت کے لئے تدبیر دفعِ شیطان سے اتباعِ سنت۔
(۹) تدبیر آسانی جواب سے اتباعِ سنت۔
(۱۰) دعاء عند القبر سے اتباعِ سنت۔
(۱۱) بقصدِ نفعِ میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنت۔
(۱۲) مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن و حدیث مالامال ذکر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب رحمتیں پانا۔
(۱۴) مطلق دعا کے فوائد ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغز عبادت فرمایا۔
(۱۵) مطلق اذان کے برکات ملنا جن میں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر و خشک کی استغفار و شہادت اور دلوں کو صبر و سکون و راحت ہے۔ اور لطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ہی ہیں۔

الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الله اکبر لا اله الا الله ــــ اور مکررات کو گنئے تو پندرہ ہوتے ہیں، میت کے لئے وہ سات فائدے اور احیاء کے لئے پندرہ انہی سات اور پندرہ کے برکات ہیں۔ والحمدللہ رب العالمین! تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میت و احیاء کو ان فوائد جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے! ہمیں تو مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ: تم میں جس سے ہو سکے اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچائے۔ لازم اور مناسب ہے کہ پہنچائے۔ رواہ احمد ومسلم عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما۔ پھر خدا جانے اس اجازتِ کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے والله الموافق۔

تنبیہ دوم حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں نیة المومنین خیر من عمله مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ رواہ البیهقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سهل بن سعد رضی الله تعالیٰ عنهما اور بے شک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کر سکتا ہے مثلاً جب نماز کے لئے

مسجد کو چلا اور صرف یہی مقصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بے شک اس کا یہ چلنا محمود ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں کئی نیتیں کر سکتا ہے۔ (۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔ (۲) خانۂ خدا کی زیارت کروں گا۔ (۳) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں۔ (۴) داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔ (۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں (۶) مسجد سے خس و خاشاک وغیرہ دور کروں گا۔ (۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتیٰ بہ پر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ اور ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے۔ جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کر لے۔ انتظارِ نماز و ادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔ (۸) امرِ الٰہی خذوا زینتکم عند کل مسجد کے امتثال کو جاتا ہوں۔ (۹) جو وہاں علم والا ملے گا۔ اس سے مسائل پوچھوں گا۔ دین کی باتیں سیکھوں گا۔ (۱۰) جاہلوں کو مسئلے بتاؤں گا۔ دین سکھاؤں گا۔ (۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اس سے علم کی تکرار کروں گا۔ (۱۲) علماء کی زیارت (۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار۔ (۱۴) دوستوں سے ملاقات (۱۵) مسلمانوں سے میل (۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے ان سے بکشادہ پیشانی مل کر صلۂ رحم (۱۷) اہل اسلام کو سلام (۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا (۱۹) ان کے سلام کا جواب دوں گا (۲۰) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔ (۲۱-۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا۔ بسم اللہ الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ (۲۳-۲۴) دخول و خروج میں حضور و آلِ حضور و ازواجِ حضور پر درود بھیجوں گا کہ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وعلی ازواج سیدنا محمد (۲۵) بیمار کی مزاج پرسی کروں گا۔ (۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تو تعزیت کروں گا (۲۷) جس مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا اسے یرحمک اللہ کہوں گا۔ (۲۸-۲۹) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کروں گا۔ (۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دوں گا۔ (۳۱-۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان و اقامت کہوں گا۔ اب اگر یہ کہنے نہ پایا۔ دوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان و اقامت کا ثواب پا چکا۔ فقد وقع اجرہ علی اللہ (۳۳) جو راستہ بھولا ہوگا راستہ بتاؤں گا (۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔ (۳۵) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا۔ (۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا (۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتی الوسع صلح کراؤں گا۔ (۳۸-۳۹) مسجد میں جاتے وقت داہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباعِ سنت کروں گا۔ (۴۰) راہ میں لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا۔ الیٰ غیر ذالک من نیات کثیرۃ تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنۂ نماز کے لئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس حسنات کے لئے جاتا ہے تو گویا اس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم ہوئے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس نیکیاں ہوگا۔ اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہیئے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تاکہ ہر نیت پر جداگانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ ہو کہ مجھے میت کے لئے دعا کا حکم ہے۔ اس کی اجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور اس سے پہلے عمل صالح کی تقدیم چاہیئے یہ ادب دعا بجا لاتا ہوں۔ الیٰ غیر ذالک مما یستخرجہ العارف النبیل واللہ الہادی الیٰ سواء السبیل بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع و نیات سے غافل ہیں۔ وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اسی قدر پائیں گے۔ فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ مانوی۔

تنبیہ سوم جہاں منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلام نماز کے لئے ہے یہاں کونسی نماز کے لئے ہے، یہاں کونسی نماز ہوگی جس کے لئے اذان کہی جاتی ہے مگر یہ ان کی جہالت انہیں کو زیب دیتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ نماز میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے۔ از انجملہ گوش مغموم میں اور دفع وحشت کو کہنا تو نہیں گزرا اور بچے کے کان میں اذان دیتے سنا ہی ہوگا۔ ان کے سوا اور بہت مواقع ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ "نسیم صبا" میں ذکر کی۔

تنبیہ چہارم شرع مطہر کی اصل کلی ہے کہ جو امر مقاصدِ شرع سے مطابق ہو محمود ہے اور جو مخالف ہو مردود اور حکم مطلق اس کے تمام افراد میں جاری و ساری جب تک کسی خاص خصوصیت سے نہی شرع نہ ہو تو بعد ثبوت حسنِ مطلق حسنِ مقید پر کسی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ حسنِ مطلق ہی اس پر دلیل قاطع اور بقاعدہ مناظرہ اثباتِ ممانعت ذمۂ مانع، معہذا اصل اشیاء میں اباحت تو قائلِ جواز متمسک بہ اصل ہے کہ اصلاً دلیل کی حاجت نہیں رکھتا۔ اجازت خصوصیت کو اجازت خاصہ وارد ہونے پر موقوف جاننا اور منع خصوصیت کے لئے منع خاص وارد ہونے کی ضرورت نہ ماننا صرف تحکم و زبردستی ہی نہیں بلکہ دائرہ عقل و نقل سے خروج اور مطمورۂ سفہ و جہل میں کامل ولوج ہے۔ علمائے سنت شکر اللہ تعالیٰ مساعیہم الجمیلۃ ان سب مباحث کو اعلیٰ درجہ پر طے فرما چکے۔ ان تمام اصول جلیلہ رفیعہ و دیگر قواعد نافعہ بدیعہ کی تنقیح بالغ و تحقیق بازغ حضرت ختام المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین معجزہ من معجزات سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین سید العلماء سند الکملاء تاج الافاضل سراج الاماثل حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہٗ رزقنا برہٗ نے کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" و کتاب "اذاقۃ الاثام لمانعی عمل" وغیرہا میں افادہ فرمائی اور فقیر نے بھی بقدرِ حاجت اپنے رسالہ "اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامۃ" [1299] و رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" [1301] و رسالہ "نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا" [1312] وغیرہا تصانیف میں ذکر کی۔

یہاں ان مباحث کے ایراد سے تطویل کی ضرورت نہیں۔ حضرات مخالفین بآنکہ ہزارہا بار گھر تک پہنچ چکے اگر پھر ہمت فرمائیں گے ان شاء اللہ العزیز وہ جواب باصواب پائیں گے جس کے انوار باہرہ و لمعات قاہرہ کے حضور باطل کی آنکھیں جھپکیں اور اس کی سہانی روشنیوں، دلکشا تجلیوں سے حق صواب کے نورانی چہرے دیکھیں و باللہ التوفیق وہو المعین والحمد للہ

مُردے کو اس نئے مکان تنگ و تار میں سخت وحشت و گھبراہٹ ہوتی ہے اذان دافع وحشت اور باعثِ اطمینان خاطر ہے کہ وہ ذکرِ خدا ہے۔

اذانِ قبر کے جواز پر مشاہیر علماء کرام واکابرین عظام کی ایمان افروز تصدیقات

رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ الحمدللہ کہ یہ رسالہ آخر محرم ۱۳۰۷ھ سے جلسوں میں تمام ہوا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالےٰ اعلم وعلمہ وجل مجدہ اتم واحکم۔

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کتبہ

عفی عنہ بمحمدن المصطفےٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبدالمصطفےٰ احمد رضا خاں

الجواب صحیح ویؤید کلام المجیب نے الدلیل الاول ما فی الحصن الحصین اذا تغولت الغیلان نادی الاذان رواہ ... عن ابی ہریرۃ والبزاز عن سعد بن وقاص وابن ابی شیبۃ عن جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اھ اخرز الثمین للملا علے القاری علیہ رحمۃ الباری۔

اصاب المجیب

حررہ الفقیر عبدالقادر القادری عفی عنہ

محب الرسول ۱۲۹۰
محمد عبدالقادر

فقیر ابوالحسین عرف میاں صاحب عفی عنہ

عرف میاں صاحب قادری
سید ابوالحسین احمد نوری

الجیب مصیب حررہ الفقیر عبدالمقتدر العثمانی القادری غفرلہ

عبدالمقتدر ۱۳۰۹
مطیع الرسول

صح الجواب

محب محمد شاہ
عبدالرسول ۱۲۹۲

قد اصاب من اجاب

حافظ بخش محمد ۱۳۰۰

ان ہذا ہو الحق القراح والصدق الصراح
محمد لائق علی عفی عنہ

عبدہ ۱۲۹۷
محمد لائق علی

الجواب صحیح

محمد فضل المجید

شہد در المجیب المصیب ابو المظفر محمد امیر اللہ عفی عنہ

ابو المظفر محمد امیر اللہ

نعم المجیب بالاستاذ المحقق ادام اللہ ...

لقد صح الجواب اللھم اعط الجزاء الخیر بکاتبہ فی الدارین آمین یارب العلمین

سید حسن ۱۲۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی دُعاء

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دسویں صدی ہجری (یعنی آج سے تقریباً چار سو سال قبل) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جنہوں نے علمِ حدیث کو ہندوستان میں عام کیا اور اپنی ساری زندگی دین متین کی خدمت کرتے رہے۔ واضح رہے کہ یہ وہ بزرگ ہیں جنکی علمی شان کے معترف اُنکے مخالفین بھی ہیں۔ دیوبند کے سارے اکابرین اپنا بزرگ اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ انہی کی ایک دُعاء یہاں نقل کی جارہی ہے۔

جس کتاب سے یہ دُعا نقل کی جارہی ہے وہ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ لیکن اسکا اُردو ترجمہ علماء دیوبند ہی نے کیا ہے اور یہ کتاب دیوبند ہی سے چھپی ہے۔

> اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت موجود رہتی ہے، البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی و انکساری محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا رہا ہوں۔
>
> اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلادِ مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اسکے ذریعہ دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوسکتی۔
>
> (اخبار الاخیار اُردو صفحہ ۶۱۲ قسط ۶ پنجم مکتبہ دانش دیوبند)

حدیث و سنت کے اتنے بڑے عالم باعمل کی نگاہ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا، بدعتِ ضلالہ نہیں بلکہ وہ اسے اپنی زندگی کا سب سے اچھا عمل تصور کر رہے ہیں تو پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ہم کسی بھی مستحسن کام کو بے دھڑک بدعت و شرک کہکر اللہ جل و علیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی مول لیں۔

کھڑے ہو کر صلاۃ و سلام پڑھنے کو بدعت کہنے والوں کو چاہئے کہ وہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کو بھی بدعتی کہیں اور انکی بھی تفسیق کریں یا پھر صلاۃ و سلام کو بدعت کہنا چھوڑ دیں۔

ناشر و مرتب۔ محمد ابراہیم قادری نزد رسالدار کھاڑہ مومن پورہ ناگپور

تبرکاتِ اسلافِ کرام رضی اللہ عنہم

حَمِدْتُ اللّٰہَ حِیْنَ ھَدٰی فُؤَادِیْ
میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو

اِلَی الْاِسْلَامِ وَالدِّیْنِ الْحَنِیْفِ
اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی

لِدِیْنٍ جَآءَ مِنْ رَّبٍّ عَزِیْزٍ
اُس دین کی جو عظمت و عزت والے پروردگار کی طرف سے آیا ہے

خَبِیْرٍ بِالْعِبَادِ بِھِمْ لَطِیْفٍ
جو تمام بندوں سے باخبر اور اُن پر بڑا مہربان ہے

اِذَا تُلِیَتْ رَسَائِلُہٗ عَلَیْنَا
جب اس کے پیغاموں کی تلاوت ہمارے سامنے کی جاتی ہے

تَحَادَرَ دَمْعُ ذِی اللُّبِّ الْحَصِیْفِ
تو ہر محکم عقل والے کے آنسو رواں ہو جاتے ہیں

رَسَائِلُ جَآءَ اَحْمَدُ مِنْ ھُدَاھَا
وہ پیغامات جن کی ہدایتوں کو احمد لے کر آئے

بِاٰیَاتٍ مُّبَیِّنَۃِ الْحُرُوْفِ
واضح الفاظ و حروف والی آیتوں میں

وَاَحْمَدُ مُصْطَفًی فِیْنَا مُطَاعًا
اور احمد ہم میں برگزیدہ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے

فَلَا تَغْشُوْہُ بِالْقَوْلِ الْعَنِیْفِ
لہٰذا تم اُن کے سامنے نامناسب لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا

فَلَا وَاللّٰہِ لَا نُسْلِمُہٗ لِقَوْمٍ
تو خدا کی قسم ہم ان کو قوم کے حوالے کبھی نہیں کریں گے

وَلَمَّا نَقْضِ فِیْھِمْ بِالسُّیُوْفِ
اور ہم نے ابھی ان کے بارے میں تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے

حضرت حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم

بسلسلۂ تحفظ عقائد نمبر

شاعر اسلام نسیم القادری فرخ آبادی

رسولِ گرامی کا فیضان دیکھو — غلاموں پہ ہے کتنا احسان دیکھو
میری کشتی پہ ہے لکھا نامِ احمد — گزرتا ہے کترا کے طوفان دیکھو
یقیں ہے جہنم میں جائیگا رشدی — یہ ہے شکلِ انساں میں شیطان دیکھو
جو ہے استقامت کا روشن ادارہ — ذرا اس کے جلوؤں کا فیضان دیکھو
خدا کی، نبی کی، علی کی، ولی کی — بتاتا ہے سب کی یہ پہچان دیکھو
عقائد کی اصلاح بھی یہ کرے گا — ہے خوش کتنا سُنّی مسلمان دیکھو
بڑے سے بڑے فلسفی اور عالم — ہوئے دیکھ کر اس کو حیران دیکھو
یہ بارِ نظر منکروں کے لئے ہے — مگر اہلِ حق کی ہے یہ جان دیکھو
بڑی محنتوں سے بڑی کاوشوں سے — سجایا ہے لفظوں کا گلدان دیکھو
جو ہے درسِ عبرت زمانے کی خاطر — وہ انجامِ فرعون و ہامان دیکھو
نکالے ہیں پہلے بھی نمبر بہت سے — ظہیرِ مکرم کا احسان دیکھو
کئی حادثے راہ میں پیش آئے — نہ چھوڑا مگر اپنا میدان دیکھو
ہے تاریخ شاہد کہ جب وقت آیا — بڑھا سب سے پہلے مسلمان دیکھو
جہادِ قلم کا اٹھایا ہے بیڑا — ہے کیا خوب بخشش کا سامان دیکھو
خدائے جہاں اور شہِ دیں کے صدقے — طباعت کی مشکل کو آسان دیکھو
بزرگانِ مارہرہ کی نسبتوں سے — ہوئی عالمی اس کی جو شان دیکھو
ظہیرِ مکرم جو ہیں اس کے بانی — بزرگوں کا ان پر ہے فیضان دیکھو

نسیم حزیں کی یہی آرزو ہے
بڑھے حشر تک اس کی اب شان دیکھو

لائقِ تقلید اور مثالی شخصیت

عالیجناب پیرِطریقت الحاج اسماعیل احمد جانیؔ قادری برکاتی رضوی مدظلہ العالی

کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ زمانہ قیامت کی چال چل چکا ہے۔ تبھی تو ہر سمت مذہب بیزاری، بد دینی اور بد عقیدگی کا دور دورہ ہے۔ بوالہوس ابن الوقتوں اور مطلب پرستوں کا اژدہام ہے ایسے ماحول میں کسی تعمیری کردار کی انجام دہی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس پر فتن، پرآشوب، ظلمت آلود اور حوصلہ شکن ماحول میں اگر کوئی شخصیت اخلاص وللہیت، مروّت ومحبت اور ایثار و ہمدردی کے سانچے میں ڈھلی نظر آتی ہے تو وہ ہے عالی جناب پیر طریقت الحاج اسماعیل احمد جانی صاحب کی کرشماتی شخصیت۔ اللہ عزوجل نے آپ کو اسلام وسنّیت کی خدمت کا جذبۂ صادق عطا فرمایا ہے اور آپ کو وسیع القلب وعالی ظرف بھی بنایا ہے — پرچم حق وصداقت کی سربلندی، مسلکِ اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت اور مدارسِ اہلسنّت وجماعت کے فروغ و ارتقار کے لئے آپ نے اپنا تن من دھن وقف کر رکھا ہے بلا مبالغہ آپ معمارِ سنیت ہیں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عاشق و دلدادہ ہیں آپ نے ایک پنجر علاقہ کونڈی ورے، رتناگیری، مہاراشٹر میں وقت کی ایک اہم ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک عظیم الشان دار العلوم قائم فرمایا تو اس کا نام "دار العلوم امام احمد رضا" تجویز کیا۔ آج یہ ادارہ نہ صرف رتناگیری کے اندر بلکہ پورے مہاراشٹر کے اندر ایک لائقِ تقلید، مثالی اور منفرد دار العلوم کی حیثیت کا حامل ہے۔ جس کی روح پرور خوشبو سے پورا مہاراشٹر معطر ہے۔ اس وقت اس دار العلوم کے اندر تقریباً ساڑھے چار سو بچے بچیاں دن رات باصلاحیت اور ذی استعداد علماء و فضلاء اور اساتذہ کے زیر سایہ خوش گوار و اطمینان بخش ماحول میں حصولِ تعلیم میں مصروف ہیں۔
طلباء کے خورد و نوش، مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اور دیگر تعلیمی و تعمیری امور کے سارے

اخراجات محترم الحاج اسماعیل احمد جانی صاحب اور ان کے مخلص رفقاء برداشت کرتے ہیں. یقینًا موصوف کا یہ حسن عمل اور موجودہ دور میں ایثار و قربانی کا یہ بے مثال انداز اہل دول کے لئے ایک مشعلِ راہ ہے. دارالعلوم ہٰذا میں حفظ قرآن. قرارت تجوید اور درس نظامیہ کی تعلیم کا مکمل بندوبست ہے. دارالعلوم کی کئی منزلہ عمارت نہایت خوب صورت اور پرشکوہ ہے. طالبات کے ہر کمرے میں درس حدیث کے لئے مائک نصب ہے. شیخ الحدیث صاحب بذریعۂ لاؤڈ اسپیکر بیک وقت تمام بچیوں کو درس دیتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی شاندار ہے. ہر طالب علم اسلامی آداب و اخلاق کا بھرپور خیال رکھتا ہے — الغرض! حاجی صاحب قبلہ انتہائی خوش رو، اور خوش خلق ہیں. آپ کی ہر ہر ادا سے صحابۂ کرام کی یاد تازہ ہوتی ہے آپ حضور مفتی اعظم سے بیعت ہیں اور تاجدار مارہرہ مطہرہ حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل ہے ملک و بیرون ملک میں آپ کے مریدین و معتقدین کثیر تعداد میں ہیں جو اپنے اپنے انداز میں فروغ سنیت کے لئے کام کر رہے ہیں —

دارالعلوم امام احمد رضا کو مدد دیتے رہنا [illegible] وقت کی اہم ضرورت

ادارۂ استقامت سے آپ کی گہری وابستگی و دلچسپی لائق صد تحسین و مبارکباد ہے. ادارۂ استقامت اس دین پروری، سنیت نوازی پر الحاج اسماعیل احمد جانی صاحب مدظلہٗ العالی اور ان کے تمام رفقاء بالخصوص الحاج عبدالرحمٰن جانی صاحب مداح رسول شعیب بھائی، محترم آفتاب بھائی اور جناب قاری غلام رسول صاحب اور جمیع احباب اہلسنت کا بصمیم قلب شکر گزار ہے اور دعا گو ہے کہ رب العزت بطفیل آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم موصوف کے درجات و مراتب میں بلندی عطا فرمائے.

نیز صحت و تندرستی کے ساتھ زمانۂ دراز تک عالم سنیت پر آپ کے سایۂ عاطفت کو قائم و دائم رکھے آمین.

(ادارہ)

پرشکوہ عمارت جامعہ اشرفیہ
اظہار العلوم برہانپور

جامعہ اشرفیہ
اظہار العلوم
برہانپور ایم پی

مدھیہ پردیش کی مرکزی درسگاہ جس کی بنیاد ۱۹۵۰ء میں حضور محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف نے رکھی۔ درویش کامل۔ پیر طریقت الحاج الشاہ محمد عبد الغفور بخش اللہ شاہ اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان (بانی جامعہ اشرفیہ) نے اپنی مقدس زندگی اظہار العلوم کے فروغ و ارتقاء کیلئے وقف کر دی تھی۔ حضرت موصوف علیہ الرحمۃ کے روحانی فیوض و برکات کا ثمرہ ہے کہ مذکورہ درسگاہ یوماً فیوماً ترقی پذیر ہے۔ جامعہ کے مہتمم مبلغ ایشیا و افریقہ علامہ مولانا قاری عبد الرشید صاحب قبلہ اشرفی کی پیہم جد و جہد نے درسگاہ کے تعلیمی و تعمیری معیار میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ہر سال جامعہ سے علماء، قراء، حفاظ فارغ التحصیل ہو کر ملک و بیرون ملک میں اسلام و سنیت کی شعاعیں بکھیر رہے ہیں۔ دار الافتاء، دار الحدیث، دار الفقہ کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کیلئے مدرسۃ البنات بھی قائم ہے۔ قابل اور باصلاحیت مدرسین نے معیار تعلیم میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ طلباء کے قیام و طعام اور تمام ضروریات زندگی کے انتظامات جامعہ کے ذمہ ہیں دین پرور، مخیر اور ملت کے درد مند ولوں سے پرخلوص معاونت کی اپیل ہے

رابطہ کا پتہ
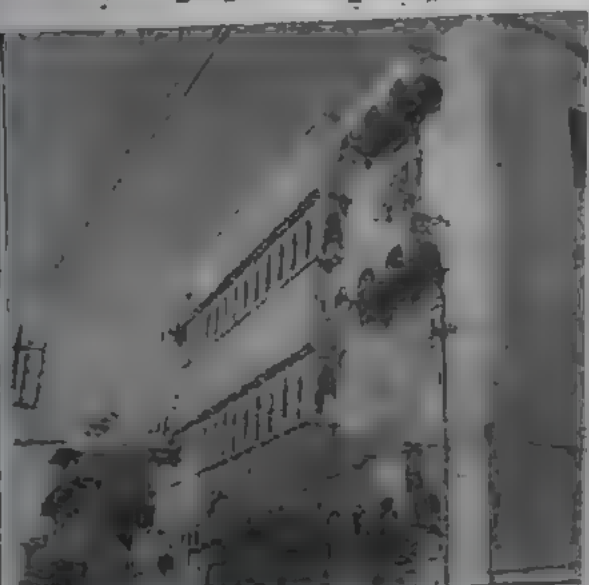
مولانا عبد الرشید صاحب اشرفی

مہتمم جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم

اشرف نگر۔ برہانپور۔ ایم۔ پی۔ انڈیا ۴۵۰۳۳۱

فون ۵۱۱۵۳

مشتہرین حضرات کے لیے

تحفظ عقائد نمبر کی ضخامت
کم وبیش ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے
ممتاز علماء اور مشیران ادارہ استقامت کے مشورہ
پر ہم عقائد نمبر کو دو جلدوں میں شائع کر
رہے ہیں۔ پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے
اس کی دوسری جلد بھی پریس جا چکی ہے جس میں
عقائد سے متعلق باقی ماندہ انتہائی اہم مضامین
پیش کئے جا رہے ہیں دوسری جلد ۵۰۰ سو
صفحات سے زائد ہوگی اس میں تمام
مشتہرین حضرات کے اشتہارات شائع ہو رہے ہیں
مشتہرین حضرات کو عقائد نمبر کی دونوں جلدیں ذریعہ
رجسٹری روانہ ہونگی (ادارہ)

لبیک اللھم لبیک

حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں۔ دین مصطفےٰ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

——— قرآن عظیم کا ارشاد ہے ———

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ——— "نیکی میں ایک دوسرے کا باہمی تعاون کرو۔"

اللہ کے بعض وہ مخصوص بندے جنہیں رب قدیر اپنے دین متین کی پُرخلوص خدمت کے لئے منتخب فرما لیتا ہے اور جنت الفردوس کا حقدار بنا دیتا ہے انہیں برگزیدہ بندوں میں درج ذیل چند وہ نیک بندے ہیں جنہوں نے اپنی پاک و پاکیزہ زندگی کو خدمت دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ رب قدیر اپنے حبیب پاک علیہ الصلاۃ والتسلیمات کے صدقے میں ان تمام حضرات کو دونوں جہان کی لازوال برکتوں سے مالا مال فرما اور جزائے خیر سے نواز دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم ——— ظہیر الدین قادری

- شہزادۂ خانوادۂ برکات حضرت قبلہ سید محمد اشرف صاحب برکاتی مارہرہ مطہرہ
- پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ کمیل اشرف صاحب کچھوچھہ شریف
- بابائے ملت حضرت مولانا سید شاہ تنویر اشرف صاحب کچھوچھہ شریف
- شیخ ملت حضرت العلام سید شاہ حسن مثنیٰ صاحب اشرفی بمبئی
- فخرِ قوم حضرت العلام الحاج اسماعیل احمد جانی قادری برکاتی رضوی بانی دار العلوم امام احمد رضا کونڈیورے رتناگیری
- اشرفی ٹریڈنگ کمپنی
- حضرت مولانا جزیل احمد صاحب
- حضرت مولانا محمد محسن صاحب
- عالیجناب عبد الرحمان احمد جانی صاحب قادری رضوی
- الحاج نور محمد صاحب مبلغ دعوتِ اسلامی
- الحاج محمد بھائی قادری رضوی حشمتی
- الحاج غلام محمد مصطفےٰ صاحب قادری
- الحاج جناب محمد آفتاب صاحب قادری
- الحاج عبد العزیز راجا صاحب
- محترم الحاج رحمٰن خالد صاحب
- الحاج محترم مولانا قاری غلام رسول صاحب
- الحاج محترم محمد افضل بھائی
- مداح رسول الحاج محمد شعیب صاحب قادری
- محترم جناب ڈبہ بھائی
- الحاج جان محمد صاحب
- محترم یوسف بھائی
- محترم اکبر بھائی
- محترم لیاقت بھائی
- الحاج محمد الیاس صاحب بمبئی

ISAL-E-SAWAB + DUA-E-HAYAT

1- AAISHA BAI, HAJI IBRAHIM
2- HAJI IBRAHIM
3- MARYAM BAI, HAJI M. SIDDIQUE
4- HAJI MD. SIDDIQUE
5- KHADIJA BAI, M YUSUF
6- MOHAMMED YUSUF, M. SIDDIQUE
7- ABOO

(۱) عائشہ بائی حاجی ابراہیم (۲) حاجی ابراہیم
(۳) مریم بائی حاجی ایم صدیق (۴) حاجی محمد صدیق
(۵) خدیجہ بائی ایم یوسف (۶) محمد یوسف ایم صدیق (۷) ابو

الٰہ العالمین جملہ اہلِ خاندان مرحومین کی مغفرت فرما۔ اہل عیال و متعلقین کو نعمت و جنت دے

طالبِ دعا: بندۂ ناچیز
تیرے کرم کا سائل محمد آفتاب

تحفظ عقائد نمبر
تحفظ عقائد نمبر کی
اشاعت پر
ادارۂ استقامت کو
پُرخلوص مبارکباد
منجانب :- مِلتِ اسلامیہ کا مخلص خادم
سید اختر حسین رضوی
رضوی بلڈرز باندرہ بمبئی
RIZVI BUILDERS BANDRA BOMBAY-400 050.

تاریخ ساز
تحفظ
عقائد نمبر
کی
اشاعت پر
ادارہ استقامت
کو
پرخلوص مبارکباد
سرکار بلڈرس
باندرہ (ویسٹ) بمبئی
SARKAR
BUILDERS
HOTEL METRO PALACE BLDG.
355, HILL ROAD, BANDRA (WEST),
BOMBAY-400 050.
☎ 640 2466 • 640 2526
RESI. : 837 7360

فرمایا رسول محترم علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں
سے محبت فرماتا ہے ایک وہ جو رات
کو اٹھ کر قرآن پڑھے دوسرا وہ جو
اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات کرے
اور اسے چھپائے۔ تیسرا وہ جو کسی لشکر میں
تھا کہ اسکے ساتھی بھاگ گئے تو یہ دشمن
کا مقابلہ کرتا رہا۔ (ترمذی)
پروردگار! قول مصطفیٰ کے صدقے
میں ہمارے والد حاجی بشارت علی مرحوم
والدہ الفاتن مرحومہ اور مرحوم شرف الدین
صاحب کو کروڑ کروڑ جنت نصیب
فرما۔ کاروبار میں ترقی ایمان کی سلامتی
اور بے شمار برکتوں سے مالا مال فرما
آمین
رحمت کا طالب
بابو محمد معین رئیس ملت
راجگانگپور ضلع سندرگڈھ اڑیسہ
طالب دعا
ڈاکٹر اسرار احمد
راجگانگپور۔ اڑیسہ
RAISE MILLAT BABU MD. MOIN RAJGANGPUR
DIST, SUNDARGARH (ORISSA)

حدیث شریف
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اسکی بدبو سے فرشتہ ایک میل دور ہٹ جاتا ہے
(ترمذی)
مولائے کریم و کارساز!
اپنے محبوب کے قول پاک کے صدقے ہمیں
ایمان و امان صحت و سلامتی کی بیش بہا
دولت سے سرفراز فرما بمصائب و آلام سے نجات دے
ہر دو کاروبار میں برکت و ترقی عطا فرما۔ آمین
دعائے مغفرت
۱۔ عبدالکریم کپاڈیہ مرحوم
۲۔ حوابی محمد حنیف مرحوم ۳۔ حشمت خان مرحوم
۴۔ حاجی انجم محمد صدیق مرحوم c/o شکیل محمد صدیق
منجانب
افضل عبدالکریم کپاڈیہ
ISAL-E-SAWAB
ABDUL KARIM KAPADIA MARHOOM
HAWWA BI, MD. HANIF MARHOOM
HASHMAT KHAN MARHOOM
HAJI ANJUM, MD. SIDDIQUE MARHOOM
C/o SHAKIL MD. SIDDIQUE
FROM : AFZAL ABDUL KARIM KAPADIA
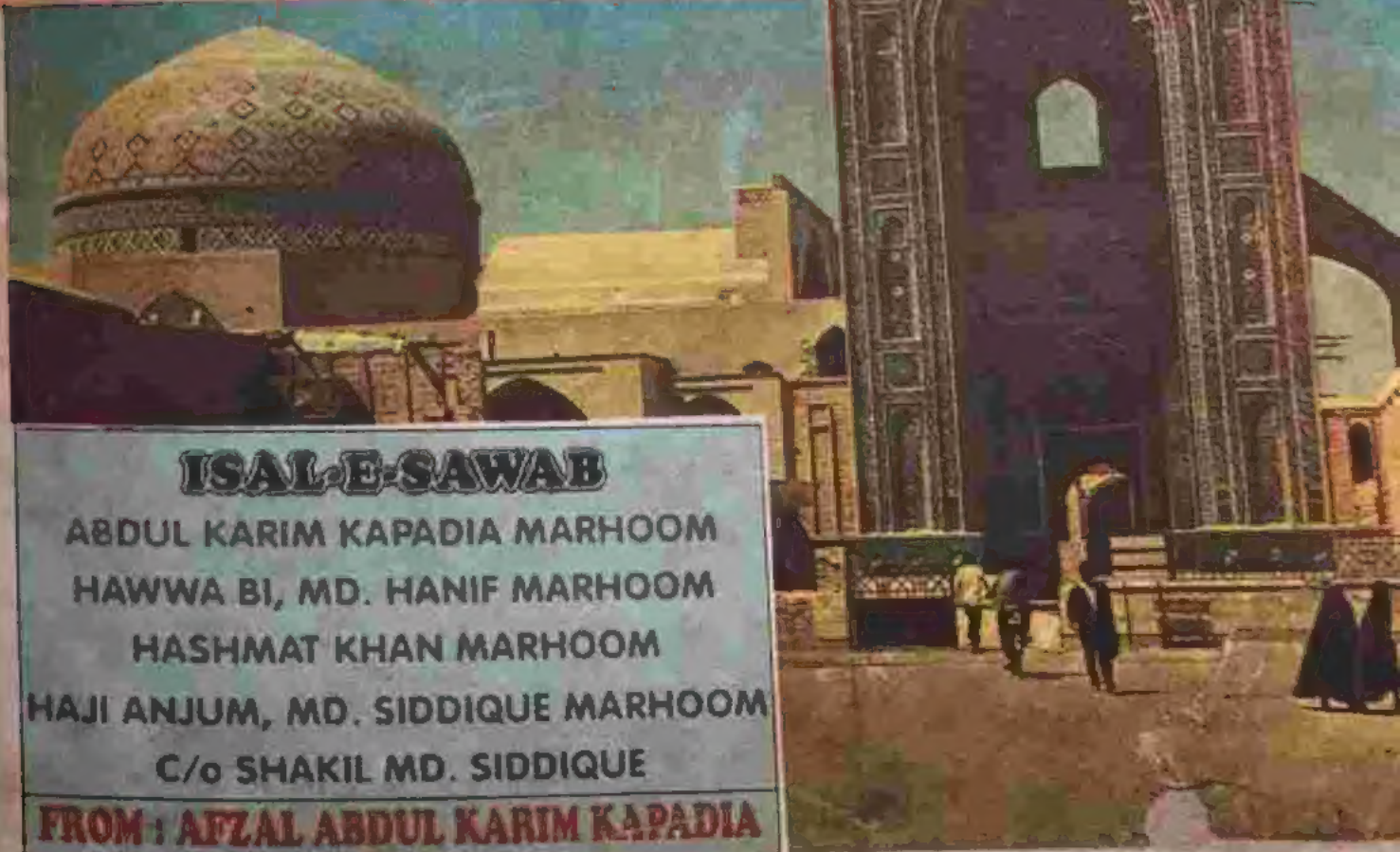
خواجہ باغ
KHWAJA BAUG
A dream of Mohd. Sher Khan
(Prestigious Indira Gandhi Environment Award Winner)
Khwaja Baug, Sa Dist. Chittorgarh (Rajasthan), Pin Tel. 36 Res. 37
اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است
ساوا ضلع چتوڑگڑھ راجستھان کا سدابہار "باغ خواجہ" بھارت میں اپنی مثال آپ ہے۔ باغ خواجہ
کے منوں منوں تازہ پھول ہر جمعرات کو بارگاہِ غریب نوازؒ میں نذر کئے جاتے ہیں۔ قوم وملت کا ایک حسین
و خوبصورت خواب جس کی تعبیر خواجہ باغ ہے۔ بے شمار درختوں اور پھولوں سے مہکتا لہکتا اور جگمگاتا
سرسبز و شاداب خواجہ باغ اپنی رعنائیوں اور تابانیوں کے لئے مشہور ہے۔ خواجہ باغ کا تفصیلی
جائزہ لینے کے بعد بلا مبالغہ یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎
اگر جنت کہیں ہوتی زمیں پر
یہیں ہوتی یہیں ہوتی یہیں پر
خواجہ باغ کا بانئ والئ اور مالی ہے بھارت کا وہ نوجوان بہادر شیر جسے
دُنیا محمد شیر خان کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے
چمنستانِ رسالت کا عندلیب، قوم کا ہمدرد، ملک کا وفادار، ملت کا غم خوار
مصطفٰے جانِ رحمت کا دیوانہ محمد شیر خان (ساوا) کی شخصیت پر
غوث و خواجہ کا مستانہ ادارۂ استقامت
بصمیم قلب نذرانۂ محبت و خراجِ عقیدت
پیش کرتا ہے۔ اور دعاگو ہے ———— تم سلامت رہو ہزار برس
مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب و محبوب کے صدقے میں موصوف کے درجات مزید بلند فرمائے — اور
دونوں جہان کی لازوال برکتوں، رحمتوں، دولتوں، نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین
شکر گزار و دعاگو۔ محمد ظہیر الدین قادری ایڈیٹر استقامت کانپور۔ یوپی

حدیث شریف
رسول پاک نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مومن کے
ترازو میں سب سے وزنی چیز اسکی خوش اخلاقی ہوگی (مشکوٰۃ شریف)
دعا: یا اللہ اپنے محبوب کے فرمان کے طفیل ہمارے گناہوں کی مغفرت
فرما صحت و تندرستی عطا فرما۔ اور دونوں جہان کی برکتوں سے مالا مال فرما۔ آمین.
محتاج کرم
الحاج زکریا اگھاڑی
صدر میمن کوآپریٹیو بینک
بمبئی

DARUL ULOOM AHLE SUNNAT
ASHRAF NAGAR, MADAR TEKRI, JABALPUR, M.P. TEL.:341396 TELEGRAM: RAHBER.
ٹیلی فون۔ ۳۴۱۳۹۶
ٹیلیگرام۔ رہبر جبل پور
دارالعلوم اہل سنت
اشرف نگر، مدار ٹیکری
جبل پور۔ (ایم۔پی)
مدھیہ پردیش کے اس عظیم الشان و مثالی دینی ادارے میں مہمانانِ رسول کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام ہے نیز ان کے قیام و طعام کی مکمل کفالت ادارے کے ذمہ ہے۔ ہر کارِ خیر کے موقع پر اس کے تعلیمی و تعمیری منصوبے کی تکمیل میں تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔
ترسیل زر و مراسلت کا پتہ۔ چودھری عبدالوحید اشرفی متولی دارالعلوم اہل سنت، اشرف نگر، مدار ٹیکری، جبل پور، ایم۔پی
اعلان مسرت
بابائے ملت حضرت علامہ سید تنویر اشرف جیلانی مہتمم دارالعلوم اہلسنت جبلپور کا ایک اور عظیم کارنامہ
سرزمین اشرف پور کچھوچھا شریف پر ایک عظیم مدرسہ امیر العلوم سمنانیہ کا قیام
تین سال کی قلیل مدت میں چار سو فٹ لمبی حسین ترین عمارت کی تعمیر جسے حضرت علامہ کی کرامت کہنا جھوٹ نہ ہوگا۔ اور آپ کو یہ جان کر انتہائی مسرت و شادمانی ہوگی کہ اب باضابطہ طور پر دو سال سے تعلیم کا آغاز ہو گیا اور طلبہ کیلئے قیام و طعام کا معقول انتظام ہے۔ تشنگان علوم دینیہ ذی استعداد اساتذہ کرام ہے۔ بہترین تعلیم و تربیت کیلئے مدرسہ امیر العلوم سمنانیہ میں داخلہ لیکر اپنا مستقبل روشن و تابناک بنائیں۔
پتہ، سید محمد اختر اشرفی جیلانی مدرسہ امیر العلوم سمنانیہ محلہ اشرف پور کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد یوپی